فتاوی رضویہ شریف کی مکمل 30 جلدوں کا خلاصہ واہم ترین عقائد و مسائل پر مشتمل کتاب

فیضانِ فتاوی رضویہ

مؤلف

ابو نعمان محمد عمران اشرف مدنی عطاری سلمہ الباری

تفصیلات

الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ
و علٰی اٰلک و اصحابک یا حبیب اللہ

نام اصل کتاب: فتاوی رضویہ (مخرجہ)
مصنف: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ
ناشر: رضا فاؤنڈیشن لاہور
تلخیص بنام: فیضانِ فتاوی رضویہ
مؤلف: ابونعمان عمران اشرف مدنی عطاری مدرس جامعۃ المدینہ (واہ کینٹ)
سن اشاعت: ۲۵ صفر المظفر عرس اعلیٰ حضرت 1444ھ، ستمبر 2022

ناشر: مکتبہ اہلسنت
پرتاول مہراج گنج اتر پردیش 273301 انڈیا

تعارفِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

تعارفِ آباء واَجداد :

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرَّحمٰن 10 شوال، 1272ھ مطابق 14 جون 1856ء کو ہند کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے، آپ صاحبِ ثروت دینی وعلمی گھرانے کے چشم وچراغ تھے۔ آپ کا نام محمد ہے، دادا نے اَحمد رضا کہہ کر پکارا اوراسی نام سے مشہور ہوئے، آپ کے آباء واَجداد (Ancestors) اَفغانستان کے صوبہ قندھار کے قبیلہ بڑہیچ کے پٹھان تھے، ہجرت کرکے مرکز الاولیاء لاہور آئے اور پھر دہلی چلے گئے، آپ کے والدعلاّمہ مفتی نقی علی خان قادری، دادا مولانا رضا علی خان نقشبندی اور پیرومرشد کا نام سیّد شاہ آلِ رسول مارہروی قادری رحمہم اللہ تھا جوعلم، مَعرِفت، تقویٰ وپرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔

بچپن :

اعلیٰ حضرت کا بچپن پاکیزہ اَخلاق، اِتباعِ سنت اورحُسنِ سیرت سے مُزَیَّن تھا، ابتدائی تعلیم والدِ گرامی سے حاصل کی، چار سال کی عمر میں ناظرہ قراٰنِ مجید ختم کرلیا، حافظہ ایسا مضبوط تھا کہ ایک دو بار سبق دیکھ کر کتاب بند کردیتے اور اُستاد کولفظ بہ لفظ سنادیتے، 6 سال کی عمر میں میلادُ النبی کے موضوع پر ایک بڑے اجتماع میں بیان فرمایا، پانچوں نمازیں تکبیرِ اُولیٰ کے ساتھ مسجد میں باجماعت ادا فرماتے، نگاہیں جھکا کر چلتے، 7 سال کی عمر سے رمضان کے روزے رکھنا شروع کردیئے۔

حصولِ علم:

صرف 13 سال 10 ماہ کی عمر میں اپنے والد سے تمام علوم کی تکمیل کے بعد سندِ فراغت حاصل کی اور پہلا فتویٰ تحریر فرمایا، پھر آخر وقت تک فتاویٰ تحریر فرماتے رہے۔ کم وبیش 70 علوم میں قلم اُٹھایا، قراٰن وحدیث سمیت ہر فن میں دَسترَس حاصل تھی، علمِ توقیت (Timings) میں تو اِس قدر کمال تھا کہ دِن میں سورج اور رات میں ستارے دیکھ کر اِس طرح گھڑی ملا لیتے کہ ایک منٹ کا بھی فرق نہ ہوتا، دِینی علوم، قراٰن، تفسیر، حدیث، اُصولِ حدیث، فقہ، اُصولِ فقہ، تَصَوُّف وغیرہ کے ساتھ دُنیوی علوم، علمِ ریاضی (Mathematic)، علمِ تکسیر، علمِ ہیئت (Astronomy) علمِ جَفَر وغیرہ میں بھی مہارت رکھتے تھے، پورا قراٰنِ مجید فقط ایک ماہ میں حفظ کرلیا تھا، آپ کی حاضر جوابی سے لوگ حیران وشَشدر رَہ جاتے، جوحوالہ بیان فرماتے بعینہٖ اِسی کتاب اور صفحے پر ہوتا ایک لائن کا بھی فرق نہ ہوتا، ہزاروں کتب اور لاکھوں مختلف علمی مسائل کا چلتا پھرتا ذَخیرہ تھے، اکثر تصنیف وتالیف میں مصروف رہتے، ترجمہ قراٰن کنزالایمان سمیت مختلف عنوانات پر اردو، عربی اور فارسی زبان پر مشتمل کم وبیش 1000 کتابیں لکھیں، فتاویٰ رضویہ جدید 30 جلدوں میں آپ کی علمیت کا نہایت عظیم شاہکار ہے۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد کم اور تلامذہ کی تعداد کثیر ہے۔

نکاح واولاد:

19 سال کی عمر میں نکاح فرمایا، کُل سات اولادیں ہوئیں، پانچ بیٹیاں اور دو بیٹے شیخُ العلماء وحُجّۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان، مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان، پھر ان سے مزید اولاد کا سلسلہ چلا۔

حج وزیاراتِ مکہ ومدینہ:

دوبار حج کی سعادت حاصل کی، پہلی بار والدین کے ساتھ گئے اور بڑے بڑے علمائے مکہ ومدینہ سے حدیث، فقہ، اُصولِ تفسیر ودیگر علوم کی سَنَدیں حاصل کیں، دوسری بار دیگر گھر والوں کے ساتھ گئے اور کِبار علمائے مکہ ومدینہ نے آپ سے سندیں وخِلافتیں حاصل کیں اور دونوں بار نہایت ہی اِعزاز واِکرام سے پیش آئے، دوسری بار روضہ مبارکہ پر حالتِ بیداری میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسَّلام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

عشقِ رسول :

آپ عشقِ حبیبِ خدا کا سَر تا پا نمونہ تھے محفلِ میلاد شریف میں ادباً دوزانو بیٹھے رہتے، ہر ہرادا سنتِ مصطفٰے کے مطابق ہوتی، پاؤں پھیلا کر نہ سوتے بلکہ اس طرح سوتے کہ جسم کی ہیئت لفظِ محمد جیسی ہوجاتی، پوری زندگی حضور علیہ الصَّلٰوۃ والسَّلام کی مدح وثنا کرتے رہے، عظیم الشان نعت گو شاعر تھے، آپ کا نعتیہ دیوان حدائقِ بخشش عشق ومحبتِ محبوبِ خدا عَلَیۡہِ التَّحِیَّۃُ وَالثَّنَاء کی خوشبوؤں سے مہک رہا ہے۔

عادات واَوصاف :

والدین کے ایسے اِطاعت گزار کہ دوسرے حج کیلئے بِلا اجازتِ والدہ جانا گوارا نہ کیا، علمائے اَہلِ سنّت کے ساتھ نہایت ہی عزت وتکریم (Respect) سے پیش آتے، خُصُوصاً ساداتِ کرام سے بہت محبت فرماتے، مسلمانوں کی دِل جوئی، حوصلہ افزائی اور اِصلاح کا جذبہ آپ کی ذات میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا تھا، بچوں پر شفقت فرماتے، بڑوں کا احترام سکھاتے، کبھی قہقہہ نہ لگاتے، جانبِ قبلہ نہ تھوکتے نہ ہی پاؤں پھیلاتے، کبھی وقت ضائع نہ فرماتے، بعدِ عصر عام ملاقات فرماتے، اپنی ذاتی اشیاء استعمال فرماتے، کھانے پینے پہننے کی کوئی چیز کسی سے نہ مانگتے، کبھی اتنا مال جمع نہ ہونے دیا کہ زکوٰۃ فرض ہوتی، جو بھی مال آتا راہِ خدا میں خرچ کردیتے، امیر وغریب میں امتیاز کی بجائے مُساوات فرماتے، غریبوں کو کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹاتے، ہمیشہ اُن کی امداد فرماتے، بَسا اوقات اپنے ذاتی استعمال کی اَشیاء بھی عطا فرمادیتے۔

تقویٰ وپرہیزگاری :

اعلیٰ حضرت نہ صرف فرائض وواجبات کی ادائیگی کے سختی سے پابند تھے، بلکہ سُنَن ونوافِل ومُستحَبّات کو بھی ترک نہ فرماتے، اِستنجاء وغیرہ کے سوا ہر فعل کی ابتداء سیدھی جانب (Right Side) سے فرماتے، تحریر وتقریر وغیرہ کسی بھی دِینی یا دُنیوی معاملے کے بدلے میں رقم یا ہدیہ وغیرہ قطعاً قبول نہ فرماتے، تکبر کو کبھی قریب نہ آنے دیا، ہمیشہ تواضع وعاجزی کو اختیار کیا، نہایت سادہ طبیعت کے مالک تھے، قیمتی ملبوسات وغیرہ سے بچتے، سادہ لباس زیبِ تن فرماتے۔

قَناعَت وتَوَکُّل :

آپ کی خوراک بہت کم تھی، پیٹ بھر کر کھانا تناول نہ فرماتے بلکہ بسا اوقات کئی کئی ایام تک کھانا ہی نہ کھاتے، البتہ کسی دعوت

پر تشریف لے جاتے تو وہاں میزبان کی دِلجوئی کی خاطر کھانا تناول فرما لیتے، آپ زمزم نہایت مرغوب تھا، خوب پیٹ بھر کر نوش فرماتے۔

شریعت کی پاسداری :

اعلیٰ حضرت ہر ہر معاملے میں شریعت کی پاسداری فرمایا کرتے، آپ کی دوستی یا بغض فقط اللہ کیلئے ہوتا تھا، کبھی کسی سے ذاتی انتقام (Revenge) نہ لیتے، بُرا بھلا کہنے والوں کو بھی معاف فرما دیتے، حُقُوقُ اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی حد دَرَجہ خیال فرماتے اگرچہ حقدار کوئی چھوٹا سا بچّہ ہی کیوں نہ ہوتا، البتہ ناموسِ رسالت کے بے باک اور نڈر محافظ تھے، اللہ رسول کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی خوب پکڑ فرمائی اور اُن کے ناپاک اِرادوں کو خاک میں ملا دیا اور انہیں کسی بھی طرح سَر نہ اُٹھانے دیا۔ الغرض اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک ہَمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔

سفرِ آخرت:

25 صفر المظفر 1340ھ بمطابق 1921ء بروز جمعۃ المبارک آخری وصیتیں قلمبند کروانے کے بعد آپ اس دارِفانی سے کوچ فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ کا مزارِ پُر اَنوار بریلی شریف میں ہے اور 25 صفر ہی کو ہر سال آپ کا یوم عرس دُنیا بھر میں منایا جاتا ہے۔

(ملخص از تذکرہ امام احمد رضا، حیات اعلیٰ حضرت)

اللہ کریم ہمیں اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ ربِّ العزت کی سچی محبت عطا فرمائے اور ان کی سیرتِ طیبہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

مختصر تعارف فتاوی رضویہ

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیفی میدان میں کم وبیش ایک ہزار ۱۰۰۰ کتب تصنیف فرمائیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی جس کتاب کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ جات پر مشتمل بنام اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّہ فِی الفَتَاوَی الرَّضَوِیَّہ ہے۔ اس علمی خزانے کی صرف دس خصوصیات پیش کی جاتی ہیں۔

ضخامت:

جدید تخریج کے بعد تیس (30) جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ تقریباً بائیس ہزار (22000) صفحات، چھ ہزار آٹھ سو سینتالیس (6847) سوالات وجوابات اور دوسو چھ (206) تحقیقی رسائل کا مجموعہ ہے جبکہ ہزاروں مسائل ضمناً زیرِ بحث آئے ہیں۔

خطبہ بے مثال :

فتاویٰ رضویہ کے ابتدائی خطبہ میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نوّے (90) اسمائے ائمہ وکتبِ فقہ کو بطورِ براعتِ اِستہلال (علمِ بدیع کی ایک صنعت کا نام) استعمال کرتے ہوئے اس انداز سے ایک لڑی میں پرو دیا کہ اللہ پاک کی حمد وثنا بھی ہوگئی اور ان اسمائے مقدّسہ سے تبرّک بھی حاصل ہوگیا۔

اُسلوبِ تحقیق :

فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کسی مسئلہ کی تحقیق میں پہلے لغوی معنی، اصطلاحی تعریف، تقسیم، پھر بحث سے متعلق قسم

کا تعین، پھر زیرِ بحث قسم کا حُکمِ شرعی بیان کرتے ہوئے قراٰن، حدیث اور اجماع ہو تو نقل کرنے کے بعد اختلاف کی صورت میں مذاہبِ ائمہ ورنہ حنفی مسلک کو بیان کرتے ہوئے ائمہ، مشائخ اور اصحابِ فتویٰ کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

مرجع عوام وعلماء:

فتاویٰ رضویہ کے سائلین میں عوامُ النّاس کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے بڑے بڑے علما وفضلا، محدثین وفقہا شامل تھے، جو پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع فرماتے۔

عقائدِ اہلِ سنّت کا دِفاع :

فتاویٰ رضویہ میں فقہی تحقیقات کے علاوہ عقائدِ اہلِ سنّت کے دِفاع میں بھی کئی رسائل شامل ہیں، جن کے ذریعے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ سنّت کے عقائد کی دُرست تصویر پیش کی۔

مُعتمَد علَیہ فتاویٰ :

فتاویٰ رضویہ فقہ حنفی کا مستند فتاویٰ ہے۔ علما ومفتیانِ کرام فتویٰ دینے میں دیگر کتابوں کے ساتھ ساتھ اس علمی ذخیرے کی طرف بھی رجوع فرماتے ہیں۔

متعدّد علوم کا جامع:

فتاویٰ رضویہ صرف فقہی مسائل پر ہی مشتمل نہیں بلکہ دیگر بیسیوں علوم وفنون کا بھی عظیم مجموعہ ہے، جن میں حدیث، تفسیر، علمِ الکلام، سائنس، توقیت، ریاضی، منطِق، فلسفہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

دلائل کے انبار :

دلائل واِستشہادات کی جو کثرت فتاویٰ رضویہ میں ہے اس کی صرف ایک جھلک لَمْعَةُ الضُّحٰی فِي اِعْفَآءِ اللُّحٰی جیسا تحقیقی فتویٰ ہے۔ اس رسالہ میں 18 آیات، 72 احادیث اور 60 ارشاداتِ علما وغیرہ کل ڈیڑھ سو نُصُوص کے ذریعے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مشت داڑھی کا واجب ہونا ثابت فرمایا۔

جواب بمطابق سوال :

سائل کا سوال جس زبان میں ہو فتاویٰ رضویہ میں اسی زبان میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

تاریخی نام : فتاویٰ رضویہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے رسائل کے نام تاریخی ہوتے ہیں جن کے ذریعے ان رسائل کا سنِّ تحریر نکالا جاسکتا ہے۔

اگلوں نے تو لکھا ہے بہت علمِ دین پر
جو کچھ ہے اس صدی میں وہ تنہا رضا کا ہے

(اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور فتاوی رضویہ شریف کا تعارف دعوتِ اسلامی کی ویب سائٹ www.dawateislami.net سے نقل کیا گیا ہے۔)

پیش لفظ

☆ فتاوی رضویہ شریف تیس ۳۰ مخرجہ جلدوں پر مشتمل ضخیم فتاوی ہے اور بلاشبہ عقائدِ اہلسنت اور فقہ حنفی کے مسائل و دلائل کا ایک عظیم ذخیرہ ہے جس میں فقہی مسائل پر جزئیات وحوالہ جات کا انبار اور اختلافی مسائل میں راجح اقوال کا خزانہ موجود ہے جس کی اہمیت و افادیت اہلِ علم پر مخفی نہیں مگر اس کی مکمل ۳۰ جلدوں کا مطالعہ کرنا نفس پر بڑا شاق ہے اور فی زمانہ علم دین سے دوری کی وجہ سے مطالعہ کا ذوق بھی کسی سے مخفی نہیں اس لئے فقیر نے فتاوی رضویہ کی تلخیص کی کوشش کی تا کہ جو حضرات فتاوی رضویہ کا مکمل مطالعہ نہیں کر سکتے کم از کم وہ نفسِ مسئلہ اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہی جان لیں اور جسے مزید شوق ہو تو پھر وہ فتاوی رضویہ سے مزید دلائل وفقہی جزئیات کا بھی مطالعہ کر لے اسی لئے اس تلخیص میں دلائل وفقہی جزئیات وعربی عبارات نقل نہیں کی گئیں بلکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ عام طور پر دلائل وفقہی جزئیات سے قبل جواب کا خلاصہ یا آخر میں نفسِ مسئلہ کا جو خلاصہ ''بالجملہ'' کہہ کر بیان فرماتے ہیں اسے نقل کیا گیا ہے۔

☆ عوام الناس عام طور پر اگر دلائل واختلاف پڑھیں تو ان کے لئے نفسِ مسئلہ و اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا موقف جاننا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے بھی دلائل واختلافات کو نقل نہیں کیا گیا۔

☆ فتاوی رضویہ شریف چونکہ فتاوی کی کتاب ہے اس لئے سائلین کے ایک ہی طرح کے سوالات کی وجہ سے بسا اوقات ایک ہی جیسے جوابات کی تکرار ہو جاتی ہے تو ان جوابات میں ہماری نظر میں جو زیادہ جامع ومفید جواب تھا وہ ہم نے نقل کیا تا کہ ایک ہی مسئلے کی تکرار نہ ہو۔

☆ بالخصوص اس فتنوں کے دور میں بنیادی عقائد کے تحفظ کے لئے عقائد میں امامِ اہلسنت کے موقف سے آگاہی بھی بہت ضروری ہے الحمدللہ عقائد میں بھی موقفِ اعلیٰ حضرت نقل کر دیا گیا ہے اور عقائد کی اہمیت کے پیشِ نظر فہرست کے آخر میں الگ سے عقائد کی ضمنی فہرست بھی دے دی گئی ہے۔

☆ امام اہلسنت کی سیرت کے مختلف حسین پہلو خود امام اہلسنت کے قلم سے جاننے کے لئے فتاوی رضویہ میں موجود اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معاملات وواقعات کی بھی الگ ضمنی فہرست دی گئی ہے۔

☆ فتاوی رضویہ کی جلدوں اور ابواب کی ترتیب کے مطابق ہی بالترتیب تلخیص کی گئی ہے البتہ اگر کوئی بات کسی اور جلد میں موجود بات سے مطابقت رکھتی تھی تو اسے جلد وصفحہ نمبر کے حوالے کے ساتھ وہاں ذکر کر دیا گیا ہے مگر ایسا بہت کم ہوا ہے۔

☆ اس تلخیص سے قبل بھی فتاوی رضویہ شریف کی مختلف حضرات نے تلخیص کی ہے جن میں کچھ مسائل کے ساتھ ساتھ دلائل کی

تلخیص پر مشتمل ہونے کی وجہ سے طویل ہوگئی ہیں اور کچھ میں انتہائی اختصار ہے۔اللہ پاک ان حضرات کی کوششوں کو بھی قبول فرمائے۔بحمداللہ یہ ایک متوسط تلخیص ہے اوران شاءاللہ خیرُ الاُمُورِ اَوسَطُھَا کی مصداق ہے۔

☆ تلخیص کے لیے تیس 30 جلدوں پر مشتمل فتاوی رضویہ مخرجہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور کو ماخذ بنایا گیا ہے۔

☆ تلخیص میں بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو ہی نقل کیا گیا ہے اپنی طرف سے کوئی عبارت نہیں لکھی گئی اوراختصار کے پیش نظر تسہیل بھی نہیں کی گئی ہے البتہ اگر کسی مقام پر ضرورتا کچھ لکھا بھی ہے تو اسے قوسین () میں لکھ دیا گیا ہے اوراس کا فونٹ بھی چھوٹا رکھا گیا ہے تاکہ اصل عبارت سے امتیاز رہے۔

☆ حوالے میں فقط اصل جلد کا صفحہ نمبر لکھ دیا گیا ہے۔مثلاً ص26

☆ عربی عبارت کی جگہ بھی اکثر فقط ترجمہ ہی نقل کیا گیا ہے۔

☆ قرآنی آیات کوان قوسین { } کے مابین لکھا گیا ہے۔

☆ اکثر جگہ سوال نقل کرنے کی بجائے مقصودی ہیڈنگ دے کر جواب نقل کر دیا گیا ہے البتہ کئی جگہ مکمل اور کئی جگہ ترمیم، ومشکل الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ سوال بھی نقل کئے گئے ہیں۔

☆ یادرہے کے اصل فتاوی رضویہ میں اوراس تلخیص میں بھی جہاں عبارت کے ترجمہ کے بعد بریکٹ میں اس طرح (ت) لکھا ہوتا ہے وہ کسی مترجم کا ترجمہ ہوتا ہے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نہیں ہوتی۔

☆ تبرکاً اس تلخیص کا نام "فیضانِ فتاوی رضویہ" رکھا گیا ہے۔

☆ میری عوام اہلسنت اور بالخصوص درسِ نظامی کے طلباءِ کرام سے مدنی التجاء ہے کہ کم ازکم عقائد ومسائل میں امامِ اہلسنت کا موقف جاننے کے لئے اس تلخیص کا اول تا آخر ضرور مطالعہ کریں اس کا فائدہ آپ خود جان جائیں گےاور جو بات مشکل لگے تو علمائے اہلسنت اوراپنے اساتذہ کرام سے ضرور رہنمائی لے لیں۔

☆ اگرکوئی فتاوی رضویہ کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا چاہےتو اسے مدنی مشورہ ہے کہ وہ ہرجلد یا رسالہ یا طویل فتوی پڑھنے سے قبل اس کی تلخیص اس کتاب سے پڑھ لےتو ان شاءاللہ اسے اصل فتاوی رضویہ سمجھنے میں کافی آسانی ہوگی۔

☆ آخر میں گزارش ہے کہ جو بھی اس تلخیص سے فائدہ حاصل کرے اس فقیر اور معاونین کے لئے بھی خاتمہ بالخیر اور بے حساب مغفرت کی دعاء ضرور کرے۔دعا ہے کہ اللہ پاک دنیا وقبر وحشر میں اس تلخیص کو ہمارے لئے نافع بنائے۔آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

☆ نوٹ: پہلا ایڈیشن جو ستمبر 2021 میں "والضحیٰ پبلی کیشنز" لاہور پاکستان سے چھپا تھا اس میں آیاتِ قرآنی پر اعراب نہ تھے اس ایڈیشن میں اعراب کا اہتمام کیا گیا ہے۔اور بڑی محنت سے اصل فتاوی رضویہ مخرجہ سے تقابل کر کے مکمل پروف ریڈنگ اور کئی مقامات پر تصحیح اور ترمیم بھی کی گئی ہے۔جن طلبہ نے پروف ریڈنگ میں ساتھ دیا اللہ پاک ان کو بھی علمِ نافع اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔آمین

فہرست

ضمنی فہرست

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین
اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد نمبر 1 (الف)

رسالہ: اَجلَی الاِعلام اَنّ الفتوٰی مُطلقًا علٰی قولِ الاِمام
(روشن تر آگاہی کہ فتوٰی قولِ امام پر ہے)

دلیل دو طرح کی ہوتی ہے:

(۱) **تفصیلی:** اس سے آگاہی اہلِ نظر و اجتہاد کا خاص حصہ ہے دوسرے کو اگر کسی مسئلے میں دلیلِ مجتہد کا علم ہوتا بھی ہے تو تقلیداً ہوتا ہے۔(۲) **اِجمالی:** جیسے باری تعالی کا ارشاد ہے: {فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ} ذکر والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں اور ارشاد ہے: {اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ} اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں صاحبِ امر ہیں، یہ اصحابِ امر برقولِ اَصح حضراتِ علماءِ کرام ہیں، اور سرکارِ اَقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب انہیں معلوم نہ تھا تو پوچھا کیوں نہیں عاجز کا علاج یہی ہے کہ سوال کرے'' (ت)۔ص 114

کسی قول کی نقل وحکایت اور کسی قول پر اِفتا دونوں ایک نہیں، ہم ایسے بہت سے اَقوال بیان کرتے ہیں جو ہمارے مذہب سے باہر کے ہیں اور کسی کو یہ وہم نہیں ہوتا کہ ہم ان اَقوال پر فتوی دے رہے ہیں اِفتا یہ ہے کہ کسی بات پر اعتماد کر کے سائل کو بتایا جائے کہ تمہاری مسئولہ صورت میں حکمِ شریعت یہ ہے، یہ کام کسی کے لئے بھی اس وقت تک حلال نہیں جب تک اسے کسی دلیلِ شرعی سے اس حکم کا علم نہ ہو جائے، ورنہ جزاف (اٹکل سے بتانا) اور شریعت پر اِفترا ہو گا اور ان اِرشادات کا مصداق بھی بننا ہو گا (۱) کیا تم خدا پر وہ بولتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں (۲) فرماؤ کیا اللہ نے تمہیں اذن دیا یا تم خدا پر اِفترا کرتے ہو (ت)۔ص 114

حقیقی وعُرفی فتوٰی

ایک حقیقی فتوی ہوتا ہے، ایک عرفی، فتوائے حقیقی یہ ہے کہ دلیلِ تفصیلی کی آشنائی کے ساتھ فتوی دیا جائے۔ ایسے ہی حضرات کو اصحابِ فتوٰی کہا جاتا ہے اور اسی معنی میں یہ بولا جاتا ہے کہ فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابو اللیث اور ان جیسے حضرات رحمہم اللہ تعالی نے فتوی دیا، اور فتوائے عرفی یہ ہے کہ اَقوالِ امام کا علم رکھنے والا اس تفصیلی آشنائی کے بغیر ان کی تقلید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو بتائے۔ جیسے کہا جاتا ہے: فتاوی ابنِ نجیم، فتاوی غزی، فتاوی طُوری، فتاوی خیریہ، اسی طرح زمانہ ورُتبہ میں ان سے فروتر فتاوٰی رضویہ تک چلے آیئے، اللہ تعالی اسے اپنی رضا کا باعث اور اپنا پسندیدہ بنائے، آمین (ت)۔ص 124

قول کی دو قسمیں ہیں (۱) قولِ صوری (۲) قولِ ضروری

اقول وباللہ التوفیق، قول کی دو قسمیں ہیں (۱) قولِ صوری (۲) قولِ ضروری

قولِ صوری: وہ جو کسی نے صراحۃً کہا اور اس سے نقل ہوا، اور

قولِ ضروری: وہ ہے جسے قائل نے صراحۃً اور خاص طور پر نہ کہا ہو مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا، کبھی حکمِ ضروری، حکمِ صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے، ایسی صورت میں حکمِ صوری کے خلاف حکمِ ضروری راجح وحاکم ہوتا ہے یہاں تک کہ صوری کو لینا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکمِ صوری چھوڑ کر حکمِ ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے، مثلاً زید نیک اور صالح تھا تو عمرو نے اپنے خادموں کو صراحۃً علانیۃً زید کی تعظیم کا حکم دیا اور بار باران کے سامنے اس حکم کی تکرار بھی کی، اور اس سے ایک زمانہ پہلے ان خُدام کو ہمیشہ کے لئے کسی فاسق کی تکریم سے ممانعت بھی کر چکا تھا، پھر کچھ دنوں بعد زید فاسق معلن ہو گیا، اب اگر عمرو کے خدام اس کے مکرّر ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے اور اگر اس کی تعظیم ترک کر دیں تو اطاعت گزار ٹھہریں گے (ت)۔ص125

اسبابِ ستہ

اسی طرح اقوالِ ائمہ میں بھی ہوتا ہے (کہ ان کے حکمِ صوری کے خلاف کوئی حکمِ ضروری پالیا جاتا ہے) اس کے درج ذیل اسباب پیدا ہوتے ہیں (۱) ضرورت (۲) حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہے (۶) کوئی بڑا مفسدہ جس کا اِزالہ مطلوب ہے۔ (ت)۔ص126

قولِ امام چھوڑنے کا ایک اور باعث ہے جو اصحابِ نظر کے لئے خاص ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کی دلیل کمزور ہو، **اَقول یعنی** ان حضرات کی نظر میں کمزور، ان کے لئے یہاں قولِ امام چھوڑنے کا جواز اس لئے ہے کہ انہیں اسی کی اِتباع کا حکم ہے جو ان پر ظاہر ہو، باری تعالٰی کا ارشاد ہے: اے بصیرت والو! نظر و اعتبار سے کام لو۔ اور تکلیف بقدر وسعت ہی ہوتی ہے، تو ان کے لئے چھوڑنے کے سوا کوئی گنجائش نہیں۔ اور وہ اس کے باعث اِتباعِ امام سے باہر نہ ہوں گے، بلکہ امام کے اس طرح کے قولِ عام کے متبع رہیں گے، **اذا صح الحدیث فھو مذھبی** جب حدیث صحیح ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ (ت)۔ص131

صاحبین وامام اَعظم علیہم الرحمۃ میں اِختلاف ہو تو فتوی کن کے قول پر ہوگا؟

اقول: وباللہ التوفیق، ہمارے نزدیک جو مقرر اور طے شدہ ہے وہ ہماری بحثوں سے ظاہر ہو گیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسئلہ میں ان چھ اسبابِ تغیر سے کوئی رونما ہے یا نہیں، اور بر تقدیر اول حکم اس سبب کے تحت ہوگا، اور یہ امام کا قولِ ضروری ہوگا جس پر مطلقاً اعتماد ہے خواہ ان کا قولِ صوری، بلکہ ان کے اصحاب کا قول اور مرجّحین کی ترجیحات بھی اس کے موافق ہوں یا نہ ہوں کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہے اگر یہ سبب ان حضرات کے زمانے میں رونما ہوتا وہ بھی اسی پر حکم دیتے، امام کا قولِ ضروری ایسا امر ہے جس کے ہوتے ہوئے نہ روایت پر نظر ہوگی نہ ترجیح پر بلکہ وہی مرجّحین کا بھی قولِ ضروری ہے اس میں کسی زمانے کی پابندی بھی نہیں

کہ (فلاں زمانے میں سبب رُونما ہوتو قولِ ضروری ہوگا اور فلاں زمانے میں نہ ہوگا) بر تقدیرِ ثانی: (اس مسئلہ میں اسبابِ ستہ میں سے کوئی سبب نہیں) اگر اس میں امام سے کوئی روایت ہی نہ آئی تو یہ صورت ہمارے مبحث سے خارج ہے، اور بلاشبہ اس صورت میں مجتہدین فی المذہب کی جانب رجوع ہوگا، اگر روایت ہے تو امام سے روایت مختلف آئی ہے یا بلا اختلاف آئی ہے پہلی صورت میں رجوع ان ہی حضرات کی جانب ہوگا، اور جیسے بھی ہو قولِ امام رضی اللہ تعالی عنہ سے خروج نہ ہوگا۔ اور اختلاف سے میری مراد یہ نہیں کہ روایاتِ نوادر، ظاہرُ الروایہ کے خلاف آئی ہو اس لئے کہ جو ظاہرُ الرّوایہ سے خارج ہے مرجوع عنہ ہے (اس سے خود امام نے رجوع کرلیا ہے) جیسا کہ بحر، خیر رملی، شامی وغیرہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے، اور امام نے جس سے رجوع کرلیا وہ ان کا قول نہ رہ گیا، اس تحقیق پر ثابت قدم رہو۔

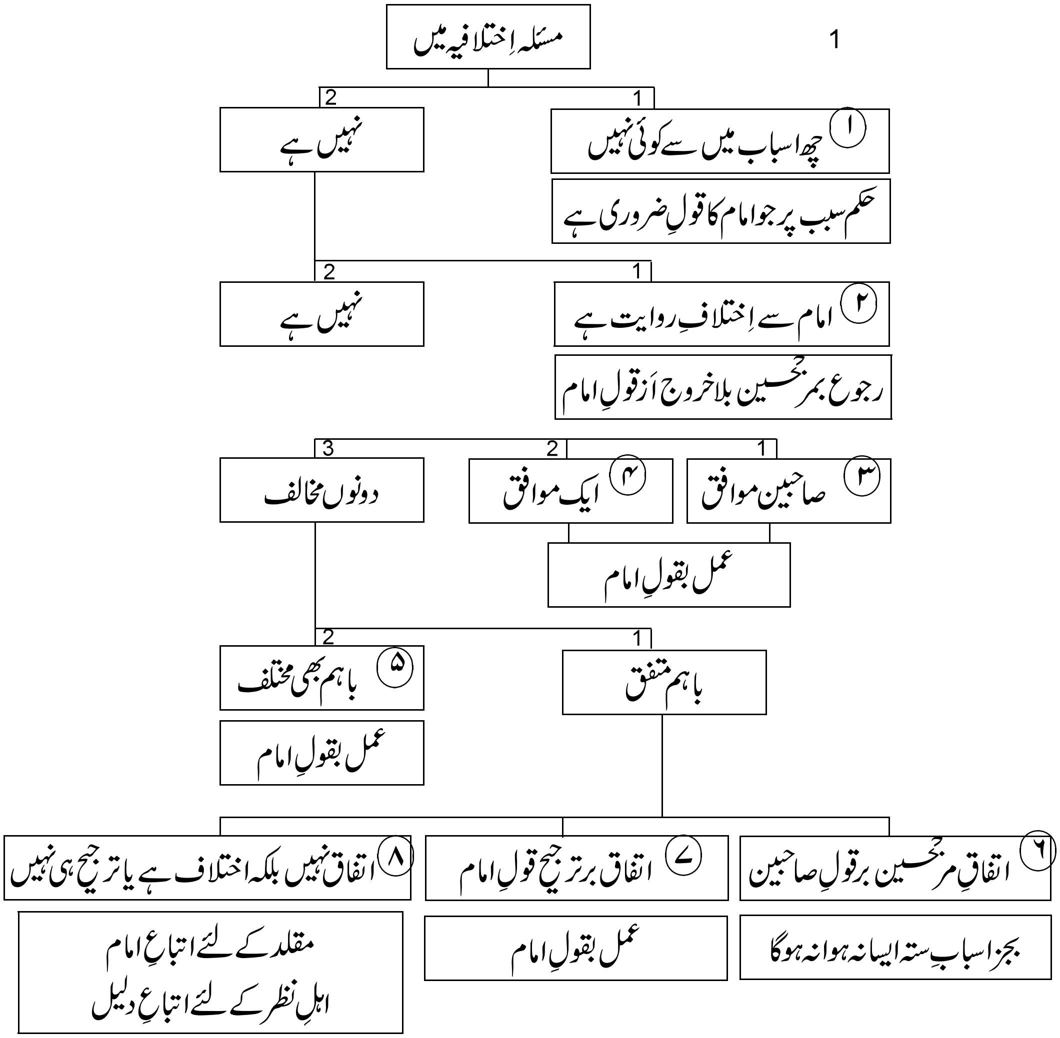
بصورتِ دوم (جب کہ روایت امام سے بلا اختلاف آئی ہے) (۱) یا تو صاحبین امام کے موافق ہوں گے (۲) یا صرف ایک صاحب موافق ہوں گے (۳) یا دونوں حضرات مخالف ہوں گے۔ پہلی صورت میں قطعاً قولِ امام پر عمل ہوگا اور کسی مجتہد فی المذہب کے لئے ان حضرات کی مخالفت روا نہیں، مگر اِستثنا یعنی اسبابِ ستہ والی صورتوں میں کہ یہ ان حضرات کی مخالفت نہیں، بلکہ اس کے خلاف جانے میں ان کی مخالفت ہے۔ یہی حکم دوسری صورت کا بھی ہے۔

بصورتِ سوم (۱) یا تو صاحبین کسی ایک حکم پر متفق ہوں گے (۲) یا امام کے مخالف ہونے کے ساتھ باہم بھی مختلف ہوں گے بصورتِ دوم، مطلقاً قولِ امام پر عمل ہوگا، اور بصورتِ اول (۱) یا تو مرجّحین قولِ صاحبین کی ترجیح پر متفق ہوں گے (۲) یا قولِ امام کی ترجیح پر متفق ہوں گے (۳) یا یہ دونوں صورتیں نہ ہوں گی، اس طرح کہ ترجیح کے معاملے میں وہ باہم اِختلاف رکھتے ہوں یا سرے سے کسی کی ترجیح ہی نہ آئی ہو۔

پہلی صورت: (صاحبین امام کے مخالف، باہم متفق ہوں اور تمام مرجّحین بھی ان ہی کی ترجیح پر متفق ہوں) نہ کبھی ہوئی نہ کبھی ہوسکتی ہے مگر ان ہی چھ اسباب میں سے کسی ایک سبب کی صورت میں اگر ایسا ہے تو ہم مرجّحین کا اِتباع کریں گے۔

دوسری صورت: (صاحبین مخالفِ امام ہیں، مرجّحین قولِ امام کی ترجیح پر متفق ہیں) میں ظاہر ہے کہ قولِ امام پر عمل ہوگا بالا جماع اس میں کسی دو فرد کا بھی باہم نزاع نہیں ہوسکتا، یہاں تک جو مسائل بیان ہوئے ان میں کوئی اختلاف نہیں اور سب میں یہی ہے کہ عمل قولِ امام ہی پر ہے جہاں بھی قولِ امام موجود ہو۔

تیسری صورت رہ گئی، یہ ان شقوں کی آٹھ صورتوں میں سے آٹھویں صورت ہے، اسی میں اِختلاف وارِد ہے، ایک قول ہے کہ یہاں بھی کوئی تخییر نہیں یہاں تک کہ مجتہد کے لئے بھی نہیں، بلکہ اسے قولِ امام ہی کی پیروی کرنا ہے اگر چہ اس کا اجتہاد قولِ صاحبین کو ترجیح دیتا ہو، ایک قول ہے کہ مطلقاً تخییر ہے اگر چہ غیر مجتہد ہو، اور کلماتِ علماء جس کی تصحیح پر متفق ہیں وہ یہ ہے کہ مجتہد اور غیر مقلد کا حکم یہاں الگ ہے، مقلد قولِ امام کی پیروی کرے گا، اور صاحبِ نظر قوتِ دلیل کی پیروی کرے گا۔ (ت) ۔ص 163



اِذعان کا معنی

اِقول: (میں کہتا ہوں) اِذعان درج ذیل چیزوں کو شامل ہے (۱) ظنِ غالب اور راجح رائے جو فقہی مسائل کے اندر یقین میں شامل ہے (۲) یقین بمعنی اَعم (۳) یقین بمعنی اَخص۔ یہ دونوں بابِ عقائد میں معتبر ہوتے ہیں۔ (ت)

جب ہمیں کسی بات کا اِذعان حاصل ہو تو اگر (۱) اس کے خلاف کا بالکل کوئی احتمال نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت تو یہ یقین بمعنی اَخص ہے، اور اگر (۲) احتمال ہو مگر ایسا احتمال جو بغیر کسی دلیل کے پیدا ہوا ہو تو یہ یقین بمعنی اَعم ہے جیسے وہ جسے ہم زید یقین کر رہے ہیں اس کے بارے میں یہ احتمال ہو سکتا ہے یہ کوئی جن ہو جس نے زید کی شکل اختیار کر لی ہے، ایسا احتمال ذرا بھی قابلِ لحاظ نہیں ہوتا، نہ ہی یہ علم کو درجۂ یقین سے نیچے لا سکتا، مگر جو اِحتمال کسی دلیل سے پیدا ہوا ہو، وہ یقین کو ظن بنا دیتا ہے۔ اور یہ تینوں ہی اِذعان کے تحت داخل ہیں۔ (ت)۔ ص 240

فرضِ اعتقادی وعملی اورواجبِ اِعتقادی وعملی کی تعریفات

مجتہد جس شے کی طلب جزمی حتمی اِذعان کرے، اگر وہ اِذعان بدرجۂ یقین معتبر فی اصول الدین ہو (اور اس تقدیر پر مسئلہ نہ ہوگا مگر مجمع علیہ ائمۂ دین) تو وہ **فرضِ اعتقادی** ہے جس کا منکر عند الفقہاء مطلقاً کافر، اور متکلمین کے نزدیک (منکر اس وقت کافر ہے) جب کہ مسئلہ ضروریاتِ دین سے ہو اور یہی عند المحققین اَحوَط واَسدّ (زیادہ احتیاط والا اور زیادہ درست ۔ت) اور ہمارے اساتذہ کرام کا مُعَوَّل ومعتمد (وثوق اور اعتماد والا ۔ت) ہے ورنہ (یعنی اگر اس مسئلہ پر تمام ائمہ کا اتفاق نہیں ہے **تو واجبِ اعتقادی** ہے، پھر اگر مجتہد کو بنظرِ دلائلِ شرعیہ جو اس پر ظاہر ہوئے اس طلبِ جزمی میں اصلاً شبہ نہیں، بایں وجہ اس کی نظر میں اس شے کا وجود شرطِ صحت وبراءتِ ذمہ بمعنی عدم بقائے اشتغال قطعی ہے، یعنی اگر وہ کسی عمل میں فرض ہو تو بے اس کے وہ عمل باطل محض ہو، اور مستقل مطلوب ہے تو بے اس کے براءتِ ذمہ نہ ہونے پر اسے جزم ہو **تو فرضِ عملی** ہے۔ اور اگر خود اس کی رائے میں بھی طلبِ جزمی جزمی نہیں **تو واجبِ عملی**، کہ بغیر اس کے حکمِ صحت حاصل اور براءتِ ذمہ محتمل۔ (اس بیان سے ان میں سے ہر ایک کی تعریف معلوم ہوگئی۔ت)۔ص 240

ضروریاتِ دین کی تفسیر

ضروریاتِ دین کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ دینی مسائل جن کو خواص وعوام سب جانتے ہوں **اَقول:** عوام سے مراد وہ لوگ ہیں جو دینی مسائل سے ذوق وشغل رکھتے ہوں اور علماء کی صحبت سے فیضیاب ہوں ... ورنہ بہت سے اَعرابی جاہل ... خصوصاً ہندوستان اور مشرق میں ... ایسے ہیں جو بہت سے ضروریاتِ دین سے آشنا نہیں .. اس معنی میں نہیں کہ ان ضروریاتِ دین کے منکر ہیں بلکہ وہ ان سے غافل ہیں۔ بڑا فرق ہے عدمِ علم اور علمِ عدم میں۔ (ت)۔ص 242

* وضو میں فرضِ اعتقادی یعنی ارکانِ اعتقادیہ اور فرضِ عملی۔ص 264 تا 287

کِن چیزوں کا بدن پر لگا رہ جانا وضو وغسل کا مانع نہیں؟

جس چیز کی آدمی کو عموماً یا خصوصاً ضرورت پڑتی رہتی ہے اور اس کے ملاحظہ واِحتیاط میں حرج ہے اس کا ناخنوں کے اندر یا اوپر یا اور کہیں لگا رہ جانا اگرچہ جرم دار ہو اگرچہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچ سکے، جیسے پکانے گوندھنے والوں کے لئے آٹا، رنگریز کے لئے رنگ کا جرم، عورات کے لئے مہندی کا جرم، کاتب کے لئے روشنائی، مزدور کے لئے گارا مٹی، عام لوگوں کے لئے کوئے یا پلک میں سرمہ کا جرم، بدن کا میل مٹی غبار، مکھی مچھر کی بیٹ وغیرہا کہ ان کا رہ جانا فرضِ اعتقادی کی ادا کو مانع نہیں۔ص 269

مدارِ کار ضرورت وحرجِ عام یا خاص پر ہے اگر حرج نہیں طہارت نہ ہوگی اگرچہ پانی سرایت کرے کہ مجرد تَرّی پہنچنا کافی نہیں بہنا شرط ہے، اور وہ قطعاً گارے وغیرہ جرم دار چیزوں میں بھی نہ ہوگا جب تک ان کا جرم زائل نہ ہو تو نرمی وسختی کا فرق بے کار ہے اور حرج وضرورت ہو اور طہارت کرلی اور ایسی چیز لگی رہ گئی اور نماز پڑھ لی تو معافی ہے اگرچہ سخت ومانعِ نفوذ ہو۔ص 290

کتنی داڑھی کا دھونا وضو میں فرض ہے کتنی کا مستحب؟

بھوؤں، مونچھوں، بُچّی کے نیچے کی کھال جب کہ بال چھدرے ہوں کھال نظر آتی ہو وضو میں دھونا فرض ہے، ہاں گھنے ہوں کہ کھال بالکل نہ دکھائی دے تو وضو میں ضرور نہیں، غسل میں جب بھی ضرور ہے۔ داڑھی چھدری ہو تو اس کے نیچے کی کھال دُھلنا فرض اور گھنی ہو تو جس قدر بال دائرۂ رُخ میں داخل ہیں ان سب کا دھونا فرض ہے، یہی صحیح ومعتمد ہے، ہاں جو بال نیچے چُھوٹے ہوتے ہیں اُن کا مسح سنّت ہے اور دھونا مستحب، اور نیچے ہونے کے یہ معنی کہ داڑھی کو ہاتھ سے ذَقن (ٹھوڑی) کی طرف دبائیں تو جتنے بال مُنہ کے دائرہ سے نکل گئے اُن کا دھونا ضروری نہیں باقی کا ضرور ہے، ہاں خاص جڑیں اُن کی بھی دھونی ضرور کہ اُن کا دھونا بعینہٖ کھال کا دھونا ہوگا اور گھنی داڑھی میں اس کا دھونا ساقط ہو چکا ہے۔ص282

مِسواک ایک بالشت سے زیادہ ہو تو اس پر شیطان بیٹھتا ہے

یہ قول امام عارف باللہ حکیم الامّہ سیدی محمد بن علی ترمذی قدس سرہ سے منقول ہے، درمختار میں ہے: **لایزاد علی الشبر والا فالشیطان یرکب علیہ** (مسواک ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو ورنہ اس پر شیطان بیٹھتا ہے۔ت)

حاشیہ طحطاویہ علی مراقی الفلاح میں ہے: مسواک جو استعمال کرنے والا ہے اس کی بالشت (1) بھر ہونی چاہئے اس لئے کہ جو زیادہ ہو اس پر شیطان بیٹھتا ہے۔(ت) اَقول: شک نہیں کہ ظاہر حقیقت ہے جب تک کوئی صارف نہ ہو (اور اس سے کوئی مانع نہیں اس لئے کہ شیطان موجود ہے اور اس کا بیٹھنا ممکن ہے اور حقیقتِ حال خدا ہی خوب جانتا ہے۔ت)

(1): استعمال کرنے والے کی بالشت مراد ہے یا متوسط بالشت؟ اس بارے میں سید طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں تردد ظاہر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی تنقیح کی ضرورت ہے اھ اور علامہ شامی نے کہا ہے کہ ظاہر، ثانی ہے اس لئے کہ مطلق بولنے کے وقت عموماً وہی مراد ہوتا ہے **اَقول:** خود علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ میں یہ عبارت نقل کی ہے جو پیشِ نظر ہے لیکن اسے "بعض" کی طرف منسوب کیا ہے اور "بعض" اگر کوئی ایسی شخصیت ہے جس کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے جب تو یہ اس باب میں نص ہے ورنہ ظاہر علامہ شامی کے ساتھ ہے، اور خدائے بزرگ وبرتر ہی کو خوب علم ہے ۱۲ منہ فیضہ (ت)۔ص309

حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ترکِ اَولیٰ واقع ہے؟

کسی چیز کا جواز بتانے کے لئے حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ترکِ اَولیٰ بے شمار مقامات میں واقع ہے اور یہ عمل (ترکِ اولیٰ اِفادۂ جواز کے لئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا اَولیٰ ہے اس لئے کہ سرکار قوانین واَحکام کی تبلیغ کا مصدر ومنبع ہیں اور فعل کے ذریعہ بیان زیادہ قوی ہوتا ہے جیسا کہ اس پر واقعہ حدیبیہ میں حضرتِ اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث شاہد ہے۔ص325

وضو کے بعد کپڑے سے منہ پونچھنا

بہتر ہے کہ بے ضرورت نہ پُونچھے، اُمراء ومتکبرین کی طرح اُس کی عادت نہ ڈالے اور پُونچھے تو بے ضرورت بالکل خشک نہ کرے قدرے نم باقی رہنے دے۔ص314

بالجملہ تحقیقِ مسئلہ وہی ہے کہ کراہت اَصلاً نہیں، ہاں حاجت نہ ہوتو عادت نہ ڈالے اور پُونچھے بھی توحتی الوسع نم باقی رکھنا اَفضل ہے۔ص328

تنبیہ: علماء میں مشہور ہے کہ اپنے دامن آنچل سے بدن نہ پونچھنا چاہئے اور اسے بعض سلف سے نقل کرتے ہیں اور ردالمحتار میں فرمایا: دامن سے ہاتھ منہ پونچھنا بھول پیدا کرتا ہے۔ اَقول: یہ اہلِ تجربہ کی اِرشادی باتیں ہیں کوئی شرعی ممانعت نہیں۔ص331

کھانے کے بعد اپنے عمامے وغیرہ لباس سے ہاتھ پونچھنا کب منع ہے

پہننے کے کپڑوں اور عمامہ سے ناجائز اسی لئے ہے کہ پونچھنے سے وہ خراب ہوجائیں گے اور مال خراب کرنا جائز نہیں۔اور اس سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ عدمِ جواز اس صورت میں ہے جب کھانے میں چکنائی یا ایسی بو ہو جو کپڑے میں ناپسند ہوتی ہے اگرچہ کھانے میں پسندیدہ ہو ورنہ بظاہر اس سے کوئی مانع نہیں تو اس بارے میں مراجعت وتنقیح کر لی جائے۔ص335

بالجملہ مجرد رطوبت کہ مرض (آشوبِ چشم) سے سائل ہو مطلقاً فی نفسہا ہرگز ناقض نہیں بلکہ اِحتمالِ خون وریم کے سبب۔ص359

امام حلوانی نے خارش اور آبلے والوں کے لئے اُسی میں وسعت بتائی کہ دانوں سے جو صاف ستھرا پانی نکلے نہ ناپاک ہے نہ ناقضِ وضو کہ رنگت کی صفائی اِحتمالِ خون وریم کو ضعیف کرتی ہے۔

یہاں بھی اگرچہ صحیح وہی ہے کہ صاف پانی بھی ناقض مگر نہ اس لئے کہ مطلقاً جو رطوبت مرض سے نکلے ناقض ہے بلکہ اُسی وجہ سے کہ دانوں آبلوں کے پانی میں ظنِ راجح یہی ہے کہ خون وریم رقیق ہوکر پانی ہوگئے (جیسا کہ امام فقیہ النفس قاضی خان سے نقل گزری۔ت)

بالجملہ اُن کے کلمات قاطبۃً ناطق ہیں کہ حکمِ نقض اِحتمال وظنِ خون وریم کے ساتھ دائر ہے۔ نہ کہ زکام سے ناک بہی اور وضو گیا، بحران میں پسینہ آیا اور وضو گیا، پستان کی قوت ماسکہ ضعیف ہونے سے دودھ بہا اور وضو گیا ہرگز نہ اس کا کوئی قائل نہ قواعدِ مذہب اس پر مائل۔ص363

مسئلہ: دانے سے جو صاف ستھرا پانی نکلے متعدد روایات میں پاک ہے اور اُس سے وضو نہیں جاتا۔ کھجلی والوں کو اس میں بہت وسعت ہے بحالِ ضرورت اس پر عمل کر سکتے ہیں اگرچہ قول صحیح اس کے خلاف ہے۔ص363

خون چھلکنے، اُبھرنے، بہنے کے فرق واحکام

یہاں تین صورتیں ہیں:

اَوّل: چھلکنا یعنی خون وریم وغیرہ نے اپنی جگہ سے اَصلاً تجاوز نہ کیا بلکہ اُس پر جو کھال کا پردہ تھا وہ ہٹ گیا، جس کے سبب وہ شے اپنی جگہ نظر آنے لگی پھر اگر وہ کسی چیز سے مس ہوکر اس میں لگ آئی مثلاً خون چھلکا اُسے انگلی سے چُھوا اُنگلی پر اس کا داغ آ گیا یا خلال کیا یا مسواک کی یا انگلی سے دانت مانجے یا دانت سے کوئی چیز کاٹی ان اشیاء پر خون کی رنگت محسوس ہوئی یا ناک انگلی سے صاف کی اُس پر سُرخی لگ آئی اور ان سب صورتوں میں اُس ملنے والی شے پر اَثر آ جانے سے زیادہ خود اُس خون کو حرکت نہ ہوئی تو

یہ بھی جگہ سے تجاوز کرنا نہ ٹھہرے گا کہ اُس میں آپ تجاوز کی صلاحیت نہ تھی اور اسی حکم میں داخل ہے یہ کہ دانہ آبلہ بدن کی سطح سے اُبھار رکھتا ہو، خون وریم اس کے باطن سے تجاوز کرکے اس کے منہ پر رہ جائے منہ سے اَصلاً تجاوز نہ کرے کہ وہ جب تک دانوں یا آبلوں کے دائرے میں ہیں اپنی ہی جگہ پر گنے جائیں گے اگرچہ آبلے کے جرم میں حرکت کریں یہ صورت بالاجماع ناقضِ وضو نہیں، نہ اس خون وریم کے لئے حکمِ ناپاکی ہے کہ مذہبِ صحیح ومعتمد میں جو حدث نہیں وہ نجس بھی نہیں، ولہٰذا اگر خارش کے دانوں پر کپڑا مختلف جگہ سے بار بار لگا اور دانوں کے منہ پر جو چیپ پیدا ہوتی ہے جس میں خود باہر آنے اور بہنے کی قوت نہیں ہوتی اگر دیر گزرے تو وہ وہاں کی وہیں رہے گی اُس چیپ سے سارا کپڑا بھر گیا ناپاک نہ ہوگا۔

یہی حالت خون کی ہے جبکہ اُس میں قوتِ سیلان نہ ہو یعنی ظنِ غالب سے معلوم ہو کہ اگر کپڑا نہ لگتا اور اُس کا راستہ کھُلا رہتا جب بھی وہ باہر نہ آتا اپنی جگہ ہی پر رہتا ہاں اگر حالت یہ ہو کہ خون بہنا چاہتا ہے اور کپڑا لگ لگ کر اُسے اپنے میں لے لیتا ہے تجاوز نہیں کرنے دیتا یہاں تک کہ جتنا خون قاصدِ سیلان تھا وہ اس کپڑے ہی میں لگ لگ کر پچھ گیا اور بہنے نہ پایا تو ضرور وضو جاتا رہے گا اور قدرِ درم سے زائد ہوا تو کپڑا بھی ناپاک ہوجائے گا کہ یہ صورت واقع میں بہنے کی تھی کپڑے کے لگنے نے اُسے ظاہر نہ ہونے دیا۔

دوم: اُبھرنا کہ خون وریم اپنی جگہ سے بڑھ کر جسم کی سطح یا دانے کے منہ سے اُوپر ایک بولے کی صورت ہو کر رہ گیا کہ اس کا جرم سطحِ جسم وآبلہ سے اُوپر ہے مگر نہ وہاں سے ڈھلا نہ ڈھلکنے کی قوت رکھتا تھا جیسے سُوئی چبھونے میں ہوتا ہے کہ خون کی خفیف بوند نکلی اور نقطے یا دانے کی شکل پر ہوکر رہ گئی آگے نہ ڈھلکی اور اسی قسم کی اور صُورتیں، ان میں بھی ہمارے علماء کے مذہبِ اَصح میں وضو نہیں جاتا، یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی اور اسی حکم میں داخل ہے یہ کہ خون یا ریم اُبھرا اور فی الحال اس میں قوتِ سیلان نہیں اُسے کپڑے سے پونچھ ڈالا دوسرے جلسے میں پھر اُبھرا اور صاف کردیا یوں ہی مختلف جلسوں میں اتنا نکلا کہ اگر ایک بار آتا ضرور بہہ جاتا تو اب بھی نہ وضو جائے نہ کپڑا ناپاک ہو کہ ہر بار اُتنا نکلا ہے جس میں بہنے کی قوت نہ تھی۔ ہاں جلسۂ واحدہ میں ایسا ہوا تو وضو جاتا رہے گا کہ مجلسِ واحد کا نکلا ہوا گویا ایک بار کا نکلا ہوا ہے۔ یوں ہی اگر خون اُبھرا اور اُس پر مٹی وغیرہ ڈال دی پھر اُبھرا پھر ڈالی اسی طرح کیا تو وضو نہ رہے گا۔ جب کہ ایک جلسے میں بقدرِ سیلان جمع ہوجاتا کہ یہ بہنے ہی کی صورت ہے اگرچہ عارِض کے سبب صرف اُبھرنا ظاہر ہوا اور ایک جلسے میں اتنا ہوتا یا نہ ہوتا اس کا مدار ٹھیک اَندازے اور غلبۂ ظن پر ہے۔

سوم: بہنا کہ اُبھر کر ڈھلک بھی جائے یا کسی مانع کے باعث نہ ڈھلکے تو فی نفسہٖ اتنا ہو کہ مانع نہ ہوتا تو ڈھلک جاتا جس کی صُورتیں اُوپر گزریں یہ شکل ہمارے ائمہ کے اِجماع سے ناقضِ وضو ہے اور کپڑا قدرِ درم سے زائد بھرے تو ناپاک۔ ہاں وہ بہنا کہ صرف باطنِ بدن میں ہو ناقض نہیں کہ باطنِ انسان میں تو خون ہر وقت دَورہ کرتا ہے آنکھوں کے ڈھیلے بھی شرعاً باطنِ بدن میں داخل ہیں۔ ولہٰذا وضو وغسل کسی میں یہاں تک کہ حقیقی نجاست سے بھی اُن کے دھونے کا حکم نہ ہوا تو اگر آنکھ کے بالائی حصّے میں کوئی دانہ پھوٹا اور خون وریم اُس کے زیریں حصّے تک بہہ کر آیا مگر آنکھ سے باہر نہ ہوا وضو نہ جائے گا اور حسبِ قاعدۂ معلومہ جب وہ حدث نہیں تو نجس بھی نہیں۔ پس اگر کپڑے سے اُسے پُونچھ لیا اور وہ کپڑا پانی میں گرا پانی ناپاک نہ ہوگا اور ناک کے سخت بانسے میں اِختلاف ہے کہ اگر خون دماغ سے اُتر کر اُس میں بہا اور نرم بانسے تک نہ پہنچا تو ناقضِ وضو ہوگا یا نہیں؟ مشہور تر یہ ہے کہ

وضو نہ جائے گا کہ ناک کا سخت حصہ بھی اندر سے یقیناً باطنِ بدن میں داخل ہے ولہذا وضو و غسل کسی میں اُس کا دھونا واجب نہیں، اور اَنْسَب یہ ہے کہ وضو کرلے کہ اس موضع کا دھونا اگر چہ واجب نہیں وضو و غسل دونوں میں سنّت تو ہے۔ص 370

رسالہ: نبہ القوم ان الوضوء من ایّ نوم (قوم کو تنبیہ کہ کس نیند سے وضوء فرض ہوتا ہے)۔ص 487

نیند دو شرطوں سے ناقضِ وضو ہوتی ہے:

اول: یہ کہ دونوں سرین اس وقت خوب جمے نہ ہوں۔

دوسرے: یہ کہ ایسی ہیئت پر سویا ہو جو غافل ہو کر نیند آنے کو مانع نہ ہو۔ جب یہ دونوں شرطیں جمع ہوں گی تو سونے سے وضو جائے گا اور ایک بھی کم ہے تو نہیں، مثلاً:

(۱) دونوں سُرین زمین پر ہیں اور دونوں پاؤں ایک طرف پھیلے ہوئے کرسی کی نشست اور ریل کی تپائی بھی اس میں داخل ہے۔

اَقول: مگر یورپین ساخت کی کرسی جس کے وسط میں ایک بڑا سوراخ اسی مہمل غرض سے رکھا جاتا ہے اس سے مستثنیٰ ہے اس کی نشست مانعِ حدث نہیں ہوسکتی۔

(۲) دونوں سرین پر بیٹھا ہے اور گھٹنے کھڑے ہیں اور ہاتھ ساقوں پر محیط ہیں جسے عربی میں اِحتبا کہتے ہیں خواہ ہاتھ زمین وغیرہ پر ہوں اگر چہ سر گھٹنوں پر رکھا ہو۔

(۳) دوزانو سیدھا بیٹھا ہو۔

(۴) چارزانو پالتی مارے۔

یہ صورتیں خواہ زمین پر ہوں یا تخت یا چارپائی پر یا کشتی یا شقدف یا شبری یا گاڑی کے کھٹولے میں۔

(۵) گھوڑے یا خچر وغیرہ پر زین رکھ کر سوار ہے۔

(۶، ۷) ننگی پیٹھ پر سوار ہے مگر جانور چڑھائی پر چڑھ رہا یا راستہ ہموار ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سب صورتوں میں دونوں سرین جمے رہیں گے لہذا وضو نہ جائے گا اگر چہ کتنا ہی غافل ہوجائے اگر چہ سر بھی قدرے جھک گیا ہو نہ اِتنا کہ سرین نہ جمے رہیں اگر چہ دیوار وغیرہ کسی چیز پر ایسا تکیہ لگائے ہو کہ وہ شے ہٹالی جائے تو یہ گر پڑے یہی ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل مذہب وظاہر الروایۃ ومفتیٰ بہ وصحیح ومعتمد ہے اگر چہ ہدایہ وشرح وقایہ میں حالتِ تکیہ کو ناقضِ وضو لکھا۔

(۸) کھڑے کھڑے سو گیا۔

(۹) رکوع کی صورت پر

(۱۰) سجدۂ مسنونۂ مرداں کی شکل پر کہ پیٹ رانوں اور رانیں ساقوں اور کلائیاں زمین سے جُدا ہوں اگر چہ یہ قیام و ہیئتِ رکوع وسجود غیرِ نماز میں ہو اگر چہ سجدہ کی اَصلاً نیت بھی نہ ہو ظاہر ہے کہ یہ تینوں صورتیں غافل ہو کر سونے کی مانع ہیں تو ان میں بھی وضو نہ جائے گا۔

(۱۱) اکڑوں بیٹھے سویا۔

(۱۲، ۱۳، ۱۴) چت یا پٹ یا کروٹ پر لیٹ کر۔

(۱۵) ایک کہنی پر تکیہ لگا کر۔

(۱۶) بیٹھ کر سویا مگر ایک کروٹ کو جھکا ہوا کہ ایک یا دونوں سرین اُٹھے ہوئے ہیں۔

(۱۷) ننگی پیٹھ پر سوار ہے اور جانور ڈھال میں اُتر رہا ہے۔

اَقول: فقیر گمان کرتا ہے کہ کاٹھی بھی ننگی پیٹھ کے مثل ہے اور وہ یورپین وضع کی کاٹھیاں جن کے وسط میں اسی لئے خلا رکھتے ہیں مانعِ حدث نہیں ہوسکتیں اگر چہ راہ ہموار ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۱۸) دوزانو بیٹھا اور پیٹ رانوں پر رکھا ہے کہ دونوں سرین جمے نہ رہے ہوں۔

(۱۹) اسی طرح اگر چارزانو ہے اور سر رانوں یا ساقوں پر ہے۔

(۲۰) سجدۂ غیر مسنونہ کی طور پر جس طرح عورتیں گٹھری بن کر سجدہ کرتی ہیں اگر چہ خود نماز یا اور کسی سجدۂ مشروعہ یعنی سجدۂ تلاوت یا سجدۂ شکر میں ہو ان دس صورتوں میں دونوں شرطیں جمع ہونے کے سبب وضو جاتا رہے گا اور جب **اصل مناط** بتا دیا گیا تو زیادہ تفصیلِ صور کی حاجت نہیں ان دونوں شرطوں کو غور کرلیں جہاں مجتمع ہیں وضو نہ رہے گا ورنہ ہے البتہ فتاوی امام قاضی خان میں فرمایا کہ تنور کے کنارے اُس میں پاؤں لٹکائے بیٹھ کر سونے سے بھی وضو جاتا رہتا ہے کہ اُس کی گرمی سے مفاصل ڈھیلے ہوجاتے ہیں۔

یہ بیس صورتیں کلماتِ علماء میں منصوص ہیں جو باقی صورت اور کوئی پائی جائے اُس کے لئے ضابطہ بنایا گیا ہے اگر اُس کا حکم کتابوں میں نہ ملے تو اس ضابطہ سے نکال لیں یا اختلاف پائیں تو جو قول اس ضابطہ کے مطابق ہو اُس پر عمل کریں۔ ص488

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی آنکھیں سوتی ہیں دل کبھی نہیں سوتا

نیند بذاتِ خود حدث نہیں بلکہ خروجِ ریح کا گمان غالب ہونے کی وجہ سے حدث ہے اسی پر عامہ علماء ہیں بلکہ توشیح میں اس پر اِجماع و اِتفاق کی حکایت کی ہے اور یہی حق ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ آنکھ مقعد کا بندھن ہے۔ اسی لئے حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا وضو نیند سے نہیں ٹوٹتا جیسا کہ صحیحین (بخاری ومسلم) میں حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ثابت ہے۔ اور اس کا سبب حضورِ اَکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: بیشک میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔ اسے شیخین (بخاری ومسلم) نے ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اسے علماء نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے شمار کیا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں قنیہ سے منقول ہے۔

قلتُ: یعنی امت کے لحاظ سے سرکار کی یہ خصوصیت ہے ورنہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا یہی وصف ہے اس لئے کہ صحیحین میں حضرتِ اَنس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے۔ تو (خصوصیت بہ نسبتِ امت مراد لینے سے) وہ شبہ دُور ہوگیا جو کشفُ الرمز میں پیش کیا ہے کہ اس امر کے خصائص سرکار سے ہونے کا مقتضا یہ ہے کہ سرکارِ اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم الصلوۃ السلام کا یہ حال

نہیں۔(ت)۔ص572

کیا یہ ہوسکتا ہے کہ سرکارِ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی وارثت کے طور پر ان کی امت کے اکابر میں سے کسی کو یہ وصف مل جائے؟ مَلِکُ العلما بحر العلوم مولانا عبدالعلی محمد رحمۃ اللہ تعالی ارکانِ اَربعہ میں لکھتے ہیں: اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے متبعین میں سے کوئی اس رتبہ کو پہنچ گیا تھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی برکت سے نیند میں اس کا دل غافل نہ ہوتا صرف اس کی آنکھیں غافل ہوتیں، جیسے امام محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اور ان کے علاوہ وہ اکابر جن کا یہ وصف رہا ہو اگر چہ غوثِ اَعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے مرتبے تک ان کی رسائی نہ ہو، تو یہ قول حق سے بعید نہ ہوگا، فافہم اھ۔(ت)۔ص574

ظاہر یہ ہے کہ غشی اور اغما نیند کی طرح ہیں اس لئے کہ ان دونوں سے وضو ٹوٹنے کا حکم خروجِ ریح کے گمانِ غالب کے باعث ہے۔تو ظاہر یہ ہے۔کہ نیند کی طرح ان دونوں سے بھی حضراتِ انبیاء صلی اللہ تعالی علیہم وسلم کا وضو نہ جائے، اگر چہ پیشاب جیسی چیز سے وضو جانے کا حکم کیا جائے اس وجہ سے نہیں کہ ان سے یہ حقیقۃً نجس ہے بلکہ ان کی عظمتِ شان اور بلندیِ مرتبت کی وجہ سے خاص ان کے حق میں حکماً نجس ہے ان پر ان کے ربِ رحمن کی طرف سے دائمی درود و سلام ہو۔(ت)۔ص580

حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے فضلات شریفہ طیب وطاہر تھے

اقول: میرے نزدیک قولِ فیصل یہ ہے کہ نیند، غشی اور ان دونوں جیسی چیزیں جن میں جائے غفلت کے باعث حدث کا حکم ہوتا ہے ایسی چیزوں سے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا وضو نہ جاتا، لیکن ہمارے حق میں جو ناقضِ حقیقیہ ہیں وہ ان حضرات صلواتُ اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم کے حق میں بھی ناقض ہیں اس وجہ سے نہیں کہ نجس ہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ طاہر بلکہ طیب ہیں ہمارے لئے اپنے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے ان کا کھانا پینا حلال ہے، جیسا کہ متعدد حدیثوں سے ثابت ہے، بلکہ اس لئے ناقض ہیں کہ ان چیزوں کے لئے ان حضرات کے حق میں حکمِ نجاست ہے جس کا سبب ان کی رفعتِ مکان اور اِنتہائی نزاہتِ شان ہے جیسا کہ میں نے اس کی طرف اشارہ کیا، یہی وجہ ہے جسے ہم اختیار کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ ان شاء اللہ تعالٰی حق یہی ہوگا۔(ت)۔ص583

جسے ریح کا عارضہ معذوری کی حد تک ہو اس کا وضو سونے سے نہ جانا چاہیئے

اس مسئلہ پر کہ نیند بذاتِ خود ناقض نہیں، علامہ احمد ابن الشلبی کے حاشیہ تبیین الحقائق کا یہ کلام متفرع ہے وہ لکھتے ہیں: مجھ سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا جو اِنفلاتِ ریح (برابر ہوا چھوٹتے رہنے) کا مریض ہے کہ نیند سے اس کا وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ نہ ٹوٹے گا اس بنیاد پر کہ صحیح یہی ہے کہ نیند خود ناقض نہیں، ناقض وہی خارج ہونے والی ریح ہے اور جس کا مذہب یہ کہ نیند خود ناقض ہے اس کو اس کا قائل ہونا لازم ہے کہ جو انفلاتِ ریح کا مریض ہے اس کا وضو نیند سے ٹوٹ جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)۔ص585

جلد نمبر 1 (ب)
خلاصہ تبیان الوضوء (وضو وغسل کے مسائل کا مختصر بیان)

غسل کے تین فرائض

(1) مَضْمَضَہ: سارے دہن کا مع اس کے ہر گوشے پُرزے کنج کے حلق کی حد تک دُھلنا

آج کل بہت بےعلم اس مضمضہ کے معنی صرف کُلّی کے سمجھتے ہیں، کچھ پانی منہ میں لے کر اُگل دیتے ہیں کہ زبان کی جڑ اور حلق کے کنارہ تک نہیں پہنچتا، یوں غسل نہیں اُترتا، نہ اس غسل سے نماز ہوسکے نہ مسجد میں جانا جائز ہو بلکہ فرض ہے کہ داڑھوں کے پیچھے گالوں کی تہ میں دانتوں کی جڑ میں دانتوں کی کھڑکیوں میں حلق کے کنارے تک ہر پُرزے پر پانی بہے یہاں تک کہ اگر کوئی سخت چیز کہ پانی کے بہنے کو روکے گی دانتوں کی جڑ یا کھڑکیوں وغیرہ میں حائل ہو تو لازم ہے کہ اُسے جُدا کرکے کُلّی کرے ورنہ غسل نہ ہوگا، ہاں اگر اُس کے جُدا کرنے میں حرج وضرر واَذیت ہو جس طرح پانوں کی کثرت سے جڑوں میں چُونا جم کر متحجر ہوجاتا ہے کہ جب تک زیادہ ہو کر آپ ہی جگہ نہ چھوڑ دے چھڑانے کے قابل نہیں ہوتا یا عورتوں کے دانتوں میں مسی کی ریخیں جم جاتی ہیں کہ ان کے چھیلنے میں دانتوں یا مسوڑھوں کی مضرت کا اندیشہ ہے تو جب تک یہ حالت رہے گی اس قدر کی معافی ہوگی **فان الحرج مدفوع بالنص** (اس لیے کہ نص سے ثابت ہے کہ جہاں حرج ہو اسے دفع کیا جائے۔ت)

بالجملہ غسل میں ان احتیاطوں سے روزہ دار کو بھی چارہ نہیں ہاں غرغرہ اسے نہ چاہئے کہ کہیں پانی حلق سے نیچے نہ اُتر جائے غیرِ روزہ دار کے لیے غرغرہ سنت ہے۔

(2) اِستِنشَاق: ناک کے دونوں نتھنوں میں جہاں تک نرم جگہ ہے یعنی سخت ہڈی کے شروع تک دُھلنا۔

اور یہ یونہی ہوسکے گا کہ پانی لے کر سونگھے اور اوپر کو چڑھائے کہ وہاں تک پہنچ جائے لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے اوپر ہی اوپر پانی ڈالتے ہیں کہ ناک کے سرے کو چھو کر گر جاتا ہے بانسے میں جتنی جگہ نرم ہے اس سب کو دھونا تو بڑی بات ہے، ظاہر ہے کہ پانی کا بالطبع میل نیچے کو ہے اوپر بے چڑھائے ہرگز نہ چڑھے گا افسوس کہ عوام تو عوام بعض پڑھے لکھے بھی اس بلا میں گرفتار ہیں۔ کاش اِستنشاق کے لغوی ہی معنی پر نظر کرتے تو اس آفت میں نہ پڑتے استنشاق سانس کے ذریعہ سے کوئی چیز ناک کے اندر چڑھانا ہے نہ کہ ناک کے کنارہ کو چھو جانا وضو میں تو خیر اس کے ترک کی عادت ڈالے سے سنت چھوڑنے ہی کا گناہ ہوگا کہ مضمضہ واستنشاق بمعنی مذکور دونوں وضو میں سنتِ مؤکدہ ہیں **کمافی الدر المختار** (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت)، اور سنتِ مؤکدہ کے ایک آدھ بار ترک سے اگرچہ گناہ نہ ہو عتاب ہی کا اِستحقاق ہو مگر بارہا ترک سے بلاشبہ گناہگار ہوتا ہے **کمافی ردالمحتار وغیرہ من الاسفار** (جیسا کہ معتبر کتاب ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) تاہم وضو ہوجاتا ہے اور غسل تو ہرگز اُترے ہی گا نہیں

جب تک سارا منہ حلق کی حد تک اور سارا نرم بانسہ سخت ہڈی کے کنارہ تک پورا نہ دُھل جائے یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر ناک کے اندر کثافت جمی ہے تو لازم کہ پہلے اسے صاف کرلے ورنہ اس کے نیچے پانی نے عبور نہ کیا تو غسل نہ ہوگا۔

اس احتیاط سے بھی روزہ دار کو مفر نہیں، ہاں اس سے اوپر تک اُسے نہ چاہئے کہ کہیں پانی دماغ کو نہ چڑھ جائے غیرِ روزہ دار کے لئے یہ بھی سنت ہے۔

(3) اِسالۃُ الْمَاء علٰی ظاھر البدن: سر کے بالوں سے تلووں سے نیچے تک جسم کے ہر پرزے، رونگٹے کی بیرونی سطح پر پانی کا تقاطُر کے ساتھ بہہ جانا سوا اُس موضع یا حالت کے جس میں حرج ہو،

لوگ یہاں دو قسم کی بے احتیاطیاں کرتے ہیں جن سے غسل نہیں ہوتا اور نمازیں اکارت جاتی ہیں۔

اوّلاً: غَسل بالفتح کے معنی میں نافہمی کہ بعض جگہ تیل کی طرح چپڑ لیتے ہیں یا بھیگا ہاتھ پہنچ جانے پر قناعت کرتے ہیں حالانکہ یہ مسح ہوا، غسل میں تقاطر اور پانی کا بہنا ضرور ہے جب تک ایک ایک ذرّے پر پانی بہتا ہوا نہ گزرے گا غسل ہرگز نہ ہوگا۔

ثانیاً: پانی ایسی بے احتیاطی سے بہاتے ہیں کہ بعض مواضع بالکل خشک رہ جاتے ہیں یا اُن تک کچھ اثر پہنچتا ہے تو وہی بھیگے ہاتھ کی تری، اُن کے خیال میں شاید پانی میں ایسی کرامت ہے کہ ہر کنج وگوشہ میں آپ دوڑ جائے کچھ احتیاطِ خاص کی حاجت نہیں حالانکہ جسمِ ظاہر میں بہت موقع ایسے ہیں کہ وہاں ایک جسم کی سطح دوسرے جسم سے چھپ گئی ہے یا پانی کی گزرگاہ سے جُدا واقع ہے کہ بے لحاظِ خاص پانی اس پر بہنا ہرگز مظنون نہیں اور حکم یہ ہے کہ اگر ذرّہ بھر جگہ یا کسی بال کی نوک بھی پانی بہنے سے رہ گئی تو غسل نہ ہوگا اور نہ صرف غسل بلکہ وضو میں بھی ایسی ہی بے احتیاطیاں کرتے ہیں کہیں ایڑیوں پر پانی نہیں بہتا، کہیں کہنیوں پر کہیں ماتھے کے بالائی حصے پر، کہیں کانوں کے پاس کنپٹیوں پر، ہم نے اس بارہ میں ایک مستقل تحریر لکھی ہے اُس میں ان تمام مواضع کی تفصیل ہے جن کا لحاظ وخیال وضو وغسل میں ضرور ہے مردوں اور عورتوں کی تفریق اور طریقۂ احتیاط کی تحقیق کے ساتھ ایسی سلیس وروشن بیان سے مذکور ہے جسے بعونہٖ تعالٰی ہر جاہل بچہ، عورت سمجھ سکے، یہاں اِجمالاً ان کا شمار کئے دیتے ہیں۔

ضروریاتِ وضو مطلقاً یعنی مرد وعورت سب کے لئے:

ف: مسئلہ: وضو میں پچیس جگہ ہیں جن کی خاص احتیاط مرد وعورت سب پر لازم ہے۔

(۱) پانی مانگ یعنی ماتھے کے سرے سے پڑنا، بہت لوگ لَپ یا چُلّو میں پانی لے کر ناک یا اَبرو یا نصف ماتھے پر ڈالتے ہیں پانی تو بہہ کر نیچے آیا وہ اپنا ہاتھ چڑھا کر اوپر لے گئے اس میں سارا ماتھا نہ دُھلا بھیگا ہاتھ پھرا اور وضو نہ ہوا۔

(۲) پٹیاں جھکی ہوں تو انہیں ہٹا کر پانی ڈالے کہ جو حصہ پیشانی کا اُن کے نیچے ہے دُھلنے سے نہ رہ جائے۔

(۳) بھووں کے بال چھدرے ہوں کہ نیچے کی کھال چمکتی ہو تو کھال پر پانی بہنا فرض ہے صرف بالوں پر کافی نہیں۔

(۴) آنکھوں کے چاروں کوئے، آنکھیں زور سے بند (نہ) کرے، یہاں کوئی سخت چیز جمی ہوئی ہو تو چُھڑالے۔

(۵) پلک کا ہر بال پورا بعض وقت کیچڑ وغیرہ سخت ہو کر جم جاتا ہے کہ اُس کے نیچے پانی نہیں بہتا اُس کا چھڑانا ضرور ہے۔

(۶) کان کے پاس کنپٹی ایسا نہ ہو کہ ماتھے کا پانی گال پر اُتر آئے اور یہاں صرف بھیگا ہاتھ پھرے۔

(۷) ناک کا سوراخ[1] اگر کوئی گہنا یا تنکا ہوتو اُسے پھرا پھرا کر ورنہ یونہی دَھار ڈالے، ہاں اگر بالکل بند ہو گیا تو حاجت نہیں۔

(۸) آدمی جب خاموش بیٹھے تو دونوں لب مل کر کچھ حصہ چھپ جاتا کچھ ظاہر رہتا ہے یہ ظاہر رہنے والا حصہ بھی دُھلنا فرض ہے، اگر کُلّی نہ کی اور منہ دھونے میں لب سمیٹ کر بزور بند کر لئے تو اس پر پانی نہ بہے گا۔

(۹) ٹھوڑی کی ہڈی اُس جگہ تک جہاں نیچے کے دانت جمے ہیں۔

(۱۰) ہاتھوں کی آٹھوں گھائیاں۔

(۱۱) انگلیوں کی کروٹیں کہ ملنے پر بند ہو جاتی ہیں۔

(۱۲) دسوں ناخنوں کے اندر جو جگہ خالی ہے، ہاں مَیل کا ڈر نہیں۔

(۱۳) ناخنوں کے سرے سے کہنیوں کے اوپر تک ہاتھ کا ہر پہلو، چُلّو میں پانی لے کر کلائی پر اُلٹ لینا ہر گز کافی نہیں۔

(۱۴) کلائی کا ہر بال جڑ سے نوک تک، ایسا نہ ہو کہ کھڑے بالوں کی جڑ میں پانی گزر جائے نوکیں رہ جائیں۔

(۱۵) آرسی، چھلّے اور کلائی کے ہر گہنے کے نیچے۔

(۱۶) عورتوں کو پھنسی چُوڑیوں کا شوق ہوتا ہے اُنہیں ہٹا ہٹا کر پانی بہائیں۔

(۱۷) چوتھائی سر کا مسح فرض ہے پُوروں کے سِرے گزار دینا اکثر اس مقدار کو کافی نہیں ہوتا۔

(۱۸) پاؤوں کی آٹھوں گھائیاں۔

(۱۹) یہاں انگلیوں کی کروٹیں زیادہ قابلِ لحاظ ہیں کہ قدرتی ملی ہوئی ہیں۔

(۲۰) ناخنوں کے اندر کوئی سخت چیز نہ ہو۔

(۲۱) پاؤوں کے چھلّے اور جو گہنا گٹوں پر یا گٹوں سے نیچے ہو اس کے نیچے سیلان شرط ہے۔

(۲۲) گٹے۔　(۲۳) تلوے۔

(۲۴) ایڑیاں۔　(۲۵) کونچیں

خاص بہ مردان۔

ف: وضو میں پانچ مواقع اور ہیں جن کی احتیاط خاص مردوں پر لازم۔

(۲۶) مونچھیں۔

(۲۷) صحیح مذہب میں ساری داڑھی دھونا فرض ہے یعنی جتنی چہرے کی حد میں ہے نہ لٹکی ہوئی کہ ہاتھ سے گلے کی طرف کو دباؤ تو ٹھوڑی کے اُس حصے سے نکل جائے جس پر دانت جمے ہیں کہ اس کا صرف مسح سنّت اور دھونا مستحب ہے۔

(۲۸، ۲۹) داڑھی، مونچھیں چھدری ہوں کہ نیچے کی کھال نظر آتی ہو تو کھال پر پانی بہنا۔

(۳۰) مونچھیں بڑھ کر لبوں کو چھپا لیں تو انہیں ہٹا ہٹا کر لبوں کی کھال دھونی اگر چہ مونچھیں کیسی ہی گھنی ہوں۔

---

[1]: ناک کا سوراخ، ہاتھ پاؤں کے چھلّے، کلائی کے گہنے چُوڑیاں۔

قلتُ: داڑھی کے لٹکتے ہوئے بالوں کو دھونا میں نے امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کے اختلاف کا لحاظ کرتے ہوئے مستحب کہا، اس لئے کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ صورتِ اختلاف سے بچنا بالا جماع مستحب ہے بشرطیکہ اس میں اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو۔

ضروریاتِ غسل مطلقاً: ظاہر ہے کہ وضو میں جس جس عضو کا دھونا فرض ہے غسل میں بھی فرض ہے تو یہ سب اشیاء یہاں بھی معتبر اور ان کے علاوہ یہ اور زائد۔

ف: غسل میں ان ۲۵ یا ۳۰ گزشتہ کے علاوہ ۲۲ جگہ اور ہیں جن کی احتیاط مرد وعورت سب پر لازم۔

(۳۱) سر کے بال کہ گُندھے ہوئے ہوں ہر بال پر جڑ سے نوک تک پانی بہنا۔

(۳۲) کانوں میں بالی پتّے وغیرہ زیوروں کے سوراخ کا غسل میں وہی حکم ہے جو ناک میں بلاق وغیرہ کے چھید کا غسل و وضو دونوں میں تھا۔

(۳۳) بھنووں کے نیچے کی کھال اگرچہ بال کیسے ہی گھنے ہوں۔

(۳۴) کان کا ہر پُرزہ اس کے سوراخ کا منہ۔

(۳۵) کانوں کے پیچھے بال ہٹا کر پانی بہائے۔

(۳۶) اِستنشاق بمعنی مذکور۔

(۳۷) مضمضہ بطرزِ مَسطُور۔

(۳۸) داڑھوں کے پیچھے۔

(۳۹) دانتوں کی کھڑکیوں میں جو سخت چیز ہو پہلے جُدا کرلیں۔

(۴۰) چونا ریخیں وغیرہ جو بے اِیذا چھوٹ سکے چُھڑانا۔

(۴۱) ٹھوڑی اور گلے کا جوڑ کہ بے منہ اُٹھائے نہ دُھلے گا۔

(۴۲) بغلیں بے ہاتھ اُٹھائے نہ دُھلیں گی۔

(۴۳) بازو کا ہر پہلو۔

(۴۴) پیٹھ کا ہر ذرّہ۔

(۴۵) پیٹ وغیرہ کی بلٹیں اُٹھا کر دھوئیں۔

(۴۶) ناف انگلی ڈال کر جبکہ بغیر اس کے پانی بہنے میں شک ہو۔

(۴۷) جسم کا کوئی رونگٹا کھڑا نہ رہ جائے۔

(۴۸) ران اور پیڑو کا جوڑ کھول کر دھوئیں۔

(۴۹) دونوں سرین ملنے کی جگہ، خصوصاً جب کھڑے ہو کر نہائیں۔

(۵۰) ران اور پنڈلی کا جوڑ جبکہ بیٹھ کر نہائیں۔

(۵۱) رانوں کی گولائی۔

(۵۲) پنڈلیوں کی کروٹیں۔

خاص بمرداں۔

ف: ان ۵۲ کے سوا آٹھ مواقع اور ہیں جن کی احتیاط غسل میں خاص مردوں کو ضرور۔

(۵۳) گندھے ہوئے بال کھول کر جڑ سے نوک تک دھونا۔

(۵۴) مونچھوں کے نیچے کی کھال اگرچہ گھنی ہوں۔

(۵۵) داڑھی کا ہر بال جڑ سے نوک تک۔

(۵۶) ذَکر و انثیین کے ملنے کی سطحیں کہ بے جُدا کیے نہ دُھلیں گی۔

(۵۷) اُنثیین کی سطحِ زیریں جوڑ تک۔

(۵۸) اُنثیین کے نیچے کی جگہ جڑ تک۔

(۵۹) جس کا ختنہ نہ ہوا ہو بہت علماء کے نزدیک اُس پر فرض ہے کہ کھال چڑھ سکتی ہو تو حشفہ کھول کر دھوئے۔

(۶۰) اِس قول پر اُس کھال کے اندر بھی پانی پہنچنا فرض ہوگا بے چڑھائے اُس میں پانی ڈالے کہ چڑھنے کے بعد بند ہوجائے گی۔

خاص بزنان

ف: اُن ۶۰ کے سوا دس مواضع اور ہیں جن کی احتیاط غسل میں خاص عورتوں پر لازم۔

(۶۱) گندھی چوٹی میں ہر بال کی جڑ تر کرنی، چوٹی کھولنی ضرور نہیں مگر جب ایسی سخت گندھی ہو کہ بے کھولے جڑیں تر نہ ہوں گی۔

(۶۲) ڈھلکی ہوئی پستان اُٹھا کر دھونی۔

(۶۳) پستان و شکم کے جوڑ کی تحریر۔

(۶۴ تا ۶۷) فرجِ خارج کے چاروں لبوں کی جبیں جڑ تک۔

(۶۸) گوشت پارۂ بالا کا ہر پرت کہ کھولے سے کھل سکے گا۔

(۶۹) گوشت پارۂ زیریں کی سطحِ زیریں۔

(۷۰) اس پارہ کے نیچے کی خالی جگہ غرض فرجِ خارج کے ہر گوشے پُرزے کنج کا خیال لازم ہے ہاں فرجِ داخل کے اندر انگلی ڈال کر دھونا واجب نہیں، بہتر ہے۔

ف: مسئلہ: مواضعِ احتیاط میں پانی پہنچنے کا ظنِ غالب کافی ہے یعنی دل کو اطمینان ہو کہ ضرور پہنچ گیا مگر یہ اطمینان نہ بے پرواہوں کا کافی ہے جو دیدہ و دانستہ بے احتیاطی کر رہے ہیں نہ وہمی وسوسہ زدہ کا اطمینان ضرور جسے آنکھوں دیکھ کر بھی یقین آنا مشکل بلکہ متدین محتاط کا اطمینان چاہئے۔

بالجملہ تمام ظاہر بدن ہر ذرّہ ہر رونگٹے پر سر سے پاؤں تک پانی بہنا فرض ہے ورنہ غسل نہ ہوگا مگر مواضعِ حرج معاف ہیں مثلاً:

ف: اکیس مواضع جو پانی بہانے میں بوجہ حرج معاف ہیں۔

(۱) آنکھوں کے ڈھیلے۔
(۲) عورت کے گندھے ہوئے بال۔
(۳) ناک کان کے زیوروں کے وہ سوراخ جو بند ہو گئے۔
(۴) نامختون کا حشفہ جبکہ کھال چڑھانے میں تکلیف ہو۔
(۵) اس حالت میں اس کھال کی اندرونی سطح جہاں تک پانی بے کھولے نہ پہنچے اور کھولنے میں مشقت ہو۔
(۶) مکھی یا مچھر کی بیٹ جو بدن پر ہو اُس کے نیچے۔
(۷) عورت کے ہاتھ پاؤں میں اگر کہیں مہندی کا جرم لگا رہ گیا۔
(۸) دانتوں کا جما ہوا چونا۔
(۹) مسی کی ریخیں۔
(۱۰) بدن کا میل۔
(۱۱) ناخنوں میں بھری ہوئی یا بدن پر لگی ہوئی مٹّی۔
(۱۲) جو بال خود گرہ کھا کر رہ گیا ہوا گرچہ مرد کا۔
(۱۳) پلک یا کوئے میں سرمہ کا جرم۔
(۱۴) کاتب کے انگوٹھے پر روشنائی۔ ان دونوں کا ذِکر رسالہ ''الجود الحلو'' میں گزرا۔
(۱۵) رنگریز کے ناخن پر رنگ کا جرم۔
(۱۶) نان بائی یا پکانے والی عورت کے ناخن میں آٹا، **علی خلاف فیہ**۔
(۱۷) کھانے کے ریزے کہ دانت کی جڑ یا جوف میں رہ گئے۔ (جیسا کہ ابھی خلاصہ سے گزرا۔ ت)

اقول: یوں ہی پان کے ریزے نہ چھالیا کے دانے کہ سخت ہیں **کما مر ایضًا**۔ (جیسا کہ ابھی خلاصہ سے گزرا۔ ت)

(۱۸) **اقول:** ہلتا ہوا دانت اگر تار سے جکڑا ہے معافی ہونی چاہئے اگرچہ پانی تار کے نیچے نہ بہے کہ بار بار کھولنا ضرر دے گا نہ اس سے ہر وقت بندش ہو سکے گی۔

مسئلہ: ہلتا ہوا دانت چاندی کے تار سے باندھنا یا مسالے سے جمانا جائز ہے اور اس وقت غسل میں اس تار یا مسالے کے نیچے پانی نہ بہنا معاف ہونا چاہئے۔

(۱۹) یوں ہی اگر اُکھڑا ہوا دانت کسی مسالے مثلاً برادۂ آہن ومقناطیس وغیرہ سے جمایا گیا ہے جمے ہوئے چُونے کی مثل اس کی بھی معافی چاہئے۔

(۲۰) پٹّی کہ زخم پر ہو اور کھولنے میں ضرر یا حرج ہے۔
(۲۱) ہر وہ جگہ کہ کسی درد یا مرض کے سبب اُس پر پانی بہنے سے ضرر ہوگا۔
والمسائل مشھورۃ وفی فتاونا مذکورۃ (یہ مسائل مشہور ہیں اور ہمارے فتاوی میں مذکور بھی ہیں۔ت)
غرض مدار حرج پر ہے اور حرج بنصِ قرآن مدفوع اور یہ اُمت دنیا و آخرت میں مرحومہ، **والحمدللہ رب العالمین۔**

اقول: وباللہ التوفیق حرج کی تین صورتیں ہیں:

ایک: یہ کہ وہاں پانی پہنچانے میں مضرت ہو جیسے آنکھ کے اندر۔
دوم: مشقت ہو جیسے عورت کی گندھی ہوئی چوٹی۔
سوم: بعدِ علم واطلاع کوئی ضرر ومشقت تو نہیں مگر اس کی نگہداشت، اس کی دیکھ بھال میں دِقت ہے جیسے مکھی مچھر کی بیٹ یا اُلجھا ہوا گرہ کھایا ہوا بال۔
قسم اول ودوم کی معافی تو ظاہر اور قسم سوم میں بعدِ اطلاع اِزالہ مانع ضرور ہے مثلاً جہاں مذکورہ صورتوں میں مہندی، سرمہ، آٹا، روشنائی، رنگ، بیٹ وغیرہ سے کوئی چیز جمی ہوئی دیکھ پائی تو اب یہ نہ ہو کہ اُسے یوں ہی رہنے دے اور پانی اُوپر سے بہادے بلکہ چُھڑالے کہ آخر اِزالہ میں تو کوئی حرج تھا ہی نہیں تعاہُد میں تھا بعدِ اطلاع اس کی حاجت نہ رہی۔ص 591 تا 611

بعض جسم پر پانی ڈالنا مُضر ہو تو تیمم کب جائز ہے؟

اصل کلی یہ ہے کہ غسل میں اگر بعض جسم پر پانی ڈالنا مُضر ہو تو کثرت کا اعتبار ہے، اگر اکثر جسم وہی ہے جس پر پانی پہنچنا ضرر دے گا خواہ یوں کہ عارضہ خود اُسی جسم میں ہو یا یوں کہ اُس پر پانی ڈالنے سے پانی ایسی جگہ پہنچے گا جہاں پہنچنے سے ضرر ہے تو تیمم کرے اور اگر اکثر جسم سالم ہے تو جس قدر میں مضرت ہے وہاں مسح کرلے باقی پر پانی بہالے۔ص 612

مسح کے اَحکام

زید کی ران میں پھوڑا یا اور کوئی بیماری ہے ڈاکٹر کہتا ہے پانی یہاں نقصان کرے گا مگر صرف اُسی جگہ مضر ہے اور بدن پر ڈال سکتا ہے اس حالت میں وضو یا غسل کے لیے تیمم درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو تیمم غسل کا ویسا ہی ہے جیسا وضو کا؟ یا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں غسل یا وضو کسی کے لئے تیمم جائز نہیں وضو کے لئے نہ جائز ہونا تو ظاہر کہ ران کو وضو سے کوئی علاقہ نہیں اور غسل کے لئے یوں نا روا کہ اکثر بدن پر پانی ڈال سکتا ہے لہٰذا وضو تو بلا شبہ تمام وکمال کرے اور غسل کی حاجت ہو تو اگر مضرت صرف ٹھنڈا پانی کرتا ہے گرم نہ کرے گا اور اسے گرم پانی پر قدرت ہے تو بیشک پورا غسل کرے اتنی جگہ کو گرم پانی سے دھوئے باقی بدن گرم یا سرد جیسے سے چاہے، اور اگر ہر طرح کا پانی مضر ہے یا گرم مضر تو نہ ہوگا مگر اسے اس پر قدرت نہیں تو ضرر کی جگہ بچا کر باقی بدن دھوئے اور اس موضع پر مسح کرلے اور اگر وہاں بھی مسح نقصان دے مگر دوا یا پٹی کے حائل سے پانی کی ایک دھار بہادینی مضر نہ ہوگی تو وہاں اُس حائل ہی پر بہادے باقی بدن بدستور دھوئے اور اگر حائل پر بھی پانی بہانا مضر ہو تو دوا یا پٹی پر مسح ہی کرلے اگر اس

سے بھی مضرت ہو تو اُتنی جگہ خالی چھوڑ دے جب وہ ضرر دفع ہو تو جتنی بات پر قدرت ملتی جائے بجالاتا جائے مثلاً ابھی پٹی پر سے مسح بھی مضر تھا لہٰذا جگہ بالکل خشک بچا دی چند روز بعد اتنا آرام ہو گیا کہ یہ مسح نقصان نہ دے گا تو فوراً پٹی پر مسح کر لے اسی قدر کافی ہو گا باقی بدن تو پہلے کا دھویا ہی ہوا ہے جب اتنا آرام ہو جائے کہ اب بندش پر سے پانی بہانا بھی ضرر نہ کرے گا فوراً اس پر پانی کی دھار ڈال دے صرف مسح پر جو پہلے کر چکا تھا قناعت نہ کرے جب اتنا آرام ہو جائے کہ اب خاص موضع کا مسح بھی ضرر نہ دے گا فوراً وہاں مسح کر لے پٹی کے غسل پر قانع نہ رہے جب اتنا آرام ہو کہ اب خود وہاں پانی بہانا مضر نہ ہو گا فوراً اُس بدن کو پانی سے دھو لے غرض رخصت کے درجے بتا دئے گئے ہیں جب تک کم درجہ کی رخصت میں کام نکلے اعلیٰ درجہ کی اختیار نہ کرے اور جب کوئی نیچے کا درجہ قدرت میں آئے فوراً اُس تک تنزل کر آئے۔ اسی طرح اگر یہ حالت ہو کہ اُس جسم پر پانی تو نقصان نہ دے گا مگر بندھا ہوا ہے کھولنے سے نقصان پہنچے گا یا کھول کر پھر باندھ نہ سکے گا تو بھی اجازت ہے کہ بندش پر سے دھونے یا مسح کرنے جس بات کی قدرت ہو عمل میں لائے جب وہ عذر جاتا رہے کھول کر جسم کو مسح یا غسل جو مقدور ہو کرے یہی سب حکم وضو میں ہیں اگر اعضائے وضو میں کسی جگہ کوئی مرض ہو الحاصل یہاں اکثر کے لئے حکم کُل کا ہے جب اکثر بدن پر پانی ڈال سکتا ہو تو ہرگز تیمم کی اجازت نہیں بلکہ یہی طریقے جو اوپر گزرے بجالائے ہاں اگر اکثر بدن پر پانی ڈالنے کی قدرت نہ ہو (خواہ یوں کہ خود مرض ہی اکثر بدن میں ہے یا مرض تو کم جگہ ہے مگر واقع ایسا ہوا کہ اُس کے سبب اور صحیح جگہ کو بھی نہیں دھو سکتا کہ اُس کا پانی اس تک پہنچے گا اور کوئی صورت بچا کر دھونے کی نہیں یوں اکثر بدن دھونے کی قدرت نہیں (مثلاً رانوں، پنڈلیوں، بازوؤں، کلائیوں، پیٹھ پر جا بجا دو دو چار چار انگل کے فاصلے سے دانے ہیں کہ صرف دانوں کی جگہ جمع کی جائے تو سارے بدن کے نصف حصہ سے کم ہو مگر وہ پھیلے ہوئے اس طرح ہیں کہ ان کے بیچ بیچ کی خالی جگہ پر بھی پانی نہیں بہا سکتے) تو ایسی حالت میں بیشک تیمم کی اجازت ہو گی اب یہ نہ ہو گا کہ صرف تھوڑا سا بدن دھو کر باقی سارے جسم پر مسح کر لے۔

ہاں یہ بات کہ فلاں امر ضرر دے گا کسی کافر یا کُھلے فاسق یا ناقص طبیب کے بتائے سے ثابت نہیں ہو سکتی یا تو خود اپنا تجربہ ہو کہ نقصان ہوتا ہے یا کوئی صاف علامت ایسی موجود ہو جس سے واقعی ظنِ غالب نقصان کا ہو یا طبیبِ حاذق مسلم مستور بتائے جس کا کوئی فسق ظاہر نہ ہو۔ اور تیمم غسل و وضو کا ایک ہی سا ہے بلکہ ایک ہی تیمم دونوں کے لئے کافی ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ نیت دونوں کو شامل ہو۔ ص618

رسالہ: الاحکام والعلل فی اشکال الاحتلام والبلل

(احتلام اور تری کی صورتوں سے متعلق احکام اور اسباب) ص623

مثقال واستار ورطل ومد وصاع کا بیان

صاع ایک پیمانہ ہے چار مُد کا، اور مُد کہ اُسی کو مَن بھی کہتے ہیں ہمارے نزدیک دو رطل ہے اور ایک رطل شرعی یہاں کے روپے سے چھتیس ۳۶ روپے بھر کہ رطل بیس (۲۰) اَستار ہے اور استار ساڑھے چار مثقال اور مثقال ساڑھے چار ماشے اور یہ انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے یعنی ڈھائی مثقال، تو رطلِ شرعی کہ نوے ۹۰ مثقال ہوا، ڈھائی پر تقسیم کئے سے چھتیس

آ ئے ،تو صاع کہ ہمارے نزدیک آ ٹھ رطل ہے ایک سوا ٹھاسی روپے بھر ہوا یعنی رامپور کے سیر سے کہ چھیانوے روپے بھر کا ہے پورا تین سیر ،اور مُد تین پاؤ۔اور امام ابو یوسف وائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک صاع پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ چار مُد کا ایک صاع ہے تو اُن کے نزدیک مُد ایک رطل اور ایک ثلث رطل ہوا یعنی رامپوری سیر سے آدھ سیر اور صاع دو سیر۔ص775

مکوک، کیلہ اور فَرَق کا بیان

مکّوک تین کیلہ ہے اور کیلہ نصف صاع تو مکوک ڈیڑھ صاع ہوا **کما فی الصحاح والقاموس وغیرھما فی اقاویل اخر** اور ایک صاع کو بھی کہتے ہیں بعض علماء نے حدیث میں یہی مراد لی تو وضو کے لئے چار مُد ہو جائیں گے مگر راجح یہ ہے کہ یہاں مکّوک سے مُد مراد ہے جیسا کہ خود اُنھی کی دیگر روایات میں تصریح ہے **والروایات تفسر بعضھا بعضا** (اور روایات میں ایک کی تفسیر دوسری سے ہوتی ہے۔ت)۔ص781

فَرَق میں اختلاف ہے، اکثر تین صاع کہتے ہیں اور بعض دو صاع۔ص786

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو وغسل میں پانی کی مقدار کی تحقیق

اقول: احادیث سے ثابت ہے کہ وضو میں عادتِ کریمہ تثلیث تھی یعنی ہر عضو تین بار دھونا، اور کبھی دو دو بار بھی اعضاء دھوئے۔اور کبھی ایک ہی بار دھونے پر قناعت فرمائی۔

غالباً جب ایک ایک بار اعضائے کریمہ دھوئے تہائی مد پانی خرچ ہوا، اور دو دو بار میں دو تہائی، اور تین تین بار دھونے میں پورا مد خرچ ہوتا تھا۔ بالجملہ وضو میں کم سے کم تہائی[1] مُد اور زیادہ سے زیادہ ایک مُد کی حدیثیں آئی ہیں۔ص778

رہا غسل، اُس میں کمی کی جانب یہ حدیث ہے کہ صحیح مسلم میں اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے: وہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک برتن میں کہ تین مُد یا اس کے قریب کی گنجائش رکھتا نہا لیتے۔اس کے ایک معنی یہ ہوتے ہیں کہ دونوں کا غسل اُسی تین مُد پانی سے ہو جاتا تو ایک غسل کو ڈیڑھ ہی مُد رہا مگر علماء نے اِسے بعید جان کر تین توجیہیں فرمائیں۔

بہر حال اس قدر ضرور ہے کہ حدیث اس معنی میں نصِ صریح نہیں زیادت کا صریح نص اُسی قدر ہے جو حدیثِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ میں گزرا کہ پانچ مُد سے غسل فرماتے اور پھر بھی اَکثر واَشہر وہی وضو میں ایک مُد اور غسل میں ایک صاع ہے، اور احادیث کے ارشاداتِ قولیہ تو خاص اسی طرف ہیں۔ص782 تا789

اقول اب یہاں چند امر تنقیح طلب ہیں:

امر اوّل: صاع اور مُد باعتبارِ وزن مراد ہیں یعنی دو اور آٹھ رطل وزن کا پانی ہو کہ رامپور کے سیر سے وضو میں تین پاؤ اور غسل میں تین سیر پانی ہوا اور امام ابو یوسف وائمہ ثلٰثہ کے طور پر وضو میں آدھ سیر اور غسل میں دو سیر اور جانبِ کمی وضو میں پونے تین

---

[1]: ایک حدیثِ موقوف میں چہارم مد بھی آیا کما سیأتی ۱۲ مِنہُ

چھٹا نک سے بھی کم اور غسل میں ڈیڑھ ہی سیر یا باعتبارِ کیل و پیمانہ یعنی اتنا پانی کہ ناج کے پیمانۂ مد یا صاع کو بھر دے ظاہر ہے کہ پانی ناج سے بھاری ہے تو پیمانہ بھر پانی اس پیمانے کے رطلوں سے وزن میں زائد ہوگا کلماتِ ائمہ میں معنی دوم کی تصریح ہے اور اسی طرف بعض روایاتِ احادیث ناظر۔

اقول: ظاہر ہے کہ پیمانے ناج کے لئے ہوتے ہیں پانی مکیل نہیں کہ اُس کے لئے کوئی مُد وصاع جُدا موضوع ہوں تو اندازہ نہ بتایا گیا مگر انہیں مُد وصاع سے جو ناج کے لئے تھے اور کسی برتن سے پانی کا اندازہ بتایا جائے تو اُس سے یہی مفہوم ہوگا کہ اس بھر پانی نہ یہ کہ اس برتن میں جتنا ناج آئے اس کے وزن کے برابر پانی۔

امرِ دُوم: غسل میں کہ ایک صاع بھر پانی ہے اُس سے مراد مع اُس وضو کے ہے جو غسل میں کیا جاتا ہے یا وضو سے جُدا۔ امامِ اجل طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے معنی دوم پر تخصیص فرمائی، اور وہ اکثر احادیث میں ایک صاع اور حدیثِ انس میں پانچ مُد ہے اُس میں یہ تطبیق دی کہ ایک مُد وضو کا اور ایک صاع بقیہ غسل کا، یوں غسل میں پانچ مُد ہوئے۔

اقول: لیکن حضرتِ انس کی یہ حدیث کہ حضور ایک صاع سے پانچ مُد تک پانی سے غسل فرماتے، بیانِ تقسیم میں نہیں بلکہ بیانِ تنویع میں ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ یعنی خود غسل ہی کبھی چار مُد سے ہوتا اور کبھی پانچ مُد سے ہوتا خواہ اس سے صرف پورے بدن پر پانی بہانا مراد لیں یا اس کے ساتھ وضو بھی ملا لیں۔ (ت)

امرِ سوم: یہ صاع کس ناج کا تھا ظاہر ہے کہ ناج ہلکے بھاری ہیں جس پیمانے میں تین سیر جو آئیں گے گیہوں تین سیر سے زیادہ آئیں گے اور ماش اور بھی زائد، ابوشجاع ثلجی نے صدقۂ فطر میں ماش یا مَسور کا پیمانہ لیا کہ ان کے دانے یکساں ہوتے ہیں تو اُن کا کیل و وزن برابر ہوگا بخلاف گندم یا جَو کہ اُن میں بعض کے دانے ہلکے بعض کے بھاری ہوتے ہیں تو دو قسم کے گیہوں اگرچہ ایک ہی پیمانے سے لیں وزن میں مختلف ہو سکتے ہیں اور اسی طرح جو۔ دُرِّ مختار میں اسی پر اقتصار کیا اور امام صدر الشریعۃ نے شرح وقایہ میں فرمایا کہ اَحوط کھرے گیہوں کا صاع ہے اور علامہ شامی نے ردالمحتار میں جَو کا صاع اَحوط بتایا۔

اَقول: ظاہر ہے کہ صاع اُس ناج کا تھا جو اُس زمانِ برکت نشان میں عام طعام تھا اور معلوم ہے کہ وہاں عام طعام جَو تھا گیہوں کی کثرت زمانۂ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہوئی۔ اور اس سے قطع نظر بھی ہو تو شک نہیں کہ مُد وصاع کا اطلاق مُد وصاعِ شعیر کو بھی شامل، تو اُس پر عمل ضرور اِتباعِ حدیث کی حد میں داخل۔ فقیر نے ۲۷ ماہ مبارک رمضان ۱۳۲۷ھ کو نیم صاع شعیری کا تجربہ کیا جو ٹھیک چار رطل جَو کا پیمانہ تھا اُس میں گیہوں برابر ہموار مسطح بھر کر تولے تو ثُمن رطل کو پانچ رطل آئے یعنی ایک سو چوالیس ۱۴۴ روپے بھر جَو کی جگہ ایک سو پچھتر ۱۷۵ روپے آٹھ آنے بھر گیہوں کہ بریلی کے سیر سے اَٹھنی بھر اوپر پَونے دو سیر ہوئے، یہ محفوظ رکھنا چاہئے کہ صدقۂ فطر و کفارات و فدیۂ صوم وصلاۃ میں اسی اندازہ سے گیہوں ادا کرنا اَحوط و اَنفع للفقراء ہے اگرچہ اصل مذہب پر بریلی کی تول سے چھ ٦ روپے بھر کم ڈیڑھ سیر گیہوں ہیں۔ پھر اُسی پیمانے میں پانی بھر کر وزن کیا تو دو سو چودہ ۲۱۴ روپے بھر ایک دوانی کم آیا کہ کچھ کم چھ رطل ہوا تو تنہا وضو کا پانی رامپوری سیر سے تقریباً آدھ پاؤ سیر ہوا اور باقی غسل کا قریب ساڑھے چار سیر کے، اور مجموع غسل کا چھٹا نک اوپر ساڑھے پانسیر سے کچھ زیادہ۔ یہ بحمد اللہ تعالٰی قریبِ قیاس ہے بخلاف اس کے اگر تنقیحاتِ مذکورہ نہ مانی جائیں تو مجموع غسل کا پانی صرف تین سیر رہتا ہے اور امام ابو یوسف کے طور پر دو ہی سیر،

اُسی میں وضو اُسی میں غسل اور ہر عضو پر تین تین بار پانی کا بہنا یہ سخت دشوار بلکہ بہت دُور اَز کار ہے۔ص 791 تا 798

امر چہارم: کیا پانی کی یہ مقداریں کہ مذکور ہوئیں حدِ محدود ہیں کہ ان سے کم وبیش ممنوع؟ ائمہ دین وعلمائے معتمدین مثل امام ابو زکریا نووی شرح صحیح مسلم اور امام محمود بدر عینی شرح صحیح بخاری اور امام محمد بن امیر الحاج شرح منیہ اور ملّا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں اجماعِ امت نقل فرماتے ہیں کہ ان مقادیر پر قصر نہیں مقصود یہ ہے کہ پانی بلاوجہ محض زیادہ خرچ نہ ہو نہ ادائے سنت میں تقصیر رہے پھر کسی قدر ہو کچھ بندش نہیں، حدیث وظاہر الروایۃ میں جو مقادیر و چار مد آئیں اُن سے مراد ادنیٰ قدرِ سنت ہے۔

بلکہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ غسل میں ایک صاع سے زیادت افضل ہے۔ اس عبارت میں تصریح ہے کہ قدرِ حاجت سے زیادہ خرچ کرنا مستحب ہے جبکہ حدِ وسوسہ تک نہ پہنچے ہاں وسوسہ کا قدم درمیان ہو تو حاجت سے زیادہ صَرف نہ کرے۔ص 842

فائدہ: اُن پانیوں کے بیان میں جو اس حساب سے جُدا ہیں:

(۱) آبِ استنجاء ہمارے علماء نے وضو کی تقسیم یوں فرمائی ہے کہ آدمی موزوں پر مسح کرے اور استنجے کی حاجت نہ ہو تو نیم مُد پانی کافی ہے اور موزے اور استنجا دونوں ہوں یا دونوں نہ ہوں تو ایک مُد، اور موزے نہ ہوں اور استنجا کرنا ہو تو ڈیڑھ مُد۔ (۲) ظاہر ہے کہ اگر بدن پر کوئی نجاستِ حقیقیہ ہو جیسے حاجتِ غسل میں ران وغیرہ پر منی تو اس کی تطہیر کا پانی اس حساب میں نہیں اور یہیں سے ظاہر کہ بعدِ جماع اگر کپڑا نہ ملے تو پانی کہ اب استنجے کو درکار ہوگا معمول سے بہت زائد ہوگا۔ص 798

(۳) پیش اَز استنجا تین بار دونوں ہاتھ کلائیوں تک دھونا۔

(۴) اس تحقیق پر جبکہ مسواک وضو کی سنّت ہے مگر وضو میں نہیں بلکہ اُس سے پہلے ہے تو جو پانی کہ مسواک میں صرف ہوگا اس حساب سے خارج ہے۔ص 837

(۵) اس قدر تو درکار ہی ہے اور اُس کے ساتھ اگر منہ میں کوئی تغیرِ رائحہ ہوا تو جتنی بار مسواک اور کُلّیوں سے اس کا اِزالہ ہو لازم ہے اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں بدبودار کثیف بے احتیاطی کا حقّہ پینے والوں کو اس کا خیال سخت ضروری ہے اور اُن سے زیادہ سگریٹ والے کہ اس کی بدبو مرکب تمبا کو سے سخت تر اور زیادہ دیر پا ہے اور ان سب سے زائد اَشد ضرورت تمبا کو کھانے والوں کو ہے جن کے منہ میں اُس کا جِرم دَبا رہتا اور منہ کو اپنی بدبو سے بسا دیتا ہے یہ سب لوگ وہاں تک مسواک اور کُلّیاں کریں کہ منہ بالکل صاف ہو جائے اور بُو کا اَصلاً نشان نہ رہے اور اس کا امتحان یوں ہے کہ ہاتھ اپنے منہ کے قریب لے جا کر منہ کھول کر زور سے تین بار حلق سے پوری سانس ہاتھ پر لیں اور معاً سونگھیں بغیر اس کے اندر کی بدبو خود کم محسوس ہوتی ہے، اور جب منہ میں بدبو ہو تو مسجد میں جانا حرام نماز میں داخل ہونا منع واللّٰہ الہادی۔

(۶) یوں ہی جسے تر کھانسی ہو اور بلغم کثیر ولزوج کہ بمشکل بتدریج جُدا ہو اور معلوم ہے کہ مسواک کی تکرار اور کُلّیوں غراروں کا اِکثار اُس کے خروج پر مُعین تو اُس کے لئے بھی حد نہیں باندھ سکتے۔

(۷) یہی حال زکام کا ہے جبکہ ریزش زیادہ اور لزوجت دار ہو اُس کے تصفیہ اور بار بار ہاتھ دھونے میں جو پانی صرف ہو وہ بھی جُدا اور نامُعیَّنُ المقدار ہے۔

(۸) پانوں کی کثرت سے عادی خصوصاً جبکہ دانتوں میں فضا ہو تجربہ سے جانتے ہیں کہ چھالیا کے باریک ریزے اور پان کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس طرح منہ کے اَطراف واَکناف میں جاگیر ہوتے ہیں کہ تین بلکہ کبھی دس بارہ کُلیاں بھی اُن کے تصفیۂ تام کو کافی نہیں ہوتیں، نہ خلال اُنہیں نکال سکتا ہے نہ مسواک سوا کُلیوں کے کہ پانی منافذ میں داخل ہوتا اور جنبشیں دینے سے اُن جمے ہوئے باریک ذرّوں کو بتدریج چھڑا چھڑا کر لاتا ہے اس کی بھی کوئی تحدید نہیں ہوسکتی اور یہ کامل تصفیہ بھی بہت مؤکد ہے متعدد اَحادیث میں ارشاد ہوا ہے کہ جب بندہ نماز کو کھڑا ہوتا ہے فرشتہ اس کے منہ پر اپنا منہ رکھتا ہے یہ جو کچھ پڑھتا ہے اس کے منہ سے نکل کر فرشتہ کے منہ میں جاتا ہے اُس وقت اگر کھانے کی کوئی شے اُس کے دانتوں میں ہوتی ہے ملائکہ کو اُس سے ایسی سخت اِیذا ہوتی ہے کہ اور شے سے نہیں ہوتی۔ص838

استنجے سے پہلے تین بار دونوں ہاتھ کلائیوں تک دھونا سنت ہے

مسئلہ: استنجے سے پہلے تین بار دونوں ہاتھ کلائیوں تک دھونا سنت ہے اگرچہ سوتے سے نہ اُٹھا ہو ہاں سوتے سے اُٹھا اور بدن پر کوئی نجاست تھی تو زیادہ تاکید یہاں تک کہ سنتِ مؤکدہ ہے۔

مسئلہ: وضو کی ابتداء میں جو دونوں ہاتھ کلائیوں تک تین تین بار دھوئے جاتے ہیں سنت یہ ہے کہ منہ دھونے کے بعد جو ہاتھ دھوئے اس میں پھر دونوں کفِ دست کو شامل کرلے سرِ ناخن سے کہنیوں کے اوپر تک تین بار دھوئے۔

مسئلہ: بدن پر کوئی نجاست ہو مثلاً تر خارش ہے یا زخم یا پھوڑا یا پیشاب کے بعد بے استنجا سو رہا کہ پسینہ آکر تری پہنچنے کا احتمال ہے جب تو گٹوں تک ہاتھ پہلے دھونا سنتِ مؤکدہ ہے اگرچہ سویا نہ ہو جب کہ ہاتھ کا اس نجاست پر پہنچنا محتمل ہو اور اگر بدن پر نجاست نہیں تو ان کا دھونا سنت ہے مگر مؤکدہ نہیں اگرچہ سو کر اُٹھا ہو یوں ہی اگر نجاست ہے اور اس پر ہاتھ نہ پہنچنا معلوم ہے یعنی جاگ رہا ہے اور یاد ہے کہ ہاتھ وہاں تک نہ پہنچے تو اس صورت میں بھی سنتِ مؤکدہ نہیں ہاں سنت مطلقاً ہے۔ص799

مسواک ہمارے نزدیک سنّتِ وضو ہے مگر اُس کے وقت میں ہمارے ہاں اِختلاف ہے

مسواک ہمارے نزدیک سنّتِ وضو ہے (بخلاف امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کے کہ ان کے نزدیک سنّتِ نماز ہے جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے۔ت) ولہٰذا جو ایک وضو سے چند نمازیں پڑھے ہر نماز کے لئے مسواک کرنا مطلوب نہیں جب تک منہ میں کسی وجہ سے تغیر نہ آگیا ہو کہ اب اس دفعِ تغیر کے لئے مستقل سنّت ہوگی، ہاں وضو بے مسواک کرلیا ہو تو اب پیش اَز نماز کرلے **کمافی الدر وغیرہ** (جیسا کہ در وغیرہ میں ہے۔ت) مگر اُس کے وقت میں ہمارے یہاں اختلاف ہے بدائع وغیرہ معتمدات میں قبلِ وضو فرمایا اور مبسوط وغیرہ معتبرات میں وقتِ مضمضہ یعنی وضو میں کُلّی کرتے وقت۔ص804

مسئلہ: مسواک موجود ہو تو انگلی سے دانت مانجنا ادائے سنت وحصولِ ثواب کے لئے کافی نہیں۔ ہاں مسواک نہ ہو تو انگلی یا کھرکھرا کپڑا ادائے سنت کردے گا اور عورتوں کے لئے مسواک موجود ہو جب بھی مِسّی کافی ہے۔ص810

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ وعلمِ حدیث

پچیس صحابہ کی بہت کثیر التعداد حدیثیں اس وقت فقیر کے پیشِ نظر ہیں۔ص817

* **اقول:** بلکہ صدہا اَحادیث متعلقِ وضو ومسواک اس وقت سامنے ہیں۔ص819

مسواک وضو کی سنتِ قبلیہ ہے، ہاں سنتِ مؤکدہ اُسی وقت ہے جبکہ منہ میں تغیر ہو

بالجملہ: بحکمِ متون واحادیث اَظہر، وہی مختارِ بدائع وزیلعی وحلیہ ہے کہ مسواک وضو کی سنتِ قبلیہ ہے، ہاں سنتِ مؤکدہ اُسی وقت ہے جبکہ منہ میں تغیر ہو، سنّت یہ ہے کہ مسواک کرنے سے پہلے دھولی جائے اور فراغ کے بعد دھو کر رکھی جائے اور کم ازکم اُوپر کے دانتوں اور نیچے کے دانتوں میں تین تین بار تین پانیوں سے کی جائے۔ص837

مراتبِ احکام پانچ ہیں

اقول: وباللہ التوفیق مراتب پانچ ہیں:(۱) ضرورت (۲) حاجت (۳) منفعت (۴) زینت (۵) فضول۔

(۱)ضرورت:

یہ کہ اُس کے بغیر گزر نہ ہوسکے جیسے مکان میں **حُجرۃ یستر خلہ** وہ سوراخ جس میں آدمی بزور سماسکے۔کھانے میں **لقیمات یقمن صلبہ** چھوٹے چھوٹے چند لقمے کہ سدِ رمق کریں ادائے فرائض کی طاقت دیں۔لباس میں **خرقۃ تواری عورتہ** اتنا ٹکڑا کہ سترِ عورت کرے۔

(۲)حاجت:

یہ کہ بے اُس کے ضرر ہو، جیسے مکان اتنا کہ گرمی جاڑے برسات کی تکلیفوں سے بچا سکے، کھانا اتنا جس سے ادائے واجبات وسُنن کی قوت ملے، کپڑا اتنا کہ جاڑا روکے اتنا بدن ڈھکے جس کا کھولنا نماز ومجمعِ ناس میں خلافِ ادب وتہذیب ہے مثلاً خالی پاجامے سے نماز مکروہِ تحریمی ہے۔ابوداؤد اور حاکم نے حضرتِ بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدمی بے چادر اوڑھے صرف پاجامے میں نماز پڑھے۔

یوں ہی تنہا پاجامہ پہنے راہ میں نکلنے والا ساقطُ العدالۃ ،مردودُالشہادۃ،خفیفُ الحرکات ہے۔یہ مسئلہ خوب یاد رکھنے کا ہے کہ آج کل اکثر لوگوں میں اس کی بے پرواہی پھیلی ہے خصوصاًوہ جن کے مکان سرِ راہ ہیں۔

(۳)منفعت:

یہ کہ بغیر اس کے ضرر تو موجود نہیں مگر اُس کا ہونا اصل مقصود میں نافع ومفید ہے جیسے مکان میں بلندی ووسعت، کھانے میں سرکہ چٹنی سیری، لباس نماز میں عمامہ۔

(۴)زینت:

یہ کہ مقصود سے محض بالائی زائد بات ہے جس سے ایک معمولی اَفزائشِ حُسن وخوشنمائی کے سوا اور نفع وتائیدِ غرض نہیں جیسے مکان کے دَروں میں محرابیں، کھانے میں رنگتیں کہ قورمہ خوب سُرخ ہو فرنی نہایت سفید براق ہو، کپڑے میں بخیہ باریک ہو قطع میں کج نہ ہو۔

(۵) فضول:

یہ کہ بے منفعت چیز میں حد سے زیادہ توسُّع و تدقیق جیسے مکان میں سونے چاندی کے کلس دیواروں پر قیمتی غلاف، کھانا کھائے پر میوے شیرینیاں، پائچے گٹوں سے نیچے۔

اوّل مرتبۂ فرض میں ہے دوم واجب وسننِ مؤکدہ سوم وچہارم سننِ غیرِ مؤکدہ سے مستحبات وآدابِ زائدہ تک پنجم باختلافِ مراتب مباح ومکروہ تنزیہی وتحریمی سے حرام تک۔ص843

رسالہ: برکات السماء فی حکم اسراف الماء

(بے جا پانی خرچ کرنے کے حکم کے بارے میں آسمانی برکات)۔ص875

جس انگوٹھی پر اللہ عزّوجل یا نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا نام پاک ہو پہن کر بیتُ الخلا میں جانا مکروہ ہے

شک نہیں کہ وقتِ استنجاء اُس انگشتری کا جس پر اللہ عزّوجل یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ پاک یا کوئی متبرک لفظ ہو اُتار لینا صرف مستحب ہی نہیں قطعاً سنّت اور اُس کا ترک ضرور مکروہ بلکہ اِساءت ہے بلکہ مطلقاً کچھ لکھا ہو حروف ہی کا ادب چاہئے بلکہ ایسی انگوٹھی پہن کر بیتُ الخلا میں جانا ہی مکروہ ہے ولہٰذا تعویذ لے جانے کی اجازت اُس وقت ہوئی کہ غلاف مثلاً موم جامہ میں ہو اور پھر بھی فرمایا کہ اب بھی بچنا ہی اَولیٰ ہے اگرچہ غلاف ہونے سے کراہت نہ رہی۔ص896

احکام کی قسمیں

(۱) ترکِ عادی ہو نا یا نادر، مطلقاً موجبِ استحقاقِ عذاب ہو یہ بحالِ قطعیت فرض، ورنہ واجب ہے۔

(۲) عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب۔ یہ سنتِ مؤکدہ ہے کہ اگر نادر پر بھی عذاب ہو تو اُس میں اور واجب میں فرق نہ رہے گا اور عادی پر بھی عتاب ہی ہو تو اُس میں اور سنتِ غیرِ مؤکدہ میں تفاوت نہ ہوگا حالانکہ وہ ان دونوں میں برزخ ہے۔

(۳) عادی ہو یا نادر، مطلقاً مُورثِ عتاب ہو۔ یہ سنتِ زائدہ ہے۔

(۴) مطلقاً عذاب وعتاب کچھ نہ ہو۔ یہ مستحب ومندوب وادب ہے۔

پھر اَزانجا کہ فعل وترک میں تقابل ہے بغرضِ تعادُل واجب ہے کہ ایسی ہی چار قسمیں جانبِ ترک نکلیں یعنی جس کا ترک مطلوب ہے:

(۱) اس کا فعل عادی ہو یا نادر مطلقاً موجبِ اِستحقاقِ عذاب ہو یہ بحالِ قطعیت حرام ورنہ مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) فعلِ عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب یہ اِساءت ہے جس کی نسبت علماء نے تحقیق فرمائی کہ کراہتِ تنزیہی سے اَفحش اور تحریمی سے اَخف ہے۔

(۳) مطلقاً مورثِ عتاب ہی ہو یہ کراہتِ تنزیہی ہے۔

(۴) مطلقاً کچھ نہ ہو یہ خلافِ اَولیٰ ہے۔

تنویر: اس تقریرِ منیر سے چند جلیل فائدے متجلی ہوئے:

(۱) سنتِ مؤکدہ کا ترک مطلقاً گناہ نہیں بلکہ اُس کے ترک کی عادت گناہ ہے۔

(۲) اِساءت کے بارے میں اگرچہ کلماتِ علماء مضطرب ہیں کوئی اسے کراہت سے کم کہتا ہے، کوئی زائد، کوئی مساوی مگر عندالتحقیق اُس کا مقابل سنتِ مؤکدہ ہونا چاہئے کہ جس طرح سنتِ مؤکدہ واجب وسنتِ زائدہ میں برزخ ہے یوں ہی اِساءت کراہتِ تحریم وکراہتِ تنزیہ میں۔

(۳) کراہتِ تنزیہ نہ مستحب کے مقابل ہے نہ سنّتِ مؤکدہ کے، بلکہ سنّتِ غیرِ مؤکدہ کے مقابل ہے، اُسے مستحب کے مقابل کہنا خلافِ تحقیق ہے۔ اور مطلق سنّت کے مقابل بتانا بمعنی اَعم ہے جبکہ اُسے اساءت کو بھی شامل کرلیا جائے جس طرح کبھی اساءت کو اَعم لے کر سنّتِ زائدہ کے مقابل بولتے ہیں جس طرح اطلاقِ موسّع میں خلافِ اولی کو مکروہ تنزیہی کہہ دیتے ہیں۔

(۴) خلافِ اَولیٰ مستحب کا مقابل ہے اور معنیٰ خاص پر مکروہِ تنزیہی سے بالکل جُدا ہاں بمعنی اَعم اُسے بھی شامل اور کراہتِ تنزیہ کا اُس کی طرف مرجع ہونا اسی معنی پر ہے۔

(۵) کراہت کے لئے اگرچہ تنزیہی ہو ضرور دلیل کی حاجت ہے۔ اقول: خلافِ سنت ہونا خود کراہت پر دلیلِ شرعی ہے۔

(۶) یہ نفیس جلیل تفرقے مقتضائے تقسیمِ عقلی واِقتضائے نفسِ لفظِ کراہت وقضیۂ تفرقۂ اَحکام ہیں نہ کہ نری اِصطلاحِ اختیاری کہ جس کا جو چاہا نام رکھ لیا۔ ص902

اَحکام گیارہ ہیں

احکام گیارہ ہیں پانچ جانبِ فعل میں متنازِلاً (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنّت مؤکدہ (۴) غیر مؤکدہ (۵) مستحب اور پانچ جانبِ ترک میں متصاعداً (۶) خلافِ اَولیٰ (۷) مکروہ تنزیہی (۸) اِساءت (۹) مکروہ تحریمی (۱۰) حرام۔ جن میں میزانِ مقابلہ اپنے کمال اِعتدال پر ہے کہ ہر ایک اپنے نظیر کا مقابل ہے اور سب کے بیچ میں گیارھواں مباح خالص۔ اس تقریرِ منیر کو حفظ کرلیجئے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزار ہا مسائل میں کام دے گی اور صدہا عُقدوں کو حل کرے گی کلمات اس کے موافق مخالف سب طرح کے ملیں گے مگر بحمدِ اللہ تعالیٰ اس سے متجاوز نہیں فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امامِ اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی ضرور ارشاد فرماتے کہ یہ عطرِ مذہب وطرازِ مُذَہَّب ہے **وَالحَمدُ للّٰہِ رَبِّ العٰلمین**۔ ص909

مسئلہ: تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفع یدین سنتِ مؤکدہ ہے ترک کی عادت سے گناہ گار ہوگا ورنہ مکروہ ضرور۔ ص913

مسئلہ: وضو میں نیت نہ کرنے کی عادت سے گناہ گار ہوگا اس میں نیت سنتِ مؤکدہ ہے۔ ص914

مسئلہ: طہارت میں ہر عضو کا پورا تین بار دھونا سنتِ موکدہ ہے ترک کی عادت سے گناہ گار ہوگا۔ ص915

مسئلہ: پانی ڈالنے کی گنتی معتبر نہیں جتنا دھونے کا حکم ہے اس پر پورا پانی بہہ جانا معتبر ہے مثلاً ہاتھ پر ایک بار پانی ڈالا کہ تہائی کلائی پر بہا باقی پر بھیگا ہاتھ پھیرا دوبارہ دوسری تہائی دُھلی سہ بارہ تیسری۔ تو یہ ایک ہی بار دھونا ہوا ہر بار پورے ہاتھ پر کہنی سمیت پانی

ذرہ ذرہ پر بہتا تو تین بار ہوتا اس طرح دھونے کی عادت سے گناہ گار ہوگا اور اگر سو بار پانی ڈالا اور ایک ہی جگہ بہا کچھ حصے پر کسی دفعہ نہ بہا اگر چہ بھیگا ہاتھ پھیرا تو وضو ہی نہ ہوگا۔ص915

مسئلہ : اگر پانی کم ہے یا سردی سخت ہے اور کسی ضرورت کے لئے پانی درکار ہے اس وجہ سے اعضا ایک ایک بار دھوئے تو مضائقہ نہیں۔ص916

فائدہ: اس مسئلہ پر باقی کلام اور سنت کی تعریف واقسام اور سنّت غیر مؤکدہ کی تحقیقِ احکام اور اُس کا مستحب سے فرق اور مکروہ تحریمی وتنزیہی کی بحث جلیل اور یہ کہ مکروہ تنزیہی اَصلاً گناہ نہیں اور یہ کہ مکروہ تحریمی مطلقاً گناہ ہے اور یہ کہ وہ بے اِصرار ہرگز کبیرہ نہیں اور ان مسائل میں فاضل لکھنوی کی لغزشوں کا بیان یہ سب ہمارے رسالہ ''**بسط الیدین فی السنة والمستحب والمکروھین**'' ۱۳۲۷ھ میں ہے۔ص917

مطلق کراہت سے کون سی کراہت مراد ہوتی ہے؟

اس میں کلام نہیں کہ فقہاء بارہا کراہت مطلق بولتے اور اُس سے خاص مکروہِ تنزیہی یا تنزیہی وتحریمی دونوں کو عام مراد لیتے ہیں مگر یہ وہاں ہے کہ ارادۂ کراہتِ تحریم سے کوئی صارف موجود ہو مثلاً دلیل سے ثابت یا خارج سے معلوم ہو کہ جسے یہاں مطلق مکروہ کہا مکروہ تحریمی نہیں یا جو افعال یہاں گنے اُن میں مکروہ تنزیہی بھی (جیسے مکروہاتِ نماز میں ایسا کرتے ہیں۔ت) بے قیامِ دلیل ہمارے مذہب میں اصل وہی ارادۂ کراہتِ تحریم (جیسا کہ نصِ محقق علی الاطلاق کی تصریح گزری اور کتبِ مذہب اس کے بیان سے لبریز ہیں۔ت) تو کراہتِ تنزیہ کی طرف پھیرنا ہی محتاجِ دلیل ہے۔ص918

طہارت میں بےسبب پانی زیادہ خرچ کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

ملاحظۂ کلماتِ علماء سے اس میں چار قول معلوم ہوتے ہیں، ان میں قوی تر دو ہیں اور فضلِ الٰہی سے امید ہے کہ بعدِ تحقیق وحصولِ توفیق اختلاف ہی نہ رہے **وباللہ التوفیق**۔

(۱) مطلقاً حرام وناجائز ہے حتی کہ اگر نہر جاری میں وضو کرے یا نہائے اُس وقت بھی بلاوجہ صَرف گناہ وناروا ہے یہ قول بعض شافعیہ کا ہے جسے خود شیخ مذہبِ شافعی سیدنا امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں نقل فرما کر ضعیف کر دیا اور اسی طرح دیگر محققینِ شافعیہ نے اُس کی تضعیف کی۔

(۲) مکروہ ہے اگر چہ نہرِ جاری پر ہو اور کراہت صرف تنزیہی ہے اگر چہ گھر میں ہو یعنی گناہ نہیں صرف خلافِ سنت ہے۔

(۳) مطلقاً مکروہ تک نہیں نہ تحریمی نہ تنزیہی صرف ایک ادب وامرِ مستحب کے خلاف ہے۔

(۴) نہرِ جاری میں اِسراف جائز کہ پانی ضائع نہ جائے گا اور اس کے غیر میں مکروہِ تحریمی۔ص875

فاقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق :(تحقیق کی انتہاء تک پہنچنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ت) تقدیرِ شرعی سے زیادہ پانی ڈالنا سہواً ہوگا یا بحالِ شک یا دیدہ ودانستہ۔

اول: یہ کہ تین بار اِستیعاباً دھولیا اور یاد رہا کہ دو ہی بار دھویا ہے۔اور دوم یہ کہ مثلاً دو یا تین میں شبہ ہوگیا، یہ دونوں صورتیں یقیناً

ممانعت سے خارج ہیں۔لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رفع عن امتی الخطأ والنسیان اس لئے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میری اُمّت سے خطاء ونسیان اُٹھا لیا گیا ہے۔(ت)وقولہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دَعْ مَایُرِیبُكَ۔اورحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جوشک پیدا کرے اسے چھوڑ کر وہ لو جس میں شک نہ ہو۔

اور دیدہ ودانستہ کسی غرضِ صحیح وجائز کے لئے ہوگا یا غرضِ فاسد وممنوع کے لئے یا محض بلا وجہ، برتقدیرِ اول کسی طرح اِسراف نہیں ہوسکتا نہ اُس سے منع کی کوئی وجہ، عام اَزینکہ وہ غرض، غرضِ مطلوبِ شرعی ہوجیسے منہ سے اِزالۂ بدبو یا پان یا چھالیہ کے رِیزوں کا اِخراج، یاحسبِ بیاناتِ سابقہ وضوعلی الوضو کی نیت یا غرضِ صحیح جسمانی جیسے میل کا اِزالہ یا شدتِ گرما میں تحصیلِ برودت۔تواب نہ رہیں مگر دوصورتیں اور یہی ان اَقوالِ اربعہ میں زیرِ بحث ہیں تحقیقِ معنیٔ اسراف میں ہمارا بیان یاد کیجئے یہ وہی دو قطب ہیں جن پر اُس کا فلک دَورہ کرتا ہے اور یہ بھی اُسی تقریر پر نظر ڈالے سے واضح ہوگا کہ ان صورتوں میں کی اَول یعنی غرضِ فاسدوناروا کے لئے تقدیرِ شرعی پر زیادت مطلقاً ممنوع وناجائز ہے اگرچہ پانی اَصلاً ضائع نہ ہو۔

قولِ اوّل کا یہی محمل ہے اور ضرور حقِ صریح بلکہ مجمع علیہ ہے اور اسی پر حمل کے لئے ہمارے علماء نے حدیثِ ہشتم کو صورتِ فسادِ اِعتقاد پر محمول فرمایا یعنی جبکہ جانے کہ تقدیرِ شرعی سے زیادہ ہی میں سنّت حاصل ہوگی۔ظاہر ہے کہ اس نیتِ فاسدہ سے نہر نہیں سمندر میں ایک چُلّو بلکہ ایک بوند زیادہ ڈالنا اِسراف وگناہ وناجائز ہوگا کہ اصل گناہ اُس نیت میں ہے، گناہ کی نیت سے جو کچھ کرے گا سب گناہ ہوگا۔رہی صورتِ اَخیرہ کہ محض بلا وجہ زیادت ہو، اوپر واضح ہولیا کہ یہاں تحقیقِ اسراف وحصولِ ممانعت اِضاعت پر موقوف ہے تو اس صورت میں دیکھنا ہوگا کہ پانی ضائع ہوا یا نہیں، اگر ہوا مثلاً زمین پر بہہ گیا اور کسی مصرف میں کام نہ آیا تو ضرور اِسراف وناروا ہے۔اور یہی محمل قولِ چہارم ہے اور یقیناً صواب وصحیح بلکہ متفق علیہ ہے کون کہے گا کہ بے کار پانی ضائع کرنا جائز وروا ہے۔باقی رہی ایک شکل کہ زیادت ہو تو بلا وجہ مگر پانی ضائع نہ ہو مثلاً بلا وجہ محض چوتھی بار پانی اس طرح ڈالے کہ نہر میں گرے یا کسی پیڑ کے تھالے میں جسے پانی کی حاجت ہے یا کسی برتن میں جس کا پانی اسپ وگاؤ وغیرہ جانوروں کو پلایا جائے گا یا گارا بنانے کے لئے تغار میں پڑے گا یا زمین ہی پر گرا مگر موسمِ گرما ہے چھڑکاؤ کی حاجت ہے یا ہوا سے ریتا اُڑتا ہے اس کے دبانے کی ضرورت ہے اور انہیں کے مثل اور اَغراضِ صحیحہ جن کے سبب پانی ضائع نہ جائے۔یہ غرضیں اگرچہ صحیح وارد ہیں، جن کے سبب اِضاعت نہ ہوگی مگر اعضا پر یہ پانی مثلاً چوتھی بار ڈالنا محض بے وجہ ہی رہا کہ یہ غرضیں تو برتن میں ڈالنا یا زمین پر بہانا چاہتی ہیں عضو پر ڈال کر گرانے کو ان میں کیا دخل تھا لاجرم وہ عبث محض رہا مگر پانی ضائع نہ گیا تو اسراف کی کوئی صورت متحقق نہ ہوئی اور اس کے ممنوع وناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں رہی، یہی قولِ دوم وسوم کا محمل ہے اور قطعاً مقبول وبے خلل ہے بلکہ اِتفاق واِطباق کا محمل ہے۔ص988

بالجملہ حاصلِ حکم یہ نکلا بے حاجت زیادت اگر باعتقادِ سنّیت ہو مطلقاً ناجائز وگناہ ہے اگرچہ دریا میں اور اگر پانی ضائع جائے تو جب بھی مطلقاً مکروہ تحریمی اگرچہ اِعتقادِ سنیت نہ ہو اور اگر نہ فسادِ عقیدت نہ اِضاعت تو خلافِ ادب ہے مگر عادت کرلے تو مکروہ تنزیہی، یہ ہے بحمدِ اللہ تعالیٰ فقہِ جامع وفکرِ نافع ودرکِ بالغ ونورِ بازغ وکمالِ توفیق وجمالِ تطبیق وحُسنِ تحقیق وعطرِ تدقیق وباللہ التوفیق والحمدللہ رب العلمین۔ص1030

اِسراف کی تعریف واحکام

تنبیہ: اسراف بلاشبہ ممنوع وناجائز ہے۔

اَقول: اسراف کی تفسیر میں کلمات متعدد وجہ پر آئے: (۱) غیرِ حق میں صرف کرنا۔ یہ تفسیر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمائی۔ (۲) حکمِ الٰہی کی حد سے بڑھنا۔ (۳) ایسی بات میں خرچ کرنا جو شرعِ مطہر یا مروّت کے خلاف ہو اول حرام ہے اور ثانی مکروہِ تنزیہی۔ (۴) طاعتِ الٰہی کے غیر میں اُٹھانا۔ (۵) حاجتِ شرعیہ سے زیادہ استعمال کرنا (۶) غیرِ طاعت میں یا بلا حاجت خرچ کرنا۔ (۷) دینے میں حق کی حد سے کمی یا بیشی۔ (۸) ذلیل غرض میں کثیر مال اُٹھا دینا۔ (۹) حرام میں سے کچھ یا حلال کو اعتدال سے زیادہ کھانا (۱۰) لائق وپسندیدہ بات میں قدرِ لائق سے زیادہ اُٹھا دینا۔ (۱۱) بے فائدہ خرچ کرنا۔

ہمارے کلام کا ناظر خیال کرسکتا ہے کہ ان تمام تعریفات میں سب سے جامع ومانع وواضح تر تعریف اول ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ اُس عبداللہ کی تعریف ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم کی گٹھری فرماتے اور جو خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بعد تمام جہان سے علم میں زائد ہے اور ابوحنیفہ جیسے امامُ الائمہ کا مُورثِ علم ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہ وعنہم اجمعین۔ ص926 تا 937

تبذیر کے باب میں علماء کے دو قول ہیں

(۱) وہ اور اسراف دونوں کے معنی ناحق صرف کرنا ہیں۔ **اقول:** یہی صحیح ہے کہ یہی قول حضرتِ عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن عباس وعامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے۔ (۲) اُن میں فرق ہے تبذیر خاص معاصی میں مال برباد کرنے کا نام ہے۔

بالجملہ احاطۂ کلمات سے روشن ہوا کہ وہ قطب جن پر ممانعت کے اَفلاک دورہ کرتے ہیں دو ہیں ایک مقصدِ معصیت دوسرا بے کار اِضاعت اور حکم دونوں کا منع وکراہت۔

اقول: معصیت تو خود معصیت ہی ہے ولہٰذا اُس میں منع مال ضائع کرنے پر موقوف نہیں اور غیرِ معصیت میں جبکہ وہ فعل فی نفسہ گناہ نہیں لاجرم ممانعت میں اِضاعت ملحوظ ولہٰذا عام تفسیرات میں لفظِ اِنفاق ماخوذ کہ مفیدِ خرچ واستہلاک ہے کہ اَہم بالافادہ یہی ہے معاصی میں صَرف معصیت ہونا تو بدیہی ہے زید نے سونے چاندی کے کڑے اپنے ہاتھوں میں ڈالے یہ اسراف ہوا کہ فعل خود گناہ ہے اگرچہ تھوڑی دیر پہننے سے کڑے خرچ نہ ہو جائیں گے اور بلاوجہ محض اپنی جیب میں ڈالے پھرتا ہے تو اِسراف نہیں کہ نہ فعل گناہ ہے نہ مال ضائع ہوا اور اگر دریا میں پھینک دیے تو اسراف ہوا کہ مال کی اضاعت ہوئی اور اِضاعت کی ممانعت پر حدیثِ صحیح ناطق صحیح بخاری وصحیح مسلم میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان اللہ تعالی کرہ لکم قیل وقال و کثرۃ السؤال واضاعۃ المال بے شک اللہ تعالٰی تمہارے لئے مکروہ رکھتا ہے فضول بک بک اور سوال کی کثرت اور مال کی اِضاعت۔ یہ تحقیقِ معنی اسراف ہے جسے محفوظ وملحوظ رکھنا چاہئے۔

فائدہ: یہاں سے ظاہر ہوا کہ وضو وغسل میں تین بار سے زیادہ پانی ڈالنا جبکہ کسی غرضِ صحیح سے ہو ہرگز اسراف نہیں کہ جائز غرض میں خرچ کرنا نہ خود معصیت ہے نہ بیکار اِضاعت۔ اس کی بہت مثالیں اُن پانیوں میں ملیں گی جن کو ہم نے آبِ وضوء سے مستثنٰی بتایا

نیز تبرید و تنظیف کی دو مثالیں ابھی گزریں اوران کے سوا علماء کرام نے دو صورتیں اور ارشاد فرمائی ہیں جن میں غرض صحیح ہونے کے سبب اسراف نہ ہوا:

(۱) یہ کہ وضو علی الوضوء کی نیت کرے کہ نورٌ علیٰ نور رہے۔

(۲) اگر وضو کرتے میں کسی عضو کی تثلیث میں شک واقع ہو تو کم پر بنا کرکے تثلیث کامل کرلے مثلاً شک ہوا کہ منہ یا ہاتھ یا پاؤں شاید دو ہی بار دھویا تو ایک بار اور دھولے اگرچہ واقع میں یہ چوتھی بار ہو اور ایک بار کا خیال ہوا تو دوبار، اور یہ شک پڑا کہ دھویا ہی نہیں تو تین بار دھوئے اگرچہ واقع کے لحاظ سے چھ بار ہوجائے یہ اسراف نہیں کہ اطمینانِ قلب حاصل کرنا غرضِ صحیح ہے۔ص 937

مسئلہ: اسراف کہ ناجائز و گناہ ہے صرف دو صورتوں میں ایسا ہوتا ہے ایک یہ کہ کسی گناہ میں صَرف و استعمال کریں دوسرے بے کار محض مال ضائع کریں۔ص 940

بعض عارفین نے فرمایا جو ہمیشہ باوضو رہے اللہ تعالیٰ اُسے سات فضیلتوں سے مشرف فرمائے:

(۱) ملائکہ اس کی صحبت میں رغبت کریں۔ (۲) قلم اُس کی نیکیاں لکھتا رہے۔

(۳) اُس کے اعضاء تسبیح کریں۔ (۴) اُسے تکبیرِ اُولیٰ فوت نہ ہو۔

(۵) جب سوئے اللہ تعالیٰ کچھ فرشتے بھیجے کہ جن وانس کے شر سے اُس کی حفاظت کریں۔

(۶) سکراتِ موت اس پر آسان ہو۔

(۷) جب تک باوضو ہو اَمانِ الٰہی میں رہے۔ص 945

وضو دو قسم ہے: واجب و مندوب

واجب کا سبب معلوم ہے کہ اُس چیز کا ارادہ جو بغیر اس کے حلال نہ ہو جیسے نماز یا سجدہ یا مصحف کریم کو ہاتھ لگانا، اور مندوب کے اسباب کثیر ہیں اَزانجملہ:

(۱) قہقہہ سے ہنسنا (۲) غیبت کرنا

(۳) چغلی کھانا (۴) کسی کو گالی دینا

(۵) کوئی فحش لفظ زبان سے نکالنا (۶) جھوٹی بات صادر ہونا

(۷) حمد و نعت و منقبت و نصیحت کے علاوہ کوئی دُنیوی شعر پڑھنا (۸) غصہ آنا

(۹) غیر عورت کے حُسن پر نظر۔

(۱۰) کسی کافر سے بدن چھوجانا اگرچہ کلمہ پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو جیسے قادیانی۔

(۱۱) ناخن سے کُہنی تک اپنے ہاتھ کا کوئی حصّہ اگرچہ کھُجانے میں اگرچہ بھُولے سے بلا حائل اپنے ذَکر کو لگ جانا۔

(۱۲) ہتھیلی یا کسی اُنگلی کا پیٹ اپنے یا پرائے سترِ غلیظ یعنی ذَکر یا فرج یا دُبر کو بے حائل چُھو جانا اگرچہ وہ دوسرا آدمی کتنا ہی چھوٹا

بچّہ یا مردہ ہو۔

(۱۳) نامحرم عورت کے کسی حصۂ جلد سے اپنا کوئی حصۂ جلد بے حائل چُھو جانا اگرچہ اپنی زوجہ ہو اگرچہ عورت مُردہ یا بڑھیا ہو اگرچہ نہ قصد ہو نہ شہوت چاہے لذت نہ پائے جبکہ وہ عورت بہت صغیرہ چار پانچ برس کی بچّی نہ ہو۔

(۱۴) اگر اُس چُھو جانے سے لذت آئی تو نامحرم کی بھی قید نہیں نہ جِلد کی خصوصیت نہ بے حائل کی ضرورت مثلاً رقیق یا متوسط حائل کے اوپر سے اپنی بہن یا بیٹی کے بال سے مس ہوجانے پر اِتفاقاً لذت کا آجانا جبکہ عورت قابلِ لذت ہو اور حائل بہت بھاری مثلِ رضائی وغیرہ کے نہ ہو۔

(۱۵) نامحرم عورت قابلِ لذت کو بقصدِ شہوت چُھو جانا اگرچہ حائل کتنا ہی بھاری ہو اگرچہ اپنی زوجہ ہو اگرچہ لذت نہ پائے مثلاً لحاف کے اوپر سے اُس کے بالوں پر ہاتھ رکھنا، اوران کے سوا اور بہت صورتیں ہیں اور ایک اصل کُلی یہ ہے کہ جس بات سے کسی اور امام مجتہد کے مذہب میں وضو جاتا رہتا ہے اُس کے وقوع سے ہمارے مذہب میں اِعادۂ وضو مستحب ہے۔ص963

مستحب وضو اور بھی ہیں مگر یہاں وہی اکثر ذکر کئے جن کا وضو میں وقوع عادۃً بعید نہ ہو کامل اِحتیاط والے کو ان مسائل پر اطلاع نہایت مناسب ہے۔اب بے فصل نماز وغیرہ عباداتِ مقصودہ یا بے تبدلِ مجلس اعادۂ وضو کی کراہت اگر ہوگی بھی تو وہاں کہ اعادہ کے لئے کوئی سببِ خاص نہ ہو ورنہ بعد وجودِ سبب وہ بے وجہ نہیں کہ اسراف ہو۔اور اگر مواضع خلاف میں نزاع عود بھی کرے کہ رعایت خلاف وہیں مستحب ہے کہ اپنے مذہب کا مکروہ نہ لازم آئے۔

جن باتوں سے اعادۂ وضو مستحب ہے جب وہ وضو کرتے میں واقع ہوں تو مستحب ہے کہ پھر سرے سے وضو کرے۔ص976

جھوٹ اور غیبت معنوی نجاست ہیں

جھوٹ اور غیبت معنوی نجاست ہیں ولہذا جھوٹے کے منہ سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ حفاظت کے فرشتے اُس وقت اُس کے پاس سے دُور ہٹ جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے اور اسی طرح ایک بدبو کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ یہ اُن کے منہ کی سڑاندھ ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں اور ہمیں جو جھوٹ یا غیبت کی بدبُو محسوس نہیں ہوتی اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اُس سے مالوف ہوگئے ہماری ناکیں اُس سے بھری ہوئی ہیں جیسے چمڑا پکانے والوں کے محلہ میں جو رہتا ہے اُسے اُس کی بدبُو سے اِیذا نہیں ہوتی دوسرا آئے تو اُس سے ناک نہ رکھی جائے۔

مسلمان اس نفیس فائدے کو یاد رکھیں اور اپنے رب سے ڈریں جھوٹ اور غیبت ترک کریں کیا معاذ اللہ منہ سے پاخانہ نکلنا کسی کو پسند ہوگا باطن کی ناک کھلے تو معلوم ہو کہ جھوٹ اور غیبت میں پاخانے سے بدتر سڑاندھ ہو۔ص970

لیس بخیر اور لا خیر فیہ میں فرق

اقول مگر نظرِ دقیق لیس بخیر اور لا خیر فیہ میں فرق کرتی ہے مباح ضرور نہ خیر نہ شر، مگر اُس کے فعل پر مواخذہ نہیں ،اور مؤاخذہ نہ ہونا خود خیرِ کثیر و نفعِ عظیم ہے تو لا خیر فیہ وہیں اطلاق ہوگا جہاں شر حاصل ہو۔ص986

عبث کسے کہتے ہیں اور اس کا حکم کیا ہے؟

فاقول وباللہ التوفیق فائدہ: تحقیقِ معنی وحکمِ عبث میں تتبع کلماتِ علماء سے اس کی تعریف وجوہِ عدیدہ پر ملے گی۔
(۱) جس فعل میں غرض غیرِ صحیح ہو وہ عبث ہے اور اَصلاً غرض نہ ہو تو سفہ۔ (۲) جس میں غرض غیر شرعی ہو۔ **اقول** یہ اول سے اَعم ہے کہ ہر غرض غیرِ صحیح غیر شرعی ہے اور ضرور نہیں کہ ہر غرض غیر شرعی غیر صحیح ہو جیسے ٹھنڈ کے لئے زیادہ پانی ڈالنا کہ غرضِ صحیح ہے مگر شرعی نہیں (۳) جس میں غرض صحیح نہ ہو۔ **اقول:** یہ ان دونوں سے اَعم ہے کہ اَصلاً عدمِ غرض کو بھی شامل اور ثانی سے اَخص بھی کہ غرضِ غیرِ شرعی صحیح کو بھی شامل (۴) غرض شرعی نہ ہو۔ **اقول:** یہ اول، ثانی، ثالث سب سے اَعم مطلقاً ہے کہ انتفائے غرضِ صحیح انتفائے غرضِ شرعی کو مستلزم ہے اور عکس نہیں اور انتفائے غرضِ شرعی اِنتفائے مطلق غرض سے بھی حاصل (۵) جس میں فاعل کے لئے کوئی غرضِ صحیح نہ ہو۔ (۶) بے فائدہ کام۔ (۷) جس میں فائدہ معتد بہا نہ ہو۔ (۸) اُس کام کے قابل فائدہ نہ ہو یعنی اُس میں جتنی محنت ہو نفع اس سے کم ہو۔ (۹) وہ کام جس کا فائدہ معلوم نہ ہو۔ (۱۰) وہ کام جس سے فائدہ مقصود نہ ہو (۱۱) بے لذت کام عبث ہے اور لذّت ہو تو لعب۔ (۱۲) عبث ولعب ایک شے ہیں۔ یہ تفسیر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے، اور کثرتِ اَقوال بھی اسی طرف ہے۔ یہ بارہ تعریفیں ہیں اور بعونہٖ تعالیٰ بعدِ تنقیح سب کا مآل ایک اگرچہ ۹ و ۱۱ کی عبارات میں تقصیر واقع ہوئی اس کی تحقیق چند اُمور سے ظاہر **فاقول وباللہ التوفیق**، اولاً: لعب ولہو وہزل ولغو وباطل وعبث سب کا محصل متقارب ہے کہ بے ثمرہ نامفید ہونے کے گرد دَورہ کرتا ہے۔ ص990

یہ نہایتِ کلام ہے تحقیق معنیٔ عبث میں، اب تنقیحِ حکم کی طرف چلئے وباللہ التوفیق۔ اَقول: بیانِ سابق سے واضح ہو کہ عبث کا مناط فعل میں فائدہ معتد بہا مقصود نہ ہونے پر ہے اور وہ اپنے عموم سے قصدِ مضر وارادۂ شر کو بھی شامل تو بظاہر مثلِ اسراف اُس کی بھی دو صورتیں ایک فعل بقصدِ شنیع دوسری یہ کہ نہ کوئی بُری نیت ہو نہ اچھی۔ ص1012

بالجملہ دونوں معنے کا پتا قرآنِ عظیم سے چلتا ہے اگرچہ متعارف غالب میں اُس کا استعمال معنی دوم ہی پر ہے بیہودہ وبے معنے کام ہی کو عبث کہتے ہیں نہ کہ معاصی وظلم وغصب وزنا وربا وغیرہا کو۔ 1017

ظاہر ہے کہ معنی اول پر عبث ممنوع وناجائز ہوگا نہ دوم پر اور یہاں ہمارا کلام قسمِ دوم میں ہے یعنی جہاں نہ قصدِ معصیت نہ پانی کی اِضاعت۔ اس کا حکم وہی ہے جو ابھی غایہ سروجی وبحر الرائق وغُنیہ شرنبلالی وردالمحتار سے منقول ہوا کہ خلافِ اَولیٰ ہے اور یہی مفادِ دُرمختار ہے۔ 1019

مسئلہ: گرمی کے موسم میں دامن پاجامہ سرین سے مل کر ان کی صورت ظاہر کرتا ہے اس سے بچنے کے لئے کپڑا داہنے بائیں نماز میں جھٹک دینا مکروہ نہیں بلکہ مطلوب ہے اور بلا حاجت کراہت۔ ص1005

فائدۂ مُہمّہ: وضو میں پانی زیادہ نہ خرچ ہونے کے لئے چند امور کا لحاظ رکھیں:

(۱) وضو دیکھ دیکھ کر ہوشیاری واحتیاط کے ساتھ کریں، عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ وضو بہت جلد کرنا چاہئے اور اسی معنے پر کہتے ہیں کہ وضو نوجوان کا سا اور نماز بُوڑھوں کی سی، یہ غلط ہے بلکہ وضو میں بھی درنگ وترکِ عجلت مطلوب ہے۔

(۲) بعض لوگ چلّو لینے میں پانی ایسا ڈالتے ہیں کہ اُبل جاتا ہے حالانکہ جو گرا بے کار گیا اس سے احتیاط چاہئے۔

(۳) ہر چلّو بھرا ہونا ضرور نہیں بلکہ جس کام کے لئے لیں اس کا اندازہ رکھیں مثلاً ناک میں نرم بانسے تک پانی چڑھانے کو پُورا چُلّو کیا ضرور نصف بھی کافی ہے بلکہ بھرا چلّو کُلّی کے لئے بھی درکار نہیں۔

(۴) لوٹے کی ٹونٹی متوسط معتدل چاہئے نہ ایسی تنگ کہ پانی بدیر دے نہ فراخ کہ حاجت سے زیادہ گرائے اس کا فرق یوں معلوم ہوسکتا ہے کہ کٹوروں میں پانی لے کر وضو کیجئے تو بہت خرچ ہوگا یونہی فراخ ٹونٹی سے بہانا زیادہ خرچ کا باعث ہے اگر لوٹا ایسا ہو تو اِحتیاط کرے پوری دَھار نہ گرائے بلکہ باریک۔

(۵) بہت بھاری برتن سے وضو نہ کرے خصوصاً کمزور کہ پورا قابو نہ ہونے کے باعث پانی بے اِحتیاط گرے گا۔

(۶) اَعضاء دھونے سے پہلے اُن پر بھیگا ہاتھ پھیر لے کہ پانی جلد دوڑتا ہے اور تھوڑا، بہت کا کام دیتا ہے خصوصاً موسمِ سرما میں اس کی زیادہ حاجت ہے کہ اَعضا میں خشکی ہوتی ہے بہتی دھار بیچ میں جگہ خالی چھوڑ جاتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

(۷) کلائیوں پر بال ہوں تو ترشوادیں کہ اُن کا ہونا پانی زیادہ چاہتا ہے اور مونڈنے سے سخت ہوجاتے ہیں اور تراشنا مشین سے بہتر کہ خوب صاف کر دیتی ہے اور سب سے اَحسن واَفضل نورہ ہے کہ ان اَعضاء میں یہی سنت سے ثابت اور ایسا نہ کریں تو دھونے سے پہلے پانی سے خوب بھگولیں کہ سب بال بچھ جائیں ورنہ کھڑے بال کی جڑ میں پانی گزر گیا اور نوک سے نہ بہا تو وضو نہ ہوگا۔

(۸) دست و پا پر اگر لوٹے سے دھار ڈالیں تو ناخنوں سے کہنیوں یا گٹوں کے اُوپر تک علی الاتصال اُتار دیں کہ ایک بار میں ہر جگہ پر ایک ہی بار گرے پانی جبکہ گر رہا ہے اور ہاتھ کی رَوانی میں دیر ہوگی تو ایک جگہ پر مکرر گرے گا۔

(۹) بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ ناخن سے کُہنی تک یا گٹے تک بہاتے لائے پھر دوبارہ سہ بارہ کے لئے جو ناخن کی طرف لے گئے تو ہاتھ نہ روکا بلکہ دھار جاری رکھی ایسا نہ کریں کہ تثلیث کے عوض پانچ بار ہوجائے گا بلکہ ہر بار کہنی یا گٹے تک لاکر دھار روک لیں اور رُکا ہوا ہاتھ ناخنوں تک لے جاکر وہاں سے پھر اِجرا کریں کہ سنت یہی ہے کہ ناخن سے کُہنیوں یا گٹوں تک پانی بہے نہ اس کا عکس۔

(۱۰) قولِ جامع یہ ہے کہ سلیقہ سے کام لیں۔ص 1034

دفعِ وسوسہ کے لئے بہترین تدبیران باتوں کا التزام ہے:

(۱) رجوع الی اللہ و (1) اَعُوْذُ و (۲) لَا حَوْل و (۳) سورہ ناس کی قرأت اور (۴) اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ کہنا (۵) اور {ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ ط وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ}ان سے فوراً وسوسہ دفع ہوجاتا ہے۔اور (۶) سُبْحٰنَ الْمَلِكِ الْخَلَّاقِ {اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ط وَمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ} کی کثرت اُسے جڑ سے قطع کر دیتی ہے۔

(۲) وسوسہ کی نہ سُننا اُس پر عمل نہ کرنا اس کے خلاف کرنا، اس بلائے عظیم کی عادت ہے کہ جس قدر اس پر عمل ہو اُسی قدر بڑھے

اور جب قصداً اُس کا خلاف کیا جائے تو باذنہٖ تعالیٰ تھوڑی مدّت میں بالکل دفع ہوجائے۔

امام ابنِ حجر مکّی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں مجھ سے بعض ثقہ لوگوں نے بیان کیا کہ دو وسوسہ والوں کو نہانے کی ضرورت ہوئی دریائے نیل پر گئے طلوعِ صبح کے بعد پہنچے ایک نے دوسرے سے کہا تُو اُتر کر غوطے لگا میں گنتا جاؤں گا اور تجھے بتاؤں گا کہ پانی تیرے سر کو پہنچا یا نہیں، وہ اُترا اور غوطے لگانا شروع کئے اور یہ کہہ رہا ہے کہ ابھی تھوڑی سی جگہ تیرے سر میں باقی ہے وہاں پانی نہ پہنچا ایک صبح سے دو پہر ہوگیا آخر تھک کر باہر آیا اور دل میں شک رہا کہ غسل اُترا یا نہیں۔ پھر اس نے دوسرے سے کہا اب تُو اُتر میں گنوں گا، اس نے ڈبکیاں لگائیں اور یہ کہتا جاتا ہے کہ ابھی سارے سر کو پانی نہ پہنچا یہاں تک کہ دو پہر سے شام ہوگئی مجبور وہ بھی دریا سے نکل آیا اور دل میں شُبہ کا شبہ ہی رہا، دن بھر کی نمازیں کھوئیں اور غسل اُترنے پر یقین نہ ہونا تھا نہ ہوا **والعیاذ باللہ تعالیٰ ذکرہ فی الحدیقۃ الندیۃ،** (اسے حدیقہ ندیہ میں بیان کیا گیا۔ت) یہ وسوسہ ماننے کا نتیجہ تھا۔

اور صالحین میں سے ایک صاحب فرماتے ہیں مجھے در بارۂ طہارت وسوسہ تھا راستہ کی کیچڑ اگر کپڑے میں لگ جاتی اُسے دھوتا (حالانکہ شرعاً جب تک خاص اُس جگہ نجاست کا ہونا ثابت و متحقق نہ ہو حکم طہارت ہے) ایک دن نمازِ صبح کے لئے جاتا تھا راہ کی کیچڑ لگ گئی میں نے دھونا چاہا اور خیال آیا کہ دھوتا ہوں تو جماعت جاتی ہے ناگاہ اللہ عزوجل نے مجھے ہدایت فرمائی میرے دل میں ڈالا کہ اس کیچڑ میں لوٹ اور سب کپڑے سان لے اور یونہی نماز میں شریک ہوجا، میں نے ایسا ہی کیا پھر وسوسہ نہ ہوا۔ **ذکرہ فی الطریقۃ المحمدیۃ** (اسے طریقہ محمدیہ میں نقل کیا گیا۔ت) یہ اس کی مخالفت کی برکت تھی۔

حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ شیطان نماز میں دھوکا دینے کے لئے کبھی انسان کی شرمگاہ پر آگے سے تھوک دیتا ہے کہ اُسے قطرہ آنے کا گمان ہوتا ہے کبھی پیچھے پھُونکتا یا بال کھینچتا ہے کہ ریح خارج ہونے کا خیال گزرتا ہے اس پر حکم ہوا کہ نماز سے نہ پھرو جب تک تری یا آواز یا بُو نہ پاؤ یعنی جب تک وقوعِ حدث پر یقین نہ ہولے۔ اسی لئے سنت ہوا کہ وضو کے بعد ایک چھینٹا رومالی یا تہ بند ہو تو اس کے اندرونی حصّے پر جو بدن کے قریب ہے دے لیا کریں **ثم لیقل ھو من الماء** پھر اگر قطرہ کا شبہ ہو تو خیال کرلیں کہ پانی جو چھڑکا تھا اُس کا اثر ہے۔ یہ چھینٹا خاص اہلِ وسوسہ ہی کے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے سنت ہے۔ معہذا اس میں اَقویا کے لئے جن کو برودتِ مثانہ کا عارضہ نہ ہو ایک نفع اور بھی ہے کہ شرمگاہ پر سرد پانی پڑنے سے اس میں تکاثُف و اِستمساک پیدا ہوکر قطرہ موقوف ہوجاتا ہے۔

اقول: مگر یہاں اولاً: یہ ملحوظ رہے کہ مقصود نفیِ وسوسہ ہے نہ ابطالِ حقیقت تو جسے قطرہ اُترنے کا یقین ہوجائے وہ پانی پر حوالہ نہیں کرسکتا یونہی جسے معاذ اللہ سلسِ البول کا عارضہ ہو اُسے یہ چھینٹا مفید نہیں بلکہ بسا اوقات مضر ہے کہ پانی کی تری سے نجاست بڑھ جائے گی۔

ثانیاً: سفید کپڑا پانی پڑنے سے بدن سے چمٹ کر بے حجابی لاتا ہے اس کا خیال فرض ہے۔

ثالثاً: یہ حیلہ اُسی وقت تک نافع ہے کہ چھڑکا ہوا پانی خشک نہ ہوگیا ہو ورنہ اُس پر حوالہ نہ کرسکیں گے۔

(۳) اگر شیطان حیلہ سے بھی نہ مانے اور وسوسہ ڈالے ہی جائے کہ تیرے وضو میں غلطی رہی یا تری نماز ٹھیک نہ ہوئی تو سیدھا جواب یہ ہے کہ خبیث تُو جھوٹا ہے۔ **اقول: حالتیں تین ہوتی ہیں:**

ایک تو یہ کہ عدو کا وسوسہ مان لیا اُس پر عمل کیا یہ تو اس ملعون کی عین مراد ہے، اور جب یہ ماننے لگا تو وہ کیا ایک ہی بار وسوسہ ڈال کر تھک رہے گا حاشا وہ ملعون آٹھ پہر اس کی تاک میں ہے جتنا جتنا یہ مانتا جائے گا وہ اس کا سلسلہ بڑھاتا رہے گا یہاں تک کہ نتیجہ وہی ہوگا دودو پہر کامل دریا میں غوطے لگائے اور سر نہ دُھلا۔

دوسرے یہ کہ مانے تو نہیں مگر اُس کے ساتھ نزاع وبحث میں مصروف ہوجائے یہ بھی اُس کے مقصدِ ناپاک کا حصول ہے کہ اُس کی غرض تو یہی تھی کہ یہ اپنی عبادت سے غافل ہوکر کسی دوسرے جھگڑے میں پڑ جائے اور پھر اس حیص بیص میں ممکن ہے کہ وہی خبیث غالب آئے اور صورتِ ثانیہ صورتِ اُولیٰ کی طرف عود کر جائے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

لہٰذا نجات اس **تیسری** صورت میں ہے جو ہمارے نبی کریم حکیم علیم رؤف رحیم علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلاۃ والتسلیم نے تعلیم فرمائی کہ فوراً اتنا کہہ کر الگ ہوجائے کہ تو جھوٹا ہے۔

اقول: یعنی یہ نہیں کہ صرف اس معنٰی کا تصور کرلیا کہ یہ کافی نہ ہوگا بلکہ دل میں جمالے کہ ملعون جھوٹا ہے پھر اُس کی طرف اِلتفات اور اُس سے بحث و بُردومات کی کیا حاجت شاید اسی لئے **فی نفسہٖ** زیادہ فرمایا۔

(۴) وسوسہ کا اتباع اپنے حول وقوت پر نظر سے ہوتا ہے ابلیس خیال ڈالتا ہے کہ تو نے یہ عمل کامل نہ کیا اس میں فلاں نقص رہ گیا یہ اُس تکمیل کے خیال میں پڑتا ہے حالانکہ جتنا رخصتِ شرعیہ کے مطابق ہوگیا وہ بھی کامل وکافی ہے اَکملیت کے درجات اَکملوں کے لائق ہیں دُشمن سے کہہ کہ اپنی دِلسوزی اُٹھا رکھے مجھ سے تو اتنا ہی ہوسکتا ہے ناقص ہے تو میں خود ناقص ہوں اپنے لائق میں بجالایا میرا مولیٰ کریم ہے میرے عجز وضُعف پر رحم فرما کر اتنا ہی قبول فرمالے گا اُس کی عظمت کے لائق کون بجالاسکتا ہے۔

(۵) **اٰخر الدواء الکی واٰخر الحیل السیفُ** (آخری دوا داغنا ہے اور آخری حیلہ تلوار۔ت) یوں بھی گزرے تو کہے فرض کردَم کہ میرا وضو نہ ہوا میری نماز نہ سہی مگر مجھے تیرے زعم کے مطابق بے وضو یا ظہر کی تین رکعت پڑھنی گوارا ہے، اور اے ملعون تیری اطاعت قبول نہیں۔ جب یوں دل میں ٹھان لی وسوسہ کی جڑ کٹ جائے گی اور بعونہٖ تعالٰی دُشمن ذلیل وخوار پسپا ہوگا۔ یہی معنٰی ہیں اُس ارشادِ امام اَجل مجاہد تلمیذِ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے کہ فرماتے: مجھے بے وضو پڑھ لینی اس سے زیادہ پسند ہے کہ شیطان کی اطاعت کروں۔ص 1042 تا 1067

شیطان کی دو قسمیں ہیں

شیطان دو قسم ہیں:

شیاطینُ الجن: کہ ابلیس لعین اور اس کی اولاد ملاعین ہیں، دوسرے

شیاطینُ الانس: کہ کفار ومبتدعین کے داعی ومنادی ہیں۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگ شیطان آدمیوں اور شیطان جنوں کے شر سے۔ عرض کی: کیا آدمیوں میں بھی شیطان ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ ائمۂ دین فرمایا کرتے کہ شیطان آدمی

شیطان جن سے سخت تر ہوتا ہے۔ اَقول آیہ کریمہ میں شیاطینُ الانس کی تقدیم بھی اس طرف مشیر، اس حدیث کریم نے کہ ''جب شیطان وسوسہ ڈالے اتنا کہہ کر الگ ہو جاؤ کہ تُو جھوٹا ہے''۔ دونوں قسم کے شیطانوں کا علاج فرما دیا شیطان آدمی ہو خواہ جن اُس کا قابو اُسی وقت چلتا ہے جب اُس کی سُنئے اور تنکا توڑ کر ہاتھ پر دَھر دیجئے کہ تُو جھوٹا ہے تو خبیث اپنا سامنہ لے کر رہ جاتا ہے۔ص 1057

بدمذہب کا بیان سننا سخت منع ہے درسِ رضا

آج کل ہمارے عوام بھائیوں کی سخت جہالت یہ ہے کہ کسی آریہ نے اِشتہار دیا کہ اسلام کے فلاں مضمون کے رَد میں فلاں وقت لیکچر دیا جائے گا یہ سُننے کے لئے دوڑے جاتے ہیں، کسی پادری نے اعلان کیا کہ نصرانیت کے فلاں مضمون کے ثبوت میں فلاں وقت ندا ہوگی، یہ سننے کے لئے دوڑے جاتے ہیں۔

بھائیو! تم اپنے نفع نقصان کو زیادہ جانتے ہو یا تمہارا رب عزّوجل تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اُن کا حکم تو یہ ہے کہ شیطان تمہارے پاس وسوسہ ڈالنے آئے تو سیدھا جواب یہ دے دو کہ تو جھوٹا ہے نہ یہ کہ تم آپ دوڑ دوڑ کے اُن کے پاس جاؤ اور اپنے رب جَلَّ وَعَلاَ، اپنے قرآن، اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کلماتِ ملعونہ سُنو۔ دیکھو قرآنِ عظیم تمہاری اس حرکت کی کیسی کیسی شناعتیں بتاتا اور اُن ناپاک لیکچروں نداؤں کی نسبت تمہیں کیا کیا ہدایت فرماتا ہے، آیہ کریمہ مذکورہ کے تتمہ میں ارشاد ہوتا ہے: {وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ} اور تیرا رب چاہتا تو وہ یہ دھوکے بناوٹ کی باتیں نہ بناتے پھرتے تو تُو انہیں اور اُن کے بہتانوں کو یک لخت چھوڑ دے۔

دیکھو اُنہیں اور اُن کی باتوں کو چھوڑنے کا حکم فرمایا یا اُن کے پاس سُننے کے لئے دوڑنے کا۔ اور سُنئے اس کے بعد کی آیت میں فرماتا ہے: {وَلِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِیَرْضَوْهُ وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ} اور اس لئے کہ اُن کے دل اس کی طرف کان لگائیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اُسے پسند کریں اور جو کچھ ناپاکیاں وہ کررہے ہیں یہ بھی کرنے لگیں۔

دیکھو اُن کی باتوں کی طرف کان لگانا اُن کا کام بتایا جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اس کا نتیجہ یہ فرمایا کہ وہ ملعون باتیں ان پر اَثر کر جائیں اور یہ بھی اُن جیسے ہو جائیں والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ لوگ اپنی جہالت سے گمان کرتے ہیں کہ ہم اپنے دل سے مسلمان ہیں ہم پر اُن کا کیا اَثر ہوگا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو دجال کی خبر سُنے اُس پر واجب ہے کہ اُس سے دُور بھاگے کہ خدا کی قسم آدمی اس کے پاس جائے گا اور یہ خیال کرے گا کہ میں تو مسلمان ہوں یعنی مجھے اس سے کیا نقصان پہنچے گا وہاں اس کے دھوکوں میں پڑ کر اس کا پیرو ہو جائے گا (اسے ابوداؤد نے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہ سے روایت کیا۔ ت) کیا دجال ایک اُسی دجال اَخبث کو سمجھتے ہو جو آنے والا ہے حاشا تمام گمراہوں کے داعی منادی سب دجال ہیں اور سب سے دُور بھاگنے ہی کا حکم فرمایا اور اُس میں یہی اندیشہ بتایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: آخر زمانے میں دجّال کذّاب لوگ ہوں گے کہ وہ باتیں تمہارے پاس لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمہارے باپ دادا نے،

توان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں (اسے مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ت)

بھائیو! ایک سہل بات ہے اسے غور فرمالو۔ تم اپنے رب جَلَّ وَعَلَا اپنے قرآن اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سچّا ایمان رکھتے ہو یا معاذ اللہ کچھ شک ہے! جسے شک ہو اسے اسلام سے کیا علاقہ وہ ناحق اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر مسلمانوں کو کیوں بدنام کرے۔ اور اگر سچا ایمان ہے تو اب یہ فرمایئے کہ ان کے لکچروں نداؤں میں آپ کے رب وقرآن ونبی وایمان کی تعریف ہوگی یا مذمت۔ ظاہر ہے کہ دوسری ہی صورت ہوگی اور اسی لئے تم کو بلاتے ہیں کہ تمہارے منہ پر تمہارے خداونبی وقرآن ودین کی توہین وتکذیب کریں۔

اب ذرا غور کرلیجئے ایک شریر نے زید کے نام اِشتہار دیا کہ فلاں وقت فلاں مقام پر میں بیان کروں گا کہ تیرا باپ ولد الحرام اور تیری ماں زانیہ تھی، للہ انصاف، کیا کوئی غیرت والا حمیت والا انسانیت والا جبکہ اُسے اس بیان سے روک دینے باز رکھنے پر قادر نہ ہو اُسے سُننے جائے گا حاشاللہ کسی بھنگی چمار سے بھی یہ نہ ہوسکے گا پھر ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ دیکھو کہ اللہ ورسول وقرآنِ عظیم کی توہین تکذیب مذمّت سخت تر ہے یا ماں باپ کی گالی۔ ایمان رکھتے ہو تو اُسے اس سے کچھ نسبت نہ جانو گے۔ پھر کون سے کلیجے سے اُن جگر شگاف ناپاک ملعون بہتانوں اِفتراؤں شیطانی اَٹکلوں ڈھکوسلوں کو سُننے جاتے ہو بلکہ حقیقۃً انصافاً وہ جو کچھ بکتے اور اللہ ورسول وقرآنِ عظیم کی تحقیر کرتے ہیں ان سب کے باعث یہ سننے والے ہیں اگر مسلمان اپنا ایمان سنبھالیں اپنے رب وقرآن ورسول کی عزت عظمت پیشِ نظر رکھیں اور ایکا کرلیں کہ وہ خبیث لکچر گندی ندائیں سننے کوئی نہ جائے گا جو وہاں موجود ہو وہ بھی فوراً وہی مبارک اِرشاد کا کلمہ کہہ کر کہ ''تو جھوٹا ہے'' چلا جائے گا تو کیا وہ دیواروں پتھروں سے اپنا سر پھوڑیں گے تو تم سُن سُن کر کہلواتے ہو نہ تُم سنو نہ وہ کہیں، پھر اِنصاف کیجئے کہ اُس کہنے کا وبال کس پر ہوا۔ قرآنِ عظیم کی نصِ قطعی نے ایسی جگہ سے فوراً ہٹ جانا فرض کردیا۔۔۔

الٰہی اسلامی کلمہ پڑھنے والوں کی آنکھیں کھول ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم، مسلمان اگر قرآنِ عظیم کی اس نصیحت پر عمل کریں تو ابھی ابھی دیکھیں کہ اَعداءُ اللہ کے سب بازار ٹھنڈے ہوئے جاتے ہیں ملک میں ان کے شور وشر کا نشان نہ رہے گا جہنم کے کُندے شیطان کے بندے آپس ہی میں ٹکرا ٹکرا کر سر پھوڑیں گے، اللہ ورسول وقرآنِ عظیم کی توہینوں سے مسلمانوں کا کلیجا پکانا چھوڑیں گے۔ص 1058

علماء فرماتے ہیں ہٹّے کٹّے جوان تندرست جو بھیک مانگنے کے عادی ہوتے اور اسی کو اپنا پیشہ کرلیتے ہیں اُنہیں دینا ناجائز ہے کہ اس میں گناہ پر شہ دینی ہے لوگ نہ دیں تو جھک ماریں اور محنت مزدوری کریں۔ص 1063

حالتِ جنابت میں کھانا کیسا؟

اَفضل تو یہ ہے کہ غسل ہی کرلے ورنہ وضو کہ جہاں جنب ہوتا ہے ملائکہ رحمت اُس مکان میں نہیں آتے۔ درمختار میں

ہے: کُلّی کرنے اور ہاتھ دھولینے کے بعد کھانے پینے میں حرج نہیں، اور اس سے پہلے جنب کے لئے مکروہ ہے ۔(ت)۔ص1071

حالتِ ناپاکی میں مسجد میں جانا جائز ہے یا نہیں؟

حرام ہے مگر بضرورتِ شدیدہ کہ نہانے کی ضرورت ہے اور ڈول رسّی اندر رکھا ہے اور یہ اُس کے سوا کوئی سامان کر نہیں سکتا نہ کوئی اندر سے لا دینے والا ہے یا کسی دشمن سے خائف ہے اور مسجد کے سوا جائے پناہ نہیں اور نہانے کی مہلت نہیں ایسی حالتوں میں تیمم کر کے جا سکتا ہے، صورتِ اُولیٰ میں صرف اتنی دیر کے لئے کہ ڈول رسّی لے آئے اور صورتِ ثانیہ میں جب تک وہ خوف باقی رہے۔

اقول: بلکہ صورتِ ثانیہ میں اگر دشمن سر پر آ گیا تیمم کی بھی مہلت نہیں تو بے تیمم چلا جائے اور کواڑ بند کرنے کے بعد تیمم کر لے فان الحقین اذا اجتمعا قدم حق العبد لفقرہ وغنی المولی (کیونکہ جب حق اللہ اور حق العبد دونوں جمع ہوں تو حقُ العبد کو مقدم کرے اس لئے کہ بندہ محتاج ہے اور مولا بے نیاز ہے ۔ ت) صرف اس ضرورت کے لئے کہ گرم پانی سقائے میں ہے اور سقایہ مسجد کے اندر ہے باہر تازہ پانی موجود ہے گرم پانی لینے کو بے غسل مسجد میں جانا جائز نہیں مگر وہی ضرورت کی حالت میں کہ اگر تازہ پانی سے نہائے گا تو صحیح تجربے یا طبیبِ حاذق مسلم غیرِ فاسق کے بتانے سے معلوم ہے کہ بیمار ہو جائے گا یا مرض بڑھ جائے گا اور باہر کہیں گرم پانی کا سامان نہیں کر سکتا نہ اندر سے کوئی لا دینے والا ہے تو تیمم کر کے اندر جا کر لا سکتا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔ص1072

بلاضرورت پاک چیز کو ناپاک کرنا حرام ہے

ہاتھ پر اگر کوئی نجاست لگی ہے کہ ہاتھ سے چُھوٹ کر لگ جائے گی تو چھونا جائز نہیں اگرچہ لوٹا نہ مسجد کا ہو نہ کسی دوسرے شخص کا بلکہ خود اپنی مِلک ہو کہ بِلاضرورت پاک شے کو ناپاک کرنا ناجائز وگناہ ہے بحر الرائق بحث ماءِ مستعمل میں بدائع سے ہے تنجیس الطاھر حرام (پاک کو ناپاک کرنا حرام ہے ۔ت)۔ص1073

بعض مصاحف اس قسم کے رائج ہوئے ہیں کہ اُن میں علاوہ نظمِ قرآن شریف کے دیگر مضامین بھی شامل ہوتے ہیں چنانچہ بعض قسم اُس کی مُتَرجَم ہیں کہ مابینَ السطور ترجمہ فارسی یا اردو کا ہوتا ہے اور بعض مترجم کے حواشی پر کچھ کچھ فوائد بھی متعلق ترجمہ کے ثبت ہوتے ہیں بلکہ بعض میں فوائد متعلقِ قراءت اور رسم خط وغیرہ بھی درج ہوتے ہیں اور بعض اِقسامِ مترجم کے حاشیوں پر کوئی کوئی تفسیر بھی چڑھی ہوتی ہے بعض پر عربی مثلِ جلالین وغیرہ کے اور بعض میں فارسی اور اردو مثلِ حسینی وغیرہ کے چڑھاتے ہیں علی ہذا القیاس اس قسم کے مصاحف کو بغیر وضو مس کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مُحدِث کو مصحف چھونا مطلقاً حرام ہے خواہ اُس میں صرف نظمِ قرآنِ عظیم مکتوب ہو یا اُس کے ساتھ ترجمہ وتفسیر ورسمِ خط وغیرہا بھی کہ ان کے لکھنے سے نام مصحف زائل نہ ہوگا آخر اُسے قرآنِ مجید ہی کہا جائے گا ترجمہ یا تفسیر یا اور کوئی نام نہ رکھا جائے گا یہ زوائد قرآنِ عظیم کے توابع ہیں اور مصحف شریف سے جُدا نہیں ولہٰذا حاشیہ مصحف کی بیاضِ سادہ کو چُھونا بھی ناجائز ہوا بلکہ پٹھوں کو بھی بلکہ چولی پر سے بھی بلکہ ترجمہ کا چھونا خود ہی ممنوع ہے اگرچہ قرآنِ مجید سے جُدا لکھا ہو۔ص1073

رسالہ: ارتفاع الحجب عن وجوہ قراءۃ الجنب
(بحالتِ جنابت قرآن پڑھنے کی مختلف صورتوں کی نقاب کشائی)

اولاً یہ معلوم رہے کہ قرآنِ عظیم کی وہ آیات جو ذِکر وثنا ومناجات ودُعا ہوں اگرچہ پوری آیت ہو جیسے آیۃ الکرسی بلکہ متعدد آیاتِ کاملہ جیسے سورۂ حشر شریف کی اَخیر تین آیتیں {هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ} سے آخر سورت تک، بلکہ پوری سورت جیسے الحمد شریف بہ نیتِ ذِکر ودعا بے نیتِ تلاوت پڑھنا جنب وحائض ونُفسا سب کو جائز ہے اسی لئے کھانے یا سبق کی ابتدا میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہہ سکتے ہیں اگرچہ یہ ایک آیتِ مستقلہ ہے کہ اس سے مقصود تبرک واِستفتاح ہوتا ہے، نہ کہ تلاوت، تو {حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ اور اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ} کہ کسی مہم یا مصیبت پر بہ نیتِ ذِکر ودعا، نہ بہ نیتِ تلاوتِ قرآن پڑھے جاتے ہیں، اگرچہ پوری آیت بھی ہوتی تو مضائقہ نہ تھا جس طرح کسی چیز کے گمنے پر {عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ} کہنا۔ہاں آیۃ الکرسی یا سورۂ فاتحہ اور ان کے مثل ایسی قراءت کہ سننے والا جسے قرآن سمجھے اُن عوام کے سامنے جن کو اس کا جنب ہونا معلوم ہو باآواز بہ نیتِ ثنا ودعا بھی پڑھنا مناسب نہیں کہ کہیں وہ بحالِ جنابت تلاوت جائز نہ سمجھ لیں یا اس کا عدم جواز جانتے ہوں تو اس پر گناہ کی تہمت نہ رکھیں۔ص1078

مسئلہ: کسی آیت کا اتنا ٹکڑا کہ ایک چھوٹی آیت کے برابر ہو بہ نیتِ قرآن جنب و حائض کو بالاتفاع (بالاتفاق) ممنوع ہے۔ص1080

ہاں جو پارۂ آیت ایسا قلیل ہو کہ عرفاً اُس کے پڑھنے کو قرأتِ قرآن نہ سمجھیں اُس سے فرض قراءت یک آیت ادا نہ ہو اُتنے کو بہ نیتِ قرآن پڑھنے میں اِختلاف ہے۔ص1082

مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ بہ نیتِ قرآن ایک حرف کی بھی جنب وحائض کو اجازت نہیں۔ص1082

مسئلہ: تعلیم کی نیت سے قرآنِ مجید قرآن ہی رہے گا صرف اتنی نیت جنب وحائض کو کافی نہیں۔ص1094

مسئلہ: نماز میں سورۃ فاتحہ یا سورت پڑھی اور قراءت کی نیت نہ کی دعا وثنا کی نیت کی جب بھی نماز ہوجائے گی۔ص1102

جبکہ قرأتِ قرآن کی نیت نہ ہو اور اپنے کلام میں پوری آیت سے موافقت واقع ہوجائے مثلاً زید کی حکایتِ حال میں کہا: ثُمَّ نَظَرَ زَیْدٌ (پھر زید نے نظر کی۔ت) یا کسی ہندہ کے حمل کو پوچھا کہ پیدا ہوا؟ کہا مَا وُضِعَ وَلَمْ یُوْلَدْ بَعْدُ (نہیں پیدا کیا اور لَمْ یُوْلَدْ بعد میں کہا۔ت) تو اس میں حرج نہیں اگرچہ ثُمَّ نَظَرَ بالاتفاق اور وَلَمْ یُوْلَدْ علی الخلاف پوری آیتیں ہیں اس لئے کہ بہ نیتِ قرآن نہ کہی گئیں یہاں سے صراحۃً ظاہر کہ جواز کے لئے عدمِ نیتِ قرآن کافی ہے خاص نیتِ دُعا یا ثنا ضرور نہیں کہ ان صورتوں میں دُعا وثنا کہاں! یوں ہی اگر نقلِ حدیث میں کہا محمد رسول اللہ صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم فرماتے ہیں اس کے جواز میں بھی شبہ نہیں اگرچہ محمد رسول اللہ ضرور قرآنِ عظیم ہے اور یہاں نامِ اَقدس مقصود نہ کہ دُعا وثناء۔ص1102

حاصلِ حکم یہ ٹھہرا کہ بہ نیتِ قرآن ایک حرف بھی روا نہیں اور جو الفاظ اپنے کلام میں زبان پر آجائیں اور بے قصدِ موافقت اِتفاقاً کلماتِ قرآنیہ سے متفق ہوجائیں زیرِ حکم نہیں اور قرآنِ عظیم کا خیال کر کے بے نیتِ قرآن ادا کرنا چاہئے تو صرف

دوصورتوں میں اجازت ایک یہ کہ آیاتِ دُعاوثنا بہ نیتِ دُعاوثنا پڑھے دوسرے یہ کہ بحاجتِ تعلیم ایک ایک کلمہ مثلاً اس نیت سے کہ یہ زبانِ عرب کے الفاظِ مفردہ ہیں کہتا جائے اور ہر دو لفظ میں فصل کرے متواتر نہ کہے کہ عبارت منتظم ہوجائے **کما نصوا علیہ** (جیسا کہ علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت)

تنبیہ ۲: تمام کتب میں آیاتِ ثنا کو مطلق چھوڑا اوراس میں ایک قید ضروری ہے کہ ضروری یعنی بدیہی ہونے کے سبب علماء نے ذِکر نہ فرمائی وہ آیاتِ ثنا جن میں رب عزّوجل نے بصیغۂ متکلم اپنی حمد فرمائی جیسے {وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ} اُن کو بہ نیتِ ثنا بھی پڑھنا حرام ہے کہ وہ قرآنیّت کے لئے متعین ہیں بندہ (اُنہی) میں اِنشائے ثنا کی نیت کرسکتا ہے جن میں ثنا بصیغۂ غَیبت یا خطاب ہے۔

تنبیہ ۳: اَقول یہاں ایک اورنکتہ ہے بعض آیتیں یا سورتیں ایسی ہی دعاوثنا ہیں کہ بندہ ان کی اِنشا کرسکتا ہے بلکہ بندہ کو اسی لئے تعلیم فرمائی گئی ہیں مگر اُن کے آغاز میں لفظ قُلْ ہے جیسے تینوں قل ان میں سے یہ لفظ چھوڑ کر پڑھے کہ اگر اس سے اَمرِ اِلٰہی مراد لیتا ہے تو وہ عین قرأت ہے اوراگر یہ تاویل کرے کہ خود اپنے نفس کی طرف خطاب کرکے کہتا ہے قُلْ ''اس طرح کہہ'' یوں ثناودُعا کر۔تو یہ اَمر بدعاوثنا ہوا نہ کہ دُعاوثنا اورشرع سے اِجازت اِس کی ثابت ہوئی ہے نہ اُس کی۔

تنبیہ ۴: اَقول یوں ہی وہ اَدعیہ واَذکار جن میں حروفِ مقطعات ہیں بحالِ جنابت اُسے نہیں پڑھ سکتا ہے کہ حروفِ مقطعات کے معنے اللہ ورسول ہی جانتے ہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا معلوم کہ وہ ایسا کلام ہو جس کے ساتھ غیرِ خدا بے حکایتِ کلامِ اِلٰہی تکلم نہ کرسکتا ہو۔معہذا اِجازت صرف دُعاوثنا کی ہے کیا معلوم کہ ان کے معنٰے میں کچھ اور بھی ہو۔

تنبیہ ۵: اَقول ہماری اُس تقریر سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوگیا کہ جن آیات میں بندہ دعاوثنا کی نیت نہیں کرسکتا بحالِ جنابت وحیض انہیں بطورِ عمل بھی نہیں پڑھ سکتا مثلاً تفریقِ اَعدا کے لئے سورۂ تَبَّتْ نہ کہ سورۂ کوثر کہ بوجہ ضمائرِ متکلم قرآنیّت کے لئے متعین ہے عمل میں تین نیتیں ہوتی ہیں یا تو دعا جیسے حزب البحر، حرز یمانی یا اللہ عزوجل کے نام وکلام سے کسی مطلبِ خاص میں اِستعانت جیسے عمل سورۂ یٰس وسورۂ مزمل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اَعدادِ معینہ خواہ ایامِ مقدرہ تک اس غرض سے اس کی تکرار کہ عمل میں آجائے حاکم ہوجائے اُس کے موکلات تابع ہوجائیں اس تیسری نیت والے تو بحالِ جنابت کیا معنٰے بے وضو پڑھنا بھی روا نہیں رکھتے اوراگر بالفرض کوئی جرأت کرے بھی تو اس نیت سے وہ آیت وسورت بھی جائز نہیں ہوسکتی۔جس میں صرف معنی دعاوثنا ہی ہے کہ اولاً یہ نیت نیتِ دُعاوثنا نہیں، ثانیاً اس میں خود آیت وسورت ہی کی تکرار مقصود ہوتی ہے کہ اُس کے خدام مطیع ہوں تو نیتِ قرآنیت اُس میں لازم ہے۔رہیں پہلی دو نیتیں جب وہ آیات معنیٔ دعا سے خالی ہیں تو نیتِ اُولیٰ ناممکن اورنیتِ ثانیہ عین نیتِ قرآن ہے اور بقصدِ قرآن اُسے ایک حرف بھی روا نہیں۔

تنبیہ ۶: یہی حکم دم کرنے کے لئے پڑھنے کا ہے کہ طلبِ شفا کی نیت تغییرِ قرآن نہیں کرسکتی آخر قرآن ہی سے تو شفا چاہ رہا ہے کون کہے گا کہ {اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا} تا آخر سورت مصروع ومجنون کے کان میں جنب پڑھ سکتا ہے ہاں جس آیت یا سورت میں خالص معنی دعاوثنا بصیغۂ غیبت وخطاب ہوں اوراُس کے اَول میں قُل بھی نہ ہو، نہ اُس میں حروفِ مقطعات ہوں اوراس سے قرآنِ عظیم کی نیت بھی نہ کرے بلکہ دُعاوثنا کی برکت سے طلبِ شفا کرنے کے لئے اس پر دم کرے تو روا ہے۔

مسئلہ: لکھے ہوئے قرآن کو جنب اپنی نیت سے نہیں بدل سکتا۔سورۂ فاتحہ تنہا کہیں لکھی ہے اس میں یہ نیت کرلے کہ یہ ایک دعا ہے

اور اسے ہاتھ لگائے یہ جائز نہیں۔

مسئلہ: آیاتِ دعا وثنا کو بہ نیتِ دعا وثنا پڑھنے کی اجازت ہے لکھنے کی اجازت نہ ہونی چاہیئے اگرچہ دعا ہی کی نیت کرے تو جب وہ تعویذ کسی نیت سے نہ لکھے جس میں آیاتِ قرآنیہ ہوں۔ص1113 تا1118

اپنی طرف سے آدم علیہ الصلوۃ والسلام خواہ کسی نبی کو معصیت کی طرف منسوب کرنا سخت حرام ہے

غیرِ تلاوت میں اپنی طرف سے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نافرمانی وگناہ کی نسبت حرام ہے۔ائمۂ دین نے اس کی تصریح فرمائی بلکہ ایک جماعتِ علمائے کرام نے اسے کفر بتایا،مولیٰ کو شایان ہے کہ اپنے محبوب بندوں کو جس عبارت سے تعبیر فرمائے،دوسرا کہے تو اس کی زبان گُدّی کے پیچھے سے کھینچی جائے {لِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی} بلاتشبیہ یوں خیال کرو کہ زید نے اپنے بیٹے عمرو کو اس کی کسی لغزش یا بھول پر متنبہ کرنے ادب دینے جزم وعزم واحتیاطِ اَتم سکھانے کے لئے مثلاً بیہودہ نالائق اَحمق وغیرہا الفاظ سے تعبیر کیا باپ کو اس کا اختیار تھا اب کیا عمرو کا بیٹا بکر یا غلام خالد انہیں الفاظ کو سند بنا کر اپنے باپ اور آقا عمرو کو یہ الفاظ کہہ سکتا ہے،حاشا اگر کہے گا سخت گستاخ ومردود ناسزا ومستحقِ عذاب وتعزیر وسزا ہوگا،جب یہاں یہ حالت ہے تو اللہ عزوجل کی رِیس کرکے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں ایسے لفظ کا بکنے والا کیونکر سخت شدید ومدید عذابِ جہنم وغضبِ الٰہی کا مستحق نہ ہوگا والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ص1119

جلد نمبر 2
فتوی مسمّٰی بہ
الطرس المعدل فی حدالماءالمستعمل
استعمال شدہ پانی کی تعریف میں منصف صحیفہ (رسالہ) (ت) ۔ص ۴۴

مستعمل پانی کی تعریف

اقول: وباللہ التوفیق مائے مستعمل وہ قلیل پانی ہے جس نے یا تو تطہیر نجاستِ حکمیہ سے کسی واجب کو ساقط کیا یعنی انسان کے کسی ایسے پارۂ جسم کو مس کیا جس کی تطہیر وضو یا غسل سے بالفعل لازم تھی یا ظاہر بدن پر اُس کا استعمال خود کارِ ثواب تھا اور استعمال کرنے والے نے اپنے بدن پر اُسی اَمرِ ثواب کی نیت سے استعمال کیا اور یوں اِسقاطِ واجبِ تطہیر یا اِقامتِ قربت کرکے عضو سے جُدا ہوا اگرچہ ہنوز کسی جگہ مستقر نہ ہوا بلکہ رَوانی میں ہے اور بعض نے زوالِ حرکت وحصولِ اِستقرار کی بھی شرط لگائی۔ یہ بعونہٖ تعالٰی دونوں مذہب پر حدِ جامع مانع ہے کہ ان سطروں کے سوا کہیں نہ ملے گی ۔ص 43

بالجملہ یہ وہ نفیس وجلیل جامع ومانع وشافی ونافع تعریف مائے مستعمل ہے کہ بفضلِ الٰہی خدمتِ کلماتِ علمائے کرام سے اس فقیر پر اِلقا (ہوئی) وللہ الحمد۔ سہولتِ حفظ کے لئے فقیر اسے نظم کرتا اور برادرانِ دینی سے دعائے عفو وعافیت کی طمع رکھتا ہے۔ص 47

* اس تعریف کے 27 فوائد قیود۔ص 43 تا 47

ہمارے نزدیک جسم اَجزائے متفرقہ حقیقۃً، متصلہ حِسًّا سے عبارت ہے

ہمارے نزدیک جسم اَجزائے متفرقہ حقیقۃً، متصلہ حِسًّا سے عبارت ہے جیسے کمرہ کے سوراخ سے روشنی کی کِرن جب اندر داخل ہوتی ہے تو اس میں ذرّات نظر آتے ہیں، بلکہ دھوئیں، بخارات اور غبار میں بھی نظر آتے ہیں، لہٰذا پانی حقیقی طور پر بدن سے متصل نہیں ہے، تو اگر حقیقت کا اعتبار کیا جائے تو پانی کسی بھی گندی چیز کے گرنے سے نجس نہ ہو، پس معلوم ہوا کہ شریعتِ مطہرہ نے یہاں حِس کا اعتبار کیا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ حِس کے نزدیک کل ایک چیز ہے جیسا کہ متفلسفہ کے نزدیک حقیقت یہی ہے اور وہاں کوئی ایسی روک بھی موجود نہیں جہاں پہنچ کر جوارِ حسی رُک جائے تو اس بنا پر لازم ہوا کہ بعض کی ملاقات کل کی ملاقات قرار پائے، بلکہ وہاں بعض ہے ہی نہیں کیونکہ تجزّی نہیں ہے حِسًّا، اور رہا کثیر تو شرع نے فرمایا ہے کہ اس میں نجاست اَثر نہیں کرے گی تو اس کو جوارِ حسّی کچھ مضر نہ ہوگا، اس تحقیق عرش نشیں سے معلوم ہوا کہ کثیر پانی نجاست کے گرنے سے نجس نہ ہوگا خواہ وہ نظر آنے والی ہو، یہاں تک کہ نجاست کا گردوپیش بھی نجس نہ ہوگا، اسی طرح تحقیق ہونی چاہئے یہاں تک کہ امام ہمام مَلِکُ العلماء

کے ساتھ گفتگو مکمل ہوئی، اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے ہم کو ہمیشہ جنت تک مستفید فرمائے۔ آمین۔ ص 175

تنبیہ: اگر تو کہے کہ جسم کیسے دکھائی دیتا ہے جبکہ جزء تو نظر نہیں آتی۔

اوّلاً: میں کہتا ہوں کہ نگاہِ انسانی فطری طور پر انتہائی باریک چیز کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے جبکہ وہ چیز منفرد ہو۔ لیکن اگر اس چیز کے ساتھ اس کی متعدد اَمثال مجتمع ہوں تو وہ ظاہر ہو جاتی ہے، جیسے سفید بیل کی جلد پر سُوئی کے سرے کے برابر سیاہ نقطہ دکھائی نہیں دیتا لیکن اگر متعدد سیاہ نقطے مجتمع ہو جائیں تو نظر آنے لگتے ہیں، بلکہ دُور سے تو محض ان کا سیاہ رنگ ہی دکھائی دیتا ہے۔ یہ بات غبار میں ظاہر ہے کیونکہ اس میں چھوٹے چھوٹے کروی الشکل ذَرّات ہوتے ہیں جن میں سے اکثر کی شکلوں کو آنکھ محسوس نہیں کرتی بلکہ بادلوں کی مانند ان کا رنگ دکھائی دیتا ہے جیسے کہکشاں اور بکھرے ہوئے ستارے، ان میں سے کوئی بھی اگر منفرد ہو تو عادتاً اس کا دکھائی دینا ناممکن ہے۔ البتہ کثرت و اِجتماعیت کی وجہ سے نظر آجاتے ہیں، جیسے تیرے اور روشندان کے درمیان روشنی کا ستون بادل کی مثل دکھائی دیتا ہے، بلکہ خود بادل بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ بخارات متفرق اَجزاء ہوتے ہیں جن میں سے کوئی ایک دکھائی نہیں دیتا مگر مجتمع ہو کر پہاڑوں جیسے بادل نظر آتے ہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ منفرد چیز خصوصی نظر کا تقاضا کرتی ہے جب وہ نہایت باریک ہو تو دونوں آنکھوں سے نکلنے والی شعاعیں اس تک پہنچ کر باہم منطبق ہو جاتی ہیں اور زاویۂ نظر معدوم ہو جاتا ہے جیسا کہ مافوق الشّمس اِختلافِ منظر کے زاویہ کے منتفی ہونے کا یہی سبب ہے۔ پس اس کی حقیقی اور مرئی تقویمیں متحد ہو جاتی ہے اور جب یہ اَجزاء کثیر اور پھیلے ہوئے ہوں تو بصری زاویہ والی مثلّث کے دو خطوں کے درمیان واقع ہونے پر دکھائی دینے لگتے ہیں۔

ثانیاً: مذکورہ بالا دلیل فلاسفہ کے مذہب کے مطابق ہے اگر مان لیں تو فبہا وگرنہ ہماری ایمانی دلیل یہ ہے کہ نگاہیں اور تمام چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اِرادے کے تابع ہیں، اگر وہ چاہے تو ایک اندھا تاریک رات میں سیاہ چیونٹی کی آنکھ کو دیکھ سکتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو دن کی روشنی میں فلک بوس پہاڑ سے نیلگوں آسمان کو بھی نہیں دیکھا جا سکتا چونکہ اس نے چاہا کہ اَجزاء انفرادی طور پر نظر نہ آئیں اور جب وہ مجتمع ہو جائیں تو نظر آنے لگیں لہٰذا جیسا اس نے چاہا ویسا ہی واقع ہوا۔ (ت)۔ ص 173

ٹھہرے کثیر پانی کی تعریف؟

ٹھہرے ہوئے پانی میں ہمارے علماء کے دو قول ہیں:

(۱) جس پر آدمی کا دل شہادت دے کہ ایک کنارے کی پڑی ہوئی نجاست کا اَثر دوسرے کنارے تک نہ پہنچے گا اُس کے حق میں وہی کثیر ہے اور اَثر نہ پہنچنے کا معیار یہ کہ ایک کنارے پر وضو کیا جائے تو دوسرے کنارے کا پانی فوراً تلے اوپر نہ ہونے لگے نری حرکت یا دیر کے بعد پانی کے اُٹھنے بیٹھنے کا اعتبار نہیں۔

(۲) جس کی مساحتِ سطحِ بالائی دہ در دہ یعنی اُس کے طول وعرض کا مسطح سَو ہاتھ ہو اور گہرا اتنا کہ لَپ میں پانی لینے سے زمین نہ کھُلے وہ کثیر ہے ہمارے ائمۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اصل مذہب وہی قولِ اول ہے اور عام متونِ مذہب نے قولِ ثانی اختیار کیا اور بکثرت مشائخِ اَعلام نے اُس پر فتوٰی دیا بہرحال یہ قول بھی باقی تمام مذاہب کے اقوال سے زیادہ احتیاط رکھتا ہے ہاں اگر پانی مقدارِ کثیر سے کم ہے تو البتہ کتنی ہی ذرا سی نجاست اگرچہ خفیفہ کے گرنے یا کسی ایسے شخص کے نہانے

سے جس کے بدن پر کچھ بھی نجاستِ حقیقیہ لگی تھی ضرور بالاتفاق ناپاک ہوجائے گا۔ص249

حوض دَہ دَردَہ میں گزِ شرعی کی مقدار کیا ہے؟

علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کو دربارۂ مساحتِ حوضِ کبیر کہ دہ دردہ قرار پایا ہے تعیینِ گز میں تین قول پر اِختلاف ہے۔

قولِ اول: معتبر ذراعِ کرباس ہے اور اسی کو ذراعِ عامہ کہتے ہیں یعنی کپڑوں کا گز، اسی قول کی طرف اکثر کا رجحان رائے اور اسی کو دُرَر و ظہیریہ و خلاصہ و خزانہ و مراقی الفلاح و عالمگیریہ وغیرہا میں اختیار کیا اور شرح زاہدی و تجنیس اور فتاوی کبری پھر قہستانی پھر دُرمختار میں اُسے مختار اور نہایہ میں صحیح اور ہدایہ میں مفتیٰ بہ اور ولوالجیہ میں اَلْیَق واَوسع کہا۔ پھر خود (۱) ذراعِ کرباس کی تقدیر میں اِختلاف واقع ہوا امام ولوالجی نے سات مُشت قرار دیا ہر مشت چار انگل مضموم تو اٹھائیس ۲۸ انگل کا گز ہوا ہمارے یہاں کی نو ۹ گرہ سے زاید اور دس ۱۰ گرہ سے کم یعنی ۹-۱/۳ گرہ۔ اس قول پر نہایہ پھر جامع الرموز پھر درمختار اور باتباعِ والوالجی فاضل ابرہیم حلبی نے شرح منیہ میں اِقتصار کیا مگر جمہور علماء کے نزدیک ذراعِ کرباس چھ مشت کا ہے ہر مشت چار انگل مضموم اور اسی طرف رجحان روئے علّامہ محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام کا ہے اور یہی عالمگیریہ میں تبیین اور بحر الرائق میں کتبِ کثیرہ سے منقول پس قولِ راجح میں یہ گز چوبیس انگل کا ہوا کہ ایک ہاتھ ہے تو ہمارے یہاں کا آدھ گز ٹھہرا۔

قولِ دوم: اِعتبار ذراعِ مساحت کا ہے امام علامہ فقیہ النفس اہل الافتاء والترجیح امام فخر الدین قاضی خان اوزجندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خانیہ میں اسی قول کی تصحیح اور قولِ اول کا رد کیا طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں اس پر بھی حکایتِ فتوٰی واقع ہوئی اور بیشک من حیثُ الدلیل اسے قوت ہے۔ اس گز کی تقدیر میں اَقوال مختلفہ وارد ہوئے مضمرات میں سات مشت، ہر مشت کے ساتھ ایک انگل قرار دیا کہ مجموع پینتیس انگل ہمارے گز سے ۱۱-۲/۳ گرہ ہوا علامہ کرمانی نے سات مشت چھ مشت معمولی اور ساتویں میں انگوٹھا پھیلا ہوا کہ یہ بھی تخمیناً گیارہ گرہ کے قریب ہوا مگر یہ دونوں قول شاذ ہیں قولِ جمہور کہ عامہ کتب میں مصرح سات مشت ہے ہر مشت نرانگشت کشادہ یعنی ساڑھے تین فٹ کہ اس گز سے کچھ اوپر ساڑھے اٹھارہ گرہ ہوا یعنی ۱۸-۲/۳ گرہ۔

قولِ سوم: ہر شہر و دِیار و ہر عہد و زمانہ میں گزِ رائج کا اعتبار ہے محیط میں اسی کو اَصح اور نہر میں اَنسب کہا اور کافی میں بھی یہی اختیار کیا مگر علمائے متاخرین اس قول کو رد کرتے اور من حیثُ الدلیل نہایت ضعیف بتاتے ہیں اور نظرِ فقہی میں معلوم بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

بالجملہ یہاں تین قول ہیں اور ہر طرف ترجیح وتصحیح **اَقول:** مگر قولِ ثالث دِرایۃً ضعیف اور اس کا لفظِ ترجیح بھی اُس قوت کا نہیں اور قولِ دوم اگرچہ اَقیس ہے اور اُس کی تصحیح امام قاضی خان نے فرمائی جن کی نسبت علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے کہ وہ فقیہ النفس ہیں **کما ذکر العلامۃ شامی فی ردالمحتار وغیرہ فی غیرہ** مگر قولِ اول کی طرف جمہور ائمہ ہیں اور عمل اسی پر ہوتا ہے جس طرف جمہور ہوں **کما فی ردالمحتار والعقود الدرایۃ وغیرھما** اور اُس کا لفظِ تصحیح سب سے اَقوی کہ ''علیہ الفتوی'' بخلاف قولِ دوم کہ اس میں لفظ ''صحیح'' ہے اور سید طحطاوی کی اُس پر حکایتِ فتوی معلوم ہولیا کہ سہو صریح ہے پس جو زیادہ اِحتیاط چاہے مساحتِ آبِ کثیر میں گزِ مساحت کا اعتبار کرے کہ ساڑھے تین فٹ اور ہمارے گز سے سُدُس اُوپر، ساڑھے اُٹھارہ گرہ کا ہے جس کا دس گز ہمارے گز سے ۱۱ گز ۱-۲/۳ گرہ ہوا تو اس کی پیمائش کا دَہ دردَہ ہمارے

گز سے ایک سو چھتیس گز ایک گرہ اور ۹ / ۷ گرہ ہوا، ورنہ وہی چوبیس انگل کا گز خود معتمد و ماخوذ ہے جس کا دہ در دہ ہمارے گز سے پچیس ہی گز ہوا اور اُس کے اعتبار میں اَصلاً دغدغہ نہیں کہ وہی مفتیٰ بہ ہے اور وہی قولِ اکثر اور اسی میں یُسر و آسانی بیشتر اور مقدارِ دَہ درد َہ کا اعتبار بھی خود رِفق و تیسیر کی بنا پر ہے کما لا یخفی واللہ تعالٰی اعلم۔ ص260 تا271

نجس گلاب کا پانی اور سرکہ بہتے پانی میں ملے تو پانی کب ناپاک ہوگا؟

اعتبار نجس کا ہے نہ متنجس کا ولہذا اگر ناپاک گلاب یا زعفران آبِ جاری میں گرے اور اس میں گلاب کی بُو یا زعفران کی رنگت آ جائے اسے ظہورِ اثر نہ کہیں گے بلکہ اُس نجاست کا کوئی وصف پانی میں آئے جس نے گلاب و زعفران کو ناپاک کیا تو پانی ناپاک ہوگا۔

اَقول: میں کہتا ہوں اس کی دلیل بہت واضح ہے کیونکہ مقصود نجاست کا پانی پر غالب ہونا ہے تاکہ نجاست کا وصف اس میں ظاہر ہو جائے، اور یہ تب ہے جب خود اس کا اپنا وصف اس میں ظاہر ہو نہ کہ اس چیز کا جو اس کی وجہ سے نجس ہوئی ہے، مثلاً اگر نجاست اتنی تھوڑی ہوتی کہ پانی پر غالب نہ ہوتی اور بجائے عرقِ گلاب کے سادہ پانی ہوتا تو اس کا اثر ظاہر نہ ہوتا تو اسی طرح گلاب کے پانی کا حال ہے کیونکہ نجاست قلت و کثرت میں ناپاک ہونے والے پانی کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتی ہے۔ (ت)۔ ص282

گول حوض اور کنویں میں دہ در دہ کی مقدار

اس میں چار قول ہیں ہر ایک بجائے خود وجہ رکھتا ہے اور تحقیق جُدا ہے:

قولِ اول: اڑتالیس ہاتھ، خلاصہ و عالمگیریہ میں اسی پر جزم فرمایا اور محیط امام شمس الائمہ سرخسی و فتاوٰی کبرٰی میں اسی کو اَحوط بتایا سید طحطاوی نے اُس کا اتباع کیا۔

قولِ دوم: چھیالیس ہاتھ، بعض کتب میں اسی کو مختار و مفتٰی بہ بتایا۔

قولِ سوم: چوالیس ہاتھ، اس کی ترجیح اس وقت کسی کتاب سے نظر میں نہیں۔

قولِ چہارم: چھتیس ہاتھ، ملتقط میں اسی کی تصحیح کی امام ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا یہی صحیح اور فنِ حساب میں مبرہن ہے۔

اَقول: تحقیق یہ ہے کہ اُس کا دور تقریباً ساڑھے پینتیس ہاتھ چاہئے یعنی ۴۴۹ء ۳۵ تو قطر تقریباً ۵ گز ۲/۱-۱۰ گرہ ہوگا بلکہ دس گرّہ ایک اُنگل یعنی ۲۸۴ء۱۱ ہاتھ۔ ص285

وضو نہر سے افضل ہے یا حوض سے؟

وضو نہر سے اَفضل ہے مگر کسی مصلحتِ خاصہ کے باعث۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کسی معتزلی کے سامنے اُسے غیظ پہنچانے کو حوض سے وضو اَفضل ہے کہ معتزلہ اسے ناجائز کہتے ہیں۔

اَقول: اس مصلحت سے اَہم دفعِ تہمت ہے کہ معاذ اللہ لوگوں کو اس پر اتباعِ معتزلہ کا گمان ہو اس کے دفع کے لئے ایسا کرے اس کی نظیر مسحِ موزہ ہے کہ رافضی خارجی ناجائز جانتے ہیں اگر کسی کو اس پر گمانِ خروج ہو تو اس کے دفع کو مسحِ موزہ اَفضل ورنہ فی نفسہٖ پاؤں دھونا اَفضل۔

ثُمَّ اَقول: اُس سے بھی اہم دفعِ وسوسہ ہے اگر کوئی شخص وسوسہ میں مبتلا ہو حوض سے وضو کرتے کراہت رکھتا ہو اُسے حوض ہی سے وضو اَفضل ہے کہ قطعِ وسوسہ ہو، **ورغم الشیطان اَھَمُّ من رغم المعتزلی**۔ص308

جزءِ لایتجزیٰ کی نفی کفر نہیں

میں کہتا ہوں جزء کی نفی کفر نہیں ہے اور نہ ہی لازم مذہب مذہب ہوتا ہے، خاص طور پر یہ لوازمِ بعیدہ، اور جو معتزلی مذہب رکھتے ہیں ان پر بہت سے لوازم ہیں، مگر ان کی تکفیر نہیں کی جاتی ہے۔ص310

جُوٹھا ہندو یا نصرانی وغیرہ کا پاک ہے یا ناپاک اور اُس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟

اللہ عزوجل فرماتا ہے: {اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ} کافر نرے ناپاک ہیں۔

یہ ناپاکی ان کے باطن کی ہے پھر اگر شراب وغیرہ نجاستوں کا اثر ان کے منہ میں باقی ہو تو ناپاکی ظاہری بھی موجود ہے اور اس وقت ان کا جھوٹا ایسا ہی ناپاک ہے جیسا کُتّے کا، بلکہ اُس سے بھی بدتر **لخلاف مالك فی الکلب** (کیونکہ کتّے کے بارے میں امام مالک کا اختلاف ہے۔ت) اور حُقّے وغیرہ جس چیز کو اُن کا لعاب لگ جائے گا ضرور ناپاک ہوجائے گی۔

ہنود ونصاریٰ وغیرہم اکثر شراب خور ہوتے ہیں اور مونچھیں بڑھانا اُن کا شعار اور شراب خور کی مونچھیں بڑی بڑی ہوں کہ شراب مونچھ کو لگ گئی تو جب تک مُونچھ دُھل نہ جائے گی پانی وغیرہ جس چیز کو لگے گی ناپاک کردے گی۔

اور اگر ظاہری نجاستوں سے بالکل جُدا ہو جس کی اُمید کافروں میں بہت کم ہے تو اس کے جُوٹھے کو اگرچہ کُتّے کے جُوٹھے کی طرح صریح ناپاک نہ کہا جائے۔تنویر اور در میں ہے آدمی کا جھُوٹا چاہے وہ جنبی ہو یا کافر ہو پاک ہے کیونکہ منہ پاک ہے۔مختصراً(ت)

اقول: مگر ہر چیز کہ ناپاک نہ ہو طیب وبے دَغدغہ ہونا ضرور نہیں رینٹھ بھی تو ناپاک نہیں پھر کون عاقل اُسے اپنے لب وزبان سے لگانا گوارا کرے گا کافر کے جُوٹھے سے بھی بحمد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسی ہی نفرت ہے اور یہ نفرت اُن کے ایمان سے ناشئ ہے۔(اور اس کو ان کے دلوں سے اُٹھانے میں کافروں کی بُرائی کو ان کی نگاہوں میں ختم کرنا ہے یا کم کرنا ہے، اور یہ مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے اور علماء نے تصریح کی ہے جیسا کہ عقود الدریۃ وغیرہا میں ہے کہ مفتی کو وہی فتوی دینا چاہئے جس میں اس کے نزدیک مصلحت ہو اور مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہے کہ ان کے دلوں میں کافروں سے نفرت باقی رہے نہ یہ کہ نفرت ختم ہوجائے۔ت) جو شخص دانستہ اُس کا جوٹھا کھائے پیئے مسلمان اُس سے بھی نفرت کرتے ہیں وہ مطعون ہوتا ہے اُس پر محبّتِ کفار کا گمان جاتا ہے اور حدیث میں ہے: **من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یقفن مواقف التھم**۔جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو تہمت کی جگہ کھڑا نہ ہو۔متعدد حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ایاك وما یسوٴ الاذن** اُس بات سے بچ جو کان کو بُری لگے۔نیز بہت حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ایاك وکل امر یعتذر منہ**۔ہر اس بات سے بچ جس میں عذر کرنا پڑے۔اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: **بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا** بشارت دو اور وہ کام نہ کرو جس سے لوگوں کو نفرت پیدا ہو۔

پھر اُس میں بلاوجہ شرعی فتحِ بابِ غیبت ہے اور غیبت حرام **فما ادی الیہ فلا اقل ان یکون مکروھا** (تو جو اس

تک پہنچائے وہ کم ازکم مکروہ ضرور ہوگا۔ت) تو دلائلِ شرعیہ واَحادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوا کہ کافر کے جُوٹھے سے اِحتراز ضرور ہے اور اس باب میں یہاں نصاریٰ کا حکم بہ نسبت ہنود کے بھی سخت تر ہے کہ وجوہِ کثیرہ مذکورہ میں دونوں شریک اور نصاریٰ میں یہ امر زائد کہ یہاں ان کی سلطنت ہونے کے باعث مذہبی نفرت کی کمی میں تبدیلِ دین یا کم اَزکم ضُعفِ ایمان کا وہ اندیشہ بہ نسبت ہنود کہیں زیادہ ہے۔

یہاں یہ امر جہالت ہوگا کہ اس چیز سے استدلال کیا جائے جو صدرِ اول میں تھی کیونکہ اس زمانہ میں وہ کمزور تھے اور ہمارے ماتحت تھے اس لئے ان کو اپنے قریب کرنے سے ان کو اسلام کی طرف آنے کی دعوت دینا مقصود تھی اور اب تو معاملہ ہی اُلٹ ہوگیا ہے، ایک زمانہ تھا کہ باعزت لوگوں کی عورتیں دن اور رات دونوں اوقات میں جماعات میں حاضر ہوتی تھیں، مگر ائمہ کرام نے اب اُن کے آنے کی ممانعت کردی ہے، حالانکہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو، اور بہت سے احکام ہیں جو زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں بلکہ اَمکنہ کے اختلاف سے بھی مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ کتبِ ائمہ میں بہت سی فروع اس پر شاہد ہیں میرے نزدیک یہی ہے اسی پر میں نے کئی مرتبہ فتوی دیا ہے اللہ میرا رب ہے اسی پر اعتماد اور اسی کی طرف سہارا ہے **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔(ت) ص314

حقّہ کا پانی پاک ہے یا نہیں؟

قطعاً پاک ہے پانی پاک، تمباکو پاک، اس کا دُھواں پاک، پاک چیز سے پاک پانی کا رنگ مزہ بُو بدل جانا اُسے ناپاک نہیں کرسکتا یہاں تک کہ مذہبِ صحیح میں نہ صرف طاہر بلکہ مُطَہِّر وقابلِ وضو رہتا ہے بایں معنی کہ اگر اس سے وضو کرے وضو ہوجائے گا اگرچہ بوجہ بُو مکروہ ہے یہاں تک کہ جب تک اُس کی بُو باقی ہو مسجد میں جانا حرام جماعت میں شامل ہونا منع ہوگا پھر بھی اگر سفر میں ہو اور وضو کو پانی کم تھا کہ مثلاً ایک یا دونوں پاؤں دھونے سے رہ گئے اور حقّے میں پانی ہے جس سے وہ کمی پُوری ہوسکتی ہے تو اس صورت میں تیمم جائز نہ ہوگا نماز باطل ہوگی بلکہ اُسی پانی سے وضو کی تکمیل لازم ہوگی **لانہ یجد ماء، وانما یقول اللہ تعالیٰ {فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً}** (کیونکہ وہ پانی کو پارہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو۔ت)۔ص320

جو حوض نیچے دَہ در دَہ اور اوپر سے کم ہے پانی سے بھرا ہو تو اس میں نجاست پڑی تو سب ناپاک ہوگیا یا صرف اوپر کا حصّہ جہاں تک سو ہاتھ سے کم ہے؟

الجواب: بعض کے نزدیک اَصلاً ناپاک نہ ہوگا کہ مجموع آبِ کثیر ہے۔**اقول:** میں کہتا ہوں یہ گہرائی کے اعتبار پر مبنی ہے اور بعض نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور اس پر اِعتماد نہیں ہے۔(ت) بعض کے نزدیک کل ناپاک ہوجائے گا۔**اقول:** میں کہتا ہوں اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک پانی ہے اور اعتبار پانی کی سطح کا ہے اور وہ قلیل ہے، عُمق کا اعتبار نہیں، خواہ زائد ہی کیوں نہ ہو۔(ت)

اور صحیح یہ ہے کہ وہی بالائی حصہ ناپاک ہوگا جو دَہ در دَہ سے کم ہے یہاں تک کہ اگر اوپر کا پانی نکال دیا گیا اور آب وہاں تک رہ گیا جہاں سے دَہ در دَہ ہے تو یہ پانی پاک ہے اس لئے کہ اگرچہ وہ آبِ نجس سے متصل تھا مگر آبِ کثیر اِتصالِ نجس سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک نجاست سے اُس کا رنگ یا بُو یا مزہ بدل نہ جائے۔ص321

پانی کی پاکی ناپاکی کے 10 اہم ترین اصول

اصل ۱: ہر مائع یعنی بہتی چیز کہ ناپاک ہوجائے پانی یا اپنی جنسِ طاہر کے ساتھ بہنے سے پاک ہوجاتی ہے۔

اصل ۲: آبِ کثیر کے حکمِ جاری ہونے میں جس طرح طول، عرض یا مساحت یا ایک مقدارِ عمق بھی ضرور ہے جاری ہونے کے لئے ان میں سے کچھ شرط نہیں مینھ کا پانی جب تک بہہ رہا ہے جاری ہے اگرچہ گرہ بھر کے پرنالہ سے آرہا ہو **کما نصوا علیہ فی ماء السطح** (جیسا کہ سطح کے پانی میں فقہاء نے نص کی ہے۔ت) ولہٰذا یہ حکم ہر برتن کو شامل ہے مثلاً کٹورے یا تھالی میں ناپاک پانی ہو پانی اس پر ڈالیے یہاں تک کہ بھر کر اُبلنے لگے پانی اور برتن سب پاک ہوجائیں گے۔

اصل ۳: اس جریان کے تین رکن ہیں:(1) دخول (2) خروج (3) معیت

یعنی مثلاً پانی ایک طرف سے داخل ہو اور دوسری طرف سے کچھ حصّہ خارج ہو اور وہ نکلنا اُسی داخل ہونے کی حالت میں ہو اگرچہ ابتدائے دخول میں نہ ہو۔(۱) لوٹے میں ناپاک پانی ہے اُس پر پاک پانی نہ ڈالیئے۔ٹونٹی سے وہی ناپاک پانی نکال دیجئے تو صرف خروج بلا دخول ہوا یا(۲) آدھے لوٹے میں ناپاک پانی ہے پاک پانی سے بھر دیجئے کہ کچھ نکلے نہیں تو محض دخول بلا خروج ہوا یا(۳) پاک پانی بھرنے کے بعد جھکا کر ٹونٹی سے کچھ نکال دیجئے تو خروج بحالِ دخول نہ ہوا۔ان تینوں صورتوں میں طہارت نہ ہوگی بلکہ(۴) پاک پانی ڈالتے رہیئے یہاں تک کہ بھر کر اُبلنا شروع ہو اُس وقت پاک ہوگا کہ ایک وقت وہ آیا کہ خروج و دخول کی معیت ہوگئی اگرچہ برتن بھرنے تک صرف دخول بلا خروج تھا۔

ہاں علماء نے مواضعِ ضرورت میں اخراج کو بھی خروج رکھا ہے جیسے حمام کا حوض کہ اُس میں کسی نے ناپاک ہاتھ ڈال دیا اگر لوگ اُس میں سے پانی لے رہے ہیں مگر نل سے پانی اس میں نہیں آتا یا نل سے پانی آرہا ہے مگر لوگ اس میں سے پانی نکال نہیں رہے تو ناپاک ہوجائے گا کہ خروج یا دخول ایک پایا گیا اور اگر اُدھر نل سے پانی آرہا ہے اور اُدھر لوگوں کا اُس میں سے لینا برابر جاری ہے کہ پانی کی جنبش ساکن نہیں ہونے پاتی تو جاری کے حکم میں ہے ناپاک نہ ہوگا، اسی پر فتوٰی ہے۔

اسی طرح وضو کے حوض میں بھی اگر نالی سے پانی آرہا ہے اور لوگ برابر لے رہے ہیں (عـــہ ا)[1] کہ پانی ٹھہرنے نہیں پاتا ناپاک نہ ہوگا۔

علّامہ خیر رملی نے کُنواں بھی اسی حکم میں داخل کیا جبکہ سوتوں سے پانی اُبل رہا اور اوپر سے برابر چرغ چل رہا اُدھر سے آتا اِدھر سے نکل رہا ہو اس حالت میں نجاست سے ناپاک نہ ہوگا ہاں نجاستِ مرئیہ اس میں رہنے دی اور پانی کھینچنا اتنی دیر موقوف ہوگیا کہ پانی ٹھہر گیا جنبش جاتی رہی تو اب ناپاک ہوجائے گا۔

اصل ۴: اقول: اگرچہ مذہبِ صحیح میں اس خروج کے لئے کوئی مقدار نہیں اَدنیٰ اُبلنا کافی ہے جس پر سیلان صادق آئے۔

ظہیریہ میں تصریح فرمائی کہ اس اُبال میں جو پانی نکل رہا ہے اندر کا پانی تو پاک ہو ہی گیا باہر نکلنے والا بھی طاہر مطہر ہے یہاں تک کہ پانی نکلتا جائے اور اُس سے کوئی وضو کرتا جائے یا کہیں جمع ہونے کے بعد کسی برتن میں لے کر وضو کرے تو وضو صحیح ہے

---

[1] **(عـــہ ا)** یونہی اگر اُس کنارے پر کوئی نہا رہا ہے کہ پانی برابر نکل رہا ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ اوّل سیلان کا پانی اتنا نہ ہوگا جس سے وضو ہوجائے۔

ہاں جو ہم نے خلاصہ سے نقل کیا ہے یعنی کہ بہنے کو اس امر سے مقید کیا جائے کہ وہ ایک یا دو ذراع سے زیادہ ہو،تو وہی قید یہاں بھی معتبر ہوگی،مگر یہ چیز فقہاء کے اطلاقات کے مخالف ہے وہ فرماتے ہیں حوض محض پانی کے جاری ہونے سے ہی پاک ہوجائے گا اھ مختصراً۔(ت)اور تمام کناروں سے بہنے کی حاجت نہیں ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ جس طرف سے پانی داخل ہوا ہو اس کی مخالف جہت سے بہہ نکلے،اب اگر برتن کسی ناہموار زمین پر ہے اور ایک طرف کو جھکا ہوا ہے اور اس میں پانی اوپر کی طرف سے داخل ہوکر نچلی طرف سے نکل جائے تو کافی ہے،ہاں اگر نچلے حصہ میں بہایا جائے اور اُس سے واپس آجائے تو کافی نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ کی عبارت کے آخر میں ہے **وباللہ التوفیق**۔(ت)

اصل ۵: اقول:یہاں سے ظاہر ہوا کہ کسی محل کے جوف میں پانی کی حرکت اگرچہ گزوں ہو اُس محل کے حق میں جریان نہ ٹھہرے گی اُس کے بطن میں پانی کی جنبش اگرچہ باہر سے داخل ہونے پر ہوئی مگر اُس سے خارج تو نہ ہوا تو جریان کے دو رُکن نہ پائے گئے مگر اُس محل کے اندر اگر دوسرا محلِ صغیر اور ہو اور پانی اس میں جاکر اُسے اُبال دے تو اس کے حق میں ضرور جریان ہوجائے گا کہ اس میں سب اَرکان متحقق ہوگئے اگرچہ دوسرے کے جوف سے خروج نہ ہو مثلاً دیگ میں ایک کٹورا رکھا ہے کٹورے میں ایک مینگنی پڑگئی وہ نکال کر پھینک دی اور کٹورے پر پانی بہایا کہ اُبل کر نکل گیا مگر دیگ سے نکلنا کیا معنی وہ بھری بھی نہیں تو بےشک کٹورا اور اس کا پانی پاک ہوگیا کہ زمین پر یا دیگ کے اندر رکھے ہونے کو حکم میں کچھ دخل نہیں **وھذا ظاھر جدًا** (اور یہ بہت واضح ہے۔ت)

اصل ۶: اقول:اس جریان سے اگرچہ طہارت ہوجائے گی اور نجاست مرئیہ تھی اور نکال لی یا غیر مرئیہ تھی تو مطلقاً ہمیشہ طہارت رہے گی جب تک دوبارہ نجاست عارِض نہ ہو مگر اگر نجاست مرئیہ ہے اور نہ نکالی تو حکمِ طہارت اُس وقت تک ہے جب تک یہ جریان باقی ہے پانی تھمتے ہی ظرف اور اس کے اندر کا پانی پھر ناپاک ہوجائیں گے کہ سبب یعنی نجاست موجود ہے اور مانع کہ جریان تھا زائل ہوگیا۔

اصل ۷: فتوی اس پر ہے کہ پانی کا عرض میں پھیلنا اس کے جریان کو نہیں روکتا جبکہ پانی آگے نکل جاتا ہو،مثلاً نہ ۹ دَر نہ ۹ حوض ہے اُس میں پانی ایک طرف سے آیا دوسری طرف سے نکل گیا جاری ہوگیا اگرچہ عرض میں نو ہاتھ پھیلنے کے لئے ضرور وقفہ درکار ہوگا اور اُتنی جلد پانی اُس سے نہ نکل سکے گا جس قدر جلد تین چار ہاتھ کے عرض سے نکل جاتا،بلکہ پانی کا گھومنا ایک دائرہ پر چکر کھانا جس طرح بھنور میں ہوتا ہے یہ بھی مانعِ جریان نہیں کہ بھنور پانی کو روک نہیں رکھتا چکر دے کر نکال دیتا ہے اوپر سے دوسرا پانی آتا اب اسے گُھما کر چھوڑ دیتا ہے یہ سلسلہ قائم رہنے کے باعث گمان ہوتا ہے کہ ایک ہی پانی گھوم رہا ہے یہ بات غیرِ آب کے ڈالنے سے متمیز ہوسکتی ہے مثلاً اوپر سے لکڑی ڈالی جائے بھنور پر پہنچ کر چکر کھا کر اُس طرف نکل جائے گی اور اگر بھنور قوی ہوا اسے گھمانے میں دَبا کر دو ٹکڑے کردے گا اور چکّر دے کر نکال دے گا،**فسبحٰن من خلق ماشاء کیف شاء ولا یجری فی ملکہ**

الا ما یشاء (پاک وہ ذات جس نے پیدا کیا جو چاہا جیسے چاہا اور نہیں چلتی کوئی شے اس کے ملک میں مگر جسے وہ چاہے۔(ت)

اصل ۸: حوض وغیرہ کے جریان میں اگرچہ خروج لازم تھا مگر ملحق بالجاری یعنی دہ دردہ میں اس کی حاجت نہیں گرمیوں کے خشک تالاب میں جانوروں کے گوبر وغیرہ نجاستیں پڑی ہیں برسات میں پانی آیا اور اُسے بھر دیا اگر تالاب کے جوف میں جہاں سے پانی نے گزر کر اُسے بھرا نجاست ہے جب تو سارا تالاب نجس ہوگیا اگرچہ کتنا ہی بڑا ہو جب تک بھر کر اُبل نہ جائے۔

اقول: اس لئے کہ جب بارش یا بہاؤ کا پانی اس کے جوف میں داخل ہوا اب جب تک کہ اُس کے بطن میں متحرک رہے گا جاری نہ کہلائے گا کہ جریان کے لئے خروج شرط ہے اور یہ غیر جاری پانی نجاست سے اُس وقت ملا کہ ہنوز دہ دردہ نہ تھا کہ جوف میں اس کے مدخل ہی پر نجاستیں تھیں تو نہ جاری ہے نہ کثیر لاجرم ناپاک ہوگیا یوں ہی جتنا پانی آتا گیا ناپاک ہوتا گیا اور نجس پانی کثیر ہوجانے سے پاک نہیں ہوسکتا جب تک جاری نہ ہوجائے اور اگر مدخلِ آب میں اتنی دُور تک نجاست نہیں کہ وہاں تک آنے والے پانی کے عرض طول کا مسطح سَو ہاتھ تک پہنچ گیا اُس کے بعد نجاست سے مِلا تو اب ناپاک نہ ہوگا کہ کثیر ہو کر ملا اگرچہ جوف سے باہر نہ گیا۔

اصل ۹: اقول: وباللہ التوفیق ایک فائدۂ نفیسہ ہے کہ شاید اس کی تحریر فقیر کے سوا دوسری جگہ نہ ملے اَثرِ نجاست قبول نہ کرنے کو پانی کا جریان چاہئے سیلان کافی نہیں سائل وجاری میں عموم وخصوص مطلق ہے ہر جاری سائل ہے اور ہر سائل جاری نہیں دیکھو بطنِ حوض میں جو پانی نل سے داخل ہوا اور دوسرے کنارے تک پہنچا اُس وقت ضرور سائل ہے مگر جاری نہ ٹھہرا جب تک دوسری طرف سے نکل نہ جائے اور اس پر دلیل قاطع آبِ وضو ہے کہ ضرور اعضائے وضو پر سائل ہے فانہ غسل ولا غسل الا بالاسالۃ (پس بیشک وضو دھونا ہے اور دھونا بغیر اِسالۃ کے ممکن نہیں ہے۔ت) مگر جاری نہیں ورنہ مستعمل نہ ہوتا کہ آبِ جاری استعمال تو استعمال، نجاست سے متاثر نہیں ہوتا جب تک متغیر نہ ہو یونہی بدن یا کپڑے کی ناپاکی جس پانی سے دھوئی اس نے بدن یا ثوب پر سیلان ضرور کیا ورنہ اِستخراجِ نجاست نہ کرتا مگر جاری نہیں ورنہ ناپاک نہ ہوجاتا حالانکہ تین بار دھونے میں امام کے نزدیک تینوں پانی ناپاک ہیں اور صاحبین کے نزدیک دو ناپاک ہیں تیسرا جب بدن یا کپڑے سے جُدا ہوجائے پاک ہے۔

اس نفیس فائدہ سے اصل ۳ پر یہ توَہُّم زائل ہوگیا کہ پانی تالاب کے اِس کنارے سے اُس کنارے تک بہتا پہنچا پھر جاری کیوں نہ ہوا یہ سیلان ہے جریان نہیں اور وہ فرق کھل گیا جو اصل ۸ میں ہم نے ذکر کیا کہ تالاب کے اندر مدخلِ آب کے قریب نجاست ہے اور پانی اس پر ہو کر گزرا ناپاک ہوگیا کہ وہ سائل ہے جاری نہیں اور تالاب کے باہر زمین پر کنارے کے قریب نجاست ہے اور پانی اُس پر گزرتا تالاب میں داخل ہوا تو ناپاک نہ ہوا جب تک وصف نہ بدلے کہ وہ جاری ہے اور اس کی نظیر وہ مسئلہ ہے کہ جوفِ زخم کے اندر خون کا سیلان معتبر نہیں جوف سے باہر بہے تو ناقضِ وضو ہے فَافْهَمْ یہی مبنیٰ ہے اس مسئلہ کا کہ استنجاء کرنے کو لوٹے سے پانی کی دھار ڈالی ہاتھ تک پہنچنے سے پہلے اُس دھار پر پیشاب کی چھینٹ پڑ گئی دھار ناپاک نہ ہوگی کہ جاری ہے اور یہی دھار استنجا کرنے سے ناپاک ہوجائے گی کہ بدن پر جاری نہیں۔

(مشک بھرتے وقت جو بائیں ہاتھ سے اُس کا مُنہ کھولتے اور ڈول سے پانی ڈالتے ہیں اُس وقت وہ پانی جریان کی حالت میں ہوتا ہے جب تک مشک میں داخل ہو اس حالت میں تو اگر نجاست پر گزرے تو اُسے بھی پاک کرتا ہوا

جائے گا۔(جلد3،ص252)

اصل ۱۰: ہماری کتابوں میں اتنا فرماتے ہیں کہ پانی نجاست پر وارِد ہو یا نجاست پانی پر، دونوں کا یکساں حکم ہے **کما تقدم عن التنویر وذکر مثلہ الجم الغفیر وفی الغرر الوارد کالمورود** (جیسا کہ تنویر سے گزرا اور اس کی مثل بہت سے لوگوں نے ذکر کیا ہے اور غرر میں ہے کہ وارِد مَورُود کی طرح ہے۔ت)

اقول: وباللہ التوفیق یہاں ایک فرق ہے غامض ودقیق اور تحقیقِ اَنیق ہے قبول کی حقیق۔ نجاستِ حقیقیہ کے لئے ایک دفع ہے اور ایک رفع، دفع یہ کہ نجاست اَثر نہ کرنے پائے اور رفع یہ کہ نجاست کا اثر موجود زائل ہو جائے دفع جاری وکثیر کے ساتھ خاص ہے اور رفع ہر مائع طاہر مُزِیل کے لئے اور ملاقاتِ نجاست وآب کے ثمرے چار ہیں:

(۱) اِعمال	(۲) اِہمال
(۳) اِنتقال	(۴) اِستیصال

اِعمال یہ کہ نجاست اپنا عمل کرے۔

اِہمال یہ کہ عمل نہ کر سکے۔

اِنتقال یہ کہ اُس کا اَثر جس شے پر تھا اُس سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہو جائے۔

اِستیصال یہ کہ نجاست سرے سے فنا ہو جائے۔

نجاست جب آبِ قلیل راکد یعنی غیر جاری پر وارِد ہو تو صرف اِعمال ہے یعنی اُسے ناپاک کر دے گی اور خود اُس میں باقی رہے گی اور جب آبِ جاری یا کثیر پر وارِد ہو تو محض اِہمال ہے یعنی باقی تو اس میں رہے گی مگر اثر کچھ نہ کر سکے گی، اور جب آبِ راکد نجاست پر وارِد ہو جیسے کپڑا یا بدن پاک کرنے میں، تو یہاں اِنتقال ہے یعنی نجاست اُس کپڑے یا بدن سے منتقل ہو کر اس پانی میں آ جائے گی وہ پاک ہو جائے گا اور یہ ناپاک، اور جب آبِ جاری نجاست پر وارِد ہو جیسے حوض وغیرہ کی صورتوں میں گزرا تو یہ صورت اِستیصال کی ہے یعنی وہ بھی پاک ہو گیا اور یہ پانی بھی پاک رہا نجاست کہیں باقی ہی نہ رہی، ہاں جاری وکثیر اگر نجاست سے متغیر ہو جائیں تو دونوں صورتوں میں قلیل راکد کی طرح ہیں بالجملہ ورودِ آب بَر نجاست میں اگر یہ پانی صرف رافع ہے تو نجاست اُس شے سے دُور کر کے اپنے اُوپر لے لے گا کہ اس میں دفع کی قوت نہیں اور اگر دافع بھی ہے تو فنا کر دے گا کہ اُس ناپاک شدہ شے سے رفع کی اور اپنے اوپر سے دفع کی اس کے لئے کوئی محل ہی نہ رکھا اصل ۴ میں ظہیریہ کی عبارت گزری کہ حوض بھی پاک ہو گیا اور یہ پانی جو اُس سے باہر نکل گیا اُسے اُٹھا کر کسی نے وضو کیا تو وضو ہو گیا ظاہر ہے کہ یہ اِعمال ہوا نہ انتقال ہوا کہ پانی خود بھی پاک رہا، نہ اِہمال ہوا کہ وہ ہوتا تو اُس وقت تک ہوتا کہ پانی بَہ رہا تھا جب ٹھہر گیا اور ہے قلیل تو نجاست اگر رہتی واجب تھا کہ عمل کرتی جیسا کہ اصل ۶ میں گزرا لیکن یہ بھی نہ ہوا اور اس پانی کو اُٹھا کر اُس سے وضو جائز ہوا تو یہ نہیں مگر نجاست کا اِستیصال۔ اسی طرح تصریح فرماتے ہیں کہ ناپاک زمین پر پانی بہایا کہ ہاتھ بھر بَہ گیا زمین بھی پاک ہو گئی اور یہ پانی بھی پاک

رہا۔ یوں ہی تصریحات ہیں کہ دو برتن ہیں ایک میں مثلاً پانی یا دُودھ پاک ہے دوسرے میں ناپاک، دونوں کی دھار ہوا میں ملا کر چھوڑی کہ ایک ہو کہ تیسرے برتن میں پہنچی یا دونوں کو ملا کر مثلاً پاک پکی چھت پر بہایا کہ ایک دھار ہو کر بہے سب پاک ہوگیا۔

اشاراتِ تقریرِ سابق سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ثمرۂ استیصال علی الاطلاق نجاستِ غیر مرئیہ میں ہے مرئیہ جب تک باقی ہے معدوم نہیں کہی جاسکتی، ہاں کثیر و جاری میں اَثر نہ کرسکے گی، قلیل و راکد ہوتے ہی اپنا عمل دکھائے گی مگر یہ کہ اس سے پہلے نجاست نکال دی یا پانی میں مستہلک یا مٹی کی طرف مستحیل ہوگئی تھی کہ پہلی دو صورتوں میں مرئیہ نہ رہی غیرِ مرئیہ ہوگئی اور پچھلی میں نجاست ہی نہ رہی۔ ص 352 تا 378

آبِ کثیر کے لئے جو مثلِ جاری نجاست قبول نہ کرے کتنا عُمق درکار ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہاتھ سے پانی لینے میں زمین نہ کھلے اس سے چُلّو مراد ہے یا لَپ؟[1]

اُس کے عُمق میں گیارہ قول ہیں:

(1) کُچھ درکار نہیں صرف اتنا ہو کہ اُتنی مساحت میں زمین کہیں کھُلی نہ ہو۔

(2) بڑا درہم کے ۴ ماشے ہوتا ہے اُس کے عرض سے کچھ زیادہ گہرا ہو۔

(3) اُس میں سے پانی ہاتھ سے اُٹھائیں تو زمین کھُل نہ جائے۔

(4) پانی لینے میں ہاتھ زمین کو نہ لگے۔

اقول یہ اپنے سابق سے زائد ہے۔ **کما لا یخفی۔**

(5) ٹخنوں تک ہو۔

(6) چار اُنگل کشادہ۔

اقول یہ تقریباً نو انگل یعنی تین گرہ ہوا۔

(7) ایک بالشت۔

(8) ایک ہاتھ۔

(9) دو ہاتھ۔

(10) سفید سکہ اس میں ڈال کر مرد کھڑے سے دیکھے تو روپیہ نظر نہ آئے۔

اقول: یعنی پانی کی کثرت سے نہ کہ اس کی کدرت سے۔

(11) اپنی طرف سے کوئی تعیین نہیں ناظر کی رائے پر موقوف ہے۔

اقول: یعنی جو جتنے گہراؤ پر سمجھے کہ آبِ کثیر ہوگیا، اس کے حق میں وہ کثیر ہے دوسرا نہ سمجھے تو اس کے لئے قلیل ہے۔

ان میں قولِ سوم عامہ کتب میں ہے اور اوّل و دوم و ہفتم و ہشتم بدائع و تبیین و فتح میں نقل فرمائے اور چہارم خانیہ وغنیۃ پنجم

---

[1]: (چلو ایک ہاتھ سے اور لپ دو ہاتھ سے پانی لینے کو کہتے ہیں۔ عمران)

جامع الرموز ششم غنیہ نیز مثلِ نہم و یازدہم قہستانی و نہم شرح نقایہ برجندی میں۔
ان میں صرف دو قول مصحح ہیں اوّل و سوم و بس۔ ص425
بالجملہ روشن ہوا کہ کثرت کے لئے صرف اس قدر درکار کہ مساحت بھر میں کوئی جگہ پانی سے کھلی نہ ہو یہی ظاہر الروایۃ و تصحیحِ اول ہے اسی بنا پر پانی لیتے وقت کثرت باقی رہنے کے لئے لازم کہ اُس سے زمین کھل نہ جائے ورنہ قلیل ہوجائے گا یہی مطلب عامہ کتب و تصحیح دوم ہے۔
ثم اقول: یہ توفیقِ انیق بعض فیصلے اور کرے گی۔
اوّل: اِغتراف مطلق رہے گا جس طرح متون و ہدایہ و عامہ کتب میں ہے کہ پانی فی نفسہٖ ہر طرح کثیر ہے مقصود اُس وقت زمین کا بالفعل نہ کھُلنا ہے نہ کوئی صلاحیتِ عامہ تو چلّو ہو یا لپ جس طرح پانی لیا اُس سے نہ کھلنا چاہئے اگرچہ دوسری طرح اِنکشاف ہوسکے بلکہ ہاتھ کی بھی تخصیص نہیں برتن سے لیں خواہ کسی سے اُس وقت زمین کھُلے نہیں۔
دوم: ساری مساحت میں اس عمق کی حاجت نہیں صرف وہیں کافی ہے جہاں سے پانی لیا گیا۔
سوم: یہ شرط دہ در دہ میں فرمائی ہے پانی اگر اس درجہ کثیر ہے کہ جہاں سے لیا گیا اگر زمین کھُل بھی جائے تو ہر طرف کا ٹکڑہ دہ در دہ رہے تو کھُلنا مضر نہ ہوگا کہ اگرچہ دو پانی ہوگئے مگر دونوں کثیر ہی ہیں۔
چہارم: مذہبِ معتمد یہ ہے کہ آبِ مستعمل طاہر ہے اور آبِ مطلق میں اُس کا اِختلاط مانعِ طہارت نہیں جب تک مقدار میں اُس سے زائد نہ ہوجائے اور آبِ قلیل کتنا ہی کثیر ہو بدنِ مُحدِث اُس میں پڑنے سے سب مستعمل ہوجاتا ہے مگر بضرورتِ اِغتراف ہاتھ ڈالنا معاف ہے یہ سب مسائل ہمارے رسائل ''الطرس المعدل'' و ''النمیقۃ الانقی'' میں مبرہن ہوچکے تو وہ پانی جس میں سے وقتِ اغتراف زمین کھل کر اُس کے ٹکڑے دہ در دہ نہ رہیں اگر اس میں پہلے سے نجاست موجود تھی اس کھلنے سے ضرور ناپاک ہوجائے گا۔ یوں ہی اگر ضرورت چلّو کی تھی اور لپ سے لیا سب پانی مستعمل ہوجائے گا کہ دُوسرا بے دُھلا ہاتھ بے ضرورت پڑا۔ ص447

دونوں جہان کے سب پانیوں سے افضل پانی

سب سے اعلیٰ سب سے اَفضل دونوں جہان کے سب پانیوں سے اَفضل، زمزم سے اَفضل، کوثر سے اَفضل وہ مبارک پانی ہے کہ بارہا براہِ اِعجاز حضورِ اَنور سیدِ اَطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک سے دریا کی طرح بہا اور ہزاروں نے پیا اور وضو کیا۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ وہ پانی زمزم و کوثر سب سے افضل مگر اب وہ کہاں نصیب اور آگے ہر قسم کے پانی مذکور ہوں گے اُن کے سلسلے میں بِلا ضرورت اس کا نام لینا مناسب نہ جانا۔ ۱۲ منہ غفرلہ (م)۔ ص452

* **وہ پانی جن سے وضو صحیح ہے۔ ص452 تا 494**

دھوپ سے گرم پانی کا استعمال کب منع ہے؟

گرم مُلک گرم موسم میں جو پانی سونے چاندی کے سوا کسی اور دھات کے برتن میں دھوپ سے گرم ہوجائے وہ جب تک

ٹھنڈا نہ ہولے بدن کو کسی طرح پہنچانا نہ چاہئے وضو سے غسل سے نہ پینے سے یہاں تک کہ جو کپڑا اس سے بھیگا ہو جب تک سرد نہ ہو جائے پہننا مناسب نہیں کہ اُس پانی کے بدن کو پہنچنے سے معاذ اللہ اِحتمالِ برص ہے اِختلافات اس میں بکثرت ہیں اور ہم نے اپنی کتاب ''منتھی الآمال فی الاوفاق والاعمال ''میں ہر اختلاف سے قولِ اَصح واَرجح چنا اور مختصر الفاظ میں اُسے ذکر کیا اُسی کی نقل بس ہے۔ص 464

عورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی کا حکم

عورت کی طہارت سے بچا ہوا پانی اگر چہ جنب یا حائض ہو اگر چہ اس پانی سے خلوتِ تامّہ میں اُس نے طہارت کی ہو (اس پانی سے وضو ہو جائے گا) ہاں مکروہ ضرور ہے۔ (علّت تعبُّدی اَمر ہے) نہی محض تنزیہی ہے۔ص 466

جس بستی پر عیاذاً باللہ عذاب اُترا اُس کے کُنوؤں تالابوں کا پانی استعمال کھانے پینے طہارت ہر شے میں مکروہ ہے

مولیٰ کریم رؤف رحیم عز جلالہ، اپنے حبیبِ اَکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجاہتِ کریمہ کے صدقہ میں اپنے غضب سے دونوں جہان میں بچائے جس بستی پر عیاذاً باللہ عذاب اُترا اُس کے کُنوؤں تالابوں کا پانی کہ اُس کا استعمال کھانے پینے طہارت ہر شے میں مکروہ ہے یوں ہی اس کی مٹی سے تیمم، ہاں زمینِ ثمود کا وہ کُنواں جس سے ناقۂ صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام پانی پیتا اُس کا پانی مستثنیٰ ہے، صحاح میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہمراہِ رکابِ اَقدس حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زمینِ ثمود پر اُترے وہاں کے کنوؤں سے پانی بھرا اُس سے آٹے گوندھے، حضورِ اَنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ پانی پھینک دیں اور آٹا اُونٹوں کو کھلا دیں چاہِ ناقہ سے پانی لیں۔ص 477

جو سبیل پینے کے لئے لگائی گئی ہو اُس سے وضو کرنے کا حکم؟

سبیل جو پینے کے لئے لگائی گئی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اُس سے وضو، غسل اگر چہ صحیح ہو جائیں گے جائز نہیں یہاں تک کہ اگر اُس کے سوا اور پانی نہ ملے اور اسے وضو یا غسل کی حاجت ہے تو تیمم کرے اس سے طہارت نہیں کرسکتا۔

اقول: مگر جبکہ مالکِ آب کی اجازت مطلقاً یا اس شخصِ خاص کے لئے صراحۃً خواہ دلالۃً ثابت ہو، صراحۃً یہ کہ اُس نے یہی کہہ کر سبیل لگائی ہو کہ جو چاہے پئے وضو کرے، نہائے، اور اگر فقط پینے اور وضو کے لئے کہا تو اس سے غسل روا نہ ہوگا اور خاص اس شخص کے لئے یوں کہ سبیل تو پینے ہی کو لگائی مگر اُسے اُس سے وضو یا غسل کی اجازت خود یا اس کے سوال پر دے دی اور دلالۃً یوں کہ لوگ اس سے وضو کرتے ہیں اور وہ منع نہیں کرتا یا سقایہ قدیم ہے اور ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا چلا آیا ہے یا پانی اس درجہ کثیر ہے جس سے ظاہر ہے کہ صرف پینے کو نہیں مگر جبکہ ثابت ہو کہ اگر چہ کثیر ہے صرف پینے ہی کی اجازت دی ہے **فان الصریح یفوق الدلالۃ** (کیونکہ صراحت کو دلالت پر فوقیت حاصل ہے۔ت) اور شخصِ خاص کے لئے یوں کہ اس میں اور مالکِ آب میں کمال اِنبساط و اِتحاد ہے یہ اُس کے ایسے مال میں جیسا چاہے تصرف کرے اُسے ناگوار نہیں ہوتا۔

تنبیہ: یہ جوشخصِ خاص کی اجازت صراحۃً خواہ دلالۃً ہم نے ذکر کی اُس حالت میں ہے کہ پانی وقتِ اجازت بھی اجازت دہندہ کی مِلک ہو اور اگر وقف کا پانی ہے تو اس میں نہ کسی کو تغیر کا اختیار نہ کسی کی اجازت کا اعتبار۔ص 481

(رسالہ ضمنیہ) عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی

(بچّے کے حاصل کردہ پانی کے احکام کے متعلق نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عطیہ)۔ص 494

جو پانی نابالغ کی مِلک ہے اس کے استعمال کا حکم

پانی اُس نابالغ کی مِلک ہے اور اُس میں غیرِ والدین کو تصرف مطلقاً حرام، حقیقی بھائی اُس پانی سے نہ پی سکتا ہے نہ وضو کر سکتا ہے ہاں طہارت ہو جائے گی اور ناجائز تصرف کا گناہ اور اُتنے پانی کا اس پر تاوان رہے گا مگر یہ کہ اس کے ولی سے یا بچّہ ماذون ہو جس کے ولی نے اسے خرید فروخت کا اذن دیا ہے تو خود اس سے پُورے داموں خرید لے ورنہ مفت یا غبنِ فاحش کے ساتھ نابالغ کی مِلک دوسرے کو نہ خود وہ دے سکتا ہے نہ اُس کا ولی، رہے والدین وہ بحالتِ حاجت مطلقاً اور بے حاجت حسبِ روایتِ امام محمد اُن کو جائز ہے کہ اُس سے بھروائیں اور اپنے صرف میں لائیں باقی صورتوں میں اُن کو بھی روا نہیں مگروہی بعدِ شرا۔

تنبیہ: یہاں سے اُستاد سبق لیں معلموں کی عادت ہے کہ بچّے جو اُن کے پاس پڑھنے یا کام سیکھنے آتے ہیں اُن سے خدمت لیتے ہیں یہ بات باپ دادا یا وصی کی اجازت سے جائز ہے جہاں تک معروف ہے اور اس سے بچّے کے ضرر کا اندیشہ نہیں مگر نہ اُن سے پانی بھروا کر استعمال کر سکتے ہیں نہ اُن کا بھرا ہوا پانی لے سکتے ہیں۔

تنبیہ: کنویں کا پانی جب تک کنویں سے باہر نہ نکال لیا جائے کسی کی مِلک نہیں ہوتا فان سببه الملك الاحراز ولا احراز الابعد التنحیة عن رأس البئر (سببِ مِلک اِحراز ہے اور اِحراز پانی کو کنویں کی منڈیر سے الگ کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ت) تو استاد جسے بچّے سے خدمت لینے کا اختیار ہے یہ کر سکتا ہے کہ پانی بچّے سے بھروائے یہاں تک کہ ڈول کنویں کے لب تک آئے اُس کے بعد خود اسے نکال لے کہ یہ پانی بچّے کی مِلک نہ ہوگا بلکہ خود اُس کی۔ص 527

پانی تین قسم ہیں (۱) مباح غیرِ مملوک (۲) مملوک غیرِ مباح (۳) مباح مملوک

اول: دریاؤں نہروں کے پانی تالاب جھیلوں ڈیروں کے برساتی پانی مملوک کنویں کا پانی کہ وہ بھی جب تک بھرا نہ جائے کسی کی مِلک نہیں ہوتا جس کی تحقیق ابھی گزری مساجد وغیرہا کے حوضوں سقایوں کا پانی کہ مالِ وقف سے بھرا گیا اس کا بیان بھی گزرا یہ سب پانی مباح ہیں اور کسی کی مِلک نہیں۔

دوم: برتنوں کا پانی کہ آدمی نے اپنے گھر کے خرچ کو بھرا یا بھروا کر رکھا وہ خاص اس کی مِلک ہے، بے اس کی اجازت کے کسی کو اس میں تصرف جائز نہیں۔

سوم: سبیل یا سقایہ کا پانی کہ کسی نے خود بھرا یا اپنے مال سے بھروایا بہرحال اس کی مِلک ہوا اور اس نے لوگوں کے لئے اس کا استعمال مباح کر دیا وہ بعدِ اباحت بھی اُسی کی مِلک رہتا ہے یہ پانی مملوک بھی ہے اور مباح بھی، ظاہر ہے کہ قسمِ اَخیر کا پانی بالغ بھرے یا نابالغ کچھ تفاوتِ اَحکام نہ ہوگا کہ لینے والا اس کا مالک ہی نہیں ہوتا۔ یوں ہی قسمِ دوم میں جبکہ مالک نے اسے بطورِ

اباحت دی یا ہاں اگر مالک کیا تو اب فرقِ اَحکام آئے گا اور اگر بے اجازتِ مالک لیا یا دونوں قسم اخیر میں مالک بوجہِ صغر یا جنون اجازت دینے کے قابل نہ تھا تو وہ آب مغصوب ہے۔ زیادہ تفصیل طلب اور یہاں مقصود بالبحث قسم اوّل ہے اس کے لئے **تنقیح اول** ان اصول پر نظر لازم جو اموالِ مباحہ جیسے آب مذکور یا جنگل کی خود رو گھاس پیڑ پھل پھول وغیرہا پر حصولِ مِلک کے لئے ہیں کتب میں اس کے جزئیات متفرق طور پر مذکور ہوئے جن سے نظرِ حاضر ایک ضابطہ تک پہنچنے کی امید رکھتی ہے واللہ الہادی۔

فاقول: وبہ استعین یہ تو ظاہر ہے کہ مباح چیز احراز و استیلا سے مِلک ہوجاتی ہے اول بار جس کا ہاتھ اُس پر پہنچا اور اس نے اپنے قبضے میں کرلیا اُسی کی مِلک ہوجائے گی مگر یہ قبضہ کبھی دوسرے کی طرف منتقل ہوتا اور اُس کا قبضہ ٹھہرتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ مالِ مباح کا لینے والا دو حال سے خالی نہیں اُس شے کو اپنے لئے لے گا یا دُوسرے کے لئے، برتقدیرِ ثانی بطورِ خود یا اس کے کہے سے برتقدیرِ ثانی بلا معاوضہ یا باجرت برتقدیرِ ثانی اُس دوسرے کا اجیرِ مطلق ہے جیسے خدمت گار یا خاص اسی مباح کی تحصیل کے لئے اجیر کیا برتقدیرِ ثانی اجارہ وقتِ معین پر ہوا مثلاً آج صبح سے دوپہر تک یا بلا تعین برتقدیرِ ثانی وہ شے مباح متعین کردی تھی مثلاً یہ خاص درخت یا یہاں سے یہاں تک کہ یہ دس پیڑ یا اس قطعۂ مخصوصہ کا سبزہ یا اس حوض کا سارا پانی یا یہ تعیین بھی نہ تھی برتقدیرِ ثانی اَجیر قبول کرتا ہے کہ یہ شے میں نے مستاجر کے لئے لی یا نہیں برتقدیرِ ثانی اگر اس شے کا اِحراز مثلاً کسی ظرف میں ہوتا ہو تو وہ ظرف مستاجر کا تھا یا نہیں، یہ نو صورتیں ہُوئیں۔ ان میں صورتِ اُولیٰ میں تو ظاہر ہے کہ وہ شے اُسی قبضہ کرنے والے کی مِلک ہوگی دوسرے کو اس سے عِلاقہ ہی نہیں، یوں ہی صورتِ دوم میں بھی کہ شرع مطہر نے سببِ مِلک استیلا رکھا ہے وہ اس کا ہے دوسرے کے لئے محض نیت اس مِلک کو منتقل نہ کردے گی۔

اسی طرح صورتِ سوم میں بھی کہ تحصیلِ مباح کے لئے دوسرے کو اپنا نائب ووکیل وخادم ومُعین بنانا باطل ہے۔

صورتِ چہارم میں وہ مباح آقا کی مِلک ہوگا یعنی جب کہ اُس کی نوکری کے وقت میں یہ کام لیا ورنہ صورتِ سوم میں داخل ہے کَمَامَرَّ اِس صورت میں مِلک آقا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نوکری کے وقت میں نوکر کے منافع اُس کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں اور اُس کا اُس کے حکم سے قبضہ بعینہٖ اُس کا قبضہ ہے۔

یوں ہی صورتِ پنجم میں اور اجیر اَجرِ مقرر کا مستحق ہوگا کہ یہ اجارہ صحیحہ ہے اور صورتِ ششم میں بھی وہ شے مباح مِلکِ مستاجر ہوگی مگر اجیر اَجرِ مثل پائے گا جو مُسمّٰی سے زاید نہ ہو کہ یہ اجارہ فاسدہ ہے۔

صورتِ ہفتم خود ظاہر ہے کہ اُس کے اقرار سے مِلکِ مستاجر ہے۔ (میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اجیر دوسرے کا عامل ہوتا ہے اور اس نے یہ اِعتراف کیا ہے کہ وہ بطورِ اجیر کام کررہا ہے اور وہ چیز مستاجر کے لئے لے رہا ہے۔ ت)

یوں ہی صورتِ ہشتم میں کہ ظرفِ مستاجر میں اِحراز دلیل ہے کہ مستاجر کے لئے ہے۔

رہی صورتِ نہم ظاہر ہے کہ اس میں مِلکِ اجیر ہے۔

اقول: اور اس پر تقریرِ دلیل یوں کہ یہ اجیر نہ بیانِ مدّت کے ساتھ اپنے منافع بیچ چکا ہے کہ اس وقت میں اُس کا کام خواہی نخواہی آمر کے لئے ہو نہ شیَ کی تعیین ہوئی کہ بوجہِ قبول اُس کا پابند ہو تو وہ اپنی آزادی پر ہے کیا ضرور ہے کہ اس وقت جو اُس نے لیا بربنائے اِجارہ بغرضِ مستاجر لیا ہو نہ وہ مُقِر ہے نہ ہشتم کی طرح کوئی دلیل ظاہر ہے لہٰذا مِلکِ اجیر ہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بالجملہ یہ نو صورتیں ہیں جن میں سے چار میں وہ شے مباح لینے والے کی مِلک ہے اور پانچ میں دوسرے کی۔ یہ جبکہ لینے والا حُر ہو ورنہ مملوک کسی شے کا مالک نہیں ہوتا اس کا جو کچھ ہے اس کے مولیٰ کا ہے۔ص 494 تا 507

نابالغ کہ اُس کے والدین اگر اُس سے کوئی شے مباح مثلاً کنویں سے پانی یا جنگل سے پتّے منگائیں تو اُس نسبتِ بُنُوَّت کے سبب احکامِ استیلاء میں کوئی تفاوت آئے گا یا نہیں، اگر آئے گا تو کیا؟

اس میں علماء کے تین قول ہیں: **اوّل**: کہ زیادہ مشہور ہے یہ کہ والدین کو بھی مباحات میں اِستخدام کا اختیار نہیں صبی اگرچہ ان کے حکم سے اُنہیں کے لئے انہیں کے ظرف میں لے خود ہی مالک ہوگا اور والدین کو اُس میں تصرف حرام مگر بحالتِ محتاجی۔

اقول: یعنی بحالتِ فقر بلا قیمت اور بحالتِ احتیاجِ حاضر مثلاً سفر میں ہوں اور مال گھر میں بوعدۂ قیمت تصرف کر سکتے ہیں۔

دوم: فقیر والدین کی طرح غنی ماں باپ کو بھی بچہ سے ایسی خدمت لینے کا حق ہے اور وہ پانی روا کہ عرف ورواج مطلق ہے یہ امام محمد سے ایک روایت ہے۔

سوم: اگر ماں باپ کے برتن میں لیا تو وہ مالک ہوں گے ورنہ صبی جیسے اجیر۔ص 508

بالجملہ قولِ سوم خلافِ اصول ومخالفِ منقول ہے اور قولِ اول میں حرج بَشِدّت اور دوم کہ نصِ محررُ المذہب سے ماثور مؤید بعُرف وکتاب وسنت لہٰذا فقیر اُسی کے اختیار میں اپنے رب عزوجل سے اِستخارہ کرتا ہے۔ص 525

حوض یا کنویں میں نابالغ نے اپنا پانی ڈالا تو اسے جائز الاستعمال کرنے کا طریقہ؟

جتنا پانی اُس نابالغ نے ڈالا ہے اسی قدر یا اُس سے زائد اُس حوض یا کنویں سے (عـــہ ۱)[1] نکال کر اُس نابالغ (عـــہ ۲)[2] کو دے دیں یہ دینا یقیناً جائز ہوگا کہ اگر اِس میں مِلکِ صبی ہے تو صبی ہی کے پاس جاتی ہے بخلاف بہا دینے یا ڈول کھینچ کر پھینک دینے کے کہ وہ مِلکِ صبی کا ضائع کرنا ہے اور یہ جائز نہیں اب کہ اُس قدر یا زائد پانی اُس صبی کو پہنچ گیا اُس کے ڈالے ہوئے پانی کا باقی رہنا مشکوک ہو گیا تو وہ یقین کہ موضعِ مجہول کے لئے تھا زائل ہو گیا اور حوض وچاہ کا باقی پانی جائزُ الاستعمال ہو گیا۔

ثُمَّ اَقول: یہ طریقہ اِثم سے بچنے کو ہے اور اگر بغیر اس کے کوئی شخص نادانستہ یا دیدہ ودانستہ براہِ جہالت خواہ بے پرواہی

---

[1]: **عـــہ ۱:** اگر کھیے مائے مباح سے جو لے گا مالک ہوگا تو یہ پانی کہ کوئی شخص کنویں یا مباح حوض سے بھر کر نابالغ کو دے گا اپنی مِلک دے گا اور ایک شے پر دو مِلکیں جمع نہیں ہوسکتیں تو یہ پانی مِلکِ صبی نہ تھا پھر اس کے نکلنے سے مِلکِ صبی کا نکل جانا کیونکر محتمل ہوا۔ **اقول:** جبکہ اس پانی میں مِلکِ صبی مخلوط ہے تو اب مائے مباح نہیں مائے محظور ہے بھرنے والا اس کا مالک نہ ہوگا جو بھرا محتمل ہے کہ وہی مائے مملوکِ صبی ہو یا مائے مباح کا حصہ، اول پر بھرنے والا اُس کا مالک نہیں ہوسکتا ہے اور دوم ہے تو ہوگا اور مِلک شک واحتمال سے ثابت نہیں ہوسکتی لہٰذا وہ احتمال قائم رہا کہ یہ وہی پانی ہے جو مِلکِ صبی تھا۔ منہ غفر لہ (م)

[2]: **عـــہ ۲: اقول:** بلکہ اگر خود نابالغ نے دوبارہ اُتنا یا اُس سے زائد پانی اُس میں سے بھر لیا تو اب بھی رفعِ مانع ہو جانا چاہئے کہ اگرچہ نابالغ کے لئے پانی ممنوع نہیں جیسا کہ تنبیہ پنجم میں گزرا اور وہ جو دوبارہ بھرے گا ضرور اس کا مالک ہوگا مگر یہ اُس اِحتمال کا مانع نہیں کہ اس بار وہی پانی آیا جو اس نے پہلے ڈال دیا تھا اور یہی احتمال رفعِ منع کو بس ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم منہ غفر لہ (م)

احکامِ شریعت اُس میں سے اُتنا پانی یا اُس سے زاید بھر کر لے گیا تو اگر چہ وہ گنہگار ہو باقی پانی جائزُ الاستعمال ہو گیا کہ اُتنا نکل جانے سے حوض و چاہ میں اُس کی بقا پر یقین نہ رہا۔ص539

میں کہتا ہوں ہر وہ جانور جس میں خون نہ ہو وہ حرام ہے سوائے ٹڈی اور اُس مچھلی کے جو مُردہ حالت میں سطحِ سمندر پر تیرتی ہوئی نہ پائی گئی ہو۔(ت)۔ص560

کراہت کا لفظ متقدمین کے عرف میں حُرمت کو بھی عام ہے

میں کہتا ہوں کراہت کا لفظ متقدمین کے عرف میں حُرمت کو بھی عام ہے وہ فرماتے ہیں میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں اور مراد یہ ہوتی ہے کہ میں اس کو حرام سمجھتا ہوں۔(ت)ص560

* حرام کا اطلاق مکروہ تحریمی پر کوئی بعید امر نہیں۔ص453
* **خشک ہونا حیوانات کے بدن میں سببِ طہارت ہے جیسا کہ زمین کا حال ہے اور ہم نے بتوفیقِ اللہ اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی کے بابُ الانجاس میں کی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)ص564**
* **دُلھن کو بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے۔**

دفعِ نظر کے لئے نظر لگانے والے کے بعض اعضاء دھو کر چشم زدہ کے سر پر ڈالنے کا حکم ہے۔ص595

مائے مطلق کی تعریف

بالجملہ تحقیقِ فقیر غفرلہ، میں مائے مطلق کی تعریف یہ ہے کہ وہ پانی کہ اپنی رقتِ طبعی پر باقی ہے اور اس کے ساتھ کوئی ایسی شے مخلوط و ممتزج نہیں جو اُس سے مقدار میں زائد یا مساوی ہے نہ ایسی جو اُس کے ساتھ مل کر مجموع ایک دوسری شے کسی جُدا مقصد کے لئے کہلائے ان تمام مباحث بلکہ تفہیم کے لئے جملہ فروعِ مذکورہ وغیر مذکورہ کو ان دو بیت میں منضبط کریں۔

مطلق آبے ست کہ بروقتِ طبعی خودست نہ درومزج دگر چیز مساوی یا بیش
نہ بخلطے کہ بترکیب کُند چیز دگر کہ بود ز آب جُدا در لقب ومقصد خویش ص679

پانی کے متعلق چند اجماعی مسائل

اَقول وباللہ التوفیق اوّل چند مسائلِ اجماعیہ ذکر کریں کہ کوئی ضابطہ اُن کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

(۱) اجماعِ اُمّت ہے کہ پانی کے سوا کسی مائع سے وضو وغسل یعنی اِزالۂ نجاستِ حکمیہ نہیں ہوسکتا۔

(۲) اجماع ہے کہ وہ پانی مائے مطلق ہونا چاہئے مائے مقید سے وضو نہیں ہوسکتا سوائے نبیذِ تمر کے کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اِبتداً نظر بحدیث اُس سے جواز کے قائل تھے پھر رجوع فرمائی اور اُس سے بھی عدمِ جواز پر اِجماع منعقد ہو گیا

الا مایذکر من امام الشام الاوزاعی رحمہ اللہ تعالٰی من التجویز بکل نبیذ اِن ثبت عنہ

(۳) اجماع ہے کہ غَسل بالفتح یعنی کسی عضو کے دھونے میں اُس پر پانی کا بہنا ضرور ہے صرف تر ہو جانا کافی نہیں کہ وہ مسح ہے

اور حضرتِ عزت عز جلالہ، نے غُسل ومسح دو وظیفے جُدا رکھے ہیں۔

(۴) اِجماعِ لغت وعرف وشرع ہے کہ دو چیزوں سے مرکب میں حکم غالب کے لئے ہے **وقد قدمناہ عن المحقق علی الاطلاق فی التعریف الخامس للماء المطلق** (اور ہم نے محقق علی الاطلاق سے مطلق پانی کی پانچویں تعریف میں اس کو پہلے ذکر کر دیا ہے۔ت) تو پانی میں جب اُس کا غیر اُس سے زائد مقدار میں مل جائے بحکمِ اِجماعِ اوّل قابلِ وضو نہ رہے گا۔

(۵) اجماعِ عقل ونقل ہے کہ تعارض موجبِ تساقُط ہے اور اِجتماعِ حاظِر ومبیح میں حاظر غالب تو اگر دوسری چیز مساویُ القدر بھی ملے گی قابلِ وضو نہ رکھے گی۔

(۶) اجماعِ ائمہ ٔ حنیفہ ہے کہ قلیل مستہلک کا خلط مُزیلِ اِطلاق نہیں اگرچہ وہ قلیل جنسِ ارض سے نہ ہو۔

(۷) اِجماعِ عرف وشرع ہے کہ زوالِ اِسم موجبِ زوالِ اِطلاق ہے ولہذا نبیذِ تمر سے وضو نا جائز ہونے پر اجماع ہوا اگرچہ پانی اپنی رقّت پر رہے۔

(۸) اجماعِ ائمہ ٔ حنفیہ ہے کہ پانی کے اوصاف میں قلیل تغیر مانعِ اِطلاق نہیں۔

یہ آٹھ اجماع واجب بالاتباع نا قابلِ نزاع غیرِ صالح الاندفاع ہیں اور یہی بحمدِ اللہ تعالیٰ وہ معیارِ کامل ہے جو مائے مطلق کی تعریفِ رضوی میں گزرا **وللہ الحمد**۔ص 687

جلد نمبر 3

رسالہ ضمنیہ:

الدقۃ و التبیان لعلم الرقۃ و السیلان

(پانی کی) رِقّت وسیلان کا واضح بیان (ت)

(پانی کا) زوالِ طبع اس میں چند اَبحاث ہیں:

بحث اوّل: معنی طبیعت:

اقول: طبعِ آب سے مراد اس کا وہ وصف ہے کہ لازم ذات ومقتضائے ماہیت ہو جس کا ذات سے تخلُّف ممتنع ہو۔

بحث دوم: طبعِ آب کی تعیین: عامہ علماء نے اسے رقت وسیلان سے تفسیر کیا اور یہی صحیح ہے اِیضاح وبحر وصدرُ الشریعۃ وشلبیہ ومجمع الانہر واِمدادُ الفتاح وغیرہا کتبِ کثیرہ میں ہے **ھو الرقۃ والسیلان** (طبعِ آب رِقت وسیلان ہے۔ت) ص42

بحث سوم: معنی رِقّت وسیلان کی تحقیق اور اُن کا فرق

اہلِ سنت حفظہم اللہ تعالٰی کے نزدیک ترکیبِ اَجسام اگرچہ جواہرِ فردہ متجاوِرہ غیرِ مُتلاصِقہ سے ہے اور یہی حق ہے فقیر نے بحمد للہ تعالٰی اپنے فتاوٰی کلامیہ میں اسے قرآنِ عظیم سے ثابت کیا ہے جس کی طرف علماءِ متکلمین کی نظر اب تک نہ گئی تھی **فیما اعلم واللہ اعلم اذلم اقف علیہ فی کلامھم** (اس میں جو میں جانتا ہوں اور اللہ زیادہ جانتا ہے کہ اس معاملہ میں ان کے کلام میں واقفیت حاصل نہ کرسکا۔ت) مگر اتصالِ حسی ضرور ہے **کما بیناہ فی رسالتنا النمیقۃ الانقی** (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے رسالہ'' النمیقۃ الانقی '' میں بیان کیا ہے۔ت) تمام احکامِ دین ودُنیا اسی اِتصالِ مرئی پر مبنی ہیں، یہ **اِتصال دو قسم** ہے: **قوی وضعیف۔قوی:** یہ کہ جب تک خارج سے کوئی سبب نہ پیدا ہو انفکاک نہیں ہوتا، ایسی ہی شی کا نام جامد ہے۔ پھر یہ خود قوت وضُعف میں بریان پاپڑ سے لے کر سنگِ خارا کی چٹان اور فولاد تک مختلف ہے مگر یہ نہ ہوگا کہ خودبخود اس کے اَجزا بکھر جائیں یا بہ کر اُتر جائیں۔**ضعیف** یہ کہ محض مجاورت کے سوا اَجزا میں عام بستگی وگرفتگی نہ ہو دَل پیدا کرنے والا تراکُم کہ اَجزا یکے بالائے دیگرے ہیں جگہ نہ پانے کے باعث ہوگنجائش ملتے ہی اجزا اُتر کر پھیلنے لگیں ایسی ہی شی کا نام **مائع وسائل** ہے اور ازاں جا کہ اَجزا میں تماسُک یعنی جامدات کی مانند بستگی وگرفتگی نہیں اور میلِ طبعی ہر ثقیل کا جانبِ تحت ہے تو نشیب پاتے ہی جو حرکت ثقیل اشیاء میں پیدا ہوتی ہے جبکہ کوئی مانع نہ ہو جامد میں سارے جسم کو معاً متحرک کرتی تھی کہ اَجزا اول سے آخر تک ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہیں یہاں ایسا نہ ہوگا بلکہ جانبِ نشیب کے پہلے اَجزاء حرکت میں پچھلوں کا اِنتظار کریں گے ان کے آگے بڑھتے ہی ان کے متصل جو اجزا تھے جگہ پائیں گے اور وہ اپنے پچھلوں کے منتظر نہ رہ کر جنبش کریں گے یوں ہی یہ سلسلہ اَخیر اَجزاء تک پہنچے گا تو اس جسم کی حرکت حرکتِ واحدہ نہ ہوگی بلکہ حرکاتِ عدیدہ متوالیہ اور ازانجا کہ اگلوں کا بڑھنا اور پچھلوں کا اُن سے آملنا

مسلسل ہے کہیں انفکاک محسوس نہ ہوگا جسمِ واحد کے اجزا میں اسی سلسلہ وارحرکتِ متوالی کا نام **سیلان** ہے پھر جس طرح جامدات قوت وضُعف میں اُس درجہ مختلف تھے یوں ہی ان مائعات میں یہ اختلاف ہے کہ جہاں بوجہِ مانعِ اِنفکاکِ حسی کے محتاج ہوں بعض بہت باریک ذروں پر منقسم ہوسکیں گے اور بعض زیادہ حجم کے اجزاء پر کہ ایک نوعِ تماسُک سے خالی نہیں اگرچہ جامدات کی طرح عام تماسُک نہیں چھاننے میں اختلافِ مائعات کی یہی وجہ ہی ظاہر ہے کہ کپڑا یا چھلنی جس چیز میں چھانیے اُس میں کچھ تو منافذ ومسام ہوں گے کہ اجزائے مائع کو نکلنے کی جگہ دیں گے اور کچھ کپڑے یا لوہے وغیرہ کے تار ہوں گے کہ اپنے محاذی اجزاء کو روکیں گے ناچار مائع اپنے اَجزا کی تفریق کا محتاج ہوگا پھر جو جس قدر باریک اجزا پر منقسم ہوسکے گا اُتنے ہی تنگ منفذ سے نفوذ کرجائے گا اور دوسرا اس پر قادر نہ ہوگا یہی سبب ہے کہ بعض مائعات چھاننی میں سنگین کپڑے سے نفوذ کرجاتے ہیں کہ اُس کپڑے کے باریک مسام سے بھی زیادہ باریک اجزاء پر متفرق ہوسکتے ہیں اور بعض باریک کپڑے سے نکل سکیں گے جو زیادہ گھنا نہ بُنا ہو بعض چھلنی کی وسیع منفذ چاہیں گے وعلٰی ہذا القیاس اسی منشاءِ اختلاف کا نام مائع کی **رقت وغلظت** ہے ورنہ جامدات میں بھی رقیق وغلیظ ہوتے ہیں پتلے کپڑے کو ثوبِ رقیق کہتے ہیں پتلی چپاتی کو خُبزِ رُقاق، اِستخوانِ زمانِ پیری کو عظمِ رقیق، حدیثِ امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے: **اللھم کبر سنی و رقّ عَظْمِی فاقبضنی الیك غیر عاجز و لا ملوم** اے اللہ میری عمر بڑی ہوگئی اور میری ہڈی پتلی ہوگئی پس مجھے عاجز اور شرمسار کئے بغیر اپنے دربار میں حاضر کرلے۔(ت)

شیشہ کہ باریک دَل کا ہو زُجاجِ رقیق۔ **قال قائلھم ع: رق الزجاج ورق الخمر فاشتبھا** (ترجمہ: شیشہ پتلا (باریک) ہوا، اور شراب پتلی ہوئی، یوں دونوں آپس میں مشابہ ہوئے۔ت)

بالجملہ رِقّت ودِقّت متقارب ہیں رقیق پتلا، دقیق باریک۔ **اقول**: مگر دقت میں کمیِ عرض کی طرف لحاظ ہے ولہذا خط کو دقیق کہیں گے اور رقت میں کمیِ عمق کی جانب تو سطح رقیق ہے یہ وہ ہے جو نظر بمحاورت خیالِ فقیر میں آیا پھر تاجُ العروس میں اس کی تصریح پائی۔

اقول: **یہ رقت بالفعل** ہے اور مائع کا اس قابل ہونا کہ چھاننی میں باریک اجزاء پر منقسم ہوسکے رقت بالقوہ یہی ان مسائل میں ملحوظ ومبحوث عنہ ہے۔ **ثم اقول**: جانبِ زیادت اِنتہائے رقت تو جواہر فردہ پر ہے کہ اُن سے زیادہ باریکی محال ہے باقی ایک مائع دوسرے کے اعتبار سے رقیقِ اضافی ہے گائے کا دودھ ہرحال میں بھینس کے دُودھ سے رقیق ہے مگر برسات کی گھاس چرے اور کھلی اور دانہ کھائے تو خود اُس کی پہلی صورت کا دودھ دوسری سے رقیق تر ہے یوں ہی یہ اختلاف بکری کے دودھ سے نہ جمی ہوئی راب تک متفاوت ہے اور جانبِ کمی اُس کی اِنتہا اِختتامِ سیلان پر ہے۔ جب شی سائل نہ رہے گی یہاں سے ظاہر ہوا کہ رقیق بالقوہ وسائل بجائے خود متساوی ہیں ہر رقیق بالقوہ سائل ہے اور ہر سائل رقیق بالقوہ عام ازیں کہ کپڑے سے نچڑ سکے جیسے پانی یا نہیں جیسے تیل، گھی، شیر، شہد وغیرہا۔ اب رہا یہ کہ جب رقت مبحوث عنہا اَجزائے لاتتجزی سے اَخیر حدِ مائع تک بتفاوتِ شدید پھیلی ہوئی ہے تو یہاں جس مقدار کی اِنتفا پر زوالِ طبعِ آب کہتے ہیں اُس کی تحدید کیا ہے۔ پانی کس حد کی رقت تک نامتغیر کہا جائے گا اور کیسا ہوکر زائلُ الطبع کہلائے گا یہی اصل مقصدِ بحث ہے اس کا اِنکشاف بعونہٖ تعالٰی بحثِ آئندہ کرتی ہے۔ **وباللہ التوفیق**

ولہ الحمد علی ھدایۃ الطریق وصلی اللہ تعالٰی سیدنا ومولٰنا محمد والہٖ وصحبہ اولی التحقیق۔ ص50

بحث چہارم: رقتِ معتبرہ مقام کی حدبست۔

میں کہتا ہوں میں نے اس سلسلہ میں تین قسم کی عبارات دیکھیں:

پہلی: غنیۃ میں فرمایا مقید سے جائز نہیں، جیسے زردج کا پانی جبکہ گاڑھا ہو، اور جب گاڑھا نہ ہو اور اصلی سیلان پر ہو تو جائز ہے، جیسے سیلاب وغیرہ کا پانی۔ پھر فرمایا جب تک رقیق ہو جلدی بہتا ہو جیسے مخالطت کے نہ ہونے کے وقت بہتا ہے، تو اس کا حکم مطلق پانی جیسا ہے پھر فرمایا اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ تیزی سے سیلان کا باقی رہنا، جیسا کہ وہ پانی کی طبیعت ہے مخالطت سے پہلے، پھر فرمایا (اگر روٹی پانی میں تر ہوگئی تو اگر اس کی رقت باقی ہے) جیسے کہ پہلے تھی (تو جائز ہے اور اگر گاڑھا ہوگیا تو جائز نہیں) اھ

دوسرے: یہ کہ عنایہ میں بھی ہے کہ جس پانی میں اُشنان وغیرہ پکائی جائے تو اس سے وضو جائز ہے سوائے اس کے کہ وہ اتنا گاڑھا ہوجائے کہ اس کو اَعضاء پر بہایا نہ جاسکے۔

تیسرے: یہ کہ محقق نے فتح میں فرمایا وہ پانی جس میں کیچڑ ملی ہوئی ہو، اگر وہ اعضاء پر بہتا ہو تو اس سے وضو میں حرج نہیں، اور اگر اس میں مٹّی غالب ہو تو وضو جائز نہیں اھ

تو صحیح تیسرا ہے جس کی صراحت بڑے بڑے ائمہ کے کلام میں موجود ہے، اور دوسرا اس کی طرف قریب ترین تاویل سے رجوع کرتا ہے، پہلا باقی رہا تو میں کہتا ہوں عنایہ کا کلام اس میں قریب ہے دُور نہیں کیونکہ انہوں نے اس کی تفسیر غنیۃ کی طرح نہ کی، اور اس میں مخالطۃ سے ماقبل کا اضافہ نہیں کیا ورنہ ان کا کلام دوسرے میں متناقض ہوتا ہے، اور وہ اس میں متفرد ہیں جیسا کہ میں جانتا ہوں۔ ص57

ثم اقول: وباللہ التوفیق ہماری تقریرِ سابق سے واضح ہوا کہ مائعات دو قسم ہیں، **ایک** وہ جن کے اجزا میں اَصلاً تماسک نہیں جیسے نتھرا پانی، دوسری جن میں نوع تماسک ہے جیسے شہد۔ یہاں سے جس طرح اُن کی رقت وغلظت کا فرق پیدا ہوتا ہے کہ اوّل اپنے اِتصالِ حسی کہ بہت باریک اجزاء پر تقسیم کرسکتا ہے بخلاف ثانی یوں ہی اُن کے سیلان میں بھی تفاوت آئے گا اول جب جگہ پائے گا بالکل منبسط ہوجائے گا دَل اَصلاً نہ رہے گا کہ اجزاء جو عدمِ وسعت کے سبب زیروبالا مُتَراکم تھے وسعت پاکر سب پھیل جائیں گے کہ ہر جز طالبِ مرکز ہے اگر اَجزائے بالا بالا ہی رہیں بہ نسبت اَجزائے زیریں مرکز سے دُور ہوں گے جگہ پاکر بلا مانع دُور رہنا مقتضائے طبیعت سے خروج ہے کہ عادۃً ممکن نہیں خلافا لجھلۃ الفلاسفۃ الذین یحیلونہ عقلالان الفاعل عندھم موجب وعندنا مختار تعلی اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا وسبحٰن اللہ رب العرش عمّا یصفون (اس میں جاہل فلاسفہ کا اختلاف ہے، جو اس کو عقلاً محال قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک فاعل موجب ہے اور ہمارے نزدیک مختار ہے تعالی اللہ عما یقول الظلمون علوًا کبیرا وسبحان اللہ رب العرش العظیم۔ ت) بخلاف ثانی کہ اجزا میں ایک نوعِ تماسک کے سبب سب نہ پھیل سکیں گے ختمِ سیلان پر بھی مَبدء سے منتہیٰ تک ایک اُبھرا ہوا جرم نظر آئے گا جیسا کہ مرئی ومشاہد ہے کہ اگر پختہ زمین یا تخت یا سینی یا لوہے کی چادر پر شہد بہایئے بہاؤ رُکنے پر بھی

یہاں سے وہاں تک اُس سطح سے اُونچا شہد کا ایک دَل قائم رہے گا جسے خشک ہونے کے بعد چھیل سکتے ہیں بے اس کے کہ زمین کا کچھ حصّہ چھلے لیکن اگر پانی بہایئے اور پُورا بہہ جانے سے کوئی روک نہ ہو تو ختمِ سیلان کے وقت اُس سطح پر اول تا آخر ایک تری کے سوا پانی کا کوئی دَل نہ رہے گا ہمارے ائمہ اسی قسمِ اول کا نام رقیق اور ثانی کا کثیف رکھتے ہیں۔ فقیر اسے روشن دلیل سے واضح کرے **فاقول وباللہ التوفیق** یہ دلیل ایک قیاسِ مرکب ہے تین مقدمات پر مشتمل:

مقدمہ اُولٰی: ہمارے ائمہ نے بابِ نجاسات میں دو قسمیں فرمائی ہیں جِرم دار و بے جرم، اَول کی مثال لِید وغیرہ سے دیتے ہیں اور دوم کی بول وخمر وغیرہما سے۔ **بالجملہ اصطلاحِ فقہائے کرام میں رقیق و بے جرم ایک چیز ہیں۔**

مقدمہ ثانیہ: جسم کثیف ہو خواہ رقیق اِس کا بے جرم ہونا کیونکر متصور کہ جرم وجسم ایک شَی ہیں اور اگر جرم بمعنی ثخن لیجئے یعنی عمق جسے دَل کہتے ہیں تو جسم کو اُس سے بھی چارہ نہیں کہ اُس میں ابعادِ ثلثہ ضرور ہیں لہٰذا خود علماء نے اس کی تفسیر فرمائی کہ بے جرم سے یہ مراد کہ خشک ہونے کے بعد مثلاً بدن یا کپڑے کی سطح سے اُبھرا ہو، اُس کا کوئی دَل محسوس نہ ہو اگرچہ رنگ نظر آئے۔ ان مباحث میں اسی کو غیر مرئی بھی کہتے ہیں یعنی بنظرِ جرم نہ بنظرِ لون۔

مقدمہ ثالثہ: ثابت ہوا کہ رقیق وہ ہے کہ زمین وغیرہ جس شَی پر پڑے خشک ہونے کی بعد اس کا دَل محسوس نہ رہے اور بالبداہۃ ظاہر کہ یہ اُسی شَی میں ہوگا جو بہنے میں تمام وکمال پھیل جائے ورنہ اَجزاء زیر و بالا رہے تو ضرور دَل محسوس ہوگا تو دلیلِ قطعی سے روشن ہوا کہ یہاں رقیق اس مائع قسمِ اَول کا نام ہے یہ وہ تحقیقِ معنی رقیق کہ ان سطور کے سوا نہ ملے گی **وباللہ التوفیق ولہ الحمد علی ھدایۃ الطریق**۔ ص 62 تا 84

ثم اَقول: ظاہر ہے کہ پانی فی نفسہٖ ایسا ہی ہے جسے بے جرم سے تعبیر کیا گیا اب اُس میں دوسری شَی جرم دار ملنے کی تین صورتیں ہیں: (۱) اِستہلاک (۲) اِختلاط (۳) اِمتزاج

اِستہلاک: یہ کہ وہ شَی اس میں مل کر گم ہوجائے پانی سے اُس کا جرم ظاہر نہ ہو جیسے چھنا ہوا شربت کہ اُس میں شکر کے اجزاء ضرور ہیں مگر ان کا جرم اَصلاً محسوس نہ رہا اُسے بہایئے تو خالص پانی کی طرح اُس کے سب اَجزاء پھیل جائیں گے کہیں دَل نہ رہے گا تو رقت بحال خود باقی ہے اگرچہ رقتِ اِضافیہ میں ضرور فرق آئے گا کہ مخلوط و نامخلوط یکساں نہیں ہوسکتے۔

اِختلاط: یہ کہ اُس کا جرم کُلاًّ یا بعضاً باقی رہے مگر پانی کو جرم دار نہ کرے بہانے میں اس کے اجزاء الگ رہ جائیں اور پانی اُنہیں چھوڑ کر خود پھیل جائے جیسے بے چھنا شربت جس میں شکر یا بتاشوں کے کچھ ریزے رہ گئے ہوں ان ریزوں کو اختلاط تھا اور جس قدر گھل گئے اُن کا اِستہلاک مگر ان میں کوئی پانی کے اجزاء پھیلنے کو مانع نہ ہوا۔

اِمتزاج: یہ کہ پانی اور وہ شَی مل کر ایک ذات ہوگئے ہوں پانی اُسے چھوڑ کر نہ بہہ سکے بلکہ ہر جگہ وہ اس کے ساتھ گھال میل رہے ظاہر ہے کہ یہ مجموعِ مرکب تمام وکمال نہ پھیل سکے گا اور ضرور جرم دار شَی کی طرح ختمِ سیلان پر بھی دَل رکھے گا۔ پہلی دو صورتوں میں پانی اپنی رقت پر ہے اول پر تو ظاہر کہ وہاں کوئی جرم محسوس ہی نہ ہوا اور دوم پر جرم جُدا ہے اور پانی جُدا تو پانی بدستور رقیق ہی رہا جیسے کنکریلی یا سنگلاخ زمین میں تالاب کا پانی یا جس لوٹے میں پتھر لوہے کے ٹکڑے ڈال دیے جائیں کوئی عاقل نہ کہے گا کہ اس

سے پانی ہی رقیق نہ رہا بخلاف صورتِ سوم کہ بلا شُبہ رقت زائل اور طبیعت متبدل ہوئی زوالِ طبع سے یہی مراد ہے وللہ الحمد۔ص85

فائدہ جلیلہ: (پانی کی رقت زائل ہونا کچھ جامدات ہی کے خلط پر موقوف نہیں (یہ اس کے خلاف ہے جس پر شراح حضرات اور اہلِ ضابطہ کا کلام گزر چکا ہے۔ت) بلکہ جرم دار مائعات مثلِ شہد وشیرہ ورُب و دِبس جب اس سے ایسے ممتزج ہوجائیں کہ بمعنی مذکور جرم دار کردیں ضرور رقت زائل اور طبیعت متبدل ہوجائے گی یہ فائدہ بہت ضروری یادرکھنے کا ہے۔ص88

پانی میں غلبۂ غیر سے مراد

اقول: یہاں چار چیزیں ہیں: طبیعت، اوصاف، اجزا، مقاصد۔ اور ان سب کے اعتبار سے غلبہ لیا گیا ہے غلبہ بحسبِ اَوصاف تو قولِ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ہے جس کا بیان بعونہٖ تعالیٰ آگے آتا ہے باقی تین میں اِعتبارِ غلبہ مجمع علیہ ہے غلبہ بحسبِ طبع وہی زوالِ رقت ہے اس کے اعتبار پر اجماع ظاہر اور غلبہ بحسبِ اَجزا کہ خاص مذہبِ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کہا گیا اور امام برہان الدین (صاحبِ ہدایہ) وامام قاضی خان وامام شمس الائمہ کردری وامام حافظ الدین نسفی وغیرہم اکابر نے اُس کی تصحیح کی اسی کو دُرَر ودُرمیں اَصح اور منبع میں صحیح اور سراج وہاج وجوہرہ نیرہ وفتاوی غزی وفتاوی عالمگیریہ میں قولِ جمہور اور نہایہ وعنایہ وحلیہ وغنیۃ وبحر ونہر وغیرہا میں اساتذہ کرام سے منقول وماثور بتایا۔

اقول: اس نسبت وتصحیحات وترجیحات کے یہ معنی نہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے قائل نہیں بلکہ یہ کہ امام ابو یوسف صرف اسی کو اعتبار فرماتے ہیں اور امام محمد اس کے ساتھ غلبۂ اوصاف کو بھی ورنہ غلبہ بحسبِ اَجزا جس معنی پر لیا گیا جن کی تفصیل بحولہٖ تعالیٰ آتی ہے وہ سب بلا شبہ سب کو تسلیم ہیں۔

رہا غلبہ بحسبِ مقاصد جسے اس کے لازمِ اَعم زوالِ اسم سے تعبیر کرتے ہیں اس پر اجماع بھی ظاہر۔

بالجملہ ان تین پر اجماع میں شک نہیں اور یہاں تینوں طور پر اُس کی تفسیر کی گئی۔ص88

پانی میں غلبۂ اجزاء سے مراد

اقول: یہ صحیح معتمد قول بھی ان تینوں اجماعی باتوں سے تفسیر کیا گیا اُس سے ظاہر تو کثرتِ اَجزا ہے یعنی پانی میں جو چیز ملے پانی سے مقدار میں زائد ہو اور مساوی کا حکم بھی مثلِ زائد ہے۔ص94

مائے طاہر غیرِ مستعمل کے فی نفسہٖ ناقابلِ وضو ہوجانے کے چار بلکہ تین ہی سبب ہیں:

(۱) کثرتِ اجزائے مُخالِط جس میں حکماً دوسری صورت مساوات بھی داخل۔

(۲) زوالِ رقت کہ جرم دار ہوجائے۔

(۳) زوالِ اسم جس سے یہاں اُس کی وہ خاص صورت مراد کہ مقصدِ دیگر کے لئے چیزِ دیگر ہوجائے۔ نیز فصل حاضر کی بحث دوم ابحاثِ غلبہ میں گزرا کہ غلبۂ اجزاء کہ مذہبِ امام (ابو) یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ہے ان تینوں صورتوں پر بولا جاتا ہے بالجملہ مائے مطلق کی تعریف جو ہم نے محقق ومنقح کی اور امام ابو یوسف کا مذہب کہ وہی صحیح صحیح ومعتمد ہے حرف بحرف متطابق ہیں وللہ الحمد۔ص123

ضوابطِ کلیہ

اوّل ضابطۂ یوسفیہ: کہ جب پانی کا سیلان زائل ہوجائے یا رقت نہ رہے اگرچہ بے کسی چیز کے ملنے یا اُس میں اس کا غیر کہ مقدار میں برابر یا پانی سے زائد ہومل جائے یا دوسری شے سے مل کر ایک مرکب جُداگانہ مقصدِ آخر کے لئے ہوجائے اگرچہ وہ دوسری شے پانی سے مقدار میں کتنی ہی کم ہو ان صورتوں میں پانی مقید ہوگیا اور قابلِ وضو نہ رہا ورنہ مطلقاً مائے مطلق ہے اگرچہ رنگ مزہ بُو سب بدل جائیں اور یہی صحیح ومعتمد اور یہی مفادِ متون مستند ہے۔

دوم ضابطۂ شیبانیہ: کہ اگر سیلان یا رقت نہ رہے تو مقید ہے اگرچہ بے خلط چیزے ہو اور کسی چیز کے خلط سے مقصدِ دیگر کے لئے چیز دیگر ہوجائے تو مقید ہے اگرچہ مخلوط جامد ہو اور اگر یہ صورتیں نہیں اور مخلوط شے جامد ہے تو مطلقاً مائے مطلق ہے اگرچہ اوصاف بدل جائیں اور اگر مخلوط شے مائع ہے تو اوّلاً رنگ دیکھیں گے اگر پانی پر اُس کا رنگ اس درجہ غالب آیا کہ ناظر کو اُس کے پانی ہونے میں اشتباہ پڑے مائع دیگر کا شبہ گزرے تو مقید ہوگیا اور اگر رنگ اتنا نہ بدلا تو مزے پر نظر ہوگی اگر مزہ اُس حدِّ اِلتباس تک بدل گیا تو مقید ہے اور اگر رنگ ومزہ اس حد تک نہ بدلے تو بُو کا لحاظ نہیں صرف یہ دیکھیں گے کہ وہ دوسرا مائع اگر مقدار میں پانی سے زائد یا برابر ہے مقید ہوگیا ورنہ مطلق ہے۔ص175

ضابطۂ رضویہ

ضابطۂ رضویہ سبحٰن اللہ فقیر بھی کوئی شے ہے کہ اَحکام میں زبان کھول سکے حاشا ضابطہ وہی ضابطۂ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے۔ باتباعِ علماء اس کے اِجمال کو مفصل کردیا ہے۔ تفاصیل میں خدمت گاریِ کلامِ اکابر کے صدقہ سے جن تحقیقات کا اِفاضہ ہوا اُن پر اِبتنائے شقوق کیا ہے جملہ ضوابطِ صحیحہ مذکورہ کو ایک دائرے کے اِحاطہ میں لیا ہے اس نے بیان کو اَظہر واَجمع واَنور واَنفع کرکے ضابطہ کے لئے خلعتِ جدت سِیا ہے۔ **فاقول: وباللہ التوفیق**

(۱) دریا نہر چشمے چاہ باران کا پانی حتی کہ شبنم اپنی حدِ ذات میں آبِ مطلق ہے جو کچھ ان کی جنس سے نہیں اگرچہ ان کی شکل ان کے اوصاف ان کے نام پر ہو پانی نہیں اُس سے وضو وغسل نہیں ہوسکتا جیسے ماءُ الجبن دہی کا پانی، درختوں پتھروں کا مد، مٹی کا تیل، سیندھی، تاڑی، ناریل، کدو، تربوز کا پانی اگرچہ اس میں صرف پانی ہی ہو یوہیں جو کچھ پتّوں شاخوں پھلوں پھُولوں سے نکالا جائے یا کافور کے درخت انگور کی بیل کی طرح کاٹے سے یا آپ ہی ٹپکے یا نمک، نوشادر، کافور وغیرہا کے پگھلنے یا سونے، چاندی، رانگ وغیرہا کے گلنے سے حاصل ہو۔

(۲) جو کچھ حقیقۃً پانی ہے (اگرچہ بیچ میں پانی نہ رہا تھا جیسے اولے یا آسمانی برف یا کل کا جب پگھل جائے) یا تو اُس میں کوئی اور چیز (اگرچہ اُسی کی جنس سے ہو) داخل ہوگی یا نہیں، اگر نہیں تو وہ مطلقاً آبِ مطلق ہے لیکن اگر مائے مستعمل ہے جس کا بیان ''الطرس المعدل''میں مفصل گزرا تو اُس سے وضو وغسل جائز نہیں ورنہ مطلقاً صحیح ہے اگرچہ بوجہ مِلکِ غیر یا وقف یا کسی حاجتِ ضروریہ کی طرف مصروف ہونے یا اور عوارض کے سبب جن کا بیان فصلِ اول میں گزرا اس سے وضو حرام یا مکروہ ہوا اگرچہ بچّوں کا ہاتھ پڑنے یا کافر کے چھونے یا کسی مشکوک شے کے گرنے سے اس کی طہارت میں اَوہام

پیدا ہوں جب تک نجاست ثابت نہ ہوجائے اگر چہ دیر تک بند رہنے سے اُس کا رنگ بُو مزہ بدل جائے یا ابتداء ہی سے بدلا ہوا ہو اگر چہ کسی تیز خوشبو یا بد بوشئ کے قرب سے اس میں کتنی ہی بُوئے خوش یا ناخوش پیدا ہوجائے، ہاں اگر سردی سے جم جائے یا رقیق نہ رہے جیسے اولے برف اس سے وضو ناجائز ہوگا جب تک پگھل کر پھر اصلی رقت پر نہ آ جائے۔

(۳) اگر داخل ہوگی تو دو صورتیں ہیں یا تو پانی سے جُدا رہے گی یعنی اس میں سرایت نہ کرے گی یا خلط ہوجائے گی۔

اگر جُدا رہے (اور یہ نہ ہوگا (مگر) شے جامد میں جیسے کنکر وغیرہ پانی میں ڈال دئے جائیں) تو اگر وہ شئ نجس نہیں یا پانی دہ در دہ ہے مطلقاً مطلق وقابلِ وضو ہے[1] ہے اور اگر نجس ہے اور پانی کم تو مطلق ہے مگر لائقِ استعمال نہ رہے گا۔

(۴) اگر پانی میں خلط ہوگی تو دو صورتیں ہیں وہ ملنے والی شئ بھی اصل میں صرف پانی ہے یا اس کا غیر اگر صرف پانی ہے تو پھر دو صورتیں ہیں اب بھی پانی ہی ہے یا نہیں اگر اب بھی پانی ہی ہے تو اس کے ملنے سے پانی مطلق تو مطلقاً رہے گا ہی اُس سے وضو بھی روا ہوگا مگر دو صورتوں میں ایک یہ کہ آبِ مستعمل اس میں مل جائے اور یہ مقدار میں اس سے زائد نہ ہو، دوسرے یہ کہ نجس پانی پڑ جائے اور یہ دہ در دہ نہ ہو اور یہ وہیں ہوگا کہ وہ پانی بے کسی دوسری شے کے مختلط ہوجانے کے ناپاک ہوگیا جیسے آبِ قلیل میں خنزیر کا پاؤں یا بال پڑ گیا اور نکل گیا کہ پانی خالص ہی رہا خلط نہ ہوا اور ناپاک ہوگیا ورنہ جو خلطِ نجس سے نجس ہوا اُس کا ملنا اس قسم سے خارج ہوگا کہ یہ صرف پانی کا ملنا نہ ہوا۔

(۵) اگر وہ ملنے والی شئ اب پانی نہیں (اور یہ نہ ہوگا مگر اولے یا برف میں کل کا ہو خواہ آسمانی کہ یہی وہ صورت ہے کہ پانی بے خلطِ غیر پانی نہ رہے) تو اگر پانی کی رقت زائل کردے قابلِ وضو نہ رہے گا جب تک وہ شئ پگھل کر پھر پانی نہ ہوجائے اور اگر رقت باقی ہے نہ یوں کہ اولے برف ابھی گھل کر پانی میں مخلوط نہ ہوئے پتھر کنکر کی طرح تہ میں پڑے ہیں کہ یہ تو تیسرا نمبر تھا بلکہ یوں کہ مقدار میں اتنے کم تھے جن کے خلط سے رقتِ آب میں فرق نہ آیا تو اُس سے وضو جائز ہے۔

(۶) اگر وہ شئ غیرِ آب ہے اور پانی میں اتنی خلط ہوگئی کہ پانی اُس سے مقدار میں زائد نہیں تو مطلقاً قابلِ وضو نہیں۔

(۷) اگر پانی مقدار میں زیادہ ہے تو وہ شئ نجس ہے یا طاہر اگر نجس ہے اور پانی دہ در دہ نہیں یا ہے تو نجاست سے اس کے رنگ یا مزے یا بُو میں فرق آ گیا تو پانی اگر چہ مطلق رہے قابلِ وضو درکنار بدن میں جائز الاستعمال (نہ) رہا۔

(۸) اگر وہ دہ در دہ ہے اور کسی وصف میں تغیر نہ آیا تو نجاست کا حکم ساقط، اور احکام بعض احکام آئندہ ہوں گے۔

(۹) اگر طاہر ہے تو پھر دو صورتیں ہیں اس کا خلط آگ پر ہوا یا الگ۔ اگر آگ سے الگ ہوا اور وہ شئ جامد ہے تو ہمارے ائمۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع سے، اور مائع ہے تو مذہبِ صحیح معتمد میں پانی مطلقاً آبِ مطلق ولائقِ وضو رہے گا اگر چہ رنگ، مزہ، بُو سب بدل جائیں گے مگر دو صورتوں میں، ایک یہ کہ پانی رقیق نہ رہے، اور ہم تحقیق کر آئے ہیں کہ یہ

---

[1]: آبِ کثیر نجاست کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک اُس کا کوئی وصف نہ بدلے اور ظاہر ہے کہ رنگ یا مزہ اُسی وقت بدلیں گے جب اُس نجس کے اجزاء پانی میں خلط ہوں اور یہاں وہ صورت مفروض ہے کہ خلط نہ ہو، ہاں اگر کوئی نجس چیز اس درجہ قویُ الرائحہ ہو کہ صرف اس کی مجاوَرت بلا خلط سے آبِ کثیر کی بُو بدل جائے تو نجس ہونا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم مِنہ غفرلہ (م)

کچھ جامد ہی سے خاص نہیں بہت مائعات بھی مانعاتِ رقّتِ آب ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ شربتِ شہد یا شربتِ شکر یا نبیذ ورنگ کی طرح مقصدِ دیگر کے لئے شئ دیگر ہو جائے۔

(۱۰) اگر خلط آگ پر ہوا تو دوصُورتیں ہیں اگر ہنوز وہ چیز پکنے نہ پائی کہ مقصدِ دیگر کے لئے شے دیگر کردے پانی سے اِمتزاج کامل نہ ہونے پایا کہ سرد ہونے پر گاڑھا کردے اس حالت کے قبل اُتار لی تو پانی مطلقاً آبِ مطلق وقابلِ وضو ہے۔

(۱۱) اگر وہ شے پک گئی تو تین صورتیں ہیں پکانے میں صرف پانی مقصود ہے یا صرف وہ شے یا دونوں، پہلی دوصورتوں میں آبِ مطلق رہے گا جب تک اس قابل نہ ہو جائے کہ سرد ہو کر زوالِ رقّت ہو، صورتِ دوم کی مثالیں بحث اول طبخ میں شنجرف ونشاستہ وآش جو سے گزریں اور صورتِ اول کا بیان فصلِ خامس میں آتا ہے اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

(۱۲) صورتِ سوم میں اگر پانی اس قدر کثرت سے ڈال دیا کہ نہ مقصودِ دیگر کے لئے ہو سکے گا نہ اُس سے دَلدار ہوگا تو مطلقاً مطلق ولائقِ طہارت ہے۔

(۱۳) اگر اتنا کثیر نہ تھا مگر دَلدار نہ ہو سکے گا تو جب مقصودِ دیگر کے لئے ہو جائے گا قابلِ وضو نہ رہے گا۔

(۱۴) اگر پانی دَلدار ہو سکتا ہے تو اگر بالفعل گاڑھا ہو گیا کہ بہانے میں پُورا نہ پھیلے گا مطلقاً لائقِ وضو نہ رہا اگرچہ اس میں صابون ہی پکایا ہو جس سے زیادتِ نظافت مقصود ہوتی ہے۔

(۱۵) اگر بالفعل گاڑھا نہ ہوا مگر ٹھنڈا ہو کر ہو جائے گا تو دوصورتیں ہیں اگر وہ شے مثلِ صابون وغیرہ زیادتِ نظافت کے لئے ہے فی الحال اُس سے وضو جائز، ٹھنڈا ہونے کے بعد صحیح نہیں۔

(۱۶) اگر زیادتِ نظافت کے لئے نہیں تو اس سے فی الحال بھی وضو جائز نہیں۔

یہ ہے وہ تحقیقِ اَنیق کہ جمیع نصوصِ صحاح کو متناول اور جملہ ارشاداتِ متون کو حاوی وشامل اور تمام تحقیقاتِ سابقہ پر مشتمل اور سب فروعِ ممکنہ کے حکمِ صحیح کو بعونہٖ تعالیٰ کافی وکافل والحمد للہ رب العالمین۔ص212

فصلِ خامس: بعض جزئیاتِ جدیدہ

آبِ مقطر یعنی قرع انبیق میں ٹپکایا ہوا پانی کہ اجزائے اَرضیہ وغیرہا کثافتوں سے صاف کرنے کے لئے سادہ پانی رکھ کر آنچ کریں کہ بخارات اُٹھ کر اوپر کے پانی کی سردی پاکر پھر پانی ہو کر ٹپک جائیں یہ پانی کہ محض پانی کی بھاپ سے حاصل ہوا اس کا صریح جزئیہ اپنی کتب میں نظرِ فقیر سے نہ گزرا۔

اقول: مگر بعونہٖ تعالیٰ حکم ظاہر ہے کہ وہ مائے مطلق اور اس سے طہارت جائز ہے کہ سمندر کے سوا آسمان وزمین کے عام پانی بخارات ہی سے بنتے ہیں اور گلاب وعرق گاؤزبان وغیرہ وارد نہ ہوں گے کہ وہ بھی اگرچہ پانی ہی کے بخار ہیں مگر وہ سادہ پانی سے نہ اُٹھے بلکہ جس میں دوسری شے بھگوئی گئی ہے جس نے ان بخاراتِ مستحیلہ کو مقصدِ دیگر کے لئے چیزِ دیگر کر دیا لہٰذا زوالِ اسم ہو گیا انہیں پانی نہیں کہا جاتا بلکہ گلاب وعرق بخلاف آبِ تقطیر کہ پانی ہی ہے اور پانی ہی کہا جائے گا نہ مقصود بدلا، نہ نام۔

کبھی حمام کی چھت اور دیواروں سے پانی ٹپکتا ہے۔

آبِ غطا پانی گرم کیا بھاپ اُٹھ کر سرپوش پر اندر کی جانب پانی کے کچھ قطرے بنے ہوئے ملتے ہیں۔ **اَقول:** وہ بدستور آبِ طہور ہے اُس سے سر یا موزوں کا مسح جائز ہے۔

کوئی اور چیز پکانے میں جو قطراتِ بخارِ چپن (ڈھکنا) پر ملیں۔ **اقول:** اس کا حکم مسائلِ طبخ کی طرف رجوع سے واضح ہوگا اگر وہ شے زیادتِ نظافت کے لئے ہے اور پانی بالفعل گاڑھا نہ ہوگیا یا اور کوئی چیز ہے اور پانی ابھی اس قابل نہ ہوا کہ سرد ہوکر رقیق نہ رہے نہ وہ مقصودِ دیگر کے لئے چیزِ دیگر ہوگیا اس حالت میں جو بخار اُٹھے آبِ مطلق ہیں کہ آبِ مطلق کے اجزاء سے ہیں ورنہ مقید کہ مقید سے ہیں۔

اصطبل وغیرہ محلِ نجاسات سے بخارات اُٹھ کر ٹپکے پاک تو مطلقاً ہیں جب تک ان میں اثرِ نجاست ظاہر نہ ہو۔ **اقول:** مگر طہور و قابلِ طہارت نہیں اگر آبِ مطلق کے سوا اور رطوبتوں سے ہوں **کما لا یخفی**۔ ص 214 تا 217

پانی کے رنگ کی تحقیق

بعض علماء کا خیال ہے کہ پانی بے لَون ہے خود کوئی رنگ نہیں رکھتا، اور صحیح یہ کہ وہ ذِی لَون ہے، یہی امام فخر رازی وغیرہ کا مختار ہے جو کلامِ فقہا مسائلِ آبِ کثیر و آبِ مطلق وغیرہما میں ذکرِ لَون متواتر ہے اور ابنِ ماجہ نے ابواُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ان الماء طهور لاینجسه الا ماغلب علی ریحه وطعمه ولونه** بیشک پانی پاک ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں بناتی مگر وہ چیز جو پانی کی بُو اور ذائقہ اور رنگ پر غالب ہوجائے۔ (ت)

اقول: اور اصل حقیقت ہے **فلا ترد الریح** (تو ریح کا ورود نہ ہوگا۔ ت)

معہذا مقرر ہوچکا کہ اِبصارِ عادی دُنیاوی کے لئے مرئی کا ذِی لون ہونا شرط ہے بلکہ مرئی نہیں مگر لون وضیا تو پانی بے لون کیونکر ہوسکتا ہے ولہذا ابنِ کمال پاشا نے اُس کے حقیقۃً ذِی لون ہونے پر جزم کیا **کما مرّ اٰنفاً** (جیسا کہ ابھی گزرا۔ ت) پھر اُس کے رنگ میں اختلاف ہوا بعض نے کہا سپید ہے فاضل یوسف بن سعید اسمٰعیل مالکی نے حاشیہ عشماویہ میں یہی اختیار کیا اور اس پر تین دلیلیں لائے:

اول: مشاہدہ۔

دوم: حدیث کہ پانی کو دُودھ سے زیادہ سپید فرمایا۔

سوم: برف جم کر کیسا سپید نظر آتا ہے۔

اَقول: اوّلاً: بلکہ مشاہدہ شاہد کہ وہ سپید نہیں ولہذا آبی اُس رنگ کو کہتے ہیں کہ نیلگونی کی طرف مائل ہو۔

ثانیاً: سپید کپڑے کا کوئی حصہ دھویا جائے جب تک خشک نہ ہو اس کا رنگ سیاہی مائل رہے گا، یہ پانی کا رنگ نہیں تو کیا ہے؟

ثالثاً: دُودھ جس میں پانی زیادہ ملا ہو سپید نہیں رہتا نیلاہٹ لے آتا ہے۔

رابعاً: بحرِ اَسود و اَخضر و اَحمر مشہور، اور اسی طرح ان کے رنگ مشہور ہیں اَسود تو سیاہی ہے اور سبزی بھی ہلکی سیاہی ولہذا آسمان کو خضرا اور چرخِ اَخضر کہتے ہیں اور خط کو سبزہ۔ سانولی رنگت کو حُسنِ سبز اور سرخی بھی قریبِ سواد ہے اگر حرارت زیادہ عمل کرے سیاہ

ہوجائے جس طرح بعدِ خشکی خون۔ گہری سرخی میں بالفعل سیاہی کی جھلک ہوتی ہے انگور سبز پھر سُرخ پھر سیاہ ہوجا تا ہے۔

خامساً: حدیثِ مبارک در بارۂ کوثرِ اَطہر ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق پانی کا رنگ سپید ہو، اسی حدیث میں اس کی خوشبو مشک سے بہتر فرمائی اور دوسری روایت میں فرمایا: **آبیض من الورق** چاندی سے بڑھ کر اُجلا۔ حالانکہ پانی اَصلاً بُو نہیں رکھتا، خود حاشیہ فاضل سفطی میں دو ورق بعد ہے: ابنِ کمال پاشا نے کہا: پانی کی بُو بدلنے والے قول میں مجاز ماننا ضروری ہے کیونکہ اس کی اپنی کوئی بُو نہیں ہے لہٰذا اس قول سے وہ بُو مراد ہوتی ہے جو پانی پر طاری ہوتی ہے۔ ہمارے شیخ امیر صاحب نے یہ نہیں بتایا حالانکہ ہم نے آپ کو علّامہ وزیر صاحب کی تصریح بتادی ہے۔ (ت)

اس کی ضد جہنّم ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی منہا** جس کی آگ اندھیری رات کی طرح کالی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آگ کا اصل رنگ سیاہ ہو یا ہر آگ ایسی ہی ہو خود حدیث کا ارشاد ہے کہ اُسے اس آگ سا سُرخ نہ جانو۔

سادساً: بعدِ انجماد کوئی نیا رنگ پیدا ہونا اس پر دلیل نہیں کہ یہ اُس کا اصلی رنگ ہے خشک ہونے پر خُون سیاہ ہوجاتا ہے اور مچھلی کی سرخ رطوبت سپید۔

سابعاً: ہوا کہ ضیا سے مستنیر ہورہی ہے جب جسمِ شفاف کے اندر داخل ہوتی ہے اُس کے شفاف اور اس کے چمکدار ہونے سے وہاں ایک ہلکی روشنی پیدا ہوتی ہے جس سے سپیدی نظر آتی ہے جیسے موتی یا شیشے یا بلور کو خوب پیسیں تو اَجزاء باریک ہوجانے سے ضیاء اُن کے مابین داخل ہوگی اور دِقّتِ فصل کے باعث اُن باریک باریک اَجزاء اور اُن میں ہر دو کے بیچ میں اَجزائے ضیا کا اِمتیاز نہ ہوگا اور ایک رنگ کہ دھوپ سے میلا اور اُن کے اصلی رنگ سے اُجلا ہے محسوس ہوگا یہ وہ سپیدی و براقی ہے کہ اُن میں نظر آتی ہے یوں ہی دریا کے جھاگ بلکہ پیشاب کے بھی حالانکہ وہ یقیناً سپید نہیں اس کی سپیدی تو مرض ہے بلکہ آئینہ میں اگر دَرز پڑ جائے وہاں سپیدی معلوم ہوگی کہ اب تابندہ ہوا عُمق میں داخل ہوئی یہی وجہ جمی ہُوئی اوس کے سپید نظر آنے کی ہے کہ شفاف ہے اور اَجزاء باریک اور چمکدار ہوا داخل۔

اور بعض نے پانی کا رنگ سیاہ بتایا اور اس پر اس حدیث سے سند لائے کہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے حضرت عُروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے فرمایا: اے میرے بھانجے! خدا کی قسم! ہم ایک ہلال دیکھتے پھر دوسرا تیسرا دو مہینوں میں تین چاند اور کاشانہ ہائے نبوت میں آگ روشن نہ ہوتی عُروہ نے عرض کی اے خالہ! پھر اہلِ بیت کرام مہینوں کیا کھاتے تھے؟ فرمایا: بس دو سیاہ چیزیں چھوہارے اور پانی (شیخین نے اپنی صحیحین میں عروہ سے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ ت)

اقول: حقیقتِ امر یہ ہے کہ پانی خالص سیاہ نہیں مگر اُس کا رنگ سپید بھی نہیں میلا مائل بیک گونہ سوادِ خفیف ہے اور وہ صاف سپید چیزوں کے بمقابل آ کر کُھل جاتا ہے جیسا کہ ہم نے سفید کپڑے کا ایک حصہ دھونے اور دودھ میں پانی ملانے کی حالت بیان کی **واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم** ۔ ص235 تا 245

زمزم افضل ہے یا کوثر؟

علماء کو اس اِجماع اَعنی قولِ متیقن ناصالحِ نزاع کے بعد کہ سب پانیوں میں اَفضل وہ پانی ہے جو اُس بحرِ بے پایاں کرم

وَنعم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک سے باڑ ہا نکلا اور ہزاروں کو سیراب وطاہر کیا، زمزم افضل ہے یا کوثر؟ شیخُ الاسلام سراج الدین بلقینی شافعی نے فرمایا کہ زمزم افضل ہے کہ شبِ اَسرا ملائکہ نے حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دِل مبارک اُس سے دھویا حالانکہ وہ آبِ کوثر لا سکتے تھے اور اللہ عزوجل نے ایسے مقام پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے اختیار نہ فرمایا مگر افضل ہشمس نے اس میں سراج کا اتباع کیا۔

اس پر اعتراض ہوا کہ زمزم تو سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوۃ والسلام کو عطا ہوا اور کوثر ہمارے حضورِ اَنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تو لازم کہ کوثر ہی افضل ہو امام ابنِ حجر مکی نے جواب دیا کہ کلام دنیا میں ہے آخرت میں بیشک کوثر اَفضل ہے۔ اس وقت اس مسئلہ پر کلام اپنے علما سے نظرِ فقیر میں نہیں اور وہ کہ فقیر کو ظاہر ہوا تفضیلِ کوثر ہے۔

اَقول: میں کہتا ہوں کہ اگر امام ابنِ حجر کی دلیل درست ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ دُنیا کے تمام پانی کوثر سے افضل ہو جائیں کیونکہ وہی دلیل یہاں پائی جاتی ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے بلکہ یہاں فضیلت، قدر وفخر کی عظمت وبلندی مراد ہے اور فضیلت کا یہ معنی دُنیا یا آخرت کے لحاظ سے نہیں بدلتا تا کہ دنیا میں ایک چیز دوسری کے مقابلہ میں عنداللہ بڑی قدر والی ہو اور جب آخرت برپا ہو تو معاملہ اُلٹ ہو جائے ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ آخرت میں عنداللہ وہی چیز قدر ومنزلت والی ظاہر ہوگی جو یہاں دنیا میں بھی ایسی ہوگی۔ اور جو چیز آخرت میں افضل ہوگی وہ ہر جگہ افضل ہوگی اور جب آپ نے آخرت میں کوثر کے افضل ہونے کا اعتراف کرلیا تو ضروری ہے کہ وہ دنیا وآخرت دونوں میں افضل ہو، اور کیوں نہ ہو کہ زمزم دنیا کا پانی ہے اور کوثر آخرت کا پانی ہے اور آخرت کا درجہ اور فضیلت بڑی ہے، نیز کوثر کا پانی جنّت سے نکلتا ہے۔ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا کوثر میں دو میزاب (نالے) گرتے ہیں دونوں جنّت سے آکر گرتے ہیں ایک سونے کا اور دوسرا چاندی کا ہے۔ اس حدیث کو حضرتِ ثوبان رضی اللہ عنہ سے مسلم نے روایت کیا ہے، اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا غور کرو اللہ تعالیٰ کا سامان گراں قیمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کا سامان جنّت ہے۔ پھر کوثر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی اُمت کے لئے وہاں زیادہ نفع مند ہے جو بھی اسے نوش کرے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا اور نہ ہی اس کا چہرہ کبھی سیاہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے کوثر حضورِ اَفضل الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر احسان فرمایا ہے لہذا کوثر ہی سب سے اَفضل ہے۔ دعا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلٰوۃ والسلام کے دستِ مبارک سے پلائے اور اس کوثر پر ورود ہمیں نصیب فرمائے۔ حضور پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، سلامتی، بزرگی، شرف وکرم نازل ہو اور آپ کی برگزیدہ آل پر اور بزرگوار صحابہ پر اور آپ کے سخی صاحبزادے اور آپ کی بہترین اُمّت پر اور اُن کی معیت اور صدقے اور سب سے ہم پر بھی، اے ہم پر اُن کو بھیج کر احسان فرمانے والے، الحمدللہ رب العٰلمین۔ (ت) ص245

حوضِ کبیر کی چار اَقسام اور ان کی مقدار

فقہاء حوض کی چار اَقسام لکھتے ہیں: (۱) مُدَوَّر (۲) مُرَبَّع (۳) مثلث (۴) طول بِلاعرض۔ آیا یہ چاروں قسمیں بِلا اختلاف درست اور جائز ہیں یا ان میں سے کسی قسم میں اختلاف ہے اور جو قسم ان اقسام میں سے افضلیت رکھتی ہو استثناء کی جائے؟

الجواب: مُدَوَّر، مثلث، مربع تو صرف اختلافِ ہیئت ہے اَقسامِ جُداگانہ نہیں جن کے اَحکام مختلف ہوں طول بِلاعرض میں البتہ

اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ مطلقاً آبِ کثیر نہیں اگرچہ سمرقند سے بخارا تک ہو اور صحیح و رجیح تر یہ ہے کہ سو ۱۰۰ ہاتھ مساحت درکار ہے جس طرح بھی حاصل ہو کما حققناہ فی فتاوٰنا بما لا مزید علیہ (اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے جس پر زیادہ کی ضرورت نہیں۔ت) اسی اختلاف کی بنا پر مدوّر و مثلث کی مساحتوں میں بھی اِختلاف پڑے گا جن کے نزدیک دس ۱۰ ہاتھ طول، دس ۱۰ ہاتھ عرض دونوں کا ہونا ضرور ہے مدوّر کا رقبہ ۱۸۳ ہاتھ سے بھی زیادہ ہونا چاہے اور مثلث کی ہر ضلع ساڑھے اکیس ہاتھ ۸ ر ۳ گرہ اور قولِ مختار پر مدوّر کا قطر پانچ گز دس ۱۰ گرہ ایک اُنگل یا گیارہ ہاتھ دو گرہ ایک انگل کہیے اور مثلث کی ہر ضلع پندرہ ہاتھ اور ۵ ر۱ ہاتھ کما بینا فی رسالتنا ''الھنیء المنیر فی الماء المستدیر'' وھو من رسائل فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالے ''الھنیء المنیر فی الماء المستدیر'' میں جو کہ ہمارے فتاوٰی کے رسائل میں سے ہے، میں ذکر کیا ہے۔ت) افضل بے شک یہی ہے کہ مربع، مثلث، مدوّر کیسا بھی ہو اُس کے اندر ایک مربع واقع ہو سکے جس کی ہر ضلع پانچ ہاتھ یا پندرہ فٹ ہو (کیونکہ بالاتفاق اِختلاف سے بچنا بہتر اور بااحتیاط ہے۔ت) ص250

تالابِ کبیر میں اگر بُوٹی یا زراعت کثرت سے ہو

تالاب جبکہ کبیر ہے تو اس میں زراعت کا اتّصال پانی کو قلیل نہ کرے گا تھوڑی جگہ اگر زراعت سے صاف کر لی گئی تو وہ بھی اسی کبیر کا ٹکڑا ہے اور اُسی کے حکم میں ہے جب تک نجاست سے رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدلے ناپاک نہ ہوگا۔ص253

چمڑے صرف ذبح کرنے سے ہی پاک ہوجاتے ہیں

چمڑے صرف ذبح کرنے سے ہی پاک ہوجاتے ہیں خرید وفروخت یا دیگر استعمال کے لئے رنگنا ضروری نہیں ہے۔امام قاضی خان کے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ ذبح مطلقاً چمڑے کو پاک کر دیتا ہے خواہ ذبح کرنے والا مرتد یا مجوسی ہو۔لیکن درمختار کا یہ قول کہ کیا چمڑے کے پاک ہونے کے لئے شرعی ذبح شرط ہے؟ بعض نے کہا ہاں اور بعض نے کہا نہیں، میں کہتا ہوں (اعلیٰ حضرت) کہ ہاں حلال ہونے کے معاملہ میں تو ایسے ہے لیکن چمڑے کے پاک ہونے کا حکم اس پر موقوف نہیں ہے اور یہ اس لئے کہ ذبح کرنے والا اپنے عمل میں دبّاغ کا عمل کرتا ہے کہ وہ نجس رطوبات کو نکال دیتا ہے حاصل یہ کہ صحیح شدہ یہ دونوں قول ہیں ایک قیاس وقاعدہ کے زیادہ قریب ہے اور دوسرا آسانی کا باعث ہے اپنے طور پر جسے چاہو پسند کرو مگر احتیاط بہتر ہے۔ص256

کنویں کے دلوِ وسط (درمیانے ڈول) کی مقدار کیا ہے؟

کنویں میں جب کوئی چیز گر جائے اور شرع مطہر کچھ ڈول نکالنے کا حکم دے جہاں متونِ متاخرین میں لفظ دَلوِ وسط واقع ہوا یعنی مثلاً چوہا گر کر مرجائے تو بیس ۲۰ ڈول متوسط نکالے جائیں، اس ڈول کی تعیین میں بھی اَقوال مختلفہ ہیں کہ سات تک پہنچتے ہیں مگر ظاہر الروایۃ ومختارِ امام قاضی خان وصاحبِ محیط ومصنفِ اختیار ومولفِ ہدایہ وغیرہم اکابر علماء یہی ہے کہ ہر کنویں کے لئے اُسی کا ڈول معتبر ہوگا جس سے اس کا پانی بھرا جاتا ہے، ہاں اگر اُس کنویں کا کوئی ڈول معین نہ ہو تو اس ڈول کا اعتبار کریں گے جس میں ایک صاع عدس یا ماش آجائیں۔اور صاع ہمارے امام کے نزدیک آٹھ رطل کا ہوتا ہے ہر رطل بیس ۲۰ استار ہر استار ساڑھے چار مثقال ہر مثقال ساڑھے چار ماشے، تو ہر رطل تینتیس ۳۳ تولے نو ماشے، اور صاع دو سو ستّر ۲۷۰ تولے کا ہوا۔ص261

اگر نجاست کے کنویں میں گرنے کا وقت معلوم نہ ہوتو

اگر نال کے کنویں میں گرنے کا وقت معلوم ہو کہ اُس نے فلاں روز فلاں وقت ڈالا تو اُس وقت سے کنواں ناپاک قرار پائے گا اور اس مدت میں جن شخصوں نے اُس سے وضو کیا وہ اپنے اعضائے وضو اور جو نہائے ہوں وہ تمام بدن پاک کریں اور اتنے دنوں کی نمازیں پھیریں اور جن کپڑوں کو وضو کرتے میں یا کسی طرح وہ پانی دِرم برابر جگہ میں لگ گیا ہو وہ پاک کئے جائیں اور اُس پانی سے جو کھانا پکایا گیا اس کا بقیہ کتّوں کو ڈال دیں اور برتن پاک کریں اور جن لوگوں نے اتنے دنوں نادانستہ وہ پانی پیا اور اُس سے کھانا پکا کر کھایا اُن پر کوئی گناہ نہیں، نہ ان کے ایمان میں خلل آیا۔ یہ سب باتیں اُس صورت میں ہیں کہ اُس کے گرنے کا دن اور وقت معلوم ہو اور جو یہ امر متحقق نہ ہو سکے تو کُنواں اُسی وقت سے ناپاک ٹھہرے گا جب سے وہ نال اس میں دیکھا گیا اس سے پہلے کے وضو اور غسل اور نمازیں سب دُرست اور بدن اور برتن اور کپڑے سب پاک ہاں بعد نکلنے کے اگر کسی نے بے خبری میں وضو یا غسل کیا اور اس سے نماز پڑھی یا اس کے کپڑوں یا برتنوں کو وہ پانی لگا تو وہ اپنے بدن برتن کپڑے پاک کرے اور اُس نماز کو پھیرے۔ص266

شرع مطہر میں مدارِ نجاست علم پر ہے اور مدارِ طہارت نا معلومیِ نجاست پر، جس چیز کی نجاست معلوم نہیں وہ پاک ہے۔ص272

*** مخبر غیر ثقہ جس نے وہ** (نجس گھڑا کنویں میں) **ڈالنے کی خبر دی اگر قلب پر اس کی بات نہ جمتی ہو اس بیان میں اس کی کوئی مصلحت ہو یا اتنا لا اُبالی ہو کہ محض بے سبب ایسے اُمور میں غلط باتیں کہتا ہو جب تو کنویں کی نجاست ہی کا حکم نہیں، اور اگر تحری سے اس کی بات قلب پر جمے تو حکمِ تطہیر** (یعنی کنواں پاک کرنے کا حکم) **ہے۔ص284**

کنویں کے قریب نجاست کا محل ہوتو؟

کنویں کے قریب نجس چہ بچہ کا ہونا اُسے نجس کر دیتا ہے بعض نے کہا پانچ ہاتھ سے کم تک بعض نے سات ہاتھ سے کم تک، اور صحیح یہ ہے کہ جتنی دُور سے نجاست کا اَثر ظاہر ہو نجس کر دے گا اگرچہ بیس ۲۰ ہاتھ کے فاصلہ سے۔ص287

بابُ التَّیمم

جمعہ و پنجگانہ نماز کی جماعت پانے کے لئے تیمم کرنا کیسا؟

بے وضو کوئی نماز نہیں ہو سکتی عیدین یا جنازہ کی نماز جاتی رہنے کا اندیشہ ہو تو تیمم کرے، جمعہ و پنجگانہ کے لئے وضو کرنا لازم ہے اگرچہ جمعہ و جماعت فوت ہو جائے واللہ تعالٰی اعلم۔ص297

غبنِ یسیر اور فاحش کا مطلب

''مثل قیمت'' بازار کا بھاؤ اور ''غبنِ یسیر'' نرخِ بازار سے تھوڑا ابل اور ''فاحش'' بہت اور ''تقویم'' قیمت لگانا جو چیز اُس کے مُبصروں کے سامنے قیمت لگانے کے لئے پیش کی جائے وہ عادتاً تھوڑی سی کمی بیشی کے ساتھ تقویم میں اِختلاف کر سکتے ہیں مثلاً دس ۱۰ روپے کی چیز کے کوئی پُورے دس ۱۰ کہے گا کوئی ساڑھے نو کوئی ساڑھے دس یہ نہ ہوگا کہ دس ۱۰ کی چیز کے پانچ یا پندرہ

کہہ دیں اس تھوڑے تفاوت کو داخل فی تقویمِ المقومین کہتے ہیں۔

تیمم کے جواز میں پانی کی قیمت میں غبنِ یسیر اور فاحش سے مراد

اب مسئلہ یہ ہے کہ جس کے پاس پانی نہ ہو اور بے قیمت نہ ملے اور قیمت حاجاتِ ضروریہ سے فارغ اُس کی ملک میں ہو اگر پاس موجود ہے فبہا ورنہ پانی وعدہ پر مل سکے کہ مثلاً گھر پہنچ کر قیمت بھیج دُوں گا تو ایسی حالت میں تیمم جائز نہیں پانی مول لے کر وضو یا غسل واجب بشرطیکہ بیچنے والا یا تو مثل قیمت کو دے یا بل کرے تو تھوڑا سا جسے غبنِ یسیر کہتے ہیں ورنہ اگر غبنِ فاحش یعنی زیادہ بل سے دیتا ہے تو خریدنا ضرور نہیں شرع تیمم جائز فرمائے گی یہاں روایات مختلف ہوئیں کہ اس غبنِ یسیر و فاحش کی حد کیا ہے بعض کے نزدیک اُتنا بل کہ تقویمِ مقومین میں پڑ سکتا ہے غبنِ یسیر ہے اور اس سے زیادہ غبنِ فاحش۔

اس روایت پر جس جگہ اُس قدر پانی کی قیمت دس ۱۰ پیسے ہو اور بیچنے والا ساڑھے دس کو دے تو خریدنا واجب اور تیمم ناجائز اور زیادہ مثلاً بارہ یا گیارہ کو دے تو تیمم ناجائز مگر اَظہر و اَشہر و اَلیَق بالعمل وہ قول ہے جو اِمام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نوادِر میں منقول ہوا کہ یہاں دُونی قیمت کا نام غبنِ فاحش ہے اور اُس سے کم غبنِ یسیر مثلاً اُتنا پانی اُس مقام کے بازاری نرخ سے ایک پیسہ کا ہے اور بیچنے والا دو کو دے تو تیمم کر لے اور دو سے کم کو تو خریدنا لازم اور تیمم ممنوع۔ اور قیمت دیکھنے میں اِعتبار خاص اُس جگہ کا ہے جہاں اسے اس وقت ضرورتِ آب ہے اگر وہاں کی قیمت کا پتہ نہ چلے تو جو جگہ وہاں سے قریب تر ہے اُس کا اعتبار کرے۔ ص 299

نمازِ فجر کا وقت تنگ ہو تیمم کر کے نماز پڑھ لے

جبکہ نماز کا وقت تنگ ہو نجاست دھو کر تیمم کر کے نماز پڑھ لے پھر نہا کر بعد بلندیِ آفتاب اُس کا اِعادہ کرے۔ ص 307

جماع کے بعد غسل کر کے نماز کا وقت نہ ملے گا تو؟

وقت ایسا تھا کہ بعدِ جماع غسل کر کے نماز کا وقت نہ ملے گا تو ایسی صورت میں جماع ہی حرام ہے کہ قصداً تفویتِ نماز ہے اور عورت کا زوجہ ہونا اسے مستلزم نہیں کہ ہر حال میں اُس سے صحبت جائز ہو نماز ہے روزہ ہے اِحرام ہے اعتکاف ہے حیض ہے نفاس ہے اور بہت صورتیں ہیں کہ ان میں منکوحہ سے بھی صحبت حرام ہے۔ ص 307

تیمم کے متعلق تحقیق

جب تیمم کا ارادہ ہو متیمم اس وقت صَعِید (مٹی یا مٹی کی جنس) کو یا تو اپنے اعضائے تیمم سے (۱) متصل پائے گا یا (۲) منفصل برتقدیرِ ثانی دو صورتیں ہیں۔ (۱) صعید سے ہتھیلیاں مس کر کے ہتھیلیوں کو اعضا پر پھیر لے۔ یہی صورت معہود و معروف اور قولی و فعلی احادیث میں مذکور ہے۔ (۲) اَعضائے تیمم کو صعید پر گزارے۔ خواہ اس طرح کہ صعید کے اوپر اَعضاء کو پھیرے خواہ اس طرح کہ اَعضائے تیمم کو صعید کے اندر داخل کر دے۔ مثلاً کوئی شخص بہ نیتِ تیمم اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ریت میں داخل کرے، یا صعید کو اَعضاء پر گزارے مثلاً پتھر کا کوئی ٹکڑا لے کر بہ نیتِ تیمم چہرے اور ہاتھوں پر پورے طور سے پھیر لے۔ مختصر یہ کہ ایسا فعل ہو کہ خود اسی فعل سے صعید اور اَعضائے تیمم باہم مَس ہو جائیں۔

اقول: یہ آخری صورت جس کا میں نے اضافہ کیا اگر چہ اسے علماء نے ذکر نہیں کیا مگر اس کا جواز تیمم کے لئے کافی ہونا قطعی طور پر معلوم ہے اس لئے کہ ارشادِ باری عزّوجل: ''تو پاک صعید کا قصد کر کے اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو'' کی بجا آوری پائی جاتی ہے۔ یہ کلام برتقدیرِ ثانی تھا۔ اب پہلی تقدیر لیجئے یعنی صعید کو اعضاء سے متصل پانا۔ **اس میں دو صورتیں ہیں:**

(۱) تیمم کرنے والا صرف چہرے اور ہاتھوں پر صعید پائے اور کسی عضو پر نہ پائے مثلاً دونوں عضووں پر غبار ہوا کے اُڑا کر ڈال دینے سے پڑا ہو یا خود متیمم کے کسی فعل سے ان اعضاء پر گرد آئی ہو جیسے دیوار گرنا، جھاڑو دینا، غلّہ ناپنا یا مٹّی چھڑکنا یا اس پر ہاتھ مارنا، یا غبار آلود کپڑا جھاڑنا، ایسا کوئی فعل جس کے باعث گرد آ کر اَعضائے تیمم پر بیٹھ گئی ان ساری صورتوں میں یہ ہو کہ جب گرد اعضاء پر بیٹھ گئی اس کے بعد اعضائے تیمم پر بیٹھی ہوئی گرد سے تیمم کا اِرادہ کیا، یا چھڑکنے کی صورت میں غبار نہ اُڑا یا بلکہ جو مٹّی چھڑکی وہ عضو پر گر کر بیٹھ گئی۔

(۲) متیمم اپنے اعضاء کے گرد صعید کی کافی دبازت پائے مثلاً ریت میں چُھپا ہوا ہو، یا آندھی چلنے، یا دیوار گرانے وغیرہ سے خواہ غبار انگیز چھڑکاؤ ہی کی وجہ سے غبار کی وافر مقدار ہوگئی ہے جس کے باعث اپنے اعضاء کے گرد نہ ختم ہونے والا بلند اُڑتا ہوا غبار پا رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے ٹھہرنے سے پہلے اس سے تیمم کرلے۔

ان دونوں صُورتوں میں اگر چہ صعید اور اعضاء کے درمیان اتصال پایا گیا لیکن یہ اِتصال تیمم کے لئے متیمم سے ہونے والے فعل کے ذریعہ نہ ہوا بلکہ اس میں یا تو متیمم کا سرے سے کوئی فعل ہی نہیں، جیسے اس صورت میں کہ آندھی نے اعضاء پر غبار ڈال دیا، یا دیوار گرنے سے غبار اُٹھا، یا متیمم کا فعل تو ہوا لیکن یہ فعل صرف اتنا تھا کہ غبار کو حرکت دی، برانگیختہ کیا، پھر اعضاء تک غبار کا پہنچنا خود غبار کی فطرت وطبیعت کے تحت پایا گیا، جیسے اس صورت میں کہ متیمم نے دیوار گرائی، جھاڑو دیا، غلّہ ناپا، مٹّی چھڑکی، غبار پر ہاتھ مارا، کپڑا جھاڑا، یا غبار متیمم کے فعل ہی سے پہنچا لیکن یہ فعل تیمم کے لئے نہ تھا جیسے اس صورت میں کہ متیمم ریت میں چُھپا ہوا تھا۔ اور شرط یہ ہے کہ بہ نیتِ تیمم ایسا فعل پایا جائے کہ خود اسی فعل سے اعضاء کو صعید سے مس کرنا متحقق ہو۔

دُوسری صورت میں چونکہ اعضائے متیمم کے گرد صعید کی دبازت موجود ہے اس لئے بہ نیتِ تیمم اس کا اپنے چہرے اور ہاتھوں کو حرکت دے لینا ہی کافی ہے کیونکہ پہلے جس سے اتصال تھا اس کے علاوہ فعل (فعلِ تحریک) کی وجہ سے صعید سے اِتصال اور مس کرنا پالیا جاتا ہے تو فعلِ مقصود کا حصول ہوجاتا ہے۔

لیکن پہلی صورت میں چونکہ اعضائے متیمم کے گرد صعید موجود نہیں ہے اس لئے اگر وہ چہرے اور ہاتھوں کو حرکت دے تو کسی نئی چیز سے مس کرنا حاصل نہ ہوگا اس لئے یہاں تحریکِ اَعضاء تیمم کے لئے کفایت نہیں کرسکتی۔ ضروری ہے کہ بہ نیتِ تیمم صعید پر ہاتھ پھیرے کہ اعضاء کو صعید سے مس کرنے کا عمل حاصل ہو جو پہلے حاصل نہ تھا۔ اس تفصیل وتحقیق سے اِضطراب دُور ہوگیا، اور صبح کا جمال روشن ہوگیا **وللہ الحمد**۔ اور اس تقریرِ منیر سے چند اَہم فوائد بھی ظاہر ہوئے جو بہت نفع بخش ہیں۔ ص 366

مسلمان میت کا بدن نجاستِ حقیقیہ ہے یا حکمیہ؟

تو بحمدِ اللہ یہ ثابت ہوگیا کہ حدیثِ پاک سے موت کی وجہ سے مسلمان کے نجس ہونے کی نفی ہوتی ہے تو دونوں محققوں

کے فرمان کے بموجب اس کی ترجیح ضروری ہے کہ غسلِ میت حدث کی وجہ سے ہے۔اور بحر میں فرمایا ہے کہ ''یہی اَصح ہے'' اب رہے یہ دو جزیئے کہ اگر کوئی غسل دیئے بغیر مُردہ کو نماز میں لیے ہوئے ہو تو اس کی نماز فاسد ہوجاتی ہے (اور مردہ آبِ قلیل میں پڑ جائے تو وہ پانی فاسد ہوجاتا ہے۔تو یہ دونوں مسئلے عامہ مشائخ کے قول کی بنیاد پر ہیں، جیسا کہ علّامہ شامی نے بطورِ تجویز واِحتمال اسے کہا ہے (یعنی یہ کہ ہوسکتا ہے کہ یہ قولِ عامہ کی بنیاد پر ہو، اور حقیقۃً یہ انہی کے قول پر مبنی ہے) **اقول:** اور احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے ہمارا عمل مذکورہ دونوں مسئلوں پر ہوگا۔لیکن کافر قطعاً مردار خبیث ہے تو اس کے بارے میں دونوں حکم قطعی ہیں **واللہ تعالیٰ اعلم منہ غفرلہ** (ت)۔ص407

در بارۂ میت حقیقیہ وحکمیہ کی تشقیق بَر بنائے اختلافِ ائمہ ہے کہ موت سے بدن کو نجاستِ حقیقیہ عارض ہوتی ہے یا حکمیہ، بر تقدیرِ اوّل قبلِ غسل اس کے پاس قرآنِ عظیم کی تلاوت منع ہوگی جبکہ اس کا بدن سر سے پاؤں تک کپڑے سے چُھپا نہ ہو جیسے جہاں کوئی نجاست پڑی ہو تلاوت مکروہ ہے اور تقدیرِ ثانی پر تلاوت میں حرج نہ ہوگا جیسے کوئی قرآنِ مجید پڑھے اور اس کے پاس کوئی جنب یا حیض ونفاس سے نکلی ہُوئی بے نہائی عورت بیٹھی ہو۔اور اُوپر گزرا کہ فقیر کی تحقیق میں قولِ دوم ہی زیادہ راجح ہے اِن شاءاللہ تعالیٰ۔ص555

حضرات انبیاء صلوٰت اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم حیات وممات ہر حالت میں طیب وطاہر ہیں

اقول: حضراتِ انبیاء صلوٰت اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم حیات وممات ہر حالت میں طیب وطاہر ہیں بلکہ ان کے لئے موت محض آنی تصدیقِ وعدۂ الٰہیہ کے لئے ہے پھر وہ ہمیشہ حیاتِ حقیقی وِدُنیاوی روحانی وجسمانی کے ساتھ زندہ ہیں جیسا کہ اہلُ السنت والجماعت کا عقیدہ ہے اسی لئے کوئی ان کا وارث نہیں ہوتا اور ان کی عورتوں کا کسی سے نکاح کرنا ممتنع ہے **صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم** بخلاف شہداء کے جن کے بارے میں کتابِ مجید نے صراحت فرمائی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور اس سے نہی فرمائی ہے کہ انہیں مردہ کہا جائے (مگر ان کی میراث تقسیم ہوگی، ان کی ازواج کا دوسرا نکاح ہوسکتا ہے)۔ص404

بچّوں کے لئے بھی ان کی حالت کے لحاظ سے معاصی ہوتے ہیں

عاقل بچہ کو وضو ونماز کا حکم دیا جائے گا، تو اگر وہ بیمار، یا سفر میں ہو اور پانی نہ پائے تو تیمم کرے اور اس کا تیمم تیممِ شرعی سے باہر نہیں، جیسے اس کا وضو اور نماز۔حالانکہ اس کے پاس حدث نہیں، جیسا کہ "**الطرس المعدل**" میں ہم نے اسے بیان کیا ہے تو اس میں تطہیر کی صورت مقصود ہوتی ہے اگر چہ حقیقۃً تطہیر نہ ہو کیوں کہ نجاستِ حکمیہ نہیں، علمائے باطن نے۔جن میں سے سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں رقمطراز ہیں۔تصریح فرمائی ہے کہ بچّوں کے لئے بھی ان کی حالت کے لحاظ سے معاصی ہوتے ہیں اگر چہ ظاہر شریعت میں وہ معاصی کے دائرہ میں شمار نہیں، اور ان ہی معاصی کی وجہ سے انہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ پہنچتی ہے جیسے یہ ہے کہ کوئی بھی درخت کاٹا جاتا ہے یا کوئی پتّہ گرتا ہے یا کوئی جانور ذبح کیا جاتا ہے تو اس وجہ سے کہ وہ تسبیحِ الٰہی سے غافل ہوا۔(ت)ص409

تیمم کی تعریف رضوی

اقول وباللہ التوفیق ان مباحثِ جلیلہ میں جو کچھ ہم نے منقح کیا اس پر تیمم کی تعریف اَصح واَوضح واَصرح بعونہٖ تعالیٰ یہ ہُوئی کہ فرض طہارت کے لئے کافی پانی سے عجز کی حالت میں مسلمان عاقل کا اپنے بدن سے نجاستِ حکمیہ حقیقۃً یا صورۃً یا میت مسلم کے بدن سے نجاستِ موت حقیقیہ یا دوسرے قول پر حکمیہ دُور کرنے کے لئے اپنے یا اُس میت کے مُنہ اور ہاتھوں سے اُتنے حصّہ پر جس کا دھونا وضو میں ہے جنسِ زمین سے کسی کامل الطہارۃ چیز کو خود یا اپنی نیتِ مذکورہ سے دوسرے کو حکم دے کر اُس کے واسطہ سے یوں استعمال کرنا کہ یا تو خود اس فعل سے اُن دونوں عضووں کے ہر جز کو اُس جنسِ ارض سے مس واقع ہو یا اپنے خواہ اپنے مامور کے وہ کف کہ اس کی نیتِ مذکور کے ساتھ جنسِ ارض سے اِتصال دئے گئے ہوں اُن کے اکثر کا جُدا جُدا اِتّصالوں سے مُنہ اور کہنیوں کے اوپر ہر ہاتھ سے اس طرح مس ہونا کہ کوئی حصّہ ایسا نہ رہے جسے خود جنسِ ارض یا اُس کف سے اِتصال نہ ہو۔ ص410

کس نماز کے لئے تیمم کرسکتا ہے؟

ہر عبادت فرض یا واجب یا سنّت کہ پانی سے طہارت کرے تو فوت ہوجائے گی اور اس کا عوض کچھ نہ ہوگا اُس کے لئے تیمم کرسکتا ہے مگر یہ تیمم صرف اسی عبادت کے لئے طہارت ہوگا نہ اور کے لئے کہ اُسی کی ضرورت سے اجازت ہوئی تھی تو اس تیمم سے کوئی اور عبادت کہ بے طہارت جائز نہ ہو جائز نہ ہوگی اس فوت بلاعوض کی بہت صورتیں ہیں مثلاً نمازِ جنازہ قائم ہے یا قائم ہونے کو ہے اس کے وضو کا انتظار نہ ہوگا جب تک وضو کرے چاروں تکبیریں ہوچکیں گی اگرچہ سلام پھیرنا باقی رہے کہ نمازِ جنازہ تکبیروں پر ختم ہوجاتی ہے اُن کے بعد ملنے کا محل نہیں اگرچہ ابھی سلام نہ ہوا ہو **کما فی الدر وغیرہ** (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) یا عیدین کا وقت نکل جائے گا یا ان کا امامِ معین سلام پھیر دے گا۔

اقول: جبکہ دوسرے امامِ معین کے پیچھے نہ ملیں یہ اس لئے کہ عیدین کی نماز کی نماز مثلِ جمعہ ہر امام کے پیچھے نہیں ہوسکتی سوا سلطانِ اسلام یا اس کے نائب یا ماذون کے، اور وہ نہ ہوں تو بضرورت جسے مسلمان امامِ جمعہ مقرر کرلیں، یا سورج گہن ہوچکے گا۔

اقول: اور اگر کسوف (سورج گہن) باقی رہے اور جماعت ہوچکے گی تو تیمم کی اجازت نہیں کہ اگرچہ کسوف میں بھی ہر شخص امامت نہیں کرسکتا خاص امامِ جمعہ ہی اس کا امام ہوسکتا ہے **کما فی الدر وغیرہ** (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) مگر اس میں جماعت ضروری نہیں تنہا بھی ہوسکتی ہے نہ مثلِ جنازہ تکرار ممنوع ہے، اس لئے کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ نمازِ کسوف ہر شخص اپنے گھر میں انفرادی طور پر ادا کرسکتا ہے۔ ہاں جب امامِ جمعہ موجود ہو تو جماعت مستحب ہے۔ جیسا کہ دُرمختار میں ہے۔ (ت) تو اُس کا فوت یوں ہی ہوگا کہ گہن چھُوٹ جائے۔

یا ظہر و جمعہ و مغرب وعشا کے فرضوں کے بعد وضو جاتا رہا اور اب وضو کرتا ہے تو بعد کی سنّتیں نہ ملیں گی وقت نکل جائے گا۔

اقول یونہی ظہر یا جمعہ کی پہلی سنّتیں اگر قیامِ جماعت کے سبب نہ پڑھ سکا اور بعدِ فرض یا بعد سنّتِ بعدیہ وضو جاتا رہا اور اب وضو کرے تو وقتِ عصر آجائے گا (اس لئے کہ یہ سنّتیں اگرچہ اپنے مقررہ وقت سے ہی فوت ہوئیں مگر ان کی قضا وقت کے اندر ہی

ہوسکتی ہے بعدِ وقت قضانہیں توبعدِ ظہر وجمعہ اگران کی قضافوت ہوجاتی ہے توپھراس کا کوئی بدل نہیں۔ت)

یا صبح کے وقت پانی وضو کے لئے منگا یا یاکسی نے دینے کا وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کرے تو وضوکر کے صرف فرض پائے گا یوں کہ یاتوسنتوں کے قابل وقت ہی نہ رہے گا یاسنتیں پڑھے تو جماعت فوت ہو، ناچار سنتیں چھوڑنی ہوں گی توجب تک پانی آئے تیمم کر کے سنتیں پڑھ لے پھر وضوکر کے فرض (جیسا کہ شامی وغیرہ میں ہے۔ت)

تنبیہ: علامہ سید طحطاوی پھراُن کے اِتباع سے علامہ سید شامی نے دو چیزیں اور زائد کیں وضوکرتا ہے توچاند گہن ہوچکے گا یاضحوہ کبریٰ ہوجائے گی نمازِ چاشت جاتی رہے گی توان دونوں کوتیمم سے ادا کرلے۔ص425 مگر یہ سخت محلِ تامل ہے۔ص429

بالجملہ فقیر کے نزدیک مستحباتِ محضہ مثلِ نمازِ خسوف (چاند گہن) وتہجد وچاشت میں یہ حکم (جوازِ تیمم) خلافِ دلیل ہے اس کے لئے ائمہ سے نقل درکارتھی اور وہ منتفی بلکہ نقل جانبِ نفیٔ نفل ہے **کما تقدم وباللہ التوفیق واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم** (جیسا کہ اس کا بیان گزرچکا اللہ تعالٰی کی توفیق سے، اور اللہ تعالٰی زیادہ جانتا ہے۔ت)۔ص349

پانی ہوتے ہُوئے سجدۂ تلاوت یاسجدۂ شکر یامسِ مصحف یاباوجود وسعتِ وقت نمازِ پنجگانہ یاجمعہ یاجنب نے تلاوتِ قرآن کے لئے تیمم کیا لغو وباطل وناجائز ہوگا کہ ان میں سے کوئی بے بدل فوت نہ ہوتا تھا، یونہی ہماری تحقیق پرتہجد یاچاشت یاچاند گہن کی نماز کے لئے اگرچہ اُن کا وقت جاتا ہو کہ یہ نفل محض ہیں سنّتِ مؤکدہ نہیں توباوجودِ آب زیارتِ قبور یاعیادتِ مریض یا سونے کے لئے تیمم بدرجہ اَولٰی لغو ہے۔ص557

ہرنمازِ موقت کہ بعدِفوت جس کی قضا ہے جیسے نمازِ پنجگانہ وجمعہ ووتر جب طہارتِ آب سے وقت جاتا ہوتیمم سے وقت کے اندر پڑھ لے کہ قضانہ ہوجائے پھرپانی سے طہارت کر کے اعادہ کرے۔

اَقول: اس میں یہ تفصیل ہونی چاہئے کہ مثلاً (۱) صبح اتنے تنگ وقت اُٹھا کہ وضوکرے یانہانے کی حاجت ہے اور غسل کرے توسلام نماز سے پہلے سورج چمک آئے یا(۲) امام جمعہ پانی سے طہارت کرے توسلامِ جمعہ سے پہلے وقتِ عصر آجائے یا(۳) مقتدی جماعتِ جمعہ میں قبلِ سلام شریک نہ ہوپائے اور دوسری جگہ بھی امام مقرر جمعہ کے پیچھے نماز نہ مل سکے یا(۴) محدث وضوخواہ جنب غسل کرے توظہر یا(۵) عصریا(۶) مغرب یا(۷) عشا کا اتنا وقت نہ پائے کہ نیت باندھ لے یا(۸) فرضِ عشا پڑھ کر سویا اُٹھا تونہانے کی حاجت ہے یاوضوہی کرنا ہے اور صبح میں اتنی مہلت نہیں کہ پانی سے طہارت کے بعد وتر کی نیت باندھ لے توان سب صورتوں میں یہ نمازیں تیمم سے پڑھ لے پھرغسل یاوضوکر کے دوبارہ بعدِ وقت پڑھے۔ **بالجملہ** فجر وجمعہ میں سلام سے پہلے وقت نکل جانا یامقتدی کا امامِ مقرر للجمعہ کے پیچھے جماعت نہ پانا معتبر ہونا چاہئے باقی نمازوں میں تکبیرِ تحریمہ وقت کے اندر نہ ملنے کا اعتبار چاہئے کہ فجر وجمعہ وعیدین سلام سے پہلے خروجِ وقت سے باطل ہوجاتی ہیں بخلاف باقی صلوات کہ ان میں وقت کے اندر تحریمہ بندھ جانا کافی ہے۔

ثم اقول: اگرصورت یہ ہے کہ صبح میں پانی سے طہارت کرے توصرف دو ۲ رکعتیں وقت میں پائے اور تیمم سے چاروں توتیمم کی اجازت نہ ہوگی بلکہ پانی سے طہارت کر کے صرف فرض پڑھ لے سنتیں چاہے توبعد بلندیِ آفتاب پڑھے یوں ہی باقی نمازوں میں اگروقت اتنا ملتا ہے کہ پانی کی طہارت سے فرضِ وقت ہوجائیں گے ظہر کی سنتِ قبلیہ یابعدیہ یادونوں یامغرب میں

سنتیں یا عشا میں سنت و وتر نہ ملیں گے اور تیمم سے سب مل سکتے ہیں تو فرضوں ہی کا پلّہ راجح رہے گا طہارتِ آب سے فرض اور اس کے ساتھ اور جو کچھ مل سکے ادا کرلے سنتیں رہ گئیں تو گئیں اور وتر رہ گئے تو ان کی قضا پڑھے غرض غیرِ فرض کی رعایت سے فرضوں کا تیمم سے ادا کرنا روا نہ ہوگا اگرچہ اُس غیرِ فرض کے لئے خوفِ فوت میں تیمم روا تھا (توقع ہے کہ ان دونوں مقاموں پر جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے، بہت ظاہر ہے **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ت)۔ص439

جُنبی کو مسجد سے نکلنے کے لئے تیمم کا حکم وجوباً ہے یا استحباباً؟

جنب کو جنب ہونا یاد نہ رہا مسجد میں چلا گیا اب یاد آیا یا معتکف مسجد میں سوتا تھا کہ اُسے جائز ہے یا غیرِ معتکف اگرچہ اُسے منع ہے اور نہانے کی حاجت ہُوئی یہ لوگ نہ مسجد میں چل سکتے ہیں نہ ٹھہر سکتے ہیں نہ مسجد میں غسل ہوسکتا ہے ناچار یہ صورتِ عجز ہُوئی فوراً تیمم کریں اگرچہ مسجد کی زمین یا دیوار سے اور معاً باہر چلے جائیں اگر جاسکتے ہوں اور اگر باہر جانے میں بدن یا مال پر صحیح اندیشہ ہے تو تیمم کے ساتھ بیٹھے رہیں بیٹھنے کی صورت میں تیمم ضرور واجب ہے **وخلافه غير بين ولا مبين** (اس کے برخلاف جو کہا گیا وہ نہ خود واضح ہے نہ اس پر کوئی بیان و دلیل۔ت) اور نکلنے کی صورت میں بہت اکابر اس تیمم کو صرف مستحب جانتے ہیں اور فوراً بلا تیمم نکل جانا بھی جائز جانتے ہیں اور اَحوط تیمم ہے۔

اَقول: ذہنِ فقیر میں یہاں بعض مہم تفصیلیں ہیں:

اوّلاً: اس تیمم کے کرنے میں جہاں تک حدِ اِمکان ہو تعجیلِ تام کا حکم ہے تو جو صورت جلد سے جلد تیمم ہوجانے کی ہو اُس کا بجالانا واجب اور اَدنیٰ تاخیر ناجائز کہ بضرورت اُتنی ہی دیر اُسے توقف کی اجازت ہوئی ہے جس میں تیمم کرسکے ایک لحظہ بھی تیمم کرنے میں تاخیر روا نہیں کہ اتنی دیر بِلاضرورت بحالِ جنابت مسجد میں ٹھہرنا ہوگا اور یہ حرام ہے لہٰذا اگر اس کے ہاتھ کے پاس مثلاً کوئی مٹّی کا برتن رکھا ہے اور دیوار قدم بھر دُور ہے تو واجب کہ اُسی برتن سے فوراً تیمم کرلے اور اگر دیوار قریب اور برتن دُور ہے یا ہے ہی نہیں تو اگر مسجد میں جہاں یہ بیٹھا ہے فرش نہیں تو زمینِ مسجد و دیوار میں نسبت دیکھی جائے گی اگر دیوار سے متصل ہے کہ صرف ہاتھ بڑھانا ہوگا تو اختیار ہے دیوار سے تیمم کرے یا زمین سے اور اگر دیوار تک کچھ بھی سرکنا ہوگا تو خاص زمینِ مسجد سے تیمم کرے دیوار تک نہ جائے اور اگر مسجد میں فرش (چٹائی یا قالین وغیرہ) ہے تو دیوار تک پہنچنا یا اُس فرش کا ہٹانا جو جلد ہوسکے وہ کرے۔

ثانیاً: یہ تیمم مسجد سے نکل جانے کے لئے تھا کہ بحالِ جنابت جس طرح مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے یوں ہی ہمارے نزدیک اُس میں چلنا بھی حرام ہے اب کہ تیمم کرچکا فوراً نکل جائے اور اگر مسجد میں چند دروازے ہیں تو وہ دروازہ اختیار کرے جو قریب تر ہو اس نکلنے میں خواہ مسجد سے باہر جا کر اس تیمم سے کسی آیت کی تلاوت نہیں کرسکتا کہ یہ تیمم باوصفِ قدرتِ آب محض خروج عَنِ المسجد کے لئے تھا ہاں اگر باہر جانے میں جان یا مال یا آبرو کا صحیح اندیشہ ہو تو اسی تیمم سے مسجد میں ٹھہرا رہے مگر نماز و تلاوت نہیں کرسکتا اُن کے لئے دوبارہ اُن کی نیت سے تیمم کرنا ہوگا۔

ثالثاً: نکلنے کے لئے تیمم کا حکم وجوباً خواہ اِستحباباً اُس صورت میں ہونا چاہئے جبکہ عین کنارۂ مسجد پر نہ ہو کہ پہلے ہی قدم میں خارج ہوجائے گا جیسے دروازے یا حُجرے یا زمین پیشِ حجرہ کے متصل سوتا تھا اور اِحتلام ہُوا یا جنابت یاد نہ رہی اور مسجد میں ایک

ہی قدم رکھا تھا ان صورتوں میں فوراً ایک قدم رکھ کر باہر ہو جائے کہ اس خروج میں مرور فی المسجد (مسجد میں چلنا) نہ ہوگا اور جب تک تیمم پُورا نہ ہو بحالِ جنابت مسجد میں ٹھہرنا رہے گا۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص479

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ادبِ مسجد

موسمِ سرما میں اپنی مسجد میں معتکف تھا اور سخت بارش ہو رہی تھی میں نے وضو کرنا چاہا تو اپنے لحاف پر اس طرح وضو کیا کہ مسجد میں ایک قطرہ بھی نہ پڑ سکا۔ وللہ الحمد۔ اس وقت یہ طریقہ بحمداللہ خدا کی جانب سے بطورِ الہام دل میں آیا پھر کئی سال بعد میں نے البحر الرائق میں دیکھا کہ امامِ اجل صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''تجنیس'' کے حوالہ سے اس کی ہدایت موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''اگر کسی کو جمعہ کے دن خطبہ کے وقت حدث لاحق ہو گیا تو اگر نکلنے کا راستہ ملے نکل جائے اور وضو کرے اور اگر نکلنا ممکن نہ ہو تو اس وقت بیٹھا رہے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر نہ جائے، پھر اگر مسجد کے اندر پانی مل جائے تو سامنے اپنا کپڑا اس طرح رکھ لے کہ پانی اسی پر پڑے اور اس طرح وضو کرے کہ مسجد نجس نہ ہو اور پانی ایک خاص اندازے سے (علی التقدیر) استعمال کرے پھر مسجد سے نکلنے کے بعد اپنا وہ کپڑا دھولے''۔ صاحبِ بحر نے فرمایا ''یہ بڑی اچھی صورت ہے'' (ت) **اقول:** صاحبِ ہدایہ کی عبارت میں مسجد کے نجس ہونے کی بات اور کپڑے کے دھونے کا حکم مائے مستعمل کی نجاست کی بنیاد پر ہے۔ اور ان کے قول علی التقدیر (ایک خاص اندازے سے) کا مطلب یہ ہے کہ پانی کم استعمال کرے تاکہ پانی کپڑے سے نفوذ کر کے مسجد میں نہ گرنے پائے۔ ہاں اگر کپڑا زیادہ روئی والا ہو جیسا میرا واقعہ تھا تو وضو میں اِسباغ کرے جیسے میں نے پورے طور سے وضو کیا۔ وللہ الحمد۔ ص486

عورت یا مرد فوت ہو اور کوئی غسل دینے والا نہ ہو تو

اگر میت عورت یا مشتہاۃ لڑکی ہو جو اُتنی صغیرُ السّن نہیں اور وہاں کوئی عورت نہیں تو دس گیارہ برس کا لڑکا اگر نہلا سکے اگرچہ دُوسرے کے بتانے سے یا کوئی کافرہ عورت ملے اور بتانے کے موافق نہلا سکے تو اس سے نہلوائیں ورنہ کوئی مَحرم تیمم کرائے۔ **اَقول:** یا اگر میت کنیز تھی شوہر یا کوئی اجنبی ویسے ہی تیمم کرادے اور کنیز نہ تھی اور کوئی محرم نہیں تو شوہر اسی طرح ہاتھوں پر کپڑا اچڑھا کر بے آنکھیں بند کیے تیمم کرائے اور شوہر بھی نہ ہو تو اجنبی مگر آنکھیں بند کرے۔

اگر میت مرد یا ہوشیار لڑکا ہے کہ اُتنا صغیر السن نہیں ہے اور وہاں کوئی مرد نہیں تو اگر میت کی زوجہ ہے کہ ہنوز حکمِ زوجیت میں باقی اور اسے مس کر سکتی ہو وہ نہلائے وہ نہ ہو تو سات آٹھ برس کی لڑکی اگر نہلا سکے اگرچہ سکھانے سے یا کوئی کافر ملے اور بتانے کے مطابق غسل دے سکے تو ان سے نہلوایا جائے ورنہ جو عورت میت کی محرم یا کسی کی شرعی کنیز ہو وہ اپنے ہاتھوں سے یوں ہی تیمم کرائے اور آزاد و نامحرم ہے تو کپڑا الپیٹ کر مگر رُو و دَستِ میت پر نگاہ سے یہاں ممانعت نہیں۔ ص539

عبادتِ مقصودہ و غیر مقصودہ کی چار اقسام

عبادت دو قسم ہے مقصودہ کہ خود مستقل قربت ہو دوسری قربت کے لئے محض وسیلہ ہونے کو مقرر نہ ہوئی ہو، دوسری غیرِ مقصودہ کہ صرف وسیلہ ہے اور ان میں ہر قسم سے بعض مشروطہ بطہارت ہیں کہ بے طہارت جائز نہیں خواہ طہارتِ صغرٰی یعنی وضو

بھی شرط ہو یا صرف کبریٰ یعنی غسل اور بعض غیر مشروطہ تو عبادات چار قسم ہوگئیں:

(۱) مقصودہ مشروطہ جیسے نماز و نمازِ جنازہ و سجدۂ تلاوت و سجدۂ شکر کہ سب مقصود بالذات ہیں اور سب کے لئے طہارتِ کاملہ شرط یعنی نہ حدثِ اکبر ہو نہ اصغر، نیز یاد پر تلاوتِ قرآنِ مجید کہ مقصود بالذات ہے اور اس کے لئے صرف حدثِ اکبر سے طہارت شرط ہے بے وضو جائز ہے۔

(۲) مقصودہ غیر مشروطہ کہ ہو تو مقصود بالذات مگر اس کے لئے طہارت ضرور نہ ہو مطلقاً خواہ صغریٰ جیسے اسلام لانا، سلام کرنا سلام کا جواب دینا، سب مقصود بالذات ہیں اور ان کے لئے اصلاً طہارت شرط نہیں نیز یاد پر تلاوتِ قرآنِ مجید کہ اُس کے لئے طہارتِ صغریٰ یعنی باوضو ہونا ضرور نہیں۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ یاد پر تلاوت جنب کے اعتبار سے قسمِ اوّل میں ہے اور بے وضو کے اعتبار سے قسمِ دوم میں۔

(۳) غیر مقصودہ مشروطہ کہ ہو تو دوسری عبادت کا وسیلہ مگر بے طہارت جائز نہ ہو خواہ صرف طہارتِ کبریٰ شرط ہو یا کاملہ جیسے مصحف شریف کا چُھونا کہ بے وضو بھی حرام ہے اور مسجد میں جانا کہ صرف حدثِ اکبر میں حرام اور حدثِ اصغر میں جائز ہے۔

(۴) غیر مقصودہ غیر مشروطہ کہ وسیلہ ہو اور طہارت شرط نہیں جیسے اذان و اقامت کہ وسائلِ نماز ہیں اور جنب سے بھی صحیح اگرچہ اس کی اقامت زیادہ مکروہ ہے اور مسجد میں جانا کہ بے وضو جائز ہے۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ دخولِ مسجد جنب کے لحاظ سے قسمِ سوم میں ہے اور مُحدِث کی نظر سے قسمِ چہارم میں۔ پانی نہ ہونے کی حالت میں چاروں قسموں کے لئے تیمم صحیح ہے اور نماز صرف اسی سے ہوسکے گی جو اس عام نیتِ تطہیر و رفعِ حدث سے کیا گیا یا خاص قسمِ اوّل کی نیت سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم منہ غفر لہ (م)۔ص556

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت

یہ تین سو گیارہ چیزوں کا بیان ہے ۱۸۱ سے تیمم جائز جن میں ۷۴ منصوص اور ۱۰۷ زیاداتِ فقیر اور ۱۳۰ سے ناجائز جن میں ۵۸ منصوص اور ۷۲ زیاداتِ فقیر ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا بلکہ زیادت درکنار اتنے منصوصات کا استخراج بھی سہل نہ ہوسکے گا۔ص658

تیمم دس ۱۰ نیتوں سے صحیح ہے

اقول: تیمم دس ۱۰ نیتوں سے صحیح ہے: (۱) نیتِ رفعِ حدثِ اصغر (۲) یا اکبر (۳) یا مطلق حدث (۴) نیتِ وضو (۵) یا غسل (۶) یا مطلق طہارت (۷) نیتِ اِستباحتِ نماز (۸) نیتِ عبادتِ مقصودہ مشروطہ بہ طہارت (۹) نیتِ عبادتِ دیگر غیر مقصودہ یا غیر مشروطہ (۱۰) یا غیر مقصودہ و غیر مشروطہ نیت اُس تاکیدی مطلوبِ شرع کی کہ اگر پانی سے طہارت کریں تو بلا بدل فوت ہوجائے۔ دسویں صورت پانی ہوتے ہوئے بھی ممکن ہے اور پہلی نو (۹) اُسی وقت روا ہیں کہ پانی پر قدرت نہ ہو۔ پہلی آٹھ (۸) کی نیت سے ہر نماز بھی بے تکلّف ادا ہوسکتی ہے اگرچہ کسی اور عبادت کی غرض سے کیا ہو اور نویں سے کوئی نماز ادا نہ ہوگی اور دسویں سے خاص وہی نماز ادا ہوگی جس کی ضرورت سے کیا ہے نہ دوسری اگرچہ وہ بھی اسی قسم فائت بے بدل بلکہ اسی کی نوع

سے ہومثلاً نمازِ جنازقائم ہُوئی وضوکرے تو چاروں تکبیریں ہوچکیں گی اسے تیمم سے پڑھا اتنے میں اور جنازہ آ گیا اگر وضوکرسکتا ہے اس دوسرے کے لئے وضولازم ہے اگر وضوکا وقفہ تھا اور نہ کیا اب وضوکا وقفہ نہ رہا تو اس کے لئے دوسرا تیمم کرے پہلا جاتا رہا۔ ہاں اگر دوسرے جنازے کی نماز ایسی بلافصل بر پاہُوئی کہ بیچ میں وضونہ کرسکتا تو اُسی پہلے تیمم سے پڑھ سکتا ہے۔ص570

پاک کیچڑ سے تیمم درست ہے یا نہیں؟

تحقیق وتوفیق وہ ہے جومحیطِ سرخسی ومحیطِ رضوی وحلیہ وبحر الرائق ودُرمختار وعالمگیریہ وفتح اللہ المعین وغیرہا میں اِفادہ فرمائی کہ جس کیچڑ میں پانی غالب ہے اس سے تیمم جائزنہیں اور مٹّی غالب ہے تو جائز۔

البتہ بِلاضرورت اس سے تیمم ناجائز یعنی مکروہ وممنوع وگناہ ہے کہ (۱) منہ کیچڑ سے سانناصورت بگاڑنا ہے اور صورت بگاڑنا مُثلہ اور مُثلہ حرام ہے یہاں تک کہ (۲) جہاد میں حربی کافروں کو بھی مُثلہ کرنا صحیح حدیث میں منع فرمایا جن کے قتل کا حکم فرمایا اس کے بھی مثلہ کی اجازت نہ دی۔ (۳) افسوس اُن مسلمانوں پر کہ باہم کھیل میں ایک دوسرے کے منہ پر کیچڑ تھوپتے ہیں یا ہنسی سے کسی کے سوتے میں اس کے منہ پر سیاہی لگاتے ہیں یہ سب حرام ہے اور اس سے پرہیز فرض، خلاصہ وخانیہ وبدائع وغیرہا میں کہ کیچڑ سے تیمم کی ممانعت فرمائی اور اس کی (۴) یہ ترکیب بتائی کہ اپنے بدن یا کپڑے کے حصے خواہ کسی اور چیز پر کیچڑ کالیس کرلے جب وہ خشک ہوجائے اس سے تیمم کرے اور یہ نفیس ترکیب خود محررُ المذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتابُ الاصل میں ارشادفرمائی اس کا منشا یہی تقبیحِ صورت سے بچانا ہے نہ یہ کہ کیچڑ سے تیمم درست ہی نہیں۔

ولہٰذا تصریح فرماتے ہیں کہ یہ ترکیب اس وقت ہے کہ ابھی نماز کے وقت میں اتنی وسعت ہو اور اگر دیکھے کہ ایسا کرے گا تو اس کے خشک ہونے تک نماز کا وقت جاتا رہے گا تو لازم ہے کہ یونہی کیچڑ سے تیمم کرکے نماز پڑھ لے وقت نہ جانے دے۔

اقول: مگراب لازم ہوگا کہ دونوں ہتھیلیاں باہم خوب ملے رگڑے کہ جہاں تک ممکن ہو کیچڑ چھوٹ جائے اور جوحصہ رہے خشکی پر آجائے کہ جب غبار وزمینِ خشک پر ہاتھ مار کر جھاڑنا اور اثرِ خاک سے صاف کردینا سنّت ہو تو یہاں وجوب چاہئے نیز تصریح فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے ایسا نہ کیا اور کیچڑ ہی سے تیمم کرلیا بُرا کیا مگر تیمم ہوگیا۔

اقول: انہی عبارات سے ظاہر ہوا کہ بحالِ گنجائشِ وقت اس ترکیب پر عمل صرف مستحب نہیں بلکہ واجب ہے کہ جب وہ معنیٰ مُثلہ میں ہے اور مثلہ حرامِ قطعی تو جو اس کے معنی میں ہے لا اَقل مکروہِ تحریمی۔ص666

مٹّی بھی مستعمل ہوجاتی ہے یا نہیں؟

اقول: وباللہ التوفیق تُراب یعنی جنسِ ارض دوقسم ہے حقیقی، اور حکمی کہ وہ ہاتھ ہیں کہ بہ نیتِ تطہیر جنسِ ارض سے مس کیے گئے یہ ترابِ حکمی ضرور بالاجماع مستعمل ہوتی ہے۔ رہی ترابِ حقیقی وہ اَصلاً مستعمل نہیں ہوتی۔

اقول: فقیر کے نزدیک یہی تحقیق ہے اور اس پر متعدد روشن دلائل قائم۔ **وباللہ التوفیق**۔ص717

ایک ہی جگہ پر دونوں ضربیں ہونا یا ایک جگہ سے ایک شخص کا چند بار خواہ یکے بعد دیگرے ایک جماعت کا تیمم کرنا سب رَوا ہے۔ص734

جلد نمبر 4

رسالہ: قوانین العلماء فی متیمم علم عند زید ماء

(عُلماء کے قوانین اس تیمم کرنے والے کے بارے میں جسے معلوم ہُوا کہ زید کے پاس پانی ہے۔(ت))

تیمم کرنے والے کے بارے میں چند اہم مسائل

مسئلہ(۱) اگر دُوسرے کے پاس اتنا پانی ہونا کہ اس کی طہارت کو کافی اور اس کی حاجت سے زائد ہو معلوم نہ تھا اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی نماز کے بعد معلوم ہوا تو نماز پر اس کا کچھ اَثر نہیں نماز ہوگئی اگرچہ بعدِ نماز وہ اسے پانی خود یا اس کے مانگے سے دے بھی دے۔

مسئلہ(۲) اگر نماز پڑھتے میں اس نے پانی لا کر رکھا کہ یہ لے لے یا مطلق کہا کہ جس کے جی میں آئے اِس سے وضو کرے تو تیمم ٹوٹ گیا نماز جاتی رہی اس کا ذکر ضمناً نمبر ۱۶۱ میں گزرا مگر یہاں ایک اِستثناءِ نفیس ہے امام فقیہ النفس نے فرمایا: اگر وہ کہنے والا نصرانی ہو نیت نہ توڑے کہ اس کے کہنے کا کیا اعتبار شاید مسخرہ پن سے کہتا ہو، ہاں نماز کے بعد اس سے مانگے دے دے تو نماز پھیرے ورنہ ہوگئی۔ اسی طرح خلاصہ میں زیادات وفتاوٰی رزین سے ہے۔ **اقول:** علمائے کرام اکثر بجائے مناط ذکرِ مظنہ پر اِکتفاء فرماتے اور مثال سے مقصود کی راہ دکھاتے ہیں یہاں نہ نصرانی کی تخصیص نہ کافر کی خصوصیت بلکہ مدار ظنِ اِستہزا ہے اگر نصرانی یا کوئی کافر اس کا نوکر یا ماتحت یا رعیت یا اس کی شاگردی میں ہے یا اس سے کسی حاجت کی طمع رکھتا ہے یا خوف کرتا ہے تو ان صورتوں میں اُس پر گمانِ استہزا نہ ہوگا نیت توڑنی ہوگی ہاں اگر پھر مانگے پر نہ دے تو تیمم باقی ہے **وذلک لظھور القدرۃ علی الماء ظنا مع عدم مایعارضہ** (وہ اس لئے کہ ظنی طور پر پانی پر قدرت ظاہر ہوگئی اور اس کا کوئی معارض موجود نہیں۔ت) اور اگر کوئی فاسق بیباک تمسخر کا عادی ہے لوگوں سے یونہی کہا کرتا پھر نہیں دیتا ہے تو اُس کے کہنے پر نیت توڑنے کی اجازت نہ ہوگی۔ ہاں بعدِ نماز دے دے تو اِعادہ کرنی ہوگی ورنہ نماز بھی ہوگئی اور تیمم بھی باقی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ(۳): اگر اِس نے اُس سے پانی لینے کو نہ کہا مگر عینِ نماز میں اِسے اُس کے پاس کافی پانی ہونے کا علم ہوا۔ **اقول:** اگرچہ تذکُّر سے کہ پہلے اس کے پاس پانی ہونا معلوم تھا یاد نہ رہا تیمم کر کے نماز شروع کی نماز میں یاد آیا کہ فلاں کے پاس پانی ہے **وھذا ظاھر جدًا** (اور یہ بہت ظاہر ہے۔ت) تو دو صورتیں ہیں اگر اسے گمان غالب ہو کہ مانگے سے دے دے گا تو نیت توڑے اور مانگے اور اگر گمان غالب ہو کہ نہ دے گا یا کسی طرف غلبۂ ظن نہ ہو شک کی حالت ہو تو نیت توڑنے کی اجازت نہیں ہوسکتی۔

مسئلہ(۴) یہ حکم نماز کے قطع و اِتمام کا تھا، رہا یہ کہ اس سے پانی مانگنا اس پر واجب ہے یا نہیں، اَقول بحالِ ظنِ عطا تو وجوب میں شبہ نہیں۔ حاصلِ حکم یہ نکلا کہ بحالِ ظنِ عطا مانگنا واجب اور بحالِ شک مستحب اور بحالِ ظنِ منع مستحب بھی نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ(۵) صحیح و معتمد وظاہر الروایۃ یہ ہے کہ نماز میں بحالِ غلبۂ ظنِ عطا اگرچہ نیت توڑنے کا حکم ہے مگر فقط اس غلبۂ ظن سے نہ تیمم

ٹوٹے نہ نماز جائے یہاں تک کہ اگر پُوری کرلی اور پھر مانگا اور اُس نے نہ دیا تو نماز بھی صحیح اور تیمم بھی باقی کہ ظاہر ہُوا کہ وہ ظن غلط تھا۔

مسئلہ (۶) اگر شروعِ نماز سے پہلے دوسرے کے پاس پانی معلوم ہوا تو آیا اس سے مانگنا واجب ہے یا نہیں یہاں اِختلافِ روایت تاحدِ اِضطراب ہے اور وہ کہ مطالعۂ کتب ونظر دلائل سے فقیر کو منقح ہوا یہ کہ یہاں بھی وہی حکم ہے جو مسئلہ ۴ میں گزرا یعنی ظنِ غالب ہو کہ دے دے گا تو سوال واجب اور بے مانگے تیمم کر کے نماز پڑھنا حلال نہیں ورنہ واجب نہیں اور بِلاسوال نماز حلال ہاں بحالِ شک سوال مستحب مسئلۂ ہر دو ظن میں خود یہی تحقیق وتوفیق ہے اور مسئلۂ شک میں یہی قولِ جمہور وراجح علی التحقیق ہے۔ص32 تا42

مسئلہ (۷) شرح تعریفِ رضوی کے اِفادۂ پنجم میں گزرا کہ یہاں اِعتبار واقع کا ہے اگر اسے ظنِ غالب تھا کہ نہ دے گا (یا شک تھا) اور اس نے تیمم سے پڑھ لی بعدہ اس نے پانی دے دیا (بطورِ خود خواہ) اس کے مانگے سے تو نماز نہ ہوئی اِعادہ کرے اور اگر ظنِ غالب تھا کہ دے دے گا اور (خلافِ حکم کرکے) اس نے نہ مانگا اور تیمم سے پڑھ لی بعد کو مانگا اور اس نے نہ دیا تو نماز ہوگئ ہاں اگر اس نے نہ اول مانگا نہ بعد کو کہ منع وعطا کا حال کھلتا۔ **اقول:** نہ ظنِ عطا کی صورت میں اُس نے پانی خرچ کرلیا یا پھینک دیا نہ شک یا ظنِ منع کی حالت میں اس نے بعدِ نماز بے اِنکارِ سابق دے دیا تو البتہ اس کے ظن کا اعتبار ہے اگر ظنِ عطا تھا نماز نہ ہوئی ورنہ ہوگئی۔

تنبیہ: نماز کے بعد وہ دینا جس سے مطلقاً نماز اِعادہ کرنی ہوتی ہے اگرچہ مصلّی کو ظنِ منع ہو کونسا ہے اور وقتِ نماز گزر جانے کے بعد دینا بھی یہ اثر رکھتا ہے یا نہیں، اس کا بیان مسئلہ نہم میں آتا ہے **وباللہ التوفیق**۔

مسئلہ (۸) امام محقق علی الاطلاق سے مسئلہ ششم میں گزرا کہ پانی پر قدرت تین طرح ہوتی ہے:

اوّل: خود اپنی مِلک میں ہو۔ **اقول:** یعنی حاجتِ ضروریہ سے فارغ اور استعمال پر قدرت تو ہر جگہ شرط ہے۔

دوم: اگر بِکتا ہے تو قیمت پر قادر ہو۔ **اقول:** یعنی اُنہیں وجوہ پر کہ گزریں کہ قیمتِ مثل سے بہت زیادہ نہ مانگے اور قیمت اس کے پاس حاضر نہیں تو اُدھار دینے پر راضی ہو۔

سوم: اِباحت۔ **اقول:** یہ مصدر مبنی للمفعول ہے یعنی پانی کا مباح ہونا خواہ باباحتِ اصلیہ جیسے بارش ودریا کا پانی یا کسی کے وقف کیے سے یا بلا وقف عام لوگوں یا کسی خاص قوم کے لئے جن میں یہ داخل ہے مالک نے طہارت کے لئے مباح کیا ہو اگر اسے طہارت درکار ہے یا مالک خاص اس شخص کو مباح کرے۔

ثمّ اقول: دو صورتیں قدرت کی اور ہیں:

چہارم: ہبہ کہ تملیک بلاعوض ہے بخلاف اِباحت کہ شَے مِلکِ مالک ہی پر رہتی ہے اُس کی اجازت سے صَرف کی جاتی ہے۔

پنجم: مالک کا وعدہ کرنا کہ میں تجھے پانی دوں گا یہاں تک کہ ائمۂ ثلٰثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب میں انتظار لازم ہے اگرچہ وقت نکل جائے کہ وعدہ میں ظاہر وفا ہے اور پانی پر قدرت اِباحت سے بھی حاصل تو ظاہراً قادر ہے لہذا تیمم جائز نہیں اس کا ذکر نمبر ۹۰ میں گزرا اور باتباعِ امام زفر حکم یہ ہے کہ جب وقت جاتا دیکھے تیمم کر کے پڑھ لے جیسا کہ نمبر ۹۱ میں گزرا۔

مسئلہ (۹) منع یعنی دینے سے انکار دو قسم ہے ایک صراحۃً کہ صاف کہہ دے نہ دُوں گا یا اور الفاظ کہ ان معنی کو مؤدّی ہوں۔

دوسرا: دلالۃً یعنی اور کوئی امر کہ منع پر دلالت کرے۔ درمختار میں اس کی مثال اِستہلاک سے دی یعنی پانی خرچ کر لینا یا چھینک دینا کہ اب دینے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔ یونہی اگر بعض خرچ کر دیا اور باقی طہارتِ مطلوبہ کو کافی نہ رہا۔

مسئلہ(۱۰) منع کے بعد دینا مفید نہیں **کما فی الزیادات وصدر الشریعۃ والغنیۃ والبحر یاتی** (جیسا کہ زیادات، صدر الشریعۃ، غنیۃ اور بحر نے ذکر کیا اور آگے بھی آئے گا۔ ت) **اقول:** اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اس نے نماز سے پہلے مانگا اور اُس نے انکار کر دیا پھر نماز سے پہلے ہی دے دیا خواہ بطورِ خود یا اس کے دوبارہ مانگنے پر خواہ یہ دوبارہ مانگنا تیمم سے پہلے ہو یا بعد ہر حال میں یہ دینا مفید و معتبر ہے کہ اس عطا نے اُس منع کو منسوخ کر دیا اگر تیمم کر چکا ہے ٹوٹ گیا وضو کر کے نماز پڑھے اور اگر نماز سے پہلے انکار کیا اور نماز کے بعد دیا آپ یا اس کے مانگے پر تو یہ دینا معتبر نہیں کہ اُس کے انکار کے سبب عجز متحقق اور تیمم جائز اور نماز صحیح ہو چکی اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ **من سعی فی نقض ما تم من جھتہ فسعیہ مردود علیہ** (جو ایسے امر کو توڑنے کی کوشش کرے جو اس کی جانب سے مکمل ہو گیا اس کی کوشش اسی پر پلٹ جائے گی۔ ت) جب انکار سابق ہے تو عطائے لاحق قدرتِ سابقہ کیونکر ثابت کر سکتی ہے ہاں فی الحال قدرت ثابت ہو گی اب دیتے وقت تیمم ٹوٹے گا اور آئندہ کے لئے وضو کرے گا۔ اور اگر نماز سے پہلے انکار کیا اور عین نماز میں کہا لے لے نماز و تیمم دونوں جاتے رہے کہ اگر چہ قدرتِ سابقہ ثابت نہ ہوئی فی الحال تو ثابت ہُوئی اور وسطِ نماز میں اگر چہ قعدۂ اخیرہ کے بعد سلام سے پہلے متیمم کا پانی پر قادر ہونا نماز و تیمم کو باطل کرتا ہے۔

مسئلہ(۱۱) اَقول دینے کے بعد منع مفید ہے اور اس کا فائدہ صرف اس قدر ہے کہ تیمم اگر بوجہ عطا ناجائز ہُوا تھا اب جائز ہو جائے اس سے زیادہ وہ عطا کے کسی اَثر کو زائل نہیں کرتا مثلاً تیمم کے بعد اُس نے پانی دیا تیمم ٹوٹ گیا اب منع کرنے سے واپس نہ آئے گا یونہی اگر قبل تمام نماز دیا یا بے سبقتِ منع بعد نماز وقت دیا نماز جاتی رہی اب منع کرنے سے صحیح نہ ہو جائے گی۔ اور اگر اُس عطا سے تیمم خود ہی ممنوع ہوا تھا جب تو یہ منع کچھ بھی مفید نہ ہوگا کہ اس کا فائدہ اباحتِ تیمم تھا اور وہ پہلے سے حاصل ہے پھر اتنا فائدہ بھی اُس وقت ہے جب کہ پانی ابھی خرچ نہ ہُوا اور دینے والے کی مِلک پر باقی ہو اور لینے والا اُس میں تصرف سے ممنوع نہ ہو مثلاً پانی بطورِ اِباحت دیا اگر یہ تیمم پہلے کر چُکا تھا جاتا رہا ہنوز وضو پُورا نہ کیا تھا کہ اس نے منع کر دیا اب اسے پانی کا استعمال جائز نہ رہا یونہی اگر پانی ہبہ کیا تھا اور ابھی اس کا قبضہ نہ ہوا تھا کہ اس نے منع کر دیا کہ ہبہ قبلِ قبضہ ناتمام تھا اور اس کو منع کا اختیار حاصل اور اس صورت میں بھی تیمم اگر پہلے کر چکا تھا زائل کہ مجرد اباحتِ آب بلکہ نِرا وعدہ ناقضِ تیمم ہے نہ کہ ہبہ ہاں اگر یہ قبضہ کر چُکا تو اب اُس کا منع بیکار ہے کہ اس کی مِلک زائل ہو چکی اور بے رضا یا قضا اسے رجوع کا اختیار نہیں بخلاف اس صورت کے کہ پانی اُس کے ہاتھ بیچا اور بائع نے اپنا خیارِ شرط کیا تھا اور یہ ابھی پانی استعمال نہ کرنے پایا تھا کہ اُس نے بیع فسخ کر دی کہ یہاں اُسے اختیارِ تصرف پہلے ہی سے نہ تھا تیممِ سابق باقی رہا کہ بیع میں جب بائع کا خیارِ شرط ہو مبیع نہ اُس کی مِلک سے خارج ہو نہ مشتری کو اُس میں تصرف جائز اگر چہ باذنِ بائع قبضہ کر چکا ہو۔ اور جب وہ شرعاً اُس میں تصرف سے ممنوع ہے تو پانی پر قدرت ثابت نہ ہُوئی اور تیمم بحال رہا تو اس منع نے کوئی نیا فائدہ نہ دیا۔

مسئلہ(۱۲): ضروریہ اقول: یہاں ۲ دو مسئلے ہیں **ایک** یہ کہ پانی قریب ہونے کا ظنِ غالب ہو تو طلب یعنی تلاش واجب ہے بے تلاش تیمم جائز نہیں **دوسرا** یہ کہ کسی کے پاس پانی معلوم ہوا اور ظنِ غالب ہے کہ مانگے سے دے دے گا تو طلب یعنی مانگنا واجب

ہے بے مانگے تیمم جائز نہیں۔ پہلے مسئلہ کی نسبت شرح تعریفِ رضوی کے فائدہ پنجم میں ہم تحقیق کر آئے کہ یہ وجوب بمعنی اِشتراط ہے یعنی تلاش کر لینا شرطِ صحتِ تیمم ہے بے اس کے تیمم ونماز مطلقاً فی الحال باطل اگرچہ بعد کو یہی ظاہر ہو کہ پانی نہ تھا۔ص72 تا128

ایک طہارت میں پانی (وضو وغسل) اور مٹی (تیمم) جمع نہیں ہو سکتے

عامہ معتمدات میں تصریح ہے کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک ایک طہارت میں پانی اور مٹی جمع نہیں ہو سکتے مثلاً مُحدِث کے پاس اتنا پانی ہے کہ ہاتھ مُنہ دھولے یا جُنب کے پاس اتنا کہ وضو کرلے یا سارا بدن دھولے مگر چند اُنگل جگہ رہ جائے تو اُسے حکم ہے کہ صرف تیمم کرے اُن مواضع میں پانی خرچ کرنے کی اَصلاً حاجت نہیں کہ جب تک ناخن بھر جگہ باقی رہ جائے گی حدث وجنابت بدستور رہیں گے اُن میں ذرّہ بھر بھی کم نہ ہوگا کہ ہر حدث چھوٹا یا بڑا آتا ہے تو ایک ساتھ اور جاتا ہے تو ایک ساتھ اُس میں حصّے نہیں کہ بعض بدن کو حدث یا جنابت اب لاحق ہو بعض کو پھر یا بعض بدن سے اب دُور ہو جائے اور بعض سے کُچھ دیر میں اور جب بعدِ صَرف بھی حدث بدستور تو پانی کا خرچ کیا ضرور۔ یوں ہی اگر محدث کے اکثر اَعضائے وضو یا جنب کا اکثر بدن مجروح ہو تیمم کریں یہ نہیں کہ جتنا بدن صحیح ہے اتنا دھوئیں اور باقی کے لئے تیمم۔ص191

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقہ کے متون، شروح اور فتاوٰی

متون

اقول: یعنی جیسے مختصر امام طحاوی، مختصر امام کرخی، مختصر امام قدوری، کنز الدقائق، وَافی، وِقایہ، نُقایہ، اِصلاح، مختار، مجمع البحرین، مواھبُ الرحمن، ملتقی اور ایسی ہی دوسری کتابیں جو نقلِ مذہب کے لئے لکھی گئی ہیں۔ منیہ جیسی کتاب نہیں کہ اس کا درجہ فتاوٰی سے زیادہ نہیں اور میں نے دیکھا کہ تنویر الابصار میں قنیہ سے نقل شدہ روایات داخل ہیں جب کہ وہ امام محمد کی کتابوں میں منصوص مذہب سے متصادم ہیں۔ جیسا کہ ان میں سے بعض کا میں نے اپنی کتاب ''**کفل الفقیہ الفاھم فی حکم قرطاس الدراھم**'' میں بیان کیا ہے کتاب ''الاشباہ'' فتاوٰی کی نقول واَبحاث سے بھری ہوئی ہے تو اس کا درجہ فتاوٰی ہی کا ہے یا شروح کا، یہ ذہن نشین رہے، اور علمانے ہدایہ کو متون سے شمار کیا ہے باوجود یہ کہ وہ صورۃً شرح ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

شروح

اقول: جیسے کتبِ اصول کی شرحیں جو ائمہ نے لکھیں (کتبِ اصول یہ ہیں: جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زِیادات، سیر کبیر، سیر صغیر) اور مذکورہ مختصرات کی شرحیں جو تحقیق پر مبنی ہوں، اور مبسوط امام سرخسی، بدائع مَلِک العلماء، تبیین الحقائق، فتح القدیر، عِنایہ، بِنایہ، غایۃ البیان، دِرایہ، کِفایہ، نہایہ، حلیہ، غنیۃ، البحر الرائق، النہر الفائق، دُرَر احکام، دُرِّ مختار، جامعُ المضمرات، جوہرہ نیرہ، اِیضاح اور ایسی ہی دیگر کتابیں۔ میرے نزدیک ان ہی میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے غنیۃ شرنبلالی، حواشی خیر الدین رملی، ردالمحتار، منحۃ الخالق، اور ایسے ہی حواشی مجتبٰی، جامع الرموز، شرح ابی المکارم جیسی کتابیں نہیں۔ بلکہ سراج وہاج اور

شرح مسکین بھی نہیں۔ ۱۲ منہ غفر لہ (ت)

فتاوٰی

اقول: جیسے خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، خزانۃ المفتین، جواہر الفتاوی، محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں ہیں) ذخیرہ، واقعاتِ ناطفی، واقعاتِ صدر شہید، نوازلِ فقیہ، مجموع النوازل، ولوالجیہ ظہیریہ، عمدہ، کبری، صغری، تتمہ الفتاوٰی، صیرفیہ، فصولِ عمادی، فصول استروشنی، جامع صغار، تاتارخانیہ، ہندیہ۔ اور ایسی ہی کتابیں۔ ان ہی فتاوٰی میں منیہ بھی ہے جیسا کہ میں نے ذکر کیا۔ قنیہ، رحمانیہ، خزانۃ الروایات، مجمع البرکات اور ان کی برہان جیسی کتابیں نہیں۔ لیکن معروضات تو ان میں جو چھان بین اور تنقید و تنقیح پر مبنی ہوں وہ میرے نزدیک شروح کے درجہ میں ہیں جیسے فتاوٰی خیریہ اور علامہ شامی کی العقود الدریہ۔ اور مجھے امید ہے کہ میرا رب اپنے احسان و کرم سے میرے ان فتاوی کو بھی ان ہی کی سلک میں منسلک فرمائے گا کہ اہلِ کرم کے جام سے زمین کو بھی حصہ مل جاتا ہے۔ رہے فتاوٰی طُوری اور فتاوٰی محقق ابنِ نجیم تو ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قابلِ اعتماد نہیں۔ اور خدائے برتر ہی خُوب جاننے والا ہے۔ ۱۲ منہ غفر لہ (ت) ص208

اعلیٰ حضرت کے نزدیک کتبِ حدیث کی ترتیب

سب سے معتبر صحاح پھر سنن پھر مسانید، جیسے

صحاح: شیخین و منتقی وابن السکن و مختارہ اور میرے نزدیک ان ہی میں مؤطا امام مالک بھی ہے اور انہی سے متصل صحیح ابنِ حبان بھی، مستدرک جیسی کتب نہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

(سنن): جیسے ابوداؤد، نسائی اور ترمذی کی سنن ان ہی کے درجہ میں مسند رویانی بھی ہے اور ان ہی کے مثل بلکہ ان میں بعض سے بالاتر امام طحاوی کی شرح معانی الآثار، امام محمد کی کتابُ الآثار، امام محمد سے روایت شدہ حجِ عیسٰی بن ابان اور امام ابو یوسف کی کتاب الخراج ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے راضی ہو۔ (ت)

(مسانید): ان میں سب سے بزرگ تر مسندِ امام احمد ہے اور اسی درجہ میں دونوں مصنَّف (مصنَّف عبدالرزاق و مصنَّف ابنِ ابی شیبہ) اور طبرانی کی معجم کبیر و صغیر واَوسط بھی ہیں۔ مسندُ الفردوس اور اس جیسی کتابیں نہیں۔ وہ اس معنی میں مسند ہے بھی نہیں۔ بلکہ اس میں احادیثِ فردوس کی تخریج ہے۔ اس سے متعلق پوری بحث کا جسے شوق ہو وہ میرا رسالہ ''مدارج طبقات الحدیث'' ملاحظہ کرے۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)۔ ص210

غسل خانہ اوپر سے کھلا ہو تو؟

کھُلے غسل خانے میں ننگا نہ ہونا بہتر ہے اور اگر وہاں قریب بلند مکان ہوں جس سے اِحتمال ہو کہ کسی کی نظر پڑے گی تو وہاں تہبند رکھنے کی تاکید ہے، وہ احتمالِ نظر جتنا قوی ہوگا اُتنی ہی یہ تاکید بڑھتی جائے گی یہاں تک کہ اگر نظر پڑنے کا ظنِ غالب ہوگا تہبند رکھنا واجب ہوگا اور وہاں برہنہ نہانا گناہ۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** ۔ ص326

جامع مسجد میں ایک حوض وضو کے لئے تعمیر ہوا اس کے بنانے میں جو خرچ ہوا اس کی کیفیت یہ ہے کہ کچھ روپیہ تو اہلِ محلہ

سے لیا گیا اور اس کے علاوہ مبلغ عہ ۱۰ روپیہ مرغ بازی کی شرط کے بھی اسی حوض میں خرچ ہوئے اور کچھ روپیہ جو برادری میں کسی آدمی پر ایک مقدمہ میں ڈنڈ (جرمانہ) ڈالا گیا تھا وہ بھی اس حوض میں صرف ہوا، آیا اس حوض کے پانی سے وضو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس سے وضو جائز ہے اول تو حرام روپیہ حوض میں خود نہ لگایا گیا بلکہ اُس کے عوض اینٹ یا مسالا خریدا یا راج مزدوروں کی اُجرت میں دیا ہوگا بصورتِ اُجرت تو ظاہر ہے کہ اُس خبیث مال کو حوض سے تعلق نہ ہوا اور بصورتِ خریداری یہاں عام خریداریاں یوں ہوتی ہیں کہ اتنے کی فلاں چیز دے دو اُس نے دی اس کے قبضے میں آ گئی بیع تمام ہوگئی اس کے بعد قیمت دی جاتی ہے تو عقد ونقد زرِحرام میں جمع نہ ہوا تو خریدی شے میں خباثت نہ آئی **کما ھو قول الامام الکرخی المفتی بہ علی ما فصلناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی کا مفتٰی بہ قول ہے ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے مفصل بیان کیا ہے۔ت) اور اگر بالفرض عقد ونقد اُس شرا میں حرام پر جمع ہوئے ہوں مثلاً وہ زرِحرام دکھا کر کہا اس کے بدلے فلاں چیز دے اُس نے دے دی اس نے زرِحرام ثمن میں دے دیا تو اگرچہ اب وہ خریدی ہوئی شے خبیث ہُوئی مگر کیا معین کرسکتا ہے کہ وہ اینٹ یا مسالا کون سا ہے مجہول حالت میں حکمِ ممانعت نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر اکثر چُنائی ایسی ہی خبیث اشیا سے ہو تو اس سے وضو نہ کرنا مناسب ہے (کیونکہ بعض لوگوں کے نزدیک ایسی صورت میں اکثر کُل کے حکم میں ہوتا ہے۔ت) اگرچہ اس کے پانی میں کوئی نقص نہیں، نہ اس سے وضو صحیح و بے خلل ہونے میں کوئی نقص اگرچہ کل حوض کی تعمیر زرِحرام سے ہو **لان الکراھۃ لمجاور** (کیونکہ کراہت، اس سے ملنے والی چیز کے باعث ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص333

کنویں کا پانی ناپنے کا آسان طریقہ

ناپنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ رسّی میں پتھر باندھ کر آہستہ آہستہ چھوڑیں، خم نہ پڑے جب تہ کو پہنچ جائے نکال کر ناپیں کہ اتنے ہاتھ پانی ہے پھر جلد جلد سو ۱۰۰ ڈول کھینچ کر ایسے ہی ناپیں جتنا پانی گھٹا اس سے حساب لگالیں مثلاً بیس ۲۰ ہاتھ پانی ناپ میں آیا اور سو ۱۰۰ ڈول نکالنے سے ایک ہاتھ گھٹا تو ۱۹۰۰ ڈول اور نکالیں یا دو معتبر شخص کہ پانی میں نگاہ رکھتے ہوں اندازہ کرکے بتادیں کہ اس میں اتنے ڈول پانی ہے ہزار دو ہزار جتنے بتائیں اُس قدر نکال دیں **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص342

بابُ المسح علی الخُفَّین

سُوتی موزہ پر مسح جائز نہیں

سُوتی یا اُونی موزے جیسے ہمارے بلاد میں رائج ان پر مسح کسی کے نزدیک درست نہیں کہ نہ وہ مجلّد ہیں یعنی ٹخنوں تک چمڑا منڈھے ہوئے نہ منعّل یعنی تلا چمڑے کا لگا ہوا نہ ثخین یعنی ایسے دبیز ومحکم کہ تنہا اُنہیں کو پہن کر قطعِ مسافت کریں تو شق نہ ہوجائیں اور ساق پر اپنے دبیز ہونے کے سبب بے بندش کے رُکے رہیں ڈھلک نہ آئیں اور اُن پر پانی پڑے تو روک لیں فوراً پاؤں کی طرف چھن نہ جائے جو پائتابے ان تینوں وصف مجلد، منعل، ثخین سے خالی ہوں اُن پر مسح بالاتفاق ناجائز ہے۔ ہاں اگر اُن پر چمڑا منڈھ لیں یا چمڑے کا تلا لگالیں تو بالاتفاق یا شاید کہیں اُس طرح کے دبیز بنائے جائیں تو صاحبین کے نزدیک مسح جائز ہوگا اور اسی پر فتوٰی ہے۔ ص346

بابُ الحیض

ایامِ حیض میں اپنی عورت سے تمتُّع

کلیہ یہ ہے کہ حالتِ حیض ونفاس میں زیرِ ناف سے زانو تک عورت کے بدن سے بِلا کسی ایسے حائل کے جس کے سبب جسمِ عورت کی گرمی اس کے جسم کو نہ پہنچے تمتع جائز نہیں یہاں تک کہ اتنے ٹکڑے بدن پر شہوت سے نظر بھی جائز نہیں اور اتنے ٹکڑے کا چُھونا بلاشہوت بھی جائز نہیں اور اس سے اُوپر نیچے کے بدن سے مطلقاً ہر قسم کا تمتع جائز یہاں تک کہ سَحَقِ ذَکر کرکے اِنزال کرنا۔ص353

حیض کے بعد اپنی عورت سے بے نہائے صحبت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جو حیض اپنی پُوری مدّت یعنی دس دن کامل سے کم میں ختم ہوجائے اس میں دو صورتیں ہیں یا تو عورت کی عادت سے بھی کم میں ختم ہوا یعنی اس سے پہلے مہینے میں جتنے دنوں آیا تھا اُتنے دن بھی ابھی نہ گزرے اور خُون بند ہوگیا جب تو اس سے صحبت ابھی جائز نہیں اگر چہ نہالے اور اگر عادت سے کم نہیں مثلاً پہلے مہینے سات دن آیا تھا اب بھی سات یا آٹھ روز آکر ختم ہُوا یا یہ پہلا ہی حیض ہے جو اس عورت کو آیا اور دس ۱۰ دن سے کم میں ختم ہوا تو اُس سے صحبت جائز ہونے کے لئے دو باتوں سے ایک بات ضرور ہے یا (۱) تو عورت نہالے اور اگر بوجہِ مرض یا پانی نہ ہونے کے تیمم کرنا ہو تو تیمم کرکے نماز بھی پڑھ لے خالی تیمم کافی نہیں یا (۲) طہارت نہ کرے تو اتنا ہو کہ اس پر کوئی نمازِ فرض فرض ہوجائے یعنی نمازِ پنجگانہ سے کسی نماز کا وقت گزر جائے جس میں کم سے کم اس نے اتنا وقت پایا ہو جس میں نہا کر سر سے پاؤں تک ایک چادر اُوڑھ کر تکبیرِ تحریمہ کہہ سکتی تھی اس صورت میں بے طہارت کے بھی اُس سے صحبت جائز ہوجائے گی ورنہ نہیں مگر یہ کہ عورت کتابیہ، یہودیہ یا نصرانیہ ہو تو اُس سے مطلقاً بے نہائے صحبت جائز ہے جبکہ اِنقطاعِ حیض ایامِ عادت سے کم میں نہ ہوا ہو۔ص352

نفاس میں چلّہ کا حکم

یہ جو عوام جاہلوں عورتوں میں مشہور ہے کہ جب تک چلّہ نہ ہوجائے زچہ پاک نہیں ہوتی محض غلط ہے خون بند ہونے کے بعد ناحق ناپاک رہ کر نماز روزے چھوڑ کر سخت کبیرہ گناہ میں گرفتار ہوتی ہیں مردوں پر فرض ہے کہ انہیں اس سے باز رکھیں نفاس کی زیادہ حد کے لئے چالیس ۴۰ دن رکھے گئے ہیں نہ یہ کہ چالیس دن سے کم کا ہوتا ہی نہ ہو اس کے کم کے لئے کوئی حد نہیں اگر بچّہ جَننے کے بعد صرف ایک منٹ خون آیا اور بند ہوگیا عورت اُسی وقت پاک ہوگئی نہائے اور نماز پڑھے اور روزے رکھے، اگر چالیس دن کے اندر اُسے خُون عود نہ کرے گا تو نماز روزے سب صحیح رہے گے۔ چُوڑیاں، چارپائی، مکان سب پاک ہیں فقط وہی چیز ناپاک ہوگی جسے خون لگ جائے گا بغیر اس کے ان چیزوں کو ناپاک سمجھ لینا ہندوؤں کا مسئلہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ص356

کوئی شخص اپنی بی بی سے حیض یا نفاس کی حالت میں صحبت کرے تو اُس کا کفارہ کیا ہے؟

بالجملہ حاصلِ جمعِ احادیث یہ ٹھہرا کہ جس سے نادانستہ ایسا واقع ہُوا اگر آخرِ حیض میں تھا (اور اسی میں حکماً وہ صورت داخل کہ خون دس دن سے کم میں منقطع ہوا اور عورت نے ابھی غسل نہ کیا نہ کوئی نماز اس پر دَین ہُوئی) وہ ایک خُمس دینار کفارہ دے اور اگر شبابِ حیض میں تھا تو دو خُمس اور جس نے دانستہ ایسا کیا اگر آخرِ حیض میں تھا نصف دینار دے اور اوّل میں تو ایک دینار، ہاں ایک کی طاقت نہ ہو تو نصف ہی دے۔ یہ سب حکمِ استحبابی ہے، واجب نہیں مگر اِستغفار۔ ص364

عورت حیض کی حالت میں ہے تو وہ پانچ کلمے اپنی زبان سے پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟

حالتِ حیض میں صرف قرآنِ عظیم کی تلاوت ممنوع ہے کلمے پانچوں پڑھ سکتی ہے کہ اگر چہ اُن میں بعض کلماتِ قرآن ہیں مگر ذِکر وثنا ہیں اور کلمہ پڑھنے میں نیتِ ذکر ہی ہے نہ نیتِ تلاوت، تو جواز یقینی ہے۔ **كماصرحوابه قاطبة** (جیسا کہ تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ ص365

اگر کسی اردو کتاب یا اخبار میں چند آیاتِ قرآن بھی شامل ہوں تو کیا اُس کو بلاوضو چھونا یا پڑھنا جائز ہے؟

کتاب یا اخبار جس جگہ آیت لکھی ہے خاص اُس جگہ کو بلاوضو ہاتھ لگانا جائز نہیں اُسی طرف ہاتھ لگایا جائے جس طرف آیت لکھی ہے خواہ اس کی پُشت پر دونوں ناجائز ہیں باقی ورق کے چُھونے میں حرج نہیں پڑھنا بے وضو جائز ہے۔ نہانے کی حاجت ہو تو حرام ہے **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ ص366

معذورِ شرعی کو نماز کے دوران نماز کا وقت ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو؟

اگر وقت قلیل رہ گیا اور خلالِ نماز میں خروجِ وقت کا اندیشہ ہے واجبات پر اِقتصار کرے مثلاً ثنا وتعوذ ودرود، دعا ترک کرے رکوع وسجود میں صرف ایک بار سبحٰنَكَ کہے اور اگر واجبات کی بھی گنجائش نہیں تو بجائے فاتحہ صرف ایک آیت پڑھے غرض فرائض پر قناعت کرے اور خروجِ وقت مشکوک ہو جائے تو شک سے نہ وقت خارج مانا جائے گا نہ وضو ساقط **لان اليقين لايزول بالشك** (اس لئے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ت) ہاں اگر اقتصار علی الفرائض پر بھی خروجِ وقت بالیقین ہو جائے گا تو اگر کسی امام کے نزدیک نماز ہو سکے گی اُس کے اِتباع سے پڑھ لے **فان الاداء الجائز عند البعض اولیٰ من الترك كمافی الدر** (بلاشبہ ایسی ادائیگی جو بعض کے نزدیک جائز ہو، چھوڑنے کی نسبت اَولیٰ ہے جیسا کہ دُرمختار میں ہے۔ت) پھر قضا پڑھے اِس وقت مذاہبِ دِیگر کی طرف مراجعت کی مہلت نہ ملی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ ص374

بَابُ الْاَنْجَاس (نجاستوں کا بیان)

بواسیر والے کے لئے نماز پڑھنے کا مسئلہ

مسّوں سے اگر رطوبت بہہ کر نہ نکلے بلکہ ان کی سطحِ بالا پر تری ہو کہ کپڑا الگ کر چھڑالائے جب تو اُس سے کپڑا ناپاک نہ ہوگا بے تکلّف نماز پڑھے اور اس تقدیر پر اُس کے نکلنے سے وضو بھی نہ جائے گا **لان مالیس بحدث لیس بنجس** (کیونکہ

جو چیز حدث نہیں وہ ناپاک بھی نہیں۔ت) ہاں جبکہ بہہ کر نکلتی ہے تو وضو کی بھی ناقض ہے اور دِرم بھر سے زائد جگہ میں ہو تو کپڑا بھی نجس کرے گی جبکہ وہ ہر وقت نکلتی ہے تو اُسے حکمِ معذور ہے پانچ وقت تازہ وضو کرے۔ رہا کپڑا اگر سمجھتا ہے کہ پاک کپڑا بدل کر فرض پڑھے گا تو اُس کے ایک دِرم سے زائد بھرنے سے پیشتر فرض ادا کرلے گا جب تو اُس پر لازم ہے کہ ہر وقت پاک کپڑا بدلے اور اگر جانتا ہے کہ فرض پڑھنے کی مہلت نہ ملے گی اور کپڑا پھر اُتنا ہی ناپاک ہوجائے گا تو اُسے معافی ہے اُسی کپڑے سے پڑھے {لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا} (اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔ص375

ہاتھی دانت کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

جائز ہے۔بیہقی نے بقیہ سے عمرو بن خالد سے قتادہ سے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم عاج کا کنگھا کرتے تھے۔(ت) مراقی الفلاح میں ہے: اَصح قول کے مطابق ہاتھی باقی درندوں کی طرح ہے واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔(ت) ص377

ہڈی ہر جانور کی پاک ہے حلال ہو یا حرام، مذبوح ہو یا مردار جبکہ اس پر بدنِ میتہ کی کوئی رطوبت نہ ہو سوا سوئر کے کہ اس کی ہر چیز ناپاک ہے مسواک میں ہاتھی دانت کی ہڈی ہو تو کچھ حرج نہیں، ہاں اس کا ترک بہتر ہے۔ص471

عمومِ بلوی نجاستِ متفق علیہا میں باعثِ تخفیف ہے

پُڑیا کی نجاست پر فتوٰی دیے جانے میں فقیر کو کلام کثیر ہے مُلَخَّص اُس کا یہ کہ پُڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریقۂ شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں اِبتلائے عام ہے اور عمومِ بلویٰ نجاستِ متفق علیہا میں باعثِ تخفیف۔

حتی کہ نصِ قطعی کی جگہ میں جیسا کہ سوئی کے سرے برابر پیشاب کے چھینٹے (باعثِ تخفیف ہیں) جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں تحقیق فرمائی ہے۔(ت) نہ کہ محلِ اختلاف میں جو زمانۂ صحابہ سے عہدِ مجتہدین تک برابر اِختلافی چلا آیا نہ کہ جہاں صاحبِ مذہب حضرتِ امامِ اعظم وامام ابو یوسف کا اصل مذہب طہارت ہو اور وہی امامِ ثالث امام محمد سے بھی ایک روایت اور اُسی کو امام طحاوی وغیرہ ائمۂ ترجیح وتصحیح نے مختار ومرجح رکھا ہو نہ کہ ایسی حالت میں جہاں اُس مصلحت کو بھی دخل نہ ہو جو متأخرین اہلِ فتوٰی کو اصل مذہب سے عدول اور روایتِ اُخریٰ امام محمد کے قبول پر باعث ہوئی نہ کہ جب مصلحت اُلٹی اس کے ترک اور اصل مذہب پر اِفتا کی موجب ہو تو ایسی جگہ بِلا وجہ بلکہ بَرخلاف وجہ مذہبِ مہذب صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترک کرکے مسلمانوں کو ضیق وحرج میں ڈالنا اور عامہ مومنین ومومنات جمیع دیار واقطارِ ہندیہ کی نمازیں معاذ اللہ باطل اور انہیں آثم ومُصِر علی الکبیرہ (گناہ گار اور گناہِ کبیرہ پر اصرار کرنے والا۔ت) قرار دینا روشِ فقہی سے یکسر دُور پڑنا ہے وباللہ التوفیق۔ص381

رنگت کی پُڑیا سے ورع کے لئے بچنا اَولیٰ ہے پھر بھی اس سے نماز نہ ہونے پر فتوٰی دینا آج کل سخت حرج کا باعث ہے۔لہذا اس مسئلہ میں مذہبِ حضرت امام اَعظم وامام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہمارے ان اماموں کے مذہب پر پُڑیا کی رنگت سے نماز بلاشبہ جائز ہے۔فقیر اس زمانے میں اسی پر فتوٰی دینا پسند کرتا ہے۔ص390

ہر جانور کی قے اس کی بیٹ کا حکم رکھتی ہے

ہر جانور کی قے اس کی بیٹ کا حکم رکھتی ہے جس کی بیٹ پاک ہے جیسے چڑیا یا کبوتر، اس کی قے بھی پاک ہے۔ اور جس کی نجاستِ خفیفہ ہے جیسے باز یا کوّا، اُس کی قے بھی نجاستِ خفیفہ، اور جس کی نجاستِ غلیظہ ہے جیسے بط یا مرغی، اس کی قے بھی نجاستِ غلیظہ، اور قے سے مراد وہ کھانا پانی وغیرہ ہے جو پوٹے سے باہر نکلے کہ جس جانور کی بیٹ ناپاک ہے اس کا پُوٹا معدنِ نجاسات ہے پُوٹے سے جو چیز باہر آئے گی خود نجس ہوگی یا نجس سے مل کر آئے گی بہر حال مثلِ بیٹ نجاست رکھے گی خفیفہ میں خفیفہ، غلیظہ میں غلیظہ بخلاف اُس چیز کے جو ابھی پوٹے تک نہ پہنچی تھی کہ نکل آئی۔ مثلاً مُرغی نے پانی پیا ابھی گلے ہی میں تھا کہ اُچّھو لگا اور نکل گیا یہ پانی بیٹ کا حکم نہ رکھے گا لانہ ما استحال الی نجاسة ولا لاقی محلھا (کیونکہ اس نے نجاست میں حلول نہیں کیا اور نہ ہی نجاست کی جگہ سے ملا۔ ت) بلکہ اُسے سؤر یعنی جھوٹے کا حکم دیا جائے گا کہ اُس کے منہ سے مل کر آیا ہے اُس جانور کا جھوٹا نجاستِ غلیظہ یا خفیفہ یا مشکوک یا مکروہ یا طاہر جیسا ہوگا ویسا ہی اس چیز کو حکم دیا جائے گا جو معدہ تک پہنچنے سے پہلے باہر آئی جو مُرغی چھوٹی پھرے اُس کا جھوٹا مکروہ ہے یہ پانی بھی مکروہ ہوگا اور پوٹے میں پہنچ کر آتا تو نجاستِ غلیظہ ہوتا۔

اقول: اس نفیس تحقیق کو محفوظ کرلو شاید تم اسے بڑی کتب میں بھی بالتصریح نہ پاؤ بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اسے علماءِ کرام کے کلام سے روزِ روشن کی طرح واضح استنباط کیا ہے۔ (ت) ص 390

نجس چیز کو نجاستِ مرئیہ اور غیر مرئیہ سے پاک کرنے کا طریقہ

نجاست اگر مرئیہ ہو یعنی خشک ہونے کے بعد بھی نظر آئے تو اُس کی تطہیر میں عدد اصلاً شرط نہیں بلکہ زوالِ عین درکار ہے خواہ ایک بار میں ہو جائے یا دس بار میں مگر بقائے اَثر بقائے عین پر دلیل تو زوالِ اَثر مثلِ رنگ و بو ضرور لیکن وہ اَثر جس کا زوال دشوار ہو معاف کیا جائے گا، صابُون یا گرم پانی وغیرہ سے چُھڑانے کی حاجت نہیں۔

اور غیر مرئیہ کہ سُوکھنے کے بعد نہ دکھائی دے اس میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول پر غلبۂ ظن کا اعتبار ہے یعنی جب گمان غالب ہو جائے کہ اب نجاست نکل گئی پاک ہو گیا اگرچہ یہ غلبۂ ظن ایک ہی بار میں حاصل ہو یا زائد میں، اور دوسرے قول پر تثلیث یعنی تین بار دھونا شرط ہے ہر بار اِتنا نچوڑیں کہ بوند نہ ٹپکے اور نچوڑنے کی چیز نہ ہو تو ہر بار خشک ہونے کے بعد دوبارہ دھوئیں اس قول پر اگر یوں تثلیث نہ کرے گا طہارت نہ ہوگی، ایک جماعتِ علماء نے فرمایا یہ طریقہ خاص اہلِ وسواس کے لئے ہے جسے وسوسہ نہ ہو وہ اُسی غلبۂ ظن پر عمل کرے، ان علماء کا قصد یہ ہے کہ دونوں قولوں کو ہر دو حالت وسوسہ و عدمِ وسوسہ پر تقسیم کر کے نزاع اُٹھا دیں۔

اقول: مگر یہ تطبیق عام متون کے ظاہر اِطلاق کے مناسب معلوم نہیں ہوتی کیونکہ وسوسے والے لوگ دوسروں کی نسبت بہت کم ہیں اور حکم کا اطلاق جو غالب اکثریت سے مختص ہے وہ (عقل سے) نہ تو بعید ہے اور نہ ہی غیر معروف، بخلاف اس کے عکس کے جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ت) دُوسری جماعتِ ائمہ نے فرمایا قولِ ثانی قولِ اول کی تحدید و تقدیر ہے یعنی یہ غلبۂ ظن غالباً تین بار میں حاصل ہوتا ہے یعنی اعتبار غالب کا ہوتا ہے اور احکام کی بنیاد بھی یہی ہے، قلیل و کمیاب سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔ (ت)

اس تقدیر پر دونوں قول قولِ ثانی کی طرف عود کر آئیں گے ہدایہ وکافی ودُرَر وغنیہ وتنویر وغیرہا میں اسی طرف میل فرمایا اور بیشک وہ بہت قرینِ قیاس ہے، بالجملہ دنوں قول نہایت باقوت ہیں اور دونوں کو ظاہرُ الرِّوَایۃ کہا گیا اور دونوں طرف تصحیح وترجیح۔

اقول: مگر قولِ ثانی عامہ متون میں مذکور اور غالباً اُسی میں اِحتیاط زیادہ اور اُس میں اِنضباط اَزْید اور آج کل اگر بعض لوگ موسوس ہیں تو بہتیرے مُداہن وبے پرواہیں انہیں ایک ایسے غیر منضبط بات بتانے میں اُن کی بے پرواہی کی مطلقُ العنانی ہے لہذا قولِ ثانی ہی پر عمل اَنْسَب واَلْیَق ہے اور ہدایہ وکافی کی توفیقِ حسن پر تو قولِ ثانی کے سوا دوسرا قول ہی نہیں، بہر حال ایک بار دھونے سے جبکہ زوالِ نجاست کا ظن غالب نہ ہو اور غالباً بلا مبالغہ سَرسَرِی طور پر ایک دفعہ دھونے میں ایسا ہی ہوگا تو اس صورت میں بالاتفاق طہارت حاصل نہ ہوگی۔ص392

جُوتے پر پیشاب پڑ گیا اور اس پر خاک جم کر سُتْدَار ہو گیا تو رگڑنے سے پاک ہو جائے گا یا نہیں؟

جُوتے پر اگر پیشاب پڑ گیا اور اس پر خاک جم گئی تو ایسے مَلنے سے جس سے اُس کا اثر زائل ہو جائے پاک ہو جائے گا ورنہ بغیر دھونے کے پاک نہ ہوگا۔ص395

اگر پکی ہوئی کھچڑی یا چاول میں یا چُونے میں چُوہے کی مینگنی نکلے تو کیا حکم ہے؟

چُوہے کی مینگنی اگر چاول کھچڑی روٹی وغیرہ کھانے کی چیزوں میں نکلے تو اسے پھینک کر وہ اشیا کھالی جائیں بشرطیکہ اس کا رنگ یا بُو یا مزہ ان میں نہ آ گیا ہو اور اگر چُونے میں نکلے اور وہ چونا جما ہوا ہے تو اس کے قریب کا پھینک کر باقی کھالیں اور بہتا ہوا ہے تو اس سب سے اِحتراز کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ص398

ذبح کی ہوئی مُرغیوں کو پیٹ چاک کرنے کے بغیر پکایا تو؟

ایک آدمی کہتا ہے کہ ذبح کی ہوئی مُرغیوں کے پَر اُکھیڑنے اور پیٹ چاک کیے بغیر ان کو گرم پانی میں ڈالتے ہیں پھر باہر نکال کر پَر اُکھاڑ کر پکاتے ہیں چونکہ پیٹ چاک نہ کرنے کی وجہ سے پیٹ کی آلائش اندر ہی رہتی ہے لہذا وہ مردار ہو گیا، بِنا بَریں اس مذبوحہ جانور کے حلال وحرام ہونے میں شک پیدا ہو گیا اس مسئلہ کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے اس عمل کا مقصد مرغیوں کو اس پانی میں پکانا نہیں ہے بلکہ یہی ان کی ظاہری جلد کو حرارت پہنچانا ہے تاکہ پَر کی جڑوں والی جگہ ڈھیلی اور نرم پڑ جائے اور پروں کا اُکھاڑنا آسان ہو جائے۔ اس کام کے لئے اتنے گرم پانی کا ہونا ضروری نہیں جو جوش کی حالت کو پہنچ چکا ہو نہ ہی زیادہ ٹھہرنا جو پانی اور اس کے اجزا کا گوشت کے اندرونی اجزاء میں سرایت کرنے کا باعث بنے بلکہ اگر وہ ایسا کریں تو اُن کے مقصد میں نقصان ہوگا، پس اتنے کام سے کہ نیم گرم پانی میں رکھیں یا اُبلے ہوئے پانی میں زیادہ دیر نہ رکھیں نجاست، گوشت کے اجزاء میں سرایت نہیں کرتی محض ظاہری سطح تک پہنچتی ہے لہذا اس صورت میں ہرگز مردار ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور اس کے پاک وحلال ہونے کے لئے یہی کافی سند ہے کہ گوشت کو تین بار پانی سے دھوئیں اور نچوڑیں اور کام میں لائیں۔ (ت)

البتہ اگر مرغیوں کو اُبلتے ہوئے پانی میں اتنا وقت رکھیں کہ پانی کے جوش اور اس میں ٹھہرنے کی وجہ سے اندر کی نجاست

گوشت کی گہرائیوں میں سرایت کر جائے تو اس وقت مفتٰی بہ قول کے مطابق وہ مردار ہوجائیں گی، کیونکہ اسے کسی طریقے سے بھی پاک اور حلال نہیں کیا جاسکتا۔ (ت)

جو شخص یہ کام کرنا چاہے اس کے لئے بہتر اور زیادہ محتاط یہ ہے کہ پہلے مرغی کا پیٹ چاک کرکے اسے آنتوں سے پاک کرے اور بہنے والے خون کو جو گردن وغیرہ پر جم جاتا ہے دھولے اس کے بعد جس پانی میں چاہے رکھے تاکہ گوشت کے ناپاک ہونے سے مطمئن ہو۔ ص386

کتا نجسِ عین نہیں

بالجملہ قولِ اَصح واَرجح بلکہ ماخوذ ومعمول ومفتٰی بہ وہی طہارتِ عین ہے تو جتنے اُمور بربنائے نجاستِ عین مانے جاتے ہیں سب خلافِ معتمد ومخالف قولِ مختار ومشیَّد ہیں۔

پس عندالتحقیق اُس کے بال بھی پاک، کھال بھی پاک، ذبح ودباغت باعثِ تطہیرِ جلد (اس قول کے مطابق جو ہمارے نزدیک متفق علیہ ہے اور دو تصحیحوں سے کمزور تر تصحیح کے مطابق گوشت بھی پاک ہے۔ت) زندہ ومردہ مذبوح وغیر مذبوح ہر حالت میں دانت پاک، ناخن پاک، اگر کنویں میں گرا اور زندہ نکل آیا اور بدن پر کوئی نجاست معلوم نہ تھی نہ لعاب پانی کو پہنچا تو پانی پاک، تطییباً للقلب صرف بیس ۲۰ ڈول نکالے جائیں، کیچڑ وغیرہ پر چلا ہے اور وہیں آدمی برہنہ پا چلے تو پاؤں نجس نہ ہوں گے پانی میں بھیگا ہُوا چٹائی پر لیٹے یا بدن جھاڑے اور اس کی چھینٹوں سے کپڑا وغیرہ تر ہوجائے ناپاک نہ ہوگا جب تک بدن پر نجاست نہ ہو۔ ص451

بدن سے نجاست دُور کرنے میں دھونا یعنی پانی وغیرہ بہانا شرط نہیں

یہ مسئلہ اگرچہ ہمارے ائمۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں مختلف فیہ اور مشائخ فتوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم میں معرکۃ الآراء رہا ہے مگر فقیر غفراللہ تعالٰی اسی پر فتوٰی دیتا ہے کہ بدن سے نجاست دُور کرنے میں دھونا یعنی پانی وغیرہ بہانا شرط نہیں بلکہ اگر پاک کپڑا پانی میں بھگو کر اس قدر پونچھیں کہ نجاستِ مرئیہ ہے تو اس کا اثر نہ رہے مگر اُتنا جس کا ازالہ شاق ہو اور غیر مرئیہ ہے تو ظنِ غالب ہوجائے کہ اب باقی نہ رہی اور ہر بار کپڑا تازہ لیں یا اُسی کو پاک کرلیا کریں تو بدن پاک ہوجائے گا اگرچہ ایک قطرہ پانی کا نہ بہے یہ مذہب ہمارے امام مذہب سیدنا امام اَعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہے اور یہاں امام محمد بھی اُن کے موافق ہیں اور بہت اکابر ائمۂ فتوٰی نے اسے اختیار فرمایا اور عامۂ کتبِ معتبرۂ مذہب میں بہت فروع اسی پر مبتنی ہیں تو اس پر بے دَغدَغہ عمل کیا جاسکتا ہے مثلاً (۱) انگلی پر کچھ نجاست لگ گئی تھی اسے خبر نہ تھی کسی وجہ سے انگلی تین بار چاٹ لی یہاں تک کہ اُس کا اَثر جاتا رہا انگلی پاک ہوگئی۔ (۲) عورت کے سرِ پستان پر ناپاکی تھی بچّے نے دُودھ پیا یہاں تک کہ اثرِ نجاست زائل ہوا پستان پاک ہوگئی (۳) شراب پی، اس کے بعد لَب تین بار چاٹ لئے اور لعاب دہن میں پیدا ہوکر بار بار نگل لیا یہاں تک کہ اِثرِ خمر نہ رہا منہ پاک ہوگیا۔ (۴) یونہی بلّی نے چوہا کھا کر زبان سے اپنا منہ صاف کرلیا اور دیر گزری کہ دہن بوجہِ لعاب صاف ہوگیا اُس کے بعد پانی پیا، پانی ناپاک نہ ہوگا۔ (۵) قے ہوئی اور اتنی دیر کے بعد کہ آمد ورفتِ لعاب نے اس کا اَثر کھودیا نماز پڑھی نماز ہوگئی۔

(٦) پچھنے لگائے اور موضعِ خون کو بھیگے ہوئے پاکیزہ کپڑے کے تین ٹکڑوں سے پونچھ دیا پاک ہوگیا یہ صورتِ مسئولہ کا خاص جزئیہ ہے کہ محیطِ رضوی وفتاوٰی ذخیرہ وتتمۃ الفتاوٰی ظہیریہ وحلیہ وغیرہا میں اُس کی تصریح ہے۔ص 464

رسالہ:الاحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر (1303ھ)

(یہ رسالہ شکر روسر کے طالبِ (حکمِ شرعی) کے لئے شکر سے زیادہ میٹھا ہے)

اشیاء کی حِلّت وحُرمت کی تحقیق

مقدمہ ٔ اولیٰ:

ہڈیاں ہر جانور یہاں تک کے غیر ماکول ونا مذبوح کی بھی مطلقاً پاک ہیں جب تک ان پر ناپاک دَسُومَت (چکنائی) نہ ہو سِوا خنزیر کے کہ نجسُ العین ہے اور اس کا ہر جزوِ بدن ایسا ناپاک کہ اَصلاً صلاحیتِ طہارت نہیں رکھتا، اور دَسومت میں قیدِ ناپا کی اس غرض سے ہے کہ مثلاً جو جانور خونِ سائل نہیں رکھتے اُن کی ہڈیاں بہر حال پاک ہیں اگر چہ دسومت آمیز ہوں کہ ان کی دسومت بوجہ عدمِ اِختلاطِ دم خود پاک ہے تو اس کی آمیزش سے اِستخواں کیونکر ناپاک ہوسکتے ہیں۔

مگر حلال وجائزُ الاکل صِرف جانور ماکولُ اللحم مذکی یعنی مذبوح بَذَبحِ شرعی کی ہڈیاں ہیں حرام جانور اور ایسے ہی جو بے ذکاۃِ شرعی مرجائے یا کاٹا جائے بجمیع اجزائہٖ حرام ہے اگر چہ طاہر ہو کہ طہارت مستلزمِ حلت نہیں جیسے سنکھیا بقدرِ مضرت اور انسان کا دودھ بعدِ عمرِ رضاعت اور مچھلی کے سِوا جانورانِ دریائی کا گوشت وَغیرَ ذٰلک کہ سب پاک ہیں اور باوجودِ پاکی حرام۔

مقدمہ ٔ ثانیہ:

شریعتِ مطہرہ میں طہارت وحلّت (عــہ ۱)[1] اصل ہیں اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اِثبات میں کسی دلیل کا محتاج نہیں اور حرمت ونجاست عارضی کہ ان کے ثبوت کو دلیلِ خاص درکار اور محض شکوک وظنون سے اُن کا اِثبات ناممکن کہ طہارت وحلت پر بوجہِ اِصالت جو یقین تھا اُس کا زوال بھی اس کے مثلِ یقین ہی سے متصور نہ ظنِ لاحق یقینِ سابق کے حکم کو رفع نہیں کرتا یہ شرع شریف کا ضابطۂ عظیمہ ہے جس پر ہزارہا اَحکام متفرع، یہاں تک کہ کہتے ہیں تین چوتھائی فقہ سے زائد اس پر مبتنی اور فی الواقع جس نے اس قاعدہ کو سمجھ لیا وہ صدہا وساوسِ ہائلہ وفتنہ پردازیِ اوہامِ باطلہ ودست اندازیِ ظنونِ عاطلہ سے اَمان میں رہا۔

اور یہ نفیس ضابطہ نہ صرف اسی قسم کے مسائل میں بلکہ ہزارہا جگہ کام دیتا ہے جب کسی کو کسی شے پر منع وانکار کرتے اور اُسے حرام یا مکروہ یا ناجائز کہتے سنو جان لو کہ بارِ ثبوت اُس کے ذمّہ ہے جب تک دلیلِ واضح شرعی سے ثابت نہ کرے اُس کا دعوٰی اُسی پر مردود اور جائز ومباح کہنے والا بالکل سبکدوش کہ اس کے لئے تمسک بالاصل موجود، علماء فرماتے ہیں یہ قاعدہ نصوص علیہ احادیثِ نبویہ علٰی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ وتصریحاتِ جلیہ حنفیہ وشافعیہ وغیرہم عامہ علما وائمہ سے ثابت یہاں تک کہ کسی عالم کو اس میں خلاف نظر نہیں آتا۔

---

[1]: (عــہ ۱): یعنی سوا بعض اشیاء کے جن میں حرمت اصل ہے جیسے دماء وفروج ومضار۔ ۱۲منہ (ت)

مقدمہ ثالثہ:

احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیقِ بالغ وثبوتِ کامل کسی شے کو حرام ومکروہ کہہ کر شریعتِ مطہرہ پر اِفترا کیجئے بلکہ احتیاط اِباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن اور بے حاجتِ مُبیِّن خود مُبیَّن۔

مقدمہ رابعہ:

بازاری اَفواہ قابلِ اِعتبار اوراَحکامِ شرع کی مناط ومدار نہیں ہوسکتی بہت خبریں بے سروپا ایسی مُشتہر ہوجاتی ہیں جن کی کچھ اصل نہیں یا ہے تو بہزار ۱۰۰۰ تفاوت، اکثر دیکھا ہے ایک خبر نے شہر میں شہرت پائی اور قائلوں سے تحقیق کیا تو یہی جواب ملا کہ سُنا ہے نہ کوئی اپنا دیکھا بیان کرے نہ اُس کی سند کا پتا چلے کہ اصل قائل کون تھا جس سے سُن کر شُدہ شُدہ اس اِشتہار کی نوبت آئی یا ثابت ہُوا تو یہ کہ فلاں کافر یا فاسق منتہائے اِسناد تھا پھر معلوم ومشاہد کہ جس قدر سلسلہ بڑھتا جاتا ہے خبر میں نئے نئے شگوفے نکلتے آتے ہیں زید سے ایک واقعہ سُنیے کہ مجھ سے عمرو نے کہا تھا عمرو سے پُوچھیے تو وہ کچھ اور بیان کرے گا اور بکر کا نام لے گا بکر سے دریافت ہوا تو اور تفاوت نکلا۔ علی ھذا القیاس۔ الخ حدیثِ موقوف میں ہے شیطان آدمی کی شکل بن کر لوگوں میں جھوٹی بات مشہور کردیتا ہے سُننے والا اوروں سے بیان کرتا اور کہتا ہے مجھ سے ایک شخص نے ذکر کیا جس کی صورت پہچانتا ہوں نام نہیں جانتا۔ علماء فرماتے ہیں اَفواہی خبر اگرچہ تمام شہر بیان کرے سننے کے قابل نہیں نہ کہ اس سے کوئی حکم ثابت کیا جائے۔

مقدمہ خامسہ:

حلت، حرمت، طہارت، نجاست، احکامِ دینیہ ہیں ان میں کافر کی خبر محض نامعتبر۔ یعنی جب ضمنِ معاملات میں نہ ہو مثلاً کافر گوشت لایا اور کہا مسلمان سے خریدا ہے بات اُس کی مقبول اور گوشت حلال اور جو کہا: مجوسی کا ذبیحہ ہے قول اُس کا ماخوذ اور لحم حرام وکم من شیء یثبت ضمنا ولا یثبت قصدا منہ (بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں اور قصداً ثابت نہیں ہوتیں۔ت)

ہاں فاسق ومستور میں اتنا ہے کہ اُن کی خبر سُن کر تحری واجب اگر دل پر اُن کا صدق جمے تو لحاظ کرے جب تک دلیلِ اَقوی معارِض نہ ہو اور کافر میں اس کی بھی حاجت نہیں مثلاً پانی رکھا ہو کافر کہے ناپاک ہے تو مسلمان کو رَوا کہ اُس سے وضو کرلے یا گوشت خریدا ہو کافر کہے اس میں لحمِ خنزیر ملا ہے مسلمان کو اُس کا کھانا حلال اگرچہ اس کا صدق ہی غالب ہوا گرچہ اُس کی یہ بات دل پر کچھ (عــہ ۱)[1] جمتی ہوئی ہو کہ جو خُدا کو جھٹلاتا ہے اُس سے بڑھ کر جھوٹا کون پھر ایسے کی بات محض واہیات البتہ احتیاط کرے تو بہتر وہ بھی وہاں جب کچھ حرج نہ ہو۔

مقدمہ سادسہ:

کسی شے کا محلِ اِحتیاط سے دُور یا کسی قوم کا بے اِحتیاط وشعور اور پروائے نجاست وحرمت سے مہجور ہونا اسے مستلزم نہیں کہ

---

[1]: (عــہ ۱): کچھ اس لئے کہ مجرد خبرِ کافر کا بے ملاحظۂ اُمورِ دیگر جو اس کے مؤیدات وقرائن ہوں قلبِ مومن پر ٹھیک ٹھیک جمنا کالمحال ہے۔ ۱۲ منہ (م)

وہ شے یا اُس قوم کی استعمالی، خواہ بنائی ہوئی چیزیں مطلقاً ناپاک یا حرام وممنوع قرار پائیں کہ اس سے اگر یقین ہُوا تو اُن کی بے احتیاطی پر اور بے اِحتیاطی مقتضیِ وقوعِ دائم نہیں پھر نفسِ شے میں سوا ظنون وخیالات کے کیا باقی رہا جنہیں اَمثالِ مقام میں شرع مطہر لحاظ سے ساقط فرما چکی (جیسا کہ ہم نے دوسرے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ت) اور توضیحاً للمرام مسائلِ (شرع) سے اس کے چند نظائر بھی معرضِ بیان میں آنا مناسب کہ اس میں ایک تو اِیضاحِ قاعدہ دوسرے اِکثارِ فائدہ تیسرے علاجِ وساوس **واللہ تعالیٰ الموفق**۔

(۱) دیکھو کیا کم ہے ان کنوؤں کی بے احتیاطی جن سے کفار فجار جہاں گنوار نادان بچّے بے تمیز عورتیں سب طرح کے لوگ پانی بھرتے ہیں پھر شرع مطہر اُن کی طہارت کا حکم دیتی اور شُرب وضورَ وا فرماتی ہے جب تک نجاست معلوم نہ ہو۔

(۲) خیال کرو اس سے زیادہ ظنون وخیالات ہیں اُن جوتوں کے بارہ میں جنہیں گلی کوچوں ہر قسم کی جگہوں میں پہنے پھرے پھر علما فرماتے ہیں جُوتا کنویں سے نکلے اور اس پر کوئی نجاست ظاہر نہ ہو کنواں طاہر اگرچہ تطییباً لِلقلب (دل کی تسلّی کے لئے) دس بیس ۲۰ ڈول تجویز کیے گئے۔

مقدمہ سابعہ:

شدّتِ بے احتیاطی جس کے باعث اکثر احوال میں نجاست وآلودگی کا غلبۂ وقوع وکثرتِ شیوع ہو بیشک باعثِ غلبۂ ظن اور ظنِ غالب شرعاً معتبر اور فقہ میں مبنائے اَحکام، مگر اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک: تو یہ کہ جانبِ راجح پر قلب کو اس درجہ وثوق واعتماد ہو کہ دوسری طرف کو بالکل نظر سے ساقط کردے اور محض نا قابلِ اِلتفات سمجھے گویا اُس کا عدم ووجود یکساں ہوا ایسا ظنِ غالب فقہ میں مُلحق بیقین کہ ہر جگہ کارِ یقین دے گا اور اپنے خلاف یقینِ سابق کا پُورا مُزاحم ورافع ہوگا اور غالباً اِصطلاحِ علما میں غالبِ ظن واَکبررَای اسی پر اطلاق کرتے ہیں۔

دُوسرے: یہ کہ ہنوز جانبِ راجح پر دل ٹھیک ٹھیک نہ جمے اور جانبِ مرجوح کو محض مضمحل نہ سمجھے بلکہ اُدھر بھی ذہن جائے اگرچہ بضُعف وقلّت یہ صورت نہ یقین کا کام دے نہ یقینِ خلاف کا معارضہ کرے بلکہ مرتبۂ شک وتردّد ہی میں سمجھی جاتی ہے کلماتِ علماء میں کبھی اسے بھی ظنِ غالب کہتے ہیں اگرچہ حقیقۃً یہ مجرد ظن ہے نہ غلبۂ ظن۔

ہاں اس قسم کا اتنا لحاظ کرتے ہیں کہ اِحتیاط کو بہتر وافضل جانتے ہیں نہ کہ اُس پر عمل واجب ومتحتم ہوجائے۔

عظیم فائدہ:

بندۂ ضعیف، اس پر لُطف وکرم کا مالک رحم فرمائے، کہتا ہے جان لو جو کچھ پہلے گزر چکا ہے اور اس پر ہم نے جزم اور بھروسا کیا وہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی پر صغیرہ کبیرہ کوئی گناہ نہیں اور اس سے بندہ کسی قسم کی سزا کا مستحق نہیں ہوتا نہ زیادہ کا اور نہ ہی کم کا، یہی واضح حق ہے جس سے علیحدگی اختیار نہیں کی جاسکتی اور معتمد علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔(ت)

مقدمہ ثامنہ:

کسی شے کی نوع وصنف میں بوجہ ملاقاتِ نجس یا اِختلاطِ حرام نجاست وحرمت کا تیقُّن اُس کے ہر فرد سے منع واِحتراز کا

مُوجب اُسی وقت ہوسکتا ہے جب معلوم ومحقق ہوکر یہ ملاقات واختلاط بروجہِ عموم وشمول ہے مثلاً جس شے کی نسبت ثابت ہو کہ اس میں شراب یا شحمِ خنزیر پڑتی ہے اور بنانے والوں کو اس کا اِلتزام ہے تو اس کا استعمال کلیۃً ناجائز وحرام ہے اور وہاں اس اِحتمال کو گنجائش نہ دیں گے کہ ہم نے یہ فردِ خاص مثلاً خود بنتے ہوئے نہ دیکھی نہ خاص اس کی نسبت معتبر خبر پائی ممکن کہ اس میں نہ ڈالی گئی ہو کہ جب علی العموم اِلتزام معلوم تو یہ اِحتمال اُسی قبیل سے ہے جسے قلب قابلِ قبول والتفات نہیں جانتا اور بالکل متضائل ومضمحل مانتا ہے اور ہم پہلے کہہ چکے کہ ایسا احتمال کچھ کارآمد نہیں نہ وہ ظنِ غالب کو مساواتِ یقین سے نازل کرے تو اصل طہارت کا یقین اس غلبۂ ظن سے ذَاہِب وزائل ہوگیا مگر یہ کہ اس فردِ خاص کی محفوظی کسی ایسے ہی یقین سے واضح ہوجائے تو البتہ اس کے جواز کا حکم دیا جائے گا ولہذا علماء نے فرمایا دیبائے فارسی ناپاک اور اُس سے نماز محض ناجائز کہ وہ اس کی چمک بھڑک زیادہ کرنے کو پیشاب کا خلط کرتے ہیں اور پھر دھوتے یوں نہیں کہ رنگ کٹ جائے گا۔

اور اگر ایسا نہیں بلکہ صرف اتنا محقق کہ ایسا بھی ہوتا ہے نہ کہ خاص ناپاک وحرام میں کوئی خصوصیت ہے جس کے باعث قصداً اس کا اِلتزام کرتے ہیں تو اس بنا پر ہرگز ہرگز حکمِ تحریم وتنجیس علی الاطلاق رَوا نہیں اور یہاں وہ اِحتمالات قطعاً مسموع ہوں گے کہ جب عموم نہیں تو جس فرد کا ہم استعمال چاہتے ہیں ممکن کہ افرادِ محفوظ سے ہو اور اَصل متیقن طہارت وحِلّت تو شکوک وظنون ناقابلِ عبرت۔ دیکھو کیا ہم کو مطعوم وملبوس وظروفِ کفار کی نسبت یقینِ کامل نہیں کہ بے شُبہہ اُن میں ناپاک بھی ہیں پھر اس یقین نے کیا کام دیا اور اُن اشیاء کا استعمال مطلق حرام کیوں نہ ہُوا تو وجہ وہی ہے کہ اُن کے طعام ولباس وظروف پر عمومِ نجاست معلوم نہیں اور جب اُن میں طاہر بھی ہیں اگرچہ کم ہوں تو کیا معلوم کہ جس فرد کا ہم استعمال چاہتے ہیں اُن میں سے نہیں۔

ایسی صورت میں ائمہ نے یہی حکم عطا فرمایا کہ ہر فردِ خاص کو ملاحظہ کریں گے اور نوع کی نسبت جو اِجمالی یقین ہوا اسے تمام اَفراد میں مساوی نہ مانیں گے مثلاً کفار خصوصاً اہلِ حرب کو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ انہیں پروائے نجاسات نہیں اور بیشک وہ جیسی چیز پاتے ہیں استعمال میں لاتے ہیں پھر وہ پوستین کہ دارُالحرب سے پک کر آئے علما فرماتے ہیں اسے دیکھنا چاہیئے کہ اس کا پکنا نجس چیز سے تحقیق ہو تو بے دھوئے نماز ناجائز اور طاہر سے ثابت ہو تو قطعاً جائز اور شک رہے تو دھونا اَفضل نہ کہ استعمال گناہ وممنوع ٹھہرے۔

بالجملہ ایسی صورت میں حکمِ کُلی یہی ہے کہ نوع کی نسبت غیرِ کلی یقین منعِ کلی کا موجِب نہیں بلکہ خصوصِ اَفراد کا لحاظ کریں گے **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مقدمۂ تاسعہ:

جب بازار میں حلال وحرام مطلقاً یا کسی جنسِ خاص میں مختلط ہوں اور کوئی مميز وعلامتِ فارقہ نہ ملے تو شریعتِ مطہرہ خریداری سے اِجتناب کا حکم نہیں دیتی کہ آخر ان میں حلال بھی ہے تو ہر شَے میں اِحتمالِ حلت قائم اور رُخصت واِباحت کو اسی قدر کافی، یہ دعوٰی بھی ہماری تقریراتِ سابقہ سے واضح اور خود ملاذِ مذہب ابوعبداللہ شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مبسوط میں کہ کتب ظاہرُ الروایۃ سے ہے اُس پر نص فرمایا۔

مقدمۂ عاشرہ:

حضرتِ حق جَلَّ وَعَلَا نے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی ہی چیز کو استعمال کریں جو واقع ونفس الامر میں طاہر وحلال ہو کہ اس کا علم ہمارے حیطۂ قدرت سے ورا۔ نہ یہ تکلیف فرمائی کہ صرف وہی شے برتیں جسے ہم اپنے علم ویقین کی رُو سے طیب وطاہر جانتے ہیں کہ اس میں بھی حرجِ عظیم اور حرج مدفوع بالنص۔

اے عزیز! یہ دین بحمد اللہ آسانی وسماحت کے ساتھ آیا جو اسے اس کے طور پر لے گا اس کے لئے ہمیشہ رفق ونرمی ہے اور جو تعمّق وتشدّد کو راہ دے گا یہ دین اُس کے لئے سخت ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہی تھک رہے گا اور اپنی سخت گیری کی آپ ندامت اُٹھائے گا۔ص475 تا512

ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ

ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ یہ ہے کہ فعلِ فرائض وترکِ محرمات کو اِرضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان اُمور میں کسی کی مطلقاً پروانہ کرے اور اِتیانِ مستحب وترکِ غیرِ اَولیٰ پر مداراتِ خلق ومراعاتِ قلوب کو اَہم جانے اور فتنہ ونفرت واِیذا ووحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے، اسی طرح جو عادات ورسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے اُن کی حُرمت وشناعت نہ ثابت ہو اُن میں اپنے ترفُّع وتنزہ کے لئے خلاف وجُدائی نہ کرے کہ یہ سب اُمور اِیتلاف وموانست کے معارِض اور مراد ومحبوبِ شارع کے مناقض ہیں ہاں وہاں ہوشیار وگوش دار کہ یہ وہ نکتۂ جمیلہ وحکمتِ جلیلہ وکُوچۂ سلامت وجادۂ کرامت ہے جس سے بہت زاہدانِ خشک واہلِ تکلُّف غافل وجاہل ہوتے ہیں وہ اپنے زعم میں محتاط ودین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغزِ حکمت ومقصودِ شریعت سے دُور پڑتے ہیں خبر دار ومحکم گیر یہ چند سطروں میں علمِ غزیر وباللہ التوفیق والیہ المصیر (یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے اور اسی کی طرف رجوع کرنا ہے۔ت)ص528

ورع کا حکم

علماء تصریح فرماتے ہیں ہمارا زمانہ اِتقائے شبہات کا نہیں غنیمت ہے کہ آدمی آنکھوں دیکھے حرام سے بچے۔ فتاوٰی قاضی خان میں ہے فقہاء فرماتے ہیں ہمارا زمانہ شبہات سے اِجتناب کا زمانہ نہیں مسلمان پر لازم ہے کہ آنکھوں دیکھے حرام سے بچے اھ(ت) سبحٰن اللہ جبکہ چھٹی صدی بلکہ اُس سے پہلے سے ائمۂ دین یوں ارشاد فرماتے آئے تو ہم پسماندوں کو اس چودھویں صدی میں کیا اُمید ہے فاناللہ وانّا الیہ راجعون ایسی ہی وجوہ ہیں کہ حدیث میں آیا: انکم فی زمان من ترك منکم عشر ما امر بہ ھلك ثمّ یاتی زمان من عمل منھم بعشر ما امر بہ نجا (تم (اے صحابہ کرام) اس زمانے میں ہو کہ تم میں سے جو شخص اس چیز کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے تو ہلاک ہوگا پھر ایک زمانہ آئے گا کہ تم میں سے جو آدمی اس چیز کے دسویں حصّے پر بھی عمل کرے گا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے تو وہ نجات پائے گا۔ت)

ہاں جو شخص بچنا چاہے اور اُن امور کا کہ ہم مقدمۂ دہم میں ذکر کر آئے لحاظ رکھے بہتر واَفضل اور نہایت محمود عمل مگر اس کے ورع کا حکم صرف اسی کے نفس پر ہے نہ کہ اس کے سبب اصل شے کو ممنوع کہنے لگے یا جو مسلمان اُسے استعمال کرتے ہوں اُن پر

طعن و اعتراض کرے اُنہیں اپنی نظر میں حقیر سمجھے اس سے تو اس ورع کا ترک ہزار درجہ بہتر تھا کہ شرح پر اِفترا اور مسلمانوں کی تشنیع وتحقیر سے تو محفوظ رہتا۔

عجب اس سے کہ ورع کا قصد کرے اور محرماتِ قطعیہ میں پڑے یہ صرف تشدد وتعمّق کا نتیجہ ہے اور واقعی دین وسنّت صراطِ مستقیم ہیں ان میں جس طرح تفریط سے آدمی مداہن ہوجاتا ہے یونہی اِفراط سے اس قسم کے آفات میں اِبتلا پاتا ہے، دونوں مذموم۔ بھلا عوام بیچاروں کی کیا شکایت آج کل بہت جہال منتسب بنامِ علم وکمال یہی روش چلتے ہیں مکروہات بلکہ مباحات بلکہ مستحبات جنہیں بزعمِ خود ممنوع سمجھ لیں اُن سے تحذیر وتنفیر کو کیا کچھ نہیں لکھ دیتے حتی کہ نوبت تابہ اِطلاقِ شرک وکفر پہنچانے میں باک نہیں رکھتے، پھر یہ نہیں کہ شاید ایک آدھ جگہ قلم سے نکل جائے تو دس جگہ اس کا تدارُک عمل میں آئے۔ نہیں نہیں بلکہ اُسے طرح طرح سے جمائیں، اُلٹی سیدھی دلیلیں لائیں، پھر جب مؤاخذہ کیجئے تو ہوا خواہ بفحوائے عذرِ گناہ بدتر از گناہ تاویل کریں کہ بنظرِ تخویف وترہیب تشدُّد مقصود ہے۔ سبحٰن اللہ اچھا تشدد ہے کہ اُن سے زیادہ بدتر گناہوں کا خود اِرتکاب کر بیٹھے کیا نہیں جانتے کہ مسلمان کو کافر ومشرک بتانا بلکہ براہِ اصرار اُسے عقیدہ ٹھہرانا کتنا شدید وعظیم اور دینِ حنیف سہل لطیف سمح نظیف میں یہ سخت گیری کیسی بدعتِ شنیع ووخیم **ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العزیز الحکیم** ۔ص547

تنبیہ: فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے ان مقدماتِ عشرہ میں جو مسائل ودلائل تقریر کیے جو انہیں اچھی طرح سمجھ لیا ہے اس قسم کے تمام جزئیات مثلاً بسکٹ، نان پاؤ، رنگت کی پُڑیوں، یورپ کے آئے ہوئے دودھ، مکھن، صابون، مٹھائیوں وغیرہا کا حکم خود جان سکتا ہے، غرض ہر جگہ کیفیتِ خبر وحالتِ مخبر وحاصلِ واقعہ وطریقۂ مداخلتِ حرام ونجس وتفرقۂ ظن ویقین ومدارجِ ظنون وملاحظہ ضابطۂ کلیہ ومسالکِ ورع ومداراتِ خلق وغیرہا اُمورِ مذکورہ کی تنقیح ومراعات کرلیں پھر اِن شاء اللہ تعالٰی کوئی جزئیہ ایسا نہ نکلے گا جس کا حکم تقاریرِ سابقہ سے واضح نہ ہوجائے۔ص552

مَوَاضعِ تہمت سے اِحتراز ضرور ہے

شرعِ مطہر میں جس طرح گناہ سے بچنا فرض ہے یونہی مواضعِ تہمت سے اِحتراز ضرور ہے اور بلاوجہ شرعی اپنے اوپر دروازۂ طعن کھولنا ناجائز اور مسلمانوں کو اپنی غیبت وبدگوئی میں مبتلا کرنے کے اَسباب کا اِرتکاب ممنوع اور انہیں اپنے سے نفرت دلانا قبیح وشنیع۔ص554

* **منی مطلق ناپاک ہی ہے سوا اُن پاک نطفوں کے جن سے تخلیق حضراتِ انبیا علیہم الصّلوٰۃ والسلام ہُوئی اور خواہ اَنبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نطفے کہ اُن کا پیشاب بھی پاک ہے یونہی تمام فضلات واللہ تعالٰی اعلم ۔ص570**

جو گوبر سے نہ بچ سکے اس کا حکم

بیلوں کا گوبر پیشاب نجاستِ خفیہ ہے جب تک چہارم کپڑا نہ بھر جائے یا متفرق اتنی پڑی ہوں کہ جمع کرنے سے چہارم کپڑے کی مقدار ہوجائے کپڑے کو نجاست کا حکم نہ دیں گے اور اس سے نماز جائز ہوگی اور بالفرض اگر اس سے زائد بھی دھبے ہوں اور دھونے سے سچّی معذوری یعنی حرجِ شدید ہو تو نماز جائز ہے۔

فقد طہرہ محمد اخذ (عـــہ ۱)[1] للبلوی کما فی الدر المختار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ امام محمد رحمہ اللہ نے عموم بلوٰی کے پیشِ نظر اسے پاک قرار دیا ہے جیسا کہ دُرمختار میں ہے۔(ت)۔ص570

بابُ الاِستِنجَاء

دہنے ہاتھ سے اِستنجا اگرچہ ممنوع وگناہ ہے صحیح حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی فرمائی مگر جب عذر ہے تو کچھ مواخذہ نہیں۔ص576

جِنُّوں کی خوراک

قومِ جِن کے وفد جو بارگاہِ اَقدس حضور پُرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اپنے اور اپنے جانوروں کے لئے خوراک طلب کی اُن سے اِرشاد ہوا: تمہارے لئے ہر ہڈی ہے جس پر اللہ عزوجل کا نام پاک لیا جائے یعنی حلال مذکّٰی جانور کی ہڈی ہو وہ تمہارے ہاتھ میں اُس حال پر ہوگی جیسی اُس وقت تھی جب اُس پر گوشت پورا اور کامل تھا (یعنی گوشت چھڑائی ہُوئی ہڈی تمہیں مع گوشت ملے گی) اور ہر مینگنی تمہارے چوپایوں کے لئے چارہ ہے۔(م)

پھر انسانوں سے ارشاد فرمایا: (ہڈی اور مینگنی سے استنجاء نہ کرو کہ وہ تمہارے بھائیوں کی خوراک ہے۔(م) اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرتِ ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ت)۔ص584

اَقول: کھڑے ہوکر پیشاب کرنے میں چار حرج ہیں:

اوّل: بدن اور کپڑوں پر چھینٹیں پڑنا جسم ولباس بِلاضرورتِ شرعیہ ناپاک کرنا اور یہ حرام ہے۔

دوم: ان چھینٹوں کے باعث عذابِ قبر کا اِستحقاق اپنے سر پر لینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: پیشاب سے بہت بچو کہ اکثر عذابِ قبر اُسی سے ہے۔(ت)

سوم: رہگزر پر ہو یا جہاں لوگ موجود ہوں تو باعثِ بے پردگی ہوگا بیٹھنے میں رانوں اور زانوؤں کی آڑ ہو جاتی ہے اور کھڑے ہونے میں بالکل بے ستری اور یہ باعثِ لعنتِ الٰہی ہے۔

---

[1]: (عـــہ ۱): کاتب نے اس کو مسخ کر دیا ہے، اس کا درست بیان آخر میں یعنی آپ کے آخری حکم میں ہے جب آپ خلیفہ کے ساتھ رَی میں داخل ہوئے اور راستوں اور دکانوں کے گوبر سے بھرے ہونے کی وجہ سے لوگوں کو ابتلاءِ عام میں دیکھا اور مشائخ نے امام محمد کے اسی قول پر بخارائی کی مٹی کو قیاس کیا ہے، فتح۔اور مجددِ مائۃ حاضرہ میرے آقا و والد اعلٰی حضرت قدس سرہ نے کسانوں اور ان جیسا کام کرنے والوں سے حرج کو دُور کرنے کے لئے اسی کو اختیار فرمایا ہے اسے محفوظ کرلو، اسی لئے یہاں مینگنی کے بارے میں شیخین کا قول اختیار فرمایا۔شرنبلالیہ میں اسی کو ظاہر فرمایا ہے اور اس کو مواہبُ الرحمن کی طرف منسوب کیا ہے۔لیکن علّامہ قاسم کی نکت میں یہ ہے کہ امام کا قول نجاستِ غلیظہ کے ساتھ ہے مبسوط وغیرہ میں اسی کو ترجیح دی ہے اسی لئے اصحابِ متون نے اسے اختیار فرمایا۔اھ(ت)۱۲

چہارم: یہ نصارٰی سے تشبُّہ اور ان کی سنّتِ مذمومہ میں اُن کا اِتباع ہے آج کل جن کو یہاں یہ شوق جاگا ہے اس کی یہی علّت اور یہ موجبِ عذاب وعقوبت ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: {لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ} شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ (ت) اس حرکت سے نہی اور اس کے بے ادبی وجفا وخلافِ سنّتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہونے میں احادیثِ صحیحہ معتمدہ وارد ہیں۔

حدیثِ اوّل: امام احمد وترمذی ونسائی وابنِ حبان صحیح میں اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی: من حدثکم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یبول قائما فلا تصدقوہ ما کان یبول الا قاعداً جو تم سے کہے کہ حضورِ اقدس اَطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھڑے ہوکر پیشاب فرماتے اُس سچّا نہ جاننا حضور پیشاب نہ فرماتے تھے مگر بیٹھ کر۔ ص585

اقول: وباللّٰہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بار یہ فعل وارد ہُوا اور صحیح حدیث سے ثابت کہ روزِ نزولِ قرآنِ کریم سے آخر عمرِ اقدس تک عادتِ کریمہ ہمیشہ بیٹھ ہی کر پیشاب فرمانے کی تھی اور صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو جفا وبے ادبی فرمایا اور متعدد اَحادیث میں اس سے نہی وممانعت آئی تو واجب کہ ممنوع ہو اور انہیں اَحادیث کو اُن پر ترجیح بوجوہ ہو:

اولاً: وہ ایک بار کا واقعۂ حال ہے کہ صد گونہ اِحتمال ہے۔

ثانیاً: فعل وقول میں جب تعارُض ہو قول واجبُ العمل ہے کہ فعل اِحتمالِ خصوص وغیرہ رکھتا ہے۔

ثالثاً: مبیح وحاظر جب متعارِض ہوں حاظر مقدم ہے۔

ثمّ اقول: (پھر میں کہتا ہوں۔ ت) نفسِ حدیثِ حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان مقلدانِ نصرانیت پر رَد ہے وہاں کافی بلندی تھی اور نیچے ڈھال اور زمین گھورے کے سبب نرم کہ کسی طرح چھینٹ آنے کا اِحتمال نہ تھا سامنے دیوار تھی اور گھورا فنائے دار میں تھا نہ کہ گزرگاہ پسِ پشت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کو کھڑا کرلیا تھا اس طرف کا بھی پردہ فرمایا اس حالت میں پشتِ اَقدس پر بھی نظر پڑنا پسند نہ آیا ان اِحتیاطوں کے ساتھ تمام عمر مبارک میں ایک بار ایسا منقول ہُوا، کیا یہ نئی روشن کے مدعی ایسی ہی صورت کے قائل ہیں سبحان اللہ! کہاں یہ اور کہاں ان بے ادبوں کے نامہذب اَفعال اور اُن پر معاذ اللہ حدیث سے اِستدلال لاحول ولاقوۃ الّا باللّٰہ العلی العظیم۔ ص596

کاغذ سے اِستنجا کرنا مکروہ وممنوع ہے

کاغذ سے استنجا کرنا مکروہ وممنوع وسنّتِ نصارٰی ہے کاغذ کی تعظیم کا حکم ہے اگرچہ سادہ ہو، اور لکھا ہوا ہو تو بدرجۂ اَولٰی۔ دُرمختار میں ہے کرہ تحریما بشیء محترم (کسی قابلِ احترام چیز کے ساتھ (استنجا) مکروہ تحریمی ہے۔ ت)۔ ص599

کاغذ سے استنجا سنّتِ نصارٰی ہے اور شرعاً منع ہے جبکہ قابلِ کتابت یا قیمتی ہو اور ایسا نہ بھی ہو تو بلاضرورت سنّتِ نصرانی سے بچنا ضرور ہے۔ ص603

پائخانہ میں تھوکنا کیسا ہے؟

ہاں پاخانے میں تھوکنے کی ممانعت ہے کہ مسلمان کا مُنہ قرآنِ عظیم کا راستہ ہے وہ اس سے ذکرِالٰہی کرتا ہے تو اس کا لعاب ناپاک جگہ پر ڈالنا بیجا ہے، ردالمحتار میں ہے: پیشاب میں نہ تھوکا جائے اھ میں کہتا ہوں اور دلیل عام ہے جیسا کہ تم جانتے ہو (ت) البتہ وہاں کی دیوار وغیرہ جہاں نجاست نہ ہو اس پر تھوکنے میں حرج نہیں۔ص604

واش رُوم میں تعویذ لے جانے کا حکم

تعویذ موم جامعہ وغیرہ کر کے غلافِ جُدا گانہ میں رکھ کر بچّوں کے گلے میں ڈالنا جائز ہے اگر چہ اُس میں بعض آیاتِ قرآنیہ ہوں اور اس احتیاط کے ساتھ پاخانے میں لے جانا بھی جائز ہے، ہاں اَفضل اِحتراز ہے۔ص608

قرآنِ پاک بہت چھوٹا لکھنا منع ہے

مگر تعویذ پر قرآنِ عظیم و مصحفِ کریم کا قیاس نہیں ہوسکتا۔

اوّلاً: قرآنِ مجید اگر چہ دس ۱۰ غلافوں میں ہو پاخانے میں لے جانا بلاشبہہ مسلمانوں کی نگاہ میں شنیع اور اُن کے عرف میں بے ادبی ٹھہرے گا اور ادب وتوہین کا مدار عرف پر ہے تعویذ کہ بعض آیات پر مشتمل ہو وہ آیات ضرور قرآنِ عظیم ہیں مگر اُسے تعویذ کہیں گے نہ قرآن، جیسے کتابِ نحو کہ اَمثلہ قواعد میں آیاتِ قرآنیہ پر مشتمل، اُس کے لئے کتابِ نحو ہی کا حکم ہوگا نہ کہ مصحف شریف کا، مصحف شریف دارُالحرب میں لے جانا منع ہے اور کتاب لے جانے سے کسی نے منع نہ کیا مصحف کے پٹھے کو بے وضو چھونا حرام اور اُس کتاب کے ورق کو بھی چُھونا جائز۔

ثانیاً: اُس کا ٹین میں رکھ کر بند کر دینا یا موم جامے یا کپڑے ہی کے غلاف میں سی دینا یہ خود خلافِ شرع ہے کہ اُس کی تلاوت سے منع ہے ائمہ سلف تو غلافِ مصحف شریف میں بند لگانے کو مکروہ جانتے تھے کہ بند باندھنا بظاہر منع کی صورت ہوگا تو یوں ٹین وغیرہ میں رکھ کر ہمیشہ کے لئے سی دینا کہ حقیقۃً منع ہے کس درجہ مکروہ و مورد شنع ہے۔

ثالثاً: قرآنِ عظیم چھوٹی تقطیع پر لکھنا حمائل بنانا شرعاً مکروہ ناپسند ہے، امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک شخص کے پاس قرآنِ مجید باریک لکھا ہوا دیکھا اسے مکروہ رکھا اور اس شخص کو مارا اور فرمایا عَظِّمُوْا کِتَابَ اللّٰہِ کتابُ اللہ کی عظمت کرو۔ امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم مصحف کو چھوٹا بنانا مکروہ رکھتے۔ تو اس قدر چھوٹا بنانا کہ معاذ اللہ ایک کھلونا اور تماشہ ہو کس طرح مقبول ہوسکتا ہے اور وہ جری لوگ یہ فعلِ مردود انہیں تعویذوں کی خاطر کرتے ہیں اگر مسلمان ان کو تعویذ نہ بنائیں تو کیوں خریدیں اور نہ خریدیں تو وہ کیوں اسے چھاپیں تو ان کا تعویذ بنانا ان کے اُس فعل کا باعث ہے اور اُس کے ترک میں اُس کا اِنسداد تو اس کا تعویذ بنانا ضرور مستحقُ التّرک ہے اس دلیل کی تفصیلِ جلیل ہمارے رسالہ ''الکشف الشافیا فی حکم فونوجرافیا'' میں ہے۔ص608

(۱) کیا قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا بوقتِ پیشاب و پائخانہ جائز ہے؟

(۲) پیشاب و پاخانہ کرتے وقت شمال جنوب کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے کی رخصت ہے؟ اگر ہے تو شمال افضل ہے یا جنوب؟

(۳) دربارۂ استقبالِ شمال عوام بلکہ دانستہ حضرات چہ میگوئیاں کرتے ہیں کہ بیتُ المقدس انبیاء علیہم السلام کا قبلہ خصوصاً سرورِ انبیاء سرتاجِ اصفیاء روحی فداہ کا قبلہ بھی بیتُ المقدس ہی تھا اور وہ واقع بہ شمال ہے اور روضۂ شیخ سید عبدالقادر گیلانی قدس سرہ العزیز بھی بسوئے شمال ہے لہذا استقبالِ شمالی میں کمال درجہ کی بے ادبی ہے تو کیا یہ ہر دو مقاماتِ اَقدس واقع بہ شمال ہیں اور استقبالِ شمال میں کوئی ممانعت شرع میں پائی جاتی ہے؟

الجواب:

(۱) پاخانہ پیشاب کے وقت قبلہ معظّمہ کا اِستقبال واِستدبار دونوں ناجائز ہیں **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(۲) شمال جنوب کی کوئی تخصیص نہیں قبلہ کو نہ مُنہ ہو نہ پیٹھ پھر جس طرف بھی بیٹھے جائز ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(۳) نہ بیت المقدس یہاں سے ٹھیک شمال کو ہے نہ بغداد شریف، بلکہ دونوں یہاں سے جانبِ مغرب ہی ہیں اگرچہ شمال کو قدرے جُھکے ہوئے اور شریعت پر زیادت کی اجازت نہیں اور اگر اُن لوگوں کا کہنا فرض کرلیا جائے کہ وہ جانبِ شمال ہی ہیں تو فقط استقبال ہی بے ادبی نہیں بلکہ اِستدبار بھی، اب مشرق یا مغرب کو منہ کرنا تو یوں منع ہوا کہ کعبہ معظّمہ کو منہ یا پیٹھ ہوگی اور جنوب وشمال کو یوں منع ہوا کہ بیتُ المقدس یا بغداد شریف کو رُو یا پشت ہوگی تو قضائے حاجت کے وقت کسی طرف منہ کرنے کی اجازت نہ رہی۔ یہ کیونکر ممکن۔ ہر جہت کا حکم اُس کے دونوں پہلوؤں میں، ۴۵ درجے تک رہتا ہے جس طرح نماز میں اِستقبالِ قبلہ، تو تمام آفاق کا اِحاطہ ہوگیا اور قضائے حاجت کی کوئی صورت نہ رہی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص608

جلد نمبر 5

کتابُ الصَّلٰوۃ

نمازِ پنجگانہ اللہ عزّوجل کی وہ نعمتِ عظمٰی ہے کہ اس نے اپنے کرمِ عظیم سے خاص ہم کو عطا فرمائی ہم سے پہلے کسی اُمت کو نہ ملی، بنی اسرائیل پر دو ہی وقت کی فرض تھی وہ بھی صرف چار رکعتیں دو صبح دو شام، وہ بھی ان سے نہ نبھی۔ص 43

کون سی نماز کس نبی علیہ السلام نے پہلے پڑھی

کون سی نماز کس نبی نے پہلے پڑھی، اس میں چار قول ہیں:

چہارم: وہ حدیث کہ امام اَجل رافعی نے شرح مسند میں ذکر فرمائی کہ صبح آدم، ظہر داوٗد، عصر سلیمٰن، مغرب یعقوب، عشاء یونس علیہم الصلاۃ والسلام سے ہے **اقول:** فقیر کی نظر میں ظاہراً قولِ اَخیر کو سب پر ترجیح کہ اوّل تو وہ حدیث ہے لا اقل اَثرِ صحابی یا تابعی سہی، اَقوالِ علمائے مابعد پر ہر طرح مقدم رہے گی خصوصاً ایسے امر میں جس میں رائے وقیاس کو دخل نہیں۔ص 70

''عشاءآخرۃ'' کسے کہتے ہیں؟

''عشاءآخرۃ''، مطلق عشاء کو کہتے ہیں نہ کہ اس عشا کو جو مؤخر کی گئی ہو۔ اس کو''آخرہ'' اس بناء پر کہتے ہیں کہ عشاء اُولٰی مغرب کو کہتے ہیں، اس پر حدیث کے بہت سے محاورات شاہد ہیں، اور احمد، مسلم، نسائی کی یہ روایت تو اس میں قولِ فیصل کا درجہ رکھتی ہے کہ جابر بن سمرہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ آخری عشاء کو مؤخر کیا کرتے تھے''۔ص 65

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعدِ نبوت قبل شبِ معراج جو دو وقتوں میں نماز پڑھتے تھے وہ کس طور پر ادا فرماتے تھے؟

الجواب: پیش اَز اسراء دو وقت یعنی قبلِ طلوعِ شمس وقبلِ غروب کے نمازیں مقرر ہونے میں علماء کو خلاف ہے اور اَصح یہ ہے کہ اس سے پہلے صرف قیامِ لیل کی فرضیت، باقی پر کوئی دلیلِ صریح قائم نہیں۔ص 76

حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہونا

حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہونا اگرچہ بلاشبہہ حق ہوتا ہے یہ خواب کبھی اَضغَاث اَحلَام سے نہیں ہوتی۔ حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ فرماتے ہیں: من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لایتمثل بی جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے مجھی کو دیکھا کہ شیطان میری مثال بن کر نہیں آسکتا۔(م)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم: من رانی فقد رای الحق فان الشیطان لایتریأبی۔ جس نے مجھے دیکھا اُس نے حق دیکھا کہ شیطان میری وضع نہ بنائے گا۔(م)

مگر اَز انجا کہ حالتِ خواب میں ہوش وحواس عالمِ بیداری کی طرح ضبط وتیقُّظ پر نہیں ہوتے، لہذا خواب میں جو ارشاد سُنے

مثلِ سماعِ بیداری مُورِثِ یقین نہیں ہوتا اس کا ضابطہ یہ ہے کہ حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جو اِرشادات بیداری میں ثابت ہو چکے اُن پر عرض کریں اگر اُن سے مخالف نہیں فبہا سواء وجد مطابقۃ الصریح اولا (خواہ صراحۃً مطابقت ہو یا نہ۔ت) ایسی حالت میں اس کا ارشاد ماننا چاہئے اور مخالف ہے تو یقین کریں گے کہ صاحبِ خواب کے سُننے میں فرق ہوا حضور اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حق فرمایا اور بوجہِ تکدُّرِ حواس کہ اَثرِ خواب ہے اُس کے سُننے میں غلط آیا جیسے ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُسے میکشی کا حکم دیتے ہیں امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضور نے میکشی سے نہی فرمائی تیرے سُننے میں اُلٹی آئی، اِس امر میں فاسق ومتقی برابر ہیں، نہ متقی کا سماع واجبُ الصّحۃ نہ فاسق کا بیان یقینیُ الکذب بلکہ ضابطہ مطلقاً یہی ہے جو مذکور ہوا۔ص100

مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں اور نماز چھوڑنے پر تکفیر کا مسئلہ

کافّہ اہلسنت وجماعت کا اجماعِ قطعی ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں، بلکہ مذہبِ معتمد ومحقّق میں اِستحلال بھی علٰی اِطلاقہٖ کفر نہیں جب تک زِنا یا شُربِ خمر یا ترکِ صلاۃ کی طرح اس کی حرمت ضروریاتِ دین سے نہ ہو غرض ضروریات کے سوا کسی شے کا اِنکار کفر نہیں اگرچہ ثابت بالقَواطع ہو کہ عندالتحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اُس کا جس کی تصدیق نے اُسے دائرۂ اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ نہیں مگر ضروریاتِ دین کما حققہ العلماء المحققون من الائمۃ المتکلمین (جیسا کہ ائمۂ متکلمین کے محقق علماء نے تحقیق کی ہے۔ت) ولہذا اخلافتِ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا منکر مذہبِ تحقیق میں کافر نہیں حالانکہ اُس کی حقانیت بالیقین قطعیات سے ثابت وقد فصل القول فی ذلك سیدنا العلامۃ الوالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی بعض فتاوٰہ (اس موضوع پر سیدنا علامہ والد ماجد رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض فتاوٰی میں مفصل گفتگو کی ہے۔ت) بالجملہ اس قدر پر تو اجماعِ اہلِ سنّت ہے کہ اِرتکابِ کبیرہ کفر نہیں بااینہمہ تارکُ الصّلوۃ کا کفر واسلام سے ہمارے ائمۂ کرام میں مختلف فیہ اقول وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) اگرچہ کفر تکذیب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی بعض ماجاء بہ من عندربہ جَلَّ وَعَلَا کا نام ہے اور تکذیب صفتِ قلب مگر جس طرح اَقوالِ مُکَفّرَہ اس تکذیب پر علامت ہوتے اور اُن کی بنا پر حکمِ کفر دیا جاتا ہے یوں ہی بعض افعال بھی اُس کی اَمارت اور حکمِ تکفیر کے باعث ہوتے ہیں۔

جیسا کہ قرآنِ کریم کو گندگی میں پھینکنا، بُت کے لئے سجدہ کرنا، نبی کو قتل کرنا، اس کے رُوبرو زِنا کرنا، اذان سُن کر شرمگاہ کو ننگا کرنا، قرآن کو تحقیر کے انداز میں پڑھنا، اس کے علاوہ ہر وہ عمل جو شریعت کے ساتھ اِستہزاء واِہانت پر دلالت کرے۔(ت)

یہ حکم اُس اجماع کا منافی نہیں ہوسکتا کہ نفسِ فعل مِنْ حیثُ ھو مبنائے تکفیر نہیں بلکہ من حیث کونہ علما علی الجحود الباطنی والتکذیب القلبی، والعیاذ باللہ تعالیٰ منہ (اس لحاظ سے کہ یہ باطنی اِنکار اور قلبی تکذیب کی علامت ہے والعیاذ باللہ۔ت) صدرِ اول میں ترکِ نماز بمعنٰی کَفّ بھی کہ حقیقۃً فعل مِنَ الافعال ہے اسی قبیل سے گنا جاتا۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لایرون

شیئًامن الاعمال ترکه کفراً غیر الصّلاة اصحابِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہ جانتے۔(م)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: من ترك الصلاة فلا دِینَ لهٗ (جس نے نماز ترک کی وہ بے دین ہے۔م) رواه المروزی۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں: من لم یصل فهو کافر (بے نماز کافر ہے۔م) رواه ابو عمر۔

اور یہی مذہب حکم بن عتیبہ وابوداؤد طیالسی وابوبکر بن ابی شیبہ وزُہیر بن حرب اور ائمہ اربعہ سے حضرتِ سیفُ السُّنہ امام احمد بن حنبل اور ہمارے ائمہ حنفیہ سے امام عبداللہ بن مبارک تلمیذِ حضرت امامِ اَعظم اور ہمارے امام کے استاذُالاستاذ امام ابراہیم نخعی وغیرہم ائمہ دین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ہے۔

اور بیشک بہت ظواہرنصوصِ شرعیہ آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ علٰی صاحبہا افضل الصلٰوۃ والتحیۃ اس مذہب کی مؤید، (جیسا کہ ان میں سے کچھ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، خاتم المحققین سیدنا والد ماجد نے اپنی عمدہ کتاب ''الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح'' میں، اور ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' میں، اور ''جواهر البیان فی اسرار الارکان'' میں اور اپنی دیگر ستھری، بلند مرتبہ وعالی شان کتابوں میں۔ اللہ تعالٰی جنت کے بالا خانوں میں ان کے درجے بلند فرمائے، آمین!

بالجملہ اس قول کو مذاہبِ اہلسنت سے کسی طرح خارج نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک جمِ غفیر قدمائے اہلسنت صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا مذہب ہے اور بلاشبہہ وہ اُس وقت وحالت کے لحاظ سے ایک بڑا قوی مذہب تھا صدرِ اول کے بعد جب اسلام میں ضُعف آیا اور بعض عوام کے قلب میں سُستی وکسل نے جگہ پائی، نماز میں کامل چُستی ومستعدی کہ صدرِ اول میں مطلقاً ہر مسلمان کا شعارِ دائم تھی اب بعض لوگوں سے چُھوٹ چلی وہ امارتِ مطلقہ وعلامتِ فارقہ ہونے کی حالت نہ رہی لہذا جمہور ائمہ نے اُسی اصلِ اِجماعی مؤید بدلائلِ قاہرہ آیاتِ متکاثرہ واَحادیثِ متواترہ پر عمل واجب جانا کہ مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں یہی مذہب ہمارے ائمہ حنفیہ وائمہ شافعیہ وائمہ مالکیہ اور ایک جماعتِ ائمہ حنبلیہ وغیرہم جماہیر علمائے دین وائمہ معتمدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ہے کہ اگرچہ تارکِ نماز کو سخت فاجر جانتے ہیں مگر دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کہتے اور یہی ایک روایت حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے اس کی رُو سے یہ مذہبِ مہذّب حضراتِ ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مجمع علیہ ہے۔

حلیہ میں فرمایا: جمہور، جن میں ہمارے علماء بھی شامل ہیں اور مالک وشافعی اور ایک روایت کے مطابق احمد بھی، کی رائے یہ ہے کہ اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ پھر ان میں اختلاف ہے کہ نماز چھوڑنے کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ تو تین اماموں نے کہا ہے کہ ہاں (قتل کیا جائے گا) پھر یہ قتل بطورِ حد ہوگا یا کفر کی وجہ سے؟ تو مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ بطورِ حد ہوگا۔ شافعی بھی اسی کے قائل ہیں اور احمد بھی، اپنی اس روایت کے مطابق جو جمہور کے موافق ہے، یعنی عدمِ کفر والی روایت۔(ت)

اور اس طرف بحمدِاللہ نصوصِ شرعیہ سے وہ دلائل ہیں جن میں اَصلاً تاویل کو گنجائش نہیں بخلاف دلائلِ مذہبِ اول کہ اپنے نظائرِ کثیرہ کی طرح اِستحلال واِستخفاف وجحود وکُفران وفعل مثلِ فعلِ کفار وغیرہا تاویلات کو اچھی طرح جگہ دے رہے ہیں یعنی

فرضیتِ نماز کا انکار کرے یا اُسے ہلکا اور بے قدر جانے یا اُس کا ترک حلال سمجھے تو کافر ہے یا یہ کہ ترکِ نماز سخت کفرانِ نعمت وناشکری ہے۔(اس کے علاوہ اور بھی توجیہات ہیں جن کی تفصیل ان کے مقام پر ملے گی، اور معروف راستہ یہی ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف لوٹایا جائے، نہ کہ اس کا اُلٹ، جیسا کہ ظاہر ہے، اس لئے اسلام کا ہی قول کرنا پڑے گا۔(ت)

بالجملہ وہ فاسق ہے اور سخت فاسق مگر کافر نہیں وہ شرعاً سخت سزاؤں کا مستحق ہے ائمہ ثلٰثہ مالک وشافعی واحمد رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں اُسے قتل کیا جائے، ہمارے ائمہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم کے نزدیک فاسق فاجر مرتکبِ کبیرہ ہے اُسے دائم الحبس کریں یہاں تک کہ توبہ کرے یا قید میں مرجائے اِمام محبوبی وغیرہ مشائخ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اِتنا ماریں کہ خُون بہادیں پھر قید کریں یہ تعزیرات یہاں جاری نہیں لہذا اُس کے ساتھ کھانا پینا میل جول سلام کلام وغیرہ معاملات ہی ترک کریں کہ یونہی زجر ہو اسی طرح بنظرِ زجر ترکِ عیادت میں مضائقہ نہیں یہودی کی عیادت فرمانی بنظرِ تالیف وہدایت تھی یہاں اس کی عیادت نہ کرنی بنظرِ زَجر ہے، دونوں مقاصدِ شرعیہ ہیں، رہی نماز جنازہ وہ اگرچہ ہر مسلمان غیرِ ساعی فی الارض بالفساد کے لئے فرض ہے۔(اور یہ انہی میں سے ہے جس طرح خودکشی کرنے والا، بلکہ بطریقِ اَوْلٰی، کیونکہ خودکشی کرنا دوسرے مومن کو قتل کرنے سے زیادہ شدید جرم ہے اور مومن کو قتل کرنا نماز چھوڑنے سے بڑا گناہ ہے۔اور درمختار میں کہا ہے کہ جو اپنے آپ کو قتل کردے، خواہ جان بوجھ کرہی، اس کو غسل دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی، اسی پر فتوٰی ہے، اگرچہ اس کا گناہ دوسرے کو قتل کرنے والے سے بڑا ہے۔ت)

مگر فرضِ عین نہیں فرضِ کفایہ ہے پس اگر علما وفضلا باقتدائے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المدیون وفی قاتلِ نفسہ بغرضِ زجر وتنبیہ نمازِ جنازۂ بےنماز سے خود جُدا رہیں کوئی حرج نہیں، ہاں یہ نہیں ہوسکتا کہ اَصلاً کوئی نہ پڑھے یوں سب آثم وگنہگار رہیں گے، مسلمان اگرچہ فاسق ہو اُس کے جنازہ کی نماز فرض ہے اِلا من استثنی ولیس ھذا منھم (مگر جو مستثنی ہیں، اور یہ ان میں سے نہیں ہے۔ت) نماز پڑھنا اُس پر فرض تھا اور جنازہ کی نماز ہم پر فرض ہے اگر اُس نے اپنا فرض ترک کیا ہم اپنا فرض کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔درمختار میں ہے: نمازِ جنازہ ہر مسلمان کی فرض ہے جبکہ وہ مرجائے۔سوائے چار آدمیوں کے، باغی، ڈاکو جبکہ لڑائی میں مارے جائیں، رات کو شہر میں غنڈہ گردی کرنے والا اور گلا گھونٹنے والا جس نے کئی مرتبہ یہ کارروائی کی ہو۔(ت)

اسی طرح غسل دینا، مقابرِ مسلمین میں دفن کرنا اماتنا اللہ تعالٰی علی الاسلام الصادق، انہ رؤف رحیم، اٰمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین واللہ تعالٰی اعلم۔ص 101 تا 106

محاوراتِ سلف واصطلاحِ محدثین میں تشیُّع ورِفض میں فرق ہے

زبانِ متاخرین میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں خذلھم اللہ تعالٰی جمیعا بلکہ آج کل کے بیہودہ مہذّبین رَوافض کو رافضی کہنا خلافِ تہذیب جانتے اور انہیں شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں، سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ حُسنِ عقیدت رکھتا اور حضرت امیرالمومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو اُن میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا بلکہ جو صرف امیرالمومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر تفضیل دیتا اُسے بھی شیعی کہتے ہیں حالانکہ یہ مسلک بعض علمائے اہلسنّت کا تھا اسی بناء پر متعدد ائمۂ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبۂ محبتِ اَہلِ بیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو شیعیّت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض

سُنّیت ہے امام ذہبی نے تذکرۃ الحفّاظ میں خود انہیں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی کہ ان کا تشیع صرف موالات تھا وبس۔ ص175

مالی جرمانہ لینے کا حکم و بچنے کا طریقہ

تعزیر بالمال منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل جائز نہیں، (اور بزازیہ میں افادہ کیا ہے کہ مالی تعزیر کا قول اگر اختیار کیا بھی جائے تو اس کا صرف اتنا ہی مطلب ہے کہ اس کا مال کچھ مدّت کے لئے روک لینا تاکہ وہ باز آجائے، اس کے بعد حاکم اس کا مال لوٹا دے، نہ یہ کہ حاکم اپنے لیے لے لے یا بیتُ المال کے لئے، جیسا کہ ظالم لوگ سمجھتے ہیں، کیونکہ شرعی سبب کے بغیر کسی کا مال لینا مسلمان کے لئے روا نہیں۔ت)

ہاں وہ طلبہ جن کو وظیفہ دیا جاتا ہے اُن کے وظیفہ سے وضع کر لینا جائز ہے (کیونکہ یہ ان کی ملکیت سے کوئی چیز لینا نہیں ہے بلکہ اس چیز کو ان کے مِلک میں جانے سے روکنا ہے۔ت) یا جو طلبہ فیس نہیں دیتے جس روز جماعت میں حاضر نہ ہوں دوسرے روز ان سے کہا جائے کل تم نے جماعت قضا کی آج بغیر اتنی فیس دیے تم کو سبق نہ دیا جائے گا اور جو ماہوار فیس دیتے ہیں اُس مہینے تو اُن سے کچھ نہیں کہا جاسکتا، دوسرے مہینے کے شروع پر اُن سے کہا جائے کہ گزشتہ مہینے میں تم نے اتنی جماعتیں قضا کیں آئندہ مہینے تمہیں تعلیم نہ دی جائے گی جب تک اس قدر زائد فیس نہ داخل کرو وذلك لان الاجارة تنعقد شيئا فشيئا (اور یہ اس لئے کہ اجارہ بتدریج منعقد ہوتا ہے۔ت) یا یہ صورت ممکن ہے کہ ہر مہینے کے شروع میں طلبہ کو کوئی خفیف قیمت کی چیز مثلاً قلم یا تھوڑی سی روشنائی یا کاغذ تقسیم کیا جائے اور یہ تقسیم بطورِ بیع ہو اُس قیمت کو جو انتہائی جرمانہ قضائے جماعت کا اُن کے ذمّے ہوسکے مثلاً یہ قلم سات روپے کو ہم نے تمہارے ہاتھ بیع کیا اور اُن سے کہہ دیا جائے کہ یہ بیع قطعی ہے اس میں کوئی شرط نہیں ہم اس سے جُدا ایک وعدہ احسانی تم سے کرتے ہیں کہ اگر تم نے اس مہینے میں بلا عذرِ صحیح شرعی کوئی جماعت قضا نہ کی تو سرِ ماہ پر یہ زرِ ثمن تمام وکمال تمہیں معاف کر دیں گے اس صورت میں بھی قضائے جماعت کی حالت میں وہ ثمن کل یا بعض اُن سے وصول کر لینا جائز ہوگا۔

(اور شرطِ معہود سے، جو کہ ملفوظ کے قائم مقام ہو، بیع کا فاسد ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ پہلے اس کی صراحۃً نفی ہو چکی ہے اور صراحت کو دلالت پر ترجیح حاصل ہے جیسا کہ امام قاضیخان نے اپنے فتاوٰی میں افادہ کیا ہے۔(ت) ص111

بحری جہاز پر یا چلتی ریل گاڑی میں نماز

چلتے جہاز خواہ لنگر کیے ہوئے ہو اور کنارے سے میلوں دُور ہو اُس پر نماز جائز ہے اور ناؤ اگر کنارے پر ٹھہری ہے اور جہاز کی طرح زمین پر نہیں بلکہ پانی پر ہے اور یہ اُتر کر کنارے پر نماز پڑھ سکتا ہے تو ٹھہری ہُوئی ناؤ میں بھی فرض اور وتر اور صبح کی سُنتیں نہ ہوسکیں گے اور چلتی ہوئی میں بدرجۂ اَولیٰ نہ ہوں گے جیسے سیرِ دریا کے بجرے کنارے کنارے جاتے ہیں اور انہیں روک کر زمین پر نماز پڑھ سکتے ہیں اور اگر اُتر کر کنارے پر نماز نہ پڑھ سکنا اپنی ذاتی معذوری سے ہے تو ہر نماز ہوجائے گی اور اگر کسی کی ممانعت کے سبب ہے تو پڑھ لے اور پھر پھیرے یہی حکم ریل کا ہے ٹھہری ہُوئی ریل میں سب نمازیں جائز ہیں اور چلتی ہوئی میں سنّتِ صبح کے سوا سب سنّت ونفل جائز ہیں مگر فرض ووتر یا صبح کی سنّتیں نہیں ہوسکتیں اہتمام کرے کہ ٹھہری میں پڑھے اور دیکھے کہ وقت جاتا ہے پڑھ لے اور جب ٹھہرے پھر پھیرے واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص113

* کوئی مسلمان دوزخ میں دنیا کی عمر یعنی سات ہزار سال سے زیادہ نہیں رہے گا۔(ت) ص 115

مثلِ ثانی میں عصر جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم

بالجملہ عندالتحقیق مثلِ ثانی میں عصر ادا ہی نہ ہوگی بلکہ فرض ذمہ پر باقی رہے گا ورنہ علی التنزّل اُس وقت نماز مکروہ ہونے میں تو شک نہیں کہ جب بعض کتبِ فقہ میں اس وقت نمازِ ظہر میں کراہت گمان کی، صرف اس خیال سے کہ صاحبین کے نزدیک وقتِ قضا ہوگیا حالانکہ فرضِ ظہر بالا جماع ساقط ہوجائے گا اگرچہ قضا ہی سہی تو اس وقت نمازِ عصر لاجرم سخت کراہت رکھے گی کہ امام کے نزدیک ہنوز وقت ہی نہ آیا تو فرض ہی سرے سے ساقط نہ ہوگا اُدھر خلافِ صاحبین تھا یہاں خلافِ امام وہاں قضاء ادا میں خلاف تھا اور صحت اجماعی ادھر نفسِ صحت وبُطلان ہی میں نزاع ہے جب وہاں کراہت زعم کی گئی تو یہ کس درجہ شدید مکروہ ہونا چاہئے اور یہ تو بے شمار کتبِ ائمہ میں تصریح ہے کہ اس وقت عصر کا پڑھنا بے احتیاطی ہے پس محتاط فی الدین کو لازم کہ اگر جانے کہ مجھے مثلِ ثانی کے بعد جماعت مل سکتی ہے اگرچہ ایک ہی آدمی کے ساتھ تو اس جماعتِ باطلہ یا کم اَز کم مکروہہ بکراہتِ شدیدہ میں شریک نہ ہو بلکہ وقتِ اِجماعی پر اپنی جماعتِ صحیحہ نظیفہ ادا کرے اور اگر جانے کہ پھر میرے ساتھ کوئی نہ ملے گا تو بتقلیدِ صاحبین شریک جماعت ہوجائے اور تحصیلِ صحتِ متفق علیہا ورفعِ کراہت کے لئے مثلِ ثانی کے بعد پھر اپنی تنہا ادا کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص 135

فرض وسنّت ہر دو کا اَولٰی وقت کیا ہے؟

سنّتِ قبلیہ میں اَولٰی اول وقت ہے بشرطیکہ فرض وسنّت کے درمیان کلام یا کوئی فعل منافیِ نماز نہ کرے اور سنّتِ بعدیہ میں مستحب فرضوں سے اِتصال ہے مگر یہ کہ مکان پر آ کر پڑھے تو فصل میں حرج نہیں لیکن اجنبی اَفعال سے فصل نہ چاہئے یہ فصل سنتِ قبلیہ وبعدیہ دونوں کے ثواب کو ساقط اور انہیں طریقۂ مسنونہ سے خارج کرتا ہے اور فرضِ فجر وعصر وعشاء میں مطلقاً اور ظہر میں بموسمِ گرما تاخیر مستحب ہے اور مغرب میں تعجیل۔ تاخیر کے یہ معنی کہ وقتِ غیرِ مکروہ کے دو حصے کر کے پہلا نصف چھوڑ دیں دوسرے نصف میں نماز پڑھیں۔ ص 139

جس نماز میں تاخیر مستحب ہے وہاں تاخیر کے معنی

بالجملہ سخنِ تحقیق وہ ہے جو ائمہ نے کتابُ الاسرار وبحر الرائق وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ جس نماز میں تاخیر مستحب ہے جیسے فجر وعصر وغیرہما، وہاں تاخیر کے یہ معنی ہیں کہ وقت کے دو حصّے کریں نصف اول چھوڑ کر نصف آخر میں پڑھیں ظاہر یہ ہے کہ یہاں وقت سے مراد وقتِ مستحب ہے کہ وقتِ مستحب کے نصف آخر میں پڑھیں۔ اسی حساب سے جس دن جتنا وقتِ عصر ہو اس کے آخر سے ۲۰ منٹ وقتِ مکروہ کے نکال کر باقی کے دو ۲ حصّے کریں حصّہ اول چھوڑ کر حصّۂ دوم سے وقتِ مستحب ہے۔ ص 138

تکبیر اور اذان ہر مرتبہ پڑھی جائے یا صرف جماعتِ اوّل ہی میں؟

بازار کی مسجد میں ہر جماعت یعنی ایک ہی وقت کی کئی جماعت کے واسطے تکبیر اور اذان ہر مرتبہ پڑھی جائے یا صرف جماعتِ اوّل ہی میں اور محلّہ کی مسجد میں جماعتِ ثانی میں تکبیر اور اذان ہونی چاہئے یا نہیں؟

بازار کی مسجد میں کہ اہلِ بازار کے لئے بنی اسی طرح سَرا اور اسٹیشن کی مسجد ان سب میں افضل یہی ہے کہ جو گروہ آئے نئی اذان نئی اقامت سے جماعت کرے وہ سب جماعتِ اُولٰی ہوں گی اور مسجدِ محلّہ میں جماعتِ ثانیہ کے لئے اِعادۂ اَذان منع ہے تکبیر میں حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم ۔ص156

جمع بَیْنَ الصَّلاتَیْنِ (دو نمازیں ملا کر پڑھنا)

تحقیقِ مقام یہ ہے کہ جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازیں ملا کر پڑھنا دو قسم ہے:

جمعِ فِعلی:

جسے جمع صُوری بھی کہتے ہیں کہ واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر اپنے آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقتِ عصر آ گیا اب فوراً عصر اوّل وقت پڑھ لی، ہوئیں تو دونوں اپنے اپنے وقت اور فعلاً وصورۃً مل گئیں۔ اسی طرح مغرب میں دیر کی یہاں تک کہ شفق ڈوبنے پر آئی اُس وقت پڑھی اِدھر فارغ ہُوئے کہ شفق ڈُوب گئی عشاء کا وقت ہو گیا وہ پڑھ لی، ایسا مِلا نا بعُذرِ مرض وضرورتِ سفر بلاشبہہ جائز ہے۔ ہمارے علمائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی اس کی رُخصت دیتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے: (مسافر اور مریض مغرب میں تاخیر کر سکتے ہیں تا کہ اس کو اور عشاء کو فعلاً اِکٹھا کر لیں، جیسا کہ حلیہ وغیرہ میں ہے، یعنی مغرب آخری وقت میں پڑھی جائے اور عشاء اوّل وقت ہیں۔ ت)

اقول: تاخیرِ مغرب کا تو یہ خاص جزئیہ ہے اور اسی طرح تاخیرِ ظہر کہ عصر سے مل جائے بلکہ یہ بدرجہ اَوْلٰی کہ ظہر میں تو کوئی وقتِ کراہت نہیں **کما صرح به فی البحر الرائق وحققناه فیما علقناه علی ردالمحتار** (جیسا کہ بحرالرائق میں تصریح ہے اور ردالمحتار کے حاشیے پر ہم نے اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) بخلاف مغرب کہ اُس کی اتنی تاخیر بے عذر مکروہِ شدید ہے **کما فی البحر والدر وغیرهما، ونطقت بکراهة ذلك احادیث** (جیسا کہ بحر اور دُر وغیرہ میں ہے، اور اس کی کراہت پر کئی احادیث ناطق ہیں۔ ت) پھر جزئیۂ ظُہرَین بھی کتابُ الحج میں نظرِ فقیر سے گزرا اس کتاب جلی الصواب حلی الخطاب رفیع النصاب میں کلام کلامِ امام ہمام محرّرُ المذہب سیدنا محمد بن الحسن تلمیذِ سیدُ الائمہ امامِ اَعظم ابوحنیفہ اور تالیفِ امام فقیہ محدّث عیسٰی بن ابان تلمیذِ امام محمد ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ سفر میں دو نمازوں کا جمع کرنا، خواہ ظہر اور عصر ہوں یا مغرب اور عشاء ہوں، یکساں ہے۔ یعنی ظہر کو آخر وقت (تک) مؤخر کر کے پڑھے اور عصر میں تعجیل کر کے اس کو اول وقت میں پڑھ لے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء میں مغرب کو اتنا مؤخر کرے کہ اس کے آخری وقت میں، یعنی شفق غائب ہونے سے تھوڑا پہلے پڑھے اور عشاء میں جلدی کر کے اس کو اول میں پڑھ لے، یعنی شفق غائب ہونے کے ساتھ ہی، یہ طریقہ ہے ان کو جمع کرنے کا۔ (ت)

اُسی میں ہے: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بارش، سفر یا کسی اور وجہ سے دو نمازوں کو جمع کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ پہلی کو آخر وقت تک مؤخر کر دے اور دوسری میں جلدی کر کے اول وقت میں ادا کرے، اس طرح دونوں کو جمع کر لے، تاہم ہوگی ہر نماز اپنے وقت میں الخ۔ (ت)

اس کلام برکت نظام امام کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم سے ظاہر ہوا کہ جوازِ جمعِ صُوری صرف مرض وسفر پر متصور نہیں بضرورتِ شدتِ بارش بھی اجازت ہے مثلاً ظہر کے وقت مینہ برستا ہوتو انتظار کرکے آخر وقت حاضرِ مسجد ہوں جماعتِ ظہر ادا کریں اور وقتِ عصر پر تیقُّن ہوتے ہی جماعتِ عصر کرلیں کہ شاید شدتِ مطر بڑھ جائے اور حضورِ مسجد سے مانع آئے، مطرِ شدید میں تنہا گھر پڑھ لینے کی بھی اجازت ہے تو اُس صورت میں تو دونوں نمازوں کے لئے جماعت ومسجد کی محافظت ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

دوسری قسم جمع وقتی ہے جسے جمع حقیقی بھی کہتے ہیں۔ اقول: یعنی بمعنی مصطلحِ قائلانِ جمع کہ جو معنیٔ جمع اُن کا مذہب ہے وہ حقیقۃً اسی صورت میں ہے ورنہ جمع اپنے اصل معنی پر دونوں جگہ حقیقی ہے **کمالا یخفی**، اور اسی لحاظ سے جمعِ فعلی کو صوری کہتے ہیں ورنہ حقیقۃً فرائض میں یہ جمع بھی جمع صوری ہی ہے اُن میں تداخل محال تو جب ملیں گے صورۃً ملیں گے اور معنیً جُدا **فافھم فانہ نفیس جدا** (اس کو سمجھو کیونکہ یہ بہت نفیس ہے۔ت) اس جمع کے یہ معنی ہیں کہ ایک نماز دوسری کے وقت میں پڑھی جائے جس کی دوصورتیں ہیں:

جمع تقدیم: کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اُس کے ساتھ ہی متصلاً بِلا فصل پچھلے وقت کی نماز مثلاً عصر یا عشاء پیشگی پڑھ لیں، اور

جمع تاخیر: کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو باوصفِ قدرت واختیار قصداً اُٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے گا پچھلی نماز مثلاً عصر یا عشاء کے وقت میں پڑھ کر اس کے بعد متصلاً خواہ منفصلاً اُس وقت کی نماز ادا کریں گے، یہ دونوں صورتیں بحالتِ اختیار صرف حجاج کو صرف حج میں صرف عصرِ عرفہ ومغربِ مزدلفہ میں جائز ہیں اَول میں جمع تقدیم اور دوم میں جمع تاخیر عام اَزیں کہ وہ مسافر ہوں یا خاص ساکنانِ مکّہ ومنٰی وغیرہما مواضعِ قریبہ کہ وہ بوجہِ نُسک ہے نہ بوجہِ سفر اور بحالتِ اِضطرار وعدمِ قدرت سفر حضر یا ظہر عصر وغیرہا کسی شے کی تخصیص نہیں جتنی نمازوں تک مشغولیِ جہاد یا شدّتِ مرض یا غشی وغیرہا کے سبب قدرت نہ ملے ناچار سب موخر رہیں گی اور وقتِ قدرت بحالتِ عدمِ سقوط ادا کی جائیں گی جس طرح حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے غزوۂ خندق میں ظہر وعصر ومغرب، عشا کے وقت پڑھیں ان کے سوا کبھی کسی شخص کو کسی حالت میں کسی صورت جمع وقتی کی اَصلاً اجازت نہیں، اگر جمع تقدیم کرے گا نمازِ اَخیر محض باطل ونا کارہ جائے گی جب اُس کا وقت آئے گا فرض ہوگی نہ پڑھے (گا) ذمے پر رہے گی اور جمع تاخیر کرے گا تو گنہ گار ہوگا عمداً نماز قضا کردینے والا ٹھہرے گا اگرچہ دوسرے وقت میں پڑھنے سے فرض سر سے اُتر جائے گا۔ یہ تفصیلِ مذہبِ مہذّب ہے اور اسی پر دلائلِ قرآن وحدیث ناطق بلکہ توقیتِ صلاۃ کا مسئلہ متفق علیہا ہے۔ ص160 تا163

ابنِ حزم وشوکانی غیر مقلد ہیں

ہاں یہ دفترِ توثیق اپنے پیشوا ابنِ حزم غیر مقلد لا مذہب کو سنایئے جس خبیثُ اللّسان نے آپ کو اس روایت کے رَد میں سیدنا ابوالطفیل صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عیاذاً باللہ مَقدُوح ومَجرُوح بتایا جسے دوسرے غیر مقلّد شوکانی نے نقل کیا، غیر مقلدوں کی عادت ہے کہ جب حدیث کے رَد پر آتے ہیں خوفِ خدا وشرمِ دُنیا سب بالائے طاق رکھ جاتے ہیں، اِسی ابنِ حزم نے باجے حلال

کرنے کے لئے صحیح بخاری شریف کی صحیح و متصل حدیث کو بزعمِ تعلیق رَد کیا جس کا بیان امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح صحیح مسلم شریف میں فرمایا۔ص 206

ابنِ حبان اَحادیث کو صحیح قرار دینے میں متساہل ہیں

امام ابوعمرو ابنِ صلاح نے ''طبقاتُ الشافعیہ'' میں کہا ہے کہ ابنِ حبان کو تصرفاتِ حدیث کے دوران بسا اوقات شدید غلطی لگ جاتی تھی، جیسا کہ ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں بیان کیا ہے۔ ابنِ حبان احادیث کو صحیح قرار دینے میں متساہل ہے۔ بلکہ حسن قرار دینے میں بھی یہ اور ترمذی متساہل ہیں جیسا کہ ائمہ نے تصریح کی ہے (ت) اور ہم نے اپنے رسالے ''مدارج طبقات الحدیث'' میں تحقیق کی ہے۔ص 207

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ و علمِ حدیث

اقول وبِحَولِ اللہ اُصولِ حدیثِ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چالیس سے زیادہ طُرُق اس وقت پیشِ نظرِ فقیر ہیں اُن میں نصف سے زائد تو محض مجمل جن میں سے اَٹھارہ کی طرف ہم نے اَحادیثِ مجملہ میں اِشارہ کیا، رہے نصف سے کم، اُن میں اکثر صاف صاف جمعِ صُوری کی تصریح کر رہے ہیں جن میں سے چودہ روایات بخاری وابوداؤد ونسائی وغیرہم سے اُوپر مذکور ہُوئے، ہاں بعض میں ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بعد غروبِ شفق جمع کرنا مذکور، ان میں بھی بعض محض موقوف۔ص 228

احادیث مرویہ بالمعنیٰ میں جمعِ طُرُق سے پُوری بات کا پتا چلتا ہے

احادیثِ مرویہ بالمعنیٰ صحیحین وغیرہما صحاح وسنن، مسانید ومعاجیم وجوامع واَجزا وغیرہا میں دیکھیے صدہا مثالیں اس کی پایئے گا کہ ایک ہی حدیث کو رُوَاۃ بالمعنیٰ کس کس متنوّع طور سے روایت کرتے ہیں کوئی پُوری کوئی ایک ٹکڑا کوئی دُوسرا کوئی کسی طرح کوئی کسی طرح جمعِ طُرُق سے پُوری بات کا پتا چلتا ہے ولہذا امامُ الشان ابوحاتم رازی معاصرِ امام بخاری فرماتے ہیں ہم جب تک حدیث کو ساٹھ ۶۰ وجہ سے نہ لکھتے اُس کی حقیقت نہ پہچانتے۔ص 301

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام

یہ وہی ابنِ مسعود ہیں جن کی نسبت حدیث میں ہے، حضور پُرنُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **تمسکوا بعھد ابن ام عبد** (ابنِ اُم عبد کی باتوں سے تمسک کیا کرو) **رواہ الترمذی عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔**

(نوٹ: اصل متنِ ترمذی میں الفاظ یوں ہیں **تمسکوا بعھد ابن مسعود رضی اللہ عنہ**۔ نذیر احمد)

مرقاۃ میں ہے اسی لئے ہمارے امام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کی روایت وقول کو خلفائے اَربعہ کے بعد سب صحابہ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں۔

یہ وہی ابنِ مسعود ہیں جنہیں حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحبِ سرِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے: بیشک چال ڈھال روش میں سب سے زیادہ حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشابہ عبداللہ بن مسعود ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ وہی ابنِ مسعود ہیں جنہیں امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے: کیف ملیء علما ایک گٹھری ہیں علم سے بھری ہُوئی۔

نہایت یہ کہ حضورِ اَقدس سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: رضیت لامتی مارضی لھا ابن ام عبد (میں نے اپنی اُمت کے لئے پسند فرمالیا جو کچھ عبداللہ بن مسعود اس کے لئے پسند کرے رواہ الحاکم بسند صحیح۔

لاجرم ہمارے ائمۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے بعد وہ جناب تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے علم وفقاہت میں زائد ہیں۔ص 311

مسلمانوں کا فعل حتی الامکان محملِ حسن پر محمول کرنا واجب

اَذانِ مغرب میں بلا وجہ شرعی تاخیر خلافِ سنّت ہے پیر کے سامنے جلد دِلوانا رِیا پر کیوں محمول کیا جائے بلکہ پیر کے خوف یا لحاظ سے اُس خلافِ سنّت کا ترک پیر کے سامنے رکوع وسجود میں دیر بھی خواہ نخواہ رِیا اور مکّاری پر دلیل نہیں بلکہ اس کے موجود ہونے سے تاثر بھی ممکن اور مسلمانوں کا فعل حتی الامکان محملِ حسن پر محمول کرنا واجب اور بدگمانی رِیا سے کچھ کم حرام نہیں۔ص 324

نہارِ عُرفی وشرعی میں کیا فرق ہے؟

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ نہارِ عرفی طلوعِ مرئی کنارۂ شمس سے غروبِ مرئی کُل قرصِ شمس تک ہے اس سے میں نے اِحتراز کیا ہے نہارِ نجومی سے، کیونکہ وہ مشرقی جانب کے اُفقی دائرہ پر سورج کے مرکز کے منطبق ہونے سے شروع ہوتی ہے اور مغربی جانب کے اُفقی دائرہ پر سورج کے مرکز کے منطبق ہونے پر ختم ہوتی ہے تو نہارِ عرفی، نہارِ نجومی سے ہمیشہ اِتنی بڑی ہوتی ہے جتنی دیر میں سورج کا آدھا کُرّہ طلوع ہوتا ہے اور آدھا غروب ہوتا ہے، اور نہارِ شرعی طلوعِ فجرِ صادق سے غروبِ مرئی کل آفتاب تک ہے تو اس کا نصف ہمیشہ اس کے نصف سے پہلے ہوگا۔ص 327

فجر وظہر کی سنتِ قبلیہ پڑھے بغیر امام امامت کرنا کیسا؟

وہ شخص جس نے کہ سنّتیں فجر کی نہ پڑھی ہوں اور دس بارہ منٹ طلوع میں باقی ہوں نماز پڑھا سکتا ہے یانہیں، اسی طرح پر ظہر کی سنت بے پڑھے امامت کرسکتا ہے یانہیں؟

الجواب: دس بارہ منٹ میں سنّتیں اور فرض دونوں ہوسکتے ہیں سنّتیں پڑھ کر نماز پڑھائے، اگر وقت بقدرِ فرض ہی کے باقی ہے تو آپ ہی سُنتیں چھوڑے گا پھر اگر جماعت میں کسی نے ابھی سُنتیں نہ پڑھیں یا جس نے پڑھیں وہ قابلِ اِمامت نہیں تو جس نے نہ پڑھیں وہی اِمامت کرے گا اور اگر وقت میں وُسعت ہے تو سنّتِ قبلیہ کا ترک گناہ ہے اور اُس کی امامت مکروہ ہے۔ص 325

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ جو فرائض نماز میں داخل ہیں ان کی فرضیت ہر نماز میں یکساں ہے یا صرف فرضی نمازوں کے ساتھ مختص ہے؟

الجواب: تکبیرِ تحریمہ، ہر نماز میں، حتی کہ نمازِ جنازہ میں بھی۔ رکوع، سجود، قرأت اور قعود (نمازِ جنازہ کے علاوہ) ہر نماز میں، خواہ نفلی نماز ہو۔ قیام، ہر اس نماز میں جو فرض اور واجب ہو اور اَصح قول کے مطابق فجر کی سُنتوں میں بھی۔ اپنے کسی عمل سے نماز سے

خارج ہونا بروعی کی تخریج کے مطابق، کرخی کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ سب فرائض ہیں اور تعدیلِ اَرکان واجب ہے۔ لیکن استطاعت سب میں شرط ہے۔ گونگا تکبیر وقرأت کا اور اشارہ کرنے والا مریض رکوع وسجود کا مکلّف نہیں ہے۔ علامہ شرنبلالی کی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے کہ اگر کُبڑے کا کُبڑا پن رکوع کی حد تک پہنچا ہوا ہے تو وہ رکوع کے لئے سر سے اِشارہ کرے گا کیوں کہ اس سے زیادہ اس کے بس میں نہیں ہے اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ت) ص326

کسی خاص شخص کے انتظار کے لئے جماعت میں تاخیر نہ چاہئے مگر چند صورتوں میں

کسی خاص شخص کے انتظار کے لئے تاخیر نہ چاہئے مگر چند صورتوں میں، اَول کہ وہ امامِ معین ہو، دوم عالمِ دین، سوم حاکمِ اِسلام، چہارم پابندِ جماعت کہ بعض اوقات مرض وغیرہ عذر کی وجہ سے اُسے دیر ہوجائے، پنجم سر برآوردہ شریر جس کا اِنتظار نہ کرنے سے اِیذا کا خوف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص329

نمازی کے سامنے اگر کوئی شخص چار پائی پر لیٹا ہے تو نماز کا حکم

اگر کوئی شخص چار پائی پر بیٹھا خواہ لیٹا ہے اور اس طرف اس کی پیٹھ ہے تو اس کے پیچھے جانماز بچھا کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر اُس طرف پیٹھ کیے سورہا ہے جب بھی مضائقہ نہیں، مگر سوتے کے پیچھے پڑھنے سے اِحتراز مناسب ہے دو وجہ سے، ایک یہ کہ کیا معلوم اس کے نماز پڑھنے میں وہ اس طرف کروٹ لے اور ادھر اس کا مُنہ ہوجائے، دوسرے محتمل ہے کہ سوتے میں اس سے کوئی ایسی شے صادر ہو جس سے نماز میں اسے ہنسی آجانے کا اندیشہ ہو۔ ص346

قبر کی طرف اور قبر پر نماز

اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نماز قبر پر مطلقاً مکروہ وممنوع ہے بلکہ قبر پر پاؤں رکھنا ہی جائز نہیں، اور قبر کی طرف بھی نماز مکروہ وممنوع ہے جبکہ سترہ نہ ہو اور صحرا یا مسجدِ کبیر میں قبر موضعِ سجود میں ہو یعنی اِتنے فاصلے پر جبکہ یہ خاشعین کی سی نماز پڑھے اور اپنی نگاہ خاص موضعِ سجود پر جمی رکھے تو اس پر نظر پڑے کہ نگاہ کا قاعدہ ہے جس محلِ خاص پر اُسے جمایا جائے اُس سے کچھ دُور آگے بڑھتی ہے مذہبِ اَصح میں بحالتِ مذکورہ جہاں تک نگاہ پہنچے سب موضعِ سجود ہے۔ اور اگر قبر دہنے بائیں یا پیچھے ہے تو اَصلاً موجبِ کراہت نہیں، اور یہ امر کہ سامنے ہونا زیادہ مکروہ ہے اور دہنے بائیں اس سے کم اور پیچھے ہونا اس سے بھی کم کتبِ حنفیہ میں تصویرِ جاندار کی نسبت ہے نہ کہ قبر کی، بلکہ اگر مزاراتِ اولیائے کرام ہوں اور اُن کی اَرواحِ طیبہ سے اِستمداد کے لئے ان کی قبورِ کریمہ کے پاس دہنے یا بائیں نماز پڑھے تو اور زیادہ مُوجبِ برکت ہے۔ ص349

قبرستان میں نماز پڑھنے کا حکم

رہا مقبرہ اُس میں بھی اَصل منشائے کراہت قبر ہے اور اس کی تعلیلیں ہمارے علمائے حنفیہ ہی نے تین طور پر کی ہیں **ایک** تشبہ اہلِ کتاب **دوسرے** یہ کہ عبادتِ اَصنام اسی طرح پیدا ہوئی **تیسرے** محلِ نجاسات۔

وانا اقول وباللہ التوفیق (اور میں اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ کہتا ہوں۔ ت) تحقیق یہ ہے کہ عامۂ مقابر میں ہر

جگہ مظنۂ قبر ہے مگر یہ کہ کوئی محل ابتدا سے دفن ہونے سے محفوظ رہا ہو اور معلوم ہو کہ یہاں دفن واقع نہ ہوا، ولہذا ہمارے علما نے تصریح فرمائی کہ مقبرہ میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اُس میں چلنا حرام ہے کہ قبورِ مسلمین کی بے ادبی ہوگی طحاوی وردالمحتار فصل استنجا میں زیرِ قولِ ماتن یکرہ بول فی مقابر (مقبروں میں پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ت) فرماتے ہیں: کیونکہ جس کام سے زندہ انسان کو ایذاء پہنچتی ہے اُس سے مُردے کو بھی ایذا پہنچتی ہے۔اور ظاہر یہی ہے کہ کراہت تحریمی مراد ہے، کیونکہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ مقبرے میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس پر چلنا حرام ہے، تو پیشاب کرنا تو بطریقِ اَولیٰ حرام ہوگا۔(ت)

پھر قبریں کھودنے میں بطنِ زمین کی مٹّی اُوپر آتی ہے اور وہ اکثر وہی ہوتی ہے جو پہلے گلے ہُوئے اجسام کی نجاسات سے متنجس ہوچکی اور بند کرنے میں سب مٹّی صَرف نہیں ہوجاتی تو جابجا متنجس مٹی کا پھیلا ہونا مظنون ہوتا ہے اور مظنۂ قبر و مظنۂ نجاست دونوں کراہتِ تنزیہہ کے لئے کافی ہیں کہ ظن اگر غالب ہوتا جو فقہیات میں ملتحق بیقین ہے تو بوجہ علتِ اَول حکم کراہتِ تحریم ہوتا اور بوجہ علتِ ثانی بغیر کچھ بچھائے بُطلانِ نماز کا حکم دیا جاتا اَزانجا کہ ظن اس حد کا نہیں صرف کراہتِ تنزیہہ رہی اور اب یہ حکم حکمِ صلاۃ علی القبر اور الی القبر سے جُدا پیدا ہوا کہ اس میں پیچھے یا آگے کسی قبر کا معلوم ہونا ضرور نہیں قبورِ معلومہ اگرچہ دہنے بائیں یا پیچھے ہوں جبکہ یہ زمین ایسی ہے جس میں قبر و نجاست کا مظنہ ہے حکمِ کراہت دیا جائے گا یہی محمل ہے اس کلام کا جو علّامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں زیرِ قولِ شرنبلالی تکرہ الصلوۃ فی المقبرۃ نقل فرمایا: (برابر ہے کہ مقبرہ اس کے اُوپر ہو یا پیچھے ہو یا جس چیز پر یہ کھڑا ہے اس کے نیچے ہو۔ت)

اور یہی منشا ہے اِطلاقِ متون کا ورنہ اگر مقبرہ میں کوئی جگہ صاف و پاک ہو کہ نہ اُس میں قبر ہو نہ مُصَلّی (نمازی) کا قبر سے سامنا ہو تو وہاں نماز ہرگز مکروہ نہیں خانیہ ومنیہ وزادُالفقیر امام ابن الہمام وحلیہ وغنیۃ وبحرالرائق وشرنبلالی علی الدرر وحلبی وطحطاوی وردالمحتار وغیرہا کتبِ کثیرہ میں ہے: مقبرے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر وہاں کوئی جگہ نماز کے لئے تیار کی گئی ہو اور اس میں قبر اور نجاست نہ ہو۔(ت) ص356

بابُ الاذان والاقامۃ

مسجد میں اَذان دینا مکروہ تحریمی ہے؟

اس مسئلہ میں نوعِ کراہت کی تصریح کلماتِ علما سے اس وقت نظرِ فقیر میں نہیں ہاں صیغہ "لایفعل" سے متبادر کراہتِ تحریم ہے کہ فقہائے کرام کی یہ عبارت ظاہراً مشیرِ ممانعت وعدمِ اِباحت ہوتی ہے نظیر اس کی "یفعل ویقول" ہے کہ ظاہراً مفیدِ وجوب ہے (جیسا کہ اس پر بھی اس میں تصریح ہے۔ت) یونہی عبارتِ نظم میں لفظ "یکرہ" کہ غالباً کراہت مطلقہ سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے۔اس گفتگو سے یہ گمان وقول ضعیف ہوجاتا ہے کہ یہ عمل صرف خلافِ سنت ہے تو اس میں صرف کراہتِ تنزیہی ہے۔علاوہ اَزیں تحقیق یہ ہے سنتِ متوسطہ کا خلاف کراہتِ تنزیہی اور تحریمی کے درمیان ہوتا ہے اور اس کو "اِساءۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ یہ اس شخص پر ظاہر ہوجائے گا جس نے دو مقدس علوم حدیث وفقہ کی خدمت کی ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اسے ذہن نشین کرنا چاہئے۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔(ت) ص364

مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرا شخص اقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

ناجائز نہیں، ہاں خلافِ اَولیٰ ہے اگر مؤذّن حاضر ہو اور اسے گراں گزرے ورنہ اتنا بھی نہیں۔ مسند امام احمد وسننِ اربعہ وشرح معانی الآثار میں زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: میں نے اذان کہی تھی بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تکبیر کہنی چاہی فرمایا: قبیلہ صداء کا بھائی اِقامت کہے گا کہ جو اذان دے وہی تکبیر کہے۔ ص366

خطیب کے سامنے جو اذان ہوتی ہے مقتدیوں کو اُس کا جواب دینا اور دو خطبوں کے درمیان دُعا کرنا کیسا؟

ہرگز نہ چاہیئے یہی اَحوط ہے۔ ہاں یہ جواب اذان یا دُعا اگر صرف دل سے کریں زبان سے تلفُّظ اَصلاً نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اور امام یعنی خطیب تو اگر زبان سے بھی جوابِ اَذان دے یا دُعا کرے بلاشبہہ جائز ہے۔ ص368

مسجد کے اندر کون سی اَذان کہنا مکروہ نہیں ہے

مسجد کے اندر وقتی اذان کہنا مکروہ ہے **کما فی فتح القدیر وغیرہ** (جیسا کہ فتحُ القدیر وغیرہ میں ہے۔ت) مگر اذان بغرضِ طلبِ باراں یا دفعِ وَبا بہ نیتِ اَذان واِعلان وطلبِ مردمان نہیں ہوتی بلکہ بہ نیتِ ذِکر، اور ذِکر مسجد میں جائز ہے پھر اَولیٰ یہ ہے کہ بیرونِ مسجد فیصل وغیرہ پر ہو اور اس میں اَصلاً کوئی حرج نہیں کہ اَذان ذِکرِ الٰہی ہے اور بارش رحمتِ الٰہی، اور ذِکرِ الٰہی باعثِ نزولِ رحمتِ الٰہی ہے۔ ص373

کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اَذان دی ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر میں ایک دفعہ اذان دی تھی اور کلماتِ شہادت یوں کہے **اَشْھَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ** (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اور ابنِ حجر نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ نص مفسر ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔ ص374

فاسق کی اذان کا حکم

فاسق کی اذان اگرچہ اِقامتِ شعار کا کام دے مگر اعلام کہ اس کا بڑا کام ہے اُس سے حاصل نہیں ہوتا، نہ فاسق کی اذان پر وقتِ روزہ ونماز میں اِعتماد جائز، لہذا مندوب ہے کہ اگر فاسق نے اذان دی ہو تو اس پر قناعت نہ کریں بلکہ دوبارہ مسلمان متقی پھر اَذان دے۔ ص376

- **جمعہ کے دن اذانِ اَوّل سُن کر نہ آنا حرام ہے (صحیح اور معتمد یہی ہے جیسا کہ دُرمختار وغیرہ میں ہے۔ت)۔ ص378**
- **نماز کے لئے جگانا موجبِ ثواب ہے مگر وقت سے اتنا پہلے جگانے کی کیا حاجت ہے البتہ ایسے وقت جگائے کہ استنجاء ووضو وغیرہ سے فارغ ہو کر سُنّتیں پڑھے اور تکبیرِ اُولیٰ میں شامل ہو جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص378**

تثویب کا تحقیقی حکم

تحقیق یہ ہے کہ وہاں کے نمازیوں کی حالت ومصلحت پر نظر کی جائے اگر وہ لوگ اَذان سُن کر خود جمع ہو جاتے ہیں تو تثویب

ہرگز نہ کہی جائے کہ اُن سے یہ عادتِ حسنہ چُھڑا کر اِنتظارِ تثویب کا خوگر کر دینا ہوگا اور جہاں ایسا نہیں بلکہ اُس کی حاجت اور اُس کے فعل میں مصلحت ہے وہاں کہی جائے۔ص 379

اِقامت کے وقت کب کھڑا ہو؟

کھڑے ہوکر تکبیر سُننا مکروہ ہے، یہاں تک کہ علماء حکم فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں آیا اور تکبیر ہو رہی ہے وہ اس کے تمام تک کھڑا نہ رہے بلکہ بیٹھ جائے یہاں تک کہ مکبّر ''حی علی الفلاح''تک پہنچے اُس وقت کھڑا ہو۔

اَقول: صاحبِ وقایہ اور ان کے متبعین ''حی علی الصلاۃ'' کے موقعہ پر کھڑا ہونے کا قول کرتے ہیں اور صاحبِ محیط ،مضمرات اور ان کی جماعت ''حی علی الفلاح'' کے وقت کھڑا ہونے کا قول کرتے ہیں میرے نزدیک ان میں کوئی تعارُض نہیں اس لئے کہ جب ہم پہلے قول کو اِنتہا اور دوسرے کو اِبتدا پر محمول کریں تو دونوں قولوں میں اِتحاد حاصل ہوجاتا ہے یعنی جب مؤذِّن ''حی علی الصلاۃ'' پُورا کر کے ''حی علی الفلاح'' کہے تو کھڑے ہوں۔(ت)

یہ اُس صورت میں ہے کہ امام بھی وقتِ تکبیر مسجد میں ہو، اور اگر وہ حاضر نہیں تو مؤذن جب تک اُسے آتا نہ دیکھے تکبیر نہ کہے نہ اُس وقت تک کوئی کھڑا ہو **لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لاتقوموا حتى تروني** (کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: تم نہ کھڑے ہوا کرو یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو۔ت) پھر جب امام آئے اور تکبیر شروع ہو اس وقت دو صورتیں ہیں اگر امام صفوں کی طرف سے داخلِ مسجد ہو تو جس صف سے گزرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے اور اگر سامنے سے آئے تو اُسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہوجائیں اور اگر خود امام ہی تکبیر کہے تو جب تک پُوری تکبیر سے فارغ نہ ہولے مقتدی اَصلاً کھڑے نہ ہوں بلکہ اگر اس نے تکبیر مسجد سے باہر کہی تو فراغ پر بھی کھڑے نہ ہوں جب وہ مسجد میں قدم رکھے اُس وقت قیام کریں۔ص 380

جمعہ میں سلام سے پہلے جو شریک ہو تو؟

جمعہ بھی ہمارے امام کے نزدیک اس بارے میں مثل اور نمازوں کے ہے سلام سے پہلے جو شریک ہولیا اس نے جمعہ پالیا دو ہی رکعت پڑھے۔ص 382

ایک بار اذان ہوچکی ہے کہ کسی دُوسرے شخص نے لاعلمی میں پھر اذان پڑھنا شروع کر دی تو؟

اگر مسجد مسجدِ محلہ ہے جہاں کے لئے امام و جماعت متعین ہے اور جماعتِ اُولیٰ ہوچکی اور اب کچھ لوگ جماعت کو آئے اور ان کو اذان کی خبر نہ تھی اور شروع کی اور اِطلاع ہوئی تو معاً رُک جائے اور اگر مسجدِ عام ہے، مثلاً مسجدِ بازار و سرا و اسٹیشن و جامع تو ہرگز نہ رُکے اذان پُوری کرے ممانعت جہالت ہے اور اگر مسجدِ محلہ یا عام ہے اور جماعتِ اُولیٰ ابھی نہ ہُوئی تو اختیار ہے چاہے رُک جائے یا پُوری کرے اور اِتمام اَولیٰ ہے۔ص 396

* **لکڑی کا منبر بنائیں کہ یہی سنتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ص 403**

وہابی کی اذان اذان میں شمار نہیں جواب کی حاجت نہیں

اسمِ جلالت پر کلمۂ تعظیم اور نامِ رسالت پر درود شریف پڑھیں گے اگرچہ یہ اسمائے طیبہ کسی کی زبان سے ادا ہوں مگر وہابی کی اذان اذان میں شمار نہیں جواب کی حاجت نہیں، اور اہلسنت کو اُس پر اِکتفا کی اجازت نہیں بلکہ ضرور دوبارہ اذان کہیں۔ص 421

* **مسئلہ شرعیہ کو نئے مولویوں کی فتنہ انگریزی کہنا اگر براہِ جہالت نہ ہو کلمۂ کفر ہے کہ توہینِ شریعت ہے۔ص 422**

اہم ترین اصولِ حدیث

اِفادۂ اوّل ۱: (حدیث صحیح نہ ہونے کے یہ معنیٰ نہیں کہ غلط ہے) محدثینِ کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط و باطل ہے، بلکہ صحیح اُن کی اصطلاح میں ایک اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے۔ص 436

اِفادۂ دوم ۲: (جہالتِ راوی سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے؟) کسی حدیث کی سند میں راوی کا مجہول ہونا اگر اثر کرتا ہے تو صرف اس قدر کہ اُسے ضعیف کہا جائے نہ کہ باطل و موضوع بلکہ علما کو اس میں اختلاف ہے کہ جہالت قادحِ صحت و مانعِ حجیت بھی ہے یا نہیں تفصیلِ مقام یہ کہ مجہول کی تین قسمیں ہیں:

اول : مستور، جس کی عدالتِ ظاہری معلوم اور باطنی کی تحقیق نہیں، اس قسم کے راوی صحیح مسلم شریف میں بکثرت ہیں۔

دوم : مجہول العین، جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہو۔(اس قسم میں نزاع ہے بعض محدثین نے مطلقاً صرف ایک ثقہ راوی کی وجہ سے جہالت کی نفی کی ہے یا اس شرط کے ساتھ نفی کی ہے کہ وہ اس سے روایت کرتا ہے جو اس کے ہاں عادل ہے مثلاً یحیٰی بن سعید بن القطان، عبدالرحمن بن مہدی اور امام احمد اپنی مسند میں اور یہاں دیگر اَقوال بھی ہیں۔(ت)

سوم : مجہول الحال، جس کی عدالتِ ظاہری و باطنی کچھ ثابت نہیں (کبھی اس کا اِطلاق ایسے معنی پر ہوتا ہے جو مستور کو شامل ہو جائے۔ت)

قسم اوّل یعنی مستور تو جمہور محققین کے نزدیک مقبول ہے، یہی مذہب امام الائمہ سیدنا امام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، اور دو قسم باقی کو بعض اَکابر حجّت جانتے جمہور مُورِثِ ضُعف مانتے ہیں۔ص 443

تنبیہ: مجہول جب مطلق بولا جاتا ہے تو کلامِ محدثین میں غالباً اس سے مراد مجہول ُالعین ہے۔

فائدہ ۵: (مجہول العین کا قبول ہی مذہبِ محققین ہے) اِفادۂ دوم میں گزرا کہ امام نووی نے مجہول العین کا قبول بہت محققین کی طرف نسبت کیا اور امام اَجل ابوطالب مکّی نے اُسی کو مذہبِ فقہائے کرام و اولیائے عظام قرار دیا اور یہی مذہب ہمارے ائمۂ اَعلام کا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ پس در بارۂ مجہول قولِ مقبول یہ ہے کہ مستور و مجہول ُالعین دونوں حجت، ہاں مجہولُ الحال جس کی عدالتِ ظاہری بھی معلوم نہ ہو اَحکام میں حجت نہیں فضائل میں بالاتفاق وہ بھی مقبول۔ص 595

اِفادۂ سوم ۳: (حدیثِ منقطع کا حکم) اسی طرح سند کا منقطع ہونا مستلزمِ وضع نہیں، ہمارے ائمۂ کرام اور جمہور علماء کے نزدیک تو اِنقطاع سے صحت و حجیت ہی میں کچھ خلل نہیں آتا۔ص 448

اِفادۂ چہارم ۴: (حدیثِ مضطرب بلکہ مُنکَر بلکہ مُدرَج بھی موضوع نہیں) اِنقطاع تو ایک امرِ سہل ہے جسے صِرف بعض نے طعن جانا، علماء فرماتے ہیں: حدیث کا مضطرب بلکہ منکر ہونا بھی موضوعیت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا، یہاں تک کہ در بارۂ فضائل مقبول رہے گی، بلکہ فرمایا کہ مُدرَج بھی موضوع سے جُدا قسم ہے، حالانکہ اُس میں تو کلامِ غیر کا خلط ہوتا ہے۔ص 450

اِفادۂ پنجم ۵: (جس حدیث میں راوی بالکل مبہم ہو وہ بھی موضوع نہیں) خیر جہالتِ راوی کا تو یہ حاصل تھا کہ شاگرد ایک یا عدالت مشکوک، شخص تو معین تھا کہ فلاں ہے، مبہم میں تو اتنا بھی نہیں، جیسے حدثنی رجل (مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی) یا بعض اصحابنا (ایک رفیق نے خبر دی) پھر یہ بھی صرف مورثِ ضُعف ہے نہ کہ موجبِ وضع۔ص 451

اِفادۂ ششم ۶: (ضُعفِ راویان کے باعث حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے) بھلا جہالت وابہام تو عدمِ علمِ عدالت ہے اور بداہتِ عقل شاہد کہ علمِ عدم، عدمِ علم سے زائد، مجہول ومبہم کا کیا معلوم شاید فی نفسہٖ ثقہ ہو، اور جس پر جرح ثابت اِحتمال ساقط، والہذا محدثین در بارۂ مجہول ردوقبول میں مختلف اور ثابتُ الجرح کے رَد پر متفق ہُوئے۔ص 453

اِفادۂ ہفتم ۷: (ایسا غافل کہ حدیث میں دوسرے کی تلقین قبول کرلے اس کی حدیث بھی موضوع نہیں) پھر کسی ہلکے سے ضُعف کی خصوصیت نہیں، بلکہ سخت سخت اَقسامِ جرح میں جن کا ہر ایک جہالتِ راوی سے بدرجہا بدتر ہے، یہی تصریح ہے کہ اُن سے بھی موضوعیت لازم نہیں۔ص 454

اِفادۂ ہشتم ۸: (مُنکرُ الحدیث کی حدیث بھی موضوع نہیں)۔ص 454

اِفادۂ نہم ۹: (متروک کی حدیث بھی موضوع نہیں) ضعیفوں میں سب سے بدتر درجہ متروک کا ہے جس کے بعد صرف متّہم بالوضع یا کذّاب دَجّال کا مرتبہ ہے۔ص 456

اِفادۂ دہم ۱۰: (**موضوعیتِ حدیث کیونکر ثابت ہوتی ہے**) غرض ایسے وجوہ سے حکمِ وَضع کی طرف راہ چاہنا محض ہوس ہے، ہاں موضوعیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ اس روایت کا مضمون (۱) قرآنِ عظیم (۲) سنتِ متواترہ (۳) یا اِجماعِ قطعی قطعیات الدلالۃ (۴) یا عقلِ صریح (۵) یا حسِ صحیح (۶) یا تاریخِ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ اِحتمالِ تاویل وتطبیق نہ رہے۔

(۷) یا معنیٰ شنیع وقبیح ہوں جن کا صدور حضور پُرنُور صلواتُ اللہ علیہ سے منقول نہ ہو، جیسے معاذ اللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ یا مدحِ باطل یا ذمِ حق پر مشتمل ہونا۔

(۸) یا ایک جماعت جس کا عدد حدِ تواتر کو پہنچے اور ان میں اِحتمالِ کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے اُس کے کذب وبُطلان پر گواہی مستنداً الی الحِس دے۔

(۹) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اُس کی نقل وخبر مشہور ومستفیض ہوجاتی، مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتا نہیں۔

(۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ وبشارت یا صغیر اَمر کی مذمّت اور اس پر وعید وتہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنہیں کلامِ معجز نظامِ نبوت سے مشابہت نہ رہے۔ یہ دس ۱۰ صورتیں تو صریح ظہور ووضوحِ وضع کی ہیں۔

(۱۱) یا یوں حکمِ وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رَکیک وسخیف ہوں جنہیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل مدعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظِ

کریمہ حضور اَفصح العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

(۱۲) یا ناقل رافضی حضراتِ اہلبیتِ کرام علیٰ سید ہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اُس کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے حدیث: لَحْمُكَ لَحْمِیْ وَدَمُكَ دَمِیْ (تیرا گوشت میرا گوشت، تیرا خُون میرا خُون۔ت)

اقول: اِنصافاً یوں ہی وہ مناقبِ امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں کہ جس طرح روافض نے فضائلِ امیر المومنین واہلِ بیتِ طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں کے وضع کیں (جیسا کہ اس پر حافظ ابویعلیٰ اور حافظ خلیلی نے ارشاد میں تصریح کی ہے۔ت) یونہی نواصب نے مناقبِ امیر معٰویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیثیں گھڑیں كما ارشد اليه الامام الذاب عن السنة احمد بن حنبل رحمه الله تعالیٰ (جیسا کہ اس کی طرف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی جو سنّت کا دفاع کرنے والے ہیں۔ت)

(۱۳) یا قرائنِ حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع سے یا غضب وغیرہما کے باعث اَبھی گھڑ کر پیش کردی ہے جیسے حدیثِ سبق میں زِیادتِ جناح اور حدیثِ ذَم معلمین اَطفال۔

(۱۴) یا تمام کتب وتصانیفِ اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتا نہ چلے یہ صرف اَجلہ حفاظ ائمہ ٔ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

(۱۵) یا راوی خود اِقرارِ وضع کردے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلہ اِقرار ہو، مثلاً ایک شیخ سے بلا واسطہ بدعوی سماع روایت کرے، پھر اُس کی تاریخ وفات وہ بتائے کہ اُس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔ یہ پندرہ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع وتلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوا نہ ملیں (اگر ہم ہر ایک صورت پر تفصیلی گفتگو کریں تو کلام طویل اور مقصد دُور ہوجائے گا لہذا ہم یہاں اس کے درپے نہیں ہوتے۔(ت)

ثُمَّ اَقول (پھر میں کہتا ہوں۔ت) رہا یہ کہ جو حدیث ان سب سے خالی ہو اس پر حکمِ وضع کی رخصت کس حال میں ہے، اس باب میں کلماتِ علمائے کرام تین طرز پر ہیں:

(۱) اِنکارِ محض یعنی بے اُمورِ مذکورہ کے اَصلاً حکمِ وضع کی راہ نہیں اگرچہ راوی وَضّاع، کذّاب ہی پر اُس کا مدار ہو۔

(۲) کذّاب وَضّاع جس سے عمداً نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر معاذ اللہ بہتان واِفتراء کرنا ثابت ہو، صرف ایسے کی حدیث کو موضوع کہیں گے وہ بھی بطریقِ ظن نہ بروجہِ یقین کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور اگر قصداً اِفترا اُس سے ثابت نہیں تو اُس کی حدیث موضوع نہیں اگرچہ متہم بکذب ووضع ہو، یہ مسلک امامُ الشان وغیرہ علماء کا ہے۔

(۳) بہت علماء جہاں حدیث پر سے حکمِ وضع اُٹھاتے ہیں وجہِ رد میں کِذب کے ساتھ تہمتِ کذب بھی شامل فرماتے ہیں کہ یہ کیونکر موضوع ہوسکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب۔ کبھی فرماتے ہیں موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں۔

بالجملہ اس قدر پر اِجماعِ محققین ہے کہ حدیث جب اُن دلائل وقرائنِ قطعیہ وغالبہ سے خالی ہو اور اُس کا مدار کسی متہم بالکذب پر نہ ہو تو ہرگز کسی طرح اُسے موضوع کہنا ممکن نہیں جو بغیر اس کے حکم بالوضع کردے یا مُشدِّد مُفرِط ہے یا مُخطی

غَالِط یا مُتعَصِّب مُغالِط واللہ الہادی وعلیہ اعتمادی۔ص462 تا468

اِفادۂ یازدہم ۱۱: (بارہا موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سندِ خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے) جو حدیث فی نفسہٖ ان پندرہ دلائل سے منزّہ ہو محدّث اگر اُس پر حکمِ وضع کرے تو اس سے نفسِ حدیث پر حکم لازم نہیں بلکہ صرف اُس سند پر جو اُس وقت اس کے پیشِ نظر ہے، بلکہ بارہا اَسانیدِ عدیدہ حاضرہ سے فقط ایک سند پر حکم مراد ہوتا ہے یعنی حدیث اگر چہ فی نفسہٖ ثابت ہے، مگر اس سند سے موضوع و باطل اور نہ صرف موضوع بلکہ اِنصافاً ضعیف کہنے میں بھی یہ حاصِل حاصِل ، ائمۂ حدیث نے ان مطالب کی تصریحیں فرمائیں تو کسی عالم کا حکمِ وضع یا ضُعف دیکھ کر خواہی نخواہی یہ سمجھ لینا کہ اَصل حدیث باطل یا ضعیف ہے، ناواقفوں کی فہم سخیف ہے۔ص468

اِفادۂ دوازدہم ۱۲: (تعدُّ دِطُرُق سے ضعیف حدیث قوّت پاتی بلکہ حسن ہوجاتی ہے) حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضُعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کر لیتے ہیں، بلکہ اگر ضُعف غایت شدّت وقوّت پر نہ ہو تو جبرِ نقصان ہو کر حدیث درجۂ حسن تک پہنچتی اور مثلِ صحیح خود اَحکامِ حلال وحرام میں حُجّت ہوجاتی ہے۔ص472

اِفادۂ سیزدہم ۱۳: (حدیثِ مجہول وحدیثِ مبہم تعدُّ دِطُرق سے حسن ہوجاتی ہے اور وہ جابِر و مُنْجَبِر ہونے کے صالح ہیں) جہالتِ راوی بلکہ اِبہام بھی اُنہیں کم درجہ کے ضُعفوں سے ہے جو تعدُّ دِطُرُق سے منجبر ہوجاتے ہیں اور حدیث کو رُتبۂ حسن تک ترقی سے مانع نہیں آتے، یہ حدیثیں جابر ومنجبر دونوں ہونے کے صالح ہیں۔ص474

اِفادۂ چہاردہم ۱۴: (حصولِ قوت کو صرف دوسندوں سے آنا کافی ہے) حصولِ قوّت کے لئے کچھ بہت سے ہی طُرُق کی حاجت نہیں صرف دو بھی مل کر قوت پا جاتے ہیں۔ص475

اِفادۂ پانزدہم ۱۵: (اہلِ علم کے عمل کرنے سے بھی حدیثِ ضعیف قوی ہوجاتی ہے) اہلِ علم کے عمل کر لینے سے بھی حدیث قوت پاتی ہے اگرچہ سند ضعیف ہو۔ص475

اِفادۂ شانزدہم ۱۶: (حدیث سے ثبوت ہونے میں مطالب تین قسم ہیں) جن باتوں کا ثبوت حدیث سے پایا جائے وہ سب ایک پلّہ کی نہیں ہوتیں بعض تو اس اعلیٰ درجۂ قوت پر ہوتی ہیں کہ جب تک حدیث مشہور، متواتر نہ ہو اُس کا ثبوت نہیں دے سکتے احاد اگرچہ کیسے ہی قوتِ سند ونہایتِ صحت پر ہوں اُن کے معاملہ میں کام نہیں دیتیں۔

(عقائد میں حدیثِ احاد اگرچہ صحیح ہو کافی نہیں) یہ اُصولِ عقائدِ اسلامیہ ہیں جن میں خاص یقین درکار، علّامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح عقائدِ نسفی میں فرماتے ہیں: حدیثِ احاد اگرچہ تمام شرائطِ صحت کی جامع ہو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور معاملۂ اِعتقاد میں ظنیات کا کچھ اِعتبار نہیں۔

(دربارۂ اَحکام ضعیف کافی نہیں) دوسرا درجہ اَحکام کا ہے کہ اُن کے لئے اگرچہ اُتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہٖ خواہ لغیرہٖ یا حسن لذاتہٖ یا کم سے کم لغیرہٖ ہونا چاہئے، جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔

(فضائل ومناقب میں باتفاقِ علماء حدیثِ ضعیف مقبول وکافی ہے) تیسرا مرتبہ فضائل ومناقب کا ہے یہاں باتفاقِ علماء ضعیف حدیث بھی کافی ہے، مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی کہ جو ایسا کرے گا اتنا ثواب پائے گا یا کسی نبی یا صحابی کی خُوبی

بیان ہوئی کہ اُنہیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا، یہ فضل عطا کیا، تو ان کے مان لینے کو ضعیفِ حدیث بھی بہت ہے، ایسی جگہ صحتِ حدیث میں کلام کرکے اسے پایۂ قبول سے ساقط کرنا فرقِ مراتب نہ جاننے سے ناشی، جیسے بعض جاہل بول اُٹھے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں، یہ اُن کی نادانی ہے علمائے محدثین اپنی اِصطلاح پر کلام فرماتے ہیں، یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں، عزیزو! مسلّم کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے، حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے۔ص477

اِفادۂ ہفدہم ۱۷: فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے حدیثِ ضعیف ثبوتِ اِستحباب کے لئے بس ہے۔اقول: و باللہ التوفیق بلکہ فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل کے معنی ہی یہ ہیں کہ استحباب مانا جائے ورنہ نفسِ جواز تو اصالتِ اِباحت وانعدامِ نہیِ شرعی سے آپ ہی ثابت۔ص481

اِفادۂ ہیجدہم ۱۸: (خود احادیث حکم فرماتی ہیں کہ ایسی جگہ حدیثِ ضعیف پر عمل کیا جائے)۔ص486

اِفادۂ نوزدہم ۱۹: (عقل بھی گواہ ہے کہ ایسی جگہ حدیثِ ضعیف مقبول ہے) **وباللّٰه التوفیق**، عقل اگر سلیم ہو تو ان نصوص ونقول کے علاوہ وہ خود بھی گواہ کافی ہے کہ ایسی جگہ ضعیف حدیث معتبر اور اس کا ضُعف مغتفر کہ سند میں کتنے ہی نقصان ہوں آخر بُطلان پر یقین تو نہیں **فان الکذوب قد یصدق** (بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے) تو کیا معلوم کہ اس نے یہ حدیث ٹھیک ہی روایت کی ہو۔ص489

اِفادۂ بستم ۲۰: (حدیثِ ضعیف اَحکام میں بھی مقبول ہے جبکہ محلِ اِحتیاط ہو)۔ص494

اِفادۂ بست ویکم ۲۱: (حدیثِ ضعیف پر عمل کے لئے خاص اُس باب میں کسی صحیح حدیث کا آنا ہر گز ضرور نہیں) بذریعۂ حدیثِ ضعیف کسی فعل کے لئے محلِ فضائل میں اِستحباب یا موضعِ اِحتیاط میں حکمِ تنزُّہ ثابت کرنے کے لئے زِنہار زِنہار اَصلاً اس کی حاجت نہیں کہ بالخصوص اس فعلِ معین کے باب میں کوئی حدیثِ صحیح بھی وارد ہوئی ہو، بلکہ یقیناً قطعاً صرف ضعیف ہی کا وُرود ان اَحکامِ اِستحباب وتنزہ کے لئے ذریعہ کافیہ ہے۔ص501

اِفادۂ بست ودوم ۲۲:(ایسے اَعمال کے جواز یا اِستحباب پر ضعیف سے سند لانا دربارۂ احکام اُسے حجت بنانا نہیں) جس نے اِفاداتِ سابقہ کو نظرِ غائر وقلبِ حاضر سے دیکھا سمجھا اُس پر بے حاجتِ بیان ظاہر وعیاں ہے کہ حدیثِ ضعیف سے فضائلِ اَعمال میں اِستحباب یا محلِ اِحتیاط میں کراہتِ تنزیہ یا امرِ مباح کی تائید اِباحت پر استناد کرنا اُسے اَحکام میں حجت بنانا اور حلال وحرام کا مُثبت ٹھہرانا نہیں کہ اِباحت تو خود بحکمِ اِصالت ثابت اور استحبابِ تنزہ قواعدِ قطعیہ شرعیہ وارشادِ اَقدس ''**کیف وقد قیل**'' وغیرہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت جس کی تقریر سابقاً زیورِ گوشِ سامعان ہُوئی حدیثِ ضعیف اس نظر سے کہ ضُعفِ سند مستلزمِ غلطی نہیں ممکن کہ واقع میں صحیح ہو صرف اُمید واحتیاط پر باعث ہوئی، آگے حکمِ اِستحباب وکراہت اُن قواعد وصحاح نے اِفادہ فرمایا اگر شرعِ مطہر نے جلبِ مصالح وسلبِ مفاسد میں اِحتیاط کو مستحب نہ مانا ہوتا ہرگز ان مواقع میں اَحکامِ مذکورہ کا پتا نہ ہوتا تو ہم نے اباحت، کراہت، مندوبیّت جو کچھ ثابت کی دلائلِ صحیحہ شرعیہ ہی سے ثابت کی نہ حدیثِ ضعیف سے، اَقول: تاہم اَز انجا کہ ورودِ ضعیف وہ بھی نہ لذاتہٖ بلکہ بملاحظہ اِمکانِ صحت ترجی واِحتیاط کا ذریعہ ہوا ہے اگر اُس کی طرف تجوزاً نسبتِ اِثبات کردیں بجا ہے اور ثبوت

بالضعیف میں بائے اِستعانت تو اَدنٰی مداخلت سے صادق، ہاں اگر دلائلِ شرعیہ سے ایک امرِ کلی کی حرمت ثابت ہو اور کوئی حدیثِ ضعیف اُس کے کسی فرد کی طرف بُلائے مثلاً کسی حدیثِ مجروح میں خاص طلوع وغروب یا اِستوا کے وقت بعض نمازِ نفل کی ترغیب آئی تو ہرگز قبول نہ کی جائے گی کہ اب اگر ہم اُس کا اِستحباب یا جواز ثابت کریں تو اسی حدیثِ ضعیف سے ثابت کریں گے اور وہ صالحِ اِثبات نہیں یونہی اگر دلائلِ شرعیہ مثبتِ نُدب یا اِباحت ہوں اور ضعاف میں نہی آئی اسی وجہ سے مفیدِ حرمت نہ ہوگی مثلاً مقرراوقات کے سوا کسی وقت میں ادائے سنن یا معین رشتوں کے علاوہ کسی رشتہ کی عورت سے نکاح کو کوئی حدیثِ ضعیف منع کرے حرمت نہ مانی جائے گی ورنہ ضعاف کی صحاح پر ترجیح لازم آئے بحمد اللہ یہ معنی ہیں کلامِ علماء کے کہ حدیثِ ضعیف دربارۂ اَحکامِ حلال وحرام معمول بہ نہیں۔

ثُمَّ اَقول: اصل یہ ہے کہ مُثبت وہ جو خلافِ اَصل کسی شے کو ثابت کرے کہ جو بات مطابقِ اصل ہے خود اسی اصل سے ثابت، ثابت کیا محتاجِ اِثبات ہوگا ولہذا شرعِ مطہر میں گواہ اس کے مانے جاتے ہیں جو خلافِ اصل کا مدعی ہو اور ماورائے دِماء وفروج ومضار وخبائث تمام اشیاء میں اصل اِباحت ہے تو ان میں کسی فعل کے جواز پر حدیثِ ضعیف سے اِستناد کرنا حلتِ غیر ثابتہ کا اِثبات نہیں بلکہ ثابتہ کی تائید ہے۔ص 521

کلبی کا نہایت **شدیدُ الضُّعف ہونا** کسے نہیں معلوم اُس کے بعد صریح کذّاب وضّاع ہی کا درجہ ہے ائمۂ شان نے اُسے متروک بلکہ منسوب الی الکذب تک کیا (ابنِ حبان اور جوزجانی نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے، بخاری کہتے ہیں کہ اسے یحیٰی اور ابنِ مہدی نے ترک کردیا، دارقطنی اور ایک جماعت نے کہا کہ یہ متروک ہے۔ت) لاجرم حافظ نے تقریب میں فرمایا **متھم بالکذب ورمی بالرفض** (اس پر کذب کا اِتہام ہے اور اسے روافض کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ت) بااینہمہ عامۂ کتبِ سِیَر وتفاسیر اس کی اور اس کی اَمثال کی روایات سے مالا مال ہیں، علمائے دین ان امور میں اُنہیں بلانکیر نقل کرتے رہے ہیں۔ص 525

(امام واقدی ہمارے علماء کے نزدیک ثقہ ہیں) امام واقدی کو جمہور اہلِ اَثر نے چنیں وچناں کہا جس کی تفصیل میزان وغیرہ کتبِ فن میں مسطور، اگرچہ ہمارے علماء کے نزدیک اُن کی توثیق ہی راجح ہے، بااینہمہ یہ جرح شدید ماننے والے بھی انہیں سِیَر ومغازِی واخبار کا امام مانتے اور سلفاً وخلفاً ان کی روایات سِیَر میں ذکر کرتے ہیں۔ص 526

اِفادۂ بست وچہارم ۲۴ :(حدیث کا کتبِ طبقۂ رابعہ سے ہونا خواہی نخواہی مستلزم مطلق ضُعف ہی نہیں چہ جائے ضُعفِ شدید) **وباللہ اَستعینُ** کسی حدیث کا کتبِ طبقۂ رابعہ سے ہونا موضوعیت بالائے طاق، ضُعفِ شدید درکنار مطلق ضُعف کو بھی مستلزم نہیں اُن میں حسن، صحیح، صالح، ضعیف، باطل ہر قسم کی حدیثیں ہیں، ہاں بوجہ اِختلاط وعدمِ بیان کہ عادتِ جمہور محدثین ہے ہر حدیث میں اِحتمالِ ضُعف قدیم لہذا غیرِ ناقد کو بے مطالعۂ کلماتِ ناقدین اُن سے عقائد واحکام میں احتجاج نہیں پہنچتا۔ص 538

اِفادۂ بست وپنجم ۲۵ :(کتبِ موضوعات میں کسی حدیث کا ذِکر مطلقاً ضُعف کو ہی مستلزم نہیں **) اقول:** کتابیں کہ بیانِ اَحادیثِ موضوعہ میں تالیف ہوئیں دو قسم ہیں۔

ایک: وہ جن کے مصنّفین نے خاص اِیرادِ موضوعات ہی کا اِلتزام کیا جیسے موضوعاتِ ابن الجوزی واباطیلِ جوزقانی وموضوعاتِ صنعانی ان کتابوں میں کسی حدیث کا ذکر بلاشبہہ یہی بتائے گا کہ اس مصنّف کے نزدیک موضوع ہے جب تک صراحۃً نفیِ موضوعیت نہ کردی ہوایسی ہی کتابوں کی نسبت یہ خیال بجا ہے کہ موضوع نہ سمجھتے تو کتابِ موضوعات میں کیوں ذکر کرتے پھر اس سے بھی صرف اِتنا ہی ثابت ہوگا کہ زعمِ مصنّف میں موضوع ہے بہ نظرِ واقع عدمِ صحت بھی ثابت نہ ہوگا نہ کہ ضُعف نہ کہ سقوط نہ کہ بُطلان ان سب کتب میں احادیثِ ضعیفہ درکنار بہت اَحادیثِ حسان وصحاح بھر دی ہیں اور محض بے دلیل اُن پر حکمِ وضع لگا دیا ہے جسے ائمۂ محققین ونقادِ منقحین نے بدلائلِ قاہرہ باطل کردیا جس کا بیان ''مقدمہ ابن الصلاح'' و''تقریب'' امام نووی و''الفیہ'' امام عراقی و''فتح المغیث'' امام سخاوی وغیرہا تصانیفِ علما سے اجمالاً اور''تدریب'' امام خاتم الحفاظ سے قدرے مفصلاً اور انہی کی ''تعقبات'' و''لآلی مصنوعہ'' و''القول الحسن فی الذب عن السنن'' وامام الشان کے ''القول المسدد فی الذب عن مسند احمد'' وغیرہا سے بنہایتِ تفصیل واضح وروشن مطالعۂ ''تدریب'' سے ظاہر کہ ابن الجوزی نے اور تصانیف درکنار خود صحاحِ ستّہ ومسند امام احمد کی چوراسی حدیثوں کو موضوع کہہ دیا۔

دوم: وہ جن کا قصد صرف اِیرادِ موضوعاتِ واقعیہ نہیں بلکہ دوسروں کے حکمِ وضع کی تحقیق وتنقیح جیسے ''لآلی'' امام سیوطی یا نظر وتنقید کے لئے اُن اَحادیث کا جمع کردینا جن پر کسی نے حکمِ وضع کیا جیسے اُنہیں کا ''ذیل اللآلی''۔ پُرظاہر کہ ایسی تصانیف میں حدیث کا ہونا مصنف کے نزدیک بھی اس کی موضوعیت نہ بتائے گا کہ اصل کتاب کا موضوع ہی تنہا اِیرادِ موضوع نہیں بلکہ اگر کچھ حکم دیا یا سند یا متن پر کلام کیا ہے تو اسے دیکھا جائے گا کہ صحت یا حسن یا ثبوت یا صلوح یا ضُعف یا سقط یا بُطلان کیا نکلتا ہے مثلاً ''لَا یَصِحُّ'' (یہ صحیح نہیں۔ت) یا ''لَمْ یَثْبُتْ'' (یہ ثابت نہیں۔ت) یا سند پر جہالت یا اِنقطاع سے طعن کیا تو غایت درجہ ضُعف معلوم ہُوا، اور اگر ''رَفْعُہٗ'' کی قید زائد کردی تو صرف مرفوع کا ضُعف اور بنظرِ مفہوم موقوف کا ثبوت مفہوم ہُوا، وعلٰی ہذا القیاس اور کچھ کلام نہ کیا تو امر محتاجِ نظر وتنقیح رہے گا کما لا یخفی شوکانی (وہابی) کی کتاب ''موضوعات'' مسمّٰی بہ ''فوائدِ مجموعہ'' بھی اسی قسمِ ثانی کے ہے خود اُس نے خطبۂ کتاب میں اس معنٰی کی تصریح کی کہ میں اس کتاب میں وہ حدیثیں بھی ذکر کروں گا جنہیں موضوع کہنا ہرگز صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہیں بلکہ ضُعف بھی خفیف ہے بلکہ اَصلاً ضُعف نہیں حسن یا صحیح ہیں کہ اہلِ تشدّد کے کلام پر تنبیہ اور اُس کے رَد کی طرف اشارہ ہوجائے۔ص548

اِفادۂ بست وششم ۲۶: (ایسی جگہ (فضائل اعمال میں) **اگر سند کسی قابل نہ ہوتو صرف تجربہ سند کافی ہے)** اقول: بالفرض اگر ایسی جگہ ضُعفِ سند ایسی ہی حد پر ہو کہ اَصلاً قابلِ اِعتماد نہ رہے مگر جو بات اس میں مذکور ہُوئی وہ علما وصلحا کے تجربہ میں آچکی تو علمائے کرام اس تجربہ ہی کو سند کافی سمجھتے ہیں کہ آخر سند کذبِ واقعی کو مستلزم نہ تھا۔551

اِفادۂ بست وہفتم ۲۷: (بالفرض اگر کتب میں اَصلاً پتا نہ ہوتا تاہم ایسی حدیث کا بعض کلماتِ علما میں بلاسند مذکور ہونا ہی بس ہے) اقول: بھلا یاں تو طرقِ مسندہ باسانیدِ متعددہ کتبِ حدیث میں موجود علمائے کرام تو ایسی جگہ صرف کلماتِ بعض علما میں بلاسند مذکور ہونا ہی سند کافی سمجھتے ہیں اگرچہ طبقۂ رابعہ وغیرہا کسی طبقہ حدیث میں اس کا نام (و) نشان نہ ہو۔ص555

اِفادۂ بست وہشتم ۲۸: (حدیث اگر موضوع بھی ہوتو تاہم اس سے فعل کی ممانعت لازم نہیں) اَقول: اچھا سب جانے دیجئے اپنی

خاطر پُورا تنزل لیجئے بالفرض حدیث موضوع و باطل ہی ہو تاہَم موضوعیتِ حدیث عدمِ حدیث ہے نہ حدیثِ عدم، اُس کا اصل صرف اتنا ہوگا کہ اس بارہ میں کچھ وارد نہ ہوا نہ یہ کہ اِنکار و منع وارد ہوا، اب اصل فعل کو دیکھا جائے گا اگر قواعدِ شرع ممانعت بتائیں ممنوع ہوگا ورنہ اباحتِ اَصلیہ پر رہے گا اور بہ نیتِ حسن حسن و مستحسن ہوجائے گا۔ ص561

اِفادۂ بست ونہم ۲۹: (اَعمالِ مشائخ محتاجِ سند نہیں اَعمال میں تصرف و ایجادِ مشائخ کو ہمیشہ گنجایش) بالفرض کچھ نہ سہی تو اَقل درجہ اس فعل (انگوٹھے چومنے) کو اعمالِ مشائخ سے ایک عمل سمجھئے کہ بغرضِ روشنائی بصر معمول، ایسی جگہ ثبوتِ حدیث کی کیا ضرورت۔ ص571

فائدہ نفیسہ جلیلہ: (فضیلت واَفضلیت میں فرق ہے دربارۂ تفضیل حدیثِ ضعیف ہرگز مقبول نہیں) فضیلت واَفضلیت میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ (فضیلت) اسی باب سے ہے جس میں ضعاف بالاتفاق قابلِ قبول اور یہاں (اَفضلیت میں) بالاجماع مردود و نامقبول۔

اَفضلیت کے معنی ایک کو دوسرے سے عنداللہ بہتر و افضل ماننا ہے یہ جب ہی جائز ہوگا کہ ہمیں خدا و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اِرشاد سے خوب ثابت و محقق ہوجائے، ورنہ بے ثبوت حکم لگادینے میں محتمل کہ عنداللہ اَمر بالعکس ہو تو افضل کو مفضُول بنایا، یہ تصریح تنقیصِ شان ہے اور وہ حرام تو مفسدۂ تحلیلِ حرام و تضیعِ حقِ غیر دونوں دَرپیش کہ افضل کہنا حق اس کا تھا اور کہہ دیا اس کو۔ یہ اس صورت میں تھا کہ دلائلِ شرعیہ سے ایک کی اَفضلیت معلوم نہ ہو، پھر وہاں کا تو کہنا ہی کیا ہے، جہاں عقائدِ حقّہ میں ایک جانب کی تفضیل محقق ہو اور اس کے خلاف اَحادیثِ سقام وضعاف سے استناد کیا جائے، جس طرح آج کل کے جہال حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تفضیلِ حضرتِ مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم میں کرتے ہیں، یہ تصریح مضادتِ شریعت و معاندتِ سنّت ہے۔ ولہذا ائمۂ دین نے تفضیلیہ کو روافض سے شمار کیا (جیسا کہ ہم نے اسے اپنی مبارک کتاب "**مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین**" (۱۲۹۷ھ) میں بیان کیا ہے۔ت) بلکہ اِنصافاً اگر تفضیلِ شیخین کے خلاف کوئی حدیثِ صحیح بھی آئے قطعاً واجبُ التاویل ہے اور اگر بفرضِ باطل صالح تاویل نہ ہو واجبُ الرّد کہ تفضیلِ شیخین متواتر واِجماعی ہے (جیسا کہ ہم نے اپنی اس مذکورہ کتاب میں اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے۔ت) اور متواتر واجماع کے مقابل احاد ہرگز نہ سُنے جائیں گے، بالجملہ مسئلۂ اَفضلیت ہرگز بابِ فضائل سے نہیں جس میں ضعاف سُن سکیں بلکہ مواقف وشرح مواقف میں تو تصریح کی کہ بابِ عقائد سے ہے اور اس میں احاد صحاح بھی نامسموع۔ ص580

فائدہ: مہمہ عظیمہ (مشاجراتِ صحابہ میں تواریخ وسیر کی مُوحش حکایتیں قطعاً مردود ہیں) سیرتِ انسانُ العیون کا ارشاد گزرا کہ سِیر موضوع کے سوا ہر قسم ضعیف وسقیم و بے سند حکایات کو جمع کرتی ہے پھر اِنصافاً یہ بھی انہوں نے سیر کا منصب بتایا جواُسے لائق ہے کہ موضوعات تو اَصلاً کسی کام کے نہیں اُنہیں وہ بھی نہیں لے سکتے ورنہ بنظرِ واقع سیر میں بہت اَکاذیب واَباطیل بھرے ہیں **کما لایخفی** بہرحال فرقِ مراتب نہ کرنا اگر جنوں نہیں تو بدمذہبی ہے بدمذہبی نہیں تو جنون ہے، سیر جن بالائی باتوں کے لئے ہے اُس میں حد سے تجاوز نہیں کرسکتے اُس کی روایاتِ مذکورہ کسی حیض ونفاس کے مسئلہ میں بھی سننے کی نہیں نہ کہ معاذ اللہ اُن واہیات ومعضلات و بے سروپا حکایات سے صحابۂ کرام حضور سید الانام علیہ وعلٰی آلہ وعلیہم افضل الصّلاۃ والسلام پر طعن پیدا کرنا

اِعتراض نکالنا اُن کی شانِ رفیع میں رَخنے ڈالنا کہ اس کا اِرتکاب نہ کرے گا مگر گمراہ بددین مخالف ومضادِ حق مُبین آج کل کے بدمذہب مریض القلب منافق شِعار اِن جزافاتِ سیر وخرافاتِ تواریخ واَمثالہا سے حضراتِ عالیہ خلفائے راشدین وام المومنین وطلحہ وزبیر ومعاویہ وعمرو بن العاص ومغیرہ بن شعبہ وغیرہم اہلبیت وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مطاعنِ مردودہ اوران کے باہمی مشاجرات میں موحش ومہمل حکایاتِ بیہودہ جن میں اکثر تو سرے سے کذب وواحض اور بہت اِلحاقاتِ ملعونۂ روافض چھانٹ لاتے اور اُن سے قرآن عظیم واِرشاداتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واِجماعِ اُمّت واساطینِ ملّت کا مقابلہ چاہتے ہیں بے علم لوگ اُنہیں سُن کر پریشان ہوتے یا فکرِ جواب میں پڑتے ہیں اُن کا پہلا جواب یہی ہے کہ ایسے مہملات کسی اَدنیٰ مسلمان کو گنہگار ٹھہرانے کے لئے مسموع نہیں ہوسکتے نہ کہ اُن محبوبانِ خدا پر طعن جن کے مدائحِ تفصیلی خواہ اِجمالی سے کلام اللہ وکلام رسول اللہ مالامال ہیں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حاش للہ اگر مورخین واَمثالہم کی ایسے حکایات اَدنیٰ قابلِ اِلتفات ہوں تو اہلِ بیت وصحابہ درکنار خود حضراتِ عالیہ اَنبیاء ومرسلین وملٰئکہ مقربین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے کہ ان مہملاتِ مخذولہ نے حضراتِ سعادتنا ومولٰنا آدم صفی اللہ وداوٗد خلیفۃُ اللہ وسلیمان نبیُّ اللہ ویوسف رسولُ اللہ سے سیدالمرسلین محمد حبیبُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم تک سب کے بارہ میں وہ وہ ناپاک بیہودہ حکایاتِ موحشہ نقل کی ہیں کہ اگر اپنے ظاہر پر تسلیم کی جائیں تو معاذَ اللہ اصل ایمان کو رو بیٹھنا ہے ان ہولناک اَباطیل کے بعض تفصیل مع ردِ جلیل کتابِ مستطاب شفا شریف امام قاضی عیاض اور اس کی شروح وغیرہا سے ظاہر لاجرم ائمۂ ملّت وناصحانِ اُمت نے تصریحیں فرمادیں کہ ان جہال وضلال کے مہملات اور سیر وتواریخ کی حکایت پر ہرگز کان نہ رکھا جائے۔ص582

فائدہ۹: (وہ محدثین جو ثقہ سے روایت کرتے) محدثین میں بہت کم ایسے ہیں جن کا التزام تھا کہ ثقہ ہی سے روایت کریں جیسے (۱) شعبہ بن الحجاج (۲) وامام مالک (۳) وامام احمد (۴) اور اِفادۂ دوم میں یحیٰی بن سعید قطان (۵) وعبدالرحمن بن مہدی کو گِنا، اور انہیں سے ہیں امام شعبی (۶) وبقی بن مخلد (۷) وحریز بن عثمٰن (۸) وسلیمٰن بن حرب (۹) ومظفر بن مدرک خراسانی (۱۰) وامام بخاری۔ص606

ثُمَّ اَقول: (ہمارے امام اعظم جس سے (روایت) فرمالیں اس کی ثقاہت ثابت ہوگئی) انہیں ائمۂ محتاطین سے ہیں علم اَعلم امامِ اَعظم سیدنا ابوحنیفۃ النعمان اَنعَم اللہ تعالیٰ علیہ بانعام الرضوان ونعمہٖ بانعم نعم الجنان، یہاں تک کہ اگر بعض مختلطین سے روایت فرمائیں تو اخذ قبلِ التَّغیر پر محمول ہوگا جس طرح اَحادیثِ صحیحین میں کرتے ہیں۔ص612

فائدہ ۱۲: (حدیثِ بے سندِ مذکور علماء کے قبول میں نفیس وجلیل اِحقاق اور اَوہامِ قاصرینِ زماں کا اِبطال واِزہاق) اَقول وباللہ التوفیق اَذہانِ اکثر قاصرینِ زمان میں سند کی فضیلتیں اور کلامِ اَئمۂ دین میں اِتصال کی ضرورتیں دیکھ دیکھ کر مُرتکز ہورہا ہے کہ اَحادیثِ بے سند اگرچہ کلماتِ ائمۂ معتمدین میں بصیغۂ جزم مذکور ہوں مطلقاً باطل ومردود وعاطل کہ اَحکام، مغازی، سِیَر، فضائل کسی باب میں اَصلاً نہ سُننے کے لائق، نہ ماننے کے قابل حالانکہ یہ محض اِختراع بین الاندفاع مشاہیر محدثین وجماہیر فقہا دونوں فریق کے مخالفِ اِجماع ہے۔ص621

(جماہیر فقہائے کرام کے نزدیک ائمۂ فقہاء کی بے سند حدیثیں دربارۂ احکام بھی حجت ہیں) یہ سب کلام بطورِ محدثین تھا، اور جماہیر فقہائے کرام کے نزدیک تو معضلاتِ مذکورہ فضائل دَرکنار خود بابِ اَحکام میں حجت ہیں جبکہ مرسِل امام معتمد محتاط فی الدین عارف بالرجال بصیر بالعِلَل غیر معروف بالتساہل ہو اور مذہبِ مختار امام محقق علی الاطلاق وغیرہا اکابر میں کچھ تخصیصِ قرن غیر قرن نہیں ہر قرن کے ایسے عالم کا قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنا حجت فی الاحکام ہے۔

اقول (تحقیق مصنف کہ غیر ناقد کے لئے ان کا قبول محدثین پر بھی لازم) اِنصافاً غیرِ ناقد کے لئے مراسیلِ مذکورہ سے اِحتجاج فی الاحکام اثریین پر بھی لازم، آخراُس کی سبیل یہی ناقد پر اِعتماد ہے نہ نقد کہ تکلیف مالا یُطاق ہے، تو اُس کے لئے ذِکر وعدمِ ذکرِ سند دونوں یکساں اور بلاشبہہ قولِ ناقدِ محتاط قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تصحیح صریح واِلتزامی سے اعلیٰ نہیں تو کم بھی نہیں، اور جو اِحتمالاتِ مساہلت وتحسینِ ظن وخطائی النظر یہاں ہیں، وہاں بھی حاصل بلکہ مجرّب ومشاہد۔ ص626

انگوٹھے چومنا کب منع ہے؟

مسلمان اگر وقتِ اِقامت بھی تقبیل کرے ہرگز کوئی وجہِ ممانعت نہیں، اور اسے شرعاً ناجائز نہ کہے گا مگر وہ کہ شرع پر اِفترا کرتا یا نام واِکرامِ سیدالانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام سے جلتا ہے، اسی طرح نماز واِستماعِ قرآن مجید واِستماعِ خطبہ جن میں حرکت منع ہے اور ان کے اَمثال مواضعِ لزومِ محذور کے سِوا جہاں کہیں بھی یہ فعل بنظرِ تعظیم ومحبتِ حضرتِ رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ ہو جیسا کہ بعض محبّانِ سرکار سے مشہور ہے بہرحال محبوب ومحمود ہے **واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم**۔ ص652

دفن کے وقت قبر پر اذان

بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اُتارتے وقت اذان کہنے کو سنّت فرمایا، امام ابنِ حجر مکّی وعلّامہ خیرُ الملۃ والدّین رَملی اُستاذ صاحبِ دُرِمختار علیہم رحمۃ الغفار نے اُن کا یہ قول نقل کیا: **اما المکی ففی فتاواہ وفی شرح العباب وعارض واما الرملی ففی حاشیۃ البحر الرائق ومرض**۔ مکّی نے اپنے فتاوٰی اور شرح العباب میں نقل کیا اور اس نے معارضہ کیا، رملی نے حاشیہ البحر الرائق میں نقل کیا اور اسے کمزور کہا۔ (ت) حق یہ ہے کہ اذان مذکور فی السوال کا جواز یقینی ہے ہرگز شرع مطہر سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اَصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا قائلانِ جواز کے لئے اسی قدر کافی۔ ص654

مسجد جانے کی ۴۰ نیتیں

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **نِیَّۃُ المومن خیرٌ مِّنْ عملہٖ** (مسلمان کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے) اور بیشک جو علمِ نیت جانتا ہے ایک ایک فعل کو اپنے لئے کئی کئی نیکیاں کرسکتا ہے مثلاً جب نماز کے لئے مسجد کو چلا اور صرف یہی قصد ہے کہ نماز پڑھوں گا تو بیشک اُس کا یہ چلنا محمود، ہر قدم پر ایک نیکی لکھیں گے اور دُوسرے پر گناہ محو کریں گے مگر عالمِ نیت اس ایک ہی فعل میں اتنی نیتیں کرسکتا ہے۔

(۱) اصل مقصود یعنی نماز کو جاتا ہوں۔ (۲) خانۂ خدا کی زیارت کروں گا۔

(۳) شعارِ اسلام ظاہر کرتا ہوں (۴) داعی اللہ کی اِجابت کرتا ہوں۔

(۵) تحیۃ المسجد پڑھنے جاتا ہوں۔ (۶) مسجد سے خس وخاشاک وغیرہ دُور کروں گا۔

(۷) اعتکاف کرنے جاتا ہوں کہ مذہب مفتیٰ بہ پر اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں اور ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے جب سے داخل ہو باہر آنے تک اعتکاف کی نیت کرلے انتظارِ نماز وادائے نماز کے ساتھ اعتکاف کا بھی ثواب پائے گا۔

(۸) امرِ الٰہی {خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ} (اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ۔ت) اِمتثال کو جاتا ہوں۔

(۹) جو وہاں علم والا ملے گا اُس سے مسائل پُوچھوں گا دین کی باتیں سیکھوں گا۔

(۱۰) جاہلوں (کو) مسئلہ بتاؤں گا دین سکھاؤں گا۔

(۱۱) جو علم میں میرے برابر ہوگا اُس سے علم کی تکرار کروں گا۔ (۱۲) علماء کی زیارت،

(۱۳) نیک مسلمانوں کا دیدار، (۱۴) دوستوں سے ملاقات،

(۱۵) مسلمانوں سے میل،

(۱۶) جو رشتہ دار ملیں گے اُن سے بکشادہ پیشانی مل کر صلہ رحم،

(۱۷) اہلِ اسلام کو سلام،

(۱۸) مسلمانوں سے مصافحہ کروں گا،

(۱۹) اُن کے سلام کا جواب دُوں گا،

(۲۰) نمازِ جماعت میں مسلمانوں کی برکتیں حاصل کروں گا۔

(۲۱و۲۲) مسجد میں جاتے نکلتے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام عرض کروں گا بسم اللہ الحمد للہ والسلام علٰی رسول اللہ۔

(۲۳و۲۴) دخول وخروج میں حضور وآلِ حضور وازواجِ حضور پر درود بھیجوں گا اللّٰھم صلّ علٰی سیدنا محمّد وعلٰی اٰل سیدنا محمّد وعلٰی آزواج سیدنا محمّد۔

(۲۵) بیمار کی مزاج پُرسی کروں گا۔

(۲۶) اگر کوئی غمی والا ملا تعزیت کروں گا۔

(۲۷) جس مسلمان کو چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہا اُسے یَرْحَمُكَ اللہُ کہوں گا۔

(۲۸و۲۹) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کروں گا۔

(۳۰) نمازیوں کے وضو کو پانی دُوں گا۔

(۳۱و۳۲) خود مؤذن ہے یا مسجد میں کوئی مؤذن مقرر نہیں تو نیت کرے کہ اذان واقامت کہوں گا اب اگر یہ کہنے نہ پایا دُوسرے نے کہہ دی تاہم اپنی نیت پر اذان واقامت کا ثواب پاچکا۔

(۳۳) جو راہ بھُولا ہوگا راستہ بتاؤں گا۔

(۳۴) اندھے کی دستگیری کروں گا۔

(۳۵) جنازہ مِلا تو نماز پڑھوں گا۔

(۳۶) موقع پایا تو ساتھ دفن تک جاؤں گا۔

(۳۷) دو مسلمانوں میں نزاع ہوئی تو حتّی الوسع صلح کراؤں گا۔

(۳۸و۳۹) مسجد میں جاتے وقت دہنے اور نکلتے وقت بائیں پاؤں کی تقدیم سے اِتباعِ سنّت کروں گا۔

(۴۰) (عہ ۱)[1] راہ میں جو لکھا ہوا کاغذ پاؤں گا اُٹھا کر ادب سے رکھ دوں گا الی غیر ذلك من نِیّات کثیرۃ تو دیکھئے کہ جو ان ارادوں کے ساتھ گھر سے مسجد کو چلا وہ صرف حسنۂ نماز کے لئے نہیں جاتا بلکہ ان چالیس ۴۰ حسنات کے لئے جاتا ہے تو گویا اُس کا یہ چلنا چالیس طرف چلنا ہے اور ہر قدم چالیس قدم، پہلے اگر ہر قدم ایک نیکی تھا اب چالیس ۴۰ نیکیاں ہوگا، اسی طرح قبر پر اذان دینے والے کو چاہیئے کہ ان پندرہ نیتوں کا تفصیلی قصد کرے تا کہ ہر نیت پر جُدا گانہ ثواب پائے اور ان کے ساتھ یہ بھی ارادہ کہ مجھے میت کے لئے دُعا کا حکم ہے اس کی اِجابت کا سبب حاصل کرتا ہوں اور نیز اُس سے پہلے عملِ صالح کی تقدیم چاہیئے یہ ادبِ دعا بجالاتا ہوں الی غیر ذلك مما یستخرجه العارف النبیل واللہ الھادی الی سواء السبیل (ان کے علاوہ دوسری نیتیں جن کو عارف اور عمدہ رائے اِستخراج کرسکتی ہے اللہ تعالٰی ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔ت) بہت لوگ اذان تو دیتے ہیں مگر ان منافع و نیات سے غافل ہیں وہ جو کچھ نیت کرتے ہیں اُسی قدر پائیں گے۔ص673

[1]: (عہ ۱): یہ چالیس نیتیں ہیں جن میں چھبیس علماء نے ارشاد فرمائیں اور چودہ فقیر نے بڑھائیں جن کے ہندسوں پر خطوط کھینچے ہیں۔ ۱۲ منہ۔

جلد نمبر 6

بابُ شُرُوْطِ الصّلوٰةِ (نماز کی شرطوں کا بیان)

مرد کے بدن میں کتنے عضو عورت ہیں؟

یہ تو معلوم ہے کہ مرد کے لئے ناف سے زانو تک عورت ہے۔ ناف خارج، گھٹنے داخل، مگر جُدا جُدا اَعضاء بیان کرنے میں یہ نفع ہے کہ ان میں ہر عضو کی چوتھائی پر اَحکام جاری ہیں، مثلاً:

(۱) اگر ایک عضو کی چہارم کھل گئی اگرچہ اس کے بِلا قصد ہی کھلی ہو اور اس نے ایسی حالت میں رکوع یا سجود یا کوئی رکن کامل ادا کیا تو نماز بالاتفاق جاتی رہی۔

(۲) اگر صورتِ مذکورہ میں پورا رکن تو ادا نہ کیا مگر اتنی دیر گزر گئی جس میں تین بار سُبحانَ اللہ کہہ لیتا تو بھی مذہبِ مختار پر جاتی رہی۔

(۳) اگر نمازی نے بِالقصد ایک عضو کی چہارم بِلاضرورت کھولی تو فوراً نماز جاتی رہی اگرچہ معاً چھپالے، یہاں ادائے رکن یا اُس قدر دیر کی کچھ شرط نہیں۔

(۴) اگر تکبیرِ تحریمہ اُسی حالت میں کہی کہ ایک عضو کی چہارم کھلی ہے تو نماز سرے سے منعقد ہی نہ ہوگی اگرچہ تین تسبیحوں کی دیر تک مکشوف نہ رہے۔

(۵) ان سب صورتوں میں اگر ایک عضو کی چہارم سے کم ظاہر ہے تو نماز صحیح ہوجائے گی اگرچہ نیّت سے سلام تک اِنکشاف رہے اگرچہ بعض صورتوں میں گناہ وسوئے اَدب بیشک ہے۔

(۶) اگر ایک عضو دو جگہ سے کھلا ہو مگر جمع کرنے سے اس عضو کی چوتھائی نہیں ہوتی تو نماز ہوجائے گی اور چوتھائی ہوجائے تو بتفاصیلِ مذکورہ نہ ہوگی۔

(۷) متعدد عضووں مثلاً دو میں سے اگر کچھ کچھ حصّہ کھلا ہے تو سب جسمِ مکشوف ملانے سے ان دونوں میں جو چھوٹا عضو ہے اگر اس کی چوتھائی تک نہ پہنچے تو نماز صحیح ہے ورنہ بتفصیلِ سابق باطل مثلاً ران وزیرِ ناف سے کچھ کچھ کپڑا الگ ہے تو دونوں کی قدرِ منکشف اگر زیرِ ناف کی چہارم کو پہنچے نماز نہ ہوگی اگرچہ مجموعہ ران کی چوتھائی کو بھی نہ پہنچے کہ ان دونوں میں زیرِ ناف چھوٹا عضو ہے اور سُرین اور زیرِ ناف میں اِنکشاف ہے تو مجموعہ سرین کے رُبع تک پہنچنا چاہیے اگرچہ زیرِ ناف کی چوتھائی نہ ہو کہ ان میں سُرین عضوِ اَصغر ہے اسی طرح تین یا چار یا زیادہ اَعضا میں اِنکشاف ہو تو بھی اُن میں سب سے چھوٹے عضو کی چہارم تک پہنچنا کافی ہے اگرچہ اَکبر یا اَوسط یا خفیف حصّہ ہو۔

بالجملہ ان احکام سے معلوم ہوگیا کہ صرف اِجمالاً اس قدر سمجھ لینا کہ یہاں سے یہاں تک سترِ عورت ہے ہرگز کافی نہیں بلکہ

اعضاء کو جُدا جُدا پہچاننا ضروری ہے اور وہ علامہ حلبی وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی محشیانِ دُرمختار رحمۃ اللہ علیہم نے مرد میں آٹھ گنے:

(۱) ذَکر مع اپنے سب پُرزوں یعنی حشفہ وقصبہ وقلفہ کے ایک عضو ہے یہاں تک کہ مثلاً صرف قصبہ کی چوتھائی یا فقط حشفہ کا نصف کھلنا مفسدِ نماز نہیں، اگر باوجودِ علم وقدرت ہو تو گناہ وبے ادبی ہے اور ذَکر کے گرد سے کوئی پارۂ جسم اس میں شامل نہ کیا جائے گا، یہی صحیح ہے یہاں تک کہ صرف ذَکر کی چوتھائی کھلنی مفسدِ نماز ہے، (اس پر تفصیلی گفتگو اور تحقیقی راز ہمارے مذکورہ رسالے میں ہیں۔ت)

(۲) اُنثیین یعنی بیضے کہ دونوں مل کر ایک عضو ہے یہی حق ہے یہاں تک کہ ان میں ایک کی چہارم بلکہ تہائی کھلنی بھی مفسد نہیں اس مقام پر شرح نقایہ میں علامہ برجندی کے قدم پھسل گئے جیسا کہ ہم نے "الطرۃ فی ستر العورۃ" میں اس پر تنبیہ کی ہے اس کا مطالعہ کیجئے۔(ت)

پھر یہاں بھی صحیح یہی ہے کہ ان کے ساتھ ان کے حول سے کچھ ضم نہ کیا جائے گا، یہ دونوں تنہا عضوِ مستقل ہیں۔

(۳) دُبر یعنی پاخانہ کی جگہ، اُس سے بھی صرف اس کا حلقہ مراد یہی صحیح ہے اور اسی پر اعتماد۔

(۴و۵) اِلیتَین یعنی دونوں چُوتڑ، ہر چوتڑ مذہبِ صحیح میں جُدا عورت ہے کہ ایک کی چوتھائی کھلنی باعثِ فساد ہے۔

(۶و۷) فخذین یعنی دونوں رانیں کہ ہر ران اپنی جڑ سے جسے عربی میں رکب ورفغ ومغبن اور فارسی میں پیغولہ ران اور اردو میں چڈّھا کہتے ہیں گھٹنے کے نیچے تک ایک عضو ہے، ہر گھٹنا اپنی ران کا تابع اور اس کے ساتھ مل کر ایک عورت ہے، یہاں تک کہ اگر صرف گھٹنے پورے کھُلے ہوں تو صحیح مذہب پر نماز صحیح ہے کہ دونوں مل کر ایک ران کے رُبع کو نہیں پہنچتے، ہاں خلافِ ادب وکراہت ہونا جُدا بات ہے۔

(۸) کمر باندھنے کی جگہ ناف سے اور سیدھ میں آگے پیچھے دہنے بائیں چاروں طرف پیٹ، کمر، کولھوں کا جو ٹکڑا باقی رہا وہ سب مل کر ایک عورت ہے۔

فقیر غفراللہ لہ نے اپنے رسالۂ مذکورہ میں اس بحث کی بحمد اللہ تنقیح بالغ بمالا مزید علیہ ذِکر کی اور اُس میں ثابت کردیا کہ اَفاضلِ ثلثہ قدست اسرارُہم کا ذَکر ودُبر واُنثیین کے ساتھ لفظ حَول زائد کرنا بے کار بلکہ مُوہِم واقع ہُوا اور جب ثابت ہولیا کہ یہ جسم یعنی مَا بین الدُّبر والانثیین اُن آٹھوں عورتوں سے کسی میں شامل اور کسی کا تابع نہیں ہوسکتا اور وہ بھی قطعاً سترِ عورت میں داخل تو واجب کہ اُسے عضوِ جُدا گانہ شمار کیا جائے۔ مرد میں عددِ اعضائے عورت نو قرار دیا جائے اور کتبِ مذکورہ میں اُس کا عدمِ ذکر ذکرِ عدم نہیں کہ آخر اُن میں نہ اِستیعاب کی طرف اِیماء نہ کسی تعداد کا ذِکر، وہ سترِ عورت کی دونوں حدیں ذِکر فرما چکے اور اُتنے اعضا کے اِستقلال وانفراد پر بھی تصریحیں کرگئے تو جو باقی رہا لاجرم عضوِ مستقل قرار پائے گا، فقیر غفراللہ لہ نے سہولتِ حفظ کے لئے اس مطلب کو چار شعر میں نظم کیا۔

سترِ عورت بمرد نہ عضو ست — از تہِ ناف تا تہِ زانو
ہرچہ ربعش بقدر رکن کشود — یا کشودے دمے نماز مجو

ذکر　وانثیین　و　حلقہ　بس　دو　سریں　ہرفخذ　بزانوئے　او
ظاہراً　فصل　انثیین　و　دُبر　باقی　زیرِ　ناف　از　ہر　سُو
ص29 تا39

آزادعورت کے عضوِعورت

زنِ آزاد کا سارا بدن سر سے پاؤں تک سب عورت ہے مگر منہ کی ٹِکلی اور دونوں ہتھیلیاں کہ یہ بالاجماع اور عبارتِ خلاصہ سے مستفاد کہ ناخنِ پا سے ٹخنوں کے نیچے جوڑ تک پشتِ قدم بھی بالاتفاق عورت نہیں، تلووں اور پُشتِ کفِ دَست میں اِختلافِ تصحیح ہے اصل مذہب یہ کہ وہ دونوں بھی عورت ہیں تو اس تقدیر پر صرف پانچ ٹکڑے مستثنٰی ہوئے، منہ کی ٹکلی، دونوں ہتھیلیاں، دونوں پُشتِ پَا۔ان کے سوا سارا بدن عورت ہے اور وہ تیس ۳۰ عضووں پر مشتمل کہ اُن میں جس عضو کی چوتھائی کھلے گی نماز کا وہی حکم ہوگا جو ہم نے پہلے فتوے میں اَعضاءِ عورتِ مرد کی نسبت لکھا وہ تیس عضو یہ ہیں:

(۱) سر یعنی طُول میں پیشانی کے اُوپر سے گردن کے شروع تک اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک جتنی جگہ پر عادۃً بال جمتے ہیں۔

(۲) بال یعنی سر سے نیچے جو لٹکے ہوئے بال ہیں وہ جُدا عورت ہیں۔

(۳و۴) دونوں کان۔

(۵) گردن جس میں گلا بھی شامل ہے۔

(۶و۷) دونوں شانے یعنی جانبِ پشت کے جوڑ سے شروعِ بازو کے جوڑ تک۔

(۸و۹) دونوں بازو یعنی اُس جوڑ سے کہنیوں سمیت کلائی کے جوڑ تک۔

(۱۰و۱۱) دونوں کلائیاں یعنی کہنی کے اُس جوڑ سے گٹّوں کے نیچے تک۔

(۱۲و۱۳) دونوں ہاتھوں کی پشت۔

(۱۴) سینہ یعنی گلے کے جوڑ سے دونوں پستان کی زیریں تک۔

(۱۵و۱۶) دونوں پستانیں جبکہ اچھی طرح اُٹھ چکی ہوں یعنی اگر ہنوز بالکل نہ اُٹھیں یا خفیف نوخاستہ ہیں کہ ٹوٹ کر سینہ سے جُدا عضو کی صورت نہ بنی ہوں تو اس وقت تک سینہ ہی کے تابع رہیں گی الگ عورت نہ گنی جائیں گی اور جب اُبھار کی اُس حد پر آجائیں کہ سینہ سے جُدا عضو قرار پائیں تو اس وقت ایک عورت سینہ ہوگا اور دو عورتیں یہ، اور وہ جگہ کہ دونوں پستان کے بیچ میں خالی ہے اب بھی سینہ میں شامل رہے گی۔

(۱۷) پیٹ یعنی سینہ کی حدِ مذکور سے ناف کے کنارۂ زیریں تک، ناف پیٹ ہی میں شامل ہے۔

(۱۸) پیٹھ یعنی پیٹ کے مقابل پیچھے کی جانب محاذاتِ سینہ کے نیچے سے شروعِ کمر تک جتنی جگہ ہے۔

(۱۹) اُس کے اُوپر جو جگہ پیچھے کی جانب دونوں شانوں کے جوڑوں اور پیٹھ کے بیچ میں سینہ کے مقابل واقع ہے ظاہراً جُدا

عورت ہے، ہاں بغل کے نیچے سینہ کی زیریں حدتک دونوں کروٹوں میں جوجگہ ہےاُس کا اگلا حصہ سینہ میں شامل ہےاور پچھلا اسی سترھویں عضو یاشانوں میں اورزیرِسینہ سے شروع کمرتک جودونوں پہلو ہیں ان کا اگلا حصہ پیٹ اور پچھلا پیٹھ میں داخل ہوگا۔

(۲۰و۲۱) دونوں سرین یعنی اپنے بالائی جوڑ سے رانوں کے جوڑتک۔

(۲۲) فرج۔ (۲۳) دُبر۔

(۲۴و۲۵) دونوں رانیں یعنی اپنے بالائی جوڑ سے زانوؤں کے نیچے تک دونوں زانو بھی رانوں میں شامل ہیں۔

(۲۶) زیرِناف کی نرم جگہ اوراس سے متصل ومقابل جو کچھ باقی ہے یعنی ناف کے کنارۂ زیریں سے ایک سیدھا دائرہ کمر پر کھینچے اس دائرے کے اُوپراُوپر تو سینہ تک اگلا حصہ پیٹ اور پچھلا پیٹھ میں شامل تھا اوراس کے نیچے نیچے دونوں سرین اور دونوں رانوں کے شروع جوڑ اوردُبرفرج کے بالائی کنارے تک جو کچھ حصّہ باقی ہے سب ایک عضو ہے عانہ یعنی بال جمنے کی جگہ بھی اسی میں داخل ہے۔

(۲۷و۲۸) دونوں پنڈلیاں یعنی زیرِزانو سے ٹخنوں تک۔

(۲۹و۳۰) دونوں تلوے۔

اگرزیادتِ اِحتیاط کی طرف نظر جائے تو نہ صرف تلووں بلکہ ٹخنوں کے نیچے سے ناخنِ پا تک سارے پاؤں کوعورت سمجھا جائے، یوں بھی شمارِ اَعضا تیس ۳۰ ہی رہے گا اوراگرآسانی پرعمل کریں تو سارے پاؤں عورت سے خارج ہوکراَعضاء اُٹھائیس ہی رہیں گے۔آدمی ان معاملات میں مختار ہے جس قول پر چاہے عمل کرے۔

پشتِ دست اگرچہ اصل مذہب میں عورت ہے مگر مِن حیثُ الدلیل یہی روایت قوی ہے کہ گٹوں سے نیچے ناخن تک دونوں ہاتھ اَصلاً عورت نہیں۔

توروایتِ اَقوی پردوپشتِ دست نکال کراٹھائیس ۲۸ ہی عضوِعورت رہے، اوراگربنظرِآسانی اُس قولِ مصحح پرعمل کرکے تلوے بھی خارج رہیں توصرف چھبیس ہی ہیں اوراصل مذہب پرتیس ۳۰، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم ۔ص39 تا46

بابُ اَماکنِ الصّلوۃ (مقاماتِ نماز کا بیان)

امام کا محراب میں کھڑا ہونا اور ستونوں کے درمیان صف بنانا کیسا؟

امام کا بےضرورت محراب میں کھڑا ہونا کہ پاؤں محراب کے اندرہوں یہ بھی مکروہ (ہاں پاؤں باہراورسجدہ محراب کے اندر ہوتو کراہت نہیں) اورامام کا دَر میں کھڑا ہونا یہ بھی مکروہ مگراُسی طرح پاؤں باہراورسجدہ دَرمیں ہوتو کراہت نہیں بشرطیکہ دَر کی کرسی بلند نہ ہو ورنہ اگرسجدہ کی جگہ پاؤں کے موضع سے چارگرہ سے زیادہ اُونچی ہوئی توسرے سے نماز ہی نہیں ہوگی اور چارگرہ یا کم بلندیِ ممتاز ہوئی توکراہت سے خالی نہیں، اوربےضرورت مقتدیوں کا دَرمیں صف قائم کرنا یہ سخت مکروہ کہ باعثِ قطعِ صف ہے اورقطعِ صف ناجائز، ہاں اگرکثرتِ جماعت کے باعث جگہ میں تنگی ہواس لئے مقتدی دَرمیں اورامام محراب میں کھڑے ہوں تو

کراہت نہیں۔ یونہی اگر مینہ کے باعث پچھلی صف کے لوگ دَروں میں کھڑے ہوں تو یہ ضرورت ہے(سخت ضرورت ممنوعات کو مباح کردیتی ہے۔ت) رہا اکیلا، اس کے لئے ضرورت، بے ضرورت محراب میں، دَر میں مسجد کے کسی حصہ میں کھڑا ہونا اَصلاً کراہت نہیں رکھتا۔

سنن ابنِ ماجہ میں ہے: یعنی قُرَّہ بن ایاس مُزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمیں دوستونوں کے بیچ صف باندھنے سے منع فرمایا جاتا اور وہاں سے دَھکے دے کر ہٹائے جاتے تھے(ت) اور اس کی وجہ قطعِ صف ہے اگر تینوں دَروں میں لوگ کھڑے ہوئے تو ایک صف کے تین ٹکڑے ہوئے اور یہ ناجائز ہے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **مَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللهُ**۔ جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے۔ اور اگر بعض دروں میں کھڑے ہوئے بعض خالی چھوڑ دے جب بھی قطعِ صف ہے کہ صف ناقص چھوڑ دی، کاٹ دی پُوری نہ کی، اور اس کا پُورا کرنا لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اَتِمُّوا الصُّفُوْفَ**۔ (صفوں کو مکمل کرو۔ت) اور اگر اس وقت زائد لوگ نہ ہوں تو آنے سے کون مانع ہے تو یہ ممنوع کا سامان مہیا کرنا ہے اور وُہ بھی ممنوع ہے۔ص 131

فرض وواجب وسنّتِ فجر چلتی ریل میں نہیں ہوسکتے

فرض اور واجب جیسے وتر ونذر اور ملحق بہ یعنی سنّتِ فجر چلتی ریل میں نہیں ہوسکتے اگر ریل نہ ٹھہرے اور وقت نکلتا دیکھے، پڑھ لے پھر بعدِ اِستقرار اِعادہ کرے، تحقیق یہ ہے کہ اِستقرار **بِالْکُلِیَّہ وَلَوْ بِالْوَسَائِط** زمین یا تابعِ زمین پر کہ زمین سے متصل باتصالِ قرار ہو، ان نمازوں میں شرطِ صحت ہے مگر بہ تعذُّر، ولہذا دابّہ (جانور) پر بلا عذر جائز نہیں اگرچہ کھڑا ہو کہ دابّہ تابعِ زمین نہیں، ولہذا گاڑی پر جس کا جُوا بیلوں پر رکھا ہے اور گاڑی ٹھہری ہوئی ہے جائز نہیں کہ بالکلیہ زمین پر استقرار نہ ہُوا ایک حصہ غیرِ تابعِ زمین پر ہے ولہذا چلتی کشتی سے اگر زمین پر اُترنا متیسر ہو کشتی میں پڑھنا جائز نہیں بلکہ عند التحقیق اگرچہ کشتی کنارے پر ٹھہری ہو مگر پانی پر ہو زمین تک نہ پہنچی ہو اور یہ کنارے پر اُتر سکتا ہے کشتی میں نماز نہ ہوگی کہ اس کا استقرار پانی پر ہے اور پانی زمین سے متصل باتصالِ قرار نہیں جب استقرار کی حالتوں میں نمازیں جائز نہیں ہوتیں جب تک اِستقرار زمین پر اور وہ بھی بالکلیہ نہ ہو تو چلنے کی حالت میں کیسے جائز ہوسکتی ہیں کہ نفسِ اِستقرار ہی نہیں بخلاف کشتیِ رواں جس سے نزول متیسر نہ ہو کہ اسے اگر روکیں گے بھی تو اِستقرار پانی پر ہوگا نہ کہ زمین پر، لہذا سیر ووقوف برابر، لیکن اگر ریل روک لی جائے تو زمین ہی پر ٹھہرے گی اور مثلِ تخت ہوجائے گی، انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لئے روکی جاتی ہے اور نماز کے لئے نہیں تو منع **مِنْ جِهَةِ الْعِبَاد** ہوا اور ایسے منع کی حالت میں حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعد زوالِ مانع اِعادہ کرے۔ص 136

بابُ صِفَةِ الصّلٰوۃ (طریقۂ نماز کا بیان)

نماز میں ہاتھ باندھنے کی دوصورتیں مروی ہیں

حضور سے ہاتھ باندھنے کی دوصورتیں مروی ہیں ایک صورت زیرِ ناف کی ہے دوسری صورت سینے پر ہاتھ باندھنے کی ہے

چونکہ اس کی تاریخ کا علم نہیں کہ کون سی روایت پہلے کی ہے اور کون سی بعد کی، اور دونوں روایات ثابت و مقبول ہیں تو لاجرم دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح ہوگی جب ہم نماز کے اِس فعل بلکہ نماز کے تمام اَفعال پر نظرِ خیر ڈالتے ہیں تو وہ تمام کے تمام تعظیم پر مبنی نظر آتے ہیں اور مسلّم و معروف تعظیم کا طریقہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے لہٰذا امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا ہے: قیام میں بقصدِ تعظیم ہاتھ باندھنے کا معاملہ معروف طریقے پر چھوڑا جائے اور قیام میں تعظیماً ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی معروف ہے۔

لہٰذا مردوں کے بارے میں ابنِ ابی شیبہ کی روایت راجح ہے اور چونکہ خواتین کے معاملہ میں شرع مطہر کا مطالبہ کمال سترِ حجاب ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عورتوں کے حق میں سینے پر ہاتھ باندھنا، زیرِ ناف باندھنے سے زیادہ حجاب اور حیا کی صورت میں ہے۔اور خواتین کا تعظیم کرنا ستر وحجاب کی صورت میں ہے کیونکہ تعظیم ادب کے بغیر اور ادب حیا کے بغیر حاصل نہیں ہوتا (ت)۔ص145 تا149

نفل نماز بیٹھ کر ادا کرے تو رکوع میں سر کتنا جھکائے؟

رکوع میں قدرِ واجب تو اسی قدر ہے کہ سر جھکائے اور پیٹھ کو قدرے خم دے مگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس کا درجۂ کمال وطریقۂ اِعتدال یہ ہے کہ پیشانی جُھک کر گھٹنوں کے مقابل آجائے اس قدر کے لئے سُرِین اُٹھانے کی حاجت نہیں تو قدرِ اِعتدال سے جس قدر زائد ہوگاوُہ عبث وبیجا میں داخل ہوجائے گا۔ص157

بعض مقلدین وغیر مقلدین عموماً قومہ وجلسہ میں دیر تک ٹھہرتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

قومہ وجلسہ کے اذکارِ طویلہ نوافل پر محمول ہیں ولہذا ہمارے ائمہ فرائض میں انھیں مسنون نہیں جانتے اور شک نہیں کہ فرائض میں تطویلِ فاحش خلافِ سنّت ہے اور امام کے لئے تو قطعاً ممنوع جبکہ مقتدیوں میں کسی پر بھی گراں ہو، ہاں منفرد بعض کلماتِ ماثورہ بڑھائے تو حرج بھی نہیں، یونہی امام بھی جبکہ مقتدی محصور اور سب راضی ہوں، رہا مقتدی وہ آپ ہی اِتباعِ امام کرے گا، اگر امام کہے، کہے، ورنہ نہیں۔ص170

نماز میں صرف بحالتِ رکوع وسجود اِلْصَاقِ کَعْبَیْن (ٹخنے مِلانا) وہابیوں کا فعل ہے؟

حاشاللّٰہ نہ یہ فعل وہابیہ کا ہے نہ حرام نہ واجبُ التَّرک بلکہ رکوع میں اِلصاقِ کعبین غنیۃ شرح منیہ وجامع الرموز ومجتبٰی شرح قدوری ودرمختار وحاشیہ حموی وفتح اللہ المعین وطحطاوی علی مراقی الفلاح وعلی درمختار وغیرہا میں سنّت لکھا۔

اور سجدہ میں اِلصاقِ کعبین کو علامہ سیّد ابومسعود الازہری نے حواشی کنز میں سنّت بتایا۔ ہاں دربارۂ سجود یہ صرف انھیں کا بیان ہے اگرچہ علامہ طحطاوی نے اُن کا اتباع کیا اور شرح علائی کا حوالہ سہواً واقع ہوا اس میں صرف دربارۂ رکوع مذکور ہے اور علامہ شامی نے جو اس کی توجیہ فرمائی محلِ کلام ہے۔اور بعض متاخرین علمانے دربارۂ رکوع بھی سنیت میں کلام کیا۔ بہرحال اسے حرام و فعلِ وہابیہ کہنا نادانی ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص179

درود شریف پڑھنے کا بہتر طریقہ

سب درودوں سے افضل درود وہ ہے جو سب اعمال سے افضل یعنی نماز میں مقرر کیا گیا ہے درود شریف راہ چلتے بھی پڑھنے کی اجازت ہے جہاں نجاست پڑی ہو وہاں رُک جائے، بہتر یہ ہے ایک وقت معین کر کے ایک عدد مقرر کر لے اُس قدر باوضو دو زانو ادب کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر کے روزانہ عرض کیا کرے جس کی مقدار سو بار سے کم نہ ہو زیادہ جس قدر نبھا سکے بہتر ہے، علاوہ اس کے اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے باوضو بے وضو ہر حال میں درود جاری رکھے، اور اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایک صیغۂ خاص کا پابند نہ ہو بلکہ وقتاً فوقتاً مختلف صیغوں سے عرض کرتا رہے تاکہ حضورِ قلب میں فرق نہ ہو، درود شریف اور کلمۂ طیبہ اور اِستغفار ان سب کی کثرت نہایت محبوب و مطلوب ہے۔ص183

اِمام و مقتدی کے لئے تکبیرِ انتقال کہنے کا سنّت طریقہ

سنّت یہ ہے کہ سَمِعَ اللّٰہُ کا ''سین'' رکوع سے سر اُٹھانے کے ساتھ کہیں اور حَمِدَہٗ کی ''ہ'' سیدھا ہونے کے ساتھ ختم، اسی طرح ہر تکبیرِ انتقال میں حکم ہے کہ ایک فعل سے دوسرے فعل کو جانے کی ابتداء کے ساتھ اللّٰہُ اَکبَر کا ''الف'' شروع ہو اور ختم کے ساتھ ختم ہو، مقتدی رکوع سے سر اُٹھانے کے ساتھ ''اللھم ربنا لك الحمد'' کا ''الف'' اور جو صرف ''ربنا لك الحمد'' پڑھتا ہو وہ رَبَّنَا کی ''ر'' شروع کریں اور سیدھے ہو جانے کے ساتھ حَمْد کی ''دال'' ختم ہو جائے تو پھر سجدہ کو جانے کے ساتھ اللہ اکبر کا ''الف'' شروع کریں اور اللہ کے ''لام'' کو بڑھائیں جب سر رکھنے کے قریب پہنچیں تو اللہ کی ''ہ'' اور عین سر زمین پر پہنچتے وقت اَکْبَرْ کی ''ر'' ختم کریں۔ ''لام'' کو بڑھانا اس لئے کہ یہ راستہ طے کرنے میں اگر ''لام'' کو نہ بڑھایا تو اَکْبَرْ سجدے میں پہنچنے سے پہلے ختم ہو جائے گا اور یہ خلافِ سنت ہے یا راستہ پورا کرنے کو اَکْبَرْ کا ''الف'' یا ''ب'' بڑھائیں گے اور اس سے نماز فاسد ہوتی ہے۔ یا ''ر'' بڑھائیں گے اور یہ غلط و خلافِ سنت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص188

رفعِ سبابہ (التحیات میں انگلی کا اِشارہ) کے بارے میں جناب کا کیا عمل ہے؟

فقیر اور فقیر کے آبائے کرام و مشائخ عظام و اَساتذہ اَعلام قدست اسرارُہم کا ہمیشہ معمول باتباعِ اَحادیثِ متواترہ و اِرشاداتِ کتبِ متکاثرہ رفعِ سبابہ رہا اور اسے سنّت جانتا ہے تفصیلِ کلام بدائع امام مَلِک العلماء و فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق وغیرہما کلماتِ شراح محققین و فتاوٰی فقیر میں ہے۔ص189

التحیات میں انگلی کا اشارہ سنّت ہے جب اَشْھَدُ پر پہنچے چھنگلیا اور اس کے برابر کی انگلی کی گرہ باندھے اور انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کا حلقہ بنائے اور ''لَا'' پر کلمے کی انگلی اٹھائے اور ''اِلَّا'' پر گرا کر ہاتھ کھول دے۔ص190

فرائضِ پنجگانہ کے بعد امام کو شمال یا جنوب کی طرف پھر جانا دُعا کے واسطے واجب یا مستحب ہے

بعدِ سلام قبلہ رُو بیٹھا رہنا ہر نماز میں مکروہ ہے وہ شمال و جنوب و مشرق میں مختار ہے مگر جب کوئی مسبوق اس کے محاذات میں اگرچہ اَخیر صف میں نماز پڑھ رہا ہو تو مشرق یعنی جانبِ مقتدیان منہ نہ کرے، بہر حال پھرنا مطلوب ہے اگر نہ پھرا اور قبلہ رُو

بیٹھا رہا تو مبتلائے کراہت و تارکِ سنّت ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص205

مطلقاً مکروہ کے کیا معنی ہیں؟

کراہت کا اَثر ناپسندی اور اُس کا اَوسط درجہ اِساءت ہے یعنی بُرا کیا اور اعلیٰ درجہ کراہتِ تحریم اُس کا اَثر گنہگار و مستحقِ عذاب ہونا، مطلق مکروہ غالباً تحریم کا اِفادہ کرتا ہے اور بلکہ خاص بمعنی کراہتِ تنزیہ بھی مستعمل ہوتا ہے۔ ص207

جو لوگوں کو تاکید اس امر کی کرے کہ عمامہ باندھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور قصداً عمامہ اُتروا ڈالے اور عمامہ باندھنے کو باوجودِ تاکیدِ اَحادیث ثواب نہ جانے تو وہ شخص قابلِ الزامِ شرعی ہوگا یا نہیں؟

عمامہ حضور پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنّتِ متواترہ ہے جس کا تواتر یقیناً سرحدِ ضروریاتِ دین تک پہنچا ہے ولہذا علمائے کرام نے عمامہ تو عمامہ اِرسالِ عذبہ یعنی شملہ چھوڑنا کہ اُس کی فرع اور سنتِ غیر موکدہ ہے اس کے ساتھ اِستہزا کو کفر ٹھہرایا، تو عمامہ کہ سنتِ لازمہ دائمہ ہے یہاں تک کہ علماء نے خالی ٹوپی پہننے کو مشرکین کی وضع قرار دیا اس کا اِنکار کس درجہ اَشد واَکبر ہوگا اس کا سنّت ہونا متواتر ہے اور سنّتِ متواترہ کا اِستخفاف کفر ہے۔ عمامہ کی فضیلت میں احادیث کثیرہ وارِد ہیں۔ اور مسلمانوں کے عمامے قصداً اُتروا دینا اور اسے ثواب نہ جاننا قریب ہے کہ ضروریاتِ دین کے اِنکار اور سنّتِ قطعیہ متواترہ کے اِستخفاف کی حد تک پہنچے ایسے شخص پر فرض ہے کہ اپنی ان حرکات سے توبہ کرے اور اَز سرِ نو کلمۂ اسلام پڑھے اور اپنی عورت کے ساتھ تجدیدِ نکاح کرے۔ ص208

نامِ پاک حضور پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر بار درود و سلام لکھنا پڑھنا واجب ہے؟

یہ جہالت آج کل بہت جلد بازوں میں رائج ہے۔ کوئی ''صلعم'' لکھتا ہے کوئی ''عم'' کوئی ''ص''، اور یہ سب بیہودہ و مکروہ و سخت ناپسند و موجبِ محرومیِ شدید ہے اس سے بہت سخت اِحتراز چاہئے اگر تحریر میں ہزار جگہ نامِ پاک حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آئے ہر جگہ پورا ''صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' لکھا جائے ہرگز ہرگز کہیں ''صلعم'' وغیرہ نہ ہو علماء نے اس سے سخت ممانعت فرمائی ہے یہاں تک کہ بعض کتابوں میں تو بہت اَشد حکم لکھ دیا ہے۔

نامِ پاک حضور پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختلف جلسوں میں جتنے بار لے یا سنے ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے اگر نہ پڑھے گا گنہگار ہوگا اور سخت وعیدوں میں گرفتار، ہاں اس میں اِختلاف ہے کہ اگر ایک ہی جلسہ میں چند بار نامِ پاک لیا یا سُنا تو ہر بار واجب ہے یا ایک بار کافی اور ہر بار مستحب ہے، بہت علما قولِ اول کی طرف گئے ہیں ان کے نزدیک ایک جلسہ میں ہزار بار کلمہ شریف پڑھے تو ہر بار درود شریف بھی پڑھتا جائے اگر ایک بار بھی چھوڑا گنہگار ہُوا دیگر علما نے بنظرِ آسانیٔ اُمت قولِ دوم اِختیار کیا ان کے نزدیک ایک جلسہ میں ایک بار درود اَدائے واجب کے لئے کفایت کرے گا زیادہ کے ترک سے گنہگار نہ ہوگا مگر ثوابِ عظیم و فضلِ جسیم سے بیشک محروم رہا، کافی و قنیہ وغیرہما میں اسی قول کی تصحیح کی۔

بہر حال مناسب یہی ہے کہ ہر بار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتا جائے کہ ایسی چیز جس کے کرنے میں بالاتفاق بڑی بڑی رحمتیں برکتیں اور نہ کرنے میں بِلاشبہہ بڑے فضل سے محرومی اور ایک مذہبِ قوی پر گناہ و معصیت، عاقل کا کام نہیں کہ اُسے ترک

کرے وَبِاللہِ التَّوفیق۔ص221

وظیفہ یا درود شریف بلند آواز سے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

درود شریف خواہ کوئی وظیفہ بآواز نہ پڑھا جائے جبکہ اُس کے باعث کسی نمازی یا سوتے مریض کی ایذا ہو یا رِیا آنے کا اَندیشہ اور اگر کوئی محذور نہ موجود ہو، نہ مظنون تو عندالتحقیق کوئی حرج نہیں تاہم اِخفا اَفضل ہے۔ لما فی الحدیث خیر الذکر الخفی (جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ذِکرِ خفی بہتر ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔ص233

جس فرض کے بعد سنّت ہے اس فرض کے بعد فصلِ طویل مکروہِ تنزیہی وخلافِ اَولیٰ ہے؟

جائز ودرست تو مطلقاً ہے مگر فصلِ طویل مکروہِ تنزیہی وخلافِ اَولیٰ ہے اور فصلِ قلیل میں اَصلاً حرج نہیں۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ آیۃ الکرسی یا فرضِ مغرب کے بعد ۱۰ دس بار کلمۂ توحید پڑھنا فصلِ قلیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص234

تلاوتِ کلامِ مجید مُصلّی (نمازی) یا غیرِ مُصلّی (غیر نمازی) پر باترتیب پڑھنا فرض ہے یا واجب یا سنّت یا مستحب؟ اور امام نماز میں بے ترتیب سورت پڑھے تو اس پر کیا حکم ہے؟

نماز ہو یا تلاوت بطریقِ معہود ہو دونوں میں لحاظِ ترتیب واجب ہے اگر عکس کرے گا گنہگار ہوگا۔ سیّدنا حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص خوف نہیں کرتا کہ اللہ عزوجل اس کا دل اُلٹ دے۔

ہاں اگر خارجِ نماز ہے کہ ایک سورت پڑھ لی پھر خیال آیا کہ دوسری سورت پڑھوں وُہ پڑھ لی اور اس سے اُوپر کی تھی تو اس میں حرج نہیں۔ یا مثلاً حدیث میں شب کے وقت چار سورتیں پڑھنے کا ارشاد ہوا ہے۔ یٰسین شریف کہ جو رات میں پڑھے گا صبح کو بخشا ہوا اُٹھے گا۔ سورہ دُخان شریف پڑھنے کا ارشاد ہوا ہے کہ جو اسے رات میں پڑھے گا صبح اس حالت میں اُٹھے گا کہ ستّر ہزار فرشتے اس کے لئے اِستغفار کرتے ہوں گے۔ سورہ واقعہ شریف کہ جو اسے ہر رات پڑھے گا محتاجی اس کے پاس نہ آئے گی۔ سورہ تَبَارَكَ الَّذِیْ شریف کہ جو اسے ہر رات پڑھے گا عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔

ان سورتوں کی ترتیب یہی ہے مگر اس غرض کے لئے پڑھنے والا چار سورتیں متفرق پڑھنا چاہتا ہے کہ ہر ایک مستقل جُدا عمل ہے اسے اختیار ہے کہ جس کو چاہے پہلے پڑھے جسے چاہے پیچھے پڑھے۔

امام نے سورتیں بے ترتیبی سے سہواً پڑھیں تو کچھ حرج نہیں، قصداً پڑھیں تو گنہگار رہوا، نماز میں کچھ خلل نہیں۔ص239

نماز میں قرآن شریف اس طرح پڑھنا کہ پہلی رکعت میں {اَلَمْ تَرَ}، دوسری میں {قُلْ هُوَ اللّٰهُ}، تیسری میں {لِاِیْلٰفِ}، چوتھی میں پھر {قُلْ هُوَ اللّٰهُ} مکروہ تنزیہی ہے؟ حالانکہ {لِاِیْلٰفِ} اور پھر ترتیب وار بھی پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: نوافل میں مکروہ نہیں کہ اس کی ہر دو رکعت نماز علیحدہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص353

حافظ اِمام سے وُہ خطائیں جو مفسدِ نماز ہیں واقع ہوں تو؟

بالجملہ اگر حافظ مذکور سے وُہ خطائیں جو مفسدِ نماز ہیں واقع نہیں ہوتیں تو نماز اُس کے پیچھے درست، اور ترکِ جماعت کے

لئے یہ عذر نا مسموع، اور اگر خطایائے مفسدہ صادر ہوتے ہیں تو بے شک وہ نماز نماز ہی نہیں، نہ وہاں ثواب کی گنجائش بلکہ عیاذاً باللہ عکس کا خوف ہے، نہ اہلِ محلّہ کو دوسری مسجد میں جانے کی حاجت کہ یہی مسجد جو اِن پر حق رکھتی ہے ہنوز محتاجِ نماز و جماعت ہے۔ نمازِ فاسد کا تو عدم و وجود شرعاً یکساں، پس اگر ممکن ہو تو دوبارہ جماعت وہیں قائم کرے ورنہ آپ ہی مسجد میں تنہا پڑھ لے کہ حقِ مسجد ادا ہو۔ اور اگر یہ صورت ہو کہ حافظ مذکور فرضوں میں قرآنِ مجید صحیح پڑھتا ہے اور خطایائے مفسدہ صرف تراویح میں بوجہِ عجلت و بے احتیاطی واقع ہوتی ہیں تو فرض میں اس کی اِقتدا کرے تراویح میں وہی حکم ہے ورنہ دَرصورتِ فسادفرضوں میں بھی اِقتداء درست نہیں۔ص250

* فسادِ معنی اگر ہزار آیت کے بعد ہو نماز جاتی رہے گی۔ص351

اگر امام سورۂ فاتحہ شریف میں بجائے الحمد والرحمن والرحیم کے الھمد والرہمٰن والرہیم ہو تو ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

اگر وہ شخص ''ح'' کے ادا پر بالفعل قادر ہے اور باوجود اس کے اپنی بے خیالی یا بے پروائی سے کلماتِ مذکورہ میں ''ھ'' پڑھتا ہے۔تو خود اس کی نماز فاسد و باطل، اوروں کی اس کے پیچھے کیا ہو سکے، اور اگر بالفعل ''ح'' پر قادر نہیں اور سیکھنے پر جان لڑا کر کوشش نہ کی تو بھی خود اس کی نماز محض اَکارت، اور اس کے پیچھے ہر شخص کی باطل، اور اگر ایک ناکافی زمانہ تک کوشش کر چکا پھر چھوڑ دی جب بھی خود اس کی نماز پڑھی بے پڑھی سب ایک سی، اور اُس کے صدقے میں سب کی گئی اور برابر حد درجہ کی کوشش کئے جاتا ہے مگر کسی طرح ''ح'' نہیں نکلتی تو اُس کا حکم مثلِ اُمّی کے ہے کہ اگر کسی صحیح پڑھنے والے کے پیچھے نماز مل سکے اور اقتداء نہ کرے بلکہ تنہا پڑھے تو بھی اس کی نماز باطل، پھر امام ہونا تو دوسرا درجہ ہے اور پُرظاہر ہے کہ اگر بالفرض عام جماعتوں میں کوئی درست خواں نہ ملے تو جمعہ میں تو قطعاً ہر طرح کے بندگانِ خدا موجود ہوتے ہیں پھر اس کا اُن کی اِقتدا نہ کرنا اور آپ امام ہونا خود اس کی نماز کا مُبطِل ہوا، اور جب اس کی گئی سب کی گئی۔

بہر حال ثابت ہوا کہ نہ اس شخص کی اپنی نماز ہوتی ہے نہ اس کے پیچھے کسی اور کی تو ایسے کو اِمام بنانا حرام ہے، اور ان سب مسلمانوں کی نماز کا وبال اپنے سر لیتا ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ البتہ اگر ایسا ہو کہ تاحدِ اَدنیٰ امید کہ یہ شخص ہمیشہ ہمیشہ برابر رات دن تصحیح حرف میں کوششِ بلیغ کئے جائے اور باوصفِ بقائے اُمید واقعی محض طولِ مدّت سے گھبرا کر نہ چھوڑے اور واجب الحمد شریف کے سوا اوّل نماز سے آخر تک کوئی آیت یا سورۃ یا ذِکر وغیرہ اَصلاً ایسی چیز نام کو نہ پڑھے جس میں ''ح'' آتی اور اسے ''ھ'' پڑھنے سے نماز جاتی ہو بلکہ قرآنِ مجید کی (وہ) سورتیں اختیار کرے جن میں ''ح'' نہیں جیسے سورہ کافرون وسورہ ناس اور ثناء اور تسبیحاتِ رکوع و سجود و تشہد و درود وغیرہ کے کلمات میں جن میں ایسی ''ح'' آئی اُن کے مُرادِفات و مقارِبات سے بدل لے مثلاً بجائے سبحٰنَكَ اللھم و بحمدك اقدسك اللھم مثنیا علیك و علی ھذا القیاس اور اسے کوئی شخص صحیح خواں ایسا نہ ملے جس کی اقتدا کرے اور جماعت بھر کے سب لوگ اسی طرح ''ح'' کو ''ھ'' پڑھنے والے ہوں تو البتہ جب تک کوشش کرتا رہے گا اس کی بھی صحیح ہوگی اور اُن سب اس کے مانندوں کی بھی اس کے پیچھے صحیح ہوگی اور جس دن باوصف تنگ آ کر کوشش چھوڑی یا صحیح

القراءۃ کی اقتداء ملتے ہوئے تنہا پڑھی یا امامت کی اُسی دن اس کی بھی باطل، اور اس کے پیچھے سب کی باطل، اور جبکہ معلوم ہے کہ یہ شرائط متحقق نہیں تو حکم وہی ہے کہ جمعہ وغیر جمعہ کسی میں نہ اس کی نماز درست نہ اس کے پیچھے کسی کی درست۔ یہ جو کچھ مذکور ہوا یہی صحیح ہے یہی راجح ہے یہی مختار ہے یہی مفتٰی بہ ہے اسی پر عمل اسی پر اعتماد۔ واللہ الھادی الی سبیل الرشاد۔ ص253

تجوید کا حکم؟

اس قدر تجوید جس کے باعث حرف کو حرف سے اِمتیاز اور تلبیس وتبدیل سے احتراز حاصل ہو واجباتِ عینیہ واَہم مہماتِ دِینیہ سے ہے آدمی پر تصحیحِ مخارج میں سعیِ تام اور ہر حرف میں اُس کے مخرج سے ٹھیک ادا کرنے کا قصد و اہتمام لازم کہ قرآن مطابق مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی پڑھے، نہ معاذَ اللہ مداہنت و بے پروائی کہ آج کل کے عوام بلکہ یہاں کے کثیر بلکہ اکثر خواص نے اپنا شعار کرلیا، فقیر نے بگوشِ خود بعض مولوی صاحبوں کو پڑھتے سنا قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَھَدۡ حالانکہ نہ ہرگز اَللّٰہُ الۡاَحَد نے ''اَھَد'' فرمایا نہ اَمینِ وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اَھَد پہنچایا نہ صاحبِ قرآن صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اَھَد پڑھایا، پھر اسے قرآن کیونکر کہا جائے فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن۔ ص261

قراءت دیکھیے اتنی تجوید کہ حرف دوسرے سے صحیح ممتاز ہو فرضِ عین ہے بغیر اس کے نماز قطعاً باطل ہے عوام بے چاروں کو جانے دیجئے خواص کہلانے والوں کو دیکھیے کتنے اس فرض پر عامل ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سُنا، کن کو؟ علماء کو مفتیوں کو مدرسوں کو مصنفوں کو {قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ} کی جگہ اَھَدٌ پڑھتے ہوئے، جمعہ میں {یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ صَیۡحَۃٍ عَلَیۡھِمۡ} کی جگہ یَعۡسَبُوۡنَ، {ھُمُ الۡعَدُوُّ فَاحۡذَرۡھُمۡ} کی جگہ فَاعۡذَرۡھُمۡ، {وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمِ} کی جگہ ھُوَ الۡعَزِیۡزُ بلکہ ایک صاحب کو الحمد شریف میں {صِرَاطَ الَّذِیۡنَ} کی جگہ صِرَاطَ اللَّظِیۡنَ۔ کس کس کی شکایت کیجئے یہ حال اکابر کا ہے پھر عوام بے چاروں کی کیا گنتی اب کیا شریعت ان کی بے پروائیوں کے سبب اپنے اَحکام منسوخ فرما دے گی نہیں نہیں {اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ} ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔ (جلد3،ص253)

قرآنِ عظیم میں ''ض'' کی جگہ ''ظ'' پڑھنے کا حکم؟

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہ بعد اس کے کہ عرشِ تحقیق مستقر ہو چکا کہ قرآن اسمِ نظم و معنٰی جمیعاً بلکہ اسمِ نظم مِنۡ حَیۡثُ الۡاِرۡشَادِ اِلَی الۡمَعۡنٰی ہے اور نظم نام حروف علٰی ھذا الترتیب المعروف اور حروف باہم متباین اور تبدیلِ جُز قطعاً مستلزمِ تبدیلِ کُل کہ مُؤَلَّف مِنۡ مُبَائِن یقیناً غیرِ مؤلف من مبائن آخر ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس تبدیلِ عمدی اور تحریفِ کلامُ اللہ میں کتنا تفاوُت مانا جائے گا۔ لاجرم امام اَجل ابو بکر محمد بن الفضل فضلی و امام برہان الدین محمود بن الصدر السعید وغیرہما اَجلہ کرام نے تو یہاں تک حکم دیا کہ جو قرآنِ عظیم میں عمداً ''ض'' کی جگہ ''ظ'' پڑھے کافر ہے۔

پس جزماً لازم کہ ہر حرف میں خاص حرف مُنَزَّل مِنۡ عِنۡدِ اللہ ہی کی اَدا کا قصد کریں اُسی کے مخرج سے اُسے نکالنا چاہیں پھر بوجہ عُسرِ حرف وقصورِ لسان اگر غلط ادا ہو تو مثلِ ض میں کہ اَعسرُ الحروف ہے۔ تیسیر اَعلی الامۃ فتوٰیِ بعض متاخرین پر عمل کر کے صحتِ نماز کا حکم دینا معیوب نہیں بلکہ محبوب ہے کہ شارع علیہ السلام کو یُسر و آسانی مطلوب و مرغوب ہے۔

پھر ایسی حالت میں عندالانصاف اشتراکِ صفات خواہ اشتباہِ اَصوات کسی کی تخصیص نہیں ہوسکتی کہ جو خلافِ قصد ہے اختیاری نہیں اور جو اِختیاری نہیں اس پر حکم جاری نہیں اور اگر اپنی طرف سے خاص اِرادۂ اَحدالاغلاط کا حکم دیجئے تو یہ وہی تعمدِ غلط ہے کہ یقیناً ممنوع اس تحقیقِ اَنیق سے ظاہر ہوا کہ تعمد نہ ''ظاد'' کا جائز نہ ''دُواد'' کا کہ نہ وہ ''ظا'' ہے نہ دال مفخم اور بعد قصدِ ''ض'' وارادۂ حرفِ صحیح و استعمالِ مخرجِ معین براہِ غلط جو کچھ ادا ہو تیسیر اًصحتِ نماز پر فتوٰی (کیونکہ ادائیگی مشکل اور استعمال زیادہ ہے یہ میری رائے ہے پس تمہاری رائے اس میں کیا ہے اس پر خود غور وخوض کرو۔ت)۔ص263

قواعدِ تجوید سے اِنکار کا حکم؟

تجوید بنصِ قطعی قرآن واَخبارِ متواترہ سیدُ الانس والجان علیہ وعلی آلہٖ افضل الصلوٰۃ والسلام واجماعِ تام صحابہ وتابعین وسائر ائمۂ کرام علیہم الرضوان المستدام حق وواجب اور علمِ دین شرعِ الٰہی ہے قال اللّٰہ تعالٰی {وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا} (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ت)

اسے مطلقاً ناحق بتانا کلمۂ کفر ہے والعیاذ باللّٰہ تعالٰی۔ہاں جو اپنی ناواقفی سے کسی قاعدے پر اِنکار کرے وہ اس کا جہل ہے اسے آگاہ ومتنبّہ کرنا چاہیئے۔واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ص322

بلاشبہ اتنی تجوید جس سے تصحیحِ حرف ہو اور غلط خوانی سے بچے فرضِ عین ہے، جو اِسے بدعت کہتا ہے اگر جاہل ہے اُسے سمجھا دیا جائے، اور دانستہ کہتا ہے تو کفر ہے کہ فرض کو بدعت کہتا ہے۔واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ص343

ترتیل کی تین حدیں ہیں ہر حدِ اعلٰی میں اس کے بعد کی حد ماخوذ وملحوظ ہے

حدِ اوّل: یہ کہ قرآنِ عظیم ٹھہر ٹھہر کر باہستگی تلاوت کرے کہ سامع چاہے تو ہر کلمے کو جُدا جُدا گن سکے۔جیسا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: {وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا} یعنی ہم نے اسے بندوں کی ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل فرمایا ہے(ت)

الفاظ بہ تفخیم ادا ہوں حروف کو اُن کی صفات شدّت وجہر واَمثالہا کے حقوق پورے دئے جائیں اِظہار واِخفا وتفخیم وترقیق وغیرہا محسنات کا لحاظ رکھا جائے یہ مسنون ہے اور اس کا ترک مکروہ وناپسند اور اس کا اِہتمام فرائض وواجبات میں تراویح اور تراویح میں نفلِ مطلق سے زیادہ۔

دوم: مدووقف ووصل کے ضروریات اپنے اپنے مواقع پر ادا ہوں کھڑے پڑے کا لحاظ رہے حروفِ مذکورہ جن کے قبل نون یا میم ہو ان کے بعد غنّہ نہ نکلے {اِنَّا کُنَّا} کو اِنَّ کُنَّ یا اِنَّاں کُنَّاں نہ پڑھا جائے باوجیم ساکنین جن کے بعد ''ت'' ہو بشدت ادا کئے جائیں کہ ''پ'' اور ''چ'' کی آواز نہ دیں جہال جلدی میں { اَبْتَرُ} اور {تَجْتَنِبُوْا} کو اَپْتَر اور تچتنبوا پڑھتے ہیں حروف مُطبقہ کا کسرہ ضمہ کی طرف مائل نہ ہونے پائے۔جہاں جب {صِرَاطَ} و{قَاطِعَةً} میں ص وط اطباق کرتے ہیں حرکت تابعِ حرف ہو کر کسرہ مشابہ ضمہ ہو جاتا ہے کوئی حرف بے محل اپنے مجاور کی رنگت نہ پکڑے ت وط کے اجتماع میں مثلاً {یَسْتَطِیْعُوْنَ} {لَاتُطِعْ} بے خیالی کرنے والوں سے حرف تا بھی مشابہ طا ادا ہوتا ہے بلکہ بعض سے ''عُتُوٌّ'' میں بھی بوجہ تفخیم عین وضمۂ تا آواز مشابہ طا پیدا ہوتی ہے بالجملہ کوئی حرف وحرکت بے محل دوسرے کی شان اَخذ نہ کرے نہ کوئی حرف چُھوٹ جائے نہ کوئی اجنبی پیدا

ہو نہ محدود و مقصور ہو نہ ممدود، اسی زیادتِ اجنبی کے قبیل سے ہے وہ الف جو بعض جہال {وَاسْتَبَقَا الْبَابَ، دَعَوَا اللّٰہَ} {وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰہِ} {ذَاقَا الشَّجَرَۃَ} کے قیاس پر {كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ} {قِيلَ ادْخُلَا النَّارَ} میں نکالتے ہیں حالانکہ یہ محض فاسد اور زیادتِ باطل وکاسد۔ واجب و اجماعی مدِ متصل ہے منفصل کا ترک جائز ولہذا اس کا نام ہی مدِ جائز رکھا گیا اور جس حرفِ مدہ کے بعد سکونِ لازم ہو جیسے { ضَآلِّيْنَ، الٓمّٓ } وہاں بھی مد بالا جماع واجب اور جس کے بعد سکونِ عارض ہو جیسے {اَلْعَالَمِيْنَ، اَلرَّحِيْمِ، اَلْعِبَادِ، يُوْقِنُوْنَ} بحالتِ وقف یا {قَالَ اللّٰهُمَّ} بحالتِ اِدغام وہاں مد وقصر دونوں جائز، اس قدر ترتیل فرض و واجب ہے اور اس کا تارک گنہگار، مگر فرائضِ نماز سے نہیں کہ ترک مفسدِ صلاۃ ہو۔

جو شخص اس قسم ترتیل کی مخالفت کرے اس کی امامت نہ چاہئے مگر نماز ہو جائے گی اگرچہ بکراہت۔

سوم: جو حروف وحرکات کی تصحیح اع، ت ط، ث س ص، ح ہ، ذ ز ظ وغیرہا میں تمیز کرے غرض ہر نقص و زیادت و تبدیل سے کہ مفسدِ معنی ہو احتراز یہ بھی فرض ہے اور علی التفصیل فرائضِ نماز سے بھی ہے کہ اس کا ترک مفسدِ نماز ہے جو شخص قادر ہے اور بے خیالی یا بے پروائی یا جلدی کے باعث اسے چھوڑتا ہے یا سیکھے تو آ جائے مگر نہیں سیکھتا ہمارے ائمۂ کرامِ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اس کی نماز باطل اور اس کی امامت کے بُطلان اور اس کے پیچھے اوروں کی نماز فاسد ہونے میں تو کلام ہی نہیں علمائے متاخرین نے بنظرِ تیسیر جو توسیعیں کیں وُہ عند التحقیق صورتِ لغزش وخطا سے متعلق ہیں کہ صحیح جانتا ہے اور صحیح پڑھ سکتا ہے مگر زبان سے بہک کر غلط ادا ہو گیا نہ کہ معاذ اللہ فتوی بے پروائی واجازتِ غلط خوانی و ترکِ تعلم وکوشش، جیسا کہ عوامِ زمانہ بلکہ اکثر خواص میں بھی وبائے عالمگیر کی طرح پھیلا ہوا ہے اور نہ بھی سہی تو وہ عوام کی نمازیں ہیں نہ کہ غلط خوانوں کو امام بنانے کے لئے وہی علماء جو وہ توسیعات لکھتے ہیں بُطلانِ امامت کی تصریح فرماتے ہیں اور جو قادر ہی نہیں کوشش کرتا ہے محنت کرتا ہے مگر نہیں نکلتا جیسے کچی زبان والے گنوار کہ قاف کو کاف، ذال کو جیم پڑھیں۔ صحیح مذہب میں صحیح خواں کی نماز ان کے پیچھے بھی نہیں ہو سکتی تفصیل اس مسئلہ جلیلہ کی جس سے آج کل نہ صرف عوام بلکہ بہت علماء ومشائخ تک غافل ہیں۔ فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کے فتاوٰی میں ہے۔ ص 275

امام کتنی قرات کرے

حاصلِ مذہبِ معتمد یہ قرار پایا کہ جب گنجائش بوجہ وقت خواہ بیماری وضُعف وحاجتِ مقتدیان کم دیکھے تو قدرِ گنجائش پر عمل کرے ورنہ وہی طول واَوساط وقصار کا حساب ملحوظ رکھے اور قلّتِ گنجائش کے لئے زیادہ مقتدیوں کا ناتواں یا کام کا ضرورت مند ہونا درکار نہیں بلکہ صرف ایک کا ایسا ہونا کافی ہے یہاں تک کہ اگر ہزار آدمی کی جماعت ہے اور صبح کی نماز ہے اور خوب وسیع وقت ہے اور جماعت میں ۹۹۹ آدمی دل سے چاہتے ہیں کہ امام بڑی بڑی سورتیں پڑھے مگر ایک شخص بیمار یا ضعیف بوڑھا یا کسی کام کا ضرورت مند ہے کہ اس پر تطویل بار ہوگی اسے تکلیف پہنچے گی تو امام کو حرام ہے کہ تطویل کرے بلکہ ہزار میں سے اس ایک کے لحاظ سے نماز پڑھائے جس طرح مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف اس عورت اور اس کے بچے کے خیال سے نمازِ فجر مُعَوَّذَتَیْن سے پڑھا دی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تطویل میں سخت ناراضی فرمائی یہاں تک کہ رخسارہ مبارک شدّتِ جلال سے سرخ ہو گئے اور فرمایا: کیا تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے، کیا تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے کیا تو

لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے اے معاذ! جیسا کہ صحاح وغیر ہا میں ہے ہدایہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص کسی قوم کا امام بنے وہ انھیں ان کے ضعیف کے اعتبار سے نماز پڑھائے کیونکہ ان میں مریض، بوڑھے اور صاحبِ حاجت بھی ہوں گے (ت)۔ص324

قرآنِ عظیم سورۂ حُجُرَات سے آخر تک مُفَصَّل کہلاتا ہے اس کے تین حصے ہیں حُجُرات سے بُرُوج تک طِوَالِ مفصَّل ،بُرُوج سے {لَمْ یَکُنْ} تک اَوْسَاطِ مفصل،{لَمْ یَکُنْ} سے ناس تک قِصَارِ مفصل۔سنّت یہ ہے کہ فجر وظہر میں ہر رکعت میں ایک پوری سورت طِوالِ مفصل سے پڑھی جائے اور عصر وعشاء میں ہر رکعت میں ایک کامل سورت اَوساطِ مفصل سے اور مغرب کے ہر رکعت میں ایک سورتِ کاملہ قصارِ مفصل سے اگر وقت تنگ ہو یا جماعت میں کوئی مریض یا بوڑھا یا کسی شدید ضرورت والا شریک جس پر اتنی دیر میں اِیذا وتکلیف وحرج ہوگا تو اس کا لحاظ کرنا لازم ہے جس قدر میں وقت مکروہ نہ ہونے پائے اور اس مقتدی کو تکلیف نہ ہو اسی قدر پڑھیں اگرچہ صبح میں {اِنَّآ اَعْطَیْنَا} و {قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ} ہوں یہی سنت ہے اور جب یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو اس طریقۂ مذکورہ کا ترک کرنا اور صبح یا عشاء میں قصارِ مفصل پڑھنا ضرور خلافِ سنت ومکروہ ہے مگر نماز ہوجائے گی ۔ص331

نماز میں قَالَ رسولُ اللہِ کہنے کا حکم؟

اگر اس لفظ سے اُس نے کسی شخص کی بات کا جواب دینے کا قصد کیا مثلاً کسی نے پوچھا فلاں حدیث کس طرح ہے اُس نے کہا قال رسولُ اللہ اور معاً نماز کا خیال آ گیا خاموش ہو رہا یا اِبتداءً کسی سے خطاب کا اِرادہ کیا مثلاً کسی کو کوئی فعلِ ممنوع کرتے دیکھا اسے حدیثِ ممانعت سنانی چاہی اس کے خطاب کی نیت سے کہا قال رسولُ اللہ پھر یاد آ گیا آگے نہ کہا تو ان دوصورتوں میں ضرور نماز فاسد ہوجائے گی۔

اور اگر یہ صورتیں نہ تھیں تو اس کا جزئیہ اس وقت نظر میں نہیں اور ظاہر کلامِ علمائے کرام سے یہ ہے کہ اگر یہ شخص حدیث خوانی کا عادی تھا اُس عادت کے مطابق زبان سے قال رسولُ اللہ نکلا تو نماز فاسد ہوگئی لانه من کلامه و لیس ثناء اودعاء بل اخبار (کیونکہ یہ اس کا اپنا کلام ہے ثنا اور دُعا نہیں بلکہ خبر دینا ہے۔ت) اور اگر ایسا نہ تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی کہ یہ جملہ آیتِ کریمہ کا ٹکڑا ہے قال اللہ تعالیٰ {فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللہِ نَاقَةَ اللہِ وَسُقْیٰھَا }۔ص326

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

۱۔ اللہ کے الف کو حذف کرکے پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ ۲۔ (اللہ) کے لام کو پُر کرنا سنّت ہے یا نہیں؟

۳۔ الفِ اللہ کو تکبیرات میں کچھ دراز کرکے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۴۔ قعدۂ اُولیٰ میں شک ہُوا مگر یقین نہیں اور سجدہ سہو کیا تو نماز جائز یا نہیں؟

۵۔ جس نماز میں سہو نہ ہوا اور سجدہ سہو کیا تو نماز جائز ہے یا نہیں؟

۶۔ ہاتھ ملا کر دُعا کرنی چاہئے یا علیحدہ علیحدہ کرکے؟

الجواب:(۱) نماز جائز ہے مگر قصداً کرے تو حرام وگناہ۔ (۲) ہاں سنّتِ متوارثہ ہے جبکہ اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو۔

(۳) تھوڑا دَراز کرنا تو مستحب ہے اسے مدِتعظیم کہتے ہیں اور زیادہ دراز کرنا کہ حدِ اعتدال سے خروجِ فاحش ہو مکروہ اور اگر معاذ اللہ تان کے طور پر ہو کہ کچھ حروفِ زوائد پیدا ہوں مثلِ اا َ تو مفسدِ نماز ہے۔

(۴) جائز ہے۔

(۵) بے حاجت سجدۂ سہو نماز میں زیادت اور ممنوع ہے مگر نماز ہو جائے گی۔ ہاں اگر یہ امام ہے تو جو مقتدی مسبوق تھا یعنی بعض رکعات اس نے نہیں پائی تھیں وُہ اگر اس سجدۂ بے حاجت میں اس کا شریک ہوا تو اس کی نماز جاتی رہے گی لانہ اقتدی فی محل الانفراد (کیونکہ اس نے محلِ انفراد میں اس کی اقتدا کی۔ت)

(۶) دونوں ہاتھوں میں کچھ فاصلہ ہو، دُرمختار میں ہے وہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینہ کے برابر آسمان کی طرف پھیلائے کیونکہ آسمان دُعا کا قبلہ ہے اور ان کے درمیان فاصلہ ہو۔ ردالمحتار میں ہے: اگرچہ تھوڑا فاصلہ ہی ہو، قنیہ (ت) ص327

منہ میں بدبو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ اور مسجد میں جانا حرام ہے

منہ میں بدبو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ اور ایسی حالت میں مسجد میں جانا حرام ہے جب تک منہ صاف نہ کرلے، اور دوسرے نمازی کو اِیذا پہنچنی حرام ہے اور دوسرا نمازی نہ بھی ہو تو بدبو سے ملئکہ کو اِیذا پہنچتی ہے، حدیث میں ہے: (کیونکہ ملائکہ ہر اس شے سے اذیّت پاتے ہیں جس سے بنی آدم اذیت پاتے ہیں۔ت)۔ص332

* **فرضوں میں قصداً چھوٹی سورت بیچ میں چھوڑ دینا مکروہ ہے اور سہواً اَصلاً کراہت نہیں۔ص333**

آیت مایجوز بہ صلٰوۃ کتنی مقدار ہے؟

وُہ آیت کہ چھ حرف سے کم نہ ہو اور بہت نے اُس کے ساتھ یہ بھی شرط لگائی کہ صرف ایک کلمہ کی نہ ہو تو ان کے نزدیک {مُدۡهَآمَّتٰنِ} اگرچہ پُوری آیت اور چھ ۶ حرف سے زائد ہے جوازِ نماز کو کافی نہیں، اسی کو منیہ وظہیریہ وسراج وہاج وفتح القدیر و بحرالرائق ودرمختار وغیرہا میں اَصح کہا اور امام اَجل اسبیجابی وامام مَلِک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی نے فرمایا کہ ہمارے امام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک صرف {مُدۡهَآمَّتٰنِ} سے بھی نماز جائز ہے اور اس میں اَصلاً ذکرِ خلاف نہ فرمایا۔

اَقول: اَظہر یہی ہے مگر جبکہ ایک جماعت اُسے ترجیح دے رہی ہے تو اِحتراز ہی میں احتیاط ہے خصوصاً اس حالت میں کہ اس کی ضرورت نہ ہوگی مگر مثلِ فجر میں جبکہ وقت قدرِ واجب سے کم رہا ہو ایسے وقت {ثُمَّ نَظَرَ} کہ بالاجماع ہمارے امام کے نزدیک ادائے فرض کو کافی ہے {مُدۡهَآمَّتٰنِ} سے جلد ادا ہو جائے گا کہ اس میں حرف بھی زائد ہیں اور ایک مدِ متصل ہے جس کا ترک حرام ہے، ہاں جسے یہی یاد ہو اُس کے بارے میں وُہ کلام ہوگا اور اَحوط اِعادہ۔ص344

نماز میں کتنی مرتبہ اور کس کس مقام پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہیئے؟

سورہ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سنّت ہے اور اس کے بعد اگر کوئی سورت اَوّل سے پڑھے تو اس پر بسم اللہ کہنا مستحب ہے اور کچھ آیتیں کہیں اور سے پڑھے تو اس پر کہنا مستحب نہیں، اور قیام کے سوا رکوع وسجود وقعود کسی جگہ بسم

اللہ پڑھنا جائز نہیں کہ وہ آیۂ قرآنی ہے اور نماز میں قیام کے سوا کسی جگہ کوئی آیت پڑھنی ممنوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص349

دارِ حرب حکومتِ اسلام سے دارالاسلام ہوجاتا ہے

دارِ حرب حکومتِ اسلام سے دارُالاسلام ہوجاتی ہے اور عیاذاً باللہ عکس کے لئے فقط حکومتِ کفر کافی نہیں بلکہ شرط ہے کہ وہ جگہ کسی طرف دارُالحرب سے متصل ہو اور کوئی مسلم یا ذمی پہلے امان پر نہ رہے اور شعائرِ اسلام اُس سے بالکل بند کر دیئے جائیں والعیاذ باللہ تعالیٰ جب شعائرِ اسلام سے کچھ بھی باقی ہے بدستور دارُالاسلام رہے گی۔ص368

بابُ الامامۃ (امامۃ کا بیان)

اگر امام نماز پڑھائے جماعت کی اور اللہ آواز سے کہے اور اَکبر نہ کہے کہ کسی مقتدی کو نہ سنائی دے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: اللہ اکبر پورا بآواز کہنا مسنون ہے سنّت ترک ہوئی نماز میں کراہتِ تنزیہی آئی مگر نماز ہوگئی۔ص380

داڑھی مونچھ شرطِ امامت نہیں

اگر بالغ ہے تو ہر نماز یہاں تک کہ فرائضِ پنجگانہ بھی اس کے پیچھے ہو تو جائیں گے کہ داڑھی مونچھ شرطِ صحتِ اِمامت نہیں بلوغ درکار ہے اور وہ ظہورِ آثار مثلِ اِحتلام وغیرہ سے لڑکوں میں بارہ برس کی عمر سے ممکن۔ص389

بے سمجھے بُوجھے مسائلِ شرعیہ میں مداخلت کرنا گناہِ عظیم ہے

بے علم وفہم ترجمہ قرآنِ مجید میں دخل دینا گناہِ کبیرہ ہے، خود قرآنِ مجید فرماتا ہے: {اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ} یا تم اللہ کے بارے میں وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔(ت)

حدیث میں ہے سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو بغیر علم کے قرآن میں زبان کھولے وہ اپنا گھر جہنّم میں بنالے۔ اسے ترمذی نے حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کر کے صحیح قرار دیا۔

بے سمجھے بُوجھے مسائلِ شرعیہ میں مداخلت کرنا غلط سلط جو منہ پر آیا فرض کو سنّت، واجب کو مستحب، ناجائز کو جائز بتا دینا بھی گناہِ عظیم ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو تم میں فتوی پر زیادہ بیباک ہے آتشِ دوزخ پر زیادہ جری ہے۔ اس کو دارمی نے عبیداللہ بن ابی جعفر سے مرسلاً ذکر کیا ہے۔ص394

* بلا وجہ شرعی امامِ معین کا منصب چھین کر جبراً لوگوں کی امامت کرے ائمۂ دین نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا۔ص421

نماز میں قرات میں غلطی کے اَحکام

(۱) وقف کی غلطی کہ وصل کی وقف، وقف کی جگہ وصل کرے۔ یہ اَصلاً مفسدِ نماز نہیں اگرچہ وقفِ لازم پر نہ ٹھہرے۔

(۲) جن حروفِ مدہ پر مد ہے جیسے {جَآءَ، تَنُوٓءُ، جَآءَ، یٰٓاَیُّهَا، قَالُوۡٓا اِنَّا، فِیۡٓ اَیَّامٍ، دَآبَّةٍ، آٰمِّیۡنَ} (وہاں مد نہ کرنا بھی اَصلاً مفسد نہیں۔

(۳) جن حروفِ مد یا لین پر مد نہیں مثلاً {قَالَ، یَقُوۡلُ، قِیۡلَ، قَوۡلٌ، خَیۡرٌ} ان پر مد کرنا بھی موجب فساد نہیں جبکہ حد سے

زیادہ نہ ہوں، ہاں حد سے (متجاوز) ہو جیسے گانے میں زمزمہ کھینچا جاتا ہے تو آپ ہی مطلقاً مفسد ہے اگرچہ مد ہی کی جگہ ہو۔

(۴) کھڑے کو پڑا پڑھنا بھی مفسد نہیں۔

ان چاروں باتوں سے اگرچہ فسادِ نماز نہیں مگر کراہت ضرور ہے کہ آخر قرآنِ عظیم کا غلط پڑھنا ہے یہاں تک کہ علمائے کرام نے فرمایا: مد کا ترک حرام ہے۔ تو کھڑے کو پڑا پڑھنا بدرجہ اَولیٰ حرام ہوگا اس میں تو جوہرِ لفظ میں کمی ہو گئی بخلاف مد کہ اَمرِ زائد تھا، یوں ہی تصریح فرماتے ہیں کہ جو شخص وقف ووصل کی رعایت نہ رکھتا ہو اُسے امام نہ ہونا چاہئے۔

(۵) پڑے کو کھڑا پڑھنے سے اگر معنیٰ فاسد نہ ہوں جیسے {اُتْلُ ,اُدْعُ, یَرْضَهُ, لَمْ یَخْشَ, وَاَنَّهُ ,لَا تَأْسَ ,عَلَیْهُ, لَا تَمْشِ یِعِبَادِ} کو اُتْلُ ,اُدْعُ, یَرْضَهٗ, لَمْ یَخْشٰ, وَاَنَّهٗ ,لَا تَاْسٰ ,عَلَیْهٖ, لَا تَمْشِ ,یِعِبَادِ پڑھنا، تو نماز فاسد نہ ہوگی ، ورنہ فاسد۔

(۶) یونہی مشدّد کو مخفّف ،مخفف کو مشدد پڑھنا فسادِ معنی میں فسادِ نماز ہے جیسے ظَلَلْنَا بتخفیفِ لام اِیَّاكَ (بتشدید) کاف نہیں، ورنہ نہیں جیسے مَاوَدَعَكَ بتخفیفِ دال اَكْبَرّ بتشدیدِ راء

(۷) س ص وغیرہما حروف کی باہم تبدیل میں بھی فسادِ معنی ہی پر لحاظ ہے بحالتِ عدمِ فسادِ نماز فاسد نہیں خصوصاً جب خاص لفظ زبانِ عرب میں دونوں طرح ہو جیسے صِراط و سِراط، وہ تبدیل کسی قاعدۂ عرب کے موافق ہو جیسے وہ ہر کلمہ جس میں سین کے بعد طِ مہملہ یا غینِ معجمہ یا ق یا خ معجمہ واقع ہو اس سین کو ص پڑھنا صحیح ہے بعض نے قبل و بعد کی قید نہیں لگائی اور ''ت'' کی معیت میں بھی سین اور صاد کی باہم تبدیل دونوں جانب سے جائز بتائی ،بعض نے کہا جس کلمہ میں کے ص بعد ط مہملہ یا غ معجمہ یا سین کے بعد ق یا خ معجمہ ہو وہاں ان میں ہر ایک کے عوض دوسرا اور ''ز'' معجمہ بھی جائز ،اور جس ص کے بعد ''د'' مہملہ ہو اگر ص ساکن ہے تو اس کی جگہ ''س'' یا ''ز'' روا اور متحرک ہے تو ناجائز ومفسدِ نماز۔

پچھلے تین مسائل میں کہ بحالتِ فسادِ معنی فسادِ نماز کا حکم مذکور ہمارے امام صاحبِ مذہب اور ان کے اَتباع ائمۂ متقدمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب تھا اور وہی اَحوط ومختار ہے اَجلّہ محققین نے اُسی کی تصریح فرمائی اگرچہ علمائے متاخرین ان تین میں بھی کہیں بعض کہیں اکثر بغرضِ آسانی جانبِ جوازِ نماز گئے اور بکثرت فروع میں ان کے اَقوال خود مختلف ومضطرب رہے۔

(۸) س ،ص وغیرہما حروف کی تبدیل جس میں آج کل اکثر عوام مبتلا ہیں جب بطورِ عجز ہو یعنی ''ص'' کہنا چاہیں تو ''س'' ہی ادا ہو ''ص'' نہ نکال سکیں جیسا کہ یہاں عوام کا جنہوں نے قواعدِ اَعدا دنہ سیکھے اور اس فرضِ عین کے تارک رہے یہی حال ہے تو اس صورت میں اگرچہ ان کی اپنی نماز ہو جانے پر فتوی ہے جبکہ سیکھنے پر کوشش کئے جائیں اور جو حرف نہیں نکال سکتے اس سے خالی کوئی سورت یا آیت پاتے ہوئے سوائے فاتحہ ایسا کلام جس میں وُہ حروف آئے ہیں نہ پڑھیں اور صحیح خوان کی اِقتدا ملتے ہوئے جُدا نماز ادا نہ کریں مگر یہ حکم صرف اُن کی اپنی نماز اِن شرطوں کے ساتھ جائز ہونے کے لئے ہے صحیح خواں کی امامت نہیں کر سکتے نہ اُس کی نماز ان کے پیچھے ہوگی یہی مذہب صحیح ہے اور یہی قولِ جمہور ائمہ ہے جن میں متاخرین بھی شامل ہیں۔ص 423 تا432

جس شخص کی امامت کو لوگ بُرا جانیں اس کی امامت کا حکم

اگر قوم کی کراہت شرعی عذر کے بغیر ہو جیسا صالح اور عالم کی امامت کو اپنے بعض دُنیوی تنازعے کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہوں یا غلام، نابینا وغیرہ کی امامت کو مکروہ سمجھتے ہوں حالانکہ وہ قوم سے اَفضل ہوں، تو ایسی صورت میں قوم کی اپنی ناپسندیدگی کوئی معنیٰ نہیں رکھتی لہذا ان اَفراد کی امامت میں وہ اَثر انداز نہ ہوگی، اگر کراہت کسی شرعی عذر سے ہو مثلاً امام فاسق یا بدعتی ہو یا چار مذکور اَفراد غلام، اَعرابی، ولدِ زِنا اور نابینا دوسروں سے اَفضل واَعلم نہ ہوں یا قوم میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جس میں شرعی ترجیحات ہوں، مثلاً علم زیادہ رکھتا ہے، تجوید وقراَت کا ماہر ہے تو یہ خود امامت کے زیادہ لائق اور حق دار ہے ایسی صورت میں جس شخص کو امام بنانا قوم مکروہ جانے اس شخص کو امام بننا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔ص 471

امام سے افضل شخص موجود ہو تو کس کو امامت کرنا بہتر ہے؟

اگر محلہ کا امام اسباب و وجوہِ خلل سے خالی ہو تو اسی کا امام بننا بہتر ہے مگر اس صورت میں جب مسلمانوں کا حاکم، قاضیِ شرع اور والیِ اسلام موجود ہوں کیونکہ ان حضرات کو امامِ محلہ پر تقدیم کا حق حاصل ہے۔ص476

جو شخص اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان کو حق جانتا ہو اُس کے پیچھے نماز پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

اگر اس کے ضلالت وکفریات پر آگاہی ہو کر اُسے اہلِ حق جانتا ہو تو خود اُس کی مثل گمراہ بددین ہے اور اُس کے پیچھے نماز کی اجازت نہیں، اگر نادانستہ پڑھ لی ہو تو جب اِطلاع ہو اِعادہ واجب ہے، جیسا کہ یہی حکم تمام ان اَعداءِ دین کا ہے جو بدعتی ، فاسق، مرتد اور فساد پھیلانے والے ہیں۔(ت)

اور اگر آگاہ نہیں تو اُسے اس کے اَقوالِ ضالّہ دِکھائے جائیں، اس کی گمراہی بتائی جائے، رسالہ **الکوکبۃ الشھابیۃ** بطورِ نمونہ مطالعہ کرایا جائے۔ اگر اب بعدِ اِطلاع بھی اُسے اہلِ حق کہے وہی حکم ہے، اور اگر توفیق پائے حق کی طرف ﴿فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ﴾ (تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔ت)۔ص486

حنفیت چھوڑ کر حنبلیّت اِختیار کرنا کیسا؟

اِن بلاد میں کہ جہاں نہ حنبلی مذہب کے عالم ہیں نہ کتابیں، حنفیت چھوڑ کر حنبلیت اِختیار کرنا ہرگز جائز نہیں، اِنتقال کرنے والا مذہبِ حنفی کا عالم تھا تو یہ اِنتقال صراحۃً مرادِ شرع کے متضاد ہوگا کہ شرع نے طلبِ علم کا حکم فرمایا اور یہ ترکِ علم وطلبِ جہل کرتا ہے حاشا للہ حنبلیت جہل نہیں چاروں مذہب حق وہُدیٰ ورَشاد ہیں مگر جہاں نہ جس مذہب کے عالم نہ کتابیں وہاں اس کا اِختیار صراحۃً اپنے جہل کا اِختیار ہے اور اگر اَوّل سے جاہل تھا تو اپنے لئے علم وعمل کا دروازہ بند کرتا ہے اَحکامِ حنفیت سے آگاہ نہ تھا تو ﴿فَاسْئَلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ (اہلِ ذکر سے پوچھو۔ت) کے اِمتثال پر تو قادر تھا اب کہ وُہ مذہب اختیار کرتا ہے جس کے اہلِ ذِکر بھی یہاں نہیں تو صراحۃً جہل کے ساتھ عجز ملاتا اور اپنے منہ پر شریعتِ مطہرہ کا دروازہ بند کرتا ہے **واللہ الھادی**۔ص510

تجوز الصلاۃ خلف کل بر وفاجر (ہر نیک وفاجر کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز ہے۔ت) کا معنی

زمانہائے خلافت میں سلاطین خود امامت کرتے اور حضور عالمِ ما کان وما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ ان میں فسّاق وفجّار بھی ہونگے فرمایا کہ (تم پر ایسے امراء وارد ہوں گے جو نمازوں کو وقت سے مؤخر کریں گے۔ت) اور معلوم تھا کہ اہلِ صلاح کے قلوب ان کی اِقتداء سے تنفر کریں گے اور معلوم تھا کہ اُن سے اِختلاف آتشِ فتنہ کو مشتعل کرنے والا ہوگا اور دفعِ فتنہ دفعِ اِقتداءِ فاسق سے اَہم واَعظم تھا۔ قال اللہ تعالیٰ: {وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ} (فتنہ قتل سے بڑا وبدتر ہوتا ہے۔ت) لہذا دروازۂ فتنہ بند کرنے کے لئے ارشاد ہوا: صلوا خلف کل بر وفاجر (ہر نیک وفاجر کے پیچھے نماز ادا کرو۔ت) یہ اس باب سے ہے: من ابتلی ببلیتین اختار اھونہما (جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہوجائے تو ان میں آسان کو اختیار کرے۔ت) اور فقہا کا قول تجوز الصلاۃ خلف کل بر وفاجر (ہر نیک وفاجر کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز ہے۔ت) اُسی معنی پر ہے جو اوپر گزرے کہ نماز فاسق کے پیچھے بھی ہوجاتی ہے اگرچہ غیرِ معلن کے پیچھے مکروہِ تنزیہی اور معلن کے پیچھے مکروہِ تحریمی ہوگی۔

یہی فقہاء برابر تصریح فرماتے ہیں کہ امامت کا اَحق اَعلم قوم کو ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ، پھر جواز بھی غیرِ نمازِ جمعہ وعیدین و کسوف میں ہے ان نمازوں کی شرط وہ تنگ ہے کہ بے امامتِ عامہ بمعنی مذکور کسی صالح متقی کے پیچھے بھی نہیں ہوسکتی۔ص 519

جمعہ کے لئے امام وہی ہوسکتا ہے جس کا تقرر بادشاہِ اسلام سے چلا آتا ہے یا وہ کہ جسے بضرورت عام مسلمان مقرر کرلیں۔ص 511

اہم اصول

اول: علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جب کسی امر کے بدعت وسنت ہونے میں تردّد ہو تو وہاں سنت ترک کی جائے۔

دوم: علماء فرماتے ہیں کہ جب کسی بات کے واجب وبدعت ہونے میں تردد ہو تو ترک نہ کی جائے۔

سوم: جب ایک چیز میں حلت وحرمت دونوں وجہیں جمع ہوں تو غلبہ حرمت کو رہے گا اور وہ شے حرام سمجھی جائے گی۔

چہارم: عبادات میں اِحتیاط مطلقاً واجب ہے نہ کہ نماز کہ اَہم واَعظم عبادات ہے جس کے لئے علماء فرماتے ہیں کہ اگر اس کی صحت وفساد میں اِشتباہ پڑے ایک وجہ سے فاسد ہوتی ہو اور متعدد وجوہ سے صحیح تو اس ایک ہی وجہ کا اعتبار کرکے اس کے فساد ہی کا حکم دیں گے۔

پنجم: علماء فرماتے ہیں قاضی محض تہمت وحصولِ ظن پر تعزیر دے سکتا ہے۔ص 528

* **صحیح مذہب میں نابالغ بالغوں کی امامت کسی نماز میں نہیں کرسکتا۔ص 535**

حنفی شافعی کے پیچھے نماز پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟

اگر شافعی طہارت ونماز میں فرائض واَرکانِ مذہبِ حنفی کی رعایت کرتا ہے اس کے پیچھے نماز بلاکراہت جائز ہے اگرچہ حنفی کے پیچھے افضل اور اگر حالِ رعایت معلوم نہ ہو تو قدرے کراہت کے ساتھ جائز، اور اگر عادتِ عدمِ رعایت معلوم ہو تو کراہت شدید ہے اور اگر معلوم ہو کہ خاص اس نماز میں رعایت نہ کی تو حنفی کو اس کی اقتدا جائز نہیں اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی، صورتِ اول و دوم میں شریک ہوجائے اور صورتِ سوم میں شریک نہ ہو اور چہارم میں تو نماز ہی باطل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص 558

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان اور فتاوٰی نویسی

یہاں بحمد اللہ تعالیٰ فتوٰی پر کوئی فیس نہیں لی جاتی بفضلہٖ تعالیٰ بفضلہٖ تعالیٰ تمام ہندستان و دیگر ممالک مثل چین و افریقہ و امریکہ وخود عرب شریف وعراق سے اِستفتا آتے ہیں اور ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہو جاتے ہیں بحمد اللہ تعالیٰ حضرتِ جد اَمجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے اِکانوے (۹۱) برس اور خود اس فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے اِکاون (۵۱) برس ہونے آئے یعنی اس صفر کی ۱۴ تاریخ کو پچاس (۵۰) برس چھ (۶) مہینے گزرے، اس نو ۹ کم سو ۱۰۰ برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے، بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاوے کے ہیں بحمد اللہ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا نہ لیا جائے گا بِعَوْنِهٖ تَعَالٰی وَلَهُ الْحَمْد معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت و دَنی ہمت ہیں جنھوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے جس کے باعث دُور دُور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ بھائیو! { وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ } میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے اگر وہ چاہے۔ [1] ص562

پیشاب کے بعد اِستبراء کا حکم

مرد کو پیشاب کے بعد استبراء کہ اَثرِ بول منقطع ہو جانے پر اطمینانِ قلب حاصل ہو جائے فرض ہے یعنی عملی کہ واجب کی قسمِ اَعلیٰ ہے جس کے بغیر عمل صحیح نہیں ہوتا والہٰذا بعض نے فرض بعض نے واجب بعض نے لازم فرمایا کہ فرض و واجب دونوں کو شامل ہے، پھر اس میں طبائع مختلف ہیں، بعض کو وہ نم کہ سوراخِ ذکر پر بعدِ بول زائل ہوتے ہی اِطمینان ہو جاتا ہے کہ اب کچھ نہ آئے گا بعض کو صرف دو تین بار کھنکھارنا کافی ہوتا ہے بعض کو ذَکر کا دو یا ایک بار اُوپر سے نیچے کو مَل دینا اور بعض کو ٹہلنے کی حاجت ہوتی ہے دس قدم سے چار سو قدم تک بعض کو بائیں کروٹ پر لیٹنا، بعض کو ران پر ران رکھ کر ذَکر کو دَبانا، غرض مختلف طریقے ہیں اور ہر شخص اور اس کی طبیعت (مختلف ہوتی ہے)۔ ص563

فاسق فاجر کے پیچھے جب کوئی نماز پڑھانے والا نہ ہو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

اگر علانیہ فسق و فجور کرتا ہے اور دوسرا کوئی امامت کے قابل نہ مل سکے تو تنہا نماز پڑھیں۔ اور اگر کوئی گناہ چھپا کر کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھیں اور اس کے فسق کے سبب جماعت نہ چھوڑیں، کیونکہ جماعت واجب ہے اور فاسق غیرِ معلن کے پیچھے نماز پڑھنا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے (ت)۔ ص600

امامتِ فساق کی نسبت علما کے دونوں قول ہیں کراہتِ تنزیہی کما فی الدر اور کراہتِ تحریمی کما فی الغنیۃ وفتاوی الحجۃ و التبیین وابی السعود والطحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرھا، اور ان میں توفیق یہ ہے کہ فاسق غیرِ معلن کے پیچھے مکروہِ تنزیہی اور معلن کے پیچھے تحریمی، مبتدع کی بدعت اگر حدِ کفر کو پہنچی ہو اگرچہ عند الفقہا یعنی

---

[1]: یہ بات اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے 15 صفر 1337 ھ کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمائی ہے۔ (عمران)

منکرِ قطعیات ہو اگرچہ منکرِ ضروریات نہ ہو، توصحیح یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز باطل ہے (فتح القدیر، مفتاح السعادۃ اور غیاثیہ وغیرہ میں اسی طرح ہے۔ت) کہ وہی احتیاط جو متکلمین کو اُس کی تکفیر سے باز رکھے گی اُس کے پیچھے نماز کے فساد کا حکم دے گی (نماز جب کئی وجوہات کی بنا پر صحیح مگر ایک وجہ سے فاسد تو اس کو فاسد قرار دیا جائے گا۔ت) ورنہ مکروہ تحریمی۔

جن صورتوں میں کراہتِ تحریم کا حکم ہے صلحاء وفساق سب پر اعادہ واجب ہے، جب مبتدع یا فاسقِ معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو منفرداً پڑھیں کہ جماعت واجب ہے اور اس کی تقدیم ممنوع بکراہتِ تحریم اور واجب ومکروہِ تحریم دونوں ایک مرتبہ میں ہیں (مفاسد کا دُور کرنا مصالح کے حصول سے اَہم اور ضروری ہوتا ہے۔ت) ہاں اگر جمعہ میں دوسرا امام نہ مل سکے تو جمعہ پڑھیں کہ وُہ فرض ہے اور فرض اَہم اسی طرح اگر اُس کے پیچھے نہ پڑھنے میں فتنہ ہو تو پڑھیں اور اعادہ کریں کہ { اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ } (فتنہ قتل سے بڑی برائی ہے۔ت)۔ص 632

اِمامت کی اُجرت حلال ہے یا حرام؟

اُجرتِ امامت اگر اس شخص سے قرار پا گئی ہے کہ فی جمعہ یا ماہوار یا سالانہ اس قدر دیں گے یا خاص اس سے قرارداد نہ ہوا مگر اس اِمامت کی تنخواہ معیّن ہے اِسے بھی معلوم تھی یہ اُسی کے لئے امام بنا اور امام بنانے والوں نے بھی جانا اور مقبول رکھا غرض صراحۃً یا دلالۃً تعینِ اُجرت ہولیا تو یہ اُجرت اُسے حلال ہے اور اس وجہ سے اُس کے پیچھے نماز میں کچھ کراہت نہیں کہ امامت و اذان و تعلیمِ فقہ و تعلیمِ قرآن پر اُجرت لینے کو ائمہ نے بضرورتِ زمانہ جائز قرار دیا ہے کما نصوا علیہ فی الکتب قاطبۃ (جیسا کہ اس پر کتب میں نصوصِ قاطعہ موجود ہیں۔ت) اور جب تعیّن ہولیا تو اِجارہ صحیحہ ہُوا جس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اجارہ صراحۃً خواہ دلالۃً واقع تو ہُوا یعنی اس نے اُجرت کے لئے امامت کی اور قوم نے بھی اسے اجیر سمجھا مگر تعینِ اُجرت نہ بیان میں آیا نہ قرائن سے واضح ہوا تو اجارہ فاسدہ ہے وہ اُجرت اُس کے حق میں خبیث ہے اُسے تَصَدُّق کردینے کا حکم ہے مگر اصل اجارہ اب بھی باطل نہیں، نہ طلبِ اُجرت ظلم ہے، ایسا اجارہ اگر متعدد بار کرے گا فاسق ہوگا اور اُس کے پیچھے نماز مکروہ، اور اگر سرے سے اجارہ ہی نہ ہوا نہ صراحۃً نہ دلالۃً اور اب اُجرت مانگتا ہے تو صریح ظلم وفسق وکبیرہ ہے یہاں مطلقاً اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔ص 639

تارکِ فرض وواجب نیز سنّتِ مؤکدہ اور تارکِ مستحب ومباح کس درجہ کا گنہگار ہے؟

فرض کے ایک بار ترک سے فاسق ہے اور ترکِ واجب کی عادت سے، سنّتِ مؤکدہ حکم میں قریبِ واجب ہے، مستحب ومباح کے ترک میں کچھ گناہ نہیں۔ص 641

صرف شلوار پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

صرف پائجامہ پہنے بالائی حصّہ بدن کا ننگا رکھ کر نماز بایں معنٰی تو ہوجاتی ہے کہ فرض ساقط ہوگیا، مگر مکروہِ تحریمی ہوتی ہے۔واجب ترک ہوتا ہے فاعل گنہگار ہوتا ہے اس کا پھیرنا گردن پر واجب رہتا ہے نہ پھیرے تو دوسرا گناہ سر پر آتا ہے، ہاں اگر اتنے ہی کپڑے کی قدرت ہے تو ایسی محتاجی میں مجبوری ومعافی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہرگز تم میں

کوئی شخص ایک ہی کپڑا پہن کر نماز نہ پڑھے کہ کندھے پر اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔اسے امام بخاری ومسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ص643

رسالہ:النّھی الاکید عن الصّلاۃ وراء عدی التقلید

(دشمنِ تقلید کے پیچھے نماز ادا کرنا سخت منع ہے)ص 647

کسی مسلمان کو کافر کہنے والے کی تکفیر کے متعلق تحقیق

جوشخص ایک مسلمان کو بھی کافر کہے ظواہر اَحادیثِ صحیحہ کی بنا پر وہ خود کافر ہے حضورِ اَقدس سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:یعنی جوشخص کلمہ گو کو کافر کہے تو اُن دونوں میں ایک پر یہ بلاضرور پڑے گی اگر جسے کہا وہ حقیقۃً کافر تھا جب تو خیر ورنہ یہ کلمہ اسی کہنے والے پر پلٹے گا۔علماء فرماتے ہیں یوں ہی کسی کو مشرک یا زندیق یا ملحد یا منافق کہنا۔

اب فقہ کی طرف چلئے بہت اَکابر ائمہ مثلِ امام ابوبکر اَعمش وغیرہ عامہ علمائے بلخ وبعض ائمۂ بخارا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم احادیثِ مذکورہ پر نظر فرما کر اس حکم کو یوں ہی مطلق رکھتے اور مسلمان کی تکفیر کو علی الاطلاق موجبِ کفر جانتے ہیں۔

اور مذہبِ صحیح ومعتمد ومرجح فقہائے کرام میں تفصیل ہے کہ اگر بطورِ سَب ودَشنام بے اِعتقادِ تکفیر کہا تو کافر نہ ہوگا جیسے بیباکوں بے قیدوں کو خر بے لجام وسگ بے زنجیر کہیں کہ معنیٔ حقیقی مراد نہیں ورنہ کافر ہوجائے گا۔فتاوٰی ذخیرہ وفصولِ عمادی وشرح درروغرر وشرح نقایہ برجندی وشرح نقایہ قہستانی ونہرالفائق وشرح وہبانیہ علامہ عبدالبر ودرمختار وحدیقہ ندیہ وجواہراخلاطی وفتاوٰی عالمگیری وردالمحتار وغیرہا کتبِ معتمدہ میں تصریح فرمائی کہ یہی مذہب مختار ومختار للفتوی ومفتٰی بہ ہے۔علما فرماتے ہیں جب اس نے اپنے اعتقاد میں اسے کافر سمجھا اور وہ کافر نہیں بلکہ مسلمان ہے تواس نے دینِ اسلام کو کفر ٹھہرایا اور جو ایسا کہے وہ کافر ہے۔

اقول وباللہ التوفیق توضیح اس دلیل کی علٰی حسبِ مرامِھِمْ (ان کے مقاصد کے مطابق۔ت)یہ ہے کہ کافر نہیں مگر وہ جس کا دین کفر ہے اور کوئی آدمی دین سے خالی نہیں، نہ ایک شخص کے ایک وقت میں دو دین ہوسکیں۔اب جو یہ شخص مثلاً زید مؤمن کو کافر کہتا ہے اس کے یہ معنی کہ اس کا دین کفر ہے اور زید واقع میں بیشک ایک دین سے متصف ہے جس کے ساتھ دوسرا دین ہو نہیں سکتا تو لاجرم یہ خاص اسی دین کو کفر بتارہا ہے جس سے زید اِتصاف رکھتا ہے اور وہ دین نہیں مگر اِسلام تو بالضرورۃ اس نے دینِ اسلام کو کفر ٹھہرایا اور جو دینِ اسلام کو کفر قرار دے قطعاً کافر۔

اس مذہبِ مفتٰی بہ پر بھی اس طائفہ تالفہ(یعنی غیر مقلدوں)کو سخت دِقّت کہ یہ قطعاً اپنے اِعتقاد سے مسلمانوں کو کافر ومشرک کہتے اور اپنی تصانیف میں لکھتے اور اس پر فتوے دیتے ہیں تو باتفاقِ ہر دو مذہب ان کا کافر ہونا لازم۔

مگر حاش للہ ہم پھر بھی دامنِ احتیاط ہاتھ سے نہ دیں گے اور یہ ہزار ہمیں جو چاہیں کہیں ہم زنہار ان کو کفار نہ کہیں گے ہاں ہاں یوں کہتے ہیں اور خدا اور رسول کے حضور کہیں یہ لوگ آثم ہیں خاطی ہیں ظالم ہیں بدعتی ہیں ضال ہیں مُضِل ہیں غَوِیّ ہیں مُبطِل ہیں مگر ہیہات کافر نہیں مشرک نہیں اتنے بدراہ نہیں،اپنی جانوں کے دشمن ہیں عدوُّ اللہ نہیں، ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:یعنی لاالٰہ الا اللہ کہنے والوں کو کسی گناہ پر کافر نہ کہو جو لاالٰہ الا اللہ کہنے والے کو کافر کہے وہ خود کفر سے نزدیک تر ہے۔

اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور اپنے علمائے محققین کا فرمانا لا یخرج الانسان من الاسلام الا جحود ما ادخله فیه (انسان کو اسلام سے کوئی چیز خارج نہیں کر سکتی مگر اس شئی کا انکار جس نے اُسے اسلام میں داخل کیا تھا۔ت) یاد رہے اور جب تک تاویل وتوجیہ کی سب قابلِ اِحتمالِ ضعیف راہیں بھی بند نہ ہو جائیں مدعیِ اسلام کی تکفیر سے گریز چاہیئے۔

میں کہتا ہوں عبدِ ضعیف، اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمائے، پر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ یہاں مقامِ تقیید میں عباراتِ علماء میں اِطلاق ہے جیسا کہ بہت سے مقام پر اکثر مصنفین کا یہی طریقہ دیکھا گیا ہے کسی کو کسی مسلمان کے کافر قرار دینے پر اس وقت کافر قرار دیا جا سکتا ہے جب اس میں کوئی تاویل وشبہ نہ ہو ورنہ اگر وہاں شبہ ہو سکتا ہو تو کافر نہیں ہوگا کیونکہ جب وہ بظاہر مسلمان ہے تو ہم دل پھاڑ کر دیکھنے اور امورِ غیبیہ پر مطلع ہونے کے پابند نہیں اور نہ ہی ہم اس کے کسی ایسے عمل پر مطلع ہوئے ہیں جو ضروریاتِ دین کے انکار میں سے ہو اور ہم اس طرح اس پر حملہ آور کیسے ہو سکتے ہیں جس طرح وہ بیوقوف کسی دوسرے پر ہوا ہے، فقہاءِ کرام کی (بھی) یہی تحقیق ہے نیز ہر اس شخص کو بھی اس بات کا اذعان حاصل ہوگا جس نے فقہاء رحمہ اللہ علیہم اجمعین کے کلام کا اِحاطہ کیا اور ان کے مدعا سے آگاہ ہوا ہو، کیا آپ نہیں جانتے کہ خوارج (اللہ انہیں رسوا کرے) نے امیر المومنین مولائے مسلمین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافر قرار دیا پھر وہ ہمارے نزدیک کافر نہیں، جیسا کہ اس پر درمختار، بحرالرائق، ردالمحتار اور دیگر معتبر کتب میں تصریح ہے، اور جو تکفیر پر تقریرِ دلیل گزری ہے آپ جانتے ہیں لازمِ مذہب، مذہب نہیں ہوتا۔(ت)

رہا معاملہ احادیث کا تو وہ محققین کے ہاں مؤوّل ہیں اپنے ظاہر پر نہیں جیسا کہ شارحینِ کرام نے ذکر کیا ہے اقول (میں کہتا ہوں) سب سے قوی دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گزشتہ ارشادِ گرامی ہے کہ ''وہ کفر کے زیادہ قریب ہے''، آپ نے اسے کافر نہیں فرمایا قریبِ کفر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے جرأت ودلیری ہے کیونکہ ان جیسے الفاظ سے بعض اوقات کفر مراد ہوتا ہے رب العٰلمین اپنی پناہ عطا فرمائے (ت)

خیر تاہم اس قدر میں کلام نہیں کہ یہ حضرات غیر مقلدین وسائر اخلافِ طوائفِ نجدیہ مسلمانوں کو ناحق کافر ومشرک ٹھہرا کر ہزار ہا اکابر ائمہ کے طور پر کافر ہو گئے اس قدر مصیبت ان پر کیا کم ہے والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالیٰ، علامہ ابنِ حجر مکی اعلام بقواطع الاسلام میں فرماتے ہیں: ایک جماعت کے قول کے مطابق یہ مرتد ہو گیا اور یہ خسارے اور کمی میں کافی ہے۔(ت)

تو بحکمِ شرع ان پر توبہ فرض اور تجدیدِ ایمان لازم، اس کے بعد اپنی عورتوں سے نکاحِ جدید کریں۔

اہلسنت کو چاہئے ان سے بہت پرہیز رکھیں، ان کے معاملات میں شریک نہ ہوں، اپنے معاملات میں انہیں شریک نہ کریں، ہم اوپر احادیث نقل کر آئے کہ اہلِ بدعت بلکہ فساق کی صحبت ومخالطت سے ممانعت آئی ہے اور بیشک بدمذہب آگ ہیں اور صحبت مؤثر اور طبیعتیں سراقہ اور قلوب منقلب۔ص709 تا 718

جلد نمبر 7

باب الجماعۃ (جماعت کا بیان)

محرابِ حقیقی و محرابِ صُوری

امام کے لئے سنتِ متوارثہ کہ زمانۂ اقدس رسالت سے اب تک معہود وسطِ مسجد میں قیام ہے کہ صف پوری ہوتو امام وسطِ صف میں ہو اور یہی جگہ محرابِ حقیقی ومتوارث ہے، محرابِ صوری کہ طاق نُما ایک خلا وسطِ دیوارِ قبلہ میں بنانا حادِث ہے اُسی محرابِ حقیقی کی علامت ہے، یہ علامت اگر غلطی سے غیر وسط میں بنائی جائے اس کا اِتباع نہ ہوگا مگر مراعاتِ توسُّط ضروری ہوگی کہ اِتباعِ سنت واِنتفائے کراہت واِمتثالِ اِرشادِ حدیث **توسطوا الامام** (امام درمیان میں کھڑا ہو۔ت) ہو۔ص 37

* **فقہائے کرام درجۂ مسقفہ کو مسجدِ شتوی کہتے ہیں اور غیر مسقّف کو مسجدِ صیفی۔ص 37**

طالبِ علم پر جو طلبِ علم دین کرتا ہے جماعتِ نمازِ پنجگانہ واجب ہے یا نہیں؟

علماء نے طالب ومشتغلِ علم کو اَحیاناً ترکِ جماعت میں معذور رکھا ہے بچند شرائط، اس کا اِشتغال خاص علمِ فقہ سے ہو کہ مقصودِ اصلی ہے نہ نحو وصرف ولغت ومعانی وبیان وبدیع وغیرہا اگرچہ بوجہ آلیت داخلِ علمِ دین ہیں، اور وہ اِشتغال بدرجۂ اِستغراق ہو جس کے سبب فرصت نہ پائے نہ یہ کہ اِشتغالِ فقہ کا بہانہ کرکے جماعت تو ترک کرے اور اپنا وقت بطالت وفضولیات میں گزارے جیسا کہ بہت طلبائے زمانہ کا انداز ہے، یا حالت ایسی ہو کہ کسی وقت اِہتمامِ جماعت کے سبب اس کے کام میں حرج واقع ہو جس کا بندوبست نہ کرسکے نہ دوسرا وقت اس کا بدل سکتا ہو مثلاً ایک مجمعِ طلبہ کے ساتھ فقہ کا درس رکھتا ہے اگر اس جماعت کو جائے یہ جماعت نہ پائے، پھر بایں ہمہ کسلِ نفس کے لئے اس مسئلہ کو حیلہ بنا کر ترکِ جماعت پر مُداوَمت نہ کرے بلکہ اَحیاناً واقع ہو ورنہ معذور نہ ہوگا بلکہ مستحقِ تعزیر ٹھہرے گا۔ص 39

صفوں کے اہم ترین احکام

اگر اگلی صف میں کچھ فرجہ (خالی جگہ) رہ گیا اور نیتیں باندھ لیں اب کوئی مسلمان آیا وہ اس فرجہ میں کھڑا ہونا چاہتا ہے مقتدیوں پر ہاتھ رکھ کر اِشارہ کرے تو انہیں حکم ہے کہ دَب جائیں اور جگہ دے دیں تاکہ صف بھر جائے۔ اور نہایت یہ کہ اگر اگلی صف والوں نے فرجہ چھوڑا اور صفِ دوم نے بھی اس کا خیال نہ کیا مگر اپنی صف گھنی کرلی اور نیتیں بندھ گئیں حالانکہ ان پر لازم تھا کہ صفِ اول والوں نے بے اِعتدالی کی تھی تو یہ پہلے اس کی تکمیل کرکے دوسری صف باندھتے، اب ایک شخص آیا اور اس نے صفِ اول کا رخنہ دیکھا اسے اجازت ہے کہ اس دوسری صف کو چیر کر جائے اور فرجہ بھر دے کہ صفِ دوم بے خیالی کرکے آپ تقصیروار ہے اور اس کا چیرنا روا۔ یونہی اس رخنہ بندی کے لئے پچھلی صف کے نمازیوں کے آگے گزرنا جائز ہے کہ انہوں نے خود اس امرِ عظیم

میں بے پروائی کرکے جس کا شرع میں اس درجہ اہتمام تھا اپنی حرمت ساقط کردی۔

یونہی اگر صفِ دوم میں کوئی شخص نیت باندھ چکا اس کے بعد اسے صفِ اول کا رخنہ نظر آیا تو اجازت ہے کہ عین نماز کی حالت میں چلے اور جا کر فرجہ بند کردے کہ یہ مشیِ قلیل حکمِ شرع کے اِمتثال کو واقع ہوئی، ہاں دو صف کے فاصلہ سے نہ جائے کہ مشی کثیر ہوجائے گی۔

ثم اقول وباللہ التوفیق یہ احکامِ فقہ وحدیث باعلیٰ ندا منادی کہ وصلِ صفوف اوران کی رخنہ بندی اہم ضروریات سے ہے اور ترکِ فرجہ ممنوع وناجائز، یہاں تک کہ اس کے دفع کو نمازی کے سامنے گزر جانے کی اجازت ہوئی جس کی بابت حدیثوں میں سخت نہی وارد تھی۔ص 44

ایک ہی مقتدی ہوتو امام کے دائیں طرف کھڑا ہو

اکثر واقع ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ ایک مقتدی تھا دوسرا آیا بائیں ہاتھ کو کھڑا ہوگیا یہاں تک تو کراہتِ تنزیہی تھی لترك السنة پھر اور لوگ بھی آتے اور یونہی برابر کھڑے ہوجاتے ہیں نہ امام آگے بڑھتا ہے نہ مقتدی پیچھے ہٹتے ہیں یہ صورت مکروہِ تحریمی کی ہے۔ص 50

جب صرف ایک مقتدی ہوتو سنت یہی ہے کہ وہ امام کے برابر داہنی طرف کھڑا ہو مگر اس کا لحاظ فرض ہے کہ قیام، قعود، رکوع، سجود کسی حالت میں اس کے پاؤں کا گٹا امام کے گٹے سے آگے نہ بڑھے۔ اسی احتیاط کے لئے امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ اپنا پنجہ امام کی ایڑی کے برابر رکھے، اور اگر دو مقتدی ہوں تو اگرچہ سنت یہی ہے کہ پیچھے کھڑے ہوں، پھر بھی اگر امام کے دہنے بائیں برابر کھڑے ہوجائیں گے حرج نہیں مگر دو سے زیادہ مقتدیوں کا امام کے برابر کھڑا ہونا یا امام کا صف سے کچھ آگے بڑھا ہونا کہ صف کی قدر جگہ نہ چھوٹے یہ ناجائز وگناہ ہے نماز مکروہِ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی، اگر مقتدیوں کی کثرت اور جگہ کی قِلّت ہے باہم صفوں میں فاصلہ کم چھوڑیں پچھلی صف اگلی صف کی پشت پر سجدہ کرے اور امام کے لئے جگہ بقدرِ ضرورت پوری چھوڑیں اور اگر اب بھی امام کو جگہ ملنا ممکن نہ ہو نہ ان میں کچھ لوگ دوسری جگہ نماز کو جاسکیں مثلاً معاذ اللہ کسی ایسی کوٹھری میں محبوس ہیں جس کا عرض جانبِ قبلہ گز سوا گز ہے تو یہ صورت مجبوری محض ہے اس میں قواعدِ شرع سے ظاہر یہ ہے کہ جماعت کریں امام بیچ میں کھڑا ہو پھر تنہا تنہا اس کا اِعادہ کریں جماعت اقامتِ شِعار کے لئے اور اِعادہ رفعِ خلل کے واسطے۔ص 201

دربارۂ صفوف شرعاً تین باتیں بتاکیدِ اَکید مامور بہ ہیں اور تینوں آج کل معاذ اللہ کالمتروک ہو رہی ہیں، یہی باعث ہے کہ مسلمانوں میں نااتفاقی پھیلی ہوئی ہے۔

اَوّل: تسوِیہ کہ صف برابر ہو خم نہ ہو کج نہ ہو مقتدی آگے پیچھے نہ ہوں سب کی گردنیں شانے ٹخنے آپس میں محاذِی ایک خطِ مستقیم پر واقع ہوں جو اس خط پر کہ ہمارے سینوں سے نکل کر قبلہ معظّمہ پر گزرا ہے عمود ہو۔

دوم: اِتمام کہ جب تک ایک صف پوری نہ ہو دوسری نہ کریں اس کا شرع مطہرہ کو وہ اِہتمام ہے کہ اگر کوئی صف ناقص چھوڑے مثلاً ایک آدمی کی جگہ اس میں کہیں باقی تھی اسے بغیر پورا کئے پیچھے اور صفیں باندھ لیں، بعد کو ایک شخص آیا اس نے اگلی صف میں

نقصان پایا تو اسے حکم ہے کہ ان صفوں کو چیرتا ہوا جا کر وہاں کھڑا ہو اور اس نقصان کو پورا کرے کہ انہوں نے مخالفتِ حکمِ شرع کر کے خود اپنی حرمت ساقط کی جو اس طرح صف پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے مغفرت فرمائے گا۔

سوم: تراصّ یعنی خوب مل کر کھڑا ہونا کہ شانہ سے شانہ چھلے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: {صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ} ایسی صف کے گویا وہ دیوار ہے رانگا پلائی ہوئی۔ رانگ پگھلا کر ڈال دیں تو سب درزیں بھر جاتی ہیں کہیں رخنہ فرجہ نہیں رہتا، ایسی صف باندھنے والوں کو مولیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ یہ بھی اسی اتمامِ صفوف کے متممات سے اور تینوں امر شرعاً واجب ہیں اور یہاں **چوتھا امر اور ہے تقارُب** کہ صفیں پاس پاس ہوں بیچ میں قدرِ سجدہ سے زائد فضول فاصلہ نہ چھوٹے صف میں کچھ مقتدی کھڑے کچھ بیٹھے ہوں تو اس سے امرِ اول یعنی تسویۂ صف پر تو کچھ اثر نہیں پڑتا کہ قائم وقاعد بھی خطِ واحد مستقیم میں ہوسکتے ہیں تسویہ میں اِرتفاع کی برابری ملحوظ نہیں نہ وہ ملحوظ ہونے کے قابل کہ ایک پیمائش کے قد کہاں سے آئیں گے، ہاں جبکہ بیٹھنے والے محض کسل وکاہلی کے سبب بے معذوری شرعی بیٹھیں گے تو فرائض وواجبات مثلِ عیدین ووتر میں امرِ دوم وسوم کا خلاف لازم آئے گا کہ جب بلا عذر بیٹھے تو ان کی نماز نہ ہوئی اور قطعِ صف لازم آیا کہ نمازیوں میں غیر نمازی دَخیل ہیں، ان بیٹھنے والوں کو خود فسادِ نماز ہی کا گناہ کیا کم تھا مگر انہیں یہاں جگہ دینا اور اگر قدرت ہو تو صف سے نکال نہ دینا یہ باقی نمازیوں کا گناہ ہوگا کہ وہ خود اپنی صف کی قطع پر راضی ہوئے اور جو صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے، ان پر لازم تھا کہ انہیں کھڑے ہونے پر مجبور کریں اور اگر نہ مانیں تو صفوں سے نکال کر دُور کریں، ہاں نمازی اس پر قادر نہ ہوں تو معذور ہیں اور قطعِ صف کے وبالِ عظیم میں یہی بیٹھنے والے ماخوذ ہیں یہ حکم فرائض وواجبات کا تھا، رہی تراویح اس میں ہمارے علما کو اِختلاف ہے کہ آیا یہ بھی مثلِ واجبات وسنتِ فجر بلا عذر بیٹھ کرنا جائز وفاسد ہوتی ہیں یا مثلِ باقی سنن جائز ہوجاتی ہیں اگرچہ خلافِ توارث کے سبب مکروہ ہوتی ہیں بعض علما حکمِ اول کی طرف گئے اور صحیح ثانی ہے۔ ص 219

سمجھدار لڑکا آٹھ نو برس کا جو نماز خوب جانتا ہے اگر تنہا ہو تو آیا اسے یہ حکم ہے کہ صف سے دُور کھڑا ہو یا صف میں بھی کھڑا ہوسکتا ہے؟

الجواب: صورتِ مستفسرہ میں اُسے صف سے دُور یعنی بیچ میں فاصلہ چھوڑ کر کھڑا کرنا تو منع ہے کیونکہ وہ بچہ جو صاحبِ شعور ہو اور نماز کو جانتا ہو اس کی نماز بالیقین صحیح ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صف کے رخنہ کو پُر کرنے اور اس میں مِل کر کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے اور اس کے خلاف سے سخت منع فرمایا ہے۔ (ت) اور یہ بھی کوئی ضروری امر نہیں کہ وہ صف کے بائیں ہی ہاتھ کو کھڑا ہو علماء اسے صف میں آنے اور مردوں کے درمیان کھڑے ہونے کی صاف اجازت دیتے ہیں۔ درمختار میں ہے: (اگر بچہ اکیلا ہو تو صف میں داخل ہوجائے۔ ت) مراقی الفلاح میں ہے: اگر بچے زیادہ نہ ہوں تو بچہ مردوں کے درمیان کھڑا ہوجائے (ت) بعض بے علم جو یہ ظلم کرتے ہیں کہ لڑکا پہلے سے داخلِ نماز ہے اب یہ آئے تو اسے نیت بندھا ہوا ہٹا کر کنارے کر دیتے اور خود بیچ میں کھڑے ہوجاتے ہیں یہ محض جہالت ہے، اسی طرح یہ خیال کہ لڑکا برابر کھڑا ہو تو مرد کی نماز نہ ہوگی غلط وخطا ہے جس کی کچھ اصل نہیں۔ ص 51

جونماز باجماعت کسی وجہ سے دُہرائی جائے تو جو شخص پہلی جماعت میں شریک نہیں تھا اس جماعتِ ثانیہ میں شریک ہوسکتا ہے؟
الجواب: نماز اگر ترکِ فرض کے سبب دہرائی جائے نیا شخص شریک ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔ص 52
* **سلام سے پہلے جو شریک ہوگیا اسے جمعہ مل گیا۔ص 52**

جماعتِ ثانیہ (دوسری جماعت) کرانے کا کیا حکم ہے؟

(۱) مسجد اگر شارعِ عام یا بازار کی ہے جس کے لئے اہل معین نہیں جب تو بالا جماع اس میں تکرارِ جماعت باذانِ جدید وتکبیرِ جدید جائز بلکہ یہی شرعاً مطلوب ہے کہ نوبت بہ نوبت جو لوگ آئیں نئی اذان واقامت سے جماعت کرتے جائیں۔

(۲) اور اگر مسجدِ محلہ ہے تو اگر اس کے غیرِ اہل جماعت کر گئے ہیں تو اہلِ محلہ کو تکرارِ جماعت بلاشبہ جائز۔

(۳) یا اول اہلِ محلہ ہی نے جماعت کی مگر بے اَذان پڑھ گئے۔

(۴) یا اذان آہستہ دی تو ان کے بعد آنے والے باذانِ جدید بروجہِ سنت اِعادۂ جماعت کریں۔

(۵) یا اگر امام میں کسی نقص قرأت وغیرہ یا فسق یا مخالفتِ مذہب کے باعث جماعتِ اُولیٰ فاسد یا مطلقاً مکروہ یا باقی ماندہ لوگوں کے حق میں غیرِ اَکمل واقع ہوئی جب بھی انہیں اِعادۂ جماعت سے مانع نہیں۔

یہ سب صورتیں تو قطعی یقینی ہیں اب رہی ایک صورت کہ مسجد مسجدِ محلہ ہے اور اس کے اہل بروجہ ٔ مسنون اذان دے کر امام نظیف موافقُ المذہب کے پیچھے جماعت کر چکے اب غیر لوگ یا اہلِ محلہ ہی سے جو باقی رہ گئے تھے آئے، انہیں بھی اس مسجد میں جماعتِ ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے قولِ محقق منقح یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اذانِ جدید کے ساتھ اعادۂ جماعت کریں تو مکروہِ تحریمی، ورنہ اگر محراب نہ بدلیں تو مکروہِ تنزیہی ورنہ اَصلاً کسی طرح کی کراہت نہیں، یہی صحیح ہے اور یہی ماخوذ للفتوی۔

بالجملہ جماعتِ ثانیہ جس طرح عامہ بلاد میں رائج ومعمول دُرَر ومنبع وخزائن شروحِ معتمدہ کے طور پر تو بالا جماع اور عندالتحقیق قولِ صحیح ومفتیٰ بہ پر بلا کراہت جائز ہے کہ دوسری جماعت والے تجدیدِ اذان نہیں کرتے اور محراب سے ہٹ ہی کر کھڑے ہوتے ہیں اور ہم پر لازم کہ ائمہ ٔ فتوی جس امر کی ترجیح وتصحیح فرما گئے اس کا اِتباع کریں۔

پھر خلافِ صحیح مذہب اختیار کر کے اسے ناجائز وممنوع بتانا اور اس کے سبب لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو گنہگار ٹھہرانا محض بے جا ہے۔**ثُمَّ اَقُول:** حالِ زمانہ کی رعایت اور مصلحتِ وقت کا لحاظ بھی مفتی پر واجب، اب دیکھئے کہ جماعتِ ثانیہ کی بندش میں کوشش وکاوش سے یہ تو نہ ہوا کہ عوام جماعتِ اُولیٰ کا اِلتزامِ تام کرلیتے، رہا وہی کہ کچھ آئے کچھ نہ آئے، ہاں یہ ہوا کہ آٹھ آٹھ دس دس جورہ جاتے ہیں ایک مسجد میں ایک وقت میں اکیلے اکیلے نماز پڑھ کر ناحق روافض سے مشابہت پاتے ہیں حضراتِ مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ (علیہم) اجمعین کے زمانے میں ایسی مشابہت پیدا ہونا درکنار خود جماعت کی برکاتِ عالیہ ظاہریہ وباطنیہ سے محروم رہنا ایک سخت تازیانہ تھا جس کے ڈر سے عوام خواہی نخواہی جماعتِ اُولیٰ کی کوشش کرتے، اب وہ خوف بالائے طاق اور اِہتمامِ اِلتزام معلوم، جماعت کی جو قدرے وقعت نگاہوں میں ہے کہ اگر رہ گئے اور تنہا پڑھی ایک طرح کی خجلت وندامت ہوتی ہے جب بفتوی مفتیان یہی انداز رہے اور گروہ کے گروہ اکیلے

اکیلے پڑھا کئے تو ایک تو مرگ انبوہ جشنے دارد دوسرے شدہ شدہ عادت پڑ جاتی ہے چندروز میں یہ رہی سہی وقعت بھی نظر سے گر جائے گی اور اس کے ساتھ ہی سستی و کاہلی اپنی نہایت پر آئے گی، اب تو یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ خیر اگر پہلی جماعت فوت ہوئی ایسی دیر تو نہ کیجئے کہ اکیلے ہی رہ جائیں اور تنہا پڑھ کر محرومی و ندامت کا صدمہ اُٹھائیں، جب یہ ہوگا کہ جماعت تو آخر ہو چکی اَول ہو چکی اب جماعت تو ملنے سے رہی اپنی اکیلی نماز ہے جب جی میں آیا پڑھ لیں گے یا پھر مسجد کی بھی کیا حاجت ہے لاؤ گھر ہی میں سہی، لہٰذا ائمۂ فتوی رحمہم اللہ تبارک وتعالیٰ کچھ سوچ سمجھ کر ترجیح وتصحیح فرمایا کرتے ہیں مَن وتُو سے ان کے علوم وسیعہ وعقولِ رفیعہ لاکھوں درجے بلند وبالا ہیں رِوایت ودِرایت ومصالحِ شریعت وزمانہ وحالت کو جیسا وہ جانتے ہیں دوسرا کیا جانے گا پھر ان کے حضور دَخل در معقولات کیسا! فاللہ الھادی وولی الایادی اس مسئلہ میں کلام طویل ہے اور عبد ذلیل پر فیضِ مولیٰ عزیز وجلیل، اگر تفصیل کیجئے رسالہ مبسوط ہوتا ہے لیکن (اگر خانۂ عقل میں کچھ ہے تو اس کے لئے ایک حرف بھی کافی ہے)۔

تنبیہ: مگر یہ ان کے لئے ہے جو اَحیاناً کسی عذر کے باعث حاضریِ جماعتِ اُولیٰ سے محروم رہے نہ یہ کہ جماعتِ ثانیہ کے بھروسہ پر قصداً بلاعذرِ مقبولِ شرعی جماعتِ اُولیٰ ترک کریں یہ بلاشبہہ ناجائز ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص54

* جماعتِ ثانیہ کے لئے اِعادۂ اذان ناجائز ہے تکبیر میں حرج نہیں۔ ص194
* یکے بعد دیگرے چند جماعتیں کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ جماعتِ موجودہ کے دو یا چند حصے کر دیں، جب ایک حصہ کرلے تو دوسرا کرے۔ دوسرے یہ کہ (جو) حاضر ہوا پڑھ گیا دوسرا اس کے بعد آیا یہ اب جماعت کرتا ہے تعدُّدِ جماعت کی پہلی صورت بلاضرورتِ شرعیہ مطلقاً حرام ہے خواہ مسجدِ محلہ ہو یا مسجدِ عام، ہاں بضرورت جائز ہے جیسے صلوٰۃُ الخوف میں۔ ص204
* **اگر جماعت کراہتِ تحریم پر مشتمل ہو** تو شرکت نہ کرے **فان سلب المفاسد اھم من جلب المصالح** (کیونکہ مفسدات کو ختم کرنا مصلحات کے حصول سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ت) اور اگر صرف کراہۃ تنزیہیہ ہو جیسے امامتِ فاسق غیرِ معلن میں تو اگر دوسری جماعت پاکیزہ ملے اس میں بھی شرکت نہ چاہئے ورنہ شریک ہو جائے کہ ترکِ جماعت کراہتِ تنزیہی سے اَشد ہے بخلاف کراہتِ تحریم کہ اس کا مرتبہ قولِ سنیتِ جماعت پر ترکِ جماعت سے بدتر، اور مسلکِ معتمد یعنی وجوبِ جماعت پر ہمسر وبرابر ہے۔ ص58

اگر مقتدی ابھی التحیات پوری نہ کرنے پایا تھا کہ امام کھڑا ہو گیا یا سلام پھیر دیا تو؟

ہر صورت میں پوری کرلے اگرچہ اس میں کتنی ہی دیر ہو جائے (تشہد واجب ہے اور واجب کو کسی سنت کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا اس مسئلہ پر خانیہ اور دیگر علماء کی کتب میں نص موجود ہے۔ت)۔ ص52

امام کے ساتھ ایک مقتدی برابر کھڑا ہے دوسرا اور آیا نہ وہ مقتدی اول پیچھے ہٹا نہ امام آگے بڑھا تو یہ اس مقتدی

کونیت باندھ کر کھینچے یا بے نیت باندھے؟

دونوں صورتیں جائز ہیں، مگر یہاں واجبُ التنبیہ یہ بات کہ کھینچنا اسی کو چاہئے جو ذی علم ہو یعنی اس مسئلہ کی نیت سے آگاہ ہو ورنہ نہ کھینچے کہ مبادا وہ بسببِ ناواقفی اپنی نماز فاسد کرلے، تحقیقِ منقح اس مسئلہ میں یہ ہے کہ نماز میں جس طرح اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا دوسرے سے کلام کرنا مفسد ہے یونہی اللہ ورسول کے سوا کسی کا کہنا ماننا (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پس اگر ایک شخص نے کسی نمازی کو پیچھے کھینچا یا آگے بڑھنے کو کہا اور وہ اس کا حکم مان کر پیچھے ہٹا نماز جاتی رہی اگرچہ یہ حکم دینے والا نیت باندھ چکا ہو اور اگر اس کے حکم سے کام نہ رکھا بلکہ مسئلۂ شرع کے لحاظ سے حرکت کی تو نماز میں کچھ خلل نہیں اگرچہ اس کہنے والے نے نیت نہ باندھی ہو اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کے کہتے ہی فوراً حرکت نہ کرے بلکہ ایک ذرہ تامل کرلے تاکہ بظاہر غیر کے حکم ماننے کی صورت بھی نہ رہے جب فرق صرف نیت کا ہے اور زمانہ پر جہل غالب، تو عجب نہیں کہ عوام اس فرق سے غافل ہو کر بلاوجہ اپنی نماز خراب کرلیں، ولہٰذا علماء نے فرمایا: غیرِ ذی علم کو اَصلاً نہ کھینچے اور یہاں ذی علم وہ جو اس مسئلہ اور نیت کے فرق سے آگاہ ہو، رہا یہ کہ جب نہ مقتدی ہٹے نہ امام بڑھے نہ وہ ذِی علم ہو کہ یہ کھینچ سکے یا مثلاً امام قعدۂ اخیرہ میں ہو جہاں ان باتوں کا محل ہی نہیں تو ایسی صورت میں اس آنے والے کو کیا کرنا چاہئے، اگر امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو اس کے بائیں ہاتھ پر یہ مل جائے کہ امام کے برابر دو مقتدیوں کا ہونا صرف خلافِ اَولیٰ ہے۔ اور اگر پہلے سے دو شامل ہیں تو یہ پیچھے شامل ہوجائے کہ امام کے برابر تین مقتدیوں کا ہونا مکروہِ تحریمی ہے۔ص60

فجر کی نماز امام پڑھا رہا ہے اب دوسرا نمازی آیا تو شاملِ جماعت ہوجائے یا پہلے سنت ادا کرے؟

اگر جانتا ہے کہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوسکے گا اور صف سے دُور سنتیں پڑھنے کو جگہ ہے تو پڑھ کر ملے ورنہ بے پڑھے، پھر بعد بلندیِ آفتاب پڑھے، اس سے پہلے پڑھنا گناہ ہے، کان میں آواز آنے کا اعتبار نہیں، امام اندر پڑھ رہا ہو باہر پڑھے، باہر پڑھتا ہو اندر پڑھے، حدِ مسجد کے باہر پاک جگہ پڑھنے کو ہو تو سب سے بہتر۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص191

صبح کی سنتیں اگر نہ پڑھیں اور فرضوں میں شامل ہوگیا قبل طلوع وارتفاعِ شمس تو البتہ ان کی اجازت نہیں اگر پڑھے گا گنہگار ہوگا اور بعد بلندیِ آفتاب اُن کا پڑھنا ممنوع نہیں ضرور مستحب ہے۔ص466

(۱) ایک شخص کو غسل کی حاجت ہے اگر وہ غسل کرتا ہے تو فجر کی نماز قضا ہوئی جاتی ہے تو اس وقت اسے کیا کرنا چاہئے؟

(۲) جبکہ امام رکوع میں ہے اور ایک شخص ایک تکبیر کہہ کر شاملِ جماعت ہوگیا تو یہ تکبیر تحریمہ ہوئی یا مسنونہ، اس صورت میں نماز اس مقتدی کی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: (۱) تیمم کرکے نماز پڑھ لے اور غسل کرکے پھر اعادہ کرے۔

(۲) اگر اس نے تکبیرِ تحریمہ کہی یعنی سیدھے کھڑے ہوئے تکبیر کہی کہ ہاتھ پھیلائے تو زانو تک نہ جائے تو نماز ہوگئی اور اگر تکبیر اِنتقال کہی یعنی جھکتے ہوئے تکبیر کہی تو نماز نہ ہوگی اُسے دو تکبیر کہنے کا حکم ہے تکبیرِ تحریمہ اور تکبیرِ اِنتقال، پہلی تکبیر تحریمہ قیام کی حالت میں اور دوسری تکبیرِ اِنتقال رکوع کو جاتے ہوئے۔ص192

ایک ساتھ دو جماعتیں ایک مسجد میں کروانا جائز ہے یا نہیں؟

ایک مسجد میں ایک فرض کی دو جماعتیں ایک ساتھ قصداً کرنا بلا وجہ شرعی ناجائز وممنوع ہے لیکن ایک جماعت حنفیہ کی امام حنفی کے پیچھے ہو اور دوسری شافعیہ یا مالکیہ یا حنبلیہ کی اپنے ہم مذہب امام کے پیچھے ہو اس میں حرج نہیں جس طرح حرمین شریفین میں معمول ہے کہ یہ وجہ شرعی سے ہے۔ص198

مسجدِ عام اور مسجدِ محلہ کی تعریف

مسجد دو قسم ہے ایک مسجدِ عام جسے کسی خاص محلہ سے خصوصیت نہیں جیسے مسجدِ جامع یا بازار یا سرایا اسٹیشن کی مسجد دوسری مسجدِ محلہ کہ ایک محلۂ خاص سے اِختصاص رکھتی ہو اس کی معمولی جماعت معین ہے اگرچہ کچھ راہگیر یا مسافر بھی متفرق اوقات میں شریک ہو جایا کریں۔ص204

دو شخصوں کا الگ الگ نمازِ فرض ادا کرنا رافضیوں اور دیوبندیوں سے مشابہت ہے

اگر اُن میں کوئی امامت کے قابل ہے اور قصداً ترکِ جماعت کیا اور یہ مسجدِ محلہ نہ تھی یا تھی اور یہ جماعت جماعتِ اُولیٰ ہوتی تو جس کی طرف سے یہ ترک ہے وہ گناہگار ہوا ایک خواہ دونوں، اور اگر یہ مسجدِ محلہ تھی اور یہ جماعت جماعتِ اُولیٰ نہ ہوتی تو بُرا کیا، رافضیوں سے مشابہت تو قدیم سے تھی اب دیوبندیوں گنگوہیوں سے بھی ہوئی، اور اگر ان میں کوئی قابلِ امامت نہ تھا تو حرج نہیں بہرحال فرض ادا ہر صورت میں ہو جائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ص207

جماعت صرف عورتوں کی جن کا صرف امام مرد ہو درست ہے یا نہیں؟ اور امام کے سہو کو وہ لڑکی یا عورت بتا سکتی ہے یا نہیں جس سے پردہ نہیں ہوتا؟

اگر یہ جماعت مسجد میں ہو مطلقاً مکروہ ہے کہ عورات کو حاضریِ مسجد منع ہے اور اگر مکان ہو اور مرد کو حاضریِ مسجد سے کوئی عذرِ صحیح شرعی مانع نہیں تو مطلقاً مکروہ ہے کہ مرد پر حاضریِ مسجد واجب ہے اور اگر اُسے عذر ہے اور جماعت میں جتنی عورتیں اس کی محرم یا زوجہ یا غیر مشتہاۃ لڑکیوں کے سوا نہیں تو مطلقاً بلا کراہت جائز ہے اور نامحرم مشتہاۃ ہیں تو مکروہ بہرحال، اگر امام کو سہو ہو تو عورت تصفیق سے اسے متنبہ کرے یعنی سیدھی ہتھیلی بائیں پُشتِ دَست پر مارے آواز سے تسبیح وغیرہ نہ کہے کہ مکروہ ہے۔اَقُولُ: ہاں اگر امام نے قرأت میں وہ غلطی کی جس سے نماز فاسد ہو تو عورت مجبورانہ آواز ہی سے بتائے گی جبکہ وہ تصفیق پر امام کو یاد نہ آجائے (اور وہ اس لئے کہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ص208

باب مفسدات الصّلٰوۃ (مفسداتِ نماز کا بیان)

نمازی کے آگے سے گزرنے کا مسئلہ

نماز میں کوئی خلل نہیں آتا نکلنے والا گنہگار رہتا ہے، نماز اگر مکان یا چھوٹی مسجد میں پڑھتا ہو تو دیوارِ قبلہ تک نکلنا جائز نہیں

جب تک بیچ میں آڑ نہ ہو اور صحرا یا بڑی مسجد میں پڑھتا ہو تو صرف موضعِ سجود تک نکلنے کی اجازت نہیں اس سے باہر نکل سکتا ہے۔ موضعِ سجود کے یہ معنی ہیں کہ آدمی جب قیام میں اہلِ خشوع وخضوع کی طرح اپنی نگاہ خاص جائے سجود پر جمائے یعنی جہاں سجدے میں اس کی پیشانی ہوگی تو نگاہ کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے روک نہ ہو تو جہاں جمائے وہاں سے کچھ آگے بڑھتی ہے جہاں تک آگے بڑھ کر جائے وہ سب موضع میں ہے اس کے اندر نکلنا حرام ہے اور اس سے باہر جائز۔ص254

مسجدِ کبیر صرف وہ ہے جس میں مثلِ صحرا اتصالِ صفوف شرط ہے جیسے مسجدِ خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر ہے، باقی عام مساجد اگرچہ دس ہزار گز مکسر ہوں مسجدِ صغیر ہیں اور ان میں دیوارِ قبلہ تک بلا حائل مرور (گزرنا) ناجائز۔ص257

لقمہ دینے کے اَحکام

ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ بتانا اگرچہ لفظاً قرأت یا ذِکر مثلاً تسبیح وتکبیر ہے اور یہ سب اَجزا واَذکارِ نماز سے ہیں مگر معنیً کلام ہے کہ اس کا حاصل امام سے خطاب کرنا اور اسے سکھانا ہوتا ہے یعنی تو بھولا، اس کے بعد تجھے یہ کرنا چاہئے، پُرظاہر کہ اس سے یہی غرض مراد ہوتی ہے اور سامع کو بھی یہی معنی مفہوم، تو اس کے کلام ہونے میں کیا شک رہا اگرچہ صورۃً قرآن یا ذِکر، ولہٰذا اگر نماز میں کسی یحیٰی نامی کو خطاب کی نیت سے یہ آیۂ کریمہ {یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ} پڑھی بالاتفاق نماز جاتی رہی حالانکہ وہ حقیقۃً قرآن ہے، اس بنا پر قیاس یہ تھا کہ مطلقاً بتانا اگرچہ برمحل ہو مفسدِ نماز ہو مگر حاجتِ اِصلاحِ نماز کے وقت یا جہاں خاص نص وارد ہے ہمارے ائمہ نے اس قیاس کو ترک فرمایا اور بحکمِ اِستحسان جس کے اعلیٰ وجوہ سے نص وضرورت ہے جواز کا حکم دیا۔

جب امام قرأت میں بھولے مقتدی کو مطلقاً بتانا روا اگرچہ قدرِ واجب پڑھ چکا ہو اگرچہ ایک سے دوسرے کی طرف انتقال ہی کیا ہو کہ صورتِ اُولیٰ میں گو واجب ادا ہو چکا مگر اِحتمال ہے کہ رُکنے اور اُلجھنے کے سبب کوئی لفظ اس کی زبان سے ایسا نکل جائے جو مفسدِ نماز ہو، لہٰذا مقتدی کو اپنی نماز دُرست رکھنے کے لئے بتانے کی حاجت ہے، بعض عوام حفاظ کو مشاہدہ کیا گیا کہ جب تراویح میں بھولے اور یاد نہ آیا تو اِیں آں یا اور اسی کی قسم الفاظِ بے معنی ان کی زبان سے نکلے اور فسادِ نماز کا باعث ہوئے، اور صورتِ ثانیہ میں اگرچہ جب قرأت رواں ہے تو صرف آیت چھوٹ جانے سے فسادِ نماز کا اندیشہ نہ ہو مگر اس بات میں شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نص وارد، ولہٰذا اگر کوئی مکان میں آنے کا اِذن چاہے اور یہ اس غرض سے کہ اسے نماز میں ہونا معلوم ہو جائے تسبیح یا تکبیر یا تہلیل کہے نماز فاسد نہ ہوگی کہ اس بارے میں بھی حدیث وارد، بس جو بتانا حاجت ونص کے مواضع سے جُدا ہو وہ بیشک اَصل قیاس پر جاری رہے گا کہ وہاں اس کے حکم کا کوئی معارِض نہیں جب امام کو قعدہ اُولیٰ میں دیر ہوئی اور مقتدی نے اس گمان سے کہ یہ قعدۂ اخیرہ سمجھا ہے تنبیہ کی تو دو حال سے خالی نہیں یا تو واقع میں اس کا گمان غلط ہوگا یعنی امام قعدہ اُولیٰ ہی سمجھا ہے اور دیر اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے اس بار التحیات زیادہ ترتیل سے ادا کی جب تو ظاہر ہے کہ مقتدی کا بتانا نہ صرف بے ضرورت بلکہ محض غلط واقع ہوا تو یقیناً کلام ٹھہرا اور مفسدِ نماز ہوا یا اس کا گمان صحیح تھا، غور کیجئے تو اس صورت میں بھی اس بتانے کا محض لغو وبے حاجت واقع ہونا اور اِصلاحِ نماز سے اَصلاً تعلق نہ رکھنا ثابت کہ جب امام قعدہ اُولیٰ میں اتنی تاخیر کر چکا جس سے

مقتدی اس کے سہو پر مطلع ہوا تو لاجرم یہ تاخیر بقدرِ کثیر ہوئی اور جو کچھ ہونا تھا یعنی ترکِ واجب ولزوم سجدۂ سہووہ ہو چکا اب اس کے بتانے سے مرتفع نہیں ہوسکتا اور اس سے زیادہ کسی دوسرے خلل کا اندیشہ نہیں جس سے بچنے کو یہ فعل کیا جائے کہ غایت درجہ وہ بھول کر سلام پھیر دے گا پھر اس سے نماز تو نہیں جاتی وہی سہو کا سہو رہے گا، ہاں جس وقت سلام شروع کرتا اس وقت حاجت متحقق ہوتی اور مقتدی کو بتانا چاہئے تھا کہ اب نہ بتانے میں خلل وفسادِ نماز کا اندیشہ ہے کہ یہ تو اپنے گمان میں نماز تمام کر چکا، عجب نہیں کہ کلام وغیرہ کوئی قاطعِ نماز اس سے واقع ہوجائے، اس سے پہلے نہ خللِ واقع کا اِزالہ تھا نہ خللِ آئندہ کا اندیشہ، تو سوا فضول وبے فائدہ کے کیا باقی رہا، لہٰذا مقتضائے نظرِ فقہی پر اس صورت میں بھی فسادِ نماز ہے، نظیر اس کی یہ ہے کہ جب امام قعدہ اُولیٰ چھوڑ کر پورا کھڑا ہوجائے تو اب مقتدی بیٹھنے کا اِشارہ نہ کرے، ورنہ ہمارے امام کے مذہب پر مقتدی کی نماز جاتی رہے گی کہ پورا کھڑے ہونے کے بعد امام کو قعدۂ اُولیٰ کی طرف عود نا جائز تھا تو اس کا بتانا محض بے فائدہ رہا اور اپنے اصلی حکم کی رُو سے کلام ٹھہر کر مفسدِ نماز ہوا۔ص 257 تا 264

(قرات میں) امام جب ایسی غلطی کرے جو موجبِ فسادِ نماز ہو تو اس کا بتانا اور اِصلاح کرانا ہر مقتدی پر فرضِ کفایہ ہے ان میں سے جو بتادے گا سب پر سے فرض اُتر جائے گا اور کوئی نہ بتائے گا تو جتنے جاننے والے تھے سب مرتکبِ حرام ہوں گے اور نماز سب کی باطل ہوجائے گی، اور ایک کا بتانا سب پر سے فرض اس وقت ساقط کرے گا کہ امام مان لے اور کام چل جائے ورنہ اوروں پر بھی بتانا فرض ہوگا یہاں تک کہ حاجت پوری اور امام کو وثوق حاصل ہو، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک کے بتائے سے امام کا اپنی غلط یاد پر اِعتماد نہیں جاتا اور وہ اس کی تصحیح کو نہیں مانتا اور اس کا محتاج ہوتا ہے کہ متعدد شہادتیں اس کی غلطی پر گزریں تو یہاں فرض ہوگا کہ دوسرا بھی بتائے اور اب بھی امام رجوع نہ کرے تو تیسرا بھی تائید کرے یہاں تک کہ امام صحیح کی طرف واپس آئے۔

اور اگر غلطی ایسی ہے جس سے واجب ترک ہو کر نماز مکروہِ تحریمی ہو تو اس کا بتانا ہر مقتدی پر واجبِ کفایہ ہے اگر ایک بتادے اور اس کے بتانے سے کاروائی ہوجائے سب پر سے واجب اُتر جائے ورنہ سب گنہگار رہیں گے، اور اگر اس غلطی میں نہ فسادِ نماز ہے نہ ترکِ واجب، جب بھی ہر مقتدی کو مطلقاً بتانے کی اِجازت ہے (یہی صحیح ہے جیسا کہ اس پر دُرر وغیرہ میں تصریح ہے۔ت) مگر یہاں وجوب کسی پر نہیں، **لعدم الموجب**

اَقول: مگر دو صورتوں میں ایک یہ کہ امام غلطی کر کے خود متنبہ ہوا اور یاد نہیں آتا یاد کرنے کے لئے رُکا اگر تین بار سبحان اللہ کہنے کی قدر رُکے گا نماز میں کراہتِ تحریم آئے گی اور سجدہ سہو واجب ہوگا، تو اس صورت میں جب اُسے رُکا دیکھیں مقتدیوں پر بتانا واجب ہوگا کہ سکوت قدرِ نا جائز تک نہ پہنچے، دوسرے یہ کہ بعض ناواقفوں کی عادت ہوتی ہے جب غلطی کرتے ہیں اور یاد نہیں آتا تو اِضطراراً اُن سے بعض کلمات بے معنی صادر ہوتے ہیں کوئی اُوں اُوں کہتا ہے کوئی کچھ اور، اس سے نماز باطل ہوجاتی ہے تو جس کی یہ عادت معلوم ہے وہ جب رُکنے پر آئے مقتدیوں پر واجب ہے کہ فوراً بتائیں قبل اس کے کہ وہ اپنی عادت کے حروف نکال کر نماز تباہ کرے، **اَقول:** اور ان دونوں صورتوں کے سوا جب تراویح میں ختمِ قرآنِ عظیم ہو تو ویسے بھی مقتدیوں کو بتانا چاہئے جبکہ امام سے نہ نکلے یا وہ آگے رواں ہوجائے اگر چہ اس غلطی سے نماز میں کچھ خرابی نہ ہو کہ مقصود ختمِ کتابِ عزیز ہے اور وہ کسی غلطی کے ساتھ پورا نہ ہوگا، یہاں اگر چہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت نہ بتائے بعدِ سلام اِطلاع کردے امام دوسری تراویح میں اُتنے الفاظِ

کریمہ کا صحیح طور پر اِعادہ کرلے مگر اَولیٰ ابھی بتانا ہے کہ حتی الامکان نظمِ قرآن اپنی ترتیبِ کریم پر ادا ہو۔

اور ان تمام احکام میں جملہ مقتدی یکساں ہیں امام کو بتانا کسی خاص مقتدی کا حق نہیں، حتی کہ بالغ مقتدیوں کی طرح تمیز دار بچہ کا بھی اس میں حق ہے کہ اپنی نماز کی اصلاح کی سب کو حاجت ہے قوم کا کسی کو سامع مقرر کرنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اس کے غیر کو بتانے کی اجازت نہیں۔ص280 تا284

ختمِ قرآن مجید فی التراویح میں اگر سہواً غلط بتایا تو؟

اقول: مگر فقیر اُمید کرتا ہے کہ شرع مطہر ختمِ قرآنِ مجید فی التراویح میں اس باب میں تیسیر فرمائے کہ سامع کا خود غلطی کرنا بھی نادر نہیں اور غالباً قاری اُسے لے لیتا یا اس کے اِمتثال کے لئے اُوپر سے پھر عود کرتا ہے تو اگر ہر بار بحالِ سہو فسادِ نماز کا حکم دیں اور قرآنِ مجید کا اِعادہ کرائیں حرج ہوگا **والحرج مدفوع بالنص** (دین میں تنگی کا مدفوع ہونا نص سے ثابت ہے۔ت) ص285

امام کو فوراً بتانا مکروہ ہے، ہاں اگر وہ غلطی کرکے رواں ہوجائے تو اب نظر کریں اگر غلطی مفسدِ معنی ہے جس سے نماز فاسد ہو تو بتانا لازم ہے اگر سامع کے خیال میں نہ آئی ہر مسلمان کا حق ہے کہ بتائے کہ اس کے باقی رہنے میں نماز کا فساد ہے اور دفعِ فساد لازم اور اگر مفسدِ معنی نہیں تو بتانا کچھ ضرور نہیں بلکہ نہ بتانا ضرور ہے جبکہ اس کے سبب اِمام کو وحشت پیدا ہو **فان الامر بالمعروف یسقط بالایحاش کما فی الفتاوی العلمگیریۃ وغیرھا** (وحشت پیدا کرنے والا امر بالمعروف ساقط ہوجاتا ہے جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری وغیرہ میں ہے۔ت) بلکہ بعض قاریوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر شخص کے بتانے سے اور زیادہ اُلجھ جاتے اور کچھ حروف اس گھبراہٹ میں اُن سے ایسے صادر ہوجاتے ہیں جس سے نماز فاسد ہوتی ہے اس صورت میں اوروں کا سکوت لازم ہے کہ اُن کا بولنا باعثِ فسادِ نماز ہوگا۔

قاری کو پریشان کرنے کی نیت حرام ہے، اور بیشک آج کل بہت حفاظ کا یہ شیوہ ہے یہ بتانا نہیں بلکہ حقیقۃً یہود کے اس فعل میں داخل ہے {لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِيۡهِ}(اس قرآن کو نہ سنو اس میں شور ڈالو۔ت)

اپنا حفظ جتانے کے لئے ذرا ذرا شبہ پر روکنا رِیاء ہے اور رِیاء حرام ہے خصوصاً نماز میں

جبکہ غلطی مفسدِ نماز نہ ہو تو محض شبہ پر بتانا ہرگز جائز نہیں بلکہ صبر واجب، بعد سلام تحقیق کرلیا جائے، اگر قاری کی یاد صحیح نکلے فبہا اور ان کی یاد ٹھیک ثابت ہوئی تو تکمیلِ ختم کے لئے حافظ اتنے الفاظ کا اور کسی رکعت میں اِعادہ کرلے گا حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ فتح حقیقۃً کلام ہے اور نماز میں کلام حرام و مفسدِ نماز، مگر بضرورت اجازت ہوئی جب اسے غلطی ہونے پر خود یقین نہیں تو مبیح میں شک واقع ہوا اور محرم موجود ہے لہٰذا حرام ہوا۔

غلطی کا مفسدِ معنی ہونا مبنائے اِفسادِ نماز ہے ایسی چیز نہیں جسے سہل جان لیا جائے، ہندوستان میں جو علماء گنے جاتے ہیں ان میں چند ہی ایسے ہوسکیں کہ نماز پڑھتے میں اس پر مطلع ہوجائیں ہزار جگہ ہوگا کہ وہ اِفساد گمان کریں گے اور حقیقۃً فساد نہ ہوگا جیسا کہ ہمارے فتاوٰی کی مراجعت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان امور سے حکم مسئلہ واضح ہوگیا، صورتِ فساد میں یقیناً بتایا جائے ورنہ

تشویشِ قاری ہوتو نہ بتائیں اور خود شبہ ہوتو بتانا سخت ناجائز، اور جو رِیاء وتشویش چاہیں اُن کو روکا جائے نہ مانیں تو اُن کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے کہ موذِی ہیں اور موذِی کا دفع واجب۔ ص286

امام نے {یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا} پڑھی مقتدی کے منہ سے عادۃً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکل گیا نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اس میں جوابِ امام مقصود نہیں ہوتا بلکہ اِمتثالِ امرِ الٰہی، لہٰذا افسادِ نماز نہیں۔ ص279

بابُ مکروھات الصّلوٰۃ (مکروہات نماز کا بیان)

امام کا دو ستونوں کے بیچ میں یا بلند وممتاز جگہ کھڑا ہونا مکروہ ہے

امام کا دو ستونوں کے بیچ میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اسی طرح امام کا تمام مقتدیوں سے بلند جگہ میں ہونا بھی مکروہ۔

پھر ہمارے ائمۂ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ظاہر الروایہ میں اس کراہتِ بلندی وپستی کو کسی مقدارِ معین مثلاً ایک ذراعِ شرعی وغیرہ پر موقوف نہ مانا بلکہ جس قدر سے امام وقوم کا مقام میں اِمتیاز واقع ہو مطلقاً باعثِ کراہت جانا اور اسی کو اِمام مَلِکُ العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی نے بدائع میں صحیح اور امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام صاحبِ فتح القدیر وغیرہ محققین نے اَوْجہ واَرْجح فرمایا اور یہی اِطلاقِ اَحادیث کا مفاد، تو اسی پر فتوٰی اور اسی پر اعتماد۔

ہاں ایسا قلیل تفاوت جس سے اِمتیاز ظاہر نہ ہو عفو ہے (کیونکہ اس کے اعتبار کرنے میں حرج وتنگی ہے اور تنگی نصوص کی وجہ سے مدفوع ہے۔ ت) یونہی اگر پہلی صف امام کے ساتھ ہو باقی صفیں نیچی تو بھی مذہبِ اَصح میں کچھ حرج نہیں اور شک نہیں کہ تین گرہ بلندی قطعاً ممتاز وباعثِ اِمتیاز ہے کہ ہر شخص بنگاہِ اَولیں فوراً تفاوت بیِّن جان لے گا تو مذہبِ معتمد پر اس کی کراہت میں شبہہ نہیں بلکہ علما تصریح فرماتے ہیں کہ امام کے لئے تخصیصِ مکانی کی کراہت میں یہ صورت بھی داخل کہ مثلاً وہ مکانِ مسقّف میں ہو اور مقتدی صحن میں۔ ص292

۱۔ بعض شخص نماز میں رکوع کے بعد سجدہ کو جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے دونوں پائچوں کو گھٹنوں سے اُوپر کو چڑھا لیا کرتے ہیں یعنی ہر رکعت میں ایسا ہی کرتے ہیں اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

۲۔ ہاتھوں کی کہنی کھول کہ آستین اوپر کو چڑھا کر نماز پڑھنے میں کس قدر نقصان ہے؟

الجواب: ۱۔ مکروہ ہے۔

۲۔ نماز مکروہِ تحریمی واجبُ الاعادہ ہوگی، اگر نہ پھیرے گا تو گنہگار رہے گا، درمختار، حلیہ وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص296

نماز کے اندر اگر ٹوپی گر جائے تو اُٹھانا چاہئے یا نہیں؟

اُٹھالینا افضل ہے جبکہ بار بار نہ گرے اور اگر تذلّل واِنکسار کی نیت سے سر برہنہ رہنا چاہے تو نہ اُٹھانا اَفضل۔ ص297

امام قراءت یا رکوع کو کسی مقتدی کے واسطے دراز کر سکتا ہے یا نہیں جبکہ مقتدی وضو کر رہا ہو یا مسجد میں آ گیا ہو اور یہ امام کو معلوم ہو گیا کہ کوئی شخص ہے کہ عنقریب شریک ہونا چاہتا ہے بایں صورت رکوع میں کچھ دیر کر دے تو جائز یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی خاص شخص کی خاطر اپنے کسی علاقۂ خاصہ یا خوشامد کے لئے منظور تو ایک بار تسبیح کی قدر بھی بڑھانے کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ یعنی اس پر شرک کا اندیشہ ہے کہ نماز میں اتنا عمل اس نے غیرِ خدا کے لئے کیا اور اگر خاطر خوشامد منظور نہیں بلکہ عملِ حسن پر مسلمان کی اِعانت (اور یہ اس صورت میں واضح ہے کہ یہ اس آنے والے کو نہ پہچانے یا پہچانے اور اس کا کوئی تعلقِ خاص اس سے نہ ہو نہ کوئی غرض اس سے اٹکی ہو) تو رکوع میں دو ایک تسبیح کی قدر بڑھا دینا جائز بلکہ اگر حالت یہ ہے کہ یہ ابھی سر اُٹھائے لیتا ہے تو وہ رکوع میں شامل ہونے نہ ہونے میں شک میں پڑ جائے گا تو بڑھا دینا مطلوب اور جو ابھی نماز میں نہ ملے گا مسجد میں آیا ہے وضو وغیرہ کرے گا یا وضو کر تا رہے اس کے لئے قدرِ مسنون پر نہ بڑھائے بلکہ اگر بڑھائے موجبِ ثقلِ حاضرینِ نماز ہو گا تو سخت ممنوع و ناجائز، (یہ مسئلہ کتبِ فقہ میں تحریر ہے، شامی نے اسے صفتِ صلوٰۃ میں تفصیلاً بیان کیا اور جو کچھ میں نے بیان کر دیا ہے یہ تحقیق کا عطر و نچوڑ ہے۔ (ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص 297

اگر دھوبی کپڑا بدل کر لائے تو اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جُوڑا باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بدلا ہوا کپڑا پہننا مرد و عورت سب کو حرام ہے اور اس سے نماز مکروہِ تحریمی، جوڑا باندھنے کی کراہت مرد کے لئے ضرور ہے، حدیث میں صاف نَہَی الرَّجُلَ ہے، عورت کے بال عورت ہیں پریشان ہوں گے تو اِنکشاف کا خوف ہے اور چوٹی کھولنے کا اسے غسل میں بھی حکم نہ ہوا کہ نماز میں کفِ شَعر گُندھی چوٹی میں ہے جب اس میں حرج نہیں جوڑے میں کیا حرج ہے، مرد کے لئے ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ سجدے میں وہ بھی زمین پر گریں اور اس کے ساتھ سجدہ کریں (جیسا کہ مرقات وغیرہ میں ہے۔ت) اور عورت ہرگز اس کی مامور نہیں۔ص 298

*** رومال اگر بڑا ہو کہ اِتنے پیچ آ سکیں جو سر کو چھپا لیں تو وہ عمامہ ہی ہو گیا، اور چھوٹا رومال جس سے صرف دو ایک پیچ آ سکیں لپیٹنا مکروہ ہے، اور بغیر ٹوپی کے عمامہ بھی نہ چاہئے نہ کہ رومال، حدیث میں ہے: ہم میں اور مشرکوں میں ایک فرق یہ ہے کہ ہمارے عمامے ٹوپیوں پر ہوتے ہیں۔ص 299**

گلوبند یا پگڑی یا رومال سے پیشانی چھپی ہے تو سجدہ درست ہو گا یا نہیں؟

سجدہ درست ہے اور نماز مکروہ۔ص 301

مزارِ مبارک کے سامنے نماز کا حکم

اگر مزارِ مبارک ایک کنارے کو ہے یا بیچ میں کوئی سترہ ہے اگرچہ آدھ گز اونچی کوئی لکڑی ہی کھڑی کر لی ہو یا مزارِ مطہر نماز

کی جگہ سے اتنی دور ہے کہ نمازی نیچی نظر کئے اپنے سجدہ کی جگہ نظر جمائے تو مزار شریف تک نگاہ نہ پہنچے تو ان صورتوں میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔

یہ قلبِ وہابیت پر کیسا شاق ہوگا کہ مزارِ مبارک بلا حائل بے پردہ صرف چار پانچ گز کے فاصلے سے عین نماز میں نمازی کے سامنے ہے اور نماز بلا کراہت جائز، یہ سب اُس صورت میں ہے کہ وہ بہ نیتِ فاسدہ نہ ہوں یعنی نماز سے تعظیمِ قبر کا اِرادہ یا بجائے کعبہ نماز میں اِستقبالِ قبر کا قصد، ایسا ہو تو آپ ہی حرام بلکہ معاذ اللہ نیت عبادتِ قبر ہو تو صریح شرک و کفر مگر اس میں مزارِ مقدس کی جانب سے حرج نہ آیا بلکہ اس شخص کا فاسد اِرادہ یہ فساد لایا یونہی جو مزارات کے حضور ہے اور مزارِ کریم مستور ہے یا نظرِ خاشعین سے دُور ہے تو فاسد نیت سے ماز ور ہے اور تبرک و اِستمداد کی نیت سے ماجور ہے کہ نماز و نیاز کا اِجتماع نورٌ علیٰ نور ہے۔ ص304

مرد کو ریشمیں کپڑا پہن کر نماز کیسی ہے؟ اور ناجائز چیزیں پہن کے نماز پڑھنے کا حکم

فی الواقع ریشمیں کپڑا پہن کر نماز مرد کے لئے مکروہ تحریمی ہے کہ اسے اُتار کر پھر پڑھنا واجب۔

بعینہٖ یہی حکم ان سب چیزوں کا ہے جن کا پہننا ناجائز ہے جیسے ریشمیں کمر بند یا مغرق ٹوپی یا وہ کپڑا جس پر ریشم یا چاندی یا سونے کے کام کا کوئی بیل بُوٹا چار انگل سے زیادہ عرض کا ہو یا ہاتھ خواہ پاؤں میں تانبے سونے چاندی پیتل لوہے کے چھلّے یا کان میں بالی یا بُندا یا سونے خواہ تانبے پیتل لوہے کی انگوٹھی اگرچہ ایک تار کی ہو یا ساڑھے چار ماشے چاندی یا کئی نگ کی انگوٹھی یا کئی انگوٹھیاں اگرچہ سب مل کر ایک ہی ماشہ کی ہوں کہ یہ سب چیزیں مردوں کو حرام و ناجائز ہیں اور اُن سے نماز مکروہِ تحریمی۔ ص307

آستین کہنی تک چڑھی ہو تو نماز پڑھنی مکروہ ہے یا نہیں؟

ضرور مکروہ ہے اور سخت وشدید مکروہ ہے، صحاحِ ستّہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھے سات اعضا پر سجدہ کا حکم ہے اور اس بات کا کہ میں بال اکٹھے نہ کروں اور نہ کپڑا اُٹھاؤں۔ (ت) علامتین محققین جلیلین شارحین منیہ تحقیق فرماتے ہیں کہ اکثر کلائی پر سے آستین چڑھی ہونا ہی کراہت کو کافی ہے اگرچہ کہنی تک نہ ہو۔ تو لازم ہے کہ آستینیں اُتار کر نماز میں داخل ہو اگرچہ رکعت جاتی رہے اور اگر آستین چڑھی نماز پڑھے تو اِعادہ کی جائے۔ ص309

دھوتی پہن کر نماز پڑھنا کیسا؟

دھوتی باندھنا بھی مکروہ ہے کہ اگر لباسِ ہنود وغیرہ نہ ہو تو کپڑے کا پیچھے گھرسنا ہی نماز کو مکروہ کرنے کے لئے بس ہے ہاں پیچھے نہ گھرسیں تو وہ دھوتی نہیں تہ بند ہے اور اس میں کچھ کراہت نہیں بلکہ سنت ہے۔ ص318

عینک لگا کر نماز پڑھنا پڑھانا کیسا؟

اگر عینک کا حلقہ یا قیمیں چاندی یا سونے کی ہیں تو ایسی عینک ناجائز ہے اور نماز اس کی اور مقتدیوں سب کی سخت مکروہ ہوتی ہے ورنہ تانبے یا اور دھات کی ہوں تو بہتر یہ کہ نماز پڑھتے میں اُتار لے ورنہ یہ خلافِ اَولیٰ اور کراہت سے خالی نہیں۔ ص318

وقتِ نماز اپنی جوتیاں سجدہ کے رُوبرو رکھ کر نماز ادا کرے تو نماز میں شرعاً کراہت آتی ہے؟ اور داہنے یا بائیں طرف رکھنے سے کیا نفع نقصان ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب تم میں کوئی نماز پڑھے تو جوتی اپنے دائیں طرف نہ رکھے نہ اپنے بائیں طرف رکھے کہ دوسرا جو اس کے بائیں ہاتھ کو ہے اس کے دہنی طرف ہوں گی ہاں اگر بائیں طرف کو کوئی نہ ہو تو بائیں جانب رکھے ورنہ اپنے پاؤں کے بیچ میں رکھے۔ایک حدیث میں اس اِیذا کی یوں تصریح آئی: دہنے ہاتھ کو رکھے گا تو ملائکہ کو اِیذا ہوگی، بائیں کو رکھے گا تو جو لوگ بائیں طرف ہیں انہیں اِیذا ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب تم میں کوئی نماز میں ہو تو سامنے کو نہ تھوکے کہ نمازی کے سامنے اللہ عزوجل کا فضل وجلال ورحمت ہوتے ہیں۔

ان احادیث میں دہنے بائیں کا حکم صاف مصرح ہے اور سامنے کا حکم اس حدیثِ صحیح کہ دلالۃ النص اور اسی ارشادِ علما کے عموم اور نیز اس قاعدۂ مسلمۂ مرعیۂ عقلیہ شرعیہ سے معلوم کہ توہین وتعظیم کا مدار عرف وعادتِ ناس وبلاد پر ہے۔اور شک نہیں کہ اب عرفِ عام تمام بلاد یہی ہے کہ دربارِ شاہی میں بحضورِ سلطانی باتیں کرنے کھڑا ہو اور جوتا سامنے رکھے بے ادب گنا جائے گا فقیر نے بچشم خود دیکھا ہے کہ کعبہ معظّمہ پر پھوہار برسی تھی میزاب رحمت سے بُوندیں ٹپک رہی تھیں مسلمان حاضر تھے اُن بوندوں کو لیتے اور چشم و دل سے ملتے، ان میں کوئی ہندی شخص جوتا ہاتھ میں لئے تھا تُرکی خادم دوڑا اور اس کی گردن دبادی تُناجی ربك ونعلاك بيدك جوتیاں ہاتھ میں لئے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے! بلکہ سننِ ابنِ ماجہ میں حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یوں ہے یعنی جوتے اپنے پیچھے بھی نہ رکھ جو پیچھے ہے اس کے آگے ہوں گے اسے اِیذا ہوگی۔

ہاں اگر بائیں جانب یا پیچھے رکھنے میں چوری کا خوف ہو اور یہاں جوتی پاؤں کے بیچ میں جو فرجہ نماز میں ہوتا ہے یعنی چار انگل اس قدر میں آنے کے قابل نہیں ہوتے تو کپڑے سے چھپانا کافی ہے۔ص314

جوتیوں سمیت نماز پڑھنا کیسا؟

سخت اور تنگ پنجے کا جوتا جو سجدہ میں انگلیوں کا پیٹ زمین پر بچھانے اور اس پر اِعتماد کرنے زور دینے سے مانع ہو ایسا جوتا پہن کر نماز پڑھنی صرف کراہت و اساءت درکنار مذہبِ مشہورہ ومفتیٰ بہٖ کی رو سے راساً مفسدِ نماز ہے کہ جب پاؤں کی انگلی پر اِعتماد نہ ہوا سجدہ نہ ہوا اور جب سجدہ نہ ہوا نماز نہ ہوئی۔ص363

اور شک نہیں کہ ان بلاد میں اکثر جوتے سلیم شاہی پنجابی خوردنو کے منڈے گرگابی وغیر ہا خصوصاً جبکہ نئے ہوں ایسے ہی ہوتے ہیں کہ انگلیوں کا پیٹ زمین پر باعتمادِ تمام بچھنے نہ دیں گے تو ان جوتوں کو پہن کر مذہبِ مفتیٰ بہٖ پر نماز ہوگی ہی نہیں اور گناہ وناجوازی توضرور نقدِ وقت ہے عرب شریف کے جوتوں میں صرف پاؤں کے نیچے چمڑا ہوتا تھا اور اُوپر بندش کے لئے تسمہ جسے شراکت کہتے تھے پھر عرب میں نعل کی تعریف یہ تھی کہ نرم ورقیق ہو یہاں تک کہ صرف اکہرے پرت کی زیادہ پسند رکھتے، تو وہ کیسے ہی نئے ہوتے سجدہ میں فرض وواجب کیا کسی طریقۂ مسنونہ کو بھی مانع نہ ہوتے اُن نعال پر یہاں کی جوتیوں کا قیاس صحیح نہیں، پھر اگر اسی طرح کے جوتے ہوں کہ سنتِ سجدہ میں بھی خلل نہ ڈالیں تو اگر وہ نئے بالکل غیر اِستعمالی ہیں تو انہیں پہن کر نماز پڑھنے

میں حرج نہیں بلکہ اَفضل ہے اگرچہ مسجد میں ہو۔

مگر عندالتحقیق استعمالی جوتے پہن کر نماز پڑھنی مکروہ ہے اور اگر معاذ اللہ نماز کو کہ حاضریِ بارگاہِ شہنشاہِ حقیقی مَلِکُ الملوک ربُّ العرش عزجلالہ ہے ہلکا جان کر استعمالی جوتا پہنے ہوئے نماز کو کھڑا ہو گیا تو صریح کفر ہے پھر بے نیتِ اِستخفاف نری کراہت بھی اس حالت میں ہے کہ غیرِ مسجد میں ایسا کرے اور مسجد میں تو اِستعمالی جوتے پہنے جانا ہی ممنوع و ناجائز ہے نہ کہ مسجد میں یہ جوتا پہنے، شرکتِ جماعتِ نماز و دخولِ مسجد کے یہ اَحکام بحمد اللہ تعالیٰ دلائلِ کثیرہ سے روشن ہیں۔ص376

سجدے میں پاؤں کی کتنی انگلیوں کا پیٹ زمین پر لگانا فرض، واجب اور سنت ہے؟

حالتِ سجدہ میں قدم کی دس انگلیوں میں سے ایک کے باطن پر اِعتماد مذہبِ معتمد اور مفتیٰ بہ میں فرض ہے اور دونوں پاؤں کی تمام یا اکثر انگلیوں پر اِعتماد بعید نہیں کہ واجب ہو اس بنا پر جو حلیہ میں ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ کرنا بغیر کسی اِنحراف کے سنت ہے اس یکتا، منفرد اور روشن گفتگو کو غنیمت جانو شاید اس فقیر کے علاوہ کسی اور کے ہاں تم کو نہ ملے، اللہ تعالیٰ کے لئے ہی حمد و اِحسان ہے۔(ت)ص376

سجدے میں فرض ہے کہ کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگا ہو اور ہر پاؤں کی اکثر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے۔ یوں ہی ناک کی ہڈی زمین پر لگنا واجب ہے بہتیروں کی ناک زمین سے لگتی ہی نہیں اور اگر لگی تو وہی ناک کی نوک یہاں تک تو ترکِ واجب گناہ اور عادت کے سبب فسق ہی ہُوا پاؤں کو دیکھیے اُنگلیوں کے سرے زمین پر ہوتے ہیں کسی انگلی کا پیٹ بچھا نہیں ہوتا سجدہ باطل نماز باطل اور مصلّی صاحب پڑھ کر گھر کو چل دیے۔(جلد3،ص253)

منہ میں بدبو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ ہے

منہ میں بدبو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ ہے اور ایسی حالت میں مسجد میں جانا حرام ہے جب تک منہ صاف نہ کرے، اور دوسرے نمازی کو اِیذا پہنچنی حرام ہے، اور دوسرا نمازی نہ بھی ہو تو بدبو سے ملائکہ کو اِیذا پہنچتی ہے، حدیث میں ہے: ملائکہ کو ہر اس شے سے اذیت ہوتی ہے جس سے بنی آدم کو اذیّت پہنچتی ہے۔(ت)ص384

حالت نماز میں اگر کھجاوے تو کتنی مرتبہ؟

ضبط کرے، اور نہ ہو سکے یا اس کے سبب نماز میں دل پریشان ہو تو کھجا لے مگر ایک رُکن مثلاً قیام یا قعود یا رکوع یا سجود میں تین بار نہ کھجاوے دو بار تک اجازت ہے۔ص384

کسی چیز کی مُورَت (تصویر) اگر جیب میں رکھی ہو تو نماز ہو گی یا نہیں؟

نماز درست ہو گی مگر یہ فعل مکروہ و ناپسند ہے جبکہ کوئی ضرورت نہ ہو روپے اشرفی میں ضرورت ہے۔ص385

نماز میں سدل اور خلافِ عادت کپڑا پہننا؟

اصل یہ ہے کہ سدل یعنی پہننے کے کپڑے کو بے پہنے لٹکانا مکروہِ تحریمی ہے اور اس سے نماز واجبُ الاعادہ جیسے انگرکھا یا کرتا

کندھوں پر سے ڈال لینا بغیر آستینوں میں ہاتھ ڈالے یا بعض بارانیاں وغیرہ ایسی بنتی ہیں کہ اُن کی آستینوں میں مونڈھوں کے پاس ہاتھ نکال لینے کے چاک بنے ہوتے ہیں ان میں سے ہاتھ نکال کر آستینوں کو بے پہنے چھوڑ دینا یا رضائی یا چادر کندھے یا سر پر ڈال کر دونوں آنچل چھوڑ دینا یا شال یا رومال ایک شانہ پر اس طرح ڈالنا کہ اس کے دونوں پلّو آگے پیچھے چُھوٹے رہیں اور اگر رضائی یا چادر کا مثلاً سیدھا آنچل بائیں شانے پر ڈال لیا اور بایاں آنچل چھوڑ دیا تو حرج نہیں اور کسی کپڑے کو ایسا خلافِ عادت پہننا جسے مہذب آدمی مجمع یا بازار میں نہ کر سکے اور کرے تو بے اَدب خفیفُ الحرکات سمجھا جائے یہ بھی مکروہ ہے جیسے اَنگرکھا پہننا اور گھنڈی یا باہر کے بندنہ لگانا یا ایسا کُرتا جس کے بٹن سینے پر ہیں پہننا اور بوتام اِتنے لگانا کہ سینہ یا شانہ کھلا رہے جبکہ اُوپر سے انگرکھا نہ پہنے ہو یہ بھی مکروہ ہے اور اگر اُوپر سے انگرکھا پہنا ہے یا اتنے بوتام لگالئے کہ سینہ یا شانہ ڈھک گئے اگرچہ اُوپر کا بوتام نہ لگانے سے گلے کے پاس کا خفیف حصہ کھلا رہا یا شانوں پر کے چاک بہت چھوٹے چھوٹے ہیں کہ بوتام نہ لگائیں جب بھی کُرتا نیچے ڈھلکے گا شانے ڈھکے رہیں گے تو حرج نہیں، اسی طرح انگرکھے پر جو صدری یا چُغہ پہنتے ہیں اور عرفِ عام میں اُن کا کوئی بوتام بھی نہیں لگاتے اور اسے معیوب بھی نہیں سمجھتے تو اس میں بھی حرج نہیں ہونا چاہئے کہ یہ خلافِ معتاد نہیں (یہ وہ ہے جو عباراتِ فقہاء سے بھرپور واضح ہوا باقی حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ ت)۔ص 385

جس کمرہ میں یا مکان میں تصاویر آویزاں ہوں اُس میں نماز پڑھنا؟

جاندار کی اتنی بڑی تصویر کہ اسے زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھیں تو اَعضاء بالتفصیل نظر آئیں بشرطیکہ نہ سر بریدہ ہو، نہ چہرہ محو کردہ، نہ پاؤں کے نیچے، نہ فرش پا انداز میں، نہ مخفی پوشیدہ، جس کمرہ میں ہو اُس میں نماز مطلقاً مکروہ ہے خواہ آگے ہو یا پیچھے یا دہنے یا بائیں یا اُوپر یا سجدہ کی جگہ اور ان سب میں بدتر جائے سجود یا جانبِ قبلہ ہونا ہے پھر اُوپر، پھر دہنے بائیں، پھر پیچھے اور اس میں کراہت کے متعدد وجوہ ہیں اس مکان کا معبدِ کفار سے مشابہ ہونا، تصویر کا بطورِ اعزاز ظاہر طور پر رکھا یا لگا ہونا، آگے یا جائے سجود پر ہو تو اس کی عبادت سے مشابہ ہو، ملائکۂ رحمت کا اس مکان میں نہ آنا متواتر حدیثوں میں ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔ص 387

شلوار کا ٹخنوں سے نیچے رکھنا

اِزار کا ٹخنوں سے نیچے رکھنا اگر برائے تکبر ہو حرام ہے اور اس صورت میں نماز مکروہِ تحریمی ورنہ صرف مکروہِ تنزیہی، اور نماز میں بھی اس کی غایت خلافِ اَولیٰ۔ صحیح بخاری شریف میں ہے: صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میرا تہبند لٹک جاتا ہے جب تک میں اس کا خاص خیال نہ رکھوں فرمایا: (تم ان میں نہیں ہو جو براہِ تکبر ایسا کریں)۔ص 388

ایک قدم پر کھڑا رہنا نماز میں جائز ہے یا خلافِ سنت؟

خلافِ سنت و مکروہ، ہاں تراوح بینَ القدمین یعنی تھوڑی دیر ایک پاؤں پر زور رکھنا پھر تھوڑی دیر دوسرے پر سنت ہے۔ص 388

ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتِ کریمہ نماز مع کلاہ وعمامہ ہے اور فقہاء کرام نے ننگے سر نماز پڑھنے کو تین قسم کیا ہے اگر بہ نیتِ تواضع وعاجزی ہو تو جائز اور بوجہِ کسل ہو تو مکروہ، اور معاذ اللہ نماز کو بے قدر اور ہلکا سمجھ کر ہو تو کفر، ننگے سر رکھنے کا اِحرام میں حکم ہے اور اس حالت میں شبانہ روز برابر سر برہنہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام سب سے ثابت، بغیر اس کے ننگے سر کی عادت ڈالنا کوچہ وبازار میں اسی طرح پھرنا نہ ہرگز ثابت ہے نہ شرعاً محمود۔ص389

نماز میں نامِ الٰہی سن کر جَلَّ وَعَلَا یا نامِ مبارک سن کر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنا

نماز میں نامِ الٰہی سن کر جَلَّ وَعَلَا یا نامِ مبارک سن کر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنا اگر بقصدِ جواب ہے نماز جاتی رہے گی سہواً ہو یا قصداً، اور اگر بلا قصدِ جواب تو قصداً ممنوع اور سہواً پر مواخذہ نہیں۔ص390

چوری کا کپڑا پہن کر نماز کا کیا حکم ہے؟

چوری کا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے میں اگرچہ فرض ساقط ہو جائے گا (کیونکہ فساد نماز سے باہر ہے۔ت) مگر نماز مکروہِ تحریمی ہوگی (حرام چیز اُٹھائے ہوئے ہونے کی وجہ سے) کہ جائز کپڑے پہن کر اس کا اِعادہ واجب۔ص394

باب الوتر والنوافل (وتر اور نوافل کا بیان)

رمضان المبارک میں وتر باجماعت پڑھنا بوجہِ فضلِ جماعت اَفضل یا بوقتِ تہجد بھی بہتر ہے؟

وترِ رمضان المبارک میں ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کو اختلاف ہے کہ مسجد میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے یا مثلِ نماز گھر میں تنہا، دونوں قول باقوت ہیں اور دونوں طرف تصحیح وترجیح، اول کو یہ مزیت کہ اب عامۂ مسلمین کا اس پر عمل ہے اور حدیث سے بھی اس کی تائید نکلتی ہے، ثانی کو یہ فضیلت کہ وہ ظاہر الروایۃ ہے۔ بالجملہ اس مسئلہ میں اپنے وقت وحالت اور اپنی قوم وجماعت کی موافقت سے جسے اَنسب جانے اس پر عمل کا اختیار رکھتا ہے۔ص398

نمازِ تہجد سنتِ موکدہ یا غیر مؤکدہ؟

تہجد سنتِ مستحبہ ہے تمام مستحب نمازوں سے اَعظم واَہم، قرآن واَحادیثِ حضور پُرنُور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی ترغیب سے مالا مال، عامہ کتبِ مذہب میں اسے مندوبات ومستحبات سے گِنا اور سنتِ مؤکدہ سے جُدا ذکر کیا، تو اس کا تارک اگرچہ فضلِ کبیر وخیرِ کثیر سے محروم ہے گنہگار نہیں۔ص400

قولِ جمہور مذہبِ مختار ومنصور حضور پُرنُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں فرضیت ہے اسی پر ظاہر قرآنِ عظیم شاہد اور اسی طرف حدیثِ مرفوع وارد۔ص402

سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں؟

تراویح وتحیۃ المسجد کے سوا تمام نوافل سنن راتبہ ہوں یا غیر راتبہ، مؤکدہ ہوں یا غیر موکدہ گھر میں پڑھنا اَفضل اور باعثِ

ثوابِ اَکمل۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: تم پر لازم ہے گھروں میں نماز پڑھنا کہ بہتر نماز مرد کے لئے اس کے گھر میں ہے سوا فرض کے اور خود عادتِ کریمہ سیدُ المرسلین کی اسی طرح تھی۔ گاہے اگر بعض سنن مسجد میں پڑھنے کا اتفاق ہوا تو علماء فرماتے ہیں وہ کسی عذر و سبب سے تھا۔

بالجملہ اصل حکم اِستحبابی یہی ہے کہ سنن قبلیہ مثلِ رکعتینِ فجر و رباعیِ ظہر و عصر و عشا مطلقاً گھر میں پڑھ کر مسجد کو جائیں کہ ثواب زیادہ پائیں، اور سنن بعدیہ مثلِ رکعتین ظہر و مغرب و عشاء میں جسے اپنے نفس پر اطمینانِ کامل حاصل ہو کہ گھر جا کر کسی ایسے کام میں جو اُسے ادائے سنن سے باز رکھے مشغول نہ ہوگا وہ مسجد سے فرض پڑھ کر پلٹ آئے اور سنتیں گھر ہی میں پڑھے تو بہتر، اور اس سے ایک زیادتِ ثواب یہ حاصل ہوگی کہ جتنے قدم بارادۂ بادائے سنن گھر تک آئے گا وہ سب حسنات میں لکھے جائیں گے۔ اور جسے یہ وثوق نہ ہو وہ مسجد میں پڑھ لے کہ لحاظِ اَفضلیت میں اصل نماز فوت نہ ہو، اور یہ معنی عارضی اَفضلیتِ صلٰوۃ فی البیت کے منافی نہیں، نظیر اس کی نمازِ وتر ہے کہ بہتر اخیر شب تک اس کی تاخیر ہے مگر جو اپنے جاگنے پر اعتماد نہ رکھتا ہو وہ پہلے ہی پڑھ لے مگر اب عام عمل اہلِ اسلام سنن کے مساجد ہی میں پڑھنے پر ہے اور اس میں مصالح ہیں کہ ان میں وہ اطمینان کم ہوتا ہے جو مساجد میں ہے اور عادتِ قوم کی مخالفت موجبِ طعن و انگشت نمائی و اِنتشارِ ظنون و فتحِ بابِ غیبت ہوتی ہے اور حکم صرف اِستحبابی تھا تو ان مصالح کی رعایت اس پر مرجح ہے، ائمۂ دین فرماتے ہیں: (معمول کے خلاف کرنا شہرت اور مکروہ ہے۔ ت) ۔ص 411 تا 416

عشاء کے آخری نفل بیٹھ کر پڑھنا چاہئے یا کھڑے ہو کر؟

حضور پُرنُور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ نفل بیٹھ کر پڑھے مگر ساتھ ہی فرمادیا کہ میں تمہارے مثل نہیں، میرا ثواب قیام و قعود دونوں میں یکساں ہے تو اُمت کے لئے کھڑے ہو کر پڑھنا افضل اور دُونا ثواب ہے اور بیٹھ کر پڑھنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ص 421

نوافل کی جماعت خلافِ اَولٰی ہے نہ کہ گناہ و حرام

ہمارے ائمۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک نوافل کی جماعت بتداعی مکروہ ہے۔ اسی حکم میں نمازِ خسوف بھی داخل کہ وہ بھی تنہا پڑھی جائے اگرچہ امامِ جمعہ حاضر ہو صرف تراویح وصلٰوۃُ الکسوف وصلٰوۃُ الاستسقاء مستثنٰی ہیں۔ص 416

بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ۔ تداعی ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اسے کثرتِ جماعت لازمِ عادی ہے بالجملہ دو مقتدیوں میں بالاجماع جائز اور پانچ میں بالاتفاق مکروہ، اور تین اور چار میں اختلافِ نقل و مشائخ، اور اَصح یہ کہ تین میں کراہت نہیں چار میں ہے، تو مذہبِ مختار یہ نکلا کہ امام کے سوا چار یا زائد ہوں تو کراہت ہے ورنہ نہیں، پھر اَظہر یہ کہ یہ کراہت صرف تنزیہی ہے یعنی خلافِ اَولٰی لمخالفۃ التوارث (کیونکہ یہ طریقہ توارث کے خلاف ہے۔ ت) نہ تحریمی کہ گناہ و ممنوع ہو۔

صلٰوۃُ الرغائب وصلٰوۃُ البرائۃ وصلٰوۃُ القدر کہ جماعاتِ کثیرہ کے ساتھ بکثرت بلادِ اسلام میں رائج تھیں متاخرین کا اُن پر اِنکار اس نظر سے ہے کہ عوام سنت نہ سمجھیں۔

اور بعض ناس کا غلو و اِفراط مسموع نہیں اور حدیث بروایت مجاہیل آنا موجبِ وضع نہیں نہ وضعِ حدیث موجبِ منعِ عمل ہے، عمل بالحدیثِ الموضوع اور عمل بمافی الحدیثِ الموضوع میں زمین آسمان کا بَل ہے (جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تحقیق رسالہ

''منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین'' میں کی ہے۔ت) خصوصاً ان کا فعل بجماعت اَجلہ اَعاظم اولیائے کبار وعلمائے اَبرار حتی کہ ایک جماعتِ تابعینِ کرام وائمۂ مجتہدین اَعلام سے ثابت ومنقول ہے۔ص430

نفل غیرِ تراویح میں امام کے سوا تین آدمیوں تک تو اجازت ہے ہی چار کی نسبت کتبِ فقہیہ میں کراہت لکھتے ہیں یعنی کراہتِ تنزیہ جس کا حاصل خلافِ اَولیٰ ہے نہ کہ گناہ حرام (جیسا کہ ہم نے اس کی تفصیل اپنے فتاوٰی میں دی ہے۔ت) مگر مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بہت اکابرِ دِین سے جماعتِ نوافل بالتداعی ثابت ہے اور عوام فعلِ خیر سے منع نہ کئے جائیں گے علمائے اُمت وحکمائے ملت نے ایسی ممانعت سے منع فرمایا ہے، دُرِمختار میں ہے: عوام کو تکبیرات اور نوافل سے کبھی بھی منع نہ کیا جائے کیونکہ پہلے ہی نیکیوں میں ان کی رغبت کم ہوتی ہے، بحر۔(ت) ص465

رمضان کے علاوہ وتر جماعت سے پڑھنا کیسا؟

استسقاء کے سوا ہر نمازِ نفل وتراویح وکسوف کے سوا ہر نمازِ سنت میں ایسی جماعت جس میں چار یا زیادہ شخص مقتدی بنیں مکروہ ہے اور وتروں کی جماعت غیرِ رمضان میں اگر اتفاقاً کبھی ہوجائے تو حرج نہیں مگر اِلتزام کے ساتھ وہی حکم ہے کہ چار یا زیادہ مقتدی ہوں تو کراہت ہے۔ص426

صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ اور اس کا کیا وقت ہے؟

اس نماز کی بہت فضیلت اور بڑا ثواب، اور اس میں بڑی معافی کی اُمید ہے وہ چار رکعت نفل ہے کہ غیرِ وقتِ مکروہ میں ادا کی جائے اور افضل دن جمعہ کا ہے اور اس کا مناسب طریقہ کہ ہمارے ائمۂ کرام کے مذہب سے موافق ہے یہ ہے کہ سبحٰنك اللھم پڑھ کر پندرہ بار سبحٰن اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر پھر الحمد وسورت پڑھ کر یہی کلمہ دس بار پھر رکوع میں تسبیحاتِ رکوع کے بعد دس بار پھر رکوع سے کھڑے ہوکر ربنا ولك الحمد کے بعد دس بار پھر سجدہ میں تسبیحوں کے بعد دس بار پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دس بار پھر دوسرے سجدہ میں اسی طرح دس بار، یہ ایک رکعت میں پچھتر بار ہوا، پھر دوسری رکعت کو کھڑا ہوکر الحمد سے پہلے پندرہ بار پھر الحمد وسورت کے بعد دس بار پھر رکوع (وسجود) میں بدستور کہ یہ بھی پچھتر ہوئے، اسی طرح باقی دونوں رکعتوں میں بھی کہ یہ سب مل کر تین سو بار ہوجائیں گے، سورت کا اختیار ہے جو چاہے پڑھے اور بہتر یہ کہ پہلی رکعت میں {اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ} دوسری میں {وَالْعَصْرِ} تیسری میں {قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ} چوتھی میں {قُلْ ھُوَاللّٰہُ}، یہ نماز ہر روز پڑھے ورنہ ہر جمعہ ورنہ ہر مہینے ورنہ سال میں ایک بار تو ہوجایا کرے اور نہ ہو تو عمر بھر میں ایک بار تو ہوجائے کہ اس میں بڑی دولت ہے۔ص442

رمضان شریف میں لڑکوں کے پیچھے دن میں دو تین بالغ حافظ وغیرہا نماز میں قرآنِ مجید سنتے ہیں یہ امر مشروع ہے یا نہیں؟

یہ امر بالاتفاق نامشروع وممنوع ہے مذہبِ صحیح پر تو اس لئے کہ وہ جماعت باطل ہے۔اور مذہبِ ضعیف پر اس لئے کہ دن کے نفل میں اِخفا واجب ہے۔ص444 اَصح واَرجح واَقوی یہی کہ بالغوں کی کوئی نماز اگرچہ نفل مطلق ہو نابالغ کے پیچھے صحیح نہیں۔ص455

تہجد کا وقت اور رکعتیں

عشاء کے فرض پڑھ کر آدمی سو رہے پھر اس وقت سے صبحِ صادق کے قریب جس وقت آنکھ کھلے دو رکعت نفل صبح طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لے تہجد ہو گیا اَقل درجہ تہجد کا یہ ہے اور سنت سے آٹھ رکعت مروی ہے اور مشائخ کرام سے بارہ اور حضرتِ سیدُ الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ دو ہی رکعت پڑھتے اور ان میں قرآنِ عظیم ختم کرتے ،غرض اس میں کمی بیشی کا اِختیار ہے اتنی اختیار کرے جو ہمیشہ نبھ سکیں اگرچہ دو ہی رکعت ہو قرأت کا بھی اختیار ہے چاہے ہر رکعت میں تین تین بار سورۂ اخلاص پڑھے کہ اس کا ثواب ایک ختمِ قرآن کے برابر ہے خواہ یوں کہ بارہ رکعتیں ہوں پہلی میں ایک بار، دوسری میں دو بار، یا پہلی میں بارہ دوسری میں گیارہ، اَخیر میں ایک کہ یوں ۲۶ ختمِ قرآن کا ثواب ہوگا، اور پہلی صورت میں بیس کا ہوتا۔ اور بہتر یہ ہے کہ جتنا قرآنِ مجید یاد ہو اس نماز میں پڑھ لیا کرے کہ اس کے یاد رہنے کا اس سے بہتر سبب نہیں۔ تہجد پڑھنے والا جسے اپنے اُٹھنے پر اطمینان ہو اُسے اَفضل یہ ہے کہ وتر بعدِ تہجد پڑھے پھر وتر کے بعد نفل نہ پڑھے جتنے نوافل پڑھنا ہوں وتر سے پہلے پڑھ لے کہ وہ سب قیامُ اللیل میں داخل ہوں گے اور اگر سونے کے بعد ہیں تو تہجد میں داخل ہوں گے۔ص446

سنتیں پڑھنے کے بعد اگر گفتگو کی جائے تو پھر سنتوں کا اِعادہ کرے یا نہیں؟

اِعادہ بہتر ہے کہ قبلی سنتوں کے بعد کلام وغیرہ اَفعال منافیِ تحریمہ کرنے سے سنتوں کا ثواب کم ہو جاتا ہے اور بعض کے نزدیک سنتیں ہی جاتی رہتی ہیں تو تکمیلِ ثواب وخروج عَنِ الاختلاف کے لئے اِعادہ بہتر ہے جبکہ اس کے سبب شرکتِ جماعت میں خلل نہ پڑے مگر فجر کی سنتیں کہ اُن کا اِعادہ جائز نہیں۔ص449

مسجد سے نماز پڑھے بغیر باہر جانا؟

مسجد سے بے نماز پڑھے باہر جانا دو شرط سے ممنوع ہے۔ **ایک:** یہ کہ وہ خروج بے حاجت ہو ورنہ بلاشبہ جائز ہے مثلاً جس شخص کی ذات سے دوسری مسجد کی جماعت کا انتظام وابستہ ہے وہ بعدِ اذان بلکہ خاص اِقامت ہوتے وقت باہر جا سکتا ہے یونہی جسے دوسری مسجد میں بعدِ نماز دِینی سبق پڑھنا یا سنی عالم کا وعظ سننا ہو اسی طرح پیشاب یا اِستنجے یا وضو کی حاجتیں۔

دوسرے: یہ کہ شروع جماعت تک واپسی کا اِرادہ نہ ہو ورنہ مضائقہ نہیں اگرچہ بے ضرورت ہی سہی۔ص450

جو مدارس متعلقِ مسجد، حدودِ مسجد کے اندر ہیں معتکف کو اُن میں جانا جائز ہے

جب وہ مدارس متعلقِ مسجد، حدودِ مسجد کے اندر ہیں اُن میں اور مسجد میں راستہ فاصل نہیں صرف ایک فصیل سے صحنوں کا امتیاز کر دیا ہے تو ان میں جانا مسجد سے باہر جانا ہی نہیں یہاں تک کہ ایسی جگہ معتکف کو جانا جائز کہ وہ گویا مسجد ہی کا ایک قطعہ ہے۔ یہی بات امام طحاوی نے فرمائی کہ اُم المومنین کا حُجرہ مسجد کا حصہ ہے، ردالمحتار میں بدائع سے ہے: اگر معتکف منارہ پر چڑھا تو بالاتفاق اس کا اِعتکاف فاسد نہ ہوگا کیونکہ منارہ مسجد کا حصہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ہر وہ عمل مثلاً بول وغیرہ منع ہے جو مسجد میں منع ہے تو یہ مسجد کے دیگر گوشوں کی طرح ایک گوشہ ٹھہرا۔(ت)ص453

لڑکا، لڑکی کے بالغ ہونے کی عمر

اَقل مدتِ بلوغ پِسَر کے لئے بارہ سال اور زیادہ سے زیادہ سب کے لئے پندرہ برس ہے اگر اس تین سال میں اَثرِ بلوغ یعنی اِنزالِ منی خواب خواہ بیداری میں واقع ہو فبہا ورنہ بعد تمامیِ پندرہ سال کے شرعاً بالغ ٹھہر جائے گا اگرچہ اَثر اَصلاً ظاہر نہ ہو پِسَر چاردہ سالہ کا بالغ ہونا اگر معلوم ہو (اگرچہ یونہی کہ وہ خود اپنی زبان سے اپنا بالغ ہوجانا اور اِنزالِ منی واقع ہونا بیان کرتا ہے اور اس کی ظاہر صورت وحالت اس بیان کی تکذیب نہ کرتی ہو) تو وہ بالغ مانا جائے گا ورنہ نہیں۔ص455

تراویح کے احکام

تراویح سنتِ مؤکدہ ہے محققین کے نزدیک سنتِ مؤکدہ کا تارِک گنہگار ہے خصوصاً جب ترک کی عادت بنالے، تراویح کی تعداد جمہور اُمت کے ہاں بیس ہی ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام مالک کے ہاں ان کی تعداد چھتیس ہے۔ص457

تراویح میں پورا کلام اللہ شریف پڑھنا اور سننا سنتِ مؤکدہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ بعدِ کلام مبارک (ختمِ قرآن کے بعد) بھی تمام لیالیِ شھرِ مبارک (رمضان کی تمام راتوں) میں بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے، تراویح اگر ناغہ ہوگئیں تو اُن کی قضاء نہیں۔ص458

''قرآن درتراویح ختم کردن نہ فرض ست ونہ سنتِ عین'' تراویح میں قرآن ختم کرنا نہ فرض نہ سنّتِ عین۔ (ج10،ص334)

''ختمِ قرآن درتراویح سنّتِ کفایہ است''، ختمِ قرآن تراویح میں سنتِ کفایہ ہے۔ (ج10،ص335)

مسلم اور شرح الفواتح میں ہے کہ بسملہ قرآن کی آیت ہے ختمِ قرآن میں ایک دفعہ اِسے پڑھا جانا چاہئے لہٰذا تراویح میں اِسے ایک دفعہ جہراً پڑھنا لازم ہے کیونکہ اس کے بغیر سنت کے مطابق ختمِ قرآن نہ ہوگا۔ص459

اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بیس رکعت تراویح سنتِ عین ہیں کہ اگر کوئی شخص مرد یا عورت بلاعذرِ شرعی ترک کرے مبتلائے کراہت واِساءت ہو اور اُن کی جماعت کی مساجد میں اِقامت سنتِ کفایہ کہ اگر اہلِ محلہ اپنی اپنی مسجدوں میں اِقامتِ جماعت کریں اور اُن میں بعض گھروں میں تراویح تنہا یا باجماعت پڑھیں تو حرج نہیں اور اگر تمام اہلِ محلہ ترک کریں تو سب گنہگار ہوں۔ص461

ایک شخص ایک مسجد میں فرض جماعت سے پڑھا کر تراویح بیس رکعت پڑھاتا ہے پھر وہی شخص دوسری مسجد میں تراویح بیس رکعت جماعت سے پڑھاتا ہے آیا یہ امامت اس کی صحیح ہے نہیں؟ اور مقتدیانِ مسجدِ دیگر کی تراویح ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: مذہبِ راجح میں اِمامت صحیح ہے تراویح ہوجاتی ہے مگر خلافِ علماء واِختلافِ تصحیح ومخالفتِ طریقۂ متوارثہ سے بچنے کے لئے بےضرورت اس سے اِحتراز کیا جائے۔ص463

عشاء کے فرض تنہا ادا کئے اور تراویح جماعت سے اب وتر جماعت سے ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جس نے فرض تنہا پڑھے وتر کی جماعت میں شریک نہ ہوگا جس نے فرض کسی جماعت میں پڑھے ہوں اس کے باب میں بھی علماء مختلف ہیں کہ وتر جماعت سے ادا کرنا اَولیٰ ہے یا تنہا پڑھنا دونوں طرف ترجیحیں ہیں اور زیادہ رُجحان اس طرف ہے کہ

جماعت افضل ہے۔ص 467

جس شخص نے نمازِ عشاء تنہا پڑھی وہ تراویح کی جماعت میں شامل ہوسکتا ہے تنہا نہ پڑھے، ہاں وتر کی جماعت میں شامل نہیں ہوسکتا۔ جس نے فرض تنہا پڑھے ہوں وہ وتر بھی تنہا پڑھے۔ص 468

تراویح میں اُجرت لینا کب جائز ہے

مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ ایسے بندوں کو برکت دے جو قرآنِ عظیم پر اُجرت لینے سے بچیں آپ صاف کہہ دیں کہ محض ادائے سنت وحصولِ ثواب کے لئے پڑھتا ہوں کوئی معاوضہ نہ چاہتا ہوں نہ ہوگا اس کے بعد امام یا جو مسلمان کچھ خدمت کریں وہ اُجرت نہیں ہوسکتی اُس کا لینا حلال الصریح یفوق الدلالۃ (صریح کو دلالت پر فوقیت ہے۔ت)۔ص 472

شبینہ (ایک رات میں مکمل قرآن پڑھنے) کا حکم

شبینہ فی نفسہٖ قطعاً جائز وروا ہے اکابر ائمہ دین کا معمول رہا ہے اسے حرام کہنا شریعت پر اِفترا ہے، امام الائمہ سیّدنا امام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیس برس کامل ہر رات ایک رکعت میں قرآنِ مجید ختم کیا ہے۔ بلا دلیلِ شرعی کسی حکم کو بعض عباد سے خاص مان لینا جزاف ہے اور یہ کہنا کہ اُن کا یہ فعل ہمارے لئے حجت نہیں اَدب کے خلاف محض لاف ہے، ان کا فعل حجت نہ ہوگا تو کیا زید وعمرو کا ہوگا! سلف صالحین میں بعض اَکابر دن رات میں دو ختم فرماتے بعض چار بعض آٹھ، "میزانُ الشریعہ" امام عبدالوہاب شعرانی میں ہے کہ سیدی علی مرصفی قدس سرہ نے ایک رات دن میں تین لاکھ ساٹھ ہزار ختم فرمائے امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم بایاں پاؤں رِکاب میں رکھ کر قرآنِ مجید شروع فرماتے اور دَہنا پاؤں رکاب تک نہ پہنچتا کہ کلام شریف ختم ہوجاتا۔ بلکہ خود حدیث میں ارشاد ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنے گھوڑے زین کرنے کو فرماتے اور اتنی دیر سے کم میں زبور یا توراۃ مقدس ختم فرمالیتے۔ توراۃ شریف قرآن عظیم سے حجم میں کئی حصے زائد ہے۔

یہ سب روایات اور ان سے زائد ہماری کتاب "الفیوض المکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ" میں ہیں ان افعالِ کریمہ کو حجت نہ ماننا کیسی گستاخی ہے، جاہل وہ کہ اُسوت اور حجت میں فرق نہ جانے، ہم ان میں اِقتداء پر قادر نہیں مگر وہ حجتِ شرعیہ ضرور ہیں کہ فی نفسہٖ یہ فعل حسن ہے کراہت یا ممانعت اگر آئے گی تو عوارض سے، **اور وہ یہاں پانچ ہیں:**

اوّل عدم تفقُّہ: یعنی جلدی کی وجہ سے معانیٔ قرآنِ کریم میں تفکر وتدبر نہ ہوسکے گا۔

اقول: پھر یہ بھی ان کے لئے ہے جو تفکرِ معانی کریں یہاں کے عام لوگ کہ کتنا ہی دیر میں پڑھئے تفکر سے محروم ہیں اُن کے لئے دیر بے سود ہے اور وہ مقصود لذاتہٖ نہیں بلکہ اسی لئے مقصود ہے اُن کے لئے معتدل جلدی ہی کا افضل ہونا چاہئے کہ جس قدر جلد پڑھیں گے قرأت زائد ہوگی اور قرآنِ کریم کے ہر حرف پر دس نیکیاں ہیں سَو کی جگہ پانسو حرف پڑھے تو ہزار کی جگہ پانچ ہزار نیکیاں ملیں۔

دوم کسل: اَقول: یہ وجہ عام عوام کو عام ہے اور اَحکامِ فقہیہ میں غالب ہی کا اعتبار ہوتا ہے مگر اس وجہ کا مفاد صرف کراہتِ تنزیہی ہے، علماء نے تصریح فرمائی کہ کسلِ قوم کے سبب تراویح میں قرآن نہ چھوڑیں۔

سوم ہذرمہ گھاس کاٹنا: بعض لوگ ایسا جلد پڑھتے ہیں عَلِیۡمٌ یا حَکِیۡمٌ، یَعۡقِلُوۡنَ، تَعۡلَمُوۡنَ غرض لفظ ختم آیت کے

سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ نفسِ سنت کا فانی اور بدعتِ شنیعہ اور اساءت ہے۔
چہارم ترکِ واجباتِ قرأۃ: مثلِ مدِ متصل، یہ صورت گناہ ومکروہِ تحریمی ہے۔
پنجم امتیازِ حروفِ متشابہ: مثلِ ث س ص، ت ط، ز ذ ظ وغیرہا نہ رہنا، یہ خود حرام ومفسدِ نماز ہے مگر ہندوستان کی جہالتوں کا کیا علاج، حفاظ وعلماء کو دیکھا ہے کہ تراویح درکنار فرائض میں بھی اس کی رعایت نہیں کرتے، نمازیں مفت برباد جاتی ہیں {اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ} شبینہ کہ ان عوارض سے خالی تھا اس کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ جماعتِ نفل میں تداعی نہ ہوئی ہو کہ مکروہ ہے۔ص476

علماء نے بنظرِ منعِ کسل وملال اَقل مدتِ ختمِ قرآنِ عظیم تین دن مقرر فرمائی مگر اہلِ قدرت ونشاط بہرِ عبادت کو ایک شب میں ختم کی بھی ممانعت نہیں، بہت اکابرِ دین سے منقول ہے: خود امام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو رکعت میں قرآن شریف ختم کیا۔ص465
شبینہ کہ ایک یا چند حافظ مل کر کرتے ہیں مکروہ ہے، اَکابر نے ایک ایک رات میں برسوں ختم فرمایا ہے مگر وہ خاص اپنے لئے نہ کہ جماعت میں جس میں ہر قسم کے لوگ ہوں خصوصاً اکثر بلکہ شاید کل وہی ہوں جو اسے بار سمجھیں اور شرما شرمی شریک رہیں۔ص472

وتروں میں مشابہ سے دعائے قنوت بھول جانے پر کیا پڑھنا چاہیے؟

ہر دعا پڑھنے سے واجب قنوت ساقط ہوجاتا ہے۔ ہاں اگر بالکل کوئی دعا بھول کر نہ پڑھی تو سجدۂ سہو کرے۔ص484
دعائے قنوت اگر یاد نہیں یاد کرنا چاہئے کہ خاص اس کا پڑھنا سنت ہے، اور جب تک یاد نہ ہو اللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار پڑھ لیا کرے، یہ بھی یاد نہ ہو تو اللھم اغفرلی تین بار کہہ لیا کرے، یہ بھی نہ آتا ہو تو صرف یَارَبِّ تین بار کہہ لے واجب ادا ہوجائے گا، رہا یہ کہ {قُلۡ هُوَ اللّٰهُ} شریف پڑھنے سے بھی یہ واجب ادا ہوا کہ نہیں، اتنے دنوں کے وتر کا اِعادہ لازم ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ ادا ہو گیا کہ وہ ثناء ہے اور ہر ثناء دعا ہے۔ص485

وتروں کے مسبوق کو اپنے فوت شدہ رکعت میں قنوت پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

مسبوق کی اگر وتر کی تینوں رکعتیں فوت ہوئیں اَخیر میں قنوت پڑھے اور اگر ایک رکعت بھی ملی ہے اگرچہ تیسری کے رکوع ہی میں شامل ہوا تو اب باقی نماز میں قنوت نہ پڑھے گا۔ص484

قنوتِ نازلہ کے احکام

طاعون ووَباء اور ان کے مثل ہر بلیۂ عامہ کے لئے قنوت صحیح حدیثوں کے اطلاقات سے ثابت ہے۔ قنوتِ طاعون ووبا کو نہ صرف اطلاقاتِ کلامِ علما بلکہ ان کی صاف تعمیمیں شامل جن میں خود امام اَجل ابوجعفر طحاوی بھی داخل۔ص496
اگرچہ متون میں مطلق حکم ہے کہ غیرِ وتر میں قنوت نہ پڑھے، مگر محققین شراح نے باتباعِ امام طحاوی وقتِ نازلہ وحدوثِ بلائے عام نمازِ فجر میں قنوت پڑھنے کی اجازت دی ہے لہٰذا یہ مسئلہ ایسا نہیں جس کی بنا پر اس عالم کے پیچھے نماز میں کچھ حرج ہو جبکہ وہ واقع میں سنی المذہب صحیح العقیدہ ہے، اور اگر غیر مقلد ہے تو آپ ہی گمراہ بددین ہے اور اس کے پیچھے نماز ناجائز محض۔ بے صورتِ نازلہ جو کوئی ایسا کرے گا موجبِ کراہت ہوگا اسے منع کیا جائے گا اگر نہ مانے اس کی اِقتداء نہ کریں۔

امام کو چاہئے کہ یہ قنوت بھی آہستہ پڑھے اور مقتدی بھی دعا ہی میں پڑھیں، ہاں اگر امام قنوت بآواز پڑھے تو مقتدی آمین کہیں مگر بآواز نہ کہیں بلکہ آہستہ کہ جہر بآمین نماز میں مکروہ ہے، پھر علماء کو اختلاف ہوا کہ یہ قنوت رکعتِ ثانیہ کے رکوع کے بعد ہو یا پہلے، اور تحقیق یہ ہے کہ رکوع سے پہلے ہونا چاہئے۔ جس مقتدی کو یاد نہ ہو آہستہ آہستہ آمین کہتا رہے۔ص526

دو رکعت تراویح کی نیت کی قعدۂ اولیٰ بھول گیا تین پڑھ کر بیٹھا اور سجدہ کیا تو نماز ہوئی یا نہیں اور ان رکعتوں میں جو قرآن شریف پڑھا اس کا اعادہ ہو یا نہیں اور چار پڑھ لیں تو یہ چاروں تراویح ہوئیں یا نہیں؟

صورتِ اُولیٰ میں مذہبِ اَصح پر نماز نہ ہوئی اور قرآنِ عظیم جس قدر اس میں پڑھا گیا اِعادہ کیا جائے اور چار پڑھ لیں اور قعدہ اُولیٰ نہ کیا تو مذہبِ مفتیٰ بہ پر یہ چاروں دو ہی رکعت کے قائم مقام گنی جائیں گی اور دونوں قعدے کئے تو قطعاً چاروں رکعتیں ہوگئیں۔ص567

رسالہ: انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار

(صلٰوۃ الاسرار کے پانی سے انوار کی نہریں) (نمازِ غوثیہ کے ثبوت میں تحقیقِ رضوی) ص569

فی الواقع یہ مبارک نماز حضراتِ عالیہ مشائخ کرام قدست اسرارہم العزیزہ کی معمول اور قضائے حاجات وحصولِ مرادات کے لئے عمدہ طریقِ مرضی ومقبول اور حضور پُرنور غوثُ الکونین غیاثُ الثقلین صلواتُ اللہ وسلامہ علیٰ جدّہ الکریم وعلیہ سے مروی ومنقول، اَجلہ علماء واَکابر کُملا اپنی تصانیفِ عَلیہ میں اسے روایت کرتے اور مقبول ومقرر ومسلَّم معتبر رکھتے آئے۔ص571

کسی کتاب میں اِلحاق کا ثبوت کس طرح ہوگا؟

بالجملہ ایسے اکابر کی روایاتِ معتمدہ کو بے وجہ وجیہ، رَد کردینا یا سخت جہالت ہے یا خبث وضلالت والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اور بے دلیل دعوئ اِلحاق محض مردود، ورنہ تصانیفِ ائمہ سے اَمان اُٹھ جائے اور نظامِ شریعت درہم وبرہم نظر آئے جو سند پیش کیجئے مخالف کہہ دے یہ الحاقی ہے، چلئے تمسک واستناد کا دروازہ ہی بند ہوگیا ''ہیہات'' کیا بزورِ زبان کچھ کہہ دینا، قابلِ قبول ہوسکتا ہے، حاشا وکلا اِدّعائے بے دلیل مطرود وذلیل، ہاں ہم کو مسلم کہ بعض کتابوں میں بعض الحاق بھی ہوئے مگر اس سے ہر کتاب کی ہر عبارت تو مطروح یا مشکوک نہیں ہوسکتی کسی خاص عبارت کی نسبت یہ دعوٰی زنہار مسموع نہیں جب تک بوجہِ وجیہ اس میں الحاق ثابت نہ کردیں جس کے لئے اَمثالِ مقام (عـــہ۱) [1] میں صرف دو طریقے متصور، ایک تو یہ کہ اس کتاب کے صحیح، معتمد، عمدہ، قدیم نسخے

---

[1]: **عـــہ۱:** یہ اس طرف اشارہ ہے کہ الحاق کبھی خود متکلم کی طرف رجوع کرنے پر اور اس کا ایسے شخص کے سامنے الحاقی عبارت سے انکار کرنا، جس کو کذب سے متہم نہیں کیا جاسکتا اور کبھی خود اِفتراء کرنے والے کے اعتراف سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ بعض ایسے لوگوں سے اعتراف واقع ہوا ہے اور کبھی ایسی منظم اور افضل شخصیت جس کے تقوٰی اور عدل کی بنا پر اس کی بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا، کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے اور کبھی الحاق کا حکم تب کیا جاتا ہے جب کہ اس بات کو صرف جھوٹ بولنے میں مشہور شخص ہی بیان کرے جیسا کہ محدثین کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ اس کی سند میں من گھڑت اور کذّاب راوی ہے، یہ آخری وجہ صرف عدمِ جزم کا فائدہ دیتی ہے اور جزم بالعدم کا نہیں کیونکہ جھوٹا بھی کچھ سچ بول دیتا ہے ہاں اگر کوئی اور دلیل بتائے کہ یہ جھوٹ ہے تو پھر جزم بالعدم کا فائدہ ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ منہ (ت)

اس عبارت سے خالی ملیں یا خاص مصنف کا اصل مسودہ پیش کیا جائے جس میں اس عبارت کا نشان نہ ہو، حضرت جناب شیخِ اکبرو امام شعرانی قدس سرہما کی تصانیف میں اِلحاق یونہی ثابت ہوا۔

خیر ایک طریقہ تو ثبوتِ الحاق کا یہ ہے دوسرے یہ مصنف کا امام معتمد وعالم متدین، مستند ہونا معلوم ہے اور یہ کلام کہ بے تواترِ حقیقی اس کی طرف نسبت کیا گیا صریح معصیت یا بدمذہبی وضلالت جس میں اَصلاً تاویل وتوجیہ کی گنجائش ہی نہیں تو اس وجہ سے کہ علماء تو علماء عام اہلِ اسلام کی طرف بے تحققِ تواتر وثبوتِ قطعی کسی کبیرہ کی نسبت مقبول نہیں (جیسا کہ امام غزالی قدس سرہ نے ''احیاء العلوم'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ت) رَد کردیں گے اور تحسیناً للظّن، الحاق کہیں گے اور اسی سے ملحق ہے، بات کا ایسا سخیف ورذیل ہونا کہ کسی طرح عقلِ سلیم اس امامِ عظیم سے اس کا صدور منظور نہ کرے جیسے باب ذَوی الارحام میں قبیل فصل صنفِ اَول سراجیہ میں یہ مہمل عبارت لان عندھما کل واحد منھم اولیٰ من فرعه وفرعه وان سفل اولی من اصله (کیونکہ ان دونوں کے نزدیک ان میں سے ہر ایک اپنی فرع سے اَولیٰ ہے اور اس کی فرع اگرچہ نچلی ہو اصل سے اَولیٰ ہے۔(ت) (السراجی فی المیراث باب ذوی الارحام) جس کے لئے اَصلاً کوئی محصل نہیں ولہٰذا علامہ سید شریف نے شرح میں نقل فرمایا: لم یتحصل منھا معنی فھی من ملحقات بعض الطلبة القاصرین اس کا کوئی معنیٰ نہیں بنتا لہٰذا یہ بعض نالائق طلباء کی اِلحاق کردہ عبارت ہے الخ (ت) اور اسی قبیل سے ہے وہ عبارت جس میں کسی طائفہ زائفہ کے لئے کوئی غرضِ فاسد ہو اور امام مصنف اس سے بَری اور جابجا خود اس کا کلام اس غرضِ مردود کے خلاف پر شاہد، جیسے بعض خدا نا ترسوں کا امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی کی طرف معاذَ اللہ کلماتِ مذمتِ امام الائمہ مالک الازمہ کاشفُ الغمہ سراجُ الامّہ سیّدنا امام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نسبت کرنا حالانکہ اُن کی کتبِ متواترہ اِحیاء وغیرہ مناقبِ امام کی شاہد عدل ہیں۔ص576

رسالہ: ازھار الانوار من صبا صلٰوۃ الاسرار
(صلٰوۃ الاسرار کی بادِ صبا سے غنچوں کے پھول) (نمازِ غوثیہ سے متعلق اہم نکات اور اس کے پڑھنے کا طریقہ)۔ص633

رسالہ: وصّاف الرجیح فی بسملۃ التراویح
(تراویح میں بسم اللہ سے متعلق راجح قول کا بیان) (ختمِ تراویح میں ایک بار جہر سے بسملہ پڑھنے کا بیان)۔ص659

بسم اللہ شریف کے جُزءِ سورت وجُزءِ قرآن ہونے کے مسائل

اِفادۂ اولیٰ: بسم اللہ شریف کے باب میں ہمارے ائمۂ کرام بلکہ جمہور ائمہ صحابہ وتابعین وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہبِ حق ومحقق یہ ہے کہ وہ کسی سورتِ قرآن کی جُز نہیں، جُداگانہ آیتِ واحدہ ہے کہ تبرک وفصل بَینَ السُّوَر کے لئے مکرّر نازِل ہوئی۔ص662

اِفادۂ ثانیہ: مجرد تکررِ نزول ہرگز موجبِ تعدّد نہیں ورنہ قائلانِ تکرارِ نزولِ فاتحہ قرآنِ عظیم میں دو سورۂ فاتحہ مانتے کہ اُن کے

نزدیک فاتحہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوکر مدینہ طیبہ میں دوبارہ اُتری۔ص663

اِفادۂ ثالثہ: بسم اللہ شریف کا جزوِ سورت ہونا، ہرگز ہرگز حضور پُرنُور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر ہونا درکنار، ثابت کرنا دُشوار، اس کے تواتر کا اِدّعا محض بہتان وافتراء، بلکہ اَحادیثِ صحیحہ اس کلیہ کے نقض پر صاف گواہ۔ص664

اِفادۂ رابعہ: یونہی اس پر اجماعِ امت کا بیان اِفترا و بہتان، بلکہ علماء فرماتے ہیں صحابہ کرام وتابعین اَعلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اِجماع تھا کہ بسم اللہ شریف جزوِ سُوَر نہیں، قولِ جزئیت اُن کے بعد حادِث ونو پیدا ہوا۔ص665

اِفادۂ خامسہ: تمام مصاحفِ حفصیہ میں ہر بسم اللہ شریف پر نشانِ آیت موجود ہے وہ بلاشبہ اُن کے نزدیک آیتِ تامہ ہے، اب سورۂ بقرسے لے کر سورۂ ناس تک تمام سُوَر میں آیاتِ حفصیہ کی گنتی بتایئے، دیکھئے تو کہیں بھی بسم اللہ شریف گنتی میں آئی ہے، مثلاً سورۂ اخلاص چار آیت ہے بسم اللہ سے الگ ہی چار آیتیں ہیں، سورۂ کوثر میں تین آیتیں ہیں بسم اللہ سے جدا ہی تین آیتیں ہیں وعلٰی ھذا القیاس بخلاف سورۂ فاتحہ کہ سات آیتیں ہیں اور ان کے نزدیک {اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ} پر آیت نہیں ولھذا ہمارے مصاحف میں اس پر نشانِ آیت عندالغیر ۵، لکھتے ہیں نہ o، یہ صاف دلیلِ واضح ہے کہ ہمارے قراء کے نزدیک بسم اللہ بقرہ سے ناس تک کسی سورت کی جُز نہیں بلکہ ایک انہیں قاریوں کی کیا تخصیص، سب کے نزدیک، سوا فاتحہ کے، کہ مختلف فیھا ہے باقی تمام سورتوں کے شمارِ آیات سے بسم اللہ شریف خارج ہے یہ بھی اُس اِرشادِ علما کا پتا دیتا ہے کہ قولِ جزئیت حادِث وخلافِ اِجماع ہے۔ص667

اِفادۂ سادسہ: جزئیتِ بسم اللہ شریف کو قطعی کہنا محض جہالت اور تصریحاتِ ائمۂ کرام، علمائے عظام، سے غفلت ہے بلکہ جزئیتِ سورت دَرکنار جزئیتِ قرآن بھی خبراً متواتر نہیں۔ ہمارے ائمہ کہ اِثبات فرماتے ہیں، بوجہِ اِثبات فی المصاحف واَمر بالتجرید، دلیلِ عقلی قائم فرماتے ہیں نہ تواترِ سمعی، **بالجملہ** حق یہ کہ بسم اللہ شریف کا جزءِ قرآنِ عظیم ہونا تو ہمارے نزدیک دلیلِ قطعی سے ثابت ہے مگر جزوِ سُوَر ہونا ہرگز نقلاً عقلاً کسی طرح قطعی نہیں بلکہ ہمارے علمائے کرام اسے دلیلِ قطعی سے باطل، اور بعض اَخبارِ آحاد کو، کہ موہمِ جزئیت واقع ہوئے، مخالفِ قاطع کے سبب نامقبول ومضمحل بتاتے ہیں، نہایت یہ کہ علمائے شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کہ قائلینِ جزئیت ہیں خود منکرِ قطعیت ہیں، امام نووی شافعی فرماتے ہیں: یہی صحیح ہے۔ص669

شروعِ تلاوت اگر ابتدائے سورت کے علاوہ، کہیں وسط سے ہو، تو بسم اللہ کی حاجت نہیں، بہتر ہے اور اگر ابتدائے سورت سوائے برأت سے تلاوت آغاز کرے تو بسم اللہ بالاجماع پڑھے، پھر اثنائے تلاوت میں جو سورتیں آتی جائیں اُن پر بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں اختلاف ہے ۱۲(م)۔ص672

جلد نمبر 8

بابُ اَحکامِ المسجدِ احکام مسجد کا بیان

گرمی کے سببِ مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

مکروہ ہے کہ مسجد کی بے ادبی ہے، ہاں اگر مسجد جماعت پر تنگی کرے نیچے جگہ نہ رہے تو باقی ماندہ لوگ چھت پر صف بندی کرلیں یہ بلا کراہت جائز ہے کہ اس میں ضرورت ہے بشرطیکہ حالِ امام مشتبہ نہ ہو۔ص 57

مسجد کی تعریف

مسجد اس بُقعہ کا نام ہے جو بغرضِ نمازِ پنجگانہ وقفِ خالص کیا گیا یہ تعریف بالیقین صحن کو بھی شامل اور عمارات و بِنَا یا سقف (چھت) وغیرہ ہرگز اس کی ماہیت میں داخل نہیں یہاں تک کہ اگر عمارت اَصلاً نہ ہو صرف ایک چبوترہ یا محدود میدان نماز کے لئے وقف کردیں قطعاً مسجد ہوجائے گا عینِ مسجد اور تمام اَحکامِ مسجد کا اِستحقاق پائے گا۔ پھر مُسقّف وغیرِ مسقّف میں فرق کرنا اُسے مسجد اِسے فناءِ مسجد ٹھہرانا محض بے معنی۔ص 60

* **صحنِ مسجد قطعاً جزءِ مسجد ہے جس طرح صحنِ دار جزءِ دار، ولہذا معتکف کو صحن میں آنا جانا بیٹھنا رہنا یقیناً روا۔ص 60**

فنائے مسجد کی تعریف

فناوہ ہے جو متصل بہ مسجد ہو نہ وہ کہ متصل بہ فنا ہو، ورنہ اس تعریف پر لزوم دَور کے علاوہ متصل بالفنا بھی فنا ٹھہرے، تو سارا شہر یا لااَقل تمام محلہ فنائے مسجد قرار پائے کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)۔ص 66

* حوضِ قدیم کی فصیل فنائے مسجد ہے، نہ عینِ مسجد، ورنہ اس پر وضو نا جائز ہوتا، اور فنائے مسجد میں اذان جائز ہے۔ص 73

فجر کی سنتوں کا اہم مسئلہ

خلاصہ اور خزانہ کی عبارت یہ ہے: ایک آدمی مسجد میں پہنچا، امام اور لوگ نمازِ فجر ادا کررہے تھے اب اگر آنے والا شخص اُمید رکھتا ہے کہ اسے ایک رکعت جماعت کے ساتھ مل جائے گی تو وہ مسجد کے دروازہ کے پاس دو سنتیں ادا کرے، اور اگر وہاں ممکن نہ ہو مسجدِ شتوی (یعنی سردیوں والے حصّہ) میں دو رکعات ادا کرے، جب امام صیفی مسجد (یعنی گرمیوں والے حصّہ) میں ہو اور اگر اس کا عکس ہو یعنی امام شتوی مسجد میں ہو تو یہ صیفی میں پڑھے اگر مسجد واحد ہی ہو تو مسجد کے ایک گوشے میں ادا کرے اور ان دو (۲) رکعتوں کی ادائیگی کے لئے صف کے متصل کھڑا نہ ہو کیونکہ یہ جماعت کی مخالف ہے اگر ایسا کیا تو یہ شدید مکروہ ہوگا (ت) ص 68

نئی مسجد پرانی مسجد سے کتنے فاصلے پر بنائی جائے؟

مسجد جبکہ بہ نیتِ خالصہ بنائی جائے تو پہلی مسجد کے کسی قدر قریب ہو کچھ حرج نہیں۔ص 72

مسجدِ ضرار کی تعریف

ضرار وہ مسجد ہے جو ابتداءً اِفسادفی الدین وتفریق بینَ المومنین کے لئے بنائی گئی ہو۔تعمیر شدہ مسجد میں مفسدین کا جانا خواہ ان کا قبضہ وتسلُّط ہو جانا اُسے مسجدِ ضرار نہیں کرسکتا، جیسے واقعۂ حرہ میں لشکریانِ یزید یا حادِثۂ نجد میں متبعانِ نجدی بلید کا مساجدِ طیبہ حرمین محترمین میں مفسدانہ دخل،والعیاذباللّٰہ تعالیٰ ۔ص 77

نمازی کے آگے سے گزرنے وغیرہ میں مسجدِ صغیر وکبیر میں کیا فرق ہے؟

تحقیق یہ ہے کہ علمائے کرام ۱۱ مسئلوں میں مسجدِ صغیر وکبیر میں فرماتے ہیں:ایک مسئلہ صحتِ اِقتدا واِتصالِ صفوف کہ مسجد بقعۂ واحدہ ہے اس میں امام ومقتدی کا فصل مانِعِ صحتِ اِقتدا نہیں اگر چہ امام محراب میں اور مقتدی یا صف قریبِ باب ہو مگر مسجد ِ کبیر میں حکم مثلِ صحرا ہے کہ اگر امام وصف میں اتنا فاصلہ ہو جس میں دو صفیں ہوسکتیں تو اِقتدا صحیح نہ ہوگی۔دوسرے مسئلہ اِثمِ مرورِ پیشِ مصلی کہ مسجد میں دیوارِ قبلہ تک جائز نہیں جب تک بیچ میں حائل نہ ہو ہاں مسجدِ کبیر مثلِ صحرا ہے کہ مُصلّی (نمازی) جب خاشعین کی سی نماز پڑھے کہ نگاہ موضعِ سجود پر جمائے رہے تو اس حالت میں جہاں تک اس کی نظر پہنچے کہ نظر کا قاعدہ ہے جہاں جمائی جائے اس سے کچھ آگے بڑھتی ہے۔وہاں تک گزرنا ممنوع وناجائز ہے اس سے آگے روا،ان دونوں مسئلوں میں مسجدِ کبیر سے ایک ہی مراد ہے یعنی نہایت درجہ عظیم ووسیع مسجد جیسی جامع خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر تھی یا جامع قدس شریف کہ تین مسجدوں کا مجموعہ ہے،باقی عام مساجد جس طرح عامہ بلاد میں ہوتی ہیں سب ان دونوں حکموں میں متحد ہیں اگر چہ طول وعرض میں سو سو گز ہوں۔ص 80

٭ ہر شہر میں ایک مسجد جامع بنانا واجب ہے اور ہر محلہ میں ایک مسجد بنانے کا حکم ہے۔ص 88

مسجد میں کھانے ، پینے اور سونے کا حکم

مسجد میں معتکف کو سونا تو بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے اور اس کے غیر کے لئے ہمارے علماء کے تین (۳) قول ہیں:

اَوّل: یہ کہ مطلقاً صرف خلافِ اَولیٰ ہے۔

دوم: مسافر کو جائز ہے اس کے غیر کو منع۔

سوم: معتکف کے سوا کسی کو جائز نہیں۔

اقول: تحقیق امر یہ ہے کہ مُرَخِّص وحاظِر جب جمع ہوں حاظر کو ترجیح ہوگی اور اَحکام تبدُّلِ زمان سے متبدِّل ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسجدیں سونے کھانے پینے کو نہیں بنیں تو غیرِ معتکف کو اُن میں ان اَفعال کی اجازت نہیں اور بلاشبہ اگر ان اَفعال کا دروازہ کھولا جائے تو زمانہ فاسد ہے اور قلوب ادب وہیبت سے عاری، مسجدیں چوپال ہوجائیں گی اور ان کی بے حرمتی ہوگی (ہر وہ

شے جو ممنوع تک پہنچائے ممنوع ہو جاتی ہے۔ت) جو بخیالِ تہجّد یا جماعتِ صبح مسجد میں سونا چاہے تو اسے کیا مشکل ہے کہ اعتکاف کی نیت کر لے کچھ حرج نہیں، کچھ تکلیف نہیں، ایک عبادت بڑھتی ہے، اور سونا بالاتفاق جائز ہوا جاتا ہے۔

مسجد میں ایسا اَکل وشُرب جس سے اس کی تلویث ہو مطلقاً ناجائز ہے اگرچہ معتکف ہو، اسی طرح اتنا کثیر کھانا مسجد میں لانا کہ نماز کی جگہ گھیرے مطلقاً ممنوع ہے، اور جب ان دونوں باتوں سے خالی ہو تو معتکف کو بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے اور غیرِ معتکف میں وہی مباحث واِختلاف عائد ہوں گے اِعتکافِ نفل کے لئے نہ روزہ شرط ہے نہ طُولِ مدت درکار، صرف نیت کافی ہے، جتنی دیر بھی ٹھرے بِہٖ یُفتٰی (اسی پر فتوی ہے۔ت) تو اختلاف میں پڑنے کی کیا حاجت، (جوادب کے زیادہ قریب ہو وہی زیادہ پسندیدہ اور واجب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے حسنِ توفیق کا سوال ہے۔ت) 92 تا 94

* صحیح ومعتمد یہ ہے کہ مسجد میں کھانا پینا، سونا سوا معتکف کے کسی کو جائز نہیں، مسافر یا حضری اگر چاہتا ہے تو اعتکاف کی نیت کیا دشوار ہے۔ص 95

مسجد کا ایک امام جو شب وروز مسجد کے حجرہ میں رہتا ہے اور عملیات تعویذ گنڈا وغیرہ آیاتِ قرآنی سے کرتا ہے اس کو بصورتِ قیامِ مسجد ایسا روزگار کرنا اور اس سے اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عوضِ مالی پر تعویذ دینا بیع ہے اور مسجد میں بیع وشرا ناجائز ہے، اور حجرہ فنائے مسجد ہے اور فنائے مسجد کے لئے حکمِ مسجد۔ص 95

اگر کوئی عالم اور کوئی شخص مسجد میں سوئے اور مسند تکیہ مسجد میں اندر مسجد کے لگائے اور کھانا مسجد میں ایک جماعت کے ساتھ کھائے اور اُگالدان مسجد میں رکھے اور گھوڑے کی زین اور اسباب وغیرہ مسجد میں رکھے یہ سب شرع سے درست ہے نہیں؟

الجواب: مسجد میں سونا، کھانا بحالتِ اعتکاف جائز ہے، اگر جماعت معتکف ہو تو مل کر کھا سکتے ہیں، بہرحال یہ لازم ہے کہ کوئی چیز، شوربا یا شِیر وغیرہ کی چھینٹ مسجد میں نہ گرے، اور سوائے حالتِ اعتکاف مسجد میں سونا یا کھانا دونوں مکروہ ہیں خاص کر ایک جماعت کے ساتھ کہ مکروہ فعل کا اور لوگوں کو بھی اس میں مرتکب بناتا ہے۔ مسند لگانا اگر براہِ تکبّر ہے تو یہ خارجِ مسجد بھی حرام ہے اور اگر براہِ تکبر نہیں کسی دوسرے نے اس کے لئے رکھ دی یہ اس کی خاطر سے بدیں لحاظ کہ امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: عزت واحترام کا انکار کوئی گدھا ہی کرسکتا ہے (ت) ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تو بھی یہ مسجد میں نہ ہونا چاہئے کہ ادبِ مسجد کے خلاف ہے، ہاں ضُعف یا دَرد کے سبب مجبور ہو تو معذور ہے، اُگالدان اگر پِیک کے لئے رکھا ہے تو غیرِ معتکف کو مسجد میں پان کھانا خود مکروہ ہے، اور اگر کھانسی ہے بلغم بار بار آتا ہے اس غرض کے لئے رکھا تو حرج نہیں۔ اور گھوڑے کا زین وغیرہ اسباب بھی بِلا ضرورتِ شرعیہ مسجد میں رکھنا نہ چاہئے، مسجد کو گھر کے مشابہ بھی کرنا نہ چاہئے۔ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان المساجد لم تبن لهذا (مساجد ان چیزوں کی خاطر نہیں بنائی جاتی۔ت) خصوصاً اگر چیزیں رکھے جن سے نماز کی جگہ رُکے تو سخت ناجائز وگناہ ہے۔

بااِیں ہمہ یہ بھی یاد رکھنا فرض ہے کہ حقیقۃً عالمِ دین ہادیِ خلق سُنّی صحیح العقیدہ ہو عوام کو اُس پر اعتراض اُس کے افعال میں نکتہ چینی اس کی عیب بینی حرام حرام حرام اور باعثِ سخت محرومی اور بدنصیبی ہے، اَوّل تو لاکھوں مسائل واحکام فرقِ نیت سے متبدّل ہو جاتے ہیں۔ **علمِ نیّت ایک عظیم واسع علم ہے جسے علمائے ماہرین ہی جانتے ہیں**، عوام بیچارے فرق پر مطلع نہ ہو کر ان کے افعال کو

اپنی حرکات پر قیاس کرتے اور حکم لگا دیتے اور ''کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر'' کے مورِد بنتے ہیں، اسی مسئلہ میں دیکھئے شرعاً اعتکاف کے لئے نہ روزہ شرط ہے نہ کسی قدر مدت کی خصوصیت۔ ولہٰذا مستحب ہے کہ آدمی جب مسجد میں جائے اعتکاف کی نیت کر لے۔ جب تک مسجد میں رہے گا اعتکاف کا ثواب بھی پائے گا۔ علما اعتکاف ہی کی نیّت سے مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور اب اُن کو سونا، کھانا، پیک کے لئے اُگالدان رکھنا روا ہوگا، اور اس سے قطعِ نظر بھی ہو تو جاہل کو سُنی عالم پر اعتراض نہیں پہنچتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث میں عالمِ بے عمل کی مثال شمع سے دی ہے کہ آپ جلے اور تمھیں روشنی و نفع پہنچائے، اَحمق وہ جو اس کے جلنے کے باعث اسے بجھا دینا چاہے اس سے یہ خود ہی اندھیرے میں رہ جائے گا، **علماء کو چاہئے کہ اگر چہ خود نیتِ صحیحہ رکھتے ہوں عوام کے سامنے ایسے افعال جن سے ان کا خیال پریشان ہو نہ کریں** کہ اس سے دو فتنے ہیں جو معتقد نہیں ان کا معترض ہونا غیبت کی بَلا میں پڑنا عالم کے فیض سے محروم رہنا، اور جو معتقد ہیں اُن کا اس کے اَفعال کو دستاویز بنا کر بے علمِ نیت خود مرتکب ہونا عالم فرقۂ ملامتیّہ سے نہیں کہ عوام کو نفرت دلانے میں اُس کا فائدہ ہو مسندِ ہدایت پر ہے، عوام کو اپنی طرف رغبت دلانے میں اُن کا نفع ہے، اَحیاناً ایسے افعال کی حاجت ہو تو اعلان کے ساتھ اپنی نیت اور مسئلۂ شریعت عوام کو بتا دے۔ ص96

کسی اجنبی کو مسجد میں رُکنے سے منع کرنا کیسا؟

نظر بحالاتِ زمانہ بعض مساجد میں اجنبی غیر معروف کا قیام نامناسب و وجہِ اندیشہ ہوتا ہے جیسے صدہا سال سے مسجدِ مدینہ طیبہ کے دروازے بعدِ عشا بند کر دیتے ہیں اور سِوا خُدّام کے سب لوگ باہر کر دئے جاتے ہیں، اگر واقعی ایسی صورت تھی تو بنرمی کہنا چاہئے۔ ص101

مٹی کا تیل مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں؟

مٹی کے تیل میں سخت بدبُو ہے اور مسجد میں بدبُو کا لے جانا کسی طرح جائز نہیں۔ ہاں مٹی کے تیل میں بعض انگریزی عطر جن کو لونڈر کہتے ہیں ملانے سے اس کی بدبو جاتی رہتی ہے اس صورت میں جائز ہو جائے گا۔ ص102

مسجد میں طلائی (سونے کا) نقش ونگار جائز ہے یا نہیں؟

مساجد میں زینتِ ظاہری زمانۂ سلف صالحین میں فضول و ناپسند تھی کہ اُن کے قلوب تعظیمِ شعائرُ اللہ سے مَمْلُو تھے ولہٰذا حدیث میں مباہاۃ فی المساجد کو اَشراطِ ساعت سے شمار فرمایا، اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے فرمایا: تم مساجد کو اسی طرح مزیّن کرو گے جس طرح یہود و نصارٰی نے مزیّن کیں۔ (ت)

تبدُّلِ زمان سے علماء نے تزیینِ مساجد کی اِجازت فرمائی کہ اب تعظیم ظاہر مُورِثِ عظمت فی العُیون وقعت فی القلوب ہوتی ہے فکان کتحلیۃ المصحف فیہ من تعظیمہ (یہ ایسے ہی ہے جیسے تعظیم کی خاطر قرآنِ حکیم کو طلا کی صورت میں لکھا جائے۔ت) مگر اب بھی دیوارِ قبلہ عموماً اور محراب کو خصوصاً شاغلاتِ قلوب سے بچانے کا حکم ہے بلکہ اَولیٰ یہ ہے کہ دیوارِ یمین و شمال بھی مُلہِیات سے خالی رہے کہ اُس کے پاس جو مصلّی ہو اُس کی نظر کو پریشان نہ کرے۔ ہاں گنبدوں، میناروں، سقف اور دیواروں کی سطح کہ مصلیوں کے پسِ پشت رہے گی ان میں مضائقہ نہیں اگر چہ سونے کے پانی سے نقش و نگار ہوں بشرطیکہ اپنے مالِ

حلال سے ہوں، مسجد کا مال اُس میں صرف نہ کیا جائے، مگر جبکہ اصل بانی مسجد نے نقش ونگار کئے ہوں یا واقف نے اس کی اجازت دی ہو یا مالِ مسجد فاضل بچا ہو، اور اگر صرف نہ کیا جائے تو ظالموں کے خورد بُرد میں جائے گا پھر جہاں جہاں نقش ونگار اپنے مال سے کرسکتا ہے اس میں بھی دقائق نقوش سے تکلف مکروہ ہے سادگی ومیانہ روی کا پہلو ملحوظ رہے۔ص105

واعظ کا مسجد میں کرسی پر بیٹھنا جائز ہے؟

واعظ کا کرسی پر مسجد میں بیٹھنا جائز ہے جبکہ نماز اور نمازیوں کا حرج نہ ہو، ایک آدھ بار حدیث سے یہ ثابت ہے مگر ایک آدھ بار سے فعل سنت نہیں بن جاتا۔ص108

* حدیثِ قولی اور فعلی جب متعارِض ہوں تو عمل حدیثِ قولی پر ہے۔ص108

مسجد کے کنویں سے پانی بھرنا کیسا؟

کنویں کی ممانعت نہیں ہوسکتی رسی ڈول اگر مسجد کا ہے اس کی حفاظت کریں غیرِ نماز کے لئے اس سے نہ بھرنے دیں۔ص110

مسجد میں درخت پھلدار مثلاً جامن مولسری کھنی وغیرہ کے ہو اور پھل اس مقدار پر آیا جس کو فروخت کیا جائے، ایسی صورت میں وہ پھل نمازی یا غیرِ نمازی بلا کچھ قیمت ادا کئے ہوئے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ دیگر یہ کہ مسجد میں درخت بیلہ، چنبیلی، مولسری کا ہے اس کے پھول نمازی لوگ بلا کوئی قیمت ادا کئے ہوئے گھر کو لا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: مسجد میں بے ضرورتِ شدید درخت بونا منع ہے اور اس کے پھل پُھول بے قیمت نہیں لے سکتے۔ ہندیہ میں ہے: جب کسی نے مسجد میں پودا لگایا تو وہ مسجد ہی کا ہوگا، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے: فتاوٰی اہلِ سمرقند میں ہے: ایک مسجد میں ناشپاتی کا درخت ہے لوگوں کا اس کی ناشپاتی کے ساتھ روزہ افطار کرنا مباح ہے، صدر الشہید کہتے ہیں کہ مختار یہ ہے کہ یہ جائز نہیں، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اھ اقول: (میں کہتا ہوں) یہ ایک عظیم امام کی صراحۃً تصحیح ہے اور بلاشبہ یہ معاملہ وقف سے متعلق ہے اور وقف جس طرح کسی کی ملکیت نہیں ہوتا اسی طرح وہ کسی کے لئے مباح نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ خانیہ میں مہابات کی فصل سے تھوڑا سا پہلے ہے اُس پر اِس قول کو تقدیم حاصل ہے۔(ت)۔ص110

مساجد میں معاملاتِ دنیا کی باتیں کرنے والوں پر کیا ممانعت ہے اور بروزِ حشر کیا مواخذہ ہوگا؟

الجواب: دُنیا کی باتوں کے لئے مسجد میں جا کر بیٹھنا حرام ہے۔ اَشباہ ونظائر میں فتح القدیر سے نقل فرمایا: ''مسجد میں دنیا کا کلام نیکیوں کو ایسا کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو'' یہ مباح باتوں کا حکم ہے پھر اگر باتیں خود بُری ہوئیں تو اس کا کیا ذِکر ہے، دونوں سخت حرام در حرام، مُوجِبِ عذابِ شدید ہے۔ص112

مسجد میں قبر ہو تو کیا کریں اور اس کی طرف نماز میں کچھ حرج ہوگا یا نہیں؟

جامع مسجد بجنور جو محلہ قاضیان میں واقع ہے اس کا فرش موجودہ شرقاً وغرباً یعنی عرض میں بہت کم ہے کہ جو بعض جمعہ کو

نمازیوں کے لئے کافی نہیں ہوتا لہٰذا اس کے فرش بڑھانے کی تدبیر درپیش ہے درصورت بڑھانے فرش کے ایک قبر پختہ جس کا حضیرہ زمین سے قریب بارہ گرہ کے اونچا بنا ہوا ہے بیچ فرش میں پڑ گئی، صاحبِ قبر کے انتقال کو قریب سو سال کے گزری ہوں گی لہٰذا علمائے دین کی خدمت میں التماس ہے کہ اس قبر کو کیا کیا جائے تاکہ نماز میں کچھ حرج نہ ہو، یا فرش کے برابر کردی جائے یا اونچی رہنے دی جائے؟ درصورت بحالتِ موجودہ رکھنے قبر کے، نماز میں کچھ حرج ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مستفسرہ میں قبرِ مسلمان کو برابر کردینا کہ لوگ اس پر چلیں پھریں، اُٹھیں بیٹھیں، نماز پڑھیں، محض حرام ہے۔ پھر اس برابر کرنے سے نماز کا بھی کچھ آرام نہیں بلکہ نقصان ہے کہ قبر پر نماز پڑھنا حرام، اور قبر کی طرف بے حائل نماز پڑھنا بھی مسجدِ صغیر میں مطلقاً حرام اور کبیر میں اتنے فاصلے تک حرام کہ جب نماز خاشعین کی پڑھی اور قیام میں موضعِ سجود پر نظر جمائے تو قبر تک نگاہ پہنچے، اور عام مساجد صغیر ہیں، مسجدِ کبیر ایسی ہے جیسے جامع خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر ہے، اور قبر اس جگہ کا نام ہے جہاں میت دفن ہے، اوپر کا بلند نشان حقیقتِ قبر میں داخل نہیں تو اس کے برابر کردینے سے قبر قبر ہی رہے گی غیرِ قبر نہ ہوجائے گی۔

بلکہ اس کا طریق یہ ہے کہ قبر کو فرش کے برابر کریں اور اگر فرش اُونچا ہوکر آئے گا تو قبر جس قدر نیچی ہو رہنے دیں اور اس کے گِرداگِرد ایک ایک بالشت کے فاصلے سے ایک چار دِیواری اُٹھائیں کہ سطحِ قبر سے پاؤ گز یا زیادہ اُونچی ہو، ان دیواروں پر پتھر ڈال دیں یا لکڑیاں چُن کر پاٹ دیں کہ چھت ہوجائے۔ اب یہ ایک مکان ہوگیا جس کے اندر قبر ہے، اب اس کی چھت پر اور اسی کی دیوار کی طرف ہر طرح نماز جائز ہوگئی کہ یہ نماز قبر پر یا قبر کی طرف نہ رہی بلکہ ایک مکان کی چھت پر یا اس کی دیوار کی جانب ہوئی اور اس میں حرج نہیں۔

اور بہتر یہ ہے کہ ان مختصر دیواروں میں جنوباً شمالاً دیوار جانبِ قبلہ میں بھی باریک جالیاں رکھیں، اس سے دو (۲) فائدے ہوں گے: **اوّلاً:** میت کی قبر تک ہواؤں کا آنا جانا کہ بحکمِ حدیث موجبِ نزولِ رحمت ہے۔ **دوم:** جالیاں دیکھ کر ہر شخص سمجھ لے گا کہ یہ قبر نہیں اور اس پر یا اس کی طرف نماز پڑھنے میں اندیشہ نہ کرے گا ورنہ ناواقف اُسے بھی قبر جان کر احتراز کرے گا اور صحنِ مسجد کے اندر اتنی جگہ تین چار گرہ بلندی رہنے کو جاہل نادانوں کی طرح ناگوار نہ جانیں کہ اس میں میت واَحیا و مسجد و قبر کی بھلائی ہے۔ ص 114

مسجد میں قرآن، حدیث، فقہ کی تعلیم کی شرائط

مسجد میں قرآن، حدیث، فقہ کی تعلیم بشرائط جائز ہے:

(۱) تعلیم دین ہو۔

(۲) معلم سنی صحیح العقیدہ ہو، نہ وہابی وغیرہ بددین کہ وہ تعلیمِ کفر وضلال کریگا۔

(۳) معلم بلا اُجرت تعلیم کرے کہ اُجرت سے کارِ دنیا ہوجائے گی۔

(۴) ناسمجھ بچے نہ ہوں کہ مسجد کی بے ادبی کریں۔

(۵) جماعت پر جگہ تنگ نہ ہو کہ اصل مقصد مسجد جماعت ہے۔

(۶) غل شور سے نمازی کو ایذا نہ پہنچے۔
(۷) معلم خواہ طالب علم کسی کے بیٹھے سے قطعِ صف نہ ہو۔

گرمی کی شدت وغیرہ کے وقت جبکہ اور جگہ نہ ہو بضرورت معلم باجرت کو اجازت ہے مگر نہ مطلقاً، یوں ہی غیرِ نماز کے وقت متعلمانِ علم دین کو تکرارِ علم میں رفعِ صوت کی۔ ابن عیینہ سے ہے کہ میں ان (امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس سے گزرا آپ شاگردوں کے ساتھ مسجد میں تھے لیکن ان کی آواز بلند تھی، میں نے کہا: اے ابوحنیفہ! یہ مسجد ہے اس میں آواز بلند نہیں ہونی چاہئے۔ فرمایا: ان کو چھوڑ دو کیونکہ دینی علوم کو اس آواز کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔ (ت) ص116

*** جب دریاں سپرد کر دیں مِلکِ مسجد ہو گئیں، جب تک ناقابلِ استعمال نہ ہو جائیں واپس نہیں لے سکتا نہ دوسری مسجد میں دے سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص127**

بابُ اِدراکِ الفریضۃ (نمازِ فرض کو پانے کا بیان)

چار رکعت نماز سنت یا نفل کی نیت کر کے شروع کی ابھی دوسری رکعت کی طرف اُٹھا تھا کہ نمازِ فرض کی جماعت کے لئے تکبیر ہو گئی نفل و سنت ادا کرنے والا چار رکعت پوری کرے یا دو پر اکتفاء کر لے؟

الجواب: نفل ادا کرنے والا نمازی ثنا سے تشہد کے آخر تک جو پہلی دو رکعت میں ہے ابھی تیسری رکعت کی طرف اس نے قیام نہیں کیا تھا کہ جماعتِ فرض کھڑی ہو گئی تو ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ انھیں دو رکعات پر اکتفا کرے اور جماعت میں شریک ہو جائے درمختار میں ہے نوافل میں شروع ہونے والا انھیں مطلقاً قطع نہیں کر سکتا بلکہ دو رکعات پوری کرے۔ اور جو دو رکعات باقی تھیں ان کی قضا اس کے ذمہ نہیں کیونکہ نوافل کی ہر دو رکعت الگ نماز ہے جب تک دوسرے شفع کا آغاز نہیں کیا جاتا وہ لازم نہیں ہوگا۔ اور غیرِ مؤکدہ سنن کا حکم بھی یہی ہے مثلاً عصر اور عشاء کی پہلی سنتیں، ان کا درجہ بھی نوافل کا ہے لیکن وہ چار سنن موکدہ جو مثلاً ظہر اور جمعہ سے پہلے ہیں تو ان کا حکم نوافل سے فائق ہوتا ہے اس جگہ علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے اکثر نے ان سنن موکدہ کو نوافل کا درجہ دیا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں سنتوں (قبل از ظہر و جمعہ) کی چار چار رکعت پوری کر لے اگرچہ خطبہ جمعہ یا ظہر کی جماعت کھڑی ہو جائے غرضیکہ یہ مسئلہ اس قبیل سے ہے کہ اس کے دونوں اقوال میں سے جس پر انسان چاہے عمل کرے تو کوئی اعتراض نہیں ہے اور میں خود دوسرے قول کی طرف اپنے آپ کو مائل پاتا ہوں اس کے وجوہ کچھ تو آپ نے سن لئے اور کچھ کو سنیں گے۔ (ت) ص129

بابُ قضاءِ الفوائتِ (فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا بیان)

قضا ہر روز کی نماز کی فقط بیس رکعتوں کی ہوتی ہے دو فرض فجر کے، چار ظہر، چار عصر، تین مغرب، چار عشاء کے تین وتر۔ اور قضا میں یوں نیت کرنی ضرور ہے کہ نیت کی میں نے پہلی فجر جو مجھ سے قضا ہوئی یا پہلی ظہر جو مجھ سے قضا ہوئی، اسی طرح ہمیشہ ہر نماز میں کیا کرے اور جس پر قضا نمازیں بہت کثرت سے ہیں وہ آسانی کے لئے اگر یوں بھی ادا کرے تو جائز ہے کہ ہر رکوع اور ہر سجدہ میں تین تین بار سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلیٰ کی جگہ صرف ایک بار کہے، مگر یہ ہمیشہ ہر طرح کی نماز میں یاد

رکھنا چاہئے کہ جب آدمی رکوع میں پورا پہنچ جائے اس وقت سبحان کا سین شروع کرے اور جب عظیم کا میم ختم کرے اس وقت رکوع سے سر اٹھائے اسی طرح جب سجدوں میں پورا پہنچ لے اس وقت تسبیح شروع کرے اور جب پوری تسبیح ختم کرلے اس وقت سجدہ سے سر اٹھائے۔ بہت سے لوگ جو رکوع سجدہ میں آتے جاتے یہ تسبیح پڑھتے ہیں بہت غلطی کرتے ہیں ایک تخفیف کثرت قضا والوں کی یہ ہوسکتی ہے، **دوسری تخفیف** یہ کہ فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ تین بار کہہ کر رکوع میں چلے جائیں مگر وہی خیال یہاں بھی ضرور ہے کہ سیدھے کھڑے ہو کر سبحان اللہ شروع کریں اور سبحان اللہ پورے کھڑے کھڑے کہہ کر رکوع کے لئے سر جھکائیں، یہ تخفیف فقط فرضوں کی تیسری چوتھی رکعت میں ہے وتروں کی تینوں رکعتوں میں الحمد اور سورت دونوں ضرور پڑھی جائیں، **تیسری تخفیف** پچھلی التحیات کے بعد دونوں درودوں اور دعا کی جگہ صرف اللھم صلی علی محمد و الہ کہہ کر سلام پھیر دیں **چوتھی تخفیف** وتروں کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کی جگہ اللہ اکبر کہہ کر فقط ایک یا تین بار رب اغفر لی کہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ص 157

* **خالی نفلوں کی جگہ بھی قضائے عمری پڑھے۔ص 158**
* **ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ قضا بہ نیتِ ادا اور ادا بہ نیتِ قضا دونوں صحیح ہیں۔ص 161**

قضا نماز کی جماعت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

اگر کسی امرِ عام کی وجہ سے جماعت بھر کی نماز قضا ہوگئی تو جماعت سے پڑھیں، یہی افضل و مسنون ہے اور مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں، اور جہری نمازوں میں امام پر جہر واجب ہے اگرچہ قضا ہو۔ اور اگر بوجہ خاص بعض اشخاص کی نماز جاتی رہی تو گھر میں تنہا پڑھیں کہ معصیت کا اظہار بھی معصیت ہے قضا حتی الامکان جلد ہو، تعیینِ وقت کچھ نہیں ایک وقت میں سب وقتوں کی پڑھ سکتا ہے۔ص 162

ملک پنجاب میں رواج ہے کہ میت کے جنازہ کے وقت حیلہ اِسقاط کرتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں؟

اِسقاط کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اگر میت پر نماز روزہ قضا ہیں اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا جس کے ثلث سے بحالتِ وصیت اس کا فدیہ ادا ہوسکے یا وصیّت نہ کی اور سب ورثا ادائے فدیہ پر راضی نہیں تو پہلی صورت میں اس کے تہائی مال کا حساب لگائیں کہ اس سے کس قدر کا فدیہ ادا ہوسکتا ہے مثلاً فرض کرو کہ چہارم کی قدر ہے تو ثلث مال فقیر کو بہ نیت فدیہ دیں فقیر اس سے لے کر پھر وارث کو ہبہ کردے یہ پھر بہ نیت فدیہ دے فقیر پھر لے کر ہبہ کردے اور ہر بار فقیر و وارث قبضہ کرتے جائیں یہاں تک کہ فدیہ ادا ہوجائے یا مال بالکل نہیں ہے تو وارث مثلاً ڈیڑھ سیر گیہوں یا اس کی قیمت کسی سے قرض لے کر اس کا الٹ پھیر کرلے اگرچہ ہزار بار یا زائد میں فدیہ کی حد تک پہنچے۔ اس کے سوا یہ جو عوام میں رائج ہے کہ سارے فدیہ کے عوض ایک قرآن دے دیا کہ وہ تو بے بہا ہے یوں ادا نہیں ہوتا قرآن مجید بیشک بے بہا ہے مگر جو بے بہا یعنی کلام الٰہی کہ ورقوں میں لکھا ہے وہ مال نہیں، نہ وہ دینے کی چیز ہے تو جو مال ہے یعنی کاغذ اور پٹھے اسی کی قیمت معتبر ہوگی اور جب مقدار فدیہ کو نہ پہنچے گی فدیہ کیونکر ادا ہوگا **وھذا ظاھر جدا** (یہ نہایت ہی واضح ہے۔ت)۔ص 167

بابُ سجود السھو (سجدہ سہو کا بیان)

جمعہ وعید میں سجدہ سہو نہ کرنا کب بہتر ہے؟

علماء نے جمعہ وعیدین میں جبکہ جمعِ عظیم کے ساتھ ادا کئے جائیں بخوف فتنہ سجدہ سہو کا ترک اولیٰ رکھا ہے۔ جہاں جمعہ بھی جماعتِ عظیم سے نہ ہوتا ہو بلا شبہ سجدہ کرے، اگر نہ کیا اِعادہ کرے، اگر وقت نکل گیا ظہر پڑھ لیں۔ص 178

دو رکعت تراویح کی نیت کی قعدہ اولیٰ بھول گیا تین پڑھ کر بیٹھا اور سجدہ کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور ان رکعتوں میں جو قرآن شریف پڑھا اس کا اعادہ ہو یا نہیں؟ اور چار پڑھ لیں تو یہ چاروں تراویح ہوئیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ اُولیٰ میں مذہبِ اَصح پر نماز نہ ہوئی، اور قرآنِ عظیم جس قدر اس میں پڑھا گیا اعادہ کیا جائے، ردالمحتار میں ہے اگر کسی نے تین نوافل ایک قعدہ کے ساتھ ادا کئے تو مغرب کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے ان کو جائز کہنا چاہئے مگر اصح یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ وہ رکعت (آخری) باطل ہو جائے گی جس کے ساتھ قعدہ نہیں کیونکہ ایک نفل مشروع نہیں لہذا پہلے بھی فاسد ہوں گے۔(ت)

اور چار پڑھ لیں اور قعدہ اولیٰ نہ کیا تو مذہب مفتیٰ بہ پر یہ چاروں دو ہی رکعت کے قائم مقام گنی جائیں گی باقی اور پڑھ لے (جیسا کہ ردالمحتار میں نہر الفائق سے زاہدی کے حوالے سے ہے۔ت) اور دونوں قعدے کئے تو قطعاً چاروں رکعتیں ہو گئیں (اب بھی کراہت نہیں جیسے کہ ردالمحتار میں مذکور علت اسی کا فائدہ دیتی ہے البتہ دو رکعات افضل ہیں جیسا کہ واضح ہے۔ت)۔ص 180

ایک شخص نماز فرض یا وتر میں پہلا قعدہ بھول کر کھڑا ہو گیا یا کھڑا ہونے لگا تو اس صورت میں کیا حکم ہے لوٹ آئے یا نہ لوٹے؟ اور اگر کھڑا ہو گیا یا کھڑا ہونے کے قریب تھا اس کے بعد لوٹ آیا تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اگر ہو جائے گی تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر ابھی قعود سے قریب ہے کہ نیچے کا آدھا بدن ہنوز سیدھا نہ ہونے پایا جب تو بالاتفاق لوٹ آئے اور مذہب اصح میں اس پر سجدہ سہو نہیں اور اگر قیام سے قریب ہو گیا یعنی بدن کا نصف زیریں سیدھا اور پیٹھ میں خم باقی ہے تو بھی مذہب اصح وارجح میں پلٹ آنے ہی کا حکم ہے مگر اب اس پر سجدہ سہو واجب، اور اگر سیدھا کھڑا ہو گیا تو پلٹنے کا اَصلاً حکم نہیں بلکہ ختم نماز پر سجدہ سہو کر لے پھر بھی اگر پلٹ آیا بہت برا کیا گناہگار ہوا، یہاں تک کہ حکم ہے کہ فوراً کھڑا ہو جائے، اور امام ایسا کرے تو مقتدی اس کی پیروی نہ کریں کھڑے رہیں یہاں تک کہ وہ پھر قیام میں آئے، مگر مذہب اصح میں نماز یوں بھی نہ جائے گی صرف سجدہ سہو لازم رہے گا۔ص 181

قعدۂ اخیرہ کے بعد گمان ہوا کہ یہ قعدہ اولیٰ تھا کھڑا ہو گیا اور قبل سجدہ کے یاد آ گیا تو اب عود کر کے دوبارہ التحیات پڑھ کر سجدہ سہو میں جائے یا ویسے سجدہ کو چلا جائے؟

الجواب: عود کر کے بیٹھنا چاہئے اور معاً سجدہ سہو میں چلا جائے دوبارہ التحیات نہ پڑھے۔ درمختار میں ہے کہ اگر چوتھی رکعت میں مثلاً تشہد کی مقدار بیٹھ گیا پھر کھڑا ہوا تو لوٹ آئے اور سلام پھیر دے اگر کھڑے کھڑے سلام پھیر دے تب بھی صحیح ہے۔

(ت)۔ص183

(شامی میں ہے:أشار به إلى أن معنى تمام فرضه عدم فساده، وإلا فصلاته ناقصة كما يأتي في قوله لنقصان فرضه بتأخير السلام (یعنی اگر کھڑے کھڑے سلام پھیر دے تو فرض تو ادا ہو جائے گا مگر اس کی نماز ناقص ہوگی۔عمران)

امام بھول کر سجدۂ سہو کر لے تو اس صورت میں نمازِ امام و مقتدین اور بعد سجدۂ سہو کے جو مقتدی ملے ان سب کی نماز کیسی ہوگی؟ اور حقیقت میں سہو نہیں تھا؟

امام و مقتدیانِ سابق کی نماز ہوگئی جو مقتدی اس سجدہ سہو میں جانے کے بعد ملے ان کی نماز نہیں ہوئی کہ جب واقع میں سہو نہ تھا دہنا سلام کہ امام نے پھیرا ختمِ نماز کا موجب ہوا یہ سجدہ بلا سبب لغو تھا تو اس سے تحریمۂ نماز کی طرف عود نہ ہوا اور مقتدیانِ مابعد کو کسی جزء امام میں شرکتِ امام نہ ملی لہذا ان کی نماز نہ ہوئی ولہذا اگر سجدہ سہو میں مسبوق اتباعِ امام کرے بعد کو معلوم ہو کہ یہ سجدہ بے سبب تھا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کہ ظاہر ہوا کہ محلِ انفراد میں اقتدا کیا تھا، ہاں اگر معلوم نہ ہوا تو اس کے لئے حکمِ فساد نہیں کہ وہ حالِ امام کو صلاح و صواب پر حمل کرنا ہی چاہئے۔ص185

مسبوق کو امام کے ساتھ سلام پھیرنا مطلقاً منع ہے

فی الواقع مسبوق سلام سے مطلقاً ممنوع و عاجز ہے جب تک فوت شدہ رکعات ادا نہ کر لے۔امام سجدۂ سہو سے قبل یا بعد سلام پھیرتا ہے اس میں اگر قصداً اس نے شرکت کی تو اس کی نماز جاتی رہے گی کہ یہ سلامِ عمدی اس کے خلالِ نماز میں واقع ہوا، ہاں اگر سہواً پھیرا تو نماز نہ جائے گی۔

بلکہ وہ سلام جو امام نے سجدہ سہو سے پہلے کیا اگر مسبوق نے سہواً امام سے پہلے یا معاً بلا وقفہ اس کے ساتھ پھیرا تو ان صورتوں میں مسبوق پر سہو بھی لازم نہ ہوا کہ وہ ہنوز مقتدی ہے اور مقتدی پر اس کے سہو کے سبب سجدہ لازم نہیں، ہاں یہ سلامِ اخیر اگر امام کے بعد پھیرا تو اس پر سجدہ اگرچہ کر چکا ہو دوبارہ لازم آیا کہ اپنی آخر نماز میں کرے گا اس لئے کہ اب یہ منفرد ہو چکا تھا۔

رہی عبارتِ بحر الرائق کہ بعد بیان اس امر کے کہ مسبوق سجدہ سہو میں امام کی متابعت کرے گا۔فرمایا:ثم المسبوق انما يتابع الامام في السهو لا في السلام فيسجد معه ويتشهد فاذا سلم الامام قام الى القضاء فان سلم فان كان عامدا افسدت والا فلا ولاسجود عليه ان سلم قبل الامام اومعه وان سلم بعده لزمه لكونه منفردا حينئذ پھر مسبوق امام کی سجدہ سہو میں اتباع کرے مگر سلام میں نہیں، پس مسبوق امام کے ساتھ سجدہ کرے تشہد پڑھے، اور امام سلام پھیرے تو یہ گزشتہ نماز کے لئے کھڑا ہو جائے، اور اگر مسبوق سلام پھیرتا ہے تو اگر عمداً کیا تو نماز فاسد ورنہ نہیں، اگر مسبوق نے امام سے پہلے یا اس کے ساتھ سلام سہواً پھیر دیا تو اب اس پر سجدہ سہو نہیں، اور اگر امام کے بعد سلام پھیرا تو اب سجدہ سہو لازم ہوگا کیونکہ اب وہ منفرد ہے(ت)

اس میں تحقیق و قولِ فیصل یہ ہے کہ ان سلم بعده (اگر مسبوق نے امام کے بعد سلام پھیرا۔ت) سے یقیناً سلامِ اخیر مراد ہے جس کے بعد سہو نہیں کہ اس سے پہلا سلام جس کے بعد امام نے سجدہ سہو کیا اگر مسبوق سہواً امام کے بعد بھی پھیرے گا اس پر

سہو لازم نہیں ہوسکتا کہ وہ اب بھی مقتدی ہے تو لکونہ منفرد احینئذ (کیونکہ اب وہ منفرد ہے۔ت) وہاں صادق نہیں اور قولِ بحر لا فی السلام (سلام میں نہیں۔ت) وقولِ شامی قید بالسجود لانہ لا یتابعہ فی السلام (ماتن نے سجدہ کی قید لگائی ہے کیونکہ سلام میں اتباع نہیں کی جائے گی۔ت) میں یا تو نظر با طلاقِ لفظ و عمومِ حکم مطلق سلام مراد ہے خواہ سجدۂ سہو سے پہلے ہو یا بعد یا بقرینۂ مقام سلام قبل سجدہ سہو مراد لیجئے یعنی سجدۂ سہو میں مسبوق بھی اگر چہ متابعتِ امام کرے گا مگر فقط سجدے میں شریک ہوگا و لہذا متابعت میں سجود کی قید لگا دی کہ پیروی اسی پر مقصود ہے سلام میں مسبوق متابعت نہیں کرسکتا۔ص 187

چار رکعت نماز میں درمیانی قعدے میں تشہد کے بعد اللھم صل کہاں تک پڑھے تو سجدہ سہو واجب ہوجائے گا؟

الجواب: اللھم صل علی محمد وبہ یُفتی (اللھم صل علی محمد اور اس پر ہی فتوٰی ہے۔ت) ص 192

ایک شخص نماز فرض پڑھتا ہے اور اس نے سہواً پچھلی دو رکعت میں بھی بعد الحمد کے ایک ایک سورت پڑھی بعدہ سلام پھیرا اب اس کی نماز فرض ہوئی یا سنت؟

الجواب: فرض ہوئی اور نماز میں کچھ خلل نہ آیا، نہ اس پر سجدہ سہو تھا بلکہ اگر قصداً بھی فرض کی پچھلی رکعتوں میں سورت ملائی تو کچھ مضائقہ نہیں صرف خلافِ اَولیٰ ہے، بلکہ بعض ائمہ نے اس کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی۔ فقیر کے نزدیک ظاہراً یہ استحباب تنہا پڑھنے والے کے حق میں ہے امام کے لئے ضرور مکروہ ہے بلکہ مقتدیوں پر گراں گذرے تو حرام۔ص 192

سجدہ سہو ایک سلام بعد کرنا چاہئے یا دونوں طرف سلام پھیر کے؟

ایک سلام کے بعد چاہئے، دوسرا سلام پھیرنا منع ہے، یہاں تک کہ اگر دونوں قصداً پھیر دے گا سجدہ سہو نہ ہوسکے گا اور نماز پھیرنا واجب رہے گا۔ص 196

جو سورت ملانا بھول گیا اگر اسے رکوع میں یاد آیا تو؟

جو سورت ملانا بھول گیا اگر اسے رکوع میں یاد آیا تو فوراً کھڑے ہو کر سورت پڑھے پھر رکوع دوبارہ کرے پھر نماز تمام کرے اور اگر رکوع کے بعد سجدہ میں یاد آیا تو صرف اٰخیر میں سجدہ سہو کرلے نماز ہوجائے گی اور پھیرنی نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص 196

نماز میں فرض ابتدائی اگر چہ ایک ہی آیت ہے مگر سارا قرآنِ عظیم اگر ایک رکعت میں پڑھے سب فرض ہی واقع ہوتا ہے لانہ فرد { فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ } (کیونکہ یہ بھی (ارشادِ باری تعالٰی) جو قرآن میں سے آسان ہے پڑھو کا فرد ہے۔ت) ولہذا اگر سُورت بھول کر رکوع میں چلا جائے پھر رکوع میں یاد آئے تو حکم ہے کہ رکوع کو چھوڑے اور کھڑا ہو کر سُورت پڑھے اور پھر رکوع کرے حالانکہ ضمِ سورت صرف واجب تھا اور واجب کے لیے رفضِ فرض جائز نہیں جیسے قعدہ اُولیٰ بُھول کر جو سیدھا کھڑا ہوجائے اب اُسے عود حلال نہیں کہ قعدہ واجب تھا اور قیام فرض ہے مگر سورت جو پڑھے گا یہ بھی فرض واقع ہوگی تو فرض

کے لیے رفضِ فرض ہوا، ولہذا اگر کھڑا ہو کر سُورت پڑھے اور اس خیال سے کہ رکوع تو پہلے کر چکا ہُوں دوبارہ رکوع نہ کرے نماز باطل ہوجائے گی کہ فرض کے لیے جو فرض چھوڑا گیا وُہ جاتا رہا تھا اس پر فرض تھا کہ رکوع دوبارہ کرتا۔ جلد 10، ص 598

اگر امام پر سہو واجب ہو تو امام کے ساتھ لاحق کو سجدہ کرنا چاہئے یا نہیں اور جو نمازی اس سجدہ سہو کے بعد امام کے ساتھ شریک ہو اس کی نماز کی بِنا صحیح ہے یا نہیں؟

امام کے سہو سے لاحق پر بھی سجدہ سہو واجب ہوتا ہے مگر امام کے ساتھ نہ کرے بلکہ نماز پوری کر کے، ہاں اگر سلامِ امام سے پہلے فوت شدہ نماز پوری کر کے پھر شامل ہو گیا کہ امام کے ساتھ سلام پھیرا تو امام کے ساتھ ہی سجدہ سہو کرے ورنہ بعدِ اتمام۔ اگر قبل اتمام کے سجدہ سہو کر لے گا نماز تو نہ جائے گی مگر یہ سجدہ بیکار جائے گا اور خلافِ حکم کا مرتکب ہو گا اور بعدِ اِتمام پھر سجدہ سہو کرنا ہو گا، جو مصلی سجدہ سہو کے بعد قعدہ میں شریکِ امام ہوئے شریکِ جماعت ہو گئے ان کی بنا صحیح ہے باتفاقِ ائمہ۔ ص 211

وتر میں دعائے قنوت سے پہلے رکوع کیا تو؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتر میں قبل دعائے قنوت کے سہواً رکوع کیا اور دو ایک تسبیح بھی پڑھ چکا اب خیال ہوا کھڑے ہو کر قنوت پڑھی تو اس صورت میں سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: تسبیح پڑھ چکا ہو یا ابھی کچھ نہ پڑھنے پایا اسے قنوت پڑھنے کے لئے رکوع چھوڑنے کی اجازت نہیں اگر قنوت کے لئے قیام کی طرف عود کیا گناہ کیا پھر قنوت پڑھے یا نہ پڑھے اس پر سجدہ سہو ہے۔ درمختار میں ہے: اگر نمازی قنوت پڑھنا بھول گیا پھر اسے رکوع میں یاد آیا وہ اب قنوت نہ پڑھے کیونکہ اپنے محل سے فوت ہو گئی ہے اور نہ اب قیام کی طرف لوٹے، اگر لوٹ کر قنوت پڑھی اور رکوع دوبارہ نہ کیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی وہ سجدہ سہو کرے خواہ اس نے قنوت پڑھی یا نہ پڑھی کیونکہ قنوت اپنے مقام سے ہٹ گئی اھ (تلخیصاً)

اقول: "قولہ اور اس نے رکوع دوبارہ نہ کیا" یعنی اس نے قنوت کی خاطر لوٹنے میں رکوع ترک نہ کیا ہو، یہ معنی نہیں کہ اگر اس نے رکوع لوٹا لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ رکعت سے کم کا اضافہ فاسد نہیں کرتا، ہاں اب سجدہ سہو کافی نہیں کیونکہ اس نے عمداً سجدہ کو رکوع کی وجہ سے مؤخر کیا، پس اب اس نماز کا اعادہ لازم ہے خواہ اس نے سجدہ سہو کیا یا نہ کیا۔ (ت) ص 212

وتروں میں رکعتِ ثالث میں امام بجائے قنوت پڑھنے کے تکبیر قنوت کہہ کر رکوع کو چلا گیا اور مقتدیان کی تکبیر کہنے سے واپس ہو کر قنوت پڑھا اور پھر دوبارہ رکوع کیا اور سجدہ سہو کیا نماز ادا ہو گئی یا وتر فاسد ہوئے رکوع میں پورا جھک گیا تھا جب قنوت کی طرف رجوع کی؟

الجواب: جو شخص قنوت بھول کر رکوع میں چلا جائے اسے جائز نہیں کہ پھر قنوت کی طرف پلٹے بلکہ حکم ہے کہ نماز ختم کر کے اخیر میں سجدہ سہو کر لے پھر اگر کسی نے اس حکم کا خلاف کیا تو بعض ائمہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اصح یہ ہے کہ برا کیا گنہگار رہا مگر نماز نہ جائے گی۔

بہر حال اس عود کو جائز کوئی نہیں بتاتا تو جن مقتدیوں نے اسے اس عود ناجائز کی طرف بلانے کے لئے تکبیر کہی ان کی نماز

فاسد ہوئی امام ان کے کہنے کی بنا پر نہ لوٹتا نہ ان کے بتائے سے اسے یاد آتا بلکہ اسے خود ہی یاد آتا اور لوٹتا اگر چہ اس کا یاد کرنا اور ان کا تکبیر کہنا برابر واقع ہوتا تو اس صورت میں مذہبِ اصح پر امام اور باقی مقتدیوں کی نماز ہو جاتی یعنی واجب اتر جاتا اگر چہ اس کراہت تحریم کے باعث اعادہ واجب ہوتا اب کہ وہ ان مقتدیوں کے بتانے سے پلٹا اور یہ نماز سے خارج تھے تو خود اس کی بھی نماز جاتی رہی اور اس کے سبب سب کی گئی (کیونکہ اس نے ان کی بات مانی یا اسے ان کی تکبیر سے یاد دہانی ہوئی اور وہ اپنی رائے سے لوٹا تو اب اس نے نماز سے خارج آدمی سے سیکھا یا جانا ہے۔ جیسا کہ بحر میں اس کا افادہ کیا۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص219

امام کی نیت چار فرضوں کی تھی دو رکعت اولیٰ ختم کر چکا تھا بیچ میں التحیات بھول گیا اور اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو گیا، بعد کو مقتدی نے بتایا وہ بیٹھ گیا التحیات پڑھی اور آخر میں سجدہ سہو کیا، آیا مقتدی کی امام کی نماز ہوئی یا نہیں؟

اگر امام ابھی پورا سیدھا کھڑا نہ ہونے پایا تھا کہ مقتدی نے بتایا اور وہ بیٹھ گیا تو سب کی نماز ہو گئی اور سجدہ سہو کی حاجت نہ تھی اور اگر امام پورا کھڑا ہو گیا تھا اس کے بعد مقتدی نے بتایا تو مقتدی کی نماز اسی وقت جاتی رہی اور جب اس کے کہنے سے امام لوٹا تو اس کی بھی گئی اور سب کی گئی۔ اور اگر مقتدی نے اس وقت بتایا تھا کہ امام ابھی پورا سیدھا نہ کھڑا ہوا تھا کہ اتنے میں پورا سیدھا ہو گیا اس کے بعد لوٹا تو مذہب اصح میں نماز ہو تو سب کی گئی مگر مخالف حکم کے سبب مکروہ ہوئی کہ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد قعدہ اولیٰ کے لئے لوٹنا جائز نہیں، نماز کا اعادہ کریں خصوصاً ایک مذہب قوی پر نماز ہوئی ہی نہیں، تو اعادہ فرض ہے۔ ص213

جو شخص فرض یا وتر میں پہلا قعدہ بھول کر کھڑا ہونے لگے اگر وہ سیدھا کھڑا نہیں ہوا تو واپس لوٹ آئے اب اگر وہ قعود کے قریب تھا تو سجدہ سہو لازم نہ ہوگا اور اگر قیام کے قریب تھا تو سجدہ سہو لازم ہوگا کہ جب تک انسان کا نیچے والا حصہ سیدھا نہ ہو وہ بیٹھنے کے قریب ہوتا ہے اور اگر نیچے والا نصف حصہ سیدھا ہو جائے خواہ ابھی پشت ٹیڑھی ہو وہ کھڑا ہونے کے قریب ہوگا، اگر سیدھا کھڑا ہو گیا تو اب بیٹھنا جائز نہیں، اب اگر پہلے قعدے کی طرف لوٹ آتا ہے تو گنہگار رہوگا، اور راجح یہ ہے کہ اس کی نماز ختم نہ ہوئی اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا۔ ص220

باب سجود التلاوۃ (سجدہ تلاوت کا بیان)

سجدہ تلاوت کس قدر قرأت سے ہوتا ہے؟

اکثر کتبِ نظم و نثر میں آیاتِ سجدہ لکھی ہوتی ہے ان کا کیا حکم ہے آیا سجدہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ جیسے

راہِ حق میں کر دیا سجدہ میں قربان اپنا سر
ایسی {وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ} کی کس نے کی تفسیر ہے

الجواب: وجوبِ سجدہ تلاوت، تلاوتِ کلمات معینہ قرآن مجید سے منوط ہے۔ وہ کلمات جب تلاوت کئے جائیں گے سجدہ تالی وسامع پر واجب ہوگا کسی نظم یا نثر کے ضمن میں آنے سے غایت یہ ہے کہ اول وآخر کچھ غیر عبارت مذکور ہوئی جسے ایجابِ سجدہ میں دخل نہ تھا، نہ یہ کہ حکمِ سجدہ کی رافع و مزیل ہوا اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوا جس طرح (صرف) اسی قدر کلمات تلاوت کریں اور اول وآخر کچھ نہ کہیں سجدہ تلاوت واجب ہوگا، ایسے ہی یہاں بھی کہ جس عبارت کا عدم و وجود یکساں ہے وہ نظر سے ساقط اور حکمِ سکوت میں

ہے **وھذا ظاھر جدا** (اور یہ نہایت واضح ہے۔ت) ہاں قابلِ غور یہ بات ہے کہ سجدہ تلاوت کس قدر قرأت سے ہوتا ہے اصل مذہب وظاہر الروایہ میں ہے کہ ساری آیت بتمامہا اس کا سبب ہے یہاں تک کہ اگر ایک حرف باقی رہ جائے گا سجدہ نہ آئے گا مثلاً اگر (سورۂ) حج میں {اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللہَ سے اِنَّ اللہَ یَفْعَلُ مَا} تک پڑھ گیا سجدہ نہ ہوا جب تک {یَشَآءُ} بھی نہ پڑھے، اور یہی مذہب آثارِ صحابہ عظام وتابعین کرام سے مستفاد۔ص223

ہاں بعض علمائے متاخرین کا یہ مذہب ہے کہ آیت سجدہ سے صرف دو کلمے پڑھنا موجبِ سجدہ ہے جن میں ایک وہ لفظ جس میں ذکرِ سجود ہے جیسے آیتِ سوال میں لفظ {وَاسْجُدْ} اور دوسرا اُس کے قبل یا بعد کا جیسے اُس میں {وَاقْتَرِبْ} ہے یہ مذہب اگرچہ ظاہر الروایہ بلکہ روایاتِ نوادر سے بھی جُدا، اور مسلکِ ائمہ سلف وتصریح وتلویح متون وشروح کے بالکل خلاف ہے مگر سراج وہاج وجوہرہ نیرہ ومراقی الفلاح میں اس کی تصحیح واقع ہوئی،

بالجملہ اصل مذہب معلوم ہے تاہم محل وہ ہے کہ سجود میں ضرر نہیں اور بر تقدیرِ وجوب ترک معیوب اور صریح تصحیح جاذبِ قلوب، لہٰذا انسب یہی ہے کہ اسی مذہبِ مصحح پر کاربند ہو کر شعر مذکور کی سماعت وقرائت پر سجدہ کرلیں اسی طرح ہر نظم ونثر میں جہاں آیتِ سجدہ سے صرف سجدہ مع کلمہ مقارنہ پڑھا جائے سجدہ بجالائیں۔ص229

سجدۂ تلاوت وقتِ تلاوت فوراً ادا کرے یا جس وقت چاہے؟

سجدۂ صلوتیہ جس کا ادا کرنا نماز میں واجب ہو اس کا وجوب علی الفور ہے، یہاں تک کہ دو تین آیت سے زیادہ تاخیر گناہ ہے اور غیر صلوتیہ میں بھی افضل واسلم یہی ہے کہ فوراً ادا کرے جبکہ کوئی عذر نہ ہو کہ اٹھار کھنے میں بھول پڑتی ہے **وفی التاخیر اٰفات** (دیر کرنے میں آفات ہیں۔ت) ولہذا علماء نے اس کی تاخیر کو مکروہِ تنزیہی فرمایا مگر ناجائز نہیں۔ص233

امام اگر رکوع میں نیت کرے تو مقتدی کا سجدۂ تلاوت ادا ہوگا؟

فی الواقع اگر صورتِ مستفسرہ میں امام نے فوراً رکوع کیا اور رکوع میں نیت سجدۂ تلاوت کر لی تو اس کا سجدہ تو ادا ہو گیا مگر جن مقتدیوں نے نیت نہ کی ان کا سجدہ ایک مذہبِ علماء پر ادا نہ ہوگا۔نہ وہ آپ جُداگانہ سجدہ کرسکیں گے **للزوم خلاف الامام** (کیونکہ اس میں امام کی مخالفت لازم آرہی ہے۔ت) نہ سجدۂ نماز انھیں سجدۂ تلاوت سے کافی ہوگا اگرچہ وہ اس میں سجدۂ تلاوت کی نیت بھی کرلیں (کیونکہ جب امام نے اس کی ادائیگی کی رکوع میں نیت کی تو وہی اس کے لئے متعین ہو گیا (ت) بلکہ اس کی سبیل یہ ہوگی کہ بعد سلامِ امام سجدۂ تلاوت کریں پھر یہ سجدہ رافع ہوگا (جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت شدہ ہے۔ت) تو فرض ہوگا کہ قعدہ کا اعادہ کریں نہ کریں گے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔جب یہ دقتیں ہیں تو ایسی حالت خصوصاً اس زمانۂ جہالت میں رکوعِ نماز میں سجدۂ تلاوت ادا کرلینا مقتدیوں کو فتنے میں ڈالنا ہے لہٰذا امام کو اس سے بچنا چاہئے۔ص234

ان سب سے بہتر وخوش تر اور ہر خدشہ سے سالم ومحفوظ تر یہ ہے صورتِ مستفسرہ میں کہ تلاوت کے لئے مستقل سجدہ اصلاً نہ کرے بلکہ آیتِ سجدہ پڑھتے ہی معاً نماز کا رکوع بجالائے اور اس میں نیتِ سجدہ نہ کرے پھر قومہ کے بعد فوراً نماز کے سجدۂ اولیٰ میں جائے اور اس میں نیتِ سجدہ کرے اب نہ کوئی قباحت یا کراہت یا تفویتِ فضیلت لازم ہوئی نہ مقتدیوں پر کچھ دقت آئی

اگرچہ انھوں نے کہیں نیت سجدۂ تلاوت کی نہ کی ہو کہ سجدۂ نماز جب فی الفور کیا جائے تو اس سے سجدۂ تلاوت خود بخود ادا ہو جاتا ہے اگرچہ نیت نہ ہو۔

اور یہیں سے ظاہر کہ اس محمود ومحفوظ صورت میں اگر خود امام بھی اَصلاً نیتِ سجدۂ تلاوت نہ کرے تاہم سب کا سجدہ ادا ہو جائے گا اور امام ومقتدی ہر دِقّت سے اَمان میں رہیں گے بلکہ ہمارے علماء بحالتِ کثرتِ جماعت یا اخفائے قرأت اسی طریقہ کو مطلقاً افضل ٹھہراتے ہیں کہ آیتِ سجدہ پڑھ کر فوراً نماز کے رکوع وسجود کرلے تاکہ تلاوت کے لئے جدا سجدے کی حاجت نہ پڑھے جس کے باعث جہال کو اکثر التباس ہو جاتا ہے۔ص235

(سوال منظوم)

عالمانِ شرح سے ہے اس طرح میرا سوال
دیں جواب اس کا برائے حق مجھے وہ خوشخصال
گر کسی نے ترجمہ سجدہ آیت کی پڑھا
تب بھی سجدہ کرنا کیا اُس شخص پر واجب ہوا
او ر ہوں سجدے تلاوت کے ادا کرنے جسے
پھر ادا کرنے سے ان سجدوں کے پہلے وہ مرے
پس سبکدوشی کی اس کے شکل کیا ہوگی جناب !
چاہئے ہے آپ کو دینا جواب باصواب

الجواب منظوم

ترجمہ بھی اصل یہاں ہے وجہِ سجدہ بالیقین
فرق یہ ہے فہمِ معنی اس میں شرط اُس میں نہیں
آیتِ سجدہ سنی جاناکہ ہے سجدہ کی جا
اب زباں سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہوگیا
ترجمہ میں اس زباں کا جاننا بھی چاہئے
نظم ومعنی دوہیں ان میں ایک تو باقی رہے
تاکہ من وجہِ تو صادق ہو سنا قرآن کو
ورنہ اک موجِ ہوا تھی چھو گئی جو کان کو
ہے یہی مذہب بہ یفتٰی علیہ الاعتماد
شامی از فیض ونہر واللہ اعلم بالرشاد
سجدہ کا فدیہ نہیں اشباہ میں تصریح کی
صیرفیہ میں اسی انکار کی تصحیح کی
کہتے ہیں واجب نہیں اس پر وصیت وقتِ موت
فدیہ گر ہوتا تو کیوں واجب نہ ہوتا جبر فوت
یعنی اس کا شرع میں کوئی بدل ٹھہرا نہیں
جُز ادایا توبہ وقتِ عجز کچھ چارہ نہیں
یہ نہیں معنی کہ جائز ہے یا بیکار ہے
آخر اِک نیکی ہے نیکی ماحی اَوزار ہے
قُلتُه اَخذًا مِنَ التَّعْلَيْلِ فِیْ اَمْرِ الصَّلٰوة
وَهُوَ بَحْثٌ ظَاهِرٌ وَالْعِلْمُ حَقاً لِلْاِلٰه ص238

باب صلٰوۃ المسافر (مسافر کی نماز کا بیان)

سرکاری ملازمت میں کسی مقام کا دورہ کرنے والا مسافر ہے؟

دَورہ غالباً جس طور پر ہوتا ہے کہ آٹھ آٹھ دس دس کُوس نیت سے چلتے اور ایک جگہ پہنچ کر پھر دوسرے کو روانہ ہوتے ہیں یہ

حالت حالتِ سفر نہیں اگرچہ اس میں سوکوس کا فاصلہ ہوجائے، یونہی اگر اُس موضعِ بعید سے واپسی بھی اسی طریق دَورہ ہو کہ یکے بعد دیگرے قریب قریب مقامات کے قصد سے چلتے ہوئے محل اقامت کے نزدیک آکر پلٹ آئیں تو اس رجوع میں بھی قصر نہیں، ہاں اگر جانے خواہ آنے کسی محلِ اقامت بالخصوص ایسی جگہ کے عزم پر چلیں جو وہاں سے مدّتِ سفر پر ہوتو سفر متحقق اور قصر واجب ہوگا اسی طرح اگر دورہ کسی ایسے مقام پر ختم ہوا جہاں سے محلِ اقامت تین منزل ہے اب بخطِ مستقیم وہاں کو پلٹے تو بھی وہاں سے یہاں تک حالتِ سفر ہے۔ص 241

تحقیق مقام یہ ہے کہ تحقیقِ سفرِ شرعی کے لئے نہ مجرد سیرِ بے قصد کافی نہ تنہا قصد بے سیر بلکہ دونوں کا اجتماع ضرور اور قصد سے مراد فی الحال مستتبع فعل مقارِن سیر ہے جسے عزم کہتے ہیں نہ قصد فی الاستقبال کہ بالاجماع کافی نہیں، مثلاً وہ شخص جو کسی قریبی قریہ کے ارادے سے نکلا اور اس کی نیت یہ تھی کہ اس قریہ کے بعد وہ کسی بعید شہر کا سفر کرے گا تو اب وہ اس نکلنے میں قطعاً مسافر نہ ہوگا۔ (ت) ص 243

جب دونہایاتِ مختلفہ مقصود بالذات ہوں تو قصد مقارن خاص حصہ اُولیٰ ہے اور ثانیہ کے لئے وہی مآل واستقبال کا خیال۔ص 246

آدمی اگر کسی مقامِ اقامت سے خاص ایسی جگہ کے قصد پر چلے جو وہاں سے تین منزل ہو تو اس کے مسافر ہونے میں کلام نہیں اگرچہ راہ میں ضمنی طور پر اور موضع میں بھی دو ایک روز ٹھہرنے کی نیت رکھے، مگر غالباً دورہ کی یہ حالت نہیں ہوتی اس میں بالخصوص مقصود اصلی وہ موضعِ بعید ہی نہیں ہوتا نہ خاص اس کے قصد پر چلتا بلکہ سب مواضع میں گشت کا ارادہ اور ہر موضع مقصود بالذات ہوتا ہے تو اگرچہ باعثِ سیر لحاظِ جمیع ہے مگر ہر مقصود اپنی سیر خاص جزئی پر محدود موضعِ قریب کو جاتے ہوئے قصدِ مقارن اسی کے لئے ہے اور قصد بعید صرف بمعنی خیال وارادۂ مآل، تو جب کسی موضع سے دوسرے تک مسیرتِ سفر نہیں اصلاً کوئی سیر بقصد مسیرتِ سفر متحقق نہ ہوئی ہاں وہ چند قصدوں سے چند سیریں ہیں جن کا مجموعہ مسیرتِ سفر سے زائد سہی۔

تنبیہ یہاں سے سیاحین وواعظین کا حکم بھی واضح ہوگیا جنھیں کوئی مقام محلِ اقامت سے مدتِ سفر پر خاص مقصود بالذات نہیں بلکہ شہر بشہر قریہ بہ قریہ چند چند کوس کے فاصلوں پر گشت کرنا سیر دیکھنا یا ہر جگہ وعظ وغیرہ کے ذریعہ سے کمانا مقصود ہے جب تک کسی محل اقامت سے مسیرت سفر کا قصد اولیٰ نہ ہو مسافر نہ ہوں گے اگرچہ سارے ملک میں پھر آئیں جس طرح سیاح کی نسبت خود فتح القدیر میں مصرعاً ارشاد ہوا یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور لوگ اس سے غافل، منزل ہمارے بلاد میں تقریباً بارہ کوس کی ہے یہی قول مفتی بہ کے قریب تر ہے۔ص 247 تا 250

میں آج کل الہ آباد میں ہوں تو الہ آباد میرے واسطے سفر خیال کیا جائے گا یا نہیں، لیکن جنٹ صاحب کی کوٹھی میں رہتا ہوں اور الہ آباد ایک ہفتہ سے زیادہ رہنا نہیں ہوتا لیکن پھر اسی روز واپس آنا پڑتا ہے، الہ آباد میں نماز سفر کی پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور الہ آباد سے کرنا ایک مقام ہے جو قریب دس میل کے ہے وہاں پر بھی سفر کی نماز پڑھی جائے گی یا نہیں؟ وہ الہ آباد ہی کے ضلع میں ہے جواب جلد مرحمت فرمائیے؟

الجواب: الہ آباد تمھارا وطنِ اصلی نہیں، نہ جنٹ صاحب کی کوٹھی میں ٹھہرنا اسے کسی طرح کا وطن کردے گا جبکہ جنٹ خود آج کل وہاں نہیں بلکہ پندرہ دن قیام کی نیت دیکھی جائے گی اگر اس سے کم مدت قیام کی نیت ہے یا مقدارِ قیام کچھ معلوم نہیں کسی کام کے لئے

گئے ہو اس کے ہو جانے کا انتظار ہے آج ہو جائے تو آج چلے جاؤ، بیس دن بعد ہو بیس دن بعد، تو اس صورت میں الہ آباد کا رہنا تمھارے لئے سفر ہی سمجھا جائے گا نماز سفر کی پڑھو اگر چہ انتظار انتظار میں مہینے گزر جائیں، یونہی اطراف میں جہاں چاہو چار رکعت کی دو ہی پڑھو جب تک کسی خاص جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت الہ آباد میں کر لی ہے تو اب الہ آباد وطنِ اقامت ہو گیا نماز پوری پڑھی جائے گی جب تک وہاں سے تین منزل کے ارادہ پر نہ جاؤ اگر چہ ہر ہفتہ پر بلکہ ہر روز الہ آباد سے کہیں تھوڑی دُور یعنی چھتیس ۳۶ کوس سے کم باہر جانا اور دن کے دن واپس آنا ہو جبکہ نیت کرتے وقت اس پندرہ دن میں کسی رات دوسری جگہ شب باشی کا ارادہ نہ ہو ورنہ وہ نیت پورے پندرہ دن کی نہ ہوگی مثلاً الہ آباد میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کی اور ساتھ ہی یہ معلوم تھا کہ ان میں ایک شب دوسری جگہ ٹھہرنا ہوگا تو یہ پورے پندرہ دن کی نیت نہ ہوئی اور سفر ہی رہا اگر چہ دوسری جگہ الہ آباد کے ضلع میں بلکہ اس سے تین چار ہی کوس کے فاصلہ پر ہو، اور اگر پندرہ راتوں کی نیت پوری یہیں ٹھہرنے کی تھی اگر چہ دن میں کہیں اور جانے اور واپس آنے کا خیال تھا تو اقامت صحیح ہو گئی نماز پوری پڑھی جائے گی جبکہ وہ دوسری جگہ الہ آباد سے چھتیس ۳۶ کوس یعنی ستاون ۵۷ اٹھاون ۵۸ میل کے فاصلے پر نہ ہو **غرض قیام کی نیت کرتے وقت ان خیالوں کا اعتبار ہے بعد کو جو پیش آئے اُس کا لحاظ نہیں مثلاً پندرہ رات پورے کا قیام ٹھہرالیا اور اس کے بعد اتفاقاً چند راتوں کے لئے اور جگہ جانا ہوا جو الہ آباد سے تین منزل کے فاصلہ پر نہیں اگر چہ دس بیس بلکہ چھپن میل تک ہو سفر نہ ہوگا اس مقامِ دیگر میں بھی نماز پوری پڑھنی ہوگی** اور الہ آباد میں بھی ان سب صورتوں کو خوب غور سے سمجھ لو۔ص 251

زید اپنے وطن سے ستر یا اسی کوس کے فاصلے پر کسی شہر میں ملازم ہے وہاں سے سال دو (۲) سال کے بعد آٹھ دس روز کے واسطے اپنے مکان پر آیا اور پھر چلا گیا اس آمد و رفت میں اس کو نماز قصر پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: جب وہاں سے بقصدِ وطن چلے اور وہاں کی آبادی سے باہر نکل آئے اس وقت سے جب تک اپنے شہر کی آبادی میں داخل نہ ہو قصر کرے گا جب اپنے وطن کی آبادی میں آ گیا قصر جاتا رہا، جب تک یہاں رہے گا اگر چہ ایک ہی ساعت، قصر نہ کر سکے گا کہ وطن میں کچھ پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت ضرور نہیں، پھر جب وطن سے اُس شہر کے قصد پر چلا اور وطن کی آبادی سے باہر نکل گیا اس وقت سے قصر واجب ہو گیا راستے بھر تو قصر کرے گا ہی اور اگر اُس شہر میں پہنچ کر اس بار پندرہ روز یا زیادہ قیام کا ارادہ نہیں بلکہ پندرہ دن سے کم میں واپس آنے یا وہاں سے اور کہیں جانے کا قصد ہے تو وہاں جب تک ٹھہرے گا اس قیام میں بھی قصر ہی کرے گا اور اگر وہاں اقامت کا ارادہ ہے تو صرف راستہ بھر قصر کرے جب اس شہر کی آبادی میں داخل ہوگا قصر جاتا رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ص258

ایک شخص جنگل یا اسٹیشن پر جو جنگل میں واقع ہو ملازم ہے اور اس کو آقا جب بھیجتے ہیں تو کم از کم ایک ماہ کے ارادہ سے بھیجتے ہیں تو اس ملازم پر نماز قصر ہے یا پوری؟

جبکہ وہاں نہ آبادی ہے نہ جائے قیام ہے تو اگر یہ وہاں مسافر ہو کر پہنچا یعنی تین منزل سے ارادہ کر کے بیچ میں بغیر سفر توڑے وہاں پہنچا تو جب تک وہاں رہے گا قصر کرے گا اگر چہ کتنی ہی مدت گزر رہے اور اگر وہاں مقیم ہو کر پہنچا یعنی تین دن کی راہ

سے کم فاصلہ وہاں تک تھا یا زیادہ تھا مگر بیچ میں دوسری جگہ ٹھہرتا ہوا آیا کہ پچھلے قصد سے یہاں تک مدت سفر نہ تھی تو جب تک رہے گا پوری پڑھے گا اگرچہ ایک ہی دن رہے قیام کا اصلاً قصد نہ ہو، **واللہ تعالیٰ اعلم**۔

یہاں چند امور پر اطلاع لازم جن سے بعونہ تعالیٰ انکشافِ حکم ہو:

اول: اسٹیشن اگرچہ آبادی سے کچھ فاصلے پر ہو وہاں عمارت ہوتی ہے سامانِ اقامت مہیا ہوتا ہے، ہاں اگر آبادی سے کوسوں دوری ہے جنگل میں متعین ہوں جیسے بَن (جنگل) کی لکڑی لینے والے، تو وہ محلِ اقامت نہیں اگرچہ خیمے ڈیرے ساتھ ہوں مگر ان کے لئے جن کی طرزِ معیشت ہی یہ ہو، جیسے سانسیے۔

دوم: نرے جنگل میں کہ نیتِ اقامت صحیح نہیں، مدتِ سفر چل لینے کے بعد ہے کہ تین منزل قطع کرچکا ہو، اب کسی جنگل میں ۱۵ دن یا زائد قیام کی نیت کرے تو مسافر ہی رہے گا لیکن مدتِ سفر پوری ہونے سے پہلے جنگل میں بھی نیتِ اقامت صحیح ہے، مثلاً تین منزل کے ارادے پر چلا تھا ایک یا دو منزل چل کر نیتِ سفر قطع کی اور وہاں اقامت کی نیت کرلی مسافر نہ رہا نماز پوری پڑھے گا اگرچہ بَن میں ہو۔

سوم: نوکر کی اپنی نیت معتبر نہ ہوتا بلکہ نیتِ آقا کا تابع ہونا اُس حالت میں ہے کہ آقا کے ساتھ ہو ورنہ خود اس کی نیت معتبر ہے۔

چہارم: مجرد احتمال کہ شاید آج چلا جانا ہو منافیِ اقامت نہیں (ورنہ) اپنے وطن کے سوا آدمی کبھی کہیں مقیم نہ ہوا گرچہ سال بھر اقامت کی نیت کرے کہ کیا معلوم شاید آج ہی کوئی ضرورت سفر کی پیش آئے بلکہ اس کے لئے غالب گمان درکار ہے یقین کی حاجت نہیں کہ بے اعلامِ نبی غیب پر یقین کی کوئی صورت نہیں۔

پنجم: نیت سچے عزمِ قلب کا نام ہے، پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرلے، اور جانتا ہے کہ اس سے پہلے چلے جانا ہے تو یہ نیت نہ ہوئی محض تخیل ہوا، یوں ہی دل میں عزم دو ہی منزل کا ہے اور گھر سے تین منزل کا ارادہ کرلیا کہ آبادی سے نکل کر راہ میں قصر کی اجازت مل جائے ہرگز اجازت نہ ہوگی کہ یہ نیت نہیں وہی خیال بندی ہے، البتہ اگر دو ہی منزل پر جاتا ہے اور سچّا ارادہ تین منزل کا کرلیا اور تین منزل جا کر ایک منزل اپنے محلِ مقصود کو واپس آیا اور یہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنا ہے تو جاتے اور آتے اور ٹھہرتے قصر کرے گا کہ یہ سچی نیت ہوئی اگرچہ وہاں جانے سے کوئی کام نہ تھا۔

ششم: وطنِ اقامت یعنی جہاں پندرہ دن یا زیادہ قیام کی نیتِ صحیحہ کرلی ہو آدمی کو مقیم کردیتا ہے اور اقامت وسفر میں واسطہ نہیں تو وہاں سے بے ارادۂ مدتِ سفر اگر ہزار کوس دورہ کرے مثلاً دس کوس کے ارادے پر وہاں سے چلے پھر وہاں سے پندرہ کوس کا ارادہ کرے وہاں سے بیس کوس کا قصد ہو مسافر نہ ہوگا اور قصر نہ کرسکے گا جیسے وطنِ اصلی سے یوں دورہ کرنے میں حکم ہے یہاں تک کہ اگر مثلاً وطنِ اقامت سے بیس کوس گیا اور وہاں سے چھبیس کوس کا ارادہ کرکے چلا اور بیچ میں وطنِ اقامت آکر پڑے گا تو سفر جاتا رہے گا، ہاں اگر تین منزل چلنے کے بعد یہ وطن بیچ میں نہ آئے گا تو قصر کرے گا اور یہ وطن وطنِ اقامت نہ رہے گا۔

ہفتم: نوکری ملازمت ہے اس میں قصدِ استدامت ہوتا ہے تو جو جہاں نوکر ہو کر رہنا اختیار کرے مقیم ہوجائے گا اگرچہ بالخصوص پندرہ دن کی نیت نہ ہو **لان نیتہ الاستدامۃ فوق ذلك** (کیونکہ دوام کی نیت اقامت کی نیت سے فائق ہے۔ت) ہاں اگر مدّتِ سفر سے یہاں نوکر ہو کر آیا اور معلوم ہے کہ پندرہ دن ٹھہرنا نہ ہوگا تو البتہ مقیم نہ ہوگا، جب اُس دوسری جگہ سے فارغ ہوکر

آئے گا اور یہاں ملازمانہ قیام کرے گا اس وقت سے مقیم ہوگا۔

اور جبکہ ایک جگہ نوکر ہوکر رہے اور پندرہ دن کے اندر وہاں سے دوسری جگہ جانا معلوم نہ ہو تو صرف احتمال قاطعِ اقامت نہ ہوگا ورنہ کوئی وطنِ اقامت نہ ہوسکے اور اپنے وطن سے مدتِ سفر پر جو لاکھوں آدمی نوکر ہوتے اور برسوں وہاں رہتے ہیں کبھی مقیم نہ ہوں کہ بدلی یا کسی کام پر بھیجے جانے کا احتمال ہر وقت ہے ھذا ما عندی واللہ تعالٰی اعلم (یہ تو میرے نزدیک ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جاننے والا ہے۔ت) ص259 تا265

اگر عادت معلوم ہے کہ جس کام کے لئے بھیجا گیا وہ پندرہ دن یا زائد میں ہوگا اور جگہ ایسی ہو جہاں اقامت ممکن ہے اگرچہ آبادی وہاں سے دو تین میل فاصلہ پر ہو اور زراعت نہ ہو وہاں پہنچ کر مقیم ہوجائے گا اور پوری پڑھنی لازم ہوگی خاص وہاں زراعت ہونا کچھ ضرور نہیں، نہ ہندوکی عملداری ہونا کچھ مانع کہ یہ آمدورفت امان کے ساتھ ہے اس سے تعرض نہیں کیا جاتا۔

اور یہ احتمال کہ شاید کوئی ضرورت پیش آئے اور جس کا نوکر ہے وہ دوسری جگہ بھیجے معتبر نہیں، ایسا احتمال ہر شخص کو ہر حال میں ہے، اور جب نوکر کا یہ حکم ہے تو خود مختار تو بدرجہ اَولٰی جبکہ پندرہ دن یا زائد کی نیت کی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص269

کوئی شخص جس پر نماز قصر ہو وہ سفر میں اگر جان بوجھ کے بہ نیتِ زیادہ ثواب، پوری نماز پڑھے گا تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بیشک گنہگار و مستحق عذاب ہوگا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: یہ قصر صدقہ ہے اللہ تعالٰی نے تم پر صدقہ کیا ہے اسکے صدقہ کو قبول کرو۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ص267

جس پر شرعاً قصر ہے اور اس نے جہلاً (پوری) پڑھی اُس پر مواخذہ ہے اور اس نماز کا پھیرنا واجب۔ص270

مسافر اگر نماز پوری چار رکعت پڑھا دے تو مقیموں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

مسافر اگر بے نیتِ اقامت چار رکعت پوری پڑھے گنہگار ہوگا اور مقیمین کی نماز اس کے پیچھے باطل ہوجائے گی اگر دو رکعت اُولٰی کے بعد اس کی اقتداء باقی رکھیں گے۔ص271

بیوی بچے اس کے سب سسرال میں رہتے ہیں مگر زید اپنے کاروبار کی وجہ سے زیادہ تر اپنے مسکن پر رہتا ہے تو؟

جبکہ مسکن زید کا دوسری جگہ ہے اور بال بچوں کا یہاں رکھنا عارضی ہے تو جب یہاں آئے گا اور پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے گا قصر کرے گا اور پندرہ دن یا زیادہ کی نیت سے مقیم ہوجائے گا پوری (نماز) پڑھے گا۔ص270

جبکہ وہ دوسری جگہ نہ اس کا مولد (پیدا ہونے کی جگہ) ہے نہ وہاں اس نے شادی کی نہ اسے اپنا وطن بنالیا یعنی یہ عزم نہ کرلیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت نہ چھوڑوں گا بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی بر بنائے تعلقِ تجارت یا نوکری ہے تو وہ جگہ وطن اصلی نہ ہوئی اگرچہ وہاں بضرورتِ معلومہ قیام زیادہ اگرچہ وہاں برائے چندے یا تا حاجتِ اقامت بعض یا کل اہل وعیال کو بھی لے جائے کہ بہر حال یہ قیام ایک وجہ خاص سے ہے نہ مستقل ومستقر، تو جب وہاں سفر سے آئے گا جب تک ۱۵ دن کی نیت نہ کرے گا قصر ہی پڑھے گا کہ وطن اقامت سفر کرنے سے باطل ہوجاتا ہے۔ص271

بابُ الجُمعۃ (نماز جمعہ کا بیان)

شہر وفنائے شہر کی تعریف

صحیح تعریف شہر کی یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہوں دوامی بازار ہوں، نہ وہ جسے پیٹھ کہتے ہیں، اور وہ پرگنہ ہے کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اُس میں کوئی حاکم مقدماتِ رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو جس کی حشمت وشوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔ ہمارے ائمۂ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے یہی ظاہر الروایہ ہے۔ص 275

فنائے مصر حوالیِ شہر کے اُن مقامات کو کہتے ہیں جو مصالحِ شہر کے لئے رکھے گئے ہوں مثلاً وہاں شہر کی عیدگاہ یا شہر کے مقابر ہوں یا حفاظتِ شہر کے لئے جو فوج رکھی جاتی ہے اُس کی چھاونی یا شہر کی گھوڑ دوڑ یا چاند ماری کا میدان یا کچہریاں، اگرچہ مواضعِ شہر سے کتنے ہی میل ہوں اگرچہ بیچ میں کچھ کھیت حائل ہوں۔ص 363

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ بستی شہر ہو یا نہ ہو جب اُس کا ساکن تین منزل کے ارادے سے سفر کو چلا تو آیا جب اپنی خاص آبادی سے نکل جائے گا اسی وقت سے مسافر ٹھہرائے گا اور قصر کرے گا اگرچہ وہ دوسری آبادیاں ہنوز راہ میں آنے والی ہوں یا جب ان سب آبادیوں سے نکل جائے گا اس وقت سے مسافر ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب بیچ میں فاصلہ ہے زراعتیں ہوتی ہیں تو ان سے گزر جانے کا لحاظ نہ ہوگا اگرچہ وہ مصالحِ شہر ہی کے لئے مقرر کی گئی ہوں، جب اپنی آبادی سے نکل جائے گا مسافر ہو جائے گا، ہاں جہاں تک آبادی متصل چلی گئی ہو وہ موضع واحد ہے اس سے تجاوز ضرور ہوگا۔ص 383

تعدُّدِ جمعہ وظہر احتیاطی کے احکام

اصل فرضیت جمعہ میں کسی کو کلام نہیں کہ وہ نہ صرف مجمع علیہا یا نصِ قطعی سے ثابت بلکہ اعلٰی واجل ضروریاتِ دین سے ہے مگر جمعہ باجماعِ امت مشروط بشرائط ہے، ہمارے ائمۂ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے جو شرائط اس کے لئے معین فرمائے شک نہیں کہ ان بلاد میں ان کا پورا پورا اجتماع قدرے محلِ اشتباہ ونزاع معہذا یہاں عامہ بلاد میں جماعاتِ جمعہ متعدد ہوتی ہیں اور اگرچہ مذہبِ مفتیٰ بہ میں تعددِ جمعہ مثلِ عیدین مطلقاً جائز، مگر عند التحقیق روایتِ عدمِ جوازِ تعدد بھی ساقط نہیں بلکہ مذہب کا باقوت قول ہے۔

ان وجوہ کی نظر سے ائمۂ مرو واکثر مشائخ بخارا واصحابِ امام عبداللہ حاکم شہید واصحابِ امام شیخ ابی عمرو واساتذہ صاحبِ مختار الفتاوی وغیرہم جمہور ائمۂ دین وعلمائے معتمدین نے ایسی جگہ ان چار رکعت احتیاطی کا حکم دیا۔

ہاں وہ نرے جاہل عامی لوگ کہ تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں یا ان رکعات کے باعث راساً جمعہ کو غیر فرض یا جمعہ کے دن دو نمازیں فرض سمجھنے لگیں اُنھیں ان رکعات کا حکم نہ دیا جائے بلکہ ان کی ادا پر مطلع نہ کیا جائے کہ مفسدہ اَشد واعظم کا دفع آکد واہم ہے۔ ان کے لئے اسی قدر بس ہے کہ بعض روایات واقوالِ ائمۂ مذہب پر ان کی نماز صحیح ہو جائے۔

پس قولِ وسط وانصاف یہ ہے ان شہروں میں جمعہ ضرور لازم ہے اور اس کا ترک معاذ اللہ ایک شعارِ عظیم اسلام سے اِعراض، اور ان چار رکعت احتیاطی کا خواص کو حکم اور نافہم عامیوں کے حق میں اغماض۔ واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔ص 279

نمازِ فرض میں فرض کی نیت تو کرے مگر یہ نہ جانے کہ فرض کسے کہتے ہیں تو نماز نہ ہوگی

آدمی جس چیز کو جانتا ہی نہ ہو اُس کا قصد محض بے معنی، اور کسی شے کا جاننا اسے نہیں کہتے کہ صرف اس کا نام معلوم ہو جس کے معنی و مراد سے ذہن بالکل خالی ہو بلکہ اس کے مفہوم سے آگاہی ضروری ہے مثلاً طوطے کو زید کا نام سکھا دیں تو یہ نہ کہیں گے کہ وہ زید کو جانتا ہے، اسی لئے علماء فرماتے ہیں اگر کوئی شخص نمازِ فرض میں فرض کی نیت تو کرے مگر یہ نہ جانے کہ فرض کسے کہتے ہیں نماز نہ ہوگی کہ صلٰوۃ فریضہ میں نیتِ فرض بھی ضروری تھی جب وہ معنیٰ فرض سے غافل ہے تو لفظِ فرض کا خیال ہوا نہ نیتِ فرض کہ فرض تھی۔ص285

صحتِ خطبہ کے لئے نیتِ خطبہ شرط ہے

صحتِ خطبہ کے لئے نیتِ خطبہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر منبر پر جاکر چھینک آئی اور چھینک پر الحمد للہ کہا خطبہ ادا نہ ہوا، تو لازم ہوا کہ خطیب معنیٰ خطبہ سے آگاہ ہو یعنی یہ جانتا ہو کہ خطبہ ایک ذکرِ الٰہی کا نام ہے تاکہ اس کی نیت کرسکے ورنہ نامِ خطبہ جانا بھی اور یہ نہ جانا کہ خطبہ کسے کہتے ہیں بلکہ لوگوں کے دیکھا دیکھی بے سمجھے ایک فعل کردیا تو بیشک نماز جمعہ ادا نہ ہوگی کہ یہ وہی نامِ خطبہ کا خیال ہوا نہ نیتِ خطبہ، یہ معنی ہیں معنی خطبہ نہ جاننے کے، نہ یہ کہ جو عبارت پڑھے اس کا ترجمہ سمجھنا ضروری ہے، یہ کسی کا بھی مذہب نہیں۔ص285

* خطبہ میں غیرِ زبان عربی کا خلط خود مکروہ اور سنتِ متوارثہ کے خلاف ہے۔ص287

اِذنِ عام جو صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے، اُس کا معنی

کسی قلعہ وغیرہ میں جہاں اندر سے کوئی شے بغیر پاس کے باہر نہ جاسکتی ہو لیکن باہر سے اندر آسکتی ہو اور دروازے پر سیکورٹی گارڈ مقرر ہوں اور رات نو سے صبح پانچ تک عام لوگ اندر نہ جاسکتے ہوں نیز اگر کسی خاص شخص کو جرنیل یا جمعہ قائم کرنے والوں کی طرف سے قلعے کے اندر آنے پر پابندی ہو تو وہاں جمعہ قائم کرنے کا حکم؟

الجواب: اذنِ عام کہ صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے، اُس کے یہ معنی کہ جمعہ قائم کرنے والوں کی طرف سے اُس شہر کے تمام اہلِ جمعہ کے لئے وقتِ جمعہ حاضریِ جمعہ کی اجازتِ عام ہو تو وقتِ جمعہ کے سوا باقی اوقاتِ نماز میں بھی بندش ہو تو کچھ مضر نہیں نہ کہ صرف رات کے ساڑھے نو بجے سے صبح پانچ بجے تک، کتبِ مذہب میں تصریح ہے کہ بادشاہ اپنے قلعہ یا مکان میں حاضری جمعہ کا اذنِ عام دے کر جمعہ پڑھے تو صحیح ہے حالانکہ قصر وقلعۂ شاہی عام اوقات میں گزرگاہِ عام نہیں ہوسکتے۔

اور بے پاس کسی چیز کی باہر لانے کی ممانعت تو یہاں سے کچھ علاقہ ہی نہیں رکھتی ہے کہ وہ خروج سے منع ہے نہ دخول سے یونہی مزدوروں یا سیر والوں یا خریداروں کو اجازت عام ہونا کچھ مفید نہیں کہ وقتِ نماز بہر نماز اہلِ نماز کو اجازت چاہیے اوروں کو ہونے نہ ہونے سے کیا کام، اور اذن اگرچہ انھیں لوگوں کا شرط ہے جو اس جمعہ کی اقامت کرتے ہیں۔

مگر پُر ظاہر کہ تحقق معنیٔ اذن کے لئے اُس مکان کا صالح اذنِ عام ہونا بھی ضرور، ورنہ اگر کچھ لوگ قصرِ شاہی یا کسی امیر کے گھر میں جمع ہوکر باذان واعلان جمعہ پڑھیں اور اپنی طرف سے تمام اہلِ شہر کو آنے کی اجازتِ عامہ دے دیں، مگر بادشاہ امیر کی طرف سے دروازہ پر پہرے بیٹھے ہوں عام حاضری کی مزاحمت ہوتو مقیمین کا وہ اذنِ عام محض لفظ بے معنی ہوگا وہ زبان سے اذنِ عام کہتے اور دل میں خود جانتے ہوں گے کہ یہاں اذنِ عام نہیں ہوسکتا۔

پس مانحن فیہ میں دو باتیں محلِ نظر رہیں:

اوّلاً: اُس قلعہ کا صالح اذن عام ہونا یعنی اگر تمام اہل شہر اُسی قلعہ میں جمعہ پڑھنا چاہیں تو کوئی ممانعت نہ کرے۔

اگر ایسا ہے تو بیشک وہ قلعہ صالحِ اذنِ عام ہے اور ایسی حالت میں دروازہ پر چوکی پہرہ ہونا کچھ مضر نہ ہوگا کہ پہرا وہی مانع ہے جو مانعِ دخول ہو، ولہذا کافی میں بصورتِ عدم جواز صرف **اجلس البوابین** (پہرے دار بیٹھا دیئے۔ت) نہ فرمایا بلکہ **لیمنعوا عن الدخول** (تاکہ دخول سے منع کریں۔ت) بڑھایا۔ تو صرف شوکت شاہی یا اُس قانون کی رعایت کو کہ بے پاس کوئی اندر سے باہر نہ جائے، پہرا ہونا مکان کو صلاحیت اذن عام سے خارج نہیں کرتا اور اگر اجازت سو پچاس یا ہزار دو ہزار کسی حد تک محدود ہے جیسا کہ بعض الفاظ سوال سے مستفادہ، اگر تمام جماعات شہر جانا چاہیں نہیں جانے دیں گے تو وہ مکان بندش کا ہے اس میں جمعہ نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً: اگر ثابت ہوجائے کہ یہ قلعہ اذنِ عام کا مکان ہے تو جب تک کسی شخص خاص کو حاضریِ نماز سے ممانعت نہ تھی جمعہ بیشک صحیح ہوجاتا تھا اب کہ اُس ملازم جرنیل کو منع کیا گیا تو محلِ نظر ہے کہ یہ ممانعت ان مقیمانِ جمعہ کی طرف سے بھی ہے یا نہیں۔ اگر یہ اُسے جمعہ میں آنے سے منع نہیں کرتے اگرچہ اور نمازوں میں مانع ہوں اگرچہ کرنیل نے اُسے جمعہ سے بھی جبراً روکا ہو یا وہ خود بخوفِ کرنیل نہ آتا ہو تو ان صوتوں میں بھی صحتِ جمعہ میں شک نہیں کہ جب مقیمینِ جمعہ کی طرف سے اذنِ عام اور وہ مکان بھی اذنِ عام کا صالح تو کسی شخص کو غیرِ جمعہ سے تو روکنا یا جمعہ میں اُس کا خود نہ آنا یا کسی کا جبراً اُسے باز رکھنا قاطعِ اذنِ عام نہیں ہوسکتا جیسے زندانی لوگ کہ ہمیشہ حضوریِ مساجد سے ممنوع ہوتے ہیں یا اگر کوئی شخص بعض نمازیوں کو خاص وقتِ نماز اس لئے مقید کرلے کہ مسجد میں نہ جانے پائیں تو نہ یہ قادحِ اذنِ عام نہ مقیمانِ جمعہ پر اس کا الزام، اور اگر یہ خود اُسے حاضریِ جمعہ سے باز رکھتے ہیں تو دیکھنا چاہئے کہ وہ شخص فی الواقع شریر ومفسد وموذی ہے کہ اُس کے آنے سے اندیشۂ فتنہ ہے جب تو ایسی ممانعت بھی مانعِ صحتِ جمعہ نہ ہوگی کہ قادح اذنِ عام سے روکنا ہے اور یہ روکنا درحقیقت نماز سے روکنا نہیں بلکہ فتنہ سے بندش ہے۔ علماء خود فرماتے ہیں کہ موذیوں کو مساجد سے روکا جائے تو یہ روکنا کہ مطابقِ شرع ہے منافیِ اذن نہیں، اور اگر ایسا نہیں بلکہ یہ لوگ محض ظلماً بلاوجہ یا براہِ تعصب روکتے ہیں تو بلاشبہ ان کا جمعہ باطل کہ ایک شخص کی ممانعت بھی اذنِ عام کی مُبطِل۔ ص288

جمعہ کے دو رکعت فرضوں کے سوا کتنی رکعت نماز سنت پڑھنا چاہئے؟

دس سنتیں ہیں، چار پہلے چار بعد ہی (ان کے چار ہونے پر متون میں قطعاً تصریح ہے اور صحیح مسلم میں ان کے بارے میں صحیح حدیث بھی وارد ہے۔ت) اور دو بعد کو اور، کہ بعد جمعہ چھ سنتیں ہونا ہی حدیثاً وفقہاً اَثبت واَحوط (مختار ومحتاط حدیث وفقہ کے

اعتبار سے۔ت) مختار ہے اگر چہ چار کہ ہمارے ائمہ میں متفق علیہ ہیں ان دو سے مؤکد تر ہیں۔ص292

جمعہ کے بعد چار رکعت فرضِ احتیاطی کا طریقہ

وہ شہر وقصبات جن میں شرائطِ جمعہ کے اجتماع میں اشتباہ واقع ہو یا جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور آج کل ہندوستان کے عام بلاد ایسے ہی ہیں ایسی جگہ ہمارے علمائے کرام نے حکم دیا ہے کہ بعدِ جمعہ چار رکعت فرض احتیاطی اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور اب تک ادا نہ کی یہ چار رکعتیں چاروں سنتِ بعد یہ جمعہ کے بعد پڑھے اور جس پر ظہر کی قضائے عمری نہ ہو وہ چاروں میں سورت بھی ملائے پھر جمعہ کی دو سنتیں ان رکعتوں کے بعد بہ نیتِ سنتِ وقت ادا کرے جمعہ پڑھتے وقت نیت صحیح وثابت رکھے جمعہ کو صحیح سمجھ کر خاص فرضِ جمعہ کی نیت کرے اگر بہ نیت فرض ادا نہ کیا تو جمعہ یقیناً نہ ہوگا اور اب یہ چار رکعتیں نری احتیاطی نہ رہیں گی بلکہ ظہر پڑھنی فرض ہوجائے گی، اور جب یوں نیتِ صحیحہ سے ادا کر چکا تو ان چار رکعتوں میں یہ نیت نہ کرے کہ آج کی ظہر پڑھتا ہوں بلکہ وہی گول نیت رکھے کہ جو پچھلی ظہر میں نے پائی اور ادا نہ کی اسے ادا کرتا ہوں خواہ وہ کسی دن کی ہو اس سے زیادہ خیالات پریشان نہ کرے، یوں پڑھنے میں یہ نفع پائے گا کہ اگر شاید علمِ الٰہی میں بوجہ فوت بعض شرائط جمعہ صحیح نہ ہوا ہوگا تو یہ رکعتیں آج ہی کی ظہر ہوجائیں گی کہ اس صورت میں یہی ظہر وہ پچھلی ہے جس کا وقت اُسے ملا اور ابھی ذمّہ سے ساقط نہ ہوئی اور اگر جمعہ صحیح واقع ہوا تو آج سے پہلے کی جو ظہر اس کے ذمہ رہی ہوگی (خواہ یوں کہ سرے سے پڑھی ہی نہ تھی یا کسی وجہ سے فاسد ہوگئی) وہ ادا ہوجائے گی اور اگر کوئی ظہر نہ رہی ہوگی تو یہ رکعتیں نفل ہوجائیں گی، اسی لحاظ سے جس پر قضائے عمری ظہر کی نہ ہو یہ چاروں رکعتیں بھری پڑھیں کہ اگر نفل ہوئیں اور سُورت نہ ملائی تو واجب چھوٹ کر نماز مکروہ تحریمی ہوگی، ہاں جس پر قضائے عمری ہے اسے پچھلی دو میں سورت ملانے کی حاجت نہیں کہ اس کے ہر طرح فرض ہی ادا ہوں گے، جمعہ نہ ہوا تو آج کے اور ہوا تو آج سے پہلے کے یہ سب تفصیل واقع کے اعتبار سے ہے نمازی کو نیت میں اس شک وتر دد کا حکم نہیں کہ نیت وتر دد باہم منافی ہیں اگر یونہی مذبذب نیت کی تو وہ مقصود واحتیاط ہرگز حاصل نہ ہوگا لہذا اسی طرح گول نیت سے بے خیالِ تر دد بجالائے اور واقع کا معاملہ علمِ الٰہی پر چھوڑ دے، پھر ایسی تصحیح نیت نرے جاہلوں کو ذرا دشوار ہے اور ان سے یہ بھی اندیشہ کہ اس کے سبب کہیں یہ نہ جاننے لگیں کہ جمعہ سرے سے خدا کے فرضوں میں ہی نہیں سمجھنے لگیں کہ جمعہ کے دن دوہرے فرض ہیں دو رکعتیں الگ چار الگ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ان رکعتوں کا حکم نہ دیا جائے ان کے حق میں یہی بہت ہے کہ بعض روایات پر اُن کی نماز ٹھیک ہوجائے انھیں ایسی احتیاط کی حاجت نہیں، ہاں خواص یعنی جو لوگ اس طرح کی نیت کر سکتے ہوں اور اُن سے وہ اندیشے نہ ہوں وہ یہ احتیاط بجالائیں تاکہ یقیناً فرضِ خدا ادا ہوجائے اور شبہ واحتمال کی گنجائش نہ رہے۔ص293

✻ یہ رکعتیں بحالِ توہمِ عدمِ صحت تو صرف مندوب ہیں اور بحالِ شک واشتباہ ظاہر وجوب۔ص312

بلاشبہ جو اسلامی مصر ہو اور وہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو اور امام میں کوئی شبہہ ناجوازیِ امامت کا نہ ہو وہاں احتیاطی ظہر پڑھنا ممنوع وبدعت ہے مگر یہ بات آج عامہ بلاد میں کہیں نہیں سوا حرمین شریفین وغیر ہما، بعض بلاد کے، یونہی جہاں جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو جس نے سب سے اول جماعت میں پڑھا اسے احتیاطی ظہر کی اجازت نہیں، اور جہاں مصریت میں شبہہ ہو یا امام یا اس کی

ماذونیت میں یا جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور اپنی جماعت سب سے پہلے ہونا معلوم نہیں وہاں اگر شبہہ ضعیف ہے احتیاطی ظہر مستحب ہے اور قوی ہے تو واجب۔ص398

خطیب کے سامنے جو اذان ہوتی ہے مقتدیوں کو اس کا جواب دینا اور جب دو خطبوں کے درمیان جلسہ کرے مقتدیوں کو دعا کرنا چاہئے یا نہیں؟

ہرگز نہ چاہئے یہی اَحوط ہے۔ ہاں یہ جوابِ اذان یا دُعا اگر صرف دل سے کریں زبان سے تلفظ اَصلاً نہ ہو کوئی حرج نہیں اور امام یعنی خطیب تو اگر زبان سے بھی جوابِ اذان دے یا دُعا کرے بِلاشبہہ جائز ہے۔ص300

خطبۂ جمعہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بآوازِ بلند کہنا چاہئے یا آہستہ؟

نہ بآواز نہ باخفا، بلکہ تنہا اعوذ آہستہ پڑھ کر حمدِ الٰہی سے شروع کرے۔ص302

خطیب کو وقتِ خطبہ عصا ہاتھ میں لینا سنت ہے یا نہیں؟

خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا بعض علماء نے سنت لکھا اور بعض نے مکروہ، اور ظاہر ہے کہ اگر سنت بھی ہو تو کوئی سنتِ مؤکدہ نہیں، تو بنظرِ اختلاف اُس سے بچنا ہی بہتر ہے مگر جب کوئی عذر ہو، وہ اس لئے کہ جب فعل کے سنت اور مکروہ ہونے میں شک ہو تو اس کا ترک بہتر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)۔ص303

جمعہ وعیدین میں پورا خطبہ عربی وفارسی وہندی اَشعار میں پڑھنا اور اَشعار کا داخل کرنا درست ہے یا نہیں؟

شعر کی نسبت حدیث میں فرمایا وہ ایک کلام ہے جس کا حسن حسن اور قبیح قبیح یعنی مضمون پر مدار ہے اگر اچھا ذکر ہے شعر بھی محمود اور بُرا تذکرہ ہے تو شعر بھی مذموم، بحور، عروض پر موزوں ہوجانا خواہی نخواہی قبحِ کلام کا باعث نہیں اگرچہ اس میں انہماک واستغراقِ تام متکلم کے حق میں شرع کو ناپسند۔

خود حضور پُرنور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے منبر بچھاتے وہ اس پر کھڑے ہوکر حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمد وثنا ومفاخرت کا خطبۂ بلیغہ اشعار میں پڑھتے، حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے یہ جب تک اس کام میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ جبرئیل سے اس کی مدد فرماتا ہے۔

تو اگر خطبۂ جمعہ یا عیدین میں احیاناً دو چار عربی اشعار حمد ونعت، وعظ وتذکیر وذمِ دنیا ومدحِ عقبیٰ کے پڑھے جائیں کوئی مانع نہیں بلکہ خود اَشدالامۃ فی امرِ اللہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطبہ میں بعض اشعار پڑھنا مروی، مگر ان خطبوں کا تمام وکمال نظم ہی میں پڑھنا نہ چاہئے کہ بلاوجہ کلماتِ مسنونہ سے اعراض بلکہ طریقۂ متوارثہ کی تغییر ہے اور نظمِ خالص خطبہ میں ترکِ سنتِ تلاوت کو مستلزم جس کی کراہت کلماتِ علماء میں مُصَرَّح۔ یوں ہی زبانِ عجمی کا داخلِ خطبہ کرنا مناسب نہیں کہ زمانۂ صحابہ وتابعین وائمۂ دین سے خطبہ خاص زبان عربی میں ہونا متوارث ہے (جیسا کہ شاہ ولی اللہ الدہلوی نے شرح موطا میں اس کا ذکر کیا ہے۔ت) عہدِ سلف میں بحمد اللہ ہزاروں بلادِ عجم فتح ہوئے۔ ہزار ہا منبر نصب کئے گئے، عامہ حاضرین اہلِ عجم ہوتے مگر کبھی منقول نہیں کہ سلف صالح نے ان کی تفہیم کے لئے خطبۂ جمعہ یا عیدین غیرِ عربی میں پڑھا یا اس میں دوسری زبان کا خلط کیا، اور

سنتِ متوارثہ کی مخالفت بیشک مکروہ ہے۔ بااینہمہ اگر خطبۂ عربیہ کے ساتھ کچھ اشعارِ پند ونصائح اردو میں پڑھے جائیں جیسا کہ آج کل ہندوستان میں اکثر جگہ معمول ہے تو غایت اس کی بس اس قدر کہ خلافِ اَولیٰ ومکروہ تنزیہی ہے اس سے زیادہ مکروہِ تحریمی و گناہ وممنوع وبدعتِ سیئہ قرار دینا محض بے دلیل ہے۔ص303 تا309

نمازِ جمعہ غیرِ خطیب کا پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

غیرِ خطیب کا نماز پڑھانا اولیٰ نہیں۔ص309

نابالغ کا خطبۂ جمعہ پڑھنا

اور اگر نابالغ خطبہ پڑھے اور بالغ نماز پڑھائے تو اس میں اختلاف ہے بہر حال (اختلاف سے بچنے کی خاطر۔ت) نابالغ کا خطبہ پڑھنا مناسب نہیں۔ص309

قدیم جامع مسجد کو ترک کر کے نئی مسجد میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مسجدِ جامع کو ترک کر دینے کے اگر یہ معنی کہ اُس میں نماز ہی چھوڑ دی جائے، تو قطعاً ناجائز کہ مسجد کا ویران کرنا ہے اور اگر یہ مراد کہ نماز تو وہاں ہوا کرے مگر جمعہ وہاں کے بدلے اب اس مسجدِ جدید میں ہو، اس میں اگر وہاں کے اہلِ اسلام کوئی مصلحتِ شرعیہ قابل قبول رکھتے ہوں تو کیا مضائقہ، ورنہ مسجدِ جامع وہی مسجدِ قدیم ہے اور اس میں نمازِ جمعہ کا ثواب زائد۔ص312

جمعہ کس سال فرض ہوا؟

جمہور کے نزدیک صحیح مشہور یہی ہے کہ ہجرت کے پہلے سال فرض ہوا۔ص313

خطبہ سننے کے آداب

عامہ کتبِ مذہب میں صاف تصریح ہے کہ جو فعل نماز میں حرام ہے خطبہ ہونے کی حالت میں بھی حرام ہے عباراتِ ائمہ میں تصریح گزری کہ بحالتِ خطبہ چلنا حرام ہے یہاں تک کہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر ایسے وقت آیا کہ خطبہ شروع ہوگیا مسجد میں جہاں تک پہنچا وہیں رُک جائے آگے نہ بڑھے کہ عمل ہوگا اور حالِ خطبہ میں کوئی عمل روا نہیں حالانکہ امام سے قرب شرعاً مطلوب اور حدیث وفقہ میں اُس کا فضل مکتوب اور وہیں بیٹھ جانے میں آئندہ آنے والوں کے لئے بھی جگہ کی تنگی ہے ان امور پر لحاظ نہ کریں گے اور آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیں گے۔ چلنا تو بڑی چیز ہے انھیں عباراتِ علماء میں تصریح گزری کہ خطبہ ہوتے میں ایک گھونٹ پانی پینا حرام، کسی طرف گردن پھیر کر دیکھنا حرام، شرعِ مطہر نے اس وقت امر بالمعروف کو کہ اعلیٰ درجہ کی مفید ومہم چیز ہے حرام ٹھہرایا۔ص330 صحیح یہی ہے کہ دُور ونزدیک سب پر سکوت واجب، اور کتابت وقرأت جمیع اعمال ناجائز۔ص337

خطبہ سُننا فرض ہے اس کا معنی؟

سُننا جو فرض ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ کان میں آواز پہنچے اگرچہ آپ دوسرے کام میں مشغول ہو ورنہ کھانا، پینا، چلنا،

گردن پھیر کر دیکھنا کیوں حرام ہوتا کہ ان میں کون سا کام کان میں آواز جانے کے منافی ہے بلکہ اس کے یہ معنی کہ ہمہ تن اُسی طرف متوجہ ہو اور دوسرے کسی کام میں مشغول نہ ہو، مگر ان عباراتِ لاحقہ نے اور بھی واضح تر کر دیا کہ سراپا تمام اعضاء سے اُسی طرف متوجہ رہنا خود واجب ہے کہ بعید کے لئے تو کان میں آواز آنا بھی نہیں مگر قولِ صحیح ومعتمد ومفتی بہ یہی ہے کہ اُسے بھی اور اعمال میں مشغولی حرام۔ ص340

منبر کتنی سیڑھی کا ہونا چاہیئے اور کس پر کھڑے ہوکر خطبہ چاہئے اور منبر کس زمانہ سے شروع ہوا ہے؟

منبر خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنوایا اور اس پر خطبہ فرمایا منبر اقدس کے تین زینے تھے علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درجۂ بالا پر خطبہ فرمایا کرتے، صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے پر پڑھا، فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسرے پر، جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آیا پھر اول پر خطبہ فرمایا سبب پوچھا گیا، فرمایا اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں اور تیسرے پر تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر ہوں۔ لہٰذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور ہی نہیں اصل سنت اول درجہ پر قیام ہے۔ بلندیِ منبر سے اصل مقصود یہ ہے کہ سب حاضرین خطیب کو دیکھیں اور اُس کی آواز سنیں جہاں یہ حاجت بسبب کثرتِ حضار ودُوریِ صفوف تین زینوں میں پوری نہ ہو تو زِینے زیادہ کرنے کا خود ہی اختیار ہے اور بہتر عددِ طاق کی مراعات۔ ص343

بعد نمازِ جمعہ انحرافِ قبلہ یعنی دائیں یا بائیں جانب پھر کر مناجات کرنا جائز ہے یا نہیں؟

امام کا بعدِ سلام قبلہ سے انحراف تو مطلقاً سنت ہے اور اس کا ترک یعنی بعد سلام رُو بقبلہ بیٹھا رہنا امام کے لئے بالاجماع مکروہ ہے، جمعہ وغیرہ سب نمازیں اس حکم میں برابر ہیں اور بعد سلام دعا ومناجات بھی بالاجماع جائز ہے مگر جس نماز کے بعد سنت ہے یعنی ظہر وجمعہ ومغرب وعشاء، اس کے بعد تاخیر طویل کسی کو بہتر نہیں اور اگر کرے تو منع بھی نہیں مگر اس قدر نہ ہو کہ مقتدیوں پر گراں گزرے، عادتِ مسلمین یوں جاری ہے کہ امام بعد سلام جب تک دعا سے فارغ نہ ہو مقتدی شریک دعا رہتے ہیں اور اس سے قبل اُسے چھوڑ کر نہیں اٹھتے اور یہ اگرچہ شرعاً واجب نہیں مگر حُسن ادب سے ہے۔ تو ایسی حالت میں اتنی دعائے طویل کہ بعض مقتدیوں پر ثقیل ہو مطلقاً نہ کرنی چاہئے اگرچہ اس کے بعد سنت نہ ہو جیسے فجر وعصر۔ بلکہ شیخ محقق مولٰنا عبدالحق قدس سرہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں: مغرب کی سنتوں کے لئے جلدی قیام آیۃ الکرسی وغیرہ پڑھنے کے منافی نہیں کیونکہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ نماز فجر ومغرب کے بعد دس مرتبہ یہ پڑھا جائے **لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر**۔ (ت) ہاں فصل طویل کو ناپسند فرماتے ہیں اور اُس کے معنی ان کلماتِ علماء سے کہ فقیر نے نقل کئے ظاہر ہو گئے۔ ص356

دارُ الحرب میں اَصلاً جمعہ نہیں

جمعہ اسلامی حکم ہے اس کے لئے اسلامی شہر کا ہونا ضروری ہے ولہذا دار الحرب میں اَصلاً جمعہ نہیں اگرچہ کتنے ہی بڑے

امصار عظام کبار ہوں جس میں دس دس لاکھ آدمیوں کی آبادی ہو، نہ اس وجہ سے کہ وہ شرعاً شہر نہیں، اصطلاحِ شرع میں وہ گاؤں ہیں، بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ دارالحرب کے شہر کفر کے شہر ہیں اور اقامت جمعہ کو اسلامیہ شہر درکار۔ ص 368

جو جگہ بستی نہیں جیسے بَن سمندر یا پہاڑ، یا بستی ہے مگر شہر نہیں جیسے دیہات، یا شہر ہے مگر اسلامی نہیں جیسے روس فرانس کے بلاد، اُن میں نہ جمعہ فرض ہے نہ صحیح نہ جائز بلکہ ممنوع و باطل و گناہ ہے اس کے پڑھنے سے فرضِ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ (اصل مسئلہ تو یہی ہے مگر اس زمانے کے اعتبار سے مفتیٰ بہ قول دارالافتاء اہلسنت سے معلوم کرلیں۔ عمران)

شہر کے اسلامی ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ یا تو فی الحال اُس میں سلطنتِ اسلام ہو خود مختار، جیسے بحمد اللہ تعالٰی سلطنت علیہ عالیہ عثمانیہ و دولت خداداد افغانستان حفظہما اللہ تعالٰی عن شرور الزمان یا کسی سلطنتِ کفر کی تابع جیسے اب چندروز سے سلطنت بخارا، و{ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ }(ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور وہی سب سے بہتر کارساز ہے۔ت) اور اگر فی الحال نہ ہو تو دو باتیں ضرور ہیں: **ایک** یہ کہ پہلے اُس میں سلطنتِ اسلامی رہی ہو، **دوسرے** یہ کہ جب سے قبضۂ کافر میں آئی شعارِ اسلام مثلِ جمعہ و جماعت و اذان و اقامت وغیرہا کلًّا یا بعضاً برابر اُس میں اب تک جاری رہے ہوں جہاں سلطنتِ اسلامی کبھی نہ تھی نہ اب ہے وہ اسلامی شہر نہیں ہو سکتے نہ وہاں جمعہ و عیدین جائز ہوں اگرچہ وہاں کے کافر سلاطین شعائرِ اسلامیہ کو نہ روکتے ہوں اگرچہ وہاں مساجد بکثرت ہوں اذان و اقامتِ جماعت علی الاعلان ہوتی ہو اگرچہ عوام اپنے جہل کے باعث جمعہ و عیدین بلا مزاحمت ادا کرتے ہوں جیسے کہ روس فرانس و جرمن و پرتگال وغیرہا اکثر بلکہ شاید کل سلطنتِ ہائے یورپ کا یہی حال ہے، یونہی اگر پہلے سلطنت اسلامی تھی پھر کافر نے غلبہ کیا اور شعائرِ کفر جاری کرکے تمام شعائرِ اسلام یکسر اُٹھادئے تو اب وہ شہر بھی اسلامی نہ رہے اور جب تک پھر از سرِ نو ان میں سلطنت اسلامی نہ ہو وہاں جمعہ و عیدین جائز نہیں ہو سکتے اگرچہ کفار غلبہ یافتہ ممانعت کے بعد پھر بطورِ خود شعائرِ اسلام کی اجازت دے دیں خواہ اُن کافروں سے دوسرے کافر چھین کر اجرائے شعائرِ اسلام کردیں کہ کوئی غیرِ اسلامی شہر مجرد جریان شعائرِ اسلام سے اسلامی نہیں ہو جاتا، ہاں اگر اسلامی سلطنت کے کسی کافر صوبہ نے بغاوت کرکے کسی اسلامی شہر پر تسلط کیا اور شعائرِ اسلام بالکل اُٹھادیئے مگر وہ صوبہ چارطرف سے سلطنت اسلامیہ میں محصور ہے تو وہ شہر شہرِ اسلامی ہی رہے گا کہ اگرچہ کافر نے شعائرِ اسلام یکسر اٹھادئے مگر چارسمت سے سلطنتِ اسلامیہ میں محصور ہونے کے اُس کی یہ تاریک حالت محض عارضی ہے۔ ص 377

جمعہ وعیدین وکسوف میں ہر شخص امامت نہیں کرسکتا

یہ استحقاق علی الترتیب صرف تین طور پر ثابت ہوتا ہے:

اوّلاً: وہ سلطانِ اسلام ہو۔

ثانیاً: جہاں سلطنتِ اسلام نہیں وہاں یہ امامتِ عامہ اس شہر کے اعلم علمائے دین کو ہے۔

ثالثاً: جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں بمجبوری عام مسلمان جسے مقرر کرلیں، بغیر ان صورتوں کے جو شخص نہ خود ایسا امام نہ ایسے امام کا نائب و ماذون و مقرر کردہ اس کی امامت ان نمازوں میں اَصلاً صحیح نہیں، اگر امامت کرے گا نماز باطل محض ہوگی، جمعہ کا فرض سر پر رہ

جائے گا، ان شہروں میں کہ سلطان اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے، اعلم علمائے بلد کہ اُس شہر کے سنی عالموں میں سب سے زیادہ فقیہ ہو نماز کے مثل مسلمانوں کے کاموں میں ان کا امام عام ہے اور بحکم قرآن اُن پر اس کی طرف رجوع اور اس کے ارشاد پر عمل فرض ہے جمعہ وعیدین وکسوف کی امامت وہ خود کرے یا جسے مناسب جانے مقرر کرے، اُس کے خلاف پر عوام بطورِ خود اگر کسی کو امام بنالیں گے صحیح نہ ہوگا کہ عوام کا تقرر بمجبوری اُس حالت میں روا رکھا گیا ہے جب امام عام موجود نہ ہو اُس کے ہوتے ہوئے ان کی قرارداد کوئی چیز نہیں۔ص385

جمعہ وعیدین وکسوف میں ہر شخص امامت نہیں کرسکتا بلکہ لازم ہے کہ سلطانِ اسلام کا مقرر کردہ یا اُس کا ماذون ہو، ہاں جہاں یہ نہ مل سکیں تو بضرورت عام اہلِ اسلام کسی کو امام مقرر کرلیں، صورتِ سوال میں جبکہ سلطنتِ اسلام سَقَى اللهُ تعالٰى عهدَها (اللہ تعالٰی اس کی مدت کو دراز فرمائے۔ت) سے بحکم حاکم شرع وہاں جمعہ قائم اور امامت خاندان ایام قدیم میں مستمر ودائم ہے تو امام خود ماذون من جانب السلطان ہے، اس کے ہوتے بلامجبوری شرعی عام مسلمانوں کو بھی امام جدید قائم کرنے کا اختیار نہیں۔ص359

جمعہ وعیدین دیہات میں ناجائز ہیں اور ان کا پڑھنا گناہ، مگر جاہل عوام اگر پڑھتے ہوں تو ان کو منع کرنے کی ضرورت نہیں کہ عوام جس طرح اللہ ورسول کا نام لے لیں غنیمت۔ص 387

ایک روایتِ نادرہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے یہ آئی ہے کہ جس آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہوسکے آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سماسکیں یہاں تک کہ انھیں جمعہ کے لئے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحتِ جمعہ کے لئے شہر سمجھی جائے گی۔

جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں اس روایت نوادر کی بنا پر جمعہ وعیدین ہوسکتے ہیں اگرچہ اصل مذہب کے خلاف ہے مگر اسے بھی ایک جماعتِ متاخرین نے اختیار فرمایا اور جہاں یہ بھی نہیں وہاں ہرگز جمعہ خواہ عید مذہبِ حنفی میں جائز نہیں ہوسکتا بلکہ گناہ ہے۔ص 347 (نوٹ: لیکن آج کل دارالافتاء اہلسنت تحفظِ عقائد کی ضرورت کے پیشِ نظر اس روایتِ نادر پر فتوی دیتا ہے۔عمران)

یہ تحقیقِ مسئلہ ہے اور بحمد اللہ اہل انصاف وعلم صاف جانیں گے کہ حق اس سے متجاوز نہیں، ہم نہ اس کے خلاف عمل کرسکتے ہیں نہ زنہار زنہار مذہبِ ائمہ چھوڑ کر دوسری پر فتوی دے سکتے ہیں مگر در بارۂ عوام فقیر کا طریقِ عمل یہ ہے کہ ابتداءً خود انھیں منع نہیں کرتا نہ انھیں نماز سے باز رکھنے کی کوشش پسند رکھتا ہے ایک روایت پر صحت ان کے لئے بس ہے، وہ جس طرح خدا اور رسول کا نامِ پاک لیں غنیمت ہے، مشاہدہ ہے کہ اس سے روکیے تو وہ وقتی چھوڑ بیٹھتے ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے: {اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى o عَبْدًا اِذَا صَلّٰى} کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز ادا کرتا ہے۔(ت) سیدنا ابوداؤد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: شیء خیر من لا شیء۔(کچھ ہونا بالکل نہ ہونے سے بہتر ہے)۔ص374

خود نہ پڑھیں گے حکم پوچھا جائے گا تو فتوی یہ دیں گے جہاں نہیں ہوتے قائم نہ کریں گے بااینہمہ اگر عوام پڑھتے ہوں منع نہ کریں گے۔ص439

* جب یہ خطرہ ہو کہ عوام اسے ضروری سمجھ لیں گے تو علماء مستحب پر پابندی ترک کرائیں۔(ت)۔ص 351
* **مذہبِ شافعی پر وصیت و درود ان کے نزدیک ارکانِ خطبہ سے ہیں اور خطبہ بالاتفاق شرطِ صحتِ نمازِ جمعہ۔ص 394**

جیل میں جہاں پانچ چھ سو آدمی قیدی وحوالاتی اور ملازمین رہتے ہیں نمازِ جمعہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جمعہ کی ایک شرط اذنِ عام ہے، جیل میں کوئی نہیں جاسکتا تو اس میں نمازِ جمعہ ناممکن و باطل ہے اور ظہر کی جماعت بھی ان کو جمعہ کے دن جائز نہیں، جبکہ جیل حدودِ شہر میں ہو، بلکہ ہر شخص تنہا ظہر پڑھے ملازم ہو یا ماخوذ، ہاں جیل بیرونِ شہر ہو تو ظہر بجماعت پڑھیں۔ص 397

جمعہ کا امام فاسق ہو تو؟

اگر اس امام کے بدلنے پر قدرت نہ ہو تو شہر میں دوسری جگہ جہاں کوئی امام صالحِ امامت جمعہ پڑھاتا ہو وہاں جانا واجب ہے اور اگر شہر میں دوسری جگہ جمعہ ہوتا ہی نہ ہو یا اور امام بھی ایسے نا قابلِ امامت ہوں تو نیا امام سُنّی صحیح العقیدہ، صحیح خواں، صحیح الطہارۃ، مسائل داں کہ فاسق معلن نہ ہو مقرر کریں اور اس کے پیچھے جمعہ وعیدین پڑھیں، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص 399

جامع مسجد کے امام معین کے بغیر اذن دوسرے شخص نے خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ پڑھائی تو؟

ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ بے اجازتِ خطیب معین دوسرا شخص خطبہ نہیں پڑھ سکتا، اگر پڑھے گا خطبہ جائز نہ ہوگا، اور خطبہ شرطِ نماز جمعہ ہے، جب خطبہ نہ ہوا نماز بھی نہ ہوئی۔اور تصریح فرماتے ہیں کہ امام معین کے بغیر اذن اگر کوئی شخص نمازِ جمعہ پڑھائے تو نماز نہ ہوگی مگر اس صورت میں کہ امام اس نماز میں شریک ہوجائے۔ص 404

جمعہ کی اذان بیرونِ مسجد ہونا خطیب کے سامنے ہونے سے اَہم واَعظم وآکد واَلزم ہے

یہاں دو سنّتیں ہیں، ایک محاذاتِ خطیب، دوسرے اذان کا مسجد سے باہر ہونا، جب ان میں تعارض ہوا اور جمع ناممکن ہو تو ارجح کو اختیار کیا جائے گا (جیسا کہ دائمی اور نہ ٹوٹنے والا ضابطہ ہے۔ت) یہاں ارجح واقوی سنتِ ثانیہ بوجوہ

اولاً: مسجد میں اذان سے نہی ہے، اور اجتنابِ ممنوع، ایتانِ مطلوب سے اہم واعظم ہے۔

ثانیاً: محاذاتِ خطیب ایک مصلحت ہے، اور مسجد کے اندر اذان کہنا مفسدت اور جلبِ مصلحت سے سلبِ مفسدت اہم ہے۔وجہ مفسدت ظاہر ہے کہ دربارِ ملک الملوک جل جلالہ کی بے ادبی ہے شاہد اس کا شاہد ہے دربارِ شاہی میں اگر چوب دار عین مکانِ اجلاس میں کھڑا ہو اچلاّئے کہ دربار یو چلو سلام کو حاضر ہو، ضرور گستاخ بے ادب ٹھہرے گا، جس نے شاہی دربار نہ دیکھے ہوں وہ انھیں کچہریوں کو دیکھ لے کہ مدعی مدعا علیہ گواہوں کی حاضری کمرہ سے باہر پکاری جاتی ہے چپراسی خود کمرۂ کچہری میں کھڑا ہو کر چلاّئے اور حاضریاں پکارے تو ضرور مستحق سزا ہو اور ایسے امور ادب میں شرعاً عرف معہود فی الشاہد ہی کا لحاظ ہوتا ہے۔

ثالثاً: محاذاتِ خطیب ایک اختلافی سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہاں نقل مختلف ہے بکثرت ائمۂ مالکیہ اذانِ ثانی جمعہ کے رُوئے بروئے خطیب ہونے ہی کو بدعت بتاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں یہ اذان بھی منارہ ہی پر ہوتی تھی جیسے

پنجگانہ کی اذان تو ثابت ہوا کہ اذانِ بیرونِ مسجد ہونا ہی محاذاتِ خطیب سے اہم واعظم واکد والزم ہے تو جہاں دونوں نہ پڑیں محاذاتِ خطیب سے درگزریں اور منارہ یا فصیل وغیرہ پر یہ اذان بھی مسجد سے باہر ہی دیں۔ص405

جمعہ کی اذانِ ثانی میں مقتدیوں کو بھی مناجات کرنا اور جمعہ وعیدین کے خطبہ کو بسم اللہ شریف سے شروع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اذانِ ثانی کا جواب امام دے مقتدیوں کو ہمارے امام کے نزدیک جائز نہیں صاحبین اجازت دیتے ہیں تبیین الحقائق میں اول کو اَحوَط کہا اور نہایہ اور عنایہ میں ثانی کو واضح، تو عمل اول ہی پر ہے کہ وہی قولِ امام ہے، اور اگر کوئی ثانی پر عمل کرے تو اس سے بھی نزاع نہ چاہئے کہ تصحیح اُس طرف بھی ہے ابتدائے خطبہ میں بسم اللہ کہنے کے جواز میں تو شک نہیں کہ منع شرعی نہیں، مگر آہستہ کہے، کتابوں میں جس قدر لکھا ہے وہ یہ ہے کہ اَعوذ آہستہ پڑھ کر خطبہ شروع کرے۔ص436

خطبہ میں آیۂ قرآنی سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہئے اور اگر وہ آیت ابتدائے سُورہ ہے تو بسم اللہ شریف بھی، فقیر کا ہمیشہ اسی پر عمل ہے، اور اگر سرِ آیت پر بھی بسم اللہ پڑھ لے گا حرج نہیں۔ص446

فقہ حنفی میں تو متعدد اشخاص مثلِ زمخشری وزاہدی ومطرزی معتزلہ گزرے ہیں ان کے اقوال فروعِ فقہ میں نقل ومسلم ہوتے ہیں اور عقائد میں وہ لوگ گمراہ بددین ہیں یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔ص437

خطیب خطبہ کتاب میں دیکھ کر پڑھتا ہے؟

دیکھ کر اور زبانی نفس ادائے حکم میں یکساں ہیں مگر زبانی اَوْفَق بالسنۃ ہے۔ص438

جس شہر میں جمعہ کی نماز پڑھانے والا دیوبندی یا بدعقیدہ اور دوسری کسی مسجد میں بھی جمعہ نہ ہوتا ہو تو؟

جب صورت ایسی ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ کسی مسلمان صالح امامت کو اپنا امام مقرر کریں اس کے پیچھے جمعہ وعیدین پڑھیں، جمعہ قائم کرنے کے لئے اگر کوئی مسجد (نہ) بنائیں تو اذن عام مسلمین واشتہار کے ساتھ کسی میدان خواہ مکان میں پڑھیں اور اگر اس پر قدرت نہ ہو اور سب مساجد کے امام دیوبندی یا وہابی یا غیر مقلد یا نیچری یا مرزائی وغیرہم مرتدین ہیں تو فرض ہے کہ ظہر تنہا تنہا پڑھیں ان لوگوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے جیسے کسی بت پرست یا آریہ کے پیچھے یہ ترکِ جمعہ نہ ہوا کہ وہ جو پڑھ رہے ہیں لغو و باطل حرکت ہے نماز ہی نہیں، اور ان کی اقتداء بوجوہ حرام قطعی ہے بلکہ ان کے عقائد پر مطلع ہو کر پھر بھی انہیں قابلِ امامت جانے تو کافر ہو جائے۔ ہاں اگر کہیں ایسا بدمذہب ہو جس پر حکم کفر نہیں جیسے تفضیلیہ، اور سنی کی امامت نہ مل سکے تو اس کے پیچھے جمعہ و عیدین پڑھ لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص440

کیا خطبۂ جمعہ کھڑے ہو کر سننا جائز ہے؟

خطبہ سننے کی حالت میں حرکت منع ہے اور خطبہ بِلاضرورت کھڑے ہو کر سننا خلافِ سنت ہے۔ص441

وجوبِ جمعہ کی سات شرطیں ہیں

(۱) حریت (آزاد ہونا) (۲) ذکورت (مرد ہونا) (۳) عقل (۴) بلوغ (۵) شہر میں اقامت (۶) اتنی صحت کہ حاضرِ جماعت ہوکر پڑھ سکے (۷) عدمِ مانع مثلِ حبس وخوفِ دشمن وبارانِ شدید وغیرہ۔

ان کی تفاصیل اور بعض استثناء دُرمختار وغیرہ میں ہیں **وقد ادخلنا البصر وقدرۃ المشی فی الصحۃ** (ہم نے صحت میں بینائی اور چلنے کی قدرت کو شامل کیا ہے)

اوراس کے صحیح ہونے کی سات (۷) شرطیں ہیں:

(۱) شہر یا فنائے شہر۔

(۲) سلطانِ اسلام یا اس کا نائب یا ماذون یا بضرورت جسے عام مسلمین نے امام جمعہ بنایا ہو۔

(۳) وقتِ ظہر ختم تک باقی رہنا۔

(۴) خطبہ وقتِ ظہر میں

(۵) قبل نماز کم از کم تین مسلمان مردوں عاقلوں کے سامنے خطبہ ہونا۔

(۶) جماعت سے ہونا جس میں کم از کم تین ایسے مرد ہوں۔

(۷) جمعہ کے لئے اذنِ عام ہونا بلا وجہ شرعی کسی کی روک نہ ہو۔ص 445

جمعہ کے روز بغیر جمعہ پڑھے شہر سے جانے کا حکم

اگر وہ ٹھیک دوپہر ہونے سے پہلے شہر کی آبادی سے نکل جاتا ہے تو اس پر اَصلاً کچھ الزام نہیں اور اگر اسے شہر ہی میں وقتِ جمعہ ہو جاتا ہے اس کے بعد بے پڑھے چلا جاتا ہے تو ضرور گنہگار رہے۔ص 459

بحری جہاز میں سمندر یا دریا میں نمازِ جمعہ وعیدین نہیں ہوسکتی

دریا میں نمازِ جمعہ وعیدین نہیں ہوسکتی، اگر سمندر ہے جب تو ظاہر ہے کہ وہ حکمِ دارالحرب میں ہے اور دارالحرب میں جمعہ وعیدین باطل۔

ردالمحتار میں ہے: حاشیہ ابوسعود میں شرح النظم الہاملی کے حوالے سے ہے کہ سطحِ سمندر کا حکم دارُالحرب کا ہے (ت)

اور اگر دریا ہو تو دریا نہ مصر ہے نہ فنائے مصر، یہاں تک کہ شہر کے دو حصے کہ اس کے دو پہلوں پر آباد ہوں دو شہر کے مثل ہیں کہ دریا ایک جُدا ومستقل چیز بیچ میں فاصل ہے۔

ظاہر ہے کہ فنا تابع ہے نہ کہ قاطع، اور جمعہ وعیدین نہیں ہوسکتے مگر مصر یا فنائے مصر میں، یہ سب اس صورت میں ہے کہ اُترنا متعذر رہو ورنہ نمازِ پنجگانہ نہ وتر وسنت فجر بھی ان جہازوں میں نہیں ہوسکتے کہ ان کا استقراء پانی پر ہے اور ان نمازوں کی شرطِ صحت استقرار علی الارض مگر بحالِ تعذر۔ص 463

رسالہ: رِعَایۃ المَذھَبَین فی الدّعاءِ بین الخُطبتین (دوخطبوں کے درمیان دُعا کرنے کا بیان) ص 477

بروز جمعہ بین الخطبتین (دوخطبوں کے درمیان) کے جلسہ میں ہاتھ اُٹھا کر دُعا آہستہ مانگی جاتی ہے اور بعض لوگوں کا اس کو مکروہِ شدید وحرام وبدعتِ سیئہ وشرک قرار دے کر اس فعل کو منع کرنا کیسا؟

الجواب: امام کے لئے تو اس دُعا کے جواز میں اَصلاً کلام نہیں، جس کے لئے نہیِ شارع نہ ہونا ہی سند کافی پھر یہاں صحیح حدیث کافوی الخطاب اُس کی اجازت پر دلیلِ صواب کہ خود حضور پُرنُور سیدِعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عین خطبہ میں دستِ مبارک بلند فرما کر ایک جمعہ کو مینہ برسنے اور دوسرے کو مدینہ طیبہ پر سے کُھل جانے کی دُعا مانگنا، صحیح بخاری ومسلم وغیرہا میں حدیثِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حالانکہ وہ قطعِ خطبہ کو مستلزم، تو بین الخطبتین بدرجہ اَولیٰ جواز ثابت یہ حکم امام کا ہے، رہے مقتدی ان کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مختلف، امام ثانی عالمِ ربانی قاضی الشرق والغرب حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک انھیں صرف بحالتِ خطبہ سکوت واجب، قبلِ شروع وبعدِختم وبینَ الخطبتین دعا وغیرہ کلامِ دینی کی اجازت دیتے ہیں، اور امام الائمہ مالک الازمہ حضرت امام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خروجِ امام سے ختمِ نماز تک عندالتحقیق دِینی ودُنیوی ہر طرح کے کلام یہاں تک کہ امر بالمعروف وجوابِ سلام بلکہ مخلِ استماع ہر قسم کے کام سے منع فرماتے ہیں اگرچہ کلام آہستہ ہو اگرچہ خطیب سے دُور بیٹھا ہو کہ خطبہ سُننے میں نہ آتا ہو، امامِ ثالث محررُ المذہب محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ بین الخطبتین میں امامِ اَعظم اور قبل وبعد میں امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں۔

تحقیق یہی ہے، اگرچہ یہاں اختلافِ نقول، حدِ اِضطراب پر ہے کہ سب کو مع ترجیح وتنقیح ذکر کیجئے تو کلام طویل ہو، اس تحقیق کی بنا پر حاصل اس قدر کہ مقتدی دل میں دعا مانگیں کہ زبان کو حرکت نہ ہو تو بلاشبہ جائز کہ جب عین حالتِ خطبہ میں وقتِ ذکر شریف حضور پُرنُور سیدِعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دل سے حضور پر دُرود بھیجنا مطلوب، تو بین الخطبتین کہ امام ساکت ہے دل سے دعا بدرجہ اَولیٰ رَوا، اور زبان سے مانگنا امام کے نزدیک مکروہ، اور امام ابی یوسف کے نزدیک جائز، اور مختار قولِ امام ہے، تو بیشک مذہبِ منقح حنفی میں مقتدیوں کو اس سے اِحتراز کا حکم ہے پس غایت یہ کہ جو لوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہوں انھیں بتادیا جائے۔

بالجملہ مقتدیوں کا یہ فعل تو علی الاختلاف ممنوع مگر مسلمانوں کو بلاوجہ مشرک بدعتی کہنا بالاجماع حرام قطعی تو یہ حضرات مانعین خود اپنی خبر لیں اور امام کے لئے تو اس کے جواز میں اَصلاً کلام نہیں، ہاں خوفِ مفسدۂ اعتقادِ عوام ہو تو التزام نہ کرے، فقیر غفر اللہ تعالیٰ اس جلسہ میں اکثر سکوت کرتا اور کبھی اِخلاص کبھی دُرود پڑھتا ہے اور رفع یدین کبھی نہیں کرتا کہ مقتدی دیکھ کر خود بھی مشغول بدُعا نہ ہوں، مگر معاذ اللہ ایسا ناپاک تشدّد شرع کبھی روا نہیں فرماتی، مولیٰ تعالیٰ ہدایت بخشے آمین۔ ص 477

دعا بین الخطبتین ہرگز ایسی چیز نہیں ہے جس سے ممانعت پر کچھ بھی زُور دیا جائے ایسے مسائل میں تفرقہ اندازی، فتنہ پردازی، جدال پسندی، فریق بندی وہی لوگ کیا کرتے ہیں جو اس کے ذریعہ شہرت چاہتے ہیں میرا مسلک اس میں ہمیشہ یہ رہا ہے کہ خود میرے سامنے مقتدین دعا کرتے ہیں اور میں کبھی منع نہیں کرتا اور یہی مسلک میرے آبائے کرام اور محققین اَعلام کا رہا ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ اجمعین، خود بمبئی میں بھی میں نے جمعہ پڑھایا اور حاضرین نے بین الخطبتین دعائیں مانگیں اور میں نے نہ اس وقت منع کیا نہ بعد کو۔ ص 438

خطیب کا دو خطبوں کے درمیان کتنی دیر بیٹھنا سنت ہے؟

بیٹھنا خطیب کا درمیان دونوں خطبوں کے سنت ہے۔ اور اس بیٹھنے کو سنت بمقدار تین آیات عالمگیری میں بالتصریح بیان کیا ہے۔ص490

رسالہ: اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ (اذانِ جمعہ کے بارے میں کامل رہنمائی) ص497

جمعہ کی دوسری اذانِ مسجد کے اندر اذان دینا کیسا ہے؟ اور مسجد وفنائے مسجد کی تعریف

ہمارے علمائے کرام نے فتاوٰی قاضی خان وفتاوٰی خلاصہ وفتح القدیر ونظم وشرح نقایہ برجندی وبحر الرائق وفتاوٰی ہندیہ وطحطاوی وعلی مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے۔ص498

جو اَذان درِ مسجد پر یا فنائے مسجد کی کسی زمین میں جہاں تک حائل نہ ہو محاذاتِ امام میں دی جائے اُس پر ضرور بین یدیہ (اس کے رُوبرو۔ت) صادق ہے بلاشبہ کہا جائے گا کہ امام کے سامنے خطیب کے رُوبرو منبر کے آگے اذان ہوئی، اور اسی قدر درکار ہے۔ **الحمدللہ یہاں اس سنّتِ کریمہ کا اِحیاء رب عزوجل نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا، میرے یہاں مؤذنوں کو مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے، جمعہ کی اذانِ ثانی بحمد اللہ تعالٰی منبر کے سامنے دروازۂ مسجد پر ہوتی ہے جس طرح زمانہ اقدس حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں ہوا کرتی تھی۔**

اقول: وباللہ التوفیق یہاں دو نکتے اور قابلِ لحاظ وغور ہیں:

اول: اگر بانی مسجد نے مسجد بناتے وقت تمامِ مسجدیت سے پہلے مسجد کے اندر اذان کے لئے منارہ خواہ کوئی محلِ مرتفع بنایا تو یہ جائز ہے، اور اتنا ٹکڑا اَذان کے لئے جُدا سمجھا جائے گا اور مسجد میں اذان دینے کی کراہت یہاں عارض نہ ہوگی جیسے مسجد میں وضو کرنا اَصلاً جائز نہیں مگر پہلے سے اگر کوئی محلِ معین بانی نے وضو کے لئے بنوا دیا ہو تو اس میں وضو جائز کہ اس قدر مستثنٰی قرار پائے گا۔

اسی طرح اگر منارہ یا مئذنہ بیرونِ مسجد فنائے مسجد میں تھا بعدہ، مسجد بڑھائی گئی ہو اور زمین متعلقِ مسجد مسجد میں لے لی کہ اب مئذنہ اندرونِ مسجد ہوگیا اس پر بھی اذان میں حرج نہ ہوگا کہ یہ بھی وہی صورت ہے کہ اس زمین کی مسجدیت سے پہلے اس میں یہ محل اذان کے لئے مصنوع ہو چکا تھا (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) ہاں اگر داخلِ مسجد کوئی شخص اگرچہ خود بانی مسجد نیا مکان اذان کے لئے مستثنٰی کرنا چاہے تو اُس کی اجازت نہ ہونی چاہئے کہ بعد تمامی مسجد کسی کو اُس سے استثناء یا فعلِ مکروہ کے لئے بنا کا اختیار نہیں۔

دوم: متعلقاتِ مسجد میں مسجد کے لئے اذان ہونے کو عرف میں یونہی تعبیر کرتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہوئی مثلاً منارہ بیرونِ مسجدِ زمین خاص مسجد سے کئی گز کے فاصلے پر ہو اور اُس پر اذان کہی جائے تو ہر شخص یہی کہے گا مسجد میں اذان ہوگئی نماز کو چلو، یُوں کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر اذان ہوئی نماز کو اٹھو یہ عرف عام شائع ہے جس سے کسی کو مجالِ انکار نہیں، ولہذا امام محقق علی الاطلاق نے **ھو ذکر اللہ فی المسجد**۔ (یہ مسجد میں ذکرِ الٰہی ہے۔ت) کی وہ تفسیر فرمادی کہا ای فی حدودہ (یعنی مسجد کے حدود

میں۔ت)اور اس کی دلیل وہی ارشاد فرمائی کہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ(کیونکہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ت) یہ نکتہ خوب یاد رکھنے کا ہے۔ص 501

* لفظ (بَیْنَ یَدَی) کے معنی کی تحقیق۔ص 500

بابُ العیدین (عیدین کا بیان)

جامع مسجد میں نمازِ عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جائز ہے مگر سنت یہ ہے کہ نمازِ عیدین عیدگاہ میں چاہئے جبکہ کوئی عذرِ شرعی مانع نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔ص 570

نمازِ عید شہروں میں ہر مرد آزاد، تندرست، عاقل، بالغ، قادر پر واجب ہے، قادر کے یہ معنی کہ نہ اندھا ہو، نہ لولا ہو، نہ لنجھا، نہ قیدی، نہ کسی ایسے مریض کا تیماردار ہو کہ یہ اُسے چھوڑ کر گھر سے جائے تو مریض ضائع رہ جائے، نہ ایسا بوڑھا کہ چل پھر نہ سکے، نہ اُسے نماز کو جانے میں حاکم یا چور یا دشمن کی طرف سے جان یا مال یا عزت کا سچا خوف ہو، نہ اس وقت مینہ یا برف یا کیچڑ یا سردی اس قدر شدت سے ہو کہ نماز کو جانا سخت مشقت کا موجِب ہو۔ص 570

نمازِ عید الفطر میں جو بوجہ عذر ایک دن کی تاخیر روا رکھی ہے وہاں شرطِ عذر صرف نفیِ کراہت کے لئے نہیں بلکہ اصلِ صحت کے لئے ہے یعنی اگر بلاعذر رُوزِ اول نہ پڑھے تو روزِ دوم اَصلاً صحیح نہیں، نہ یہ کہ مع الکراہت جائز ہو۔ص 572

* **صحراؤں کی افتادہ زمینیں بادشاہ کی مِلک نہیں ہوتیں وُہ اصل مِلکِ خدا اور رسول پر ہیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حدیث میں ہے: افتادہ زمینیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہیں۔ حاکمِ وقت نے جب اجازت دے دی اور استرداد کا خوف نہ رہا اور مسلمانوں نے وقف کر دی وقف صحیح لازم ہوگئی۔ص 581**

* **عیدگاہ میں مسجد کا مال لے جانا ممنوع ہے۔ص 584**

* **نمازِ عید ایک شہر میں متعدد جگہ بالاتفاق روا ہے۔ص 590**

* **نماز کے لئے جس طرح وقت شرط ہے یونہی اعتقادِ مصلی میں وقت آجانا شرط ہے مثلاً اگر صبح کی نماز پڑھی اور اسے طلوعِ صبح میں شبہ تھا، نماز نہ ہوئی اگرچہ واقع میں صبح ہوگئی ہو۔ص 594**

* **کپڑوں کے اوپر سے معانقہ بطورِ برّ وکرامت واظہارِ محبت بے فسادِ نیت ومواد شہوت، بالاجماع جائز جس کے جواز پر احادیثِ کثیرہ وروایاتِ شہیرہ ناطق۔ص 603**

بابُ الاستسقاء (نمازِ استسقاء کا بیان)

نمازِ استسقاء نماز ہے یا دُعا، اور استسقاء کیسے وقت میں ہونا چاہئے؟

الجواب: نمازِ استسقاء صاحبین کے نزدیک سنت ہے اور اسی پر عمل ہے اور اُس وقت ہونا چاہیے جبکہ حاجت شدید ہو اور امید منقطع

ہوچکی ہو اور لوگ اس کے آداب کے طور پر اسے بجالائیں خشیت وخشوع اس کی اصل ہے اور وہ آج کل اکثر قلوب سے مرتفع الاّ ماشاء اللہ اس ملک میں ہمسایہ کفار ہیں ہماری بے طوریوں کے باعث کہ نہ دعا کے طور پر دعا کرتے ہیں نہ نماز کے طور پر نماز پڑھتے ، اگر اجابت نہ فرمائی جائے تو کفار کے مضحکہ کا اندیشہ ہے اس لئے یہاں کی حالت کے مناسب تر اس عمل پر اقتصار رہے جو قرآنِ عظیم میں نزولِ بارانِ رحمت کے لئے ارشاد ہوا یعنی کثرتِ استغفار وتوجہ بہ عزیز غفار { فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا } (تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف کرنے والا ہے تم پر شراٹے کا مینہ بھیجے گا۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم ۔ص 640

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہلِ بحث نہیں

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہلِ بحث نہیں ان کی بحث کا اگر مسئلہ منصوصہ کے خلاف ہونا معلوم نہ بھی ہوتا ہم وہ ایک بحث ہے جو حجت نہیں ہوسکتی نہ کہ جب ان کی بحث مخالفِ منقول ومنصوص واقع ہے کہ ایسی بحث تو امام ابن الہمام کی بھی مقبول نہیں ہوتی جس کی خود علامہ شامی نے جابجا تصریح فرمائی کما بیناہ فی کتابنا فصل القضاء فی رسم الافتاء (جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''فصل القضاء فی رسم الافتاء'' میں بیان کیا ہے۔ت) ۔ص 403

جلد نمبر 9

باب الجنائز

جس وقت آدمی علیل ناقابلِ صحت مثلاً مدقوق ہوجائے، زندگی کی اُمید نہ رہے تو اس کو شرعاً کیا کرنا چاہئے؟ اور عزیز واقارب کو کیا کرنا چاہئے؟

آدمی ہر وقت موت کے قبضہ میں ہے، مدقوق اچھا ہوجاتا ہے اور وہ جو اس کے تیمار میں دوڑتا تھا اُس سے پہلے چل دیتا ہے، ہر وقت وصیّت تیار رہنی چاہئے جس میں اپنے پسماندوں کو توحیدِ الٰہی عزوجل رسالت پناہی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واستقامتِ عقائدِ اہلسنّت واتباعِ شریعت واصلاحِ ذاتِ بین، وحدت، وقربِ اولیاء، ودُوری وتنفُّر از کُفّار وضلال وفسق کی ہدایت ہو اور بعد کو کچھ ترکہ چھوڑے تو اس کا شرعی کافی انتظام جس میں نزاع نہ رہے اور اپنی تجہیز وتکفین میں اتباعِ سنّت کی ہدایت، اور ان پر لازم ہے کہ اس پر عمل کریں۔ اور سب سے پہلے خود اپنی اِصلاح، گناہوں سے توبہ، اللہ اور رسول کی طرف رجوع، موت کا خوشی کے ساتھ انتظار کرنا کہ آتے وقت ناگواری نہ ہو، اس وقت کی ناگواری معاذ اللہ بہت سخت ہے، عیاذاً باللہ اس میں سوءِ خاتمہ کا خوف ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ لقاءہ۔** جو اللہ سے ملنا پسند کرے گا اللہ اس کا ملنا پسند فرمائیگا اور جو اللہ سے ملنے کو مکروہ رکھے گا اللہ اس کا ملنا مکروہ رکھے گا۔

صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم میں کون ایسا ہے کہ موت کو مکروہ نہ رکھے۔ فرمایا: یہ مراد نہیں بلکہ جس وقت دَم سینہ پر آئے اُس وقت کا اعتبار ہے اُس وقت جو اللہ سے ملنے کو پسند رکھے گا اللہ تعالٰی اس سے ملنے کو دوست رکھے گا اور ناپسند تو ناپسند۔ اپنے ذمہ نماز یا روزہ یا زکوٰۃ جو کچھ باقی ہو فوراً بقدرِ قدرت اس کی ادا میں مشغول ہو حج نہ کیا ہو اور فرض تھا تو دیر نہ لگائے۔ بوجہ مرض طاقت نہ رہی تو حج بدل کرادے اگر اخیر دم تک طاقت نہ پائے گا ادا ہوجائے گا، ورنہ جب قوت پائے خود ادا کرے، حقوق العباد جس قدر ہوں جو ادا کرنے کے ہیں ادا کرے، جو معافی چاہنے کے ہیں معافی چاہے اور اس میں اَصلاً تاخیر کو کام میں نہ لائے کہ یہ شہادت سے بھی معاف نہیں ہوتے، معافی چاہنے میں کتنی ہی تواضع کرنی پڑے اُس میں اپنی کسرِ شان نہ سمجھے اس میں ذلت نہیں ذلت اس میں ہے کہ جس روز بارگاہِ عزّت میں حاضر ہو، اس طور پر کہ، اُس کا حق دَبایا ہے، اُسے بُرا کہا ہے، اُس کی غیبت کی ہے، اسے مارا ہے، اور وہ حقدار اس سے لپٹیں، اُس کی نیکیاں اُن کو دی جائیں، اُن کے گناہ اُس پر رکھے جائیں اور جہنم میں پھینک دیا جائے **والعیاذ باللہ تعالٰی**، جب تک زیست ہے آیات واحادیثِ خوف کے ترجمے اکثر سُنا اور دیکھا کرے، اور جب وقت برابر آجائے، اُسے آیات واحادیثِ رحمت مع ترجمے کے سُنائیں کہ جانے کہ کس کے پاس جارہا ہوں تاکہ اپنے رب کے ساتھ نیک گمان کرتا اُٹھے **رزقنا اللہ تعالٰی بجاہ حبیبہ الاکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ**

وسلم (اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل اسے نصیب کرے۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص 81

جنازہ اُٹھانے میں کس طرف سے سبقت کی جائے؟

جنازہ کو یوں لے چلیں کہ سرہانہ آگے کی جانب ہو اور پہلے سرہانے کا داہنا پایہ اپنے داہنے شانے پر لے، پھر پائنتی کا دہنا، پھر سرہانے کا بایاں پھر پائنتی کا بایاں، اور ہر بار کم از کم دس دس قدم چلے، یہ ایک دَور ہُوا۔ اس پر چالیس گناہِ کبیرہ معاف ہونے کی بشارت ہے، حسبِ طاقت وحالت جتنے دَورے ممکن ہو کرے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص82

کیا میّت والے کے یہاں روٹی پکانا منع ہے؟

موت کی پریشانی کے سبب وُہ لوگ پکاتے نہیں ہیں، پکانا کوئی شرعاً منع نہیں، یہ سنت ہے کہ پہلے دن صرف گھر والوں کے لئے کھانا بھیجا جائے اور انہیں باصرار کھلایا جائے، نہ دوسرے دن بھیجیں، نہ گھر سے زیادہ آدمیوں کے لئے بھیجیں، **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص90

میّت کو نہلانے کے لئے جو تختے پر لٹائیں تو شرقاً غرباً لٹائیں کہ پاؤں قبلے کو ہوں، یا جنوباً شمالاً کہ دہنی کروٹ قبلہ کو ہو؟

الجواب: سب طرح درست ہے، مذہبِ اصح میں اس باب میں کوئی تعیین وقید نہیں، جو صورت میسر ہو اُس پر عمل کریں۔ص 91

مُردے کے بال کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟

ناجائز ہے۔ درمختار میں ہے: میّت کے بالوں میں کنگھا نہ کیا جائے یعنی یہ مکروہِ تحریمی ہے، اور اس کے ناخن نہ تراشے جائیں مگر جو ٹوٹا ہُوا ہے، نہ ہی بال تراشے جائیں نہ ختنہ کیا جائے (ت)۔ص 91

عورت مرجائے تو شوہر کا اُسے غسل دینا جائز ہے یا نہیں؟

ناجائز ہے۔

اور وہ جو منقول ہُوا کہ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ، نے حضرتِ بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا۔

اوّلاً: اس کی ایسی صحت ولیاقت حجّیت محلِ نظر ہے۔

ثانیاً: دوسری روایت یوں ہے کہ اُس جناب کو حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دائی نے غسل دیا۔

ثالثاً: (ماضی) بمعنی امر شائع، یقال "قتل الامیر فلانا" و "قاتل الملك القوم الفلانی" وفی الحدیث "اَذَّنَ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" ای اَمَرَ بالتاذین۔ کہا جاتا ہے "امیر نے فلاں کو قتل کیا" "بادشاہ نے فلاں قوم سے جنگ کی" حدیث میں آیا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان دی "یعنی اذان کا حکم دیا"۔ (ت)

رابعاً: اضافتِ فعل بسوئے مسبب غیر مستنکر اور حدیثِ علی ان وجوہ پر محمول کرنے سے تعارض مرتفع یعنی امِ ایمن نے اپنے ہاتھوں سے نہلایا اور سیّدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، نے حکم دیا یا اسبابِ غسل کو مہیّا فرمایا۔

خامساً: مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے لئے خصوصیت تھی اوروں کا قیاس اُن پر رَوا نہیں۔ ہمارے علماء جو غسلِ زوجہ سے منع فرماتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ بعدِ موت بسببِ اِنعدامِ محل، ملکِ نکاح ختم ہوجاتی ہے، توشوہر اجنبی ہوگیا۔

مگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رشتہ ابدالآباد تک باقی ہے کبھی منقطع نہ ہوگا۔ سرکار نے فرمایا: ہر رشتہ اور ہر نسب قیامت کے دن ٹوٹ جائے گا مگر میرا رشتہ اور نسب باقی رہے گا۔ ص92

بعد وفات عورت کا مرد کو اور مرد کا عورت کو چھونا اور غسل دینا ناجائز ہے؟

یہ مسئلہ مرد کے بارہ میں صحیح ہے کہ وُہ بعد وفاتِ زن اُسے غسل نہیں دے سکتا، نہ اُس کے بدن کو ہاتھ لگا سکتا ہے کہ موت سے عورت اَصلاً محلِ نکاح نہ رہی۔ چُھونے کا جواز صرف بر بنائے نکاح تھا ورنہ زن وشوہر اصل میں اجنبی محض ہوتے ہیں، اب کہ نکاح زائل ہوگیا، چھونے کا جواز بھی جاتا رہا۔ اور عورت کے بارے میں بھی صحیح ہے اُس حالت میں کہ وقتِ غسل عورت زوجیتِ زوج میں نہ ہو۔ مثلاً مرد نے طلاقِ بائن دے دی تھی یا بعدِ وفاتِ شوہر عدت گزر گئی، مثلاً عورت حاملہ تھی شوہر کے انتقال ہوتے ہی بچہّ پیدا ہوگیا کہ اب عدّت نہ رہی اور زوجیت سے یکسر نکل گئی، اسی طرح عورت معاذ اللہ بعد وفاتِ شوہر مرتدہ ہوگئی، پھر اسلام لے آئی یا پسرِ شوہر کو شہوت کے ساتھ چھولیا کہ ان سب صورتوں میں نکاح زائل ہوگیا، بخلاف اس کے کہ شوہر مرگیا اور عورت عدّتِ وفات میں ہے، یا شوہر نے طلاقِ رجعی دی تھی اور ہنوز عدت باقی تھی کہ اس کا انتقال ہوا، ان صورتوں میں عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے کہ ہنوز حکمِ زوجیّت باقی ہے۔ ص95

زوجہ کا جنازہ شوہر کو چھونا کیسا ہے؟ چھونا چاہئے یا نہیں؟ شوہر کا اپنی زوجہ کا منہ قبر میں رکھنے کے بعد دیکھنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟

الجواب: شوہر کو بعد انتقالِ زوجہ قبر میں خواہ بیرونِ قبر اس کا منہ یا بدن دیکھنا جائز ہے، قبر میں اُتارنا جائز ہے، اور جنازہ تو محض اجنبی تک اٹھاتے ہیں، ہاں بغیر حائل کے اس کے بدن کو ہاتھ لگانا شوہر کو ناجائز ہوتا ہے۔ زوجہ کو جب تک عدت میں رہے شوہر مردہ کا بدن چھونا بلکہ اسے غسل دینا بھی جائز رہتا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔** ص138

غسلِ میت ایک دیا جائے گا یا دو؟

غسل ایک دیا جائے گا، غسل دوبارہ دینے کی مطلقاً کسی حال میں حاجت نہیں۔ اگر نجاست برآمد ہو دھودی جائے۔ ص98

گھڑے بدھنے میّت کو غسل دینے کے بعد پھوڑ ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

گناہ ہے کہ بلا وجہ تضییعِ مال ہے کہ اگر وہ ناپاک بھی ہوجائیں تاہم پاک کرلینا ممکن۔ اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ ان سے مُردے کو نہلایا ہے تو ان میں نحوست آگئی تو یہ خیال اوہامِ کفارِ ہند سے بہت ملتا ہے۔ ص98

کفن کے احکام

سنّت مرد کے لئے تین کپڑے ہیں ایک تہ بند کہ سر سے پاؤں تک ہو، اور (کفنی) گردن کی جڑ سے پاؤں تک، اور چادر کہ

اُس کے قد سے سر اور پاؤں دونوں طرف اتنی زیادہ ہو جسے لپیٹ کر باندھ سکیں۔ پہلے چادر بچھائیں اُس پر تہبند، پھر میّت مغسول کا بدن ایک کپڑے سے صاف کریں پھر اس پر رکھ کر کفنی پہنا کر تہبند لپیٹیں، پہلے بائیں طرف پھر دہنی طرف لپیٹیں تاکہ دہنا حصہ بائیں کے اوپر رہے۔ پھر اسی طرح چادر لپیٹ کر اوپر نیچے دونوں جانب سے باندھ دیں۔

اور عورت کے لئے پانچ کپڑے سنّت ہیں، تین یہی، مگر مرد و عورت کے لئے کفنی میں اتنا فرق ہے کہ مرد کی قمیص عرض میں مونڈھوں کی طرف چیرنا چاہئے اور عورت کا طول میں سینے کی جانب۔ چوتھے اوڑھنی جس کا طول ڈیڑھ گز یعنی تین ہاتھ ہو۔ پانچواں سینہ بند کہ پستان سے ناف بلکہ افضل یہ ہے کہ رانوں تک ہو۔ پہلے چادر اور اس پر تہ بند بدستور بچھا کر کفنی پہنا کر تہ بند پر لٹائیں اور اس کے بال دو حصّے کر کے بالائے سینہ کفنی کے اوپر لاکر رکھیں اُس کے اوپر اوڑھنی سر سے اُڑھا کر بغیر (لپیٹے) منہ پر ڈال دیں، پھر تہ بند اور اس پر چادر بدستور لپیٹیں اور چادر اُسی طرح دونوں سمت باندھ دیں، ان سب کے اوپر سینہ بند بالائے پستان سے ناف یا ران تک باندھیں، یہ کفنِ سنّت ہے، اور کافی اس قدر ہے کہ مرد کے لئے دو کپڑے ہوں تہبند اور چادر۔ اور عورت کے لئے تین، کفنی و چادر اور تیسرے اوڑھنی، اسے کفنِ کفایت کہتے ہیں۔ اگر میت کا مال زائد اور وارث کم ہوں تو کفنِ سنّت افضل ہے، اور عکس ہو تو کفنِ کفایت اَولیٰ اور اس سے کمی بحالتِ اختیار جائز نہیں۔ ہاں وقتِ ضرورت جو میسر آئے صرف ایک ہی کپڑا کہ سر سے پاؤں تک ہو، مرد و عورت دونوں کے لئے بس ہے۔ جاہل محتاج جب اُن کا مورث محتاج مرتا ہے لوگوں سے پورے کفن کا سوال کرتے ہیں، یہ حماقت ہے، ضرورت سے زیادہ سوال حرام اور ضرورت کے وقت کفن میں ایک کپڑا کافی، بس اسی قدر مانگیں اس سے زائد مانگنا جائز نہیں۔ ہاں ان کو بے مانگے جو مسلمان بہ نیّتِ ثواب پُورا کفن محتاج کے لئے دے گا اللہ عزوجل سے پُورا ثواب پائے گا۔ نابالغ اگر حدِ شہوت کو پہنچ گیا ہے جب تو اس کا کفن جوان مرد و عورت کی مثل ہے، اور یہ حکم یعنی حدِ شہوت کو پہنچنا پِسَر میں بارہ اور دُختر میں نو برس کی عمر کے بعد نہیں رُکتا، اور ممکن کہ کبھی اس سے پہلے بھی حاصل ہو جائے جبکہ جسم نہایت قوی اور مزاج گرم اور حرارت جوش پر ہو۔ لڑکوں میں یہ اُس کا دِل عورتوں کی طرف رغبت کرنے لگے اور لڑکیوں میں یہ کہ اُسے دیکھ کر مردوں کو اس کی طرف میل پیدا ہو۔ جو بچّے اس عمر و حالت کو نہ پہنچیں اُن میں پِسَر کو ایک اور دُختر کو دو کپڑوں میں کفن دے دیں تو کوئی حرج نہیں، اور پِسَر کو دو، دُختر کو تین دیں تو اچھا ہے۔ اور دونوں کو پورا کفن مرد و عورت کا دیں تو سب سے بہتر اور جو بچّہ مردہ پیدا ہو یا کچّا گر گیا اُسے بہر طور ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہئے کفن نہ دیں۔ ص99

میت پر پھولوں کی چادر ڈالنا

پھولوں کی چادر بالائے کفن ڈالنے میں شرعاً اَصلاً حرج نہیں بلکہ نیتِ حسن سے حسن ہے جیسے قبور پر پھول ڈالنا کہ وہ جب تک تر ہیں تسبیح کرتے ہیں اس سے میّت کا دل بہلتا ہے اور رحمت اترتی ہے۔ یونہی تبرک کے لئے غلافِ کعبہ معظّمہ کا قلیل ٹکڑا سینے یا چہرے پر رکھنا بلاشبہہ جائز ہے۔ ص105

رسالہ: الحرف الحسن فی الکتابة علی الکفن
(کفن پر لکھنے کے بارے میں عمدہ گفتگو) ص107

ہمارے علماءِ کرام نے فرمایا کہ میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے امیدِ مغفرت ہے امام ترمذی حکیمِ الٰہی سیّدی محمد بن علی معاصر امام بخاری نے نوادرُالاصول میں روایت کی کہ خود حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو یہ دُعا کسی پرچہ پرلکھ کر میّت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھ دے اُسے عذابِ قبر نہ ہو، نہ منکر نکیر نظر آئیں، اور وہ دعا یہ ہے: لَآ اِلٰہَ الا اللہ واللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لا الٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد لا الٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوّۃ الّا باللہ العلیّ العظیم۔ ص108

بلکہ صحاحِ ستّہ سے ثابت کہ جب عبداللہ بن اُبی منافق کہ سخت دشمنِ حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تھا جس نے وہ کلمۂ ملعونہ {لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ} (جب ہم مدینہ کو لوٹیں گے الخ۔ت) کہا، جہنم واصل ہوا، حضور پُرنور حلیم غیور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ابن عبداللہ ابنِ اُبی کی درخواست سے کہ صحابیِ جلیل ومومن کامل تھے، اُس کے کفن کے واسطے اپنا قمیص مقدس عطا فرمایا، پھر اس کی قبر پر تشریف فرما ہوئے، لوگ اُسے رکھ چکے تھے، حضور طیب وطاہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس خبیث کو نکلوا کر لعابِ دہنِ اقدس اس کے بدن پر ڈالا اور قمیص مبارک میں کفن دیا، اور یہ بدلا اس کا تھا کہ روزِ بدر جب سیّدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما گرفتار آئے برہنہ تھے، بوجہ طولِ قامت کسی کا کُرتا ٹھیک نہ آتا اس مردک نے انہیں اپنا قمیص دیا تھا۔ حضور عزیز صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چاہا کہ منافق کا کوئی احسان حضور کے اہلبیت کرام پر بے معاوضہ نہ رہ جائے لہذا اپنے دو قمیص مبارک اس کے کفن میں عطا فرمائے، ونیز مرتے وقت وہ ریاکار، نفاق شعار، خود عرض کر گیا کہ حضور مجھے اپنے قمیص مبارک میں کفن دیں، پھر اس کے بیٹے رضی اللہ تعالٰی عنہ نے درخواست کی، اور ہمارے کریم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کا ادبِ قدیم ہے کہ کسی کا سوال رَد نہیں فرماتے حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ شانِ رحمت دیکھ کر کہ اپنے کتنے بڑے دشمن کو کیسا نوازا ہے ہزار آدمی قوم ابن اُبی سے مشرف باسلام ہوئے کہ واقعی یہ حلم ورحمت وعفو ومغفرت نبیِ برحق کے سوا دوسرے سے متصور نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم۔ ص115

✻ تبرکات سے برکت لینے کی احادیث۔ص 112 تا 119

کفن پر آیاتِ کلام اللہ واحادیث وغیرہ لکھی ہوں وہ میّت کو پہنانا کیسا ہے؟

بالجملہ حکمِ جواز ہے اور اگر بلحاظِ زیادتِ احتیاط کفن پر لکھنے یا لکھا ہوا کفن دینے سے اجتناب کرے تو جَادَارَدْ۔ اس بحث کی تکمیل وتفصیل فقیر نے تعلقیاتِ ردالمحتار میں ذکر کی۔ ص122

شجرہ قبر میں رکھنا کیسا؟

ہماری تحقیق سے واضح ہوا کہ کفن میں رکھنے میں جو کلامِ فقہاء بتایا گیا وُہ متاخرینِ شافعیہ ہیں، ہمارے ائمہ کے طور پر یہ بھی روا ہے، ہاں خروج عن الخلاف کے لئے طاق میں رکھنا زیادہ مناسب وبجا ہے۔ ص134

بہتر یہ ہے کہ قبر طاق کھود کر اس میں شجرہ رکھا جائے اور تبرکات اگر سینہ پر رکھیں تو اُس کی ممانعت بھی ثابت نہیں **والتفصیل فی الحرف الحسن** (اور تفصیل ہمارے رسالہ "الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن" میں ہے۔ت) ص265

جنازے کے پیچھے باآوازِ بلند ذکر کرنا کیسا؟

کتبِ حنفیہ میں جنازے کے ساتھ ذکرِ جہر کو مکروہ لکھا ہے جس طرح خود نفسِ ذکرِ جہر کو بکثرت کتبِ حنفیہ میں مکروہ بتایا حالانکہ وہ اطلاقاتِ قرآنِ عظیم واحادیثِ حضور سیدُ المرسلین صلی تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور عندالتحقیق کراہت کا عروض نظر بعوارضِ خارجہ غیر لازمہ ہے جیسا کہ علامہ خیرالدین رملی استاد صاحبِ درمختار وغیرہ محققین نے تحقیق فرمایا اور ہم نے اپنے فتوٰی میں اُسے منقح کیا، یہاں بھی اُس کا منشاء عوارض ہی ہیں قلبِ ہمراہیاں کا مشوش ہونا یادِ موت سے دوسری طرف توجہ کرنا انصاف کیجئے تو یہ حکم اس زمانِ خیر کے لئے تھا جبکہ ہمراہیانِ جنازہ تصوّرِ موت میں ایسے غرق ہوتے تھے کہ گویا میّت ان میں ہر ایک کا خاص اپنا کوئی جگر پارہ ہے بلکہ گویا خود ہی میت ہیں، ہمیں کو جنازہ پر لئے جاتے ہیں اور اب قبر میں رکھیں گے، ولہذا علماء نے سکوتِ محض کو پسند کیا تھا کہ کلام اگرچہ ذِکر ہی ہو اگرچہ آہستہ ہو، اس تصور سے کہ (بغایت نافع اور مفید اور برسوں کے زنگ دل سے دھو دینے والا ہے) روکے گا یا کم از کم دل بٹ تو جائے گا تو اس وقت محض خاموشی ہی مناسب تر ہے، ورنہ حاش للہ ذکرِ خدا ورسول نہ کسی وقت منع ہے نہ کوئی چیز اس سے بہتر قال اللہ عزوجل ﴿وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ﴾ اللہ عزوجل نے فرمایا: اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا (ت)۔ اب کہ زمانہ منقلب ہُوا، لوگ جنازہ کے ساتھ اور دفن کے وقت اور قبروں پر بیٹھ کر لغویات وفضولیات اور دُنیوی تذکروں بلکہ خندہ ولہو میں مشغول ہوتے ہیں تو انہیں ذکرِ خدا ورسول جَلَّ وَعَلَا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف مشغول کرنا عین صواب وکارِ ثواب ہے معہذا جنازہ کے ساتھ ذکرِ جہر کی کراہت میں اختلاف ہے کہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے، اور ترجیح بھی مختلف آئی۔ قنیہ میں کراہتِ تنزیہ کو ترجیح دی اور اسی پر فتاوٰی تتمہ میں جزم فرمایا اور یہی تجرید ومجتبی وحاوی وبحرالرائق وغیرہا کے لفظ **ینبغی** کا مفاد ہے اور ترکِ اَولیٰ اَصلاً گناہ نہیں۔

اور عوام کو اللہ عزوجل کے ایسے ذکر سے منع کرنا جو شرعاً گناہ نہ ہو محض بدخواہیِ عام مسلمین ہے اور اس کا مرتکب نہ ہوگا مگر متقشف کہ مقاصدِ شرع سے جاہل وناواقف ہو یا متصلف کہ مسلمانوں میں اختلاف ڈال کر اپنی رفعت وشہرت چاہتا ہو، بلکہ ائمۂ ناصحین تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ منع کرنا اُس منکر سے ضرور ہے جو بالاجماع حرام ہو، بلکہ تصریحیں فرمائیں کہ عوام اگر کسی طرح یادِ خدا میں مشغول ہوں ہرگز منع نہ کئے جائیں اگرچہ وہ طریقہ اپنے مذہب میں حرام ہو، مثلاً سُورج نکلتے وقت نماز حرام ہے اور عوام پڑھتے ہوں تو نہ روکے جائیں کہ کسی طرح وہ خدا کا نام تو لیں اسے سجدہ تو کریں اگرچہ کسی دوسرے مذہب پر اس کی صحت ہو سکے۔ ص140

* **خادمِ فقہ جانتا ہے کہ تحصیلِ مقصود کے لئے بعض مکروہات سے کراہت زائل ہوجاتی ہے، جیسے نماز میں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے اور خشوع یونہی ملتا ہے تو آنکھیں بند کرنا ہی اَولیٰ۔ ص156**
* **ذکرِ موت وذکرِ قبر وذکرِ آخرت وذکرِ انبیاء وذکرِ اولیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء سب ذکرِ الٰہی ہیں۔ ص156**

جنازہ کے ساتھ غزلیں نعتیہ پڑھتے جاتے ہیں اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

الجواب: جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص158

بیوی کو شوہر کے علاوہ غسل دینے والا نہ ہو تو؟

اُسے چاہئے تھا کہ کسی سمجھ والی لڑکی یا لڑکے کو نہلانے کا طریقہ بتاتا اور اپنے سامنے اُس سے نہلواتا، یا کوئی اور عورت اگرچہ اُجرت پر ملتی اس سے غسل دِلاتا۔اور اگر کچھ ممکن نہ ہوتا تو اپنے ہاتھوں میں کپڑے کی تھیلیاں چڑھا کر اُس کے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھوں کا تیمم کرادیتا۔**واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص168

ہجڑہ مرجائے اُس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ اور اگر پڑھی جائے تو نیّت مرد کی جائے یا عورت کی؟

ہجڑہ اگر مسلمان ہے تو اُس کے جنازہ کی نماز فرض ہے، اور نیت میں مرد عورت کی تخصیص کی کوئی حاجت نہیں۔مرد وعورت دونوں کی ایک ہی دعا ہے، خصوصاً یہ ہجڑے جو یہاں ہوتے ہیں مرد ہی ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو عورت بناتے ہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص174

تکرارِ نمازِ جنازہ

جو نماز بے اجازتِ ولی پڑھی جائے ولی کو اختیار ہے کہ دوبارہ پڑھے۔مگر جو پہلے پڑھ چکے ہیں وُہ دوبارہ نہیں پڑھ سکتے۔ پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ پہلی نماز کسی ایسے نے پڑھی جس پر ولی کو ترجیح تھی، ورنہ اگر مثلاً بادشاہِ اسلام یا قاضیِ شرع یا امامِ حی نے نماز پڑھادی تو ولی کو اِعادہ کا اختیار نہیں کہ وہ اس بات میں ولی سے مقدم ہیں۔ص182

* **نمازِ جنازہ ہر وقت مشروع ہے یہاں تک کہ تینوں اوقاتِ مکروہہ میں بھی، اگر اُسی وقت آیا ہو۔ص185**

جُوتے پہنے ہوئے نمازِ جنازہ درست ہے؟

اگر وہ جگہ پیشاب وغیرہ سے ناپاک تھی یا جن کے جوتوں کے تلے ناپاک تھے اور اس حالت میں جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھی اُن کی نماز نہ ہوئی، احتیاط یہی ہے کہ جوتا اُتار کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھ لی جائے کہ زمین یا تلا ناپاک ہو تو نماز میں خلل نہ آئے۔ص188

زید نے ایک بزرگ کے مزار پر چادریں چڑھائیں، اور زیارت کے مجاور نے اپنے قبضہ میں لا کر ان چادروں کو عمرو کے ہاتھ فروخت کیا اور عمرو نے بکر کے ہاتھ، پس اس حالت میں بکر کو اس کا اوڑھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر تصریحاً عُرف ورواج سے یہ امر ثابت ہے کہ وہ چادریں مجاوروں کے لینے کے لئے چڑھائی جاتی ہیں تو مجاور مالک ہو گیا اور بیع جائز ہوئی اور اُسے اوڑھ کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں، اور اگر چادر اس لئے چڑھائی کہ مزار پر رہے تو وُہ مِلکِ زید پر باقی ہے اور بیعین اس کی اجازت پر موقوف ہیں، اگر جائز کردے گا نافذ ہوجائیں گی ورنہ باطل۔ص192

چادر جو مزار پر ڈالی جائے وہ کسی کا حق نہیں، نہ اس مرید خادمِ مزار کا، نہ فرزندِ صاحبِ مزار کا، نہ وہ وقف ہو، بلکہ وہ ڈالنے والے کی مِلک پر رہتی ہے، جیسے کفن کہ تبرعاً کسی نے میّت کو دیا۔

باقی اور چڑھاوے اگرچہ وہ چادریں ہی ہوں جو مزار پر نہ ڈالیں نہ اس پر ڈالنے کو دیں۔ بلکہ دیگر نذور کی طرح سمجھیں، ان میں عرفِ عام یہ ہے کہ خادمِ مزار ہی ان کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ اسی قصد سے لوگ لاتے اور اس کا انتفاع وتصرف دیکھتے، جانتے، روا رکھتے ہیں **والمعروف کالمشروط** (معروف، مشروط کی طرح ہے۔ت) تو وہ خدمت والا ہی ان کا مالک ہے ترکہ نہیں کہ فرزند کو جائے۔ص534

نمازِ جنازہ میں سلام ہاتھ چھوڑنے کے بعد پھیرنا چاہئے یا قبل ہاتھ چھوڑنے کے، افضل کیا ہے؟

الجواب: ہاتھ باندھنا سُنّت اس قیام کی ہے جس کے لئے قرار ہو، **کما فی الدر المختار وغیرھا من الاسفار** (جیسا کہ درمختار وغیرہ کتابوں میں ہے۔ت) سلام وقتِ خروج ہے اُس وقت ہاتھ باندھنے کی طرف کوئی داعی نہیں، تو ظاہر یہی ہے کہ تکبیر چہارم کے بعد ہاتھ چھوڑ دیا جائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص194

نمازِ جنازہ کا مسبوق فوت شدہ تکبیروں کو پُورا کرے تو ان میں کس کس تکبیر میں کیا کیا پڑھے؟

الجواب: اگر جنازہ اُٹھالیا جانے کا اندیشہ ہو جلد جلد تکبیریں بلا دُعا کہہ کر سلام پھیر دے ورنہ ترتیب وار پڑھے۔ مثلاً تین تکبیریں فوت ہوئیں تو چوتھی امام کے ساتھ کہہ کر بعدِ سلام پہلی تکبیر کے بعد ثناء پھر درود پھر دعا پڑھے اور دو فوت ہوئیں تیسری امام کے ساتھ دُعا، چوتھی کے بعد سلام، پھر اول کے بعد ثناء، دوم کے بعد درود، اور ایک ہی فوت ہوئی تو بعدِ سلام ایک تکبیر کے بعد ثناء۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص194

مُردہ کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی ہو تو کتنے دن تک پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: جب تک بدنِ میت کا سالم ہونا مظنون ہو اور یہ امر اختلافِ موسم وحالِ زمین وحالِ میّت سے جلدی و دیر میں مختلف ہوجاتا ہے، گرمی میں جلد بگڑ جاتا ہے سردی میں بدیر، زمینِ شور یا نمک میں جلد، سخت وغیرِ شور میں بدیر، فربہ مرطوب جلد، خشک ولاغر بدیر، تو اس کے لئے مدت معین نہیں کرسکتے۔ص195

* صلٰوۃِ مطلقہ میں محاذاتِ زن حسبِ شرائطِ عشرہ مفسدِ نماز ہے اور نمازِ جنازہ میں اَصلاً مفسد نہیں۔ص205

مسئولہ حافظ حاجی قاری زائر سیّد محمد عبدالکریم صاحب ۲۵ جمادی الأخریٰ ۱۳۱۸ ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نمازِ جنازہ کی کے (کتنی) دعائیں ہیں؟

وہ تیرہ دعائیں ہیں کہ نمازِ جنازہ کی احادیث میں وارد ہوئیں۔ فقیر نے انہیں جمع کرکے ایک اور کا اضافہ کیا انہیں میں گزارش کرتا ہوں کہ حفظ فرمالیں اور بالحاظِ معنی جنائزِ اہلسنّت پر پڑھا کریں فقیر آپ کو وصیّت کرتا ہے کہ میرا جنازہ پائیں تو نماز خود ہی پڑھائیں اور یہ سب دُعائیں اپنے خالص قادری قلب کے خضوع وخشوع سے پڑھیں اور قبرِ فقیر محتاج پر تلقین بھی کریں۔ ص209

طریقہ تلقینِ قبر:

حدیث میں ہے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب تمہارا کوئی بھائی مسلمان مرے اور اس کی قبر پر مٹی برابر کر چکو تو تم میں سے ایک شخص اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے یَافُلَانَ ابْنَ (بِنْتَ) فُلَانَۃَ کہ وہ سُنے گا اور جواب نہ دے گا۔ پھر کہے یا فلاں بن (بنت) فلانۃ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا پھر کہے، پھر کہے یا فلاں بن (بنت) فلانۃ وہ کہے گا ہمیں ارشاد کر، اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے۔ مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہیں ہوتی۔ پھر کہے اُذْكُرْ (اُذْكُرِیْ) مَاخَرَجْتَ (خَرَجْتِ) عَلَیْهِ مِنَ الدُّنْیَا شَهَادَةَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَّكَ رَضِیْتَ (اَنَّكِ رَضِیْتِ) بِاللهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا وَبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا ط (نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں گے جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے۔ اس پر کسی نے عرض کی: یارسول اللہ! اگر اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہو، فرمایا: تو حوّا کی طرف نسبت کرے۔ ص 221 (بریکٹ والے الفاظ عورت کی میت کے لئے ہیں۔) عمران

رسالہ: بذل الجوائز علی الدّعاء بعد صلاۃ الجنائز

(نمازِ جنازہ کے بعد دُعا کرنے پر انعامات کی تقسیم) ص 239

زمخشری اور زاہدی مذہب کے معتزلی ہیں

زاہدی معتمد نہ قنیہ معتبر، خصوصاً ایسی حکایت میں کہ بمعنی مفیدِ مخالف، اَصلاً قواعدِ شرع سے مطابق نہیں۔ ردالمحتار شروع کتاب الطہارۃ میں ہے: کتاب قنیہ ضُعفِ روایت میں مشہور ہے (ت)۔

وہ (زاہدی) مذہب کا معتزلی ہے اُس کی یہ عادت ہے کہ مسائلِ اعتزل اپنی کتاب میں داخل کرتا ہے۔ اس کا استاذ الاستاذ زمخشری بھی اس کا خوگر ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہ آپ کچھ بکے مگر نقل میں ثقہ ہے بخلاف زاہدی کے اس کی نقل پر بھی اعتماد نہیں۔ ان سُفہا نے حنفیت کا نام بدنام کر کے فروع میں بعض وہ خفی شرارتیں بھر دیں جن سے بعض مصنفین نے بھی دھوکا کھایا اور شُدہ شُدہ وہ نقول متعدد کتب میں پھیل گئیں جو آج تک حضراتِ نجدیہ وامثالہم کے نزدیک علقِ نفیس وغنیمتِ باردہ ہیں اس کا بعض بیان فقیر غفراللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات میں کیا وباللہ التوفیق۔ ص 254

مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں

نمازِ جنازہ مسجد میں مطلقاً مکروہ ہے کما فی التنویر والدر وغیرھما (جیسا کہ تنویر الابصار اور درمختار وغیرہما میں ہے۔ت) ہاں حدِ مسجد سے باہر فنائے مسجد میں جائز ہے۔ صحیح یہ ہے کہ مسجد میں نہ جنازہ ہو نہ امامِ جنازہ، نہ صفِ جنازہ۔ یہ سب مکروہ ہے۔ ص 265

لکڑی کا صندوق جو بمنزلہ تابوت کے ہوتا ہے اس کے اندر میّت رکھ کر صندوق بند کیا ہو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ میّت کو لکڑی

کے صندوق میں رکھ کر دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کسی ولی یا سادات یا علماء کی قبریں پختہ باندھنا اور کسی ملک سے دوسرے ملک یا شہر سے دوسرے شہر لے جا کر دفن کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور اپنی موت سے پہلے کفن تیار رکھنا کیسا؟

میّت اگر تابوت کے اندر ہو نماز اس پر اسی طرح جائز ہے کھولنے کی حاجت نہیں۔

تابوت میں دفن کرنا مکروہ و خلافِ سنت ہے مگر اُس حالت میں کہ وہاں زمین بہت نرم ہو تو حفاظت کے لئے حرج نہیں۔

قبر جس قدر میّت سے متصل ہوتی (ہے) اس اندرونی حصہ کو پختہ کرنا ممنوع ہے اور باہر سے پختہ کرنے میں حرج نہیں، اور معظمانِ دینی کے لئے ایسا کرنے میں بہت مصالحِ شرعیہ ہیں۔ لاش کا ایک ملک سے دوسرے ملک لے جانا تو بڑی بات دوسرے شہر کو لے جانا بھی ممنوع ہے، میل یا دو میل تک لیجانے میں حرج نہیں۔

کفن پہلے سے تیار رکھنے میں حرج نہیں اور قبر پہلے سے نہ بنانا چاہئے قال اللہ تعالٰی {وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌۢ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ} اللہ تعالٰی فرماتا ہے: کوئی جان نہیں جانتی کہ اس کی موت کس زمین میں ہوگی۔ت)۔ص265

عالم کا ایک گناہ اور جاہل کا گناہ دو گناہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا عالم کا ایک گناہ اور جاہل کا گناہ دو گناہ کسی نے عرض کی: یا رسول اللہ! کس لئے؟ فرمایا عالم پر وبال اسی کا ہے کہ گناہ کیوں کیا، اور جاہل پر ایک عذاب گناہ کا اور دوسرا نہ سیکھنے کا۔ اسے دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)۔ص277

رسالہ: النہی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز

(نمازِ جنازہ کی تکرار سے روکنے والی ممانعت)۔ص269

آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز کے مرتبہ پڑھی گئی اور اول کس شخص نے پڑھائی تھی؟

جنازہ اقدس پر نماز کے باب مختلف ہیں۔ ایک کے نزدیک یہ نمازِ معروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر آتے اور صلٰوۃ وسلام عرض کرتے بعض احادیث بھی اس کی مؤید ہیں (جیسا کہ انہیں ہم نے اپنے رسالہ النہی الحاجز عن تکرار صلٰوۃ الجنائز میں بیان کیا ہے۔ت) اور بہت علماء یہی نمازِ معروف مانتے ہیں، امام قاضی عیاض نے اسی کی تصحیح فرمائی۔ (جیسا کہ علامہ زرقانی کی شرح موطا میں ہے۔ت) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ تسکینِ فتن وانتظامِ امّت میں مشغول، جب تک ان کے دستِ حق پرست پر بیعت نہ ہوئی تھی، لوگ فوج فوج آتے اور جنازہ اَنور پر نماز پڑھتے جاتے، جب بیعت ہو لی، ولیِ شرعی صدیق ہوئے، انہوں نے جنازہ مقدس پر نماز پڑھی، پھر کسی نے نہ پڑھی کہ بعدِ صلٰوۃِ ولی پھر اعادۂ نمازِ جنازہ کا اختیار نہیں۔ ان تمام مطالب کی تفصیلِ قلیل، فقیر کے رسالہ مذکورہ میں ہے۔ص314

رسالہ: الھادی الحاجب عن جنازۃ الغائب

(غائب کی نماز جنازہ سے روکنے والا ہادی)۔ص317

نمازِ جنازہ کی تکرار کے احکام

اوّل: نمازِ جنازہ دوبارہ رَوا نہیں۔

دوم: دوبارہ پڑھیں تو نفل ہوگی اور یہ نماز بطورِ نفل جائز نہیں۔

سوم: یہاں تک کہ اگر سب مقتدی بے طہارت یا سب کے کپڑے نجس تھے یا نجس جگہ کھڑے تھے یا عورت امام اور مرد مقتدی تھے، غرض کسی وجہ سے جماعت بھر کی نماز باطل اور فقط امام کی صحیح ہوئی، اب اعادہ نہیں کرسکتے کہ اکیلے امام سے فرض ساقط ہوگیا، ہاں اگر قوم میں کوئی وجہِ بُطلان نہ تھی امام میں تھی تو پھر پڑھی جائے گی کہ جب امام کی صحیح نہ ہوئی کسی کی صحیح نہ ہوئی۔

چہارم: جب ولی خود یا اس کے اذن سے دوسرا نماز پڑھائے یا ولی خود ہی تنہا پڑھ لے تو اب کسی کو نمازِ جنازہ کی اجازت نہیں۔

پنجم: کچھ ولی کی خصوصیت نہیں۔ حاکمِ اسلام یا امامِ مسجدِ جامع یا امامِ مسجدِ محلۂ میت کے (بعد) بھی، پھر دوسروں کو اجازت نہیں کہ یہ بھی صاحبِ حق ہیں۔

ششم: ولی وغیرہ ذی حق جس صورت میں اپنے حق کے لئے اعادہ کرسکتے ہیں۔ اس حال میں بھی جو پہلے پڑھ چکا ان کی نماز میں شریک نہیں ہوسکتا۔

ہفتم: جب ولی نے دوسرے کو اذن دے دیا اگرچہ آپ شریکِ نماز نہ ہوا، یا کوئی اجنبی بے اذنِ ولی خود ہی بڑھ گیا مگر ولی شریکِ نماز ہوگیا تو ان صورتوں میں ولی بھی اعادہ نہیں کرسکتا۔

ہشتم: یونہی اگر سلطان وغیرہ ذی حق کہ ولی سے مقدم ہیں پڑھ لیں یا خود نہ پڑھ لیں۔ ان کے اذن سے کوئی پڑھ دے جب بھی ولی کو اختیارِ اعادہ نہیں۔

نہم: اگر ولی نے نماز پڑھ لی اور سلطان و حکام کہ اس سے اَولیٰ ہیں بعد کو آئے اب وہ بھی بالاتفاق اعادہ نہیں کرسکتے، ہاں اگر وہ موجود تھے اور اُن کے بے اذن ولی نے پڑھ لی اور وہ شریک نہ ہوئے تو ایک جماعتِ علماء کے نزدیک انہیں اختیارِ اعادہ ہے۔ ردالمحتار میں اسی کو ترجیح دی اور یہی ظاہرِ اطلاقِ متون اور ظاہراًمِنْ حیثُ الدّلیل اَقوٰی ہے۔ تو حاصل یہ ٹھہرا کہ سلطان نے پڑھ لی تو ولی نہیں پڑھ سکتا ولی نے پڑھ لی تو سلطان نہیں پڑھ سکتا، غرض ہر طرح اِعادہ وتکرار کا دروازہ بند فرماتے ہیں۔

دہم: حد یہ کہ جنازہ ہوا اور بے وضو کو وضو کرنے یا جنب یا حیض یا نفاس سے فارغ ہونے والی کو نہانے میں فوتِ نماز کا اندیشہ ہو تو شرع نے اجازت فرمائی کہ تیمم کرکے شریک ہوجائے کہ ہو چکی تو پھر نہ پڑھ سکے گا جیسے نمازِ عید، ولہذا سلطان وغیرہ جو ولی سے مقدم ہیں جب وہ حاضر ہوں تو ولی کو بھی تیمم جائز ہے، بلکہ اگر ولی نے دوسرے کو اجازتِ امامت دے دی تو اب ولی بھی تیمم کرسکے گا کہ اجازت دے کر اختیارِ اعادہ نہ رہا، یونہی اگر وضو یا غسل کے تیمم سے ایک جنازہ پڑھا گیا کہ دوسرا آگیا اور وضو یا غسل کی مہلت نہ پائی تو اسی تیمم سے دوسرا اور تیسرا جہاں تک ہوں پڑھ سکتے ہو۔

غرض صورتِ استثناء کے سوا نمازِ جنازہ کی تکرار ناجائز و گناہ ہونے پر مذہبِ حنفی کا اجماعِ قطعی ہے اور اس کا مخالف مخالفِ مذہبِ حنفی ہے۔ بعض نام کے حنفی برائے جہالت یا مغالطۂ عوام ان تمام روشن و قاہر تصریحاتِ مذہب کو چھوڑ کر یہاں دو کتبِ تاریخ

تصنیفِ شافعیہ سے سند لیتے ہیں:

اوّل: تبییض الصحیفہ امام جلال الدین سیوطی شافعی میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ مبارک پر چھ دفعہ نماز ہوئی اور کثرتِ ازدحامِ خلائق سے عصر تک ان کے دفن پر قدرت نہ پائی۔

دوم: سیر النبلا شمس الدین ذہبی شافعی میں ہے کہ شیخ تاج الدین ابوالیمن زید بن حسن کندی حنفی نے ۶ شوال ۶۱۳ھ میں وفات پائی۔ قاضی القضاۃ جمال ابن الحرستانی نے نماز پڑھائی، پھر شیخ الحنفیہ جمال الدین حصیری نے باب الفرادیس میں، پھر شیخ موفق الدین شیخ الحنبلیہ نے پہاڑ میں یعنی جبل قاسیون کوہِ دمشق میں۔

اوّلاً: جمیع کتبِ مذہب کے صریح خلاف میں دو کتابِ تاریخ پر کیسی جہالتِ شدیدہ ہے۔

ثانیاً: دنیا میں صرف حنفی ہی مذہب کے لوگ نہیں، خصوصاً پہلی صدیوں میں کہ خود مجتہدین بکثرت تھے اور ہر ایک کے لئے اَتباع تھے۔ اس حکایت میں یہ کہاں ہے کہ حنفیہ نے چھ بار پڑھی، بلکہ ہجومِ خلائق تھا ہر مسلک ہر مذہب کے لوگ جوق در جوق آتے تھے، غیرِ حنفیہ نے اگر سَو بار پڑھی تو حنفی مذہب میں اس کی کیا حجت ہوسکتی ہے، اللہ اکبر! امام اَعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وُہ عظیم الشان جلیل البرہان امام ہیں کہ مستقل مجتہدِ مطلق سیّدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس امام الائمہ سراج الامّہ کے مزارِ پُرانوار کے پاس نمازِ صبح پڑھائی بسم اللہ آواز سے نہ پڑھی نہ رفع یدین کیا نہ قنوت پڑھی کسی نے سبب پوچھا، فرمایا: ان صاحبِ قبر کے ادب سے (جیسا کہ ''خیرات الحسان'' للامام ابن حجر مکی شافعی میں ہے۔ ت) اور ایک روایت میں ہے مجھے حیا آئی کہ اس امامِ جلیل کے سامنے اس کا خلاف کروں (جیسا کہ ''المسلک المتقسط''، للمولی علی قاری میں ہے۔ ت) سبحان اللہ مجتہدِ مستقل تو ادبِ امام سے حضورِ امام میں اتباعِ امام اختیار کریں اور خود حنفیہ خاص جنازۂ امام پر مخالفتِ امام و ترکِ مذہب کرتے یہ کیونکر متصور ہوسکتا ہے۔

ثالثاً: پہلی نمازیں غیرِ ولی نے پڑھیں تو ولی کو اختیارِ اعادہ تھا کہ امام کے ولی صاحبزادہ جلیل حضرت سیدنا حماد ابن ابی حنیفہ تھے جب انہوں نے پڑھی پھر جنازہ مبارک پر کسی نے نہ پڑھی۔ امام ابن حجر مکی خیرات الحسان میں فرماتے ہیں: ادھر امام ابوحنیفہ کے غسل سے فارغ ہوئے تھے کہ ادھر بغداد کی اتنی خلقت جمع ہوگئی جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے گویا کسی نے انتقالِ امام کی خبر پکار دی تھی، نماز پڑھنے والوں کا اندازہ کیا گیا تو کوئی کہتا پچاس ہزار تھے کوئی کہتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ تھے، اور ان پر چھ بار نماز ہوئی۔ آخر مرتبہ صاحبزادۂ امام حضرتِ حماد نے پڑھی۔

رابعاً: یُوں ہی واقعۂ دوم میں کیا ثبوت ہے کہ پہلی نماز باذنِ ولی تھی، بلکہ ظاہر یہی ہے کہ نمازِ دوم ہی باذنِ ولی ہوئی کہ جنازہ ایک عالمِ حنفی کا تھا اور وہاں اس وقت حنفیہ کے رئیس الرؤسا یہی امام جلال الدین محمود بن احمد حصیری تلمیذِ خاص امام جلیل قاضی خان تھے جن کی تصانیف میں جا بجا تصریح ہے کہ نمازِ جنازہ کی تکرار جائز نہیں۔ تیسری نماز والے حنبلی مذہب تھے، حنبلیہ کے یہاں جواز ہے کہ ہم پر حجت نہیں۔ بالجملہ علماء وعقلاء کا اتفاق ہے کہ **واقعۃ عین لا عموم لھا** خاص واقعِ محل ہر گونہ احتمال، ان سے استدلال محض خام خیال، نہ کہ وہ بھی اجماعِ قطعی تمام ائمۂ مذہب کے رد کرنے کو، جس پر جرأت نہ کرے گا مگر نااہل، شدید الجہل

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ص 317 تا 341

غائبانہ نماز جنازہ کی تحقیق

مذہبِ حنفی میں جنازہ غائب پر بھی محض ناجائز ہے۔ائمۂ حنفیہ کا اس کے عدمِ جواز پر بھی اجماع ہے۔ص 341
دوسرے شہر کی میّت پر صلٰوۃ کا ذکر صرف تین واقعوں میں روایت کیا جاتا ہے۔واقعہ نجاشی و واقعہ معٰویہ لیثی و واقعہ امرائے موتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ان میں اوّل دوم بلکہ سوم کا بھی جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حاضر تھا تو نماز غائب پر نہ ہوئی بلکہ حاضر پر، اور دوم وسوم کی سند صحیح نہیں، اور سوم صلٰوۃ بمعنی نماز میں صریح نہیں۔ان کی تفصیل بعونہ تعالیٰ ابھی آتی ہے۔

واقعہ اولیٰ: جب اصحمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بادشاہِ حبشہ نے حبشہ میں انتقال کیا۔سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں صحابہ کو خبر دی اور مصلّٰی میں جا کر صفیں باندھ کر چار تکبیریں کہیں۔

اوّلاً: صحیح ابن حبان میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الصحابۃ جمیعا سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارا بھائی نجاشی مر گیا، اٹھو اس پر نماز پڑھو۔ پھر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے صحابہ نے پیچھے صفیں باندھیں۔حضور نے چار تکبیریں کہیں، صحابہ کو یہی ظن تھا کہ ان کا جنازہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہے۔

صحیح ابوعوانہ میں انہیں میں سے ہے: **فصلینا خلفه ونحن لانری الا ان جنازة قدامنا**۔ہم نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم یہی اعتقاد کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے موجود ہے۔

ثانیاً: بلکہ جب تم مستدل ہو ہمیں احتمال کافی، نہ کہ جب خود باسانیدِ صحیحہ ثابت ہے۔

ثالثاً: نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال دارُ الکفر میں ہوا وہاں اُن پر نماز نہ ہوئی تھی لہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں پڑھی۔

رابعاً: بعض (روایتِ طبرانی میں ہے اس کا قائل ایک منافق تھا۔منہ) کو ان کے اسلام میں شبہ تھا یہاں تک کہ بعض نے کہا: حبشہ کے ایک کافر پر نماز پڑھی۔اس نماز سے مقصود اُن کی اشاعتِ اسلام تھی **اقول:** یعنی بیان بالفعل اَقوی ہے ولہذا مصلّٰی میں تشریف لے گئے کہ جماعت کثیر ہو۔

واقعہ دوم: معاویہ بن معاویہ مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ طیبہ میں اِنتقال کیا۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبوک میں ان پر نماز پڑھی۔

اوّلاً: ائمۂ حدیث عُقَیلی وابنِ حبان وبیہقی وابوعمر ابن عبد البر وابن الجوزی ونووی وذہبی وابن الہمام وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف بتایا،

ثانیاً: فرض کیجئے کہ یہ حدیث اپنے طُرق سے ضعیف نہ رہے **کما اختارہ الحافظ فی الفتح** (جیسا کہ حافظ ابن حجر نے اسے فتح الباری میں اختیار کیا ہے۔ت) یا بفرضِ غلط لذاتہ صحیح سہی پھر اس میں کیا ہے خود اسی میں تصریح ہے کہ جنازہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیشِ نظرِ انور کر دیا گیا تھا تو نمازِ جنازہ حاضر پر ہوئی نہ کہ غائب پر۔

واقعہ سوم: واقدی نے مغازی میں عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبد اللہ بن ابی بکر سے روایت کی:

جب مقام موتہ میں لڑائی شروع ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ عزوجل نے حضور کے لئے پردے اُٹھا دیئے کہ ملک شام اور وہ معرکہ حضور دیکھ رہے تھے، اتنے میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زید بن حارثہ نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا، حضور نے انھیں اپنی صلٰوۃ ودعا سے مشرف فرمایا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لئے استغفار کرو بیشک وہ دوڑتا ہوا جنت میں داخل ہوا۔ حضور نے فرمایا پھر جعفر بن ابی طالب نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا حضور نے ان کو اپنی صلٰوۃ ودعا سے شرف بخشا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لئے استغفار کرو وہ جنت میں داخل ہوا اور اس میں جہاں چاہے اپنے پروں سے اڑتا پھرتا ہے۔

اوّلاً: یہ دونوں طریق سے مرسل ہے اقول: عاصم بن عمر اوساط تابعین سے ہیں، قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کے پوتے اور یہ عبداللہ بن ابی بکر عبداللہ بن ابی بکر محمد بن عمرو بن حزم ہیں، صغار تابعین سے عمرو بن حزم صحابی رضی اللہ عنہ کے پر پوتے۔

ثانیاً: خود واقدی کو محدثین کب مانتے ہیں، یہاں تک کہ ذہبی نے ان کے متروک ہونے پر اجماع کا اِدّعا کیا۔

اقول (میں کہتا ہوں) یہ نقد، پہلے نقد کی روش پر میں نے بڑھا دیا ہے اور دونوں اعتراض الزامی ہیں ورنہ ہمارے نزدیک حدیثِ مرسل مقبول ہے اور واقدی ثقہ ہیں۔ (ت)

ثالثاً: اقول: عبداللہ بن ابی بکر سے راوی شیخ واقدی عبدالجبار بن عمارہ مجہول ہے **کما فی المیزان** (جیسا کہ میزان میں ہے۔ ت) تو مرسل نامعتضد ہے۔ (یعنی رواۃ ثقہ ہوتو یہ مرسل قوی ومقبول ہوتی، جہالتِ راوی کے باعث اس میں قوت نہ رہی۔ مترجم)

رابعاً: خود اسی روایت میں صاف تصریح ہے کہ پردے اُٹھا دئے گئے تھے، معرکہ حضرتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا۔

خامساً: اقول: کیا دلیل ہے کہ یہاں صلٰوۃ بمعنی نمازِ معہود ہے بلکہ بمعنی درود ہے اور **دَعَالَہٗ** عطفِ تفسیری نہیں بلکہ تعمیم بعد تخصیص ہے اور سوقِ روایت اسی میں ظاہر۔ ص344 تا364

حضرت اُمّ المؤمنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی

فی الواقع کتب سِیَر میں علماء نے یہی لکھا ہے کہ ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ مبارکہ کی نماز نہیں ہوئی کہ اس وقت یہ نماز ہوئی ہی نہ تھی۔ اس کے بعد اس کا حکم ہوا ہے۔ ص369

قبر میں شق کا معنی

شق کے معنی یہ ہیں کہ اول ایک مستطیل زیادہ عریض وطویل کھودیں پھر اس کے وسط میں دوسرا مستطیل اُس سے چھوٹا اور طول میں قامتِ میّت سے کچھ زائد اور عرض میں نصف قامت کے برابر اور عمق میں سینہ تک یا قدِ آدم کھودیں۔ اس دوسرے مستطیل میں میّت کو قبلہ رُو رکھیں اور اس کے اوپر مستطیلِ اول کے اندر تختوں وغیرہ سے بند کر کے مستطیلِ اول کی جگہ مٹی سے بھردیں اور سطحِ زمین سے پاؤ گز بلند مٹی رکھیں۔ یہی طریقہ شق کا ہے اور یہی ہندوستان میں معمول ہے۔ اور یہی عبارتِ علمگیر یہ کا

مفہوم ہے۔ پہلی صورت کہ صرف ایک مستطیل کھودیں اور اس میں میّت کو رکھ کر مٹی بھر دیں یا تختے رُوئے زمین پر رکھ کر اُن میں مٹی ڈال دیں، نہ شق ہے نہ ہندوستان خواہ کسی ملک میں رائج ہے۔ص370

دفن کرنے کا طریقہ

ہمارے نزدیک مستحب یہی ہے کہ میّت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں لے جائیں۔

افضل طریقہ یہ ہے کہ میّت کو دہنی کروٹ پر لٹائیں۔ اس کے پیچھے نرم مٹی یا ریتے کا تکیہ سا بنا دیں اور ہاتھ کروٹ سے الگ رکھیں، بدن کا بوجھ ہاتھ پر نہ ہو اس سے میّت کو اِیذا ہوگی۔

اور اینٹ پتھر کا تکیہ نہ چاہیئے کہ بدن میں چبھیں گے اور اِیذا ہوگی اور ناک وغیرہ اعضاء دیوارِ قبر سے ملا دینے کی اجازت نہیں، نہ اس کی کوئی وجہ۔ اور جہاں اس میں دقت ہو تو چت لٹا کر منہ قبلہ کو کر دیں، اب اکثر یہی معمول ہے او راگر معاذ اللہ معاذ اللہ منہ غیرِ قبلہ کی طرف رہا اور ایسا سخت ہو گیا کہ پھر نہیں سکتا تو چھوڑ دیں اور زیادہ تکلیف نہ دیں۔ص371

قبر کو کتنا اونچا کرنا چاہیئے؟

صرف بالشت بھر۔ص372

قبروں پر پانی چھڑکنا کیا حکم رکھتا ہے؟

بعدِ دفن قبر پر پانی چھڑکنا مسنون ہے اور اگر مرورِ زمان سے اس کی خاک منتشر ہوگئی ہو اور نئی ڈالی گئی یا منتشر ہو جانے کا احتمال ہو تو اب بھی پانی ڈالا جائے کہ نشانی باقی رہے اور قبر کی توہین نہ ہونے پائے (درمختار وغیرہ میں یہ علّت بیان فرمائی ہے کہ نشانی مٹ جانے کے سبب بے حرمتی نہ ہو۔ت) اس کے لئے کوئی دن معین نہیں ہوسکتا ہے جب حاجت ہو اور بے حاجت پانی کا ڈالنا ضائع کرنا ہے اور پانی ضائع کرنا جائز نہیں، اور عاشورہ کی تخصیص محض بے اصل و بے معنی ہے۔ص373

کچھ اشخاص کہتے ہیں جس مُردہ کی قبر پر بجائے پانی دنیا کے بارانِ رحمت ہو وہ مُردہ جنتی ہے، اس کی کچھ اصلیّت شرع میں ہے یا نہیں؟

الجواب: بارشِ رحمت فالِ حسن ہے خصوصاً اگر خلافِ عادت ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم** ص373

مسلمان کا انتقال ہو تو قبر کے پاس بیٹھنا درست ہے یا نہیں؟

بعدِ دفن اتنی دیر بیٹھنا کہ ایک اونٹ ذبح کیا جائے، مسنون ہے۔ اور زیادہ دیر یا دنوں تک بیٹھنا بھی ممنوع نہیں، بلکہ وہاں لغو و بیہودہ باتیں کرنے، ہنسنے وغیرہ غفلت و قسوت کی حرکات سے بچیں، اور تلاوت و درود خوانی اور اعمالِ حسنہ میں مشغول رہیں کہ یہ امور موجبِ نزولِ رحمت ہوتے ہیں، اور احیاء کے پاس ہونے سے مردے کا دل بہلتا ہے۔ص377

میّت کو بلا اجازت کسی شخص کی زمین میں دفن کرنے والے گنہگار ہوں گے؟

بے اجازتِ مالک اس کی زمین میں دفن کرنا حرام ہے۔ ایسا کرنے والے گنہگار ہیں، میّت اگر اس کی وصیّت یُوں کر گیا

کہ چاہئے مالک اجازت دے یا نہ دے مجھے وہیں دفن کرنا تو وہ بھی سخت گنہگار ہے۔ میّت یا پسماندگان کے لئے ثواب کیسا! اس میں استحقاقِ عذاب ہے، مالک کو اختیار ہے کہ میّت کی نعش نکال دے اور اپنی زمین خالی کرلے یا نعش رہنے دے اور قبر برابر کرکے اس پر جو چاہے بنائے، چلے پھرے، تصرف کرے کہ قبر کی جو حدیثیں ہیں ایسی ناجائز قبر کے لیے نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق** (کسی ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔ت)

یہ اصل حکمِ فقہی ہے، مگر مسلمان نرم دل اور دوسرے مسلمان خصوصاً میّت پر رحم دل ہوتا ہے، قال اللہ تعالیٰ {رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ} (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ آپس میں رحم دل ہیں۔ت) اگر وہ درگزر کرے گا اللہ عزوجل اس کی خطاؤں سے درگزر فرمائے گا {اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ} (کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ خدا تمھیں بخشے؟ ۔ت) اگر اگر وہ اپنے مردہ بھائی پر احسان کرے گا اللہ اس پر احسان کرے گا **کَمَا تَدِیْنُ تُدَان** (جیسا تم کروگے ویسا ہی تمھارے ساتھ کیا جائے گا۔ت) اگر وہ اپنے مردہ بھائی کا پردہ فاش نہ کرے گا اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا **من ستر سترہ اللہ** (جو کسی کی پردہ پوشی کرے خدا اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ت) اگر وہ اپنے مردہ بھائی کی قبر کا احترام کرے گا اللہ اس کی زندگی وموت میں اسے احترام بخشے گا۔ص379

*** علماء نے دوامی اجارہ کی زمین میں مسجد بنانے کی اجازت دی اور اس میں وقف صحیح مانا اسی بنا پر کہ وہ ہمیشہ رہے گی۔ص380**

زمین جبر کے ساتھ خریدنا شرعاً ناجائز وغصب ہے یا نہیں؟

زمین اس طریقۂ جبر پر خریدے وہ قطعاً حرام ہوگی اور زمین حکماً مغصوب۔ص382

کافر مُردہ کو جس کا کوئی وارث نہیں، کیا کیا جائے؟

اس کے مذہب وملت والوں کو دے دیا جائے کہ جو چاہیں کریں، اور اگر کفار میں بھی کوئی نہ ملے تو جیفۂ سگ کی طرح دفعِ عفونت کے لیے کسی گڑھے میں دبادیں۔ تفصیلِ مسئلہ یہ ہے کہ کافر دو قسم ہے: اصلی ومرتد۔

اصلی: وہ کہ ابتداء سے کافر ہو اور **مرتد:** وہ کہ بعد اسلام کافر ہوا یا باوصفِ دعوی اسلام عقائدِ کفر رکھے: جیسے آج کل نیچری، **مرتد** کے لیے تو اصلاً نہ غسل، نہ کفن، نہ دفن، نہ مسلمان کے ہاتھ سے کسی کافر کو دیا جائے اگرچہ وہ اسی کے مذہب کا ہو، اگرچہ اس کا باپ یا بیٹا ہو، بلکہ اس کا علاج وہی مردار کتے کی طرح دبا دینا ہے، اور **کافر اصلی** سے اگر مسلمان کو قرابت نہیں تو اس کے بھی کسی کام میں شریک نہ ہو بلکہ چھوڑ دیا جائے کہ اس کا عزیز قریب یا مذہب والے جو چاہے کریں، اور وہ بھی نہ ہوں تو علاج مثلِ علاج مرتد ہے، اور اگر مسلمان کو اس سے قرابتِ قریبہ ہے تاہم جب کوئی قریبِ کافر موجود ہو بہتر یہی ہے کہ اس کی تجہیز میں شرکت نہ کرے، ہاں ادائے حقِ قرابت کے لئے اگر اس کے جنازہ کے ساتھ جنازہ سے دُور دُور چلا جائے تو مضائقہ نہیں، اور اگر مسلمان ہی قریب ہے کوئی کافر قرابت دار نہیں جب بھی مسلمان پر اس کی تجہیز وتکفین ضروری نہیں، اگر اس کے ہم مذہب کافروں کو دے دے یا بے غسل وکفن کسی گڑھے میں پھنکوادے، جائز ہے۔ اور اگر بلحاظِ قرابت غسل وکفن ودفن کرے تو بھی اجازت ہے مگر کسی کام میں

رعایتِ طریقۂ مسنونہ نہ کرے، نجاست دھونے کی طرح پانی بہادے، کسی چیتھڑے میں لپیٹ کر تنگ گڑھے میں دبادے۔ رب انی اعوذبك من الکفر والکافرین (اے رب! میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر اور کافروں سے۔ت)۔ص391

قدیم قبر اگر کسی وجہ سے کھل جائے

اس صورت میں اُسے مٹی دینا فقط جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کہ سترِ مسلم لازم ہے۔اور اس بارے میں کوئی صورت بیان میں نہ آئی ستر لازم ہے اور کشف ممنوع، اس طرح چھپائیں کہ زیادہ نہ کھولنا پڑے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔ص403

مسافروں کی عادت یوں ہے کہ جو سفر میں مرتے ہیں ان کو ویسے ہی دفن کردیتے ہیں لیکن امانت رکھتے ہیں ایک مقررہ مدّت کے بعد سے نکال کر مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب اور اس کے برعکس لے جاتے ہیں، یہ فعل جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: یہ حرام ہے، دفن کے بعد کھولنا جائز نہیں، اور دور مسافت تک لے جانا بھی روا نہیں، اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)۔ص406

قبرستان میں پیڑ جس نے لگائے اس لگانے والے کی مِلک ہے وہ جو چاہے کرے، اور اگر مالک کا پتا نہیں یا درخت خودرَو ہیں تو مسجد میں صرف کرسکتے ہیں۔ص412

قبر کا پختہ کرانا بہتر ہے یا نہ کرانا؟

قبر پختہ نہ کرنا بہتر ہے، اور کریں تو اندر سے کڑا کچا رہے، اوپر سے پختہ کرسکتے ہیں، طول وعرض موافق قبر میّت ہو، اور بلندی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو، اور صورت ڈھلوان بہتر ہے۔ص424

کسی ولی اللہ کا مزار شریف فرضی بنانا اور اس پر چادر وغیرہ چڑھانا، اور اس پر فاتحہ پڑھنا اور اصل مزار کا سا ادب ولحاظ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل سا معاملہ کرنا ناجائز وبدعت ہے اور خواب کی بات خلافِ شرع امور میں مسموع نہیں ہوسکتی۔ص425

بوقتِ ضرورت قبر کھودنا جائز ہے

بمبئی وغیرہ عظیم شہروں میں قبور کھود کر ان میں دوسرے اموات دفن کئے جاتے ہیں، تو اگر قبور کھودنے سے اموات کی توہین ہوتی ہے تو ان شہروں میں یہ کام کیوں ہوتا ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ ان شہروں میں جگہ بہت تنگ ہے، قبرستانوں میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ میّت کے لیے الگ الگ قبر ہو، لہذا اس ضرورتِ شدیدہ سے یہ جائز ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات (بوقتِ ضرورت منع کردہ چیزیں بھی جائز ہوجاتی ہیں۔ت) قاعدہ متفقہ ہے۔ص438

احادیث سے ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے بےضرورت (ضرورت کی صورت مثلاً قبرستان میں میّت کے لیے قبر کھودنے یا دفن کرنے جانا چاہتے ہیں بیچ میں قبریں حائل ہیں اس حاجت کے لیے اجازت ہے، پھر بھی جہاں تک بن پڑے بچتے ہوئے جائیں اور ننگے پاؤں ہوں، ان اموات کے لیے دعا استغفار کرتے جائیں۔مِنہ) قبر پر چلنے اور اس پر بیٹھنے اور پاؤں

رکھنے سے منع فرمایا کہ یہ سب حرمتِ مومن کے خلاف ترکِ ادب گستاخی ہے۔ص 447

قبر کی سبز گھاس کاٹنا مکروہ ہے

علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس پر چلنا حرام ہے۔

اور فرماتے ہیں": مقبرے کی گھاس (سبز) کاٹنا مکروہ ہے کہ جب تک وہ (گھاس سبز) تر رہتی ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، اس (سبز گھاس) سے اموات کا دل بہلتا ہے اور ان پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، ہاں خشک گھاس کاٹ لینا جائز ہے مگر وہاں سے تراش کر جانوروں کے پاس لے جائیں، اور یہ ممنوع ہے کہ انہیں گورستان میں چرنے چھوڑ دیں۔ص 443

محاورۂ قرآن وحدیث میں مومن ومسلم خاص اہلسنت کو کہتے ہیں

فائدہ جلیلہ: محاورۂ قرآن وحدیث میں مومن ومسلم خاص اہلسنت کو کہتے ہیں زمانۂ نزولِ قرآنِ عظیم وارشادِ حدیث کریمہ میں صرف اہلِ سنت وجماعت ہی تھے، اس زمانے برکت نشان میں کسی بدمذہب ومبتدع کا ہونا محال تھا کہ بدمذہبی شبہ وتاویل سے پیدا ہوتی ہے جسے یقینِ قطعی سے بدلنے والے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ فرماتے تھے، اگر شبہ گزرتا حضور کشف فرماتے، شبہ والا مانتا تو سُنی ہوتا، نہ مانتا تو کافر ہوجاتا، یہ بیچ کی شق وہاں ممکن ہی نہ تھی۔ص 453

بزرگ کے مزار پر لوبان جلانا شرع شریف میں کیا حکم رکھتا ہے؟

عود لوبان وغیرہ کوئی چیز نفسِ قبر پر رکھ کر جلانے سے احتراز چاہئے اگرچہ کسی برتن میں ہو (کیونکہ اس میں قبر کے اوپر سے دھواں نکلنے کا بُرا فال پایا جاتا ہے۔ت)

اور قریبِ قبر سلگانا کہ اگر وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوں نہ کوئی تالی یا ذاکر ہو بلکہ صرف قبر کے لیے جلا کر چلا آئے تو ظاہر منع ہے کہ اِسراف واِضاعتِ مال ہے۔ میّت صالح اس غُرفے کے سبب جو اس کی قبر میں جنت سے کھولا جاتا ہے اور بہشتی نسیمیں بہشتی پھولوں کی خوشبوئیں لاتی ہیں، دنیا کے اگر لوبان سے غنی ہے اور معاذ اللہ جو دوسری حالت میں ہو اسے اس سے انتفاع نہیں۔ تو جب تک سندِ مقبول سے نفعِ معقول نہ ثابت ہو سبیل احتراز ہے۔

اور اگر بغرضِ حاضرین وقتِ فاتحہ خوانی یا تلاوتِ قرآنِ مجید وذکرِ الٰہی سلگائیں تو بہتر ومستحسن ہے۔ص 482

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کام دس مفتیوں کے کام سے زائد تھا

فقیر کے یہاں علاوہ ردِّ وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ ودیگر مشاغلِ کثیرہ دینیہ کے کارِ فتوٰی اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے۔ شہر ودیگر بلاد واَمصار جملہ اقطار ہندوستان وبنگال وپنجاب وملیبار وبرہما واراکان وچین وغزنی وامریکہ وافریقہ حتی کہ سرکار حرمین شریفین محترمین سے استفتاء آتے ہیں اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہوجاتے ہیں۔ اس میں اگر جواب میں تاخیریں ہوں یا بعض استفتاء تحریرِ جواب سے رہ جائیں تو کیا جائے شکایت ہے {لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا} (خدا کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا۔ت)۔ص 499

مزار شریف پر حاضر ہونے کا طریقہ

مزارات شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے پر مواجہہ میں کھڑا ہو اور متوسط آواز باادب سلام عرض کرے السّلام علیک یا سیدی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر درودِ غوثیہ تین بار، الحمد شریف ایک بار، آیۃ الکرسی ایک بار، سورہ اخلاص سات بار، پھر درودِ غوثیہ سات بار، اور وقت فرصت دے تو سورۂ یٰسٓ اور سورۂ ملک بھی پڑھ کر اللہ عزوجل سے دعا کرے کہ الٰہی! اس قرأت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے، نہ اتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اسے میری طرف سے اس بندۂ مقبول کو نذر پہنچا، پھر اپنا جو مطلب جائز شرعی ہو اس کے لیے دعا کرے اور صاحبِ مزار کی روح کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے، پھر اُسی طرح سلام کر کے واپس آئے، مزار کو نہ ہاتھ لگائے نہ بوسہ دے اور طواف بالاتفاق ناجائز ہے اور سجدہ حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص522

مزاراتِ اولیائے کرام علیہم الرحمۃ کے چومنے کو کفر یا شرک کہنا کیسا ہے؟

فی الواقع بوسۂ قبر میں علماء مختلف ہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ایک امر ہے کہ دو چیزوں داعی ومانع کے درمیان دائر، داعی محبت ہے اور مانع ادب، تو جسے غلبۂ محبت ہو اس پر مواخذہ نہیں کہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ اور عوام کے لیے منع ہی اَحوط ہے۔ ص528

جس شہید یا اولیاء اللہ کے مزار کا حال ہم کو معلوم نہیں ہے کہ آیا کسی کی مزار ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس کی ہے؟ مرد اہلِ اسلام، یہودی یا نصارٰی یا عورت یہود، یا نصارٰی یا مسلمان کی، تو اس مزار پر فاتحہ پڑھنا یا بطریقِ مذکور نیاز وغیرہ کرنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟

جس قبر کا یہ بھی حال معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمان کی ہے یا کافر کی، اس کی زیارت کرنی، فاتحہ دینی ہرگز جائز نہیں کہ قبرِ مسلمان کی زیارت سنت ہے اور فاتحہ مستحب، اور قبرِ کافر کی زیارت حرام ہے اور اسے ایصالِ ثواب کا قصد کفر۔ ص533

رسالہ: جُمَلُ النّور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور
(نور کے جُملے، عورتوں کو زیارتِ قبور سے روکنے کے بارے میں) ص541

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا شوقِ جماعت

میں ۱۲ ربیع الاول شریف کی مجلس پڑھ کر شام ہی سے ایسا علیل ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا، میں نے وصیت نامہ بھی لکھوا دیا تھا، آج تک یہ حالت ہے کہ دروازہ سے متصل مسجد ہے چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد لے جاتے اور لاتے ہیں۔ ص547

*** ابنِ قیم بدمذہب ہے، تو اس کا قول علمائے اہلسنت کے مقابل معتبر نہیں۔ ص618**

بوقتِ دفنِ میّت کے دعا وغیرہ پڑھ کر چھوٹے چھوٹے ڈھیلا وغیرہ پر دم کر کے قبر کے اندر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کوئی حرج نہیں جبکہ قبر میں جگہ نہ گھیرے۔ ص643

دستور ہے کہ اغنیاء قرآن خوانی کے واسطے بُلائے جاتے ہیں اور ان کو دعوت دی جاتی ہے، کیا ان اغنیاء کو بعد قرآن خوانی دعوتِ طعام چہلم جائز ہے؟ اور یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: موت میں دعوت بے معنی ہے، فتح القدیر میں اسے بدعتِ مستقبحہ فرمایا **لان الدعوۃ شرعت فی السرور لافی الشرور** (اس لیے کہ دعوت خوشی میں مشروع ہے غمی میں نہیں۔ت) اغنیا کا اس میں کچھ حق نہیں اور اگر بنظر **المعھود عُرفاً کالمشروط لفظاً** (جو عرفاً معلوم ہے اسی کی طرح ہے جو لفظاً مشروط ہے۔ت) وہ اجرتِ قرآن خوانی کی حد تک پہنچ گیا ہو، کھلانے والا جانتا ہو اُن کی تلاوت کے عوض مجھے کھانا دینا ہے، یہ جانتے ہوں ہمیں قرآن پڑھ کر کھانا لینا ہے، تو آپ ہی حرام ہے، کھانا بھی حرام اور کھلانا بھی حرام، {لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا} (میری آیتوں کے بدلے حقیر مالِ دُنیا نہ لو۔ت)۔ص644

قرآن خوانی پر اُجرت لینا دینا منع ہے، اس کا طریقہ یہ کیا جائے کہ حافظ کو مثلاً چالیس دن کے لیے نوکر رکھ لیں کہ جو چاہیں کام لیں گے اور یہ تنخواہ دیں گے، پھر اس سے قبر پر پڑھنے کا کام لیا جائے، اب یہ اجرت بلاشبہ جائز ہے کہ اس کے وقت کے مقابل ہے نہ کہ تلاوتِ قرآن کے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص645

بلا تعین اسی وقت اگر قاری کو کچھ دے دیا جائے وہ بھی حرام ہے یا نہ؟

تلاوت و تہلیل میں اُجرت لینا ضرور حرام ہے اور گناہ ہونے میں قطعی اور غیرِ قطعی ہونے کا فرق نہیں، گناہ اگرچہ صغیرہ ہوں اسے ہلکا جاننا قطعی حرام ہے۔

جبکہ عادات ورواج کے مطابق قاری کو معلوم ہے کہ ملے گا اور اسے معلوم ہے کہ دینا ہوگا۔ تو ضرور اُجرت میں داخل ہے **فان المعروف کالمشروط** (معروف مشروط کی طرح ہے۔ت)

المعروف کالمشروط قاعدہ کلیہ ہے مگر جب صراحۃً معروف کی نفی کردے تو مشروط نہیں رہے گا۔ مثلاً قاری سے صاف کہہ دیا جائے کہ دیا کچھ نہ جائے گا۔ یا وہ کہہ دے کہ میں لوں گا کچھ نہیں، اس کے بعد پڑھے پھر جو چاہیں دے دیں وہ اجرت میں داخل نہ ہوگا (اس لیے کہ صریح کا درجہ دلالت سے اوپر ہے جیسا کہ خانیہ وغیرہ میں ہے۔ت)۔ص646

رسالہ: اِتْیَانُ الْاَرْوَاحِ لِدِیَارِھِمْ بَعْدَ الرَّوَاح (روحوں کا بعدِ وفات اپنے گھر آنا)۔ص649

جس وقت سے روح انسان کی جسم سے پرواز کرتی ہے بعد اس کے پھر بھی اپنے مکان پر آتی ہے یا نہیں؟ اور اس سے کچھ ثواب کی خواستگار خواہ قرآن مجید یا خیرات وغیرہ طعام ہو یا روپیہ پیسہ ہوتی ہے یا نہیں؟ اور کون کون دن روح اپنے مکان پر آیا کرتی ہے؟ اور اگر آتی ہے تو منکر اس کا گنہگار ہے یا نہیں؟

الجواب: خاتمۃ المحدثین شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرح مشکوٰۃ شریف باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں: میّت کے دنیا سے جانے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے۔ میّت کی طرف سے صدقہ اس کے لیے نفع بخش ہوتا ہے۔ اس میں اہلِ علم کا کوئی اختلاف نہیں، اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہیں، خصوصاً پانی صدقہ کرنے کے

بارے میں اور بعض علماء کا قول ہے کہ میّت کو صرف صدقہ اور دعا کا ثواب پہنچتا ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ رُوح شبِ جمعہ کو اپنے گھر آتی ہے اور انتظار کرتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔ت)

یہ مسئلہ کہ نہ عقائد کا ہے نہ فقہ کے حلال وحرام کا، ایسی جگہ دو ایک سندیں بھی بس ہوتیں نہ کہ اس قدر کثیر ووافر۔

بالجملہ یہ مسئلہ نہ باب عقائد سے نہ باب احکام حلال وحرام سے۔ اسے جتنا ماننا چاہئے کہ اس کے لیے اتنی سندیں کافی ووافی، منکر اگر صرف انکار یقین کرے یعنی اس پر جزم ویقین نہیں تو ٹھیک ہے، اور عامہ مسائل سیر ومغازی واخبار وفضائل ایسے ہی ہوتے ہیں، اس کے باعث وہ مردود نہیں قرار پا سکتے، اور اگر دعوٰی نفی کرے یعنی کہے مجھے معلوم وثابت ہے کہ روحیں نہیں آتیں تو جھوٹا کذاب ہے، بالفرض اگر ان روایات سے قطع نظر بھی تو غایت یہ کہ عدم ثبوت ہے نہ ثبوت عدم، اور بے دلیل عدم ادعائے عدم محض تحکم وستم، آنے کے بارے تو اتنی کتب علماء کی عبارات اتنی روایات بھی ہیں نفی وانکار کے لیے کون سی روایت ہے؟ کس حدیث میں آیا کہ روحوں کا آنا باطل وغلط ہے؟ تو ادعائے بے دلیل محض باطل وذلیل۔ کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ طرف مقابل پر روایات موجودہ بر بنائے ضُعف مردود، اور اپنی طرف روایت کا نام ونشان اور ادعائے نفی کا بلند نشان، روحوں کا آنا اگر باب عقائد سے ہے تو نفیاً واثباتاً ہر طرح اسی باب سے ہوگا، اور دعوٰی نفی کے لیے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی۔ص653

عذاب وثواب کی کیا صورت ہے جبکہ انسان خاک میں مل جاتا ہے اور روح اپنے مقام پر چلی جاتی ہے؟

انسان کبھی خاک نہیں ہوتا بدن خاک ہوجاتا ہے، اور وہ بھی کُل نہیں، کچھ اجزائے اصلیہ دَقیقہ جن کو عجب الذَنب کہتے ہیں وہ نہ جلتے ہیں نہ گلتے ہیں ہمیشہ باقی رہتے ہیں، انھیں پر روزِ قیامت ترکیبِ جسم ہوگی، عذاب وثواب روح وجسم دونوں کے لیے ہے۔ جو فقط روح کے لیے مانتے ہیں گمراہ ہیں، روح بھی باقی اور جسم کے اجزائے اصلی بھی باقی، اور جو خاک ہوگئے وہ بھی فنائے مطلق نہ ہوئے، بلکہ تفُرّقِ اِتصال ہوا اور تغیرِ ہیئت۔ پھر اِستحالہ کیا ہے۔ حدیث میں روح وجسم دونوں کے معذَّب ہونے کی یہ مثال ارشاد فرمائی کہ ایک باغ ہے اس کے پھل کھانے کی ممانعت ہے۔ ایک لنجھا ہے کہ پاؤں نہیں رکھتا اور آنکھیں ہیں وہ اس باغ کے باہر پڑا ہوا ہے، پھلوں کو دیکھتا ہے مگر ان تک جا نہیں سکتا، اتنے میں ایک اندھا آیا اس لنجھے نے اس سے کہا: تو مجھے اپنی گردن پر بٹھا کر لے چل، میں تجھے رستہ بتاؤں گا، اس باغ کا میوہ ہم تم دونوں کھائیں گے، یوں وہ اندھا اس لنجھے کو لے گیا اور میوے کھائے دونوں میں کون سزا کا مستحق ہے؟ دونوں ہی مستحق ہیں، اندھا اسے نہ لے جاتا تو وہ نہ جا سکتا، اور لنجھا اسے نہ بتاتا تو وہ نہ دیکھ سکتا، وہ لنجھا روح ہے کہ اِدراک رکھتی ہے اور اَفعالِ جوارح نہیں کرسکتی۔ اور وہ اندھا بدن ہے کہ اَفعال کرسکتا ہے اور اِدراک نہیں رکھتا۔ دونوں کے اِجتماع سے مَعصیت ہوئی دونوں ہی مستحقِ سزا ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ص658

رُوح کا مقام مرنے کے بعد کہاں ہے؟

روح کا مقام بعدِ موت حسبِ مراتب مختلف ہے۔ مسلمانوں میں بعض کی روحیں قبر پر رہتی ہیں اور بعض کی چاہِ زمزم میں اور بعض کی آسمان وزمین کے درمیان، اور بعض آسمانِ اول دوم ہفتم تک، اور بعض اعلٰی علیین میں، اور بعض سبز پرندوں کی شکلیں میں زیرِ عرش نور کی قندیلوں میں، کفار میں بعض کی روحیں چاہِ وادیِ برہوت میں، بعض کی زمین دوم سوم ہفتم تک، بعض سجین میں۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ص658

روح کیا چیز ہے؟اکثر سنا گیا ہے کہ روح تمام دنیاوی کیفیات کا ادراک ہر وقت بعدِ موت کرتی ہے قبر پر کوئی شخص جائے اس کا علم میّت کو ہوتا ہے؟

روح میرے رب کے حکم سے ایک شے ہے اور تمھیں علم نہ دیا گیا مگر تھوڑا، روح کے اِدراکات علم وسمع وبصر باقی رہتے، بلکہ پہلے سے بھی زائد ہوجاتے ہیں۔

قبر پر آنے والے کو میّت دیکھتا ہے۔اس کی بات سنتا ہے۔اگر زندگی میں پہچانتا تھا اب بھی پہچانتا ہے اگر اس کا عزیز یا دوست ہے تو اس کے آنے سے اُنس حاصل کرتا ہے: یہ سب باتیں اَحادیث اقوالِ ائمہ میں مصرَّح اور اہلسنت کا اعتقاد ہیں، ان کی تفصیل ہماری کتاب "حیات الموات فی بیان سماع الاموات "میں دیکھیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔ص658

طعامِ میت کا حکم

طعام بہ نیتِ اِیصالِ ثواب بروحِ مُردگان تقسیم کیا جاتا ہے اس کو اَغنیاء بھی کھا سکتے ہیں؟ عام امواتِ مومنین کے لیے جو کھانا وغیرہ دیا جاتا ہے اس میں اور اس طعام میں جو انبیاءِ عظام اور اولیاء کرام کی اَرواح کے لیے ہدیہ کیا جاتا ہے کچھ ذاتی فرق ہے یا نہیں؟ برکت وعدمِ برکت کے اعتبار سے دونوں حالتوں میں مصرف ایک ہوگا یعنی صرف فقراء کو دینا یا اغنیاء کے لیے بھی کھانا جائز ہوگا؟

طعام تین قسم ہے:

ایک: وہ کہ عوام ایامِ موت میں بطورِ دعوت کرتے ہیں یہ ناجائز وممنوع ہے۔اس لیے کہ دعوت کو شریعت نے خوشی میں رکھا ہے غمی میں نہیں،جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ کتبِ اکابر میں ہے۔(ت)اغنیاء کو اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسرے: وہ طعام کہ اپنے اموات کو ایصالِ ثواب کے لیے بہ نیتِ تَصَدُّق کیا جاتا ہے فقراء اس کے لیے اَحَق ہیں، اغنیاء کو نہ چاہئے۔

تیسرے: وہ طعام کہ نذورِ اَرواحِ طیبہ حضراتِ انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کیا جاتا ہے اور فقراء واغنیاء سب کو بطورِ تبرک دیا جاتا ہے یہ سب کو بلا تکلف رَوا ہے۔اور وہ ضرور باعثِ برکت ہے۔برکت والوں کی طرف جو چیز نسبت کی جاتی ہے اس میں برکت آجاتی ہے۔مسلمان اس کھانے کی تعظیم کرتے ہیں اور وہ اس میں مصیب ہیں، ائمۂ دین نے بسندِ صحیح روایت فرمایا کہ ایک مجلس سماع صوفیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں نذر حضور سیدنا غوثِ اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بدرۂ زر رکھا ہوا تھا، حالتِ وجد میں ایک صاحب کا پاؤں اس سے لگ گیا فوراً ربُ العزت جلَّ وَعَلَا نے ان کا حالِ ولایت سلب فرمالیا نسأل اللہ العفو والعافیہ۔واللہ تعالیٰ اعلم۔ص614

رسالہ: جَلِی الصَّوْت لِنَھْیِ الدَّعْوَۃِ اَمَامَ مَوْت (کسی موت پر دعوت کی ممانعت کا واضح اعلان)۔ص661

طعامِ میّت دل کو مردہ کردیتا ہے اس قول کے کیا معنٰی ہیں؟

یہ تجربہ کی بات ہے اور اس کے معنٰی یہ ہیں کہ جو طعامِ میّت کے متمنی رہتے ہیں ان کا دل مرجاتا ہے۔ذکر وطاعتِ الٰہی کے

لیے حیات وچستی اس میں نہیں رہتی کہ وہ اپنے پیٹ کے لقمہ کے لیے موتِ مسلمین کے منتظر رہتے ہیں اور کھانا کھاتے وقت موت سے غافل اوراس کی لذت میں شاغل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ص 667

اگر کوئی شخص مرے اوراس کے گھر والے چہلم کا کھانا پکائیں اور جو برادر یا غیر ہوں ان سے کہیں کہ تمھاری دعوت ہے تو وہ دعوت قبول کی جائے یانہیں؟ اور کھانا کیسا ہے؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ عرفِ عام پر نظر شاہد کہ چہلم وغیرہ کے کھانے پکانے سے لوگوں کا اصل مقصود میّت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے، اسی غرض سے یہ فعل کرتے ہیں، ولہٰذا اسے فاتحہ کا کھانا چہلم کی فاتحہ وغیرہ کہتے ہیں، اور شک نہیں کہ اس نیت سے جو کھانا پکایا جائے مستحسن ہے اور عندالتحقیق صرف فقراء ہی پر تَصَدُّق میں ثواب نہیں بلکہ اغنیاء پر بھی مورثِ ثواب ہے، حضور پُرنُور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: فی کل ذات کبد رطبۃ اجر ہر گرم جگر میں ثواب ہے، یعنی زندہ کو کھانا کھلائے گا، پانی پلائے گا ثواب پائے گا۔

اور مدارِ کار نیت پر ہے انما الاعمال بالنیات۔ تو جو کھانا فاتحہ کے لیے پکایا گیا ہے بلاتے وقت اسے بلفظِ دعوت تعبیر کرنا اس نیت کو باطل نہ کرے گا، جیسے کسی نے اپنے محتاج بھائی بھتیجوں کو عید کے کچھ روپیہ دل میں زکوٰۃ کی نیت اور زبان سے عیدی کا نام کر کے دیئے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، عیدی کہنے سے وہ نیت باطل نہ ہوگی (جیسا کہ عامہ کتب میں علماء نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ت) معہذا اپنے قریبوں عزیزوں کے مواسات بھی صلۂ رحم وموجبِ ثواب ہے، اگرچہ وہ اغنیاء ہوں (جیسا کہ شریعت میں یہ ایسا معروف ہے کہ کسی جاہل ہی سے مخفی ہوگا۔ت) اور آدمی جس امر پر خود ثواب پائے وہ کوئی فعل ہو اس کا ثواب میّت کو پہنچا سکتا ہے۔ کچھ خاص تَصَدُّق ہی کی تخصیص نہیں۔

یوں بھی اس نیتِ محمود میں کچھ خلل نہیں اگرچہ افضل وہی تھا کہ صرف فقراء پر تَصَدُّق کرتے کہ جب مقصود ایصالِ ثواب تو وہی کام مناسب تر جس میں ثواب اکثر ووافر، پھر بھی اصل مقصود مفقود نہیں، جبکہ نیت ثواب پہنچانا ہے۔ ہاں جسے یہ مقصود ہی نہ ہو بلکہ دعوت ومہمان داری کی نیت سے پکائے، جیسے شادیوں کا کھانا پکاتے ہیں تو اسے بے شک ثواب سے کچھ علاقہ نہیں، نہ ایسی دعوت شرع میں پسند نہ اس کا قبول کرنا چاہئے کہ ایسی دعوتوں کا محل شادیاں ہیں نہ کہ غمی۔ ولہٰذا علماء فرماتے ہیں کہ یہ بدعتِ سیئہ ہے، جس طرح میّت کے یہاں روزِ موت سے عورتیں جمع ہوتی ہیں اور ان کے کھانے دانے، پان چھالیا کا اہتمام میّت والوں کو کرنا پڑتا ہے۔ وہ کھانا فاتحہ وایصالِ ثواب کا نہیں ہوتا بلکہ وہی دعوت ومہمان داری ہے کہ غمی میں جس کی اجازت نہیں، کما بیناہ ذلك فی فتاوٰنا (جیسا کہ اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) یوں ہی چہلم یا برسی یا ششماہی پر کھانا بے نیتِ ایصالِ ثواب محض ایک رسمی طور پر پکاتے اور شادیوں کی بھاجی کی طرح برادری میں بانٹتے ہیں، وہ بھی بے اصل ہے، جس سے اِحتراز چاہئے، خصوصاً جب اس کے ساتھ رِیاء وتفاخُر مقصود ہو کہ جب تو اس فعل کی حرمت میں اَصلاً کلام نہیں۔

مگر بے دلیلِ واضح کسی مسلمان کا یہ سمجھ لینا کہ یہ کام اس نے تفاخر ونا موری کے لیے کیا ہے جائز نہیں کہ قلب کا حال اللہ تعالٰی جانتا ہے اور مسلمان پر بدگمانی حرام۔ یہ بحمد اللہ درمیانی قول ہے جس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی۔ اگرچہ اس باب میں تفریط اور اِفراط کرنے والوں کے خلاف ہو۔ اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے (ت)۔ص 668

سوم کے چنوں بتاشوں کا لینا کیسا ہے؟

سوم کے چنے بتاشے کہ بغرضِ مہمانی نہیں منگائے جاتے بلکہ ثواب پہنچانے کے قصد سے ہوتے ہیں، یہ اس حکم میں داخل نہیں، نہ میرے اس فتوے میں ان کی نسبت کچھ ذِکر ہے۔ یہ اگر مالک نے صرف محتاجوں کے دینے کے لیے منگائے اور یہی اس کی نیت ہے تو غنی کو ان کا بھی لینا ناجائز، اور اگر اس نے حاضرین پر تقسیم کے لیے منگائے تو اگر غنی بھی لے لے گا تو گنہگار نہ ہوگا، اور یہاں بحکمِ عرف ورواجِ عام حکم یہی ہے کہ وہ خاص مساکین کے لیے نہیں ہوتے تو غنی کو بھی لینا ناجائز نہیں، اگرچہ اِحتراز زیادہ پسندیدہ۔ **اور اسی پر ہمیشہ سے اس فقیر کا عمل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔** ص672

نباتات وجمادات وتمام اجزائے عالم میں ہر ایک کے موافق ایک حیات ہے

نباتات وجمادات وتمام اجزائے عالم میں ہر ایک کے موافق ایک حیات ہے کہ اس کی بقا تک ہر شجر وحجر زبانِ قال سے اس ربِ اکبر جلّ جلالہ، کی پاکی بولتا ہے اور سبحان اللہ سبحان اللہ یا اس کے مثل اور کلماتِ تسبیح الٰہی کہتا ہے نہ کہ ان میں صرف زبانِ حال ہے جیسا کہ ظاہر بینی کا مقال ہے کہ اس تقدیر پر تر وخشک میں تفرقہ محض بے معنی تھا (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) اور آیۂ کریمہ {اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ} خود اس پر برہانِ قاطع کہ اس میں فرمایا: {وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ} (تم اس کی تسبیح نہیں سمجھتے) ظاہر ہے کہ تسبیح حالی تو ہر شخص عاقل سمجھتا ہے۔ اور خود مذہبِ اہلسنت مقرر ہوچکا کہ تمام ذراتِ عالم کے لیے ایک نوعِ علم واِدراک وسمع وبصر حاصل ہے۔ اور اس پر قرآن واحادیث کے صدہا نصوص (عـــہ ۱)[1] ناطق۔ جنھیں جمع کروں تو ان شاء اللہ پانسو سے کم نہ ہوں گے۔ ان سب کو بلاوجہ ظاہر سے پھیر کر تاویل کرنا تو قانونِ عقل ونقل سے خروج بلکہ صراحۃً سفاہاتِ مبتدعین میں ولوج ہے خصوصاً وہ نصوص (عـــہ ۲)[2] جو صریح مفسر ہیں کہ تاویل کی گنجائش ہی نہیں رکھتے۔

اہلِ قبور کی قوتِ سامعہ اس درجہ تیز وصاف وقوی تر ہے کہ نباتات کی تسبیح جسے اکثر اَحیاء نہیں سنتے وہ بلاتکلف سنتے اور اس سے اُنس حاصل کرتے ہیں۔ پھر انسان کا کلام تو واضح اور اَظہر ہے **واللہ تعالٰی الھادی۔** ص758

کیا عباداتِ بدنیہ کا ثواب نہیں پہنچتا؟

سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک عباداتِ بدنیہ کا ثواب نہیں پہنچتا مگر جمہور اہلسنت قائلِ اطلاق وعموم ہیں، اور یہی مذہب ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہے یہاں تک کہ خود محققینِ شافعیہ نے اس کی ترجیح وتصحیح کی **منھم السیوطی فی انیس الغریب** (ان میں سے ایک امام سیوطی ہیں جنہوں نے **انیس الغریب** میں اسکی وضاحت کی ہے) تو ہمارے نزدیک

---

[1]: عـــہ ۱: فقیر نے اپنے فتاوٰی میں ایک جملہ صالحہ ذکر کیا اور صدہا کا پتا دیا **وباللہ التوفیق**۔ (م)

[2]: عـــہ ۲: مثلاً وہ حدیثیں جن میں صاف ارشاد ہوا کہ نہ کوئی جانور شکار کیا جائے، نہ کوئی پیڑ کاٹا جائے جب تک تسبیحِ الٰہی میں غفلت نہ کرے۔ سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: نہ کوئی جانور شکار کیا جاتا ہے اور نہ کوئی درخت کاٹا جاتا ہے جب تک تسبیحِ الٰہی نہ ترک کرے۔ (مِنہ)

شک نہیں کہ میّت کوتلاوت کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔ص799

اہلسنت کے نزدیک روح کے لیے فنا نہیں

اہلسنت کے نزدیک روح کے لیے فنا نہیں، موت سے روحوں کا مرجانا بدمذہبوں کا قول ہے۔موت حقیقتاً صفتِ بدن ہے نہ کہ وصفِ روح پھربھی مجازاً روح مُفارِق عَنِ الْبدن پر بھی اس کا اِطلاق آتا ہے۔حدیث میں ہے: **اللھم رب الارواح الفانیۃ والاجساد البالیۃ** ۔اے اللہ فانی ارواح اور بوسیدہ اجسام کے رب۔ت)۔روح پر اطلاقِ فانی باعتبارِ جسم واقع ہوا یعنی اے وہ روحو: جن کے بدن فنا ہوگئے تم پر سلام ہو۔ورنہ خود روح کے لیے ہرگز فنا نہیں۔ص843

فاعل وسامع وبصیر روح ہے، اور بدن صرف آلہ

ثابت ہوا کہ فاعل وسامع وبصیر روح ہے۔اور بدن صرف آلہ، اسی طرح تمام نصوص احوالِ برزخ کہ بعد فنائے بدن بقائے ادراکات پر شاہد ہیں جن سے جملہ کثیرہ فصولِ سابقہ میں گزرا، سب سے ثابت کہ مُدرِک غیر بدن ہے۔ہاں کبھی مجازاً بدن کی طرف بھی بوجہ آلیت نسبتِ ادراکات ہوتی ہے، **قال اللہ تعالٰی {وتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ}** (اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اور کوئی سمجھ والا کان اُسے سمجھے۔ت) یہ برتقدیرِ مجازِ عقلی ہے اور محتمل کہ مجاز فی الطرف ہو یعنی روح پر اطلاقِ اُذُن **کما فی قول تعالی {قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ}** (جیسا کہ اس ارشادِ باری میں: فرماؤتمھارے لیے وہ بھلائی کے کان ہیں۔ت)۔ص849

مقدمۂ ثالثہ: جب باجماعِ اہلِ حق روح کے لیے موت نہیں، اور تمام کُتبِ عقائد میں تصریح اور شرح مقاصد کی عبارت فصل دوم نوع اول مقصد سوم میں گزری کہ اہلِ سنت کے نزدیک جسم شرطِ حیات نہیں، معتزلہ اس میں خلاف کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اِدراکات تابع حیات ہیں ولہذا ہمارے نزدیک روح موت سے متغیر نہیں ہوتی اس کے کلام وادراکات بدستور رہتے ہیں جس کا بیانِ شافی بروجہِ کافی فصلِ مذکور میں مسطور، تو روح بعد دفن فتنہ وسوال یا نعیم ونکال، کسی امر میں ہرگز اعادۂ حیات کی محتاج نہیں کہ حیات واِدراکات اس سے جُدا ہی کب ہوئے تھے، ہاں بدن ضرور محتاج ہے۔وجہ یہ کہ اہلِ سنت کے نزدیک قبر کی تنعیم یا معاذ اللہ عذاب جو کچھ ہے روح وجسم دونوں پر ہے۔اور اس پر شرع مطہر سے نصوصِ کثیرہ وشہیرہ متواتر دَال ہیں جن کے استقصا کی طرف راہ نہیں، اسی طرح سوالِ نکیرین بھی روح وبدن دونوں سے ہے۔

اور جماد مِنْ حیثُ ھو جماد سے سوال یا اُسے لذت، خواہ اَلم کا اِیصال، بداہۃً محال، لاجرم وقتِ سوال بدن کو ایک نوعِ حیات کی عود سے چارہ نہیں، اگرچہ ہم اس کی کیفیت جزماً نہ جانیں۔ص850

مقدمۂ خامسہ: قرآن واحادیث نصوصِ شرعیہ ومحاوراتِ عرفیہ سب میں انسان کی طرف صفاتِ روح وجسم دونوں نسبت کی جاتی ہیں۔**پھر روح کا بدن سے تعلق چار قسم ہے: ایک تعلق** دنیوی بحالِ بیداری، **دوسرا** بحالِ خواب کہ مِنْ وَجہٍ مُتعلق مِنْ وَجہٍ مُفارِق، **تیسرا** برزخی، **چوتھا** اُخروی۔ان میں جس طرح اعلٰی واکمل تعلقِ اُخروی ہے جس کے بعد فِراق کا اِحتمال ہی نہیں، یوں ہی اَدْوَن واَقل تعلق برزخی ہے کہ باوصفِ فراق ایک اتصالِ معنوی ہے مگر قرآن عظیم وحدیث کریم کے نصوصِ قاطعہ شاہدِ عدل ہیں کہ اس قدر تعلق بھی بقائے انسانیت کے لئے بس ہے بداہۃً معلوم کہ قبر میں تنعیم یا معاذ اللہ تعذیب جو کچھ ہے اسی انسان ہی کے

واسطے ہے جو اپنی حیاتِ دنیوی میں مومن ومطیع یا معاذ اللہ کافر وعاصی تھا، نہ یہ کہ طاعت وایمان تو انسان نے کئے اور نعمت مل رہی ہے کسی غیر انسان کو یا کفر وعصیان انسان سے ہوئے اور عذاب ہوتا ہو کسی غیر انسان پر، تو ثابت ہوا کہ حقیقتِ انسانیہ میں جو تعلق ملحوظ ہے مطلق ومرسل ہے کسی وقت کا ہو۔ یہ تحقیق حقیقت ومصداق انسان میں کلام تھا اب آیات ومحاوراتِ مذکورہ کی طرف چلئے۔۔۔بالجملہ خلاصہ مبحث یہ ہوا کہ اطلاق انسان کے لیے دو حقیقتیں ہیں: ایک حقیقت اصلیہ دقیقہ یعنی روح متعلق بالبدن اگر چہ بتعلقِ برزخی، دوم حقیقت مشہور عرفیہ یعنی بدن، اور اکثر متکلمین کے زعم میں یہی حقیقتِ اصلیہ ہے، اور اگر غرابتِ فن سے قطع نظر کر کے ان کا کلام انسانِ عرفی پر محمول کریں تو وہ بھی صحیح۔ص 857

مقدمۂ سادسہ: اَقول صفاتِ بدن دو قسم ہیں: **اصلیہ** کہ خود بدن کے لئے حاصل اور **تبعیہ** کہ حقیقۃً صفاتِ روح ہیں، اور بوجہ اتحادِ مذکور بدن کی طرف منسوب جیسے علم وسمع وبصر وارادہ وفاعلیت افعالِ اختیاریہ وغیرہا، عرف میں اگر چہ انسان نام بدن ٹھہرا مگر صفاتِ تبعیہ کی اس کی طرف اضافت مشروط بشرطِ حیات ہے، بعدِ موت بے عودِ حیات بدنِ خالی کو عرفاً لغۃً کسی طرح سمیع وبصیر مرید فاعل عامل نہیں کہتے کہ یہ نسبتیں اس اِتصالِ سُریانی پر مبنی تھیں جس نے روح وبدن کو عرفاً امرِ وحدانی کر دیا تھا۔ص 870

مردے سنتے ہیں اور ان کے سننے کی کیفیت

مقدمۂ سابعہ: مسئلۂ دائرہ سماعِ موتیٰ میں مقصودِ اہلسنت کچھ اس پر موقوف نہیں کہ تمام اَموات کے بدن ہی قبر میں ہمیشہ زندہ رہیں زائروں کے سلام وکلام وہ انہی کانوں کے ذریعہ سے سنیں، ہوائے متموج متکیف بالصوت انہی کے پٹھوں کو کرے، اسی طریقے پر سماع ہو، یونہی رؤیتِ عامۂ اموات میں، ہماری اس سے کوئی غرض متعلق نہیں کہ وہ انہی آنکھوں سے دیکھے، انہی سے خروجِ شعاع یا انھیں کے لوح میں صورت کا اِنطباع ہو، یہ نہ واقع ہے نہ ہمارا دعوٰی کو اس پر توقُّف، آخر اہلسنت کے نزدیک جس طرح ابھی کا مردہ سنتا دیکھتا ہے یونہی برسوں کا، جبکہ کان آنکھ جسم کا کوئی ذرہ سلامت نہ رہا سب خاک وغبار ہو کر مٹی میں مل گیا، جس طرح مسلمان قبر میں سنتا ہے یونہی ہندو کافر مرگھٹ میں، جس وقت اس کے کان آنکھ کو آگ دیتے ہیں وہ ان آگ دینے والوں کو دیکھتا ان کی باتیں سنتا اس آگ کی اذیت کا احساس کرتا ہے۔ آنکھ کان اعضاء کو جلتا دیکھتا ان پر آگ بھڑکنے کی آواز سنتا ہے اور جب جل بجھ کر راکھ ہو جاتے ہیں جب بھی دیکھتا سنتا ہے۔ جو سلام وکلام مدفونِ اَمروزہ کے لئے شرع مطہر میں ہے وہی مدفونِ ہزار سالہ کے واسطے، غرض دلائل مطلق ہیں اور عقیدہ مطلق اور آلاتِ جسمانیہ کی تخصیص ناحق، ہمیں اتنی بات سے کام ہے کہ مردے زندوں کی طرح صورت وصوت کا ادراک کرتے ہیں، اور اوپر روشن ہو چکا کہ ادراک کار روح ہے اور روح نہ موت سے مرتی ہے نہ متغیر ہوتی ہے، مگر اس پر بھی لفظِ میّت کا اطلاق آتا ہے ہم انھیں ارواحِ موتی کے سماع وابصار کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اسی کو اموات کا دیکھنا سننا کہتے ہیں اس سے کچھ غرض نہیں کہ وہاں بھی ذرائع وآلات یہی ہوں یا غیر، یونہی اَموات کی باہم ملاقات، آپس کی گفتگو، قبر کا ان سے باتیں کرنا، ان کی حدِ نگاہ تک کشادہ ہونا، احیاء کے اعمال انھیں سنائے جانا، اپنے حسنات وسیئات اور گاؤ ماہی کا تماشا دیکھنا وغیرہ وغیرہ۔ص 871 ائمہ اہلِ سنت رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماعی عقیدہ کہ ''مردے سنتے ہیں'' قطعاً حق ہے، اور کیوں نہ حق ہو کہ وہ اہلِ سنت ہیں حق انھیں میں منحصر ہے۔ اور اس کے معنٰی یہ کہ مُردگان (کہ ان پر بھی اطلاقِ مردہ ومیّت کیا جاتا

ہے اور خود وہ اور ان کے ادراکات باقی ومستمر وبحال ونامتغیر ہیں) بعدِ فراق بھی بدستور ادراکِ اصوات وکلام کرتے ہیں اور ان مشائخ وشُراحِ اہلسنت وفلاح رحمہم اللہ تعالیٰ کا بیان کہ ''مردے نہیں سنتے'' بے شک صحیح ہے، اور کیوں نہ صحیح ہو کہ وہ اہلِ فقاہت ہیں، ان کا فضل وکمال ظاہر وباہر ہے۔ اور اس کے معنیٰ یہ کہ جو چیز مرگئی یعنی بدن کہ حقیقۃً وہ مردہ ہے سمع سے معزول ہے آیت وتوسط وتادیہ صور کے لائق نہیں، یہ دونوں کلام صراحۃً سچ ہیں اور آپس میں اَصلاً متخالف نہ کوئی حرف مفید مخالف۔ص872

سولاتِ قبر کا تصور

وہ موت کا تازہ صدمہ اٹھائے ہوئے روح جس کا ادنیٰ جھٹکا سو ضربِ شمشیر کے برابر، جس کا صدمہ ہزار ضربِ تیغ سے سخت تر، بلکہ ملک الموت کا دیکھنا ہی ہزار تلوار کے صدمہ سے بڑھ کر، وہ نئی جگہ وہ نری تنہائی، وہ ہر طرف بھیانک بیکسی چھائی، اس پر وہ نکیرین کا اچانک آنا وہ سخت ہیبت ناک صورتیں دکھانا کہ آدمی دن کو ہزاروں کے مجمع میں دیکھے تو حواس بجا نہ رہیں، کالا رنگ نیلی آنکھیں، دیگوں کے برابر بڑی، اَبرق کی طرح شعلہ زَن سانس جیسے آگ کی لپیٹ، بیل کے سینگوں کی طرح لمبے نوک دار کیلے، زمین پر گھسٹتے سر کے پیچیدہ بال، قدوقامت جسم وجسامت بلا قیامت کہ ایک شانے سے دوسرے تک منزلوں کا فاصلہ، ہاتھوں میں لوہے کا وہ گرز کہ اگر ایک بستی کے لوگ بلکہ جن وانس جمع ہوکر اٹھانا چاہیں نہ اُٹھا سکیں، وہ گرج کڑک کی ہولناک آوازیں، وہ دانتوں سے زمین چیرتے ظاہر ہونا، پھر ان آفات پر آفت یہ کہ سیدھی طرح بات نہ کرنا، آتے ہی جھنجھوڑ ڈالنا، مہلت نہ دینا کڑکتی جھڑکتی آوازوں میں امتحان لینا وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ارحم ضعفنا یا کریم یا جمیل صل وسلم علی نبی الرحمۃ واٰلہ الکرام وسائر الامۃ اٰمین اٰمین یاارحم الراحمین۔ص934

ہر فن کی بات اس کی حد تک محدود ومقبول ہے

موافق مخالف سب اہلِ عقول کا قدیمی معمول کہ ہر فن کی بات اسی کی حد تک محدود ومقبول، تحقیقِ حلال وحرام میں فقہ کی طرف رجوع ہوگی، اور صحت وضُعفِ حدیث میں تحقیقاتِ فنِ حدیث کی طرف، طبی مسئلہ نحو سے نہ لیں گے، نہ نحوی طب سے، علماء فرماتے ہیں شروحِ حدیث میں جو مسائل فقہیہ کتبِ فقہ کے خلاف ہوں مستند نہیں بلکہ تصریح فرمائی کہ خود اصولِ فقہ کی کتابوں میں جو مسئلہ خلافِ کتبِ فروع ہو معتمد نہیں، بلکہ فرمایا جو مسئلہ کتبِ فقہ ہی میں غیرِ باب میں مذکور ہو مسئلہ مذکور فی الباب کا مقادم نہ ہوگا کہ غیرِ باب میں کبھی تساہل راہ پاتا ہے۔ص940

علمائے کرام کو اس میں اختلاف ہے کہ عقائد میں تقلید مقبول ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کو ایک، رسول کو سچا، جنت ونار کو موجود، سوال وعذاب ونعیمِ قبر کو حق جاننے میں اس کا کوئی محل نہیں کہ فلاں فلاں مشائخ ایسا فرماتے تھے محض ان کے اعتبار پر مان لیا ہے۔ ہاں عقائد میں کتاب وسنت واجماعِ اُمت وسوادِ اَعظم اہلِ سنت کا اِتباع ہے۔ اس لیے کہ خدا اور رسول نے ہمیں بتادیا کہ اجماع ضلالت پر ناممکن اور سوادِ اَعظم کا خلاف اِبتداع ہے۔ص940

جلد نمبر 10

کتاب الزّکوۃ

زکوٰۃ میں نیّت شرط ہے

اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ میں نیّت شرط ہے بے اس کے ادا نہیں ہوتی، اور نیّت میں اِخلاص شرط ہے بغیر اس کے نیّت مہمل، اور اخلاص کے یہ معنٰی کہ زکوٰۃ صرف بہ نیّتِ زکوٰۃ وادائے فرض و بجا آوریِ حکمِ الٰہی دی جائے، اس کے ساتھ اور کوئی امر منافیِ زکوٰۃ مقصود نہ ہو۔ پھر اس میں اِعتبار صرف نیّت کا ہے اگرچہ زبان سے کچھ اور اِظہار کرے، مثلاً دل میں زکوٰۃ کا اِرادہ کیا اور زبان سے ہبہ یا قرض کہہ کر دیا صحیح مذہب پر زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ پھر نیت بھی صرف دینے والے کی ہے لینے والا کچھ سمجھ کر لے اس کا علم اَصلاً معتبر نہیں، ولہٰذا اگر عید کے دن اپنے رشتہ داروں کو جنھیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کچھ روپیہ عیدی کا نام کر کے دیا اور انہوں نے عیدی ہی سمجھ کر لیا اور اس کے دل میں یہ نیّت تھی میں زکوٰۃ دیتا ہوں بلاشبہ ادا ہوجائے گی۔ ص65

صدقہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا

زکوٰۃ صدقہ ہے اور صدقہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی فاسد ہوجاتی ہے، مثلاً زکوٰۃ دی اور یہ شرط کرلی کہ یہاں رہے گا تو دُوں گا ورنہ نہ دُوں گا اس شرط پر دیتا ہوں کہ تو یہ روپیہ فلاں کام میں صرف کرے اس کی مسجد بنادے یا کفنِ اموات میں اُٹھادے تو قطعاً زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور یہ شرطیں سب باطل و مہمل ٹھہریں گی۔ ص67

بعض آدمی مدِ زکوٰۃ میں بھوکوں کو غلّہ وغیرہ تقسیم کرتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

زکوٰۃ میں روپے وغیرہ کہ عوضِ بازار کے بھاؤ سے اس قیمت کا غلّہ مکّا وغیرہ محتاج کو دے کر بہ نیتِ زکوٰۃ مالک کر دینا جائز و کافی ہے، زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، مگر جس قدر چیز محتاج کی مِلک میں گئی بازار کے بھاؤ سے جو قیمت اس کی ہے وہی مجرا ہوگی بالائی خرچ محسوب نہ ہوں گے، مثلاً آج کل مکّا کا نرخ نَو سیر ہے نَو من مکّا مول لے کر محتاجوں کو بانٹی تو صرف چالیس روپیہ زکوٰۃ میں ہوں گے، اُس پر جو پلّہ داری یا بار برداری دی ہے حساب میں نہ لگائی جائے گی، یا گاؤں سے منگا کر تقسیم کی تو کرایہ گھاٹ چونگی وضع نہ کریں گے، یا غلّہ پکا کر دیا تو پکوائی کی اُجرت، لکڑیوں کی قیمت مجرا نہ دینگے، اس کی پکی ہوئی چیز کی جو قیمت بازار میں ہو وہی محسوب ہوگی۔ ص69

محتاجوں کو کھانا کھلا دیا یا کپڑے بنا دیئے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

عوض زرِ زکوٰۃ کے محتاجوں کو کپڑے بنا دینا، انھیں کھانا دے دینا جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی خاص روپیہ ہی

دینا واجب نہیں مگر ادائے زکوٰۃ کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس قدر مال کا محتاجوں کو مالک کر دیا جائے اسی واسطے اگر فقراء و مساکین کو مثلاً اپنے گھر بلا کر کھانا پکا کر بطریقِ دعوت کھلا دیا تو ہرگز زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کہ یہ صورت اِباحت ہے نہ کہ تملیک، یعنی مدعو اُس طعام کو ملکِ داعی پر کھاتا ہے اور اس کا مالک نہیں ہوجاتا اسی واسطے مہمانوں کو رَوا نہیں کہ طعامِ دعوت سے بے اذنِ میزبان گداؤں یا جانوروں کو دے دیں، یا ایک خوان والے دوسرے خوان والوں کو اپنے پاس سے کچھ اُٹھا دیں یا بعدِ فراغ جو باقی بچے اپنے گھر لے جائیں، ہاں اگر صاحبِ زکوٰۃ نے کھانا خام خواہ پختہ مستحقین کے گھر بھجوادیا یا اپنے ہی گھر کھلایا مگر بتصریح پہلے مالک کر دیا تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ ص70

چار پانچ آدمی بزّاز کے یہاں کپڑا خریدنے گئے اُن میں سے ایک نے کوئی کپڑا اُچرالیا، معلوم ہونے کے بعد دُکاندار نے اس کو معاف کر دیا اور بنیّت صدقہ یا زکوٰۃ کی کی، تو یہ نیت اس کی صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر وُہ کپڑا ہنوز موجود ہے تو نہ وُہ صدقہ میں محسوب ہوگا، نہ زکوٰۃ میں، نہ اس کی معافی ہوگی (کیونکہ اَعیان سے بری کرنا باطل ہے۔ت) ہاں اگر اسے ہبہ کر دیا تو ہبہ ہوجائے گا، اور اگر ہبہ کرنے سے زکوٰۃ یا صدقہ کی نیّت کی اور وُہ شخص اس کا مصرف ہو تو زکوٰۃ و صدقہ ادا ہوجائیں گے، اور اگر وُہ کپڑا اُس نے تلف کر دیا یہاں تک کہ اُس کا اُس پر تاوان لازم آیا اور اُس نے وہ تاوان معاف کر دیا تو معافی صحیح ہے اور نیت محمود ہو تو اجر پائے گا اور یہ خود ایک صدقۂ نفل ہے مگر اس میں زکوٰۃ کی نیت صحیح نہیں، ہاں اس سے اُتنے کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی جتنا تاوان اس پر واجب تھا مگر یہ اُس کے دیگر اموال کی زکوٰۃ ہوسکے یہ نہ ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ ص73

زکوٰۃ بتدریج دی جائے یا یکمشت دینے میں کیا نقصان ہے؟

اگر زکوٰۃ پیشگی ادا کرتا ہے یعنی ہنوز حولانِ حول نہ ہُوا کہ وجوبِ ادا ہوجاتا، خواہ یُوں کہ ابھی نصاب نامی فارغ عن الحوائج کا مالک ہُوئے سال تمام نہ ہُوا، یا یُوں کہ سالِ گزشتہ کی دے چکا ہے اور سالِ رَواں ہنوز ختم پر نہ آیا تو جب تک انتہائے سال نہ ہو بلاشبہ تفریق و تدریج کا اختیارِ کامل رکھتا ہے جس میں اَصلاً کوئی نقصان نہیں کہ حولانِ حول سے پہلے زکوٰۃ واجب الادا نہیں ہوتی۔ تو ابھی شرع اس سے تقاضا ہی نہیں فرماتی، یکمشت دینے کا مطالبہ کہاں سے ہوگا، یہ پیشگی دینا تبرع ہے (نفلاً دینے پر جبر نہیں اور یہ نہایت ہی واضح ہے۔ت) اور اگر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجب الادا ہوچکی تو اب تفریق و تدریج ممنوع ہوگی بلکہ فوراً تمام و کمال زَرِ واجبُ الادا اَدا کرے کہ مذہبِ صحیح و معتمد و مفتیٰ پر ادائے زکوٰۃ کا وجوب فوری ہے جس میں تاخیر باعثِ گناہ۔ ص75

زکوٰۃ کا وجوب فوری ہے

مذہبِ صحیح و معتمد پر زکوٰۃ کا وجوب فوری ہے تو جو اس سال کی زکوٰۃ نہ دے یہاں تک کہ دوسرا سال گزر جائے گنہگار رہے، یونہی قولِ اصح و ارجح پر حج کا وجوب، تو جس سال استطاعت ہو اسی سال جائے ورنہ گنہگار ہوگا، اور اگر زکوٰۃ یا حج بعد وجوب بلا عذر صحیح تین سال تک ادا نہ کرے تو فاسق ہے نہ کہ بائیس سال۔ عشر بھی ایک نوع زکوٰۃ ہے یا کم از کم اس کا حکم حکم زکوٰۃ ہے اور اسی طرح بعینہٖ اسی دلیل سے اس کا وجوب بھی فوری اور تین برس تک نہ دینے میں فسق۔ (جلد16، ص559)

دورانِ سال جو مزید مال ملے یا کمی ہو تو اس کی زکوۃ؟

شریعتِ مطہرہ نے سونے چاندی کی نصاب پر کہ حوائجِ اصلیہ سے فارغ ہو خواہ وُہ روپیہ اشرفی ہو، گہنا یا برتن یا ورق یا کوئی شے، حولانِ حول قمری کے بعد چالیسواں حصّہ زکوٰۃ مقرر فرمایا ہے، سونے کی نصاب ساڑھے سات تولے ہے اور چاندی کی ساڑھے باون تولے، پھر نصاب کے بعد جو کچھ نصابِ مذکور کے پانچویں حصہ تک نہ پہنچے معاف ہے اُس پر کچھ واجب نہیں جب خُمس کامل ہوجائے اس پر پھر اس خُمس کا چالیسواں حصہ فرض ہوگا یونہی ایک خُمس سے دوسرے تک عفو اور ہر خُمسِ کامل پر اس کا رُبع عشر، پھر جو شخص مالکِ نصاب ہے اور ہنوز حولانِ حول نہ ہوا کہ سال کے اندر ہی کچھ اور مال اسی نصاب کی جنس سے خواہ بذریعہ ہبہ یا میراث یا شرا یا وصیّت یا کسی طرح اس کی مِلک میں آیا تو وُہ مال بھی اصل نصاب میں شامل کرکے اصل پر سال گزرنا اُس سب پر حولانِ حول قرار پائے گا۔

اور یہاں سونا چاندی تو مطلقاً ایک ہی جنس ہیں خواہ ان کی کوئی چیز ہو اور مالِ تجارت بھی انہی کی جنس سے گنا جائے گا اگرچہ کسی قسم کا ہو کہ آخر اس پر زکوٰۃ یوں ہی آتی ہے کہ اس کی قیمت سونے یا چاندی سے لگا کر انھیں کی نصاب دیکھی جاتی ہے تو یہ سب مال زَروسیم ہی کی جنس سے ہیں اور وسطِ سال میں حاصل ہوئے تو ذہب وفضّہ کے ساتھ شامل کردیئے جائیں گے بشرطیکہ اس ملانے سے کسی مال پر سال میں دوبار زکوٰۃ لازم نہ آئے پھر ملانے کے بعد عفو و اِیجاب کے وہی احکام ہیں جو اوپر گزرے۔ص85

شروع سال میں ایک یا زائد جتنی نصابوں کا مالک ہوا تھا، ختمِ سال پر وُہ نصابیں پُوری ہوں تو جس قدر زکوٰۃ کا وجوب بحالتِ استمرار ہوتا اُسی قدر پُوری واجب ہوگی اور نقصانِ درمیانی پر نظر نہ کی جائے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ اصل مال سے کوئی پارہ محفوظ رہے سب بالکل فنا نہ ہوجائے ورنہ مِلکِ اَوّل سے شمارِ سال جاتا رہے گا اور جس دن مِلکِ جدید ہوگی اُس دن سے حساب کیا جائے گا، مثلاً یکم محرم کو مالکِ نصاب ہُوا صفر میں سب مال سفر کر گیا، ربیع الاوّل میں پھر بہار آئی تو اسی مہینہ سے حول گنیں گے حسابِ محرم جاتا رہا۔ص89

مال پر سال گزر گیا اور زکوٰۃ نہ دی تھی کہ مال کم ہوگیا؟

مال پر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجب الاداء ہوچکی، اور ہنوز نہ دی تھی کہ مال کم ہوگیا، یہ تین حال سے خالی نہیں کہ سببِ کمی استہلاک ہوگا یا تصدُّق یا ہلاک۔

استہلاک:

کے یہ معنی کہ اس نے اپنے فعل سے اُس رقم سے کُچھ اِتلاف کیا، صرف کر ڈالا، پھینک دیا، کسی غنی کو ہبہ کردیا۔

اور یہاں **تصدّق** سے **یہ مراد** کہ بلانیتِ زکوٰۃ کسی فقیر محتاج کو دے دیا۔اور

ہلاک:

کے یہ معنی کہ بغیر اس کے فعل کے ضائع وتلف ہوگیا، مثلاً چوری ہوگئی یا زَرو زیور کسی کو قرض وعاریت دے دیا وُہ مُکر گیا اور

گواہ نہیں یا مرگیا اور ترکہ نہیں یا مال کسی فقیر پر دَین تھا مدیون محتاج کو ابرا کردیا کہ یہ بھی حکمِ ہلاک میں ہے۔

اب صورتِ اُولٰی یعنی اِستہلاک میں جس قدر زکوٰۃ سال تمام پر واجب ہولی تھی اُس میں سے ایک حبّہ نہ گھٹے گا یہاں تک کہ اگر سارا مال صرف کردے اور بالکل نادار محض ہوجائے تاہم قرضِ زکوٰۃ بدستور ہے، اور صورتِ ثانیہ یعنی تصدّق میں اگر نذر یا کفارے یا کسی اور صدقۂ واجبہ کی نیت کی تو بالاتفاق اس کا حکم بھی مثلِ اِستہلاک ہے یعنی زکوٰۃ سے کچھ ساقط نہ ہوگا جو دیا اور جو باقی رہا سب کی زکوٰۃ لازم آئے گی۔

اور اگر تطوّع یا مطلق تَصدُّق کی نیّت تھی اور سب تَصدُّق کردے تو بالاتفاق زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بعض کا تَصدُّق مطلقاً مثلِ اِستہلاک ہے کہ کسی نیت سے ہو اصلاً زکوٰۃ سے کچھ نہ گھٹے گا، توصورتِ مذکورہ میں اگرچہ سو روپیہ خیرات کردے زکوٰۃ کے پانچ درہم بدستور واجب رہے، یہ مذہب زیادہ قوی ومقبول وشایانِ قبول ہے۔

رہی صورتِ ثالثہ یعنی ہلاک، اس میں بالاتفاق کم یا بہت جس قدر تلف ہو بحسابِ اربعۂ متناسبہ اُتنے کی زکوٰۃ ساقط ہوگی اور جتنا باقی رہے اگرچہ نصاب سے بھی کم، اُتنے کی زکوٰۃ باقی۔ ص90

زکوٰۃ ساداتِ کرام و بنی ہاشم پر حرامِ قطعی ہے

زکوٰۃ ساداتِ کرام وسائرِ بنی ہاشم پر حرامِ قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے ائمۂ ثلٰثہ بلکہ ائمۂ مذاہبِ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا اِجماع قائم۔ ص99

حضرات ساداتِ کرام کی مالی مدد کا طریقہ وفضیلت اور حیلہ شرعی کا طریقہ

رہا یہ کہ پھر اس زمانۂ پُرآشوب میں حضراتِ ساداتِ کرام کی مواسات کیونکر ہو، **اَقول:** بڑے مال والے اگر اپنے خالص مالوں سے بطورِ ہدیہ ان حضراتِ عُلیہ کی خدمت نہ کریں تو ان کی بے سعادتی ہے، وُہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جدِّ اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجا و ماوی نہ ملے گا، کیا پسند نہیں آتا کہ وُہ مال جو اُنھیں کے صدقے میں اُنھیں کی سرکار سے عطا ہُوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیرِ زمین جانے والے ہیں، اُن کی خوشنودی کے لیے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اُس کا ایک حصّہ صرف کیا کریں کہ اُس سخت حاجت کے دن اُس جواد کریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے بھاری اِنعاموں، عظیم اِکراموں سے مشرف ہوں۔ ابنِ عسا کر امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: من صنع الیٰ اھل بیتی یداً کافاتہ علیھا یوم القیٰمۃ۔ جو میرے اہلِ بیت میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا میں روزِ قیامت اس کا صلہ اُسے عطا فرماؤں گا۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر! قیامت کا دن، وُہ قیامت کا دن، وہ سخت ضرورت سخت حاجت کا دن، اور ہم جیسے محتاج، اور صلہ عطا فرمانے کو محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سا صاحبُ التاج، خدا جانے کیا کچھ دیں اور کیسا کُچھ نہال فرمادیں، ایک نگاہِ لُطف اُن کی جملہ مہماتِ دو جہاں کو بس ہے، بلکہ خود یہی صلہ کروڑوں صلے سے اَعلٰی واَنفَس ہے، جس کی طرف کلمۂ کریمہ اذالقینی (جب روزِ قیامت مجھ سے ملے گا۔ت) اشارہ فرماتا ہے، بلفظِ اِذَا تعبیر فرمانا بحمد اللہ روزِ قیامت وعدۂ وصال و دیدارِ محبوبِ ذی الجلال کا

مژدہ سُناتا ہے۔ مسلمانو! اور کیا درکار ہے دوڑو اور اس دولت و سعادت کو لو **وباللہ التوفیق** اور متوسط حال والے اگر مصارفِ مستحبہ کی وسعت نہیں دیکھتے تو بحمد اللہ وُہ تدبیر ممکن ہے کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو اور خدمتِ سادات بھی بجا ہو یعنی کسی مسلمان مصرفِ زکوٰۃ معتمد علیہ کو کہ اس کی بات سے نہ پھرے، مالِ زکوٰۃ سے کچھ روپے بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر مالک کر دے، پھر اس سے کہے تم اپنے طرف سے فلاں سیّد کی نذر کردو اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ تو اس فقیر کو گئی اور یہ جو سیّد نے پایا نذرانہ تھا، اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمتِ سیّد کا کامل ثواب اُسے اور فقیر دونوں کو ملا۔ مگر اس میں دِقت اتنی ہے کہ اگر اس نے نہ مانا تو اسے کوئی راہ جبر کی نہیں کہ آخر وہ مالک مستقل ہو چکا اُسے اختیار ہے چاہے دے یا نہ دے۔

فقیر غفر اللہُ تعالیٰ لہ کے نزدیک اس کا بے خلش طریقہ یہ ہے کہ مثلاً مالِ زکوٰۃ سے بیس ۲۰ روپے سیّد کی نذر یا مسجد میں صرف کیا چاہتا ہے کسی فقیر عاقل بالغ مصرفِ زکوٰۃ کو کوئی کپڑا مثلاً ٹوپی یا سیر سوا سیر غلّہ دکھائے کہ یہ ہم تمھیں دیتے ہیں مگر مفت نہ دیں گے بیس روپے کو بیچیں گے، یہ روپے تمھیں ہم اپنے پاس سے دیں گے کہ ہمارے مطالبہ میں واپس کردو وہ خواہ مخواہ راضی ہو جائے گا، جانے گا کہ مجھے تو یہ چیز یعنی کپڑا یا غلّہ مفت ہی ہاتھ آئے گا، اب بیع شرعی کر کے بیس ۲۰ روپے بنیتِ زکوٰۃ اسے دے، جب وہ قابض ہو جائے اپنے مطالبۂ ثمن میں لے لے۔ اول تو وہ خود ہی دے دے گا کہ سرے سے اسے ان روپوں کے اپنے پاس رہنے کی اُمید ہی نہ تھی کہ وُہ گرہ سے جاتا سمجھے اسے تو صرف اس کپڑے یا غلّہ کی امید تھی وُہ حاصل ہے تو انکار نہ کرے گا اور کرے بھی تو یہ جبراً چھین لے کہ وہ اس قدر میں اس کا مدیون ہے اور دائن جب اپنے دَین کی جنس سے مالِ مدیون پائے تو بالاتفاق بے اس کی رضامندی کے لے سکتا ہے، اب یہ روپے لے کر بطورِ خود نذرِ سیّد یا بناءِ مسجد میں صرف کر دے کہ دونوں مرادیں حاصل ہیں۔ ص105

حیلہ کب کرنا چاہیے

یہ تو پہلے بیان میں آچکا کہ اغنیاء کثیرُ المال شکرِ نعمت بجالائیں، ہزاروں روپے فضول خواہش یا دنیوی آسائش یا ظاہر آرائش میں اُٹھانے والے مصارفِ خیر میں ان حیلوں کی آڑ نہ لیں۔ متوسطُ الحال بھی ایسی ہی ضرورتوں کی غرض سے خالص خدا ہی کے کام صرف کرنے کے لیے ان طریقوں پر اِقدام کریں نہ یہ کہ معاذ اللہ اُن کے ذریعہ سے ادائے زکوٰۃ کا نام کر کے روپیہ اپنے خُرد بُرد میں لائیں کہ یہ امر مقاصدِ شرع کے بالکل خلاف اور اس میں ایجابِ زکوٰۃ کی حکمتوں کا یکسر اِبطال ہے تو گویا اس کا برتنا اپنے رب عزوجل کو فریب دینا ہے۔ ص109

زکوٰۃ کِن مصارف میں دینا جائز ہے؟

مصرفِ زکوٰۃ ہر مسلمان حاجتمند ہے جسے اپنے مالِ مملوک سے مقدارِ نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ پر دَسترس نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو نہ اپنا شوہر نہ اپنی عورت اگرچہ طلاقِ مُغلَّظہ دے دی ہو، جب تک عدّت سے باہر نہ آئے نہ وُہ جو اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ وُہ جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، اگرچہ یہ اصلی وفرعی رِشتے عیاذاً باللہ بذریعۂ زنا ہوں، نہ اپنا یا ان پانچوں قسم میں کسی کا مملوک اگرچہ مکاتب ہو، نہ کسی غنی کا غلام غیر (مکاتب)، نہ مردِ غنی کا نا

بالغ بچہ، نہ ہاشمی کا آزاد بندہ، یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سوا سب کو رَوا۔ص109

نصاب میں سونا چاندی ملانے کے احکام

فَاَقول و باللہ التوفیق مال جب بشرائطِ معلومہ نصاب کو پہنچے تو بنفسہٖ وجوبِ زکوٰۃ کا سبب اور اِیراثِ حکم میں مستقل ہے جسے اپنے حکم میں دوسری شیٔ کی حاجت نہیں اور نصاب کے بعد جو خُمس نصاب ہوؤہ بھی نصاب وسببِ اِیجاب ہے، ہاں جو خُمس سے کم ہے وُہ اپنی نوع میں مثلاً چاندی یا سونا، سونے میں موجبِ زکوٰۃ نہیں ہوسکتا کہ شرع مطہر نے اسے عفو رکھا ہے اسی طرح جو راساً نصاب کو نہیں پہنچا بنفسہٖ سببیتِ وجوب کی صلاحیت نہیں رکھتا مگر جب اس نوع کے ساتھ دوسری نوع بھی ہو یعنی زَر وسیم مختلط ہوں تو ازانجا کہ وجہِ سببیت ثمنیت تھی اور وُہ دونوں میں یکساں، تو اس حیثیت سے ذہب وفضّہ جنسِ واحد لہذا ہمارے نزدیک جو ایک نوع میں موجبِ زکوٰۃ نہ ہوسکتا تھا خواہ اس لیے کہ نصاب ہی نہ تھا یا اس لیے کہ نصاب کے بعد عفو تھا اس مقدار کو دوسری نوع سے تقویم کرکے ملادیں گے کہ شاید اب اس کا موجبِ زکوٰۃ ہونا ظاہر ہو پس اگر اس ضم سے کچھ مقدار زکوٰۃ بڑھے گی (بایں معنی کہ نوعِ ثانی قبلِ ضم نصاب نہ تھی اس کے ملنے سے نصاب ہوگئی یا اگلی نصاب پر نصابِ خُمس کی تکمیل ہوگئی) تو اسی قدر زکوٰۃ بڑھادیں گے اور اب اگر کچھ عفو بچا تو وہ حقیقۃً عفو ہوگا ورنہ کچھ نہیں اور اگر ضم کے بعد بھی کوئی مقدارِ زکوٰۃ زائد نہ ہو تو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ اَصلاً موجبِ زکوٰۃ نہ تھا۔

یہ ملانا صرف بغرضِ تکمیل نصاب ہوتا ہے، نصاب کہ بنفسہٖ کامل ہے محتاجِ ضم نہیں کہ خود سببِ مستقل ہے تو شرع مطہر اُس کے سبب ایک مقدار واجب فرماچکی اب نصاب کو دوسری چیز سے ضم کرنے کا ایجاب تکمیلِ نصاب نہیں تعطیلِ نصاب ہے، یا یُوں کہئے کہ اس ضم سے مقصود تحصیلِ واجب ہے نہ تبدیلِ واجب۔ ولہذا ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ذہب وفضہ کا کامل نصابوں میں حکمِ ضم نہیں بلکہ نصابِ ذہب پر جُدا زکوٰۃ واجب ہوگی اور نصابِ فِضّہ پر جُدا۔ ہاں اگر کوئی یہ چاہے کہ میں ایک ہی نوع زکوٰۃ میں دُوں اور وہ قیمت لگا کر ضم کرلے تو ہمارے نزدیک کوئی مضائقہ بھی نہیں، مگر اس وقت واجب ہوگا کہ تقویم ایسی کرے جس میں فقراء کا نفع زائد ہو مثلاً ایک نقد زیادہ رائج ہے دوسرا کم، تو جو رائج تر ہے اُس سے تقویم کرے۔

اس نفیس تقریر سے یہ فائدے حاصل ہُوئے کہ اگر ایک جانب نصابِ تام بلاعفو ہے اور دوسری طرف نصاب سے کم، تو یہاں یہی طریقۂ ضم متعین ہوگا کہ اس غیرِ نصاب کو اُس نصاب سے تقویم کرکے ملادیں، یہ نہ ہوگا کہ نصاب کو تقویم کرکے غیرِ نصاب سے ملائیں۔ مثلاً چاندی نصاب ہے اور سونا غیرِ نصاب، تو اس سونے کو چاندی کریں گے چاندی کو سونا نہ کریں گے، اور عکس ہے تو عکس۔ اسی طرح اگر ایک طرف نصابِ تام بلاعفو ہے اور دوسری جانب نصاب مع عفو، تو صرف اس عفو کو اس نصاب سے ملائیں گے نصاب مع العفو مجموع کو ضم نہ کریں گے کہ محتاجِ تکمیل صرف وہی عفو ہے نہ کہ نصاب، مثلاً ۷ یا ۹ یا ۱۳ تولے سونا اور ۶۰ تولے چاندی ہے جس میں ۷ تولے چاندی عفو ہے تو صرف اس ۷ تولے چاندی کو سونا کریں گے نہ کہ مجموع ۶۰ تولے کو۔ یونہی اگر دونوں جانب عفو ہے تو صرف ان عفووں کو باہم ملائیں گے، دونوں طرف کے نصاب الگ نکال لیں گے۔

پس ثابت ہُوا کہ قابلِ ضم وہی ہے جو خود نصاب نہیں، پھر اگر یہ قابلیت ایک ہی طرف ہے جب تو طریقۂ ضم آپ ہی متعین

ہوگا (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) اور دونوں جانب ہے تو البتہ یہ امر غور طلب ہوگا کہ اب ان میں کس کو کس سے تقویم کریں کہ دونوں صلاحیتِ ضم رکھتے ہیں، اس میں کثرت وقلّت کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی کہ خواہی نخواہی قلیل ہی کو کثیر سے ضم کریں کثیر کو نہ کریں کہ جب نصابیت نہیں تو قلیل وکثیر دونوں اِحتیاجِ تکمیل میں یکساں۔

بلکہ حکم یہ ہوگا جو تقویم فقیروں کے لیے اَنفع ہو اُسے اختیار کریں، اگر سونے کو چاندی کرنے میں فقراء کا نفع زیادہ ہے تو وہی طریقہ برتیں، اور چاندی کو سونا ٹھہراتے ہیں تو یہی ٹھہرائیں، اور دونوں صورتیں نفع میں یکساں تو مُزکّی کو اختیار۔ص 113

جدول اختلاطات زروسیم مع اشارہ احکام

نقد / ذہب	نصاب سے کم	نصاب بے عفو	نصاب باعفو
نصاب سے کم	دونوں کا کل بہ لحاظِ اَنفع ملائیں	چاندی کو سونا کریں	سونے کا عفو اور چاندی کا کل بلحاظِ اَنفع ملائیں
نصاب بے عفو	سونے کو چاندی کریں	ہر ایک کی جُدا زکوۃ اور ملانا ہی ہو تو لحاظِ انفع	سونے کے عفو کو چاندی کریں
نصاب باعفو	چاندی کا عفو اور سونے کا کل بلحاظِ اَنفع ملائیں	چاندی کے عفو کو سونا کریں	دونوں عفووں کو بلحاظِ اَنفع ملائیں

ضروری قاعدہ عظیم الفائدہ واجبُ الحفظ

اس باعظمت قاعدے کا جاننا نہ صرف انہی صورتوں کے لیے ضرور ہے بلکہ جو اہلِ زکوٰۃ زَروسیم دونوں قسم کے مالک ہوں اور عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں اُن سب پر اُس کا علم فرضِ عین ہے کہ اس کے نہ جاننے میں بہت غلطیاں اور خرابیاں واقع ہوتے ہیں لوگ اکثر سمجھ لیتے ہیں ہم زکوٰۃ ادا کر چکے اور واقع میں مطالبہ باقی ہوتا ہے، وہ ضروری قاعدہ عظیم الفائدہ واجب الحفظ یہ ہے کہ اگر چہ زروسیم کی قیمت ووزن باہم اکثر مختلف ہوتے ہیں خصوصاً جبکہ صنعت کا قدم درمیان ہو، مثلاً ممکن کہ تولہ بھر سونے کا کوئی گہنا صناعی کے سبب پچاس روپے کی قیمت کا ہو اگر چہ ایک تولہ سونے کی قیمت پچیس ہی روپیہ ہو یا تولہ بھر چاندی کی چیز چار روپے کو بکے اگر چہ چاندی ایک ہی روپیہ تولہ ہو، دہلی کی سوداکاریوں میں یہ بات خوب واضح ہے یونہی جب مال ہارتا ہو تو قیمتِ وزن گھٹ جاتی ہے مگر شرع مطہر نے سونے چاندی میں وجوباً واداءً ہر طرح وزن ہی کا اعتبار فرمایا ہے نہ کہ قیمت کا، مثلاً کسی کے پاس صرف 7 تولے سونے کا گہنا ہے کہ قیمت میں 7.5 تولے سونے تک پہنچتا ہے یا اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کہ وزن 7.5 تولے کامل نہ ہوا یا 7.5 تولے ہارتے سونے کا مال ہے کہ قیمت 7 تولے سے بھی کم ہے اس پر زکوٰۃ واجب، کہ وزنِ نصاب پورا ہے یا ایک شخص کے پاس 7.5 تولے سونے کا زیور ہے جو بوجہِ صنعت 15 تولے سونے کی قیمت

ہے اس پر صرف 2 ماشے سونا واجب ہوگا کہ وزن کا چالیسواں حصّہ ہے نہ چار ماشہ کہ قیمت کا 1\40 ہے، یا 15 تولے وزن کی چیز قیمت میں 7.5 تولے کے برابر ہے، تو باعتبارِ وزن 4 ماشہ سونا دینا ہوگا بہ لحاظِ قیمت 2 ماشہ دینے سے نہ چُھوٹے گا، یہ تو وجوباً اعتبارِ وزن ہوا اور اداً کی یہ صُورت کہ مثلاً اس پر 2 ماشے سونا واجب الادا تھا اس نے اُس کے بدلے 2 ماشے نفیس کُندن کہ قیمت میں 2 ماشے سونے کے برابر بلکہ زائد تھا ادا کیا تو عہدہ برآ نہ ہُوا کہ واجب کا وزن پُورا نہ ہُوا اور ہارتا سونا 2 ماشے دے دیا جو قیمت میں دو ہی ماشے کے برابر تھا تو ادا ہوگیا اگرچہ اس میں کراہت ہے۔ لقوله عزوجل: {لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ} تمھیں ملے تو نہ لوگے جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو۔ (ت)

مگر جب ان میں ایک کو دوسرے سے تقویم کریں مثلاً چاندی کو سونے یا سونے کو چاندی سے جیسا کہ ضم کی صُورتوں میں دیکھتے آئے تو بالاجماع قیمت کا اعتبار ہے کہ جُودت وصنعت خلافِ جنس کے مقابلہ میں بالاجماع قیمت پاتا ہے۔ مثلاً بارہ تولے چاندی کا وزنی گہنا اور قیمت میں 24 تولے چاندی کے برابر، اب اس کی قیمت سونے سے لگائے گا تو بہ لحاظِ قیمت پُورا تولہ بھر سونا ہوگا، نہ بلحاظِ وزن چھ ماشہ ولہذا جس کے پاس 200 تولے چاندی کا زیور چار سو روپے کا قیمتی ہو جس پر 5 تولے چاندی واجب، وہ اگر 5 تولے چاندی دے دے گا ادا ہوجائے گا اور 5 تولے چاندی کی قیمت کا سونا دے گا ہرگز ادا نہ ہوگا بلکہ 10 تولے چاندی کا قیمتی سونا دینا آئے گا۔ ص 120

سونے کے عوض سونا، چاندی کے عوض چاندی زکوٰۃ میں دی جائے جب تو نرخ کی کوئی حاجت ہی نہیں، وزن کا چالیسواں حصہ دیا جائے گا، ہاں اگر سونے کے بدلے چاندی یا چاندی کے بدلے سونا دینا چاہیں تو نرخ کی ضرورت ہوگی، نرخ نہ بنوانے کے وقت کا معتبر ہو نہ وقتِ ادا کا، اگر ادا سال تمام کے پہلے یا بعد ہو جس وقت یہ مالکِ نصاب ہُوا تھا وہ ماہ عربی و تاریخ وقت جب عود کریں گے اس پر زکوٰۃ کا سال تمام ہوگا اس وقت کا نرخ لیا جائے گا۔ ص 133

کون سا دَین مانعِ زکوۃ ہے

دَینِ عبد (یعنی بندوں میں جس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہوا گرچہ دَین حقیقۃً اللہ عزوجل کا ہو جیسے دینِ زکوٰۃ جس کا مطالبہ بادشاہِ اسلام اعز اللہ نصرہ کو ہے) انسان کے حوائجِ اصلیہ سے ہے ایسا دَین جس قدر ہوگا اتنا مال مشغول بحاجتِ اصلیہ قرار دے کر کالعدم ٹھہرے گا اور باقی پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگر بقدرِ نصاب ہو، مثلاً ہزار روپے پر حولانِ حول ہوا اور اس پر پانسو قرض ہیں تو پانسو پر زکوٰۃ آئے گی اور ساڑھے نو سو دَین ہے تو اَصلاً نہیں کہ باقی قدرِ نصاب سے کم ہے۔ ص 126

*** عورت کا مہر جس کا مطالبہ بعدِ موت یا طلاق ہوتا ہے اور عمر بھر ادا کا خیال تک نہیں آتا اُسے زکوٰۃ نہ دینے کا حیلہ نہ بنانا چاہئے۔ ص 130**

بیوی کے زیور کی زکوٰۃ ذمۂ شوہر ہرگز نہیں

زیور کہ مِلکِ زَن ہے اس کی زکوٰۃ ذمۂ شوہر ہرگز نہیں اگرچہ اموالِ کثیرہ رکھتا ہو، نہ اس کے نہ دینے کا اس پر کچھ وبال {لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی} (کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ ت) اس پر تفہیم و ہدایت اور بقدرِ

مناسب تنبیہ وتاکید (جس کی حالت اختلافِ حالاتِ مردوزَن سے مختلف ہوتی ہے) لازم ہے {قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا} (اپنے آپ اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ۔ت) اور وُہ زیور کہ عورت کو دیا اور اس کی مِلک کردیا اُس پر بھی یہی حکم ہے، اور اگر مِلک نہ کیا بلکہ اپنی ہی مِلک میں رکھا اور عورت کو صرف پہننے کو دیا تو بیشک اس کی زکوٰۃ مرد کے ذمّہ ہے جبکہ خود دیا یا دوسرے مال سے مل کر قدرِ نصاب فاضل عنِ الحاجۃ الاصلیہ ہو۔ص132

زکوٰۃ کن کن اشیاء پر واجب ہے؟

سونا چاندی اور مالِ تجارت اور چرائی پر چھوٹے ہوئے جانور۔ص139

بشوقِ زیارت حرمین طیبین کچھ جمع کیا؟

اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور صدقہ وقربانی واجب۔ص140

بینک یا ڈاکخانہ میں جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے اس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: روپیہ کہیں جمع ہو کسی کے پاس امانت ہو مطلقاً اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ص141

جب تک بینک میں ہے اپنے قبضے میں سمجھا جائے گا اور ہر سال اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ سال بسال ادا کرتا رہے یا جب اس میں سے گیارہ روپے سوا تین آنے کی وصول ہو اُس میں سے چالیسواں حصہ دے اور جتنے برس رہا ہے سب برسوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی، ہاں ہر سال اگلے برسوں کی زکوٰۃ کی قدر اس پر دین سمجھ کر اتنا زکوٰۃ سے جُدا رہے گا، مثلاً دوسو روپیہ جمع ہیں تو پہلے سال دوسو پر پانچ روپیہ تقریباً واجب ہُوئے، دوسرے سال پانچ روپیہ سالِ گزشتہ کی زکوٰۃ کے اُس پر واجب ہیں لہٰذا اس سال ایک سو پچانوے پر زکوٰۃ واجب ہوگی تقریباً چار روپے چودہ آنے۔ تیسرے سال اُس پر دوسال کی زکوٰۃ کے نو روپے چودہ آنے قرض ہیں یہ مستثنیٰ ہوکر ایک سونوّے روپے دو آنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی **وعلی هذا القیاس**۔ص142

* **زکوٰۃ ہر نصاب وخمس پر چالیسواں حصّہ ہے اور مذہبِ صاحبین پر نہایت آسان حساب اور فقراء کے لیے نافع ہے کہ فیصدی ڈھائی روپے۔ص144**

جو لڑکیاں نابالغ ہیں ان کے زیور کی بھی زکوٰۃ ہونی چاہئے یا نہیں؟

نابالغ لڑکیوں کا جو زیور بنایا گیا اگر ابھی انھیں مالک نہ کیا گیا بلکہ اپنی ہی مِلک پر رکھا اور ان کے پہننے کے صرف میں آتا ہے اگرچہ نیت یہ ہو کہ بیاہ ہُوئے پر ان کے جہیز میں دے دیں گے، جب تو وُہ زیور ماں باپ جس نے بنایا ہے اُسی کی مِلک ہے، اگر تنہا یا اُس کے اور مال سے مل کر قدرِ نصاب ہے اُسی مالک پر اس کی زکوٰۃ ہے اور اگر نابالغ لڑکیوں کی مِلک کردیا گیا تو اس کی زکوٰۃ کسی پر نہیں، ماں باپ پر تو یُوں نہیں کہ اُن کی مِلک نہیں، اور لڑکیوں پر یُوں نہیں کہ وہ نابالغہ ہیں، جب جوان ہوں گی اُس وقت سے ان پر احکام زکوٰۃ وغیرہ کے جاری ہوں گے۔ص145

رہن کی زکوٰۃ نہیں

زکوٰۃ واجب نہیں کہ جو مال رہن رکھا ہے اس پر اپنا قبضہ نہیں، نہ اپنے نائب کا قبضہ ہے۔ص 146
اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے اُس کے دَین کی ضمانت کر لے تو بمقدارِ دَین اس کا مال مشغول سمجھا جائے گا کہ دائن کو حقِ استیفاء اس سے حاصل ہے اگرچہ دَین اِصالتاً اس پر نہیں۔ص 147

نصاب پر سال گزرنے کا مطلب

جس تاریخ یہ شخص چھپن روپے یا زائد کا مالک ہُوا اُسی تاریخ سے مالکِ نصاب سمجھا گیا، جب ہی سے سالِ زکوٰۃ کا حساب ہوگا، سال کے اندر جو مال اور ملتا گیا اُسی کے ساتھ ملتا رہے گا، سالِ تمام پر دیکھیں گے سب خرچوں سے بچ کر حوائجِ اصلیہ سے فاضل کتنا روپیہ اس کی مِلک میں ہے خواہ اس کے اپنے پاس رکھا ہو یا کسی کے پاس امانت ہو یا کسی کو قرض دے دیا ہو اُس قدر پر زکوٰۃ واجب آئے گی، اور جو سال تمام ہونے سے پہلے صَرف ہو گیا ہو وُہ حسابِ زکوٰۃ میں محسوب نہ ہوگا مثلاً یکم محرم کو چھپن روپے کا مالک ہُوا تھا، ربیع الاوّل میں سَو اور ملے، جمادی الآخر میں دوسو اور ملے، یہ دوسو مالکِ مکان کو قرض دے دے تو اُس پر اُسی یکم محرم سے سال چل رہا ہے اور ابھی کہ سال تمام نہ ہوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کس قدر پر زکوۃ واجب ہوگی اب اگر یکم محرم کے آنے سے پہلے بعض خرچ ہوگیا تو اُس سے بھی تعلق نہ رہا تمامیِ سال پر جو باقی رہے اُسے دیکھیں گے کہ روپیہ (بقدرِ نصاب) یا زائد ہے تو اُس پر ایک سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر سال تمام پر (نصاب) سے بھی کم رہے تو کچھ نہیں کہ اگرچہ ابتداء میں نصاب بلکہ نصاب سے زائد کا مالک تھا مگر سال نہ گزرنے پایا کہ نصاب سے کم ہوگیا تو وجوبِ زکوٰۃ کا محل نہ رہا اور اگر سالِ تمام پر نصاب بلکہ چند نصاب ہیں اور اس کے سوا اور جو نقد اُس وقت موجود ہو، غرض جس قدر روپیہ یا سونا یا چاندی حاجاتِ اصلیہ سے فاضل مِلک میں ہے خواہ شروع سالِ زکوٰۃ سے تھا خواہ بیچ میں ملا اُس سب پر زکوۃ واجب ہُوئی، جو نقد ہے اس پر تو واجب کے ساتھ وجوبِ ادا ابھی ہوگیا فی الحال دی جائے، اور جو قرض ہے اس پر ہنوز وجوبِ ادا نہیں وصول پانے پر ہوگا۔ص 149

وجوبِ زکوٰۃ میں اسلامی سال کا اعتبار ہے

ستمبر اکتوبر کا اعتبار حرام ہے، بلکہ سب میں پہلی جس عربی مہینے کی جس تاریخ جس گھنٹے منٹ پر وہ ۵۶ روپیہ کا مالک ہُوا اور ختمِ سال تک یعنی وہی عربی مہینہ وہی تاریخ وہی گھنٹہ منٹ دوسرے سال آنے تک اُس کے پاس نصاب باقی رہا وہی مہینہ تاریخ منٹ اس کے لیے زکوٰۃ کا سال ہے اس تاریخ منٹ پر اس کی زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ص 157

زید نے بکر کو کچھ دیا اور کہا اس کو مساکین کو جہاں مناسب سمجھو دے دو، اگر زید خود اس کا مصرف ہو اپنے اوپر اس کو صرف کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جس کے مالک نے اُسے اذنِ مطلق دیا کہ جہاں مناسب سمجھو دو، تو اسے اپنے نفس پر بھی صرف کرنے کا اختیار حاصل ہے، جبکہ یہ اس کا مصرف ہو۔ ہاں اگر یہ لفظ نہ کہے جاتے اُسے اپنے نفس پر صَرف کرنا جائز نہ ہوتا مگر اپنی بیوی یا اولاد کو دے دینا جب بھی جائز ہوتا اگر وُہ مصرف تھے۔ص 158

زکوٰۃ اعلان سے دینا بہتر ہے یا خفیہ طور سے؟

زکوٰۃ اعلان کے ساتھ دینا بہتر ہے اور خفیہ دینا بھی بے تکلّف روا ہے، اور اگر کوئی صاحبِ عزّت حاجتمند ہو کہ اعلانیہ نہ لے گا یا اس میں سُبکی سمجھے گا تو اُسے خُفیہ بھی دینا بہتر ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص 158

کرایہ پر دیئے ہوئے مکانات پر زکوٰۃ نہیں

مکانات پر زکوٰۃ نہیں اگر چہ پچاس کروڑ کے ہوں کرایہ سے جو سال تمام پر پس انداز ہو گا اس پر زکوٰۃ آئے گی اگر خود یا اور مال سے مل کر قدرِ نصاب ہو۔ برتن وغیرہ اسبابِ خانہ داری میں زکوٰۃ نہیں اگر چہ لاکھوں روپے کے ہوں، **زکوٰۃ صرف تین چیزوں پر ہے:** سونا چاندی کیسے ہی ہوں، پہننے کے ہوں یا برتنے کے، سکّہ ہو یا ورق۔ دوسرے چرائی پر چھوٹے جانور۔ تیسرے تجارت کا مال۔ باقی کسی چیز پر نہیں۔ص 161

جو روپیہ قرض و دَین میں لوگوں پر پھیلا ہو اور زر وصولی ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی یا نہیں؟ اگر واجب ہو گی تو فی الحال یا بعدِ وصول، اور کتنے وصول پر واجب ہو گی اور اس پر سال تمام کب سے لیا جائے گا؟

دَین تین قسم ہے:

اول: قوی: یعنی قرض، جسے عرف میں دست گردان کہتے ہیں اور تجارتی مال کا ثمن یا کرایہ، مثلاً اُس نے بہ نیتِ تجارت کچھ مال خریدا وہ قرضوں کسی کے ہاتھ بیچا تو یہ دَین جو خریدار پر آیا دینِ قوی ہے، یا کوئی مکان یا دکان یا زمین بہ نیتِ تجارت خریدی تھی اب اسے کسی کے ہاتھ سکونت یا نشست یا زراعت کے لیے کرایہ پر دیا، یہ کرایہ اگر اس پر دَین ہو گا تو دینِ قوی ہو گا۔

دوم: متوسط: کہ کسی مالِ غیر تجارتی کا بدل ہو، مثلاً گھر کا غلّہ یا اَثاثُ البیت، یا سواری کا گھوڑا کسی کے ہاتھ بیچا، یونہی اگر کسی پر کوئی دَین اپنے مُورِث کے ترکہ میں ملا تو مذہبِ قوی پر وُہ بھی دینِ متوسط ہے۔

سوم: ضعیف: کہ کسی مال کا بدل نہ ہو، جیسے عورت کا مہر کہ منافعِ بضع کا عوض ہے، یا وُہ دین جو بذریعہ وصیّت اسے پہنچا یا بسببِ خلع عورت پر لازم آیا، یا مکان دکان زمین کہ بہ نیّتِ تجارت نہ خریدی تھی اُن کا کرایہ چڑھا قسم سوم کے دَین پر جب تک دَین رہے اَصلاً زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگر چہ دس برس گزر جائیں، ہاں جس دن سے اس کے قبضہ میں آئے گا شمارِ زکوٰۃ میں محسوب ہو گا یعنی اس کے سِوا اور کوئی نصابِ زکوٰۃ اسی کی جنس سے اس کے پاس موجود تھا اس پر سال چل رہا تھا تو جو وصول ہُوا اس میں ملا لیا جائے گا اور اسی کے سال تمام پر کل کی زکوٰۃ لازم ہو گی، اور اگر ایسا نصاب نہ تھا تو جس دن سے وصول ہُوا اگر بقدرِ نصاب ہے اُسی وقت سے سال شروع ہوا اور نہ کچھ نہیں اور دو قسم سابق میں (بحالتِ) دین ہی سال بسال زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی مگر اس کا اَدا کرنا اُسی وقت لازم ہو گا جبکہ اُس کے قبضہ میں دینِ قوی سے بقدرِ خُمسِ نصاب یا متوسط سے بقدرِ کامل نصاب آئے گا پھر اگر دین کئی سال کے بعد وصول ہو تو ہر سالِ متقدم کی زکوٰۃ جو اس کے ذمہ دین ہوتی رہی وُہ پچھلے سال کے حساب میں اسی وصولی رقم پر ڈالی جائے گی، مثلاً عمرو پر زید کے تین سو درہم شرعی دینِ قوی تھے، پانچ برس بعد چالیس دِرَم سے کم وصول ہوئے تو کچھ نہیں اور چالیس ہُوئے تو صرف ایک دِرَم دینا آئے گا اگر چہ پانچ برس کی زکوٰۃ واجب ہے کہ سالِ اوّل کی بابت ان چالیس دِرَم سے ایک درم دینا

آیا یا اب انتالیس رہ گئے کہ خمس نصاب سے کم ہے لہذا باقی برسوں کی بابت ابھی کچھ نہیں، اور اگر تین سو درم دینِ متوسط تھے تو جب تک دوسو وصول نہ ہوں کچھ واجبُ الادا نہیں اور دو سو درم اگر پانچ برس بعد وصول ہُوئے تو اکیس درم دینے ہوں گے، یونہی جب دینِ قوی سے خمس نصاب اور متوسط سے پُورا نصاب وصول ہوتا جائے گا اسی حساب سے اتنے کی زکوٰۃ سنینِ گزشتہ کی زکوٰۃ واجب الادا ہوتی جائے گی، اگر کل وصول ہوگا کل کی، پھر دین ہونے کی تاریخ سے سال اول حالت میں مانا جائے گا جبکہ اس سے پہلے اس کی کسی جنس کے نصاب کا سال رواں نہ تھا اور نہ جو دین وسطِ سال میں اس کا یافتنی ہُوا وہ اسی مالِ موجود میں ملا کر اس کے سال سے حساب رہے گا مثلاً یکم محرم کو دو سو درم کا مالک ہوا، یکم رجب کو اس کا کوئی دینِ قوی یا متوسط کسی پر لازم آیا تو اس دین کا سال بھی یکم محرم سے لیں گے نہ کہ یکم رجب سے۔ص162

جس روپیہ کی زکوٰۃ نہیں دی گئی ہے اس روپیہ کو مَصرفِ خیر میں صَرف کرنا ہے درست ہے یا نہیں؟

زکوٰۃ اعظم فروضِ دین و اہم ارکانِ اسلام سے ہے ولہذا قرآنِ عظیم میں بتیس جگہ نماز کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا اور طرح طرح سے بندوں کو اس فرضِ اہم کی طرف بُلایا، صاف فرمادیا کہ زنہار نہ سمجھنا کہ زکوٰۃ دی تو مال میں سے اتنا کم ہوگیا، بلکہ اس سے مال بڑھتا ہے۔{یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ}۔اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو(ت)

بعض درختوں میں کچھ اجزائے فاسدہ اس قسم کے پیدا ہوجاتے ہیں کہ پیڑ کی اُٹھان کو روک دیتے ہیں، احمق نادان انھیں نہ تراشے گا کہ میرے پیڑ سے اتنا کم ہوجائے گا، پر عاقل ہوشمند تو جانتا ہے کہ ان کے چھانٹنے سے یہ نونہال لہلہا کر درخت بنے گا ورنہ یُوں ہی مرجھا کر رہ جائے گا، یہی حساب زکوتی مال کا ہے۔حدیث میں حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: زکوٰۃ کا مال جس میں ملا ہوگا اسے تباہ و برباد کردے گا۔

اے عزیز! ایک بے عقل گنوار کو دیکھ کہ تخمِ گندم اگر پاس نہیں ہوتا بہزار دقت قرض دام سے حاصل کرتا اور اسے زمین میں ڈال دیتا ہے، اس وقت تو وُہ اپنے ہاتھوں سے خاک میں ملا دیا مگر امید لگی ہے کہ خدا چاہے تو یہ کھونا بہت کُچھ پانا ہوجائے گا۔تجھے اس گنوار کے برابر بھی عقل نہیں، یا جس قدر ظاہری اسباب پر بھروسہ ہے اپنے مالک جلّ وعلا کے ارشاد پر اتنا اطمینان بھی نہیں کہ اپنے مال بڑھانے اور ایک ایک دانہ ایک ایک پیڑ بنانے کو زکوٰۃ کا بیج نہیں ڈالتا۔وُہ فرماتا ہے: زکوٰۃ دو تمھارا مال بڑھے گا۔اگر دِل میں اس فرمان پر یقین نہیں جب تو کُھلا کفر ہے، ورنہ تجھ سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنے یقینی نفعِ دِین و دنیا کی ایسی بھاری تجارت چھوڑ کر دونوں جہانوں کا زیاں مُول لیتا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ فرماتا ہے:{وَ الَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّہَبَ وَ الۡفِضَّۃَ وَ لَا یُنۡفِقُوۡنَہَا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۙ فَبَشِّرۡہُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿ۙ﴾ یَّوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡہَا فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ فَتُکۡوٰی بِہَا جِبَاہُہُمۡ وَ جُنُوۡبُہُمۡ وَ ظُہُوۡرُہُمۡ ؕ ہٰذَا مَا کَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَکۡنِزُوۡنَ} اور جولوگ جوڑتے ہیں سونا چاندی اور اسے خدا کی راہ میں نہیں اٹھاتے یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے انھیں بشارت دے دُکھ کی مار کی، جس دن تپایا جائے گا وہ سونا چاندی جہنم کی آگ سے، پس داغی جائیں گی اس سے

ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں، یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا۔

پھر اس داغ دینے کو بھی نہ سمجھے کہ کوئی چہکا لگا دیا جائے گا یا پیشانی و پشت و پہلو کی چربی نکل کر بس ہوگی بلکہ اس کا حال بھی حدیث سے سُن لیجئے: سیّدنا ابُوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ان کے سر، پستان پرؤہ جہنم کا گرم پتّھر رکھیں گے کہ سینہ توڑ کر شانہ سے نکل جائے گا اور شانہ کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینہ سے نکلے گا۔ اور اس کے ساتھ اور بھی ایک کیفیت سن رکھئے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کوئی روپیہ دوسرے روپے پر نہ رکھا جائے نہ کوئی اشرفی دوسری اشرفی سے چُھو جائے گی بلکہ زکوٰۃ دینے والے کا جسم اِتنا بڑھا دیا جائے گا کہ لاکھوں کروڑوں جوڑے ہوں تو ہر روپیہ جُدا داغ دے گا۔

اے عزیز! کیا خدا اور سول کے فرمان کو یونہی ہنسی ٹھٹھا سمجھتا ہے یا پچاس ہزار برس کی مدّت میں یہ جانکاہ مصیبتیں جھیلنی سہل جانتا ہے، ذرا یہیں کی آگ میں ایک آدھ روپیہ گرم کر کے بدن پر رکھ دیکھ، پھر کہاں یہ خفیف گرمی کہاں وہ قہر آگ، کہاں یہ ایک ہی روپیہ کہاں ؤہ ساری عمر کا جوڑا ہوا مال، کہاں یہ منٹ بھر دیر کہاں وہ ہزار دن برس کی آفت، کہاں یہ ہلکا سا چہکا کہاں ؤہ ہڈیاں توڑ کر پار ہونے والا غضب۔ اللہ تعالیٰ مسلمان کو ہدایت بخشے، آمین!

غرض زکوٰۃ نہ دینے کی جانکاہ آفتیں ؤہ نہیں جن کی تاب آسکے، نہ دینے والے کو ہزار سال ان سخت عذابوں میں گرفتاری کی امید رکھنا چاہئے کہ ضعیف البنیان انسان کی کیا جان، اگر پہاڑوں پر ڈالی جائیں سُرمہ ہوکر خاک میں مل جائیں، پھر اس سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنا مال جُھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عزوجل کا فرض اور اس بادشاہ قہار کاؤہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے، شیطان کا بڑا دھوکا ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے، نادان سمجھتا (ہے)، نیک کام کر رہا ہوں، اور نہ جانا کہ نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے، اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔ اے عزیز! فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ و نذرانہ۔ قرض نہ دیجئے اور بالائی بیکار تحفے بھیجئے ؤہ قابلِ قبول ہوں گے خصوصاً اس شہنشاہ غنی کی بارگاہ میں جو تمام جہان و جہانیاں سے بے نیاز؟ یوں یقین نہ آئے تو دنیا کے جُھوٹے حاکموں ہی کو آزما لے، کوئی زمین دار مال گزاری تو بند کر لے اور تحفے میں ڈالیاں بھیجا کرے، دیکھو تو سرکاری مجرم ٹھہرتا ہے یا اس کی ڈالیاں کچھ بہبود کا پھل لاتی ہیں! ذرا آدمی اپنے ہی گریبان میں منہ ڈالے، فرض کیجئے آسامیوں سے کسی کھنڈساری کا رس بندھا ہوا ہے جب دینے کا وقت آئے ؤہ رس تو ہرگز نہ دیں مگر تحفے میں آم خربوزے بھیجیں، کیا یہ شخص ان آسامیوں سے راضی ہوگا یا آتے ہوئے اس کی نادہندگی پر جو آزار انھیں پہنچا سکتا ہے ان آم خربوزے کے بدلے اس سے باز آئے گا۔ سبحان اللہ! جب ایک کھنڈساری کے مطالبہ کا یہ حال ہے تو مَلِک الملوک اَحکمُ الحاکمین جلَّ وعلاَ کے قرض کا کیا پُوچھنا! ص172

ہندوستان میں مسلمانوں کی زمینیں عُشری ہیں

ہندوستان میں مسلمانوں کی زمینیں خراجی نہ سمجھی جائیں گی جب تک کسی خاص زمین کی نسبت خراجی ہونا دلیلِ شرعی سے ثابت نہ ہو۔ کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالیٰ فی فتاوٰنا بما لا یتجاوز الحق عنہ (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق

سے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے جس سے حق متجاوز نہیں۔ت) بلکہ وہ عشری ہیں یا نہ عشری نہ خراجی، اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ عشر ہے۔ص213

زکوٰۃ کا پیسہ طلبہ کو دے سکتے ہیں امداد کے لیے یا نہیں؟

الجواب: طلبہ کہ صاحبِ نصاب نہ ہوں انھیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بلکہ اُنھیں دینا افضل ہے جبکہ وہ طلبہ علمِ دین بطورِ دین پڑھتے ہوں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔ص253

پیشہ ور گداگروں کو زکوٰۃ وخیرات کا مال دینے سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

گدائی تین قسم ہے:

ایک: غنی مالدار جیسے اکثر جوگی اور سادھو بچّے، انھیں سوال کرنا حرام اور انھیں دینا حرام، اور اُن کے دیئے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی، فرض سر پر باقی رہے گا۔

دوسرے: وُہ کہ واقع میں قدرِ نصاب کے مالک نہیں مگر قوی وتندرست کسب پر قادر ہیں اور سوال کسی ایسی ضرورت کے لیے نہیں جو اِن کے کسب سے باہر ہو کوئی حرفت یا مزدوری نہیں کی جاتی مفت کا کھانا کھانے کے عادی ہیں اور اس کے لیے بھیک مانگتے پھرتے ہیں انھیں سوال کرنا حرام، اور جو کچھ انھیں اس سے ملے وہ ان کے حق میں خبیث کہ حدیث شریف میں: **لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی**۔صدقہ حلال نہیں کسی غنی کے لیے اور نہ کسی توانا وتندرست کے لیے(ت)

انھیں بھیک دینا منع ہے کہ معصیت پر اِعانت ہے، لوگ اگر نہ دیں تو مجبور ہوں کچھ محنت مزدوری کریں۔قال اللہ تعالیٰ {**وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ**}۔اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے: گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو(ت)

مگر ان کے دئے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی جبکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو کہ فقیر ہیں، قال اللہ تعالیٰ {**اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ**}۔اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے: صدقات فقراء کے لیے ہیں(ت)

تیسرے: وُہ عاجز ناتواں کہ نہ مال رکھتے ہیں نہ کسب پر قدرت، یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے پر قادر نہیں، انھیں بقدرِ حاجت سوال حلال، اور اس سے جو کچھ ملے ان کے لیے طیّب، اور یہ عمدہ مصارفِ زکوٰۃ سے ہیں اور انھیں دینا باعثِ اجرِ عظیم، یہی ہیں وُہ جنھیں جھڑکنا حرام ہے۔ص253

مالِ زکوٰۃ مدرسہ اسلامیہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

مدرسہ اسلامیہ اگر صحیح اسلامیہ خاص اہلسنت کا ہو۔نیچریوں، وہابیوں، قادیانیوں، رافضیوں، دیوبندیوں وغیرہم مرتدین کا نہ ہو تو اس میں مالِ زکوٰۃ اس شرط پر دیا جاسکتا ہے کہ مہتمم اس مال کو جُدا رکھے اور خاص تملیکِ فقیر کے مصارف میں صرف کرے مدرسین یا دیگر ملازمین کی تنخواہ اس سے نہیں دی جاسکتی۔نہ مدرسہ کی تعمیر یا مرمت یا فرش وغیرہ میں صرف ہوسکتی ہے، نہ یہ ہوسکتا ہے کہ جن طلبہ کو مدرسہ سے کھانا دیا جاتا ہے اُس روپے سے کھانا پکا کر اُن کو کھلایا جائے کہ یہ صورت اِباحت ہے اور زکوٰۃ میں

تملیک لازم ہاں یُوں کر سکتے ہے کہ جن طلبہ کو کھانا دیا جاتا ہے اُن کو نقد روپیہ بہ نیّت زکوٰۃ دے کر مالک کر دیں پھر وُہ اپنے کھانے کے لئے واپس دیں یا جن طلبہ کا وظیفہ نہ اُجرۃً بلکہ محض بطورِ امداد ہے اُن کے وظیفے میں دیں یا کتابیں خرید کر طلبہ کو اُن کا مالک کر دیں۔ ہاں اگر روپیہ بہ نیّتِ زکوٰۃ کسی مصرفِ زکوٰۃ کو دے کر مالک کر دیں وُہ اپنی طرف سے مدرسہ کو دے دے تو تنخواہِ مدرسین وملازمین وغیرہ جملہ مصارفِ مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے۔ ص254

مالِ زکوٰۃ سے وقف ناممکن ہے

مالِ زکوٰۃ سے وقف ناممکن ہے کہ وقف کسی کی مِلک نہیں ہوتا اور زکوٰۃ میں فقیر کی تملیک شرط ہے اس کی تدبیر یوں ہوسکتی ہے کہ کسی نیک بندہ کو جو زکوٰۃ کا مصرف ہے بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر مِلک کر دیا جائے اور وُہ اپنی طرف سے کتابیں خرید کر وقف کر دے۔ ایک اور حیلہ بھی ممکن ہے مثلاً سَو روپے کی کتابیں وقف کرنے کے لیے خریدنی ہیں اور اس پر سو ۱۰۰ روپے زکوٰۃ کے آتے ہیں تو مَن دومَن گیہوں مثلاً کسی فقیر کے ہاتھ سو روپے کو بیچ کرے اور اُسے سمجھا دے کہ یہ قیمت تمھیں ہم ہی دینگے جب وُہ خرید لے تو اب اسے سَو روپے بہ نیتِ زکوٰۃ دئے جائیں، جب وُہ قبضہ کر لے اب اس سے اس آتی ہوئی قیمت میں روپے لے لیے جائیں، اگر نہ دے تو جبراً لے سکتا ہے کہ وُہ اس کا مدیون ہے، اب اس روپے سے کتابیں خرید کر وقف کر دیں۔ ص255

کوئی شخص زرِ زکوٰۃ سے چندہ فراہم کر کے دینی کتاب بغرضِ رفاہِ عام چھپوائے تو ان چندہ دہندگان اصحاب کا زرِ زکوٰۃ ادا ہوگا یا نہیں؟

جائز ہے اور اس میں چندہ دہندوں کے لیے اجرِ عظیم اور ثوابِ جاری ہے، جب تک وہ کتاب باقی رہے گی اور نسلاً بعد نسلٍ جن جن مسلمانوں کو فائدہ دے گی ہمیشہ ان کا اجر ایک چندہ دہندے کو اُس کی حیات میں اور اُس کی قبر میں پہنچتا رہے گا۔ مگر اولاً فقیر کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر مالک کر دینا ضرور ہے پھر وُہ فقیر طبعِ کتاب میں خود دے دے یا اس سے دِلوا دے، اور سب سے آسان یہ ہے کہ ایک دیندار شخص کے پاس سب زکوٰۃ دہندہ اپنا چندہ جمع کریں اور اس سے کہہ دیں کہ زرِ زکوٰۃ ہے طریقہ شرعیہ پر بعد تملیکِ فقیر طبع میں ہمارے ثواب کے لئے صرف کر، وہ ایسا ہی کرے، سب زکوٰتیں بھی ادا ہو جائیں گی اور وُہ دینی ضروری نافع کام بھی ہو جائے گا اور یہ اموال کا ملانا کہ باذنِ مالکانہ ہے کہ چندہ کا یہی طریقہ معروفہ معہودہ ہے کچھ مانع نہ ہوگا۔ ص256

جہاد کے لئے زکوۃ دینے کا حکم

زکوٰۃ جہاد کے اُن مصارف میں جن میں فقیر کو تملیک نہ ہو جیسے گولے بارُود کی خریداری یا فوج کی باربرداری یا فوجی افسروں کی تنخواہ یا فوجی دواخانہ کی دواؤں میں دینا جائز نہیں، نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہو۔ ہاں فقیر مجاہدوں کو دی جائے یا شہیدوں کے فقیر پس ماندوں کو یا ان مجاہدوں کو جو سفر کر کے آئے گھر پر اموال رکھتے ہیں یہاں مصارف کے لیے کچھ پاس نہیں ان کو دینا جائز ہے **اول** فی سبیل اللہ ہے، **ثانی** فقراء اور **ثالث** ابن السبیل، اور یہ سب مصارفِ زکوٰۃ ہیں۔ یا یہ ہو کہ یہاں کسی معتمد فقیر کو دے کر مالک کر کے قبضہ دے دیں وُہ اپنی طرف سے اس چندہ میں دے دے، اب کوئی شرط نہیں ہر مصرف میں صرف ہوسکتی ہے، اور

زکوٰۃ دہندہ اور فقیر دونوں کو ثواب ملے گا۔ پھر صورتِ اُولیٰ میں کہ خود زکوۃ ہی ان جائز مصارف کے لیے وہاں بھیجے، اگر ابھی اس کی زکوٰۃ کا سال تمام نہ ہُوا تھا پیشگی دیتا ہے جب تو دوسرے شہر کو بھیجنا مطلقاً جائز ہے اور اگر سال تمام کے بعد بھیجے جب بھی اس صورت میں حکمِ جواز ہے کہ مجاہدوں کی اِعانت میں اسلام کا زیادہ نفع ہے۔ مگر اطمینان ضرور ہو کہ ٹھکانے پر پہنچے بیچ میں خُورد بُرد نہ ہو جائے۔ ص258

زکوٰۃ وغیر زکوٰۃ کا مال ملانے کا حکم

یہ لوگ بطورِ خود چندہ کرتے ہیں اور زکوٰۃ وغیر زکوٰۃ بلکہ مسلم وغیر مسلم سب کے چندے خلط کر لیتے وُہ روپیہ فوراً ہلاک ہو جاتا ہے اور قابلِ ادازکوٰۃ نہیں رہتا، فان الخلط استھلاك (کیونکہ خلط ملط کرنا ہلاک کرنا ہوتا ہے۔ت) اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ زکوٰۃ دینے والے خالص مسلمان اپنی اپنی زکوٰۃ ایک معتمد متدین کے پاس جمع کریں اور وُہ روپیہ ملا لینے کی اجازت دیں اور اُس میں کوئی پیسہ غیر زکوٰۃ کا خلط نہ کیا جائے نہ کسی وہابی یا رافضی یا نیچری یا قادیانی یا حدِ کفر تک پہنچے ہُوئے گاندھوی کی زکوٰۃ اس میں شامل ہو کہ ان لوگوں کی زکوٰۃ شرعاً زکوٰۃ نہیں، یہ خالص زکوٰۃِ شرعی کا جمع کیا ہوا مال کہ مالکوں سے اِذن سے خلط کیا گیا اُن فقراء مظلومین کو پہنچایا جائے۔ ص260

اموالِ زکوٰۃ آپس میں ملانے کا حکم

اگر عرفاً ایسا کیا جاتا ہو تو اب ضمان نہ ہوگا کیونکہ اس وقت دلالۃً اجازت موجود ہے (ت)۔ ص261

مالدار کے لیے صدقہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

صدقہ واجبہ مالدار کو لینا حرام اور دینا حرام، اور اس کے دِئے ادا نہ ہوگا، اور نافلہ مانگ کر مالدار کو لینا حرام اور بے مانگے مناسب نہیں جبکہ دینے والا مالدار جان کر دے اور اگر وہ محتاج سمجھ کر دے تو لینا حرام، اور اگر لینے کے لیے اپنے آپ کو محتاج ظاہر کیا تو دُوہرا حرام، ہاں وہ صدقاتِ نافلہ کہ عام خلائق کے لیے ہوتے ہیں اور ان کے لینے میں کوئی ذِلّت نہیں وُہ غنی کو بھی جائز ہیں جیسے حوض کو پانی، سقایہ کا پانی، نیاز کی شیرینی، سرائے کا مکان۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص261

امام طحاوی کے بعض مسائل اختیاراتِ مفردہ ہیں

معلوم ہے کہ اُن (امام طحاوی) کے لیے بعض اختیارات مفردہ ہیں کہ بترکِ مذہب ان پر عمل کے کوئی معنیٰ نہیں ان کی جلالتِ شان بیشک مسلّم مگر عظمتِ قاہرہ اصل مذہب چیزے دیگرست۔ ص277

صدقۂ فطر کا بیان

فطرہ کا پیسہ کون کون سے کام میں صرف ہوسکتا ہے اور کس کس شخص کو دیا جاسکتا ہے؟

الجواب: فطرہ کے مصارف بعینہٖ مصارفِ زکوٰۃ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص291

زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کا نصاب برابر ہے یا کچھ فرق ہے؟

مقدارِ نصاب سب کے لیے ہے کچھ فرق نہیں، ہاں زکوٰۃ میں مال نامی ہونا شرط ہے کہ سونا چاندی، چرائی پر چھوٹے جانور، تجارت کا مال ہے وبس، اور سال گزرنا شرط ہے، صدقہ فطر وقربانی میں یہ کچھ درکار نہیں **کما فی جمیع الکتب** (جیسا کہ سب کتابوں میں ہے۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص294

مقداریں

صاع چار مُد ہے اور مد دو رِطل، اور رطل بیس اَستار، اور اَستار ساڑھے چار مثقال، اور مثقال ساڑھے چار ماشے، اور تولہ بارہ ۱۲ ماشے، اور انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے، تو صاع دو سو ستّر ۲۷۰ تولے، اور روپیوں سے دو سو اٹھاسی ۲۸۸ روپے بھر، تو اسی ۸۰ روپے کے سیر سے ۳ سیر ۹ چھٹانک اور ۳/۵ چھٹانک، یا یُوں کہئے کہ ساڑھے تین سیر ڈیڑھ چھٹانک اور ۱/۱۰ چھٹانک۔ص296

صاع چار من چالیس استار اور استار ساڑھے چار مثقال ساڑھے چار ماشے اور ماشہ آٹھ رَتی، اور رتی آٹھ چاول، اور بارہ ماشے کا ایک تولہ، تو صاع دو سو ستّر تولے ہے۔ص298 اور ص525

گز شرعی بہ حساب گز نمبری مروجہ لکھنؤ کس قدر ہے؟

نمبری گز کہ تین فٹ کا ہے، ہر فٹ بارہ انچ، گز شرعی جسے ذِراع کرباس کہتے ہیں، اس کا نصف یعنی آٹھ گرہ کے برابر ہے کہ وہ چوبیس اُنگل ہے اور ہر گرہ تین اُنگل۔ص295

بیوی کا فطرانہ کس پر واجب ہے؟

عورت کا نہ باپ پر نہ شوہر پر، صاحبِ نصاب ہوتی تو اس کا صدقہ اسی پر ہوتا ہے۔ص296

سوال کسے جائز ہے کسے ناجائز

بے ضرورتِ شرعی سوال کرنا حرام ہے، اور جن لوگوں نے باوجود قدرتِ کسب بِلاضرورت سوال کرنا اپنا پیشہ کرلیا ہے وہ جو کچھ اس سے جمع کرتے ہیں سب ناپاک وخبیث ہے اور ان کا یہ حال جان کر اُن کے سوال پر کچھ دینا داخلِ ثواب نہیں بلکہ ناجائز وگناہ، اور گناہ میں مدد کرنا ہے۔ اور جب انھیں دینا ناجائز تو دِلانے والا بھی **دال علی الخیر** نہیں بلکہ **دال علی الشر** ہے۔ لیکن اگر بے سوال کوئی کچھ دے جیسے لوگ علماء ومشائخ کی خدمت کرتے ہیں تو اس کے لے لینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ نیت نیک ہو تو دینے اور لینے والے دونوں داخلِ ثواب ہیں خصوصاً جبکہ لینے والا حاجت رکھتا ہو۔ص303

مال جمع کرنے اور صدقہ کرنے کے تفصیلی احکام

ایک شخص اہل وعیال رکھتا ہے اپنی ماہانہ یا سالانہ آمدنی سے بلا افراط وتفریط اپنے بال بچّوں پر خرچ کرکے بقایا خدا کی راہ میں دیتا ہے آئندہ کو اہل وعیال کے واسطے کچھ نہیں رکھتا، دوسرا اپنی آمدنی سے بچوں پر ایک حصہ خرچ کرکے دوسرا حصہ خیرات کرتا

اور تیسرا حصّہ آئندہ ان کی ضرورتوں میں کام آنے کی غرض سے رکھ چھوڑنے کو اچھا جانتا ہے، ان دونوں میں افضل کون ہے؟

الجواب: حُسنِ نیّت سے دونوں صورتیں محمود ہیں، اور باختلافِ احوال ہر ایک اَفضل، کبھی واجب، ولہذا اس بارہ میں احادیث بھی مختلف آئیں اور سلف صالح کا عمل بھی مختلف رہا۔

اقول: وباﷲ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ت) اس میں قولِ موجز وجامع اِن شاء اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ آدمی دو قسم ہیں منفرد کہ تنہا ہو اور معیل کہ عیال رکھتا ہو، سوال اگرچہ معیل سے متعلق ہے مگر ہر معیل اپنے حقِ نفس میں منفرد اور اس پر اپنے نفس کے لحاظ سے وہی احکام ہیں جو منفرد پر ہیں، لہذا دونوں کے احکام سے بحث درکار۔

اوّل: وُہ اہلِ انقطاع وتبتّل الی اللہ اصحابِ تجرید وتفرید جنھوں نے اپنے رب سے کچھ نہ رکھنے کا عہد باندھا ان پر اپنے عہد کے سبب ترکِ اِدخار لازم ہوتا ہے اگر بچا رکھیں تو نقضِ عہد ہے اور بعدِ عہد پھر جمع کرنا ضرور ضُعفِ یقین سے ناشئی یا اُس کا مُوہم ہوگا، ایسے اگر کچھ بھی ذخیرہ کریں مستحقِ عقاب ہوں۔

دوم: فقر وتوکّل ظاہر کرکے صدقات لینے والا اگر یہ حالت مستمر رکھنا چاہے تو اُن صدقات میں سے کچھ جمع کر رکھنا، اُسے ناجائز ہوگا کہ یہ دھوکا ہوگا اور اب جو صدقہ لے گا حرام وخبیث ہوگا، انہی دونوں باب سے ہیں وہ احادیث جن میں ایک اشرفی ترکہ چھوڑنے والے کو ایک داغ فرمایا، دو پر دو، تین پر تین یعنی فی اشرفی ایک داغ دیا جائے گا۔

سوم: جسے اپنی حالت معلوم ہو کہ حاجت سے زائد جو کچھ بچا کر رکھتا ہے نفس اُسے طغیان وعصیان پر حامل ہوتا، یا کسی معصیت کی عادت پڑی ہے اس میں خرچ کرتا ہے تو اس پر معصیت سے بچنا فرض ہے اور جب اُس کا یہی طریقہ معیّن ہو کہ باقی مال اپنے پاس نہ رکھے تو اس حالت میں اس پر حاجت سے زائد سب آمدنی کو مصارفِ خیر میں صرف کردینا لازم ہوگا، **وذٰلك لان فقد ان الاٰلة احد العصمتین وما تعین طریقا لواجب وجب۔** یہ اس لیے کہ ذریعہ کا مفقود ہوجانا بھی عصمت کی ایک صورت ہے اور جو شئی کسی واجب کا ذریعہ بن رہی ہو وہ بھی واجب ہوجاتی ہے۔ (ت)

چہارم: جو ایسا بےصبرا ہو کہ اُسے فاقہ پہنچے تو معاذ اللہ رب عزوجل کی شکایت کرنے لگے اگرچہ صرف دل میں، نہ زبان سے، یا طُرُقِ ناجائز مثلِ سرقہ یا بھیک وغیرہ کا مرتکب ہو، اس پر لازم ہے کہ حاجت کے قدر جمع رکھے، اگر پیشہ ور ہے کہ روز کا روز کھاتا ہے، تو ایک دن کا، اور ملازم ہے کہ ماہوار ملتا ہے یا مکانوں دکانوں کے کرایہ پر بسر ہے کہ مہینہ پیچھے آتا ہے، تو ایک مہینہ کا، اور زمیندار ہے کہ فصل یا سال پر پاتا ہے تو چھ مہینہ یا سال بھر کا، **فان درء المفاسد اھم من جلب المصالح** (مصالح کے حصول سے مفاسد کا ختم کرنا اہم ہوتا ہے۔ت) اور اصل ذریعۂ معاش مثلاً آلاتِ حرفت یا دکان مکان دیہات بقدرِ کفایت کا باقی رکھنا تو مطلقاً اس پر لازم ہے۔

پنجم: جو عالمِ دین مفتیِ شرع یا مدافعِ بدَع ہو اور بیت المال سے رزق نہیں پاتا، جیسا یہاں ہے، اور وہاں اس کا غیر ان مناصبِ دینیہ پر قیام نہ کرسکے کہ اِفتا یا دفعِ بدعات میں اپنے اوقات کا صرف کرنا اس پر فرضِ عین ہو اور وُہ مال وجائداد رکھتا ہے جس کے باعث اسے غنا اور ان فرائضِ دینیہ کے لیے فارغُ البالی ہے کہ اگر خرچ کردے محتاجِ کسب ہو اور ان امور میں خلل پڑے، اس پر بھی اصل ذریعہ کا اِبقا اور آمدنی کا بقدرِ مذکور جمع رکھنا واجب ہے **فان مقدمة الفریضة فریضة** (کسی فریضہ کا مقدمہ فرض

ہوتا ہے۔ت) ایسے عالم کو جہاد کے لیے جانے کی اجازت نہیں کسبِ مال میں وقت صرف کرنے کی کیونکر اجازت ہوسکتی ہے۔

ششم: اگر وہاں اور بھی عالم یہ کام کر سکتے ہوں تو اِبقاء وجمع مذکور اگر چہ واجب نہیں مگر اہم وموکد بیشک ہے کہ علمِ دین حمایتِ دین کے لیے فراغ بال، کسبِ مال میں اشتغال سے لاکھوں درجے افضل ہے معہذا ایک سے دو اور دو سے چار بھلے ہوتے ہیں، ایک کی نظر کبھی خطا کرے تو دوسرے اسے صواب کی طرف پھیر دیں گے، ایک کو مرض وغیرہ کے باعث کچھ عذر پیش آئے تو جب اور موجود ہیں کام بند نہ رہے گا لہٰذا تعدّدِ علمائے دین کی طرف ضرورحاجت ہے۔

ہفتم: عالم نہیں مگر طلبِ علمِ دین میں مشغول ہے اور کسب میں اشتغال اُس سے مانع ہوگا تو اس پر بھی اُسی طرح اِبقاء وجمعِ مسطور آکدواہم ہے۔

ہشتم: تین صورتوں میں جمع منع ہُوئی، دو میں واجب، دو میں مؤکد۔ جوان آٹھ سے خارج ہو، وہ اپنی حالت پر نظر کرے اگر جمع نہ رکھنے میں اس کا قلب پریشان ہوتو جہ بعبادت وذکرِ الٰہی میں خلل پڑے تو بمعنی مذکور بقدرِ حاجت جمع رکھنا ہی افضل ہے اور اکثر لوگ اسی قسم کے ہیں ع پراگندہ روزی پراگندہ دل (روزی پراگندہ ہوتو دل بھی پراگندہ ہوتا ہے۔ت) شب چوعقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم (رات کو نماز میں دل کیا لگے جب یہ پریشانی ہو کہ صبح بچّے کیا کھائیں گے۔ت) یہاں وہ لوگ مراد ہیں جن کو توجہ بخدا کا قصد ہے ورنہ منہمکین فی الدنیا تو کسی وقت بھی متوجہ نہیں ہوتے، غنی ہوں تو بھول جائیں۔

نہم: اگر جمع رکھنے میں اس کا دل متفرق اور مال کے حفظ یا اس کی طرف میلان سے متعلق ہوتو جمع نہ رکھنا ہی افضل ہے کہ اصل مقصود ذکرِ الٰہی کے لیے فراغ بال ہے جو اُس میں مخل ہو وہی ضم ہے۔

دہم: اصحابِ نفوسِ مطمئنہ ہوں، نہ عدمِ مال سے اُن کا دل پریشان نہ وجودِ مال سے ان کی نظر، وہ مختار ہیں۔

یازدہم: حاجت سے زیادہ کا مصارفِ خیر میں صرف کر دینا اور جمع نہ رکھنا صورتِ سوم میں تو واجب تھا باقی جملہ صُوَر میں ضرور مطلوب، اور جوڑ کر رکھنا اس کے حق میں ناپسند ومعیوب کہ منفرد کو اس کا جوڑنا طولِ اَمَل یا حُبِ دنیا ہی سے ناشئ ہوگا اور طولِ امل غرور ہے، اور دُنیا اَشرُّ الشّرور۔

یہ سب منفرد کا بیان رہا عیال دار، ظاہر ہے کہ وُہ اپنے نفس کے حق میں منفرد ہے، تو خود اپنی ذات کے لیے اُسے اُنھیں احکام کا لحاظ چاہئے اور عیال کی نظر سے اس کی صورتیں اور ہیں ان کا بیان کریں۔

دوازدہم: عیال کی کفالت شرع نے اس پر فرض کی، وہ ان کو توکل وتبتل وصبر علی الفاقہ پر مجبور نہیں کرسکتا، اپنی جان کو جتنا چاہے کسے مگر ان کو خالی چھوڑنا اس پر حرام ہے۔ حضور پُرنور سیّد المتوکّلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے نفسِ کریم کے لیے کل کا کھانا بچا رکھنا پسند نہ فرماتے۔ اور اپنی عیال کے لیے سال بھر کا قُوت جمع فرمادیتے۔

سیزدہم: وہ جس کی عیال میں صورتِ چہارم کی طرح بے صبرا ہو اور بے شک بہت عوام ایسے نکلیں گے تو اس کے لحاظ سے تو اس پر دُوہرا وجوب ہوگا کہ قدرِ حاجت جمع رکھے۔

چہاردہم: ہاں جس کی سب عیال صابر ومتوکل ہوں اسے رَوا ہوگا کہ سب راہِ خدا میں خرچ کردے۔ ص 311 تا 324

کتابُ الصَّوم (روزے کا بیان)

نابالغ لڑکا روزہ اِفطار کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

نابالغ پر تو قلمِ شرع جاری ہی نہیں وُہ اگر بے عذر بھی اِفطار کرے اُسے گنہگار نہ کہیں گے۔ بچّہ جیسے آٹھویں سال میں قدم رکھے اس کے ولی پر لازم ہے کہ اُسے نماز روزے کا حکم دے، اور جب اُسے گیارھواں شروع ہو تو ولی پر واجب ہے کہ صوم وصلوٰۃ پر مارے بشرطیکہ روزے کی طاقت ہو اور روزہ ضرر نہ کرے۔ حدیثِ صحیح میں ہے کہ حضور پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب بچّے سات سال کے ہوجائیں تو انھیں نماز کو کہو اور دس سال کے ہوجائیں تو انھیں ترکِ نماز پر سزا دو۔ (ت)

تو ولی نابالغ ہفت سالہ یا اس سے بڑے کو اُسی وقت ترکِ صوم کی اجازت دے سکتا ہے جبکہ فی نفسہٖ روزہ اُسے ضرر پہنچائے ورنہ بلاعذرِ شرعی اگر روزہ چُھڑائے گا یا چھوڑنے پر سکوت کرے گا گنہگار ہوگا کہ اس پر امر یا ضرب شرعاً لازم اور تارکِ واجب، بزہ کار وآثم۔ ص 345

سفر میں روزہ رکھنا کیسا ہے؟ خاص کر کے لڑائی کے موقع پر جانا ہے؟

جو اپنے گھر سے تین منزل کامل یا زیادہ کی راہ کا اِرادہ کرکے چلے خواہ کسی نیت اچھی یا بُری سے جانا ہو، وُہ جب تک مکان کو پلٹ کر نہ آئے یا بیچ میں کہیں ٹھہرنے کی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت نہ کرلے مسافر ہے، ایسے شخص کو جس دن کی صبحِ صادق مسافرت کے حال میں آئے اُس دن کا روزہ ناغہ کرنا اور پھر کبھی اس کی قضا رکھ لینا جائز ہے، پھر اگر روزہ اسے نقصان نہ کرے نہ اُس کے رفیق کو اُس کے روزہ سے اِیذا ہو جب تو روزہ رکھنا ہی بہتر ہے ورنہ قضا کرنا بہتر ہے، یُوں ہی غازی اگر یقیناً جانے کہ اب دُشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے اور روزہ رکھوں گا تو ضُعف کا اندیشہ ہے تو وُہ بھی ناغہ کرے اگرچہ سفر میں نہ ہو۔

مگر یہ اجازت بلاسفر صرف اُسی کو مل سکتی ہے جو حمایت یا اِعانتِ دینِ اسلام میں لڑتا ہو، باقی مُلکی لڑائیاں یا معاذ اللہ کفر کی حمایت یا کافر کی طرف ہوکر اگرچہ دوسرے کافر ہی سے لڑنا، یہ سب گناہ ہیں۔ گناہ پر طاقت کے لیے روزہ قضا کرنے کی اجازت ممکن نہیں۔ ہاں جب یہ لوگ سفر میں ہوں تو بوجہ سفر اجازت ہوگی اگرچہ وُہ سفر جانبِ سقَر ہو۔ ص 347

شعبان کی 29 کو اگر چاند نظر نہ آئے تو 30 کو علاوہ قاضی ومفتی کے عوام کو روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے تو کس نیت سے؟

اگر ۲۹ کی شام کو مطلع صاف ہو اور چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ کو قاضی مفتی کوئی بھی روزہ نہ رکھے اور اگر مطلع پر اَبر وغبار ہو تو مفتی کو چاہئے کہ عوام کو ضحوہ کبریٰ یعنی نصف النہار شرعی تک انتظار کا حکم دے کہ جب تک کچھ نہ کھائیں پئیں، نہ روزے کی نیّت کریں، بلانیّتِ روزہ مثلِ روزہ رہیں، اس بیچ میں اگر ثبوتِ شرعی سے رویت ثابت ہوجائے تو سب روزے کی نیت کرلیں روزۂ رمضان ہوجائے گا، اور اگر یہ وقت گزر جائے کہیں سے ثبوت نہ آئے تو مفتی عوام کو حکم دے کہ کھائیں پئیں، ہاں جو شخص کسی خاص دن کے روزے کا عادی ہو، اور اگر اس تاریخ وہ دن آ کر پڑے مثلاً ایک شخص ہر پیر کو روزہ رکھتا ہے اور یہ دن پیر کا ہو تو وہ اپنے اسی

نفلی روزے کی نیت کرسکتا ہے شک کی وجہ سے رمضان کے روزے کی نیت کرے گا یا یہ کہ چاند ہوگیا تو آج رمضان کا روزہ رکھتا ہوں ورنہ نفل، تو گنہ گار ہوگا۔ص350

پانچ ہلالوں کا بغور دیکھنا تلاش کرنا ہر جگہ کے مسلمانوں پر واجب ہے

شعبان سے ذی الحجہ تک پانچ ہلالوں کا بغور دیکھنا تلاش کرنا ہر جگہ کے مسلمانوں پر واجب ہے اونچی چوٹیوں پر جانے کی دِقت اگر صرف بوجہ تکلیف یا کاہلی ہو تو یہ عذر ہرگز نہ سُنا جائے گا، اور اُو پر جا کر دیکھنا واجب ہوگا۔ اگر کوئی نہ جائے گا سب گنہ گار رہیں گے اور اگر واقعی ناقابلِ برداشت تکلیف ہے تو معاف ہے۔ص369

کب خط پر عمل کیا جاسکتا؟

تمام کتب میں تصریح ہے: الخط لایعمل به، الخط یشبه الخط، الخاتم یشبه الخاتم۔ خط پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ خط خط کے مشابہ اور مُہر مُہر کے مشابہ ہوتی ہے۔ (ت) **بیاع وصراف ومفتی کے خطوط بالاجماع مستثنیٰ ہیں** (لوگوں کی ضرورت کے پیشِ نظر خلافِ قیاس حجت ہیں اور جو خلافِ قیاس ہو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لوگوں کی آپس کی خط و کتابت اور چیز ہے۔ت)۔ص377

- ***اگرچہ ان دو بقاع میں بُعدَ المشرقین ہو کہ مذہبِ معتمد پر اختلافِ مطالع غیر معتبر ہے۔ص390***
- ***عند التحقیق اگر دوسری جگہ کی رؤیت بطریقِ شرعی ثابت ہوجائے تو اُسی پر عمل واجب ہوگا۔ص396***

ثبوتِ رؤیتِ ہلال کے لیے شرع میں سات طریقے ہیں

طریقِ اوّل: خود شہادتِ رؤیت یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی، ہلالِ رمضان مبارک کے لیے ایک ہی مسلمان عاقل، بالغ، غیرِ فاسق کا مجرد بیان کافی ہے کہ میں نے اس رمضان شریف کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اگرچہ کنیز ہو اگرچہ مستورُ الحال ہو، جس کی عدالتِ باطنی معلوم نہیں، ظاہر حال پابندِ شرع ہے اگرچہ اس کا یہ بیان مجلسِ قضاء میں نہ ہو، اگرچہ گواہی دیتا ہُوں نہ کہے، نہ دیکھنے کی کیفیت بیان کرے کہ کہاں سے دیکھا کدھر کو تھا کتنا اُونچا تھا وغیر ذٰلک۔ یہ اس صورت میں ہے کہ شعبان کو مطلع صاف نہ ہو، چاند کی جگہ اَبر یا غبار ہو، اور بحالِ صفائی مطلع اگر ویسا ایک شخص جنگل سے آیا یا بلند مکان پر تھا تو بھی ایک ہی کا بیان کافی ہوجائے گا، ورنہ دیکھیں گے کہ وہاں کے مسلمان چاند دیکھنے میں کوشش رکھتے ہیں بکثرت لوگ متوجہ ہوتے ہیں یا کاہل ہیں دیکھنے کی پروانہیں، بے پروائی کی صورت میں کم سے کم دو درکار ہوں گے اگرچہ مستورُ الحال ہوں، ورنہ ایک جماعتِ عظیم چاہئے کہ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرے جس کے بیان سے خوب غلبۂ ظن حاصل ہوجائے کہ ضرور چاند ہُوا اگرچہ غلام یا کھلے فساق ہوں، اور اگر کثرت حدِ تواتر کو پہنچ جائے کہ عقل اتنے شخصوں کا غلط خبر پر اتفاق محال جانے تو ایسی خبر مسلم و کافر سب کی مقبول ہے۔ باقی گیارہ ہلالوں کے واسطے مطلقاً ہر حال میں ضرور ہے کہ دو مرد عادل یا ایک مرد دو عورتیں عادل آزاد جن کا ظاہری و باطنی حال تحقیق ہو کہ پابندِ شرع ہیں، قاضیِ شرع کے حضور بلفظِ اَشْھَدُ گواہی دیں یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس مہینے کا ہلال فلان دن کی شام کو دیکھا اور جہاں قاضیِ شرع نہ ہو تو مفتیِ اسلام اُس کا قائم مقام ہے جبکہ تمام اہلِ شہر سے علمِ فقہ میں زائد ہو اُس

کے حضور گواہی دیں اور اگر کہیں قاضی و مفتی کوئی نہ ہو تو مجبوری کو اور مسلمانوں کے سامنے ایسے عادل دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کا بیان بے لفظِ اَشْهَدُ بھی کافی سمجھا جائے گا، ان گیارہ ہلالوں میں ہمیشہ یہی حکم ہے مگر عیدین میں اگر مطلع صاف ہو اور مسلمان رؤیتِ ہلال میں کاہلی نہ کرتے ہوں اور وہ دو گواہ جنگل یا بلندی سے نہ آئے ہوں تو اس صورت میں وہی جماعتِ عظیم درکار ہے، اسی طرح جہاں اور کسی چاند مثلاً ہلالِ محرم کا عام مسلمان پُورا اہتمام کرتے ہوں تو بحالتِ صفائی مطلع جبکہ شاہدَین جنگل یا بلندی سے نہ آئیں تو ظاہراً جماعتِ عظیم ہی چاہئے کہ جس وجہ سے اُس کا ایجاب رمضان و عیدین میں کیا گیا تھا یہاں بھی حاصل ہے۔

طریقِ دوم: شہادۃ علی الشہادۃ یعنی گواہوں نے چاند خود نہ دیکھا بلکہ دیکھنے والوں نے ان کے سامنے گواہی دی اور اپنی گواہی پر اُنہیں گواہ کیا، اُنہوں نے اُس گواہی کی گواہی دی، یہ وہاں ہے کہ گواہانِ اصل حاضری سے معذور ہوں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ گواہِ اصل گواہ سے کہے میری اس گواہی پر گواہ ہو جا کہ میں گواہی دیتا ہوں میں نے ماہ فلاں سنہ فلاں کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا۔ گواہانِ فرع یہاں آ کر یُوں شہادت دیں کہ میں گواہی دیتاہُوں کہ فلاں بن فلاں نے مجھے اپنی اس گواہی پر گواہ کیا کہ فلاں بن فلاں مذکور نے ماہ فلاں سنہ فلاں کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اور فلاں بن فلاں مذکور نے مجھ سے کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ ہو جا، پھر اصل شہادتِ رؤیت میں اختلافِ احوال کے ساتھ جو اَحکام گزرے ان کا لحاظ ضرور ہے، مثلاً ماہِ رمضان میں مطلع صاف تھا تو صرف ایک کی گواہی مسموع نہ ہونی چاہئے جب تک جنگل میں یا بلند مکان پر دیکھا نہ بیان کرے ورنہ ایک کی شہادت اور اس کی شہادت پر بھی صرف ایک ہی شاہد اگرچہ کنیز مستورۃ الحال ہو بس ہے، اور باقی مہینوں میں یہ تو ہمیشہ ضرور ہے کہ ہر گواہ کی گواہی پر دو مرد یا ایک مرد دو عورت عادل گواہ ہوں اگرچہ یہی دو مرد اُن دو اصل میں ہر ایک کے شاہد ہوں مثلاً جہاں عیدین میں صرف دو عادلوں کی گواہی مقبول ہے زید و عمرو دو عادلوں نے چاند دیکھا اور ہر ایک نے اپنی شہادت پر بکر و خالد دو مرد عادل کو گواہ کر دیا کہ یہاں آ کر بکر اور خالد ہر ایک نے زید و عمرو دونوں کی گواہی پر گواہی دی کافی ہے یہ ضرور نہیں کہ ہر گواہ کے جُدا جُدا دو گواہ ہوں، اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک اصل خود آ کر گواہی دے اور دوسرا گواہ اپنی گواہی پر دو گواہ جُدا گانہ کر بھیجے، ہاں یہ جائز نہیں کہ ایک گواہ اصل کے دو گواہ ہوں اور انہیں دونوں میں سے ایک خود اپنی شہادت ذاتی بھی دے۔

شہادۃ علی الشہادۃ میں یہ بھی ضرور ہے کہ اُس کے مطابق حکم ہونے تک، گواہانِ اصل بھی اہلیتِ شہادت پر باقی رہیں اور شہادت کی تکذیب نہ کریں مثلاً گواہانِ فرع نے ابھی گواہی نہ دی یا دی اور اس پر ہنوز حکم نہ ہوا تھا کہ گواہانِ اصل سے کوئی گواہ اندھا یا گونگا یا مجنون یا معاذ اللہ مرتد ہو گیا یا کہا کہ میں نے ان گواہوں کو اپنی شہادت کا گواہ نہ کیا تھا یا غلطی سے گواہ کر دیا تھا تو یہ شہادت باطل ہو جائے گی۔

طریقِ سوم: شہادۃ علی القضاء یعنی دوسرے کسی اسلامی شہر میں حاکمِ اسلام قاضیِ شرع کے حضور رؤیتِ ہلال پر شہادتیں گزریں اور اُس نے ثبوتِ ہلال کا حکم دیا، دو شاہدانِ عادل اس گواہی و حکم کے وقت حاضرِ دارُ القضاء تھے، انہوں نے یہاں حاکمِ اسلام قاضیِ شرع یا وُہ نہ ہو تو مفتی کے حضور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں ہمارے سامنے فلاں شہر کے فلاں حاکم کے حضور فلاں ہلال کی نسبت فلاں دن کی شام کو ہونے کی گواہیاں گزریں اور حاکم موصوف نے اُن گواہیوں پر ثبوتِ ہلالِ مذکور شام فلاں روز کا حکم دیا۔

طریقِ چہارم: کتابُ القاضی اِلی القاضی یعنی قاضیِ شرع جسے سلطانِ اسلام نے فصلِ مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے

شرعی گواہی گزری اُس نے دوسرے شہر کے قاضیِ شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادتِ شرعیہ قائم ہُوئی اور اُس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام و نشان پُورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو اور وُہ خط دو گواہانِ عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضیِ فلاں شہر کے نام ہے وُہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اُس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لیے کافی سمجھے تو اس پر عمل کرسکتا ہے (اور بہتر یہ ہے کہ قاضیِ کاتب خط لکھ کر ان گواہوں کو سُنا دے یا اس کا مضمون بتادے اور خط بند کرکے اُن کے سامنے سربمہر کردے، اور اَولٰی یہ کہ اُس کا مضمون ایک کُھلے ہُوئے پرچے پر الگ لکھ کر بھی ان شہود کو دے دے کہ اُسے یاد کرتے رہیں یہ آ کر مضمون پر بھی گواہی دیں کہ خط میں یہ لکھا ہے اور سربمہر خط اس قاضی کے حوالہ کریں یہ زیادہ احتیاط کے لیے ہے ورنہ خیر اُسی قدر کافی ہے کہ دو مرد وں یا ایک مرد دو عورتیں عادل کو خط سپرد کرکے گواہ کرلے اور وُہ باحتیاط یہاں لاکر شہادت دیں) بغیر اس کے اگر خط ڈاک میں ڈال دیا یا اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا تو ہرگز مقبول نہیں اگرچہ وُہ خط اُسی قاضی کا معلوم ہوتا ہو اور اس پر اس کی اور اس کے محکمۂ قضا کی مہر بھی لگی ہو (اور یہ بھی ضرور ہے کہ جب تک یہ خط قاضی مکتوب الیہ کو پہنچے اور وہ اُسے پڑھ لے اُس وقت تک کاتب زندہ رہے اور معزول نہ ہو ورنہ اگر خط پڑھے جانے سے پہلے مرگیا یا برخاست ہوگیا تو اس پر عمل نہ ہوگا اور بحالتِ زندگی یہ بھی ضرور ہے کہ جب تک مکتوب الیہ اس خط کے مطابق حکم نہ کرلے اُس وقت تک کاتب عہدۂ قضا کا اہل رہے ورنہ اگر حکم سے پہلے کاتب مثلاً مجنوں یا مرتد یا اندھا ہوگیا تو بھی خط بیکار ہوجائے گا۔

طریق پنجم: اِستفاضہ یعنی جس اسلامی شہر میں حاکمِ شرع قاضیِ اسلام ہو کہ اَحکامِ ہلال اُسی کے یہاں سے صادر ہوتے ہیں اور خود عالم اور اِن اَحکام میں علم پر عامل و قائم یا کسی عالمِ دین محقق معتمد پر اعتماد کا ملتزم و ملازم ہے یا جہاں قاضیِ شرع نہیں تو مفتیِ اسلام مرجعِ عوام و متبع الاحکام ہو کہ احکامِ روزہ و عیدین اُسی کے فتوے سے نفاذ پاتے ہیں عوام کالانعام بطورِ خود عید و رمضان نہیں ٹھہرا لیتے وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بر بنائے رؤیت روزہ ہُوا یا عید کی گئی مجرد بازاری اَفواہ کہ خبر اُڑ گئی اور قائل کا پتا نہیں پُوچھے تو یہی جواب ملتا ہے کہ سُنا ہے یا لوگ کہتے ہیں، یا بہت پتا چلا تو کسی مجہول کا انتہا درجہ، منتہائے سند دو ایک شخصوں کے محض حکایت کہ اُنہوں نے بیان کیا اور شُدہ شُدہ شائع ہوگئی، ایسی خبر ہرگز اِستفاضہ نہیں بلکہ خود وہاں کی آئی ہُوئی متعدد جماعتیں درکار ہیں جو بالاتفاق وُہ خبر دیں، یہ خبر اگرچہ نہ خود اپنی رؤیت کی شہادت ہے نہ کسی شہادت پر شہادت، نہ بالتصریح قضائے قاضی پر شہادت، نہ کتابِ قاضی پر شہادت، مگر اس مستفیض خبر سے بالیقین یا بہ غلبۂ ظن ملتحق بالیقین وہاں رؤیتِ صوم و عید کا ہونا ثابت ہوگا اور جبکہ وُہ شہر اسلامی اور اَحکام وحُکّام کی وہاں پابندی دوامی ہے تو ضرور مظنون ہوگا کہ امر بحکم واقع ہُوا تو اس طریق سے قضائے قاضی کہ حجتِ شرعیہ ہے ثابت ہوجائے گی اور یہیں سے واضح ہُوا کہ تاریک شہر جہاں نہ کوئی قاضیِ شرع نہ مفتیِ اسلام، یا مفتی ہے مگر نااہل جسے خود احکامِ شرع کی تمیز نہیں، جیسے آج کل کے بہت مدعیانِ خام کار، خصوصاً وہابیہ، خصوصاً غیر مقلدین وغیرہم فُجّار، یا بعض سلیم الطبع سنّی ناقص العلم ناتجربہ کار، یا مفتی محقق معتمد عالم مستند ہے مگر عوام خود سر، اس کے منتظرِ احکام نہیں، پیش خویش اپنے قیاساتِ فاسدہ پر جب چاہیں عید و رمضان قرار دے لیتے ہیں، ایسے شہروں کی شہرت بلکہ تواتر بھی اَصلاً قابلِ قبول نہیں کہ اس سے کسی حجتِ شرعیہ کا ثبوت نہ ہُوا۔

طریقِ ششم: اِکمالِ عدّت یعنی جب ایک مہینہ کے تیس ۳۰ دن کامل ہو جائیں تو ماہِ متصل کا ہلال آپ ہی ثابت ہو جائے گا اگر چہ اس کے لیے رویت شہادت حکم استفاضہ وغیرہ کچھ نہ ہو کہ مہینہ تیس ۳۰ سے زائد کا نہ ہونا یقینی ہے۔

یہ طریقہ صفائی مطلع کی حالت میں کافی ہے اگر چہ ہلال نظر نہ آئے جبکہ گزشتہ ہلال رؤیتِ واضحہ یا دو گواہانِ عادل کی شہادت سے ثابت ہولیا ہو، ہاں اگر ایک گواہ کی شہادت پر ہلالِ رمضان مان لیا اور اُس حساب سے تیس دن آج پُورے ہو گئے اور اب مطلع روشن ہے اور عید کا چاند نظر نہیں آتا تو یہ اِکمالِ عدّت کافی نہ ہوگا بلکہ صبح ایک روزہ اور رکھیں کہ اگلے ہلال کا ثبوت حجتِ تامہ سے نہ تھا اور باوصف صفائیِ مطلع تیس کے بعد بھی چاند نظر نہ آنا صاف گواہ ہے کہ اس گواہ نے غلطی کی اور جبکہ وہ ہلال حجتِ تامہ دو گواہانِ عادل سے ثابت تھا تو آج بوصفِ صفائیِ مطلع (چاند) نظر نہ آنا اس پر محمول ہوگا کہ ہلال بہت باریک ہے اور کوئی بخار قلیلُ المقدار خاص اُسی کے سامنے حاجب ہے جسے صفائیِ عامہ اُفق کے سبب نظر صفائیِ مطلع گمان کرتی ہے یا اس کے سوا کوئی اور مانعِ خفی خلافِ معتاد ہے، ہاں اگر آج اَبر غبار ہے تو مطلقاً تیس پُورے کرکے عید کرلیں گے اگر چہ ہلالِ رمضان ایک ہی شاہد کی شہادت سے مانا ہو کہ اب اس کی غلطی ظاہر نہ ہُوئی۔

طریقِ ہفتم: علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے توپیں سُننے کو بھی حوالیِ شہر کے دیہات والوں کے واسطے دلائلِ ثبوتِ ہلال سے گنا۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی وہی شرائط مشروط ہوں گے کہ اسلامی شہر میں حاکمِ شرع معتمد کے حکم سے انتیس کی شام کو توپوں کے فائر صرف بحالتِ ثبوتِ شرعی رؤیتِ ہلال ہوا کرتے ہوں کسی کے آنے جانے کی سلامی وغیرہ کا اَصلاً اِحتمال نہ ہو ورنہ شہر اگر چہ اسلامی ہو مگر وہاں اِحکامِ شرعیہ کی قدر نہیں اَحکام جہال بے خرد یا نیچری رافضی وغیرہم بدمذہبوں کے حوالے ہیں جنہیں نہ قواعدِ شرعیہ معلوم نہ اُن کے اِتباع کی پروا، اپنی رائے ناقص میں جو آیا اس پر حکم لگا دیا، توپیں چل گئیں، تو ایسی بے سروپا باتیں کیا قابلِ لحاظ ہوسکتی ہیں کما لا یخفی، پھر جہاں کی توپیں شرعاً قابلِ اعتماد ہوں اُن پر عمل اہلِ دیہات ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عند التحقیق خاص اس شہر والوں کو بھی اُن پر اعتماد سے مفر نہیں کہ حاکمِ شرع کے حضور شہادتیں گزرنا اُس کا اُن پر حکم نافذ کرنا ہر شخص کہاں دیکھتا سُنتا ہے بحکمِ حاکمِ اسلام اِعلانِ عام کے لیے ایسی ہی کوئی علامتِ معہودہ معروفہ قائم کی جاتی ہے جیسے توپوں کے فائر یا ڈھنڈورا وغیرہ۔

اقول: یہیں سے ظاہر ہوا کہ ایسے اسلامی شہر میں منادی پر بھی عمل ہوگا حتی کہ اس کی عدالت بھی شرط نہیں جبکہ معلوم ہو کہ بے حکمِ سلطانی ایسا اِعلان نہیں ہوسکتا۔ ص 405 تا 420

تنبیہ: ہلالِ غیرِ رمضان وشوال کے بارے میں

جہاں دوسرے شہر کی رؤیت سے یہاں حکم ثابت کیا جائے جیسے دوم سے پنجم تک چار طریقوں میں اُن کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر وُہ دوسرا شہر اس شہر سے اس قدر مغرب کو نہ ہٹا ہو جس کے باعث رؤیتِ ہلال میں اختلاف پڑ سکے جب تو وہ طریقے ہر ہلال میں کام دیں گے ورنہ غیرِ رمضان وشوال میں معتبر نہ ہوں گے یعنی اگر وہ شہر اس شہر سے اتنا غربی ہے جس کی مقدار بعض علماء نے یہ رکھی ہے کہ بہتر میل یا زیادہ اُس کا طول اس کے طول شرقی سے کم ہو اور وہاں کی رؤیت ہلالِ ذی الحجہ پر مثلاً شہادت یا شہادت علی الشہادت یا شہادت علی القضا گزری یا کتاب القاضی یا خبر متواتر آئی تو یہاں

اس پر عمل نہ ہوگا بلکہ اپنے ہی شہر یا اس کے قریب مواضع یا شرقی بلاد سے اگرچہ کتنے ہی فاصلے پر ہوں ثبوت آنے پر مدار رکھیں گے، اور نہ ملا تو تیس کی گنتی پُوری کریں گے۔ ص 421

اقول: مگر صحیح اس کے خلاف ہے کلامِ علماء صاف مطلق وعام اور اس تخصیص میں بوجوہ کلام۔ ص 422

خیالاتِ عوام کا حصر کیا ہو مگر آج کل جہّال میں غلط طریقے جو زیادہ رائج ہیں وُہ بھی سات ہیں:

یکم: حکایتِ رؤیت، **دوم:** اَفواہ، **سوم:** خطوط و اخبار، **چہارم:** تار، یہ خط سے بھی زیادہ بے اعتبار، **پنجم:** جنتریوں کا بیان، **ششم:** قیاسات وقرائن، **ہفتم:** کچھ اِستقرائی کچھ اِختراعی قاعدے۔ ص 426

ششم قیاسات وقرائن: مثلاً چاند بڑا تھا روشن تھا دیر تک رہا تو ضرور کل کا تھا، آج بیٹھ کر نکلا تو ضرور پندرھویں ہے، اٹھائیسویں کو نظر آیا تھا مہینہ تیس کا ہوگا، اٹھائیسویں کو بہت دیکھا نظر نہ آیا مہینہ انتیس کا ہوگا۔ یہ قیاسات تو حسابات کی وقعت بھی نہیں رکھتے، پھر ان پر عمل محض جہل وزلل۔

حدیث میں ہے حضور پُرنُور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: قُربِ قیامت کی علامات سے ہے کہ ہلال پُھولے ہوئے نکلیں گے۔ یعنی دیکھنے میں بڑے معلوم ہوں گے۔ (ت)

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: علاماتِ قیامت سے ہے کہ چاند بے تکلف نظر آئے گا کہا جائے گا دو ۲ رات کا ہے۔ (اسے طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)۔ ص 428

ہلالِ رمضان مبارک یا عیدین اگر دس یا پانچ آدمیوں مسلمانوں نے مشاہدہ کیا اور کُل ناقصانِ شرعی ہیں، محلوق اللحیہ ہے کوئی قصر اللحیہ، کوئی ستر کشادہ رکھتا ہے کسی کی عورت بلا حجاب پیشِ اجانب جاتی ہے، کوئی سُود لیتا ہے کوئی کذب وغیبت میں مبتلا رہتا ہے، کوئی اور منہیات میں۔ لیکن وہ سب معاملات میں ایسے ثقہ ہیں کہ مفتی کو ان کی شہادت پر یقینِ تام ہوتا ہے کہ اس امرِ خاص یعنی شہادتِ مسلمان میں یہ لوگ کاذِب نہیں اس صورت میں روزہ رمضان شریف کا فرض ہوگا یا نہیں؟ اور نمازِ عید درست ہوگی یا نہیں؟ اور مفتی کو ایسے لوگوں کی شہادت باوجودِ یقین اہلِ شہر پر فرضیتِ صوم کا حکم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صحیح یہ ہے کہ مسلمان اگرچہ فاسق ہو اہلِ شہادت ہے مگر اس کی شہادت قبول کرنی ناجائز ہے ماسوا اُس حالت کے کہ اُس کے بارے میں کہ حاکم کو تمرّیِ صدق ہو کہ یہ بھی تبین میں داخل ہے۔

جب مفتی اہلِ فتوٰی کو ان کے بارے میں تمرّیِ صدق ہو تو اُس کا حکم حجتِ شرعیہ ہے، رمضان وفطر واجب ہو جائیں گے اور اس کے حکم کے بعد عوام میں کسی کو خلاف کی گنجائش نہ ہوگی۔ ص 446

۲۹ شعبان کو غروبِ آفتاب کے بعد ہلالِ رمضان کی تلاش فرض کفایہ ہے۔

فرض کفایہ، یعنی سب ترک کریں تو سب گنہگار، اور بعض بقدر کفایت کریں تو سب پر سے اُتر جائے، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ شاید شعبان ۲۹ کا ہو جائے تو کل سے رمضان ہے۔ اگر چاند کا خیال نہ کیا تو عجب نہیں کہ ہو جائے اور یہ بے خبر رہیں۔ تو کل شعبان سمجھ کر ناحق رمضان کا روزہ جائے۔

یوں ہی ۲۹ رمضان کو ہلال عید کی (تلاش فرض کفایہ ہے)۔

اگر چاند ہو گیا اور نہ دیکھا تو نادانستہ عید کے دن روزۂ حرام میں مبتلا ہوں گے۔

۲۹ ذیقعدہ کو ہلالِ ذی الحجہ کی تلاش بھی ضروری ہے۔

اَقول: یہ یوں ضروری ہوا کہ حج و نمازِ عید و قربانی و تکبیراتِ تشریق کے اوقات جاننے اسی پر موقوف ہیں، تو اس کی تلاش عام لوگوں پر واجبِ کفایہ ہونی چاہئے اور اہلِ موسم پر فرضِ کفایہ کہ وہاں بے خیالی میں چاند ۲۹ کا ہو گیا اور بنا رکھا ۳۰ کا، تو وقوفِ عرفہ کہ حج کا فرضِ اَعظم رُکنِ اکبر ہے، اپنے وقت سے باہر یوم النحر میں واقع ہوگا اور عام لوگوں کو کسی فرض میں خلل کا اندیشہ نہیں، پر واجبات میں دِقّت آئے گی، مثلاً کسی ضرورت سے نمازِ عید کی تاخیر بارھویں تک چاہی تو یہ جسے بارہویں سمجھے ہیں وُہ تیرہویں ہے۔ اور ایّام نماز کہ ایامِ نحر تھے گزر چکے، نماز بے وقت ہوئی، بہت لوگ بارہویں کو قربانی کرتے ہیں، ان کی قربانیاں بے وقت ہوں گی، عرفہ کی صبح سے ہر نماز کے بعد تکبیر واجب ہوتی ہے، واقع میں جو عرفہ ہے یہ اُسے آٹھویں جان کر تکبیریں نہ کہیں گے۔

۲۹ رجب کو ہلالِ شعبان، ۲۹ شوال کو ہلالِ ذیقعدہ کی بھی تلاش کریں۔

ہلالِ شعبان کی تلاش کا حکم خود حدیث میں ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ جب رمضان کا چاند بوجہِ اَبر نظر نہیں آتا تو حکم ہے کہ شعبان کی گنتی تیس پُوری کرلیں۔ جب شعبان کا چاند بہ تحقق نہ معلوم ہوگا تو اس کی گنتی پر کیا یقین ہو سکے گا۔

یُوں ہی اگر ذی الحجہ کا چاند نظر نہ آئے تو ذیقعدہ کی گنتی تیس رکھیں گے، اور وہی بات یہاں پیش آئے گی۔ ص449

لوگ تین قسم ہیں: (۱) عادل (۲) مستور (۳) فاسق

عادل وُہ مرتکبِ کبیرہ (عــہ ۱)[1] یا خفیفُ (عــہ ۲)[2] الحرکات نہ ہو۔

اور **مستور** پوشیدہ حال جس کی کوئی بات مسقطِ شہادت معلوم نہیں۔

اور **فاسق** جو ظاہر اًبداَفعال ہے۔

عادِل کی گواہی ہر جگہ مقبول ہے اور مستور کی ہلالِ رمضان میں، اور فاسق کی کہیں نہیں۔ پر بعض روایات کے بعض الفاظ بظاہر اس طرف جاتے ہیں کہ رمضان میں فاسق کی شہادت بھی سُن لیں۔ ممکن ہے کہ اُس شہر کا حاکمِ شرع یہی خیال رکھتا ہو، اگرچہ محققین نے اِسے رَد کر دیا۔ تو جس فاسق کو معلوم ہو کہ یہاں کے حاکم کا یہ مسلک ہے اس پر بیشک گواہی دینی واجب ہوگی ورنہ نہیں، اور رمضان میں جبکہ عادل و مستور کا ایک حکم ہے، تو اِس وجوب میں بھی یکساں رہیں گے۔ رہا عادِل، جب وُہ دائمُ المقبول ہے تو اُس پر وجوب بھی مطلقاً ہے یعنی رمضان ہو خواہ عید الفطر خواہ عید الاضحیٰ۔ ص452

ہلال کی گواہی دینا کب واجب ہے؟

ہلال دیکھنے والے عادل پر مطلقاً اور مستور پر رمضان میں، اور فاسق پر جب سمجھے کہ حاکم میری گواہی مان لے گا، واجب

---

[1]: عــہ ۱: **قلتُ: مرتکبِ کبیرہ نہ ہو، اَقول:** ارتکابِ کبیرہ میں اِصرارِ صغیرہ بھی آ گیا کہ صغیرہ اِصرار سے کبیرہ ہو جاتا۔

[2]: عــہ ۲: **قلتُ** خفیف الحرکات نہ ہو جیسے بازار میں کھاتے پھرنا یا شارعِ عام چلنے پر راہ میں پیشاب کو بیٹھنا ۱۲ (م)

ہے کہ رمضان وعید الفطر میں اسی شب، اور ذی الحجہ میں آٹھویں تک حاکمِ شرع کے پاس حاضر ہو کر رؤیت پر گواہی دے۔

یہاں تک کہ زنِ پردہ نشین نکلے اگرچہ شوہر اذن نہ دے، اگرچہ کنیز اجازتِ مولیٰ نہ پائے۔ اگر سمجھیں کہ ثبوتِ رؤیت ہم پر موقوف ہے ورنہ یہ نکلنا ناجائز ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب خاص اِنہی لوگوں پر گواہی متعین ہو ورنہ پردہ نشین کو جانا یا عورت کو بے اذنِ شوہر یا غلام و کنیز کو بے اجازتِ مولیٰ نکلنا رَوا نہیں۔

جہاں ریاستیں اسلامی ہیں اُن بلاد میں جو عالمِ دین سُنّی المذہب سب سے زیادہ علمِ فقہ رکھتا ہو وہ بحکمِ شرع سردارِ مسلمانان ہے، مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنی دینی باتوں میں اُسی کی طرف رجوع کریں اور اُس کے فتووں پر عمل کریں، تو چاند دیکھنے پر بھی واجب ہے کہ اُس شب اُس کے حضور حاضر ہو کر ادائے شہادت کرے۔ ص454

حاکمِ شرعی سلطانِ اسلام یا قاضی مُوَلّٰی مِنْ قِبَلِہٖ ہے، یا امورِ فقہ میں فقیہ بصیر اَفقہ بلد، نہ آج کل کے عام مولوی۔ **آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا نہ کہ واعظ جسے سوائے طلاقتِ لسان کوئی لیاقتِ جہاں درکار نہیں**، خصوصاً جبکہ خاص مسائل رؤیتِ ہلال میں جمیع ائمہ سے تفرد ہو۔ ص442

تنبیہ: آج کل اسلامی ریاستوں میں بھی قُضاۃ و حُکّام اکثر بے علم ہوتے ہیں، تو عالمِ دین اُن پر بھی مقدّم۔ اور وقتِ اختلاف فتوئ عالم پر ہی عمل واجب۔

تنبیہ: علمِ دین فقہ و حدیث ہے منطق و فلسفہ کے جاننے والے علماء نہیں، یہ امور متعلق بہ فقہ ہیں، تو جو فقہ میں زیادہ ہے وہی بڑا عالمِ دین ہے، اگرچہ دُوسرا حدیث و تفسیر سے زیادہ اِشتغال رکھتا ہو، پھر بھی عالمِ دین نہ ہوگا مگر سنی المذہب کہ فاسد العقیدہ جہلِ مرکب میں گرفتار جو جہلِ بسیط سے ہزار درجہ بدتر، خصوصاً غیر مقلدین کہ فقہ و فتوی میں ان پر اعتماد تو ایسا ہے جیسے چور کو پاسبان بنانا۔

جہاں کوئی عالم بھی نہ ہو مجمعِ مسلمین مثلاً مسجدِ جامع وغیرہ میں گواہی دیں۔

قلت: خاص مسجد کا ذکر اس لیے کہ وُہ محلِ اجتماع ہے اور مقصود اِعلان ہوتا ہے تاکہ اعلان ایسی جگہ ہو جائے جہاں لوگ جمع ہوں، جیسا کہ مخفی نہیں (ت)

جو بلا عُذر گواہی دینے میں تاخیر کریگا پھر کہے گا میں نے دیکھا تھا اُس کی گواہی مردود ہوگی۔

عذر کی صورت یہ کہ مثلاً شہر میں نہ تھا، دیہات میں دیکھا، وہاں سے اب آیا ہے، تو اس کی گواہی سُن لیں گے، اور تاخیر سے وہی مراد کہ وقتِ حاجت کے بعد پھر نہ اُٹھا رکھے ہلالِ رمضان و عید الفطر میں پہلی ہی شب ہے۔

جب چاند پر نظر پڑے اور دیکھنے والوں کی گواہی کفایت نہ کرتی ہو، فوراً جہاں تک بن پڑے ایسے مسلمانوں کو دکھا دیں، جن کی گواہی کافی ہو، اور ویسے بھی دکھا دینا چاہئے کہ کثرت بہرحال بہتر ہے۔ **اَقُول:** اگر مطلع صاف نہیں، دفعتاً اَبر ہٹا اور اسے چاند نظر پڑا، اب یہ اس قابل نہیں کہ اس کی گواہی مسموع ہو، خواہ فاسق ہے یا مستور یا اکیلا یا صرف عورتیں یا غلام ہیں اور ہلال ہلالِ عیدین تو ان لوگوں کا دیکھنا کافی نہ ہوگا۔ اور عجب نہیں کہ اَبر پھر آجائے۔ لہٰذا نہایت تعجیل کر کے ایسے معتمد مسلمانوں کو دِکھا دے جن کی گواہیاں کفایت کر جائیں۔ قال اللہ تعالٰی {تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى} (اللہ تعالٰی کا فرمانِ مبارک ہے۔ نیکی اور تقوٰی پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ ت) اِس صورت میں تو بشرطِ قدرت معتمدین کو دِکھانا لازم ہونا چاہئے،

اور اگر ایسا نہیں بلکہ خود ان کی گواہی بس ہے، تاہم اوروں کا دِکھانا اچھا ہی ہے کہ کثرتِ شہود بہر حال بہتر ہے عجب کیا کہ یہ اپنے نزدیک اپنی گواہی کافی سمجھیں اور حاکمِ شرع کو کسی وجہ سے اِعتبار نہ آئے تو اور شہود کی حاجت پڑے (بندہ نے یہ تمام بطورِ استنباط کہا ہے اور امید ہے یہ اِن شاءاللہ درست ہوگا (ت)۔

جس شام احتمالِ ہلال ہو جب تک حکمِ حاکمِ شرعی یا فتویٰ عالمِ دین نہ ہو ہرگز ہرگز کسی وجہ سے بندوقیں یا آواز کی آتش بازی اپنے دُنیوی کاموں کے لیے بھی ہرگز نہ کریں۔

اِصطلاح یُوں ٹھہری ہُوئی ہے کہ جہاں اسلامی ریاست ہے بعد تحقیقِ ہلال توپ کے فَیر ہوتے ہیں اور شہروں میں بندوقیں یا ہوائیاں وغیرہ چھوڑتے ہیں، اب اگر ثبوتِ شرع ہوگیا اور حاکمِ شرع نے بھی حکم دے دیا جب تو یہ فعل مستحسن ہے کہ ایک نیتِ صالحہ سے کیا جاتا ہے اور آتشبازی کا ناجائز ہونا بوجہِ اِضاعتِ مال تھا، یہاں جاری نہیں کہ بعد غرضِ محمود کے اِضاعت کہاں۔ ورنہ دو ۲ صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اعلانِ ہلال کے سوا اور کسی وجہ سے یہ فعل کریں، مثلاً دوست کے گھر بیٹا پیدا ہُوا، بندوقیں سرکیں، یا خالی بیٹھے مال ضائع کرنا چاہا، ہوائیاں، ناٹریاں، تومڑیاں چھوڑیں۔ یہ ممنوع ہے کہ اس میں مسلمانوں کو دھوکا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جاہلوں نے جو اپنے جاہلانہ مسئلوں سے بے حکمِ حاکم و فتوٰیٔ عالم اپنے نزدیک رؤیت کی خبر ٹھیک جان کر پٹاخہ بازی شروع کردی۔ اور یہ بھی زیادہ ناجائز و حرام ہے کہ منصبِ رفیع شرع پر جرأت ہے۔ص455

ہلال دیکھ کر اس کی طرف اشارہ نہ کریں کہ افعالِ جاہلیت سے ہے، ہلال دیکھ کر منہ پھیر لے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ شر کی چیز ہے۔ اَقول: یا یہ کہ کفار نے اُس کی عبادت کی اور شرع میں اُسے دیکھ کر اللہ جل جلالہُ سے دُعا کرنی آئی، تو پسندیدہ ہُوا کہ منہ پھیر کر کی جائے تاکہ کفار سے مشابہت نہ لازم آئے۔ص458

حدیث میں رؤیتِ ہلال کی بہت دُعائیں آئیں، بعض حصنِ حصین میں مذکور ہیں۔ فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ جہاں تک اس وقت اپنی نظر میں ہیں تمام ادعیہ حدیث کو مع اشارہ رموزِ مخرجین جمع کرتا ہے وباللہ التوفیق:

(می) اللہ اکبر اللہ اکبر الحمد للہ لا حول ولا قوۃ اِلّا باللہ اللھم انی اسئلک من خیر ھذا الشھر و اعوذبک من شرّ القدر ومن شر یوم المحشر (می) اللہ اکبر اللہ اکبر، الحمد للہ، برائی سے پھرنے اور نیکی کی طاقت اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر نہیں۔ اے اللہ میں تجھ سے اس ماہ میں خیر مانگتا ہوں اور شرِ تقدیر اور شرِ قیامت سے تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ (ت) ص459

* چاند پر جب کبھی نظر پڑے تو اس کے شر سے پناہ مانگے۔ص461

رؤیتِ ہلال میں اہلِ ہیئت کی بات کا کچھ اعتبار نہیں

اہلِ ہیئت کی بات کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ عادل ہوں اگرچہ کثیر ہوں، نہ ہی خود اس پر عمل جائز۔

اہلِ ہیئت وُہ لوگ جو آسمانوں کے حال اور ستاروں کی چال سے بحث کرتے ہیں، وُہ اپنے حساب سے بتاتے ہیں کہ فلاں دن رؤیت ہوگی فلاں مہینہ انتیس ۲۹ کا ہوگا فلاں تیس ۳۰ کا۔ پھر اُن کی بات کہ ایک حساب ہے ٹھیک بھی پڑتی ہے، پر صحیح

مذہب میں اُس کا کچھ اعتبار نہیں اگر چہ وُہ ثقہ عادِل ہوں، اگر چہ اُن کی جماعت کثیر یک زبان ایک ہی بات پر اتفاق کرے۔

تنبیہ: اس مسئلہ کے یہ معنی ہیں کہ جو بات وہ بطورِ ہیئت کہیں مقبول نہیں ورنہ اگر شہادتِ رؤیت ادا کریں تومثل اور لوگوں کے ہیں، جن شرائط سے اوروں کی گواہی سُنی جاتی ہے اُن کی بھی گواہی قبول ہوگی، پھر اُن کا قابلِ شہادت ہونا جبھی ہے کہ ہیئت و نجوم کی خلافِ شرع باتوں پر اعتقاد نہ کرتے ہوں صرف صناعی طور پر آسمان کی گردشوں، ستاروں کی چالوں، طلوع وغروب، جوع واستقامت، بطؤ وسرعت، قِران، تسدیس تربیع، تثلیث، مقابلہ، اجتماع وغیرہ سے بحث کرتے ہوں، ورنہ مثلاً امورِ غیب پر احکام لگانا، سعد ونحس کے خرخشے اٹھانا، زائچہ کے راہ پر چلنا چلانا، اوتاد اربع، طالع رابع، عاشر، سابع پر نظر رکھنا زائلہ مائلہ کو جانچنا پرکھنا، شرعاً ہجر ہے۔ اور اعتقاد کے ساتھ ہوتو قطعاً کفر، **والعیاذباللہ رب العالمین**۔ اسی قبیل سے ہے ان کا کہنا کہ فلاں دن رؤیت واجب ہے فلاں دن محال۔ اگر وجوب واستحالہ عادی مراد لیتے ہیں تو خیر کہ سنۃ اللہ کے لئے تبدیل نہیں، ورنہ حقیقی وعقلی کا قصد معاذ اللہ کُھلا ہوا کفر ہے۔

اَعَاذَنَااللہُ بِمَنِّہِ الْعَظِیْمِ اٰمین (اللہ تعالیٰ اپنے بڑے احسان پر ہمیں محفوظ رکھے، آمین۔ت)۔ص 461

مُفسِدَاتِ صَوم (روزۃ توڑ دینے والی اشیاء)

روزہ تین باتوں سے جاتا ہے (۱) جماع اگر چہ اِنزال نہ ہو، اور (۲) مَس جبکہ اِنزال ہو، اور (۳) باہر سے کوئی چیز جوف میں اس طرح داخل ہو کہ باہر اُس کا علاقہ نہ رہے مثلاً ڈورے میں بوٹی باندھ کر نگل لی اور ڈور باہر ہے تو اگر اُسے نکال لے گا روزہ نہ جائے گا اور اگر ڈور باہر نہ رہی یا نکالنے میں بوٹی یا اس کا کچھ حصہ جوف میں رہ گیا تو روزہ جاتا رہا۔ص 486

*** دُھواں یا غبار حلق یا دماغ میں آپ چلا جائے کہ روزہ دار نے بِالقصد اُسے داخل نہ کیا ہو تو روزہ نہ جائے گا اگر چہ اس وقت روزہ ہونا یاد تھا۔ص 490**

ہاں اگر صائم اپنے قصد وارادہ سے اگر یا لوبان خواہ کسی شَے کا دُھواں یا غبار اپنے حلق یا دماغ میں عمداً بے حالتِ نسیانِ صوم داخل کرے، مثلاً بخور سلگائے اور اسے اپنے جسم سے متصل کر کے دُھواں سُونگھے کہ دماغ یا حلق میں جائے تو اس صورت میں روزہ فاسد ہوگا۔ص 492

پانی جوف کے اندر مسام کے سِوا منافذ سے پہنچے تو روزہ ٹوٹ جائے گا

پانی بدن کے اُوپر ہونے سے روزہ جائے تو نہانے سے بھی جائے، وضو سے بھی جائے۔ ہاں جوف کے اندر مسام کے سوا منافذ سے پہنچے تو روزہ جائے گا مگر غوطے میں ایسا نہیں، غوطہ لگا کر کھلے ہُوئے منفذ نتھنوں کو دیکھئے کہ ان میں بھی پانی نہیں پہنچتا اور سُرمہ بھی ہر وقت لگانے کی اِجازت ہے اور لگا کر سو بھی سکتا ہے اور سونے سے بھی کھکھار میں سُرمہ کی رنگت آجائے تو کچھ حرج نہیں کہ یہ مسام سے پہنچا۔۔۔ روزہ دار خوشبو سُونگھ سکتا ہے، سُونگھنے سے جس کے اجزاء دماغ میں نہ چڑھیں بہ خلاف اگر لوبان کے دُھوئیں کے کہ اسے سونگھ کر دماغ کو چڑھ جائے گا تو روزہ جاتا رہے گا۔ روزہ دار سر میں روغن (تیل) ڈال سکتا ہے، کہ یہ بھی مسام میں کوئی منفذ نہیں۔ بدن پر بھی روغن مل سکتا ہے مل کر خوب جذب کر سکتا ہے۔ روزہ دار کو ناس لینا حرام ہے اُس کا کوئی ذرّہ دماغ کو

پہنچا تو روزہ جاتا رہے گا۔مسواک کرنا سنّت ہے، ہر وقت کرسکتا ہے، اگرچہ تیسرے پہر یا عصر کو، چبانے سے لکڑی کے ریزے چھوٹیں یا مزہ محسوس ہو تو نہ چاہئے۔خلال کرنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں مگر رات کا دانتوں میں کچھ بچا رکھنا نہ چاہئے جسے دن کو خلال سے نکالے، ہاں سحری کھا کر فارغ ہُوا تھا کہ صبح ہوگئی تو اب ہی خلال کرے گا اس کا حرج نہیں، روزہ میں منجن مَلنا نہ چاہئے۔ص511

*** روزہ دار کو یہ بہتر تو ہے کہ استنجا کرنے میں اوپر سانس بقوت نہ لے مگر اس قدر سے روزہ نہ جائے گا، نہ مطلقاً پانی چڑھنے سے جب تک پانی موضعِ حقنہ تک نہ پہنچے، اور ایسا ہوگا تو درد شدید پیدا ہوگا۔(جلد23،ص680)**

رمضان مبارک میں اگر کسی وجہ سے روزہ نہ ہو تو غیرِ معذورِ شرعی کو دن بھر روزہ کی طرح رہنا واجب اور کھانا پینا حرام

رمضان مبارک میں اگر کسی وجہ سے روزہ نہ ہو تو غیرِ معذورِ شرعی کو دن بھر روزہ کی طرح رہنا واجب اور کھانا پینا حرام، ایک بجے کھانا کھالیا یہ دوسرا گناہ ہوا، توبہ فرض ہے **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ایک روزہ کی قضا ایک ہی ہے ساٹھ کا حکم کفارہ میں ہے کہ کسی نے بلا عذرِ شرعی رمضانُ المبارک کا ادا روزہ جس کی نیت رات سے کی تھی بالقصد کسی غذا یا دوا یا نفع رَساں شئی سے توڑ ڈالا اور شام تک کوئی ایسا عارضہ لاحق نہ ہوا جس کے باعث شرعاً آج روزہ رکھنا ضرور نہ ہوتا تو اُس جُرم کے جرمانہ میں ساٹھ روزے پے در پے رکھنے ہوتے ہیں ویسے جو روزہ نہ رکھا ہو اس کی قضا صرف ایک روزہ ہے۔ص519

بَابُ الْفِدْيَة

روزہ کا فدیہ دینا کس شخص کے لئے جائز ہے؟

بعض جاہلوں نے یہ خیال کرلیا ہے کہ روزہ کا فدیہ ہر شخص کے لئے جائز ہے جبکہ روزے میں اسے کچھ تکلیف ہو، ایسا ہرگز نہیں، فدیہ صرف شیخِ فانی کے لیے رکھا ہے جو بہ سببِ پیرانہ سالی حقیقۃً روزہ کی قدرت نہ رکھتا ہو، نہ آئندہ طاقت کی امید کہ عمر جتنی بڑھے گی ضُعف بڑھے گا اُس کے لیے فدیہ کا حکم ہے، اور جو شخص روزہ خود رکھ سکتا ہو اور ایسا مریض نہیں جس کے مرض کو روزہ مضر ہو، اس پر خود روزہ رکھنا فرض ہے اگرچہ تکلیف ہو۔بھوک پیاس گرمی خشکی کی تکلیف تو گویا لازمِ روزہ ہے اور اسی حکمت کے لیے روزہ کا حکم فرمایا گیا ہے، اس کے ڈر سے اگر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہو تو معاذ اللہ روزے کا حکم ہی بیکار و معطّل ہو جائے۔ص521

ایک شخص کی عمر ۷۵ سال کی ہے اور بوجہ کمزوری کے برداشت اور طاقت روزہ رکھنے کی نہ ہو ایسی صورت میں اس کو کیا کرنا چاہئے اور کفارہ روزوں کا کس طرح ہو اور کفارہ ہر روز دیا جائے؟ (اس سوال اور جواب میں کفارہ سے فدیہ مراد ہے۔عمران)

الجواب: طاقت نہ ہونا ایک تو واقعی ہوتا ہے اور ایک کم ہمتی سے ہوتا ہے کم ہمتی کا کچھ اعتبار نہیں، اکثر اوقات شیطان دل میں ڈالتا ہے کہ ہم سے یہ کام ہرگز نہ ہوسکے اور کریں گے تو مرجائیں گے، بیمار پڑ جائیں گے، پھر جب خدا پر بھروسہ کرکے کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ادا کرا دیتا ہے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچتا، معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیطان کا دھوکا تھا ۷۵ برس عمر میں بہت لوگ روزے رکھتے

ہیں، ہاں ایسے کمزور بھی ہو سکتے ہیں کہ ستّر ہی برس کی عمر میں نہ رکھ سکیں تو شیطان کے وسوسوں سے بچ کر خوب صحیح طور پر جانچ چاہئے، ایک بات تو یہ ہُوئی، دوسری یہ کہ ان میں بعض کو گرمیوں میں روزہ کی طاقت واقعی نہیں ہوتی مگر جاڑوں میں رکھ سکتے ہیں یہ بھی کفارہ نہیں دے سکتے بلکہ گرمیوں میں قضا کر کے جاڑوں میں روزے رکھنا ان پر فرض ہے، تیسری بات یہ ہے کہ ان میں بعض لگاتار مہینہ بھر کے روزے نہیں رکھ سکتے مگر ایک دو دن بیچ کر کے رکھ سکتے ہیں تو جتنے رکھ سکیں اُتنے رکھنا فرض ہے جتنے قضا ہو جائیں جاڑوں میں رکھ لیں، چوتھی بات یہ ہے کہ جس جوان یا بوڑھے کو کسی بیماری کے سبب ایسا ضُعف ہو کہ روزہ نہیں رکھ سکتے انہیں بھی کفارہ دینے کی اجازت نہیں بلکہ بیماری جانے کا انتظار کریں، اگر قبلِ شفا موت آجائے تو اس وقت کفارہ کی وصیت کر دیں، غرض یہ ہے کہ کفارہ اس وقت ہے کہ روزہ نہ گرمی میں رکھ سکیں، نہ جاڑے میں، نہ لگاتار نہ متفرق، اور جس عذر کے سبب طاقت نہ ہو اُس عذر کے جانے کی اُمید نہ ہو، جیسے وہ بوڑھا کہ بڑھاپے نے اُسے ایسا ضعیف کر دیا کہ گنڈے دار روزے متفرق کر کے جاڑے میں بھی نہیں رکھ سکتا تو بڑھاپا تو جانے کی چیز نہیں ایسے شخص کو کفارہ کا حکم ہے۔ اسے کفارہ کا اختیار ہے کہ روز کا روز دے دے یا مہینہ بھر کا پہلے ہی ادا کر دے یا ختمِ ماہ کے بعد کئی فقیروں کو دے یا سب ایک ہی فقیر کو دے سب جائز ہے۔ ص 547

اگر زید کے ذمّہ ایک ہی روزہ کا فدیہ باقی رہے تو وہ اس دوسیر گیہوں کو پاؤ پاؤ کر کے ۸ دفعہ یا آدھ آدھ سیر کر کے ۴ دفعہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جس میں فقیر کو نصف صاع سے کم دینا ہو اس میں قولِ راجح عدمِ جواز ہے۔ ص 527

فدیہ کا مستحق کون ہے؟

مصرف اس کا مثل مصرفِ صدقۂ فطر و کفارۂ یمین و سائر کفارات و صدقاتِ واجبہ ہے بلکہ کسی ہاشمی مثلاً شیخ علوی یا عباسی کو بھی نہیں دے سکتے۔ غنی یا غنی مرد کے نابالغ فقیر بچے کو نہیں دے سکتے کافر کو نہیں دے سکتے، جو صاحبِ فدیہ کی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، یا صاحبِ فدیہ جس کی اولاد میں جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، انہیں نہیں دے سکتے، اور اَقربا مثلاً بہن بھائی، چچا، ماموں خالہ، پھوپھی، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، ان کو دے سکتے ہیں جبکہ اور موانع نہ ہوں، یونہی نوکروں کو جبکہ اُجرت میں محسوب نہ کریں۔ صدقاتِ واجبہ زوجین کو بھی نہیں دے سکتے۔ اَقول: فدیۂ نماز و روزہ جب بعدِ مرگ دیا جائے تو مقتضائے نظرِ فقہی یہ ہے کہ زوجہ کا فدیہ شوہر فقیر کو فوراً اور شوہر کا زوجۂ فقیرہ کو بعد عدت گزرنے کے دینا جائز ہو کہ اب زوجیت نہ رہی اور شوہر زوجہ کے مرتے ہی اجنبی ہو جاتا ہے ولہٰذا اسے مَس جائز نہیں۔ ص 528

فدیہ میں غلہ دینا بہتر ہے یا قیمت اور قیمت کس دن کی معتبر ہے؟

قیمت افضل ہے مگر قحط میں کھانا دینا بہتر، باقی اَحکامِ نقد و غلّہ یکساں ہیں مگر وُہ تفاوت جو خاص گندم و جَو میں بسببِ اعتبارِ وزن معتبر، شرعی اِسقاط میں لحاظ مالیت کا ہے مثلاً فرض کیجئے کہ نیم صاع گندم کی قیمت دو آنہ ہے اور ایک صاع جَو کی ایک آنہ تو ایک آنہ کی قیمت کی کوئی چیز کپڑا، کتاب، چاول، باجرا وغیرہا بلحاظِ قیمتِ جَو دے سکتے ہیں اگرچہ گندم کی قیمت نہ ہُوئی مگر چہارم صاع گندم

کافی نہیں اگر چہ قیمت اُن کی بھی ایک صاع جَو کے برابر ہوگئی کہ چار چیزیں جن پر نصِ شرعی وارد ہوچکی ہے یعنی گندم، جَو، خُرما، کشمش ان میں قیمت کا اعتبار نہیں، جتنا وزن شرعاً واجب ہے اُس قدر دینا ہوگا۔

قیمت میں نرخِ بازار آج کا معتبر نہ ہوگا جس دن ادا کررہے ہیں بلکہ روزِ وجوب کا مثلاً اُس دن نیم صاع گندم کی قیمت دو آنے تھی آج ایک آنہ ہے تو ایک آنہ کافی نہ ہوگا۔ دو ۲ آنے دینا لازم، اور ایک آنہ تھی اب دو ۲ آنے ہوگئی تو دو آنے ضرور نہیں ایک آنہ کافی۔ ص530

دَین سے فدیہ ادا کرنے کی دوصورتیں

دین معاف کرنے سے فدیہ مطلقاً ادا نہ ہو جب تک وصول کرکے فدیہ میں نہ دیں۔ ص536

بالجملہ دین سے فدیہ ادا کرنے کی **دوصورتیں ہیں: ایک** وہ کہ درمختار کتاب الوصایا عبارت مذکورہ سابقاً میں ذکر فرمائی کہ مدیون سے دین وصول کرکے بعدِ قبضہ پھر اُسے فدیہ میں دے دے۔

دوسری وُہ کہ درمختار کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہُوئی کہ مال فدیہ میں دے کر آتے میں واپس کرے اگر مدیون نہ دینا چاہے ہاتھ بڑھا کر لے لے کہ اپنا عین حق لیتا ہے۔ ص542

مرنے والے کے کن کن کاموں کا فدیے و کفارے دیں؟

یہ صرف صوم وصلوٰۃ کا فدیہ ہُوا اور ہنوز اور بہت فدیے و کفارے باقی ہیں مثلاً (۱) زکوٰۃ فرض کیجئے ہزاروں روپے زکوٰۃ کے اس پر مجتمع ہوگئے تھے (۲) قربانیاں (۳) قسموں کے کفارے، ہر قسم کے لیے دس مسکین جُدا جُدا درکار ہیں ایک کو دس بار دینا کافی نہ ہوگا (۴) ہر سجدۂ تلاوت کے لیے بھی احتیاطاً ایک فدیہ مثل ایک نماز کے ادا کرنا چاہئے **وان لم یجب علی الصحیح کما فی التاتار خانیۃ** (اگرچہ صحیح قول کے مطابق واجب نہیں جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔ت) (۵) صدقاتِ فطر اپنے اور اپنے اہلِ وعیال کے جس قدر ادا نہ ہوئے ہوں (۶) جتنے نوافل فاسد ہُوئے اور ان کی قضا نہ کی (۷) جو جو منّتیں مانیں اور ادا نہ کیں (۸) زمین کا عشر یا خراج جو ادا سے رہ گیا وغیرہ وغیرہ اشیائے کثیرہ۔ ص540

فدیہ ادا کرتے وقت یہ لفظ کہنا چاہئے کہ یہ غلّہ یا نقد فلاں کے روزہ کا فدیہ ہے یا انما الاعمال بالنیات (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ت) کافی ہے؟

الجواب: دینے والے کی نیت کافی ہے لفظ کی حاجت نہیں، مگر زبان سے بھی کہہ دینے کو علماء مناسب بتاتے ہیں یہاں تک کہ طریقہ ادا میں میّت کے باپ دادا تک کا نام لینا فرماتے ہیں کہ مسکین سے کہا جائے یہ مال تجھے فلاں بن فلاں کے اتنے روزوں یا اتنی نمازوں کے فدیہ میں دیا، وہ کہے میں نے قبول کیا۔ پُر ظاہر کہ یہ سب اَولَوِیتیں ہیں جن پر توقُّفِ ادا نہیں۔ ص543

شیخِ فانی اور فوت شدہ کے فدیہ کے احکام میں کون کون سا فرق ہے؟

متعدد فرق ہیں:

(۱) شیخِ فانی اپنی حیات میں روزہ کا فدیہ دے گا اور وُہ کافی ہوگا۔ اگر زندگی میں عجز زائل ہو کر قوت نہ آجائے مگر نماز کا فدیہ

نہیں دے سکتا کہ اس سے عجز مستمر متحقق نہیں ہوتا مگر دمِ واپسیں کھڑے ہو کر نہ ہو سکے بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ کر نہ ہو سکے لیٹ کر اشارہ سے پڑھے۔

(۲) شیخ فانی پر روزہ کا فدیہ حیات میں دینا واجب ہے اگر قادر ہو، بعدِ مرگ وجوب نہیں جب تک اپنے مال میں وصیت نہ کرے۔

(۳) شیخ فانی کہ زندگی میں روزہ کا فدیہ دے اس کے کافی ہونے پر یقین کیا جائے گا کہ اس میں صراحۃً نص وارد، یونہی اگر فدیۂ روزہ کی وصیت کرے اور فدیۂ روزہ بے وصیت اور فدیۂ نماز بوصیت میں شبہ ہے اور فدیۂ نماز بے وصیت میں شبہ اَقوی، و {حسبنا اللّٰہُ ونِعْمَ الو کیلُ}

(۴) زندگی میں فدیۂ صوم شیخ فانی پر اس کے کل مال میں ہے اور بعدِ مرگ۔۔وصیت بے اجازتِ ورثہ ثلث سے زائد میں نافذ نہ ہوگی۔ان کے سوا اور فرق ہیں کہ مطالعۂ بحر الرائق وغیرہ سے ظاہر۔ص545

اگر اپنی زندگی میں ہی روزہ قضا شدہ کا فدیہ کوئی شخص دے دے حالانکہ وہ شیخ فانی نہیں ہے تو وہ روزہ اس سے ساقط ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نہ۔کنز میں ہے للشیخ الفانی وھو یفدی (شیخ فانی فدیہ ادا کرے۔ت) غیرِ فانی پر قضا فرض ہے پیش اَز قضا قضا آجائے تو فدیہ کی وصیت واجب۔ص546

شیخ فانی کی تعریف کیا ہے اور اُس کی عمر کی کچھ تعداد بھی معیّن ہے یا نہیں، احکامِ شرعیہ مثلِ نماز روزہ، وضو وغسل کے کیا حکم ہے؟

الجواب: شیخ فانی کی عمر اَسّی یا نوّے سال لکھی ہے اور حقیقۃً بنائے حکم اس کی حالت پر ہے اگر سَو برس کا بوڑھا روزہ پر قادر ہے شیخِ فانی نہیں اور اگر وہ ستّر برس میں بوجہِ ضُعفِ بیّنہ بڑھاپے سے ایسا زار و نزار ہو جائے کہ روزہ کی طاقت نہ رہے تو شیخِ فانی ہے۔ غرض شیخِ فانی وُہ ہے جسے بڑھاپے نے ایسا ضعیف کر دیا ہو، اور جب اُس ضُعف کی علّت بڑھاپا ہوگا تو اُس کے زوال کی اُمید نہیں اُسے روزے کے عوض فدیہ کا حکم ہے باقی نماز وطہارت کے بارہ میں پیر و جوان سب کا ایک حکم ہے، جو جس وقت جس حالت میں جتنی بات سے معذور ہوگا بقدرِ ضرورت تا وقتِ ضرورت اُسے تخفیف دی جائے گی۔ص549

مکروہاتِ صوم

روزے میں منجن جو بادام، کوئلہ، سپاری وگل وغیرہ کا بنتا ہے اُس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

مسواک مطلقاً جائز ہے اگرچہ بعدِ زوال، اور منجن ناجائز وحرام نہیں جبکہ اِطمینان کافی ہو کہ اس کا کوئی جز وحلق میں نہ جائے گا، مگر بے ضرورتِ صحیحہ کراہت ضرور ہے۔ص551

روزے میں اپنی عورت کو لپٹانا یا پاس لیٹنا جس سے خواہش غالب ہو اور مذی نکلے تو روزہ مکروہ ہوگا یا جاتا رہے گا؟

الجواب: ان افعال سے روزہ جانے کی تو کوئی صورت ہی نہیں جب تک اِنزال نہ ہو اور خالی پاس لیٹنا جس میں بدن چھونا یا بوسہ لینا

کچھ نہ ہو مکروہ بھی نہیں، رہا لپٹانا یا بوسہ لینا یا بدن چُھونا ان میں اگر بہ سببِ غلبۂ شہوت فسادِ صوم کا اندیشہ ہو یعنی خوف ہے کہ صبر نہ کرسکے گا اور معاذ اللہ جماع میں مبتلا ہوجائے گا یا بلا جماع ہی ان افعال کی حالت میں انزال ہوجائے گا تو یہ سب فعل مکروہ ممنوع ہیں اور اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، مگر مباشرتِ فاحشہ یعنی ننگے بدن لپٹانا کہ ذکر فرج کو مس کرے روزے میں مطلقاً مکروہ ہے۔ اسی طرح سراج وہاج میں بوسۂ فاحشہ کو بھی مطلقاً مکروہ فرمایا، بوسۂ فاحشہ عورت کے لب اپنے لبوں میں لے کر چبائے، اور زبان چوُسنا بدرجۂ اَولیٰ مکروہ جبکہ عورت کا لعابِ دہن جو اس کی زبان چوُسنے سے اُس کے مُنہ میں آئے تھوک دے، اور اگر حلق میں اُتر گیا تو کراہت درکنار روزہ ہی جاتا رہے گا، اور اگر قصداً بحالتِ لذّت پی لیا تو کفارہ بھی لازم آئے گا۔ ص552

عورت کی شرمگاہ دیکھنا روزے کو توڑے گا یا نہیں؟

نہ۔ اگرچہ بار بار بتکرار دیکھے، یہاں تک کہ دیکھنے ہی کی حالت میں بے چُھوئے اِنزال ہوجائے، ہاں اس صورت میں کراہت ضرور ہے۔ ص553

ایک شخص ہے اس کو حاجت غسل کی ہے مگر روزہ اس نے رکھا مگر قصداً بوقتِ ظہر تک اُس نے غسل نہ کیا، وقت نماز ظہر کے غسل کیا، کیا روزہ اُس کا رہا یا گیا؟

الجواب: روزہ ہوجائے گا اگرچہ شام تک نہ نہائے، ہاں ترکِ نماز کے سبب سخت اَشد کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ ص554

سحر واِفطار کا بیان

اِفطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرنے سے کیا مراد ہے؟

سحری کی تاخیر مستحب ومسنون ہے، احادیثِ صحیحہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعجیلِ افطار وتاخیرِ سحور کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا": میری اُمت ہمیشہ خیر سے رہے گی جب تک افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کرے گی۔

مگر تعجیلِ افطار کے معنی یہ ہیں کہ جب غروبِ آفتاب پر یقین ہوجائے فوراً افطار کرلے وہم ووسوسہ کو دخل نہ دے نہ بلا وجہ رافضیوں کی طرح شب کا ایک حصہ داخل ہونے کا انتظار کرے، ایسی جلدی کہ ہنوز غروب میں شک ہو حرام ومفسدِ صوم۔ اور تاخیرِ سحری کے معنی یہ ہیں کہ اُس وقت تک کھائے جب تک طلوعِ فجر کا ظنِ غالب نہ ہو بخلاف افطار کے کہ وہاں بحالتِ شک روزہ جاتا رہتا ہے، وجہِ فرق یہ ہے کہ شرعِ مطہر کا قاعدہ کلیہ ہے کہ **الیقین لایزول بالشك** یعنی شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ رات میں طلوعِ فجر کا جب تک شک نہ ہوا تھا بقائے لیل پر یقین تھا وقوعِ شک سے بھی یہ یقین زائل نہ ہوگا اور رات ہی کا حکم رہے گا جب تک طلوعِ فجر کا ظن غالب نہ ہو۔ ولہذا ارشاد فرمایا: { حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ } یہاں تک کہ سفید ڈورا تمہارے لیے خوب ظاہر ہوجائے۔ اور افطار میں غروبِ شمس جب تک مشکوک نہ ہوا تھا دن پر یقین تھا تو حالتِ شک میں بھی وہی یقین حاصل، اور دن باقی سمجھا جائے گا اور اُس وقت روزہ کھولنا دن میں کھولنا ٹھہرے گا، زمانۂ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اب تک

انہیں قواعد پر عمل رہا ہے۔ص 562

علمِ توقیت

اوقاتِ صحیح نکالنے کا فن جسے علمِ توقیت کہتے ہیں، ہندوستان کے طلبہ تو طلبہ اکثر علماء اس سے غافل ہیں، نہ وہ درس میں رکھا گیا ہے نہ ہیئت کی درسی کتابوں سے آسکتا ہے فقیر نے اس فن میں نہ نری کتابی باتوں پر اعتماد کیا، نہ خالی دلائلِ ہندسہ پر، نہ تنہا تجربہ ومشاہدہ پر، بلکہ سب کو جمع کیا اور بتوفیقِ الٰہی اپنی ذہنی جدّتوں سے بہت کچھ کام لیا یہاں تک بفضلہٖ تعالیٰ برہان وعیان کو مطابق کردیا، میرا نقشہ بفضلہٖ تعالیٰ جزاف نہیں ہوتا جو ہیئت وہندسہ جانتا ہوؤہ اُسے براہین کے مطابق پائے گا، اور جو نگاہ رکھتا ہو صبحِ صادق وکاذب کو دیکھ کر پہچان سکتا ہوؤہ اسے مشاہدہ سے موافق پائے گا، قواعد وبراہینِ ہیئت وہندسہ بالائے طاق سہی، وقت پہچاننا تو ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے، افسوس کہ ہزاروں آدمی حتی کہ بہت ذی علم بھی صبحِ صادق وکاذب کی ٹھیک تمیز دیکھ کر نہیں بتا سکتے۔ص 568

اب ہم بتوفیقِ اللہ تعالیٰ صبح کاذب کے شروع سے صبحِ صادق کے اِنتشار تک جو صُورتیں اس سپیدی کی پیش آتی ہیں اُن کا واضح بیان کرتے ہیں جو آج تک کسی کتاب میں نہ لکھا گیا جو ہمارہ برسوں کا مشاہدہ ہے۔ص 571

حافظ جو ایک بار ختمِ قرآن کر چکا اب اس کا دوسری تاریخوں میں دوسری جگہ سنانا

حافظ کہ ایک بار ختم کر چکا اب دوسری تاریخوں میں دوسری جگہ سنانا چاہتا ہے جہاں ابھی لوگوں نے قرآنِ عظیم نہیں سُنا ہے تو مذہبِ صحیح ومعتمد پر اس کے عدمِ جواز کی اَصلاً کوئی وجہ نہیں نہ اس قرآن سُننے کا ثواب نہ ہونے کے کوئی معنی، ظاہر ہے کہ ان راتوں میں وہ بھی تراویح ہی پڑھے گا نہ کہ نفل محض، تو ضرور تراویح کا امام ہوسکتا ہے۔

اگر بالفرض کوئی شخص آج اپنی تراویح پڑھ کر آج ہی رات اور لوگوں کی امامت تراویح میں کرے اور قرآنِ عظیم سنائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس قرآن سُننے کا ثواب نہ ہوگا۔ روایتِ مختارہ امام قاضی خاں پر تو ظاہر ہے کہ وہ متنفل محض کے پیچھے تراویح کی اقتداء بلا کراہت جائز مانتے ہیں، صرف امام کے حق میں کراہت کہتے ہیں اگر نیتِ امامت کرے ورنہ اس پر بھی کراہت نہیں، اور روایتِ مختارہ امام شمس الائمہ سرخسی پر اگرچہ یہ ناجائز ہے اور ان لوگوں کی تراویح نہ ہوں گی، اور یہی اَصح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نماز ہی نہ ہوگی، تراویح نہ ہونا اور بات ہے اور نماز نہ ہونا اور بات، تو وہ نماز اگرچہ تراویح نہیں یقیناً نماز صحیح ونفل محض ہے۔ص 598

اَصح ومعتمد ومعمول بہ یہی ہے کہ ختم اگرچہ ہوجائے تراویح سارے ماہِ مبارک میں سنّتِ مؤکدہ ہیں۔ص 601

روزہ افطار کرنا کس چیز سے مسنون ہے؟

خرمائے تر (کھجور)، اور نہ ہو تو خشک (چھوہارا)، اور نہ ہو تو پانی۔ص 629

*** دعاءِ افطار " اللھم صمت وعلی رزقك افطرت " قبل اَز اِفطار پڑھنی چاہئے یا بعد افطار؟**

الجواب: فی الواقع اس کا محل بعد افطار ہے۔ص 629

رمضان مبارک کے بعد سب دِنوں سے افضل روزہ

صوم وغیرہ اعمالِ صالحہ کے لیے بعدِ رمضان مبارک سب دنوں سے افضل عشرہ ذی الحجہ ہے، خصوصاً روزِ عرفہ کہ افضل ایّامِ سال ہے، اس کا روزہ صحیح حدیث سے ہزاروں روزوں کے برابر ہے اور دو سال کامل کے گناہوں کی معافی، ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ۔ پھر سب دنوں سے افضل روزۂ عاشورہ یعنی دہم محرم کا روزہ ہے اس میں ایک سال گزشتہ کے گناہوں کی مغفرت ہے، محرم کے ہر دن کا روزہ ایک مہینہ کے روزوں کے برابر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رمضان کے بعد سب سے افضل شعبان کے روزے ہیں تعظیمِ رمضان کے لیے۔ تو ۲۷ رجب کے روزے کو بعدِ رمضان سب روزوں سے افضل کہنا صحیح نہیں، ہاں بعض احادیث اُس کی فضیلت میں مروی ہُوئیں کہ فقیر نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیں، اُن سب میں بہتر حدیثِ موقوف ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: من صام یوم سبع عشرین من رجب کتب اللہ تعالی له صیام ستین شهرا۔ جو رجب کا روزہ رکھے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے پانچ برس کے روزوں کا ثواب لکھے۔ ایسی جگہ حدیثِ موقوف مثلِ مرفوع ہے کہ تعیینِ مقدارِ اجر کی طرف رائے کو اَصلاً راہ نہیں، اور حدیثِ ضعیف فضائلِ اعمال میں باجماعِ ائمہ مقبول ہے۔ احادیثِ صحاح وحسن وصوالح میں اور بھی بہت روزوں کے فضائل آئے ہیں جیسے شش عید وایامِ بیض کہ دونوں میں ہر ایک سال بھر کے روزوں کا ثواب لاتا ہے وروزۂ دوشنبہ وروزۂ پنجشنبہ وروزۂ چہارشنبہ وپنجشنبہ کہ دوزخ سے آزاد (کرتے) ہیں اور روزۂ چہارشنبہ وپنجشنبہ وجمعہ کہ جنت میں گوہر ویاقوت وزبرجد کا گھر بناتے ہیں بلکہ روزۂ جمعہ یعنی جب اس کے ساتھ پنجشنبہ یا شنبہ بھی شامل ہو مروی ہوا کہ دس ہزار برس کے روزوں کے برابر ہے۔ روزہ سے منع کرنا خیر سے منع کرنا اور {مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ} (خیر سے روکنے والا) کے وبال میں داخل ہونا ہے جب تک ذاتاً یا عارضاً ممانعتِ شرعیہ نہ ثابت ہو، ۲۷ کے علاوہ روزہ ہائے رجب میں احادیثِ کثیرہ وارد ہیں جن میں بعض خود اور بعض بتعدُّدِ مرتبۂ صالح رکھتی ہیں، شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ القوی نے ماثبت بالسنة میں اُن کی تفصیل فرمائی۔ ص 649

اِعتکاف کا حکم

اعتکاف عشرۂ اخیرہ کہ سنتِ مؤکدہ علیٰ وجہ الکفایہ ہے، جس پر حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواظبت ومداوَمت فرمائی پورے عشرۂ اَخیرہ کا اعتکاف ہے، ایک روز بھی کم ہو تو سنّت ادا نہ ہوگی، ہاں اعتکافِ نفل کے لیے کوئی حد مقرر نہیں، ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے، اگرچہ بے روزہ ہو۔ ولہٰذا چاہئے کہ جب نماز کو مسجد میں آئے نیتِ اعتکاف کرلے کہ یہ دوسری عبادت مفت حاصل ہوجائے گی۔ ص 654

کتابُ الحج

عورت کو بغیر شوہر یا محرم کے سفر کرنا حرام ہے

حج کی فرضیت میں عورت مرد کا ایک حکم ہے، جو راہ کی طاقت رکھتا ہواُس پر فرض ہے مرد ہو یا عورت، جو ادا نہ کرے گا

عذابِ جہنّم کا مستحق ہوگا۔عورت میں اتنی بات زیادہ ہے کہ اُسے بغیر شوہر یا محرم کے ساتھ لیے، سفر کو جانا حرام، اس میں کچھ حج کی خصوصیت نہیں، کہیں ایک دن کے راستہ پر بے شوہر یا محرم جائے گی تو گنہگار ہوگی۔ ہاں جب فرض ادا ہوجائے تو بار بار عورت کو مناسب نہیں کہ وہ جس قدر پردے کے اندر ہے اس قدر بہتر ہے۔ نہ کہ عورت کو دوسرا حج ناجائز ہے۔ص 657

عورت پر حج فرض ہوا اور محرم بھی نہ ہو تو حج کیسے ادا کرے؟

عورت کو بغیر محرم کے حج خواہ کسی اور کام کے واسطے سفر کرنا ناجائز ہے اور بھتیجا شوہر کا محرم نہیں، اور محرم فاسق بیکار ہے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور معیت زنِ متقیہ کی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافی نہیں لیکن اگر بغیر محرم کے چلی گئی اور حج کرلیا تو فرض ساقط اور حج مع الکراہۃ ادا، اس فعلِ ناجائز کی معصیت جُدا، پس جب ہندہ پر بسببِ اجتماعِ شرائط کے حج فرض ہوگیا تھا اور اب معیت محرم کی نہیں ملتی تو چارۂ کار یہی ہے کہ نکاح کرے، اگر یہ خوف ہو کہ شاید اس نے نکاح کرلیا اور پھر نہ گیا تو یہ پھنس گئی اور حج بھی نہ ہوا، یا اندیشہ ہو کہ شوہر موافق مزاج نہ نکلے، چاہیئے تو تھا چند روز کے لیے اور پابند ہوگئی عمر بھر کی، یا سرے سے اسے پابندِ شوہر رہنا منظور ہی نہ ہو، صرف اس ضرورت کی رفع تک نکاح چاہئے، **تو اَقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ اگر تو اس سال میرے ساتھ حج کو نہ جائے تو مجھ پر ایک طلاقِ بائن ہو اور جب بعدِ حج میں واپس آؤں اور اپنے مکان میں قدم رکھوں تو فوراً مجھ پر طلاقِ بائن ہو، یوں اگر وہ نہ گیا تو طلاق ہوجائے گی اور اگر گیا تو واپسی پر عورت جس وقت اپنے مکان میں قدم رکھے گی نکاح سے نکل جائے گی، اور بہتر اور آسان تر یہ ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ مجھے ہر وقت اپنے نفس کا اختیار ہو کہ جب کبھی چاہوں اپنے آپ کو ایک طلاقِ بائن دے لُوں، یوں اس کے نہ جانے یا واپس آنے پر اور اس کے بعد بھی ہر وقت عورت کو اختیار رہے گا مرضی ہو اس کی زوجیت میں رہے، نہ مرضی ہو اپنے آپ کو ایک طلاقِ بائن دے کر جُدا ہوجائے۔ص 701

عورت اکیلی حج کو چلی گئی تو سفر کی تنہائی مانع و مفسدِ حج ہوگی یا نہیں؟ اور اسے راستہ سے لوٹانا مناسب ہوگا یا نہیں؟

اگر چلی جائے گی گنہ گار ہوگی، ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا، مگر حج ہوجائے گا کہ معیتِ محرم شرطِ صحتِ حج نہیں، رہی واپسی اگر اس کا شوہر یا محرم اس کے ساتھ حج کو جاسکتا ہے تو یہی مناسب ہے۔ اس صورت میں واپسی کرنا مناسب نہیں، اگر زوج یا محرم کوئی نہیں یا ہے مگر حج کو نہیں جاسکتا تو اگر ابھی مدتِ سفر تک نہیں گئی ہے واپسی لازم ہے، اور اگر مدتِ سفر تک قطع کرچکی تو شوہر یا محرم ہوں تو واپس لائیں کہ اس میں اِزالۂ گناہ ہے اور اِزالۂ گناہ فرض ہے۔ اور اگر شوہر و محرم نہیں رکھتی تو اگر اتنی دور پہنچ گئی کہ مکہ معظّمہ تک مدتِ سفر نہیں مثلاً جدہ پہنچ گئی تو اب چلی جائے اور واپس نہ ہو کہ واپسی میں سفر بلا محرم ہے اور وہ حرام ہے۔ پھر بعدِ حج مکہ معظّمہ میں اِقامت کرے بلا محرم گھر کو واپس آنا بلکہ مدینہ طیبہ کی حاضری ناممکن ہے، یہ وہ عورت ہے جس نے خود اپنے آپ کو بلا میں ڈالا، اس کے لیے چارۂ کار نہیں مگر یہ کہ اس کا کوئی محرم جا کر اسے لائے، یوں کہ اس سال وہ جانا چاہتا تھا اس سال گیا یا یوں کہ اس سال تک اس کا کوئی محرم نابالغ تھا اب بالغ ہوا اور لاسکتا ہے، اور یہ بھی نہ ہو تو چارۂ کار نکاح ہے نکاح کرے پھر شوہر کے ساتھ

چاہے واپس آئے یا وہیں مقیم رہے، اور اگر دونوں طرف مدتِ سفر ہے تو بلا سخت تر ہے اور جانا یا آنا کوئی بھی بے گناہ نہیں ہوسکتا، مگر بہ حصولِ محرم یا تحصیلِ شوہر، شوہر کے قبضے میں اگر ہمیشہ رہنا نہ چاہے تو اس کا یہ علاج ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ میرا کام میرے ہاتھ میں رہے گا جب چاہوں اپنے آپ کو طلاقِ بائن دے لوں، اور اگر یہ بھی ناممکن ہو تو سب طرف سے دروازے بند ہیں پوری مضطرہ ہے، اگر ثقہ معتمدہ عورتیں واپسی کے لیے ملیں تو مذہبِ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر عمل کر کے ساتھ واپس آئے، اور جانے کے لیے ملیں تو ان کے ساتھ جائے انھیں کے ساتھ واپس آئے کہ تقلیدِ غیر عند الضرورۃ بلاشبہہ جائز ہے اس لیے ارشاد ہوا کہ اختلاف اصحابی لکم رحمۃ (میرے صحابہ کا اختلاف تمھارے لیے رحمت ہے۔ت)۔ص707

اگر والدین حج کی اجازت نہ دیں تو کیا حج ہوسکتا ہے؟

جبکہ زید اپنے ذاتی روپے سے استطاعت رکھتا ہے تو حج اس پر فرض ہے، اور حجِ فرض میں والدین کی اجازت درکار نہیں بلکہ والدین کو ممانعت کا اختیار نہیں، زید پر لازم ہے کہ حج کو چلا جائے اگرچہ والدین مانع ہوں، والدین پر قرض ہونا اس شخص پر فرضیّت میں خلل انداز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ص658

زید کو بوجہ ہونے امکانِ حج کے جب کبھی حج کی ترغیب دی تو کہتا ہے کہ ہم نے حاجیوں کی اکثر مدد کی ہے پس ہم پر حج کرنا فرض نہیں ہے، اور کسی عالم کا قول نہیں مانتا، پس کیا اس سے حج شرعاً ساقط ہے؟

الجواب: یہ کلمہ کفر ہے، حاجیوں کی مدد کرنے سے حج ساقط نہیں ہوسکتا، اس شخص پر توبہ وتجدیدِ اسلام فرض ہے، تجدیدِ نکاح وتجدیدِ اسلام کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔ص658

حجِ بدل کی کیا شرائط ہیں؟

حجِ بدل یعنی نیابۃً دوسرے کی طرف سے حجِ فرض ادا کرنا کہ اُس پر سے اِسقاطِ فرض کرے ان شرائط سے مشروط ہے:

(۱) جس کی طرف سے حج کیا جائے قبلِ اِحجاج اس پر حج فرض ہو، اگر فقیر نے حج کرادیا پھر غنی ہوا خود حج کرنا فرض ہوگا۔

(۲) محجوج عنہ حجِ بدل یعنی نائب کے وقوفِ عرفہ کرنے سے پہلے خود ادا سے عاجز ہو، اگر بحالِ قدرت حج کرایا پھر عاجز ہوگیا ازسرِ نو احجاج لازم ہوگا۔

(۳) عجز اگر ممکنُ الزّوال تھا مثلِ حبس ومرض، تو شرط ہے کہ تادمِ مرگ دائم رہے، اگر بعدِ حج خود قادر ہوا خود ادا فرض ہوگی بخلاف اس عجز کے کہ قابلِ زوال نہیں، جیسے نابینائی اگر بطورِ خرقِ عادت بعدِ اِحجاج زائل بھی ہوجائے اِعادہ ضرور نہیں۔

(۴) حجِ بدل کرنے والا تنہا ایک محجوج عنہ کی طرف سے حجِ واحد کی نیت کرے مثلاً اَحرَمْتُ عَنْ فلان یا اللھم لبیك عن فلان اگر اس کی طرف سے نیت نہ کی یا دو حج کی نیت کی ایک اس کی طرف سے ایک اپنی طرف سے یا دو شخصوں کی طرف سے نیت کی ایک اس کی جانب ایک منیبِ آخر کی جانب سے، تو کافی نہ ہوگا۔

(۵) یہ حج بامرِ محجوج عنہ ہو بلا اجازت دوسرے کی طرف سے حج کافی نہ ہوگا مگر جبکہ وارث اپنے مورث کی طرف سے حج کرے یا کرائے لقیامہ مقامہ خلافۃ۔

(۶) مصارفِ آمد ورفت وسائر نفقۂ حج کل یا اکثر مالِ محجوج عنہ سے ہوں۔

(۷) حج اگر بحیاتِ محجوج عنہ ہوتو جسے اس نے امر کیا وہی حج کرے، وُہ دوسرے سے کرادے گا تو ادا نہ ہوگا اور اگر بعدِ وفاتِ محجوج عنہ ہے تو مامور دوسرے کو بھی اپنی جگہ قائم کرسکتا ہے اگر چہ میت نے اس کا نام لے کر وصیت کی ہو کہ فلاں میری طرف سے حج کرے، ہاں اگر صراحۃً اس نے نہی کردی تھی کہ وہی کرے، نہ دوسرا، تو اب دوسرا کافی نہیں۔

(۸) حج بدل کرنے والا اکثر راستہ سواری پر طے کرے اگر باوصف گنجائشِ نفقہ پیادہ حج کریگا نفقہ واپس دے دے گا اور حج اس کی طرف سے نہ ہوگا۔

(۹) محجوج عنہ جب اہلِ آفاق سے ہوتو لازم ہے کہ اس کی طرف سے حجِ آفاقی کیا جائے اگر اس نے حج کو بھیجا اس نے عمرہ کا اِحرام باندھا بعد عمرہ موسم میں مکہ معظّمہ سے اِحرامِ حج باندھا اس کی طرف سے حج نہ ہوگا کہ یہ حجِ مکی ہوا نہ آفاقی، ہاں اگر قریبِ حج میقات کی طرف نکل کر احرامِ حج میقات سے باندھے تو جائز ہے کہ حجِ آفاقی ہوا نہ مکی۔

(۱۰) مخالفت نہ کرے مثلاً تنہا حج کے لیے امر کیا تھا اس نے قران یا تمتع کیا نفقہ واپس دے گا اور حج اس کی طرف سے نہ ہوگا۔

حج بدل کرنے والا حج صحیح اس دفعہ میں ادا کرے، ناعاقل بچّے یا مجنون کا حج کافی نہیں، ہاں مراہق کا کافی ہے، یونہی اگر وُہ حج فاسد کردیا کافی نہ ہوگا اگر چہ قضا بھی کرے۔ بیس ۲۰ شرطیں منسک متقسط میں ہیں انہیں گیارہ میں آگئیں۔

واللہ تعالٰی اعلم ۔ص659

والدین کی نافرمانی اوران کو ناراض کرنا دونوں حرام ہیں

میں کہتا ہوں نیکی ان کے ساتھ یہ نہیں کہ ان کے حکمِ صریح کی تو نافرمانی نہ کی جائے اور اس کے علاوہ میں ان کی مخالفت کی جائے، ہاں نیکی یہ ہے کہ کسی معاملہ میں بھی انھیں پریشان نہ کیا جائے اگر چہ وہ اولاد کو کسی معاملہ کا حکم نہ دیں، کیونکہ طاعت اور راضی کرنا دونوں واجب ہیں اور نافرمانی اور ناراض کرنا دونوں حرام ہیں اور یہ ناراض اور راضی کرنا ان کے صریح حکم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں (ت)۔ص679

حرمین شریفن میں مجاورت (رہائش اختیار کرنے) کا حکم

اگر چہ مجاورت کا معاملہ جائز ہے مگر بشرطِ توثیق جو بصورتِ توفیقِ الٰہی ہی حاصل ہوسکتی ہے جیسا کہ اس پر انھوں نے تصریح کی ہے شرح اللباب میں اس کو صحیح کہا، درمختار میں اسی پر جزم کا اظہار کیا مگر چونکہ اہلِ توثیق بہت ہی کم ہوتے ہیں اور احکامِ فقہ کی بناء نادر و قلیل پر نہیں ہوتی بلکہ غالب کثیر پر ہوتی ہے تو اب مطلقاً منع کہنا ہی بہتر ہے۔

بالجملہ ہمارے دور میں مجاورت کی قطعاً اجازت نہیں۔ عقلمند اپنے لیے فقط احتیاط ہی کی راہ اپناتا ہے (ت)۔ص695

جس کے پاس روپیہ تنخواہ ورشوت وغیرہ کا شامل ہو اس شخص پر حجِ بیت اللہ شریف فرض ہے؟

اگر اس کے پاس مال حلال کبھی اتنا نہ ہوا جس سے حج کرسکے اگر چہ رشوت کے ہزار ہا روپے ہوئے تو اس پر حج فرض ہی نہ ہوا کہ مالِ رشوت مثلِ مغصوب ہے وہ اس کا مالک ہی نہیں، اور اگر مال حلال اس قدر اس کے پاس ہے یا کسی موسم میں ہوا تھا تو اس

پر حج فرض ہے مگر رشوت وغیرہ حرام مال کا اس میں صرف کرنا حرام ہے اور وہ حج قابلِ قبول نہ ہوگا اگرچہ فرض ساقط ہوجائے گا، حدیث میں ارشاد ہوا جو مالِ حرام لے کر حج کو جاتا ہے جب وہ لبیک کہتا ہے فرشتہ جواب دیتا ہے: **لا لبیك ولا سعدیك حتی تردما فی یدیك وحجك مردود علیك**۔ نہ تیری حاضری قبول نہ تیری خدمت قبول، اور تیرا حج تیرے منہ پر مردود، جب تک تو یہ حرام مال جو تیرے ہاتھ میں ہے واپس نہ دے۔ اس کے لیے چارۂ کار یہ ہے کہ قرض لے کر فرض ادا کرے۔ ص708

مزارِ اَقدس بلکہ مدینہ طیبہ عرش وکرسی وکعبہ شریف سے افضل ہے یا نہیں؟

تُربتِ اَطہر یعنی وہ زمین کہ جسمِ انور سے متصل ہے کعبہ معظّمہ بلکہ عرش سے بھی افضل ہے **صرح به عقیل الحنبلی وتلقاہ العلماء بالقبول** (اس پر ابوعقیل حنبلی نے تصریح کی اور تمام علماء نے اسے قبول کیا۔ت) باقی مزار شریف کا بالائی حصہ اس میں داخل نہیں کعبہ معظّمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ مدینہ طیبہ سوائے موضعِ تربتِ اَطہر اور مکہ معظّمہ سوائے کعبہ مکرمہ ان دونوں میں کون افضل ہے، اکثر جانبِ ثانی ہیں اور اپنا مسلک اول اور یہی مذہبِ فاروقِ اَعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے، طبرانی کی حدیث میں تصریح ہے کہ **المدینۃ افضل من مکۃ** (مدینہ (علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) مکہ سے افضل ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص711

بابُ الجنایات فی الحج (جنایاتِ حج کا بیان)

اِحرام کی حالت میں تمباکو پان کے ساتھ کھانے کا حکم

تمباکو کہ قوام میں خوشبو ڈال کر پکائی گئی جب تو اس کا کھانا مطلقاً جائز ہے اگرچہ خوشبو دیتی ہو، ہاں خوشبو ہی کے قصد سے اسے اختیار کرنا کراہت سے خالی نہیں اور نظر جانبِ خوشبو نہ ہو بلکہ حسبِ عادت دیگر منافعِ تمباکو کی طرف تو کچھ حرج نہیں اور اگر بے پکائے خوشبو مشک وغیرہ اس میں شامل ہوا اور خوشبو دے رہا ہو جب بھی کفارہ کچھ نہیں البتہ کراہت ضرور ہے، یہ کراہت پیک نگلنے پر موقوف نہیں کہ خوشبو کا آنچل میں باندھنا بھی ناجائز ہے، ہاں اگر مشک اتنی کم پڑی کہ خوشبو نہ دے یا مدت گزرنے سے اُتر گئی کہ اب خوشبو جاتی رہی تو کراہت بھی نہیں۔ ص716

زیارتِ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کیا حکم ہے اور باوجودِ قدرت اس کا تارِک یا مانع ومنکرِ فضل شرعاً کیسا ہے؟

زیارتِ سراپا طہارت حضور پُرنُور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالقطع والیقین باجماعِ مسلمین افضل قربات واعظم حسنات سے ہے جس کی فضیلت وخوبی کا انکار نہ کرے گا مگر گمراہ بددین یا کوئی سخت جاہل، سفیہ غافل، سخرہ شیاطین **والعیاذ باللہ رب العالمین**۔ اس قدر پر تو اجماعِ قطعی قائم بہرحال جزم کیا جاتا ہے کہ باجودِ قدرت تارکِ زیارت قطعاً محروم وملوم وبدبخت ومشوم وآثم وگنہگار وظالم وجفا کار ہے۔ **والعیاذ باللہ**۔ ص718

فقہاء واجب کو بھی سنت بول دیتے ہیں

فقہاء واجب کو بھی ''کہ سنت یعنی جو حدیث سے ثابت ہو'' سنت بولتے ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے نمازِ عید کو کہ حنفیہ کے نزدیک واجب ہے سنت کہا بلکہ اِطلاق اعم میں مستحب ومندوب بھی واجبات کو شامل۔ ص 722

حج تین طرح کا ہوتا ہے

ایک یہ کہ نِرا حج کرے اسے اِفراد کہتے ہیں، دوسرا یہ کہ یہاں سے نِرے عمرے کی نیت کرے، مکہ معظّمہ میں حج کا احرام باندھے اسے تمتُّع کہتے ہیں تیسرا یہ کہ حج وعمرہ دونوں کی یہیں سے نیت کرے اور یہ سب سے اَفضل ہے اسے قِران کہتے ہیں۔ ص 732

اِحرام کے ہوتے ہی یہ کام حرام ہوگئے

عورت سے صحبت، بوسہ، مساس، گلے لگانا، اس کی اندام نہانی پر نگاہ، جبکہ یہ چاروں باتیں بشہوت ہوں، عورتوں کے سامنے اس کا نام لینا فحش گناہ، ہمیشہ حرام تھے اب اور سخت حرام ہوگئے، کسی سے دنیوی لڑائی جھگڑا، جنگل کا شکار، اس کی طرف شکار کرنے کو اشارہ کرنا یا کسی طرح بتانا، بندوق یا بارود یا اس کے ذبح کے لیے چھری دینا، اس کے انڈے توڑنا، پر اُکھاڑنا، پاؤں یا بازو توڑنا، اس کا دودھ دوہنا، اس کا گوشت یا انڈے پکانا، بھوننا، بیچنا، خریدنا، کھانا، ناخن کترنا، سر سے پاؤں تک کہیں سے کوئی بال جُدا کرنا، منہ یا سر کسی کپڑے وغیرہ سے چھپانا، بستر یا کپڑے (عـــ ا)[1] کی بُقچی یا گٹھڑی سر پر رکھنا،

عمامہ باندھنا، برقع ودستانے پہننا، موزے یا جرابیں وغیرہ جو پنڈلی اور اَقدام کے جوڑ کو چھپائے پہننا، سِلا کپڑا پہننا، خوشبو بالوں یا بدن یا کپڑوں میں لگانا، ملاگیری یا کسم کیسر غرض کسی خوشبو کے رنگے کپڑے پہننا جبکہ ابھی خوشبو دے رہے ہوں، خالص خوشبو مشک، عنبر، زعفران، جاوتری، لونگ، الائچی، دارچینی، زنجبیل وغیرہ کھانا، ایسی خوشبو کا آنچل میں باندھنا جس میں فی الحال مہک ہو، جیسے مشک، عنبر، زعفران، سر یا ڈاڑھی خطمی یا کسی خوشبودار ایسی چیز سے دھونا جس سے جوئیں مرجائیں، وسمہ یا مہندی کا خضاب لگانا، گوند وغیرہ سے بال جمانا،، زیتون یا تل کا تیل اگرچہ بےخوشبو ہو بدن یا بالوں میں لگانا، کسی کا سر مونڈنا اگرچہ اس کا احرام نہ ہو، جوں مارنا پھینکنا، کسی کو اس کے مارنے کا اشارہ کرنا، کپڑا اس کے مارنے کو دھونا یا دھوپ میں ڈالنا، بالوں میں پارہ وغیرہ اس کے مرنے کو لگانا، غرض جوں کے ہلاک پر کسی طرح باعث ہونا۔

احرام میں یہ باتیں مکروہ ہیں

بدن کا میل چھڑانا، بال یا بدن کھلی یا صابون وغیرہ بےخوشبو کی چیز سے دُھونا، کنگھی کرنا، اس طرح کھجانا کہ بال ٹوٹے یا جوں گرے، انگرکھا، کُرتا یا چُغہ پہننے کی طرح کندھوں پر ڈالنا، خوشبو کی دھونی دیا ہوا کپڑا کہ ابھی خوشبو دے رہا ہو پہننا، اوڑھنا،

---

[1] : عـــ ا: اگر محرم نے کوئی ایسی شئی اٹھائی جسے لوگ پہنتے ہیں تو اب لباس پہننے والا سمجھا جائے گا، اور اگر لوگ اسے نہیں پہنتے مثلاً ٹب وغیرہ تو اب لابس نہ ہوگا، اھ ش نہر اور خانیہ کے حوالے سے ہے۔ ۱۲ مِنہ (ت)

قصداً خوشبو سونگھنا اگرچہ خوشبودار پھل یا پتہ ہو جیسے لیموں، نارنگی، پودینہ، عطردانہ، سر یا منہ پر پٹی باندھنا، غلافِ کعبہ مکہ معظّمہ کے اندر اس طرح داخل ہونا کہ غلاف شریف سر یا منہ سے لگے، ناک وغیرہ منہ کا کوئی حصہ کپڑے سے چھپائے، یا کوئی ایسی چیز کھانا پینا جس میں خوشبو پڑی ہو اور نہ وہ پکائی گئی ہو نہ زائل ہوگئی ہو، بے سلا کپڑا رفو کیا یا پیوند لگا ہوا پہننا، تکیہ پر منہ رکھ کر اوندھا لیٹنا، مہکتی خوشبو ہاتھ سے چھونا جبکہ ہاتھ میں نہ لگ جائے ورنہ حرام ہے، بازو یا گلے پر تعویذ باندھا اگرچہ بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر، بلا عذر بدن پر پٹی باندھنا، (عــــہ ۱)[1] سنگھار کرنا، چادر اوڑھ کر اس کے آنچلوں میں گرہ دے لینا، تہبند باندھ کر کمر بند سے کسنا۔

یہ باتیں احرام میں جائز ہیں

انگرکھا، کُرتا، چغہ لپیٹ کر اوپر سے اس طرح ڈال لینا کہ سر اور منہ نہ چھپے، ان چیزوں یا پاجامہ کا تہبند باندھنا، ہمیانی یا پٹی باندھنا، بے میل چڑائے حمام کرنا، کسی چیز کے سائے میں بیٹھنا، چھتری لگانا، انگوٹھی پہننا، بے خوشبو کا سرمہ لگانا، فصد بغیر بال مونڈے، پچھنے لینا، آنکھ میں جو بال نکلے اُسے جُدا کرنا، سر یا بدن اس طرح کھجانا کہ بال نہ ٹوٹے، جوں نہ گرے، احرام سے پہلے جو خوشبو لگائی اس کا لگا رہنا، پالتو جانور اونٹ، گائے، بکری، مرغی کا ذبح کرنا، پکانا، کھانا، اس کا دودھ دوہنا، انڈے توڑنا، بھوننا، کھانا، کھانے کے لیے مچھلی کا شکار کرنا، کسی دریائی جانور کا مارنا دوا یا غذا کے لیے نہ ہو، نری تفریح منظور ہو جس طرح لوگوں میں رائج ہے تو شکارِ دریا ہو یا جنگل خود ہی حرام ہے، اور احرام میں سخت تر حرام، منہ اور سر کے سوا کسی اور جگہ زخم پر پٹی باندھنا، سر یا گال کے نیچے تکیہ رکھنا، سر یا ناک پر اپنا یا دوسرے کا ہاتھ رکھنا، کان کپڑے سے چھپانا، ٹھوڑی سے نیچے داڑھی پر کپڑا آنا، سر پر سینی اور بوری اٹھانا، جس کھانے کے پکنے میں مشک وغیرہ پڑے ہوں اگرچہ خوشبو دیں یا بے پکائے جس میں خوشبو ڈالی اور وہ بو نہیں دیتی اس کا کھانا پینا، گھی یا چربی یا کڑوا تیل یا ناریل یا بادام یا کدو یا کاہو کا تیل کہ بسایا نہ ہو بدن یا بالوں میں لگانا، خوشبو کے رنگے کپڑے پہننا جبکہ ان کی خوشبو جاتی رہی ہو مگر کسم کیسر کا رنگ مرد کو ویسے ہی حرام ہے، دِین کے لیے لڑنا جھگڑنا بلکہ حسبِ حاجت فرض وواجب ہے، جوتا پہننا جو پاؤں کے جوڑ کو نہ چھپائے، بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر تعویذ گلے میں ڈالنا، آئینہ دیکھنا، ایسی خوشبو کا چھونا جس میں فی الحال مہک نہیں جیسے اگر لوبان صندل یا اس کا آنچل میں باندھنا، نکاح کرنا، ان مسائل میں مرد وعورت برابر ہیں مگر عورت کو چند باتیں جائز ہیں: سر چھپانا، بلکہ نامحرم کے سامنے اور نماز میں فرض ہے تو سر پر بستر بُقچہ (چھوٹا بستہ) اُٹھانا بدرجہ اَولٰی، گوند وغیرہ سے بال جمانا، سر وغیرہ پر پٹی خواہ بازو یا گلے پر تعویذ باندھنا اگرچہ سی کر، غلافِ کعبہ کے اندر یوں داخل ہونا کہ سر پر رہے منہ پر نہ آئے، دستانے موزے سلے کپڑے پہننا، عورت اتنی آواز سے لبیک نہ کہے کہ نامحرم سنے، ہاں اتنی آواز ہر پڑھنے میں ہمیشہ سب کو ضرور ہے کہ اپنے کان تک آواز آئے۔ تنبیہ: احرام میں منہ چھپانا عورت کو بھی حرام ہے، نامحرم کے آگے کوئی پنکھا

---

[1]: عــــہ ۱: اگر کسی نے سر پر پٹی باندھی اگرچہ ایک دن یا رات ہو تو اس پر صدقہ ہوگا، اور اگر سر کے علاوہ جسم کے کسی اور حصہ پر پٹی باندھی خواہ کسی تکلیف کی وجہ سے تھی یا بلاوجہ، تو کوئی شیء لازم نہ ہوگی، ہاں بلاوجہ باندھنا مکروہ ہوگا، اھ فتح القدیر ۱۲ مِنہ (ت)

وغیرہ منہ سے بچا ہوا سامنے رکھے۔ جو باتیں احرام میں ناجائز ہیں وہ اگر کسی عذر سے یا بھول کر ہوں تو گناہ نہیں، مگران پر جو جرمانہ مقرر ہے ہرطرح دینا آئے گا اگرچہ بے قصد ہوں سہواً یا جبراً یا سوتے میں۔ص732

حج میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء ملا کر پڑھنے کا مسئلہ

(عرفات میں) ظہر وعصر ملا کر پڑھنا جبھی جائز ہے کہ نماز یا تو سلطان خود پڑھائے یا وہ جو حج میں اس کا نائب ہوکر آتا ہے، جس نے ظہر اکیلے یا اپنی خاص جماعت سے پڑھی اسے وقت سے پہلے عصر پڑھنا حلال نہ ہوگا، اور جس حکمت کے لیے شرع نے یہاں ظہر کے ساتھ عصر ملانے کا حکم فرمایا ہے یعنی غروب آفتاب تک دعا کے لیے وقت خالی ملنا وہ جاتی رہے گی۔ص748

(مزدلفہ میں) نمازِ مغرب وقتِ مغرب میں پڑھنا گناہ ہے اگر پڑھ لو گے عشاء کے وقت پھر پڑھنی ہوگی، غرض یہاں پہنچ کر مغرب وقتِ عشاء میں بہ نیتِ ادا نہ کہ بہ نیتِ قضاء حتی الامکان امام کے ساتھ پڑھو، اس کا سلام ہوتے ہی معاً عشاء کی جماعت ہوگی، عشاء کے فرض پڑھو، اس کے بعد مغرب وعشا کی سنتیں اور وتر پڑھو، اگر امام کے ساتھ نماز نہ مل سکے تو اپنی جماعت کر لو اور نہ ہو سکے تو تنہا پڑھو۔ص751

جاہلوں میں مشہور ہے کہ اونٹ تین جگہ سے ذبح ہوتا ہے

اونٹ ہو تو اسے کھڑا کر کے سینہ میں گلے کے انتہا پر تکبیر کہہ کر نیزہ مارو کہ سنت یونہی ہے اور اس کا ذبح کرنا مکروہ۔ مگر حلال ذبح سے بھی ہو جائے گا اور گلے پر ایک جگہ اُسے ذبح کرے۔ جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ اونٹ تین جگہ سے ذبح ہوتا ہے غلط وخلافِ سنت اور مفت کی اَذِیت ومکروہ ہے۔ص753

کعبہ معظّمہ کے اندر داخل ہونا کمال سعادت ہے مگر

کعبہ معظّمہ کی داخلی کمال سعادت ہے اگر جائز طور پر نصیب ہو، حرمِ عام میں داخلی ہوتی ہے مگر سخت کش مکش کمزور مرد کا کام ہی نہیں، نہ عورتوں کو ایسے ہجوم میں جرأت کی اجازت، زبردست مرد اگر آپ اِیذا سے بچ بھی گیا تو اوروں کو دھکے دے کر اِیذا دے گا۔ اور یہ جائز نہیں۔ نہ یوں حاضری میں کچھ ذوق ملے اور خاص داخلی بے لین دین میسر نہیں اور اس پر لینا بھی حرام اور دینا بھی۔ حرام کے ذریعہ ایک مستحب ملا بھی تو وہ بھی حرام ہو گیا۔ص756

معتوہ اور مجنون میں فرق

معتوہ وہ جس کے ہوش وحواس درست نہ ہوں، بہکی بہکی باتیں کرے، رائے میں فساد ہو، پھر اس کے ساتھ مارے، گالیاں دے تو مجنون ہے۔ص775

✻ شافعیہ واجب وفرض میں فرق نہیں کرتے۔ص797

جلد نمبر 11

کتابُ النّکاح (نکاح کا بیان)

نکاح میں ایک شخص ایک جانب سے اصیل دوسری طرف سے ولی یا وکیل ہوسکتا ہے

ائمۂ ثلثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک یہ شخص کہ ایک جانب سے اصیل دوسری طرف سے ولی یا وکیل ہے طرفینِ نکاح کا متولی ہوسکتا ہے ان صورتوں میں اس کی تنہا عبارت قائم مقام عبارتَینِ ایجاب وقبول ہوجائے گی اور عبارتِ دیگر کی حاجت نہ ہوگی۔ عام ازیں کہ یہ شخص وہ لفظ ادا کرے جن میں خود اصیل ہے مثلاً "تَزَوَّجْتُ" یا وہ جس میں ولی یا وکیل ہے جیسے "زَوَّجْتُ" البتہ مشہود کے سامنے منکوحہ کا متمیز ہوجانا ضرور ہے۔ حتی کہ اگر وہ عورت نقاب پہنے مجلس میں حاضر ہوتو نکاح میں اس کی طرف اشارہ کافی ہے اگر چہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ وہ چہرہ کھُلا رکھے۔ (ت)

پس اگر بحالتِ غیبت صرف بنتِ عمی یا فلانۃ یا بنتِ عمی فلانۃ یا ان کے مثل جس لفظ سے شہود اُسے متمیز کرلیں تو اس قدر کافی، ورنہ ذکرِ اَب وجَدّ یعنی فلانہ بنتِ فلاں بن فلاں کہنا ضروری ہے۔ ص110

اِقرار خلافِ واقع سے نکاح منعقد نہ ہوگا

اگر زید نے اقرار کیا کہ یہ میری بیوی ہے اور ہندہ نے بیان کیا کہ یہ میرا خاوند ہے یہ قیل وقال گواہوں کی موجودگی میں بیان کی گئی، کیا ان الفاظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے؟

فاقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول إلی اوج التحقیق (پس میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور تحقیق کی بلندی تک پہنچنا اسی کی مدد سے ہے۔ ت) اس میں شک نہیں کہ حکمِ قضا میں نکاح تصادُقِ مردوزن سے ثابت ہوجاتا ہے یعنی جب وہ دونوں اقرار کریں کہ ہم زوج وزوجہ ہیں یا باہم ہمارا نکاح ہوگیا ہے یا اور الفاظ جو اس معنی کو مؤدّی ہوں تو بلاشبہ انھیں زوج وزوجہ جانیں گے اور قضاءً تمام احکامِ زوجیت ثابت ہوں گے بلکہ عندالناس اس سے بھی کمتر امر ثبوتِ نکاح کو کافی ہے جب مردوزن کو دیکھے مثلِ زن وشوا یک مکان میں رہتے اور باہم اِنبساطِ زن وشوئی رکھتے ہیں تو ان پر بدگمانی حرام، اور ان کے زوج و زوجہ ہونے پر گواہی دینی جائز، اگر چہ عقدِ نکاح کا معائنہ نہ کیا ہو۔

اسی طرح تسامع بھی سامعین کے نزدیک اثباتِ نکاح کو بس ہوتا ہے یعنی جب ان کا زوج وزوجہ ہونا لوگوں میں مشہور ہوتو انھیں یہی سمجھا جائے گا، اور زوجیت پر شہادت رَوا ہوگی اگر چہ خود ان کی زبان سے اقرار نہ سنا ہو۔ تو ان کا باہم تصادُق بدرجۂ اَولیٰ مثبتِ نکاح، پس ایسی صورت میں واجب ہے کہ انھیں زوج وزوجہ ہی تصور کیا جائے گا جو خواہی نخواہی ان کی تکذیب کرے گا اور بدگمانی کے ساتھ پیش آئے گا مرتکبِ حرامِ قطعی ہوگا باایں ہمہ حکمِ قضا اور ہے اور امرِ دیانت اور چیز، اگر وہ اپنے اِظہار واِخبار میں حقیقۃً سچے ہوں یعنی واقع میں ان کے باہم نکاح ہولیا ہے تو عنداللہ بھی زوج وزوجہ ہیں ورنہ مجرد ان الفاظ سے جبکہ بطورِ اِخبار بیان

میں آئے ہوں نکاح منعقد نہ ہوگا وہ بدستور اجنبی واجنبیہ رہیں گے، نکاح جن امور وافعال کو ثابت وحلال کرتا ہے دیانۃً ان کے لیے اَصلاً ثابت ورَوا نہ ہوں گے کہ اس تقدیر پر یہ الفاظ کوئی عقد واِنشا نہ تھے محض جھوٹی خبر تھی اور جھوٹی خبر دِیانۃً باطل و بے اثر۔

اقول: علماء تصریح فرماتے ہیں اگر شوہر نے اقرارِ طلاق کیا کہ میں اسے طلاق دے چکا ہوں اور واقع میں نہ دی تھی تو وہ قضاءً طلاق ہوگئی مگر دیانۃً ہرگز نہ ہوگی کہ اس کا یہ قول طلاق دینا نہ تھا بلکہ طلاق غیرِ واقع کی جھوٹی خبر دینا تھا، تو جب اقرار خلافِ واقع سے عنداللہ طلاق واقع نہیں ہوتی، نکاح بدرجہ اَولیٰ منعقد نہ ہوگا طلاق سببِ تحریمِ فرج ہے اور نکاح سببِ تحلیل اور امرِ فرج میں احتیاط جلیل، ولہذا اعلماء متون وشروح وفتاوٰی میں تصریح فرماتے ہیں کہ مجرد اقرارِ مردوزن سے نکاح ہرگز منعقد نہیں ہوتا۔

فتاوٰی ہندیہ میں لکھا: اگر کسی نے گواہوں کے سامنے کہا یہ میری بیوی ہے اور عورت نے کہا کہ یہ میرا خاوند ہے حالانکہ ان کا پہلے نکاح نہیں تھا، تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے جبکہ صحیح یہی ہے کہ نکاح نہ ہوگا، ظہیریہ میں اسی طرح ہے۔ اور جصاص کی شرح میں ہے کہ اگر قاضی نے نکاح کا فیصلہ دیا یا مردوعورت کو گواہوں نے کہا کہ تم نے ان الفاظ کو نکاح بنادیا تو انھوں نے جواب میں ہاں کہہ دیا تو مختار یہ ہے کہ نکاح منعقد ہوجائے گا، مختار الفتاوٰی میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

اقول (میں کہتا ہوں۔ ت): قاضی کے فیصلے کی صورت میں نکاح ہوجانے کی وجہ یہ ہے کہ حکمِ قاضی رافعِ خلاف ہے اور قضا ظاہراً اور باطناً نافذ ہوتی ہے اور دوسری صورت میں انعقاد کی وجہ یہ ہے کہ جواب، سوال پر مشتمل ہوتا ہے تو سوال میں نکاح بنانے کا ذکر ہے تو جواب میں بھی بنانے کے ذکر سے نکاح کا انشاء ہوگیا، جیسا کہ فتح اور دُرروغیرہ میں ہے۔ (ت) ص122

تصادُقِ مردوزن کہ مرد کہے یہ میری منکوحہ ہے، عورت کہے یہ میرا شوہر ہے، عندالناس مثبتِ نکاح ہے، مگر اگر غلط اقرار کیا ہوتو عنداللہ ہرگز نفع نہ دے گا وہ زانی وزانیہ ہوں گے اور سخت عذابِ جہنم کے مستحق اور اولاد ولدُ الزّنا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** ص213

کیا گواہوں اور عاقِدَین کا ایجاب وقبول کے الفاظ کا معنیٰ سمجھنا ضروری ہے؟

اقول: اب یہاں ایک اور مسئلہ خلافیہ وارد ہوگا جس طرح نکاحِ مسلم میں وقتِ ایجاب وقبول دومردوں یا ایک مرد دوعورتوں عاقل بالغ آزاد اور نکاحِ مسلم میں انھیں اوصاف کے خاص مسلمین کا حاضر ہونا بالاتفاق اور ان کا کلامِ عاقدَین معاً سننا عندالجمہور علی المذہب المنصور شرط وضرور ہے آیا یوں ہی ان کا کلامِ عاقدین سمجھنا بھی شرط ہے یا نہیں۔ مثلاً اگر دو ہندیوں کے سامنے مردوزن نے عربی میں ایجاب وقبول کرلیا وہ نہ سمجھے، آیا یہ نکاح فاسد ہوگا یا صحیح، علمائے کرام کے اس میں دونوں قول منقول ہوئے، اور توفیقِ نفیس یہ ہے کہ معنیٔ الفاظ سمجھنا ضروری نہیں مگر اس قدر سمجھنا ضرور ہے کہ یہ عقدِ نکاح ہورہا ہے۔ ص137

بالجملہ حاصلِ حکم یہ ہے کہ اگر دو گواہ یہ نہ سمجھے کہ یہ عقدِ نکاح ہے تو نکاح مطلقاً نہ ہوا اگرچہ زن ومرد خوب سمجھتے اور اِنشائے نکاح ہی کا قصد رکھتے ہوں اور اگر دو گواہ اس قدر سمجھ لیے اگرچہ تفسیرِ الفاظ نہ جانتے ہوں تو اگر عاقدَین بھی اتنا جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہوجاتا ہے تو بالاجماع نکاح ہوجائے گا اگرچہ اس زبان سے دونوں وہ اور گواہ سب ناآشنا ہوں، اور اگر عاقدَین میں دونوں یا ایک کو معلوم نہ تھا کہ یہ الفاظِ نکاح ہیں تو جہاں احکامِ اسلام کا چرچا نہیں وہاں یہ جہل عذر ہے اور جہاں چرچا ہے اور وہ الفاظ کسی غیر زبان کے نہ تھے جس سے آگاہی نہ ہوتو نکاح ہوجائے گا اور یہ عذر مسموع نہیں، اور اگر غیر زبان کے تھے اور فی الواقع

اس نے اسے عقد نہ سمجھا تو عنداللہ نکاح نہ ہوگا، رہا قاضی، اسے نظرِ کامل چاہئے اگر ظاہر ہو کہ واقعی فریب کیا گیا اور دھوکا دیا گیا تو بُطلانِ نکاح کا حکم دے ورنہ صحت کا۔ص 234

رسالہ: ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الہند وبنجالہ

(بنگال اور ہندوستان میں نکاحوں کے بارے میں کوتاہی کو مٹانے والا) ص 140

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ جو کہ عقد ہوتے ہیں کہ ایک شخصِ غیر کو ولیِ ہندہ نے وکیل قرار دے کر اور دو شخص اور ہمراہ اس کے واسطے گواہی کے مقرر کر کے نکاح کی اجازت لینے کے لئے ہندہ کے پاس بھیجے وہ شخص کسی کا سر اور کسی کا پاؤں کچلتا ہوا ہنگامۂ مستورات میں جا کر قریب ہندہ کے بیٹھا اور یہ کلمات کہے کہ تو مجھ کو واسطے عقد اپنے کے وکیل کر دے وہ بے چاری اس مُلک کے رواج کے باعث اور شرم کے کب گویا ہوتی ہے اکثر مستورات اس کو فہمائش کرتی ہیں مگر وہ نہیں جواب دیتی اور بعض بعض کچھ گریہ یا "ہوں " کا اشارہ کر دیتی ہیں۔ بعد کو وکیل صاحب باہر تشریف مع دونوں گواہوں کے لاکر، دولھا کے رُوبرو آ کر بیٹھتے ہیں اور داہنے دولھا کے ایک شخص اور، کہ دعوٰی قضا کا رکھتے ہیں اور پیشہ کفش دوزی یا خیاطی یا نور بافی کا کرتے ہیں وہ بھی بیٹھتے ہیں۔۔۔۔۔ جو کہ وکیل صاحب مع گواہوں کے تشریف لائے تھے وہ قاضی صاحب سے سلام علیک کر کے رُوبرو دُولھا کے بیٹھ گئے، قاضی صاحب نے وکیل صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آپ کا آنا کہاں سے ہوا؟ وکیل صاحب نے جواب میں کہا کہ دُخترِ فلاں نے واسطے عقد اپنے کے مجھ کو وکیل مقرر کر کے بھیجا ہے اور میری وکالت کے یہ دونوں اشخاص گواہ ہیں آپ اس کا عقد نوشہ ہٰذا (اس دولھا) کے ساتھ کر دیجئے۔ قاضی صاحب نے بعد طے ہونے گفتگو عقد اور تعین مہر مبلغ ایک لاکھ روپے اور بیس دینار سرخ سوائے نان نفقہ کے نوشہ کی طرف متوجہ ہو کر خیال کیا کہ کنگنہ جو ہاتھ میں دولھا کے بندھا تھا وہ کھول کر علیحدہ رکھ دیا اور سہرا کو لوٹ کر شملہ پر لپیٹ دیا اور یہ کلمات فرمائے کہ فلاں شخص کی دُختر کو بوکالت فلاں شخص اور بہ گواہی فلاں شخص کے بالعوض اس قدر مہر سوائے نان نفقہ کے بیچ نکاح تیرے کے دی میں نے، قبول کی تو نے؟ اس نے کہا قبول کی میں نے۔ بعد کو وکیل صاحب مع گواہوں کے چلے گئے، اور قاضی صاحب بھی اپنا حقِ نکاح خوانی مع دُور کابی پلاؤ کے لے کر تشریف لے گئے۔ دولھا نے وہ کنگنہ پھر اپنے ہاتھ میں باندھ لیا۔ آیا یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور جو کہ اولاد ہوئی وہ حرام کی ہوئی یا حلال کی ہوئی؟ اور قول زید کا یہ ہے کہ نکاح درست نہیں ہوا اور جو کہ اولاد ہوئی وہ حرامی ہوئی۔۔۔؟

الجواب: ظاہر ہے کہ عورت سے اِذن جبھی لیا جاتا ہے کہ عاقلہ بالغہ ہو، اور بیشک عاقلہ بالغہ کا اِذن شرعاً معتبر اور بیشک دوشیزہ (کنواری) کا سکوت بھی اِذن۔ مگر یہ اسی وقت ہے جبکہ ولی اَقرب اس سے اذن لے ورنہ مجرد خاموشی اِذن نہ ٹھہرے گی۔ اور بیشک اکثر لوگ جو وکیل کئے جاتے ہیں اجنبی یا ولی بعید ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں اگر انھوں نے اذن لے لیا اور دوشیزہ نے سکوت کیا تو سرے سے انھیں کے لیے وکالت ثابت نہ ہوئی اور اگر اس نے صاف "ہوں " کہہ دیا یا ولی اقرب کے اذن لینے پر سکوت کیا تو اس کے لیے وکالت حاصل ہوگئی مگر وکیل بالنکاح کو شرعاً اتنا اختیار ہے کہ خود نکاح پڑھائے نہ کہ دوسرے کو پڑھانے کی اجازت دے جب تک ماذونِ مطلق یا صراحۃً دوسرے کو وکیل کرنے کا مجاز نہ ہو بغیر اس کے اگر اس نے دوسرے سے پڑھوایا تو صحیح

مذہب پر نکاح بلا اذن ہوگا اگرچہ عقد اس کے سامنے ہی واقع ہو۔

بہر حال مذہبِ راجح پر یہ نکاح نکاحِ فضولی ہوتے ہیں اور نکاحِ فضولی کو مذہبِ حنفی میں باطل جاننا محض جہالت وفضولی بلکہ باجماعِ ائمۂ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم منعقد ہوجاتا ہے اور اجازتِ اصیل پر (کہ یہاں وہ عورت ہے جس کے لیے بے اذن اس کا نکاح غیرِ وکیل نے کردیا) موقوف رہتا ہے اگر وہ اجازت دے نافذ ہوجائے اور رَدّ کردے تو باطل۔

پھر اجازت جس طرح قول سے ہوتی ہے مثلاً عورت خبرِ نکاح سن کر کہے میں نے جائز کیا یا اجازت دی یا راضی ہوئی یا مجھے قبول ہے یا اچھا کیا یا خدا مبارک کرے **الٰی غیر ذٰلك من الفاظ الرضا** (علاوہ ازیں تمام وہ الفاظ جو رضا پر دلالت کرتے ہیں۔ت) یوں ہی اُس فعل یا حال سے بھی ہوجاتی ہے جس سے رضامندی سمجھی جائے مثلاً عورت اپنا مہر مانگے یا نفقہ طلب کرے یا مبارکباد لے یا خبرِ نکاح سن کر خوشی سے ہنسے یا مسکرائے یا اپنا جہیز شوہر کے گھر بھجوائے یا اس کا بھیجا ہوا مہر لے لے یا اُسے بلا جبر واِکراہ اپنے ساتھ جماع یا بوس وکنار ومساس کرنے دے یا تنہا مکان میں اپنے ساتھ خلوت میں آنے دے یا اس کے کام خدمت میں مشغول ہو جبکہ نکاح سے پہلے اس کی خدمت نہ کیا کرتی ہو۔ **ونحو ذلك من کل فعل یدل علی الرضا** (اور یونہی اس قسم کے تمام وہ افعال جو رضامندی پر دلالت کرتے ہیں۔ت) ان سب صورتوں میں وہ نکاح کہ موقوف تھا جائز ونافذ ولازم ہوجائے گا۔

ہمارے بلاد میں عام لوگوں خصوصاً شریفوں خصوصاً اَغنیاء میں اگرچہ یہ اکثر باتیں شبِ زفاف بلکہ مدت تک اس کے بعد بھی واقع نہیں ہوتیں۔ اور بوس وکنار ومساس وجماع جو اس شب ہوتے ہیں غالباً نہایت اِظہارِ کراہت ونفرت کے ساتھ ہوتے ہیں جن کے باعث انھیں دلیلِ رضا ٹھہرانے میں دِقّت ہے مگر اس میں شبہہ نہیں کہ شوہر کو شبِ زفاف تنہا مکان میں اپنے پاس آنے دینا اور اس خلوت پر سوا شرم کے کوئی اثر مترتب نہ ہونا یقیناً ہوتا ہے نکاح نافذ ہوجانے کے لیے اسی قدر بس ہے اور یہ امر قطعاً پیش اَز جماع واقع ہوتا ہے تو جماع بعدِ نفاذ ولزومِ نکاح واقع ہوا اور اولاد حلال ہوئی بلکہ اگر مقاصدِ شرعِ مطہر اور اپنے بلاد کے حالات کو پیشِ نظر رکھ کر نگاہِ دقیق فقہی سے کام لیجئے تو شبِ اول شوہر کو اپنے ساتھ جماع پر قدرت دینا بھی حقیقۃً رضا ہے اگرچہ بظاہر ہزار اِظہارِ تنفُّر کے ساتھ ہوں کہ یہ کراہتیں جیسی ہوتی ہیں سب کو معلوم ہے حقیقۃً حال یوں منکشف ہو کہ اس مرد کی جگہ کسی اجنبی کو فرض کیجئے جس سے اس کا نکاح نہ کیا گیا اس وقت بھی ایسی ہی ظاہری کراہتوں پر قناعت کر کے بالآخر جماع پر قدرت دے دے گی، حاشا وکلّا، تو صاف ثابت ہوا کہ یہ سب اُمور حقیقۃً قبولِ نکاح سے ناشی ہوتے بلکہ اس سے پہلے رخصت ہوکر جانا بھی اگرچہ بوجہِ مفارقتِ اَعزّہ وخانۂ مالوفہ نہایت گریہ وبُکا کے ساتھ ہوا نصافاً دلیلِ رضا ہے کہ اگر اُسے اپنا شوہر ہونا پسند نہ کرتی اجنبی جانتی ہرگز زفاف کے لیے رخصت ہوکر اس کے یہاں نہ جاتی بلکہ اس سے بھی پہلے آرسی مصحف یعنی جلوہ کی رسم جہاں ہے بشرطیکہ عورت پہلے سے اس کے سامنے نہ آتی ہو وہ بھی دلیلِ قبول ہے کہ اگر غیر مرد سمجھتی زنہار منہ دکھانے پر راضی نہ ہوتی اسی طرح مٹھی کھلوانے وغیرہ کی رسمیں بھی کہ جلوہ سے بھی پیشتر ہوتی ہیں دلالت وعلامت قرار پاسکتی ہیں اور ان تمام باتوں میں بِکر وثیّب یکساں ہیں کہ ان میں صرف مسئلۂ سکوت میں فرق ہے باقی دلالتیں دونوں میں برابر ہیں۔

غرض جب شرع سے قاعدہ کلیہ معلوم ہولیا کہ جس فعل سے اس نکاح پر عورت کی رضا ثابت ہوا اذن واجازت ہے اور بنظرِ

تحقیق و انصاف جب اس شخص اور مرد اجنبی کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو یہ امور دلیلِ رضا وقبول نکلتے ہیں تو نفاذِ نکاح کا اِنکار نہ کرے گا مگر جاہل بلکہ جب یہ طریقۂ نکاح ہمارے بلاد میں عام طور پر رائج اور معلوم ہے کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا بلکہ دوسرے سے پڑھوائے گا تو کہہ سکتے ہیں کہ ضمنِ اِذن میں دوسرے کو اِذن دینے کا بھی عرفاً اِذن مل گیا **فان المعروف کالمشروط کما ھو من القواعد المقررۃ والفقھیۃ** (جیسا کہ فقہی قواعد میں ہے کہ معروف مشروط کی طرح ہے (یعنی عرف میں مقررہ امور بغیر ذکر بھی معتبر ہوں گے۔ت) اور وکیل کو جب اذنِ توکیل ہو تو بیشک اسے اختیار ہے کہ خود پڑھائے یا دوسرے کو اجازت دے **فی الاشباہ لایوکل الوکیل الا باذن او تعمیم** الخ (اشباہ میں ہے کہ کوئی وکیل اپنا نائب وکیل مؤکّل کی اجازت یا عمومی اختیار کے بغیر نہیں بنا سکتا ہے۔ت) اس تقدیر پر یہ نکاح سرے سے نافذ ولازم واقع ہوا جس کی تنفیذ میں ان تدقیقات کی اَصلاً حاجت نہ رہی مگر یہ جب ہی کہہ سکیں گے کہ اس طریقۂ نکاح کی شہرت ایسی عام ہو کہ کنواری لڑکیاں بھی اس سے واقف ہوں اور جانتی ہوں کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا دوسرے سے پڑھوائے گا۔

ورنہ یہ لڑکیوں کے ہاں معروف نہیں ہوگا (تو) ان کے حق میں مشروط کی طرح نہ ہوگا، غور کرو اور شہر میں روٹی کے بھاؤ وغیرہ کے مسئلہ کی طرف رجوع کرو۔(ت)

یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ وکیلِ اصلی نے بعدِ نکاح کوئی کلمہ ایسا نہ کہا جو اس نکاح کی اجازت ٹھہرے ورنہ خود اسی کے جائز کرنے سے جائز ہو جائے گا اگرچہ اسے اذنِ توکیل اَصلاً نہ ہو۔

غرض ہر طرح پیش اَز جماع ان نکاحوں کے نافذ اور لازم ہونے میں شبہہ نہیں تو اولاد قطعاً اولادِ حلال اور بالفرض ان باتوں سے قطع نظر کیجئے اور بتقدیر باطل ہی مان لیجئے کہ اَصلاً ان امور سے کچھ واقع نہیں ہوتا تاہم جب ان بلاد میں عام مسلمین کو اس میں اِبتلا ہے تو راہ یہ تھی کہ اس روایت پر عمل کریں جسے امام عصام نے اپنے متن میں اختیار فرمایا اور امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی اور زاہدی نے قنیہ میں اس پر جزم کیا اور علامہ سیدی احمد طحطاوی نے اس کی تائید کی یعنی وکیل بالنکاح جب دوسرے کو نکاح پڑھانے کی اجازت دے اور وہ اس کے سامنے پڑھا دے تو نکاح جائز ونافذ ہو جائے گا اگرچہ وکیل کو اذنِ توکیل نہ ہو۔ اور اگر بحالتِ استیذانِ غیرِ اقرب سکوت ہوا تو روایتِ امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی موجود کہ مطلقاً سکوت کافی ہے۔ مقاصدِ شرع سے ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعتِ مطہرہ رِفق وتیسیر پسند فرماتی ہے نہ معاذ اللہ تضییق وتشدید، ولہٰذا جہاں ایسی دِقتیں واقع ہوئیں علمائے کرام اِنھیں روایات کی طرف جھکے ہیں جن کی بناء پر مسلمان تنگی سے بچیں۔

البتہ اس قدر ضرور ہے کہ اس طریقۂ نکاح میں ایک بے احتیاطی ہے جس کے باعث بعض دِقتوں میں پڑنے کا اِحتمال تو اہلِ اسلام کو ہدایت چاہیئے کہ اس سے باز آئیں، تین باتوں سے ایک اختیار کریں:

اولاً: سب سے بہتر یہ ہے کہ جس سے نکاح پڑھوانا منظور ہے عورت سے خاص اسی کے نام اِذن طلب کریں اور ہمیشہ ہر طریقہ میں ملحوظِ خاطر رہے کہ اذن لینے والا یا تو ولی اَقرب یا اس کا وکیل یا رسول ہو یا عورت سے صراحۃً "ہوں" کہلوالیں، مجرد سکوت پر قناعت نہ کریں، اور بعض اَحمق جاہلوں میں جو یہ دستور سنا گیا ہے کہ دلہن کے سر سے بلا ٹالنے کو پاس بیٹھنے والیوں میں سے کوئی "ہوں" کہہ دیتی ہے اس کا اِنسداد کریں۔

ثانیاً: وکالت دوسرے ہی کے نام کرنا چاہیں تو یوں سہی کہ جس طرح دلھن سے اس کی وکالت کا اِذن مانگیں یونہی اسے اختیارِ توکیل دینا بھی طلب کریں یعنی کہیں تو نے فلاں بن فلاں بن فلاں کو فلاں بن فلاں بن فلاں کے ساتھ اس قدر مہر پر اپنے نکاح کا وکیل کیا اور اُسے اختیار دیا کہ چاہے خود پڑھائے یا دوسرے کو اپنا نائب بنائے، دلھن کہے "ہوں"

ثالثاً: اگر یہ بھی نہ ہو اور دوسرے ہی شخص نے وکیل کے سامنے نکاح پڑھایا تو جب وہ پڑھا چکے وکیل فوراً اپنی زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے اس نکاح کو جائز کیا۔ اور اس کہنے میں تاخیر نہ کرے کہ مبادا اس کے جائز کرنے سے پہلے دلھن کو خبرِ نکاح پہنچے اور اس کی ہم عمریں حسبِ عادتِ زمانہ اسے کچھ چھیڑیں اور وہ اپنی جہالت سے کوئی ایسی بات کہہ بیٹھے جس سے یہ نکاح کہ اب نکاحِ فضولی تھا رد ہوجائے پھر وکیل تو وکیل خود دلھن کے جائز کئے بھی جائز نہ ہوگا **فان الاجازۃ لاتلحق المفسوخ** (کیونکہ فسخ شدہ نکاح کو بعد کی اجازت مفید نہیں ہے۔ ت) بخلاف ان تینوں شکلوں کے کہ بالکل اندیشہ ودغدغہ سے پاک ہیں۔ ص142 تا 153

نکاحِ فضولی میں عورت کی قولاً یا فعلاً یا سکوتاً اجازت

بہر کیف یہاں آکر اس نکاح کے منعقد ہوجانے میں شبہ نہیں مگر ازآنجا کہ شخصِ مذکور فضولی تھا اجازتِ مخطوبہ پر موقوف رہا، اب اگر بعد وقوعِ نکاح اس کی خبر پاکر قبل اس کے کہ مخطوبہ سے کوئی قول یا فعل دلیلِ رد و اِبطالِ نکاح صادر ہو قولاً یا فعلاً یا سکوتاً اجازت پائی گئی تو نکاح صحیح وتام ونافذ ہوگیا۔

اجازتِ قولی یہ کہ مثلاً مخطوبہ کہے میں راضی ہوئی مجھے منظور ہے یا اچھا کیا الحمدللہ، اور **فعلی** یہ کہ مثلاً بے جبر واکراہ شوہر کو خلوت میں اپنے پاس آنے دے یا اس سے مہر یا نفقہ طلب کرے یا اور کوئی فعل کہ دلیلِ رضا ہو، اور **سکوتی** یہ کہ خود ولی یا اس کا رسول یا ایک ثقہ پرہیزگار جس کی عدالت معلوم متحقق ہو یا دو مستورُ الحال جن کا فسق معلوم نہ ہو مخطوبہ کو نکاح کی اطلاع دیں اور وہ شوہر کو پہچانتی ہو اور وہ اس کا کفو بھی ہو یعنی دِین یا نسب یا پیشے یا چال چلن وغیرہ میں ایسی کمی نہ رکھتا ہو کہ اس سے نکاح اولیاءِ مخطوبہ کے لیے عار ہو، اس صورت میں مخطوبہ یہ خبر سن کر خاموش ہو رہے تو یہ سکوت بھی اجازت سمجھا جائے گا **وقد فصلنا القول فی کل ذلك فی فتاوٰنا** (اس تمام بحث کو ہم اپنے فتاوٰی میں بیان کر چکے ہیں۔ ت) **بالجملہ** یہ صورتِ رائجہ دِقت سے خالی نہیں خصوصاً بعدِ استماعِ خبر اظہارِ نفرت واقع ہو جیسا کہ بلادِ ہندوستان میں اکثر دُخترانِ دوشیزہ کا معمول ہے جب تو نکاح صاف رد ہوجائے گا کہ پھر مخطوبہ کے جائز کئے بھی جائز نہیں ہوسکتا لہٰذا اس طریقے کی تبدیلی ہی واجب ومناسب ہے یا تو شخصِ متوسط پہلے خاطب سے اذن و وکالت حاصل کرکے جائے اور وہاں جو کلام مخطوبہ سے کہتا ہے اس سے تحقیقِ عقد مقصود رکھے کہ مخطوبہ سے اسی قدر گفتگو پر نکاح تام ونافذ ہوجائے، یا مخطوبہ سے یہ الفاظ نہ کہے بلکہ اپنے لیے اذن ووکالت لے کہ تو نے فلاں ابن فلاں ابن فلاں کے ساتھ اتنے مہر پر اپنا نکاح کرنے کے لیے مجھے وکیل کیا۔ مخطوبہ کہے ہاں، پھر وہاں سے آکر خود یہی شخص خاطب سے کہے میں نے فلانہ بنت فلاں بن فلاں کو اتنے مہر پر تیرے نکاح میں دیا تو نے قبول کیا؟ خاطب کہے ہاں، یا یہی الفاظ رکھنا چاہیں تو اول ہی مخطوبہ سے جو گفتگو کی جاتی ہے اسے مجلسِ توکیل وطلبِ رضا نہ سمجھیں بلکہ اسی کو مجلسِ عقد سمجھیں، اور شخصِ مذکور وہ الفاظ بقصدِ تحقیقِ عقد ہی مخطوبہ

سے کہے کہ نکاح وہیں منعقد ہوجائے پھر خاطب کا قبول اس کی تنفیذ قرار پائے۔ص169

عورت کے نکاحِ فضولی کو رد اور جائز کرنے کی تفصیلی صورتیں

نکاح فضولی ہوا کہ قولاً یا فعلاً رد کردے تو رد ہوجائے اور قولاً یا فعلاً یا سکوتاً اجازت دے تو جائز ہوجائے۔

ردِقولی: یہ کہ خبرِ نکاح سن کر صاف کہے میں نے رد کیا یا مجھے منظور نہیں یا میں نکاح کرنا ہی نہیں چاہتی یا اور کوئی کلمہ ان کے مثل اور

ردِفعلی: یہ کہ مثلاً ہاتھ ہلا دے کہ میں راضی نہیں یا اور کوئی حرکت ایسی کرے جس سے اس نکاح سے حقیقۃً نفرت و ناراضی ظاہر ہو اور

اجازتِ قولی: یہ کہ میں راضی ہوئی یا مجھے پسند ہے یا خدا مبارک کرے یا بہتر ہوا، یا اس کی مثل اور الفاظ، اور

اجازتِ فعلی: مثلاً بلا جبر و اِکراہ شوہر کے یہاں رخصت ہوکر جانا یا خلوت میں اپنے پاس اسے آنے دینا یا اس سے مہر یا نفقہ طلب کرنا یا اور کوئی فعل کہ دلیلِ رضامندی ہو، اور

اجازتِ سکوتی: یہ کہ خود ولی یا اس کا رسول یا ایک ثقہ پرہیزگار یعنی جس کی عدالت و وثاقت معلوم ہو یا دو مستورُ الحال یعنی جن کا کوئی فسق نہ معلوم ہو نکاح ہوجانے کی عورت کو خبر دیں اور وہ شوہر کو پہچانتی ہو اور غیرِ اَب وجَدّ نے نکاح کیا ہو مہر میں کمی فاحش نہ کی ہو اور شوہر اس کا کفو بھی ہو یعنی اس کے دِین یا نسب یا پیشہ وغیرہا میں کوئی بات ایسی نہ ہو جس کے باعث اس سے نکاح اس کے اولیاء کے حق میں عار ہو اس صورت میں عورت خبر سن کر خاموش رہے تو یہ خاموشی بھی اجازت تصور کی جائے گی، **غرض یہ پانچ صورتیں ہیں** دو رد کی کہ ان کے وقوع سے نکاح باطل ہوجائے گا اور تین اجازت کی کہ ان کے وقوع سے نفاذ پائے گا، اور جب تک ان پانچ میں سے کوئی صورت واقع نہ ہو بدستور موقوف رہے گا جب تک کہ ان میں سے ایک واقع ہو مثلاً ہنوز عورت کو نکاح کی خبر ہی نہ ہوئی یا خبر دو اجنبی فاسقوں یا ایک اجنبی مستورُ الحال نے دی اور عورت خاموش رہی یا خود ولی خواہ اس کے فرستادہ نے اطلاع دی، مگر عورت شوہر کو نہ پہچانتی تھی یا پہچانتی تھی مگر جس سے اَب وجَدّ کے سوا اور ولی نے نکاح کر دیا وہ کفو نہ تھا یا مہرِ مثل سے کمی فاحش کی تھی، تو ان سب صورتوں میں یہ خاموشی نہ اجازت ہوگی نہ رد، بلکہ عورت کو اختیار رہے گا چاہے جائز کردے خواہ باطل۔ص535

معاذ اللہ اگر مرد یا عورت نے نکاح سے پہلے کفرِ صریح کا اِرتکاب کیا تھا تو؟

معاذ اللہ اگر مرد یا عورت نے پیش اَز نکاح کفرِ صریح کا ارتکاب کیا تھا اور بے توبہ و اسلام ان کا نکاح کیا گیا تو قطعاً نکاح باطل، اور اس سے جو اولاد ہوگی ولدُ الزّنا، اسی طرح اگر بعد نکاح ان میں کوئی معاذ اللہ مرتد ہوگیا اور اس کے بعد کے جماع سے اولاد ہوئی تو وہ بھی حرامی ہوگی، اس کے سوا وہ کلمات جن پر فتاوٰی وغیرہا میں خلافِ تحقیق حکمِ کفر لکھ دیتے ہیں اور وہ کلمات جن میں کوئی ضعیف مرجوح روایت بھی اگرچہ اور کسی امام کے مذہب میں عدمِ کفر کی نکل آئے ان کے ارتکاب سے گو تجدیدِ اسلام و نکاح کا حکم دیں مگر اولاد اولادِ زنا نہیں۔ص153

کلام صورۃً اِستفہام ہو اور معنیً تحقیقِ عقد مستفاد ہو تو ایجاب یا توکیل متصور ہوگا

زید نے ہندہ سے اس طور پر نکاح کیا کہ دو گواہوں اور ایک وکیل نے ہندہ کے پاس جا کر یہ کہا کہ بکر کے بیٹے زید نے ایک ہزار روپے کے بدلے میں تم کو اپنی زوجیت میں طلب کیا ہے اور مجھ کو وکیل قرار دو، تو ہندہ مذکورہ نے فقط لفظ ''قبول'' کہا

پھراس طرح تینوں شخص زید کے پاس گئے اور وکیل نے زید سے جا کر کہا کہ تم نے خالد کی بیٹی ہندہ کو مہر مذکور پر قبول کیا تو زید نے صرف لفظ '' قبول '' کہا اب اس صورت میں فقط لفظ '' قبول '' سے نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ لفظ '' قبول '' سے نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے کیونکہ لفظ '' قبول '' مصدر ہے اور مصدر سے نکاح درست نہیں ہوتا۔۔؟

الجواب: صورتِ مستفسرہ میں صحتِ نکاح میں شبہہ نہیں، جب ہندہ نے بعد سوالِ توکیل لفظ '' قبول '' کہا یہ ایجابِ توکیل ہوا اور وہ شخص وکیلِ ماذون ہو گیا اب کہ وکیل نے خاطب سے آکر وہ لفظ کہے یہ جانبِ وکیل سے ایجاب ہوا۔

تو حقیقتاً یہ استفہام ہے اگرچہ حرفِ استفہام پوشیدہ ہے اور استفہام مقامِ تحقیق و انعقاد میں اَمر کا معنٰی دیتا ہے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں تحقیق کی ہے اور نکاح میں امر ایجاب قرار پاتا ہے، اس ترجیح یافتہ قول کو چھوڑ کر ہم اس کو توکیل نہ بنائیں گے کیونکہ عورت کا وکیل کسی دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا جس کی بنا پر عقد نافذ نہ ہوگا جبکہ اس میں تنگی ہے اور اللہ تعالٰی تو نرمی اور وسعت کو پسند فرماتا ہے۔(ت)

اور زوج کا '' قبول '' کہنا قبول ہوا اور نکاح صحیح و تام نافذ ہو گیا، اور یہ اعتراض کہ '' قبول '' مصدر ہے اور مصدر سے نکاح درست نہیں راساً ساقط ہے کہ یہ لفظ اس سوالِ وکیل کے جواب میں ہے کہ '' تم نے ہندہ کو قبول کیا '' اور عقل و نقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے کہ: جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے جیسا کہ اَشباہ وغیرہ بہت سی کتب میں تصریح ہے۔(ت)

تو جواب میں صرف لفظ '' قبول '' کے قطعاً یہی معنٰی ہیں کہ '' قبول کیا '' اور یہ ماضی ہے اور ماضی سے نکاح یقیناً درست ہے(جیسا کہ متون، شروح اور فتاوٰی میں تصریح ہے۔ت)معہذا یہاں اصل کار وہ الفاظ ہیں جو رضا بالانشا پر بے احتمالِ مساوی دلیل ہوں اور شک نہیں کہ لفظ '' قبول '' صراحۃً اس پر دال، ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں اگر عورت سے کہا اپنے نفس کو میری زوجیت میں دے اس نے کہا بالسمع والطاعۃ نکاح ہو گیا۔ص 209

اِستفہام وعقد، اَقسامِ اِنشا سے دو قسم متبائن ہیں تو جہاں حقیقتِ استفہام مقصود و مفہوم ہو وہ کلام ایجاب یا قبول نہیں قرار پا سکتا ہاں اگر صورۃً اِستفہام اور معنیً تحقیقِ عقد مستفاد ہو تو ایجاب یا توکیل متصور ہوگا مگر اس کے لیے قیامِ قرینہ درکار **کما هو شان کل مجاز** (جیسا کہ ہر مجاز کا تقاضا ہے۔ت) ولہذا علماء فرماتے ہیں اگر زید نے عمرو سے کہا تو نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی اس نے کہا "دی" یا "ہاں" نکاح نہ ہوگا جب تک زید اس کے جواب میں "میں نے قبول کی" نہ کہے۔ اسی طرح کتب معتبرہ کثیرہ میں ہے، یہ اصل استفہام کا حکم ہے، یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کی ہنگامِ ارادۂ تحقیق عقد تام ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ وخزانۃ المفتین میں ہے: اگر ایک نے دوسرے سے فارسی میں کہا کہ تو نے اپنی لڑکی مجھے دی، تو دوسرے نے کہا "دی" تو نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ یہ پہلے کا کلام، طلبِ خبر ہے اور طلبِ وعدہ ہے لہذا اس کلام سے دوسرا پہلے کے لئے وکیل نہ ہو سکے گا۔ مگر یہ کہ پہلے نے اپنی کلام سے تحقیقِ عقد(مجازی معنٰی)مراد لیا ہو تو نکاح ہو جائے گا اور استفہام کا حقیقی معنی اِستفسار اور منگنی واستخبار ہو تو نکاح نہ ہوگا۔(ت)

لاجرم قولِ فیصل یہ قرار پایا کہ مدارِ کار مفہوم ومستفاد بنظرِ احوال وقرائنِ استعمال پر ہے۔ زید نے کہا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی؟ عمرو نے کہا دی، اگر مجلس منگنی کی تھی منگنی ہوئی اور نکاح کی تھی تو نکاح ہو گیا۔

اب رہا شخصِ مذکور کا خاطب سے خطاب، یہاں ضرور تحقیقِ عقد ہی مقصود ہے تو یہ استفہام حقیقۃً ایجاب ہوا اور زوج کا کہنا قبول کیا قبول۔

اَقول وباللہ التوفیق، تحقیقِ مقام یہ ہے کہ استفہام ہنگامِ ارادۂ تحقیق مفیدِ معنیٰ امر ہوتا ہے **قال اللہ تعالٰی** {فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ} ای اِنۡتَھوا اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا تم باز آ ؤ گے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ باز آ ؤ۔

اور ''تو نے قبول کیا؟'' بمعنی ''قبول کر'' ہے، اور امر میں اگرچہ ہمارے علما مختلف ہوئے کہ وہ توکیل ہے یا ایجاب۔ مگر نظرِ فقہی حاکم ہے کہ یہ امر بالاتفاق مفیدِ ایجاب اور ان دِقتوں سے برکراں ہے۔ بہر کیف یہاں آ کر اس نکاح کے منعقد ہو جانے میں شبہ نہیں۔ ص155 تا164

کافر و مرتد یا نابالغ نکاح پڑھائے تو؟

اس سے نکاح پڑھوانا ہرگز نہ چاہئے کہ مرتد کے پاس تک بیٹھنا شرعاً معیوب ہے۔ مگر پڑھائے گا تو نکاح صحیح ہو جائے گا کہ اگر وہ صرف الفاظِ ایجاب وقبول کہلوانے والا ہے، کہنے والے خود عاقدین یا ان کے اولیاء یا وُکلاء جب تو پُر ظاہر کہ اسے عقد سے کوئی علاقہ نہیں، تو اس کے کفر واسلام یا بلوغ یا عدمِ بلوغ سے عقد پر کیا اثر ہوسکتا ہے اور اگر وکیل بھی ہو کہ خود ہی ایجاب یا قبول کرے گا تاہم صحتِ وکالت کے لیے اسلام خواہ بلوغ شرط نہیں، عاقل ہونا درکار، وہ حاصل ہے۔ ص171

نکاح کے لیے قاضی کا ہونا ضروری ہے نہیں

نکاح کے لیے فقط مرد وعورت کا ایجاب وقبول چاہئے اور دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کا اسی جلسہ میں ایجاب وقبول کو سننا اور سمجھنا کہ یہ نکاح ہو رہا ہے، بس اسی قدر درکار ہے، اس سے زیادہ قاضی وغیرہ کی حاجت نہیں۔ ص181

نکاح خواں یا گواہ نابینا ہوں تو بھی نکاح ہو جائے گا

بلاشبہہ جائز ہے کہ نکاح پڑھانے میں آنکھوں کا کیا کام، بلکہ جب وہ عالم ہے تو وہی اَنۡسَب واَولٰی، خود گواہانِ نکاح جن کے بغیر نکاح اَصلاً صحیح نہیں اگر نابینا ہوں کچھ مضائقہ نہیں تو نکاح پڑھانے والے کی بینائی کیا ضرور کہ وہ خود ہی نکاح کے لیے ضروری نہیں، عاقدین کا آپ ایجاب وقبول کافی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص186

جاہل سے نکاح نہ پڑھوایا جائے

بے نگاہی یا بے نگاہ بانی کچھ نکاح پڑھانے میں مخل نہیں، ہاں جاہل ہونا مخل ہوسکتا ہے کہ جب مسائلِ نکاح سے آگاہ نہیں تو ممکن کہ وہ صورت کردے جس سے نکاح صحیح نہ ہو اور زوجین بھی بوجہِ جہل اس سے غافل رہیں تو معاذ اللہ عمر بھر حرام میں مبتلا ہوں، لہٰذا نکاح میں بہت احتیاط لازم، عقد کرنے والا دِیندار، متقی، مسائلِ نکاح سے واقف ہو کہ جاہل سے نادانستہ وقوعِ مخل کا اندیشہ تھا، فاسق بد دیانت پر اعتماد نہیں، جب وہ خود حلال وحرام کی پروا نہیں رکھتا تو اوروں کے لیے احتیاط کی کیا امید۔ ص188

بعض نکاحوں میں مشاہدہ ہوا ہے کہ نکاح خواں نے کلماتِ ایجاب دُولھا کے کان میں کہے کہ حاضرین میں کسی نے نہ سنے

صحیح مذہب میں یوں نکاح نہیں ہوتا کہ مجلسِ واحد میں معاً دو گواہوں کا دونوں الفاظِ ایجاب وقبول سننا شرط ہے۔ص190

اس شرط پہ نکاح کیا کہ ایک ماہ کے بعد طلاق دے دوں گا تو؟

نکاح صحیح ہے خواہ دل میں یہ قصد رکھا خواہ عقد میں اس کی شرط کر لی کہ طلاق کا شرط کرنا ہی ارادۂ نکاحِ دائم پر دلیل ہے، ہاں اگر یوں عقد کرے کہ میں نے تجھ سے ایک مہینہ یا ایک برس یا سو برس کے لیے نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا کہ ایک وقت تک نکاح کو محدود کر دینا صورتِ متعہ ہے اور متعہ محض حرام اور زِنا۔ص192

منگنی توڑنے کا حکم

مخطوب منہ کا اپنے اقرار سے پھرنا اور خاطب اول کو زبان دے کر دوسرے سے قصدِ تزویج کرنا شرعاً مذموم و بے جا و قابلِ مواخذہ ہے، قال تبارك وتعالیٰ: {اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا} (عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ت) اور جس طرح مخطوب منہ پر مواخذہ ہے اسی طرح وہ دوسرا خاطب جس نے مخطوبۂ غیر پر پیام دیا شرعاً مرتکبِ شناعت ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھائی کے سودے پر سودے اور بھائی کی منگنی پر منگنی سے منع فرمایا۔(ت) مگر بااینہمہ اگر مخطوب مِنْہ اپنی لڑکی کا خاطبِ اول سے نکاح نہ کرے اور غیر سے تزویج کر دے یہ نکاح شرعاً صحیح و درست ہو جائے گا۔

رہا مخطوب مِنْہ پر گناہ، وہ بھی اسی وقت تک ہے کہ اس نے بلا وجہ یا کسی رَنجشِ دُنیوی کے سبب تزویج خاطبِ اول سے اِعراض کیا ہو، اور اگر درحقیقت کوئی عذرِ مقبول پیدا ہوا اور اس نکاح میں اس نے حرجِ شرعی سمجھا اور خاطبِ ثانی کو حقِ دُختر میں بہتر جانا تو شرع مطہر ہرگز اس پر لازم نہیں کرتی کہ تو اپنی زبان پالنے کے لیے محذورِ شرعی گوارا یا دیدہ و دانستہ بیٹی کے حق میں بُرا کر، نیک و بد پر کامل نظر ذِمۂ پدر رواجب وضرور، اور آدمی نہ تبدیلِ رائے سے محفوظ و مصون، نہ کسی وقت بعض مصالح پر نہ اطلاع پانے پر مامون، یہ تو صرف اقرار ہی تھا، ہمارے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو دربارۂ قسم ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تم کسی بات پر قسم کھا بیٹھو پھر خیال میں آئے کہ اس کا خلاف شرعاً بہتر ہے تو اس بہتری پر عمل کرو اور قسم کا کفارہ دے دو۔

پس پدرِ مخطوبہ پر لازم ہے کہ خدا سے ڈرے اور اَصلح واَوفق پر نظر کرے وہ دو مطالبوں کے زیرِ تقاضا ہے اِیفائے موعدت ودفعِ مفسدت، پھر اگر خاطبِ اول میں کوئی محظورِ شرعی نہ ہو تو اول پر عمل کرے ورنہ ثانی پر کاربند رہے من ابتلی ببلیتین فاختار اھونھما (جو دو آزمائشوں میں مبتلا ہو تو آسان کو اختیار کرے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ص197

ایک عورت کا بیان ثبوتِ رضاعت کے لیے کافی نہیں

رہا مسئلہ رضاعت، ہمارے مذہب میں ایک عورت کا بیان ثبوتِ رَضاعت کے لیے کافی نہیں خصوصاً جبکہ خود مضطرب ہو، اس سے احتیاطاً بچنا صرف مرتبۂ اِستحباب میں ہے اور فعل غایت درجہ مکروہ تنزیہی یعنی خلافِ اَولیٰ کہ نہ کرے تو بہتر، کرے تو کچھ گناہ نہیں۔ص204

جو اپنا مال، جان، دین، یا گھر والوں کو بچانے میں مارا جائے وہ شہید

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو اپنا مال بچانے میں مارا جائے وہ شہید، جو اپنی جان بچانے میں مارا جائے وہ شہید، جو اپنا دین بچانے میں مارا جائے وہ شہید، جو اپنے گھر والوں کے بچانے میں مارا جائے وہ شہید (ت)۔ص 206

تعظیماً جمع کا لفظ خدا تعالٰی کی شان میں بولنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسے کہ ''اللہ جل شانُہ یوں فرماتے ہیں''

الجواب: حرج نہیں، اور بہتر صیغہ واحد ہے کہ واحد اَحد کے لیے وہی اَنسب ہے، قرآنِ عظیم میں ایک جگہ رب عزوجل سے خطاب جمع ہے: {رَبِّ ارْجِعُوْنِ}، وہ بھی زبانِ کافر سے ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ص 207

بوقتِ نکاح کلمے اور صفت ایمانِ مجمل و مفصّل پڑھانا

بہتر ہونے میں کیا کلام کہ ذکرِ خدا اور سول جلَّ جلالہُ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیرِ محض ہے، خصوصاً تجدید ایمان، کہ ویسے بھی حدیث میں اس کا حکم ہے۔ اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: اپنے ایمان تازے کرو لا الٰہ الا اللہ بکثرت کہو۔

تو اس قدر ضرور مسلّم کہ اس کو کرنا چاہیئے، ہاں بہت ضروری کہنا نوعِ اِفراط سے خالی نہیں جہلاً یا سہواً معاذ اللہ کلمۂ کفر صادر ہو جانا محتمل سہی مگر اِسے مظنون ٹھہرالینا سوئے ظن ہے اور بے حصولِ ظن حکم ضرورت نہیں۔ص 208

بالغہ جو بے رضائے ولی بطورِ خود اپنا نکاح کرے تو؟

بالغہ جو بے رضائے ولی بطورِ خود اپنا نکاح خفیہ خواہ اعلانیہ کرے، اس کے اِنعقاد وصحت کے لیے یہ شرط ہے کہ شوہر اس کا کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا پیشے یا مال یا چال چلن میں عورت سے ایسا کم نہ ہو کہ اس کے ساتھ اس کا نکاح ہونا اولیائے زَن کے لیے باعثِ ننگ وعار وبدنامی ہو، اگر ایسا ہے تو وہ نکاح نہ ہوگا، مال میں کفاءت کو صرف اس قدر کفایت کہ وہ شخص اگر پیشہ ور ہو تو روز کا روز اتنا کما تا ہو جو اس عورت غنیہ کے قابلِ کفایت روزانہ دے سکے، اور پیشہ ور نہیں تو ایک مہینہ کا نفقہ دے سکے، اور مہر جس قدر معجّل ٹھہرے اس کے ادا پر قدرت بہرحال درکار ہے۔ ماں باپ کو ناراض کرنے کا وبال (لڑکی) پر ہو تو جُدا اَمر ہے۔ص 214

ناکح کا گواہوں کو پہچاننا ضروری نہیں

نہ ناکح کا شاہدَین کو پہچاننا ضرور، نہ شاہدَین کا وقتِ عقد کچھ بولنا ضرور، نہ خاص لفظِ نکاح یا زوجیت ضرور، نہ صرف فلاں عورت کہنے میں محذور، جبکہ تنہا اسی قدر سے اس کی معرفت ہو جائے، شاہدَین کا معاً لفظینِ ایجاب وقبول کو سننا اور اتنا سمجھنا کہ یہ نکاح ہو رہا ہے اور لفظِ نکاح وتزویج ہونا یا کوئی اور لفظ جو تملیکِ عین کاملہ فی الحال کے لیے وضع کیا گیا اور شاہدَین کے نزدیک عاقدَین اَعْنی زوج وزوجہ کا متمیز ہو جانا خواہ بحضور ورؤیت واِشارہ یا بغَیبت وتسمیہ مجردہ یا مع نسبت وغیرہ متمیزات میں اس قدر ضرور ہے۔ص 217

نکاح میں تین بار اِیجاب وقبول کرنا ضروری نہیں

نکاح خواہ کسی عقد میں تین بار قبول اَصلاً ضرور نہیں ایک ہی بار کافی ہے، اور تین بار تین طرح الفاظِ قبول ادا ہونا کچھ مضر

نہیں، ہاں اگر گھبراہٹ میں بجائے قبول بعض الفاظِ ردو اِنکار ادا ہوں تو یہ دیکھا جائے گا کہ پہلے لفظِ قبول کہا تھا تو نکاح ہوگیا کہ بعد تمامیِ عقدرَ دو اِنکار مانعِ انعقادنہیں، اور پہلے لفظِ اِنکار کہا تو وہ ایجاب رد ہوگیا، اب جو اس کے بعد اس نے لفظِ قبول کہا یہ اس کی طرف سے اِیجاب ہوا، اگر اس مجلس میں ادھر سے لفظِ قبول متحقق ہوا منعقد ہوجائے گا ورنہ باطل ہوجائے گا، اور اگر متعدد الفاظ میں لفظِ ردکوئی نہ تھا ہاں ایسے الفاظ تھے کہ قبول نہ ٹھہریں تو وہ خواہ پہلے ہوں یا پیچھے جبکہ مجلس بدلنے سے پہلے ایک لفظ بھی قبولِ صحیح کا ادا ہوگا نکاح ہوجائے گا لان الفور غیر شرط والمجلس یجمع المتفرق (کیونکہ فوراً قبول کرنا شرط نہیں اور مجلس جامعِ متفرقات ہے۔ت)اور ایجاب عورت کی طرف سے ہو یا مرد کی طرف سے دونوں درست ہیں،عقود میں ایجاب وقبول کچھ متعین نہیں، عاقدَین میں جس کی طرف سے الفاظِ عقد پہلے صادر ہوں گے، ان کا نام ''ایجاب'' رکھا جائے گا ان کے جواب میں دوسرا جو کہے گا وہ قبول قرار پائے گا،مثلاً عورت نے مرد سے کہا ''میں نے تجھے اپنی زوجیت میں قبول کیا'' یہ ایجاب ہوا اگرچہ بلفظِ قبول ہے، مرد نے اس کے جواب میں کہا ''میں نے تجھے اپنی زوجیت میں لیا'' یہ قبول ہوا اگرچہ بلفظِ قبول نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ص217

نکاح کا وکیل، گواہ یا نکاح خواں وہابی ہوتو نکاح کا حکم

وہابی وغیر مقلد کی ضلالت جبکہ حدِکفر تک نہ پہنچی ہو(اور یہ غیر مقلد وہابیوں میں نادر ہے اور جیسے طائفہ رشیدیہ پیدا ہوا، مقلدوہابیوں میں بھی کٹر اسمٰعیلیو ں کی طرح یہی حالت ہوگئی ان میں غالباً کوئی نہ ہوگا،جس پر بحکمِ فقہائے کرام لزومِ کفر نہ ہو،اور بہت تو صریح اِلتزام کی حد پر ہیں نسأل اللہ العافیة وحسن العاقبة)جب تو نکاح میں ان کا شاہد ہونا اَصلاً مخل نہیں اور اگر حدِکفر پر ہوں تو وکالت جب بھی جائز ہے کہ مرتد کو وکیل کر سکتے ہیں اس کی وکالت صحیح ہوجائے گی اگرچہ اس سے میل جول اِختلاط حرام ہے۔

رہی شہادت،عوام میں دو شخص جن کو گواہیِ نکاح سے نامزد کیا جاتا ہے وہ اگر دونوں مرتد وہابی تھے مگر جلسے میں اور دومرد یا ایک مرد دوعورتیں مسلمان ہیں جنھوں نے معاً ایجاب وقبول سنا اور سمجھا جب تو نکاح صحیح ہوگیا،لوجود الشھود وان کان من سموا شھودامرتدین (گواہوں کی حاضری کی وجہ سے،اگرچہ انھوں نے مرتد گواہوں کو نامزد کیا ہو۔ت)اور اگر صرف یہی حاضر وسامع وفاہم تھے یا اور جتنے ہیں وہ بھی ایسے ہی ہیں ایک نصاب مسلمانوں سے پورا نہیں تو نکاح صحیح نہ ہوا فاسد محض ہوا(کیونکہ صحت کے لیے گواہی شرط ہے اور مرتد شہادت دینے کا اہل نہیں ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت)واللہ تعالٰی اعلم۔ص218

اگرچہ نکاح خواں شرعِ مطہر میں کوئی چیز نہیں، اگر کوئی ہندومشرک زوجین کو ایجاب وقبول روبروئے گواہان کرادے اور شرائطِ صحت متحقق ہوں نکاح ہوجائے گا۔مگر یہاں ایک نکتہ جلیلہ ہے جسے وہی سمجھتے ہیں جو مُوَفَّق مِنَ اللہ تعالٰی عزوجل ہیں وہ یہ کہ اگر ہندومشرک پڑھا جائے گا تو کوئی کلمہ گو اُسے معظَّمِ دینی بلکہ مسلمان بھی نہ جانے گا بخلاف ان کلمہ گو یان کفر دَر دِل کے کہ عوام ان کو خالص مسلمان جانتے ہیں حالانکہ ان پر صدہا وجہ سے بحکمِ احادیثِ صحیحہ وتصریحاتِ فقہیہ حکمِ کفر لازم ہے۔جیسا کہ

الکوکبۃ الشھابیہ اور النھی الاکید وغیرہ رسائل میں ہم نے تفصیل بیان کردی ہے اور میری نظر میں مزید امور بھی ہیں (ت)

اور ان میں بہت تو کھلم کھلا ضروریاتِ دین کے مُنکِر اور قطعاً اِجماعاً مرتد کافر ہیں اور نکاح خوانی کے لیے لوگ اُسے بلاتے ہیں جسے اپنے نزدیک صالح اور معتبر جانتے ہیں تو اگر زوجین میں سے کسی نے ان کے کفریات پر مطلع ہوکر پھران کو نیک اور صالح سمجھا تو ان پر بھی وہی حکم نقدِ وقت ہوگا (جیسا کہ الشفاء اور الاشباہ وغیرہما میں تصریح کی گئی ہے۔ت) ایسی صورت میں بحکمِ فقہ اَصلاً مطلق نکاح نہ ہوگا، لہٰذا احتیاط فرض ہے، اگر ایسا واقع ہولیا یعنی اس کی گواہیوں پر مطلع ہوکر پھر اسے معظّم ومتبرک سمجھ کر نکاح خوانی کے لیے بلایا تو بعدِ توبہ تجدیدِ اسلام تجدیدِ نکاح لازم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص219

نکاح کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے یا بیٹھ کر، اور کس طریقے سے مسنون ہے؟

اگرچہ خطبہ میں مطلقاً افضل قیام ہے کہ آواز بھی دُور پہنچتی ہے اور باعثِ توجہِ حاضرین بھی ہوتا ہے اور اس امر میں سب خطبے مشترک ہیں، ہاں جو خطبہ سواری پر ہوتا ہے جیسے خطبۂ عرفہ وہاں قیامِ مَرکَب قائم مقام قیامِ رَاکِب ہے مگر خُطَبِ نافلہ بیٹھ کر بھی ثابت ہیں، اور خطبۂ نکاح نفل ہی ہے تو بیٹھ کر بھی مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص222

نکاح کے ولی کی ترتیب

لڑکی بالغہ ہے تو اس کا اپنا ایجاب یا قبول ہونا چاہئے اگرچہ بواسطہ وکیل۔ اور نابالغہ ہے تو اس کے ولی کا، ولی کسی کے بنانے کا نہیں ہوتا بلکہ وہ شرع مطہر نے ترتیب وار مقرر کئے ہیں سب میں پہلا ولی بیٹا ہے پھر باپ پھر دادا پھر سگا بھائی پھر سوتیلا پھر سگا بھتیجا پھر سوتیلا پھر سگا چچا پھر سوتیلا پھر سگے چچا کا بیٹا پھر سوتیلے کا، وعلٰی ہذا القیاس دادا پردادا کی اولاد کا جو مرد عاقل بالغ قریب تر ہوگا وہی ولی ہے، اور ان میں کوئی نہ ہو تو پھر ماں ہے، اسی طرح بترتیب اصحابِ فرائض، پھر ذوی الارحام، اور ان میں کوئی نہ ہو تو پھر حاکمِ اسلام۔ ص235

عورت بیوہ ہوجائے تو کیا اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرا نکاح کرے

عورت بوڑھی ہو تو اسے نکاح پر مجبور نہ کیا جائے اور اگر جوان ہے تو بھی اس پر جبر نہیں بشرطیکہ وہ اپنے نفس کو محفوظ رکھنے میں مطمئن ہو، اور ہندوؤں کی غلط رسم کی پیروی میں نکاح سے اِنکار نہ کرتی ہو، تو اس کو دوسرے نکاح کی قید سے آزاد رہنے کا حق ہے جیسا کہ حضرتِ اُم سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا والی حدیث اس پر دال ہے، اور اس کو ہم نے اطائب التھانی میں بیان کیا ہے، ہاں اگر جوان عورت کو اپنے نفس کے بارے میں اطمینان نہ ہو تو پھر اس پر نکاح کرنا واجب ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ ص238

متعہ حلال جانا تو سنیت سے خارج ہوگیا خارج اَز اِسلام نہ ہوگا

متعہ نصِ قرآنِ عظیم واجماعِ ائمۂ اہلسنت بِلا شبہہ باطل وحرام قطعی ہے، ہاں اگر حلال جانا تو حنفیت کیا سنیت سے خارج ہوگیا ولا یخرج عن الاسلام لما لھم فیھا من الشبھۃ (شبہ والی بات سے خارج از اسلام نہ ہوگا۔ت)۔ ص239

میاں بیوی میں سے کوئی مرتد ہو گیا تو؟

خاوند کے ارتداد سے فوراً نکاح فسخ ہو جاتا ہے بالا جماع (ت) اگر عورت معاذ اللہ ان میں کی ہو گئی اور مرد سنی رہا تو نکاح تو فسخ نہ ہوا (نوادر کی روایت کے مطابق اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے کہ اس زمانہ میں فتوٰی یہی ہے۔ت) مگر مرد کو اس سے قربت حرام ہو گئی جب تک اسلام نہ لائے (کیونکہ مرتد عورت اس قابل نہیں رہی کہ کوئی بھی اس سے وطی کرے خواہ مسلمان مرد ہو یا کافر یا کوئی بھی ہو۔ت) ان مسائل کی تحقیق رسالہ ''ردالرفضۃ'' میں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص245

جس نے دانستہ عدت میں نکاح پڑھایا

عدت میں نکاح تو نکاح، نکاح کا پیغام دینا حرام ہے۔ جس نے دانستہ عدت میں نکاح پڑھایا اگر حرام جان کر پڑھایا سخت فاسق اور زنا کا دَلّال ہوا مگر اس کا اپنا نکاح نہ گیا، اور اگر عدت میں نکاح کو حلال جانا تو خود اس کا نکاح جاتا رہا اور وہ اسلام سے خارج ہو گیا، بہر حال اس کو امام بنانا جائز نہیں جب تک توبہ نہ کرے، یہی حال شریک ہونے والوں کا ہے، جو نہ جانتا تھا کہ نکاح پس اَز عدت ہو رہا ہے اس پر کچھ الزام نہیں اور جو دانستہ شریک ہوا اگر حرام جان کر تو سخت گنہ گار رہوا۔ اور حلال جانا تو اسلام بھی گیا۔ص266

جمع بین الاختین (دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنے) کا حکم

اگر دونوں سے ایک ساتھ نکاح کیا دونوں حرام، اور اگر آگے پیچھے کیا تو پہلی کا نکاح بے خلل، دوسری کا حرام، پھر جب دوسری سے قربت کی پہلی سے قربت بھی حرام ہو گئی، جب تک اسے جُدا کر کے عدت نہ گزر جائے اولادیں بہر حال (عــــ۱)[1] ولدُ الحرام ہیں جیسے وہ نطفہ جو حالتِ حیض میں ٹھہرا مگر ولدُ الزِّنا نہیں، زید کا ترکہ ان سب اولاد کو ملے گا۔ ہاں دونوں سے معاً نکاح کیا دونوں زوجہ ورنہ پچھلی ترکہ نہ پائے گی، یہ سب اس صورت میں ہے کہ دونوں سے نکاح کیا ہو، اور اگر زوجہ نکاح میں ہے اور سالی سے زنا کیا تو زوجہ سے قربت بھی حرام نہ ہوگی، نہ اس کی اولاد ولدُ الحرام ہو گی، سالی سے جو بچے ہوں گے ولدُ الزِّنا ہوں گے اور زید کا ترکہ نہ پائیں گے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص271

زید پر فرض ہے کہ اُسے (دوسری کو) ترک کر دے۔ جب اُس کی عدت بعدِ متارکہ گزر جائے گی اس وقت زوجہ اس کے لئے حلال ہو گی۔ص418

لڑکی یا لڑکا بالغ ہونے کا دعوی کریں تو؟

شرعاً عورت کے بالغہ ہونے کے لئے پندرہ سال کامل عمر ضرور ہے یا اس سے پہلے حیض وغیرہ علامات کا ہونا بغیر اس کے صرف چودہ سال سے زیادہ عمر کا ہونا کافی نہیں۔ ہاں نو سال کے بعد سے پندرہ سال کے قبل تک، جو عورت کے لئے اِمکان

---

[1]: **عــــ۱**: یعنی اگر ایک ساتھ نکاح کیا ہو یا آگے پیچھے مگر سب اولاد بعدِ جمع ہوئی ہو ورنہ وہ اولاد جو دوسری کے نکاح اور قربت سے پہلے ہوئی ولدُ الحرام نہیں۔ مصطفی رضا قادری غفرلہ

واِحتمالِ بلوغ کی عمر ہے اگر عورت اپنا بالغہ ہونا ظاہر کرے تو بے حاجتِ شہادت بغیر قسم لئے اس کا قول مان لیا جائے گا جبکہ اس کے جسم وقوٰی کی حالت اس دعوی کی تکذیب نہ کرتی ہو، اور وہ بالغہ ہونے کی وجہ بھی بیان کردے، یعنی مثلاً کہے مجھے حیض آیا، خواب میں احتلام ہوا اس سے میں نے اپنا بلوغ جانا۔ خالی دعوے بے بیانِ معنی بلوغ مقبول نہیں، اور اگر بدن وقوٰی کی حالتِ ظاہرہ قابلیتِ بلوغ نہ بتاتی ہو تو اس کا دعوٰی اَصلاً مسموع نہ ہوگا جب تک دلیلِ شرعی سے بلوغ ثابت نہ ہو، یہی احکام بارہ سال کے بعد سے پندرہ سال کے قبل تک پِسَر کے لئے ہیں۔ص614

✻ لڑکی کم از کم نو برس میں اور زیادہ سے زیادہ پندرہ برس کی عمر میں بالغہ ہوتی ہے اس بیچ میں جب آثارِ بلوغ ظاہر ہوں بالغہ ہے ورنہ پندرہ سال پورے ہونے پر حکم بلوغ دیا جائے گا اگرچہ آثارِ بلوغ کچھ نہ ظاہر ہوں۔ص275

بَابُ الْمُحَرَّمَاتِ (محرمات کا بیان)

حاملہ عورت سے نکاح کا حکم

عورت جسے حلال سے حمل ہو دوسرے شخص سے اس کا نکاح باطل محض ہے جب تک بچہ پیدا نہ ہولے۔ اور اگر بے شوہر عورت اور حمل زنا کا ہے تو اس سے نکاح ہوسکتا ہے، پھر اگر وہ ہی نکاح کرے جس کا یہ حمل ہے تو وہ پاس بھی جاسکتا ہے اور اگر یہ دوسرا شخص نکاح کرے تو جب تک بچہ پیدا نہ ہولے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ص448

مرد اور عورت دونوں کو کب نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے اور کب نہیں

فاقول: واللّٰہ تعالٰی اعلم مجھے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ مرد اور عورت دونوں کو بہر صورت فسخ کا اختیار اس صورت میں ہے جبکہ نکاح ابتداءً ہی فاسد منعقد ہوا ہو جیسے بغیر گواہوں کے نکاح یا منکوحہ کی ماں کو پہلے شہوت سے چھو چکا ہو، کیونکہ اس صورت میں خاوند کا بیوی پر شرعی حق ثابت ہی نہیں ہوتا اس لیے دونوں کو ایک دوسرے سے متارکہ کا حق ہے تاکہ گناہ کا اِزالہ ہوجائے اور فقہاءِ کرام نے جو یہ کہا کہ متارکہ خاوند کا ہی حق ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ ابتداءً نکاح صحیح ہوا ہو اور بعد میں فساد اس پر طاری ہوا ہو، تو اس صورت میں اکیلی عورت کو فسخ کا حق نہیں کیونکہ یہ گناہ کا دفاع نہیں بلکہ ثابت شدہ شرعی حق کا خاتمہ ہے اس لیے خاوند کی طرف سے متارکہ ضروری ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر اس صورت میں عورت کو مستقل طور پر فسخ کا حق دیا جائے تو فتنہ برپا ہوگا کہ جب بھی عورت اپنے خاوند سے علیحدگی چاہے تو وہ مثلاً خاوند کے بیٹے کا شہوت سے بوسہ لے لے اور خود نکاح کو فاسد کرکے جہاں چاہے نکاح کرتی پھرے تو اس فتنہ کا سدِ باب ضروری ہے۔(ت)۔ص 450

حرمتِ مصاہرت یا تو نکاحِ دُختر سے پہلے ہوئی یا بعد، اگر پہلے ہوئی تو نکاح سرے سے فاسد ومردود واقع ہوا، عورت بذاتِ خود اُسے فسخ کرسکتی ہے اگرچہ شوہر کی غَیبت میں کہ وہ معصیت ہے اور اِعدامِ معصیت سب پر واجب، **کما حققناہ فیما علی ردالمحتار علقناہ** (جیسا کہ ردالمحتار کے حاشیہ میں ہم نے اس کی تحقیق کی ہے۔ت)

درمختار میں ہے: اور دونوں مرد اور عورت کے لیے اس نکاح کو ایک دوسرے کی موجودگی کے بغیر بھی فسخ کرنا جائز ہے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو اَصح قول میں، تاکہ گناہ کو ختم کیا جاسکے، اور یہ بات قاضی پر تفریق کے وجوب کے منافی نہیں ہے۔(ت)

اور اگر وہ حرمتِ مصاہرت بعدِ نکاح واقع ہوئی تو نکاح فاسد ہوگیا مگر بلا متارکہ فسخ نہ ہوگا اور عورت کو دوسری جگہ نکاح کا اختیار نہ ہوگا اور یہ متارکہ صرف شوہر ہی کرسکتا ہے کما بینا وبہ وُفقنا علی ابن عابدین علقنا (جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں اور ردالمحتار کے حاشیہ میں ہمیں اسی کی توفیق دی گئی۔ت)

درمختار میں ہے: حرمتِ مصاہرت سے نکاح ختم نہیں ہوتا اس لیے عورت کو دوسرے شخص سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک متارکہ کے بعد عدت نہ گزر جائے، اس دوران خاوند کی اس سے وطی کو زنا کا حکم نہ دیا جائے گا۔(ت)

اسی میں ہے: عدت کی ابتداء متارکہ یا قاضی کی تفریق کے بعد ہوگی (ت)۔ص459

متارَکہ سے مراد

متارکہ سے مراد خاوند کا مدخولہ بیوی سے علیحدگی کا اعلان ہے صرف وطی کے ترک کا عزم کافی نہیں ہے۔(ت)

یہاں تک کہ زید نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اب یہ میری عورت غیرِ مدخولہ میرے اوپر حرام ہے جس کو اس کا دل چاہے دے دے بالاتفاق متارکہ ہوگیا اور نکاح فسخ ہوگیا۔ص459 مثلاً اس سے کہہ دے میں نے تجھے چھوڑ دیا یا جُدا کیا۔ص512

حرمتِ مصاہرت کیسے ثابت ہوگی؟

عورت کا بیان کوئی چیز نہیں جب تک شوہر اس کی تصدیق نہ کرے۔ درمختار میں ہے: کیونکہ حرمت کا فیصلہ عورت کے ہاتھ نہیں ہے اور فقہاء کرام نے فرمایا تمام صورتوں میں اسی پر فتوٰی ہے۔ بزازیہ(ت)

اور اگر پدرِ شوہر بھی اقرار کرے جب بھی شوہر پر حجت نہیں۔ ہاں اگر شوہر کے قلب میں اس کا صدق واقع ہو تو اس پر واجب ہے کہ عورت کو اپنے اُوپر حرام جانے اور متارکہ کردے، یا دو شاہد عادل کی گواہی سے یہ امر ثابت ہوا گرچہ اسی قدر کہ اس کے باپ نے اسے بشہوت مس کیا یا بشہوت بوسہ لیا کہ حرمت کو اسی قدر بس ہے۔ص452

زید نے کہا میں نے اپنی بیوی کی ماں سے زنا کیا تھا اور بیوی کو گھر سے نکال دیا لیکن پھر اس کو اپنے مکان میں لاکر رکھا اور اقرارِ زنا سے انکار کیا قاضی کے سامنے شہادت اقرارِ زنا کی پیش ہوئی تو صورتِ مذکورہ میں اس کی شہادتِ اقرارِ زنا سے حرمتِ مصاہرت شرعاً ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بلاشبہہ صورتِ مستفسرہ میں حکمِ شرع میں حرمتِ مصاہرت ہوگئی، ہندہ زید پر حرامِ ابدی سمجھی جائے گی، جب شہادتِ شرعیہ سے زید کا اقرار بالزنا ثابت ہوا تو اس کے رد کی طرف کیا سبیل کہ ثابت بشہادت بمنزلہ ثابت بمشاہدہ ہے۔ اس گواہی سے ثبوتِ زنا نہ ہونا مطلقاً اِبطالِ شہادت یا تکذیبِ شہود یا ردِ مشہود بہ کی بنا پر نہیں کہ اس سے نفسِ اقرار بھی ثابت نہ مانئے۔ ثابت ہوا کہ شہادتِ اقرار اگرچہ مثبتِ زنا ہونے کی اَصلاً صلاحیت نہ رکھے کہ اثباتِ زنا میں شہادتِ زنان وشہادتِ دومرد زنہار مسموع نہیں مگر مثبتِ اقرار بیشک ہے کہ اس کے لیے نصاب کامل ہے۔ تو اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ شہادتِ مذکورہ سے زید کا اقرار مزبور ثابت ہوگیا، اب یہ دیکھنا رہا کہ اِثباتِ مصاہرت کو خاص ثبوتِ زنا درکار ہے یا ثبوتِ اقرار کافی، برتقدیرِ ثانی اس اقرار پر اصرار بھی ضرور یا بعدِ اقرار رجوع نامسموع، کلماتِ علماء باعلٰی نداء منادِی کہ یہاں ثبوتِ زنا کی اَصلاً حاجت نہیں، مجرد اقرار وہ بھی ایک بار بس ہے۔

یہاں تک کہ اگر ہزل ومزاح ہی میں کہہ دیا کہ اس شخص نے اپنی ساس کے ساتھ جماع کیا، حرمتِ مصاہرت ثابت کردیں گے پھر ہزار بار کہا کرے میں نے جھوٹ کہا تھا ہرگز نہ سنیں گے۔ص333

(حرمت مصاہرت کے شرعی ثبوت کے بعد) عورت ہمیشہ کے لئے اپنے شوہر پر حرام ہوجائے گی مگر طلاق نہ ہوئی، نہ نکاح سے خارج ہوئی جب تک شوہر متارکہ نہ کرے، مثلاً اس سے کہے میں نے تجھے چھوڑ دیا یا جُدا کیا، جب یہ کہے گا اور عدت گزر جائے گی اس وقت تیسرے شخص سے نکاح کر سکے گی، شوہر پر فرض ہے کہ اسے متارکہ کردے کہ اب اسے رکھ نہیں سکتا تو چھوڑنا لازم۔ص512

زید نے اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے زنا کیا تو؟

یہ کہ زنا کیا، جھوٹ بک دینے سے ثابت نہیں ہوسکتا اس کے لیے چار شاہد چاہئیں، بغیر اس کے زید کا باپ اگر اِقرار بھی کرے اور زید باور نہ کرے تو اس کا اِقرار زید پر حجت نہیں۔ ہاں اگر شہادتِ شرعیہ سے ثابت ہوجائے یا زید اس کی تصدیق کرے تو عورت زید پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی مگر ابھی نکاح سے نہ نکلی، دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی جب تک زید اسے نہ چھوڑے، اور اس صورت میں زید پر فرض ہوگا کہ فوراً اسے چھوڑ دے، اس کے بعد عورت عدت کرے بعدِ عدت سوائے زید کے جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، زید پر اس کا مہر بہر حال لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص467

حرمتِ مصاہرت کے لیے دونوں کم از کم مراہق کی عمر میں ہوں

ردالمحتار میں ہے : مرد وعورت دونوں کے لیے ضروری ہے کہ دونوں کم از کم مراہق کی عمر میں ہوں، اور مراہق کی عمر لڑکی کے لیے کم از کم نو سال اور لڑکے کے لیے بارہ سال، کیونکہ یہ وہ کم از کم عمر ہے جس میں بلوغ ہوتا ہے جیسا کہ فقہاء نے لڑکے کے بلوغ کے متعلق تصریح فرمائی ہے اور یہ بیان گزشتہ اس بیان کے موافق ہے کہ حرمتِ مصاہرہ کی علت وہ وطی ہے جو بچے کا سبب بن سکے اور وہ مس جو اس وطی کا سبب بن سکے، اور یہ ظاہر ہے کہ مراہق سے کم عمر والے کی وطی بچے کا سبب نہیں ہوتی (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص520

نسبی رشتوں میں چار قسم کی عورتیں حرام ہیں

ایک وہ کہ یہ جن کی اولاد سے ہے جیسے ماں، دادی، نانی کتنے ہی اُوپر کی ہوں۔

دوسری وہ جو اس کی اولاد ہیں، جیسے بیٹی، پوتی، نواسی کتنے ہی نیچے کی ہوں۔

تیسری وہ جو اس کے ماں یا باپ کی اولاد خواہ اولادِ دَر اولاد جیسے بہن، بھانجی، بھتیجی اور ان کی اور بھائیوں بھتیجوں کی اولاد کتنی ہی دُور ہوں۔

چوتھی وہ کہ ماں باپ کے سِوا اور جن کی اولاد سے یہ شخص ہے جیسے دادا، دادی، نانا، نانی کتنے ہی اوپر کے ہوں ان کی خاص اپنی اولاد جیسے اپنی پھوپھی خالہ یا اپنے ماں یا دادا یا دادی یا نانا یا نانی کی پھوپھی خالہ، ان لوگوں کی اولاد کی اولاد حرام نہیں جیسے پھوپھی کی بیٹی یا خالہ کی بیٹی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص464

اپنے باپ کی زوجہ یعنی سوتیلی ماں کی بیٹی جو باپ کے نطفے سے نہیں اور اپنے بیٹے کی زوجہ کی بیٹی جو بیٹے کے نطفہ سے نہیں

وہ حلال ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ص506

دودھ کے رشتوں میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس سے چار قسم کی عورتیں حرام ہیں

فتاوٰی بزازیہ میں ہے: یعنی دودھ کے رشتوں میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس سے چار قسم کی عورتیں حرام ہیں۔

اول: وہ جو دودھ کے سبب تیری طرف منسوب ہو، یعنی تیری بیٹی پوتی نواسی کہلائے یہ رضاعی بیٹی ہوئی۔

دوسری: وہ کہ دودھ کے سبب تُو اس کی طرف منسوب ہو یعنی اس کا بیٹا پوتا نواسا ٹھہرے یہ رضاعی ماں ہوئی۔

تیسرے: وہ کہ تُو اور وہ دونوں ایک شخص کے بیٹا بیٹی قرار پائیں، یہ رضاعی بہن بھائی ہوئے۔

چوتھے: وہ کہ تم میں ایک تو اس شخص کا بیٹا یا بیٹی ٹھہرے اور دوسرا اس شخص کا پوتا پوتی نواسا نواسی یہ رضاعی خالہ پھوپھی بھتیجی بھانجی ہوئے اور اگر تُو پوتا نواسا ہے اور وہ بیٹی تو وہ تیری پھوپھی یا خالہ ہوئے۔ص494

حرمت کے 12 متعدد اسباب ہیں

اول نسب: جیسے ماں بیٹی، بہن، خالہ، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی۔

دوم رضاعت: دودھ کے رشتہ سے یہ عورتیں، دودھ پلانے والی ماں اور اس کی بیٹی بہن اور جس نے اس کا دودھ پیا بیٹی اور جن مرد وعورت کا دودھ پیا ان کی بہنیں خالہ پھوپھی اور اپنے رضاعی بھائی بہن کی اولاد یا اپنے بھائی بہن کی رضاعی اولاد بھتیجی بھتیجیاں، وَقِسْ عَلَیْہِ۔

سوم مصاہرت: کہ اپنے اصول مثلاً باپ، دادا، نانا اپنی فروع مثلاً بیٹا، پوتا، نواسہ ان کی بیبیاں یا جن عورتوں کو انھوں نے بشہوت ہاتھ لگایا ہو، یونہی اپنی بی بی یا مدخولہ کی ماں، دادی، نانی۔

چہارم شرک: یعنی غیرِ کتابی کافرہ عورت مسلمان پر حرام ہے۔

پنجم اِرتداد: جو عورت مسلمان ہو کر اسلام سے نکل جائے اس سے نکاح حرام ہے اگرچہ وہ کتابیوں ہی کا دین اختیار کرے۔

ششم پانچویں: یعنی چار عورتیں نکاح میں موجود ہوں تو پانچویں حرام ہے۔

ہفتم دو محارم میں جمع کرنا: مثلاً ایک عورت نکاح میں ہے تو جب تک وہ نکاح میں رہے اس کی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی سے نکاح حرام ہے۔

ہشتم: جب کوئی آزاد عورت نکاح میں ہو اس کے ہوتے ہوئے کنیز سے نکاح جائز نہیں۔

نہم: جس عورت کو تین طلاقیں دے چکا جب تک حلالہ نہ ہو اس سے نکاح حرام ہے۔

دہم: جس عورت سے لِعَان کر چکا جب تک اپنے نفس کی تکذیب نہ کرے اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔

یازدہم: وہ عورت کہ دوسرے کے نکاح میں ہے۔

دوازدہم: وہ عورت کہ دوسرے کی عدت میں ہے۔ جزئیات بہت کثیر ہیں تفصیل کو اَجزا دَرکار رہیں، یہ چند اِجمالی باتیں ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص517

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ دو برس سے مفرور ہوگئی ہے اور نہ طلاق دی نہ اس کا کچھ پتا ہے کہ زندہ ہے یا مرگئی، زید اپنی بی بی کی حقیقی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ناجائز، قال تعالیٰ: {وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ} (دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ت) زید اگر چاہتا ہے تو زوجہ کو طلاق دے اور تا اِنقضائے عدت انتظار کرے اس کے بعد اس کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے، انقضائے عدت یہاں ظنِ غالب سے لیا جائے گا (فقہ میں یہ یقین سے ملحق ہے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص509

داؤد ظاہری اور اس کے پیروکار کو اہلسنت سے شمار کرنا اِنتہائی جہالت ہے

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ داؤد ظاہری اور اس کے پیروکاروں کو اہلسنت سے شمار کرنا انتہائی جہالت ہے، رافضیوں نے ظاہریہ فرقہ کو اہلسنت کہہ کر ان کی باتوں کی وجہ سے اہلسنت پر اعتراض کئے ہیں، شاہ صاحب نے جواب میں رافضیوں کو فرمایا کہ ظاہری فرقہ ہرگز اہلسنت نہیں ہے ان کو اہلسنت کہنا تمھاری انتہائی جہالت ہے جس کی وجہ سے تم سنیوں پر اعتراض کرتے ہو۔ص479

دوسروں کے مذہب کو نقل کرنے میں اَکثر لغزش ہو جاتی ہے

بارہا دوسروں کے مذہب کو نقل کرنے میں اکثر لغزش ہوجاتی ہے، ہدایہ میں امام مالک کی طرف متعہ کے حلال ہونے کی نسبت کردی گئی حالانکہ امام مالک ایسے شخص پر حدِ زنا لگاتے ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ یہ تجربہ کرکے دیکھ اگر تو کریگا تو میں تجھے تیرے ہی پتھروں سے رَجم کروں گا بخلاف حنفیہ اور دیگر ائمہ کہ وہ متعہ کو حرام کہتے ہیں مگر حد نہیں لگاتے۔ص482

فقہ میں لفظِ جواز، صحت اور حِلّت دو مشہور معنیٰ اور دیگر معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے

عرفِ فقہ میں جواز دو معنی پر مستعمل، **ایک بمعنی صحت** اور عقود میں یہی زیادہ متعارف، یہ عقد جائز ہے یعنی صحیح مثمرِ ثمرات مثل اِفادۂ مِلکِ متعہ یا مِلکِ یمین یا مِلکِ منافع ہے اگرچہ ممنوع وگناہ ہو جیسے بیع وقتِ اذانِ جمعہ، **دوسرے بمعنی حِلّت** اور اَفعال میں یہی زیادہ مُروّج، یہ کام جائز ہے یعنی حلال ہے، حرام نہیں، گناہ نہیں، ممانعتِ شرعیہ نہیں۔

بالجملہ جواز کے یہ دونوں اطلاق شائع وذائع ہیں اور ان کے سوا اور اِطلاقات **(عـــا)** بھی ہیں جن کی تفصیل سے یہاں بحث نہیں۔

(عـــا): اور کبھی جواز کا اطلاق **"نفاذ"** پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ تنویر کے کفاءۃ کے باب میں ہے: اگر کسی نے دوسرے کو کہا کسی عورت سے میرا نکاح کردے تو اس نے لونڈی سے نکاح کردیا تو جائز ہے یعنی نافذ ہے۔ اور یہ معنیٰ پہلے دو معنیٰ صحیح اور حلال ہونے سے خاص مِنْ وَجہٍ ہے کیونکہ کبھی عقد صحیح اور حلال نہ ہونے کے باوجود نافذ ہوتا ہے جیسے جمعہ کی اذان کے بعد بیع مجہول مدت کے ادھار پر ہو، اور کبھی عقد حلال اور صحیح ہوتا ہے لیکن نافذ نہیں ہوتا، جیسا کہ فضولی کی وہ بیع جو حلال اور صحیح ہونے کی شرائط کی جامع ہو۔ اور **جواز بمعنی لزوم** بھی استعمال ہوتا ہے، علامہ شامی نے کہا کہ عنایہ میں کہا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رہن، قبضہ کے

بغیر صحیح نہیں اھ اور سعدیہ میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہبہ قبضہ کے بغیر جائز نہیں، جبکہ ہبہ کے جواز کے لیے قبضہ شرط نہیں ہے، مناسب ہے کہ یہاں بھی یونہی ہو، اس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں رہن کے معاملہ میں بھی امام محمد کے قول میں جواز کی تفسیر لزوم کے ساتھ کی جائے نہ کہ صحت کے ساتھ جیسا کہ فقہاء نے ہبہ میں کیا یعنی لا یجوز کا معنی یہی لا یلزم ہو۔ اور جواز بمعنی لزوم، نفاذ اور صحت کے معنی سے خاص مطلق ہے کیونکہ کبھی چیز صحیح اور نافذ ہوتی ہے اور لازم نہیں ہوتی، جیسا کہ چچازاد کا مہرِ مثل کے ساتھ کفو میں لڑکی کا نکاح کرنا صحیح اور نافذ ہے مگر لازم نہیں کیونکہ یہ موقوف ہے اور موقوف چیز لازم نہیں ہوتی، اور یہ ظاہر ہے، اور فاسد بھی لازم نہیں کیونکہ وہ واجبُ الفسخ ہے اور جواز بمعنی لزوم جواز بمعنی حِل سے خاص مِنْ وَجْہٍ ہے، کیونکہ کبھی چیز لازم ہوتی ہے مگر حلال نہیں ہوتی جیسا کہ مکروہ بیع کا حکم ہے، **واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ مِنْہ غفر لہ (ت)**۔ ص385

شیعہ سے نکاح کا حکم

شیعہ تین قسم ہیں:

اول غالی: کہ منکرِ ضروریاتِ دین ہوں، مثلاً قرآنِ مجید کو ناقص بتائیں، بیاضِ عثمانی کہیں یا امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ خواہ دیگر ائمۂ اَطہار کو انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم خواہ کسی ایک نبی سے افضل جانیں یا ربُ العزت جلّ وَعلاَ پر بدع یعنی حکم دے کر پشیمان ہونا، پچتا کر بدل دینا، یا پہلے مَصلحت کا علم نہ ہونا بعد کو مطلّع ہو کر تبدیل کرنا مانیں، یا حضور پُرنور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تبلیغِ دینِ متین میں تقیہ کی تہمت رکھیں (اس کے علاوہ دیگر کفریات۔ت) یہ لوگ یقیناً قطعاً اجماعاً کافرِ مطلق ہیں اور ان کے اَحکام مثلِ مرتد، آج کل کے اکثر بلکہ تمام رفاض تبرائی اسی قسم کے ہیں کہ وہ عقیدۂ کفریہ سابقہ میں ان کے عالم جاہل مرد عورت سب شریک ہیں اِلَّا ماشاءاللہ (مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ت) جو عورت ایسے عقیدہ کی ہو مرتدہ ہے کہ اس کا نکاح نہ کسی مسلم سے ہوسکتا ہے نہ کافر سے نہ مرتد سے نہ اس کے ہم مذہب سے۔ جس سے نکاح ہوگا زنائے محض ہوگا اور اولا دولدُ الزّنا۔

دوم تبرائی: کہ عقاید کفریہ اِجماعیہ سے اجتناب اور صِرف سَبِّ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اِرتکاب کرتا ہو، ان میں سے منکرِ انِ خلافتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اُنھیں بُرا کہنے والے فقہائے کرام کے نزدیک کافر و مرتد ہیں مگر مسلکِ محقّق قولِ متکلمین ہے کہ یہ بدعتی ناری جہنمی کِلابُ النّار ہیں مگر کافر نہیں، ایسی عورت سے نکاح اگرچہ صحیح ہے مگر سخت کراہتِ شدیدہ سے مکروہ ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ان سے نکاح نہ کرو۔ (ت)

سوم تفضیلی: کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خیر سے یاد کرتا ہو خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی امامت برحق جانتا ہو صرف امیر المومنین مولیٰ علی کو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل مانتا ہو، انھیں کفر سے کچھ علاقہ نہیں بد مذہب ضرور ہیں ایسی عورت سے بالاتفاق نکاح جائز ہے ہاں کراہت سے خالی نہیں کہ مبتدِعہ ہے اگرچہ ہلکے درجہ کی بدعت ہے خصوصاً اگر اس کی محبت میں اپنے مذہب پر اثر پڑنے کا اِحتمال ہو تو کراہت شدید ہو جائے گی اور ظنِ غالب تو اَشد بالغ بدرجہ تحریم۔ ص345

آج کل کے روافض تبرائی علی العموم کافر مرتد ہیں شاید شاذ و نادر ان میں کوئی مسلمان نکل سکے جیسے کوّوں میں سپید رنگ کا کوّا، ایسی عورت سے نکاح محض باطل ہے اور قربت صریح زنا، اور اولاد یقیناً ولدُ الزنا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص405

رسالہ:اِزالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار

(معزز خواتین کو جہنم کے کتوں کے نکاح میں نہ دیتے ہوئے انہیں رسوائی سے بچانا (1316ھ)۔ص 373

غیر مقلدوں سے نکاح کرنے کا حکم

وہ نکاح یا تو شرعاً محض باطل وزنا ہے یا ممنوع وگناہ، وباللہ التوفیق، وہابی ہو یا رافضی جو بدمذہب عقائدِ کفریہ رکھتا ہے جیسے ختمِ نبوت حضور پُرنور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار یا قرآنِ عظیم میں نقص ودخلِ بشری کا اِقرار، تو ایسوں سے نکاح باجماعِ مسلمین بالقطع والیقین باطل محض وزنائے صرف ہے کہ مدعیانِ اسلام میں جو عقائدِ کفریہ رکھیں ان کا حکم مثلِ مرتد ہے (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ والمکفرۃ میں تحقیق کی ہے۔ت) اور مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت ومرد مسلم یا کافر مرتد یا اصلی کسی سے نہیں ہوسکتا، اور اگر ایسے عقائد خود نہیں رکھتا مگر کبرائے وہابیہ یا مجتہدینِ روافض خذلہم اللہ تعالیٰ کہ وہ عقائد رکھتے ہیں انھیں امام وپیشوا یا مسلمان ہی مانتا ہے تو بھی یقیناً اجماعاً خود کافر ہے کہ جس طرح ضروریاتِ دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔

اور اگر اس سے بھی خالی ہے ایسے عقائد والوں کو اگرچہ اس کے پیشوایانِ طائفہ ہوں صاف صاف کافر مانتا ہے (اگرچہ بدمذہبوں سے اس کی توقع بہت ہی ضعیف اور تجربہ اس کے خلاف پر شاہد قوی ہے) تو اب تیسرا درجہ کفریاتِ لزومیہ کا آئے گا کہ ان طوائفِ ضالہ کے عقائدِ باطلہ میں بکثرت ہیں جن کا شافی ووافی بیان فقیر کے رسالہ الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ (۱۳۱۲ھ) میں ہے اور بقدرِ کافی رسالہ سل السیوف الھندیہ علی کفریات بابا النجدیۃ (۱۳۱۲ھ) میں مذکور، اور اگر کچھ نہ ہو تو تقلیدِ ائمہ کو شرک اور مقلدین کو مشرک کہنا ان حضرات کا مشہور ومعروف عقیدۂ ضلالت ہے یونہی معاملاتِ انبیاء واولیاء واموات واَحیاء کے متعلق صدہا باتوں میں اَدنیٰ اَدنیٰ بات ممنوع یا مکروہ بلکہ مباحات ومستحبات پر جا بجا حکمِ شرک لگا دینا خاص اصلُ الاصول وہابیت ہے جن سے ان کے دفاتر بھرے پڑے ہیں، کیا یہ امور مخفی ومستور ہیں، کیا ان کی کتابوں زبانوں رسالوں بیانوں میں کچھ کمی کے ساتھ مذکور ہیں، کیا ہر سنی عالم وعامی اس سے آگاہ نہیں کہ وہ اپنے آپ کو مُوَحّد اور مسلمانوں کو معاذ اللہ مشرک کہتے ہیں آج سے نہیں شروع سے ان کا خلاصۂ اعتقاد یہی ہے کہ جو وہابی نہ ہو سب مشرک، فقیر نے رسالہ النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید (۱۳۰۵ھ) میں واضح کیا کہ خاص مسئلہ تقلید میں ان کے مذہب پر گیارہ سو برس کے ائمۂ دین وعلمائے کاملین واولیائے عارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین معاذ اللہ سب مشرکین قرار پاتے ہیں خصوصاً وہ جماہیر ائمۂ کرام وساداتِ اسلام وعلمائے اَعلام جو تقلیدِ شخصی پر سخت شدید تاکید فرماتے اور اس کے خلاف کو منکر وشنیع وباطل وفظیع بتاتے رہے اور جمہور ائمۂ کرام فقہائے اَعلام کا مذہب صحیح ومعتمد ومفتیٰ بہ یہی ہے کہ جو کسی ایک مسلمان کو بھی کافر اِعتقاد کرے خود کافر ہے، یہ اِفتاء وتصحیحات اس قولِ اطلاق کے مقابل ہیں کہ مسلمانوں کو کافر کہنے والا مطلقاً کافر اگرچہ محض بطورِ دشنام کہے نہ اَز راہِ اعتقاد، تو فقہائے کرام کے قولِ مطلق وحکم مفتیٰ بہ دونوں کے رُو سے بالاتفاق ان پر حکمِ کفر ثابت، اور یہی حکم ظواہر احادیثِ صحیحہ سے مستفاد صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہا میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے ہے رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو کسی کلمہ گو کو کافر کہے ان دونوں میں ایک پر یہ بلا ضرور پڑے گی، اگر جسے کہا وہ فی الحقیقۃ کافر ہے تو خیر، ورنہ یہ کفر کا حکم اسی قائل پر پلٹ آئے گا۔(ت) طرفہ یہ کہ ان حضرات کو ظواہر احادیث ہی پر عمل کرنے کا بڑا دعوی ہے، تو ثابت ہوا کہ حدیث وفقہ دونوں کے حکم سے مسلمان کی تکفیر پر حکم کفر لازم۔

اور بالفرض تسلیم بھی کرلیں کہ کوئی وہابی صاحب کسی جگہ کسی مصلحت سے ان تمام عقائدِ مردودہ واَقوالِ مطرودہ سے تحاشی بھی کریں یا بفرضِ غلط فی الواقع ان سے خالی ہوں تو یہ کیونکر متصور کہ ان کے اگلے پچھلے چھوٹے بڑے مصنف مؤلف واعظ مکلب نجدی دہلوی بنگالی بھوپالی وغیرھم جن کے کلام میں ان اَباطیل کی تصریحات ہیں یہ صاحب ان سب کے کفر یا اَقل درجہ لزومِ کفر کا اقرار کریں کیا دنیا میں کوئی وہابی ایسا نکلے گا کہ اپنے اگلے پچھلوں پیشواؤں ہم مذہبوں سب کے کفر ولزومِ کفر کا مُقِر ہو اور جتنے احکامِ باطلہ سے کتابُ التوحید وتقویۃ الایمان وصراطِ مستقیم وتنویرُ العینین وتصانیفِ بھوپالی وسورج گڑھی و بٹالوی وغیرھم میں مسلمانوں پر حکمِ شرک لگایا جو معاذ اللہ خدا اور رسول وانبیاء وملائکہ سب تک پہنچا ان سب کو کفر کہہ دے حاش للہ ہرگز نہیں، بلکہ قطعاً انھیں اچھا جانتے امام وپیشوا وصلحائے علما مانتے اور ان کے کلمات واقوال کو بامعنی ومقبول سمجھتے اور ان پر رضا رکھتے ہیں اور خود کفریات بکنا یا کفریات پر راضی ہونا برا نہ جاننا ان کے لیے معنی صحیح ماننا سب کا ایک ہی حکم ہے۔

تو دنیا کے پردے پر کوئی وہابی ایسا نہ ہوگا جس پر فقہائے کرام کے ارشادات سے کفر لازم نہ ہو اور نکاح کا جواز عدمِ جواز نہیں مگر ایک مسئلہ فقہی، تو یہاں حکمِ فقہا یہی ہوگا کہ ان سے مناکحت اصلاً جائز نہیں خواہ مرد وہابی ہو، یا عورت وہابیہ اور مرد سنی، ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم اس باب میں قولِ متکلمین اختیار کرتے ہیں اور ان میں جو کسی ضروری دین کا منکر نہیں نہ ضروری دین کے کسی منکر کو مسلمان کہتا ہے اسے کافر نہیں کہتے مگر یہ صرف برائے احتیاط ہے، دربارۂ تکفیر حتی الامکان احتیاط اس میں ہے کہ سکوت کیجئے، مگر وہی احتیاط جو وہاں مانعِ تکفیر ہوئی تھی یہاں مانعِ نکاح ہوگی کہ جب جمہور فقہائے کرام کے حکم سے ان پر کفر لازم تو ان سے مناکحت زنا ہے تو یہاں احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے دُور رہیں اور مسلمانوں کو باز رکھیں، للہ انصاف کسی سنی صحیح العقیدہ معتقدِ فقہائے کرام کا قلبِ سلیم گوارا کرے گا کہ اس کی کوئی عزیزہ کریمہ ایسی بلا میں مبتلا ہو جسے فقہائے کرام عمر بھر کا زنا بتائیں، تکفیر سے سکوت زبان کے لیے احتیاط تھی اور اس نکاح سے اِحتراز فرج کے واسطے احتیاط ہے یہ کونسی شرع ہے کہ زبان کے باب میں احتیاط کیجئے اور فرج کے بارے میں بے احتیاطی، انصاف کیجئے تو بنظرِ واقع حکم اسی قدر سے منقح ہولیا کہ نفسُ الامر میں کوئی وہابی ان خرافات سے خالی نہ نکلے گا اور احکام فقہیہ میں واقعات ہی کا لحاظ ہوتا ہے نہ اِحتمالات غیرِ واقعیہ کا، بلکہ انھوں نے تصریح کی ہے کہ فقہی احکام کا مدار غالب امور بنتے ہیں، نادر امور پیشِ نظر نہیں ہوتے۔(ت) اور اگر اس سے تجاوز کرکے کوئی وہابی ایسا فرض کیجئے جو خود بھی ان تمام کفریات سے خالی ہو اور ان کے قائلین جملہ وہابیہ سابقین ولاحقین سب کو گمراہ وبدمذہب مانتا بلکہ بالفرض قائلانِ کفریات مانتا اور لازمُ الکفر ہی جانتا ہو اس کی وہابیت صرف اس قدر ہو کہ باوصفِ عامیت تقلید ضروری نہ جانے اور بے صلاحیتِ اجتہاد پیرویِ مجتہدین چھوڑ کر خود قرآن وحدیث سے اخذِ احکام رَوا مانے تو اس قدر میں شک نہیں کہ یہ فرضی شخص بھی آیۂ کریمہ قطعیہ {فَاسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ} (اگر نہیں جانتے تو اہلِ ذکر (علماء) سے پوچھو۔ت) اور اجماعِ قطعی تمام ائمۂ سلف وخلف کا مخالف ہے یہ اگر بطورِ فقہاء لزومِ کفر سے بچ بھی گیا تو خارقِ اجماع ومتبع غیرِ سبیل المومنین وگمراہ

وبد دین ہونے میں کلام نہیں ہوسکتا جس طرح متکلمین کے نزدیک دوقسم پیشین کافر بالیقین کے سوا باقی جمیع اقسام کے وہابیہ۔

مع ہذا شرع مطہر میں اگر چہ وہ مبتدع جس کی بدعت حدِ کفر کو نہ پہنچی آخرت میں کفار سے ہلکا رہے گا ان کا عذاب اَبدی ہے اوراس کا منقطع اور بعدِ موت دُنیوی اَحکام میں بھی خِفَّت ہوگی مگر اس کے جیتے جی اس کے ساتھ برتاؤ کافر ذِمی کے برتاؤ سے اَشد ہے اوراس کی وجہ ہر ذی عقل پر روشن، کافر ذمی سے ہرگز وہ اندیشہ نہیں جواس دشمنِ دین مدعیِ اسلام وخیر خواہیِ مسلمین سے ہے وہ کھلا دشمن ہے اور یہ مارِ آستین، اس کی بات کسی جاہل سے جاہل کے دل پر نہ جمے گی کہ سب جانتے ہیں یہ مردود کافر ہے خدا اور سول کا صریح منکر ہے اور یہ جب قرآن وحدیث ہی کے حیلے سے بہکائے گا تو ضرور اَسرع واَظہر ہے والعیاذ باللہ رب العالمین۔

الحمد للہ آفتابِ حق بے حجابِ سحاب متجلی ہوا اور دلائلِ واضحہ سے نہ صرف وہابی بلکہ ہر بدمذہب کے ساتھ سُنّیہ کی تزویج کا باطل محض یا اَقل درجہ ممنوع وگناہ ہونا ظاہر ہوگیا، ہاں ہمارے بعض بھائیوں کا بعض متقفی وہابیہ کے فریب سے دھوکا پاکر یہ عذر باقی ہے کہ یہ احکام تو ان کے لیے ہیں جو مذہبِ اہلسنت سے خارج ہیں اور وہابی ایسے نہیں فلاں فلاں وہابی تو سنی ہیں، اس کا جواب اسی قدر بس ہے کہ عزیز بھائیو! دینِ حق کے فدائیو! دیکھو یہ دام درسبزہ ہیں دھوکے میں نہ آئیو، بھلا وہابی صاحب جو چاہیں بکیں وہاں نہ خوفِ خدا نہ خلق کی حیاء، مگر پیارے سنیو! تم نے یہ کیونکر باور کرلیا کہ بعض وہابی اہلسنت ہیں، عزیزو! کیا یہ اس کہنے سے کچھ زیادہ عجیب تر ہے کہ فلاں رات دن ہے یا فلاں نصرانی مومن ہے، جب (سنیت)، وہابیت سے صاف مباین ہے تو ان کا اجتماع کیونکر ممکن ہے، ہاں یوں کہتے تو ایک بات تھی کہ فلاں فلاں لوگ جو وہابی کہلاتے ہیں وہابی نہیں اہلسنت ہیں، بہت اچھا، چشمِ ماروشن دلِ ماشاد، خدا ایسا ہی کرے، اگر واقع اس کے مطابق ہے تو ہمارا کیا ضرر، اوراس فتوی پر اس سے کیا اثر، فتوی میں زید وعمر وکسی کی تعیین نہ تھی، سائل نے وہابی کی نسبت سوال کیا مجیب نے وہابی کے باب میں جواب دیا فلاں اگر وہابی نہیں سنی ہے اس سوال وجواب دونوں سے بری ہے، فتوی کی صحت میں کیا شک پروری ہے، پھر عزیز بھائیو! یہ تنزلی جواب اس کے تسلیم اِدّعا پر مبنی ہے، ابھی امتحان کا مرحلہ باقی ودیدنی ہے، زبان سے کہہ دینا کہ ہم وہابی نہیں گنتی کے لفظ ہیں کچھ بھاری نہیں، {الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ} ۔کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اس زبانی کہہ دینے پر چھوڑ دئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اوران کی آزمائش نہ ہوگی۔ بہت اچھا جو صاحب مشتبہ الحال وہابیت سے انکار فرمائیں امور ذیل پر دستخط فرماتے جائیں۔ کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائے گا چلن میں

(۱) مذہبِ وہابیہ ضلالت وگمراہی ہے۔

(۲) پیشوایانِ وہابیہ مثل ابنِ عبدالوہاب نجدی واسمٰعیل دہلوی ونذیر حسین دہلوی وصدیق حسن بھوپالی اور دیگر چُھٹ بھیے آروی بٹالی پنجابی بنگالی سب گمراہ بددین ہیں۔

(۳) تقویۃ الایمان وصراط مستقیم ورسالہ یکروزی وتنویر العینین تصانیفِ اسمٰعیل اوران کے سواد ہلوی وبھوپالی وغیرہما وہابیہ کی جتنی تصنیفیں ہیں صریح ضلالتوں گمراہیوں اور کلماتِ کفریہ پر مشتمل ہیں۔

(۴) تقلیدِ ائمہ فرضِ قطعی ہے بےحصولِ منصبِ اجتہاد اس سے رُوگردانی بددین کا کام ہے، غیر مقلدین مذکورین اوران کے اَتباع واَذناب کہ ہندوستان میں نامقلدی کا بیڑا اٹھائے ہیں محض سفیہانِ نامشخص ہیں ان کا تارکِ تقلید ہونا اور دوسرے جاہلوں

اور اپنے سے اَجہلوں کو ترکِ تقلید کا اِغوا کرنا صریح گمراہی وگمراہ گری ہے۔

(۵) مذاہبِ اربعہ اہلسنت سب رُشد وہدایت ہیں جو ان میں سے جس کی پیروی کرے اور عمر بھر اس کا پیرو رہے، کبھی کسی مسئلہ میں اس کے خلاف نہ چلے، وہ ضرور صراطِ مستقیم پر ہے، اس پر شرعاً کوئی اِلزام نہیں ان میں سے ہر مذہب انسان کے لیے نجات کو کافی ہے تقلیدِ شخصی کو شرک یا حرام ماننے والے گمراہ ضالین متبع غیر سبیل المومنین ہیں۔

(۶) متعلقاتِ انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء مثلِ اِستعانت وندا وعلم وتصرف بعطائے خدا وغیرہ مسائلِ متعلقہ اَموات واَحیا میں نجدی ودہلوی اور ان کے اَذناب نے جو احکامِ شرک گھڑے اور عامہ مسلمین پر بلا وجہ ایسے ناپاک حکم جڑے یہ ان گمراہوں کی خباثتِ مذہب اور اس کے سبب انھیں استحقاقِ عذاب وغضب ہے۔

(۷) زمانہ کو کسی چیز کی تحسین وتقبیح میں کچھ دخل نہیں، امرِ محمود جب واقع ہو محمود ہے اگرچہ قرونِ لاحقہ میں ہو، اور مذموم جب صادر ہو مذموم ہے اگرچہ اَزمنۂ سابقہ میں ہو، بدعتِ مذمومہ صرف وہ ہے جو سنتِ ثابتہ کے رد وخلاف پر پیدا کی گئی ہو، جواز کے واسطے صرف اتنا کافی ہے کہ خدا ورسول نے منع نہ فرمایا، کسی چیز کی ممانعت قرآن وحدیث میں نہ ہو تو اسے منع کرنے والا خود حاکم وشارع بننا چاہتا ہے۔

(۸) علمائے حرمین طیبین نے جتنے فتاوے ورسائل مثل الدرر السنیہ فی الرد علی الوھابیہ وغیرہا ردِ وہابیہ میں تالیف فرمائے سب حق وہدایت ہیں اور ان کا خلاف باطل وضلالت۔

حضرات! یہ جنت سنت کے آٹھ باب ہادئ حق وصواب ہیں، جو صاحب بے پھیر پھار بے حیلۂ انکار بکشادہ پیشانی ان پر دستخط فرمائیں تو ہم ضرور مان لیں گے کہ وہ ہرگز وہابی نہیں، ورنہ ہر ذی عقل پر روشن ہوجائے گا کہ منکر صاحبوں کا وہابیت سے انکار نرا حیلہ ہی حیلہ تھا، مسمّٰی پر جمنا اور اسم سے رمنا، اس کے کیا معنی۔ ص 377 تا 405

قادیانی عقیدے والے سے نکاح کا حکم

قادیانی عقیدے والے، قادیانی کو کافر مرتد نہ ماننے والے، مرد خواہ عورت کا نکاح اَصلاً ہرگز زنہار کسی مسلم کافر یا مرتد اس کے ہم عقیدہ یا مخالفُ العقیدہ غرض تمام جہان میں انسان حیوان جن شیاطین کسی سے نہیں ہوسکتا جن سے ہوگا زنائے خالص ہوگا۔ جس مسلمان عورت کا غلطی خواہ جہالت سے کسی کے ساتھ نکاح باندھا گیا اس پر فرض فرض فرض ہے کہ فوراً فوراً اس سے جُدا ہوجائے کہ زنا سے بچے اور طلاق کی کچھ حاجت نہیں بلکہ طلاق کا کوئی محل ہی نہیں، طلاق تو جب ہو کہ نکاح ہوا ہو، نکاح ہی سرے سے نہ ہوا، نہ اَصلاً عدت کی ضرورت کہ زنا کے لیے عدت نہیں، بِلا طلاق بِلا عدت جس مسلمان سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ ص 515

کتابی سے نکاح کا حکم

مسلمان عورت کا نکاح مطلقاً کسی کافر سے نہیں ہوسکتا۔ کتابی ہو یا مشرک یا دہریہ یہاں تک کہ اُن کی عورتیں جو مسلمان ہوں انھیں واپس دینا حرام ہے۔

مسلمان مرد کافرہ کتابیہ سے نکاح کرسکتا ہے۔ لیکن غیرِ کتابیہ سے مسلمان مرد کو نکاح حرام ہے۔ یہ حکم کافرانِ اصلی کا ہے،

مرتد و مرتدہ کا نکاح تمام عالم میں کسی سے نہیں ہوسکتا نہ مسلم سے، نہ کافر سے، نہ اصلی سے نہ مرتد سے۔ص 511

کتابیہ سے نکاح کا جواز عدمِ ممانعت وعدمِ گناہ صرف کتابیہ ذمیہ میں ہے جو مطیعُ الاسلام ہوکر دارُ الاسلام میں مسلمانوں کے زیرِ حکومت رہتی ہو وہ بھی خالی اَز کراہت نہیں بلکہ بے ضرورت مکروہ ہے، مگر کتابیہ حربیہ سے نکاح یعنی مذکورہ جائز نہیں بلکہ عند التحقیق ممنوع وگناہ ہے، علمائے کرام وجہِ ممانعت اندیشۂ فتنہ قرار دیتے ہیں کہ ممکن کہ اس سے ایسا تعلقِ قلب پیدا ہو جس کے باعث آدمی دارُ الحرب میں وطن کرلے نیز بچے پر اندیشہ ہے کہ کفار کی عادتیں سیکھے نیز احتمال ہے کہ عورت بحالتِ حمل قید کی جائے تو بچہ غلام بنے۔ص 400

بابُ الولی (ولی کا بیان)

وِلایت کو منقطع قرار دینے کا حکم کب ہے؟

سوال: غَیبَتْ کی تفاسیر میں سے کہ مدتِ قصر یا دشواریِ استطلاعِ رائے یا اس بلد میں قافلہ سال بھر میں ایک مرتبہ جاتا ہو، میں کون سی تفسیر معتمد علیہ ہے؟

الجواب: اول پر بھی فتوی دیا گیا اور ثالث اختیارِ امام قدوری ہے اور کتاب التجنیس والمزید میں یک ماہہ راہ کو اختیارِ اکثر مشائخ واَعدلُ الاقاویل فرمایا اور امام سغدی نے مفقود الخبری اختیار فرمائی، امام محمد سے ایک روایت بیس ایک پچیس منزل کی آئی تو یہ سات قول ہیں جن میں اَقوی واَوثق ومذیل بآکد الفاظِ فُتیا صرف اول ودوم ہیں مگر اَصح التصحیحین واَرجح الترجیحین وماخوذ ومعتمد علیہ یہی ہے کہ جب اس کی رائے لینے تک کفوِ حاضر انتظار نہ کرے اور اس پر اُٹھا رکھنے میں یہ موقع ہاتھ سے جاتا ہے تو غَیبت غَیبتِ منقطعہ ہے یہاں تک کہ اگر ولی اقرب شہر ہی میں رُوپوش ہو اور پتا نامعلوم یا رسائی نہیں اور اِنتظار باعثِ فوتِ کفو ہو تو غیبت منقطعہ سمجھی جائے گی اور ولی بعید کو جو مراتبِ ولایت میں اس اَقرب کے متصل ہے ولایت ہاتھ آئے گی اور اگر اَقرب ہزار کوس دُور ہے اور کفو حاضر نہیں یا انتظار پر راضی، تو یہ غیبت منقطعہ نہیں، ولی بعید نکاح کرے گا تو نافذ نہ ہوگا بلکہ اجازتِ اَقرب پر موقوف رہے گا۔ص 586

غرضیکہ دونوں تصحیحوں میں یہ قول زیادہ راجح ہے کہ اگر ولی اتنی مسافت پر ہے کہ اس سے رابطہ، مشورہ اور اجازت حاصل کرنے میں موجود رشتہ جو کہ کفو ہے، چھوٹ جائے گا۔ تو یہ ولایت کے ختم ہونے اور دوسرے کو منتقل ہونے کا معیار ہے، اگرچہ وہ ولی شہر میں چھپا ہوا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ غائب ولی کی ولایت کے اِنقطاع کا سبب کفو والے رشتہ کے چھوٹ جانے کا خدشہ قرار دیا ہے تو ایسی صورت میں اس سے اجازت حاصل کرنے میں ولایت کا مقصد فوت ہوجاتا ہے اس لئے اتنی مسافت یا شہر میں تلاش کی بجائے اس کی ولایت کو منقطع قرار دیا جائے گا۔ص 527

باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور ولی نابالغہ کا نکاح کردے تو؟

اگر وہ لڑکا جس سے اس نابالغہ کا نکاح ہوا اس کا کفو نہ تھا یعنی قوم ورَوِش ومذہب وغیرہا امورِ معتبرہ سے کسی بات میں بہ نسبت دُختر ایسا نقص رکھتا تھا کہ اس دُختر کا اس کے نکاح میں دیا جانا اولیائے دُختر کے لئے باعثِ ننگ وعار ہو تو وہ نکاح سرے سے باطل واقع ہوا، یونہی اگر دُختر کے مہرِ مثل میں کمی فاحش کردی گئی مثلاً مہرِ مثل پچاس ہزار تھا اس نکاح میں پچیس ہزار بندھا تو

بھی نکاح باطل محض ہوا، ان دونوں صورتوں میں بعدِ بلوغ اگر خود اجازت دے اور نکاح نہ صرف ماں بلکہ ان سب اولیاء نے مل کر کیا ہو جب بھی صحیح نہیں ہوسکتا کہ نابالغہ کے ایسے نکاح کرنے کا باپ دادا کے سوا کسی کو اختیار نہیں۔ اور اگر نہ لڑکا ایسا تھا نہ مہر مثل میں اس طرح کی کمی تو صحیح ہو گیا۔

پھر بھی اَزانجا کہ مزوِّج غیرِ اَب وجَدّ اور دُختر دوشیزہ ہے اسے اتنا اختیار دیا جائے گا کہ پہلے سے نکاح کی خبر رکھتی ہو تو اپنے بالغ ہوتے ہی اور بعدِ بلوغ اطلاع پائے تو خبر سنتے ہی فوراً بے وقفہ کہہ سکتی ہے کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں یا میں نے اسے فسخ کر دیا یا مجھے ناپسند ہے یا اس کے مثل اور کوئی امر کہ دلیلِ ناراضی ہو۔ پس اگر بلوغ یا اطلاع پر فی الفور اس نے یہ ناراضی ظاہر کی تو اسے اجازت دی جائے گی کہ قاضی کے حضور دعوی کر کے فسخ کرالے، اور اگر ایک لحہ بھی بے عذر سکوت کیا یا کسی دوسرے کام یا کلام میں مشغول ہوئی تو اب وہ نکاح لازم ہو گیا، اس کے بعد اِظہارِ ناراضی کچھ بکار آمد نہیں۔

اور اگر وہ نکاح نہ ابتداءً اجازتِ ولی سے ہوا نہ زمانۂ نابالغیِ دُختر میں ولی نے اجازت دی نہ رَد کیا بلکہ اسے خبر ہی نہ ہوئی یا بعدِ خبر سکوتِ محض کیا یہاں تک کہ دُختر بالغہ ہوئی تو اب وہ خود اجازتِ دُختر پر موقوف ہوا، پس اگر دُختر نے اس اظہارِ ناراضی سے پہلے بعدِ بلوغ کوئی کلمۂ اجازت کہا یا دلالۃً اس کے کسی فعل یا حال سے رضامندی ثابت ہوئی تھی، مثلاً بالغ ہونے پر شوہر کے پاس گئی یا اس سے کوئی برتاؤ زن وشوئی کا کیا یا کسی نے فلاں کی دلہن کہہ کر پکارا اس نے جواب دیا تو نکاح لازم ہو گیا اب ناراضی محض بے سود ہے اور اگر ہنوز قول یا فعل یا حال سے رضا ثابت نہ ہونے پائی تھی کہ اس نے ایسی ناراضی ظاہر کی جس سے ردِ نکاح مفہوم ہوا تو بے شک نکاح باطل ہو گیا۔ ص539

نابالغہ کا نکاح اگر ولی اَبعَد نے غیر برادری میں کر دیا تو کیا حکم ہوگا؟

ولی اَقرب کہ غائب ہے پدر یا جدِ صحیح ہے ہر ایک غیر معروف بسوء اختیار یا معروف کہ اس سے پہلے اپنی ولایت سے کسی بچے کا نکاح غیرِ کفو سے یا مہرِ مثل میں غبنِ فاحش کے ساتھ کر چکا ہو یا ان دونوں کا غیر، اور جبکہ غائب پدر ہو تو ولی اَبعد جد معروف بسوء اختیار یا غیر معروف یا کوئی اور، یہ نو صورتیں ہوئیں اور ہر تقدیر پر غیبتِ منقطعہ ہے یا غیر، وہ غیر برادری والا کفو ہے یا غیر یعنی نسب یا مذہب یا حرفت یا رَوِش یا مال غرض کسی بات میں اس سے ایسی کمی رکھتا ہے کہ اس سے نکاح اس کے اولیاء کے لئے باعثِ ننگ وعار ہے، نکاح مہرِ مثل میں غبنِ فاحش کے ساتھ ہوا مثلاً دُختر کا مہرِ مثل ہزار تھا پانسو باندھے یا زوجۂ پِسَر کا پانسو تھا ہزار باندھے یا غیر، یہ جملہ بہتر ۷۲ صورتیں ہوئیں، ان کے حکم کا ضابطہ بتوفیق اللہ تعالٰی یہ ہے کہ اگر غیبت غیرِ منقطعہ تھی اور ولی غائب پدر یا جد غیرِ معروفَین بسوء اختیار ہیں تو یہ نکاح مطلقاً ان کی اجازت پر موقوف ہے اگرچہ غیرِ کفو وغبنِ فاحش سے ہو، اور اگر غائب مذکور معروف بسوء اختیار تو نکاح مطلقاً باطل محض، اگرچہ غیبتِ پدر میں جدِ صحیح غیر معروف بسوئے اختیار نے کیا ہو۔

اس میں وجہ یہ ہے کہ جب تک غیبت منقطعہ نہ ہو تو غیر کو ولایت حاصل نہیں ہوتی اور باپ اور دادا کو اس وقت غیرِ کفو اور گراں مہر یا انتہائی کم مہر کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے جب وہ سوءِ اختیار میں معروف نہ ہوں، اس میں معروف ہونے کی صورت میں جائز نہیں، تو جب باپ دادا سوء اختیار سے معروف نہ ہوں تو یہ عقد درست ہو کر اجازت پر موقوف رہے گا کیونکہ اس عقد کو جائز

کرنے والا خود موجود ہے، اور اگر سوءِ اختیار میں معروف ہوں تو منعقد نہ ہوگا اور نہ موقوف ہوگا، تو اس صورت میں سوءِ اختیار میں غیر معروف دادا اگر اس باپ کی غیبتِ غیر منقطعہ میں جو سوءِ اختیار میں (معروف) ہو نکاح کردے تو یہ نکاح موقوف نہ رہے گا اگرچہ دادا غیر معروف بسوءِ اختیار خود نکاح (کر) دینے کا مالک ہوتا ہے مگر یہاں اس لئے نہیں کہ باپ غیبتِ منقطعہ میں غائب نہیں بلکہ وہ غیر منقطعہ غیبت میں غائب ہے تو ایسی صورت میں دادا کو ولایت منتقل نہیں ہوتی اگرچہ دادا کفو میں بھی کرے چہ جائیکہ غیرِ کفو میں کرے۔ (ت)

اور اگر ولی غائب غیر اب وجدّ ہے تو کفو سے بے غبنِ فاحش اجازتِ غائب پر موقوف (عدمِ انقطاع کی بنا پر ولایت باقی رہنے کی وجہ سے۔ت) اور غیرِ کفو یا غبنِ فاحش سے مطلقاً باطل **لعدم المجیز** (جائز کرنے والا نہ ہونے کی وجہ سے مطلقاً باطل ہے۔ت) اگرچہ اس ولی غائب بغیبتِ غیر منقطعہ کے سوا صغیر وصغیرہ کا باپ یا دادا غیر معروف بسوئے اختیار غائب بغیبتِ منقطعہ زندہ موجود ہوں کہ **غیبتِ منقطعہ مثلِ موت ہے۔**

اور اگر **غیبتِ منقطعہ** تھی تو غیر کفو یا غبنِ فاحش سے مطلقاً (باطل) مگر اس صورت میں کہ غائب پدر ہو اور مُزوّج جد صحیح کہ نہ معروف بہ سوءِ اختیار ہو نہ اس تزویج کے وقت نشے میں کہ اس تقدیر پر یہ عقد نہ صرف صحیح ونافذ بلکہ لازم ہوگا جو کسی طرح رد نہیں ہوسکتا اور اگر نکاح کفو سے بے غبنِ فاحش ہے تو مطلقاً تام ونافذ مگر ولی مزوّج اگر جد ہے تو لازم بھی ہو گیا ورنہ غیر لازم کہ قاصر وقاصرہ کو اگر پیش از بلوغ نکاح کی خبر ہے تو بلوغ ہوتے ہی ورنہ بعد جب خبر پائیں اختیار ملے گا کہ اس پر معترض ہو کر قاضیِ شرع سے نکاح فسخ کرالیں۔ ص592

بالغہ نے بے اجازتِ ولی نکاح کرلیا تو؟

لڑکیاں جبکہ بالغ ہوگئیں ان پر ولایتِ جبریہ کسی کی نہ رہی، ان کی رضا سے جو نکاح ان کا ہو صرف دو حالت میں ولی یعنی ان کے باپ کو ان پر اعتراض کا حق ہوگا، **اول** یہ کہ جس سے نکاح کیا جائے وہ اس دُختر کا کفو یعنی نسب یا مذہب یا چال چلن یا پیشہ وغیرہ کسی بات میں اس سے اتنا کم ہو کہ اس سے نکاح ہونا پدرِ دُختر کے لئے باعثِ ننگ وعار ہو، اس صورت میں تو جب تک باپ پیش از نکاح اس شخص کو غیرِ کفو جان کر صراحۃً اجازت نہ دے نکاح ہوگا ہی نہیں محض باطل ہوگا۔ **دوم** یہ کہ دُختروں کے مہر میں کمی فاحش کی جائے مثلاً اس کا مہرِ مثل ہزار روپے ہو اور پانسو باندھا جائے، اس صورت میں باپ کو اعتراض کا حق ہوگا یہاں تک کہ شوہر مہر پورا کردے۔ اور جب ان صورتوں سے پاک ہو نکاح صحیح وتام ونافذ ولازم ہوگا جس پر پدرِ دختران کو کوئی اعتراض نہیں پہنچتا۔ ص636

ولی بننا نہ بننا اختیاری نہیں

والدِ ہندہ نابالغہ کے فوت ہونے پر ہندہ کے شرعی وارث موجود ہیں مگر ولی بننے سے انکار کرتے ہیں ہندہ کی ماں حقیقی جس نے اب عقدِ ثانی کرلیا ہے وہ یا اس کا شوہرِ ثانی ولی بن سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: ولی بننا نہ بننا اختیاری نہیں۔ جس کو شرع مطہر نے ولی کیا وہ ولی ہے اس کے انکار سے کچھ نہیں ہوتا، ہاں اگر صورت یہ ہے

کہ کفو موجود ہے اور ولی بلا وجہ شرعی اس کے نکاح کرنے سے انکار کرتا ہے اور اس انکار میں کفو کے فوت ہونے کا اندیشہ صحیح ہے تو جو ولی اَبعد ہے اگرچہ ماں ہو اگرچہ نکاح کر چکی ہو وہ وہاں کے عالمِ دین سنی صحیح العقیدہ کے صوابدید سے نابالغ کا نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص 637

بابُ الکفاءۃِ فِی النِّکاح (نکاح کے سلسلہ میں کفو کا بیان)

کفاءت کا اعتبار ابتدائے نکاح کے وقت ہے اگر اس وقت کفو ہو پھر کفاءت جاتی رہے تو اس کا لحاظ نہ ہوگا۔ص 704

بدمذہب جس کی بدمذہبی کفر کی حد تک نہ ہو کسی سُنیہ بنتِ سُنی کا کفو نہیں ہوسکتا

اب اگر عورت سنیہ بالغہ اپنا نکاح کسی ایسے شخص سے کرے اور اس کا ولی پیش اَز نکاح اس شخص کی بدمذہبی پر آگاہ ہو کر صراحۃً اس سے نکاح کئے جانے کی رضامندی ظاہر نہ کرے خواہ یوں کہ اسے اس کی بدمذہبی پر اطلاع ہی نہ ہو یا نکاح سے پہلے اس قصد کی خبر نہ ہوئی یا بدمذہب جانا اور اس ارادہ پر مطلع بھی ہوا مگر سکوت کیا صاف رضا کا مُظْہِر نہ ہوا، یا عورت نابالغہ ہو اور ولی مزوِّج اَب وجدّ کے سوا یا اَب وجدّ ایسے جو اس سے پہلے اپنی ولایت سے کوئی تزویج کسی غیرِ کفو سے کر چکے ہوں یا وقتِ تزویج نشے میں ہوں ان سب صورتوں میں یہ بھی نکاح باطل وزنائے خالص ہوگا کہ بدمذہب کسی سنیہ بنت سنی کا کفو نہیں ہوسکتا اور غیرِ کفو کے ساتھ تزویج میں یہی احکام مذکورہ ہیں۔ص 383

عجمی عالم سیدزادی کا کفو ہے یا نہیں؟

ہاں، جب عجمی عالم دیندار عامل ہو، کیونکہ علم کی فضیلت نسب کی فضیلت سے فائق ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میں سے ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ نے بلندی دی اور ان لوگوں کو جو علم دئے گئے ان کو کئی درجات دئے گئے، وقال تعالیٰ { قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ } اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں۔

قُلْتُ (میں کہتا ہوں) ہم عالم کو دین کا عالم اور دین دار عالم سے مقید کریں گے کیونکہ حقیقۃً عالم یہی ہے جبکہ گمراہ علماء تو جاہلوں سے بدتر ہیں کیونکہ جاہل مرکب، انتہائی بُرا، رُسوا، اور دونوں جہاں میں وہ حقیر اور ذلیل ہیں، ان کے چھوٹے چوپایوں کی طرح بلکہ اس سے بھی گئے گزرے، اور ان کے بڑے، کتے بلکہ ذلیل ترین ہیں۔

ثُمَّ اَقُول (میں پھر کہتا ہوں کہ) وہ عالم اس قید سے بھی مقید ہونا ضروری ہے کہ وہ انتہائی حقیر اور مشہور کمتر نہ ہو، جیسا کہ جولاہا، نائی، موچی، چمڑا رنگنے والا اور ان کی مثل نہ ہو کیونکہ دارومدار اس بات پر ہے کہ علاقے کے عرف میں وہ حقیر شمار نہ ہو، جیسا کہ اکابر علماء نے تصریح فرمائی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ علَوِیّہ لڑکی ہمارے علاقے میں اَفغان اور مغل جو کہ علم کے زیور سے آراستہ ہیں اور اہلِ فضل ہیں جو اپنے کو منتخب لوگوں اور شرفاء میں شمار کرتے ہیں ان سے عار محسوس نہیں کرتی، تو جب یہ لوگ علم وفضل کی طرف منسوب ہوں تو مزید شرافت کی بناء پر نسبی طور پر اگر علوی سے کم ہیں تو علم وفضل کی وجہ سے وہ کمی ختم ہوجاتی ہے، اس کے برخلاف جُولاہے، دھوبی اور نائی موچی وغیرہ کی عار علم کی وجہ سے ختم نہیں ہوتی، ہاں جب یہ لوگ قدیم سے یہ کام چھوڑ چکے ہوں اور لوگ معزز انداز میں ان

سے مانوس ہو چکے ہوں اور لوگوں کے دلوں میں ان کا وقار اور عام نگاہوں میں ان کی وقعت قائم ہو چکی ہو کہ اب بڑے لوگوں کی لڑکیوں کے لئے عار نہیں رہے تو اور بات ہے، لیکن ایسے علاقے ہیں بہت کم ہیں جن کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا، تاہم حقارت کا مدار عرف پر ہے، جب مدار یہ ہے تو حکم اس پر ہوگا، سمجھو۔۔۔۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔(ت)۔ص 712

سیدانی کا غیرِ قریشی کے ساتھ نکاح کا حکم

سید ہر قوم کی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں اور سیدانی کا نکاح قریش کے ہر قبیلہ سے ہو سکتا ہے خواہ علوی ہو یا عباسی یا جعفری یا صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا اُموی، رہے غیرِ قریش جیسے انصاری یا مغل یا پٹھان ان میں جو عالمِ دین معظم مسلمین ہو اس سے مطلقاً نکاح ہو سکتا ہے ورنہ اگر سیدانی نابالغہ ہے اور اس غیرِ قریش کے ساتھ اس کا نکاح کرنے والا ولی باپ یا دادا نہیں تو نکاح باطل ہوگا اگرچہ چچا یا سگا بھائی کرے، اور اگر باپ دادا اپنی کسی لڑکی کا نکاح ایسے ہی پہلے کر چکے ہیں تو اب ان کے کئے بھی نہ ہو سکے گا اور اگر بالغہ ہے اور اس کا کوئی ولی نہیں تو وہ اپنی خوشی سے اس غیرِ قریشی سے اپنا نکاح کر سکتی ہے، اور اگر اس کا کوئی ولی یعنی باپ دادا پردادا ان کی اولاد ونسل سے کوئی مرد موجود ہے اور اس نے پیش از نکاح اس شخص کو غیرِ قرشی جان کر صراحۃً اس نکاح کی اجازت دے دی جب بھی جائز ہوگا، ورنہ بالغہ کا کیا ہوا بھی باطل محض ہوگا۔ ان تمام مسائل کی تفصیل درمختار وردالمحتار وغیرہما کتبِ معتمدۂ مذہب اور فقیر کے فتاوی میں متعدد جگہ ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔ص 716

عورت بالغہ جونسباً سیدہ ہے باکرہ ہو یا ثیبہ یا مطلقہ کسی شخص سے جونسباً سید نہیں ہے نکاح کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

سیدہ عاقلہ بالغہ اگر ولی رکھتی ہے تو جس کفو سے نکاح کرے گی ہو جائے گا اگرچہ سید نہ ہو مثلاً شیخ صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا علوی یا عباسی، اور اگر غیرِ کفو سے بے اجازت صریحہ ولی نکاح کرے گی تو نہ ہوگا جیسے کسی شیخ انصاری یا مغل، پٹھان سے مگر جبکہ وہ معزز عالم دین ہو۔ص 730

* **جب باپ سید نہ ہو اولاد سید نہیں ہو سکتی اگرچہ ماں سیدانی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص 730**

غیرِ کفو کے معنی

غیر کفو کے معنی شرعاً یہ ہیں کہ مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم ہو کہ اس کے ساتھ اس کا نکاح اس کے اولیاء کے لئے واقعی باعثِ ننگ وعار ہو نہ کہ بعض جاہلانہ خیالات پر، بعض عوام میں دستور ہے کہ خاص اپنے ہم قوم کو اپنا کفو سمجھتے ہیں، دوسری قوم والے کو اگرچہ ان سے کسی بات میں کم نہ ہو غیرِ کفو کہتے ہیں اس کا شرعاً لحاظ نہیں جیسے شیخ صدیقی ہو وہ شیخ فاروقی کو اپنا کفو نہ جانے یا سید ہو اور وہ شیخ صدیقی یا فاروقی یا قریشی کو اپنا کفو نہ سمجھے حالانکہ حدیث میں ہے۔ **قریش بعضھم اکفاء بعض** (بعض قریش بعض کے لئے کفو ہیں۔ت)۔ص 731

جلد نمبر 12

بابُ المھر

رسالہ: البسط المسجل فی اِمتناع الزوجۃ بعد الوطی للمعجل (۱۳۰۵ھ)

(زوجہ بعدِ وطی بھی مہرِ معجّل لینے کے لئے اپنے نفس کو رُوک سکتی ہے اس بارے میں کشادہ تحریر اور فیصلہ مسٹر محمود کا رَد)

تحقیق مقام یہ ہے کہ مہر معجّل لینے سے پہلے وطی یا خلوت برضائے عورت واقع ہوجانا صاحب مذہب امامِ اقدم قدوۂ اَعظم امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حقِ منعِ نفس ومنعِ سفر کسی کا اَصلاً مسقط نہیں، اور عورت کو اختیار ہے جب تک ایک روپیہ بھی باقی رَہ جائے نہ تسلیمِ نفس کرے نہ شوہر کے ساتھ سفر پر راضی ہو اگرچہ اس سے پہلے بارہا وطی بَرضامندی ہوچکی ہو اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف خلوت برضا واقع ہوجانا بھی حقِ منعِ نفس ومنعِ سفر دونوں کا مُسقِط ہے، امام ابوالقاسم صفار علیہ رحمۃ الغفار دربارۂ سفر قولِ امام اور دربارۂ وطی قولِ صاحبین پر فتوے دیتے تھے اصل معنٰی اس تفصیل کے یہی ہیں اُن کے بعد جس نے ادھر میل کیا انہیں کا اتباع کیا مثلاً امام صدر شہید شرح جامع صغیر میں ان کا مسلک نقل کرکے فرماتے ہیں: **وانہ حسن** (بیشک وہ حسن ہے۔ت) مگر اکثر اکابر ائمہ وعلماء فقہاء مذہبِ امام کو ترجیح دیتے اور اسی پر جزم واعتماد کرتے ہیں متون کہ خاص نقلِ مذہبِ صحیح ومتعمد کے لئے وضع کئے جاتے ہیں علی العموم اسی مذہب پر ہیں۔ص104

حق مہر کی تین اَقسام

معجّل:

کہ پیش اَز رُخصت دینا قرار پالیا ہو اُس کے لئے عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرلے رُخصت نہ ہو، اور اگر رُخصت ہوگئی تو اسے اب بھی اختیار ہے کہ جب چاہے مطالبہ کرے اور اس کے وصول تک اپنے نفس کو شوہر سے روک لے اگرچہ رُخصت کو بیس برس گزر گئے ہوں۔ص171

اور جو معجّل ٹھہرا ہے وُہ ہمیشہ معجّل ہی رہے گا جب تک عورت اُسے اپنی رضا سے مؤجّل نہ کردے۔ص178

دوسرا مؤجّل:

جس کی میعاد قرار پائی ہو کہ دس برس یا بیس برس یا پانچ دن کے بعد ادا کیا جائے گا اس میں جب تک وُہ میعاد نہ گزرے عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں اور بعد اِنقضائے میعاد ہر وقت مطالبہ کرسکتی ہے۔ص171

اور میعاد آنے پر اگر شوہر دینے میں تاخیر کرے تو اس کے لئے اپنے نفس کو نہیں روک سکتی خصوصاً جبکہ رخصت ہوچکی ہو۔ص191

تیسرا مؤخر:

کہ نہ پیشگی کی شرط ٹھری ہو نہ کوئی میعاد معین کی گئی ہو، یُونہی مطلق ومبہم طور پر بندھا ہو جیسا کہ آج کل عام مہر یوں ہی بندھتے ہیں اس میں تاوقتیکہ موت یا طلاق نہ ہو عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں، مہرِ معجّل ومؤجل کے لئے شرع مطہر نے کوئی تعداد معین نہ فرمائی، جتنا پیشگی دینا ٹھرے اس قدر معجّل ہوگا باقی کی کوئی میعاد قرار پائی تو اتنا مؤجل ہوگا ورنہ مؤخر رہے گا، ہاں اگر کسی قوم یا شہر کا رواج عام ہو کہ اگرچہ تصریح نہ کریں مگر اس قدر پیشگی دینا ہوتا ہے تو بلا قرار دادِ صریح بھی اُتنا معجّل ہوجائے گا باقی بدستور مؤجل یا مؤخر رہے گا۔ص171

* شوہر پر حرام قطعی ہے کہ اس پر معافیِ مہر کا جبر کرے، اور اگر جبر کرکے معاف کرالے گا معاف نہ ہوگا۔ص180
* **مرض الموت میں مہر کی معافی بے اجازتِ دیگر ورثاء معتبر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص181**

نکاح بلا تعیینِ مہر بلکہ نفیِ مہر کے ساتھ بھی صحیح ہوجاتا ہے اور مہرِ مثل دینا آتا ہے یونہی مہرِ شرعی کہنے سے بھی، جبکہ ان کی اصطلاح میں اس سے کوئی خاص مقدار مثلاً اَقل درجہ مہر یا مہر حضور بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد نہ ہو ورنہ جو ان کی اصطلاح معروف ہے وہی لازم آئے گا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص172

* اقرار مُقَر لہ کے اِنکار سے رَد ہوجاتا ہے۔ص180

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مدعیہ نے اپنے گواہان سے یہ ثابت کیا کہ میرا دَینِ مہر ایک لاکھ روپے کا تھا، فریقِ ثانی نے گواہان سے اس امر کا ثبوت پیش کیا کہ ہندہ کا دینِ مہر دس ہزار روپے کا تھا، صورتِ مسئولہ میں گواہان کمی مہر کے معتبر ہوں گے یا زیادتی کے؟ بیّنوا توجروا

الجواب: اگر شوہر زندہ اور نکاح قائم ہے یا طلاق بعدِ خلوت ہوئی یا شوہر مرگیا اور عورت کی نزاع اُس کے وارثوں سے ہے ان سب صورتوں میں دیکھا جائے کہ (۱) عورت کا مہرِ مثل دس ہزار خواہ کم ہے یا (۲) ایک لاکھ خواہ زائد یا (۳) دس ہزار سے زیادہ ایک لاکھ سے کم ہے، پہلی (۱) صورت میں عورت کے گواہ معتبر ہیں لاکھ روپے کی ڈگری ہوگی۔ دوسری (۲) صورت میں فریقِ ثانی کے گواہ معتبر ہیں دس ۱۰ ہزار دِلائے جائیں گے۔ (ت) تیسری (۳) صورت میں جتنا مہرِ مثل ہے اُتنے کی ڈگری دیں گے۔ یہ سب اُس حال میں ہے کہ دونوں کے گواہ قابلِ قبولِ شرع ہوں اور وجہِ شرع پر شہادت ادا کی ہو، اور اگر اُن میں ایک ہی فریق کے گواہ ایسے ہیں تو مطلقاً انہیں کا اعتبار ہوگا خواہ لاکھ کے ہوں یا دس ۱۰ ہزار کے، دوسرے فریق کی شہادت کالعدم ہوگی، اور اگر دونوں فریق کی شہادت شرعاً کالعدم ہو تو پہلی صورت میں فریقِ شوہر سے حلف لیں گے کہ لاکھ روپے مہر نہ بندھا تھا اگر قاضی کے حضور حلف سے انکار کردے گا لاکھ کی ڈگری ہوگی اور حلف کرلے گا تو دس ہزار کی۔ دوسری صورت میں ہندہ سے حلف لیں گے کہ دس ہزار مہر نہ بندھا تھا، اگر قاضی کے سامنے حلف سے انکار کردے گی دس ۱۰ ہزار پائے گی اور حلف کرلے گی تو لاکھ، اور تیسری صورت میں دونوں فریق پر حلف رکھیں گے، جو قاضی کے یہاں حلف سے انکار کردے گا دوسرے کا دعوی ثابت ہوجائے گا اور دونوں حلف کرلیں گے مہرِ مثل دلایا جائے گا اگر زن وشو میں طلاق قبل خلوت کے بعد اختلاف ہوا تو مطلقاً قولِ شوہر حلف سے معتبر

ہے۔جس طرح بعد موتِ زوجین اُن کے ورثہ میں اختلاف ہوتو مطلقاً وارثانِ شوہر کا قول معتبر ہے۔ص185

بیوی کی بہن سے نکاح کیا تو یہ نکاحِ فاسد ہے اور اس کے چند احکام

اس (دوسری) سے جو اولاد ہوگی شرعاً اولادِ حرام ہے مگر ولدُ الزنا نہیں اسے ولدِ حرام بمعنی ولد الزنا کہنا جائز نہیں۔ دونوں عورتوں کی سب اولادیں کے زید سے ہوئیں زید کا ترکہ پائیں گی کہ نسب ثابت ہے زوجہ ثانیہ ترکہ نہ پائے گی کہ نکاح فاسد ہے دونوں عورتیں مہر کی مستحق ہیں پہلی مطلقاً اور دوسری اس صورت میں کہ حقیقۃً اس سے جماع کیا ہو فقط خلوت کافی نہیں پھر پہلی اپنا پورا مہر پائے گی اور دوسری مہرِ مثل اور جو مہر باندھا تھا ان دونوں میں سے جو کم ہو وہ پائے گی۔ص184

عالمگیری میں ہے: اگر نکاح میں ایسی چیز کو مہر ذکر کیا جو فی الحال معدوم ہے مثلاً اس سال کھجوریں یا زمین جو فصل دیں گی، یا میرا غلام اس سال جو کمائے گا وغیرہ، تو مہر میں ان کا ذکر صحیح نہیں لہذا مہرِ مثل واجب ہوگا۔(ت)ص192

کیا خلوتِ صحیحہ اور دخول کا ثبوت گواہوں سے ہوگا؟

در بارۂ دخول تو ظاہر ہے کہ گواہوں کو کچھ دخل نہیں کہ وہ اس پر مطلع نہیں اور ظاہراً خلوتِ صحیحہ بھی شہادت سے جُدا۔اُن کا علم اگر محیط ہوسکتا ہے تو صرف اتنی بات کو کہ ہمارے سامنے یہ دونوں تنہا مکان میں گئے اُس میں کوئی اور نہ تھا اور کواڑ بند کر لئے اس پر اگر ثابت ہوئی تو صرف خلوت، صحیحہ کے لئے تو یہ بھی لازم ہے کہ کوئی مانع نہ حسی ہو نہ شرعی نہ طبعی۔اس پر شہادت نفی پر شہادت ہوگی اور وہ معتبر نہیں خصوصاً بعض موانع وُہ ہیں جو شاہدوں کی اطلاع سے ورا ہیں مع ہذا اگر شوہر خلوتِ صحیحہ ہونا بیان کرتا ہے تو وُہ مقر ہے اقرار کے ساتھ شہادت کیسی۔اور اگر عورت بیان کرتی ہے تو وُہ منکرہ ہے اور گواہ منکر سے نہیں لئے جاتے بلکہ مدّعی سے، ہاں یہ صورت متصور ہے کہ عورت اپنے اوپر سے دفعِ حلف کے لئے اقرارِ شوہر کے گواہ دے جو شہادت دیں کہ ہمارے سامنے شوہر نے خلوتِ صحیحہ ہونے کا اقرار کیا۔ص194

اگر عورت خلوتِ صحیحہ ہونا بیان کرتی ہے اور شوہر منکر ہو تو عورت کا قول معتبر ہے، اور اگر عکس ہو تو قولِ شوہر بدرجہ اَولٰی معتبر ہے کہ وہ مُقِر ہے اور عورت انکار سے مُتَعَنِّت ۔ص193

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فتوے پر اُجرت نہ لیتے تھے

مسائل پر بفضلہٖ تعالٰی یہاں کبھی کوئی اُجرت نہیں لی جاتی اور اس کو سخت عیب سمجھا جاتا ہے { مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ } (تم سے کسی اجر کا سوال نہیں میرا اجر اللہ تعالٰی کے ہاں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم ۔ص194

* یہاں فتوی پر کوئی خرچ نہیں لیا جاتا نہ اس کو اپنے حق میں رَوا رکھا جاتا ہے۔(جلد11ص663)

زید نے اپنے نواسہ خالد کی منگنی میں جرگہ عام میں ایک زیور اَز قسم طلائی اس کے والد عمرو کو دے کر بطورِ ہبہ کہا کہ یہ تمہارے لڑکے کی طرف سے بطورِ نشانی لڑکی کو پہنا تاہُوں، اس وقت عمرو کا لڑکا خالد نابالغ تھا اور عمرو نے وہ زیور زید سے قبول کر لیا لڑکی کے ہاتھ میں خالد کی طرف سے پہنایا گیا، اب وُہ دونوں یعنی لڑکا اور لڑکی بالغ ہیں کسی خاص وجہ سے لڑکی کی طرف سے

وُہ زیور وغیرہ اور پارچات واپس ہوکر طلاق ہونے پر فریقین تیار ہیں لیکن وُہ زیور جو زید نے اپنی طرف سے نواسہ کو دیا ہے اور لڑکی کو اس کی طرف سے پہنایا گیا تھا زید کہتا ہے کہ وہ مجھ کو واپس ہوئے اور لڑکا کہتا ہے کہ میں اب بالغ ہوں مجھ کو ملے اور عمرو لڑکے کا والد کہتا ہے مجھ کو ملنا چاہئے، اس لئے اس صورت میں اس زیور کے لینے کا شرعاً کون مستحق ہے، کیا نانا یا باپ یا خود لڑکا جس کی منگنی ہُوئی تھی؟ اگر صورتِ مسئولہ میں ہبہ ہے تو نانا، نواسے وُہ زیور شرعاً واپس لینے کا حقدار ہے یا نہ؟

الجواب: ایسے زیور پارچہ کو ہمارے عرف میں چڑھاوا کہتے ہیں اسے دُولھا کی طرف سے دُلہن کو دینے میں اگرچہ عرف وعادتِ ناس کا اختلاف ہے، بعض ہبۃً دیتے ہیں بعض عاریۃً، مگر وُہ جو دُولھا کے اَقارب دُولھا کے یہاں بھیجتے ہیں اس میں اَصلاً اختلاف نہیں وُہ یقیناً بطورِ ہبہ وامداد ہی ہوتا ہے، کسی حالت میں اُنہیں اس کی واپسی کا دعوٰی نہیں ہوتا، اولاد کی شادیوں میں جو ایسی اِعانت کی جاتی ہے اس میں اعانت کرنے والا اگر تصریح کردے کہ میں نے ہبہ کی جب تو وہ اس کی ہے، اور تصریح نہ کرے تو وُہ چیز اگر اولاد کے مناسب ہے تو ان کی ہے ورنہ اگر یہ امداد کرنے والا باپ کے اقارب یا شناساؤں میں سے ہے تو وہ ہبہ باپ کے لئے ہے اور ماں کے اقارب سے یا شناساؤں میں ہے تو ماں کے لئے، مگر یہ کہ امداد کرنے والے نے اس وقت کچھ نہ کہا، اور اب وہ موجود ہے اور بیان کرے کہ میں نے فلاں کو ہبہ کیا تھا مثلاً باپ یا ماں یا اولاد کو تو اُس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

بالجملہ زید کی طرف سے وہ زیور ہبہ ہونے میں کلام نہیں اور جبکہ اس کے لفظ وُہ ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے کہ یہ تمہارے لڑکے کی طرف سے بطورِ نشانی تو یہ نواسے کو ہبہ ہُوا اور وُہ اس وقت نابالغ تھا اور اس کے باپ نے قبول کرکے قبضہ کرلیا تو ہبہ تمام ہوگیا اور نواسہ اس کا مالک ہوگیا، اس میں نہ باپ کا حق ہے نہ نانا کا، نہ نانا اسے کسی طرح واپس لے سکتا ہے کہ قرابتِ محرمہ مانعِ رجوع ہے۔ ص197

مہر ادا نہ کرنے کی نیت کا حکم

اگر لڑکے کے پاس ایک پیسے کا سہارا نہ ہوتا اور دس کروڑ اشرفی کا مہر باندھا جاتا جب بھی نکاح صحیح تھا اور معاذ اللہ اسے حرام کاری سے کچھ تعلق نہ تھا، یہ جو حدیث میں ارشاد ہُوا ہے کہ جن کا نکاح ہوا ان کی نیت میں ادائے مہر نہیں وہ روزِ قیامت زانی وزانیہ اٹھائے جائیں گے۔ یہ ان کے واسطے ہے جو محض برائے نام جُھوٹے طور پر ایک لغو رسم سمجھ کر مہر باندھیں شرعاً نکاح اُن کا بھی ہوجائے گا اور وُہ بحکمِ شریعت زانی وزانیہ نہیں زن وشو ہیں اگرچہ قیامت میں اُن پر اس بدنیت کا وبال مثلِ زِنا ہو کہ اُنہوں نے حکمِ الٰہی کو ہلکا سمجھا یہاں کہ لڑکے نے اللہ عزوجل پر بھروسا کرکے قبول کیا تو اس صورت سے کچھ علاقہ نہ ہُوا پھر جبکہ لڑکی بالغہ نے بے کسی دباؤ کے بخوشی معاف کردیا معاف ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص199

بابُ الجہاز (جہیز کا بیان)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا اور جہیز میں اُس کو کچھ زیور یا اسباب یا جائداد دی تو اُس مال کا مالک اس لڑکی کی حیات میں اس کا شوہر ہوسکتا ہے یا وہ لڑکی ہی مالک ہے؟

الجواب: وہ مال تمام وکمال خاص مِلکِ عورت ہے دوسرے کا اس میں کچھ حق نہیں۔ ص201

یہ جو متعارف ان شہروں میں ہے کہ دُولہا کی طرف سے جوڑا وغیرہ دُلہن کو بھیجا جاتا ہے بایں اُمید کہ اُدھر سے بہت زیور وغیرہ ملے گا لہذا بامیدِ عوض جوڑے گراں قیمت سَو روپے دو سو روپے کے اور دیگر اسباب قیمتی مناسب اس کے بھیجتے ہیں اور یہ صراحت بھی ہوتی ہے کہ ادھر سے دو سو کا مال جائے گا تو اس کے عوض میں چار سو کا مال ملے گا، ایسا ہی دُلہن کی طرف سے دُولہا کے واسطے جوڑا وغیرہ گراں قیمت بھیجا جاتا ہے، پھر جب زوجین میں جُدائی ہوگئی اور زوجہ کی طرف سے طلب اپنے دِیئے کی ہُوئی، اور زوج کی طرف بمقتضائے ایمانداری جو کچھ اُدھر سے آیا تھا جوڑا وغیرہ سب دے دیا اور رسید اُن اشیاء کی لکھوالی، اس صورت میں زوج کی طرف سے جو کچھ جوڑا اور زیور وغیرہ گیا تھا واپس ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہلاک کردے ایک شخص ان دونوں میں سے جو دیا تھا اس کو دوسرے نے، تو اس صورت میں ہلاک کردینے والے سے وُہ دوسرا شخص جس کا مال ہلاک کیا، لے سکتا ہے یا نہیں؟ والدینِ زوج نے اپنے پِسَر کی زوجہ کو کچھ زیور وغیرہ واسطے تالیفِ قلوب کے بایں غرض کہ ہمارے گھر میں رہے گا اور ہر وقت ہمارے اختیار میں جس وقت چاہیں گے اس کو دوسرے کام میں لائیں گے اور جب چاہیں گے بنادیں گے جیسا کہ تاجروں میں ہے بطورِ عاریت کے ایسا مال دیا کرتے ہیں واسطے زیبائش اپنے گھر کے، نہ بطورِ تملیک کے، اس صورت میں مالک اُس مال کے والدین ہیں یا نہیں؟

الجواب: جہیز ہمارے بلاد کے عرفِ عام شائع سے خاص مِلکِ زوجہ ہوتا ہے جس میں شوہر کا کچھ حق نہیں، طلاق ہُوئی تو کُل لے گئی، اور مرگئی تو اسی کے ورثاء پر تقسیم ہوگا۔ ہاں مرد بحالتِ ہمخانگی اُن کے والدین بھی بعض اشیائے جہیز مثلِ ظروف وفروش وغیرہا اپنے استعمال میں لاتے ہیں اور عرفاً اس سے ممانعت نہیں ہوتی اس کی بنا مِلکِ شوہر یا والدینِ شوہر پر نہیں بلکہ باہمی اِنبساط کہ زن وشو کے اَملاک میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا جیسے عورتیں بے تکلف اموالِ شوہر استعمال میں رکھتی ہیں اس سے وہ اُس کی مِلک نہ ہوگئے۔

یہاں سے ظاہر کہ جانبِ شوہر کی بَری اگرچہ بامیدِ کثرتِ جہیز گراں بہا بنے، معاوضہ نہیں کہ اگر یہ اشیاء اپنے ملک پر رکھتے اور وقت پر برائے نام بھیج دیتے ہوں کہ ہماری چیز پھر ہمارے گھر آجائے گی جب تو ظاہر کہ جانبِ شوہر سے کوئی تملیک نہ ہُوئی اور تملیک ہی قصد کرتے اور دُلہن کو اس گہنے جوڑے کا مالک جانتے ہوں تاہم معاوضہ نہ ہُوا کہ اس کے عوض میں جس شے کی امید رکھتے ہیں یعنی جہیز وہ بھی مِلکِ زوجہ ہی ہوگا اور عوض ومعوّض ایک مِلک میں جمع نہیں ہوسکتے۔ ہاں کثرتِ جہیز کی امید پر بھاری جوڑے گہنے بھیجتے ہیں مگر نہ اس لئے کہ ہم یہ دے کر جہیز کے مالک ہوں گے بلکہ اس خیال سے کے بسببِ انبساطِ مذکور ہمیں بھی تمتّع واِنتفاع ملے گا ہمارے گھر کی زیب وآرائش ہوگی نام ہوگا آرام ہوگا وقتِ حاجت ہر گونہ کا برآری کی توقع ہے کہ یہاں کی نیک بیبیاں غالباً اپنا مال خصوصاً ہنگامِ ضرورت اپنے شوہروں سے دَریغ نہیں رکھتیں، یہ وجوہ اُس طرح پر باعث ہوتی ہیں کہ ادھر سے دو سو کا جائے گا تو چار سو ۴۰۰ کا آئے گا جیسے بلادِ شام وغیرہ میں اسی اُمید پر مہر بڑھاتے ہیں۔

پس صورتِ مستفسرہ میں جہیز تو ذرّہ ذرّہ دینا واجب ہی تھا اور اُس کی واپسی سے بَری کی واپسی لازم نہیں کہ وُہ اس کا عوض نہ تھی بلکہ اُس کا حکم آگے آتا ہے شوہر کا جوڑا ادھر سے آتا ہے بعدِ قبضہ قطعاً مِلکِ شوہر ہوجاتا ہے کہ لوگ اُس سے تملیک ہی کا قصد کرتے ہیں پس اگر وہ اس نے ہلاک کردیا خواہ ہلاک ہوگیا تو اُدھر والے اس کا کوئی تاوان اس سے نہیں لے سکتے کہ ہلاکِ موہوب مطلقاً مانعِ رجوع ہے۔ یونہی اگر جوڑا عورت کے والد یا والدہ نے اپنے مال سے بنا کر بھیجا جیسا کہ ان بلاد میں اکثر یہی

متعارف ہے اور یہ شخص نسباً اس کا محرم مثلاً بھتیجا بھانجا ہے یا نکاح پہلے ہولیا بعدہ، جوڑا مالِ زوجہ سے برضائے زوجہ بنا کر بھیجا گیا تو ان صورتوں میں بھی واپس لینے کا اَصلاً اختیار نہیں اگرچہ جوڑا اسلامت موجود ہو کہ قرابتِ محرمہ وزوجیت دونوں مانعِ رجوع ہیں۔

ہاں اگر جوڑا ملکِ شوہر میں موجود اور باقی موانعِ رجوع بھی مفقود ہوں مثلاً والدینِ زن نے بنایا تو اُن سے قرابتِ محرمہ نسبیہ نہ ہو، یا مالِ زوجہ سے بنا تو پیش اَز نکاح بھیجا گیا ہو تو شوہر کی رضا یا قاضی کی قضا سے رجوع کا اختیار ہوگا کہ طرفین سے جوڑوں کا جانا بحکمِ عرف دونوں جانب کی مستقل رسم ہے، نہ ایک دوسرے کے عوض میں، ولہذا اگر ایک جانب سے مثلاً بوجہ افلاس جوڑا نہ آئے تو بھی دوسری طرف والے بھیجتے ہیں تو عوضِ صریح کہ موانعِ رجوع سے ہے متحقق نہیں، پھر دُولہا کی جانب سے بَری میں ہرگز اُس جوڑے کا خیال نہیں جو دُولہا کو ملتا ہے بلکہ محض ناموری یا وہی کثرتِ جہیز کی طمع پروری، بہرحال یہ ہبہ معاوضہ سے خالی ہے تو بشرائطِ مذکورہ دُلہن والوں کو رجوع کا اختیار، مگر گنہگار رہوں گے۔ اس صورت میں شوہر نے اگر یہ جوڑا واپس کردیا تو رجوع صحیح ہوگئی اور اس کی مِلک سے خارج ہوگیا (باہمی رضامندی سے رجوع متحقق ہونے کی وجہ سے۔ ت) اور اگر موجودہ صورت اُولیٰ ہے۔ یعنی قرابت وزوجیت وغیرہما کوئی مانع، تو اس حال میں بھی اگر اس نے برضائے خود جوڑا انہیں ہبہ کرنے کے ارادہ سے واپس کردیا ہبہ صحیح ہوگیا۔ اور اگر اس گمان پر واپس دیا کہ جوڑا بھی مثلِ جہیز ہے بعدِ افتراق اس کی واپسی بھی مجھ پر لازم تو یہ واپس دینا معتبر نہ ہوگا، نہ وُہ جوڑا ملکِ شوہر سے نکلے گا، اسے اختیار ہے اب واپس لے لے، اور ان پر لازم کہ واپس دیں۔

کیونکہ جہاں رجوع صحیح نہ ہو وہاں نئے سرے سے ہبہ صحیح ہوتا ہے، جب ہبہ نہیں تو صحت نہیں، اور اس گمان کا کوئی اعتبار نہیں جس کی خطاء واضح ہے۔ عقود الدریہ کی کتاب الشرکۃ میں فرمایا کہ جس نے کسی کو ایسی شے دی جس کا دینا واجب نہ تھا تو اس کو واپس لینے کا حق ہے سوائے اس کے کہ جب بطورِ ہبہ دی ہو اور قابض نے اس کو ہلاک کرڈالا ہو جیسا کہ وہبانی کی شرح النظم اور دیگر معتبر کتابوں میں ہے اھ اور خیریہ کے کتاب الوقف میں ہے تحقیق انہوں نے تصریح کی اس بات کی کہ کسی شخص نے گمان کیا کہ اس پر قرض ہے پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا تو جو کچھ ادا کرچکا ہے واپس لے سکتا ہے، اور اگر لینے والے نے اس کو ہلاک کردیا ہے تو اس کا بدل لے سکتا ہے اھ (ت)

دلہن کا گہنا جوڑا جو بری میں دیا جاتا ہے اگر نصاً یا عرفاً اس میں بھی تملیک مقصود ہوتی ہے جیسے شکر، میوہ، عطر، پھلیل وغیرہ میں، مطلقاً ہوتی ہے تو وہ بھی قبضۂ منکوحہ ملکِ منکوحہ ہوگا ہمارے یہاں شُرَفا کا عرف ظاہر یہی ہے ولہذا بعدِ رخصت اس کے واپس لینے کو سخت معیوب وموجبِ مطعونی جانتے ہیں، اور اگر لے لیں تو طعنہ زن یہی کہتے ہیں کہ دے کر پھیر لیا یا صرف دکھانے کو دیا تھا جب دُلہن آگئی چھین لیا، یعنی یہ ان کی رسمِ معہود کے خلاف ہے اس صورت میں تو اس کے لئے بھی بعینہٖ وہی احکام ہوں گے جو دُولہا کے جوڑے میں گزرے کہ بعدِ ہلاک دُلہن سے تاوان لینے کا اَصلاً اختیار نہیں جیسے شکر میوہ کا تاوان بٹ جانے کے بعد نہیں مل سکتا اگرچہ ہنوز کھانے میں نہ آیا ہو۔

یُونہی اگر وُہ جوڑا گہنا بحالتِ قرابتِ محرمہ والدینِ شوہر یا بعدِ نکاح شوہر نے بنا کر بھیجا تو رجوع نامتصور، ورنہ بحالتِ بقائے موہوب وفقدانِ موانع برضائے زوجہ یا قضائے قاضی واپسی گناہ کے ساتھ ممکن، ہاں جہاں عرف تملیک نہ ہو بلکہ صرف پہنانے کے لئے بھیجا جاتا اور بنانے والوں ہی کی ملک سمجھا جاتا ہو وہاں دُلہن کی ملک نہیں ایک عاریت ہے کہ بحالتِ بقا جس سے

بروقت رجوع جائز وحلال اور بحالِ ہلاک اگر قبلِ اِفتراق زوجہ کے پاس بے اُس کے فعل کے تلف ہوگیا مثلاً، چور لے گیا، گر پڑا، دُلہن کے پہننے برتنے میں ٹوٹا بگڑا خراب ہوگیا بشرطیکہ وہیں تک اپنے استعمال میں لائی ہو جہاں تک کے پہننے پر عرفاً رضامندی سمجھی جاتی ہوتو ان صورتوں میں دُلہن پر تاوان نہیں، اس لئے کہ بے شک مستعار اشیاء پر بلا تَعَدِّی ہلاک کی صورت میں ضمان نہیں

اور اگر خلافِ عرف وعادت بے طوری سے پہننے میں خراب کیا مثلاً بھاری جوڑے یا موتیوں کے نازک جڑاؤ گہنے راتوں کو پہنے سویا کی، یا صرف آنے جانے میں پہننے کا عرف تھا یہ گھر میں پہنتی ہے تو نقصان کا تاوان دے گی، یُونہی اگر بے احتیاطی بے پروائی سے گُما دیا یا بعدِ طلاق اپنے گھر لے آئی اور یہاں کسی طرح تلف ہوگیا تو قیمت دینی آئے گی۔

اس لئے کہ یہ عاریت، دلالت کے اعتبار سے بقاءِ زوجیت تک مؤقت تھی لہذا زوجیت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی یہ بھی ختم ہوگئی چنانچہ اب اس کے بعد عورت کا اس کو روکے رکھنا عورت کی طرف سے تَعَدِّی ہے اگر چہ اسے استعمال نہ کرے جامع الفصولین میں ہے کہ اگر عاریت موقّت ہو اور وقت گزر جانے کے بعد امکانِ رد کے باوجود اُسے رُوکے رکھے تو ضامن ہوگا اگر چہ وقت گزرنے کے بعد اس کو استعمال نہ کرے یہی مختار ہے برابر ہے کہ توقیت باعتبارِ نص کے ہو یا باعتبارِ دلالت کے الخ

اقول (میں کہتا ہوں) یہ وہی ہے جس پر اصل میں نص کی گئی جیسا کہ ہندیہ میں ہے پس اس کو ترجیح ہوگی اس پر جو اس میں ہے کہ بیشک ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ تحقیق یہ حکم تب ہے جب وقت گزرنے کے بعد اس سے نفع اٹھائے، اور نفع نہیں اٹھایا تو ضامن نہ ہوگا یہی مختار ہے الخ اس لئے کہ جب فتوٰی میں اختلاف واقع ہوجائے تو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع ہوتا ہے بلکہ یہاں پر اَولٰی ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ت)

اور وُہ زیور وغیرہ کہ والدینِ زوج اپنی بہو کے پہننے برتنے کو بنا دیتے ہیں جس میں نصاً یا عرفاً کسی طرح مالک کر دینا مقصود نہیں ہوتا وہ بدستور مِلکِ والدین پر ہے بہو کا اُس میں کچھ حق نہیں **کما تقدم فی استمتاع المرأۃ بمشری الزوج** (جیسا کہ عورت کے لئے شوہر کے خریدے ہُوئے مال سے نفع حاصل کرنے کی صورت میں گزر چکا ہے۔ ت) اس کے احکام وہی احکامِ عاریت ہیں کہ مفصلاً مذکور ہوئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص202 تا210

زید ایک زوجہ اور ایک پِسَر بالغ اور ایک دُختر بالغہ اور دولڑکیاں نابالغہ چھوڑ کر فوت ہُوا، نابالغ بہنیں اپنے جوان بھائی بکر کی پرورش میں رہیں (جب وُہ بالغ ہُوئیں تو بکر نے ان کی شادیاں معمولی خرچ سے کر دیں اور جو بڑی بہن بکر کی تھی اس کی شادی زید نے اپنی زندگی میں کر دی تھی اس کی پرورش یا شادی کا خرچ بکر کے پاس سے نہ ہوا) صرف دو بہنوں کا خرچِ پرورش وشادی اس نے مالِ متروکہ ومشترکہ سے کیا اس صورت میں یہ خرچ بکر کو ان دونوں چھوٹی بہنوں سے مجرا مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: یہاں تین چیزیں ہیں:

(۱) خرچِ پرورش

(۲) شادی کے مصارفِ بالائی یعنی جہیز کے سوا جو اور خرچ ہوتے ہیں جیسے برات کا کھانا، خدمتیوں کا انعام، سمدھیانے کے جوڑے، دُولہا کی سلامی، سواریوں کا کرایہ، برات کے پان چھالیا وغیرہ ذٰلک۔

(۳) دُلہن کا جہیز۔

بتوفیقِ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا حکم علیحدہ سُنئے:

خرچ پرورش:

بے شک بحکمِ دیانت بحالتِ عدمِ وصی، وارثانِ کبیر کو وارثانِ صغیر کی پرورش کرنا اور اُن کے کھانے پہننے وغیرہ ضروریات کی چیزیں اُن کے لئے خریدنا اور ان امور میں ان کا مال بے اِسراف وتبذیر اُن پر اُٹھانا شرعاً جائز ہے جبکہ وُہ بچّے اُن کے پاس ہوں اگر چہ یہ اُن پر وصایت وولایتِ مالیہ نہ رکھیں۔ پس جو کچھ بکر نے اُن لڑکیوں کی پرورش میں صرف کیا اگر نفقۂ مثل کا دعوٰی کرے تو بیشک دیانۃً مجرا پائے گا، کیونکہ اس کو شرع کی طرف سے ایسا کرنے کا اِذن حاصل تھا لہذا وُہ ضامن نہیں بلکہ ایسا امین ہوگا کہ جب تک وُہ خلافِ ظاہر دعوٰی نہ کرے اس کے قول کو تسلیم کیا جائے گا، کیا تو نے نہیں دیکھا جس کا ذکر ہم فصول کے حوالے سے پہلے کر چکے ہیں کہ نفقۂ مثل تک مجرا پانے کا حکم کیا گیا جبکہ وصی یا قاضی وغیرہ جنہیں اختیارِ اذن ہے میں سے کسی کا اذن پایا جائے اور شرع مطہر زیادہ حقدار ہے کہ اس کو اختیارِ اذن ہو، اور ہمارے زیرِ بحث مسئلہ میں شرع کی طرف سے اذن پایا گیا اگر چہ وصی یا قاضی کی طرف سے اذن نہیں پایا گیا کیونکہ اس صورت میں وہ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ اور تُو جانتا ہے کہ مفتی دیانت پر فتوٰی دیتا ہے بلکہ ہم نے مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے "**العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة**" کی کتابُ الوصایا میں بلند ترین تحقیق کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ہمارے شہروں میں موجودہ زمانے میں تصریحِ وصیت کے بغیر بھی بڑا بیٹا باپ کے وصی کے قائم مقام ہوتا ہے کیونکہ ہمارے عام ورائج عرف وعادت کے مطابق بطورِ دلالت اذنِ تفویض موجود ہے باوجودیکہ ایسی ضرورت بھی متحقق ہے جو اس دلالت کا اعتبار کرنے پر مجبور کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ مفسد اور مصلح کو جانتا ہے جو شخص اپنے اہلِ زمانہ کو نہ پہچانے اور فتوٰی میں اپنے علاقے کے احوال کا لحاظ نہ رکھے وُہ جاہل ہے اور اس کا قول وبیان باطل ہے اور ہم نے اللہ قدیر جل مجدُہ، کی طاقت سے مسئلہ کو اس اسلوب سے بیان کردیا جس کی طرف رجوع کرنا متعین ہے، اس صورت میں معاملہ زیادہ ظاہر ہوا۔ (ت)

اور نفقۂ مثل کے یہ معنی کہ اتنی مدّت ایسے بچّوں پر اتنے مال والوں میں متوسط صرف بے تنگی واسراف کس قدر ہوتا ہے اتنا مجرا پائے گا۔

مصارفِ شادی:

عبارتِ سوال میں مذکور کہ دونوں قاصرہ وقتِ شادی جوان تھیں اور سائل نے بعدِ استفسار بذریعۂ تحریر اِظہار کیا کہ مصارفِ عروسی وجہیز سب بکر نے محض اپنی رائے سے کئے والدہ کا انتقال دونوں قاصرہ کی شادی سے پہلے ہوا، اور بہنیں ان کی شادیوں میں عام بیگانوں کی طرح شریک ہُوئیں نہ ان سے دربارۂ صرف کوئی اِستفسار ہوا نہ اُن کا کوئی اذن نہ قاصرات سے کہا گیا کہ ہم یہ صَرف تمہارے حصّہ سے کرتے یا جہیز تمہارے حصّے میں دیتے ہیں اور واقعی ہمارے بلاد میں مصارفِ شادی کنواریوں سے پُوچھ کر نہیں ہوتے نہ اُن سے اس امر میں کوئی اذن لیا جاتا ہے پس اگر بیانِ مذکور صحیح ہے تو جو کچھ مصارفِ بالائی جس قاصرہ کی شادی میں ہُوئے وہ دُلہن کے حصّہ سے مجرا نہیں ہوسکتے کیونکہ بیشک ہم نے اگر چہ بکر کے لئے باعتبارِ دلالت وصی ہونے کا قول کیا

ہے جیسا کہ ہم اس کی طرف اشارہ کرچکے ہیں مگر وہ ولایت بالغ ہونے کے ساتھ منقطع ہوگئی۔(ت)

تو ان مصارف میں جو کچھ بکر نے صرف کیا بہنوں کے ساتھ تبرّع و احسان ہوا جو کسی سے مُجرا نہ پائے گا سب صرف اسی کے حصہ پر پڑے گا خواہ ضماناً خواہ قصاصاً دوسرے وَرَثہ جنہوں نے نہ خود صرف کیا نہ صراحۃً اذن دیا بری رہیں گے اگرچہ اُنہوں نے صرف ہوتے دیکھا اور خاموش رہے ہوں **اذا لاینسب الیٰ ساکت قول** (خاموش رہنے والے کی طرف قول کی نسبت نہیں کی جاتی۔ت) خصوصاً اگر اُن میں کوئی اس وقت نابالغہ ہو کہ نابالغ کا اذن بھی معتبر نہیں، کیونکہ وُہ اہلِ تبرع میں سے نہیں اور نہ ہی کسی اور کو یہ حق ہے کہ اس کے مال میں تبرع کرے۔(ت)

دُلہن کا جہیز:

وہ اگر بکر نے بطورِ ہبہ نہ دیا بقصدِ مجرائی دیا تو یہ دینا کچھ اثر پیدا نہ کرے گا جبکہ باہم کسی قسم کی کوئی گفتگو نہ آئی کہ یہ اشیاء تیرے فلاں حصّہ کے معاوضہ میں دیتے ہیں اس کے بعد کُل ترکہ یا ترکہ کی فلاں قسم میں تیرا حصہ نہ ہوگا نہ بالیقین یہ ہوا کہ اموالِ منقولہ کی ہر جنس جُدا جُدا جوڑ کر دُلہن کا حصّہ نکال کر ہر چیز سے خاص جس قدر اس کے حصّہ میں آیا بے کمی بیشی ایک ذرّہ کے اُس کے لئے جُدا کرلیا اور وہی اس کے جہیز میں دیا ہو، چہ جائیکہ مثلی چیزوں پر اکتفاء کیا گیا ہو اور قیمت والی چیزوں میں مستقل تبادلہ کرنے سے احتراز کیا گیا ہو۔(ت)

نہ اجناسِ مختلفہ میں قسمت جبر بے تراضی ممکن، یہاں تک کہ قاضی کو بھی اس کا اختیار نہیں **کما نصوا علیہ فی الکتب جمیعا** (جیسا کہ تمام کتابوں میں اس پر نص فرمائی گئی۔ت) تو غایت درجہ اس قدر رہا کہ بکر نے دیتے وقت اپنے دل میں سمجھ لیا کہ یہ ہم علی الحساب دیتے ہیں جو کچھ جہیز کی لاگت ہے دُلہن کے حصہ میں مجرا لیں گے صرف اتنا سمجھ لینا کوئی عقدِ شرعی نہیں ہوسکتا قسمت نہ ہونا تو ظاہر **لما مر** (جیسا کہ گزرا۔ت) صُلح وتخارُج یُوں نہیں کہ کُل ترکہ یا اُس کی کسی قسم سے حصہ دلہن کا ساکت نہ کیا گیا نہ دلہن کے خیال میں ہوگا کہ اب فلاں قسم ترکہ میں میرا کوئی دعوٰی نہ رہا اگرچہ میرا حصہ مقدارِ جہیز سے زائد نکلے، نہ ایسا امر بے صریح رضامندی فقط ایک طرف کے خیال پر عقد ٹھر سکتا ہے، (کیونکہ عقد ربط ہوتا ہے اور ربط میں دو چیزوں کا ہونا لازم ہے۔ت)

معہذا عند الحساب جہیز کی لاگت میں اختلاف پڑنا ممکن بلکہ مظنون تو قطعِ نزاع جس کے لئے صُلح وتخارُج کی وضع ہے حاصل نہ ہوا، (اور نہیں ہے کوئی شی اپنے مقصود سے خالی مگر وہ باطل ہے، اور جس شئی پر صُلح ہو رہی ہے اس کا مجہول ہونا اگر موجبِ نزاع نہ ہو تو جوازِ صُلح سے مانع نہیں ورنہ مانع ہے۔ت)

رہی بیع وہ اگر بتصریح ایجاب وقبول بھی ہوتی مثلاً بکر کہتا ہے میں نے یہ جہیز بعوض ان اشیائے متروکہ کے جو بمقدارِ مالیتِ جہیز تیرے حصّہ میں آئیں بیع کیا اور دُلہن قبول کرتی تاہم فاسد ہوتی کہ نہ جہیز کی لاگت بیان میں آئی نہ یہ معلوم کہ اس کی مالیت کی کتنی چیزیں اور کیا کیا اشیاء حصّۂ عروس میں آئیں گی یہاں کہ اس قدر بھی نہ ہوا بلکہ کوئی تذکرہ درمیان نہ آیا صرف بکر نے ایک امر سمجھ کر جہیز سپرد کیا یہ بھی خبر نہیں کہ اُس وقت قلبِ عروس میں کیا نیت تھی اسے کیونکر کوئی عقدِ شرعی قرار دے سکتے ہیں۔(اور یہ معلوم

ہے کہ ایسا کوئی عقد نہیں جو محض نیت سے تام ہوتا ہو بلکہ کسی ایسی شئی کا ہونا ضروری ہے جو ارادۂ قلبی کو ظاہر کرے رضاءِ قلبی پر دلالت کرے۔ت)

پس واضح ہوا کہ جہیز دینے میں کسی عقدِ شرعی کی حقیقت تو حقیقت صورت بھی نہ تھی تو یہ دینا اَصلاً کوئی اثر تبدُّلِ مِلک پیدا نہ کرے گا، بلکہ وُہ مال جس کی مِلک تھا بدستور اسی کی مِلک پر رہے گا۔ اب معرفتِ مالک درکار ہے جو چیزیں عینِ متروکہ تھیں مثلاً زیور، برتن، کپڑے وغیرہا کہ مورثوں نے چھوڑے بعینہٖ جہیز میں دئے گئے وُہ جیسے سب وارثوں میں پہلے مشترکہ تھیں اب بھی مشترک رہیں گی اور جو اشیاء بکر نے خرید کردیں وہ سب مطلقاً مِلکِ بکر تھیں اور اب بھی خاص اسی کی مِلک پر ہوں گی اگرچہ مالِ مشترک سے خریدی ہوں (کیونکہ یہ معلوم ہوچکا کہ بیشک شراء جب نفاذ پائے تو مشتری پر نافذ ہوجاتی ہے۔ت) غایت یہ کہ مالِ مشترک سے خرید نے میں بکر باقی ورثہ کے حصص کا ذمہ دار رہے گا **کما نقلنا فی مواضع منا فتاوٰنا عن ردالمحتار** (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار سے اپنے فتاوٰی میں متعدد مقامات پر نقل کیا ہے۔ت) پھر اس قسم یعنی مملوکاتِ بکر پر دُلہن کا قبضہ قبضۂ امانت ہوگا **لحصوله بتسليط المالك** (کیونکہ اس قبضہ کا حصول مالک کی طرف سے قدرت دینے سے ہوا۔ت) پس جس چیز کو دلہن نے استہلاک نہ کیا بغیر اس کے فعل کے چوری وغیرہ سے ہلاک ہوگئی اُس کا تاوان دلہن پر نہ آئے گا اور جو اس کے فعل وتعَدِّی سے تلف ہُوئی اس کی قیمت بکر کے لئے دلہن کے ذمّہ واجب ہوگی (اس لئے کہ امین جب امانت میں تعَدِّی کرے تو ضامن ہوگا۔ت) اور جو باقی ہو وہ بعینہٖ بکر کو واپس دے اور قسم اول یعنی عینِ متروکہ سے جو کچھ جہیز میں دیا گیا اس پر دلہن کا ہاتھ دستِ ضمان ہوگا یعنی کسی طرح اس کے پاس ہلاک ہوجائے مطلقاً تاوان آئے گا۔(اور یہ اس لئے ہے کہ بیشک بکر نے شرکاء کے حصوں میں تعَدِّی کی کیونکہ اس نے مالِ مشترک سے بہن کا جہیز بنا کر بہن کے حوالے کیا تاکہ وہ اس کو پہنے اور استعمال کرے اور اس میں مستقل تصرف کرے اور ہر قبضہ جو قبضۂ ضمان پر مترتب ہو وہ قبضۂ ضمان ہی ہوتا ہے۔ت)

پس باقی وارث جنہوں نے اذن نہ دیا مختار رہیں گے کہ جو کچھ ہلاک ہوا چاہیں اپنے حصوں کا تاوان بکر سے لیں **لانه الغاصب** (کیونکہ وُہ غاصب ہے۔ت) چاہیں دلہن سے **لانها کغاصبة الغاصب** (کیونکہ وہ گویا غاصب سے غصب کرنے والی ہے۔ت) اور وہ بکر یا دُلہن جس سے ضمان لیں اُسے دُوسرے پر دعوٰی نہیں پہنچتا (لیکن بکر تو اس لئے کہ وُہ غاصب ہے بے شک دلہن نے اس کے قدرت دینے سے قبضہ کیا اور رہی دلہن تو وہ اس لئے کہ بے شک اس نے اپنے لئے قبضہ کیا ہے نہ بکر کے لئے۔ت)

اور جو کچھ باقی ہوں وہ دلہن سے واپس لے کر فرائضِ الٰہیہ پر تقسیم ہوجائیں، یہ سب احکام اس صورت میں تھے کہ بکر نے جہیز بطورِ ہبہ نہ دیا ہو اور بے شک اس امر میں کہ ہبہ کی نیت تھی یا مجرائی کی، بکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، کیونکہ بیشک وُہ دینے والا ہے لہذا وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ دینے کی جہت کیا ہے جیسا کہ اشباہ، جامع الفصولین اور فتاوٰی خیریہ وغیرہ کتابوں میں ہے اور تحقیق انہوں نے متعدد مسائل میں اس پر نص فرمائی ہے"میں کہتا ہوں" کہ مال دار بہنیں جو بھائیوں کے زیرِ قبضہ ترکہ میں شریک ہیں ان کو بھائیوں کے جہیز دینے میں یہ عرف عام نہیں کہ یہ بھائیوں کی طرف سے ہبہ ہے بخلاف ماں باپ کے کہ وُہ جو کچھ بطورِ جہیز دیں وہ ہمارے علاقے کے عرف میں ہبہ ہے (اور بقاء واجب کے ہوتے ہوئے قصدِ تبرع کیسے ظاہر ہوگا بلکہ ظاہر تو یہاں یہ

ہے کہ وُہ بہنوں کے حصّوں سے مجرا کا ارادہ کرتے ہیں ت)

اسی طرح اگر بکر نے دل میں نیتِ ہبہ کی مگر دُلھن نے ہبہ جان کر قبضہ نہ کیا بلکہ مثلاً اپنے حصّہ کا معاوضہ یا حصّے میں مجرائی سمجھ کر لیا تو بھی بعینہٖ یہی احکام ہوں گے کہ اس صورت میں دُلہن کی طرف سے قبولِ ہبہ نہ پایا گیا، (اس لئے کہ قبول علم کی فرع ہے تو جب اس نے اسے ہبہ جانا ہی نہیں تو یہ کیسے متصور ہے کہ اس نے ہبہ قبول کیا۔ت) تو اس حالت میں بھی وُہ اشیاء بدستور مِلکِ اصل مالک پر رہیں گی خواہ بکر ہو یا سب شرکاء اور احکامِ سابقہ عود کریں گے، ہاں اگر بکر کا ارادہ ہبہ قولاً یا فعلاً یا درایۃً کسی طرح ظاہر ہوا جس کے سبب دلہن نے اسے ہبہ ہی سمجھ کر قبضہ کیا تو البتہ ایجاب وقبول دونوں متحقق ہوگئے، (اس لئے کہ ہبہ سمجھ کر قبضہ کرنا قبول ہے اگرچہ ناقص ہو جیسے محتملِ قسمت مشاع کا ہبہ کیونکہ رضا پر دلالت کرنے میں تمام برابر ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

پس جو اشیاء بکر نے خرید کر جہیز میں دیں اگرچہ مالِ مشترک سے خریدی ہوں دلہن اُن کی مالک مستقل ہوگئی اور بکر پر اس مالِ مشترک میں اور ورثہ کے حصص کا تاوان آیا جن کے بے اذن یہ شراء واقع ہُوا یہاں تک کہ خود اُس دلہن کے حصّے کا بھی جس نے جہیز پایا، (اس لئے کہ بدل اگرچہ دلہن تک پہنچ گیا لیکن شراء بکر پر نافذ ہُوئی لہذا اس کے لئے مِلک ثابت ہوئی اور ضمان تام ہُوا پھر بکر کا دُلہن کو عطا کرنا یہ بکر کے اپنے مال سے علیحدہ ہبہ ہُوا تو اس سے دُلہن کے حصّے کا ضمان ساقط نہیں ہوگا۔ت)

اور جو کچھ عین تر کہ سے ہبہ کیں تو ہبہ باقی ورثہ کے حق میں نافذ نہ ہُوا **اذا منھم ولا ولایۃ علیھم** (اس لئے کہ نہ تو ان کی طرف سے اذن ہے اور نہ ہی اس کی ان پر ولایت ہے۔ت) تو اُن کے حصّے تو ہر حال دُلہن کے ہاتھ میں مضمون رہے اور ضمان کا وہی حکم کہ اُنہیں اختیار ہے چاہیں بکر پر ڈالیں یا دلہن پر، جس پر ڈالیں دوسرے سے مجرا نہ پائے گا، رہا بکر کا اپنا حصّہ جہیز میں جو مال قابلِ تقسیم تھا یعنی اس کے حصّے کیجئے تو وہی انتفاع اس سے مل سکے جو قبل اَزتقسیم ملتا تھا جب تو بکر کے حصّے میں بھی ہبہ صحیح نہ ہوا **لانھا ھبۃ فیما یقسم** (کیونکہ یہ محتملِ قسمت مشاع کا ہبہ ہے۔ت) اس صورت میں مالِ مذکور بدستور شرکتِ جمیع ورثاء پر رہے گا اور جو کچھ دُلہن کے ہاتھ میں کسی طرح ہلاک ہوگا اس میں حصّۂ بکر کا تاوان خاص دلہن پر پڑے گا۔

اسی طرح اگر مال نا قابلِ تقسیم ہو مگر دُلہن نہ جانے کہ اس میں بکر کا حصّہ کس قدر ہے جب بھی ہبہ صحیح نہ ہوگا اور بعدِ ہلاک وہی حکم ہے کہ بکر کا تاوان دلہن پر آئے گا۔ اور اگر دُلہن کو معلوم تھا تو اس قدر میں ہبہ صحیح ونافذ وتام ولازم ہوگیا اور ان اشیاء میں دُلہن اپنے اور بکر دونوں کے حصص کی مالک ہوگئی باقی ورثہ کے حصّے بدستور دستِ عروس میں حکمِ ضمان پر ہیں جن کا حکم بار ہا گزرا اور اوّل سے آخر تک سب صورتوں میں جو مشترک چیزیں دُلہن کے ہاتھ میں تلف ہُوئی اُن میں دُلہن اپنے حصّہ کا تاوان کسی سے نہیں لے سکتی کہ اُس کا مال اُسی کے ہاتھ میں ہلاک ہُوا اور بکر نے اس کے حصّے پر کوئی تعدّی نہ کی۔ (اس لئے کہ بیشک اس نے مملوک شئی اس کے سپرد کی جو مالک ہوا تو جو دُلہن کے قبضہ میں ہلاک ہُوا وہ اسی کی ضمان میں ہلاک ہُوا۔ یہ تمام اَز اول تا آخر ربِّ قدیر جلَّ مجدُہ، کے فیض سے فقیر کے دل میں ڈالا گیا اور میں نے اس کو بطورِ تفقہ علماءِ کرام کے ارشاداتِ عالیہ سے اخذ کیا تو جو میں نے درست کہا وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اس پر اسی کے لئے حمد ہے اور جس میں مجھ سے خطا ہُوئی تو میرا اپنا قصور ہے میں اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ ان مباحث کو زبردست مضبوطی عطا فرمائے کیونکہ یہ وُہ مسائل ہیں جن کی طرف بکثرت حاجت واقع ہوتی ہے پس اس عمدہ تفصیل کو غنیمت جان اور اللہ تعالٰی کے فیضِ جلیل پر اسی کی حمد ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت) ص 211

بابُ المُعَاشَرَۃِ (زوجین کے باہمی برتاؤ کا بیان)

مرد کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کے سر سے لے کر پاؤں تک جیسے چاہے لُطف اندوز ہو سوائے اس کے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اور سوال میں مذکور امور میں سے کسی سے منع نہیں کیا گیا۔ بوسہ تو مسنون و مستحب ہے اور اگر بنیّتِ صالحہ ہو تو باعثِ اجر و ثواب ہے۔ رہا پستان کو مُنہ میں دبانا، تو اس کا حکم بھی ایسا ہی ہے جب کہ بیوی دُودھ والی نہ ہو اور اگر وُہ دُودھ والی ہے اور مرد اس بات کا لحاظ رکھے کہ دودھ کا کوئی قطرہ اس کے حلق میں داخل نہ ہونے پائے تو بھی حرج نہیں، اور اگر اُس دُودھ میں سے جان بُوجھ کر کچھ پیا تو یہ پینا حرام ہے۔ اور اگر وُہ زیادہ دُودھ والی ہے اور اُسے ڈر ہے کہ پستان منہ میں لے گا تو دُودھ حلق میں داخل ہوگا تو اس صورت میں پستان کو منہ میں لینا مکروہ ہے۔ حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چراگاہ کے ارد گرد (جانور) چرائے تو قریب ہے کہ وہ (جانور) چراگاہ میں جا پڑے۔ اور اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ خُوب جانتا ہے۔ ص268

بیوی کو چھوڑ کر سفر پر جانے والے کے لئے کتنی مدّت تک سفر میں رہنا جائز ہے؟

سفر اگر ضرورت کی وجہ سے ہو تو بقدرِ ضرورت ہوگا اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ تحقیق حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ضرورت پُوری ہوجانے کے بعد جلدی واپسی کا حکم دیا ہے اور سفر عذاب کا ٹکڑا ہے جو تم میں سے کسی ایک کو اس کے کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی اپنی حاجت پُوری کرلے تو جلدی گھر لوٹے، یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیکن اگر سفر بِلا ضرورت ہو اور بیوی کو ساتھ نہ لے کر جائے تو چار ماہ سے زیادہ سفر میں نہ ٹھہرے۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کا حکم فرمایا، حدیث میں قصّہ مذکور ہے۔ اور اللہ سُبحانہ وتعالیٰ خُوب جانتا ہے۔ (ت) ص268

باب القسم (بیویوں میں باری مقرر کرنا اور حقوق میں مساوات رکھنا)

رعایتِ مساوات دوزوجہ میں مرد پر واجب ہے

مرد پر اپنی دوزوجہ حرّہ کو کھلانے اور پہنانے اور پاس رہنے وغیرہا امورِ اختیاریہ میں برابر رکھنا واجب ہے اور اس امر میں طوائف وغیر طوائف شریف ورذیل میں کچھ فرق نہیں کہ آیتِ قسم مطلق ہے۔ یہاں تک کہ اگر فرق کرے گا قیامت کو ایک طرف جھکا اٹھے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس کی دو بیویاں ہوں ان میں سے ایک کو نظر انداز کرتے ہُوئے دُوسری کی طرف میلان کرے تو قیامت کے دن اس حال میں اُٹھے گا کہ اس کی ایک جانب جُھکی ہوگی۔ ص275

اور اُنہیں مکانِ واحد میں جبراً رکھنا جائز نہیں بلکہ ہر ایک کو مکانِ علیحدہ کا مطالبہ شوہر سے پہنچتا ہے، درمختار میں ہے کہ دو بیویوں میں سے ہر ایک اپنے شوہر سے گھر کا علیحدہ مکان طلب کرسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)۔ ص275

عدل بینَ الزَّوجین میں کھانے کی کیا صورت ہے؟

کھانا دو قسم ہے **ایک اصل نفقہ** جو زوجہ کے لئے زوج پر واجب ہے، دُوسرا اس سے زائد مثلِ فواکہ و پان والا ئچی وعطایا وہدایا، قسمِ اوّل میں برابری صرف اُس صورت میں واجب ہے جب دونوں عورتیں مالی حالت فقر وغنا میں یکساں ہوں ورنہ لحاظِ

حالِ زوج کے ساتھ غَنِیّہ کے لئے اس کے لائق واجب ہوگا اور فقیرہ کے لئے اس کے لائق مثلاً زوج اور ایک زوجہ دونوں امیر کبیر ہیں کہ اپنے اپنے یہاں اُن کی خوراک باقر خانی ومُرغ پلاؤ ہے، اور دوسری زوجہ فقیرہ ہے کہ جوار باجرے کی روٹی کھاتی ہے اور آپ پیستی پکاتی ہے، ان دونوں کے نفقہ میں مساوات واجب نہیں ہوسکتی، پہلی کے لئے وہی بریانی اور مرغ لازم ہے اور دوسری کے لئے گیہوں کی روٹی اور بکری کا گوشت، پہلی کے لئے خادم بھی ضرور ہوگا دوسری آپ خدمت کرلے گی، پہلی کریب اور زربفت پہنے گی دوسری کو تنزیب اور ساٹھن بہت ہے، پہلی کے لئے مکان بھی عالی شان درکار ہوگا دوسری کے لئے متوسط۔ اور قسمِ دوم میں مطلقاً برابری چاہئے، جو چیز جتنی اور جیسی ایک کو دے اُتنی ہی اور ویسی ہی دوسری کو بھی دے۔ دُودھ، چائے، میوے، پان، چھالیا، الائچی، برف کی قلفیاں، سُرمہ، مہندی وغیرہ وغیرہ تمام زوائد میں مساوات رکھے کہ وہاں فرق اصلِ وجوب میں تھا یہ اشیاء واجب نہیں ان میں ایک کو مرجح رکھنا اس کی طرف میل کرنا ہوگا اور میل ممنوع ہے فرمائشوں کا حال بھی یہیں سے واضح ہوگیا اگر اس نے وہ فرمائش اپنے نفقہ کے متعلق کی ہے اور وہ اس کی مستحق ہے اور دوسری مستحق نہیں تو اس پر لازم نہ ہوگا کہ دوسری کو بھی وہی چیز دے اور نفقہ سے زائد شے کی تو برابری درکار ہوگی کہ وُہ بعدِ فرمائش بھی عطیہ کی حد سے خارج نہیں، اور چھپا کر دینے سے دونوں کی رضا سمجھنی غلطی ہے بلکہ جسے چھپا چھپا کر دے گا وہ جان لے گی کہ میری جگہ اس کے قلب میں زائد ہے وُہ دوسری کو دبانے کی جراُت کرے گی اور یہ تخمِ فساد کا بُونا ہوگا۔ ص276

نابالغہ ۱۲ سال کی جو مجامعت کی متحمل نہیں ہوسکتی ہے اس کا ولی اُسے شوہر کے یہاں جانے سے روک سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جب بارہ سال کی ہے ضرور متحمل ہوسکتی ہے مگر کسی صورتِ نادرہ میں کہ بہت کمزور نازک ہو اور مرد دیو قامت قوی الجثہ کہ واقعی عدمِ تحمل مظنون ہو، تو اس صورت میں بیشک روک سکتا ہے،، اور عندالاختلاف اس کا فیصلہ رائے قاضی سے ہوگا وہ دیکھ کر تجویز کرے گا کہ عورت تحمل کرسکتی یا نہیں۔ تحقیق انہوں نے تصریح فرمائی کہ زوجہ جب صغیرہ ہو اور وطی کی طاقت نہ رکھتی ہو تو اس کو شوہر کے حوالے نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ وطی کے قابل نہ ہوجائے، اور صحیح یہ ہے کہ اس میں عمر کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ قاضی کی رائے پر چھوڑا جائے گا کہ وُہ دیکھے کہ زوجہ قوی ہے یا کمزور۔ ص280

وعدہ خلافی کی تین صورتیں

خلفِ وعدہ جس کی تین صورتیں ہیں اگر وعدہ سرے سے صرف زبانی بطورِ دُنیا سازی کیا اور اُسی وقت دل میں تھا کہ وفا نہ کریں گے تو بے ضرورتِ شرعی وحالتِ مجبوری سخت گناہ وحرام ہے ایسے ہی خلافِ وعدہ کو حدیث میں علاماتِ نفاق سے شمار کیا، اور اگر وعدہ سچے دل سے کیا پھر کوئی عذرِ مقبول وسببِ معقول پیدا ہوا تو وفا نہ کرنے میں کچھ حرج کیا اَدنیٰ کراہت بھی نہیں جبکہ اس عذر ومصلحت کو اس وفائے وعدہ کی خوبی وفضیلت پر ترجیح ہو اور اگر کوئی عذر ومصلحت نہیں تو یہ صورت مکروہ تنزیہی ہے۔ ص281

نسبت یا نکاح کے وقت جو روپیہ لوگ لیتے ہیں حلال ہے یا نہیں؟

اگر وُہ روپیہ دینے والا اس لئے دیتا ہے کہ اس کے لالچ سے میرے ساتھ نکاح کردیں جب تو وہ رشوت ہے اس کا دینا لینا سب ناجائز وحرام۔ یُوں ہی اگر اولیائے عورت نے کہا کہ اتنا روپیہ ہمیں دے تو تجھ سے نکاح کردیں گے ورنہ نہیں جیسا کہ بعض

دہقانی جاہلوں میں کفار ہنود سے سیکھ کر رائج ہے تو یہ بھی رشوت وحرام ہے، اور اگر یہ صورتیں نہیں بلکہ رسم ہے کہ نکاح سے پہلے دُولہا کی طرف سے کچھ روپیہ دُلہن کی طرف جائے جیسے ہمارے بلاد میں گہنا اور جوڑا جاتا ہے جسے چڑھاوا کہتے ہیں، اگر نکاح ہوجائے تو ہوجائے ورنہ وُہ مال واپس دیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ ص 284

بابُ النّکاح الثّانی

رسالہ: اطائبُ التّہانی فی النّکاح الثّانی

(بیوہ کے نکاحِ ثانی کے مفصّل احکام)۔ ص 287

وانا اَقُول وباللّٰہ التوفیق (اور میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔ ت) حق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ نکاحِ ثانی مثلِ نکاح اول فرض، واجب، سنّت، مباح، مکروہ، حرام سب کچھ ہے صور واحکام کی تفصیل سُنیے:

(۱) جس عورت کو اپنے نفس سے خوف ہو کہ غالباً اس سے شوہر کی اطاعت اور اُس کے حقوقِ واجبہ کی ادا نہ ہوسکے گی اسے نکاح ممنوع وناجائز ہے اگر کرے گی گنہگار ہوگی، یہ صورت کراہتِ تحریمی کی ہے۔

(۲) اگر یہ خوف مرتبۂ ظن سے تجاوُز کرکے یقین تک پہنچا جب تو اُسے نکاح حرامِ قطعی ہے۔

حکم: ایسی عورتوں کو نکاحِ اول خواہ ثانی کی ترغیب ہرگز نہیں دے سکتے بلکہ ترغیب دینی خود خلافِ شرع ومعصیت ہے کہ گناہ کا حکم دینا ہوگا یہ عورتیں یا ان کے اولیاء اگر نکاح سے انکار کرتے ہیں انہیں انکار سے پھیرنے والا جاہل ومخالفِ شرع۔

(۳) جنہیں اپنے نفس سے ایسا خوف نہ ہوا نہیں اگر نکاح کی حاجت شدید ہے کہ بے نکاح کے معاذ اللہ گناہ میں مبتلا ہونے کا ظن غالب ہے تو ایسی عورتوں کو نکاح کرنا واجب ہے۔

(۴) بلکہ بے نکاح معاذ اللہ وقوعِ حرام کا یقینِ کُلی ہو تو اُنہیں فرضِ قطعی یعنی جبکہ اُس کے سوا کثرتِ روزہ وغیرہ معالجات سے تسکین متوقع نہ ہو ورنہ خاص نکاح فرض وواجب نہ ہوگا بلکہ دفعِ گناہ جس طریقہ سے ہو۔

حکم: ایسی عورتوں کو بیشک نکاح پر جبر کیا جائے اگر خود نہ کریں گی وُہ گنہگار رہوں گی، اور اگر ان کے اولیاء اپنے حدِ مقدور تک کوشش میں پہلوتہی کریں گے تو وُہ بھی گنہگار رہوں گے، ایسی جگہ ترک وانکار پر بیشک انکار کیا جائے مگر کتنا، صرف اتنا جو ترکِ واجب وفرض پر ہوسکتا ہے، نہ یہ جاہلانہ جبروتی حکم کہ جو انکار کرے کافر، جو روک دے کافر، جو نہ کرنے دے کافر، فرائض ادا کرنے یا اُنکی ادا سے باز رکھنے پر آدمی کافر نہیں ہوتا جب تک ایسے فرض کی فرضیت کا منکر نہ ہو جس کا فرض ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، پھر ترکِ واجب وفرض پر جس قدر انکار وتشدّد کرسکتے ہیں وہ بھی یہاں اس وقت روا ہوگا جب معلوم ہو کہ اس عورت سے اطاعت وادائے حقوقِ واجبہ شوہر کا ترک متیقن یا مظنون نہیں کہ ایسی حالت میں تو فرضیت ووجوب درکنار عدم جواز وحرمت کا حکم ہے، پھر یہ بھی ثابت ہو کہ اس عورت کی حالتِ حاجت اس حد تک ہے کہ نکاح نہ کرے گی تو گناہ میں مبتلا ہوجانے کا یقین یا ظن غالب ہے کہ بغیر اس کے وجوب اَصلاً نہیں، اور جب کسی خاص عورت کے حق میں یہ امور بروجہِ شرعی ثابت نہ ہوں تو مسلمان پر بدگمانی خود حرام، اور محض اپنے خیالات پر تارکِ فرض وواجب ٹھہرا دینا بیباک کا کام، پھر امرِ حاجت میں عورت کا اپنا بیان مقبول ہوگا کہ حاجتِ نکاح

امرِ خفی ووجدانی ہے جس پر خود صاحبِ حاجت ہی کو ٹھیک اطلاع ہوتی ہے جب وُہ بیان کرے کہ مجھے ایسی حاجت نہیں تو خواہی نخواہی اس کی تکذیب کی طرف کوئی راہ نہیں ہوسکتی عُمر وغیرہ کا مظنہ سب جگہ ایک سا نہیں ہوتا مزاج، عقل، حیا، خوف، اشغال، احوال، ہموم، افکار، صحبت، اطوار صدہا اختلافوں سے مختلف ہوجاتا ہے جس کی تفصیل اہلِ عقل وتجارُب پر خوب روشن ہے۔

(۵) اگر حاجت کی حالت اعتدال پر ہو یعنی نہ نکاح سے بالکل بے پروائی نہ اس شدّت کا شوق کہ بے نکاح وقوعِ گناہ کا ظن بالیقین ہو ایسی حالت میں نکاح سنّت ہے مگر بشرطیکہ عورت اپنے نفس پر اطمینان کافی رکھتی ہو کہ مجھ سے ترکِ اطاعت اور حقوقِ شوہر کی اِضاعت اَصلاً واقع نہ ہوگی۔

(٦) اگر ذرا بھی اس کا اندیشہ ہو تو اس کے حق میں نکاح سنّت نہ رہے گا صرف مباح ہوگا بشرطیکہ اندیشہ حدِ ظن تک نہ پہنچے ورنہ اِباحت جُدا سرے سے ممنوع وناجائز ہوجائے گا (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت)۔

حکم: بحالتِ سنیت بیشک نکاح کی ترغیب بتاکید کی جائے اور اس سے انکار پر سخت اعتراض پہنچتا ہے اسی قدر جتنا ترکِ سنت پر چاہئے اور درصورتِ اباحت نہ نکاح پر اصلاً جبر کا اختیار نہ اس سے انکار پر کچھ اعتراض وانکار کہ مباح کو شرع مطہر نے مکلّف کی مرضی پر چھوڑا ہے چاہے کرے یا نہ کرے، پھر انصاف کی میزان ہاتھ میں لیجئے تو عورتوں کے حق میں سنیتِ نکاح بھی بہت ندرت سے ثابت ہوگی، ہزار میں ایک ہی ایسی نکلے گی جس کے لئے سنت کہہ سکیں، کیا کسی عورت کی نسبت خود وُہ یا اس کے اولیاء یا یہ تشدُّد والے حضرات پورے طور پر ضامن ہوجائیں گے کہ اس سے نافرمانیِ شوہر یا اس کے کسی حق میں ادنی تقصیر واقع ہونے کا اَصلاً اندیشہ نہیں، ایسی بے معنی ضمانت وہی کرسکتا ہے جسے نہ مردوں کے حقوقِ عظیمہ پر اطلاع، نہ عورات کی عادات ونقصانِ عقل ودِین پر وقوف کیا۔ص 291

احادیث میں ہے خود حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس بیوہ کی نہایت تعریف فرمائی جو اپنے یتیم بچّوں کو لئے بیٹھی رہے اور اُن کے خیال سے نکاحِ ثانی نہ کرے، **حدیث:** سُننِ ابوداوٗد میں حضرتِ عوف بن مالک اَشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور چہرہ کا رنگ بدلی ہُوئی عورت روزِ قیامت ان دو انگلیوں کے مثل ہوں گے (راوی نے انگشتِ شہادت اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کرکے بتایا یعنی جیسے یہ دو انگلیاں پاس پاس ہیں یُونہی اسے روزِ قیامت میرا قُرب نصیب ہوگا) وہ عورت کہ اپنے شوہر سے بیوہ ہُوئی عزّت والی، صورت والی باایں ہمہ اُس نے اپنے یتیم بچّوں پر اپنی جان کو روک رکھا یہاں تک کہ وہ اس سے جُدا ہوگئے یا مر گئے (چہرہ کی رنگت بدلی ہوئی سیاہی مائل ہونا یہ کہ بے شوہری کے سبب بناؤ سنگھار کی حاجت نہیں)۔ **حدیث:** ابنِ شبران انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو عورت اپنی اولاد پر بیٹھی رہے گی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگی۔ص 306

حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بہشت میں تشریف لے جانا بار رہا ہوگا

حدیث: ابویعلیٰ حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: سب سے پہلے جو دروازۂ جنت کھولے گاوُہ میں ہُوں مگر میں ایک عورت کو دیکھوں گا کہ مجھ سے آگے جلدی کرے گی میں فرماؤں گا تجھے کیا ہے اور

تُوکون ہے؟ وہ عرض کرے گی میں وُہ عورت ہوں کہ اپنے یتیموں پر بیٹھی رہی۔

تنبیہ: حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بہشت میں تشریف لے جانا بار ہا ہوگا، اوّلیتِ مطلقہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے خاص ہے، دروازہ کھلنا حضورِ والا ہی کے لئے ہوگا، رضوانِ داروغۂ جنت عرض کرے گا مجھے یہی حکم تھا کہ حضور سے پہلے کسی کے لئے نہ کھولوں، حضور پر کوئی نبی مرسل بھی تقدیم نہیں پا سکتا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یہ سب مضامین احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں جن کی بعض فقیر نے اپنے رسالہ مبارکہ **تجلی الیقین بان نبینا سیّد المرسلین** میں ذکر کیں۔ حضور کے بعد جو اور بندگانِ خدا جائیں گے دروازہ کھلا پائیں گے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پہلے سے فتحِ باب فرما چکے ہوں گے: **قال تعالٰی {جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ}** اللہ تعالٰی نے فرمایا: بسنے کے باغ ان کے لئے سب کے دروازے کھلے ہوئے۔ (ت)

یہاں جو اُس عورت کا آگے ہونا وارد ہُوا یہ اور بار کے تشریف لے جانے میں ہے، جب اہتمامِ کارِ اُمّت میں آمد رفت فرماتے ہوں گے نہ کہ خاص بارِ اوّل میں، **وباللہ التوفیق** (اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہی ہے۔ت)۔ ص307

بیوہ عورتوں کے نکاحِ ثانی پر طعن کا حکم

ہماری تحقیقِ سابق سے روشن ہُوا کہ نکاحِ ثانی مطلقاً فرض یا واجب یا سنت نہیں بلکہ عام زنان کے لئے نہایت درجہ مباح ہی ہے اور مباح پر طعن صرف اُسی صورت میں کفر ہوسکتا ہے کہ اُس کی اباحت ضروریاتِ دین سے ہو اور باوصف اس کے یہ شخص اُسے شرعاً مباح نہ جانے، نکاحِ ثانی کی اباحت تو بیشک ضروریاتِ دین سے ہے کہ تمام مسلمین اُس سے آگاہ، قرآنِ عظیم کی متعدد آیتیں اُس پر گواہ۔

مگر کلام اس میں ہے کہ جاہلانِ ہند جو اُسے ننگ و عار سمجھتے ہیں آیا اس بناء پر ہے کہ اُسے از رُوئے شریعت ہی حلال نہیں جانتے ایسا ہو تو بیشک کفر ہے مگر اِنصافاً عامۂ ناس سے اس کا اَصلاً ثبوت نہیں، جس مسلمان سے پُوچھئے صاف اقرار کرے گا کہ شرعاً بے شک جائز، ہم ناجائز و حرام نہیں جانتے بلکہ از رُوئے رسم لوگوں کے نزدیک ایک ننگ و عار کی بات ہے بخیالِ طعن و بدنامی اس سے احتراز ہے ایسے خیالات پر ہرگز حکمِ تکفیر نہیں ہوسکتا سلفاً و خلفاً تمام لوگوں میں معاملاتِ دُنیویہ میں مصالحِ دُنیویہ کے لحاظ سے ہی باہم ایک دوسرے پر صدہا مباحات میں طعن و سرزنش رائج ہے وہاں کیوں گیا، یہ کیوں کیا، فلاں سے کیوں ملا حالانکہ یہ سب امور مباحاتِ شرعیہ ہیں یہ تو خاص خاص ہر شخص کے اپنے ذاتی معاملات میں ہے اور مصطلحاتِ عامۂ قوم یا شاملۂ مُلک میں بھی بہت باتیں مباحِ شرعی ہیں کہ بوجہِ عرف و عادت معیوب ٹھہری ہیں کہ اس اِحتراز و اِعتراض میں اکثر یہ حضرات مُکَفِّرِین بھی شریک مثلاً باپ کے سامنے اپنے زوج یا زوجہ سے ہمکلام ہونا خصوصاً نئے دنوں میں۔ یُوں ہی باپ یا پیر وغیرہما بزرگوں کے حضور حقّہ پینا، دُختر و داماد جب رات کو ایک پلنگ پر ہوں اُن کے پاس جانا پاس بیٹھنا بات کرنا اُن کا بدستور لیٹے رہنا۔ ماں بہن بیٹی کا اپنے بیٹے بھائی باپ کے سامنے سینہ و پستان کھولے پھرنا، شریف عورتوں کا برقع اوڑھ کر سرِ بازار سودے خریدنا، اجنبی لوگوں سے باتیں کرنا، ان میں کون سی بات شرعاً ممنوع و ناجائز ہے مگر رسم و رواج و اصطلاحِ حادث کی وجہ سے اب تمام اہلِ حیا انہیں عیب جانتے ہیں جو

ایسے امور کا مرتکب ہوا اُس پر طعن کریں گے، کیا اس بنا پر معاذ اللہ سب مسلمان کافر ٹھہریں گے اسی قبیل کا طعن واعتراض یہاں کے عوام کو نکاحِ ثانی میں ہے تو اس پر بے تکلّف حکمِ کُفر جاری کرنا سخت مجازَفت اور کلمۂ طیبہ پر بیبا کانہ جرأت ہے **والعیاذ باللہ رب العلمین۔**

عاقل کو ایک حرف کافی اور نامُنصِف کو دفتر ناوافی بلکہ اگر نظرِ تدقیق کیجئے تو ایک وجہ وُہ بھی نکل سکتی ہے کہ کوئی شخص ان بلاد میں نکاحِ ثانی کو ممنوع شرعی جانے اور اس کی تکفیر کی طرف اَصلاً راہ نہ ہو وہ یہ کہ مثلاً زید زعم کرے کہ نکاحِ ثانی فی نفسہٖ اگرچہ مباح ہے مگر ان اَعصار واَمصار میں نکاحِ بیوہ پر لوگ طعنہ زن ہو کر کبیرہ شدیدہ میں واقع ہوتے اور اس عورت کی مذمت کرتے اور اس سے نفرت رکھتے ہیں تو یہاں اس کا فعل مسلمانوں کے ایسے مہالکِ عظیمہ میں واقع ہونے اور اُن پر دروازۂ کبائر واِتباعِ شیطان کھلنے کا باعث ہوگیا ہے اور جو مباح ایسے امور کی طرف مُنجر ہو اس عارض کی وجہ سے مباح نہیں رہتا شرعاً قابلِ احتراز ہوجاتا ہے۔نظیر اس کی **عوام کے سامنے حقائقِ عالیہ ودقائقِ غالیہ کا ذکر جواُن کے مدارک واقسام سے وَرا ہو، کہ اشاعتِ علم فرض اور کتمان حرام، مگر یہاں عوام کا فتنہ میں پڑنا گناہ میں مبتلا ہونا متوقع، لہٰذا اُن کے سامنے ایسا بیان شرعاً ممنوع۔** حدیث میں ہے: حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ و رسولہ لوگوں سے وُہ باتیں کہو جنہیں وُہ پہچانیں، کیا یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ ورسول کی تکذیب کریں۔ت) حدیث: امرنا ان تکلم الناس علی قدر عقولھم ہمیں حکم ہے کہ لوگوں سے بقدر ان کی عقول کے کلام کریں (ت)۔ص 307

کتابُ الطّلاق (طلاق کا بیان)

طلاق کے مباح ہونے میں علماء کے تین قول ہیں

طلاق کے مباح ہونے میں علماء کے تین قول ہیں: (۱) ایک یہ کہ طلاق مطلقاً مباح ہے اگرچہ بلاوجہ دی جائے۔علامہ غزی نے تنویر کے متن میں اس کو بیان کیا ہے جس کے متعلق اس کے شارح علّامہ علائی کا خیال ہے کہ علامہ غزی کا یہی مؤقف ہے اور علامہ بحر نے اپنی کتاب بحر میں دعوٰی کیا ہے کہ یہی حق اور یہی مذہب ہے۔(۲) دوسرا یہ کہ بیوی کے بڑھاپے یا اس کی آوارگی یا بدوضعی کے بغیر شوہر کے لئے طلاق دینا مباح نہیں ہے، یہ ضعیف قول ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اگر شوہر کو طلاق کی کوئی حاجت ہے تو مباح ہے ورنہ ممنوع ہے، یہی قول صحیح اور دلائل سے مؤید ہے۔عورت کا فسق اور کسی حرام فعل کا اِرتکاب ثابت ہے تو طلاق مستحب ہے (ت)۔ص 321

بے حاجت بلا عذر شرعی طلاق دینا مکروہ وممنوع ہے مگر دے گا تو پڑ ضرور جائے گی کہ وہ اس کی زبان پر رکھی گئی {بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ} (نکاح کی گرہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ت) اس کا مرتکبِ مکروہ وہ بلکہ گنہگار ہونا بھی اس کے وقوع کو نہیں روکتا جیسے حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے مگر دے گا تو ضرور ہوجائے گی اور یہ گنہگار۔ص 332

خلوت سے پہلے طلاق دی تو مہر کا حکم

اگر زوجہ سے ابھی خلوت یعنی بغیر کسی مانع کے تنہا یکجائی نہ کی یا زوجہ کہ ابھی وہ دس سالہ ہے قابلیتِ جماع اَصلاً نہ رکھتی ہو

جب تو نصف مہر دینا ہوگا اگر بندھا ہو، اور کچھ نہ بندھا ہو تو ایک پورا جوڑا جس میں دوپٹہ، پاجامہ اور عورتوں کے چھوٹے کپڑے اور جوتا سب کچھ ہو، اور مرد وعورت دونوں کے حال کے لحاظ سے عمدہ نفیس یا کم درجہ یا متوسط ہو دینا آئے گا جس کی قیمت نہ پانچ درہم سے کم ہو نہ عورت کے نصف مہرِ مثل سے زیادہ ہو، اگر مرد عورت دونوں غنی ہیں تو نفیس اور دونوں فقیر تو اَدنیٰ اور ایک فقیر دُوسرا غنی تو اَوسط۔ص323

میاں بیوی دونوں طلاق سے منکر ہوں مگر دو گواہِ شرعی طلاق کی گواہی دیں

طلاق بمعنی الایقاع یعنی اُس کا احداث اَصلاً منجملہ حقوق نہیں۔ البتہ جب ادائے حقِ زوجہ پر قادر نہ ہو جیسے عنین وغیرہ، تو طلاق حقُ العبد ہے حقِ زن کے لئے دیانۃً بھی واجب ہے اور ہر واجب دیانۃً حقُ اللہ سبحٰنہ تو اس حالتِ خاص میں طلاق حقُ العبد بھی ہے اور حقُ اللہ بھی ہے۔

طلاق بمعنی الوقوع یعنی بعد حدوث اُس کا ثمرہ کہ حالاً یا مآلاً تحریم فرج ہے جو حقُ اللہ عزوجل ہے ولہذہ اس پر ادائے شہادت کے لئے کسی کا مُدّعی ہونا ضرور نہیں یہاں تک زن ومرد دونوں منکر ہوں مگر دو شاہد شرعی شہادتِ طلاق دیں حکمِ طلاق دیا جائے گا اور اُن دونوں کے انکار پر اَصلاً اِلتفات نہ ہوگا۔ ولہذا اطلاقِ بائن میں اگر شاہدَین جانبین جبکہ زوجین بعدِ طلاق بھی بروجہ ناجائز معاشرت رکھتے ہوں بلا عذر شرعی شہادت ایک مدت تک ادا نہ کریں فاسق ہو جائیں گے اور اب ان کی گواہی مردود ہوگی۔

پس صورت مسئولہ میں اگر طلاق مغلظ تھی یا طلاقِ بائن تھی اور ادائے شہادت سے کوئی عذرِ صحیح مانع نہ تھا اور شہادت ادا نہ کی تو گواہی مردود ہے اگرچہ ہنوز تین ہی دن ہوئے ہوں نہ کہ تین برس، اور اس سے پہلے تذکرہ وعدمِ تذکرۂ طلاق میں کوئی فرق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص326

نافرمان بیوی کو طلاق دینے والے کو نصیحت

حدیثِ صحیح میں ارشاد ہوا کہ: عورت ٹیڑھی پسلی سے بنائی گئی ہے ٹیڑھی ہی چلے گی اور اگر تو اس سے فائدہ لینا چاہے تو اسی حال پر اس سے نفع اُٹھا اور سیدھی کرنا چاہے تو ٹوٹ جائے گی اور اس کا توڑنا اُسے طلاق دینا ہے۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا کہ: مسلمان عورت سے اچھا برتاؤ رکھو اگر تمہیں اس کی ایک عادت ناپسند ہُوئی تو دوسری عادت پسند ہوگی۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: {عَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّيَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا كَثِيۡرًا}۔ قریب ہے کہ تم ایک بات کو مکروہ جانو گے اور اللہ عزوجل اس میں بہت بھلائی رکھے گا۔

اور اگر عورت کو طلاق دے کر پھر کبھی نکاح نہ چاہے تو خیر، ورنہ کیا معلوم کہ دوسری اس سے بھی بُری ملے، اس لئے حتی الامکان عورت کے ساتھ نیک برتاؤ اور اس کی دِلجوئی اور اُسے خوش کر کے اپنی اطاعت پر لانا اور اس کی کج خُلقی پر صبر کرنا چاہئے، اور اصلاح ناممکن ہو تو طلاق دے سکتا ہے، مگر ایک طلاقِ رجعی سے زیادہ دینا گناہ ہے، فقط ایک بار اس سے کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، پھر اگر عدت کے اندر دل میں اُسے رکھنے کی آئی تو زبان سے کہہ لے میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھر لیا، وہ بدستور اس کے نکاح میں رہے گی ورنہ اس سے الگ رہے، یہاں تک کہ (عدت گزر) جائے اس وقت وہ نکاح سے نکل جائے **واللہ تعالیٰ**

اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔ 327

* ایک طلاقِ رجعی دے، اگر دو تین (اکٹھی) دے گا گنہگار ہوگا، یوں ہی طلاق بائن ایک ہی دے جب بھی ظاہر الروایۃ میں گناہ ہے۔ص375

شَے واحد میں حِل وحَظر کا دو جہت سے مجتمع ہونا کچھ بعید نہیں

شَے واحد میں حل وحظر کا دو جہت سے مجتمع ہونا کچھ بعید نہیں، طلاق فی نفسہٖ حلال ہے، اور از انجا کہ شرع کو اتفاق محبوب اور اِفتراق مبغوض ہے، بے حاجت یا ریت محظور ہے، حدیث میں ان دونوں جہتوں کے اجتماع کی طرف صاف اشارہ فرمایا گیا: ابغض الحلال الی اللہ الطلاق حلال چیزوں میں سے اللہ تعالٰی کے ہاں طلاق ناپسندیدہ ترین ہے (ت)۔ص330

حکم دو طرح ہوتا ہے ایک دیانۃً اور دوسرا قضاءً

حکم دو طرح ہوتا ہے ایک دیانۃً اور دوسرا قضاءً۔

دیانۃً حکم کا معنٰی یہ ہے:

کہ بندے اور اللہ تعالٰی کے درمیان معاملہ ہے یہاں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں، بندہ جانے اور اس کا خدا جانے اور مسئولہ صورت میں بیوی کی طرف طلاق کی اِضافت کا قصد نہ کیا ہو تو قطعاً طلاق نہ ہوئی، کیونکہ طلاق کا وقوع بغیر واقع کرنے (اِیقاع) کے نہیں ہوتا اور اِیقاع اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک طلاق کا تعلق بیوی سے نہ کیا جائے اور یہ اضافت کے بغیر ممکن نہیں اس لئے اضافت ضروری ہے خواہ نیت میں ہو، تو طلاق جب اضافتِ لفظی یا قلبی سے خالی ہو تو طلاق کا تعلق پیدا نہ ہوگا کیونکہ تعلق بغیر متعلق نہیں ہوسکتا، اس لئے اِیقاع نہ ہوگا، تو وقوع بھی نہ ہوگا، اتنی بات واضح ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا، اسلئے کہ اگر زبان پر لفظ طلاق نسبتِ لفظی یا اِرادی کے بغیر ہی طلاق دینے کا موجِب قرار پائے تو لازم آئے گا کہ جو شخص بھی کسی صورت میں اپنی زبان سے لفظ طلاق استعمال کرے اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے خواہ حکایت کرتے ہوئے ہی استعمال کرے، نیز دینی طلباء کتابُ الطلاق میں اس قسم کے صدہا الفاظ پڑھنے، تکرار کرنے اور بحث کرنے میں بار بار زبان پر لاتے ہیں تو لازم کہ آئے گا کہ ان سب کی بیویوں کو تین طلاق پڑ جائیں۔ جبکہ یہ خالص جھوٹ ہے۔ محیط اور ہندیہ وغیرہما میں ہے کہ اضافت نہ ہونے پر طلاق نہ ہوگی، تو موجودہ صورت میں زید اپنی نیت کو جانتا ہے اور اللہ تعالٰی عالمِ ضمائر وسَرائر اس کی نیت کو اس سے زیادہ جاننے والا ہے، اگر ہندہ کو طلاق دینے کا ارادہ نہ کیا تھا تو بدستور اس کی بیوی ہے۔ دوسروں کا فہم یا ان کی بات اس معاملہ میں مضر نہیں ہے، جو لوگ طلاق کے خواہاں ہیں ان کو کسی مفتی کا فتوٰی عدمِ طلاق کا رآمد نہیں ہوگا، اللہ تعالٰی دل کی باتوں کو جانتا اور اُمور کا فیصلہ آخر اس کے پاس ہوگا۔

حکمِ قضاء:

میں قاضی اور عورت کا کردار ہوگا، تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ قضاءً بھی طلاق کو واقع کرنے کے حکم کے لئے اِضافت کا تحقُّق ضروری ہے، جیسا کہ مذہب کی کتب میں بے شمار مرتبہ مذکور ہے، اور اس فقیر نے ردالمحتار کی تعلیقات میں بحث کرتے ہوئے پہلے

لفظی اضافت کی تحقیق پیش کی کہ وُہ کن کن صورتوں میں ہوسکتی ہے پھر یہ تحقیق کی کہ اگر لفظ ہر طرح اضافت سے خالی ہوں تو وہاں دیکھا جائے گا کہ یہاں کوئی ایسا قرینہ موجود ہے جس سے اضافت کا ارادہ راجح طور پر معلوم ہوتا ہو تو قضاءً ظاہر قرینہ کی بناء پر طلاق کا حکم کردیا جائے گا، باطنی اُمور اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں اگر اس صورت میں خاوند قسم دے کر اضافت کے اِرادے کا انکار کرتا ہو تو اس کی بات مان لی جائے گی اور اس کی بیوی مطلّقہ نہ ہوگی، کیونکہ وہ اپنے بارے میں خبر دینے میں امین متصور ہوگا جبکہ وہ بات بھی ایسی ہی کہتا ہے جس کا کلام میں احتمال موجود ہے۔ اگر وہاں قرینہ بالکل نہ ہو تو بھی طلاق نہ ہوگی اور قاضی طلاق کا حکم نہ کرے گا مگر یہ کہ خاوند خود طلاق کے ارادے کا اقرار کرے۔ یہ واضح تحقیق ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عبارات میں موافقت ہوگئی ہے۔ ص335

طلاق دینے میں اضافت ضروری ہے لفظوں میں ہو خواہ نیت میں ہو تحقیق

عبدِ ضعیف کو اللہ تعالیٰ لطف فرمانے والے جلّ وعلا کی توفیق سے جو حاصل ہوا ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو طلاق دینے میں **اضافت ضروری ہے لفظوں میں ہو خواہ وُہ نیت میں ہو**، کیونکہ طلاق کا وقوع، اِیقاع پر موقوف ہے اور اِیقاع کا وجود نہیں ہوتا تاوقتیکہ طلاق کو عورت سے متعلق نہ کیا جائے، اور یہ چیز اضافت کے بغیر نہیں ہوسکتی اور یہ بات واضح اور ضروری ہے جس میں شک نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر طلاق کو عورت کی طرف منسوب کرنا اور اس کی طرف اضافت کرنا ضروری نہ ہو تو پھر طلاق یا طالق کا تلفّظ کرنے والے ہر شخص کی بیوی کو طلاق لازم ہوجائے اگرچہ وُہ اس پر کسی چیز کا اِرادہ نہ کرے یا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ نہ کرے تو یہ قطعاً باطل ہے لہذا طلاق کے وقوع کے لئے نسبت اور اِضافت کے شرط ہونے میں کوئی شک نہیں، ہاں اضافت کبھی لفظوں میں موجود ہوتی ہے تو اس وقت حکم کے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی اور کبھی لفظوں میں اضافت نہیں ہوتی اس وقت نیت کو ظاہر کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔ (ت)

(**لفظوں میں اضافت کا موجود ہونا: اَقول:** (میں کہتا ہوں) یہ تین طرح ہوتی ہے: (۱) اوّل یہ کہ خاوند کی کلام میں صراحۃً پائی جائے وہ یہ ہے جس کی مثالیں حلبی اور طحاوی نے یہ ذکر کی ہیں مثلاً تو طلاق والی ہے، میں نے تجھے طلاق دی، (بیوی کو اشارہ کرتے ہوئے) اس کو، نام لے کر زینب کو، زید کی بیٹی کو، عمرو کی ماں، بکر کی بہن کو، میری بیوی کو، طلاق (۲) دوسری صورت، یہ کہ طلاق کے الفاظ کسی ایسے کلام کے جواب میں ذکر کئے جائیں جس میں اضافت مذکور تھی تو اس وجہ سے وہ اضافت جواباً طلاق کے الفاظ میں بھی متحقق ہوگی، کیونکہ جواب میں سوال کا اِعادہ ہوتا ہے، اس کی مثالیں ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہیں، مثلاً بیوی کہے ''طلاق تیرے ہاتھ میں ہے مجھے طلاق دے''۔ تو جواب میں خاوند کہے ''میں نے طلاق دی'' تین دفعہ تکرار کیا تو تین طلاقیں بیوی کو پڑیں گی اھ (ت)

لفظی اضافت کی تیسری صورت یہ ہے کہ خاوند کے کلام میں اضافت مذکور نہ ہو، اور نہ ہی اس کا کلام جواب کے طور پر ہو، لیکن عرف میں اس لفظ کو بیوی کو طلاق دینے کے لئے مختص کردیا گیا ہو کہ جب بھی وہ لفظ بولا جائے تو اس سے بیوی کو طلاق دینا ہی سمجھا جائے۔ مثلاً کوئی کہے ''طلاق مجھ پر لازم ہوگی'' یا ''حرام مجھ پر لازم ہوگا'' یا ''مجھ پر طلاق ہے'' یا ''مجھ پر حرام ہے'' جیسا

کہ ردالمحتار میں بیان ہے کہ یہ الفاظ عرف میں طلاق دینے کے لئے استعمال میں مشہور ہو چکے ہیں حتی کہ عرف والے طلاق کے لئے دوسرے الفاظ سے واقف نہیں، اور ان الفاظ کو صرف مرد ہی طلاق کی قسم کے لئے استعمال کرتے ہیں اور یہاں پر اگرچہ لفظوں میں اضافت مذکور نہیں، لیکن عرفاً اضافت ثابت ہے، اور عرفاً جو چیز معلوم ہو وہ ایسے ہی معتبر ہے جیسے لفظوں میں مذکور چیز ہوتی ہے تو یہاں اضافت پائی گئی تو وقوعِ طلاق کا حکم نیت کے بغیر کر دیا جائے گا، یہ لفظوں میں اضافت پائے جانے کی صورتیں ہیں، لیکن جب کوئی کلام ان تین صورتوں کی اضافت سے خالی ہو تو پھر اضافت کا نیت میں پایا جانا ضروری ہے۔ اگر نیت کرے تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔

لیکن نیّت میں اضافت کا قضاءً حکم دو قسم پر ہے:

اوّل: یہ ہے کہ ایسی صورت کہ جہاں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جس سے محسوس کیا جائے کہ خاوند نے اضافت کی نیت کی ہے، اور یہ مقام کے لحاظ سے واضح ہو سکے، تو ایسے مقام پر طلاق کے وقوع کا حکم کیا جائے گا جب تک خاوند یہ نہ کہہ دے کہ میں نے بیوی کا ارادہ نہیں کیا اور اگر اس نے ایسا کہہ دیا تو اس سے قسم لی جائے گی اور قسم کے بغیر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی، اگر اس نے قسم دے دی تو پھر اس کی تصدیق کر دی جائے گی اور طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اپنی نیت کے متعلق خبر دینے میں اُسے امین تصوّر کیا جائے گا جبکہ اس نے کلام بھی ایسی کی ہے جس میں گنجائش ہے۔

دوسری قسم: یہ ہے کہ وہاں یہ قرینہ نہ پایا جائے، تو وہاں طلاق کا واقع ہونا خاوند کے اس بیان پر موقوف ہوگا کہ میں نے بیوی کی نیت کی ہے لہذا وہاں نیت میں بیوی مراد لینے کا اقرار ہو تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں، کیونکہ محض شک کی بنا پر طلاق کے حکم کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ ص344 تا353

طلاق کے لئے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سُننا ضرور نہیں

طلاق کے لئے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سُننا ضرور نہیں جبکہ شوہر اپنی زبان سے الفاظِ طلاق ایسی آواز سے کہے جو اس کے کان تک پہنچنے کے قابل تھے (اگرچہ کسی غل شور یا ثقلِ سماعت کے سبب نہ پہنچی) عند اللہ طلاق ہوگئی، عورت کو خبر ہو تو وہ بھی اپنے آپ کو مطلقہ جانے، ہاں اگر صرف دل میں طلاق دے لی تو بالاجماع نہ ہوگی، یا زبان سے لفظ تو کہے مگر ایسے کہ زبان کو صرف جنبش ہوئی آواز اپنے کان تک آنے کے بھی قابل نہ تھی تو مذہبِ اَصح میں یُوں بھی نہ ہوگی۔ ص362

طلاق کے لئے عورت کا وہاں حاضر ہونا کچھ شرط نہیں۔ ص362

غصّہ میں طلاق دینے کا حکم

غضب اگر واقعی اس درجۂ شدّت ہو کہ حدِّ جنون تک پہنچا دے تو طلاق نہ ہوگی اور یہ کہ غضب اس شدت پر تھا، یا تو گواہانِ عادل سے ثابت ہو یا وہ اس کا دعوٰی کرے اور اس کی یہ عادت معہود معروف ہو تو قسم کے ساتھ اس کا قول مان لیں گے ورنہ مجرد دعوٰی معتبر نہیں، یوں تو ہر شخص اس کا ادِّعا کرے اور غصّہ کی طلاق واقع ہی نہ ہو حالانکہ غالباً طلاق نہیں ہوتی مگر بحالتِ غضب۔ ص378

جبر وظلم سے محض ناچار ومجبور ہو کر اپنی عورت کو طلاق دے دی تو؟

طلاق بخوشی دی جائے خواہ بجبر واقع ہوجائے گی۔ نکاح شیشہ ہے اور طلاق سنگ، شیشہ پر پتّھر خوشی سے پھینکے یا جبر سے یا خود ہاتھ سے چُھوٹ پڑے شیشہ ہر طرح ٹوٹ جائے گا۔ مگر یہ زبان سے الفاظِ طلاق کہنے میں ہے، اگر کسی کے جبر واِکراہ سے عورت کو خطرہ میں طلاق لکھی یا طلاق نامہ لکھ دیا اور زبان سے الفاظِ طلاق نہ کہے تو طلاق نہ پڑے گی۔ مگر یہ سب اس صورت میں جبکہ اِکراہ اِکراہِ شرعی ہو کہ اُس سے ضرر رسانی کا اندیشہ ہو اور وُہ ایذاء پر قادر ہو صرف اس قدر کہ اُس نے اپنے سخت اِصرار سے مجبور کردیا اور اس کے لحاظ پاس سے اسے لکھتے بنی، اِکراہ کے لئے کافی نہیں یُوں لکھے گا تو طلاق ہوجائے گی كما لا يخفى (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص385** **لوگ کسی کے اِصرار کو بھی جبر کہتے ہیں، یہ جبر نہیں۔ ص386**

طلاق اگر دبی زبان سے دے کیسے ہی جبر واکراہ سے دی ہوجائے گی، اور اِستثناء یا الحاق نفی اگر ایسی آواز سے تھا کہ خود اپنے کان تک پہنچنے کے قابل بھی نہ تھی تو عنداللہ بھی معتبر نہیں طلاق ہوگئی، اور اگر اپنے کان تک آواز آئی اس مُکرِہ نے نہ سنی نہ اور حاضرین نے تو قضاءً طلاق مانی جائے گی عنداللہ نہ ہوگی۔ حیلہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے اکراہ پر کہے طلاق طلاق طلاق، اور نیّت یہ کرے کہ مہمل مطالبہ کررہے ہو، لیکن مُکرِہ اگر ہوشیار ہے اور بےتصریحِ اضافت نہ مانے تو کوئی حیلہ نہیں۔ ص387

مجنون کی طلاق باطل ہے وُہ لاکھ دفعہ طلاق دے ہرگز نہ ہوگی، نہ عورت کو دوسرے سے نکاح جائز ہوگا نہ اس کی طرف سے اس کا ولی طلاق دے سکتا ہے لان الولاية للنظر لاللضرر (کیونکہ ولایت شفقت کے لئے ہوتی ہے ضرر کے لئے نہیں۔ت)۔ ص387

جاہلوں سے اگر کوئی مسئلہ ذات وصفاتِ الٰہیہ وعقائدِ اسلامیہ کے متعلق پوچھو تو جواب پہلے بتادو

ائمۂ دین تو یہ تصریح فرماتے ہیں کہ جاہلوں سے اگر کوئی مسئلہ ذات وصفات عقائدِ اسلامیہ کے متعلق پوچھو تو جواب پہلے بتادو نہ کہ اس سے دقیق مسائلِ ذات وصفات پوچھے جائیں کہ کسی طرح اسے کافر بنالیا جائے، ہمارے امام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ ائمۂ دین فرماتے ہیں جو کسی مسلمان کی نسبت یہ چاہے کہ اس سے کفر صادر ہو وہ کفر کرے یا نہ کرے یہ ابھی کافر ہوگیا کہ مسلمان کا کافر ہونا چاہا۔ ص403

ایک شخص نے بخوشی چار آدمیوں کے سامنے اپنی عورت کو طلاق دی اب وہ کہتا ہے کہ میں نے نہیں دی۔ یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اگر واقع میں تین طلاقیں دی ہیں عنداللہ عورت اُس پر حرام ہوگئی بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ قال اللہ تعالیٰ: {فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ} مُطلّقہ ثلاثہ عورت خاوند کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ عورت دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔(ت)

اور اس کا انکار اللہ عزّوجل کے یہاں کچھ نفع نہ دے گا ان گواہوں پر فرض ہے کہ گواہی دیں اگر اُن میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ثقہ عادل شرعی ہوں طلاق ثابت ہوجائے گی اور اس کا اِنکار دُنیا میں بھی نہ سُنا جائے گا اور اگر ان میں ایسے گواہ نہ ہوں اور

عورت کے سامنے طلاق نہ دی ہو تو عورت اس سے حلف لے اگر وہ حلف دے کہ میں نے طلاق نہ دی تو عورت اپنے آپ کو اس کی زوجہ سمجھے اگر اُس نے حلف جھوٹا کیا تو وبال اس پر ہے اور اگر خود زوجہ کے سامنے اُسے تین طلاقیں دیں اور منکر ہو گیا اور گواہ عادل نہیں ملتے تو عورت جس طرح جانے اس سے رہائی لے اگرچہ اپنا مہر چھوڑ کر، یا اور مال دے کر، اور اگر وہ یُوں بھی نہ چھوڑے تو جس طرح بَن پڑے اس کے پاس سے بھاگے اور اُسے اپنے اُوپر قابو نہ دے۔ اور اگر یہ بھی نہ ممکن ہو تو کبھی اپنی خواہش سے اس کے ساتھ زن وشو کا برتاؤ نہ کرے نہ اس کے مجبور کرنے پر اس سے راضی ہو پھر وبال اس پر ہے، {لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا} (اللہ تعالیٰ وسعت کے مطابق ہی کسی جان کو تکلیف دیتا ہے۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص423

عورت کا بیان کہ اس نے طلاق دے دی تھی بے گواہانِ شرعی ہرگز مسموع نہیں، عورت شوہرِ اول کو دِلا دی جائے گی، پھر اگر واقع میں اس نے طلاق دے دی تھی اور جُھوٹ انکار کیا تو عورت پر فرض ہے کہ جس طرح جانے اس سے دُور بھاگے یا مہر وغیرہ دے کر طلاق لے اور اگر کچھ نہ کر سکے وبال اس پر ہے، اور عورت جب تک راضی نہ ہو مجبور ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص366

خط سے ثبوتِ طلاق کے احکام

خطوط سے ثبوتِ طلاق دو امر پر موقوف یا تو شوہر اقرار کرے کہ واقعی میں نے یہ خط لکھا تھا یا دو مرد خواہ ایک مرد دو عورتیں ثقہ عادل شہادتِ شرعیہ دیں کہ ہمارے سامنے شوہر نے خطِ مذکور لکھا، اگر شہادتِ معتمدہ سے بروجہ کافی تحریرِ خط ثابت ہو تو الفاظِ مذکورۂ سوال ایک سے تین تک جتنے خطوں میں لکھنے کا ثبوت تابقائے عدت ہو اسی قدر طلاقیں وقتِ تحریر سے پڑنے کا حکم دیا جائے گا مثلاً شہادتِ مقبولہ سے صرف ایک خط کا ثبوت ہُوا تو جس وقت اُس نے یہ خط لکھا اُس وقت سے ایک طلاق مانیں گے اور اگر ایک خط عمرو کے نام اور دوسرا عدّت کے اندر اُنہیں الفاظ یا اُن کے مثل سے بکر یا عمرو ہی کے نام لکھنا ثابت ہو تو دو اور اگر اسی طرح کے تین یا زائد خط ایک ہی شخص خواہ متعدد اشخاص کے نام لکھنے ثابت ہوں تو تین، کہ الفاظِ مذکورہ کہ صریح ہیں ان میں ہر شخص کو لکھنا ہر بار کا لکھنا جُدا طلاق سمجھا جائے گا۔ **لما نصوا علیہ من ان التاسیس خیر من التاکید وان الصریح یلحق** غیرہ۔ کیونکہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ کلام سے نیا فائدہ اخذ کرنا پہلے ذکر شدہ فائدہ سے بہتر ہے اور یہ کہ صریح طلاق پہلی طلاق کو لاحق ہو سکتی ہے۔(ت) ہاں اگر بعض خطوط میں الفاظِ مذکور اور باقی میں اس طرح کا مضمون مسطور ہو کہ میں فلاں کو ایسا لکھ چکا ہُوں یا میں نے پہلے ہی لکھ دیا ہے، **وامثال ذلك مما یتعین الاخبار عن ذاك السابق لا یصلح للانشاء**۔ اس کی مثل وُہ الفاظ جو پہلے خبر کے لئے متعین ہو چکے ہوں تو وُہ الفاظ دوبارہ استعمال پر انشاء کی صلاحیت نہیں رکھتے۔(ت) تو ان باقی خطوط کی تحریر اُسی طلاقِ سابق کا ذکر قرار پائے گی جُدا طلاق نہ ٹھہرے گی۔ اور اگر شہادتِ کافیہ نہ ہو تو ازانجا کہ زید منکر ہے اَصلاً ثبوتِ طلاق نہیں اگرچہ خطوط موجود اور اس کے خط سے بالکل مشابہ ہوتے کہ خط ملنا کوئی حجتِ شرعیہ نہیں، **لما صرحوا بہ فی عامۃ الکتب ان الخط یشبہ الخط فلا یعتبر**۔ کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ خط دوسرے خط کے مشابہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ عام کتب میں ہے، لہٰذا خط کا اعتبار نہ ہوگا۔(ت)۔ص424

کوئی تحریر بے شہادت یا اقرارِ کاتب مسلّم نہیں ہوسکتی اگرچہ خط اسی کا معلوم ہوتا ہو۔ص 415

ایک شخص نے اجمیر شریف سے جا کر اپنی عورت کو بڑودہ میں بذریعہ خط ایک طلاق بنام جماعت لکھ کر روانہ کیا میری عورت کو کہہ دینا میں نے ایک طلاق اپنی عورت کو دی، جماعت نے عورت کو خط سُنا دیا، دو مہینے کے بعد بڑودہ میں آیا، عورت نکاح میں رہی یا نکل گئی؟

الجواب:

اگر واقع میں اس شخص نے یہ خط آپ کو لکھا یا دوسرے کو عبارۃِ مذکورہ بتا کر لکھوایا کہ میری عورت کی نسبت یہ الفاظ لکھ دے تو جس وقت اس کے قلم یا زبان سے یہ لفظ نکلے اسی وقت سے عورت پر ایک طلاق پڑ گئی اور اسی وقت سے عدّت کا شمار ہوگا اگرچہ یہ خط بڑودہ نہ پہنچتا یا وہ خود ہی لکھ کر نہ بھیجتا یا مکتوب الیہم عورت کو نہ سُناتے کہ جو الفاظِ طلاق لکھے یا بتائے جب ان میں کوئی شرط نہیں کہ یہ خط جب پہنچے یا سنایا جائے اس وقت طلاق ہو تو ان کا لکھنا یا بتانا ہی طلاق کا موجب ہوگیا بھیجنے پہنچنے سنانے پر توقف نہ رہا مگر اَزْ اَنجا کہ طلاقِ رجعی ہے عورت نکاح سے نہ نکلے گی جب تک عدّت نہ گزر جائے۔ ایامِ عدت میں بے تجدیدِ نکاح عورت سے رجعت کرسکتا ہے مثلاً زبان سے کہہ دے میں نے اسے اپنے نکاح میں پھر لیا، بدستور اس کی زوجیت میں باقی رہے گی جس میں عورت کی رضامندی بھی ضرور نہیں، اور اگر عدّت گزر گئی تو برضائے عورت اس سے اَزْ سرِ نو نکاح کرسکتا ہے کچھ حلالہ کی حاجت نہیں جبکہ اس سے پہلے دو طلاقیں نہ دے چکا ہو۔ اور اگر واقع میں یہ اس شخص کا کام نہیں بلکہ کسی اور نے بطورِ خود اس کے نام سے لکھ بھیجا ہے تو طلاق نہ واقع ہوئی کہ دوسرے کی دی ہوئی طلاق جب تک شوہر نافذ نہ کرے محض بے اثر ہوتی ہے ولہذا اس خط کے ذریعہ سے لوگوں کے نزدیک طلاق اسی وقت ثابت ہوگی جبکہ اسے اس خط کا اِقرار ہو یا انکار کرے تو گواہانِ عادل شرعی گواہی دیں کہ اس نے ہمارے سامنے یہ کاروائی کی، بغیر اس کے صرف اتنی بات کہ خط اس کے ہاتھ کا لکھا معلوم ہوتا ہے بکارِ آمد نہیں، ہاں اگر واقع میں یہ کارروائی اس کی تھی اور منکر ہوگیا اور گواہ نہیں تو اس کا وبال اسی پر ہے، عورت پر گناہ نہیں۔ص 447

- **وقوعِ طلاق کے لئے شرط ہے کہ بیوی ابھی تک نکاح یا عدّت میں مقید ہو (ت) (عالمگیری)۔ص 450**
- **جب طلاق میں شک ہو کہ دو تھی یا تین، تو دو سمجھی جائیں گی جب تک گواہانِ شرعی سے زیادہ کا ثبوت نہ ہو۔ص 457**
- **اس کہنے سے کہ "تُو مجھ پر حرام ہے" طلاقِ بائن ہوگی۔ص 458**

وراثتِ زوجہ بلاشبہہ ضروریاتِ دین سے ہے۔

وراثتِ زوجہ بلاشبہہ ضروریاتِ دین سے ہے جس پر تمام فِرَقِ اسلام کا اجماع اور ہر خاص وعام کو اس کی اِطلاع، تو مطلقاً اس کا انکار یعنی یہ کہنا کہ زوجیت شرع میں ذریعۂ وراثت ہی نہیں صریح کلمۂ کفر ہے۔ص 471

نکاح کا فسخ دو قسم ہے

نکاح کا فسخ دو قسم ہے:

ایک شرع کی پاسداری کے لئے، اور یہ شرعی حق نکاح کو ابتداء سے عارض ہو، جیسے بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے

نکاح، یا بیوی کے اصول (ماں، دادی) وغیرہ یا فروع (بیوی کی پہلی بیٹی) کو شہوت سے چُھوا ہو، یا بیوی رضاعت کی وجہ سے حرام ہو وغیرہ ذالک، یا شرعی حق نکاح کے بعد لاحق ہُوا، مثلاً رضاعت یا مصاہرت کی حرمت نکاح کے بعد عارض ہوئی ہو یا والعیاذ باللہ تعالیٰ، خاوند مرتد ہو گیا ہو تو ان تمام صورتوں میں فسخِ نکاح کے لئے قاضی کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ مرد و عورت دونوں پر لازم ہے کہ وُہ فسخ قرار دے کر جدائی اختیار کریں تاکہ شریعت کی تعظیم اور گناہ سے اجتناب کیا جاسکے، اس پر درمختار وغیرہ معتبر کتب میں تصریح کی گئی ہے۔

فسخ کی دوسری قسم یہ ہے کہ بیوی کے حق کی وجہ سے فسخ کیا جائے مثلاً بیوی کو بالغ ہونے پر فسخ کا اختیار حاصل ہو یا خاوند نامرد ہو وغیرہ، تو اس قسم میں فسخ کے لئے قاضی شرط ہے، بیوی یا اس کے ولی کو مستقل اختیار نہیں کہ وُہ قاضی کے بغیر جُدائی کا فیصلہ کریں، اگر اس صورت میں ولی نے قاضی کے بغیر ہی عورت کا دوسرے سے نکاح کر دیا تو یہ نکاح حرام ہوگا کیونکہ ابھی پہلے خاوند کا حق اس عورت پر باقی ہے، اور شرعاً یہ تفریق نہ ہوگی کیونکہ یہ دینی معاملہ ہے جس میں شرع کو ہی حق ہے، لہذا یہ کارروائی قاضی کے بغیر نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ وہی شرع کا نائب ہے، جیسا کہ نماز میں حقِ امامت حاکم کو ہی حاصل ہے، ہاں مسلمان ہونا شرط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)۔ ص480

جس عورت کا خاوند دیوانہ ہونے کی وجہ سے تین چار سال ہسپتال میں پابند ہے ایسی عورت کو یہ اختیار ہے کہ وُہ قاضی کی تفریق کے بغیر یا حکمِ حاکم کے بغیر نکاح فسخ کرلے یا نہیں؟ اور فسخ کی عدت پوری کئے بغیر دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ یا کیا اس کے ولی کو یہ اختیار ہے عورت کے مطالبہ پر یا بغیر مطالبہ خود ہی قاضی کی تفریق کے بغیر صرف خاوند کے مجنون ہونے کی بنا پر دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح کر دے یا نہ؟ اور کیا بوقتِ ضرورت مثلاً زنا یا نفقہ کی محتاجی کے خطرہ پر غیر مفتٰی بہ قول کے مطابق حنفی مذہب کے علاوہ دوسرے کسی مذہب پر عمل جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو دوسرے کسی امام کے مذہب پر خاوند کے مجنون ہونے پر قاضی کے بغیر فسخِ نکاح کا اختیار ہے یا نہیں؟ قاضی کے فسخ کے بغیر عدمِ جواز کی صورت میں نکاح کرانے والے اور نکاح کرنے والے مرد اور عورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: خاوند اگر مجنون ہو جائے تو کسی طرح بھی ہمارے مذہبِ حنفی میں نکاح کا فسخ جائز نہیں ہے۔ اگر قاضی حنفی مذہب کا مقلد ہو تو اگر وُہ فسخ کرے گا تو اس کا فسخ باطل ہوگا کیونکہ مقلد اپنے مذہب کی مخالفت نہیں کرسکتا، قدوری کی تصحیح میں علامہ قاسم نے اور پھر درمختار میں فرمایا کہ فتوٰی اور فیصلہ قولِ مرجوح پر جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے، اور مستقل مجتہد صدیوں سے مفقود ہے، ہاں اگر شافعی یا حنفی قاضی کو سلطان نے عہدہ پر مقرر کرتے ہوئے یہ اجازت دی ہو کہ وُہ ضرورت کی بنا پر اپنے مذہب کے مرجوح قول یا دوسرے مذہب پر فیصلہ کرسکتا ہے تو اس قاضی کا فیصلہ صحیح ہوگا اور نافذ بھی ہوگا۔ اور یہ واضح ہے کہ اگر یہ تفریق ہوگی تو عورت کی خاطر ہوگی، شریعت کے حق کے لئے نہ ہوگی جبکہ ہم اُوپر بیان کرچکے ہیں کہ ایسی صورت میں اگر ولی نے یا خود عورت نے قاضی کی تفریق کے بغیر دوسرے شخص سے نکاح کیا تو ہرگز جائز نہ ہوگا، نکاح کے دونوں فریق اور نکاح کرکے دینے والے زناکاری میں مبتلا ہوں گے بشرطیکہ نکاح پڑھانے والے کو صورتِ حال کا علم ہو، ضرورت اگر صحیح اور واقعی ہو تو پھر مرجوح قول یا دوسرے مذہب پر مبتلا شخص کو چاہئے کہ وُہ خود عمل کرے لیکن مفتی ہرگز فتوٰی نہیں دے سکتا، اور وُہ قاضی بھی جو اپنے مذہب کے مطابق فیصلے کرنے

کا پابند ہو، وہ بھی ایسا فیصلہ نہیں کرسکتا اگر فیصلہ کرے گا تو وُہ بھی باطل ہوگا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور قابلِ اعتماد کُتب میں اس کی تصریح موجود ہے، اور اگر مبتلا شخص خود دوسرے مذہب یا مرجوح قول پر عمل کرے تو ضروری ہے کہ وہ ان تمام شرائط کی رعایت کرے، مثلاً امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مجنون کی بیوی کے متعلق تفریق کے جواز کو قاضی سے مشروط کیا ہے اس کے بغیر مرجوح قول پر بھی تفریق جائز نہ ہوگی بلکہ یہ نفسانی خواہش کی پیروی ہوگی۔ **والعیاذ باﷲ تعالٰی واﷲ تعالٰی اعلم**۔ص481

بہرحال یہ تفریق بے حکمِ حاکمِ شرع نہیں، جہاں قاضیِ شرع نہ ہو وہاں جو عالمِ دین سچا تمام اہلِ شہر میں فقہ کا اعلم ہو ایسے امور میں حاکمِ شرعی ہے جیسا کہ اس پر فتاوٰی امام عتابی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے حدیقۃ الندیہ میں نص کی گئی ہے (ت) مگر یہ لحاظ لازم ہے کہ ایسا فیصلہ اس کے لئے کسی قانونی دِقّت کا موجب نہ ہو ورنہ عالم اس سے ضرور اِحتراز کرے۔ص506

صحیح ضرورت کی بناء پر دیگر ائمہ کی تقلید جائز ہے

فقہاءِ کرام نے صحیح ضرورت کی بناء پر دیگر ائمہ کی تقلید کو جائز قرار دیا ہے تو یہاں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کی بطریقِ اَولٰی اِتباع جائز ہوگی کیونکہ بحمدہٖ تعالٰی مذہب کا کوئی قول امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول سے خارج نہیں ہے۔ص504

ضرورتِ صادقہ کے وقت جو کسی مسئلہ میں ائمۂ ثلٰثہ سے کسی امام کی تقلید کی جاتی ہے صرف اس مسئلہ میں اس کے مذہب کی رعایت امورِ واجبہ میں ضرور ہوگی، دیگر مسائل میں اپنے امام ہی کی تقلید کی جائے گی۔ **واﷲ تعالٰی اعلم**۔ص510

عِنِّین (نامرد) کا حکم

مریم دس ۱۰ برس کی تھی اور زید پندرہ برس ۱۵ کا کہ ان کے والدین نے برضا و رغبت خود ان کا نکاح کردیا جب مریم بالغہ ہوئی تو اسے ظاہر ہوا کہ شوہر نامرد ہے اس صورت میں وُہ نکاح ہوا یا نہیں، اور مریم بے طلاقِ زید کے دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں، اور شوہر طلاق نہ دے تو صورتِ خلاص کیا ہے، دعوی مہر پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مستفسرہ میں نکاح قطعاً صحیح ہے **لصدورھا عن اھلہ فی محلہ** (کیونکہ یہ نکاح اپنے محل میں اپنے اہل سے صادر ہوا ہے۔ت) اور جب تک زید کی طرف سے طلاق نہ ہو اس کی زوجہ ہے، اور دوسرے سے نکاح ہرگز جائز نہیں۔

قال اﷲ تعالٰی {وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ} (اللہ تعالٰی نے فرمایا: عورتوں سے منکوحہ عورتیں حرام ہیں۔ت) عقود الدریہ میں ہے: ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی باکرہ نابالغہ بیٹی کا نکاح ایک شخص سے کیا اور خاوند نے جماع کرلیا اس کے بعد وہ بیٹی بالغ ہوئی تو اس نے عقل و فہم کے باوجود خاوند کے نامرد ہونے کا دعوٰی کیا جس میں اس نے تفریق (فسخ نکاح) کا مطالبہ کیا تو ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے، تو جواب دیا کہ لڑکی کے محض اس دعوٰی پر کہ خاوند نامرد ہے تفریق نہ ہوگی الخ (ت)

البتہ جب زید اس پر غیر قادر اور اس کے ادائے حق سے قاصر ہے تو اس پر بنصِ قطعیِ قرآن طلاق دینا واجب، اگر یونہی رکھ چھوڑے گا گنہگار ہوگا۔ **قال تعالٰی** {فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ} اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک یا دو طلاقوں کے بعد بیوی کو بھلائی کے ساتھ پاس روک لو یا نیکی کے ساتھ آزاد کردو۔ (ت) پس اگر وہ طلاق نہ دے تو صورتِ خلاص یہ ہے کہ

مریم وزید کسی عالمِ دین فقیہ متین کو پنچ (حَکَم) کریں۔

ہندہ اگر اس کے حضور دعوی کرے حَکَم زید سے جواب لے اگر اپنی نامردی اور مریم پر قدرت نہ پانے کا مُقِر ہو اسے آج سے سال بھر کامل کی مہلت دے اور منکر ہو تو عورت ثقہ نمازی پرہیز گار مریم کو دیکھے جب وُہ شہادت دے کہ واقعی مریم ہنوز بکر ہے تو زید کو سال بھر کی مہلت دی جائے اگر وُہ دن ختم ماہ قمری ہو تو سال کے بارہ مہینے تیرہ ۱۳ ہلالوں سے لئے جائیں ورنہ تین سوساٹھ ۳۶۰ دن شمار کرلیں اور اس مدّت میں جتنے دنوں مریم باختیارِ خود زید کے مسکن میں نہ رہے یا اُسے خواہ زید کو ایسا مرض ہو جس میں مجامعت نہ ہوسکے وُہ دن شمار میں نہ آئیں گے اور اگر زید ہی اُسے نہ رکھے یا اُس کے پاس نہ آئے تو کُچھ مجرا نہ پائے گا یُونہی ایامِ حیض بھی مجرا نہ ہونگے، جب اس طرح سال گزر جائے اور زید مریم پر قدرت نہ پائے مریم پھر حَکَم کے پاس تفریق وازالۂ نکاح کا دعوٰی کرے حَکَم پھر زید سے جواب لے اگر مُعترِف ہو یا بحالتِ اِنکار پھر کسی عورت معتمدہ نمازی متقیہ کی شہادتِ معاینہ سے ثابت ہو کہ اب بھی مریم بدستور بکر ہے تو حَکَم مریم سے پوچھے تُو زید کو اختیار کرتی ہے یا اپنے نفس کو اگر کہے زید کو یا بغیر کُچھ کہے چلی جائے یا کھڑی ہو جائے یا اُٹھادی جائے یا حَکَم اُٹھ کھڑا ہو تو اب اس کا دعوٰی باطل اور نکاح لازم ہو گیا اور اگر اسی جلسہ میں کہہ دے میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو حَکَم زید کو حُکم دے کہ اُسے طلاق دے کہ بحُکمِ شرع تجھ پر طلاق دینی واجب ہے اگر دیدے فبہا ورنہ حَکَم کہہ دے میں نے تم دونوں میں تفریق کردی فوراً مریم اس کے نکاح سے نکل جائے گی جس سے چاہے نکاح کرلے، پس اگر زید و مریم میں خلوت ہوچکی تو مریم پر عدّت اور زید کے ذمّہ پُورا مہر ورنہ عدّت نہیں اور آدھا مہر۔

اصل حکم یہ ہے پھر زید براہِ شرارت واضرارِ زوجہ کسی کو پنچ کرنے پر راضی نہ ہو تو چارۂ کار یہ ہے کہ اس شہر میں جو عالمِ دین وہاں کے سب اہلِ علمِ فقہ وعلومِ دینیہ میں زائد ہو مریم اُس کے یہاں بطورِ خود دعوٰی مذکور کرے عالم موصوف زید کو بلا کر کارروائی بروجہ مذکور کرے۔

پھر اگر زید کو آنے میں بھی انکار ہو تو عالم ممدوح خود اس کے پاس تکلیف کرے، اور غالباً ہنوز حکمِ مسئلہ سے ناواقفی کے باعث اسے عالم موصوف سے ملنے اور گفتگو کرنے میں باک نہ ہوگا بس صرف اتنا اس سے دریافت کرلے کہ مریم تیری نامردی کی شاکی ہے آیا واقعی ایسا ہی (ہے) یا نہیں اگر اقرار کرے سال بھر کی مہلت دے دے اور بحالتِ انکار زنانِ ثقات کو دکھا کر بقائے بکارت کا ثبوت لے کر زید کو مہلت ایک سال کی اطلاع کردے جب بعدِ مرورِ مدّت عورت پھر جُدائی چاہے عالم دوبارہ زید کے پاس جائے، بن پڑے تو کارروائی مذکور کرے مگر جب زید کو خواہی نخواہی اِیذا و اضرارِ مریم ہی منظور ہے تو بعد سماعِ مہلت عجب نہیں کہ دوبارہ عالم سے نہ ملے کہ آخر جبر شرعی کی طرف تو کوئی راہ ہی نہیں، اگر ایسی صورت واقع ہو تو مریم اس بارِ دوم کی کارروائی میں اپنے آپ کو اِعانتِ عالم سے غنی سمجھے اور صرف اُس قدر امداد پر جو اوّل بار بحُکمِ عالم نامردیِ زید ثابت ہوکر مہلت یکسال دی گئی تھی قناعت کرے اب کہ زید عالم سے نہ ملے اور کارروائی آئندہ نہ ہونے دے ہندہ خود کہہ دے کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا اور زید کے نکاح سے باہر آئی مذہبِ صاحبین پر اس قدر بھی کافی ہو جائے گا اور مریم اس کے ظلم سے نجات پائے گی۔

اقول (میں کہتا ہوں) ہمارے علماء نے نص فرمائی ہے کہ اپنے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے علاوہ کی تقلید بوقتِ ضرورت جائز ہے، اور **اللہ تعالٰی نے فرمایا { وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ } اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے دین میں**

تنگی نہیں فرمائی۔تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے دونوں شاگردوں (صاحبین) کے قول پر عمل کے بارے میں تجھے کیا تردّد ہوسکتا جبکہ وُہ قول ظاہرُ الروایۃ کے ضمن میں ایک طرح کی ترجیح بھی دامن میں لئے ہوئے ہے،فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ مذہب میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے ماسوا کوئی قول نہیں اور جو صاحبین یا ان میں کسی ایک کی طرف منسوب ہے تو وُہ بھی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی قول ہے جو ان سے مروی ہوتا ہے اور بعض شاگرد اس قول کو اپنا لیتے ہیں جیسا کہ اس کو آپ کے شاگردوں نے شدید قسموں کے ذریعے ذکر فرمایا ہے جیسا کہ اس کو ردالمحتار وغیرہ کتب میں بیان کیا ہے،اور اللہ تعالیٰ آسانی پیدا کرنے کو پسند فرماتا ہے اور ظلم اور ضرر کو اسلام میں پسند نہیں فرماتا،اور اس کے دربار میں ہی زمانہ کے اَحوال کی شکایت ہے۔**واللہ تعالیٰ اعلم** (ت)۔ص 496 * (عنین کے متعلق)سندِ ڈاکٹری محض ناکافی و نامعتبر ہے۔ص 495

ہندہ صالحہ ہے اور اس کا شوہر فاسق فاجر موذِی معلن سود خوارہ اور شرابی وعیاش ہے، ہندہ کو مار پیٹ کرتا تھا بلکہ چاقو چھری سے آمادہ رہتا تھا..................پس اس صُورت میں علمائے دین سے استفسار ہے کہ شوہر سے طلاق یا دست برداری ہوسکتی ہے یا نہیں،اور شرعاً فسخِ نکاح بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:صُورتِ مستفسرہ میں عورت پر ہرگز جبر نہ ہوگا کہ شوہر کے یہاں جائے کہ اس میں دِینی دُنیوی وجانی وجسمانی اُس کا ہر طرح کا ضرر ہے، جان جانے کا اندیشہ باقی وموجود اور ضرر شرعاً واجبُ الدّفع ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے :**{وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ}** عورتوں کو ضرر نہ پہنچاؤ۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:**لاضرر ولاضرار فی السلام** اسلام میں نہ ضرر ہے نہ کسی کو ضرر دینا۔

پس اگر کچھ لوگ صالحین واہلِ دین میسر ہوسکتے جن کی حمایت میں عورت کا رہنا شرعاً بھی جائز ہو اور وہ اس کی نگہداشت کافی طور پر کرسکیں اور شوہر کو اس کے دین جسم وجاں پر تعدّی نہ کرنے دیں جب تو عورت وہاں اپنے آپ کو سپردِ شوہر کرتی کہ اس میں دونوں کے حق مراعات رہتے۔ردالمحتار میں ہے: بحر میں ہے اگر بیوی نے قاضی کو درخواست دی کہ خاوند مجھے مارتا اور اذیّت دیتا ہے تو اسے حکم دیجئے کہ مجھے نیک لوگوں میں سکونت دے، اگر قاضی خود اس معاملہ سے آگاہ ہو تو خاوند کو ڈانٹے اور مارنے اور زیادتی سے منع کرے، ورنہ پڑوسیوں سے خاوند کے رویئے کے متعلق معلوم کرے اگر وہ بیوی کی تصدیق کریں تو قاضی خاوند کو زیادتی سے منع کرے ورنہ اسی مسکن میں رہنے دے، اوا گراس کے پڑوس میں کوئی ثقہ آدمی نہ ہو یا پڑوسی خاوند کی طرفداری کریں تو خاوند کو پابند کرے کہ وہ بیوی کو نیک لوگوں میں رہائش دے۔(ت)

مگر غیر لوگوں سے اس زمانے میں نہ ایسی اُمید نہ ایسے لوگ ملیں گے،اور شوہر کے یہاں خوف ظاہر ہے تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو عورت اپنے والدین کے یہاں رہے اور شوہر پر نان نفقہ لازم کیا جائے **لانھا لیست بناشزۃ لان امتناعھا بحق** (کیونکہ وُہ نافرمان نہیں کیونکہ اپنے حق کے لئے وُہ خاوند کو جماع سے روکتی ہے۔ت) پھر اگر اُس کے ساتھ خلوت میں اندیشہ ہو تو اس سے منع کریں اور یہی صورت بہتر ہے، اور اگر اب اندیشہ صحیحہ ہو اور بندوبست کافی کی اُمید نہ ہو اور فی الواقع شرابی کا بندوبست ناممکن سا ہے تو حاکم شوہر پر جبر کرے کہ عورت کو طلاق دے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **{فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ}** عورتوں کو یا تو اچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑ دو، جب اچھی طرح رکھنا نہیں تو اچھی طرح چھوڑنا اس

پر واجب ہُوا اور ترکِ واجب گناہ ہے اس گناہ پر حاکم سزا دے سکتا ہے، بغیر اس کے بطورِ خود فسخِ نکاح کی صورت ہمارے یہاں مذہب میں نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص 477

بابُ الکنایۃ (طلاق کنایہ کا بیان)

طلاقِ بائن کی تعریف وصورتیں

(۱) بائن وُہ طلاق جس کے سبب عورت فوراً نکاح سے نکل جائے، اگر بعدِ نکاح ابھی وطی و جماع کی نوبت نہ پہنچی اگرچہ خلوت ہوچکی ہو تو طلاق دی جائے بائن ہی ہوگی۔

(۲) یونہی جب طلاقیں تین تک پہنچ جائیں خواہ ایک بار میں خواہ دس برس میں، تو وُہ بھی بائن ہوجاتی ہیں بلکہ وُہ بائن کی قسمِ اکبر ہیں کہ پھر بے حلالہ اس سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

(۳) بائن کی تیسری صورت وہ طلاق کہ مال کے بدلے دی جائے مثلاً شوہر نے کہا: میں بعوض ہزار روپیہ تجھے طلاق دی یا تیرے مہر کے بدلے طلاق دی، اور عورت نے قبول کرلیا، یا عورت نے کہا: میں نے اپنے مہر یا فلاں قرض سے تجھے بَری کیا اس شرط پر کہ تُو مجھے طلاق دے دے، مرد نے دے دی، یا مرد نے کہا: جتنے حق عورتوں کے شوہروں پر ہوتے ہیں اُن سب سے مجھے بری کر، اس نے کہا بری کیا، اس نے فوراً کہا میں نے طلاق دی، کہ اس میں اگرچہ صراحۃً ذکرِ عوض نہ تھا مگر صورتِ حال دلیلِ معاوضہ ہے۔

(۴) چوتھی جو طلاق کسی قسم کی دی گئی اور بغیر رجعت ہُوئے عدّت گزر گئی وہ طلاق بھی بائن ہوگئی۔ ان چاروں صورتوں میں کسی لفظ کی تخصیص نہیں سب الفاظ ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔

(۵) پانچواں یہ کہ عورت سے جماع ہولے اس کے بعد طلاق دے اور گنتی بھی تین تک نہ پہنچے، نہ مال کے بدلے طلاق ہو نہ عدّت گزرے، بااین ہمہ طلاق دیتے ہی بائن ہوجائے اس کے لئے الفاظ مقرر ہیں کہ ان لفظوں سے کہا تو بائن ہوگی اور ان سے کہا تو رجعی کہ عدّت کے اندر رجعت کا اختیار دیا جائے گا مثلاً اگر زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا تو عورت نکاح سے نکلنے نہ پائے گی بدستور زوجہ رہے گی اور حکمِ طلاق زائل نہ ہوگا۔

بائن کے بعض الفاظ یہ ہیں:

(۱) جا، (۲) نکل، (۳) چل، (۴) روانہ ہو، (۵) اُٹھ، (۶) کھڑی ہو، (۷) پردہ کر، (۸) دُوپٹہ اوڑھ، (۹) نقاب ڈال، (۱۰) ہٹ، (۱۱) سرَک، (۱۲) جگہ چھوڑ، (۱۳) گھر خالی کر، (۱۴) دُور ہو، (۱۵) چل دُور، (۱۶) اے خالی، (۱۷) اے بَری (بفتحِ با)، (۱۸) اے جُدا (۱۹) تو مجھ سے جُدا ہے (۲۰) میں نے تجھے بے قید کیا (۲۱) میں نے تجھ سے مفارَقت کی (۲۲) تو جُدا ہے (۲۳) رستہ ناپ، (۲۴) اپنی راہ لے کنّایتان عن الذھاب (یہ دونوں کنایہ ہیں، جانے سے۔ت) (۲۵) کالا منہ کر، (۲۶) چال دِکھا، (۲۷) چلتی بَن، (۲۸) چلتی نظر آ، (۲۹) دفع ہو، (۳۰) دال فے عین ہو، (۳۱) رَفُو چکر ہو، (۳۲) پنجرا خالی کر، (۳۳) ہٹ کے سڑ، (۳۴) اپنی صورت گُما، (۳۵) بستر اُٹھا، (۳۶)

اپنا سُوجھتا دیکھ، (۳۷) اپنی گٹھڑی باندھ، (۳۸) اپنی نجاست الگ پھیلا، (۳۹) تشریف لے جائیے، (۴۰) تشریف کا ٹوکرا لے جائیے، (۴۱) جہاں سینگ سمائے جا، (۴۲) اپنا مانگ کھا، (۴۳) بہت ہوچکی اب مہربانی فرمائیے، **کلھا کنایۃ عن البعد والذھاب** (یہ سب دُور ہونے اور جانے سے، کنایہ ہیں۔ت) (۴۴) اے بے علاقہ ہو **کقولہ بتۃ بتلۃ** ''بے علاقہ ہو'' کہا تو بتۃ اور بتلۃ کی طرح ہے۔ت) (۴۵) منہ چھپاؤ، **کقولہ تقنعی تخمری استتری** (پردہ کر، اوڑھنی لے، نقاب ڈال، کی طرح ہیں۔ت) (۴۶) جہنم میں جا، (۴۷) چولھے میں جا، (۴۸) بھاڑ میں پڑ، (۴۹) میرے پاس سے چل، (۵۰) اپنی مراد پر فتحِ مند ہو، (۵۱) میں نے نکاح فسخ کیا، (۵۲) تو مجھ پر مثلِ مُردار یا (۵۳) سوئر یا (۵۴) شراب کے ہے۔ نہ مثلِ بھنگ یا اَفیون یا مالِ فلاں یا زوجۂ فلاں کے، (۵۵) تو مثل میری ماں یا (۵۶) بہن یا (۵۷) بیٹی کے ہے اور یُوں کہا کہ تُو ماں بہن بیٹی ہے تو گناہ کے سوا کچھ نہیں، (۵۹) تیری گلوخلاصی ہُوئی، (۶۰) تو خالص ہوئی (۶۱) حلالِ خدا، یا (۶۲) حلالِ مسلمانان (۶۳) یا ہر حلال مجھ پر حرام، (۶۴) تو میرے ساتھ حرام میں ہے، (۶۵) میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا اگر کسی عوض کا ذکر نہ کرے، اَقُول: (میں کہتا ہوں) یہاں عورت کے اس کہنے کی بھی حاجت نہیں کہ میں نے خریدا۔ (۶۶) میں تجھ سے باز آیا، (۶۷) میں تجھ سے درگزرا **فی ردالمحتار عدیت عنھا** (ردالمحتار میں ہے: میں تجھ سے درگزرا۔ت) (۶۸) تُو میرے کام کی نہیں، (۶۹) میرے مطلب کی نہیں، (۷۰) میرے مصرف کی نہیں (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس تحقیق کی ہے۔ت) (۷۱) مجھے تجھ پر کوئی راہ نہیں، (۷۲) کچھ قابو نہیں، (۷۳) مِلک نہیں، (۷۴) میں نے تیری راہ خالی کردی، (۷۵) تو میری مِلک سے نکل گئی، (۷۶) میں نے تجھ سے خُلع کیا، (۷۷) اپنے میکے بیٹھ، (۷۸) تیری باگ ڈِھیلی کی، (۷۹) تیری رَسّی چھوڑ دی، (۸۰) تیری لگام اُتار لی، (۸۱) اپنے رفیقوں سے جا مِل، (۸۲) مجھے تجھ پر کچھ اختیار نہیں **ھو کقولہ لاسبیل لی علیك** (جیسا کہ اس کا قول ''مجھے تجھ پر چارہ نہیں''۔ت) (۸۳) خاوند تلاش کر۔

(۱) مجھے تیری حاجت نہیں، (۲) مجھے تجھ سے سروکار نہیں، (۳) تجھ سے مجھے کام نہیں، (۴) غرض نہیں، (۵) مطلب نہیں، (۶) تو مجھے دَرکار نہیں، (۷) تجھ سے مجھے رغبت نہیں، (۸) میں تجھے نہیں چاہتا، یہ محض مہمل ہیں اگرچہ نیت کرے۔ ہندیہ میں ہے: اگر کہا ''مجھے تجھ میں حاجت نہیں ہے''، طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ سراج وہاج میں مذکور ہے، اور جب یُوں کہا: ''میں تجھے نہیں چاہتا'' یا ''میں تجھے پسند نہیں کرتا'' یا ''میں تجھ میں خواہش نہیں رکھتا'' یا ''مجھے تجھ میں دلچسپی نہیں''، تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت کی ہو، یہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے، بحرالرائق نے ایسے ہی بیان کیا۔ (ت)

(۸۴) میں تجھ سے جُدا ہُوں یا ہوا (فقط میں جُدا ہُوں یا ہوا کافی نہیں اگرچہ بنیتِ طلاق کہے) (۸۵) میں نے تجھے جُدا کردیا، (۸۶) میں نے تجھ سے جُدائی کی، (۸۷) تو خودمختار ہے، (۸۸) تو آزاد ہے، (۸۹) مجھ میں تجھ میں نکاح نہیں، (۹۰) مجھ میں تجھ میں نکاح باقی نہ رہا، (۹۱) میں نے تجھے تیرے گھر والوں یا (۹۲) باپ یا (۹۳) ماں یا (۹۴) خاوندوں کو دیا یا (۹۵) خود تجھ کو دے ڈالا (اور تیرے بھائی یا ماموں یا چچا یا کسی اجنبی کو کہا تو کُچھ نہیں) (۹۶) مجھ میں تجھ میں کچھ معاملہ نہ رہا یا تجھ میں مجھ میں کچھ شئ نہیں اگرچہ نیت کرے، (۹۷) میں تیرے نکاح سے بری ہُوں، (۹۸) بیزار ہوں، (۹۹) مجھ سے

دُور ہوجا،(١٠٠) مجھے صورت نہ دکھا،(١٠١) کنارے ہو،(١٠٢) تُو نے مجھ سے نجات پائی،(١٠٣) الگ ہو،(١٠٤) میں نے تیرا پاؤں کھول دیا (١٠٥)میں نے تجھے آزاد کیا،(١٠٦) آزاد ہوجا،(١٠٧) تیری بند کٹی،(١٠٨) تُو بے قید ہے،(١٠٩) میں تجھ سے بری ہُوں،(١١٠) اپنا نکاح کر،(١١١)جس سے چاہے نکاح کرلے،(١١٢) میں تجھ سے بیزار ہُوا،(١١٣) میرے لئے تجھ پر نکاح نہیں،(١١٤) میں نے تیرا نکاح فسخ کیا،(١١٥) تجھ پر چاروں راہیں کھول دیں(اور اگر یُوں کہا کہ ''تجھ پر چاروں کُھلی ہیں'' تو کچھ نہیں جب تک یہ بھی نہ کہے ''جو راستہ چاہے اختیار کر'')(١١٧) میں تجھ سے دست بردار ہُوا(١١٨) میں نے تجھے تیرے گھر والوں یا(١١٩)باپ یا(١٢٠) ماں کو واپس دیا،(١٢١) تو میری عصمت سے نکل گئی،(١٢٢) میں نے تیری مِلک سے شرعی طور پر اپنا نام اُتار دیا،(١٢٣) تو میرے لائق نہیں قیامت تک یا(١٢٤) عمر بھر،(١٢٥) تو مجھ سے ایسی دُور ہے جیسے مکہ معظّمہ مدینہ طیبہ سے یا دِلّی لکھنؤ سے،**ان سب (١٢٥)صورتوں میں اگر طلاق کی نیت ہو طلاقِ بائن پڑ جائے گی۔**

تو(١)مطلقہ بائنہ ہے(بے حرف عطف)یا تو (٢) مطلقہ پس بائنہ ہے (٣) تجھ پر سب سے فحش تر طلاق،(٤) شیطانی طلاق،(٥) بدعت کی طلاق،(٦) بدتر طلاق،(٧) پہاڑ کی مثل،(٨) ہزار کے مثل،(٩) کوٹھری بھر کے (١٠) سخت یا(١١) لمبی یا(١٢) چوڑی طلاق،(١٣) سب سے بُری،(١٤) سب سے کڑی،(١٥) سب سے گندی،(١٦) سب سے ناپاک،(١٧) سب سے کڑی،(١٨) سب سے بڑی،(١٩) سب سے چوڑی،(٢٠) سب سے لمبی،(٢١) سب سے موٹی طلاق،(٢٢) کلاں تر طلاق،(٢٣) تجھ پر ایسی طلاق جس سے تُو اپنے اختیار میں ہوجائے،(٢٤) تجھ پر بائن طلاق،(٢٥) تجھ پر وہ طلاق جس میں مجھے رجعت کا اختیار نہیں، اس میں بالاتفاق ہمارے ائمہ کے مذہب میں طلاقِ بائن ہوگی۔ اور اگر یہ کہا: ''تجھ پر طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجعت کا اختیار نہیں'' جوہرہ میں فرمایا کہ اس میں رجعی ہوگی، اور بائن ہونے کو ضعیف بتایا مگر تبیین الحقائق اور غایۃ البیان اور فتح القدیر میں فرمایا کہ اوّل تو ہمیں رجعی ہونا مسلّم نہیں اور ہو بھی تو اس کی وجہ یہ ہے ''یہ ایک بحث ہے جس سے اَصلاً مذہب ہمارے ائمہ کا اس صورت میں وقوعِ بائن ہونا ثابت نہیں ہوتا اگرچہ بحر الرائق میں اسی بحث کی بناء پر جزم فرمایا کہ یہاں وقوعِ بائن ہمارا مذہب ہے''۔

اس کے سوا **تیسری صورت ایک** اور ہے وُہ یہ کہ '' تجھے طلاق ہے اور مجھے رجعت کا اختیار نہیں''، اس میں بلاشبہ رجعی ہوگی)یُونہی اگر کہا ''تجھ پر طلاق ہے اس شرط پر کہ اس کے بعد رجعت نہیں'' بلکہ یُوں کہا ''تجھ پر وُہ طلاق ہے جس کے بعد رجعت نہیں'' بلکہ یُوں کہا کہ '' تجھ پر وُہ طلاق ہے جس کے بعد رجعت نہ ہوگی'' تو ان سب صورتوں میں بلاخلاف رجعی ہونا چاہئے،(٢٧) مجھ سے پردہ کر، كما تقدم عن الشامي وهو قوله إستتري مني۔جیسا کہ شامی کا بیان گزرا اور وہ، ''تو مجھ سے پردہ کر''۔(ت)(٢٨) اے حرام،(٢٩) تو حرام ہے،(٣٠) تو مجھ پر حرام ہے،(٣١) میں نے تجھے حرام کیا،(٣٢) میں نے تجھے اپنے اُوپر حرام کیا،(٣٣) میں تجھ پر حرام ہوں،(٣٤) میں نے اپنے آپ کو تجھ پر حرام کیا، یہاں فقط میں حرام ہوں یا میں نے اپنے آپ کو حرام کیا کافی نہیں جب تک '' تجھ پر'' نہ کہے۔(٣٥) ہزار طلاق کے برابر ایک طلاق،**ان سب (٣٥)صورتوں میں بے حاجتِ نیت طلاقِ بائن کا حکم دیا جائے گا۔**

رجعی کے بعض الفاظ یہ ہیں

(1) میں نے تجھے طلاق دی، (2) اے مُطلَّقہ بتشدیدِ لام، (3) اے طلاق گرفتہ، (4) اے طلاق دی گئی، (5) اے طلاقَن، (6) اے طلاق شُدہ، (7) اے طلاق یافتہ، (8) اے طلاق کردہ، (9) اے طلاق دادہ، مگر اس عورت نے اگر اپنے پہلے شوہر سے طلاق پائی تھی بایں معنی اس نے یہ آٹھ الفاظ کہے تو طلاق نہ ہوگی، خانیہ میں ہے: اگر خاوند نے بیوی کو کہا ''اے طلاق دی ہُوئی'' جبکہ اس بیوی کو پہلے کسی خاوند نے طلاق دی تھی، تو اگر خاوند نے پہلے واقعہ کی حکایت کی نیت نہ کی تو طلاق ہو جائے گی، اور اگر اس نے کہا کہ میں نے پہلے واقعہ کی حکایت اور خبر دی ہے تو دیانۃً یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات کو تسلیم کیا جائے گا، لیکن کیا قضاءً بھی اس کی بات تسلیم کی جائے گی یا نہیں؟ اس میں روایات کا اختلاف ہے، اور صحیح یہ ہے کہ تصدیق کی جائے اور طلاق نہ ہونے کا فیصلہ دیا جائے گا۔(ت) (10) میں نے تجھے چھوڑ دیا، (11) میں نے تجھے فارغخطی یا (12) فارکھتی دی۔ تو یہ لفظ کسی لوگوں کی زبان میں صریح طلاق کے معنیٰ میں ہے بلکہ بہت سے لوگ اس کے علاوہ کوئی لفظ طلاق کے لئے سمجھتے ہی نہیں، اور یہ بات مسلّمہ ہے حلف والے کی کلام کو اس کے خاص عرف پر محمول کیا جائے گا اور اس عرف کا تمام لوگوں میں معروف ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ اس پر محقق ابن ہمام نے تصریح کی ہے (ت) (13) تجھے تیرے شوہر نے طلاق دی، اس کا بھی وہی حکم ہے، (15) تجھ پر طلاق (16) طلاق ہوجا (17) تو طلاق ہے، (18) تو طلاق ہوگئی (19) طلاق لے، (20) وُہ باہر جاتی تھی کہ کہا: طلاق لئے جا، (21) اپنی طلاق اُٹھا اور روانہ ہو، (22) میں نے تیری طلاق تیرے آنچل میں باندھ دی، (23) جا تجھ پر طلاق (اور اگر صرف ''جا'' بنیّتِ طلاق کہتا تو بائن تھی) (24) تجھے طلاق یا (25) طلاق تجھ کو، یُوں ہی وہ الفاظ جو کچّی زبان والے کہتے ہیں، مثلاً (26) تلاق، (27) تلاک، (28) تلاغ، (29) تلاکھ، (30) تلاخ، (31) تلاّ کھ، (32) تلاّ خ ھٰذا ن بتشدید اللام (یہ دونوں الفاظ لام مشدّد کے ساتھ بھی ہیں۔ت) (33) بلکہ توتلے کی زبان سے تلات، کسی نے کہا: تیری عورت پر طلاق ہے کہا (34) ہاں یا (35) کیوں نہیں، مگر جب ایسی سخت آواز ایسے لہجہ سے کہا جس سے انکار و عدمِ اِقرار سمجھا جائے، یہ فائدہ اکثر جگہ قابلِ لحاظ ہے **فی الخانیۃ والخزانۃ وغیرھما** (خانیہ اور خزانہ وغیرہما میں ہے۔ت) یا (36 کہا تیری عورت پر طلاق نہیں، کہا کیوں نہیں (اور اگر کہے نہ یا ہاں تو طلاق نہ ہوگی) (37) تجھے طلاق ہے اور مجھے اختیارِ رجعت نہیں، (38) تجھ پر طلاق ہے نہ پھیرے تجھے کوئی قاضی نہ حاکم نہ عالم، (40,39) تو مذہبِ یہود یا نصارٰی یا چاروں مذہب یا (41) سب مذاہبِ مسلمین پر مطلّقہ، (42) جا تجھے طلاق ہے، (43) سوئروں یا یہودیوں کو حلال اور مجھ پر حرام ہو، (44) تو مطلّقہ اور بائنہ یا (45) مطلّقہ پھر بائنہ ہے، مگر جبکہ ہر لفظ سے جُدا طلاق کی نیت کی ہو تو دو بائنہ ہیں، (46) عورت کے بیٹے کو دیکھ کر کہا: اے طلاقن کے جنے، (47) اے مادر طلاقہ **(عـــہ ۱)**[1]، **اَقُول:** (اس میں بھی وہی تفصیل چاہئے جو لفظ مطلّقہ (1 تا 9) وغیرہ میں گزری **کما لا یخفی** (جیسا کہ مخفی

---

[1] **عـــہ ۱:** اصل (قلمی نسخہ) میں ایسے ہی ہے اور ممکن ہے یہ ناقل کی غلطی ہو، میرے خیال میں درست یوں ہے اے مادرت شش طلاقہ، جیسا کہ ہندیہ سے آئے گا ۱۲ فقیر حامد رضا قادری

نہیں۔ت)

(48) تجھ پر پوری یا (49) آدھی یا (50) تہائی وغیرہ (51) تجھ پر طلاق کا ہزارواں حصہ، (52) تجھ پر کم درجہ کی طلاق، (53) تیرے پر نصف، (54) تیرے چوتھائی پر طلاق، (55) تیرے ہزارویں ٹکڑے پر طلاق، (56) تیری روح پر طلاق، (57) تیری جان پر طلاق، (58) تیری ناک پر طلاق (اور اگر اَنف یا بینی پر کہے یا عربی فارسی میں ''اَنْفُكِ طَالِقٌ، بَرَبینی تو طلاق'' (تیری ناک پر طلاق۔ت) کہے تو کچھ نہیں، برعکس اس کے عربی میں ''عُنُقُكِ طالق یا فَرْجُكِ طالق (تیری گردن کو طلاق یا تیری شرمگاہ کو طلاق۔ت)'' کہے، طلاق ہوجائے گی، اور اُردو میں تیری عُنُق یا گردن یا فَرج پر طلاق کہے تو کچھ نہیں جبکہ لفظِ فرج یا اس کا اور مُرادِف بولے جس سے عرفِ ہند میں کُل عورت مراد نہ لیتے ہوں اگرچہ خاص اردو ہی کا لفظ ہو، وجہ یہ ہے کہ یہاں خاص وُہ لفظ ہونا چاہئے جس سے اُس زبان میں انسان کی ذات کو تعبیر کرتے ہوں، عربی میں عُنُق وفَرج ایسے ہی ہیں اور ہماری زبان میں عُنُق وگردن وخاص لفظِ فرج، اَنف، وبینی وغیرہ ایسے نہیں، اور ہمارے یہاں کا یہ عام محاورہ ہے کہ فلاں شخص شہر بھر کی ناک ہے، خاندان کی ناک ہے، عورت موم کی ناک ہے، تو ظاہر اس میں طلاق ہوجانا چاہئے۔ اسی طرح فرج کا وُہ نام جس سے کل عورت مراد لیتے ہوں۔

کسی سے اپنی عورت کی نسبت کہا: اُسے اس کی طلاق کی خبر دے یا (61) مژدہ دے یا (62) اس کی طلاق کی خبر اس کے پاس لے جا یا (63) اُسے خبر دے یا (64) اسے لکھ بھیج یا (65) اس سے کہہ کہ وہ مطلّقہ ہے یا (66) اس کے لئے اس کی طلاق کی سند یا (67) یاداشت لکھ دے ابھی طلاق ہوگئی اگرچہ یہ اُس سے نہ کہے، نہ لکھے، اور یُوں کہا کہ اس سے کہہ کہ تُو مطلّقہ ہے تو جب جا کر کہے گا اس وقت پڑے گی ورنہ نہیں، (68) میں تجھے طلاق دیتا ہُوں، (69) میں تجھے چھوڑتا ہوں، ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ مضارع کا صیغہ جب حال کے لئے غالبُ الاستعمال ہوتو یہ طلاقِ صریح میں شمار ہوگا، قلتُ (میں کہتا ہوں) اور اگر خالص حال کے لئے ہوتو پھر بطریقِ اَولیٰ صریح ہوگا جبکہ ''چھوڑنا'' کا لفظ ہماری زبان میں طلاق میں صریح ہے (ت) ہاں اگر عزم وارادہ کی نیت پر کہے گا بایں معنیٰ کہ تجھے طلاق دیا چاہتا ہوں تو عنداللہ طلاق نہ ہوگی، فتاوٰی خیریہ میں ہے: مضارع میں خاوند کی بات پر دِیانۃً تصدیق بہرحال ہوگی اگرچہ وہ مضارع، حال کے معنیٰ میں غالب ہو۔ (ت) (70) تجھ پر دو مہینے سے طلاق ہے اور واقع میں نہ دی تھی ابھی پڑگئی بشرطیکہ نکاح کو دو مہینے سے کم نہ ہوئے ہوں ورنہ کچھ نہیں، اور اگر جُھوٹی خبر کی نیت تھی تو عنداللہ کچھ نہیں یہ (قاعدہ) ہر صیغۂ خبر میں جاری ہے، (71) تجھ پر دو برس تک طلاق ہے، اس میں دو برس بعد پڑے گی، (72) تجھ پر یہاں سے عرب تک طلاق، اور اگر یُوں کہا کہ اتنی لمبی یا بڑی طلاق تو بائن ہوگی، (73) تُو فلاں عورت سے زیادہ مطلّقہ ہے، طلاق ہوجائے گی اگرچہ فلاں عورت مطلّقہ نہ بھی ہو۔

ان سب (سابقہ ۷۳) صورتوں میں بےحاجتِ نیت طلاقِ رجعی پڑتی ہے۔

(1) اے مُطْلَقَہ بسکونِ طاء، فی الدر انت مُطْلَقَة بالتخفیف (دُر میں ہے خاوند نے مُطْلَقَہ یعنی ط پر جزم کے ساتھ بیوی کو کہا: تُو مُطْلَقَہ ہے۔ت) (2) میں نے تیری طلاق چھوڑ دی، (3) میں نے تیری طلاق روانہ کردی، (4) میں نے تیری طلاق کا راستہ چھوڑ دیا، فی ردالمحتار قوله خلیت سبیل طلاقك و كذا خلیت طلاقك او تركت

طلاقك ان نوی وقع والا فلا خانیہ ردالمحتار میں ہے: خاوند نے کہا: میں نے تیری طلاق کا راستہ چھوڑ دیا، میں نے تیری طلاق روانہ کردی، میں نے تیری طلاق چھوڑ دی تو اگر نیّت کی تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں، خانیہ۔ت) (5) تجھ پر ط، ل، ا، ق۔ (6) تجھ پر طا، لام، الف، قاف۔ (7) میں نے تیری طلاق تجھے ہبہ کی، (8) قرض دی، (9) تیرے پاس (گروی) کی، (10) امانت رکھی، (11) میں نے تیری طلاق چاہی، (12) تیرے لئے طلاق ہے، (13) اللہ نے تیری طلاق چاہی، (14) اللہ تعالیٰ نے تیری طلاق مقدّر کی، (15) میں نے تیری طلاق تیرے ہاتھ بیچی، عورت نے کہا: میں نے خریدی اور کسی عوضِ مالی کا ذکر نہ ہُوا ورنہ بائن ہوگی، (16) میں نے تجھے اس عوض پر طلاق دی کہ تُو اتنے دنوں کے لئے اپنا فلاں مطالبہ مجھ سے ہٹادے۔ (17) میں نے طلاق تیرے دامن میں رکھ دی (عہ ا)[1] (18) عدت بیٹھ (19) تجھ پر ایک، (20) تجھ پر دو، اس میں دو طلاقیں رجعی بحالتِ نیّت پڑیں گی۔

ان سب (۲۰ صورتوں) میں نیت کی حاجت ہے اگر نیت نہیں تو کچھ نہیں اور ہے تو طلاقِ رجعی (عہ ۲)[2] ص513 تا 552

طلاق کی یہ بارہ صورتیں منع ہیں

(1) بے وجہ بے سبب طلاق دینا فی نفسہٖ ناپسندیدہ بلکہ شرعاً مذموم ہے (2) خصوصاً بائن کہ بے ضرورت محض بدعت وممنوع ہے۔ عورت کا معاذاللہ فاحشہ ہونا اگرچہ سب سے بڑھ کر اجازتِ طلاق کی وجہ، مگر بائن کی بھی کاربرآری ممکن کہ طلاقِ رجعی بطورِ مسنون دے اور رجعت نہ کرے خود ہی بائن ہوجائے گی، وقتِ طلاق میں بھی یہ خصوصیت ہے کہ زنِ مدخولہ کو (3) حیض یا (4) نفاس میں طلاق نہ دے مگر خلع وغیرہ جو طلاق مال کے عوض ہو وہ اس حال میں بھی جائز ہے (5) عورت کی عمر اگر نو برس سے کم ہے (6) یا پچپن تک پہنچ چکی ہو (7) یا جوان تو ہوئی مگر حیض کبھی نہ آیا (8) یا حاملہ ہے تو ایسی عورت کو ایک مہینے میں دو طلاق نہ دے، اور (9) جو عورت ان چار کے علاوہ ہے اُسے ایسی پاکی میں نہ دے کہ اس میں یا (10) اس سے پہلے کے حیض میں یہ اسے طلاق دے چکا، یا (11) اُن میں یا (12) دھوکے سے دُوسرا شخص اس سے جماع کرچکا ہے، طلاق میں یہ بارہ صورتیں منع ہیں، پھر ان سب ممانعتوں کے یہ معنیٰ کہ مرداُن کے خلاف سے گنہگار ہوگا ورنہ طلاق تو بہرحال پڑ جاتی ہے جب تک عورت پر قیدِ نکاح یا عدّت اور مرد کے ہاتھ میں کوئی طلاق باقی ہے۔ ص552

---

[1]: **عہ ا: اَقول** شاید مسئلۂ دامن ومسئلۂ سابقہ چادر میں فرق بوجہ اِضافت وعدمِ اضافتِ طلاق ہے کہ وہاں یہ کہا تھا: تیری طلاق تیرے آنچل باندھی، لہذا بے نیّت پڑگئی، یہاں صرف طلاق کہا، تیری طلاق نہ کہا، لہذا نیّت پر رہی، **وليحرر، والله سبحٰنه وتعالیٰ اعلم منه**

[2]: عہ ۲: اصل میں اتنی عبارت اور زائد ہے یہ دوسوبیس ۲۲۰ الفاظِ طلاق ہیں جن میں سے ایک سوتیس ۱۳۰ سے بائن پڑتی ہے، نوے ۹۰ سے رجعی۔ دونوں میں نانوے سے بے نیّت، باقی سے مَنوِی، اور ہنوز ہرقسم میں زیادت کو اور الفاظِ باقی اقوال بعد تکمیلِ الفاظ اضافہ فرمائے گئے لہذا منوی ایک سو پینتالیس، غیر منوی ایک سو آٹھ، یہ کل دوسوترپن الفاظ ہیں، ایک سوساٹھ ۱۶۰ سے بائن اور ترانوے رجعی۔ ۱۲ حامد رضا غفرلہ۔

مرد جسے اپنی عورت کو طلاق کا اختیار دے تو؟

مرد جسے اپنی عورت کو طلاق کا اختیار دے اس میں حکم یہ ہے کہ وہ اختیار اسی جلسہ تک باقی رہتا ہے اگر وہ شخص بِلاضرورت خواہ کسی ایسی ضرورت کے لئے جو اس کارِ طلاق سے متعلق نہ تھی اُٹھ جائے یا وہیں بیٹھا کسی اور کام بلکہ بے علاقہ کلام میں مشغول ہوجائے تو وُہ اختیار زائل ہوجاتا ہے۔ص564

فضولی شخص کی تحریری طلاق کا حکم

فضولی شخص جسے شوہر کی طرف سے اَمر یا اِذنِ تحریر نہیں یا نہ رہاوُہ اگر عورت کی طلاق لکھ لائے تو اس کا نفاذ اِجازتِ شوہر پر موقوف رہتا ہے اگر وہ اس کے مضمون پر مطلع ہوکر اس تحریر کو نافذ کردے مثلاً صراحۃً کہہ دے کہ میں نے جائز کیا یا اجازت دی یا نفاذ دیا کوئی فعل ایسا کرے جو نافذ کرنے پر دلیل ہو مثلاً اس پر اپنے دستخط کردے یا اپنی طرف سے عورت کے پاس روانہ کرے یا بھیجنے کو کہے تو وہ تحریر نافذ ہوجاتی اور گویا خود شوہر کی تحریر قرار پاتی ہے ورنہ نہیں،اور پُرظاہر کہ تنفیذ کے لئے صرف مضمون پر مطلع ہونا درکار ہے اور وُہ اس میں منحصر نہیں کہ حرف بحرف اسے پڑھوا کر سنے بلکہ آپ پڑھ لے یا دیکھ لے یا دوسرا پڑھ دے یا اس کا خلاصۂ مضمون بتادے ہر طرح حاصل ہے۔اور بے اطلاعِ مضمون مہر کردی تو البتہ طلاق نہ ہوئی۔ص566

بائنہ طلاق کے بعد دوسری بائنہ اس کو کب لاحق نہیں ہوسکتی

تمام متون وشروح وفتاوٰی میں تصریح ہے کہ کنایہ بائنہ،طلاقِ بائن کے بعد طلاقِ جدید نہیں ٹھہرتا بلکہ اسی طلاقِ اَوّل سے اِخبار ہوتا ہے (مگر ایسے الفاظ سے واضح کہے جو دوسرے معنی کا احتمال نہ رکھتا ہو۔ت) درمختار میں ہے: بائنہ طلاق بائنہ کو لاحق نہیں ہوسکتی جب دوسری بائنہ پہلی سے حکایت وخبر ہو مثلاً ''تو بائن بائن ہے'' یا ''میں نے تجھے ایک طلاق سے بائنہ کیا'' تو دوسری بائنہ واقع نہ ہوگی،کیونکہ پہلی سے حکایت وخبر ہے،لہٰذا اس کو اِنشاء بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔اس کے برخلاف جب یُوں کہے ''میں نے تجھے دوسری بائنہ طلاق دی''۔(ت)۔ص585

جلد نمبر 13
بابُ تعلیقِ الطلاق (تعلیقِ طلاق کا بیان)

زید نے اپنی پہلی زوجہ ہندہ کے نکاح سے قبل وعدہ کیا تھا کہ اگر بلا اجازت اس زوجہ مسمی بہ ہندہ کے نکاحِ ثانی کروں تو زوجہ ثانی کو تین طلاق، اس صورت میں کیا حکم ہی؟

حاصلِ حکم یہ کہ اگر بعد نکاحِ ہندہ بحالتِ حیاتِ ہندہ اگرچہ بعدِ طلاقِ ہندہ بے اِذنِ ہندہ کسی عورت سے نکاح کرے گا تو نکاح کرتے ہی فوراً وہ زوجہ ثانیہ تین طلاقوں سے مطلّقہ ہوجائے گی مگر اس کا اَثر صرف ایک بار ہوکر ختم ہوجائے گا یعنی اس کے بعد اگر پھر اور نکاح بے اذنِ ہندہ کرے گا اگرچہ بعد حلالہ اسی زوجہ ثانیہ سے، تو اب طلاق نہ ہوگی کہ تعلیق میں تعمیم نہ تھی کہ جتنے نکاح بے اذن کرے سب میں طلاق پڑے، لہذا صرف ایک بار پر اِنتہا ہوکر آئندہ کچھ اثر نہ ڈالے گی، تنویر میں ہے کہ قسم ایک دفعہ شرط کے پائے جانے سے ختم ہوجاتی ہے اِلَّا یہ کہ اس نے قسم میں "کُلَّمَا" (جب بھی) کا لفظ استعمال کیا ہو تو قسم ختم نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص105

زید نے وقتِ نکاح اپنی زوجہ ہندہ سے یہ شرط کی کہ اگر بلا اجازت تیرے نکاحِ ثانی کروں تو تجھ کو تین طلاق؟

اگر یہ شرط ایجاب وقبول سے پہلے کی، اگرچہ اس کے متصل بلافصل ہی ایجاب وقبول واقع ہوئے جب تو محض باطل و بے اثر ہے **لعدم الملك والاضافة جميعا** (ملکیت اور اس کی طرف اضافت بھی نہ ہونے کی وجہ سے۔ت) پس اگر سو نکاح بے اجازتِ ہندہ کرے گا ہندہ پر طلاق نہ ہوگی اور اگر بعد ایجاب وقبول کی، اگرچہ فوراً بلا تاخیر تو یقیناً صحیح ہوگئی **لو قوعه فی الملك** (ملکیت میں وقوع کی وجہ سے۔ت) اب جب تک ہندہ اس کے نکاح یا عدتِ طلاقِ غیر مغلظ میں (ہے) بے اجازتِ ہندہ نکاحِ ثانی کرے گا ہندہ پر تین طلاقیں ہوجائیں گی۔ ہاں اگر اس نکاحِ ثانی سے پہلے ہندہ کو طلاقیں ایک یا دو دیں اور عدت گزر گئی اور اسی حالت میں کہ وہ اس کے نکاح سے باہر ہے بے اس کی اجازت کے نکاحِ ثانی کیا تو ہندہ پر طلاق نہ ہوگی کہ اس حالت میں وہ طلاق کی محل ہی نہیں اور اس نکاحِ ثانی سے وہ تعلیق ختم ہوجائے گی یہاں تک کہ اب اگر ہندہ سے پھر نکاح کرے اور اس کے بعد کتنے ہی نکاح بے اجازتِ ہندہ کرے تو ہندہ پر طلاق نہ ہوگی، یونہی اگر ہندہ کو قبل اَز نکاحِ ثانی تین طلاقیں دے دیں تو اب کسی صورت میں نکاحِ ثانی بے اجازتِ ہندہ سے ہندہ پر طلاق نہ پڑے گی اگرچہ یہ نکاح اس وقت کرے جبکہ ہندہ بعدِ حلالہ اس کے نکاح میں آچکی ہو (تین غیر معلق طلاقوں کے باعث تعلیق ختم ہونے کی وجہ سے۔ت)

اور اگر زید نے یہ شرط نفسِ ایجاب وقبول میں کی تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) اگر پہلے زید نے کہا کہ میں تجھے اپنے نکاح میں لایا اس شرط پر کہ اگر تیری بے اجازت کے نکاحِ ثانی کروں تو تجھ پر تین طلاق، ہندہ نے کہا: میں نے قبول کیا، تو اس کا حکم مثلِ صورتِ اُولیٰ ہے یعنی شرط محض باطل و بے اَثر ہے کہ جب تک ہندہ

نے قبول نہ کیا تھاؤ ہ اس کی زوجہ نہ ہوئی تھی تو اس کی تعلیق پر بے حصولِ ملک یا اضافہ بہ مِلک اسے کچھ اختیار نہ تھا۔

(۲) اور اگر پہلے ہندہ نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا، زید نے کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ اگر بے تیری اجازت اِلیٰ اٰخرہٖ تو شرط صحیح ہوگئی، اور وقوعِ طلاق کے وہی احکام ہوں گے جو اُوپر گزرے کہ جب کلامِ اَوّل جانبِ ہندہ سے تھا تو یہ تعلیق بعدِ تحقیقِ ایجاب وقبول وثبوتِ زوجیت متحقق ہوئی اور اس وقت اسے اختیارِ کامل تھا۔ص106

*** ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا سچا ارشاد روایت فرمایا جس کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے بڑا بد بخت وہ شخص ہے جو غیر کی دنیا کے لئے اپنی آخرت خراب کرے والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ص169**

دِیو بندی کا معنی شیطان کا غلام

دیو بندی تعلیم نے اس کی عقل کو دِیو بندی یعنی شیطان کا غلام نہ بنایا ہو۔ص176

*** تین طلاقوں کے بعد رجوع کا اختیار ختم ہوجاتا ہے۔ص185**

اپنی بڑائی، مال یا اپنی مقبولیت کے لئے بیان کرنا

اگر وہ وعظ اللہ عزوجل کے لئے کرتا ہے اور طلبِ مال یا اپنی شہرت وریاست مقصود نہیں اور اس کا وعظ مطابقِ شرع ہے ،اتنا علمِ دین کافی ووافی رکھتا ہے جس سے اسے وعظ کی اجازت ہو، جب تو ظاہر ہے کہ ایسے بندۂ خدا ہادیِ راہِ ہُدیٰ کا وعظ کہنا ہی اس کے، ان مسلمانوں کے سب کے حق میں بہتر ہے اور اگر ان باتوں سے کوئی بات کم ہے مثلاً علمِ دین کافی نہیں یا کسی غرضِ فاسد یا عقیدۂ فاسدہ کے باعث وعظ خلافِ شرع کہے جب تو ظاہر کہ اس کا وعظ اس کے اور مسلمانوں سب کے حق میں برا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من قال فی القراٰن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار جس نے بغیر علم قرآن کا مطلب بیان کیا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے۔(ت)

اور اگر مال یا شہرت مقصود ہے تو اگر چہ مسلمانوں کے لئے اس کا وعظ مفید ہو خود اس کے حق میں سخت مضر ہے، علماء فرماتے ہیں ایسی اَغراض کے لئے وعظ ضلالت اور یہود ونصاریٰ کی سنت ہے۔ درمختار میں ہے: منبر پر وعظ ونصیحت کرنا انبیاء اور مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔اپنی بڑائی، مال یا اپنی مقبولیت کے لئے وعظ کہنا یہود ونصاری کی گمرا ہی جیسے ہے۔ت)۔ص199

عَمرو سے اس کی بیوی نے طلاق طلب کی۔ عمرو نے یہ کہا کہ تو مہر بخش دے تو تین طلاق دوں گا۔ عورت نے یہ کہا اگر تم مجھے طلاق دو تو میں نے مہر بخش دیا۔ عورت نے تین مرتبہ یہ کہا کہ اگر میرا شوہر مجھے طلاق دے تو میں نے مہر بخش دیا۔ پھر عمرو نے دو مرتبہ یہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اگر عورت مدخولہ ہے دو طلاقیں ہوگئیں مگر جب تک عدت نہ گزرے رجعت کرسکتا ہے، مثلاً زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا وہ بدستور اس کی زوجہ رہے گی اگر اس سے پہلے کبھی کوئی طلاق نہ دے چکا ہو۔ اور اگر عورت غیرِ

مدخولہ ہے تو ایک طلاق بائن پڑی اور عورت نکاح سے نکل گئی، مگر اس کی رضا کے ساتھ عدت میں خواہ عدت کے بعد اس سے نکاح کر سکتا ہے رہا مہر وہ کسی حالت میں ساقط نہ ہوا بدستور باقی ہے، بزازیہ کتابُ البیوع میں ہے: **تعلیق الهبة بكلمة ان باطل۔** ہبہ کو کسی شرط سے معلق کرنا باطل ہے (ت) بیع وشراء، ہبہ اور حق کی وصولی سے کسی کو بری کرنا جیسی چیزوں کی تملیک کسی شرط سے معلق کرنا باطل ہے۔ (ملخصاً) **واللہ تعالیٰ اعلم** (ت)۔ص202

* **درمختار میں ہے: تعلیق کی صحت کے لئے مشروط کا ذکر ضروری ہے، تو یوں کہنا "تجھے طلاق ہے اگر" لغو قرار پائے گا، اسی پر فتوی ہے (ت)۔ص213**

* **چار اماموں چاروں مذہب کا اجماع ہے کہ تین طلاقیں ایک جگہ ایک وقت ایک ہی دفعہ ایک ہی لفظ میں واقع ہو جاتی ہیں۔** قال ابن عباس رضی تعالی عنهما بانت امرأتك وعصيت ربك ان لم تتق الله فلم يجعل لك مخرجا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا تیری بیوی بائنہ طلاق والی ہوگئی ہے اور تو نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اگر تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف نہ کرے گا تو پھر تیرے لئے اللہ تعالیٰ کوئی سبیل نہ فرمائے گا۔ ت) (سنن ابی داؤد) وہابی گمراہ بددین اس میں خلاف کرتے اور حرام کو حلال ٹھہراتے ہیں۔ص206

* **جو بے علم ہے اس کا حوالہ وصفحہ طلب کرنا اپنے منصب سے بڑھنا ہے اور اسے صفحہ بتانا فضول، اسے یہ حکم ہے کہ علماء سے دریافت کرے نہ یہ کہ صفحہ سطر جانچے۔ص217**

* جاہل کا حوالہ وہ بھی مع عبارت طلب کرنا سوءِ ادب ہے۔ (جلد12،ص570)

شرط پر مُعلَّق طلاق کا قاعدہ

قاعدہ یہ ہے کہ کسی شرط کے ساتھ معلق طلاق، اس شرط کے پائے جانے پر وقوع پذیر ہوتی ہے گویا کہ اس وقت اس نے طلاق کا تکلّم غیر مشروط طور پر کیا ہے اور غیر مدخولہ عورت یکبار تین طلاقوں کے وقوع کا محل ہے لہذا اگر خاوند نے غیر مدخولہ بیوی کو کہا: تجھے تین طلاق، یا کہا: تو اگر اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاق، تو پہلی صورت میں فوراً اور دوسری صورت میں اس کے گھر میں داخل ہونے پر تین طلاقیں ہو جائیں گی، بلکہ اگر متفرق طور پر تین طلاقیں کسی شرط سے معلق کردے بشرطیکہ ان متفرق طلاقوں کو لفظ "واؤ" یا "فاء" کے ساتھ بطورِ عطف ذکر کرے نہ کہ لفظ "ثُمَّ" کے ساتھ، اور شرط کا ذِکر اس کے بعد کرے، مثلاً یوں کہے تجھے طلاق وطلاق وطلاق اگر تُو فلاں کام کرے، تو اس صورت میں بھی شرط پائے جانے پر تین طلاقیں ہوں گی، کیونکہ واؤ اور فاء کا عطف سب کو ملا دیتا ہے اور جب اس کے بعد شرط ذِکر کی تو اس شرط نے پہلی پوری کلام کو معلق کردیا تو شرط کے پائے جانے پر اس سے معلق تینوں طلاقیں دَفعۃً واقع ہو جائیں گی لیکن اس کے برخلاف اگر غیر مدخولہ کو تین طلاقیں غیر مشروط طور پر متفرق دے مثلاً یوں کہے تجھے ایک طلاق اور دوسری طلاق اور تیسری یا تینوں کو متفرق طور پر ذکر کرے مگر شرط کو ان سے پہلے ذکر کرے مثلاً یوں کہے اگر تو نے فلاں کام کیا تو تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق، یا مشروط تین طلاقیں ذکر کرے مگر طلاقوں کو بغیر عطف شرط سے

پہلے ذِکر کر دیا ہو مثلاً یوں کہے تجھے طلاق طلاق طلاق اگر تو فلاں کام کرے، تو ان تینوں صورتوں میں متفرق شدہ طلاقوں میں سے ایک ہی طلاق ہوگی جو بائنہ ہو جائے گی اور باقی دو لغو ہو جائیں گی، کیونکہ ان میں سے پہلی صورت میں جب اس نے " تجھے ایک طلاق " کہا تو بیوی بغیر عدت نکاح سے خارج ہو جائے گی تو وہ اس کے بعد طلاق کا محل ہی نہ رہی تو باقی دو کے وقوع کے وقت بیوی طلاق کا محل نہ تھی لہذا وہ دونوں طلاقیں بیکار (لغو) ہو گئیں، اور دوسری صورت میں چونکہ شرط مقدم ہے اس لئے شرط کے وجود پر پہلی طلاق کے بعد باقی دو طلاقوں کا محل نہ رہی کیونکہ وہ پہلی طلاق کے ساتھ ہی بائنہ ہوگئی لہذا باقی دونوں لغو ہو گئیں، شرط کے پائے جانے پر گویا یوں کہا تجھے طلاق وطلاق وطلاق، تو یہ پہلی صورت کی طرح ہوگئی، اور تیسری صورت میں اس لئے کہ تعلیق کا تعلق صرف آخری طلاق سے ہوا کیونکہ طلاقوں کے بعد اس نے شرط ذکر کی جس نے تیسری طلاق کو وقوع سے روک دیا، اور پہلی دونوں عطف نہ ہونے کی وجہ سے تیسری کے ساتھ مربوط نہ ہو سکیں، لہذا وہ دونوں ذکر کرتے ہی غیر مشروط واقع ہو گئیں تو جب پہلی واقع ہوئی تو وہ بائنہ ہوگئی تو اس کے بعد وہ دوسری غیر مشروط اور تیسری معلق اور مشروط کا محل نہ رہی لہذا دوسری اور تیسری لغو ہو گئیں۔ص 226

خاوند کا بیوی کو کہنا کہ ''تو طلاق سمجھ لے'' یہ طلاق نہیں ہے۔ ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ کسی عورت نے اپنے خاوند کو کہا کہ مجھے طلاق دے تو خاوند نے جواب میں کہا: تُو طلاق دی ہوئی سمجھ یا کہا تُو طلاق کی ہوئی سمجھ لے تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ اس سے طلاق کی نیت کی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)۔ص 243

بابُ الْاِیْلاء (ایلاء کا بیان)

اِیلاء کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا حکم ہے اور اس سے طلاق مُغلَّظہ پڑتی ہے یا نہیں؟

اِیلاء کے یہ معنی کہ مرد اپنی عورت سے جماع کی قسم کھالے یا تعلیق کرے یعنی یوں کہے کہ اس سے جماع کروں تو مجھ پر یہ جزا لازم آئے، اور یہ قسم و تعلیق یا تو مطلق ہوں مثلاً وَاللہِ (اللہ کی قسم) میں تجھ سے جماع نہ کروں گا، یا تجھ سے جماع کروں تو مجھ پر روزہ لازم، یا مؤبّد یعنی صراحۃً ہمیشہ کے لئے ہوں مثلاً خدا کی قسم میں تجھ سے کبھی صحبت نہ کروں گا، یا تجھ سے کبھی صحبت کروں تو مجھ پر حج واجب ہو، یا کسی خاص مدت کے لئے ہوں تو وہ مدت چار مہینے سے کم نہ ہو مثلاً مجھے قسم ہے چار مہینے تک تیرے پاس نہ جاؤں گا، یا پانچ مہینے تک تجھ سے وطی کروں تو مجھ پر سو رکعت نماز لازم، اور تعلیق کی صورت میں یہ بھی ضرور کہ وہ امر جس کا لازم آنا کہے اس میں مشقت ہو جیسے اَمثلۂ مذکورہ، یا یہ کہ میرا غلام آزاد ہے، یا تجھ پر طلاق ہے، یا میرا مال خیرات ہے، یا مجھ پر قسم کا کفارہ ہو وغیر ذلک، اور وہ شرعاً تعلیق کہے سے بھی لازم آ سکتا ہو جیسے نماز، روزہ، حج، صدقہ، اعتکاف، عمرہ، عِتق، طلاق، کفارہ، وغیرہا، نہ مثلِ وضو و غسل و تلاوتِ قرآن و سجدۂ تلاوت و اِتباعِ جنازہ وغیرہ کے یہ چیزیں نذر و تعلیق سے لازم نہیں ہو جاتیں، اور یہ قسم و تعلیق ایسے طور پر واقع ہو کہ بے کسی چیز کے لازم آئے اَصلاً مَفَرّ نہ رہے، ایسی صورت نہ نکل سکے کہ یہ اس عورت سے جماع کرے اور کچھ لازم نہ آئے، جب یہ پانچوں باتیں جمع ہوں گی اِیلاء ہوگا اور ایک بھی کم ہوئی تو نہیں، مثلاً نہ قسم کھائی نہ تعلیق، خالی عہد کر لیا کہ عمر بھر تیرے پاس نہ جاؤں گا یہ کچھ بھی نہیں کہ خالی عہد سے کچھ نہیں ہوتا، یا قسم و تعلیق تو ذکر کی مگر مدت چار مہینے سے کم

رکھی اگرچہ ایک ہی ساعت کم، یہ ایلاء نہ ہوا، جتنی مدت کی قید لگائی ہے اس کے اندر جماع کیا تو بصورتِ قسم خاص کفارہ اور بصورتِ تعلیق روزہ وغیرہ جو کچھ لازم آنا کہا تھا خواہ مثلِ قسم کفارہ لازم آئے گا کہ یہ حکم تو اس قسم وتعلیق کا ہے، مگر مدت بے جماع گزر گئی تو عورت نکاح سے نہ نکلے گی جو خاص حکمِ ایلاء ہے، یونہی اگر تعلیق میں دو رکعت نماز لازم آنی کہے تو ایلاء نہیں کہ دو رکعت میں کچھ مشقت نہیں، اگر مدت کے اندر پاس گیا تو دو رکعتیں پڑھنی ہوں گی اور مدت خالی گزر گئی تو کچھ نہیں، اور اگر تعلیق میں تلاوتِ قرآن وغیرہ اشیائے غیرِ لازمہ ذکر کیں تو محض مہمل، نہ مدت گزرنے پر طلاق پڑی نہ مدت کے اندر صحبت کرنے سے کچھ لازم، اسی طرح اگر یوں کہا کہ وَاللہِ میں اس گھر میں تجھ سے وطی نہ کروں گا یا اس شہر میں تجھے کبھی ہاتھ لگاؤں تو مجھ پر سوحج لازم، یہ بھی ایلاء نہیں کہ جب اس گھر یا شہر کی تخصیص ہے تو بغیر کچھ لازم آئے مَفَرّ موجود ہے جب چاہے اس گھر یا شہر سے باہر لے جا کر جماع کرسکتا ہے کچھ بھی لازم نہ آئے گا، بس بے جماع چار مہینے نہیں کتنی ہی مدت گزر جائے طلاق نہ ہوگی، ہاں وہ قسم یا تعلیق جھوٹی کی تو اس کا جرمانہ اسی طرح دینا ہوگا کہ قسم میں خاص کفارہ اور تعلیق میں اختیار ہے چاہے وہ چیز بجالائے جو لازم مانی تھی چاہے قسم کے مثل کفارہ دے لے علٰی ہذا القیاس جس جس صورت میں بغیر کچھ لازم آئے مفرّ ملتی ہو ایلا نہیں، ان سب قیود واَحکام کی تصریح وتفصیل درمختار وردالمحتار میں ہے (جس کا جی چاہے ان کی طرف رجوع کرے۔ت) پھر جب ایلاء متحقق ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ چار مہینے کے اندر اس عورت سے جماع کیا تو بتفصیلِ معلوم قسم کا کفارہ یا وہی امرِ شاق جس کا لازم آنا کہا تھا لازم آئے گا اور چار مہینے گزر گئے کہ اس سے جماع نہ کیا یا جماع مثلاً بوجہ مرض یا حبس یا دُوریِ مسافت کہ مدت کے اندر عورت تک نہیں پہنچ سکتا ناممکن تھا تو زبانی رجوع نہ کیا مثلاً یوں نہ کہہ لیا کہ میں نے اپنی عورت کی طرف رجوع کی یا اپنے اس کہنے سے پھر گیا یا میں نے ایلاء باطل کردیا تو اس صورت میں عورت پر ایک طلاقِ بائن پڑ جائے گی جس سے وہ خودمختار ہوجائے گی، دُر میں ہے کہ ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم پر قائم رہا اور وطی نہ کی تو طلاقِ بائنہ ہوجائے گی اور جماع کرنے پر کفارہ لازم ہوگا یا اگر کسی چیز کو معلق کیا تھا تو جماع کرنے پر وہ جزاء لازم ہوگی۔ مگر ایلاء طلاقِ مُغلَّظَہ نہیں کہ حلالہ کی ضرورت ہو، عدت میں خواہ بعدِ عدت جب چاہیں باہم نکاح کرسکتے ہیں، ہاں اس سے پہلے کبھی دو طلاقیں دے چکا تھا تو آپ ہی حلالہ درکار ہوگا کہ اب یہ تیسری مل کر تین طلاقیں ہوگئیں یہ جُدا بات ہے یا اگر (مدت) (عــــا)[1] کی قید نہ تھی بلکہ مطلق یا صراحۃً مؤبد تھا اور چار مہینے بے رجوع گزر گئے کہ ایک طلاقِ بائن پڑی پھر اس سے نکاح کرلیا اور پھر چار مہینے خالی گزر گئے تو دوسری پڑے گی پھر نکاح کرلیا اور یونہی چار مہینے گزر گئے تو تین طلاقیں ہوجائیں گی اور اب بے حلالہ نکاح میں نہ لاسکے گا۔ ص 257

خُلع کسے کہتے ہیں؟

خلع شرع میں اُسے کہتے ہیں کہ شوہر برضائے خود مہر وغیرہ مال کے عوض عورت کو نکاح سے جُدا کردے۔ ص 264

ایک شخص نے اپنی زوجہ کو بحالتِ غصہ میں ماں بہن کہہ دیا مگر نان نفقہ دیتا رہا عورت اس کے نکاح میں رہی یا بحکمِ شرع شریف جاتی رہی؟

---

[1]: (عــــا: اصل میں کِرم خوردہ (مٹا ہوا) ہے)

الجواب: زوجہ کو ماں بہن کہنا (خواہ یوں کہ اسے ماں بہن کہہ کر پکارے، یا یوں کہے تو میری ماں بہن ہے، سخت گناہ وناجائز ہے۔قال اللہ تعالیٰ {مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا} جوروئیں ان کی مائیں نہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انہیں جنا ہے اور وہ بیشک بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو، ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا بجائے ماں بہن کے ہے تو اگر بہ نیتِ طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بہ نیتِ ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہو گیا اب جب تک کفارہ نہ دے لے عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا بنظرِ شہوت اس کے کسی بدن کو چھونا یا بنگاہِ شہوت اس کی شرمگاہ دیکھنا سب حرام ہو گیا، اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرے، اس کی طاقت نہ ہو تو لگاتار دو مہینہ کے روزے رکھے، اس کی بھی قوت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی طرح اَناج یا کھانا دے کما امر بہ المولیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ فی القراٰن العظیم (جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآنِ عظیم میں حکم فرمایا ہے۔ت) اور اگر ان میں سے کوئی نیت نہ تھی تو یہ لفظ بھی لغو و مہمل ہوگا جس سے طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا۔ص279 * زوجہ کو ماں کہنا گناہ مگر اس سے طلاق نہیں ہوتی۔ص322

بَابُ العِدّۃ (عدّت کا بیان)

ایک عورت جس کی عمر اس وقت بارہ برس ہے کوئی علامت بلوغ کی پائی نہیں جاتی، اس حالت میں اس کو شوہر طلاق دے تو عدت بیٹھے گی یا نہیں؟ اور اس کی شادی کو عرصہ تین برس کا گزرا تھا۔

اگر اب تک شوہر سے خلوت نہ ہوئی تھی تو اَصلاً عدت نہیں اسی وقت اس کا نکاح کیا جاسکتا ہے اور اگر شوہر اس کے پاس جا چکا تھا تو چار مہینے دس دن انتظار کرائیں، اگر اس مدت میں عورت کو حمل ظاہر ہو تو وضعِ حمل تک عدت بیٹھے، اور اگر حمل ظاہر نہ ہو تو عدت تین ہی مہینے گزشتہ گزر پر چکی آگے انتظار نہ کرایا جائے۔ص291

صغیرہ مطلّقہ ہو یا جس کا شوہر فوت ہو گیا مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ شرعاً اس کے لئے عدت ہے یا نہیں؟

وفات کی عدت عورت غیرِ حامل پر مطلقاً چار مہینے دس دن ہے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اور طلاق کی عدت غیر مدخولہ پر اَصلاً نہیں اگرچہ کبیرہ ہو اور مدخولہ پر یعنی جس سے خلوت واقع ہولی اگرچہ خلوت فاسد ہو یا نکاحِ فاسد میں حقیقۃً وطی کرلی غیر حیض والی کے لئے تین مہینے ہیں خواہ صغیرہ ہو کہ ابھی حیض آیا ہی نہیں یا کبیرہ آئسہ کہ اب عمر حیض کی نہ رہی۔ص293

بیوہ کی عدت کتنی ہے اور مطلقہ کی کتنی؟

حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے مطلقہ ہو یا بیوہ، اور غیر حاملہ بیوہ کی عدت اگر خاوند کسی مہینے کی پہلی شب یا پہلی تاریخ میں مرا اگرچہ عصر کے وقت، چار مہینے دس دن ہیں یعنی چار ہلال اور ہو کر اس پانچویں ہلال پر وقتِ وفاتِ شوہر کے اعتبار سے دس دن کامل اور گزر جائیں اور پہلی تاریخ کے سوا اور کسی تاریخ میں مرا تو ایک سوتیس ۱۳۰ دن کامل لئے جائیں اور مطلقہ اگر حیض والی ہے تو

بعدِ طلاق تین حیض شروع ہو کر ختم ہو جائیں اور اگر صغیرہ کہ ابھی حیض نہیں آتا یا کبیرہ کہ حیض آنے کی عمر گزر گئی تو عدت تین مہینے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص295

دلیلِ عقلی مانگنے والے کو نصیحتِ رضا

احکامِ الٰہی میں چون وچرا نہیں کرتے، الاسلام گردن نہادن نہ کہ زبان بجرأت کشادن (اسلام، سرِ تسلیم خم کرنا ہے نہ کہ دلیری سے لب کشائی کرنا۔ت) بہت احکامِ الٰہیہ تعبُّدی ہوتے ہیں اور جو معقولُ المعنی ہیں ان کی حکمتیں بھی مَن وتُو کی سمجھ میں نہیں آتیں۔صبح کی دو، مغرب کی تین، باقی کی چار چار رکعتیں کیوں ہیں، تعَرُّفِ براءتِ رِحم کے لئے ایک حیض کافی تھا تین اگر احتیاطاً رکھے گئے تو عدتِ وفات حیضوں سے بدل کر مہینے کیوں ہوئی اور ہوتی تو تین مہینے ہوتی جس طرح آئسہ وصغیرہ میں تین حیض کی جگہ تین مہینے قائم فرمائے ہیں ایک مہینہ دس دن اور زائد کیوں فرمائے گئے، غرض ایسے بیہودہ سوالوں کا دروازہ کھولنا علوم وبرکات کا دروازہ بند کرنا ہے، مسلمان کی شان یہ ہے: {سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ}۔ہم نے سنا اور اطاعت کی، تیری بخشش کے طلبگار رہیں اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے(ت)۔ص297

زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دی ایامِ عدت نہ گزرے تھے صرف بیس پچیس دن بعد بکر نے اس سے نکاح کرلیا، چار برس بعد بکر نے بھی طلاق دی، اب شخصِ ثالث اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے، یہ نکاح طلاق کے چار مہینے دس دن بعد ہو یا فوراً ہوسکتا ہے کہ بکر نے عدت گزرنے سے قبل نکاح کرلیا تھا جو شرعاً نادرست تھا۔۔؟

الجواب: اگر بکر نے یہ جان بوجھ کر کہ ابھی عورت عدت میں ہے اس سے نکاح کرلیا تھا جب تو وہ نکاح نکاح ہی نہ ہوا نرا زنا ہوا، تو اس کے لئے اَصلاً عدت نہیں اگرچہ بکر نے صدہا بار عورت سے جماع کیا ہو کہ زنا کا پانی شرع میں کچھ عزت ووقعت نہیں رکھتا عورت کو اختیار ہے جب چاہے نکاح کرلے، اور اگر بکر نے اَنجانی میں نکاح کیا تو یہ دیکھیں گے کہ اس چار برس میں اس نے عورت سے کبھی جماع کیا ہے یا نہیں، اگر کبھی نہ کیا تو بھی عدت نہیں، بکر کے چھوڑتے ہی فوراً جس سے چاہے نکاح کرلے۔

اور جو ایک بار بھی جماع کرچکا ہے تو جس دن بکر نے چھوڑا اس دن سے عورت پر عدت واجب ہوئی جب تک اس کی عدت سے نہ نکلے دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی۔ص302

شوہر کے مَر جانے کے بعد حمل ساقط ہو گیا تو عدت؟

الجواب: سائل نے ظاہر کیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں بن گئے تھے تو اس کے گرجانے سے عدت تمام ہوگئی اب عدت کی حاجت نہیں، ردالمحتار میں ہے: حاملہ کا حمل ساقط ہوجائے تو اگر بچے کے کچھ اعضاء کی تخلیق ظاہر ہوتی ہو تو پھر اس سے عدت ختم ہوگئی کیونکہ یہ مکمل بچہ شمار ہوتا ہے اور اگر ابھی اعضاء ظاہر نہ ہوئے ہوں تو عدت ختم نہ ہوگی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** (ت)ص304

زید نے ہندہ کو طلاق دی اب عدت پوری ہونے تک نان نفقہ زید کے ذمہ ہے یا وارثِ ہندہ کے؟ اور وہ مکان جس میں ہندہ اپنی عدت پوری کرے زید پر لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: تمام عدت تک نان نفقہ زید کے ذمہ ہے اور زید ہی کے مکان میں عدت پوری کرے جبکہ قبل اَز طلاق وہی مکان

اس کے رہنے کا تھا اگرچہ علاج کے لئے چند ماہ پیشتر اپنے باپ کے یہاں چلی آئی تھی (جیسا کہ سائل نے خود اپنی زبان سے مجھے بیان کیاہے۔ت) اور یہ طلاق کہ بطریقِ خلع واقع ہوئی تھی (جیسا کہ اس نے یہ بھی کہا۔ت) بائنہ تھی تو زید پر لازم ہے کہ عدت پوری ہونے تک اپنے ہی مکان میں اسے جگہ دے اور بوجہ زَوالِ نکاح اس سے پردہ کرے، اور اگر زید ظلماً اپنے گھر میں نہ رہنے دے تو کوئی اور مکان بتائے جس میں وہ عدت پوری کرے اور اگر وہ مکان کرایہ کا ہو تو اِختتامِ عدت تک کرایہ زید کے ذمہ ہے، اور جب زید اپنے مکان میں رہنے دے یا دوسرا مکان اس کے لئے بتائے تو ہندہ پر لازم ہے کہ فوراً اس مکان میں چلی جائے اور ختمِ عدت تک ہرگز اس سے باہر نہ آئے۔ص311

مرض الموت میں طلاق دی تو عدت؟

زید نے اپنی بی بی کو طلاقِ بائن دی اور بعد ایک مہینہ کے مرگیا، اب اس کی بی بی کتنی مدت بعد عقدِ ثانی کرے؟

الجواب: یہ مطلقہ اگر حاملہ تھی تو عدت حمل ہے مطلقاً، اور اگر حمل نہ تھا تو طلاقِ مذکور اگر شوہر نے اپنی صحت میں دی یا برضائے زوجہ مرض الموت میں دی تو عدت تین حیض ہے، موتِ شوہر سے نہ بدلے گی، اور اگر طلاقِ بائن مرض الموت میں بے رضائے زَن دی تو تین حیض، اور چار مہینے دس دن سے جو مدت درازتر ہے وہ عدت ہے یعنی چار ماہ دہ روز بعدِ موت گزرنے سے پہلے طلاق کے بعد تین حیض کامل ختم ہوجائیں تو بعدِ مرگ چار ماہ دس یوم انتظار کرے، اور اگر مرگِ شوہر پر چار مہینے دس دن ہوگئے اور ہنوز بعدِ طلاق تین حیض کامل نہ ہوئے تو تین حیض کامل ہونے تک منتظر رہے۔ص313

* جب زنِ مطلقہ عدت کے اندر حاملہ ہوجائے تو اب اس کی عدت اس حمل کے وضع تک ہوجاتی ہے۔ص324

زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دی، اس نے بعد ایک ماہ یا دو ماہ گزرجانے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرلیا، یہ نکاح عدت گزرنے کے بغیر اجنبی شخص سے ہوا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ہندہ کو اس شخص سے دعوئ مہر اور وراثت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سائل مُظہِر کہ ہندہ معتدات بالحیض سے ہے پس صورتِ مستفسرہ میں اگر وہ نکاح ایک مہینہ بعد ہوا تھا بیشک فاسد کہ اس قدر مدت میں مُضِیِّ عدت معقول نہیں، ہندہ ترکہ کی مستحق نہیں، اور مہرِ مسمّٰی و مہرِ مثل سے جو کم ہوگا اس قدر پائے گی، اور اگر مہرِ مسمّٰی کچھ نہ تھا یا مجہول ہوگیا تو پورا مہرِ مثل لازم آئے گا، اور جو بعد گزرنے دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے ہوا اور ہندہ دعوٰی کرے کہ تین حیض کامل اس وقت تک گزر چکے اور عدت منقضی ہوگئی تھی تو قولِ ہندہ بقسم معتبر ہوگا، اگر ورثاء زوجِ ثانی اس کا خلاف گواہوں سے ثابت کردیں گے تو حکم اس صورت کا بھی مثل صورتِ اُولی کے ہے ورنہ جب ہندہ مضیِ عدت بحلف بیان کردے گی تو میراث ومہر دونوں پائے گی۔ص320

بابُ زوجۃِ المفقود (مفقود الخبر کی زوجہ کا حکم)

عورت پرفرض ہے کہ اتنی مدت انتظار کرے کہ شوہر اگر زندہ رہے تو ستر برس کامل کا ہوجائے اس وقت تک اگر اس کی موت وحیات کا پتا نہ چلے اس کی موت کا حکم کیا جائے گا پھر عورت چار مہینے دس دن عدت بیٹھے اس کے بعد دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے ورنہ نہیں، پھر اگر اتنی مدت گزرگئی اور عورت نے بعدِ عدت نکاح کرلیا اس کے بعد شوہرِ اول واپس آیا تو اپنی عورت کو

شوہرِ دوم سے لے گا اور دوم سے اگر اولاد ہو چکی ہے تو وہ اولاد دوم ہی کو دلائی جائے گی صرف عورت شوہرِ اول کو ملے گی۔ص 346

مذہبِ ائمۂ حنفیہ وجمہور ائمۂ کرام میں زنِ مفقود پر اِنتظار فرض ہے یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر جائے کہ عادۃً موتِ مفقود مظنون ہو اور اس کی تقدیر مفتیٰ بہ مؤید بحدیثِ صحیح یہ ہے کہ روزِ ولادتِ مفقود سے ستّر سال گزر جائیں، امام مالک رضی اللہ عنہ بھی دربارۂ مالِ مفقود یہی حکم دیتے ہیں مگر دربارۂ زَن خلاف کرتے ہیں پھر بھی ہرگز یہ ان کا مذہب نہیں جو آج کل کے جہّال بلکہ بعض مدعیانِ علم نے سمجھ رکھا ہے کہ مفقود ہوئے چار برس گزر رے اور عورت بطورِ خود نکاح کر لے بلکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ زنِ مفقود قاضیِ شرع کے حضور مُرافعہ کرے قاضی بعدِ تحقیق روزِ مرافعہ سے چار برس کی مہلت اپنی طرف سے دے، عورت یہ دن گزارے، اس کے بعد پھر مستغیث ہو اور قاضی بعدِ تحقیق تفریق کرے، اس کے بعد عورت عدت بیٹھے پھر نکاح کر سکتی ہے، خود امام مالک نے اپنی کتاب مدوّنہ میں اس کی تصریح فرمائی اور صاف ارشاد فرمایا کہ مرافعہ سے پہلے اگرچہ بیس برس گزر گئے وہ اَصلاً شمار میں نہ آئیں گے، آج سے چار برس لئے جائیں گے، حنفی وقتِ تحقُّقِ ضرورتِ صحیحہ اس پر عمل کر سکتا ہے نہ یہ کہ اپنی ایک اِختراعی بات پر کہ ہرگز امام مالک کا بھی مذہب نہیں، چلو، اور مذہبِ امام مالک پر عمل کا نام لو۔ص 348

* **کتاب بہشتی زیور نہ دیکھا کیجئے، اس کا دیکھنا حرام ہے، اس میں بہت سے مسائل غلط اور بہت باتیں گمراہی کی ہیں اس کے مصنف کو تمام علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق نام لے کر لکھا ہے من شك فی کفرہ فقد کفر جو اس شخصِ مذکور کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ص 366**

* **منقول ہوا کہ امام مفسر محدث ضحّاک چار برس ماں کے پیٹ میں رہے، پیدا ہوئے تو اگلے چاروں دانت نکل چکے تھے، ہنستے معلوم ہوتے تھے اس لئے ضحاک نام رکھا گیا (یعنی بہت ہنسنے والے)۔ص 370**

بابُ النسب

نکاح کے بعد رسمِ رُخصتی نہ ہوئی اور ہندہ حاملہ ہوگئ تو؟

صورتِ مستفسرہ میں اگرچہ دُنیوی خیالات کو بہت وسعت ہے، اہلِ بدگمانی کے نزدیک ناراضی زید جُدا خبر دے رہی ہے کہ اپنا ہوتا تو وہ خود جانتا، اور ہندہ کا دوسرے کی طرف نسبت کرنا جدا۔ پھر اسے یوں بنانا کہ بوجہ عدمِ رخصت شرمِ دنیا کے سبب شوہر کا نام نہ لیا بہت پوچ عذر ہے، آخر قبلِ رخصت جماع حلال ہونا اہلِ دنیا کے نزدیک زنا سے زیادہ شرم کی بات نہیں، یہ خیالات بدگمانیوں کو بہت تائید دیں گے، مگر حاشا شرع مطہر انہیں اَصلاً مقبول نہیں فرماتی اور قطعاً حکم دیتی ہے کہ لڑکا شوہر ہی کا تھا، حضور پُرنور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (بچہ نکاح والے کا ہے اور زانی محروم ہے۔ت)۔ص 381

بابُ الحَضَانَۃِ (پرورش کا بیان)

بچے کے حقِ پرورش کی ترتیب

حقِ حضانت ذی رحم محرم کے لئے ہے یعنی وہ نسبی رشتہ جس میں نکاح ہمیشہ کو حرام ہوتا ہے تو نانی کی خالہ زاد یا پھوپھی زاد

بہنوں یا ان کی اولاد یا ممانی کے لئے کوئی حقِ حضانت نہیں جیسے خود صغیر وصغیرہ کی خالہ زاد ماموں زاد پھوپھی زاد چچازاد بہنیں کہ یہ محارم سے خارج ہیں۔ پھر محارم میں پہلے مستحق عورتیں ہیں بشرطیکہ معاذ اللہ مرتدہ یا بدکار یا بے اطمینان یا کسی ایسے شخص کے نکاح میں نہ ہوں جو اس بچہ کا محرم نہیں، بے اطمینانی کی یہ صورت کہ بچہ کو بے حفاظت چھوڑ کر باہر چلی جایا کرتی ہو، ایسی بے پروائی ماں بھی کرے تو بچے اس سے بھی لے لئے جائیں گے۔

عورتوں میں سب سے مقدم ماں ہے، پھر سگی نانی، پھر اُس کی ماں، پھر سگی دادی، پھر اُس کی ماں، پھر اس کی بہن، پھر مادری بہن (یعنی جو اس بچے سے ماں میں شریک اور باپ میں جُدا ہو) پھر روایتِ متون میں سوتیلی بہن، پھر سگی بھانجی، پھر مادری (یعنی مادری بہن کی) بیٹی، پھر سگی خالہ، پھر مادری خالہ، پھر سوتیلی خالہ، پھر سگی بھانجی، پھر سوتیلی بھانجی، پھر سگی بھتیجی، پھر سوتیلی، پھر سگی پھوپھی، پھر مادری، پھر سوتیلی، پھر ماں کی سگی خالہ، پھر مادری، پھر سوتیلی، پھر باپ کی سگی خالہ، پھر مادری، پھر سوتیلی، پھر ماں کی سگی پھوپھی، پھر مادری، پھر سوتیلی، پھر باپ کی سگی پھوپھی، پھر مادری، پھر سوتیلی، یہ بتیس ۳۲ عورتیں ہیں جب ان میں کوئی نہ ہو یا بوجوہِ مذکورہ مستحق نہ رہے تو حقِ حضانت عصباتِ ذکور کی طرف منتقل ہوگا جن میں سب سے مقدم باپ ہے، پھر دادا، پھر سگا بھائی، پھر سوتیلا، پھر سگا بھتیجا، پھر سوتیلا، پھر سگا چچا، پھر سوتیلا، ان میں سے کسی کے ہوتے نانا ماموں وغیرہما ذَوِی الارحام کو استحقاق نہیں تو خود باپ کے سامنے کب مستحق ہو سکتے ہیں۔ ص389

حقِ حضانت لڑکے میں سات اور دُختر میں نو برس کی عمر تک رہتا ہے اس کے بعد عصبہ کے پاس رہے گی جو عصوبت میں مقدم ہے یہاں بھی مقدم ہے بشرطیکہ فاسق بدچلن نہ ہو اس سے صغیر پر اندیشہ نہ ہو اور دُختر کے لئے اس کا محرم ہونا بھی شرط۔ اور سات یا نو برس کی عمر تک جو حقِ حضانت میں عورات ذواتِ فروض مثلِ مادر وخواہر پھر ذواتِ رحم مثلِ خالہ وعمہ عصبات پر مقدم ہیں ان میں شرط یہ ہے کہ صغیر کے نامحرم کے نکاح میں نہ ہوں ورنہ بچے ماں کو بھی سپرد نہ کئے جائیں گے جہاں شرائطِ حضانت کی جامعہ کوئی عورت نہ ہوگی، حضانت عصبات پھر ذوی الارحام ذکور کی طرف انتقال کرے گی اور اور دختر کے لئے وہی محرمیت ضرور ہوگی پھر اگر کوئی ذی رحم ان بچوں کے حق میں قابلِ اعتماد نہ ہو تو ذی علم دِیندار خداترس مسلمانانِ شہر کہ کوئی بدعتِ کفریہ مثلِ نیچریت ورفض وغیرہما نہ رکھتے ہوں نہ مکذّبانِ باری عزّوجل یا منکرانِ ختم نبوتِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مسلمان جانتے ہوں جمع ہو کر کسی ایسے ہی متدیّن لائق کو بچوں کی حفاظت کے لئے تجویز کریں اور لڑکیاں بالخصوص کسی ایسی ہی عورت عاقلہ اَمینہ قادِرہ کو سپرد کی جائیں جو نامحرم کے نکاح میں نہ ہو نہ ایسوں کے یہاں رہتی ہو جن سے بچوں پر مضرت واذیت کا اندیشہ ہو اور یہ شرط عدمِ نیچریت ورفض وغیرہ بدعاتِ کفریہ کہ ہم نے ان رائے دَہندوں کے لئے ذکر کی مطلقاً ہر عورت ومرد میں ضرور ہے جسے حضانت یا حفاظتِ جان یا مال دی جائے بچوں کے مال کو ولایت باپ کے بعد باپ کے وصی کو ہے یعنی جسے وہ کہہ کر مرا ہو کہ میری اولاد کی غور پرداخت کرنا یا کہا ہو میری جائداد کی نگہداشت کرنا، وصی نہ ہو تو وصی کا وصی، وہ بھی نہ ہو تو دادا، پھر دادا کا وصی، پھر اس کے وصی کا وصی، اور ان میں کوئی نہ ہو تو پھر وہی حکم ہے کہ ذی علم متدین مسلمان نہایت غائر نظر سے مشورہ کر کے کسی ایسے ہی مسلمان کو محافظ مقرر کریں جو یتیم کے مال کو آگ جانتا ہو، اور جس شہر میں کوئی عالمِ دین معتمد سنّی المذہب فقیہ متدین موجود ہو تو ان امور میں رائے اسی کی معتبر ہے۔ ص402

اگر ماں دوسرا نکاح نہ بھی کرے تو لڑکا سات برس کی عمر کے بعد اس کے پاس نہ رکھا جائے گا، اگر سات برس سے کم عمر ہو اور ماں دوسرا نکاح نہ کرے یا کرے تو لڑکے کے محرم یعنی چچا سے، تو لڑکا سات سال کی عمر ہونے تک ماں کے پاس رہے گا لیکن جب لڑکے کے نامحرم مثلاً خالو سے نکاح کر لے جیسے یہاں ہوا تو اس نکاح کرنے کو جو برا کہے گا سخت گنہگار ہوگا لیکن شوہرِ دوم نامحرمِ پسر ہونے کے سبب لڑکا ماں سے لے لیا جائے گا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بچہ ماں سے بالکل تُڑا لیا جائے اس سے ملنے تک نہ دیں، یہ حرام اور سخت حرام ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لعنه الله من فرق بین الوالدة وولدها**۔ اللہ کی لعنت ہے اس پر جو ماں اور اس کے بچے میں جدائی ڈالے۔ بکر پر لازم ہے کہ اس حرکت سے توبہ کرے اور بچے کو اس کی ماں سے ملنے دے اور بلاوجہ ایذائے مسلمان کا شدید وبال اپنے سر نہ لے۔ ص 411

بابُ النفقة (نفقہ کا بیان)

بہنوں کا نان ونفقہ بھائی پر واجب ہے دو شرط سے:

اَوّل: زید ان کی اِعانت پر قادر ہو یعنی اپنی حاجتِ اصلیہ سے فاضل چھپن روپے (یعنی نصاب) کا مالک ہو یا ایسا مال نہیں رکھتا بلکہ پیشہ ور ہے تو اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے نفقہ سے پس انداز ہوتا ہو جس سے بہنوں کی اِعانت کر سکے۔

دوم: بہنیں زیور وغیرہ کوئی مال ذاتی نہ رکھتی ہوں جو اُن کی حاجتِ اصلیہ سے زائد چھپن روپے کا ہو، نہ کھانے کے لئے اناج پہننے کے لئے کپڑا یا دام موجود ہو کہ یہ جب تک رہے گا اس قدر نفقہ دوسرے پر واجب نہ ہوگا اگرچہ چھپن روپیہ سے کم کا ہو، نہ مکان اس قابل ہو کہ اس کا ایک حصہ بیچ کر باقی میں گزر کر سکیں، ایسا ہوگا تو بیچ کر خود اپنے نفقہ میں اُٹھانا لازم ہوگا جب نہ رہے گا بھائی پر نفقہ آئے گا، نہ وہ عورتیں دستکاری مثلِ سلائی وغیرہ کے ایسا کر رہی ہوں جو اُن کے نفقہ کو کافی ہو، اگر ایسا ہے تو اپنا نفقہ خود انہیں پر ہے بھائی پر نہیں، ہاں اگر وہ دستکاری نہیں کرتیں، نہ اپنے کسی مال سے اپنی بسر کر سکتی ہیں تو بھائی پر نفقہ واجب ہوگا اور وہ یہ نہ کہہ سکے گا کہ تم سلائی وغیرہ کوئی کام مزدوری کا کر کے اپنا پیٹ پالو، یہ دو شرطیں متحقق ہوں تو نفقہ بھائی پر ہے تنہا اس پر جب کہ ان عورتوں کا وارث صرف وہی ہو ورنہ بقدرِ میراث جبکہ اس کے سوا ان کا اور کوئی وارث ذِی مقدور مثل دوسرے بھائی یا بہن یا دُختر کے ہو۔ ص 452

بیوی اور اَولاد کے نفقہ میں فرق

زَن اور اولاد کے نفقہ میں یہ فرق ہے کہ عورت اگرچہ مالدار ہو اس کا نفقہ شوہر پر لازم ہوتا ہے جبکہ وہ اس کے یہاں رہے اور بلاوجہ شرعی میکے میں رہے تو اَصلاً نفقہ کی مستحق نہیں اور اولاد کا نفقہ ان کی محتاجی کی حالت میں لازم ہوتا ہے، اگر مال رکھتے ہیں ان کا نفقہ باپ پر نہیں ورنہ ہے اگرچہ وہ اس کے یہاں نہ رہیں، پھر جو نفقہ نہ باہمی قرارداد سے مقرر ہوا ہو، نہ حاکم کے حکم سے، اسے اگر ایک مہینہ یا زیادہ کتنے ہی برس گزر جائیں اور اس مدت میں عورت اور اولاد قرض دام سے خواہ کسی طریقہ سے اپنی حاجت نکالتے رہیں یا عورت اپنے مال خواہ قرض یا گداگری سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالے تن ڈھکے تو اس مدت کے کسی حبّہ

کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہوسکتا، ہاں اگر بحکمِ حاکم یا تراضیِ باہمی قرار دادِ نفقہ ہولیا تھا کہ مثلاً اتنا ماہوار دینا ٹھہرا اور مدتیں گزریں شوہر نے نہ اس کا نفقہ دیا نہ اولاد کا، تو عورت اپنے نفقہ مقرر شدہ کا مطالبہ کرسکتی ہے اور اولاد کا نفقہ اگرچہ برضائے باہمی یا بحکمِ حاکم مقرر ہوا ہو جب وقت گزر گیا ساقط ہوگیا کہ وہ بوجہِ حاجت تھا اور مدتِ گزشتہ کی حاجت نکل چکی اگرچہ کسی طرح نکلی یہاں تک کہ اگر حاکم نے صغیر بچہ کے لئے ماہوار اس کے باپ پر مقرر کیا اور ماں کو حکم دیا کہ اس سے نہ ملے تو قرض لے کر بچہ پر خرچ کر تو اگر اس نے قرض لے کر خرچ کیا جب تو بوجہ حکمِ حاکم باپ سے واپس پائے گی اور اگر اپنے پاس سے خرچ کیا تو حبّہ لینے کی مستحق نہ ہوگی کہ حاکم نے قرض لے کر خرچ کرنے کو کہا تھا وہ اس نے نہ کیا۔ ص 461

* اللہ و رسول سے زِنا کی اجازت مانگنی کفر ہے۔ ص474
* جس نے مرتدہ ہونے کا قصد کیا وہ اس وقت مرتدہ ہوگئی۔ ص476

عورت کب اور کن رِشتہ داروں سے مل سکتی ہے؟

عورت آٹھویں دن اپنے ماں باپ کے یہاں صبح سے شام تک کے لئے بلا اجازتِ شوہر جاسکتی ہے اور اپنے محارم مثلاً حقیقی یا سوتیلے بہن، بھائی، بھتیجے، بھتیجی، بھانجے، بھانجی، چچا، ماموں، پھوپھی، خالہ، نانا، دادا کے یہاں ہر سال بھر بعد دن بھر کے لئے، رات کو بہر حال شوہر کے یہاں آنا ہوگا، یہ بلا اجازت ہے، اور شوہر کی اجازت سے انہیں لوگوں کے یہاں مہینہ بھر اور زائد جتنے دنوں کی وہ اجازت دے رہ سکتی ہے، لیکن غیر محارم مثلاً چچا ماموں خالہ پھوپھی کے بیٹوں بیٹیوں یا جیٹھ دیور بہنوئی وغیرہم یا اجنبی کے یہاں شوہر کی اجازت سے بھی نہیں جاسکتی اگر شوہر اجازت دے گا تو وہ بھی گنہگار ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص478

کتابُ الاَیمَانِ (قسم کا بیان)

احناف کے نزدیک قسم کی بنیاد عُرفی معنی پر ہے

مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے زید سے نہ بولوں گا، تو یہ قسم زید کی حالتِ حیات پر مقصود رہتی ہے۔ اگر بعدِ انتقال زید سے کلام کرے حانث نہ ہوگا، اصل مسئلہ ہمارے ائمۂ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے صرف اس قدر ہے۔ اور اس کی وجہ یہ کہ ہمارے نزدیک بنائے یمین عرف پر ہے۔ لفظ سے جو معنٰی عرفاً مراد و مفہوم ہوتے ہیں ان پر قسم وارِد ہوتی ہے نہ کہ معنی لغوی یا شرعی پر، تمام کتبِ مذہب اور خود ان کتبِ مذکورہ میں (جن کی عبارات کو منکرین براہِ جہل یا تجاہُل اپنی سند سمجھے) اس امر کی تصریحاتِ جلیہ ہیں، مثلاً قسم کھائی بچھونے پر نہ بیٹھے گا یا چراغ سے روشنی نہ لے گا یا چھت کے نیچے نہ آئے گا تو زمین پر یا دھوپ میں یا زیرِ آسمان بیٹھنے سے قسم نہ ٹوٹے گی اگرچہ قرآنِ عظیم میں زمین کو فرش اور آفتاب کو سِراج اور آسمان کو سَقف فرمایا، یوہی قسم کھائی کسی گھر میں نہ جائے گا، تو مسجد وغیرہ معابد میں جانے سے حانث نہ ہوگا اگرچہ لغۃً ان پر بھی گھر کا لفظ صادِق، وجہ وہی ہے کہ اگرچہ شرعاً یا لغۃً یہ اشیاء ان الفاظ میں داخل مگر اَیمان میں عرفاً شمول درکار ہے وہ یہاں غیر حاصل، بعینہٖ اسی وجہ سے مسئلۂ مذکورہ میں بعدِ موت بولنے سے حنث زائل کہ کسی سے نہ بولنا عرفاً اس کی موت کے بعد سلام و کلام کو غیر شامل، اس سے یہ تراش لینا کہ ہمارے اصل ائمۂ مذہب کے نزدیک میّت سے کلام حقیقۃً یا شرعاً کلام نہیں محض باطل، اور ایسا گمان کرنے والا اصل مبنائے مسئلہ سے جاہل

یا ذاہل۔(جلد9،ص838)

کفایہ میں ہے: اصل یہ ہے کہ قسم میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں ہمارے نزدیک ان کی بنا عرف پر ہے۔اور امام شافعی کے یہاں حقیقت پر ہے اس لیے کہ حقیقت اس قابل ہے کہ مراد ہو،اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں الفاظِ قرآن کے معانی پر بِنا ہے(ت)۔(جلد9،ص840)

*** کسی کے قسم دلانے سے نہ اس پر قسم عائد ہو نہ اس کام کا کرنا واجب،حدیث میں ہے حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لاتقسم قسم نہ دو۔معلوم ہوا کہ دلانے سے ماننا واجب نہیں ہوتا،ہاں اگر حرج نہ ہو تو مان لینا مستحب ہے۔ص498**

*** اجنبی جملہ کے فاصلہ سے قسم کا عمل ختم ہوجاتا ہے،حتی کہ اگر کوئی شخص یوں کہے اللہ اور رسول کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا،تو قسم نہ ہوگی کیونکہ اللہ کی قسم ہوتی ہے،تو درمیان میں رسول کا لفظ فاصل بن گیا،کیونکہ رسول کی قسم نہیں ہوتی۔(ت)ص506**

*** قرآنِ مجید کی قسم شرعاً قسم ہے۔ص498**

جھوٹی بات پر قرآنِ مجید کی قسم کھانا یا اُس کو اُٹھا لینا گناہِ کبیرہ ہے

جھوٹی بات پر قرآنِ مجید کی قسم کھانا یا اُٹھانا سخت عظیم گناہِ کبیرہ ہے اور سچی بات پر قرآنِ عظیم کی قسم کھانے میں حرج نہیں اور ضرورت ہو تو اُٹھا بھی سکتا ہے مگر یہ قسم کو بہت سخت کرتا ہے،بلاضرورتِ خاصہ نہ چاہئے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص574

ہاں مصحف شریف ہاتھ میں لے کر یا اس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہنی اگر لفظاً حلف وقسم کے ساتھ نہ ہو حلفِ شرعی نہ ہوگا مثلاً کہے کہ میں قرآنِ مجید پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ ایسا کروں گا اور پھر نہ کیا تو کفارہ نہ آئے گا۔**واللہ تعالیٰ اعلم**۔575

چند شخصوں نے مسجد کے اندر کہا کہ جو شخص بیٹی پر روپیہ لے یا قرض دار کے یہاں کھانا کھائے تو کلمہ شریف اور قرآن سے پھرے تو اس کا کاغذ بھی لکھا مگر وہ کاغذ بھی پھاڑ ڈالا اور وہی کام کرنے لگ گئے ان کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب: بیٹی پر روپیہ لینا ناجائز ہے اور قرضدار کے یہاں کھانا کھانا اگر قرض کے دباؤ سے ہے تو وہ بھی ناجائز ہے،اور جنہوں نے یہ اقرار کیا تھا کہ جو ایسا کرے وہ کلمہ شریف اور قرآن شریف سے پھرے،پھر اس اقرار سے پھر گئے اور وہ کاغذ پھاڑ ڈالا ان میں سے جس کے خیال میں یہ ہو کہ واقعی ایسا کرنے سے قرآنِ مجید اور کلمہ طیبہ سے پھر جائے گا اور یہ سمجھ کر ایسا کیا وہ کافر ہوگیا اور اس کی عورت نکاح سے نکل گئی نئے سرے سے اسلام لائے،اس کے بعد عورت اگر راضی ہو تو اس سے دوبارہ نکاح کرے ورنہ مسلمان اسے قطعاً چھوڑ دیں اس سے سلام وکلام اس کی موت وحیات میں شرکت سب حرام،اور جو جانتا تھا کہ ایسا کرنے سے قرآنِ مجید یا کلمہ طیبہ سے پھرنا نہ ہوگا وہ گنہگار رہا اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے **کقولہ ھو بری ءمن اللہ و رسولہ اِن فعل کذا** (جیسا کہ وہ یوں کہے اگر ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ سے بَری ہوجاؤں۔(ت) **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص578

(نذر کا بیان)

مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی تشبیہ بھوت خانہ کالی گھر کے مثل کہنے کا حکم؟

دونوں شہر کریم کی نسبت وہ کلمہ کہنا ضرور گستاخی وتوہین وکلمہ کفر ہے۔ص 583

* تعیینِ مکان نذر میں نامعتبر ہے۔ص 583

ایک شخص نے یہ نیت کی کہ اگر میری نوکری ہوجائے گی تو پہلی تنخواہ زیارتِ پیرانِ کلیر شریف کے نذر کروں گا؟

الجواب: صرف نیت سے تو کچھ لازم نہیں ہوتا جب تک زبان سے الفاظِ نذر وایجاب نہ کہے، اور اگر زبان سے الفاظِ مذکورہ کہے اور ان سے معنی صحیح مراد لئے یعنی پہلی تنخواہ اللہ عزوجل کے نام پر تَصَدُّق کروں گا اور اس کا ثواب حضرت مخدوم صاحب قدّس سرہ العزیز کے نذر کروں گا، یا پہلی تنخواہ اللہ عزوجل کے لئے فقراءِ آستانہ پاک حضرت مخدوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوں گا، یہ نذر صحیح شرعی ہے، اور اِستحساناً وجوب ہوگیا، پہلی تنخواہ اُسے فقراء پر تَصَدُّق کرنی لازم ہوگئی۔ مگر یہ اختیار ہے کہ فقراءِ آستانہ پاک کودے، اور جہاں کے فقیروں محتاجوں کو چاہے۔ اور اگر یہ معنی صحیح مراد نہ تھے بلکہ بعض سخت بے عقل جاہلوں کی طرح بے ارادۂ تَصَدُّق وغیرہ قرباتِ شرعیہ صرف یہی مقصود تھا کہ پہلی تنخواہ خود حضرت مخدوم کو دوں گا، تو یہ نذر باطل محض وگناہ عظیم ہوگی، مگر مسلمان پر ایسے معنی مراد لینے کی بدگمانی جائز نہیں جب تک وہ اپنی نیت سے صراحۃً اطلاع نہ دے۔ اسی طرح اگر نذر وزیارت کرنے سے اس کی یہ مراد تھی کہ اللہ کے واسطے عمارتِ زیارت شریف کی سپیدی کرادوں گا یا احاطۂ مزار پُر انوار میں روشنی کروں گا، جب بھی یہ نذر غیر لازم ونامعتبر ہے کہ ان اَفعال کی جنس سے کوئی واجبِ شرعی نہیں۔ص 591

رمضان مبارک میں سامع کی اُجرت

رمضان مبارک کا سامع اگر حاجتمند ہو اور اس سے اُجرت نہ ٹھہری ہو اور نہ رواج کی رُو سے اجرت مقرر ہو تو اسے بھی دے سکتا ہے کہ اب اُسے بھی دینا نیک کام ہے، اور اگر اجرت کی شرط ہولی یا ازروئے رواج اس کی اجرت کا قرار دیا ہے تو اسے دینا کچھ نیک کام نہیں بلکہ گناہ ہے۔ (کیونکہ یہ عبادت پر اجرت ہے اور عبادت پر اجرت لینا دینا باطل ہے مگر امامت پر یا اذان اور تعلیمِ قرآن پر اجرت جس کو متاخرین نے اس سے مستثنٰی قرار دیا ہے وہ اور چیز ہے یہ اس قبیل سے نہیں ہے، اس کی مکمل تحقیق ردالمحتار اور شفاء العلیل میں ہے۔ (ت)۔ص 595

غیرِ خدا کے لئے نذرِ فقہی کی ممانعت ہے

غیرِ خدا کے لئے نذرِ فقہی کی ممانعت ہے، اولیائے کرام کے لئے ان کی حیاتِ ظاہری خواہ باطنی میں جو نذریں کہی جاتی ہیں یہ نذر فقہی نہیں عام محاورہ ہے کہ اکابر کے حضور جو ہدیہ کریں اسے نذر کہتے ہیں، بادشاہ نے دربار کیا اسے نذریں گزریں، شاہ رفیع الدین صاحب برادرِ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رسالہ نذور میں لکھتے ہیں: نذر کہ اینجا مستعمل میشود نہ بر معنی شرعی ست چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگاں می برند نذر ونیاز می گویند یہاں نذر کا لفظ شرعی نذر کے معنی میں استعمال نہیں کیونکہ عرف

میں بزرگوں کو جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس کو نذر و نیاز کہتے ہیں۔ (ت) ظاہر ہے کہ یہ نذر فقہی ہوتی تو اَحیا کے لئے بھی نہ ہوسکتی حالانکہ دونوں حالتوں میں یہ عرف و عملِ قدیم سے اکابرین میں معمول و مقبول ہے۔ص598

کتابُ الحُدُودِ وَالتَّعزیر (حدود اور تعزیر کا بیان)

گناہ تین قسم ہیں

ایک ہلکے کہ حد کی حد تک نہ پہنچے، جیسے اجنبیہ سے بوس و کنار، ان پر حد مقرر نہیں ہوگی کہ ان کی مقدار سے زیادہ ہے، اور مولیٰ عزوجل اس سے پاک ہے کہ کسی مجرم کو اس کی حدِ جرم سے زیادہ سزا دے۔ ایسے گناہوں پر تعزیر رکھی جاتی ہے۔

دوسرے وہ اَخبَث درجہ کے گناہ کہ حد کی حد سے گزرے ہوئے ہیں جیسے صورۃِ مذکورۂ سوال (یعنی محرماتِ ابدی ماں بہن وغیرہ سے جان بوجھ کر نکاح اور صحبت کرنا)۔ ان پر بھی حد نہیں رکھی جاتی کہ حد اس گناہ سے پاک کر دینے کی ہوتی ہے اور ایسا خبیث گناہ اس حد سے پاک نہیں ہوتا۔

تیسرے متوسط درجہ، ان پر حدود ہیں۔ اس کی نظیر پیشاب اور شراب، پیشاب شراب سے خبیث تر ہے کہ کبھی شریعت میں اس کی ایک بوند حلال یا طاہر نہ ٹھہر سکی، بایں وجہ شراب پینے پر حد ہے اور پیشاب پینے پر حد نہیں، یونہی اَجنبیہ سے زِنا پر حد ہے اور محارم سے نکاح پر نہیں کہ وہ خبیث کام ہے جسے حد سنبھال نہیں سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص625

زنا حرام ہے اور کافرہ ذمیہ کے ساتھ زنا کے جواز کا قائل ہو تو کفر ہے ورنہ باطل و مردود بہر حال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص624

زانی ومُزنِیہ کو زِنا کی حالت میں قتل کر ڈالنے کا حکم؟

پہاڑی علاقہ میں بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ زانی و مزنیہ کو زنا کی حالت میں قتل کر ڈالتے ہیں، اور بعض واقعات یہ ہیں کہ جب ان کے نزدیک عورت کو کسی بیگانہ کے ساتھ بیٹھا ہوا یا آتا جاتا ہوا دیکھتے ہیں تو پہلے چند مرتبہ اسے منع کرتے ہیں اور اس کے باز نہ رہنے کے بعد اس عورت کو قتل کر دیتے ہیں اور اگر کر سکتے ہیں تو اس شخص بیگانہ کو بھی نہیں چھوڑتے، بموجب شرع شریف ان دونوں صورتوں میں قاتل گنہگار رہے یا نہیں؟

الجواب: جناب مولٰنا المکرم ذی الفضل الاتم والمجد والکرم دامت مکارمُہ، اس سلسلہ میں اضطراب کثیر ہے اور وہ جو فقیر کو کتبِ معتمدہ دلائلِ شرعیہ سے تحقیق ہوا یہ ہے کہ صورتِ ثانیہ میں ان مرد و زن کا قتل محض حرام ہے، فقط آنے جانے اٹھنے بیٹھنے کی سزا شریعت نے بھی قتل نہ رکھی، نہ اس قدر خلوت کو مستلزم، اور حق یہ کہ مجرد خلوت بلکہ دَواعی پر بھی شرع مطہر نے قتل نہ رکھا، اور سیاست کا اختیار غیرِ سلطان کو نہیں بلکہ سلطان کو بھی علی الاطلاق نہیں (یہ سب کچھ شرع سے بلا اخفاء معلوم ہے۔ت)

لاجرم یہ ناحق قتلِ مسلم ہوا اور وہ سخت کبیرہ شدیدہ ہے اور قاتل پر قصاص عائد۔ صورتِ اُولیٰ میں بھی حکم مطلق نہیں بلکہ واجب کہ پہلے زَجر و ضرب و قہر کریں، اگر جُدا ہو جائیں تو اب عامہ کو اس کا قتل حرام ہے، ہاں شہاداتِ اربع گزریں یا مروّجہ شرعی چار مجلسوں میں چار اقرار ہوں، تو ان میں جو محصن ہو سلطان اسے رجم فرمائے گا، نہایہ امام سغناقی پھر عالمگیریہ میں ہے: امام ہندوانی سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر کو بدفعلی کرتے ہوئے موقعہ پر پائے تو اس کو جائز ہوگا کہ اس غیر

مرد کو موقعہ پر قتل کردے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا اگر خاوند کو یقین ہو کہ یہ زانی شور مچانے یا پٹائی کرنے سے باز آجائے تو قتل کرنا حلال نہ ہوگا اور اگر خاوند کو یقین ہو کہ ڈانٹ ڈپٹ سے باز نہ آئے گا بلکہ قتل ضروری ہے تو قتل کرنا حلال ہوگا اور اگر بیوی کی مرضی اس میں شامل ہے تو اس کو بھی قتل کرنا (حلال) ہوگا جیسا کہ نہایہ میں ہے۔(ت)

اور اگر نہ مانیں تو اس صورت میں اگر چہ زانی کو مطلقاً اور عورت کو بھی اگر مکرمہ (کتاب میں مکرمہ ہی لکھا ہے مگر مُکرَہَہ ہونا چاہیے) نہ ہو صرف عین حالتِ اشتغال میں نہ بعد اس سے فراغ کے قتل اِزالۂ منکر ہے اور اس کے لئے سلطان ہونا شرط نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے۔ الیٰ آخر الحدیث۔ (ت)

مگر یہ امر فیما بینہ وبین اللہ ہے حاکم نہ مانے گا اور جب تک بیّنۂ عادلہ سے ثبوت نہ دے اسے قتل کریگا یا اگر مقتول معروف ومشہور بخباثت وشرور وعادت زنا وفجور ہے قاتل سے اس کا خوں بہالے گا۔ درمختار میں ہے: قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کو زنا میں مصروف پائے تو ہر شخص کو اسے قتل کرنا حلال ہے، اور اس خوف سے کہ قتل کے بعد قاضی کے ہاں اس کا زنا ثابت نہ کرسکے گا قتل سے باز رہے۔ (ت) یہ ہے وہ جو فقیر کے نزدیک منقح ہوا۔ ص629

مسئلہ: قول انوار الحق تحصیل چونیاں ضلع لاہور بروز چہارشنبہ ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ (مکتوب)

(قول انوار الحق) میں عریضہ لکھ کر دوبارہ یا سیدنا ومولٰنا ومرشدنا عرض کرتا ہوں کہ آپ ہم لوگوں میں مثل رسول ونبی کے ہیں آپ خاکساروں کی عرض سن کر جواب روانہ فرمائیں۔۔۔؟

تنبیہ: مولانا! یہ لفظ بہت سخت ہے لا الٰہ الا اللہ یہ فقیر ذلیل سیاہ کار نابکار کیا چیز ہے ہاں اکابر کے لئے یہ لفظ حدیث میں آیا ہے کہ الشیخ فی قومه کالنبی فی امته (کنز العمال) (شیخ اپنی قوم میں مانند نبی کے ہیں اپنی امت میں مگر مثل اور مانند میں بہت فرق ہے مثل معاذ اللہ مساوات کا اِیہام کرتا ہے اور مانند صرف ایک مشابہت چاہتا ہے، اس لئے سیدنا امام اَعظم رضی اللہ عنہ نے ایمانی کایمان جبریل (میرا ایمان جبرائیل کے ایمان کی مانند ہے۔ت) فرمایا نہ کہ مثل ایمان جبریل (مثل ایمان جبریل۔ت) فقط۔ ص649

*** قرآن وحدیث کے متعلق یہ کہنا کہ "یہ کوئی چیز نہیں ہے" یہ تو خالص ایسا کفر ہے جس پر مرتدوں والے احکام جاری ہوتے ہیں۔ ص654**

کسی کو شیطان کہیں، یہ حلال یا حرام؟

الجواب: گمراہ بددین کو شیطان کہا جاسکتا ہے اور اسے بھی جو لوگوں میں فتنہ پردازی کرے، اِدھر کی اُدھر لگا کر فساد ڈلوائے، جو کسی کو گناہ کی ترغیب دے کر لے جائے وہ اس کا شیطان ہے، اور مومنِ صالح کو شیطان کہنا شیطان کا کام ہے۔ **وھو تعالٰی اعلم۔** ص656

جلد نمبر 14

کتاب السِّیَر

ہندوستان دارُ الاسلام ہے

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ علمائے ثلٰثہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے ہرگز دارُ الحرب نہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہوجانے میں جوتین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درکار ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکامِ شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعتِ اسلام کے احکام وشعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں قطعاً موجود نہیں۔ص105

آج کل کے یہود ونصارٰی سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کا حکم

نصارٰی باعتبارِ حقیقتِ لغویہ اَنجا کہ قیامِ مبدء مستلزمِ صدقِ مشتق ہے بلا شبہہ مشرکین ہیں کہ وہ بالقطع قائل بہ تثلیث وبُنُوَّت ہیں اسی طرح وہ یہود جواُلوہیت وابنیّتِ عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل تھے، مگر کلام اس میں ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے کتبِ آسمانی کا اجلال فرماکر یہود ونصارٰی کے احکام کواحکامِ مشرکین سے جُدا کیااور ان کا نام اہلِ کتاب رکھااور ان کے نساء و ذَبائح کوحلال ومباح ٹھہرایا آیا نصارٰیٔ زمانہ بھی کہ اُلوہیتِ عبداللہ مسیح بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی علی الاعلان تصریح اور وہ یہود جومثل بعض طوائفِ ماضیہ اُلوہیت بندۂ خدا عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل ہوں انہیں میں داخل اور اس تفرقہ کے مستحق ہیں یا ان پر شرعاًیہی احکامِ مشرکین جاری ہوں گے اوران کی نساء سے تزوّج اور ذبائح کا تناول ناروا ہوگا۔کلماتِ علماء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس بارے میں مختلف، بہت مشائخ نے قولِ اخیر کی طرف میل فرمایا،بعض علماء نے تصریح کی کہ اسی پر فتوی ہے۔

بالجملہ محققین کے نزدیک راجح یہی ہے کہ یہود ونصارٰی مطلقاً اہلِ کتاب ہیں اوران پر احکامِ مشرکین جاری نہیں۔مگرتاہم جبکہ علماء کااختلاف ہےاوراس قول پرفتوٰی بھی منقول ہوچکا تو احتیاط اسی میں ہے کہ نصارٰی کی نساء وذبائح سے احتراز کرے،اور آج کل بعض یہود بھی ایسے پائے جاتے ہوں جوعزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابنیّت مانیں تو ان کے زَن وذبیحہ سے بھی بچنا لازم جانیں کہ ایسی جگہ اختلافِ ائمہ میں پڑنا محتاط آدمی کا کام نہیں، اگر فی الواقع یہ یہود ونصارٰی عنداللہ کتابی ہوئے تاہم ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کے تناول میں ہمارے لئے کوئی نفع نہیں، نہ شرعاً ہم پر لازم کیا گیا، نہ بحمدِ اللہ ہمیں اس کی ضرورت بلکہ برتقدیرِ کتابیت بھی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بےضرورت اِحتراز چاہئے۔ص115

اہلِ کتاب سے صرف یہود ونصاری ہی مراد ہیں

بعض مشائخ نے اسی پرترقی کرتے ہوئے صابی عورتوں سے نکاح کوبھی جائز قرار دیا بشرطیکہ وہ کسی دین کی آسمانی کتاب اورکسی نبی پر ایمان رکھتی ہوں اگرچہ وہ ستاروں کی پجاری ہوں اورانہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ ستاروں کی پوجاان کو کتابیہ ہونے

سے خارج نہیں کرتی، یہ وہ نظریہ ہے جو امام محقق برہانُ الملت والدین مرغینانی کی کتاب ہدایہ کے ظاہر کلام سے ملتا ہے، جہاں انہوں نے نکاح کے عدمِ جواز کو دو چیزوں پر مرتب کیا ایک ستاروں کی پوجا اور دوسری کتاب کا نہ ہونا، اور اس کی علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی نے تنویر میں اِتباع کرتے ہوئے فرمایا کہ ستاروں کی پوجا نہ کرتی ہو اور اس کی کتاب بھی نہ ہو۔ تو اس عبارت کے مفہومِ مخالف سے یہ اشارہ دیا کہ اگر اس کی کتاب ہو تو نکاح جائز ہے اگر چہ وہ ستاروں کی پوجا کرتی ہو۔ (ت)

خلاصہ یہ کہ یہود ونصارٰی کتابی لوگ جو نبوّت کے قائل ہونے کے باوجود غیر اللہ کی اُلوہیت کے قائل ہیں کو اہلِ کتاب ماننا میرے خیال میں خلافِ قیاس ہے لہذا یہ حکم اپنے مورد میں ہی محفوظ رہے گا جس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس سے ان بعض مشائخ کا یہ نظریہ کہ ستاروں کی پوجا صابیہ عورت کو کتابیہ سے جدا نہیں کرتی، واضح طور پر متروک قرار پاتا ہے اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ ہدایہ اور تنویر کا کلام ظاہری معنٰی پر محمول نہیں ہے، اور صاحب بحر کا کلام حق ہے کہ صابی لوگ اگر ستاروں کی پوجا کرتے ہیں تو وہ مشرک ہیں جس کی انہوں نے تصحیح کی ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ بحر کی اس تصحیح اور اس کے پہلے قول کہ یہود ونصاری کا اہلِ کتاب ہونا علی الاطلاق مذہب ہے اگر چہ وہ ثالثِ ثلٰثہ کے قائل ہیں، میں منافات نہیں ہے، اور اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ علامہ عمر ابن نجیم کا نہر میں اور علامہ محمد بن عابدین کا ردالمحتار میں مذکور بیان کہ نصرانی عورت اگر چہ مسیح علیہ السلام کو اِلٰہ ہونے کا عقیدہ رکھے تب بھی اس سے نکاح حلال ہے کو ان بعض مشائخ کی تائید ماننا الخ اس فرق سے ذہول پر مبنی ہے، اس تحریر کو غنیمت سمجھو، کیونکہ اس میں بہت سے قدم پھسلے ہیں، نعمتوں کے مالک اللہ تعالٰی کے لئے ہی حمد ہے۔ (ت)۔ص 119

ضروریاتِ دین میں سے کسی شی کے منکِر کا حکم ومثالیں

(۲) جو بدعتی ضروریاتِ دین میں سے کسی شیٔ کا منکر ہو باجماعِ مسلمین یقیناً قطعاً کافر ہے اگر چہ کروڑ بار کلمہ پڑھے، پیشانی اس کی سجدے میں ایک ورق ہوجائے، بدن اس کا روزوں میں ایک خاکہ رہ جائے، عمر میں ہزار حج کرے، لاکھ پہاڑ سونے کے راہِ خدا پر دے، واللہ ہرگز ہرگز کچھ مقبول نہیں جب تک حضور پُرنُور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ان تمام ضروری باتوں میں جو وہ اپنے رب کے پاس سے لائے تصدیق نہ کرے، ضروریاتِ اسلام اگر مثلاً ہزار ہیں تو ان میں سے ایک کا بھی انکار ایسا ہے جیسا نوسو ننانوے کا۔ص 123

الحاصل ایمان تصدیقِ قلبی کا نام ہے اور وہ بعد انکارِ ضروریات کہاں؟ مثلاً:

(۱) جو رافضی اس قرآنِ مجید کو جو بفضلِ الٰہی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہمارے دلوں میں محفوظ ہے، عیاذاً باللہ بیاضِ عثمانی بتائے اس کے ایک حرف یا ایک نقطہ کی نسبت صحابہ یا اہلسنت یا کسی شخص کے گھٹانے یا بڑھانے کا دعوٰی کرے۔

(۲) یا اِحتمالاً کہے شاید ایسا ہوا ہو۔

(۳) یا کہے مولٰی علی یا باقی ائمہ یا کوئی غیرِ نبی انبیاءِ سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں۔

(۴) یا مسئلہ خبیثہ ملعونہ بدل کا قائل ہو یعنی کہے باری تعالٰی کبھی ایک حکم سے پشیمان ہوکر اسے بدل دیتا ہے۔

(۵) یا کہے ایک وقت تک مصلحت پر اِطلاع نہ تھی جب اسے اطلاع ہوئی حکم بدل دیا تعالٰی اللہ عمّا یقول الظّٰلمون

علوا کبیرا۔

(۶) یا دامنِ عفت مأمنِ طیب اَطیَب اَعطر اَطہر کنیز انِ بارگاہِ طہارت پناہ حضرتِ ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق صلی اللہ علیٰ زوجہا الکریم وابیہا وعلیہا وبارک وسلم کے بارے میں اس اِفکِ مبغوض مغضوب ملعون کے ساتھ اپنی ناپاک زبان آلودہ کرے۔

(۷) یا کہے احکامِ شریعت حضراتِ ائمہؑ طاہرین کو سپرد تھے جو چاہتے راہ نکالتے جو چاہتے بدل ڈالتے۔

(۸) یا کہے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ وسلم کے بعد ائمہؑ طاہرین پر وحیِ شریعت آتی رہی۔

(۹) یا کہے ائمہ سے کوئی شخص حضور پُرنُور مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہم پلہ تھا۔

(۱۰) یا کہے حضراتِ کریمین اِمامین شہیدَین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور پُرنُور علیہ الصلاۃ والسلام سے افضل ہیں کہ ان کی سی ماں حضور کی والدہ کب تھیں اور ان کے سے باپ حضور کے والد کہاں تھے اور ان کے سے نانا حضور کے نانا کب تھے۔

(۱۲) یا کہے حضرت جناب شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نے نوح کی کشتی بچائی، ابراہیم پر آگ بجھائی، یوسف کو بادشاہی دی، سلیمان کو عالم پناہی دی علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین۔

(۱۳) یا کہے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی کسی وقت کسی جگہ حکمِ الٰہی کی تبلیغ میں معاذ اللہ تقیہ فرمایا اِلٰی غیر ذٰلك من الاقوال الخبیثۃ۔

(۱) یا جو نجدی وہابی حضور پُرنُور سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کوئی مثل آسمان میں یا زمین، طبقاتِ بالا میں یا زیریں میں موجود مانے یا کہے کبھی ہوگا یا شاید ہو یا ہے تو نہیں مگر ہو جائے تو کچھ حرج بھی نہیں۔

(۲) یا حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا اِنکار کرے۔

(۳) یا کہے آج تک جو صحابہ تابعین خاتم النبیین کے معنٰی آخر النبیین سمجھتے رہے خطا پر تھے نہ پچھلا نبی ہونا حضور کے لئے کوئی کمال بلکہ اس کے معنے یہ ہیں جو میں سمجھا۔

(۴) یا کہے میں ذمہ کرتا ہوں اگر حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبوت پائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(۵) یا دو ایک برے نام ذکر کر کے کہے نماز میں جنابِ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خیال لے جانا فلاں وفلاں کے تصور میں ڈوب جانے سے بدتر ہے لعنۃ اللہ علی مقالتہ الخبیثۃ۔

(۶) یا بوجہ تبلیغِ رسالت حضور پُرنُور محبوب رب العٰلمین ملک الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس چپراسی سے تشبیہ دے جو فرمانِ شاہی رِعایا کے پاس لایا۔

(۷) یا حضورِ اَقدس مالک ومعطیٔ جنت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ اور حضرت سیدنا ومولانا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ وحضرت سیدنا غوثِ اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسمائے کریمہ طیبہ لکھ کر کہے (خاک بدہانِ گستاخاں) یہ سب جہنم کی راہیں ہیں۔

(۸) یا حضور فریادرسِ بیکساں حاجت روائے دوجہاں صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے استعانت کو برا کہہ کر یوں ملعون مثال دے کہ جو غلام ایک بادشاہ کا ہو رہا اسے دوسرے بادشاہ سے بھی کام نہیں رہتا پھر کیسے۔۔۔۔۔کا کیا ذکر ہے اور یہاں

دونا پاک قوموں کے نام لکھے۔

(۹) یا ان کے مزار پُر انوار کو فائدۂ زیارت میں کسی پادری کافر کی گور سے برابر ٹھہرائے، **اشد مقت اللہ علی قولہ**۔

(۱۰) یا اس کی خباثتِ قلبی توہینِ شانِ رفیعُ المکان واجبُ الاِعظام حضور سیدُ الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام پر باعث ہو کہ حضور کو اپنا بڑا بھائی بتائے۔

(۱۱) یا کہے (ان کے بدگو) مرکر مٹی میں مل گئے۔

(۱۲) یا ان کی تعریف ایسی ہی کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کی کرتے ہو بلکہ اس سے بھی کم **اِلٰی غیر ذٰلك من الخرافات الملعونۃ**۔

(۱) یا کوئی نیچری نئی روشنی کا مدعی کہے باندی غلام بنانا ظلمِ صریح اور بہائم کا سا کام ہے جس شریعت میں کبھی یہ فعل جائز رہا ہو وہ شریعت منجانبِ اللہ نہیں۔

(۲) یا معجزاتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے انکار کرے، نیل کے شَق ہونے کو جوار بھاٹا بتائے، عصا کے اژدہا بن کر حرکت کرنے کو سیماب وغیرہ کا شعبدہ ٹھہرائے۔

(۳) یا مسلمانوں کی جنت کو معاذ اللہ رنڈیوں کا چکلہ کہے۔

(۴) یا نارِ جہنم کو اَلمِ نفسانی سے تاویل کرے۔

(۵) یا وجودِ ملائکہ علیہم السلام کا منکر ہو۔

(۶) یا کہے آسمان ہر بلندی کا نام ہے وہ جسم جسے مسلمان آسمان کہتے ہیں محض باطل ہے۔

(۷) یا کہے شیطان (کہ اس کا معلّمِ شفیق ہے) کوئی چیز نہیں فقط قوتِ بدی کا نام ہے اور قرآنِ عظیم میں جو قصے آدم وحوا وغیرہما کے موجود ہیں جن سے شیطان کا وجودِ جسمانی سمجھا جاتا ہے تمثیلی کہانیاں ہیں۔

(۸) یا کہے ہم بانیٔ اسلام کو برا کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔

(۹) یا نصوصِ قرآنیہ کو عقل کا تابع بتائے کہ جو بات قرآنِ عظیم کی قانونِ نیچری کے مطابق ہو گی مانی جائے ورنہ کفرِ جلی کے روئے زشت پر پردہ ڈھکنے کو ناپاک تاویلیں کی جائیں گی۔

(۱۰) یا کہے نماز میں استقبالِ قبلہ ضرور نہیں جدھر منہ کرو اُسی طرف خُدا ہے۔

(۱۱) یا کہے آجکل کے یہود ونصارٰی کافر نہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زمانہ نہ پایا نہ حضور کے معجزات دیکھے۔

(۱۲) یا ہاتھ سے کھانا کھانے وغیرہ سنن کے ذکر پر کہے تہذیب نصارٰی نے ایجاد کی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض افعال نامہذب تھے۔ اور یہ دونوں کلمے بعض اَشقیاء سے فقیر نے خود سنے، **اِلٰی غیر ذٰلك من الاباطیل الشیطانیۃ**۔

(۱) یا کوئی جھوٹا صوفی کہے جب بندہ عارف باللہ ہو جاتا ہے تکالیفِ شرعیہ اس سے ساقط ہو جاتی ہیں یہ باتیں تو خدا تک پہنچنے کی راہ ہیں جو مقصود تک واصل ہو گیا اسے راستہ سے کیا کام۔

(۲) یا کہے یہ رکوع وسجدہ تو مجوبوں کی نماز ہے محبوبوں کو اس نماز کی کیا ضرورت، ہماری نماز ترکِ وجود ہے۔

(۳) یا یہ نماز روزہ تو عالموں نے انتظام کے لئے بنالیا ہے۔

(۴) یا جتنے عالم ہیں سب پنڈت ہیں عالم وہی ہے جو انبیاء بنی اسرائیل کی مثل معجزے دکھائے، یہ بات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حاصل ہوئی وہ بھی ایک مدت کے بعد مولیٰ علی کے سکھانے سے **کما سمعتہ من بعض المتھورین علی اللہ** (جیسا کہ میں نے خود ایسے لوگوں سے سنا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جرأت کرتے ہیں۔ت)

(۵) یا خدا تک پہنچنے کے لئے اسلام شرط نہیں، بیعت بِک جانے کا نام ہے اگر کافر ہمارے ہاتھ پر بِک جائے ہم اسے بھی خدا تک پہنچادیں گو وہ اپنے دینِ خبیث پر رہے۔

(۶) یا رنڈیوں کا ناچ علانیہ دیکھے جب اس پر اعتراض ہو تو کہے یہ تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

کما بلغنی عن بعضھم واعترف بہ بعض خلص مریدیہ (جیسا کہ ان کے بعض سے مجھے اطلاع ملی اور اس کے مخلص مرید نے اس کا اعتراف کیا۔ت)

(۷) یا شبانہ روز طبلہ سارنگی میں مشغول رہے جب تحریم مزامیر کی احادیث سنائیں تو کہے یہ مذمتیں تو اُن کثیف بے مزہ باجوں کے لئے وارد ہوئیں جو اس وقت عرب میں رائج تھے یہ لطیف نفیس لذیذ باجے جو اَب ایجاد ہوئے اس زمانے میں ہوتے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سوا ان کے سننے کے ہرگز کوئی کام نہ کرتے۔

(۸) یا کہے:

بمعنے خدا ہے سراہا گیا ہے محمد خدا ہے خدا ہے محمد
یہ دونوں ہیں ایک ان کو دو مت سمجھنا خدا باطن وظاہر ہے محمد

(۹) یا کہے:

مسیحا سے تری آنکھوں کی سب بیمار اچھے ہیں اشاروں میں جلا دیتے ہیں مردہ یارسول اللہ

(۱۰) یا کہے:

علی مشکلکشا شیرِ خدا تھا اور حیدر تھا دو بالا مرتبہ تھارا کبِ دوشِ پیمبر تھا
بربِ کعبہ کب خیبر شکن فرزندِ آزر تھا بتوں کے توڑنے میں اس سے ابراہیم ہمسر تھا
اگر ہوتا نہ زیرِ پا کتفِ شاہ رسولاں کا

(۱۱) یا کہے مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے اور انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام میں کوئی خدا کا محبوب نہ تھا۔

(۱۲) یا اس کے جلسہ میں **لا الہ الا اللہ فلاں رسول اللہ** اُسی مغرور کا نام لے کر کہا جائے اور وہ اس پر راضی ہو جائے۔

یہ سب فرقے بالقطع والیقین کافر مطلق ہیں، **ھداھم اللہ تعالٰی الی الصراط المستقیم والالعنھم لعنۃ تبید صغارھم وکبارھم وتزیل عن الاسلام والمسلمین عارھم وعوارھم اٰمین** (اللہ تعالیٰ

ان کو سیدھی راہ کی ہدایت دے ورنہ ان پر لعنت فرمائے ایسی لعنت جو ان کے بڑوں چھوٹوں کو ملیا میٹ کردے اور اسلام اور مسلمانوں سے ان کی عار اور اندھا پن ختم ہوجائے، آمین!۔ت) اور جو شخص ابتداء میں صحیح الاسلام تھا بعدہٗ ان خرافات کی طرف رجوع کی اس کے مرتد ہونے میں شبہہ نہیں۔ص 123

ہجرت کی قسمیں واَحکام

ہجرت دو قسم ہے: عامہ وخاصہ۔

عامہ:

یہ کہ تمام اہلِ وطن ترکِ وطن کرکے چلے جائیں۔

اور خاصہ:

یہ کہ خاص اَشخاص، پہلی ہجرت دارُالحرب سے ہر مسلمان پر فرض ہے، جس کا بیان آیۂ کریمہ {اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ} الآیۃ (وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے الآیۃ۔ت) میں ہے، اس سے صِرف عورتیں اور بچے اور عاجز مرد جو نکل نہیں سکتے مستثنٰی ہیں، جس کا ذِکر اس کے متصل دوسری آیۂ کریمہ {اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ} الآیۃ میں ہے، باقی سب پر فرض ہے جو باوصفِ قدرت دارُالحرب میں سکونت رکھے اور ہجرت نہ کرے مستحقِ عذاب ہے، رہا دارالاسلام اس سے ہجرتِ عامہ حرام ہے کہ اس میں مساجد کی ویرانی و بےحرمتی، قبورِ مسلمین کی بربادی، عورتوں بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی اور **ہجرتِ خاصہ میں تین صورتیں ہیں:** اگر کوئی شخص کسی وجہِ خاص سے کسی مقامِ خاص میں اپنے فرائضِ دِینیہ بجا نہ لاسکے اور دوسری جگہ ممکن ہو تو اگر یہ خاص اسی مکان میں ہے اس پر فرض ہے کہ یہ مکان چھوڑ کر دوسرے مکان میں چلا جائے، اور اگر اس محلہ میں معذور ہو تو دوسرے محلہ میں اُٹھ جائے اور اس شہر میں مجبور ہو تو دوسرے شہر میں **وعلٰی ھذا القیاس**۔ (جیسا کہ مدارک التنزیل میں اس کی تفصیل ہے اور اس پر حدیث مبارکہ سے استشہاد کیا ہے۔ت)

دوسرے: وہ کہ یہاں اپنے فرائضِ مذہبی بجالانے سے عاجز نہیں اور اس کے ضعیف ماں یا باپ یا بیوی یا بچے جن کا نفقہ اس پر فرض ہے وہ نہ جاسکیں گے یا نہ جائیں گے اور اس کے چلے جانے سے بےوسیلہ رہ جائیں گے تو اس کو دارُالاسلام سے ہجرت کرنا حرام ہے۔حدیث میں ہے: **کفٰی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت**۔کسی آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ اسے ضائع کردے جس کا نفقہ اس کے ذمے تھا(ت) یا وہ عالم جس سے بڑھ کر اس شہر میں عالم نہ ہو اسے بھی حرام ہے۔

تیسرے: وہ کہ نہ فرائض سے عاجز ہے نہ اس کی یہاں حاجت، اسے اختیار ہے رہے یا چلا جائے جو اس کی مصلحت سے ہو، یہ تفصیل دارُالاسلام میں ہے (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ت) اب آپ اپنی حالت کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ آپ کو ہجرت جائز یا واجب یا حرام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔ص 131

سلطانِ اِسلام ہرگز کفار کو مراسمِ کفر کی اجازت نہیں دے سکتا

سلطانِ اسلام ہرگز کفار کو مراسمِ کفر کی اجازت نہیں دے سکتا، کیا اجازتِ کفر دے کر خود کافر ہوگا بلکہ **نتركهم**

ومایدینون (انہیں ہم ان کے دین پر چھوڑ دیں گے۔ت) یعنی جہاں جس بات کے اِزالہ کا حکم نہیں وہاں تعرُّض نہ کرے گا نہ یہ کہ ان سے کہے گا کہ ہاں ایسا کرو۔ص 136

سلطنتِ اسلام کی حمایت اور اَما کنِ مقدسہ کا تحفظ

بلاشبہہ سلطنتِ اسلام کی حمایت اور اما کنِ مقدسہ کا تحفظ مسلمانوں پر فرض ہے مگر ہر فرض بقدرِ قدرت ہے اور ہر حکم حسبِ استطاعت، ہندوؤں کی غلامی حرام ہے اور ان سے اتحاد و وداد مخالفتِ قرآن ہے، جو شخص جو طریقہ برتنا چاہے اسے تین باتیں سوچ لینا ضرور ہے: **اول:** وہ طریقہ شرعاً جائز ہو، نہ محرمات و کفریات جیسے آجکل لوگوں نے اختیار کئے ہیں۔

دوم: وہ طریقہ ممکن بھی ہو، اپنے آپ کو اس کے کرنے پر قدرت ہو کہ غیر مقدوریات کا اُٹھانا شرعاً بھی ممانعت ہے عقلاً بھی حماقت۔

سوم: وہ طریقہ مفید بھی ہو، وقت اٹھائے پریشانی اٹھائے بلا کے لئے سینہ سپر ہو، اور کرے وہ بات جو محض غیر مفید و بے اثر ہو، یہ بھی شرعاً عقلاً کسی طرح مقبول نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص 138

* ہندوستان کے کافر ذمی نہیں، ذمی وہ کافر ہے کہ سلطنتِ اسلام میں مطیع الاسلام ہو کر رہے اور جزیہ دینا قبول کرے، بیع وشراء لین دین کہ جائز ہو ہر کافر اصلی سے جائز ہے۔ص 139

حلال کو حرام، حرام کو حلال ٹھہرانے کا حکم

حلال کو حرام، حرام کو حلال ٹھہرانا ائمۂ حنفیہ کے مذہبِ راجح میں مطلقاً کفر ہے، جبکہ ان کی حلت وحرمت قطعی ہو جیسے جائز کسب وتجارت واِجارت کی حلت، مشرکین سے وداد و اِنقیاد و اِتحاد کی حرمت، اور اگر وہ حرامِ قطعی حرام لعینہ ہے، جیسے مذکورات جب تو اسے حلال ٹھہرانا باجماعِ ائمۂ حنفیہ کفر ہے۔ص 147

ابوالکلام آزاد کی گستاخیاں

اللہ اکبر یہ ہے وہ اسلام جس پر ان کے بڑے لیڈر ابوالکلام آزاد کا مسئلۂ خلافت و جزیرۂ عرب میں یہ اہتمام کہ وہ بعض اقسامِ کفار سے محبت کرنے کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ عالمگیر محبت اس کی دعوتِ حق کا اصل الاصول ہے۔

ابوالکلام آزاد نے "الہلال" میں سیدنا عیسٰی علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے نبی صاحبِ شریعت کا صاف انکار کیا اور منہ بھر کر قرآنِ عظیم کو جھٹلا دیا "الہلال" ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء میں کہا: "مسیح ناصری کا تذکرہ بیکار ہے، وہ شریعت موسوی کا ایک مصلح تھا جو خود کوئی صاحبِ شریعت نہ تھا، اس کی مثال مجدد کی سی تھی، وہ کوئی شریعت نہ لایا، اس کے پاس کوئی قانون نہ تھا، اس نے خود تصریح کر دی کہ میں توریت کو مٹانے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔

مسلمانو! **اول:** تو روح اللہ کلمۃ اللہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہنا کہ اس کا تذکرہ بیکار ہے۔

دوم: بار بار مؤکد فقروں سے جمانا کہ وہ نبی صاحبِ شریعت نہ تھے۔

سوم: نصارٰی کی انجیلِ محرَّف سے سند لانا، اور وہ بھی محض بر بنائے جہالت وضلالت۔کیا صاحبِ شریعت انبیاء اللہ کے اگلے

کلاموں کو مٹانے آتے ہیں، حاشا بلکہ پورا ہی فرمانے کو، نسخ کے یہی معنی ہیں کہ اگلے حکم کی مدت پوری ہوگئی خیر یہاں کہنا یہ ہے کہ ان فقروں میں آزاد صاحب نے پیٹ بھر کر قرآنِ عظیم کی تکذیب کی، قرآنِ کریم قطعاً ارشاد فرماتا ہے کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحبِ شریعت تھے۔ **اولاً:** اس نے پہلے توراۃ مقدس کا ذکر فرمایا: {**وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ**} ۔ان کے پاس توراۃ ہے اس میں اللہ کے حکم ہیں۔ اور فرمایا: جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہی کافر ہیں۔ پھر مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انجیل دینا بیان کر کے فرمایا: {**وَ لْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ**} انجیل والے اللہ کے اتارے پر حکم کریں اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

اسی الہلال کی جلد تین کی چار اور تکذیبیں اس بائیکاٹ کے بالکل خلاف ہیں، صفحہ ۳۳۸ پر مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت کہ: ''یہودیوں نے ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا تا کہ وہ صلیب (عـــہ ۱)[1] پر لٹائے جائیں اور جو لکھا ہے پورا ہو''

یہ قرآنِ عظیم کی ساتویں تکذیب کی، وہ فرماتا ہے: {**وَمَا صَلَبُوْهُ**} انہوں نے مسیح کو سولی نہ دی۔ نیز اسی صفحہ پر کہا": مسیح نے اپنی عظیم قربانی کی۔' اور صفحہ ۳۳۹ پر دو لفظ اور لکھے ": مظلومانہ قربانی'' اور ''خون شہادت''۔ یہ تینوں لفظ بھی قرآنِ عظیم کی تکذیب بتاتے ہیں، وہ فرماتا ہے: {**وَمَا قَتَلُوْهُ**} انہوں نے مسیح کو قتل نہ کیا۔ یہاں تک پوری دس تکذیبیں ہوئی **تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ**۔ یہ پچھلی چار عین مذہبِ نصارٰی ہیں، کیا قرآنِ عظیم کو جھٹلانے کے لئے نصارٰی سے بائیکاٹ کے بدلے میل ہوجانا ہے یعنی ملۃ واحدۃ، ہر شخص کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل کا اَدنی جلوہ، پہلو میں دل اور دل میں اسلام کا کچھ بھی حصہ ہو علانیہ دیکھ رہا ہے کہ آزاد صاحب کے ان اقوال میں تین کفر ہیں (۱) کلام اللہ کی تکذیب، (۲) رسول اللہ کی توہین، (۳) شریعۃ اللہ کا انکار۔

آج کل کفر وارتداد و زندقہ والحاد کا گرم بازار ہے ہر چہار طرف سے اللہ ورسول وقرآن پر گالیوں تکذیبوں کی بوچھاڑ ہے، کفر بکنے والوں سے گلہ نہیں، عجب عام مدعیانِ اسلام سے کہ ان کے نزدیک اللہ ورسول وقرآن سے زیادہ ہلکی عزت کسی کی نہیں، ان کے ماں باپ کو گالی دینا تو بڑی بات کوئی انہیں تُو تو کہہ دیکھے اور اللہ ورسول وقرآن پر گالیاں سنتے ہیں، چھپے شائع ہوتے دیکھتے ہیں اور تیوری پر بل نہیں آتا بلکہ گالیاں دینے والوں سے میل جول یارانے دوستانے بدستور رہتے ہیں، ان کے اعزاز واکرام القاب آداب ویسے ہی منظور رہتے ہیں، صاف دلکشادہ جبین گویا کسی نے کچھ کہا ہی نہیں، نہیں نہیں بلکہ الٹی ان کی حمایت، انہیں برا کہنے والے سے بغض وعداوت، ان کا حکم الٰہی ظاہر کرنے والا بے تہذیب بدلگام ہے، تنگ کن دائرہ اسلام ہے۔ ص154

امیرِ شریعت کی قسمیں

امیر شریعت دو قسم ہے: اختیاری وقہری۔

اختیاری:

وہ جو کسی پر اپنے احکام کی تنفیذ میں جبر کا اختیار نہیں رکھتا، احکامِ شریعت بتادینا اس کا کام ہے، ماننا نہ ماننا لوگوں کے اختیار، یہ امیرِ شریعت متدین فقہائے اہلِ سنت ہیں، عدمِ سلطان کی حالت میں مسلمانوں پر اپنے امورِ دینیہ میں متدین معتمد

---

[1] **عـــہ ۱:** صلیب پر لٹانا بھی عجیب شاید صلیب زمین پر بچھی ہوئی مسہری سمجھی۔

علمائے اہلسنت کی طرف رجوع کرنا اور بھی لازم تر ہو جاتا ہے کہ بعض بعض خاص دِینی کام جنہیں وُلاۃ وقُضاۃ اٹھائے ہوتے ہیں، ان میں بھی تاحدِ ممکن انہیں کے حکم سے تکمیل کرنی ہوتی ہے، جیسے معاملۂ عنین وتنفیذِ اَنکحہ وخیاراتِ بلوغ وغیرہا سوائے حدود وتعزیر وقصاص جس کا اختیار غیرِ سلطان کو نہیں، یہ امیرِ شرعی کسی کے انتخاب پر نہیں بلکہ خود بانتخابِ الٰہی منتخب ہے، دیانت وفقاہت میں اس کا تفرد وتفوّق خود ہی اسے متعین کرتا ہے، یہاں تک کہ لوگ اگر اس کے غیر کو منتخب کریں گے خطا کریں گے اور اسی کا اتباع لازم ہوگا کہ وہی اہل ہے اور طبائع خود ہی دینی امور میں اس کی طرف رجوع پر مجبور ہوتی ہیں کہ دوسری جگہ ویسا حلِ شافی نہیں پاتیں یہاں تک کہ اس کے اکابراَعدا، کہ بوجہِ دینی یا حسدِ شیاطینی اس کے سخت دشمن ہوتے ہیں، اور زبردستی اس پر اپنی تعلّی چاہتے ہیں، مسائلِ مشکلہ کے حل کرنے میں اس کے محتاج رہتے ہیں، اپنے گمنام جاہلوں کے ذریعہ سے اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں یوں اپنے لاحل مسئلوں کی گرہ کھلواتے ہیں۔

اس امیرِ شریعت کے ہاتھ پر بیعت نہ کچھ ضرور نہ اس کا دستور، نہ اس کا ترک گناہ ومحذور، بلکہ اس کا معیار وہی ہے جو اوپر مذکور۔

دوسرا امیر قہری:

اس کے ذمہ وہ کام ہیں جو بغیر تسلط وغلبہ وقہر کے انجام نہیں پاتے مثلاً قصاص وحدود وتعزیرات واخذِ عشور واخذِ خراج یہ ضرور نصب وانتخابِ مسلمین پر ہے اور اسی کے ہاتھ پر بیعت کا دستور اور بلاوجہِ شرعی اس سے اِنکار محظور، یہ اگر عام ممالکِ اسلامیہ پر مقرر کیا جائے تو خلیفہ وامیر المومنین ہے اور اس کے لئے سات شرطیں لازم کہ ایک بھی کم ہو تو خلیفہ نہیں متغلّب ہے، اسلام، حریت، ذکورت، عقل، بلوغ، قدرت، قرشیت۔ اور اگر کسی قطر یا شہر یا موضع خاص پر تو وہاں کا صوبہ یا والی ہے، اس کے لئے بھی عقل وبلوغ وقدرت یقیناً شرط اور قرشیت کی کچھ حاجت نہیں اور تعمیمِ احکام کے لئے اسلام وحریت وذکورت بھی ضرور ائمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ عدمِ سلطان کے وقت مسلمانوں پر ایسا والی مسلم تلاش کرنا واجب ہے ت) مگر ہر واجب بقدرِ قدرت ہوتا ہے اور ہر فرض بشرطِ استطاعت۔ ص168

خلیفہ وسلطان ومتغلّب میں فرق اور خلیفہ کا قریش سے ہونا شرط ہے

خلیفہ وسلطان کے فرق اور یہ کہ سلطان کہہ دیا جانا ہی خلیفہ نہ ہونے کی کافی دلیل ہے اور یہ کہ لفظ خلیفہ میں اگر کوئی عرف حادث ہو تو اس سے خلافتِ مصطلحہ شرعیہ پر کیا اثر۔

(۱) خلیفہ حکمرانی وجہانبانی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائبِ مطلق تمام امت پر ولایتِ عامہ والا ہے۔

خودسر کفار کا اُسے نہ ماننا شرعاً اس کے استحقاقِ ولایتِ عامہ میں مخل نہیں جس طرح ان کا خود نبی کو نہ ماننا یونہی روئے زمین کے مسلمانوں میں جو اسے نہ مانے گا اس کی خلافت میں خلاف نہ آئے گا یہ خود ہی باغی قرار پائے گا اور اصطلاح میں سلطان وہ بادشاہ ہے جس کا تسلطِ قہری ملکوں پر ہو چھوٹے چھوٹے والیانِ ملک اس کے زیرِ حکم ہوں۔ یہ دو قسم ہے:

(۱) مُولّٰی جسے خلیفہ نے والی کیا ہو اس کی ولایت حسبِ عطائے خلیفہ ہوگی جس قدر پر والی کرے۔

(۲) دوسرا متغلب کہ بزورِ شمشیر ملک دَبا بیٹھا اس کی ولایت اپنی قلمرو پر ہوگی وبس۔

(۲) کہ اول پر متفرع ہے خلیفہ کی اطاعت غیرِ معصیت الٰہی میں تمام امت پر فرض ہے جس کا منشا خود اس کا منصب ہے کہ نائبِ رسولِ رب ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور سلطان کی اطاعت صرف اپنی قلمرو پر، پھر اگر مولّٰی ہے تو بواسطہ عطائے خلیفہ اس منصب ہی کی وجہ سے کہ اس کا امر امرِ خلیفہ ہے اور امرِ خلیفہ امرِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور اگر متغلب ہے تو نہ اس کے منصب سے کہ وہ شرعی نہیں بلکہ دفعِ فتنہ اور اپنے تحفظ کے لئے۔

(۳) کہ دوم پر متفرع ہے خلیفہ نے جس مباح کا حکم دیا حقیقۃً فرض ہو گیا جس مباح سے منع کیا حقیقۃً حرام ہو گیا یہاں تک تنہائی وخلوت میں بھی اس کا خلاف جائز نہیں کہ خلیفہ نہ دیکھے اللہ دیکھتا ہے، ایک زمانے میں خلیفہ منصور نے امام الائمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فتوٰی دینے سے منع کر دیا تھا، امام ہمام کی صاحبزادی نے گھر میں ایک مسئلہ پوچھا، امام نے فرمایا: میں جواب نہیں دے سکتا خلیفہ نے منع کیا ہے۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ خلیفہ کا حکم مباح درکنار فرضِ کفایہ پر غالب ہے جبکہ دوسرے اس کے ادا کرنے والے موجود ہوں کہ اب اس کا ترک معصیت نہیں تو حکمِ خلیفہ نافذ ہوگا اگرچہ خلیفہ ظالم بلکہ خود اس کا وہ حکم ظلم ہو کہ امام کو فتوٰی سے روکنا نہ ہوگا مگر ظلماً، اور سلطان متغلب جس کی ولایت خلیفہ سے مستفاد نہ ہو اس کے امر ونہی سے مباحات فی نفسہا واجب وحرام نہ ہو جائیں گے تنہائی میں اس طور پر کہ اسے اطلاع پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو مباح اپنی اباحت پر رہے گا۔ علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ تعالٰی صاحب نسیم الریاض وعنایۃ القاضی وغیرہما کتبِ نافعہ کے زمانے میں سلطان نے حقہ پینے سے لوگوں کو منع کیا تھا یہ پردہ ڈال کر پیتے۔ امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی رسالہ الصلح بین الاخوان میں فرماتے ہیں: ''نہ خود حقہ پیتا ہوں نہ میرے گھر بھر میں کوئی پیتا ہے مگر مباح کو حرام نہیں کہہ سکتا''

(۴) کہ نیز دوم پر متفرع ہے خلیفہ ایک وقت میں تمام جہان میں ایک ہی ہوسکتا ہے اور سلاطین دس ملکوں میں دس۔

(۵) کوئی سلطان اپنے انعقادِ سلطنت میں دوسرے سلطان کے اِذن کا محتاج نہیں مگر ہر سلطان اذنِ خلیفہ کا محتاج ہے کہ بے اس کے اس کی حکومت شرعی ومرضیِ شرع نہیں ہوسکتی۔

(۶) خلیفہ بلا وجہ شرعی کسی بڑے سے بڑے سلطان کے معزول کئے معزول نہیں ہوسکتا، خود جبار وسرکش قوّادترک کہ متوکل بن معتصم بن ہارون رشید کو قتل کرکے خلفاء پر حاوی ہوگئے تھے جب ان میں کسی کو زندہ رکھ کر معزول کرنا چاہتے خود اسے مجبور کرتے کہ خلافت سے استعفٰی دے تاکہ عزل صحیح ہوجائے بخلاف سلطان کہ خلیفہ کا صرف زبان سے کہہ دینا ''میں نے تجھے معزول کیا'' اس کے عزل کو بس ہے۔

(۷) سلطنت کے لئے قرشیت درکنار حریت بھی شرط نہیں، بہتیرے غلام بادشاہ ہوئے۔

اور خلافت کے لئے حریت باجماعِ اہلِ قبلہ شرط ہے (جیسا کہ مواقف اور اس کی شرح اور عامہ کتب میں ہے۔ت)

یہاں سے خلیفہ وسلطان کے فرق ظاہر ہوگئے، نیز کھل گیا کہ سلطان خلیفہ سے بہت نیچا درجہ ہے، ولہذا کبھی خلیفہ کے نام کے ساتھ لفظ سلطان نہیں کہا جاتا کہ اس کی کسرِ شان ہے آج تک کسی نے سلطان ابوبکر صدیق، سلطان عمر فاروق، سلطان عثمان غنی، سلطان علی المرتضٰی بلکہ سلطان عمر بن عبدالعزیز بلکہ سلطان ہارون رشید نہ سنا ہوگا، کسی خلیفہ اموی یا عباسی کے نام کے ساتھ اسے نہ پایئے گا، تو کھل گیا کہ جس کے نام کے ساتھ سلطان لگاتے ہیں اسے خلیفہ نہیں مانتے کہ خلیفہ اس سے بلند وبالا ہے، یہی وہ

خلافتِ مصطلحۂ شرعیہ ہے جس کی بحث ہے، اسی کے لئے قرشیت وغیرہا سات شرطیں لازمی ہیں عرفِ حادث میں اگر کسی سلطان کو بھی خلیفہ کہیں یا مدح میں ذکر کر جائیں وہ نہ حکمِ شرع کا نافی ہے نہ اصطلاحِ شرع کا منافی۔ جس طرح اجماعِ اہلسنت ہے کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے سوا کوئی معصوم نہیں، جو دوسرے کو معصوم مانے اہلسنت سے خارج ہے، پھر عرفِ حادث میں بچوں کو بھی معصوم کہتے ہیں یہ خارج از بحث ہے جیسے لڑکوں کے معلّم تک کو خلیفہ کہتے ہیں، یہ مبحث واجبُ الحفظ ہے کہ دھوکا نہ ہو۔ وباللہ التوفیق۔ ص184 تا 187

بالجملہ مسئلہ (یعنی خلیفہ کے لئے قرشیت کی شرط ہونا) **قطعاً یقیناً اہلسنت کا اجماعی ہے ولہذا حدیثِ بخاری: اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی۔ سنو اور مانو اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام عامل کیا جائے۔** اس کی شرح میں علما قاطبۃً ازالۂ وہم کی طرف متوجہ ہوئے، شرح مقاصد میں ہے: **ذٰلك فی غیر الامام من الحکام** ۔ یہ حدیث خلیفہ کے سوا اور حکامِ ماتحت کے بارے میں ہے۔

مواقف میں ہے: یہ حدیث اس کے بارے میں ہے جسے کسی لشکر وغیرہ پر سردار کرے۔

شرح مواقف میں ہے: حدیث کو اس معنی پر حمل کرنا واجب ہے کہ اجماع کے مخالف نہ پڑے، یا یوں کہیں کہ وہ بروجہِ مبالغہ بطورِ فرض ارشاد ہوا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ امام کا غلام ہونا بالا جماع باطل ہے۔

ابن الجوزی نے تحقیق پھر امام بدر محمود عینی نے عمدۃ القاری، پھر حافظ عسقلانی نے شرح بخاری کتابُ الصلوٰۃ میں فرمایا: یہ حدیث سرداروں اور عاملوں کے بارے میں ہے نہ کہ خلفا میں کہ خلافت تو قریش میں ہے دوسروں کو اس میں دخل ہی نہیں۔

یہیں فتح الباری میں ہے: **امر بطاعۃ العبد الحبشی والامامۃ العظمی انما تکون بالاستحقاق فی قریش فیکون غیرھم متغلبا** ۔ حبشی غلام کی اطاعت کا حکم فرمایا اور خلافت تو صرف قریش کا حق ہے تو غیرِ قریشی متغلب ہوگا یعنی زبردستی امیر بن بیٹھنے والا۔

عمدۃ القاری وفتح الباری کتابُ الاحکام میں اسی حدیث کے نیچے ہے: مراد یہ ہے کہ وہ عامل کیا جائے، یوں کہ خلیفہ غلام حبشی کو کسی شہر کا عام والی کردے یا کسی خاص منصب کی ولایت دے جیسے نماز کی امامت یا خراج کی تحصیل یا کسی لشکر کی سرداری، خلفائے راشدین کے زمانے میں یہ تینوں باتیں بعض میں جمع ہوجاتی تھیں اور کسی میں بعض۔

امام ابوسلیمٰن خطابی پھر امام عینی وامام عسقلانی وعلی قاری نے فرمایا: یعنی کبھی ضربِ مثل میں وہ بات کہی جاتی ہے جو واقع نہ ہوگی، یہ حدیث اسی قبیل سے ہے، حبشی کا ذکر حکمِ اطاعت میں مبالغہ کے لئے فرمایا اگرچہ حبشی غلام کا ولی بننا شرعاً متصور نہیں، مرقاۃ کے الفاظ یہ ہیں خطابی نے کہا: کبھی ضربِ مثل میں وہ بات کہی جاتی ہے جو واقع نہ ہوگی۔ (ت)۔ ص198

لفظِ امامت کا اطلاق عُرفِ فقہا میں

لفظ امامت کا اطلاق عرفِ فقہا میں وسیع تر ہے (دیکھو بدائع امام مَلِک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ بیانِ موادعت وصلح) لاجرم یہاں امامت محض بمعنی سلطنت ہے خواہ صحیحہ جائزہ عادلہ ہو یا ظالمہ غاصبہ باطلہ نہ کہ بمعنٰے خلافتِ شرعیہ، اگرچہ اپنے محل

میں وہ بھی مراد ہوتی ہے جیسے حدیث الائمۃ من قریش میں، اس کی نظیر لفظِ امیر ہے کہ ہرگز خلیفہ کے ساتھ خاص نہیں، والیِ شہر وسردارِ حُجاج کو بھی کہتے ہیں مگر "الائمۃ من قریش" میں قطعاً خلفاء ہی مراد۔ص220

ابنِ خلدون کی حالت

ابنِ خلدون کی حالت عجیب ہے اس کے کلام سے کہیں اعتزال (عــہ ا)[1] کی بو آتی ہے، کہیں نیچریا نہ اسباب پرستی کی جھلک پائی جاتی ہے، اولیائے کرام کا صاف دشمن ہے، ان کو رافضیوں کا مقلّد بتاتا ہے، کہتا ہے ان کے دلوں میں رافضیوں کے اقوال رچ گئے اور ان کے مذاہب کو اپنا دین بنانے میں توغّل کیا یہاں تک کہ طریقت کا سلسلہ علی تک پہنچایا اور کہا انہوں نے حسن بصری کو خرقہ پہنایا اور ان سے ان کے پیر جنید تک پہنچا اس تخصیصِ علی اور ان کی اور باتوں سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ رافضیوں میں داخل ہیں، ولہذا رافضیوں کی طرح ایک امام مہدی کے انتظار میں ہیں جن کے آنے کی کچھ صحت نہیں۔

اسی طرح اقطاب و ابدال کا یک لخت منکِر ہے اس میں بھی اولیاء کے مقلدِ روافض ہونے کا مشعِر ہے کہ جس طرح رافضیوں نے ہر زمانے میں ایک امام باطن اور اس کے نیچے نُقَبا مانے ہیں، یونہی ان سے سیکھ کر صوفیہ نے ہر دور میں ایک قطب اور اس کے ماتحت ابدال گھڑے ہیں، حالانکہ احادیثِ مرفوعہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ جن کے بیان میں امام جلال الدین سیوطی کا ایک رسالہ ہے حضور سیدنا غوثِ اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ودیگر اَجلہ اقطابِ کرام قدست اسرارہم سب سے اَقطاب وابدال کی حقیقت متواتر ہے یونہی کون سا صاحب سلسلہ ہے جس کا سلسلہ امیر المومنین علی تک نہیں پہنچتا تو وہ ان تمام حضرات اکابر کرام کو معاذ اللہ دین میں مخترع اور رافضیوں کا متّبع بلکہ سلکِ روافض میں منسلک ٹھہراتا ہے، فتوحاتِ اسلام کا راز، عربی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا وحشی ہونا بتایا ہے، اور یہ کہ امیر المومنین فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد پر بھیجتے وقت انہیں وحشیت پر اور اُبھار دیا کیونکہ وحشی ہی قوم کا ملک وسیع ہوتا ہے، نیز کہتا ہے صحابہ وحشی ہونے کے سبب لکھنا ٹھیک نہ جانتے تھے، اس لئے قرآنِ عظیم جا بجا غلط لکھا ہے، اور اولیاء کو جادوگروں کے حکم میں رکھنے کے لئے کہا: جو کسی کو اپنی کرامت سے قتل کردے وہ صاحبِ کرامت قتل کیا جائے گا جیسے ساحر کو (کہ) اپنے سحر سے قتل کرے۔ اَجلہ اکابر محبوبانِ خدا کو نام بنام حتی کہ شیخ الاسلام ہروی کو لکھتا ہے کہ یہ حلُولی تھے اور یہ کفر انہوں نے روافضِ اسمٰعیلیہ سے سیکھا الٰی غیر ذٰلك من ھفواته الشنیعة (اس کے علاوہ اس کے بہت سے برے ہفوات ہیں۔ت) اور پھر تستّر کے لئے یا خود اپنے حال سے ناواقفی کے باعث جابجا سنیت واعتقادِ اولیاء کا اِظہار بھی کرتا ہے جس نے محققین یا شیخ الاسلام امام ہروی کی طرف کفر میں تقلیدِ روافض نسبت کردی وہ اگر محققین وامام باقلانی کی طرف بدعت میں تقلیدِ خوارج نسبت کردے کیا بعید ہے، ہاں عجب ان مدعیانِ سنت سے کہ تمام اکابر ائمہ وعلمائے اہلسنت کے ارشاداتِ عالیہ پر پانی پھیرنے کے لئے ایک ایسے مورّخ کا دامن تھامیں۔ص209

---

[1]: عــہ ا: دُور کیوں جایئے اپنے اَخِ معظم مولوی عبدالحی صاحب کا فتاوٰی جلد اول طبع اول ص ۲۷ اور خود اپنا جمع کردہ فتاوی قیام ص ۳۰۶ ملاحظہ کیجئے۔ علامہ عبدالرحمان حضرمی معتزلی معروف بہ ابن خلدون۔ عبید الرضا حشمت علی رضوی غُفِرَ لہ۔

اکبر بادشاہ تو نالائق اور اِتحادِ مشرکین کا دِلدادہ تھا

اکبر تو نالائق نہ تھا! جو آپ ہی کا ہم مشرب اور اتحادِ مشرکین کا دلدادہ تھا۔ص233

قادیانی کے نابالغ لڑکے کی نمازِ جنازہ ادا کرنے کا حکم؟

اگر کوئی شخص مرزائی کے نابالغ لڑکے کا بخیال ''مامن مولود اِلّا یولد علی الفطرۃ'' (ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ت) حنفی اگر امام کے پیچھے جنازہ کی نماز ادا کرے تو عندالشرع درست ہے یا نہیں؟ پڑھنے والا ثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ حنفیوں پر دیکھنے ایسی میت سے نمازِ جنازہ واجب ہوگی یا نہ؟

الجواب: اگر مرزائی کا بچہ سات برس یا زیادہ کی عمر کا تھا، اچھے برے کی تمیز رکھتا تھا اور اس حالت میں اس نے اپنے باپ کے خلاف پر دینِ اسلام اختیار کیا اور قادیانی کو کافر جانا اسی پر انتقال ہوا تو وہ ضرور مسلمان تھا، مسلمانوں پر اسے غسل وکفن دینا اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا مقابرِ مسلمین میں دفن کرنا فرض ہے۔ اور ممکن ہو تو اس کے باپ وغیرہ کفار کو اسے ہاتھ نہ لگانے دیں جس طرح حضورِ اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے یہودی کو اس کے بیٹے کے سرہانے سے اُٹھا دینے کا حکم فرمایا جبکہ وہ نزع میں اسلام لا کر انتقال کر گیا، اور اگر اسی عمر وتمیز میں اپنے باپ کی طرح کفر بکتا تھا تو یقیناً کافر تھا۔ اب وہ سب کام مسلمان پر حرام ہیں، نہ غسل دیں نہ کفن دیں نہ دفن میں شریک ہوں، اور ان سب سے بدتر اس کے جنازہ پر نماز ہے کہ خود کفر کا پہلو رکھتی ہے اور اگر اس سے کفر یا اسلام کچھ ظاہر نہ ہوا یا ناسمجھ بچہ تھا کہ اس تمیز کے قابل ہی نہ تھا تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اس کی ماں بھی اس کے باپ کی طرح قادیانی یا اور کسی کفری عقیدہ والی ہے تو وہ بچہ بھی کافر سمجھا جائے گا، اور اس کے لئے وہ سب کام مسلمانوں پر حرام ہوں گے اور اگر ماں مسلمان ہے تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتی ہے اور قادیانی کو کافر جانتی ہے تو اس صورت میں وہ بچہ جس سے کفر خود ظاہر نہ ہوا اور نابالغی میں مر گیا اپنی ماں کا تابع قرار پا کر مسلمان سمجھا جائے گا اور وہ سب کام اہلِ اسلام پر واجب ہوں گے حدیث ''مامن مولود'' اس حالت میں نافع ہے کہ بچہ سمجھ وال ہو کر خود کفر نہ کرے نہ ناسمجھی کی حالت میں ماں باپ دونوں کافر ہوں ورنہ اگر خود کفر کیا تو اچھی فطرت سے بدلا اور اگر خود سمجھ وال ہو کر اسلام نہ لایا اگرچہ کفر بھی نہ کیا اور ماں باپ دونوں کافر ہیں تو ' ثم ابواہ یہودانہ '' (پھر اس کے والدین اسے یہودی بنا دیں۔ت) میں داخل ہے اور حکمِ کفر اُسے شامل ہے۔ص242

✻ **ایسی انگریزی پڑھنا جس سے عقائد فاسد ہوں اور جس سے علمائے دین کی توہین دل میں آئے انگریزی ہو خواہ کچھ ہو ایسی چیز پڑھنا حرام ہے، اور یہ لفظ کہ ''مولوی لوگ کیا جانتے ہیں'' اس سے ضرور علماء کی تحقیر نکلتی ہے اور علمائے دین کی تحقیر کفر ہے۔ص244**

✻ **اُمُّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قذف کفرِ خالص ہے، صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار کفرِ خالص ہے۔ص245**

ضروریاتِ دین کے احکام

جو کسی کافر منکرِ ضروریاتِ دِین کو کافر نہ مانے خود کافر مرتد ہے۔

شفاء شریف ص ۳۶۲ میں انہیں اجماعی کفر کے بیان میں ہے: **ولهذا نکفر من لم یکفر من دان بغیر ملة المسلمین من الملل او وقف فیهم اوشك اوصحح مذهبهم وان اظهر مع ذلك الاسلام واعتقده واعتقد ابطال کل مذهب سواه فهو کافر باظهارہ بما ظهر من خلاف ذلك۔** ہم اسی واسطے کافر کہتے ہیں ہر اس شخص کو جو کافروں کو کافر نہ کہے یا ان کی تکفیر میں توقف کرے یا شک رکھے یا اُن کے مذہب کی تصحیح کرے اگر چہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو مسلمان جتاتا اور اسلام کی حقانیت اور اس کے سوا ہر مذہب کے باطل ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو کہ وہ اُس کے خلاف اُس اِظہار سے کہ کافر کو کافر نہ کہا خود کافر ہے۔ ص265

تنبیہ جلیل:

مسلمانو! اصل مدار ضروریاتِ دین ہیں اور ضروریات اپنے ذاتی روشن بدیہی ثبوت کے سبب مطلقاً ہر ثبوت سے غنی ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر بالخصوص ان پر کوئی نصِ قطعی اَصلاً نہ ہو جب بھی ان کا وہی حکم رہے گا کہ منکِر یقیناً کافر مثلاً عالَم **بجمیع اجزاءہ** حادث ہونے کی تصریح کسی نصِ قطعی میں نہ ملے گی۔ غایت یہ کہ آسمان وزمین کا حدوث ارشاد ہوا ہے مگر باجماعِ مسلمین کسی غیرِ خدا کو قدیم ماننے والا قطعاً کافر ہے جس کی اسانیدِ کثیرہ فقیر کے رسالہ ''**مقامع الحدید علی خدّ المنطق الجدید**'' میں مذکور تو وجہ وہی ہے کہ حدوث جمیع ماسوی اللہ ضروریاتِ دین سے ہے کہ اسے کسی ثبوتِ خاص کی حاجت نہیں۔

علامہ نووی نے روضہ میں یہ زائد کہا کہ درست یہ ہے اسے اس چیز سے مقید کیا جائے جس کا ضروریاتِ اسلام سے ہونا بالاجماع معلوم ہو اس میں کوئی نص ہو یا نہ ہو۔ (ت) **یہی سبب ہے کہ ضروریاتِ دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی۔** ص266

ضروریاتِ دین میں کوئی تاویل یا اس کے عموم میں کچھ قیل وقال اصلا مسموع نہیں، جیسے آج کل دَجال قادیانی بک رہا ہے کہ ''خاتم النبیین سے ختم نبوت شریعتِ جدیدہ مراد ہے اگر حضور کے بعد کوئی نبی اسی شریعتِ مطہرہ کا مُروّج وتابع ہو کر آئے کچھ حرج نہیں'' اور وہ خبیث اس سے اپنی نبوت جمانا چاہتا ہے، یا ایک اور دجال نے کہا تھا کہ ''تقدم تاخر زمانی میں کچھ فضیلت نہیں خاتم بمعنی آخر لینا خیالِ جہال ہے بلکہ خاتم النبیین بمعنی نبی بالذات ہے''۔ ص336

* **ائمہ نے فرمایا ہے جو اپنے مسلمان ہونے سے انکار کرے وہ مسلمان نہیں اسے توبہ اور تجدیدِ اسلام پھر تجدیدِ نکاح چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص270**

جو اسم بحیثیتِ عَلَم دُنیا میں کسی کے لئے ہے لوحِ محفوظ میں وہی بحیثیتِ عَلَم مکتوب ہے

جو اسم بحیثیتِ علم، دنیا میں کسی کے لئے ہے لوحِ محفوظ میں وہی بحیثیتِ علم مکتوب ہے خواہ ماں باپ کا رکھا ہے یا اپنا یا اور کا اور جس میں تغیر واقع ہوا مُغَیَّر اور مغیَّر اِلیہ دونوں اپنے اپنے زمانہ کی قید سے مکتوب ہیں، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام تبدیل فرمائے کہ اگلے نام متروک ہو گئے اور وہ انہیں دوسرے ناموں سے مشہور ہیں تو عند اللہ بھی اب یہی ان کے نام ہیں اور انہیں ناموں سے روزِ قیامت پکارے جائیں گے، اور جو شخص اپنا نام بدل کر کچھ رکھے اور بحیثیتِ علم معروف نہ ہو تو اللہ عزوجل کے یہاں بھی وہ نام علم ہو کر لکھا نہ گیا۔ ص275

اللہ میاں کہنا کیسا؟

یہ ممنوع ومعیوب ہے، زبانِ اردو میں "میاں " کے تین معنٰی ہیں جن میں دواُس پر محال ہیں اور شرع سے ورود نہیں لہذا اس کا اِطلاق محمود نہیں۔ص275

قادیانی پر گرفت کا طریقہ

سب سے بھاری ذریعہ اس کے رَد کا اَوّل اَوّل کلماتِ کفر پر گرفت ہے جو اس کی تصانیف میں برساتی حشرات کی طرح ابلے گہلے پھر رہے ہیں، اور دوسرا بھاری ذریعہ اس خبیث کی پیشگوئیوں کا جھوٹا پڑنا جن میں بہت چمکتے روشن حرفوں سے لکھنے کے قابل دو واقعے ہیں:

ایک اس کے بیٹے کا جس کی نسبت کہا تھا کہ انبیاء کا چاند پیدا ہوگا اور بادشاہ اس کے کپڑوں سے برکت لیں گے، مگر شانِ الٰہی کہ چوں دم برداشتم مادہ برآمد (جب میں نے دم اُٹھا کر دیکھا تو مادہ پایا۔ت) بیٹی پیدا ہوئی، اس کے اوپر کہا کہ وحی کے سمجھنے میں غلطی ہوئی اب کی جو ہوگا وہ انبیاء کا چاند ہوگا۔ بیٹی، بیٹے ہمیشہ پیدا ہوتے ہیں اب کے ہوا بیٹا مگر چندروز جی کر مرگیا، بادشاہ کیا کسی محتاج نے بھی اس کے کپڑوں سے برکت نہ لی۔ص279

*** حدیثِ متواتر کے انکار پر تکفیر کی جاتی ہے خواہ متواتر باللفظ ہو یا متواتر المعنٰی، اور حدیث ٹھہرا کر جو کوئی اِستخفاف کرے تو یہ مطلقاً کفر ہے اگرچہ حدیثِ اَحاد بلکہ ضعیف بلکہ فی الواقع اس سے بھی نازِل ہو۔واللہ تعالٰی اعلم۔ص280**

کیا شیعوں کے سب فرقے اور غیر مقلدین سب کے سب کافر ہیں؟

ان میں ضروریاتِ دین سے کسی شے کا جو منکر ہے یقیناً کافر ہے اور جو قطعیات کے منکر ہیں ان پر بحکمِ فقہاء لزومِ کفر ہے اور اگر کوئی غیر مقلد ایسا پایا جائے کہ صرف انہیں فرعی اَعمال میں مخالف ہو اور تمام عقائدِ قطعیہ اہلسنت کا موافق، یا وہ شیعی تفضیلی ہے تو ایسوں پر حکمِ تکفیر ناممکن ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔ص280

بلاشبہہ طائفہ نائفہ غیر مقلدین گمراہ بددین اور بحکم فقہ کفار ومرتدین، جن پر بوجوہ کثیرہ لزوم کفر بین مبین، ہمارے رسالہ ''الکوکبة الشهابية علی کفريات ابی الوهابية'' و''سل السيوف الهندية علی کفريات باباالنجدية'' و''النهی الاکيد عن الصلٰوة وراء عدی التقليد'' وغیرہا میں اس کا بیان شافی ووافی۔ یہاں انہیں بعض وجوہ سے کلام کریں جن کی طرف سائل فاضل نے اشارہ کیا، وباللہ التوفیق۔

(1) اللہ عزوجل کے لئے مکان ماننا کفر ہے۔فتاوٰی عالمگیری مطبع مصر جلد دوم ص:يکفر باثبات المکان للہ تعالٰی۔اللہ تعالٰی کے لئے مکان ثابت کرنا کفر ہے(ت)۔

(2) مولٰی عزوجل کے لئے جہت ماننا بھی صریح ضلالت وبددینی ہے اور بہت ائمہ نے تکفیر فرمائی۔

(3) فقہ حنفی کو مطلقاً باطل وناحق جاننا تو سخت خبیث وملعون ہے کہ وہ احکامِ قرآنِ عظیم واحکامِ صحاح احادیث پر مشتمل سب سے

سہل تر احکامِ قیاس ہیں اس کی نسبت فتاوی تاتارخانیہ میں ہے: جس نے یہ کہا کہ "قیاسِ ابوحنیفہ درست نہیں" اس نے کفر کیا۔ت)۔

(4) اور اجماع امت بلاشبہ حجت ہے تو حضرات ائمۂ اربعہ خصوصاً امام الائمہ سراج الامۃ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امامِ امت واجلہ اولیائے حضرت عزت سے ہونے کا اب انکار نہ کریگا مگر گمراہ بددین یا ملحد بے دین مرتد بالیقین اور بحکم فقہ اس پر لزومِ کفر، ظاہر و مبین۔

(5) بلاشبہہ طائفہ غیر مقلدین اجماع امت کو اصلا حجت نہیں مانتے بلکہ محض مہمل و نامعتبر جانتے ہیں، صدیق حسن بھوپالی کا مصرع ہے: قیاس فاسد واجماع بے اثر آمد (قیاس فاسد ہے اور اجماع کوئی اثر نہیں رکھتا۔ت) اور ائمہ کرام وعلمائے اعلام حجیت اجماع کو ضروریاتِ دین سے بتاتے اور مخالف اجماع قطعی کو کفر ٹھہراتے ہیں۔ص 282 تا 288

مقلد کو کافر کہنے کا حکم؟

بلاشبہہ گیارہ سو برس سے عامہ امتِ محمدیہ علٰی صاحبہا وعلیہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ مقلدین ہیں مقلدوں کو مشرک کہنا عامہ امت مرحومہ کی تکفیر ہے اور بلاریب بحکمِ ظواہر احادیث وفتوٰی ائمۂ فقہ کفر ہے۔ایسے مسائل میں فتوٰی کے لئے مختار یہ ہے کہ اگر ایسے کلمات سے مراد سبّ وشتم ہو اور کفر کا اعتقاد نہ ہو تو کافر نہیں ہوگا اور اگر مقلد کو کافر سمجھتا ہے اور اسے اپنے اس اعتقاد کے مطابق مخاطب کرتا ہے تو اب کافر ہوجائے گا۔(ت) ص 291

علمائے کرام فرماتے ہیں: قیاس وفقہ کی حجیت بھی ضروریاتِ دین سے ہے تو اس کا انکار ضرور کفر ہونا لازم۔ص 292

اگر کسی مسلمان پر گواہانِ عادل مرتد ہونے کی شہادت دیں؟

اور اگر کسی مسلمان پر گواہانِ عادل شہادت دیں کہ یہ فلاں قول یا فعل کے سبب مرتد ہوگیا اور وہ اس سے انکار کرتا ہو تو اس سے تعرض نہ کریں گے نہ اس لئے کہ گواہانِ عادل کو جھوٹا ٹھہرایا بلکہ اس لئے کہ اس کا مُکر نا اس کفر سے توبہ ورجوع سمجھیں گے ولہذا گواہانِ عادل کی گواہی اور اس کے انکار سے یہ نتیجہ پیدا ہوگا کہ وہ شخص مرتد ہوگیا تھا، اور اب توبہ کرلی تو مرتد تائب کے احکام اس پر جاری کریں گے کہ اس کے تمام اعمال حبط ہوگئے اور جورو نکاح سے باہر، باقی سزا نہ دی جائے گی اور یہ قول کہ اس سے تعرض نہ کیا جائے اس مرتد سے متعلق ہے جس کی توبہ دنیا میں قبول ہے، نہ وہ مرتد جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرے کہ یہ وہ کفر ہے جس کی سزا یہ ہے کہ دنیا میں بعدِ توبہ بھی معافی نہیں(ت)۔ملخصاً غمز العیون۔ص 302

گستاخِ رسول کی توبہ کا حکم

بالجملہ(گستاخِ رسول کے) کفر وارتداد میں اَصلاً شک نہیں، دربارۂ اسلام ورفع دیگر احکام ان کی توبہ اگر سچے دل سے ہو ضرور مقبول ہے، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ سلطان اسلام انہیں بعد توبہ واسلام صرف تعزیر دے یا اب بھی سزائے موت دے۔وہ جو بزازیہ اور اس کے بعد کی بہت کتبِ معتمدہ میں ہے کہ اس کی توبہ مقبول نہیں اس کے یہی معنی ہیں۔ص 304

عورت مرتدہ ہوجائے تومسلمان کے نکاح سے نہ نکلے گی

حسبِ روایت مفتیٰ بہا اپنے شوہر مسلمان کے نکاح سے نہ نکلے گی نہ اسے اختیار ہوگا کہ دوسرے سے نکاح کرے، ہاں ان کے شوہروں کو جائز نہ ہوگا کہ انہیں ہاتھ لگائیں جب تک وہ تائب ہوکر پھر اسلام نہ لائیں۔ص310

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اِمکانِ نسخ نہیں بلکہ وقوعِ نسخ کا ماننا فرض ہے یا واجب یا مستحب جس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ وقوعِ نسخ پر دلیلِ قطعی یعنی آیتِ قرآنی یا حدیثِ متواتر ہے یا دلیل ظنی ہے اس کا منکر کافر ہوگا یا فاسق؟

الجواب: وقوعِ نسخ بلاشبہہ قطعیات سے ثابت بلکہ باعتبارِ شرائعِ سابقہ ضروریاتِ دین سے ہے اوراس کا منکر کافر ہے۔ص316

اگر کوئی شخص آیاتِ قرآنی کو نہ مانے تو اس کا حکم

آیت کو نہ ماننا یعنی انکار کرنا کفر ہے اس کے پیچھے نماز کیسی، مگر عوام نہ ماننا اسے بھی کہتے ہیں کہ گناہ خلافِ آیتِ قرآنی واقع ہوا اوراسے آیت سنائی گئی اور وہ اپنے گناہ سے باز نہ آیا یہ باز نہ آنا اگر محض شامتِ نفس سے ہو، آیت پر ایمان رکھتا ہے، نہ اس سے انکار کرتا ہے نہ اس کا مقابلہ کرتا ہے تو گناہ ہے کفر نہیں۔ص318

جو شخص معجزاتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو غلط بتائے کافر مرتد ہے، مستحقِ لعنتِ اَبد ہے۔ص323

بہشتی زیور کتاب دیکھنا کیسا؟

بہشتی زیور کا دیکھنا عوام مسلمان بھائیوں کو حرام ہے اس میں بہت سے مسائل گمراہی کے اور بہت سے مسائل غلط و باطل ہیں اور یہی کیا تھوڑا ہے کہ وہ ایسے کی تصنیف ہے جس کو مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ کے علمائے کرام باتفاق فرمارہے ہیں کہ اس کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے۔ زیادہ اطمینان درکار ہوتو کتاب حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مطبع اہلِ سنت وجماعت بریلی سے طلب کیجئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص327

کافر کی اقسام

اللہ عزوجل ہر قسمِ کفر و کفار سے بچائے، کافر دو قسم ہے: اصلی و مرتد۔ **اصلی** وہ کہ شروع سے کافر اور کلمۂ اسلام کا منکر ہے، یہ دو قسم ہے: مجاہر ومنافق، **مجاہر** وہ کہ علی الاعلان کلمہ کا منکر ہو اور **منافق** وہ کہ بظاہر کلمہ پڑھتا اور دل میں منکر ہو، یہ قسم حکمِ آخرت میں سب اقسام سے بدتر ہے۔ {اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ}۔ بیشک منافقین سب سے نیچے طبقۂ دوزخ میں ہیں۔ **کافر مجاہر چار قسم ہے:**

اول: دہریہ کہ خدا ہی کا منکر ہے۔

دوم: مشرک کہ اللہ عزوجل کے سوا اور کو بھی معبود یا واجبُ الوجود جانتا ہے، جیسے ہندو بت پرست کہ بتوں کو واجبُ الوجود تو نہیں مگر معبود مانتے ہیں اور آریہ کہ روح و مادہ کو معبود تو نہیں، مگر قدیم وغیر مخلوق جانتے ہیں دونوں مشرک ہیں اور آریوں کو موحّد سمجھنا سخت باطل ہے۔

سوم: مجوسی آتش پرست۔

چہارم: کتابی یہود ونصارٰی کہ دہریہ نہ ہوں۔

ان میں اول تین قسم کا ذبیحہ مردار اوران کی عورتوں سے نکاح باطل ہے اور قسم چہارم کی عورت سے نکاح ہوجائے گا اگرچہ ممنوع وگناہ ہے۔

کافر مرتد وہ کہ کلمہ گو ہوکر کفر کرے اس کی بھی دو قسم ہیں: مجاہر ومنافق۔

مرتد مجاہر: وہ کہ پہلے مسلمان تھا پھر علانیہ اسلام سے پھر گیا کلمۂ اسلام کا منکر ہوگیا چاہے دہریہ ہوجائے یا مشرک یا مجوسی یا کتابی کچھ بھی ہو۔

مرتد منافق: وہ کہ کلمۂ اسلام اب بھی پڑھتا ہے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا ہے پھر اللہ عزوجل یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی نبی کی توہین کرتا یا ضروریاتِ دین میں سے کسی شیئ کا منکر ہے، جیسے آجکل کے وہابی، رافضی، قادیانی، نیچری، چکڑالوی، جھوٹے صوفی کہ شریعت پر ہنستے ہیں، حکم دنیا میں سب سے بدتر مرتد ہیں اس سے جزیہ نہیں لیا جاسکتا، اس کا نکاح کسی مسلم کافر مرتد اس کے ہم مذہب یا مخالفِ مذہب، غرض انسان حیوان کسی سے نہیں ہوسکتا، جس سے ہوگا محض زنا ہوگا، مرتد مرد ہو خواہ عورت، مرتدوں میں سے سب سے بدتر مرتد منافق ہے، یہی وہ ہے کہ اس کی صحبت ہزار کافر کی صحبت سے زیادہ مضر ہے کہ یہ مسلمان بن کر کفر سکھاتا ہے، خصوصاً وہابیہ خصوصاً دیوبندیہ کہ اپنے آپ کو خاص اہلسنت کہتے، حنفی بنتے، چشتی نقشبندی بنتے، نماز روزہ ہمارا سا کرتے، ہماری کتابیں پڑھتے پڑھاتے اور اللہ ورسول کو گالیاں دیتے ہیں، یہ سب سے بدتر زہر قاتل ہیں، ہوشیار خبردار! مسلمانوں! اپنا دین بچائے ہوئے رہو {فَاللّٰہُ خَیْرٌ حٰفِظًا وَّ ھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ} ص۔327

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک لے کرندا نہ چاہئے

ایک یہ بات یاد رہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامِ پاک لے کرندا نہ چاہئے بلکہ اس کی جگہ یارسول اللہ ہو اور دیوار پر کندہ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ آئینہ میں لکھ کر نصب کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص369

قشقہ وزُنّار کا حکم

قشقہ ضرور شعارِ کفر منافیِ اسلام ہے جیسے زنار بلکہ اس سے زائد کہ وہ جسم سے جُدا ایک ڈُورا ہے جو اکثر کپڑوں کے نیچے چھپا رہتا ہے اور یہ خاص بدن پر اور بدن میں بھی کہاں چہرے پر، اور چہرے میں کس جگہ، ماتھے پر، جو ہر وقت چمکے اور دُور سے کھلے حرفوں میں منہ پر لکھا دِکھائے کہ ھذا من الکافرین (یہ کفار میں سے ہے۔ت)۔ص393

جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شریعت پر عمل کے متعلق فرمان

کوئی شخص ایسے مقام تک نہیں پہنچ سکتا جس سے نماز روزہ وغیرہ احکامِ شرعیہ ساقط ہوجائیں جب تک عقل باقی ہے۔ سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی: کچھ لوگ پیدا ہوئے کہ نماز وغیرہ عبادات چھوڑ دی ہے اور کہتے ہیں کہ شریعت تو راستہ ہے ہم پہنچ گئے ہمیں راہ کی حاجت نہیں فرمایا'' :صدقو القد وصلوا ولکن الی این الی النار ''وہ سچ کہتے

ہیں ضرور پہنچ گئے مگر کہاں تک، جہنم تک۔ پھر فرمایا: اگر مجھے صدہا برس کی عمر دی جائے تو فرض تو فرض جو نفل مقرر کر لئے ہیں ہرگز نہ چھوڑوں۔ اس مسئلہ کا کامل بیان ہمارے رسالہ "مقال عرفاء" میں ہے، حالتِ جذب میں مثلِ جنون عقل سلامت نہیں رہتی، اس وقت وہ مکلف نہیں، جو باوصف بقائے عقل واستطاعت قصداً نماز یا روزہ ترک کرے ہرگز ولی اللہ نہیں ولیُّ الشیطان ہے قرآن وحدیث میں اسے مشرک وکافر تک فرمایا۔ ص409

موالات (دوستی) ہر کافر سے حرام ہے

(۱) موالات مطلقاً ہر کافر ہر مشرک سے حرام ہے اگرچہ ذمی مطیعِ اسلام ہو اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریبی ہو، قال تعالیٰ: {لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ } ۔تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت پر کہ دوستی کریں اللہ ورسول کے مخالفوں سے اگرچہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

موالاتِ صوریہ کے احکام:

حتی کہ صوریہ کو بھی شرع مطہر نے حقیقیہ کے حکم میں رکھا۔ قال تعالیٰ: {یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ } اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم تو ان کی طرف محبت کی نگاہ ڈالتے ہو اور وہ اس حق سے کفر کر رہے ہیں جو تمھارے پاس آیا۔

یہ موالات قطعاً حقیقیہ نہ تھی کہ نزولِ کریمہ دربارۂ سیدنا خاطب بن ابی بلتعہ اَحَدُ اصحابِ البدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم ہے (جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں ہے۔ت) تفسیر علامہ ابوالسعود میں ہے: فیہ زجر شدید للمؤمنین عن اظہار صورة الموالاة لهم وان لم تكن موالاة فی الحقیقة۔ اس آیہ کریمہ میں مسلمانوں کو سخت جھڑکی ہے اس بات سے کہ کافروں سے وہ بات کریں جو بظاہر محبت ہو اگرچہ حقیقت میں دوستی نہ ہو۔ مگر صوریہ ضرور یہ خصوصاً باکراہ، قال تعالیٰ: {اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً} ۔مگر یہ کہ تمھیں ان سے واقعی پورا ڈر ہو۔ قال تعالیٰ: {اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ} مگر وہ جو پورا مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔ ص432

کافر سے معاملات کا حکم

معاملتِ مجردہ سوائے مرتدین ہر کافر سے جائز ہے جبکہ اس میں نہ کوئی اعانتِ کفر یا معصیت ہو نہ اِضرارِ اسلام وشریعت ورنہ ایسی معاملت مسلم سے بھی حرام ہے چہ جائیکہ کافر، قال تعالیٰ: {وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ} ۔گناہ وظلم پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ ص433

فَے کون سا مال ہے؟

فَے وہی مال ہے کہ کافر سے بے لڑے قہراً لیا جائے اور لڑ کر لیں تو غنیمت، اور ایام معاہدہ کے ہدایا قہر نہیں۔ ص464

جن کفار سے ایک مدت تک معاہدہ ہو

جن کفار سے ایک مدت تک معاہدہ ہو اور مصلحتِ اسلام اس کا ترک چاہے، فرض ہے کہ ان کو اطلاع کر دی جائے ہوشیار ہو جاؤ اب ہم تم سے معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے اس کا نام نبذ ہے اس میں فرض ہے کہ اگر اس وقت وہ اَمن کی جگہ نہ ہوں تو اتنی مہلت دی جائے کہ وہ اپنی امان کی جگہ پہنچ جائیں، اور اگر باطمینانِ معاہدہ وہ اپنے قلعے خراب کر چکے ہوں تو فرض ہے کہ اتنی مدت دی جائے جس میں وہ اپنے قلعے درست کر لیں یہاں سے یکساں حالت کے معنی کھل گئے یعنی یہ نہ ہو کہ اپنا سامان ٹھیک کر کے ان کی غفلت میں نبذ کر دو اور انھیں درستیِ سامان کی مہلت نہ دو، یہ ہے اسلام کا انصاف **والحمدللہ** ۱۲ منہ غفر لہ۔ ص470

بعض روایات کہ کافر سے استعانت میں پیش کی جاتی ہیں ان کا حال:

بعض روایات کہ ان احادیثِ صحیحہ بلکہ آیاتِ صریحہ کے مقابل پیش کی جاتی ہیں ان میں کوئی صحیح ومفید مدعائے مخالف نہیں۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں انھیں ذکر کر کے فرمایا: **ولاشك ان هذه لاتقاوم احاديث المنع فی القوة فكيف تعارضها**۔ کوئی شک نہیں کہ یہ روایتیں قوت میں احادیثِ منع کو نہیں پہنچتیں تو کیونکر ان کے معارض ہو سکتی ہیں۔

خود ابوبکر حازمی شافعی نے کتاب الاعتبار میں حدیثِ صحیح مسلم دربارۂ ممانعت روایت کر کے کہا: **وما يعارضه لايوازيه فی الصحة والثبوت فتعذر ادعاء النسخ** اور اس کا خلاف جن روایتوں میں آیا ہے وہ صحت وثبوت میں ان کے برابر نہیں تو ممانعتِ استعانت کو منسوخ ماننے کا ادعا ناممکن ہے۔ یہ اجمالی جواب بس ہے۔ ص500

تحقیقِ مقام، کفار سے اِستعانت کے اقسام اور ان کے احکام

اقول: تحقیقِ مقام بتوفیقِ مُنعام یہ ہے کہ یہاں استعانت کی تین حالتیں ہیں: **اِلتجا، اِعتماد، اِستخدام**

التجا: یہ کہ قلیل گروہ اپنے کو ضعیف وکمزور یا عاجز پا کر کثیر وقوی وطاقتور جتھے کی پناہ لے اپنا کام بنانے کے لئے اس کا دامن پکڑے یہ بداہۃً اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دینا ہوگا اور انھیں خواہی نخواہی ان کے اشارے پر چلنا ان کی پس روی کرنی پڑے گی۔

اِعتماد: (عـــہ ا)[1] یہ کہ گروہ مساوی سے یارانہ گانٹھیں انھیں اپنا یار ورویار ومعین ومددگار بنائیں ان کی مدد وموافقت سے اپنے لئے غلبہ وعزت وکامیابی چاہیں یہ اگرچہ اپنے آپ کو ان کے رحم پر چھوڑ دینا نہیں مگر ان کی ہمدردی وخیر وخواہی پر اعتماد یقیناً ہے کوئی عاقل خون کے پیاسے دشمن بدخواہ کو معین وناصر نہ بنائے گا، یہاں مساوات کے یہی معنی نہیں کہ ہر طرح قوت میں ہمارا ہم سنگ ہو بلکہ خودسر گروہ کہ ہمارے ہاتھ میں مجبور نہیں اور ہمارے ساتھ اظہارِ بدخواہی کر سکتا ہے اسی شق میں ہے کہ باوصفِ خودسری اسے ناصر بنانا بے اعتماد نہ ہوگا، یہ دونوں صورتیں کفار کے ساتھ یقیناً قطعاً نصوصِ قطعیہ قرآنیہ سے حرامِ قطعی ہیں جن کی تحریم کو پہلی اور دوسری دو ہی آیتیں کافی ووافی ہیں ہرگز کوئی مسلمان انھیں حلال نہیں کہہ سکتا۔

اِستخدام: یہ کہ کافر ہم سے دَبا ہو اس کی چُٹیا ہمارے ہاتھ میں ہو کسی طرح ہمارے خلاف پر قادر نہ ہو، وہ اگرچہ اپنے کفر کے باعث

---

[1]: عـــہ ا: اعتماد ہر استعانت میں ہے اور یہاں یہ مراد کہ صرف اعتماد ہے، استیلاء نہ اُن کا نہ اپنا۔ ۱۲ منہ غفرلہ

یقیناً ہمارا بدخواہ ہوگا مگر بے دست وپا ہے ہم سے خوف وطمع رکھتا ہے خوفِ شدید کے باعث اظہارِ بدخواہی نہ کرسکے گا بلکہ طمع کے سبب مسلمان کے بارے میں نیک رائے ہوگا۔ص 508

کافر کو کتّا بنا کر استعانت جائز ہے جب وہ ہمارے ہاتھ میں کتے کی طرح مسخر ہو۔ ارشاد ہوا: لان قتالھم بھذہ الصفة لاعزاز الدین والاستعانة علیھم باھل الشرك کالاستعانة بالکلاب دو ورق پہلے فرمایا: والاستعانة باھل الذمة کالاستعانة بالکلاب۔ (یعنی اس لیے کہ جب وہ اس حالت پر ہوں تو ان کا لڑنا ہمارے ہی دین کے اعزاز کو ہوگا اور حربیوں پر ان ذمی مشرکوں سے استعانت ایسی ہوگی جیسے شکار میں کتوں سے مدد لیتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ ہمارے ہاتھ میں کتوں کی طرح مسخر ہوں کہ ان کا فعل ہمارے ہی لئے ہو ہمارے ہی دین کے اعزاز کے واسطے ہو)۔ص 510

ذلیل وقلیل کافروں سے استعانت کی اجازت ہوگی نہ کہ انبوہِ کثیر سے:

اقول: اوراس کے لئے ضرور ہے کہ وہ معدودے چند ذلیل قلیل ہوں کہ بڑا گروہ ہوا تو ممکن کہ میدان میں پہنچ کر کافروں کا لشکر دیکھ کر شرارت پر آئے اور پھن دکھائے ممکن کہ یہی حکمت ہو کہ روزِ اُحد چھ سو یہود کو واپس فرمادیا کہ یہ بڑا جتھا ہوا خصوصاً اس حالت میں کہ مسلمان صرف سات سو اور مغلطائی کی روایت میں چھ ہی سو تھے اور غزوۂ خیبر میں حسبِ روایتِ واقدی صرف دس یہود کو ہمراہی کا حکم فرمایا کہ مسلمان ایک ہزار چار سو تھے اور غزوۂ حنین میں تو صفوان جیسے ستر اسی بھی مان لیجئے تو کچھ نہ تھے کہ الٰہی لشکر بارہ ہزار تھا جس کی کثرت کا ذکر خود قرآنِ عظیم میں ہے۔

استخدام کی چار صورتیں اوران کے احکام، کافر کو راز دار بنانا مطلقاً حرام ہے۔

اب چار صورتیں ہیں:

اول: اس سے ایسی استعانت جس میں وہ ہمارا راز دار ودخیل کار رہنے یہ مطلقاً حرام ہے۔

دوم: اسے بعض مسلمانوں پر کوئی عہدہ ومنصب دینا جس میں مسلم پر اس کا استعلاء ہو مثلاً مسلمان فوج کے کسی دستے کا افسر بنانا یہ بھی حرام ہے۔

سوم: بے حاجت اس سے استعانت کرنا یہ بھی ناجائز ہے۔

چہارم: اب ایک صورت یہ رہی کہ دَبے ہوئے مقہور کافر سے بشرطِ حاجت ایسی استعانت جس میں نہ اُسے راز دار ودَخیل کار بنانا ہو نہ کسی مسلمان پر اس کا استعلاء ہو یہ ہے وہ جس کی ہمارے علماء اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رخصت دی۔ص 510 تا 514

جہاد کے احکام واقسام کا ذکر

جہاد تین قسمیں ہیں:

(۱) جنانی (۲) لسانی (۳) سنانی

جہاد جنانی:

یعنی کفر و بدعت و فسق کو دل سے برا جاننا جو ہر کافر مبتدع و فاسق سے ہے اور ہر مسلمان کہ اسلام پر قائم ہو یہ کرتا ہے مگر جنھوں نے اسلام کو سلام اور اپنے آپ کو مشرکین و کفار کا غلام کیا ان کی راہ جُدا ہے ان کا دین غیرِ دینِ خدا ہے۔

لسانی:

کہ زبان و قلم سے رد، وہ ابھی سن چکے کہ ایسوں ہی پر سب سے اہم و آ کِد، یہ بحمدِ اللہ تعالیٰ خادمانِ شرع ہمیشہ سے کر رہے ہیں اور اللہ و رسول کی مدد شامل ہو تو دمِ آخر تک کریں گے، وہابیہ، نیاچرہ، دیوبندیہ، قادیانیہ، روافض، غیر مقلدین، ندویہ، نصارٰی وغیرہم سے کیا اور اب ان گاندھویہ سے بھی وہی برسرِ پیکار ہیں حق کی طرف بلاتے اور باطل کو باطل کر دکھاتے اور مسلمانوں کو گمراہ گروں کے شر سے بچاتے ہیں وللہ الحمد آگے ہدایت رب عزوجل کے ہاتھ ہے۔

رہا جہاد سنانی:

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ بہ نصوصِ قرآنِ عظیم ہم مسلمانانِ ہند کو جہاد برپا کرنے کا حکم نہیں اور اس کا واجب بتانے والا مسلمان کا بدخواہ مبین۔ص 540

فاسقوں پر ازالۂ منکر میں حملہ جائز اگرچہ یہ تنہا ہو اور وہ ہزاروں اور سلطانِ اسلام جس پر اقامتِ جہاد فرض ہے اسے بھی کافروں سے پہل حرام جبکہ ان کے مقابلہ کے قابل نہ ہو۔ص 542

احکامِ شرع میں عرف کا لحاظ

ہماری شریعتِ مطہر اعلیٰ درجہ حکمت و متانت و مراعاتِ دقائق مصلحت میں ہے، اور جو حکم عرف و مصالح پر مبنی ہوتا ہے انھیں چیزوں کے ساتھ دائر رہتا ہے، اور اَعصار و اَمصار میں ان کے تبدُّل سے متبدِّل ہو جاتا ہے، اور وہ سب احکام احکامِ شرع ہی قرار پاتے ہیں، مثلاً زمانِ برکت نشان حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بوجہ کثرتِ خیر و نایابیَ فتنہ و شدتِ تقوٰی و قوتِ خوفِ خدا عورتوں پر ستر واجب تھا نہ حجاب، اور زنانِ مسلمین برائے نمازِ پنجگانہ مساجد میں جماعتوں کے لئے حاضر ہوتیں، بعد حضور کے جب زمانے کا رنگ قدرے متغیر ہوا ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: **لو ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی من النساء ما رأینا لمنعهن من المسجد کما منعت بنو اسرائیل نسائها رواہ احمد و بخاری و مسلم۔** یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہمارے زمانے کی عورتوں کو ملاحظہ فرماتے تو انھیں مساجد جانے سے ممانعت کرتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو منع کر دیا تھا۔(ت) جب زمانۂ رسالت سے اور بُعد ہوا ائمۂ دین نے جوان عورتوں کو ممانعت فرمادی، جب اور فساد پھیلا، علماء نے جوان و غیرِ جوان کسی کے لئے اجازت نہ رکھی، پھر ان ائمہ و علماء کے یہ احکام ہرگز حکمِ اقدس کے خلاف نہ ٹھہرے بلکہ عین مطابقِ مقصودِ شرع قرار پائے، اس طرح رفتہ رفتہ حاملانِ شریعت و حکمائے امت نے حکمِ حجاب دیا اور چہرہ چھپانا کہ صدرِ اول میں واجب نہ تھا واجب کر دیا۔ اسی قسم کے صدہا احکام ہماری شریعت میں ہیں۔ص 550

واجبات ومحرمات ہماری شریعت میں دو قسم ہیں:

ایک لعینہٖ : یعنی جس کی نفسِ ذات میں مقتضیِ ایجاب وتحریم موجود ہے، جیسے عبادتِ خدا کی فرضیت اور بت پرستی کی حرمت۔

دوسرے لغیرہ: یعنی وہ کہ امورِ خارجہ کا لحاظ ان کی ایجاب وتحریم کا اقتضا کرتا ہے اگرچہ نفسِ ذات میں کوئی معنی اس کو مقتضی نہیں، جیسے تعلّمِ صرف ونحو کا وجوب کہ ہمارے رب تعالیٰ کی کتاب اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام زبانِ عربی میں ہے اور اس کا فہم بے اس علم کے متعذر، لہذا واجب کیا گیا، اور افیون اور بھنگ وغیرہا مسکرات کی حرمت کہ ان کا پینا ایک ایسی نعمت یعنی عقل کو زائل کردیتا ہے جو ہر خیر کی جالب اور ہر فتنہ وشر سے بچانے والی ہے، اسی قبیل سے ہے شعار کہ مثلاً انگرکھے کا سیدھا پردہ ہماری اصل شریعت میں واجب نہیں۔ بلکہ ہمارے شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی انگرکھا نہ پہنا، نہ حضور کے ملک میں اس کا رواج تھا، مگر اب کہ ملک ہندوستان میں شعارِ مسلمین قرار پایا اور اُلٹا پردہ کفار کا شعار ہوا، تو اب سیدھا پردہ چھوڑ کر اُلٹا اختیار کرنا بلاشبہ حرام، اسی طرح بوجہِ عرف وقرار دادِ اَمصار وبلاد جس مباح کا فعل عزت وشوکتِ اسلام پر دلالت کرے اور اسے چھوڑ دینے میں اسلام کی توہین اور کفر کا غلبہ سمجھا جائے، قواعدِ شرعیہ بالیقین اس سے باز رہنے کی تحریم کرتے ہیں، اور مبنیٰ اس کا وہی نظرِ مصالح واعتبارِ عرف ومراعاتِ اِقتضائے امورِ خارجہ ہے۔ص552

زید معاذ اللہ یہ کہے کہ میں عیسائی یا وہابی یا کافر ہوجاؤں گا، نام ایک فرقہ کا لیا، آیا وہ انھیں میں سے ہوگا یا نہیں؟ یا یہ کہے کہ جی چاہتا ہے کہ غیر مقلد ہوجاؤں یا یہ کہے کہ غیر مقلد ہونے کا جی چاہتا ہے، یہ قول کیسا ہے، اگرچہ کسی کو چھیڑنے یا مذاق کی غرض سے کہے؟

الجواب: جس نے جس فرقہ کا نام لیا اس فرقہ کا ہوگیا مذاق سے کہے یا کسی دوسری وجہ سے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص583

بہت سے اشخاص نعت شریف پڑھتے ہوئے شاہ دانہ علیہ الرحمۃ کے مزار کی طرف آتے تھے اور ان کے ہمراہ چادر تھی کہ چند اشخاص نے کہا کہ ''بیٹی چودوں'' نے چوپٹی سی مقرر کرلی ہے جو لئے پھرتے ہیں پس جن اشخاص نے یہ کلمہ کہا ہے ان پر شرع شریف میں کیا حکم ہے اور ان کو توبہ کرنا کس طرح پر چاہئے؟

الجواب: جس جس نے یہ ناپاک کلمہ کہا سب سخت گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ان سب پر فرض ہے کہ علانیہ توبہ کریں جس طرح علانیہ یہ کہا ہے اور مسلمانوں سے معافی مانگیں ورنہ حق العبد میں گرفتار رہیں گے، شریعتِ مطہرہ میں سلطنتِ اسلام کے یہاں ایسے کہنے والوں پر اَسّی اَسّی کوڑوں کی سزا کا حکم ہے، پھر ہمیشہ کو ان کی گواہی مردود، **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص608

اللہ میاں، اللہ صاحب، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محمد صاحب کہنا کیسا؟

حضرت ربُّ العزت عزَّ جلالہ پر لفظ صاحب کا اطلاق جائز، بلکہ حدیث میں وارد ہے: **اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی المال والاھل**۔اے اللہ! تو ہی سفر میں صاحب ہے، مال اور اہل کا تو ہی محافظ ہے۔(ت) اور میاں کا اطلاق نہ کیا جائے کہ وہ تین معنی رکھتا ہے ان میں دو رب العزت کے لئے محال ہیں، میاں آقا اور شوہر اور مرد وعورت میں زنا کا

دلاّل لہذا اطلاق ممنوع اور اس پر افتخار جہل۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اطلاق صاحب خود قرآنِ عظیم میں وارد: {وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى} اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے، تمھارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔ (ت)

مگر نامِ اقدس کے ساتھ اس طور پر لفظ صاحب کا ملانا یہ آریوں اور پادریوں کا شعار ہے وہ اسے معروف تعظیم میں لاتے ہیں جو زید وعمر کے لئے رائج ہے کہ شیخ صاحب، مرزا صاحب، پادری صاحب، پنڈت صاحب، لہذا اس سے احتراز چاہئے، ہاں یوں کہا جائے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے صاحب ہیں آقا ہیں مالک ہیں مولٰی ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص613

"کوئی مکان کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ذاتِ خدا موجود نہ ہو" کہنا کفر ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ {اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ} (بیشک وہ سب کچھ جانتا ہے۔ت) اور {اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ} (تم جدھر منہ کرو اُدھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت تمھاری طرف متوجہ) ہے۔ت) اور {نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ} (اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔ت) سے احاطہ اور قربِ ذاتی مراد ہے یا صفاتی؟ زید کہتا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالٰی کا علم اور قدرت ہر شے کو محیط ہے نہ ذات، عمرو کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالٰی کی ذات ہر شے کو محیط اور شہ رگ سے زیادہ قریب ہے کوئی مکان کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ذاتِ خدا موجود نہ ہو اور خدا ہر جگہ حاضر وناضر ہے اور اگر ان آیات سے احاطہ اور قربِ صفاتی مراد لیا جائے گا تو گویا صفاتِ خدا ذاتِ باری سے بڑھ گئیں اور ذاتِ باری محدود اور صفات سے چھوٹی ہوگئی، اور جو شخص ان آیات سے احاطہ اور قربِ صفاتی مراد لے وہ مشرک ہے اگر دنیا بھر کے عالم ایسا کہیں تو بھی ایک کی نہ مانوں گا اور سب کو مشرک کہوں گا اور اپنی دلیل میں شاہ امداد اللہ صاحب اور مولانا روم صاحب اور امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم کے اقوال پیش کرتا ہے، ان دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟ اور اگر زید حق پر ہے تو عمرو کے واسطے شریعتِ مطہرہ میں کیا حکم ہے وہ اپنے اس قول سے کسی گناہ کا مرتکب ہے یا نہیں؟

الجواب: رَبِّ (اِنِّیْ) اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ۔ اے میرے رب تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں۔ (ت)

آیاتِ متشابہات میں اہلِ سنت حفظہم اللہ تعالٰی کے دو مسلک ہیں:

اول تفویض:

کہ ہم ان کے معنی کچھ نہیں جانتے اللہ ورسول جانتے ہیں جلّ وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو معنی مرادِ الٰہی ہیں ہم اس پر ایمان لائے، {اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ}۔ ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔ (ت) یہی مسلکِ سلف ہے اور یہی صحیح ومعتمد، اس تقدیر پر تو نہ احاطہ ذاتی کہا جائے نہ صفاتی کہا جائے، معنی سے کچھ بحث ہی نہ کی جائے، حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے {اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى} (رحمان نے عرش پر استواء فرمایا۔ت) کے معنی دریافت کئے گئے فرمایا: **الاستواء معلوم**

والکیف مجھول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ۔استواء معلوم ہے اور کیف مجہول وراس پر ایمان فرض اوراس کی تفتیش بدعت۔یہی جواب سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دیا،یہی مسلک ہمارے امام اَعظم اور سائر ائمۂ سلف کا ہے،ہاں ہم ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالٰی جسم وجہت ومکان سے پاک ومنزہ ہے،کسی مکان میں نہیں ہوسکتا،کسی جگہ نہیں ہوسکتا،کسی طرف نہیں ہوسکتا،اورطرف سب اس کے بنائے ہوئے ہیں،اورحادث ہیں،اورقدیم اَزلی،اَزل میں کسی جگہ کسی طرف نہ تھا کہ جگہ اورطرف تھے ہی نہیں تو اب بھی کسی جگہ اورطرف میں نہیں،جیسا جب تھا ویسا ہی اب ہے،جگہ اورطرف کو بنا کر بدل نہ گیا،جگہ اورطرف بدلیں گے اوروہ بدلنے سے پاک ہے۔

دوم تاویل:

کہ ایسی آیات کوحسبِ محاورہ معنیٔ جائز پرحمل کریں جس سے نہ چین لینے والی طبیعتوں کوتسکین ہواورایمان سلامت رہے یہ مسلک خلف کا ہے اوراس طور پر اِحاطہ صفاتی مرادلیں گے،علم وقدرتِ الٰہی ہر شے کومحیط ہونے کے بھی یہ معنی نہیں کہ اس کے علم وقدرت ہرجگہ متمکّن ہیں کہ جگہ یا طرف میں ہونا جسم وجسمانیت کی شان ہے اوروہ اوراس کے صفات ان سے متعالی بلکہ احاطۂ علم کے معنی یہ ہیں کہ ہرشے واجب یا ممکن یا ممتنع معدوم یا موجود حادث یا قدیم اسے معلوم ہے،اِحاطۂ قدرت کے معنی یہ ہیں کہ ہرممکن پراُسے قدرت ہے،اس سے صفات کا ذات سے بڑھ جانا نہ کہے گا مگرمجنون،عمروکا وہ کہنا کہ ''کوئی مکان کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ذاتِ خدا موجود نہ ہو'' کلمۂ کفر ہے کہ اس کی ذات کے لئے جگہ ثابت کرتا ہے،فتاوٰی تاتارخانیہ وطریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ وفتاوٰی عالمگیری وجامع الفصولین وغیرہ میں اس پرحکمِ کفر فرمایا اور احاطہ صفاتی ماننے والے کواس کا مشرک کہنا ہزاروں ائمۂ خلف پرحکمِ شرک لگانا ہے اوراس کا کہنا کہ "اگرتمام دنیا کے عالم ایسا کہیں تو میں سب کومشرک کہوں گا "صریح کفر پرآمادگی ہے کہ تمام جہاں کے عالموں کومشرک نہ کہے گا مگرکافر اورکفر پرآمادگی کفر ہے،عمرو پرتوبہ فرض ہے اپنے عقیدۂ باطلہ سے تائب ہواورکلمۂ اسلام پڑھے اورعورت رکھتا ہوتوبعدِ اسلام اس سے پھرنکاح کرے اگروہ راضی ہو۔ہم چند سہل سہل باتیں لکھتے ہیں اگراللہ تعالٰی کواسے ہدایت کرنا ہے توانھیں سے وہ سمجھ لے گا کہ اس نے کیسی ناپاک بات کہی اوراپنے معبود کوکیسے کیسے گھناؤنے داغ لگائے اورنظرِ انصاف سے نہ دیکھے اورتعصب وعناد برتے تواللہ راہ نہیں دیتا ظالموں کو،ذرا آنکھیں بند کرکے گردن جھکا کررب عزوجل کی عظمت پرایمان لاکرغور کرے کہ اس نے کیسی ذلیل چیز کا نام خدا رکھا ہے الحمدللہ معیّت وقرب واِحاطہ الٰہیہ پرمسلمان کا ایمان ہے مگرنہ ان معنی پرجوان الفاظ سے لغوی وعرفی طور پرسمجھ آتے ہیں بلکہ ان پرجومرادِ الٰہی ہیں اور ہمارے عقول سے وراء ہیں معاذاللہ اگریہی ظاہری معنی لئے جائیں جس پر یہ کہا جائے کہ وہ بذاتہٖ ہرمکان ہرگوشہ میں موجود ہے تواس سے زائد ذلیل ترکوئی عیب لگانا نہ ہوگا۔

(۱) جب کہ اس کے نزدیک اس کا وہمی معبود بالذات ہرمکان ہرگوشہ میں موجود اور ہرشے کو بالذات محیط ہے تو پاخانہ میں بھی ہوگا،اس کی نجاست کو لپٹا ہوا بھی ہوگا،اس نجاست کے ساتھ اس کے بدترین مقام سے نکلا بھی۔

(۲) جوشے دوسری شے کو بالذات محیط ہو وہ یونہیں ہوگا کہ محیط کے اندر جَوف ہو جو اس دوسری چیز کوگھیرے ہوئے ہے جیسے آسمان زمین کومحیط ہے تو اس کا معبود جوف دار کھکل ہوا اور اللہ واحد قہار صمد ہے جوف سے پاک ہے۔

(۳) سب اشیاء کو محیط ہونا بایں معنی ہے کہ اس کا معبودِ وہمی تمام عالم کے باہر باہر ہے اور عالم اس کے اندر ہے جیسے فلکُ الافلاک کے اندر باقی کرّے جب تو شہ رگ سے زیادہ قریب کیسے ہوا بلکہ لاکھوں منزل دُور ہوا اور اگر یوں ہے کہ ہر ذرہ ذرہ کو بذاتہ بلاواسطہ محیط ہے تو بلاشبہ وہ شے کہ مشرق کے کسی ذرہ کو محیط ہو قطعاً اس کی غیر ہوگی جو مغرب کے ذرہ کو محیط ہے تو ذروں کی گنتی پر خدا یا خدا کے ٹکڑے ہوئے اور وہ احد صمد اس سے متعالی ہے۔

(۴) جب کہ وہ ہر شے کو بالذات محیط ہے تو زمین کو بھی محیط ہوگا اور یہ جو تم چلتے ہو اور جوتیاں پہن کر پاؤں رکھتے ہو وہ تمھارے معبود پر ہوئیں تم جو پاخانہ پیشاب پھرتے ہو وہ تمھارے معبود پر گرا کیسا گھناؤنا معبود اور کیسے ناپاک عابد، {ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ} (کتنا کمزور چاہنے والا اور جو چاہا گیا۔ت)

(۵) مثلاً کسی زید نے کسی عمرو کو جوتا مارا تو عمرو کو بھی اس کا معبود محیط ہے، اس جوتے پڑتے وقت وہیں قائم رہے گا یا ہٹ جائے گا اگر ہٹ گیا تو ہر شے کو محیط نہ رہا اگر قائم رہا تو اسی پر پڑا۔

(۶) جس وقت زید نے جوتا اٹھایا اور ابھی عمرو کے بدن تک نہ پہنچا تو جوتے اور عمرو کے بدن میں جو فاصلہ ہے وہ بھی ایک شے اور وہ ایک جگہ ہے، وہ وہمی معبود بذاتِ خود یہاں بھی موجود ہوگا یہاں سے وہاں تک جگہ اس سے بھری ہوئی ہے اب جوتا آگے بڑھا کہ بدنِ عمرو سے قریب ہو اس بڑھنے میں وہ وہمی معبود کہ یہاں سے وہاں تک بھرا ہوا تھا، پانی یا ہوا کی طرح چرے گا کہ جوتا اس میں ہوتا ہوا گزر جائے گا جب تو طرفہ معبود جسے جوتے نے پھاڑ دیا اور اگر نہ چرے گا بلکہ سمٹے گا جیسے پھولی ہوئی روئی سمٹتی ہے تو معبود کیا ہوا ربڑ ہوا، اور اگر نہ چرے گا نہ سمٹے گا تو ضرور ہے کہ جوتا دیکھ کر جگہ چھوڑ دے گا ہر جگہ موجود کہاں رہا!

(۷) جب کہ وہ ہر شے کو بذاتہ محیط ہے تو محیط جیسا شے کے اوپر ہوتا ہے ویسا ہی اس کے نیچے، پاؤں کے تلے وہ، جوتوں کے نیچے وہ، پھر ایسے ذلیل کو ربِ اعلیٰ کیسے کہا جا سکتا ہے!

جو کچھ ظالموں نے کہا اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بلند و بزرگ ہے نیکی بجالانا اور برائی سے پھرنا اللہ بلند و بزرگ کی توفیق کے بغیر نہیں ہوسکتا اور بلند و اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں ہوں کریم مولیٰ پر اور اس کی آل اور اصحاب پر بھی، ہم اللہ تعالیٰ سے معافی کے طلب گار ہیں، تمام حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔(ت)۔ص619

وحدۃُ الوجود حق ہے یا نہیں؟

الجواب: توحید ایمان ہے لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ت) اور وحدت حق {كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ} (اس کی ذات کے سوا ہر کوئی ہلاک ہونے والا ہے۔ت) اور اتحاد باطل اور اس کا ماننا الحاد: {اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا} آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں سب اس کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے۔

وجود واحد ہے اور موجود اَحد، باقی سب ظِل وعکوس، {هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ}۔ وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن، اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔(ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔ص617

یہاں تین چیزیں ہیں، توحید، وَحدت، اِتحاد۔

توحید: مدارِ ایمان ہے اور اس میں شک کفر ہے، اور وحدتِ وجود حق ہے، قرآنِ عظیم واحادیث وارشاداتِ اکابرِ دِین سے ثابت، اوراس کے قائلوں کو کافر کہنا خود شنیع خبیث کلمۂ کفر ہے، رہا اتحاد وہ بیشک زندقہ والحاد اوراس کا قائل ضرور کافر،

اِتحاد: یہ کہ یہ بھی خدا وہ بھی خدا سب خدا

ع گرفرقِ مراتب نکنی زندیق ست (اگر تو فرقِ مراتب نہ کرے تو زندیق ہے۔ت)

حاش للہ الہ اِلہٰ ہے اور عبد عبد، ہرگز نہ عبد اِلہ ہوسکتا ہے نہ اِلہ عبد، اور

وحدتِ وجود: یہ کہ وہ صرف موجود واحد، باقی سب ظِلال وعکوس ہیں، قرآن کریم میں ہے: {**كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ**}۔ ہر چیز فانی ہے سوائے اس کی ذات کے۔(ت) صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، حضور اکرم فرماتے ہیں: **الصدق کلمۃ الشاعر کلمۃ لبید الا کل شیء ماخلا اللہ باطل**۔ سب میں سچی زیادہ بات جو کسی شاعر نے کہی لبید کی بات ہے کہ سن لو اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز اپنی ذات میں محض بے حقیقت ہے۔ کتبِ کثیرہ مفصلۂ اصابہ نیز مسند میں ہے سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی: **فاشھد ان اللہ لارب غیرہ وانك مامون علی کل غائب** (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمیع غیوب پر امین ہیں) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا۔

اقول یہاں فرقے تین ہیں:

اول: خشک اہلِ ظاہر کہ حق وحقیقت سے بے نصیب محض ہیں یہ وجود کو اللہ ومخلوق میں مشترک سمجھے ہیں۔

دوم: اہلِ حق وحقیقت کہ بمعنی مذکور قائلِ وحدتِ وجود ہیں۔

سوم: اہلِ زندقہ وضلالت کہ الٰہ ومخلوق میں فرق کے منکر اور ہر شخص وشے کی اُلوہیت کے مُقِر ہیں ان کے خیال واقوال اس تقریبی مثال سے روشن ہوں گے، ایک بادشاہ اعلیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے جس میں تمام مختلف اقسام واوصاف کے آئینے نصب ہیں، آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شیء کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلّی ہوتا ہے، بعض میں صورت صاف نظر آتی ہے بعض میں دُھندلی، کسی میں سیدھی کسی میں اُلٹی، ایک میں بڑی ایک میں چھوٹی، بعض میں پتلی بعض میں چوڑی، کسی میں خوشنما کسی میں بھونڈی، یہ اختلاف ان کی قابلیت کا ہوتا ہے ورنہ وہ صورت جس کا اس میں عکس ہے خود واحد ہے، ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلی ان سے منزّہ ہے، ان کے اُلٹے، بھونڈے، دُھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ {وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی} (اور اللہ کی شان سب سے بلند ہے۔ت)

اب اس آئینہ خانے کو دیکھنے والے تین قسم ہوئے:

اول: ناسمجھ بچے، انھوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے یہ سب عکس بھی موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آتا ہے جیسے وہ، ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اس کے تابع ہیں جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہوجاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں، وہ

بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں تو عین یہ بھی اور وہ بھی، مگر وہ حاکم ہے یہ محکوم، اور اپنی نادانی سے نہ سمجھا کہ وہاں تو بادشاہ ہی بادشاہ ہے، یہ سب اسی کے عکس ہیں اگر اس سے حجاب ہوجائے تو یہ سب صفحۂ ہستی سے معدوم محض ہوجائیں گے، ہوکیا جائیں گے اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں حقیقۃً بادشاہ ہی موجود ہے باقی سب پرتَو کی نمود ہے۔

دوم: اہلِ نظر وعقلِ کامل، وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بیشک وجود ایک بادشاہ کے لئے ہے موجود ایک ہی ہے یہ سب ظل وعکس ہیں کہ اپنی حدِ ذات میں اَصلاً وجود نہیں رکھتے اس تجلّی سے قطعِ نظر کرکے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے حاشا عدم محض کے سوا کچھ نہیں، اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم وفانی ہیں اور بادشاہ موجود، یہ اس نمود وجود میں اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے غنی، یہ ناقص ہیں وہ تام، یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں، اور وہ سلطنت کا مالک یہ کوئی کمال نہیں رکھتے، حیاۃ، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام، سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع، تو یہ اس کا عین کیونکر ہوسکتے ہیں، لاجرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے اور یہ صرف اس تجلّی کی نمود، یہی حق وحقیقت ہے اور یہی وحدۃُ الوجود۔

سوم: عقل کے اندھے سمجھ کے اوندھے اِن ناسمجھ بچوں سے بھی گزر گئے، انھوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی، جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی، تاج جیسا کہ اس کے سر پر ہے بعینہٖ ان کے سروں پر بھی، انھوں نے عقل ودانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا، کہ یہ سب بادشاہ ہیں اور اپنی سفاہت سے وہ تمام عیوب ونقائص، نقصانِ قوابل کے باعث ان میں تھی خود بادشاہ کو ان کا مورد کردیا کہ جب یہ وہی ہیں تو ناقص عاجز محتاج، اُلٹے، بھونڈے، بدنما، دُھندلے کا جو عین ہے قطعاً انھیں ذمائم سے متصف ہے **تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا** (ظالم جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند وبالا ہے۔ت) انسان عکس ڈالنے میں آئینے کا محتاج ہے اور وجودِ حقیقی احتیاج سے پاک وہاں جسے آئینہ کہئے وہ خود بھی ایک ظل ہے پھر آئینے میں انسان کی صرف سطحِ مقابل کا عکس پڑتا ہے جس میں انسان کے صفات مثلِ کلام وسمع وبصر وعلم وارادہ وحیات سے اَصلاً نام کو بھی کچھ نہیں آتا لیکن وجودِ حقیقی عزجلالہ کے تجلّی نے اپنے بہت ظلال پر نفسِ ہستی کے سوا ان صفات کا بھی پرتَو ڈالا یہ وجوہ اور بھی ان بچوں کی نافہمی اور ان اندھوں کی گمراہی کی باعث ہوئیں اور جن کو ہدایتِ حق ہوئی وہ سمجھ لئے کہ

ع یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتوآں ہرکجامی نگری انجمنے ساختہ اند

(اس گھر میں ایک چراغ ہے اس کی روشنی سے ہرجا بارونق ہے۔ت)

انھوں نے ان صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں: حقیقی ذاتی، کہ متجلّی کے لئے خاص ہے، اور ظلی عطائی کہ ظلال کے لئے ہے اور حاشا یہ تقسیم اشتراکِ معنی بلکہ محض موافقت فی اللفظ، یہ ہے حقِ حقیقت وعینِ معرفت **وللہ الحمد**۔ ص641

خدا ہر جگہ حاضر کہنا منع ہے

اللہ عزوجل جگہ سے پاک ہے، یہ لفظ بہت بُرے معنی کا احتمال رکھتا ہے اس سے احتراز لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص640

اللہ عزوجل شہید وبصیر ہے اسے حاضر وناظر نہ کہنا چاہئے یہاں تک کہ بعض علماء نے اس پر تکفیر کا خیال فرمایا اور اکابر کو اس کی نفی کی حاجت ہوئی، مجموعہ علامہ ابن وہبان میں ہے: **ویاحاضر ویاناظر لیس بکفر**۔ یاحاضر یاناظر کہنا کفر نہیں۔

(ت) جوایسا کہتا ہے خطا کرتا ہے بچنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ص688

اللہ عزوجل کو ضمائرِ مفرد سے یاد کرنا مناسب ہے

اللہ عزوجل کو ضمائرِ مفرد سے یاد کرنا مناسب ہے کہ وہ واحد اَحد فرد وِتر ہے اور تعظیماً ضمائرِ جمع میں بھی حرج نہیں، اس کی نظیر قرآنِ عظیم میں ضمائرِ متکلم ہیں تو صدہا جگہ ہے: (مثلاً) {اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ} ۔بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔(ت) اور ضمائرِ خطاب میں صرف ایک جگہ ہے وہ بھی کلام کافر سے کہ عرض کرے گا: {رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا} (اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں۔ت) اس میں علماء نے تاویل فرمادی کہ یہ ''اِرْجِع '' کی جمع باعتبارِ تکرار ہے یعنی ''اِرْجِعْ اِرْجِعْ اِرْجِع ''ہاں ضمائرِ غیبت میں بے ذکرِ مرجع صیَغ جمع فارسی اور اردو میں بکثرت بلانکیر رائج ہیں۔ بہر حال یونہی کہنا مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، مگر اس میں کفر وشرک کا حکم کسی طرح نہیں ہوسکتا، نہ گناہ ہی کہا جائے گا بلکہ خلافِ اَولیٰ ۔ص648

حضرت سیدنا بایزید بسطامی اور ان کے امثال رضی اللہ تعالیٰ عنہم وقتِ ورودِ تجلیِ خاص شجرۂ موسیٰ ہوتے ہیں

حضرت سیدنا بایزید بسطامی اور ان کے امثال ونظائر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وقت ورودِ تجلیِ خاص شجرۂ موسیٰ ہوتے ہیں۔

سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو درخت میں سے سنائی دیا: {یٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ} اے موسیٰ! بیشک میں اللہ ہوں رب سارے جہاں کا، کیا یہ پیڑ نے کہا تھا حاشا للہ بلکہ واحد قہار نے جس نے درخت پر تجلی فرمائی اور وہ بات درخت سے سننے میں آئی کیا رب العزت ایک درخت پر تجلی فرماسکتا ہے اور اپنے محبوب بایزید پر نہیں؟ نہیں نہیں وہ ضرور تجلیِ ربانی تھی کلام بایزید کی زبان سے سنا جاتا تھا، جیسے درخت سے سنا گیا اور متکلم اللہ عزوجل تھا اسی نے وہاں فرمایا: {یٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ} (اے موسیٰ! میں اللہ ہوں رب سارے جہاں کا۔ت) اسی نے یہاں بھی فرمایا: سبحانی ما اعظم شانی (میں پاک ہوں اور میری شان بلند ہے۔ت) اور ثابت ہو تو یہ بھی کہ لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (میرا جھنڈا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے۔ت) بیشک لواءِ الٰہی لواءِ محمدی سے اَرفع واَعلیٰ ہے۔

حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی نے مثنوی شریف میں اس مقام کی خوب تفصیل فرمائی ہے اور تسلُّطِ جن سے اس کی توضیح کی ہے کہ انسان پر ایک جن مسلط ہو کر اس کی زبان سے کلام کرے اور رب عزوجل اس پر قادر نہیں کہ اپنے بندے پر تجلی فرما کر کلام فرمائے جو اس کی زبان سے سننے میں آئے بلاشبہہ اللہ قادر ہے اور معترض کا اعتراض باطل، اس کا فیصلہ خود حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہو چکا ظاہر بینوں بے خبروں نے ان سے شکایت کی کہ آپ سبحانی ما اعظم شانی کہا کرتے ہیں، فرمایا: حاشا میں نہیں کہتا کہا آپ ضرور کہتے ہیں ہم سب سنتے ہیں فرمایا: جو ایسا کہے واجب القتل ہے میں بخوشی تمھیں اجازت دیتا ہوں جب مجھے ایسا کہتے سنو بے دریغ خنجر ماردو، وہ سب خنجر لے کر منتظرِ وقت رہے یہاں تک کہ حضرت پر تجلی وارد ہوئی اور وہی سننے میں آیا سبحانی ما اعظم شانی مجھے سب عیبوں سے پاکی ہے میری شان کیا ہی بڑی ہے، وہ لوگ چار طرف سے خنجر لے کر دوڑے اور حضرت پر وَار کئے جس نے جس جگہ خنجر مارا تھا خود اس کے اسی جگہ لگا اور حضرت پر خط بھی نہ آیا، جب

اِفاقہ ہوا دیکھا لوگ زخمی پڑے ہیں، فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں نہیں کہتا وہ فرماتا ہے جسے فرمانا بجا۔ **واللہ اعلم**۔ ص665

(۱) ازروئے فرمان اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یزید بخشا جائے گا یا نہیں؟

(۲) حضرت منصور شمس تبریز وسرمد نے ایسا لفظ کہا جس سے خدائی ثابت ہوتی ہے تو دار پر آئے اور کھال کھینچی گئی لیکن وہ ولی اللہ گنے جاتے ہیں، اور فرعون، ہامان، شداد اور نمرود نے دعوئ خدائی کیا تو کافر مُخَلَّد فی النّار ہوئے اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: (۱) یزید پلید کے بارے میں ائمہ اہلسنت کے تین قول ہیں، امام احمد وغیرہ اکابر اسے کافر جانتے ہیں تو ہرگز بخشش نہ ہوگی، اور امام غزالی وغیرہ مسلمان، تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو بالآخر بخشش ضرور ہوگی، اور ہمارے امام سکوت فرماتے ہیں کہ نہ ہم مسلمان کہیں گے نہ کافر۔ لہذا ہم بھی سکوت کریں گے۔

(۲) ان کافروں نے خود کہا ملعون ہوئے اور انھوں نے خود نہ کہا اس نے کہا جسے کہنا شایاں ہے آواز ان میں سے مسموع ہوئی جیسے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درخت سے سنا: {اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ} میں ہی ہوں اللہ سارے جہاں کا، کیا درخت نے کہا تھا، حاشا بلکہ اللہ نے، یونہی یہ حضرات اس وقت شجرۂ موسیٰ ہوتے ہیں۔ ص682

یزید پلید علیہ مایستحقہ من العزیز المجید قطعاً یقیناً باجماعِ اہلسنت فاسق وفاجر وجری علی الکبائر تھا اس قدر پر ائمۂ اہلِ سنت کا اِطباق واتفاق ہے، صرف اس کی تکفیر ولعن میں اختلاف فرمایا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اَتباع وموافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیصِ نام اس پر لعن کرتے ہیں اور اس آیۂ کریمہ سے اس پر سند لاتے ہیں: {فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ}۔ کیا قریب ہے کہ اگر والیِ ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو، یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی تو انھیں بہرا کردیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔

شک نہیں کہ یزید نے والیِ ملک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا، حرمین طیبین وخود کعبہ معظّمہ وروضہ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں، مسجد کریم میں گھوڑے باندھے، ان کی لید اور پیشاب منبر اَطہر پر پڑے، تین دن مسجد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے اذان ونماز رہی، مکہ ومدینہ وحجاز میں ہزاروں صحابہ تابعین بے گناہ شہید کئے، کعبہ معظّمہ پر پتھر پھینکے، غلاف شریف پھاڑا اور جلایا۔ مدینہ طیبہ کی پاکدامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کردیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب ودانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغِ ظلم سے پیاسا ذبح کیا، مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گود کے پالے ہوئے تنِ نازنین پر بعدِ شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخوانِ مبارک چور ہوگئے، سرِ انور کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا۔ حرم محترم مخدرات مشکوئے رسالت قید کئے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے، اس سے بڑھ کر قطعِ رحم اور زمین میں فساد کیا ہوگا، ملعون ہے وہ جو ان ملعون حرکات کو فسق وفجور نہ جانے، قرآنِ عظیم میں صراحۃً اس پر {لَعَنَهُمُ اللّٰهُ} (ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ت) فرمایا۔

لہٰذا امام احمد اور ان کے موافقین ان پر لعنت فرماتے ہیں اور ہمارے امام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لعن وتکفیر سے احتیاطاً سکوت فرمایا کہ اس سے فسق وفجور متواتر ہیں کفر متواتر نہیں، اور بحالِ احتمال نسبتِ کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ تکفیر اور اَمثال وعیدات

مشروط بعدمِ توبہ ہیں لقولہ تعالٰی، {فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا اِلَّا مَنْ تَابَ} (تو عنقریب دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے مگر جو تائب ہو گئے۔ت) اور توبہ تادمِ غرغرہ مقبول ہے اور اس کے عدم پر جزم نہیں اور یہی اَحوط واَسلم ہے، مگر اس کے فسق وفجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر اِلزام رکھنا ضروریاتِ مذہبِ اہلِ سنت کے خلاف ہے اور ضلالت وبدمذہبی صاف ہے، بلکہ انصافاً یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبتِ سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا شمّہ ہو شک نہیں کہ اس کا قائل ناصبی مردود اور اہلسنت کا عدُوّ و عنود ہے۔ص591

مرتکبِ کفرِ فقہی کا حکم

جو مرتکب کفرِ فقہی ہے جیسے دسہرے کی شرکت یا کافروں کی جے بولنا اس پر تجدیدِ اسلام لازم ہے اور اپنی عورت سے تجدیدِ نکاح کرے اور جو قطعاً کافر ہو گیا، جیسے دسہرے میں بطورِ مذکور ہنود کے ساتھ ناقوس بجانے یا معبودانِ کفار پر پھول چڑھانے والا کافر مرتد ہو گیا اس کی عورت نکاح سے نکل گئی اگر تائب ہو اور اسلام لائے جب بھی عورت کو اختیار ہے بعدِ عدت جس سے چاہے نکاح کر لے، اور بے توبہ مر جائے تو اسے مسلمانوں کی طرح غسل وکفن دینا حرام اس کے جنازے کی شرکت حرام اسے مقابرِ مسلمین میں دفن کرنا حرام اس پر نماز پڑھنا حرام (اس کے علاوہ دیگر احکام بھی۔ت)۔واللہ تعالٰی اعلم۔ص674

*** کراماتِ اولیاء کا منکر گمراہ ہے، اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ کراماتِ اولیاء حق ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ص683**

جلدنمبر 15

کِتَابُ السِّیَرَ (حصہ دوم)

اطاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درسِ رضا

مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ و رسول سے زیادہ کوئی ہماری بھلائی چاہنے والا نہیں جلَّ وعلَا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس بات کی طرف بلائیں یقیناً ہمارے دونوں جہان کا اس میں بھلا ہے، اور جس بات سے منع فرمائیں بلاشبہہ سراسر ضرر و بلا ہے۔ مسلمان صورت میں ظاہر ہو کر جو اِن کے حکم کے خلاف کی طرف بلائے یقین جان لو کہ یہ ڈاکو ہے اس کی تاویلوں پر ہرگز کان نہ رکھو، رہزن جو جماعت سے باہر لے جانا چاہتا ہے ضرور چکنی چکنی باتیں کرے گا اور جب یہ دھوکے میں آیا اور ساتھ ہولیا تو گردن مارے گا مال لوٹے گا شامت اس بکری کی کہ اپنے راعی کا ارشاد نہ سنے اور بھیڑیا جو کسی بھیڑ کی اُون پہن کر آیا اس کے ساتھ ہولے، ارے! مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمھیں منع فرماتے ہیں وہ تمھاری جان سے بڑھ کر تمھارے خیر خواہ ہیں {حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ} تمھارا مشقت میں پڑنا ان کے قلبِ اَقدس پر گراں ہے {عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ} وَاللہ وہ تم پر اس سے زیادہ مہربان ہیں جیسے نہایت چہیتی ماں اکلوتے بیٹے پر {بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ}۔ ارے! ان کی سنو، ان کا دامن تھام لو، ان کے قدموں سے لپٹ جاؤ۔ ص105

بدمذہبوں سے دُور رہنے کے واقعات

وہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے رشتہ نہ کرو۔ وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ، مرجائیں تو جنازہ پر نہ جاؤ، نہ ان کی نماز پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

امیر المؤمنین عمر فاروق اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد اقدس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نمازِ مغرب کے بعد کسی مسافر کو بھوکا پایا اپنے ساتھ کاشانۂ خلافت میں لے آئے اس کے لئے کھانا منگایا، جب وہ کھانے بیٹھا کوئی بات بدمذہبی کی اس سے ظاہر ہوئی فوراً حکم ہوا کہ کھانا اُٹھالیا جائے اور اسے نکال دیا جائے، سامنے سے کھانا اٹھوالیا اور اسے نکلوا دیا۔

سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی نے آکر عرض کی: فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے، فرمایا: **لا تقرأه منی السلام فانی سمعت انه احدث** میری طرف سے اسے سلام نہ کہنا کہ میں نے سنا ہے کہ اس نے کچھ بدمذہبی نکالی۔

سیدنا سعید بن جبیر شاگردِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو راستہ میں ایک بدمذہب ملا، کہا کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا سننا نہیں چاہتا۔ عرض کی ایک کلمہ، اپنا انگوٹھا چھنگلیا کے سرے پر رکھ کر فرمایا **ولا نصف کلمة** آدھا لفظ بھی نہیں۔ لوگوں نے عرض کی اس کا کیا سبب ہے، فرمایا: از ایشان منہم ہے۔

امام محمد بن سیرین شاگردِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس دو بد مذہب آئے عرض کی کچھ آیاتِ کلام اللہ آپ کو سنائیں، فرمایا میں سننا نہیں چاہتا، عرض کی کچھ احادیثِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سنائیں، فرمایا میں سننا نہیں چاہتا، انھوں نے اصرار کیا، فرمایا تم دونوں اُٹھ جاؤ یا میں اُٹھا جاتا ہوں، آخر وہ خائب وخاسر چلے گئے، لوگوں نے عرض کی اے امام! آپ کا کیا حرج تھا اگر وہ کچھ آیتیں یا حدیثیں سناتے، فرمایا میں نے خوف کیا کہ وہ آیات واحادیث کے ساتھ اپنی کچھ تاویل لگائیں اور وہ میرے دل میں رہ جائے تو ہلاک ہو جاؤں۔

ائمہ کو یہ خوف تھا اور اب عوام کو یہ جرأت ہے **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**۔ اور ایسی جگہ مالِ دُنیا وہی پسند کرے گا جو دِین نہیں رکھتا، جو عقل سے بہرہ نہیں۔ یکے نقصان مایہ دگر شماتت ہمسایہ (ایک تو مال کا نقصان اور دوسرے ہمسایہ کی خوشی۔ ت) ہمسایہ کون؟ وہ بئس القرین شیطان لعین کیسا خوش ہوگا کہ ایک ہی کرشمے میں دونوں جہان کا نقصان پہنچایا، مال بھی گیا اور آخرت میں عذاب کا بھی مستحق ہوا، {خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ} ۔ دُنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا، یہی ہے صریح نقصان (ت)

دیکھو اَمان کی راہ وہی ہے جو تمھیں تمھارے پیارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بتائی: **ایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم** ۔ ان سے دور رہو اور انھیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

دیکھو نجات کی راہ وہی ہے جو تمھارے رب عزوجل نے بتائی: {فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ} ۔ یاد آئے پر پاس نہ بیٹھو ظالموں کے۔ (ت) بھولے سے ان میں سے کسی کے پاس بیٹھ گئے ہو تو یاد آنے پر فوراً کھڑے ہو جاؤ، ان مضامین کی تفصیل میں تمام اکابر علمائے حرمین شریفین کا فتوٰی مسمّی بہ فتاوٰی الحرمین برجف ندوۃ المین اور عامہ علمائے ہند کا فتوٰی مسمّی بہ **فتاوٰی السنۃ لالجام اہل الفتنۃ** اور **فتاوی القدوۃ** اور **النذیر الاحمد** اور **النذیر المبین** وغیرہا پچاس سے زائد کتابیں چھپ کر شائع ہو چکیں۔ ص 106

مسلمانوں کی کامیابی کے اُصول

چاہئے تھا کہ اولاً: باستثناء ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ ووکالت میں گھسے جاتے ہیں گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوئے جاتے ہیں محفوظ رہتے۔

ثانیاً: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا، اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے، یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گھڑنت کرکے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر کہ آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

ثالثاً: بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لئے بنک کھولتے، سود شرع نے قطعی

حرام فرمایا ہے، مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتبِ فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ ''کتاب کفل الفقیه الفاهم ''میں چھپ چکا ہے، ان جائز طریقوں پر بھی نفع لیتے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں بنیوں کی نذر ہوئی چلی جاتی ہے ان سے بھی محفوظ رہتے، اگر بنیوں کی جائداد ہی لی جاتی مسلمان ہی کے پاس رہتی یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنئے تنگے۔

رابعاً: سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سب کی اصلِ اعظم وہ دینِ متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارجِ عالیہ پر پہنچایا، چاردانگِ عالم میں انکی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نانِ شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا۔ اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہِ ذلت میں گرایا فانا لله وانا الیه راجعون، ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ دینِ متین علمِ دین کے دامن سے وابستہ ہے، علمِ دین سیکھنا پھر اسی پر عمل کرنا اپنی دونوں جہاں کی زندگی چاہتے، وہ انھیں بتادیتا، اندھو! جسے ترقی سمجھ رہے ہو سخت تنزل ہے، جسے عزت جانتے ہو اَشد ذلت ہے۔

مسلمان اگر یہ چار باتیں اختیار کریں تو ان شاء اللہ العزیز آج ان کی حالت سنبھل جاتی ہے، آپ کے سوال کا جواب تو یہ ہے مگر یہ تو فرمائے کہ سوال وجواب سے حاصل کیا جب کوئی اس پر عمل کرنے والا نہ ہو، عمل کی حالت ملاحظہ ہو:

اول: پر یہ عمل ہے کہ گھر کے فیصلہ میں اپنے دعوے سے کچھ بھی کمی ہو تو منظور نہیں۔ اور کچہری جا کر اگرچہ گھر کی بھی جائے ٹھنڈے دل سے پسند گرہ گرہ بھر زمین پر طرفین سے دو دو ہزار بگڑ جاتے ہیں کیا آپ ان حالتوں کو بدل سکتے ہیں {فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ} (تو کیا تم باز آئے۔ت)

دوم: کی یہ کیفیت کہ اول تو خاندانی لوگ حرفت وتجارت کو عیب سمجھتے ہیں اور ذِلت کی نوکریاں کرنے، ٹھوکریں کھانے، حرام کام کرنے، حرام مال کھانے کو فخر وعزت، اور جو تجارت کریں بھی تو خریدار کو اتنا حس نہیں کہ اپنی ہی قوم سے خریدیں اگرچہ پیسہ زائد سہی کہ نفع ہے تو اپنی بھائی کا ہے، اہلِ یورپ کو دیکھا ہے کہ دیسی مال اگرچہ ولایتی کی مثل اور اس سے اَرزاں بھی ہو ہرگز نہ لیں گے اور ولایتی گراں خرید لیں گے۔ ادھر بیچنے والوں کی یہ حالت کہ ہندو آنہ روپیہ نفع لے، مسلمان صاحب چونی سے کم پر راضی نہیں اور پھر لطف یہ کہ مال بھی اس سے ہلکا بلکہ خراب، ہندو تجارت کے اصول جانتا ہے کہ جتنا تھوڑا نفع رکھے اتنا ہی زیادہ ملتا ہے اور مسلمان صاحب چاہتے ہیں کہ سارا نفع ایک ہی خریدار سے وصول کرلیں۔ ناچار خریدنے والے مجبور ہو کر ہندو سے خریدتے ہیں۔ کیا تم یہ عادتیں چھوڑ سکتے ہو {فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ} (تو کیا تم باز آئے۔ت)

سوم: کی یہ حالت کہ اکثر اُمراء کو اپنے ناجائز عیش سے کام ہے، ناچ رنگ وغیرہ بےحیائی یا بیہودگی کے کاموں میں ہزاروں لاکھوں اُڑادیں وہ ناموری ہے ریاست ہے، اور مرتے بھائی کی جان بچانے کو ایک خفیف رقم دینا ناگوار، جنھوں نے بنیوں سے سیکھ کرلین دین شروع کیا وہ جائز نفع کی طرف توجہ کیوں کریں، دین سے کیا کام، اللہ ورسول کے احکام سے کیا غرض، ختنہ نے انھیں مسلمان کیا اور گائے کے گوشت نے مسلمانی قائم رکھی اس سے زائد کیا ضرورت ہے، نہ انھیں مرنا ہے، نہ اللہ وحدہٗ قہار کے حضور جانا، نہ اعمال کا حساب دینا، انا لله وانا الیه راجعون۔ پھر سود بھی لیں تو بنیا اگر بارہ آنے مانگے یہ ڈیڑھ دو سے کم پر راضی نہ ہوں، ناچار حاجتمند بنیوں کے ہتھے چڑھتے ہیں اور جائدادیں ان کی نذر کر بیٹھتے ہیں۔

چہارم: کا حال ناگفتہ بہ ہے کہ اِنٹر پاس کو رزّاقِ مطلق سمجھا ہے وہاں نوکری میں عمر کی شرط، پاس کی شرط، پھر پڑھائی وہ مفید کہ عمر بھر کام نہ آئے، نہ اس نوکری میں اس کی حاجت پڑے، اپنی ابتدائی عمر کہ وہی تعلیم کا زمانہ ہے یوں گنوائی، اب پاس ہونے میں جھگڑا ہے، تین تین بار فیل ہوتے ہیں اور پھر لپٹے چلے جاتے ہیں، اور قسمت کی خوبی کہ مسلمان ہی اکثر فیل کئے جاتے ہیں، پھر تقدیر سے پاس بھی مل گیا تو اب نوکری کا پتا نہیں اور ملی بھی تو صریح ذلت کی، اور رفتہ رفتہ دُنیوی عزت کی بھی پائی تو وہ کہ عندالشرع ہزار ذِلت، کہئے پھر علمِ دین سیکھنے اور دین حاصل کرنے اور نیک وبد میں تمیز کرنے کا کون سا وقت آئے گا۔ لاجرم نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کو مضحکہ سمجھتے ہیں، اپنے باپ دادا کو جنگلی، وحشی، بے تمیز، گنوار، نالائق، بیہودہ، اَحمق، بے خرد جاننے لگتے ہیں، بفرضِ غلط اگر یہ ترقی بھی ہوئی تو نہ ہونے سے کروڑ درجے بدتر ہوئی، کیا تم علمِ دین کی برکتیں ترک کرو گے، {فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ} (تو کیا تم باز آئے۔ت)

یہ وجوہ ہیں یہ اسباب ہیں، مرض کا علاج چاہنا اور سبب کا قائم رکھنا حماقت نہیں تو کیا ہے، اس نے تمھیں ذلیل کر دیا اس نے غیر قوموں کو تم پر ہنسوایا، اِس نے اِس نے جو کچھ کیا وہ اِس نے، اور آنکھوں کے اندھے اب تک اس اوندھی ترقی کا رونا روئے جاتے ہیں، ''ہائے قوم وائے قوم یعنی ہم تو اسلام کی رسی گردن سے نکال کر آزاد ہو گئے، تم کیوں قُلّی بنے ہو'' حالانکہ حقیقۃً یہ آزادی ہی سخت ذلت کی قید ہے جس کی زندہ مثال یہ تُرکوں کا تازہ واقعہ **ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ اہلُ الرائے ان وجوہ پر نظر فرمائیں، اگر میرا خیال صحیح ہو تو ہر شہر وقصبہ میں جلسے کریں اور مسلمانوں کو ان چار باتوں پر قائم کر دیں پھر آپ کی حالت خوبی کی طرف نہ بدلے تو شکایت کیجئے، یہ خیال نہ کیجئے کہ ایک ہمارے کئے کیا ہوتا ہے ہر ایک نے یونہی سمجھا تو کوئی کچھ نہ کرے گا، بلکہ ہر شخص یہی تصور کرے کہ مجھی کو کرنا ہے، یوں اِن شاءاللہ تعالیٰ سب کر لیں گے، چند جگہ جاری تو کیجئے پھر خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، خدا نے چاہا تو عام بھی ہو جائے گا، اس وقت آپ کو اس کی برکات نظر آئیں گی، وہی آیۂ کریمہ کہ ابتداءِ سخن میں تلاوت ہوئی {اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ} الآیۃ جس طرح برے رویہ کی طرف اپنی حالت بدلنے پر تازیانہ ہے یوں ہی نیک روش کی طرف تبدیلی پر بشارت ہے کہ اپنے کرتب چھوڑو گے تو ہم تمھاری اس رَدی حالت کو بدل دیں گے، ذلت کے بدلے عزت دیں گے، اے رب ہمارے! ہماری آنکھیں کھول اور اپنے پسندیدہ راستہ پر چلا صدقہ رسولوں کے سورج مدینہ کے چاندکا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ وبارك وکرم آمین!۔ص144

ایک شخص سامنے سے گزرا دوسرے سے کہا نماز ہو گئی اور جماعت تیار ہے، اس نے کہا نماز پڑھنے والے پر لعنت بھیجتا ہوں، جب یہ ذکر ایک تیسرے شخص کے سامنے ہوا اور لوگوں نے کہا یہ کلمہ کفر ہے، تو اس نے کہا ایسی باتوں سے کفر نہیں عائد ہوا کرتا حالانکہ یہ شخص عاقل بالغ ہے اس شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس کہنے سے وہ شخص کافر ہو گیا، اس کی عورت نکاح سے نکل گئی، اور یہ تیسرا ابھی نئے سرے سے کلمۂ اسلام پڑھے اور اپنی عورت سے اس کے بعد نکاح کرے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص148

*** کہنا کہ ''میں نے جھوٹ بولا تو کیا بُرا کیا'' صریح کلمۂ کفر ہے، اس پر لازم ہے کہ تجدیدِ اسلام کرے اور اگر عورت رکھتا ہے تو اَز سرِ نَو اسلام لانے کے بعد اس سے تجدید نکاح ضرور ہے۔ص150**

تشبیہ و تمثیل میں فرق

تشبیہ میں اگر وجہِ شِبہ اُمورِ متعددہ سے مُنتزع ہو تمثیل ہے جیسے کریمہ {كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا} (گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے۔ت) ورنہ نہیں، اور کبھی تشبیہِ مرکب کو تمثیل کہتے ہیں جس کے معنی میں مفرد کی مفرد سے تشبیہ ملحوظ نہیں بلکہ ہیئتِ مجموعی سے، کریمہ {وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ} (اور وہی انھیں لئے جارہی ہے ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ۔ت) میں تشبیہ ہے۔اور کریمہ {مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا}۔الآیۃ (ان کی کہاوت اس کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی، الآیۃ۔ت) میں تمثیل ہے۔ص 152

تمام انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام احتلام سے پاک ومنزہ ہیں

حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اِحتلام سے پاک ومنزہ ہیں۔

قال اللہ تعالٰی: {اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا}۔اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو۔(ت) طبرانی معجم کبیر میں بطریقِ عکرمہ اور دینوری مجالس میں بطریقِ مجاہد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ فرمایا: کبھی کسی نبی کو احتلام نہ ہوا، احتلام تو نہیں مگر شیطان کی طرف سے۔ص 155

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نسبت کلماتِ ناشائستہ کہنا حرام ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبیوں میں شمار ہیں یا نہیں؟ بصورتِ اول کسی قسم کی توہین ان کی یا کلمہ بے ادبانہ ان کے حق میں کہنا ناجائز اور بصورتِ ثانیہ جب ان کی خطا معاف کی جاچکی ہے تو ان کی نسبت کلماتِ بے ادبانہ اور ناشائستہ زبان پر لانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: ان کی نسبت کلماتِ ناشائستہ لانا بہرحال حرام ہے، ایک قول ان کی نبوت کا ہے (جیسا کہ امام ابن حجر مکی کی شرح ہمزیہ میں ہے۔ت) اور ظاہر قرآنِ عظیم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: قال تعالٰی {قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَاۤ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ} اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر جو ہماری طرف اُترا اور جو اُتارا گیا ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد پر، اور جو عطا کئے گئے موسٰی وعیسٰی اور جو عطا کئے گئے باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے حضور گردن رکھے ہیں۔(ت)

اسباط یہی اَبنائے یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔اس تقدیر پر توان کی توہین کفر ہوگی ورنہ اس قدر میں شک نہیں کہ وہ اولیائے کرام سے ہیں اور جو کچھ ان سے واقع ہوا اپنے باپ نبیُ اللہ کے ساتھ محبتِ شدیدہ کی غیرت سے تھا پھر وہ بھی ربُ العزت نے معاف کردیا۔اور یوسف علیہ الصلوۃ والسلام نے خود عفو فرمایا: {قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ} کہا آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمھیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔(ت) اور

یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: {سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ} جلد میں تمھاری بخشش اپنے رب سے چاہوں گا بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔(ت)

بہرحال ان کی توہین سخت حرام ہے اور باعثِ غضبِ ذوالجلال والاکرام ہے، رب عزوجل نے کوئی کلمہ ان کی مذمت کا نہ فرمایا دوسرے کو کیا حق ہے، مناسب ہے کہ توہین کرنے والا تجدید اسلام وتجدیدِ نکاح کرے کہ جب ان کی نبوت میں اختلاف ہے اس کے کفر میں اختلاف ہوگا اور کفرِ اختلافی کا یہی حکم ہے۔ص164

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک لے کر ندا کرنا منع ہے

آیت ہے کہ رسول کا پکارنا اپنے میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو، اب ایک دوسرے میں باپ اور مولا اور بادشاہ سب آ گئے، اسی لئے علماء فرماتے ہیں نام پاک لے کر ندا کرنا حرام ہے، اگر روایت میں مثلاً یا محمد آیا ہوتو اس کی جگہ بھی یا رسول اللہ کہے، اس مسئلہ کا بیانِ عظیم الشان فقیر کے رسالہ "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" میں دیکھئے۔ ۱۲منہ ص171

اسمعیل دہلوی کا حال مثلِ یزید پلید علیہ ما علیہ ہے

بالجملہ اس طائفہ حائفہ خصوصاً ان کے پیشوا کا حال مثلِ یزید پلید علیہ ما علیہ ہے کہ محتاطین نے اس کی تکفیر سے سکوت پسند کیا، ہاں یزید مَرید اور ان کے امام عَنِید میں اتنا فرق ہے کہ اس خبیث سے ظلم وفسق وفجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں۔ اور ان حضرت سے یہ سب کلماتِ کفرا علی درجۂ تواتر پر ہیں پھر اگر چہ ہم براہِ احتیاط تکفیر سے زبان روکیں ان کے خسار وبوار کو یہ کیا کم ہے کہ جماہیر ائمۂ کرام فقہائے اسلام کے نزدیک ان پر بوجوہِ کثیرہ کفر لازم، والعیاذ باللہ القیوم الدائم، امام ابن حجر مکی قواطع میں فرماتے ہیں: انه یصیر مرتدا علی جماعته و کفی بهذا خسارا و تفریطا۔ ایک جماعت کے قول پر وہ کافر ہے اس کے خسارے وذلت کو یہی کافی ہے(ت)۔ص236

"قرآن پر صحابہ کا احسان" کہنے کا حکم

صحابہ کرام کے پاک ذِکر میں طغیانِ کلام میں یہ بھی زید کے منہ سے نکل گیا کہ اگر وہ ایسی جان نثاری اور ایسی کوششیں نہ فرماتے تو مؤرخین تاریخ میں لکھ دیتے کہ ایک صاحب پیدا ہوئے اور انھوں نے یہ دعوٰی کیا، ان پر کتاب اتاری گئی اس کے سوا اور کچھ پتا نہ چلتا۔ یہ انھیں کی جانبازیوں کا نتیجہ ہے جو ہم مسلمان ہیں، ان کا احسان اسلام پر قرآن پر اور سب پر، اگر معاذ اللہ احسان سے قائل کی نیت اس وقت غصہ یا حماقت کے سبب منت نہادن ہوتو اس کی نسبت کیا حکم ہوگا حالانکہ زید کے اندر کے دل کا اعتقاد یہ ہے کہ قرآنِ عظیم پر کسی کا احسان نہیں؟

الجواب: وہ لفظ احسان کہ اس کی زبان سے نکلا اس کی توجیہ نہایت صاف وآسان ہے، قرآن مصحفِ کریم کو بھی کہتے ہیں، اس قرآنِ مجید کا ہدیہ کیا ہے، فلاں نے قرآنِ عظیم کو ہبہ کیا، یا فلاں مسجد پر وقف کیا، یا قرآنِ کریم کی جلد بندھواؤ، یا چولی چڑھاؤ، یا غلاف سی دو، ان تمام محاورات میں قرآن سے مصحف ہی مراد ہے، اور بلاشبہ یہ محاورہ عام شائع متعارف ہے اور مصحف یعنی یہ

اوراق اوران پر یہ نقوش ساتی روشنائی ضرور حادث وجنسِ مخلوق ہے، اوراَجلہ صحابہ کا اس سے اَفضل ہونا ممکن نہ ہو یہ کسی دلیلِ قطعی سے ثابت نہیں بلکہ جب جنگِ صفین میں امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے حضور قرآنِ عظیم بلند کیا گیا فرمایا: **ھذا مصحف صامت وانا مصحف ناطق**۔ یہ خاموش قرآن ہے اور میں قرآنِ ناطق ہوں۔ اگر قرآن سے زید کی یہی مراد تھی تو اس پر کچھ اِلزام نہیں اور اس کا وہ بیان کہ میں قرآن کو ایسا جانتا ہوں، اِستدراک ودفعِ وہم ہوگا، یعنی قرآنِ حقیقی کی نسبت تو میرا یہ اعتقاد ہے جو حرف بحرف ہے، غرض زید کی نسبت حکمِ فتوٰی تو یہ تھا کہ اس کا کلام معنیٰ صحیح رکھتا ہے، اور وہ کسی سخت الزام کا مورد نہیں۔۔۔۔۔۔لیکن وہ اپنی نیت کو خوب جانتا ہے اور اس کا رب اس سے اَعلم، اگر یہ کلمہ اس نے قرآنِ حقیقی قدیم ہی کی نسبت کہا ہو تو اس صورت میں ضرور حکم سخت ہوا، اس تقدیر پر تجدیدِ اسلام لازم ہوگی پھر اس کے بعد تجدیدِ نکاح وبیعت وحج کے احکام، قرآنِ عظیم غنی عن العلمین ہے، وہ اس سے پاک ومنزہ ہے کہ تمام عالم میں کسی کا اس پر کچھ احسان ہو، اگر سارا جہان کفر کرتا اس کی عظمت میں ذرہ بھر فرق نہ آتا اور اگر سارا جہاں ایمان لے آئے اس کی عظمت میں ذرہ بھر اضافہ نہ ہو کہ اس کی عظمت نامحدود ہے اور نامحدود پر اِضافہ محال، **بالجملہ** یہ معاملہ زید اور اس کے رب میں ہے شرعاً اس پر کوئی اِلزام نہیں کہ صاف تاویل موجود ہے، ہاں حفظِ زبان کی اِحتیاط لازم، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص270

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْن کہنے کے اجازت نہیں

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اکرم الاکرمین کہنے کی اجازت نہیں، یہ نام پاک عرف میں ربُّ العزت کے لئے ہے، حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اَکرمُ الاوّلین والآخِرین ہیں۔ص270

کیا حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ حدیث ہے؟

حب الوطن من الایمان (وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ت) نہ حدیث سے ثابت نہ ہرگز اس کے یہ معنی، امام بدرالدین زرکشی نے اپنے جزء اور امام شمس الدین سخاوی نے مقاصدِ حسنہ اور امام خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی نے الدرالمنتثرہ میں بالاتفاق اس روایت کو فرمایا: **لَمْ اَقِفْ عَلَیْہِ** (میں اس سے آگاہ نہیں ہوسکا۔ت)

امام سخاوی نے اس کی اصل ایک اَعرابی بدوی اور حکیمانِ ہند کے کلام میں بتائی **کما یظھر بالرجوع الیہ** (جیسا کہ اس کی طرف رجوع سے ظاہر ہے۔ت) اللہ عزوجل نے قرآنِ عظیم میں اپنے بندوں کی کمال مدح فرمائی جو اللہ ورسول جَلَّ وَعَلَا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت میں اپنا وطن چھوڑیں، یارودِیار سے منہ موڑیں، اور ان کی سخت مذمت فرمائی جو حبِ وطن لئے بیٹھے رہے اور اللہ ورسول کی طرف مہاجر نہ ہوئے۔

جو مدینہ طیبہ کی حاضری پر حبِ وطن کو ترجیح دیں وہ ظالموں کی طرح ہیں اور جو حبِ وطن کو خاک بوسیِ آستانِ عرش نشان پر تَصَدُّق کریں وہ اِن مقبولوں میں ہیں۔

وہ وطن جس کی محبت ایمان سے ہے وطنِ اصلی ہے جہاں سے آدمی آیا اور جہاں جانا ہے۔ **کن فی الدنیا کانك غریب اوعابر سبیل** دنیا میں اس طرح رہو جیسے اَجنبی ہو یا مسافر (ت)۔ص296

حضرت مجنون بنی عامر اولیاء سے تھے

جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حضرت مجنون بنی عامر اولیاء سے تھے عشقِ لیلیٰ کو پردہ کر رکھا تھا۔(ت) ص306

اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان

مسلمان کا ایمان ہے کہ مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کے سب صفات، صفاتِ کمال وبروجہِ کمال ہیں، جس طرح کسی صفتِ کمال کا سلب اس سے ممکن نہیں یونہیں معاذ اللہ کسی صفتِ نقص کا ثبوت بھی اِمکان نہیں رکھتا اور صفت کا بروجہِ کمال ہونا یہ معنی کہ جس قدر چیزیں اس کے تعلق کی قابلیت رکھتی ہیں ان کا کوئی ذرہ اس کے احاطۂ دائرہ سے خارج نہ ہو، نہ یہ کہ موجود ومعدوم وباطل وموہوم میں کوئی شیئ ومفہوم بےاس کے تعلّق کے نہ رہے اگرچہ وہ اَصلاً صلاحیتِ تعلق نہ رکھتی ہو اور اس صفت کے دائرہ سے محض اجنبی ہو۔ اب اِحاطہ دوائر کا تفرقہ دیکھئے:

(۱) خلّاق کبیر جلّ وعلا فرماتا ہے: {خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ} وہ ہر چیز کا بنانے والا ہے تو اسے پوجو۔

یہاں صرف حودث مراد ہیں کہ قدیم یعنی ذات وصفاتِ باری تعالیٰ عزّ مجدہٗ مخلوقیّت سے پاک۔

(۲) سمیع وبصیر جلّ مجدہٗ فرماتا ہے: {اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيْرٌ} وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

یہ تمام موجوداتِ (عـــہ۱) قدیمہ وحادثہ سب کو شامل مگر معدومات خارج یعنی مطلقاً یا جس چیز نے اَزل سے اب تک کسوتِ وجود نہ پہنی نہ اَبد تک پہنے کہ اِبصار کی صلاحیت موجود ہی میں ہے جو اَصلاً ہے ہی نہیں، وہ نظر کیا آئے گا تو نقصان جانبِ قابل ہے نہ کہ جانبِ فاعل۔

(عـــہ۱): فائدہ: واضح ہو کہ ''منح الروض'' میں ملا علی قاری کے کلام سے اللہ تعالیٰ کی بصارت کا اَشکال واَلوان اور اس کی سمع کا اَصوات وکلام کے ساتھ اختصاص کا اشارۃ معلوم ہوتا ہے حالانکہ علامہ لاقانی نے ''جوہرۃ التوحید'' کی شرح میں اللہ تعالیٰ کی مذکورہ دونوں صفات کو تمام موجودات میں عام ہونے کی تصریح کی ہے اور علامہ عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ میں ان کی اِتباع کی ہے۔ اور علامہ لاقانی کا کلام یہ ہے: انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی سمع صرف اَصوات کے ساتھ مختص نہیں کی بلکہ تمام موجودات کو عام ہے خواہ ذوات ہوں یا صفات، تو باری تعالیٰ اپنی ذات وصفات کا سامع ہے جس طرح وہ ہماری ذوات اور ہماری صفات مثلاً ہمارے علوم اور اَلوان کا سامع ہے یونہی سبحانہ وتعالیٰ کی بصر کا معاملہ ہے کہ وہ بھی اَکوان واَلوان واَشکال کے ساتھ مختص نہیں اس کا معاملہ بھی سمع جیسا ہے اور دونوں صفات برابر ہیں تو دونوں کے متعلقات بھی ایک جیسے ہیں۔ انتھی،

پھر میں کہتا ہوں مقام کی تحقیق یہ ہے کہ اِبصار بیشک، ارادہ، قدرت اور تکوین صفات جیسی نہیں۔ جن کا تمام ممکنہ تعلقات سے بالفعل متعلق ہونا واجب نہیں بلکہ اِبصار اُن صفات میں سے جن کا ممکنُ التّعلق سے بالفعل متعلق ہونا واجب ہے جیسا کہ علم کا معاملہ ہے تو بعض وہ چیزیں جن کا ابصار ممکن اور صحیح ہوسکتا ہے ان کا عدمِ اِبصار نقص ہوگا لہذا اللہ تعالیٰ کا اس نقص سے پاک ہونا ضروری ہے جیسے علم سے متعلق بعض اشیاء کا علم نہ ہونا نقص ہے جس سے وہ پاک ومنزہ ہے یہ وہ معاملہ ہے جس میں دو آراء نہیں ہوسکتیں، اب صرف یہ بحث ہے کہ اِبصار کا تعلق کن چیزوں سے ہوسکتا ہے اگر یہ ثابت ہوجائے کہ اِبصار صرف اَشکال واَلوان و

اَکوان سے ہی متعلق ہوسکتی ہے تو یہی ہوگا اور اگر ثابت ہوجائے کہ اس کا تعلق تمام موجودات سے صحیح ہوسکتا ہے تو پھر اَزلاً واَبداً تمام کائنات (یعنی موجود ہونے والی اشیاء، قدیمہ) وحادثہ خواہ وہ اپنے زمانوں میں محقق ہوں یا مقدر ہوں سب سے اِبصار کا تعلق ماننا اور بیان کرنا واجب ہوگا جیسا کہ واضح ہے کہ اب کوئی چیز انتظار کے مرحلہ میں نہ ہوگی، لیکن پہلی شق باطل ہے کیونکہ آخرت میں مومنین کے لئے اللہ تعالٰی کی رؤیت پر اجماع ہے (حالانکہ اللہ تعالٰی اَشکال واَلوان سے پاک ہے) تو ثابت ہوا کہ ابصار کا تعلق اشکال واَلوان سے مختص نہیں ہے جبکہ ہمارے اصحاب نے اس بحث میں تصریح کردی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالٰی کی رؤیت کا مدار صرف وجود ہے جبکہ ان کا اجماع ہے کہ اللہ تعالٰی اپنی ذات کو دیکھتا ہے جیسا کہ مواقف میں ہے، تو ابصار میں تعمیم ہی حق ہے، اور اللہ تعالٰی کے ارشاد {اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ} کا اِجراء اپنے خالص عموم پر ہوگا جس میں کسی قسم کی تخصیص کا شائبہ نہ ہوگا۔ یوں تحقیق ہونی چاہئے جبکہ اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے جو بھی اس تحقیق پر یقین رکھے گا اس کے لئے صفتِ سمع میں بھی عموم کا اِجراء آسان ہوگا جس کی دلیل اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے پس سمجھو واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ مِنْہُ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

(۳) قوی قدیر تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: {وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ} وہ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔

یہ موجود ومعدوم سب کو شامل، بشرطِ حدوث وامکان کہ واجب ومحال اصلاً لائقِ مقدُوریّت نہیں۔

شرح مقاصد میں ہے: لاشیء من الممتنع بمقدور (کوئی ممتنع مقدور نہیں ہوتا۔ ت)

امام یافعی فرماتے ہیں: جمیع المستحیلات العقلیة لایتعلق للقدرة بھا۔ تمام محالاتِ عقلیہ کے ساتھ قدرت کا تعلق نہیں ہوتا۔ (ت)

(۴) علیم خبیر عزّ شانہٗ فرماتا ہے: {وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ} وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

یہ کلیہ واجب وممکن وقدیم وحادث وموجود ومعدوم ومفروض وموہوم غرض ہر شی ومفہوم کو قطعاً محیط جس کے دائرے سے اَصلاً کچھ خارج نہیں۔

اب دیکھئے لفظ چاروں جگہ ایک ہے یعنی {كُلِّ شَیْءٍ}، مگر ہر صفت نے اپنے ہی دائرے کی چیزوں کو اِحاطہ (عــہ ۱) فرمایا جو اس کے قابل اور اس کے احاطہ میں داخل تھیں، تو جس طرح ذات وصفاتِ خالق کا دائرۂ خلق میں نہ آنا معاذ اللہ عمومِ خالقیت میں نقصان نہ لایا، نقصان جب تھا کہ کوئی مخلوق احاطہ سے باہر رہتا، یا معدومات کا دائرۂ اِبصار سے مہجور (رہنا) عیاذاً باللہ، اِحاطۂ بصرِ الٰہی میں باعثِ فتور نہ ہوا، فتور جب ہوتا کہ کوئی مبصَر خارج رہ جاتا۔

---

(۱) عــہ ۱: یعنی اپنے دائرہ کی ہر شی کو شامل ہے اگرچہ اس کو لفظ شامل نہ ہو جیسے علم میں، اور جو دائرہ میں نہ ہو اس کو شامل نہیں اگرچہ لفظ اس کو شامل ہو جیسے خلق میں، یہ اس لئے کہ ہمارے نزدیک صرف موجود ہی شی کہلاتی ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا ''کیا انسان کو یاد نہیں کہ ہم نے اُسے پیدا کیا جبکہ اس سے قبل کوئی شئ نہ تھا''۔ اور شے واجب کو بھی شامل ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا۔'' فرمادیجئے کون سی شئ شہادت میں بڑی ہے؟ فرمادو اللہ''، اسے سمجھو ۱۲ مِنْہُ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

اسی طرح صفتِ قدرت کا کمال یہ ہے کہ جو شے اپنی حدِ ذات (عـــہ ۲)[1] میں ہونے کے قابل ہے۔ اس سب پر قادر ہو، کوئی ممکن احاطۂ قدرت سے جُدا نہ رہے، نہ یہ کہ واجبات ومحالاتِ عقلیہ کو بھی شامل ہو جو اصلاً تعلقِ قدرت کی صلاحیت نہیں رکھتے، سبحان اللہ محال کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی طرح موجود نہ ہو سکے، اور مقدور وہ کہ قادر چاہے تو موجود ہو جائے، پھر دونوں کیونکر جمع ہو سکتے ہیں، اور اس کے سبب یہ سمجھنا کہ کوئی شے دائرۂ قدرت سے خارج رہ گئی محض جہالت کہ مُحالات مصداق وذات سے بہرہ ہی نہیں رکھتے، حتی کہ فرض وتجویزِ عقلی (عـــہ ۳)[2] میں بھی، تو اَصلاً یہاں کوئی شے تھی ہی نہیں جسے قدرت شامل نہ ہوئی یا {اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ} کے عموم سے رہ گئی۔

یہاں سے ظاہر ہو گیا کہ مُغویانِ تازہ جو اسی مسئلۂ کذب ودیگر نقائص وغیرہا کی بحث میں بے علموں کو بہکاتے ہیں کہ مثلاً کذب یا فلاں عیب یا فلاں بات پر اللہ عزوجل کو قادر نہ مانا تو معاذ اللہ عاجز ٹھہرا اور {اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ} کا انکار ہوا۔ یہ ان ہوشیاروں کی محض عیاری وتزویر اور بیچارے عوام کو بھڑکانے کی تدبیر ہے، ایہا المسلمون! قدرتِ الٰہی صفتِ کمال ہو کر ثابت ہوئی ہے نہ معاذ اللہ صفتِ نقص وعیب، اور اگر محالات پر قدرت مانئے تو ابھی انقلاب ہوا جاتا ہے، وجہ سنئے، جب کسی محال پر قدرت مانی اور محال محال سب ایک سے معہذا تمھارے جاہلانہ خیال پر جس محال کو مقدور نہ کہئے اتنا ہی عجز وقصور سمجھئے تو واجب کہ سب محالات زیرِ قدرت ہوں، اور منجملہ محالات سلبِ قدرتِ الٰہیہ بھی ہے تو لازم کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کھودینے اور اپنے آپ کو عاجزِ محض بنا لینے پر قادر ہو، اچھا عمومِ قدرت مانا کہ اصل قدرت ہی ہاتھ سے گئی، یونہیں منجملہ محالات عدمِ باری عزوجل ہے تو اس پر قدرت لازم، اب باری جلّ وعلاَ عیاذاً باللہ واجب الوجود نہ ٹھہرا، تعمیمِ قدرت کی بدولت اُلوہیت ہی پر ایمان گیا تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا (ظالم جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بلند ہے۔ت)

پس بحمدِ اللہ ثابت ہوا کہ محال پر قدرت ماننا قطعِ نظر اس سے کہ خود قول بالمحال ہے، جنابِ باری عزَّ اسمہٗ کو سخت عیب لگانا اور تعمیمِ قدرت کے پردے میں اصل قدرت بلکہ نفسِ اُلوہیت سے منکر ہو جانا ہے، للہ انصاف! حضرات کے یہ تو حالات اور اہلِ سنت پر معاذ اللہ عجزِ باری عزوجل ماننے کے الزامات، ہمارے دینی بھائی اس مسئلہ کو خوب سمجھ لیں کہ حضرات کے مغالطہ وتلبیس سے امان میں رہیں، واللّٰہ المُوَفِّق۔ص 314 تا 323

خلفِ وعدہ ووعید کے بارے میں تحقیق

اَقُولُ وبحول اللہ اصول ایہا المسلمون (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں اے اہلِ اسلام!۔ت) اِمکان کذبِ الٰہی کو خلف وعید کی فرع جاننا اور اس میں اختلافِ ائمہ کی وجہ سے اِمکانِ کذب کو مختلف فیہ ماننا ایک تو اِفتراء دوسرے کتنا بے مزہ۔ بیشک مسئلہ خلفِ وعید میں بعض علماء جانبِ جواز گئے، اور محققین نے منع وانکار فرمایا، مگر حاشا نہ اس سے اِمکانِ کذب ثابت، نہ یہ علمائے مجوّزِین کا مسلک بلکہ وہ اس سے بہزار زبان تبرّی وتحاشی کرتے ہیں، پھر ان کی طرف اِمکان کذب کی نسبت سخت کذب وستم

---

[1]: عـــہ ۲: اشارہ کیا کہ مقدوریت کی صحت کا مدار نفسِ اِمکانِ ذاتی پر ہے۔ ۱۲ منہ (ت)

[2]: عـــہ ۳: (تجویزِ عقلی کو) فرض سے مراد کی تفسیر کے لئے ذکر کیا ہے۔ ۱۲ منہ (ت)

جسارت جس کے بہتان واضح البُطلان ہونے پر حُجج قاہرہ قائم۔

حجتِ اُولیٰ: یہی نصوصِ قاطعہ کہ تنزیہ اول میں گزرے جن سے واضح کہ کذب باری محال ہونے پر اجماعِ قطعی منعقد تمام کتبِ کلامیہ میں جہاں اس مسئلے کا ذکر آیا ہے صاف تصریح فرمادی کہ اس پر اجماع و اتفاقِ علماء ہے یا بے حکایتِ خلاف اس پر جزم فرمایا ہے۔

حجتِ ثانیہ: اَقول طرفہ یہ کہ جو علماء مسئلۂ خلف وعید میں خلاف بتاتے ہیں وہی استحالۂ کذب پر اجماع نقل فرماتے ہیں۔

حجتِ ثالثہ: اقول طرفہ تر یہ کہ جو علماء خلف وعید کا جواز مانتے ہیں خود ہی کذبِ الٰہی کو محال و اجماعی جانتے ہیں۔ بعض علماء اس طرف گئے کہ وعید میں خلف اللہ تعالیٰ پر جائز ہے نہ وعدہ میں اور یہی مضمون حدیث میں آیا۔ پھر بعد ذکرِ حدیث اسے عرف وکلام سے مؤید کیا۔

حجتِ رابعہ: اَقول افسوس ان ذی ہوشوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ علماء مسلکِ جواز کا محصل و مبنیٰ کیا ٹھہراتے اور اس تفریعِ شنیع یعنی امکانِ کذب کو کیوں کر طرح طرح سے دفع فرماتے ہیں یہاں ان سے بعض وجوہ نقل کرتا ہوں:

وجہ ۱: وعید سے مقصود انشائے تخویف وتہدید ہے، نہ اِخبار، تو سرے سے احتمالِ کذب کا محل ہی نہ رہا۔

وجہ ۲: (علماء) فرماتے ہیں آیاتِ وعید آیاتِ عفو سے مخصوص ومقیّد ہیں، یعنی عفو و وعید دونوں میں وارِد، تو ان کے ملانے سے آیاتِ وعید کے یہ معنی ٹھہرے کہ جنھیں معاف نہ فرمائے گا وہ سزا پائیں گے، جب یہ معنی خود قرآنِ عظیم ہی نے ارشاد فرمائے تو جوازِ خلف کو معاذ اللہ امکانِ کذب سے کیا علاقہ رہا، امکانِ کذب تو جب نکلتا کہ جزماً حتماً وعید فرمائی جاتی، اور جب خود متکلم جَلَّ وَعَلَا نے اسے مقید بعدمِ عفو فرمادیا ہے تو چاہے وعید واقع ہو یا نہ ہو ہر طرح اس کا کلام یقیناً صادق جس میں احتمالِ کذب کو اَصلاً دخل نہیں، یہ وجہ اکثر کتبِ علماء مثلِ تفسیر بیضاوی انوار التنزیل وتفسیر عمادی ارشاد العقل السلیم وتفسیر حقی روح البیان وشرح مقاصد وغیرہا میں اختیار فرمائی۔

وجہ ۳: اگر بالفرض کوئی نص مفیدِ تخصیص وتقییدِ وعید نہ بھی آتا تاہم کریم کی شان یہی ہے کہ غیر متمرّد غلاموں کے حق میں وعید بنظرِ تہدید فرمائے اور اس سے یہی مراد لے کہ اگر ہم معاف نہ فرمائیں تو یہ سزا ہے، خلاصہ یہ کہ قرینۂ کرم تخصیص وتقییدِ وعید کے لئے بس ہے اگرچہ مخصِّصِ قولی نہ ہو۔ ص 404

بالجملہ بحمد اللہ بحجِ قاہرہ وبیناتِ باہرہ شمس و امس سے زیادہ روشن واَبین ہوگیا کہ علماء جس معنی پر خلف جائز مانتے ہیں، حاش للہ! اُسے امکانِ کذب سے اَصلاً علاقہ نہیں، ان کے نزدیک خلف بمعنی عدمِ اِیقاعِ وعید بوجہِ تجاوُز وکرم ہے کہ عینِ عفو یا عفو کا مساوی وملازم، اور یہ معنی نہ صرف جائز بلکہ باجماعِ اہلسنت بلاشبہہ واقع رہا۔ خلف بمعنی تبدیل وتکذیبِ خبر جس کے جواز پر اِمکانِ کذب متفرع ہوسکے۔ ہرگز ان علماء کی مراد نہ عالم میں کوئی عالم اس کا قائل بلکہ وہ بالاتفاق یک زبان و یک دل اس سے تبری وتحاشی کامل کرتے ہیں اور کذبِ الٰہی کے استحالۂ قطعی واِمتناعِ عقلی پر اجماعِ تام رکھتے ہیں۔ اول سے آخر تک ان کے تمام کلمات ومحاورات وجوہِ مناظرہ طریقِ ردو اِثبات ہزار در ہزار طور سے اس امر پر شاہد عدل وناطق فصل (اور یہ ہر عقلمند پر ظاہر ہے۔ت)

تنبیہ نبیہ:

الحمدللہ تحقیق ذروۂ علیا کو پہنچی اور عیاروں طراروں کی اِفترابندی اپنی سزا کو، اب صرف یہ امر قابلِ تنقیح رہا کہ جب خلف بمعنی تبدیل کے اِستحالہ پر اجماعِ قطعی قائم اور بمعنی مساویِ عفو بالاجماع جائز بلکہ واقع تو علمائے مجوزین ومحققین مانعین میں نزاع کس امر پر ہے۔ **اقول وباللہ التوفیق وبہ العروج علی اوج التحقیق علی الخبیر سقطت** (میں کہتا ہوں اللہ کی توفیق سے، اور اس توفیق سے باخبر کو تحقیق کی بلندیوں پر عروج حاصل ہوتا ہے۔ ت) ہاں منشاءِ نزاع اس اطلاقِ خلف کی تجویز ہے مجوزین نے خیال کیا کہ خلفِ وعید معاذ اللہ کسی عیب ومنقصت کا نشان نہیں دیتا بلکہ عفو وکرم پر دلیل ہوتا ہے اور محلِ مدح وستائش میں بولا جاتا ہے ولہٰذا جابجا عرفِ عرب سے اس پر اِستناد کرتے ہیں۔ بنابرآں خلفِ وعید کی تجویز کی۔ محققین نے دیکھا کہ لفظ معنی محال یعنی تبدیلِ مقال کا موہم اور یہاں ایہامِ محال بھی منع میں کافی، **کما نصوا علیہ فی مسئلۃ معقد العنز** (جیسا کہ انھوں نے مسئلہ معقد العنز میں اس پر تصریح کی ہے۔ ت) اور اس کے ساتھ وقوعِ تمدُّح صرف مخلوق میں ہے خالق عزوجل کا ان پر قیاس صحیح نہیں لاجرم اس تجویز سے تحاشی کی۔

خلاصہ یہ کہ آیاتِ وعید میں بنظرِ ظاہر عمومِ عدمِ وقوع ایک صورتِ خلف میں ہے اگرچہ بنظرِ تخصیص وتقیید حقیقتِ خلف سے قطعاً منزہ، مجوزین اسی خلفِ صوری کو خلفِ وعید سے تعبیر کرتے اور اسے جائز رکھتے ہیں کہ مفیدِ مدح ہے اور محققین منع فرماتے ہیں کہ موہمِ نقص وقدح ہے ورنہ اگر خیالِ معنی کیجئے تو بلاشبہہ وہ جس اَمر کو خلف کہتے ہیں قطعاً بالاجماع جائز وواقع، ولہذا علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نے نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں مسئلہ خلف کو اہلسنت کا اتفاقی قرار دیا اور اس میں خلاف صرف معتزلہ کی نسبت کیا، **حیث قال الوعید لایجوز تخلفہ عند المعتزلہ لقولھم بأنہ یجب علی اللہ تعالٰی تعذیب العاصی**۔ جہاں کہا کہ وعید کا تخلف معتزلہ کے ہاں جائز نہیں کیونکہ ان کا یہ مذہب ہے کہ عاصی کو عذاب دینا اللہ تعالٰی پر لازم ہے۔ (ت)

پُرظاہر کہ اس نسبت کا منشاء ہی نظرِ معنی ہے کہ معنی مقصود ومجوزین کے جواز میں واقعی اَشقیائے معتزلہ ہی کو خلاف ہے اہلسنت میں کوئی اس کا منکر نہیں۔ جس طرح معنی کذب وتبدیل کے بُطلان وامتناع پر اہلسنت بلکہ اہلِ مِلَل بلکہ اہلِ عقل کا اجماع ہے جس میں کسی فرقہ کا خلاف معلوم وظاہر نہیں۔ یہ ہے بحمد اللہ محلِ نزاع کی تحریرِ انیق وتقریرِ رشیق، **والحمد للہ ولی التوفیق علی الھام التحقیق وارشاد الطریق** (حمد ہے اللہ تعالٰی کے لئے جو عطاءِ تحقیق اور رہنما طریق کی توفیق کا مالک ہے۔ ت)

تنہا الفاظِ وعید پر نظر کیجئے تو صاف یہی حکم معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ایسا کریں گے سب سزا پائیں گے پھر جبکہ بدلائلِ قاطعہ ثابت ہوا کہ بعض کو نہ ہوگی تو بظاہر وعید متخلف ہوئی حالانکہ وہ عموم صرف صوری تھا، نہ حقیقی کہ حقیقت میں عموماتِ وعید آیاتِ مشیت سے مکتسبِ تقیید، جن کا حاصل یہ ہے کہ ہم معاف نہ فرمائیں تو سزا ہوگی بس اس قدر محصلِ خلف ہے جسے معاذ اللہ کذب وتبدیل سے کچھ علاقہ نہیں۔

واقعی بحمد اللہ بارہا دیکھا ہے کہ ائمۂ اہلسنت میں جو مسئلۂ اصول مختلف فیہ رہا ہے اگرچہ بعض ناظرینِ ظواہر الفاظ سے دھوکا

کھائیں مگر عند التحقیق اس کا حاصل نزاعِ لفظی یا ایسی ہی کسی ہلکی بات کی طرف راجع ہوا ہے۔ پھر ایک فریق کے دوسرے پر الزامات حقیقۃً اپنے معنی مراد پر الزام ہیں جس سے دوسرے کا ذہن خالی، نہ اس کی مراد سے انھیں تعلق، نہ اسے دیکھ کر کوئی عاقل یہ وہم کرسکتا ہے کہ وہ امر جس کا الزام دیا گیا فریقین میں مختلف فیہ ہے بلکہ یہ تو عامہ نزاعاتِ حقیقیہ معنویہ میں بھی نہیں ہوتا چہ جائے صوریہ ولفظیہ میں، الزام اسی امر سے دیتے ہیں جس کا بُطلان متفق علیہ ہو مختلف فیہ سے مختلف فیہ پر احتجاج یعنی چہ، خصوصاً جب کہ ایک امر میں اختلاف دوسرے میں تنازع کی فرع ہو کہ اس تقدیر پر فرع سے الزام مصادرہ علی المطلوب ہے۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل کہ طرفِ مقابل سخت ابلہ وجاہل، خیر بات دور پہنچی نظائر لیجئے۔ مثلاً **ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق**، امام عارف باللہ حارث محاسبی وجعفر بن حرب وعبداللہ بن کلاب وامام المتکلمین عبدالعزیز مکی وائمہ سمرقند اول کے قائل اور اسی طرف امام ہمام ابو الحسن اشعری قدس سرہ، مائل، بلکہ اسی پر امام الائمہ سراج الامہ امام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نص شریف دلیلِ کامل، اور امام عماد السنہ احمد بن حنبل وغیرہ جماعتِ محدثین سے قولِ ثانی منقول اور یہی ائمہ بخارا "**ومن وافقهم** "کے نزدیک مختار ومنصور ومعتمد مقبول، اس پر ائمہ سمرقند وبخارا میں نزاع کو جوطول ہوا مخفی نہیں انہوں نے ان پر مخلوقیتِ قرآن کا الزام رکھا انھوں نے ان پر نامخلوقیتِ اَفعالِ عباد کا طعن کیا اور حقیقت دیکھئے تو بات کچھ بھی نہیں اپنی اپنی مراد پر دونوں سچ فرماتے ہیں ایمانِ مخلوق بیشک مخلوق کہ مخلوق وصفاتِ مخلوق سب مخلوق اور ایمان کہ صفتِ خالق عزوجل ہے جس پر اسمائے حسنٰی سے پاک مُؤمِن دلیل یعنی اس مَلِک جلیل جل جلالہ کا اَزل میں اپنے کلام کی تصدیق فرمانا وہ قطعاً غیر مخلوق کہ خالق وصفاتِ خالق مخلوقیت سے منزہ۔ **ھکذا قررہ الفاضل العلامۃ کمال الدین بن ابی شریف القدسی فی المسامرۃ شرح المسایرۃ**۔ اسی طرح اس کی تفصیل فاضل علامہ کمال الدین بن ابی شریف المقدسی نے المسامرۃ شرح المسایرۃ میں کی ہے۔ (ت) اب کیا کوئی اَحمق جاہل اس نزاع کو دیکھ کر یہ گمان کرے گا کہ بعض صفاتِ خالق کا مخلوق یا بعض افعالِ مخلوق کا نامخلوق ہونا ائمہ اہلِ سنت میں مختلف فیہ ہے۔ حاشا کلا یوں ہی مسئلہ زِیادت ونقصانِ ایمان کہ قدیم سے مختلف فیہا ہے۔ امام رازی وغیرہ بہت محققین اسے بھی نزاعِ لفظی پر اُتارتے ہیں۔

اسی طرح اور مسائل پایئے گا، اگر اس پر حمل کیجئے جب تو امر نہایت اَیسر کہ مجوزین بمعنی مساویِ عفو لیتے ہیں اور مانعین بمعنی تبدیلِ قول دونوں سچ کہتے ہیں اور دونوں اِجماعی باتیں ہیں مگر فقیر نے بحمدِ اللہ جو تنقیح مناط کردی اس پر نزاع بھی معنوی رہی اور قولِ مانعین کا محقق وراجح ہونا بھی کھل گیا اور جہالتِ جاہلین کا علاج بھی بحمد اللہ بروجہ کافی ہولیا، {**ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ**} **اللهم لك الشكر الابدی والمن السرمدی، والحمد لله رب العالمین**۔ یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں بجالاتے۔ اے اللہ! شکر ابدی اور احسان دائمی تیرے لئے ہے اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ (ت) ص 422 تا 427

کفرِ لزومی والتزامی میں فرق

التزامی یہ کہ ضروریاتِ دین سے کسی شئی کا تصریحاً خلاف کرے یہ قطعاً اجماعاً کفر ہے اگرچہ نامِ کفر سے چڑے اور کمالِ اسلام کا

دعوٰی کرے۔ کفرِ التزامی کے یہی معنی نہیں کہ صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہو جیسا کہ بعض جہال سمجھتے ہیں۔ یہ اقرار تو بہت طوائفِ کفار میں بھی نہ پایا جائے گا ہم نے دیکھا ہے بہتیرے ہندو کافر کہنے سے چڑتے ہیں بلکہ اس کے یہ معنی کہ جو انکار اس سے صادر ہوا یا جس بات کا اس نے دعوٰی کیا وہ بعینہٖ کفر ومخالفِ ضروریاتِ دین ہو جیسے طائفہ تالفہ نیاچرہ کا وجودِ مَلَک وجن وشیطان وآسمان ونار وجنان ومعجزاتِ انبیاء علیہم افضل الصلوۃ والسلام سے ان معانی پر کہ اہلِ اسلام کے نزدیک حضور ہادیِ برحق صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے متواتر ہیں انکار کرنا اور اپنی تاویلاتِ باطلہ وتوہماتِ عاطلہ کو لے مرنا، نہ ہرگز ہرگز ان تاویلوں کے شوشے انھیں کفر سے بچائیں گے نہ محبتِ اسلام وہمدردیِ قوام کے جھوٹے دعوے کام آئیں گے {قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ} (اللہ انھیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت)

اور **لزومی** یہ کہ جو بات اس نے کہی عین کفر نہیں مگر مُنجر بکُفر ہوتی ہے یعنی مآلِ سخن ولازمِ حکم کو ترتیبِ مقدمات وتتمیمِ تقریبات کرتے لے چلئے تو انجامِ کار اس سے کسی ضروری دین کا انکار لازم آئے جیسے روافض کا خلافتِ حقہ راشدہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت جناب صدیقِ اکبر وامیر المومنین حضرت جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انکار کرنا کہ تضلیلِ جمیع صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی طرف مؤدّی اور وہ قطعاً کفر مگر انھوں نے صراحۃً اس لازم کا اقرار نہ کیا تھا بلکہ اس سے صاف تحاشی کرتے اور بعض صحابہ یعنی حضراتِ اہلبیتِ عظام وغیرہم چند اکابر کرام علی مولاھم وعلیھم الصلٰوۃ والسلام کو زبانی دعووں سے اپنا پیشوا بناتے اور خلافتِ صدیقی وفاروقی پر ان کے توافقِ باطنی سے انکار رکھتے ہیں اس قسم کے کفر میں علماءِ اہلسنت مختلف ہوگئے جنھوں نے مآلِ مقال ولازمِ سخن کی طرف نظر کی حکمِ کفر فرمایا اور تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں بدعت وبدمذہبی وضلالت وگمراہی ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین (اللہ رب العالمین کی پناہ۔ت)۔ص 431

کتاب کے ثبوت کا طریقہ

اولاً: کوئی کتاب یا رسالہ کسی بزرگ کے نام سے منسوب ہونا اس سے ثبوتِ قطعی کو مستلزم نہیں، بہت رسالے خصوصاً اکابرِ چشت کے نام منسوب ہیں جس کا اصلاً ثبوت نہیں۔

ثانیاً: کسی کتاب کا ثابت ہونا اس کے ہر فقرے کا ثابت ہونا نہیں، بہت اکابر کی کتابوں میں الحاقات ہیں جن کا مفصل بیان کتاب الیواقیت والجواھر امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں ہے خصوصاً حضرتِ شیخِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کلام میں تو الحاقات کی گنتی نہیں، کھلے ہوئے صریح کفر بھر دئے ہیں، جس پر درمختار میں علامہ مفتی ابوالسعود سے نقل کیا: تیقنا ان بعض الیھود افتراھا علی الشیخ قدس اللہ سرّہ۔ ہم کو یقین ہے کہ شیخ قدس سرہ پر یہ عبارتیں بعض یہودیوں نے گھڑ دی ہیں۔

ثالثاً: امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: لا تجوز نسبۃ مسلم الی کبیرۃ من غیر تحقیق نعم یجوز ان یقال قتل ابن ملجم علیا وقتل ابو للوء عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما فان ذلک ثبت متواتراً فلا یجوز ان یری المسلم بفسق او کفر من غیر تحقیق۔ یعنی کسی مسلمان کی طرف کسی کبیرہ کی

نسبت بلاتحقیق حرام ہے۔ ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابوملجم نے مولا علی اور ابولؤلؤ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شہید کیا کہ یہ تواتر سے ثابت ہے، تو کسی مسلمان کی طرف بلاتحقیق کفر یا فسق کی نسبت اَصلاً جائز نہیں۔

کتاب کا چھپ جانا اسے متواتر نہیں کر دیتا کہ چھاپے کا اصل وہ نسخہ ہے جو کسی المماری میں ملا اس سے نقل کر کے کاپی ہوئی سیدھی صاف باتوں میں کسی کتاب سے کہ ظنی طور پر کسی بزرگ کی طرف منسوب ہو۔ اِسناد اور بات ہے۔ اور ایسے امر میں جسے مسندِ کلمۂ کفر بنایا اور اس سے توہینِ شانِ رسالت کے جواز پر سند (لایا) ہے، اس پر اعتماد اور بات، علما کے نزدیک اَدنٰی درجۂ ثبوت یہ تھا کہ ناقل کے لئے مصنف تک سند مسلسل متصل بذریعہ ثقات ہو، ہاں اگر اس کے پاس نسخہ صحیحہ معتمدہ ہو کہ خود اس نے یا کسی ثقہ معتمد نے خود اصل نسخۂ مصنف سے مقابلہ کیا یا اس نسخۂ صحیحہ معتمدہ سے جس کا مقابلہ اصل نسخۂ مصنف یا اور ثقہ نے کیا وسائط زیادہ ہوں تو سب کا اسی طرح کے معتمدات ہونا معلوم ہو تو یہ بھی ایک طریقۂ روایت ہے اور ایسے نسخہ کی عبارت کو مصنف کا قول بتانا جائز، یعنی اصولِ معتمدہ متعددہ سے مقابلہ زیادتِ احتیاط ہے، یہ اِتصالِ سند اصل وہ شئ ہے جس پر اعتماد کر کے مصنف کی طرف نسبت جائز ہو سکے، اور متاخرین نے کتاب کا علماء میں ایسا مشہور و متداول ہونا جس سے اطمینان کہ اس میں تغییر وتحریف نہ ہوئی، اسے بھی مثلِ اِتصالِ سند جانا، فتح القدیر و بحر الرائق و نہر الفائق ومنح الغفار میں فرمایا: یعنی اگر کتبِ ستہ کے سوا اور کتبِ تلامذۂ امام کے بعض نسخے پائیں تو حلال نہیں کہ ان کے اقوال کو امام محمد یا امام ابو یوسف کی طرف نسبت کریں کہ وہ کتابیں ہمارے دیار میں مشہور و متداول نہ ہوئیں۔

تداول کے یہ معنی کہ کتاب جب سے اب تک علماء کے درس و تدریس یا نقل وتمسُّک یا ان کی مطمحِ نظر رہی ہو، جس سے روشن ہو کہ اس کے مقامات ومقالات علماء کے زیرِ نظر آ چکے اور وہ بحالتِ موجودہ اسے مصنف کا کلام مانا کئے، زبانِ علماء میں صرف وجودِ کتاب کافی نہیں کہ وجود و تداوُل میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

رہا وجودِ نُسَخ، اِنصافاً متعدد بلکہ کثیر ووافر قلمی نسخے موجود ہونا بھی ثبوتِ تواتر کو بس نہیں، جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ سب نسخے جُدا جُدا اصلِ مصنف سے نقل کئے گئے یا ان نسخوں سے جو اصل سے نقل ہوئے ورنہ ممکن کہ بعض نسخِ محرَّ فہ ان کی اصل ہوں، ان میں اِلحاق ہوا اور یہ ان سے نقل ونقل در نقل ہو کر کثیر ہو گئے، جیسے آج کل کی محرَّ ف بائبل کے ہزار در ہزار نسخے، فتوحاتِ مکیہ کے تمام مصری نسخے نسخۂ محرَّ فہ سے منقول ہوئے اور اس کی نقلیں مصر میں چھپیں اور اب وہ گھر گھر موجود ہیں، حالانکہ تواتر درکنار ایک سلسلۂ صحیحہ آحاد سے بھی ثبوت نہیں علامہ شامی کا ظن پر اِکتفا صاف باتوں کے لئے وجہ ہے مگر ایسے امور میں اس پر قناعت قطعاً حرام، ورنہ معاذ اللہ اکابر ائمہ واَعاظم علماء کی طرف نسبتِ کفر ماننی پڑے، ہماری نظر میں ہیں وہ کلمات جو اکابر اولیاء سے گزر کر اکابر علماء معتمدین مثلِ امام ابن حجر مکی وملا علی قاری وغیرہما کی کتبِ مطبوعہ میں پائے جاتے ہیں، اور ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ اِلحاقی ہیں، ایک ہلکی نظیر علی قاری کی شرح فقہ اکبر صفحہ ۷۴ پر ہے: **ماسمی به الرب نفسه وسمی به مخلوقاته مثل الحی والقیوم والعلیم والقدیر** ۔نام کہ رب تعالیٰ نے اپنے لئے اور مخلوق کے لئے مقرر فرمائے وہ مثلِ حی، قیوم، علیم، قدیر ہیں۔ (ت) اس میں مخلوقات پر قیوم کے اطلاق کا جواز ہے۔ حالانکہ ائمہ فرماتے ہیں کہ غیر خدا کو قیوم کہنا کفر ہے۔ اسی طرح اور کتابوں میں ہے۔حتی کہ خود اسی شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۴۵ میں ہے: جو کسی مخلوق کو قدوس یا قیوم یا رحمن کہے تو وہ کافر ہو جائے

گا۔ت) پھر کیونکر مان سکتے ہیں کہ وہ صفحہ ۷۴ کی عبارت علی قاری کی ہے ضرور الحاق ہے اگر چہ کتاب اجمالاً مشہور ومعروف ہے، بخلافِ کلماتِ اسمعیل (دہلوی) کہ موافق ومخالف کے نزدیک اس سے متواتر ہیں، مخالفین رد کرتے ہیں۔ موافقین تاویلیں کرتے ہیں۔ص555

غیرُ اللہ کی تعظیم کا مطلب؟

مخلوق دو قسم ہے:

اول: وہ کہ عظمتِ دینی رکھتے ہیں جن کے سروسرور مطلق حضور سیدُ المرسلین ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم، پھر باقی حضراتِ انبیاء وملائکہ واولیاء واہلبیت وصحابہ، پھر دیگر علماء وصلحاء واتقیاء، پھر سلاطینِ اسلام، پھر عام مومنین، نیز صحائفِ دینیہ مثلِ مصحف شریف وکتبِ فقہ وحدیث، صفاتِ جمیلہ مثلِ ایمان وعمل، اعمالِ صالحہ مثلِ نماز وحج، اخلاقِ فاضلہ مثلِ زہد وتواضع، اماکنِ مقدسہ مثلِ کعبہ مکرمہ وروضہ منورہ، غرض جملہ اَشخاص واَشیاء جن کو مولیٰ عزوجل سے علاقۂ قرب ہے۔ اس علاقہ کے سبب ان کی تعظیم اللہ عزوجل ہی کی تعظیم ہے اوران کی عزت اسی کی عزت ہے۔

دوم: وہ کہ عظمتِ دینی سے اَصلاً بہرہ نہیں رکھتے کہ اللہ عزوجل سے اِنھیں کوئی علاقۂ قرب نہیں ہے، توبُعد ہی ہے، ان کے بدتر وذلیل تر کفار ومشرکین ومرتدین مثلِ وہابیہ دیوبندیہ وغیر مقلدین ہیں، پھر باقی ضالین، نیز صفاتِ رذیلہ مثلِ کفر وضلال، اعمالِ خبیثہ مثلِ زنا وشربِ خمر، اَخلاقِ رذیلہ مثلِ تکبر وعجب، اماکنِ نجسہ مثلِ معابدِ کفار غرض دُنیاومافیہا جس کو اللہ عزوجل سے علاقۂ قرب نہیں۔

جب یہ دونوں قسمیں معلوم ہوگئیں اور واضح ہوا کہ قسمِ اَول کی تعظیم تعظیمِ الٰہی سے جُدا نہیں بلکہ بعینہٖ اُسی کی تعظیم، تو محلِ تحقیر میں غیر اللہ یا خلق سے یقیناً وہی مراد ہوتا ہے جسے مولیٰ عزوجل سے علاقۂ قرب نہیں۔ علاقۂ قرب والے تو جانبِ خالق میں ہیں نہ کہ جانبِ غیر میں، دیکھو علماء فرماتے ہیں غیرِ خدا کے لئے تواضع حرام ہے، حالانکہ ماں باپ کے لئے تواضع کا قرآنِ عظیم میں حکم ہے: {وَ اخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ}۔ ماں باپ کے لئے نرم دل سے ذلت کا بازو بچھا۔ بات وہی ہے کہ ایسی جگہ غیرُ اللہ سے وہی مراد جسے اللہ سے علاقہ نہ ہو۔ص561

رسالہ: الجُراز الدّیانی علی المرتد القادیانی (۱۳۴۰ھ) (قادیانی مرتد پر خدائی خنجر)

حیات ووفاتِ سیدنا عیسٰی علیہ السلام ایک قسم کا اِختلافی مسئلہ ہے اور نزولِ حضرتِ عیسٰی علیہ السلام اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے

آیاتِ الٰہیہ، احادیثِ نبویہ ثبوتِ وفاتِ عیسٰی علیہ السلام میں موجود ہوتے ہوئے کیونکر ان کو زندہ مان لیا جائے؟

الجواب: (1) ایک امرِ ضروری معلوم کرنا لازم، بے دینوں کی بڑی راہِ فرار یہ ہے کہ انکار کریں ضروریاتِ دین کا، اور بحث چاہیں کسی ہلکے مسئلے میں جس میں کچھ گنجائش دست وپا زدن ہو۔ قادیانی صدہا درجہ سے منکرِ ضروریاتِ دین تھا اور اس کے پس ماندے حیات ووفاتِ سیدنا عیسٰی رسول اللہ علی نبیّنا الکریم وعلیہ صلوات اللہ وتسلیمات اللہ کی بحث چھیڑتے ہیں، جو ایک فرعی مسئلہ

خود مسلمانوں میں ایک نوع کا اختلافی مسئلہ ہے جس کا اِقرار یا انکار کفر تو درکنار ضلال بھی نہیں۔(فائدہ نمبر 4 میں آئے گا کہ نزولِ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے) نہ ہرگز وفاتِ مسیح ان مرتدین کو مفید، فرض کردم کہ رب عزوجل نے ان کو اس وقت وفات ہی دی، پھر اس سے ان کا نزول کیونکر ممتنع ہوگیا؟ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موت محض ایک آن کو تصدیقِ وعدۂ الٰہیہ کے لئے ہوتی ہے، پھر وہ ویسے ہی حیاتِ حقیقی دنیاوی وجسمانی سے زندہ ہوتے ہیں جیسے اس سے پہلے تھے، زندہ کا دوبارہ تشریف لانا کیا دشوار؟

(2) معاذ اللہ کوئی گمراہ بددین یہی مانے کہ ان کی وفات اوروں کی طرح ہے جب بھی ان کا دوبارہ تشریف لانا کیوں محال ہوگیا؟ وعدۂ {وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ} (اور حرام ہے اس بستی پر جسے ہم نے ہلاک کردیا کہ پھر لوٹ کر آئیں۔ت) ایک شہر کے لئے ہے۔ بعض افراد کا بعدِ موت دنیا میں پھر آنا خود قرآنِ کریم سے ثابت ہے جیسے سیدنا عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ قال اللہ تعالٰی: {فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ} (تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس، پھر زندہ کردیا۔ت) چاروں طائرانِ خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام، قال اللہ تعالٰی: {ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا} (پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے، پھر انہیں بلا، وہ تیرے پاس چلے آئیں گے دوڑتے ہوئے۔ت) ہاں مشرکین ملاعنہ منکرینِ بعث اسے محال جانتے ہیں اور دربارۂ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام قادیانی بھی اس قادرِ مطلق عزّ جلالہ کو معاذ اللہ صراحۃً عاجز مانتا اور دافع البلاء کے صفحہ ۳۴ پر یوں کفر بکتا ہے: خدا ایسے شخص کو پھر دنیا میں نہیں لاسکتا جس کے پہلے فتنے ہی نے دنیا کو تباہ کردیا ہے۔

مشرک وقادیانی دونوں کے رد میں اللہ عزوجل فرماتا ہے: {اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ} (تو کیا ہم پہلی بار بنا کر تھک گئے بلکہ وہ نئے بننے سے شُبہ میں ہیں۔ت)

جب صادق ومصدوق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے نزول کی خبر دی اور وہ اپنی حقیقت پر ممکن وداخلِ زیرِ قدرت وجائز، تو انکار نہ کرے گا مگر گمراہ۔

(3) اگر وہ حکم اَفراد کو بھی عام مانا جائے تو موت بعدِ استیفائے اَجل کے لئے ہے، اس سے پہلے اگر کسی وجہِ خاص سے اِماتت ہو تو مانعِ اِعادت نہیں بلکہ استیفائے اَجل کے لئے ضرور اور ہزاروں کے لئے ثابت ہے، قال اللہ تعالٰی: {اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ} (اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے، تو اللہ نے ان سے فرمایا: مرجاؤ، پھر انہیں زندہ فرمادیا۔ت) قتادہ نے کہا: (اللہ تعالٰی نے ان کو سزا کے طور پر موت دی پھر زندہ کردیئے گئے تاکہ اپنی مقررہ عمر کو پورا کریں، اگر ان کی مقررہ عمر پوری ہوجاتی تو دوبارہ نہ اٹھائے جاتے۔ت)

(4) اس وقت حیات ووفاتِ حضرتِ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسئلہ قدیم سے مختلف چلا آتا ہے **مگر آخر زمانے میں ان کے تشریف لانے اور دجّالِ لعین کو قتل فرمانے میں کسی کو کلام نہیں، یہ بلاشبہ اہلسنّت کا اجماعی عقیدہ ہے** تو وفاتِ مسیح نے قادیانی کو کیا فائدہ دیا اور مغل بچہ، عیسیٰ رسول اللہ بے باپ سے پیدا ابنِ مریم کیونکر ہوسکا؟ قادیانی اس اختلاف کو پیش کرتے ہیں، کہیں اس کا

بھی ثبوت رکھتے ہیں کہ اس پنجابی کے ابتداع فی الدین سے پہلے مسلمانوں کا یہ اعتقاد تھا کہ عیسٰی آپ تو نہ اُتریں گے کوئی ان کا مثیل پیدا ہوگا، اسے نزولِ عیسٰی فرمایا گیا اور اس کو ابنِ مریم کہا گیا؟ اور جب یہ عام مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف ہے تو آیہ: {یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَؕ-وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا} (مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بُری جگہ پلٹنے کی۔ت) کا حکم صاف ہے۔

(5) مسیح سے مثیلِ مسیح مراد لینا تحریفِ نصوص ہے کہ عادتِ یہود ہے، بے دینی کی بڑی ڈھال یہی ہے کہ نصوص کے معنی بدل دیں {یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ} (اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں سے بدل دیتے ہیں۔ت) ایسی تاویل گھڑنی نصوصِ شریعت سے استہزاء اور احکام و ارشادات کو درہم برہم کر دینا ہے، جس جگہ جس شئی کا ذکر آیا، کہہ سکتے ہیں وہ شئی خود مراد نہیں اس کا مثیل مقصود ہے، کیا یہ اس کی نظیر نہیں جو اباحیّہ مُلاعِنہ کہا کرتے ہیں کہ نماز و روزہ فرض ہے نہ شراب و زنا حرام بلکہ وہ کچھ اچھے لوگوں کے نام ہیں جن سے محبت کا ہمیں حکم دیا گیا اور یہ کچھ بدوں کے جن سے عداوت کا۔

(6) بفرضِ باطل اینہم برعلَم پھر اس سے قادیان کا مرتد، رسول اللہ کا مثیل کیونکر بن بیٹھا؟ کیا اس کے کفر، اس کے کذب، اس کی وقاحتیں، اس کی فضیحتیں، اس کی خباثتیں، اس کی ناپاکیاں، اس کی بیباکیاں کہ عالم آشکار ہیں، چھپ سکیں گی؟ اور جہان میں کوئی عقل و دین والا ابلیس کو جبریل کا مثیل مان لے گا؟ اس کے خرو ارِ ہزار ہا کفریات سے مُشتے نمونہ، رسائلِ "السوء والعقاب علی المسیح الکذّاب" و "قھر الدّیّان علی مرتدٍ بقادیان" و "نورُ الفُرقان" و باب العقائد والکلام وغیرہا میں ملاحظہ ہوں کہ یہ نبیوں کی علانیہ تکذیب کرنے والا، یہ رسولوں کو فحش گالیاں دینے والا، یہ قرآنِ مجید کو طرح طرح رد کرنے والا، مسلمان بھی ہونا محال، نہ کہ رسول اللہ کی مثال، قادیانیوں کی چالاکی کہ اپنے مسیلمہ کے نامسلم ہونے سے یوں گریز کرتے اور اس کے ان صریح ملعون کفروں کی بحث چھوڑ کر حیات و وفاتِ مسیح کا مسئلہ چھیڑتے ہیں۔

(7) مسیح رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور اوصافِ جلیلہ اور وہ کہ قرآنِ عظیم نے بیان کئے، یہ تھے کہ اللہ عزّوجل نے ان کو بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا کیا نشانی سارے جہان کے لئے، انہوں نے پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا، انہوں نے گہوارے میں لوگوں کو ہدایت فرمائی، انہیں ماں کے پیٹ یا گود میں کتاب عطا ہوئی، نبوت دی گئی، وہ جہاں تشریف لے جائیں برکتیں ان کے قدم کے ساتھ رکھی گئیں، انہیں اپنے غیبوں پر مسلّط کیا، جس کا ایک نمونہ یہ تھا کہ لوگ جو کچھ کھاتے اگرچہ سات کوٹھڑیوں میں چُھپ کر، اور جو کچھ گھروں میں ذخیرہ رکھتے اگرچہ سات تہ خانوں کے اندر، وہ سب ان پر آئینہ تھا۔ انہیں توراتِ مقدس کے بعض احکام کا ناسخ کیا، انہیں قدرت دی کہ مادرزاد اندھے اور لاعلاج برص کو شفا دیتے، انہیں قدرت دی کہ مردے زندہ کرتے، ان پر اپنے وصفِ خالقیت کا پَرتَو ڈالا کہ مٹی سے پرند کی صورت خلق فرماتے اور اپنی پھونک سے اس میں جان ڈالتے کہ اُڑتا چلا جاتا، ظاہر ہے کہ قادیانی میں ان میں سے کچھ نہ تھا پھر وہ کیونکر مثیلِ مسیح ہوگیا؟ اَخیر کی چار یعنی مادرزاد اندھے اور اَبرص کو شفاء دینا، مردے جلانا، مٹی کی مُورَت میں پھونک سے جان ڈال دینا، یہ قادیانی کے دل میں بھی کھٹکے کہ اگر کوئی پوچھ بیٹھا کہ تو مثیلِ مسیح بنتا ہے ان میں سے کچھ کر دِکھا اور وہ اپنا حال خوب جانتا تھا کہ سخت جھوٹا ملوم ہے اور الٰہی برکات سے پورا

محروم، لہٰذا اس کی یوں پیش بندی کی کہ قرآنِ عظیم کو پسِ پشت پھینک کر رسول اللہ کے روشن معجزوں کو پاؤں تلے مل کر صاف کہہ دیا کہ معجزے نہ تھے مسمریزم کے شعبدے تھے، میں ایسی باتیں مکروہ نہ جانتا تو کر دکھاتا، وہی ملاعنہ مشرکین کا طریقہ اپنے عجز پر یوں پردہ ڈالنا کہ {لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا} اگر ہم چاہتے تو ایسا کلام کہتے۔ہم چاہتے تو اس قرآن کا مثل تصنیف کر دیتے، ہم خود ہی ایسا نہیں کرتے۔

بہرحال یہ تو ثابت ہوا کہ یہ مرتد مثیلِ مسیح نہیں، مسلمانوں کے نزدیک یوں کہ وہ نبی مرسل اُولُوا العزم صاحبِ معجزات وآیاتِ بینات، اور یہ مردود ومطرود ومرتد ومورد آفات، اور خود اس کے نزدیک یوں کہ معاذ اللہ وہ شعبدہ باز بھانمتی مسمریزمی تھے، روحانی تاثیروں میں ضعیف نکمّے اور یہ ڈال کا ٹوٹا مقدس مہذب برگزیدہ ہادی، {اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ } خبردار! ظالموں پر خدا کی لعنت۔(ت)

مسلمانو! یہ سات فائدے محفوظ رکھئے، کیسا آفتاب سے زیادہ روشن ہوا کہ قادیانیوں کا مسئلہ وفات وحیاتِ مسیح چھیڑنا کیسا ابلیسی مکر، کیسی عبث بحث، کیسی تضییعِ وقت، کیسا قادیانی کے صریح کفروں کی بحث سے جان چھڑانا اور فضول زَق زَق میں وقت گنوانا ہے! اس کے بعد ہمیں حق تھا کہ ان ناپاک وبے اصل وپا، درہواشبہوں کی طرف التفات بھی نہ کرتے جو انہوں نے حیاتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش کئے، ایسی مہمل عیّاریوں کیّادیوں کا بہتر جواب یہی تھا کہ ہُشت۔ پہلے قادیانی کے کفر اٹھاؤ یا اسے کافر مان کر توبہ کرو، اسلام لاؤ، اس کے بعد یہ فرعی مسئلہ بھی پوچھ لینا۔ص612تا620

* خصائصِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ص647

مدینہ طیبہ میں حضور کی تشریف آوری اور واپسی کا تصور

اللہ اللہ ایک وہ دن تھا کہ مدینہ طیبہ میں حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دھوم ہے، زمین وآسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں، خوشی وشادمانی ہے کہ درودیوار سے ٹپکی پڑتی ہے، مدینے کے ایک ایک بچے کا دَمکتا چہرہ اَنار دانہ ہو رہا ہے، باچھیں کھلی جاتی ہیں، دل ہیں کہ سینوں میں نہیں سماتے، سینوں پر جامے تنگ، جاموں میں قبائے گل کا رنگ، نور ہے کہ جھما جھم برس رہا ہے فرش سے عرش تک نور کا بقعہ بنا ہے، پردہ نشین کنواریاں شوقِ دیدارِ محبوبِ کردگار میں گاتی ہوئی باہر آئی ہیں کہ:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع
ہم پر چاند نکل آیا وداع کی گھاٹیوں سے
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والا دعا مانگے
بنی النجار کی لڑکیاں کوچے کوچے محوِ نغمہ سرائی ہیں کہ:
نحن جوارٍ من بنی النجار یا حبذا محمد من جار

ہم بنونجار کی لڑکیاں ہیں اے نجار یو! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسا اچھا ہمسایہ ہے۔ت)

ایک دن آج ہے کہ اس محبوب کی رخصت ہے، مجلسِ آخری وصیت ہے، مجمع تو آج بھی وہی ہے، بچوں سے بوڑھوں تک، مردوں سے پردہ نشینوں تک سب کا ہجوم ہے، ندائے بلال سنتے ہی چھوٹے بڑے سینوں سے دل کی طرح بے تابانہ نکلے ہیں، شہر بھر نے مکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دئے ہیں، دل کمھلائے چہرے مرجھائے دن کی روشنی دِھیمی پڑگئی کہ آفتاب جہاں تاب کی وداع نزدیک ہے، آسمان پژمردہ، زمین اَفسردہ، جدھر دیکھو سناٹے کا عالم اِتنا اژدھام اور ہُو کا مقام، آخری نگاہیں اس محبوب کے روئے حق نما تک کس حسرت و یاس کے ساتھ جاتی اور ضُعفِ نومیدی سے ہلکان ہوکر بیخودانہ قدموں پر گر جاتی ہیں، فرطِ ادب سے لب بند مگر دل کے دُھوئیں سے یہ صدا بلند

كنت السواد لناظري فعمي عليك الناظر

من شاء بعدك فليمت فعليك كنت احاذر

(آپ میری آنکھ کے لئے پُتلی تھے بس اب آپ کو نظر کرنے والا اندھا ہوا چاہتا ہے

پس جو چاہے آپ کے بعد مرجائے کہ میں تو آپ ہی کے توسل سے بچا کرتا تھا۔ت)

اللہ کا محبوب، امت کا راعی کس پیار کی نظر سے اپنی پالی ہوئی بکریوں کو دیکھتا اور محبت بھرے دل سے انہیں حافظِ حقیقی کے سپرد کررہا ہے، شانِ رحمت کو ان کی جدائی کا غم بھی ہے اور فوج فوج اُمنڈتے ہوئے آنے کی خوشی بھی کہ محنت ٹھکانے لگی، جس خدمت کو مَلِکُ العرش نے بھیجا تھا باحسن الوجوہ انجام کو پہنچی۔

نوح کی ساڑھے نوسو برس وہ سخت مشقت اور صرف پچاس شخصوں کو ہدایت، یہاں بیس (۲۰) تئیس (۲۳) ہی سال میں بحمد اللہ یہ روز اَفزوں کثرت، کنیز و غلام جوق جوق آرہے ہیں، جگہ بار بار تنگ ہوجاتی ہے دفعہ دفعہ ارشاد ہوتا ہے: آنے والوں کو جگہ دو، آنے والوں کو جگہ دو، اس عام دعوت پر جب یہ مجمع ہولیا ہے سلطانِ عالم نے منبرِ اکرم پر قیام کیا ہے، بعد حمد و صلوٰۃ اپنے نسب و نام و قوم و مقام و فضائل عظام کا بیان ارشاد ہوا ہے، مسلمانو! خدارا پھر مجلسِ میلاد اور کیا ہے، وہی دعوتِ عام، وہی مجمعِ تام، وہی منبر و قیام، وہی بیانِ فضائلِ سیدُ الانام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام مجلسِ میلاد اور کس شئے کا نام، مگر نجدی صاحبوں کو ذکرِ محبوب مٹانے سے کام وربنا الرحمن المستعان وبه الاعتصام وعليه التكلان (ہمارا رب رحمٰن مددگار ہے اور اسی ذات سے مضبوطی اور اسی پر اعتماد۔ت) ص701

رسالہ: جزاءاللہ عدوّہ باباہٖ ختم النبوّۃ (دشمنِ خدا کے ختم نبوت کا انکار کرنے پر خدائی جزاء) ص629

*** بحمداللہ بیس ۲۰ احادیثِ علویہ کے علاوہ خاص مقصود محمود ختمِ نبوت پر یہ ایک سو ایک ۱۰۱ حدیثیں ہیں اور مع تذییلات ایک سو اٹھارہ ۱۱۸ جن میں نوے ۹۰ مرفوع ہیں اور ان کے رُواۃ و اَصحاب اِکہتر ۷۱۔ ص710**

جو شخص عقیدہ کفریہ رکھے وہ سید ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اسے سید کہنا جائز ہے یا نہیں؟

سید کبھی کفریہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا: ولید بلید خواہ کوئی پلید ختمِ نبوت کا ہر منکر عَنید صراحۃً جاحِد ہو یا تاویل کا مُرید مطلقاً نفی کرے یا تخصیصِ بعید امیری، قاسمی، مشہدی مرید، رافضی غالی، وہابی شدید، سب صریح کافر مرتد طَرید علیہم لعنۃ العزیز الحمید (ان پر اللہ عزوجل کی لعنت ہو) اور جو کافر ہو وہ قطعاً سید نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ} وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔ (ت) نہ اسے سید کہنا جائز۔

منافق کو سید نہ کہو: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لا تقولوا للمنافق سید فانہ ان یکن سیدا فقد استخطتم ربکم عزوجل منافق کو سید نہ کہو کہ اگر وہ تمہارا سید ہو تو بیشک تم پر تمہارے رب عزوجل کا غضب ہو۔ ت)

پھر یہی نہیں کہ یہاں صرف اِطلاقِ لفظ سے ممانعتِ شرعی اور نسبِ سیادت کا اِنتفائے حکمی ہو حاشا بلکہ واقع میں کافر اس نسلِ طیب و طاہر سے تھا ہی نہیں اگر چہ سید بنتا اور لوگوں میں براہِ غلط سید کہلاتا ہو ائمۂ دین اولیائے کاملین علمائے عالمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تصریح فرماتے ہیں کہ ساداتِ کرام بحمد اللہ تعالیٰ خباثتِ کفر سے محفوظ و مصئون ہیں جو واقعی سید ہے اس سے کبھی کفر واقع نہ ہوگا، قال اللہ تعالیٰ {اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا} اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے نجاست دُور رکھے اے نبی کے گھر والو! اور تمہیں خوب پاک کردے ستھرا کرکے۔

بزار و ابویعلیٰ مسند اور طبرانی کبیر اور حاکم بافادۂ تصحیح مستدرک میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان فاطمۃ احصنت فرجھا فحرمھا اللہ و ذریتھا علی النّار بیشک فاطمہ نے اپنی حرمت پر نگاہ رکھی تو اللہ عزوجل نے اسے اور اس کی ساری نسل کو آگ پر حرام کردیا۔

اہلِ بیت سے کوئی بھی جہنمی نہیں: ابوالقاسم بن بشرَان اپنے امالی میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: سالت ربی ان لا یدخل احدا من اھل بیتی النار فاعطانیھا میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ میرے اہلبیت سے کسی کو دوزخ میں نہ ڈالے اس نے میری یہ مراد عطا فرمائی۔

نار دو قسم کی ہے، نارِ تطہیر کہ مومن عاصی جس کا مستحق ہو، اور نارِ خلود کافر کے لئے ہے، اہلِ بیت کرام میں حضرت امیر المؤمنین مرتضیٰ و حضرت بتول زہرا و حضرت سید مجتبیٰ و حضرت شہید کربلا صلی اللہ تعالیٰ علی سیدہم و علیہم و بارک وسلم تو بالقطع والیقین ہر قسم سے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ ہیں اس پر تو اجماع قائم اور نصوصِ متواترہ حاکم باقی نسلِ کریم تا قیامِ قیامت کے حق میں اگر بفضلہٖ تعالیٰ مطلق دخول سے محفوظی لیجئے اور یہی ظاہر لفظ سے متبادر، اور اسی طرف کلماتِ اہلِ تحقیق ناظر، جب تو مراد بہت ظاہر، اور منعِ خلود مقصود جب بھی نفیِ کفر پر دلالت موجود۔

بدعقیدہ سید: اگر کہیے بعض کٹر نیچری بیشمار اَشد غالی رافضی بہت سچّے ملحد جھوٹے صوفی کچھ ہفت خاتم شش مثل والے وہابی غرض بکثرت کفار کہ صراحۃً منکرینِ ضروریاتِ دین ہیں سید کہلاتے میر فلاں لکھے جاتے ہیں؟ اَقول: کہلانے سے واقعیت تک ہزاروں منزل ہیں نسب میں اگرچہ شہرت پر قناعت والناس امناء علی انسابھم (لوگ اپنے نسبوں میں امین ہیں۔ت)

مگر جب خلاف پر دلیل قائم ہو تو شہرتِ بے دلیل نامقبول و علیل اور خود اس کے کفر سے بڑھ کر نفیِ سیادت پر اور کیا دلیل درکار، کافر نجس ہے قال تعالٰی {اِنَّمَا الۡمُشۡرِکُوۡنَ نَجَسٌ} (اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے شک مشرک نرے ناپاک ہیں۔ت) اور ساداتِ کرام طیب و طاہر قال اللہ تعالٰی {وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا} (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کردے۔ت) اور نجس و طاہر باہم متبائن ہیں کہ ایک شئ پر معاً ان کا صدق مُحال، جب علمائے کرام تصریح فرما چکے کہ سید صحیح النسب سے کفر واقع نہ ہوگا اور یہ شخص صراحۃً کافر تو اس کا سید صحیح النسب نہ ہونا ضرورۃً ظاہر، اب اگر اُس نسبِ کریم سے اِنتساب پر کوئی سندِ معتمد نہ رکھتا ہو تو اَمر آسان ہے ہزاروں اپنی اغراضِ فاسدہ سے براہِ دعوٰی سید بن بیٹھے: غلّہ تا ارزاں شود امسال سیدی شوم (اس سال سید بنوں گا تا کہ خوراک میں آسانی ہو۔ت)

رافضی سید: رافضی صاحبوں کے یہاں تو یہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، آج ایک رَذِیل سار ذیل دوسرے شہر میں جا کر رفض اختیار کرے کل میر صاحب کا تمغا پائے تو فلاں کافر سے کیا دُور ہے کہ خود بن بیٹھا ہو یا اس کے باپ دادا میں کسی نے اِدّعائے سیادت کیا اور جب سے یونہی مشہور چلا آتا ہو، اور اگر بالفرض کوئی سند بھی ہو تو اس پر کیا دلیل ہے کہ یہ اُسی خاندان کا ہے جس کی نسبت یہ شہادتِ تامہ ہے۔ یہ وجوہ ہیں ورنہ حاشا اللہ ہزار ہزار حاشا اللہ نہ بطنِ پاک حضرتِ بتول زہرا میں معاذ اللہ کفر و کافری کی گنجائش، نہ جسم اَطہر سیدِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا کوئی پارہ کتنے ہی بُعد پر عیاذاً باللہ دخولِ نار کے لائق، الحمد للہ یہ دو دلیل جلیل واجبُ التعویل ہیں کہ کوئی عقیدہ کفر یہ رکھنے والا رافضی وہابی متصوف نیچری ہرگز سید صحیح النسب نہیں۔ تین قیاس پر مشتمل

دلیل اوّل:

(۱) یہ شخص کافر ہے اور ہر کافر نجس۔

نتیجہ: یہ شخص نجس ہے۔

(۲) ہر سید صحیح النسب طاہر ہے اور کوئی طاہر نجس نہیں۔

نتیجہ: کوئی سید صحیح النسب نجس نہیں۔

(۳) اب یہ دونوں نتیجے ضم کیجئے یہی شخص نجس ہے اور کوئی سید صحیح النسب نجس نہیں۔

نتیجہ: یہ شخص سید صحیح النسب نہیں۔

قیاسِ اول کا صغرٰی مفروض اور کبرٰی منصوص اور دوم کا صغرٰی منصوص اور کبرٰی بدیہی تو نتیجہ قطعی۔

دلیل دوم: قیاسِ مرکب، یہ بھی تین قیاسوں کو متضمن، یہ شخص کافر ہے اور ہر کافر مستحقِ نار۔

نتیجہ: یہ شخص مستحقِ نار ہے اور نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جسمِ اقدس کا کوئی پارہ مستحقِ نار نہیں۔

نتیجہ: یہ شخص نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جسمِ اقدس کا پارہ نہیں اور ہر سید صحیح النسب نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جسم اقدس کا پارہ ہے۔

نتیجہ: یہ شخص سید صحیح النسب نہیں۔

پہلا کبرٰی منصوصِ قرآن، اور دوسرے کا شاہد ہر مومن کا اِیمان، اور تیسرا عقلاً و فقہاً واضح البیان۔ ص730 تا 738

جلد نمبر 16

کتابُ الشّرکۃ (احکامِ شرکت کا بیان)

اِباحت بعدِ موت باطل ہوجاتی ہے

اِباحت بعدِ موت باطل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ یہ تملیک نہیں ہے تاکہ اس میں وراثت جاری ہو، بلکہ اس کے لئے ایک مباح چیز میں تصرف کو حلال قرار دینا ہے، تو جب وہ یا مباح کرنے والا فوت ہوجائے گا تو باطل ہوگی۔ ت) ص 90

*** ظاہر پر عمل واجب جب تک دلیل سے اس کا خلاف نہ ثابت ہو کہ عرف اَعظم دلائلِ شرعیہ سے ہے۔ص 91**

ایسی چیز کو عاریۃً دینا جس کو صَرف کر کے ہی نفع لیا جاسکتا ہے تو وہ قرض ہوتا ہے

ایسی چیز کو عاریۃً دینا جس کو صرف کر کے ہی نفع لیا جاسکتا ہے تو وہ قرض ہوتا ہے۔ ت) اور ان میں باہم دوستی واتحاد ہے تو اباحت "**لمکان العرف**" (اباحت ہے کیونکہ یہی عرف ہے۔ ت) درمختار میں ہے: اگر ثرید کا پیالہ عاریۃً دیا تو قرض ہوگا اور لین دین والوں میں بے تکلفی ہو تو یہ اباحت ہے (ت)۔ص 91

بغیر اِجازت دوسرے بھائی کی آمدنی خرچ کرنے کا حکم

بالجملہ مدار عُرف پر ہے اور یہاں عرف قاضیِ اِباحت کہ جو بھائی باہم یکجا رہتے اور اتفاق رکھتے اور خورد ونوش وغیرہا مصارف میں غیریّت نہیں برتتے، ان کی سب آمدنی یکجا رہتی ہے، اور جسے جو حاجت پڑے بے تکلف خرچ کرتا اور دوسرا اس پر راضی ہوتا اور واپسی کا ارادہ نہیں رکھتا، نہ وہ آپس میں یہ حساب کرتے ہیں کہ اس دفعہ تیرے خرچ میں زائد آیا اِتنا مجرا دے، نہ صَرف کے وقت ایک دوسرے سے کہتا ہے میں نے اس روپے سے اپنے حصے کا تجھے مالک کردیا بلکہ یہی خیال کرتے ہیں کہ باہم ہمارا ایک معاملہ ہے جس کا مال جس کے خرچ میں آجائے کچھ پروا نہیں، اور یہ عین معنی اِباحت وتحلیل ہے تو جب تک اس کا خلاف دلیل سے ثابت نہ ہوگا اِباحت ہی قرار دیں گے۔ص 93

اہم قاعدہ کلیہ

اصل کلی یہ ہے کہ جو شخص اپنے مال سے کسی کو کچھ دے اگر دیتے وقت تصریح ہو کہ یہ دینا فلاں وجہ پر ہے مثلاً ہبہ یا قرض یا ادائی دَین ہے جب تو آپ ہی وہی وجہ متعین ہوگی اور اگر یہ کچھ ظاہر نہ کیا جائے تو دینے والے کا قول معتبر ہے کہ وہ اپنی نیت سے خوب آگاہ ہے اگر اپنی نافع نیت بتائے گا مثلاً کہے میں نے قرضاً دیا قرض میں دیا ہبہ مقصود نہ تھا تو اس کا قول قسم کے ساتھ مان لیا

جائے گا اور جو اس کے خلاف کا مدعی ہو وہ محتاجِ اِقامتِ بیّنہ ہوگا مگر جبکہ قرائن ودلائلِ عرف سے اس کا یہ قول خلافِ ظاہر ہو تو نہ مانیں گے اور اسی کو اِقامتِ بینہ کی تکلیف دیں گے بکثرت مسائل اسی اصل پر متفرّع ہیں۔ص96

* **فقیر کو ہبہ بھی صدقہ ہوتا ہے غنی کے لئے صدقہ بھی ہبہ ہوتا ہے۔(ت)ص100**

کسی کی کل زمین یا بعض پر مکان بنانے کا مسئلہ

کل زمین یا اس کا بعض کسی دوسرے شریک کے حصے میں پڑے تو یا باہمی رضامندی سے زمین والا اپنی زمین بنگلے والے کے ہاتھ بیع کردے یا بنگلے والا اپنا بنگلہ کل یا بعض زمین والے کے ہاتھ اور کسی طرح تراضِی نہ ہو تو زمین والے کو اختیار ہوگا کہ بنگلہ کل یا بعض جس قدر اس کی زمین میں واقع ہوا اُکھڑوا دے اور اس کے سبب اگر زمین کو کچھ نقصانِ قلیل پہنچے اس کا تاوان بنگلہ والے سے لے لے اور اگر نقصان سخت کثیر پہنچے کہ زمین کو خراب و بیکار کردے تو اُسے اختیار ہے کہ اس قدر عمارتِ بنگلہ جو اس کی زمین میں ہے اپنی مِلک ٹھہرا لے اگرچہ صاحبِ بنگلہ راضی نہ ہو اور اُسے اس تعمیر کی وہ قیمت دے دے جو روزِ واپسیِ زمین ایسی عمارت کا اس حال میں نرخ ہو جبکہ اس کے گرادینے کا حکم ہولیا ہو، اور اس کی معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ عمارت گرادی جائے تو جس قدر عملہ ٹوٹ پھوٹ کر بعد گرانے کے نکلے اس کا بھاؤ روزِ واپسی کیا ہوگا اور گروانے میں کیا مزدوری جائے گی یہ مزدوری اس عملہ کے بھاؤ سے گھٹا کر جو بچے وہ اس دن اس عمارت کی قیمت ہے جس کے گرانے کا حکم ہولیا۔ص102

* **کسی معاملہ میں منتظم پر حساب کی لکھائی واجب نہیں اگرچہ نفسِ حساب اس پر واجب ہے۔(ت)۔ص105**

شرکتِ مِلک کی ایک صورت

تحقیق مسئلہ یہ ہے کہ یہ طریقہ جو اکثر ورثاء میں معمول ہوتا ہے کہ مُورِث مرگیا اس کے اَموال دیہات دکانات یوں ہی شرکت پر بلاتقسیم رہتے ہیں اور منجملہ ورثہ بعض وارث باقیوں کے اجازت ورضامندی سے ان میں تصرّف کرتے ہیں شرکتِ عقد نہیں شرکتِ ملک ہی ہے۔ اور شرکت مِلک میں ہر شریک دوسرے کے حصہ سے اجنبی ہوتا ہے کیونکہ یہ شرکت وکالت کو متضمن نہیں ہوتی۔ص107

وکیل کے اختیارات

وکالت شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی، اور وکیل بالشراء قرضوں خرید سکتا ہے بلکہ وکیلِ تجارت کو موافق معمولِ تُجّار قرضوں بیچنے کا بھی اختیار، مگر وکیل کو روپیہ قرض لینے کا اختیار نہیں، نہ قرض لینے پر توکیل روا، اگر لے گا خود وکیل ہی پر قرض ہوگا ص۔109

* **ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً ہر طرح بیع ہے۔ص113**

رہن کی تعریف

مال کو کسی کے حق میں اس کے اِستیفا کے لئے محبوس کردینا رہن ہے اور رہن بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا، قال تعالیٰ: {فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ} (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو گروی قبضہ میں دیا ہوا۔ت)۔ص114

کتابُ الوقف (احکام وقف کا بیان)

زید اپنی جائداد مقبوضہ مملوکہ کو وقف کیا چاہتا ہے مگر جائداد پر قرضہ ہے تو بغیر ادائے قرضہ وقف ہوسکتی ہے یا نہیں، اور اگر وقف میں یہ قید لگا دیں کہ وقف بالفعل صحیح ہوجائے اور نفاذ اس کا بعد ادائے قرض کے سمجھا جائے تو صحیح ہوجائے گا یا بعد ادائے قرضہ ہی صحیح ہوگا؟

الجواب: عرفِ عوام میں جائداد پر قرضہ کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جائداد رہن ہو مرتہن کے قبضہ میں دے دی گئی ہو، دوسرے جسے وہ مکفول و مستغرق کہتے ہیں کہ جائداد قبضۂ مالک ہی میں رہے مگر وہ دائن کو لکھ دے کہ یہ تیرے دَین میں مکفول ہے تا ادائے دَین کہیں بیع ہبہ وغیرہ انتقالات نہ کئے جائیں گے، یہ صورتِ ثانیہ تو شرعاً محض باطل و بے اثر ہے کہ مال کو کسی کے حق میں اس کے استیفا کے لئے محبوس کردینا رہن ہے اور رہن بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا، قال تعالٰی: {فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ} (اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو گروی قبضہ میں دیا ہوا۔ ت)

اگر یہی صورت ہے جب تو وقف بلاشبہہ صحیح و تام نافذ ہے اگرچہ قرضہ ادا نہ کرے نہ آئندہ ادائے قرض کے لئے اس کے پاس کچھ مال بچے اگرچہ اس نے وقف میں یہ نیت بھی رکھی ہو کہ دائن کا دین مارا جائے اگرچہ وہ اس نیتِ فاسدہ سے سخت گنہگار ہوگا مگر وقف میں کچھ خلل نہیں کہ جب وہ جائداد رہن نہیں تو قرض اس کی ذات پر ہے نہ کہ جائداد پر۔ جائداد میں اس کے تصرفاتِ مالکانہ بلامانع نافذ ہیں، اور اگر صورتِ اُولٰی ہے یعنی جائداد قبضۂ مرتہن میں سپرد کردی تو اب دو صورتیں ہیں، اگر اس کے پاس اور مال قابل ادائے قرض موجود ہے تو اب بھی وقف قبل ادائے قرض صحیح و تام نافذ ہے حاکم اس پر جبر کرے گا کہ اپنے دوسرے مال سے قرض ادا کرے مگر وقف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، اور اگر مال نہیں تو اس صورت میں البتہ وہ وقف برقرار نہ رہے گا حاکم اسے باطل کرکے جائداد قرض میں بیع کردے گا، یونہی اگر مدیون مذکور مرجائے تو انہیں دونوں صورتوں پر لحاظ ہوگا اور جائداد موجود ہے تو اس سے ادائے قرض کریں گے اور وقف صحیح رہے گا ورنہ توڑ دیا جائے گا۔ ص114

* **متولی نے زرِ وقف سے جو زمین یا جائداد وقف کے لئے خریدی وہ وقف نہیں ہوجاتی** اس کی بیع جائز ہے کتابوں میں جزئیہ کی تصریح ہے ہاں بیع کے لئے ایسا ذریعہ اطمینان ضرور ہے جس میں کسی کے تغلُّب کا احتمال نہ رہے قاضیِ شرع تو یہاں کوئی نہیں اہلِ محلہ و عالم دیندار و مسلمانانِ متدین کی دینداری سے یہ کام ہو۔ ص117

وقف شدہ زمین خریدنے والے کا حکم

مشتری پر فرض ہے کہ اسے فوراً چھوڑ دے اپنا روپیہ عمرو سے لے لے، روپے نہ ملنے تک قبضہ رکھنے کا مشتری کو کوئی اختیار نہیں، ایک منٹ کے لئے قابض رہنا اس پر حرام ہے۔ ص120

امام باڑہ وقف نہیں ہوسکتا

امام باڑہ وقف نہیں ہوسکتا وہ جس نے بنایا اسی کی مِلک ہے اسے اختیار ہے اس میں جو چاہے کرے، وہ نہ رہا تو اس کے وارثوں کی مِلک ہے انہیں اختیار ہے۔ ص121

جو روپیہ بعوض زِنا وغنا حاصل کیا مثلِ غصب حرامِ مطلق ہے

جو روپیہ بعوض زنا وغنا حاصل کیا مثلِ غصب حرامِ مطلق ہے کہ کسی طرح اس کی مِلک نہیں ہوسکتا ہے وہ جائدادیں جو آشناؤں نے زانیات کو ہبہ کیں وہ ہبہ بھی محض باطل ہے وہ اصل دینے والوں کی مِلک پر رہیں ان کی مِلک میں نہیں آسکتیں، جو کچھ ان کو اجرت ورشوت کے علاوہ ناچ گانے میں بطورِانعام دیا جاتا ہے جسے ''بیل'' کہتے ہیں وہ ان پر حرام نہیں کما نص علیہ فی الھندیۃ (جیسا کہ فتاوٰی ہندیہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت)۔واللہ تعالٰی اعلم۔ص121

مسجد کے لئے ہندو کا وقف باطل ہے

مسجد کے لئے ہندو کا وقف باطل ہے لانہ لیس قربۃ فی دینہ الباطل (کیونکہ اس کے باطل دین میں کوئی قربت نہیں۔ت) اگر یونہی مسجد بنالیں گے اس میں نماز ہوجائے گی اور جمعہ بھی ہوجائے گا اگر شہر یا فناءِ شہر میں ہو اذلایشترط لھا المسجد (کیونکہ نمازوں کے لئے مسجد شرط نہیں۔ت) مگر مسجد میں پڑھنے کا ثواب نہ ملے گا۔ص123

اگر اس نے مسجد بنوانے کی صرف نیت سے مسلمان کو روپیہ دیا یا روپیہ دیتے وقت صراحۃً کہہ بھی دیا کہ اس سے مسجد بنوادو، مسلمان نے ایسا ہی کیا تو وہ مسجد ضرور ہوگئی اور اس میں نماز پڑھنی درست ہے۔کیونکہ یہ اس کی طرف سے مسلمان کو اس کے مال سے مسجد کے لئے سامان خریدنے کا اذن ہوا اور محض اتنی بات سے وہ وکیل نہ ہوا اور بالفرض توکیل مان بھی لیں تو جب جنسِ شراء غیر معین ہے تو شراء مسلمان کے لئے ہی واقع ہوگی اس لئے کہ جہالتِ فاحشہ وکالت کو باطل کردیتی ہے۔درمختار میں ہے: قاعدہ یہ ہے کہ اگر وکالت جہالتِ فاحشہ کے ساتھ مجہول ہو یعنی جہالتِ جنس ہو جیسے دابہ کا مجہول ہونا تو وکالت باطل ہوجاتی الخ (ملخصا) اور یہ بات معلوم ہے کہ شراء جب مشتری پر نفاذ پائے تو نافذ ہوجاتی ہے، بہرصورت وہ خریدا ہوا سامان مسلمان کا مملوک ہوا اور اس نے مسجد بنادی تو صحیح ہے۔(ت)

یونہی مسجد قدیم کی دُرستی ومرمت اگر کافر کرے تو اس کی مسجدیت میں نقصان نہ آئے گا لان المسجد اذا تم مسجدا لایعود غیر مسجد ابدا (کیونکہ مسجد بن جانے کے بعد کبھی بھی وہ غیر مسجد نہیں بن سکتی۔ت) اسی طرح کچی مسجد کو اگر پکی کرادے فرش اور دیواریں پختہ بنوادے جب بھی اس کی مسجدیت میں حرج نہیں اس میں نماز درست ہے کہ یہ دیواریں اگرچہ مِلکِ کافر رہیں گی کہ وہ مسجد کے لئے وقف کرنے کا اہل نہیں مگر دیواریں حقیقتِ مسجد میں داخل نہیں، یوں ہی مسالہ کہ فرش پختہ کرنے کو ڈالا چٹائی کی طرح ایک شیء زائد ہے اور جوازِ نماز یوں کہ اگرچہ وہ مسالہ مِلکِ کافر پر رہے گا مگر اس پر نماز اس کے اِذن سے ہے، ہاں ایسی چیز کا قبول کرنا مسلمانوں کو نہ چاہئے کہ مسجد کو مِلکِ کافر سے آلودہ کرنا ہے، اور اس میں یہ بھی قباحت ہے کہ جب وہ فرش مِلکِ کافر پر باقی ہے تو اگر کسی وقت وہ یا اس کے بعد اس کا وارث اس پر نماز سے منع کردے تو نماز ناجائز ہوجائے گی جب تک فرش کھود کر زمین صاف نہ کرلیں۔ص295

* **وقف دوبارہ وقف نہیں ہوسکتا۔ص127**
* **وقف کے لئے کتابت ضروری نہیں زبانی الفاظ کافی ہیں۔اور ولایت کو اپنے خاندان میں شرط کردینا بھی صحیح ہے**

اور وہ اس کا متولی رہے گا جب تک کہ اس کی خیانت یا عجز یا فسق ظاہر نہ ہو ورنہ اس سے ولایت لے لی جائے گی (اگرچہ) متولی خود واقف ہی ہو۔ ص 129

چندہ سے مدرسہ بنانا عرفاً وقف ہے

ہم نے اپنے فتاوٰی کتاب الوقف میں ثابت کیا ہے کہ زرِ چندہ چندہ دہندوں کی مِلک پر رہتا ہے اور مُحَصِّل کا ان کے اذنِ عرفی سے خلط کرلینا اسے مالک نہ کردے گا اور جبکہ انہوں نے مدرسہ بنانے کے لئے خالد کو چندہ دیا تو اسے شراءِ زمین وتعمیر کا ماذون کیا اور ان کا روپیہ ان کے اذن سے اس نے شراء وتعمیر میں صرف کیا تو وہ زمین وعمارت تمام مشتریوں اور چندہ دہندوں کی ہوئی جس کا ایک پیسہ چندہ ہوا اور جس کا ہزار روپے سب شریک ہیں، اور جبکہ دینی مدرسہ نفعِ عام مسلمین کے لئے بنانا مقصود تھا اس میں کسی کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ میں کسی جز کا مالک رہوں اور اس سے اِنتفاع ایک مدتِ محدود تک ہو پھر میری مِلک میں واپس آئے جبکہ اپنی مِلک سے خارج کرکے ہمیشہ کے لئے نفعِ مسلمین کے واسطے کردینا مقصود ہوتا ہے اور یہی حاصلِ وقف ہے تو اگرچہ نصاً وہ سب لفظِ وقف نہیں کہتے عرفاً دلالۃً وقف کرتے اور وقف ہی سمجھتے ہیں۔ تو وہ ایک مکان ہے جس کی زمین وعمارت سب ان سب کی مِلکِ مشترک ہوکر ان سب کی طرف سے وقف ہوئی اور حق کہ واقف کو وقف پر ہوتا ہے سب کو بروجہِ کمال یکساں حاصل ہوا اس میں کمی بیشیِ چندہ پر لحاظ نہ ہوگا کہ یہ حق متجزّی نہیں اور حقِ غیرِ متجزی ہر شریک کے لئے کاملاً حاصل ہوتا ہے۔ ص 126

وقف فی نفسہ ضرور ہمارا دینی مذہبی کام ہی رہے گا ولہذا اس میں دو شرطیں مطلقاً لازم ہیں:

ایک یہ کہ وہ کام جس کے لئے یہ وقف ابتداءً ہوا یا آخر میں اس کے لئے قرار پائے گا واقف کے نزدیک کارِ ثواب ہو وہ اس ثواب کی نیت کرے یا نہ کرے یہ اس کا فعل ہے کام مذہبی حیثیت سے ثواب کا ہونا چاہئے، جیسے غرباء کی امداد اگرچہ دوا وغیرہ سے ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ کام خود ہمارے مذہبِ اسلام کی رُو سے کارِ ثواب ہو اگرچہ وقف کرنے والا مسلمان نہ ہو۔ ص 130

مرتد کا ہر وقف باطل ہوجاتا ہے

مسلمان اگر کیسا ہی وقف کسی غرض کا کرے اور پھر معاذ اللہ اسلام سے پھر جائے تو فوراً اس کا ہر وقف باطل ہوجاتا ہے وہ اس کے وارثوں پر مالکانہ تقسیم کردیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اگر مرتد ہوکر پھر اسلام لے آئے وقف عود نہ کرے گا جب تک بعدِ اسلام پھر اَز سرِ نو وقف نہ کرے اور یہ حکم عام ہے جس میں کسی وقف کی تخصیص نہیں۔ ص 131

چندہ سے کچھ روپیہ فاضل بچ گیا تو؟

یہاں رواج ہے کہ ماہِ ربیع الاول میں لوگوں سے محض بغرض ایصالِ ثواب روح پُرفتوح حضرت نبی مکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چندہ لیا جاتا ہے لوگ حسبِ استطاعت دیتے ہیں اس کا کھانا وغیرہ پکا کر مساکین وفقراء کو کھلایا جاتا ہے، اب اس چندہ سے کچھ روپیہ کھانے وغیرہ کے پختن سے فاضل بچ گیا تو کیا اس روپے فاضل سے دِیگ خرید سکتے ہیں؟

ایسے چندوں سے جو روپیہ فاضل بچے وہ چندہ دہندگان کا ہے انہیں کی طرف رجوع لازم ہے وہ دیگ وغیرہ جس امر کی

اجازت دیں وہی کیا جائے، ان میں جو نہ رہے اس کے عاقل بالغ وارثوں کی طرف رجوع کی جائے اگر ان میں کوئی مجنون یا نابالغ ہے تو باقیوں کی اجازت صرف اپنے حصص کے قدر میں معتبر ہوگی صبی ومجنون کا حصہ خواہی نخواہی واپس دینا ہوگا، اور اگر وارث بھی نہ معلوم ہوں تو جس کام کے لئے چندہ دہندوں نے دیا تھا اسی میں صرف کریں، وہ بھی نہ بن پڑے تو فقراء پر تَصَدُّق کردیں، غرض بے اجازتِ مالکان دیگ لینے کی اجازت نہیں۔ص 134

شرائطِ معتبرہ کا اختیار شرع مطہر نے واقف کو صرف اِنشائے وقف کے وقت دِیا ہے

عامہ (عـــہ ۱)[1] شرائطِ معتبرہ (عـــہ ۲)[2] کا اختیار شرع مطہر نے واقف کو صرف اِنشائے وقف کے وقت دیا ہے مثلاً جسے چاہے اس کا مصرف بنائے جسے چاہے اس سے جُدا رکھے، جسے جتنا چاہے دینا بتائے، جس وقت یا حالت یا صفت کے ساتھ چاہے مقید کردے، جو ترتیب چاہے مقرر کرے، جب تک اس انشاء میں ہے مختار ہے، وقف تمام ہوتے ہی وہ تمام شروط مثلِ وقف لازم ہوجاتی ہیں کہ جس طرح وقف سے پھرنے یا اس کے بدلنے کا اسے اختیار نہیں رہتا یونہی ان میں سے کسی شرط سے رجوع یا اس کی تبدیل یا اس میں کمی بیشی نہیں کرسکتا ہاں اگر اِنشا ہی کے وقت شرط لگادی تھی کہ مجھے ان تمام شروط یا خاص فلاں شرط میں تبدیل کا اختیار ہوگا تو جس شرط کے لئے بالتصریح یہ شرط کرلی تھی اسی کو بدل سکے گا پھر اسے بھی ایک ہی بار بدل سکتا ہے، جب تبدیل ہولی اب دوبارہ تغیر کا اختیار نہ ہوگا کہ اسی قدر شرط کا مفاد تھا، وہ پورا ہوگیا اب دوبارہ تبدیلِ شرط شے زائد ہے لہذا مقبول نہ ہوگی البتہ اگر کسی شرط پر اِنشائے وقف میں یہ شرط لگادی کہ میں اسے جب کبھی چاہوں ہر بار بدل سکوں گا تو اس شرط کی نسبت اختیار مُستمِرّ رہے گا کہ اب اس کا استمرار ہی مقتضائے شرط ہے غرض واقف خود اس کا قطعی پابند ہوتا ہے جو ان شرائط میں وقف کرتے وقت زبان یا قلم سے نکال چکا اس سے باہر ان میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔

شرطِ واقف واجبُ الاتباع ہے

* شرطِ واقف واجبُ الاتباع ہے اور اس کے خلاف تصرف ناجائز۔ص 147
* واقف کی جو شرط مخالفِ شرع مطہر ہو نامقبول ونامعتبر ہے۔ص 148
* اگر شرائطِ اصلِ واقف پر اطلاع نہ ہو تو عملدرآمد قدیم پر نظر ہوگی۔ص 155
* یہاں حکمِ شرعی یہ ہے کہ اوقاف میں پہلی نظر شرطِ واقف پر ہے۔ غرض ہر طرح اس کے شرائط کا اتباع کیا جائے گا اور اگر شرائط معلوم نہیں تو اس کے متولیوں کا قدیم سے جو عملدرآمد رہا اس پر نظر ہوگی۔ قدیم سے ہونے کے یہ معنی کہ اس کا حدوث معلوم

---

[1]: عـــہ ۱: ''عامہ'' کا لفظ اس لئے کہا کیونکہ تولیت کا معاملہ اس حکم سے خارج ہے لہذا واقف کو جب چاہے متولی میں تبدیلی کا حق ہے اگرچہ اس کی شرط نہ لگائی ہو جیسا کہ بحر میں ہے اور متعدد بار ہمارے فتاوی میں گزر چکا ہے۔ مِنہُ (ت)

[2]: عـــہ ۲: معتبر شرائط سے کہا، کیونکہ باطل شرط ہو تو مطلقاً باطل ہے وقف کرتے وقت لگائی گئی ہو یا بعد میں لگائی گئی ہو۔ مِنہُ (ت) ص 139

نہ ہوا اور اگر معلوم ہے کہ یہ بلا شرط بعد کو حادث ہوا تو قدیم نہیں اگر چہ سو برس سے ہوا گر چہ نہ معلوم ہو کہ کب سے ہے۔ص 485

ہمیشہ کے لئے اِجارہ پر دینا کسی مملوک شے کا بھی جائز نہیں

ہمیشہ کے لئے اجارہ میں دینا کسی مملوک شے کا بھی جائز نہیں، نہ کہ وقف ظاہر ہے کہ ہمیشگی کسی شیء کو نہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ جب تک باقی ہے اور مدتِ بقا مجہول ہے اور جہالتِ مدت سے اجارہ فاسد ہوتا ہے اور عقدِ فاسد حرام ہے، لہذا علماء نے تصریح فرمائی کہ جب تک مدت معین نہ کی جائے اجارہ جائز نہیں کہ تعیینِ مدت سے مقدارِ منفعت معلوم ہوتی ہے، پُر ظاہر ہے کہ ہمیشہ کے لئے کہنا نہ کوئی تعیینِ مدت ہے نہ اس سے مقدارِ منفعت معلوم ہو سکے۔ص 143

*** جب نہ واقف نے اجازت دی ہو نہ وقف کی اپنی کوئی ضرورت و مجبوری ہو تو زمینِ موقوف کو تین برس سے زیادہ پر اجارہ دینا جائز نہیں۔ص 144**

دوامی اجارہ کی زمین وقف کرنا صحیح ہے

زمین جو دوامی پٹہ کی ہو اس میں دفن جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دفن کے لیے ملکی زمین چاہئے، پھر اس بناء پر تو جاگیرات میں دفن جائز نہ ہوگا؟

الجواب: بلاشبہ جائز ہے جبکہ باجازتِ مستاجر ہو۔ ملکِ غیر ہونا منافیِ جوازِ دفن نہیں، غایت یہ کہ مالک کو اِزالۂ قبر کا اختیار ہوگا۔ مگر جب اس کا اجارہ دوامی ہو تو مالک کی طرف سے یہ اندیشہ بھی نہیں یہاں تک کہ علماء نے دوامی اجارہ کی زمین میں مسجد بنانے کی اجازت دی اور اس میں وقف صحیح مانا اسی بنا پر کہ وہ ہمیشہ رہے گی تو (تابید) حاصل ہے۔ ردالمحتار میں ہے: اسعاف میں ہے کہ اوقاف خصاف میں مذکور ہے کہ دکانوں کا وقف جائز ہے اگر زمین اجارہ کے ذریعہ ان لوگوں کے قبضے میں ہو کہ سلطان ان کو اس سے نہ نکالے، اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تعمیر کرنے والوں کے ہاتھ میں رہتی ہیں ان کے درمیان ان میں وراثت اور تقسیم جاری ہوتی ہے سلطان ان سے کوئی تعرُّض نہیں کرتا۔ نہ ہی ان کو پریشان کرتا ہے بس اس کے لیے کچھ مقررہ آمدنی ہوتی ہے جو ان سے وصول کرتا ہے۔ یہ دستور پشت ہا پشت سے چلا آرہا ہے اور یہ ان کے ہاتھ میں اُس طرح ہیں کہ یہ ان کی خرید و فروخت اور اجارہ پر دینے کا تصرف کرتے رہتے ہیں، ان کی وصیتیں ان میں نافذ ہوتی ہیں، عمارت گراتے بناتے رہتے ہیں، تو اسی طرح ان کا وقف بھی جائز ہوگا۔ (عبارت ختم ہوئی) اسے فتح القدیر میں بھی برقرار رکھا ہے۔ اور اس کی وجہ، جیسا کہ معلوم ہوا وہ بقائے تابید ہے اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ت) ص 380

ارصاداتِ سلاطین حکمِ وقف میں ہیں

ارصادات سلاطین حکمِ وقف میں ہیں نہ وہ موروث ہوں نہ کسی کو ان کے بیع و انتقال کا کوئی حق ہو۔ص 153

''ارصاد'' کے معنی نگہداشتن ہی ہیں یعنی محفوظ کر دینا، سلاطینِ اسلام مواضعِ سلطنت سے جو دیہات مصارفِ خیر کے لئے وقف کرتے ہیں انہیں ''اِرصاد'' کہتے ہیں یعنی سلطان نے انہیں محفوظ و ممنوعُ التملیک کر دیا ان کا حکم بعینہٖ مثلِ وقف ہے، **وانما سمیت ارصادات لان الوقف شرطه الملك والسلاطین لا یملکون مافی ولایتهم ان الملك الا الله۔**

واللہ تعالیٰ اعلم ۔ان کوارصادات اس لئے کہتے ہیں کہ وقف کی شرط ہے کہ پہلے کسی کی مِلک میں ہو جبکہ سلاطین اپنی ولایت کے مالک نہیں ہوتے، مِلک توصرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** (ت)ص158

ارصادات وعطایا سلاطین میں زمین وآسمان کا فرق ہے

اِرصادات وعطایا سلاطین میں زمین وآسمان کا فرق ہے جو مواضع سلاطین اپنی رعیت میں سے کسی کو جاگیر بخش دیں اسے اس کا مالک کردیں وہ عطا ہے عربی میں اسے اِقطاع کہتے ہیں اور ہماری زبان میں معافی وجاگیر اور جو مواضع سلاطینِ اسلام مصارفِ خیر کے لئے تعین کردیں وہ ارصاد ہیں ان کا حکم بعینہٖ حکمِ وقف ہے۔ص160

اَغنیاء وسادات بھی اوقافِ عامہ، رفاہِ عام سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں

موقوف علیہ کا فقیر یاغیر ہاشمی ہونا ضرور نہیں اَغنیاء وسادات بھی اوقافِ عامہ، رفاہِ عام میں داخل ہوسکتے ہیں جیسے مسجد، مقبرہ، حوض، کنواں، سقایہ، سرائے پل وغیرہا، اور وہ ہر وقت میں بشرطِ واقف مثلِ اِستثناء فی المصروف بھی شامل ہوسکتے ہیں جس طرح خود اپنا نفس اور اپنی اولاد، بالجملہ وقف کا قربتِ مؤبّد کے لئے ہونا ضرور ہے مگر تمام آمدنی قربت ہی کے لئے معین ہونا ضرور نہیں اِستثناء بعض علی الدّ وام واِستثناء کل اِلیٰ زمانٍ منقطعٍ دونوں کی گنجائش ہے اور اس کا اختیار واقف کو ہے جیسی شرط کرے گا اتباع کی جائے گی۔ص153

عام قبرستان میں اگر کسی نے درخت لگائے تو اس کی مِلک ہے یا نہیں؟ دوسروں کو بغیر اجازت استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قبرستان اگرچہ وقف ہو مگر درخت جو اس میں لگائے جائیں اگر لگانے والا تصریحاً یہ کہہ بھی دے کہ میں نے ان کو قبرستان پر وقف کیا جب بھی وقف نہ ہوں گے اور لگانے والے ہی کی مِلک رہیں گے، اس کی اجازت کے بغیر دوسروں کو ان میں تصرف جائز نہیں، اور اس کو اختیار ہے کہ اس کی لکڑی کاٹے یا جو چاہے کرے بلکہ اگر ان کے سبب مقابر پر زمین تنگ کردے تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ درخت کاٹ کر زمین خالی کردے۔ **وھو تعالیٰ اعلم**۔ص158

* **ردالمحتار میں ہے: مسجد تنگ ہوجائے حالانکہ اس کے پہلو میں وقف شدہ زمین یا دکان ہے جو اسی مسجد کے نام وقف ہے تو اس کو مسجد میں شامل کرنا جائز ہے(ت)۔ص159**
* **وقف کا مدّعی ہر مسلمان ہوسکتا ہے اور جو مدعی ہو وہی شاہد ہوسکتا ہے۔ص162**

مسجد میں قرآن بکثرت جمع ہوگئے تو کیا دوسری مسجد بھیج سکتے ہیں؟

جامع مسجد میں بکثرت جمع ہوگئے اور بیکار رکھے ہیں جن کا انجام سوائے گلنے اور بوسیدہ ہونے کے کچھ نہیں ہے کیونکہ پڑھنے والے چند اور قرآن بکثرت جمع، تو ان کو ہدیہ کرکے وہ پیسہ مسجد کے صرف میں لاسکتے ہیں یا نہیں، مسجد سے ملحق ایک مدرسۂ قرآن ہے اور نیز شہر میں بھی قرآن کے مدرسے ہیں ان میں ان قرآنوں کو متولی بھیج سکتا ہے یا نہیں نیز

اگراس شہر کے مدارس سے بچ رہیں تو دوسرے شہر کے مدارس میں بھیجے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

اگراس بھیجنے سے مصحف شریف اس مسجد پر وقف کرنا مقصود نہیں ہوتا جب تو بھیجنے والوں کو اختیار ہے وہ مصاحف ان کی مِلک میں باقی ہیں جو وہ چاہیں کریں اور اگر مسجد پر وقف مقصود ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ ایسی صورت میں اسے دوسری مسجد بھیج سکتے ہیں یا نہیں، جب حالت وہ ہو جو سوالِ مذکور میں ہے اور تقسیم کی ضرورت سمجھی جائے تو قولِ جواز پر عمل کر کے دوسری مساجد و مدارس پر تقسیم کر سکتے ہیں اس شہر کی حاجت سے زائد ہو تو دوسرے شہر کو بھی بھیج سکتے ہیں مگر انہیں ہدیہ کر کے، ان کی قیمت مسجد میں نہیں صرف کر سکتے۔ص 164

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علماء کو جو اَلقاب دیئے

چودھویں صدی کے علماء میں باعتبار حمایتِ دین ونصرتِ سنت نیز بلحاظِ تفقُّہ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقادر صاحب بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ کا پایہ اَکثر معاصرین سے اَرفع تھا اَیامِ ندوہ میں اوراس کے بعد جب فقیر نے سرگرم حامیانِ دین کے خطاب تجویز کئے ہیں حضرت مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب کو الاَسد الاسد الاسد الاشد، مولوی قاضی عبدالوحید صاحب فردوسی کو ندوہ شکن ندوی فگن، مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی کو شیر بیشۂ سنت رحمہم اللہ تعالیٰ، حاجی محمد لعل خان صاحب قادری برکاتی مدراسی سلمہ اللہ تعالیٰ کو حامیِ سنت ماحیِ بدعت، اسی زمانے میں حضرت فاضل بدایونی قدس سرہ کو تاجُ الفحول سے تعبیر کیا جو آج تک ان کے اَخلاف میں مقول ومقبول ہے اور وہ بیشک باعتباراتِ مذکورہ اس کے اہل تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ واسعۃ۔ص 202

(وقف کے مصارف کا بیان)

چندہ کا جو روپیہ کام ختم ہو کر بچے اس کا حکم

وقف جس غرض کے لئے ہے اس کی آمدنی اگرچہ اس کے صرف سے فاضل ہو دوسری غرض میں صرف کرنی حرام ہے وقف مسجد کی آمدنی مدرسہ میں صرف ہونی درکنار دوسری مسجد میں بھی صرف نہیں ہوسکتی، نہ ایک مدرسہ کی آمدنی مسجد یا دوسرے مدرسہ میں۔ چندہ کا جو روپیہ کام ختم ہو کر بچے لازم ہے کہ چندہ دینے والوں کو حصۂ رسد واپس دیا جائے یا وہ جس کام کے لئے اب اجازت دیں اس میں صرف ہو، بے ان کی اجازت کے صرف کرنا حرام ہے، ہاں جب ان کا پتا نہ چل سکے تو اب یہ چاہئے کہ جس طرح کے کام کے لئے چندہ لیا تھا اسی طرح کے دوسرے کام میں اُٹھائیں، مثلاً تعمیرِ مسجد کا چندہ تھا مسجد تعمیر ہو چکی تو باقی بھی کسی مسجد کی تعمیر میں اُٹھائیں، غیر کام مثلاً تعمیرِ مدرسہ میں صرف نہ کریں، اور اگر اس طرح کا دوسرا کام نہ پائیں تو وہ باقی روپیہ فقیروں کو تقسیم کر دیں۔ص 206

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کو عاریۃً بھی دینا جائز نہیں

وقف کی کوئی شے یا کتاب کسی ملازمِ وقف یا ممبرِ وقف کمیٹی سے یا کسی غیر شخص سے تلف ہو جائے تو؟

متولیِ وقف امینِ وقف ہے جبکہ اس طرح کا متولی ہو جو اوپر مذکور ہوا اگر اس سے اِتفاقیہ طور پر بے اپنے تقصیر وبے احتیاطی کے

وقف کی کتاب یا کوئی مال تلف ہوجائے اس کا معاوضہ نہیں، اور اگر قصداً تلف کردے یا اگر اپنی بے احتیاطی سے ضائع کرے تو ضرور معاوضہ ہے، یہی حکم ملازمانِ وقف کا ہے جبکہ وہ تصرف جو اس نے کتاب میں کیا اس کی ملازمت میں داخل، اور اسے جائز تھا، ورنہ اگر وقف کے کسی اور صیغہ کا ملازم ہے کتب خانہ پر اس کو اختیار نہیں، اور اس نے مثلاً کتاب کسی کو عاریۃً دے دی اور ضائع ہوگئی تو ضرور اس پر معاوضہ ہے، غیر شخص نے اگر وہ تصرف کیا تو منجانبِ وقف جس کی اسے اجازت تھی اور بے اس کی تقصیر کے کتاب ضائع ہوگئی مثلاً کتب خانۂ وقف میں جاکر کتابیں دیکھنے کی اجازت ہو اور عام طور پر معمول ہو کہ کتابیں دیکھ کر اسی مکان میں رکھ آتے ہیں یا فلاں ملازم کو سپرد کردیتے ہیں اور یہ اس قاعدہ کو بجالایا اور کتاب گم ہوگئی تو اس پر بھی معاوضہ نہیں، ورنہ اگر وہ تصرف کیا جس کی اسے اجازت نہ تھی یا تھی مگر اس کی تقصیر و بے احتیاطی سے کتاب گئی تو ضرور تاوان دے گا۔ص 227

وقف کی وصیت

جب وقف کی وصیت کی ہے تو اس کا نفاذ بعد موتِ واقف ہوگا، زندگی میں اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص230

وقف جائداد کی ہیئت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے

ایک وقف جس غرض کے لئے وقف کیا گیا ہے اسی پر رکھا جائے اس میں تو تغیر نہ ہو مگر ہیئت بدل دی جائے مثلاً دکان کو رباط کردیں یا رباط کو دکان، یہ حرام ہے۔ عالمگیری میں ہے: **لاتجوز تغییر الوقف عن ھیئتہ**۔ وقف جائداد کی ہیئت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ (ت)۔ص232

مسجد سے کتنے فاصلہ پر واش روم بنانا چاہئے

مسجد کو بو سے بچانا واجب ہے، ولہذا مسجد میں مٹی کا تیل جلانا حرام، مسجد میں دیا سلائی سلگانا حرام، حتی کہ حدیث میں ارشاد ہوا: **وان یمر فیہ بلحم نیء**۔ یعنی مسجد میں کچا گوشت لے جانا جائز نہیں، حالانکہ کچے گوشت کی بو بہت خفیف ہے تو جہاں سے مسجد میں بو پہنچے وہاں تک ممانعت کی جائے گی۔ص232

مسجد کی جائدادِ وقف کی آمدنی کسی دوسری مسجد کے مصارف میں خرچ ہوسکتی ہے یا نہ؟

ہرگز جائز نہیں یہاں تک کہ اگر ایک مسجد میں لوٹے حاجت سے زائد ہوں اور دوسری میں نہیں تو اس کے لوٹے اس میں بھیجنے کی اجازت نہیں۔ص241

اگر کوئی شخص پورے سال کے لئے وقف کی دکان کرایہ پر لے اور درمیانِ سال میں بوجہِ بیماری وغیرہ چھوڑ دے تو کیا ممبرانِ اوقاف بقیہ وقف کا کرایہ چھوڑ سکتے ہیں؟

اگر اس نے عذرِ صحیح شرعی سے چھوڑا تو باقیماندہ کرایہ چھوڑا جائے گا ورنہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص241

* **روپیہ جو کوئی شخص بنک میں جمع کرتا ہے وہ بنک پر دَین ہوتا ہے۔ص244**

عمرو نے پانچ سو روپے کا ایک چیک (cheque) دِیا مگر وصولی سے پہلے انتقال ہو گیا تو؟

عمرو نے جو وہ روپیہ تعمیرِ مسجد کو دیا اگر مسجد موجود تھی اور اس کی تعمیر کو دیا تو یہ مسجد کے لئے ہبہ ہوا، متولیانِ مسجد موہوب لہ کے نائب اور عمرو کی طرف سے وکیل بقبض الدین ہوئے اور اگر ہنوز مسجد موجود نہ تھی بلکہ بنانا چاہتے تھے اس کے چندہ میں دیا تو ہبہ نہیں ٹھہرا سکتے کہ معدوم کے لئے ہبہ ممکن نہیں متولی صرف وکیل بالقبض ہوئے، دونوں صورتوں میں جب تک قبضہ نہ ہوا روپیہ مِلکِ عمرو پر تھا، صورتِ ثانیہ میں تو ظاہر ہے کہ سرے سے ہبہ ہی نہ ہوا تو مِلکِ مالک سے خروج کیا معنیٰ، اور صورتِ اُولیٰ میں اس لئے کہ ہبہ بے قبضہ تمام ومفیدِ ملکِ موہوب لہ نہیں ہوتا، یہاں اگر موتِ عمرو سے پہلے چک (cheque) بیکار ہو گا تو ہبہ بوجہِ ہلاکِ موہوب قبل القبض باطل ہو گیا اور اگر موتِ عمرو کے بعد بیکار رہا تو بوجہِ موتِ واہب قبلِ تسلیم۔ بہر حال مسجد کے لئے مِلک اَصلاً نہ ہوئی تو متولیانِ مسجد کو اس کا مطالبہ کس بناء پر پہنچ سکتا تھا، نہ کسی طرح ان کی ڈگری ہو سکتی تھی نہ ہرگز انہیں اس کا لینا حلال، نہ مسجد میں خرچ کرنا حلال۔ص244

*** شک نہیں کہ ہر مباح بہ نیتِ محمودہ محمود وقربت ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: انما الاعمال بالنیات ولکل امرء مانوی۔ اعمال نیات کے ساتھ ہیں، ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جس کی وہ نیت کرے (ت)۔ص249**

اولاد اور اپنے او پر وقف کرنا جائز ہیں یا نہیں؟ اور ان کے کیا معنیٰ ہیں اور کیا طریقہ؟

شرع مطہر میں وقف علی الاولاد ووقف علی النفس سب جائز ہے یعنی اپنی جائداد یوں وقف کرے کہ تاحیات کلیۃً خود اس سے متمتّع رہوں تمام آمدنی اپنے مصارفِ ذاتی پر صرف کروں میرے بعد میری اولاد واولادِ اولاد اس سے بایں تفصیل یا حصۂ مساوی (جس طرح چاہے کہے) متمتع ہوتی رہے جب نسل میں کوئی نہ رہے تو فلاں مدرسہ یا مسجد یا فقراء یا کارِ خیر کے لئے ہو جس طرح کہے گا اسی طرح پابندی ہوگی اور جائداد بیع وہبہ وغیرہ انتقال کے اَصلاً قابل نہ رہے گی تولیت کا بھی اختیار ہے کہ اپنی حیات تک چاہے اپنے ہی نام رکھے یا اپنی اولاد کے نام اور بعد کو بھی جس طرح کی جائز شرطیں چاہے تولیت میں لگائے سب کی پابندی اسی طرح ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص250

وہ یہ مضمون لکھ دے کہ میں نے اپنا مکان محدود بحدود چنیں وچناں اپنی زندگی بھر اپنے نفس پھر اپنی اولاد پھر فقرائے مسلمین اہلِ سنت وجماعت پر بایں شروط وقف صحیح شرعی لازم کیا۔

(۱) اپنی حیات بھر خود اس میں رہوں گا۔

(۲) میرے بعد میری اولادِ نرینہ واولادِ نرینہ واولادِ نرینہ تابقائے نسل اس میں رہیں۔

(۳) اولاد واولاد اولاد میں جو اناث ہوں جب تک شادی نہ ہو یا جو بیوہ ہو جائے اور وہاں ٹھکانہ نہ رہے یا بوجہِ ناچاقی وہاں نہ رہ سکے وہ بھی تابقائے ضرورت اس میں سکونت رکھے گی۔

(۴) جب نسل میں اولادِ ذکور نہ رہیں اولادِ اناث کو حق ہوگا۔

(۵) جب وہ بھی نہ رہیں مکان کرائے پر دیا جایا کرے گا اور کرایہ فقرائے مسلمین اہلِ سنت وجماعت مطابق عقائدِ علمائے حرمین شریفین پر صرف ہوا کرے گا۔

(۶) شکست ریخت کا صرف میری زندگی میں میرے ذمہ پھر اولادِ ساکنین پھر کرایۂ مکان سے ہوا کرے گا۔

(۷) کسی وقت کسی کو اس کی بیع وہبہ وانتقال وغیرہ کا اختیار نہ ہوگا، اور یہ جو مناسب ہوں شرائط لکھ کر وقف نامہ مکمل کردے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ص252

بابُ المسجد (احکامِ مسجد کا بیان)

مسجد صرف اس زمین کا نام ہے جو نماز کے لئے وقف ہو یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنی نری خالی زمین مسجد کو دے مسجد ہوجائے گی، مسجد کا احترام اس کے لئے فرض ہوجائے گا۔ص255

مسجد قیامت تک اصل بانی کے نام سے رہے گی اگرچہ اس کی شکست ریخت یا شہید ہوجانے کے بعد دوبارہ تعمیر اور لوگ کریں، ثواب ان کے لئے بھی ہے مگر اصل بِنا بانیٔ وقف کے واسطے خاص ہے۔ص257

رسالہ: التحریر الجید فی حق المسجد (مسجد کے حق میں عمدہ تحریر)۔ص261

مسجد کی چیزیں فروخت کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

مسجد کی چیزیں اس کے اَجزاء ہیں، یا آلات یا اوقاف یا زوائد

اجزاء:

یعنی زمین وعمارت قائمہ کی بیع تو کسی حال ممکن نہیں مگر جب مسجد معاذ اللہ ویران مطلق ہوجائے اور اس کی آبادی کی کوئی شکل نہ رہے تو ایک روایت میں باذن قاضیٔ شرع حاکم اسلام اس کا عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں صرف کرسکتے ہیں، مواضعِ ضرورت میں اس روایت پر عمل جائز ہے۔

ہاں اگر معاذ اللہ مسجد کی کچھ بنا منہدم ہوجانے یا اس میں ضُعف آجانے کے سبب خود منہدم کرکے از سرِ نو تجدیدِ عمارت کریں اب جو اینٹوں کڑیوں تختوں کے ٹکڑے حاجتِ مسجد سے زائد بچیں کہ عمارتِ مسجد کے کام نہ آئیں اور دوسرے وقت حاجت عمارت کے لئے اُٹھا رکھنے میں ضائع ہونے کا خوف ہو تو ان دو شرطوں سے ان کی بیع میں مضائقہ نہیں مگر اذنِ قاضی درکار ہے اور اس کی قیمت جو کچھ ہو وہ محفوظ رکھی جائے کہ عمارت ہی کے کام آئے۔

آلات:

یعنی مسجد کا اسباب جیسے بوریا، مصلی، فرش، قندیل، وہ گھاس کہ گرمی کے لئے جاڑوں میں بچھائی جاتی ہے وغیرذٰلک، اگر سالم وقابلِ انتفاع ہیں اور مسجد کو ان کی طرف حاجت ہے تو ان کے بیچنے کی اجازت نہیں، اور اگر خراب وبیکار ہوگئی یا معاذ اللہ بوجہ ویرانیٔ مسجد ان کی حاجت نہ رہی، تو اگر مالِ مسجد سے ہیں تو متولی، اور متولی نہ ہو تو اہلِ محلہ متدین امین باذنِ قاضی بیچ سکتے ہیں، اور

اگر کسی شخص نے اپنے مال سے مسجد کو دئے تھے تو مذہبِ مفتٰی بہ پر اس کی مِلک کی طرف عود کرے گی جو وہ چاہے کرے، وہ نہ رہا ہو اور اس کے وارث، وہ بھی نہ رہے ہوں یا پتا نہ ہو تو ان کا حکم مثلِ لقطہ ہے، کسی فقیر کو دے دیں، خواہ باذنِ قاضی کسی مسجد میں صرف کردیں۔

اوقاف:

جبکہ عامر وآباد ہوں ان کی بیع اَصلاً جائز نہیں مگر بناچاری کہ ظالم نے زبردستی ان پر قبضہ کرلیا اور اس سے رہائی کی سبیل نہیں مگر وہ قیمت دینے پر راضی ہے تو بمجبوری ثمن لے کر ان کے عوض اور خرید کر ان کے قائم مقام کردیں یا جبکہ واقف نے اصل وقف میں استبدال شرط کرلیا ہو تو جائز ہے کہ انہیں بیچ کر تبدیل کرلیں۔

جہاں اس نے استبدال کو شرط یا اِنتفاع سے خارج ہونے کی ضرورت میں منحصر کیا ہے اگر تو تفصیل کا طلبگار ہے تو میں کہتا ہوں کہ جب تک وقف سے انتفاع ممکن ہو بلاشرط اس کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔ (ت)

پھر بحالتِ شرط استبدال بھی اس تبدیل کا جواز چند شرط سے مشروط:

اولاً: یہ تبدیل کرنے والا خود واقف ہو یا وہ جس کی تبدیل اس نے شرط کی ہو مثلاً اپنے لئے تبدیل شرط کی تو متولی وغیرہ کسی کو اختیار نہیں اور دوسرے کے لئے شرط کی تو واقف کو اختیار رہے۔

ثانیاً: جتنی بار شرط کی اس سے زائد نہ ہو مثلاً کہا کہ مجھے تبدیل کا اختیار ہے تو ایک ہی بار بدل سکتا ہے اور اگر کہا جس قدر بار چاہوں تبدیل کروں تو ہمیشہ مختار رہے۔

ثالثاً: تبدیل عقار یعنی جائداد غیر منقولہ سے ہو نہ روپیہ اشرفی سے۔

رابعاً: عقار میں تخصیص کردی ہے تو اس کے خلاف کا اختیار نہیں مثلاً زمین سے بدلنا شرط کیا تو مکان سے تبدیل نہیں کرسکتا اور مکان کی شرط کی زمین سے تبدیل کا اختیار نہیں رکھتا یونہی فلاں شہر یا گاؤں کی زمین یا فلاں محلہ کے مکان یا فلاں بازار کی دکان کی تخصیص کی تو معتبر رہے گی۔

خامساً: تبدیل مکان بمکان میں وہ مکان اسی محلہ کا ہو یا اس سے بہتر کا، یونہی دکان میں بازار وہی ہو یا اس سے بہتر۔

سادساً: بیع میں غبنِ فاحش نہ ہو۔

سابعاً: ایسے کے ہاتھ بیع نہ کرے جس کے لئے اس کی شہادت بوجہِ تہمتِ رعایت مقبول نہ ہو جیسے باپ بیٹا۔ **اَقول:** خلاصہ یہ کہ مخالفتِ شرط ومظنۂ مخالفتِ نفعِ وقف سے بچے سب شرائط اِنہیں دو کلموں میں آ گئے۔

ہاں جو وقف ویران وخراب ہوجائے تو قاضیِ شرع حاکمِ اسلام عالم عادل متدین خداترس کو بلاشرطِ واقف بلکہ باوصفِ منعِ واقف بھی اسے بیچ کر دوسری جائداد اسی غرض کے لیے اس کے قائم مقام کردینے کی اجازت ہے بچند شروط، چار شرطیں تو یہی کہ اوپر گزریں یعنی اول وثانی ورابع کے سوا اور پانچویں شرط جو بھی بیان کی کہ قاضی قاضیِ بہشت ہو، نہ قاضیِ جہنم۔

سادساً: وقف کا کچھ غلہ کرایہ وغیرہ ایسا نہ ہو جس سے اس کی آبادی ہوسکے۔

سابعاً: ویرانی کامل ومطلق ہو کہ اَصلاً قابلِ انتفاع نہ رہے جس غرض کے لئے وقف کیا کچھ کام نہ دے یا آمدنی اس قدر ناقص ہو کہ اس کے خرچ کو بھی غیر وافی ہو۔

یہ حکم ہر عقار موقوف کا ہے جیسے زمین، مکان، دکان، اسی طرح اشجارِ موقوفہ اگر پھل دار ہوں تو جب تک ہرے ہیں ان کا کاٹنا بیچنا ناجائز اور گر پڑنے یا سوکھ جانے کے بعد روا ہے کہ لکڑی بیچ کر مصارفِ وقف میں صرف کردیں یہاں تک کہ اگر کوئی پھل کا درخت نصف خشک ہوگیا اور نصف قابلِ انتفاع ہے تو اسی نصف خشک کی بیع جائز، باقی کی ممنوع، متولی اگر سبز کو کاٹے بیچے گا خائن ہے تولیت سے خارج کیا جائے گا، ہاں وہ پیڑ کہ پھل نہیں رکھتے بلکہ وقف کا انتفاع ان سے یونہی ہے کہ انہیں بیچ کر دام کئے جائیں ان کے سبز وخشک ہر طرح کی بیع جائز ہے۔

زوائد: جیسے درختوں کے پھل، زمین کا غلہ وغیرہ جن سے غرض یہ ہوتی ہے کہ انہیں بیچ کر مصارفِ مسجد واغراضِ معیَّنۂ واقف میں صرف کریں ان کی بیع میں کوئی کلام نہیں مگر یہ بیع متولی کرے یا باذنِ قاضیِ شرع ہو (جیسا کہ ہم نے پہلے ہندیہ سے بحوالہ سراجیہ ذکر کیا ہے۔ت) ہاں جہاں جہاں ان مسائل میں اذنِ قاضی کی شرط مذکور ہوئی اگر قاضیِ شرع نہ ہو جیسے ان بلاد میں، تو بضرورت مسلمانانِ دین دار مؤتمن معتمد اس بار کو اپنے اوپر اٹھا سکتے ہیں اور اللہ حساب لینے والا ہے اور وہ مصلح ومفسد کو خوب جانتا ہے، اسی طرح وہ تمام اشیاء جو متولی بطورِ خود مسجد کے مال سے آمدنیِ مسجد بڑھانے کو خریدے ان کی بیع کا بشرطِ مصلحت وہ ہر وقت اختیار رکھتا ہے اگرچہ وہ دکان ومکانات ودیہات ہی ہوں کہ یہ خریداری اگرچہ بنظرِ مصلحت جائز ہوتی ہے مگر اس کے باعث وہ چیزیں وقفِ مسجد نہ ہوگئیں کہ ان کی بیع ناجائز ہو۔ص 261 تا 279

مسجد کا پیسہ مدرسہ میں خرچ کرے تو درست ہوگا یا نہیں؟

مسجد جب تک آباد ہے اس کا مال نہ کسی مدرسے میں صرف ہوسکتا ہے نہ دوسری مسجد میں، یہاں تک کہ اگر ایک مسجد میں سو چٹائیاں یا لوٹے حاجت سے زیادہ ہوں اور دوسری مسجد میں ایک بھی نہ ہو تو جائز نہیں کہ یہاں کی ایک چٹائی یا لوٹا دوسری مسجد میں دے دیں۔ص 280

بانی کی مِلک مسجد سے دو طرح زائل ہوتی ہے

درمختار میں ہے: بانی کی مِلک مسجد سے دو طرح زائل ہوتی ہے، ایک یہ کہ زبان سے کہہ دے میں نے اسے مسجد کیا، دوسرے یہ کہ یہ نہ کہے، اور اس میں نماز کی اجازت بلاتحدید دے اور اس میں نمازِ مثلِ مسجد ایک بار بھی ہوجائے تو اس سے بھی مسجد ہوجائے گی۔معلوم ہوا کہ لفظِ ''مسجد'' کہنا شرط نہیں۔

اقول: بلکہ اگر نماز کے لئے وقف کرے اور اس کے ساتھ صراحۃً مسجد ہونے کی نفی کردے مثلاً کہے میں نے یہ زمین نمازِ مسلمین کے لئے وقف کی مگر میں اسے مسجد نہیں کرتا یا مگر کوئی اسے مسجد نہ سمجھے جب بھی مسجد ہوجائے گی اور اس کا یہ انکار باطل کہ معنی مسجد یعنی نماز کے لئے زمین موقوف پورے ہوگئے اور مذہبِ صحیح پر اتنا کہتے ہی مسجد ہوگئی اب انکارِ مسجدیت لغو ہے کہ معنی ثابت اَز لفظ سے انکار یا وقفِ مذکور سے رجوع ہے اور وقف بعد تمامی قابلِ رجوع نہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بی بی کی نسبت کہے

میں نے اسے چھوڑا چھوڑا چھوڑا اگر میں طلاق نہیں دیتا کوئی اسے مطلقہ نہ سمجھے۔ طلاق تو دے چکا اب انکار سے کیا ہوتا ہے۔ ہاں اگر یوں کہتے کہ ہم یہ زمین وقف نہیں کرتے صرف اس طور پر نماز کی اجازت دیتے ہیں کہ زمین ہماری مِلک رہے اور لوگ نماز پڑھیں، تو البتہ نہ وقف ہوتی نہ مسجد۔

یہاں یہ بھی معلوم ہے کہ زمینِ مذکور جسے بالاتفاق اہلِ شہر نے محلِ نماز کیا یا تو عام زمین ملکِ بیت المال ہو جس میں اتفاقِ مسلمان بجائے حکمِ امام ہے یا ان کی مِلک ہو یا اصل مالک بھی شامل ہو یا اس کی اجازت سے ایسا ہوا ہو یا بعدِ وقوع اس نے اسے جائز و نافذ کر دیا ہو، ورنہ اگر اہلِ شہر کسی شخص کی مملوک زمین بے اس کی اجازت کے نماز کے لئے وقف کر دیں اور وہ جائز نہ کرے، ہرگز نہ وقف ہوگی نہ مسجد، اگرچہ سب اہلِ شہر نے بالاتفاق یہ بھی کہہ دیا کہ ہم نے اسے مسجد کیا۔ص282

مسجد میں حدث کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مسجد میں حدث یعنی اِخراجِ رِیح غیرِ معتکف کو مکروہ ہے، اسے چاہئے کہ ایسے وقت باہر ہو جائے پھر چلا آئے، طالبِ علم کو مسجد میں کتب بینی کی اجازت ہے جبکہ نمازیوں کا حرج نہ ہو، اور اخراجِ ریح کی حاجت نادر ہو تو اُٹھ کر باہر چلا جائے، ورنہ سب سے بہتر یہ علاج ہے کہ بہ نیتِ اعتکاف مسجد میں بیٹھے اور کتاب دیکھے جبکہ کتاب علمِ دین کی ہو یا ان علوم کی جو علمِ دین کے آلہ ہیں، اور یہ اسی نیت سے اسے پڑھتا ہو، جو شخص غیرِ معتکف کو اخراجِ ریح مسجد میں خلافِ ادب نہیں جانتا غلطی پر ہے اسے سمجھا دیا جائے، یہ طریقۂ اعتکاف کہ اوپر بیان ہوا اس کے لئے ہے جس کی ریح میں وہ بو نہ ہو جس سے ہوائے مسجد پر اَثر پڑے، بعض لوگوں کی ریح میں خلقی بوئے شدید ہوتی ہے بعض کو بوجہ سوئے ہضم وغیرہا عارضی طور پر یہ بات ہو جاتی ہے ایسوں کو ایسے وقت میں مسجد میں بیٹھنا ہی جائز نہیں کہ بوئے بد سے مسجد کا بچانا واجب ہے۔ص288

قبروں کی چھت پر مسجد بنانا

زید نے قبرستان قدیم اہلِ اسلام کو پاٹ کر ان قبروں کی چھت پر مسجد بنانا اور اس کو ایک مسجدِ قدیم کے صحن میں داخل کرنے کا قصد کیا ہے، آیا شرعاً زید کو یہ منصب ہے اور یہ قبروں کی چھت مسجد ہو جائے گی اور اس پر نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

مسلمانوں کا قبرستان قدیم کہ وہ ضرور دفنِ موتی کے لئے موقوف ہوتا ہے، اس میں دو صورتیں ہیں اگر وہ قبرستان قابلِ کار ہو کہ اس میں دفنِ اَموات کو جگہ بھی ہے اور کسی اور وجہ کے باعث اس سے استغناء بھی نہ ہو گیا نہ داخلِ حدودِ شہر ہونے کے سبب اس میں دفن کی ممانعت انگریزی طور پر ہو گئی جب تو اسے پاٹ کر دفن سے روک دینا سرے سے ناجائز و حرام ہے کہ یہ اِبطالِ غرضِ وقف ہے اور وہ اَصلاً روا نہیں اور اگر وہ قابلِ کار نہ رہا یا اس سے استغناء ہو گیا یا وہاں دفن کی ممانعت ہو گئی جس کے سبب اب وہ اس کام میں صرف نہیں ہو سکتا یا مسجدِ قدیم لبِ مقبرہ واقع ہے یہ بیرونِ حدودِ مقبرہ ستون قائم کر کے اوپر کافی بلندی پر پاٹ کر چھت کو صحنِ مسجدِ سابق سے ملا کر مسجد کر دینا چاہتا ہے اس طرح کہ زمینِ مقبرہ نہ رُکے نہ اس میں دفنِ موتی کرنے اور اس کی غرض سے لوگوں کے آنے جانے کی راہ رُکے نہ اس چھت کے ستون قبورِ مسلمین پر واقع ہوں بلکہ حدودِ مقبرہ سے باہر ہوں تو اس میں حرج

نہیں جبکہ وہ زمین جس میں ستون قائم کئے گئے متعلقِ مسجد ہو اور کارروائی اہلِ محلہ کی یا ان کے اذن سے ہو یا وہ زمین اس بانیٔ سقف یا کسی دوسرے مسلمان کی مِلک ہو اور مالک اسے ہر کام کے لئے وقف کردے یا وہ زمین افتادہ بیت المال کی ہو اور اس میں اس کارروائی سے مسلمانوں کے راستے وغیرہ کو ضرر نہ ہو کہ ان حالتوں میں اس نے کوئی بیجا تصرف نہ کیا نہ وقف کو روکا نہ اس کی زمین کو کسی دوسرے کام میں صرف کیا صرف بالائی ہوا میں کہ نہ موقوف تھی نہ مملوک ایک تصرف غیرِ مضر نفعِ مسلمین کے لئے کیا۔

نیز ہندیہ میں حقِ عام کی شے پاٹ کر مسجد اس طرح بنانے کا جس سے ان حقوق کو ضرر نہ پہنچے جزئیہ یہ ہے: ہشام نے نوادر میں کہا کہ میں نے امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے دریافت فرمایا کہ ایک کثیر آبادی والے قصبہ میں ایک نہر ہے جو کہ جنگل یا پہاڑ کے نالے کی صورت میں ہے اور وہ خاص انہی لوگوں کی ہے اب کچھ لوگوں کا ارادہ ہوا کہ وہ نہر کے کچھ حصہ پر تعمیر کرکے مسجد بنادیں، اس سے نہ تو نہر کو کوئی نقصان ہے اور نہ ہی نہر والوں میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہے تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو ایسی مسجد بنانے کا اختیار ہے چاہے وہ مسجد اہلِ محلہ کے لئے بنائیں یا عام لوگوں کے لئے، جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ وہ سقف بھی مسجد ہوجائے گی اور اس میں نمازی کو ثوابِ مسجد ملے گا اور اس کے نیچے قبریں ہونا اس بنا پر کہ ہمارے علماء نے قبروں کے سطح بالائی کو حقِ میت لکھا ہے، اور مسجد کا جمیع جہات میں حقوق العباد سے منقطع ہونا لازم ہے ہرگز مانعِ مسجدیت نہ ہوگا کہ اس حق سے مراد کسی کی مِلک یا وہ حقِ مالکانہ ہے جس کے سبب وہ اس مسجد میں تصرف سے مانع آسکے کہ جب ایسا ہوگا تو وہ خالص لوجہِ اللہ نہ ہوئی، اور مسجد کا خالص لوجہِ اللہ ہونا ضرور ہے بلکہ حقِ میت کہ قبر و سقفِ قبر میں ہے اگر ان حقوقِ عباد سے ہو جن کا تعلق خلوص لوجہِ اللہ تعالٰی سے مانع ہو تو سرے سے مقبرہ موقوفہ ہی محال ہوجائے کہ مسجد کی طرح مقبرہ میں بھی محض خلوص وانقطاعِ جملہ حقوقِ عباد شرط ہے ولہذا اباِلا جماع مسجد کی طرح اس میں بھی افراز شرط ہوا، بلکہ میت تو کوئی حقِ مالکانہ نہیں رکھتا (کیونکہ موت ملکیت کے منافی ہے۔ت) نہرِ عام کی طرح نہرِ خاص اہلِ محلہ کا جزئیہ گزرا کہ اس کے اوپر پاٹ کر مسجد بنادینا جائز ہے جبکہ ان کی نہر کو ضرر نہ پہنچے نہ وہ مانع آئیں تو اوپر مسجد ہے اور نیچے نہر بہتی ہے جس میں خاص قوم کا حقِ مالکانہ ہے مگر ازانجا کہ ان کے حق میں کوئی تصرف نہ کیا، نہ انہیں بالائے نہر اس پٹی ہوئی عمارت میں نماز سے ممانعت پہنچتی ہے کہ ان کا حق نہر میں ہے نہ کہ ہوا میں، وہ مسجد صحیح وجائز ہوگئی بلکہ حقِ مالکانہ درکنار خاص زمینِ مسجد جس پر عمارت بنا کر مسجد کی گئی اگر مِلکِ غیر ہو مگر اسے حقِ مزاحمت اَصلاً نہ رہا ہو تو مذہبِ مفتیٰ بہ پر وہ خالی عمارت بھی مسجد ہوجائے گی۔ص300

* **وہ زمین متعلقِ مسجد تھی اور جمیع اہلِ محلہ کے رائے سے جزوِ مسجد کرلی گئی تو اب وہ مسجد ہوگئی اور اس میں نماز کا وہی ثواب ہے جو مسجد میں۔ص317**

مسجد میں کسی چیز کا مول لینا بیچنا خرید وفروخت کی گفتگو کرنا ناجائز ہے

مسجد میں کسی چیز کا مول لینا بیچنا خرید وفروخت کی گفتگو کرنا ناجائز ہے مگر معتکف کو اپنی ضرورت کی چیز مول لینی وہ بھی جبکہ مبیع مسجد سے باہر ہی رہے مگر ایسی خفیف ونظیف وقلیل شے جس کے سبب نہ مسجد میں جگہ رُکے نہ اس کے ادب کے خلاف ہو اور

اسی وقت اسے اپنے افطار یا سحری کے لئے درکار ہو، اس چیز کا استثناء میں نے بطور تفقہ کیا ہے کیونکہ معتکف کو اس قسم کی اشیاء مسجد میں لانے کی قطعاً اجازت ہے اور اسے کھانے پینے کے لئے خروج کا حکم نہیں کیا جائے گا۔ (ت) اور تجارت کے لئے بیع وشرا کی معتکف کو بھی اجازت نہیں۔ ص 313

پرایا کبوتر پکڑنا حرام ہے اور اس کا فاعل فاسق وغاصب وظالم ہے

کبوتر بازی، بیٹر بازی وغیرہا حرکات نامشروعہ مسجد میں کرنا اور کسی غیر کا کبوتر مینار یا دیوار مسجد پر بیٹھ جائے اس کے پکڑنے کے لئے اپنے کبوتر چھوڑ کر اور دانہ پانی صحن مسجد میں ڈال کر پکڑنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: پرایا کبوتر پکڑنا حرام ہے اور اس کا فاعل فاسق وغاصب وظالم ہے بلکہ خالی کبوتر اڑانے والا کہ اوروں کے کبوتر نہیں پکڑتا مگر اپنے کبوتر اُڑانے کو ایسی بلند چھتوں پر چڑھتا ہے جس سے مسلمانوں کی بے پردگی ہوتی ہے یا ان کے اڑانے کو کنکریاں پھینکتا ہے جن سے لوگوں کو مالی یا جسمانی ضرر پہنچتا ہے اس کے لئے بھی شرع مطہر میں حکم ہے کہ اسے نہایت سختی سے منع کیا جائے تعزیر دی جائے، اس پر بھی نہ مانے تو احتسابِ شرعی کا عہدہ دار اس کے کبوتر ذبح کرکے اس کے سامنے پھینک دے۔

اقول: بلکہ ان کا خالی اُڑانا کہ نہ کسی کی بے پردگی ہو نہ کنکریوں سے نقصان، خود کب ظلمِ شدید سے خالی ہے جبکہ رواج زمانہ کے طور پر ہو کہ کبوتروں کو اُڑاتے ہیں اور ان کا دم بڑھانے کے لئے (جس میں اصلاً دینی یا دنیوی نفع نہیں فی صدی کا خیال کہ اگلے زمانہ میں تھا اب خواب وخیال واَفسانہ ہوگیا ہے نہ ہرگز یہ ان جہال کا مقصود، نہ کبھی ان سے یہ کام کوئی لیتا ہے) محض بے فائدہ اپنے بیہودہ بے معنی شوق کے واسطے انہیں اُترنے نہیں دیتے وہ تھک تھک کے نیچے گرتے یہ مار مار کر پھر اُڑا دیتے ہیں صبح کا دانہ دیر تک کی محنتِ شاقہ پرواز سے ہضم ہوگیا بھوک سے بیتاب ہیں اور یہ غل مچا کر بانس دِکھا کر آنے نہیں دیتے خالی معدے شہپر تھکے اور کسی طرح نیچے اُترنے، دم لینے دانہ پانی سے اوسان ٹھکانے کرنے کا حکم نہیں۔ یہاں تک کہ گھنٹوں اور گھنٹوں سے پہروں انہیں اسی عذابِ شدید میں رکھتے ہیں، یہ خود کیا کم ظلم ہے اور ظلم بھی بے زبان بے گناہ جانور پر کہ آدمیوں کی ضرر رسانی سے کہیں سخت تر ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا، اور گویا کہ یہ ان شاء اللہ تعالیٰ علامہ ابن وھبان کے اطلاق میں ملحوظ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جاتی ہے (ت) بے درد کو پرائی مصیبت نہیں معلوم ہوتی اپنے اوپر قیاس کرکے دیکھیں اگر کسی ظالم کے پالے پڑیں کہ وہ میدان میں ایک دائرہ کھینچ کر گھنٹوں ان سے کاوا کاٹنے کو کہے یہ جب تھکیں پست ہوکر رُکیں، کوڑے سے خبر لے، ان کا دم چڑھ جائے، جان تھک جائے، بھوک پیاس بے حد ستائے، مگر وہ کوڑا لئے تیار ہے کہ رُکنے نہیں دیتا، اس وقت ان کو خبر ہو کہ ہم بے زبان جانور پر کیسا ظلم کرتے تھے، دنیا گزشتنی ہے، یہاں احکامِ شرع جاری نہ ہونے سے خوش نہ ہوں ایک دن انصاف کا آنے والا ہے جس میں شاخ دار بکری سے منڈی بکری کا حساب لیا جائے گا حالانکہ جانور غیر مکلف ہے تو تم مکلفین کہ تمہارے ہی لئے ثواب وعذاب جنت وجہنم تیار ہوئے ہیں کس گھمنڈ میں ہو وہاں اگر نارِ سقر میں کاوا کاٹنا پڑا کہ وہاں ﴿جَزَآءً وِّفَاقًا﴾ (پوری پوری جزا۔ ت) ہے تو اس وقت کے لئے طاقت مہیا کر رکھو۔

اور جب کبوتر بازی بیرونِ مسجد اپنے گھر میں بھی حرام ہے تو مسجد میں کس درجہ اَشد سخت تر حرام ہوگی، بادشاہِ جبار قہار کی

ایک نافرمانی اپنے گھر میں بیٹھ کر کیجئے اور ایک نافرمانی خاص اس کے دربار میں کہ یہ نافرمانی کے علاوہ دربار کی توہین اور بادشاہ کو معاذ اللہ بے قدر سمجھنے پر دال ہے، اگر واقعی دل میں یہی ہو کہ مسجد کیا محلِ ادب ہے جس میں گناہ سے رُکئے جب تو خالص کفر ہے ورنہ جرم پہلے سے اَضعافاً مُّضاعفہ ہوجانے میں شک نہیں۔ص309

مسجد میں باغیچہ ہے جس میں اَکثر پھلدار درخت ہیں اور مرچیں وغیرہ بھی ہوتی ہیں ان اشیاء کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

خاص مسجد میں باغیچہ ہونے کے تو کوئی معنی ہی نہیں۔ اگر یوں ہے کہ جس زمین کا ایک قطعہ مسجد کیا ہے اس کے دوسرے قطعہ میں باغیچہ ہے تو اس صورت میں اگر باغیچہ مسجد پر وقف نہ کیا گیا تو وہ مِلکِ اصل مالک پر باقی ہے اسے اختیار ہے کہ اس کے پھل جو چاہے کرے، اور اگر وہ بھی مسجد پر وقف کر دیا ہے تو اب اپنے صرف میں لانا اسے جائز نہیں بلکہ پھل بیچ کر مسجد کے صرف میں لائے۔ اور اگر واقف نے یہی کیا ہے کہ جس زمین میں باغیچہ ہے خود اسی کو مسجد کر دیا ہے یعنی باغیچہ کو وقف علَی المسجد نہ کیا بلکہ خود اس کی زمین کو مسجد کر دیا تو اس کے پھل توڑ کر اپنے صرف میں لائے اور درخت کاٹ کر زمین ہموار کر کے مسجد بنائے۔ص319

مسجد میں درخت بونا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بولیا گیا تو وہ کس کی مِلک شمار ہوگا؟

مسجد میں درخت بونا ناجائز ہے اگرچہ مسجد وسیع ہو اگرچہ درخت پھلدار ہو (سوا اس ضرورت کے کہ زمینِ مسجد سخت نمناک ہو جس کے باعث اس کی عمارت کو ضرر پہنچے ستون نہ ٹھہریں یا دیواریں پھولیں، اس لئے بوئے جائیں کہ ان کی جڑیں پھیل کر رطوبت کو جذب کرلیں) ہاں اگر درخت مسجد کے مسجد ہونے سے پہلے رکھا گیا تو عدمِ جوازِ مذکور کے تحت میں داخل نہیں کہ اس تقدیر پر یہ درخت مسجد میں نہ بویا گیا بلکہ مسجد زمینِ درخت میں بنائی گئی اس صورت میں اگر درخت بونے والا وہی مالکِ زمین و بانیٔ مسجد ہے تو درخت مسجد پر وقف ہوگا، نہ کسی شخص کی مِلک، اور اگر درخت دوسرے کا ہے تو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر مسجد پر اس کا وقف تسلیم کرلے گا تو وقف ہوجائے گا ورنہ تفریغ مسجد کا حکم کیا جائے گا۔ رہا یہ کہ مسجد میں درخت بویا علماء نے فرمایا کہ درخت مسجد کے لئے ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ بنا یا غرس زمینِ وقف میں اگر متولی کرے تو مطلقاً وقف کے لئے ہے مگر یہ کہ اپنے ذاتی مال سے کرے اور بنا و غرس سے پہلے گواہ کرلے کہ اپنے نفس کے لئے کرتا ہوں یا یہ کہ متولی خود واقف ہو اور وقف کے لئے اس کی نیت نہ کرے اور مسجد میں بونا دلالۃً مسجد کے لئے بونا ہے کہ کوئی مسجد میں اپنے لئے نہیں بوتا۔ص336

مسجد کی زمین میں اپنے لئے درخت لگانا حرام ہے کہ وقف میں تصرفِ مالکانہ ہے، **والوقف لایملك**، پھر اگر یہ (درخت) اس نے مسجد کے مال سے لگایا تو مسجد کا ہے اور اپنے مال سے لگایا اور یہ متولی ہے تو مسجد کا ہے مگر یہ کہ لگاتے وقت لوگوں کو گواہ کرلیا ہو کہ یہ میں اپنے لئے لگاتا ہوں، اور اگر غیرِ متولی ہے تو خود اس کا ہے مگر یہ کہ اقرار کرے کہ میں نے مسجد کے لئے لگایا، اب جس صورت میں پیڑ لگانے والے کا ٹھہرے اگر اس کے اُکھیڑنے میں زمینِ وقف کا نقصان نہیں جبراً اُکھڑوا دیا جائے گا۔ اور اگر اس میں زمینِ وقف کا ضرر ہو تو درخت مسجد کی مِلک کرلیا جائے گا اور اندازہ کریں گے کہ اس وقت اس درخت کی قیمت زیادہ ہے اُکھیڑ کر بیچنے میں کم ہوجائے گی یا جُدا کر کے بیچنے میں دام زیادہ اُٹھیں گے اس وقت قیمت کم آئے گی دونوں حالتوں میں جس صورت پر کم قیمت اُٹھے وہ کم قیمت مسجد کے مال سے لگانے والے کو دی جائے گی۔ص453

اجیرِ خاص رخصت میں وظیفہ لینے کا مستحق ہے یا نہیں

جو شخص مسجد میں عرصہ پانچ سال سے واسطے حفاظتِ مسجد اور کل انتظامِ مسجد کے مقرر ہے اور مسجد کے وقف مال سے وظیفہ پاتا ہے اگر یہ شخص ایک سال یا کم وبیش کی رخصت لے کر اپنے مکان کو چلا جائے تو اس مدت میں وظیفہ لینے کا مستحق ہے یا نہیں، اگر بعلتِ بیماری جاوے تو بھی مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب: اصل کلی شرعی یہ ہے کہ اجیرِ خاص پر حاضر رہنا اور اپنے نفس کو کارِ مقرر کے لئے سپرد کرنا لازم ہے جس دن غیر حاضر ہوگا اگرچہ مرض سے اگرچہ اور کسی ضرورت سے اس دن کے اُجر کا مستحق نہیں مگر معمولی قلیل تعطیل جس قدر اس صیغہ میں معروف ومروّج ہو عادۃً معاف رکھی گئی ہے اور یہ امر باختلافِ حاجت مختلف ہوتا ہے درس تدریس کی حاجت روزانہ نہیں بلکہ طلبہ بلاتعطیل ہمیشہ پڑھے جائیں تو قلب اس محنت کا متحمل نہ ہو لہذا ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعہ اور کہیں دو دن منگل جمعہ تعطیل ٹھہری، اور رمضان المبارک میں مطالعہ کرنا سبق پڑھنا یاد کرنا دشوار ہے، **وقد قال سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ان القلب اِذَا اُکْرِہَ عَمِیَ**۔ اور ہمارے آقا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے کہ جَبر کی صورت میں دل بینا نہیں رہتا۔ (ت) لہذا اس صیغہ میں رمضان مبارک کی چھٹی بھی معمول ہوئی بخلاف خدمتگاری کہ اس کی حاجت روزانہ ہے اگر خدمتگار رمضان مبارک کا عذر کرکے گھر بیٹھ رہے ہرگز ایک حبّہ تنخواہ کا مستحق نہیں اِنتظام وحفاظتِ مسجد بھی اسی قبیل سے ہے جس کی حاجت روزانہ ہے تو اس میں اتنی رخصت بھی نہیں ہوسکتی جتنی صیغۂ تعلیم وتعلم میں ہے ولہذا ہمارے ائمہ نے تصریح فرمائی کہ متولّی کو اگر فالج وغیرہ عارض ہو تو جتنے دن اس کے باعث اہتمامِ مسجد سے معذور رہے گا اجرت نہ پائے گا بلکہ صیغۂ تعلیم میں بھی تصریح فرمائی کہ مدرّس معمول کے علاوہ غیر حاضری پر تنخواہ کا مستحق نہیں اگرچہ وہ غیر حاضری حجِ فرض ادا کرنے کے لئے ہو یونہی تصریح فرمائی کہ طالبِ علم جو وظیفہ پاتا ہو اگرچہ بضرورتِ حجِ فرض یا صلہ رحم اسے سفر کی اجازت ہے یا شہر کے آس پاس دیہات میں کہ مدتِ سفر سے کم ہوں بضرورتِ طلبِ معاش دو ہفتہ یا زیادہ انتہا تین مہینے تک غیر حاضری کی رخصت ہے مگر اس رخصت کے یہ معنٰی کہ ان ضرورتوں کے سبب اتنی غیر حاضری کے باعث اس کا نام نہ کاٹا جائے گا معزول نہ کیا جائے گا نہ کہ ایامِ سفر یا دو ہفتہ خواہ زیادہ کی غیر حاضری بلاسفر پر وظیفہ بھی پائے وظیفہ ان سب صورتوں میں اصلاً نہ مل سکے گا اور اگر تین مہینے سے زیادہ غیر حاضر رہا اگرچہ حوالیِ شہر میں اگرچہ بضرورت وناچاری معزول بھی کردیا جائے گا جب صیغۂ تعلیم میں یہ احکام ہیں تو صیغۂ خدمت وحفاظت واہتمام وانتظامِ مسجد میں کسی غیر حاضری کی تنخواہ کیونکر پاسکتا ہے، ہاں غایت درجہ حرجِ مرض کو سال میں ایک ہفتہ کی اجازت ہوسکتی ہے یا زیادہ چاہے تو اپنا عوض یعنی نائب دے جائے بغیر اس کے نہ غیر حاضری کی اجازت نہ مہتممانِ وقف کو رَوا کہ اسے ایسی طویل رخصت دیں اگر دی تو تنخواہ حلال نہیں نہ اسے لینا جائز، نہ ان کو دینے کا اختیار اگر دیں گے تو یہ خود مالِ وقف میں خائن ہوں گے اور اس کے ساتھ یہ بھی معزول کئے جائیں گے۔ ص208

وقف کی آمدنی سے جو ماہوار مقرّر ہوا اس میں کتنا اضافہ ہوسکتا ہے

جو ماہوار مقرر ہوا اگر اس کے صِدقِ سعی وحسنِ خدمت کے لحاظ سے بقدر اجرِ مثل کے نہیں تو ضرور اجرِ مثل کی تکمیل کردی

جائے گی، اور اگر واقعی اجرِ مثل بھی اس کے واجبی صرف کو کفایت نہ کرے تو وقف کی فاضلات سے تا حدِ کفایت ماہوار میں اضافہ بھی ممکن، مگر نہ یوں کہ بطورِ خود کہ خود ہی مدّعی اور خود ہی حاکم ہونا ٹھیک نہیں، بلکہ وہاں کے اَفقَہ اہلِ بلد عالم سنی دیندار کی طرف رجوع کرے یا متعدد معزّز متدیّن ذی رائے مسلمانانِ شہر کے سپرد کردے وہ بعدِ تحقیقاتِ کامل اجرِ مثل تک حکم دیں یا بشرطِ صدقِ حاجت وعدمِ کفایت تا قدرِ کفایت اضافہ کریں، اس تقدیر پر ان کو یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب واقف خود ہی متولّی ہوا اور خود ہی وقتِ وقف یہ ماہوار تجویز کیا تو اب کون سی بات حادث ہوئی کہ وہ ماہوار نا کافی ہوگیا۔ ص216

اول: امام دوسرے کو اپنا نائب مقرر کرسکتا ہے؟

دوم: اگر کرسکتا ہے تو وظائفِ امامت کا مستحق وہ اصل ہوگا اور نائب صرف اسی قدر لے سکے گا جو اصل نے اس کے لئے بتایا از انجا کہ فعل وخدماتِ امامت یہ نائب بجالاتا ہے، یہی جملہ معلومات کا مستحق ہوگا اور اصل معزول سمجھا جائے گا؟

سوم: اگر اصل معزول نہیں بلکہ وہی اصل امام اور یہ اس کا مقرر کیا ہوا نائب ہے تو آیا اصل امام کو اس نائب کے معزول کردینے اور اس کی جگہ دوسرا نائب مقرر کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟

الجواب: بحمد اللہ یہ تینوں مسائل واضح ومصرّح ہیں۔

مسئلہ اُولیٰ: ہاں امام دوسرے کو اپنا نائب مقرر کرسکتا ہے۔

مسئلہ ثانیہ: وظائفِ امامت کا مستحق اصل ہوگا اور نائب صرف اس قدر لے سکے گا جو اصل نے اس کے لئے معین کیا۔

مسئلہ ثالثہ: صورتِ مذکورہ میں وہ نائب جبکہ اس کے لئے اصل کچھ مقرر کرے اصل کا اجیر ہوتا ہے پھر اگر وہ اجرتِ معینہ ہے تو اجارہ صحیحہ ورنہ فاسدہ، اور اگر کچھ مقرر نہ کرے نہ نصاً نہ عرفاً، تو اجیر بھی نہیں محض بیگاری ہوتا ہے، صورتِ اخیرہ میں تو ظاہر ہے کہ نائب کوئی استحقاق اَصلاً نہیں رکھتا اس کا کام اصل کی طرف سے ایک مفت اِستخدام تھا اصل جس وقت چاہے اسے منع کرسکتا ہے نہ اس صورت میں وہ کسی معاوضہ کا مستحق ہوتا ہے، اور صورتِ سابقہ میں وہ نائب اجیر ہے، پس صورتِ ثانیہ میں کہ اجارہ فاسد ہے آپ ہی ہر وقت اختیارِ فسخ ہونا درکنار خود وجوبِ فسخ ہے کہ اجارہ فاسدہ معصیت ہے اور معصیت کا اِزالہ فرض، یہاں تک کہ اصل و نائب باہم فسخ نہ کریں تو حاکم پر فرض ہے کہ جبراً اسے فسخ کردے اور صورتِ اُولیٰ میں جبکہ عام رواج یہی ہے کہ کوئی مدتِ اجارہ معین نہیں کی جاتی کہ سال بھر کے لئے تجھے امام کیا یا چھ مہینے کے لئے بلکہ صرف امامت اور اس کے مقابل ماہوار اتنا پانے کا بیان ہوتا ہے تو اجارہ صرف پہلے مہینے کے لئے صحیح ہوا اور ہر سَرِ ماہ اَجیر ومستاجر ہر ایک کو دوسرے کے سامنے اس کے فسخ کردینے کا اختیار ہوتا ہے۔ بہر حال اصل کو ہر سرِ ماہ پر اس نائب کے معزول کردینے اور دوسرے کو اس کی جگہ نائب کرنے کا اختیار ہے۔

یہاں ایک امر ضروری اللحاظ یہ ہے کہ بعض جگہ معلومات و وظائفِ امامت ایسے مقرر ہوتے ہیں جو شرعاً جائز یا صحیح نہیں ان کا استحقاق نہ اصل کو ہوگا نہ نائب کو بلکہ صرف اجرتِ مثل کا، مگر نائب ان میں بھی اصل سے اپنے لئے منازعت نہیں کرسکتا کہ وہ اسے بھی حلال نہیں صرف اپنی اجرتِ مثل لے سکتا ہے۔ **فلیتنبہ** (پس آگاہ رہنا چاہئے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص345

امام کی چھوٹیوں کی اُجرت کا حکم

اس مسجدِ جامع کے لئے امام ہے مگر اوقات کی پابندی سے آکر نماز نہیں پڑھاتے کبھی وقت بے وقت آجاتے ہیں، اور اکثر اور لوگ نماز پڑھا دیتے ہیں، اس لئے امام سے مسجد کی آبادی بھی نہیں ہوتی بلکہ ان کے نہ ہونے سے مسجد کی زیادہ آبادی کی امید ہے، چونکہ دانت نہ ہونے کی وجہ سے مخارج صاف اور تلفظ سامع کی سمجھ میں نہیں آتے۔ امام صاحب غریب خود عاجز محض ہیں اور دیندار متقی بھی نہیں۔ علاوہ اس کے مسجد بھی غریب ہے اور ضروری تعمیر کی محتاج ہے اس لئے مسجد کے مال سے امام صاحب کو تنخواہ دینے پر بھی لوگ راضی نہیں مگر مجبوراً، اور رعایت امام صاحب کے بزرگوں کی قدر کی وجہ سے چون وچرا سے عاجز ہیں، اس صورت میں امام صاحب کو غریب مسجد سے تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جبکہ امام التزام امامت نہیں کرتا کبھی وقت بے وقت آجاتا ہے اور حرف بھی صاف مسموع نہیں ہوتے، اور سائل کا بیان ہے کہ وہ دیندار متقی بھی نہیں، تو نہ خدمت پوری کرتا ہے نہ خدمت کے مناسب ہے، ضرور مستحقِ معزولی ہے، بلکہ دوامرِ اخیر اگر نہ بھی ہوتے تو صرف پہلی بات اسے تنخواہ مقرر رلینا اور مالِ مسجد سے دینا دونوں کے حرام کرنے کو کافی ہے، درمختار کتابُ الوقف فروع فصل نہر الفائق سے: **فیجب علیہ خدمۃ وظیفۃ او ترکھا لمن یعمل والا اثم**۔ اپنے وظیفہ کی خدمت کرنا اس پر واجب ہے یا اس شخص کے لئے چھوڑ دے جو یہ خدمت کرے ورنہ گنہگار رہوگا۔ (ت)

جتنی مدتوں وہ کبھی کبھی آیا اور تنخواہ پوری دی گئی حساب کرکے اوقاتِ حاضری کی تنخواہ مجرا کرنا لازم ہے، اس پر فرض ہے کہ واپس دے، اور متولی پر فرض ہے کہ واپس لے۔ فتاوٰی خیریہ: ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے ہاتھ میں کسی مسجد کی امامت کا وظیفہ تھا بحساب ایک عثمانی (روپیہ) یومیہ، اور اس نے متولی سے تمام تنخواہ اکٹھی وصول کرلی جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ وہ بعض اوقات امامت کراتا رہا اور بعض اوقات غیر حاضر رہتا تو کیا وہ صرف انہی دنوں کی تنخواہ کا مستحق ہے جن میں اس نے امامت کرائی اور باقی دنوں کی تنخواہ متولی اس سے واپس لے گا اور اس طرح وہ جہتِ وقف کا پورا حق ادا کرنے والا ہوگا؟ تو جواب دیا کہ کلام بحر سے جو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خصاف کے کلام کا تقاضا یہی ہے کہ جن دنوں کی امامت اس نے کرائی صرف انہی دنوں کی اجرت کا مستحق ہے۔ ابن وہبان نے اسی کی تصریح فرمائی، حج یا صلہ رحمی کے لئے سفر میں جہاں انہوں نے فرمایا کہ وہ معزول نہ ہوگا اور نہ مدتِ سفر کی تنخواہ کا مستحق ہوگا باوجودیکہ یہ دونوں چیزیں فرض ہیں (ت) بلکہ انصافاً وہ متولی یا مہتمم کہ اس حالت پر اسے پوری تنخواہ دیتا رہا وہ بھی مستحقِ عزل ہے کہ بلا استحقاق دینے سے مالِ مسجد پر متعدّی ہے۔ ص 457

مسجد توڑ کر شارعِ عام میں شامل کرنا حرامِ قطعی ہے

ایک زمینِ مسجد وضو وغیرہ ضروریات مسجد کے لئے ہے کیا متولی یا دیگر مسلمین کو یہ جائز ہے کہ اسے مسجد سے توڑ کر شارعِ عام میں شامل کردیں یا بالعوض خواہ بلاعوض سڑک بنانے کے لئے دے دیں؟

الجواب: بیشک ایسا کرنا حرام قطعی اور ضرور حقوقِ مسجد پر تعدّی اور وقفِ مسجد میں ناحق دست اندازی ہے شرع مطہر میں بلاشرطِ واقف کہ اسی وقف کی مصلحت کے لئے ہو وقف کی ہیئت بدلنا بھی ناجائز ہے اگرچہ اصل مقصود باقی رہے تو بالکل مقصدِ وقف باطل

کر کے ایک دوسرے کام کے لئے دینا کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔ خصوصاً ایسی تبدیلی جس سے خاص مسلمانوں کا حق عام آدمیوں مسلم غیر مسلم سب کے لئے ہوجائے جب وہ سڑک ہوئی تو اس میں مسلم کافر سب کا حق ہوجائے گا اور پہلے وہ صرف حقِ مسلماناں تھی تو کیونکر جائز ہو کہ مسلمانوں کا حق چھین کر عام کر دیا جائے۔

فنائے مسجد کو عام سڑک کے لئے دے دینا کس درجہ سخت حرام اور مسجد کی بے حرمتی اور اس کی عظمت کا منہدم کرنا ہوگا۔ وہ جو بعض کتب میں ہے کہ ضرورت و مجبوری کے وقت مسجد کو راستہ بنانا جائز ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ بضرورت مسجد میں ہوکر دوسری طرف کو نکل جانا جائز ہے کہ مسجد میں دوسری طرف جانے کے لئے چلنا حرام ہے مگر بضرورت کہ راستہ گھرا ہوا ہے اور مسجد ہی میں سے ہوکر جاسکتا ہے جیسے موسمِ حج میں مسجد الحرام شریف میں واقع ہوتا ہے اس کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی جنب یا حائض یا نفساء کو نہیں نیز گھوڑے یا بیل گاڑی کو نہیں، ہوکر نکل جانے کے لئے بھی اِن کا جانا لے جانا ہرگز جائز نہیں، نہ یہ کہ معاذ اللہ اسے مسجدیت سے خارج کر کے گزرگاہِ عام کر دیا جائے کہ مسلم، کافر جانور، پاک، ناپاک سب کے لئے شارعِ عام ہوجائے یہ ہرگز حلال نہیں ہوسکتا۔ ص 351

مسجد شہید کر کہ دوسری جگہ مسجد بنانا مطلقاً حرام ہے

مسجد کو اس لئے شہید کرنا کہ وہ جگہ ترک کر دیں گے اور دوسری جگہ مسجد بنائیں گے مطلقاً حرام ہے اور اگر اس لئے شہید کی کہ یہیں اَز سرِ نو اس کی تعمیر کرائے تو اگر یہ امر بے حاجت و بلا وجہِ صحیح شرعی ہے تو لغو و عبث و بے حرمتیِ مسجد و تضییعِ مال ہے اور یہ سب ناجائز ہے اور اگر بمصلحتِ شرعی ہے مثلاً اگر اس میں اور زمین شامل کر کے توسیع کی جائے گی یا بنا کمزور ہوگئی ہے محکم بنائی جائے گی تو اصل بانیِ مسجد ورنہ اہلِ محلہ کو اس میں اختیار ہے۔ ص 354

مسجد میں کارِ خیر کے لئے چندہ کرنا جائز ہے

مسجد میں بیان یا چندہ اسلامی مذہبی کاموں کے لئے کرنا عام مسلمانوں کو جائز ہے اور متولی کو روکنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد میں کارِ خیر کے لئے چندہ کرنا جائز ہے جبکہ شور و چپقلش نہ ہو خود احادیثِ صحیحہ سے اس کا جواز ثابت ہے، مسجد میں وعظ کی بھی اجازت ہے جبکہ واعظ عالم دین سنی صحیح العقیدہ ہو اور نماز کا وقت نہ ہو، ان دونوں باتوں کو کہ منکرات سے خالی ہوں متولی یا کوئی منع نہیں کرسکتا، ہاں اگر چندہ امرِ شر کے لئے ہو اگرچہ اسے کیسا ہی امرِ خیر کہا جائے جیسے نیچریوں کے کالج یا وہابیوں کے مدرسہ کے لئے یا اس میں شور و غل ہو یا واعظ بدمذہب یا بے علم یا رِوایاتِ موضوع کا بیان کرنے والا ہو یا لوگ نماز پڑھ رہے ہوں اور اس نے وعظ شروع کر دیا کہ ان کی نماز میں خلل آتا ہو تو ایسی صورت میں متولی اور ہر مسلمان کو رُوک دینے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص 361

اعلیٰ حضرت کی حق گوئی و احتیاط

جوابِ استفسارات باعثِ مشکوری ہے طرح و جرح منظور نہیں بلکہ انکشافِ حق جس کے لئے ہر مسلمان کو مستعد رہنا چاہئے، لاسیما اہلِ علم، جوابات نہ تو کافی ہیں نہ مفید براءت اگرچہ مجھ سے صرف برتقدیرِ صدقِ مستفتی جواب چاہا گیا اور منصبِ افتا

کی اتنی ہی ذمہ داری تھی کہ صورتِ مستفسرہ پر جواب دے دیا جاتا مگر میں نے ایک مدت تک تعویق کی، اَخبارات منگا کر دیکھے کہ نظر بواقعات اس کارروائی کی کوئی صحیح تاویل پیدا ہوسکے مگر افسوس کہ جتنا خوض وتفتیش سے کام لیا اس کی شناعت ہی بڑھتی گئی، ناچار جواب خلافِ اَحباب دینا پڑا کہ اظہارِحق لازم تھا، عالم مذکور سے مراسمِ قدیم حفظِ حرمتِ اِسلام ورفعِ غلط فہمیِ عوام پر بحمدِ اللہ تعالیٰ غالب نہ آسکتے تھے کہ ہمارے رب عزوجل نے فرمایا: {یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ} اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہوجاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو۔(ت) بلکہ حقیقۃً حقِ دوستی یہی ہے کہ غلطی پر متنبہ کیا جائے۔ص 371

فقاہت کے کیا معنی

فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر اَعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظۂ اصولِ مقرّرہ وضوابطِ محرّرہ ووجوہِ تکلم وطُرُقِ تفاہُم وتنقیحِ مناط ولحاظِ اِنضباط ومواضعِ یُسر واِحتیاط وتجنُّبِ تفریط واِفراط وفرقِ روایاتِ ظاہرہ ونادرہ وتمیز درآیاتِ غامضہ وظاہر ومنطوق ومفہوم وصریح ومحتمل وقولِ بعض وجمہور ومرسل ومعلّل ووزنِ الفاظِ مفتیین وسیرِ مراتبِ ناقلین وعرفِ عام وخاص وعاداتِ بلاد واَشخاص وحالِ زمان ومکان واَحوالِ رعایا وسلطان وحفظِ مصالحِ دین ودفعِ مفاسدین وعلمِ وجوہِ تجریح واسبابِ ترجیح ومناہجِ توفیق ومدارکِ تطبیق ومسالکِ تخصیص ومناسکِ تقیید ومشارعِ قیود وشوارعِ مقصود وجمعِ کلام ونقدِ مرام فہمِ مراد کا نام ہے کہ تطلّعِ تام واِطلاعِ عام ونظرِ دقیق وفکرِ عمیق وطولِ خدمتِ علم وممارستِ فن وتیقُّظِ وَافی وذہنِ صافی معتادِ تحقیق مؤید بتوفیق کا کام ہے، اور حقیقۃً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل بمحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں اِلقا فرماتا ہے: {وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْاۚ-وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ} اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو، اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔(ت)

صدہا مسائل میں اِضطرابِ شدید نظر آتا ہے کہ ناواقف دیکھ کر گھبرا جاتا ہے مگر صاحبِ توفیق جب ان میں نظر کو جولان دیتا اور دامنِ ائمۂ کرام مضبوط تھام کر راہِ تنقیح لیتا ہے توفیقِ ربانی ایک سر رِشتہ اس کے ہاتھ رکھتی ہے جو ایک سچا سانچا ہوجاتا ہے کہ ہر فرع خود بخود اپنے محمل پر ڈھلتی ہے اور تمام تخالُف کی بدلیاں چھنٹ کر اصل مراد کی صاف شفاف چاندنی نکلتی ہے اس وقت کھل جاتا ہے کہ اقوال سخت مختلف نظر آتے تھے حقیقۃً سب ایک ہی بات فرماتے تھے، الحمد للہ فتاوائے فقیر میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی و للہ الحمد تحدیثا بنعمۃ اللہ وما توفیقی الا باللہ، وصلی اللہ تعالیٰ علی من امدنا بعلمہ وایدنا بنعمہ وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وبارك وسلم اٰمین والحمد للہ رب العٰلمین۔ص 376

مسجد اگر تنگ ہو اور اس کے قریب اگر کسی شخص کی زمین ہو اور وہ دینے پر راضی نہ ہو تو؟

ہمارے ائمۂ کرام نے بلاخلاف تصریح فرمائی کہ مسجد اگر تنگی کرے اور اس کے قریب اگر کسی شخص کی زمین ہو اور وہ دینے پر راضی نہ ہو تو بحکمِ سلطان بے اس کی مرضی کے لے کر مسجد میں داخل کرلی جائے اور مالک کو بازار کے بھاؤ سے قیمت دے دی جائے (جیسا کہ اس پر بزازیہ، فتح، بحر اور دُرر وغیرہ میں نص فرمائی گئی۔ت)۔ص 401

مسجد میں اپنے لئے مانگنا جائز نہیں

مسجد میں اپنے لئے مانگنا جائز نہیں اور اسے دینے سے بھی علماء نے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ امام اسمٰعیل زاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے اسے چاہئے کہ ستر پیسے اللہ تعالیٰ کے نام پر اور دے کہ اس پیسہ کا کفارہ ہوں، اور کسی دوسرے کے لئے مانگا یا مسجد خواہ کسی اور ضرورتِ دینی کے لئے چندہ کرنا جائز اور سنت سے ثابت ہے۔ص 418

پیش امام میں کون کونسی صفات ہونی چاہئے؟

امام مسجد صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأت، غیرِ فاسقِ معلن، عالمِ احکامِ نماز وطہارت ہونا چاہئے جس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے جماعت کی قلّت ونفرت پیدا ہو۔ص 418

اگر صرف اتنا کہا کہ نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہوں مگر وقف نہیں کرتا تو؟

اگر اس نے اس مکان کو نماز کے لئے وقف کر دیا تو وہ مسجد ہی ہے اسے اس میں رہنا جائز نہیں تمام آدابِ مسجد لازم ہیں اور اس میں نماز کا وہی ثواب ہے جو مسجد میں ہے اور اگر صرف اتنا کہا کہ نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہوں مگر وقف نہیں کرتا، تو اس میں نماز جائز ضرور ہے اگر چہ جمعہ وعیدین کی کہ ان کے لئے بھی مسجد شرط نہیں مگر بلا عذرِ شرعی عیدین میں ترکِ سنت اور فرائض میں ترکِ واجب ہے۔ص 421

یہ کہنا کہ میں عالم ہوں

یہ کہنا کہ میں عالم ہوں اگر کسی وقت کسی ضرورت ومصلحتِ شرعی کے سبب ہے تو حرج نہیں، قال سیدنا یوسف علی نبینا الکریم وعلیہ: {اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ} (بیشک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔ت) اور اگر بلاضرورت ہے تو جہل اور خودنمائی ہے خودستائی کے لئے ہے تو سخت گناہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی {لَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ} (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی پاکیزگی مت بیان کرو۔ت) حدیث میں ہے: من قال انا عالم فھو جاھل۔ جو یہ کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔(ت) ص 421

*** اگر چندہ دینے والے سب یا ان کا وکیلِ ماذون بعد خریداری زمین یہ کہہ دیتا کہ اس زمین کو مسجد کیا تو وہ کل مسجد ہو جاتی اور اس میں سے کسی جز وکی بیع یا کوئی تصرفِ مالکانہ مطلقاً حرام ہوتا۔ص 422**

مسجد کا عملہ جو بچ جائے

مسجد کا عملہ جو بچ رہے اگر کسی دوسرے وقت مسجد کے کام میں آنے کا ہو اور رکھنے سے بگڑے نہیں تو محفوظ رکھیں ورنہ بیع کر دیں اور اس کے دام مسجد کی عمارت ہی میں لگائیں لوٹے، بوریہ، تیل بتی وغیرہ میں صرف نہیں ہوسکتا۔ یہ سب کام متولی اور دیانت دار اہلِ محلہ کی زیرِ نگرانی ہو۔ بیع کسی ادب والے مسلمان کے ہاتھ ہو کہ وہ اسے کسی بے جا یا ناپاک جگہ نہ لگائے۔ 427

جو اجزائے عمارت مسجد ہوں وہ اگر حاجتِ مسجد سے زائد ہو جائیں اور دوبارہ ان کے اِعادہ کی امید نہ رہے تو متولی

ومتدین اہلِ محلہ کی اجتماعی رائے سے انہیں بیچ کر قیمت عمارتِ مسجد ہی کے کام میں صرف کی جائے مسجد کے بھی دوسرے کام میں صرف نہیں ہوسکتی۔ص428

(۱) مسجد میں چراغ تمام شب جلانا چاہئے یا یا جہاں تک نمازیوں کی آمدورفت ہو وہاں تک؟

(۲) محرابِ مسجد کو یا دیوارِ قبلہ نقش ونگار اور سونے کا پانی چڑھانا اور رنگ دینا مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) وہاں کے عرف معہود پر عمل کیا جائے جہاں شب بھر روشن رہتا ہے جیسے مساجدِ طیبہ، مدینہ طیبہ و مکہ معظّمہ و بیت المقدس وہاں شب بھر روشن رکھنا چاہئے ورنہ نصف شب کے قریب تک۔

(۲) مکروہ ہے کہ باعثِ شغلِ قلبِ نمازیان ہے مگر واقف نے کیا ہو تو ویسا ہی کیا جائے گا اور اس میں نیت تعظیمِ مسجد ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص431

* **صحیح راجح یہ ہے کہ معتکف کے سوا کسی کو مسجد میں سونے کی اجازت نہیں۔ص434**

اپنے مکان میں مسجد اگر صورتِ مسجد پر بنائی تو

(۱) مسجد اگر صورتِ مسجد پر بنائی اور راستہ اس کا شارعِ عام تک جُدا کر دیا اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو بلاشبہ وہ مسجد ہوگئی اور اس کا یہ کہنا کہ بانی نے وقف نہ کی قابلِ قبول نہیں، یونہی اگر کنواں بنا کر متعلقِ مسجد کر دیا اس میں نماز وارثانِ بانی کی محتاجِ اجازت نہیں، ہاں اگر بہ ثبوتِ شرعی ثابت ہو کہ بانی نے کہا تھا یہ مسجد میں اپنے لئے بناتا ہوں وقف نہیں کرتا، یا اس کا راستہ اسی کی مِلک میں ہو کر ہوا اور اس نے مسجد کے لئے راہ جدا نہ کی تو وہ مسجد نہ ہوئی اگرچہ صورت اَخیرہ میں اس نے یہ بھی کہہ دیا ہو کہ میں نے اس کو وقف کیا، یوں اس میں نمازِ مسجد کا ثواب نہیں، نہ بے اجازتِ مالکان دوسرا پڑھ سکتا ہے، رہے دیگر اَملاک متصلِ مسجد ثبوتِ شرعی سے ان کا مسجد پر وقف ہونا درکار ہے بے اس کے کوئی ان میں تصرف نہیں کرسکتا وہ وارثوں کی مِلک ہے ان کو اختیار ہے۔ص436

فنائے مسجد میں معتکف جاسکتا ہے

اگر وہ دکانیں متعلقِ مسجد اور اس پر وقف ہیں اور مسلمانوں نے ان کی سقف کو داخل کر لیا تو وہ سقف بھی مسجد ہوگئی، ان دکانوں کی چھت پر اور ان کی بالائی عمارت کی سقف پر معتکف جاسکتا ہے، لانہا کانت من فناء المسجد ولا طریق فاصل بینہما فکیف وقد صارت من المسجد۔ کیونکہ وہ فناءِ مسجد ہے اور درمیان میں کوئی راستہ جدائی ڈالنے والا نہیں اور کیسے ناجائز ہوگا جبکہ وہ مسجد ہی کا حصہ ہوگیا ہے (ت)۔ص438

مسجد کی مِلک کے درختوں میں سے کسی درخت کا پھل یا پھول بلا ادائے قیمت کھانا یا لینا

مسجد کے احاطہ کے اندر درختوں میں سے یا مسجد کی مِلک کے درختوں میں سے کسی درخت کا پھل یا پھول بلا ادائے قیمت کھانا یا لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر وہ پیڑ مسجد پر وقف ہیں تو بلا ادائے قیمت جائز نہیں ورنہ مالک کی اجازت درکار ہے اگرچہ اسی قدر کہ اس نے اسی غرض

سے لگائے ہوں کہ جو مسجد میں ہوں ان سے تمتع کرے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ ص443

مسجد ہونے کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی شش جہت میں جمیع حقوقِ عباد سے منزہ ہو

مسجد ہونے کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی شش جہت میں جمیع حقوقِ عباد سے منزہ ہو اگر اس کے کسی حصہ میں بھی ملکِ عبد باقی ہے تو مسجد نہ ہوگی۔ پس اگر اس مسجد کی دیواریں واقع میں مشترک ہیں ان میں کچھ حصہ عبد کا بھی ہے تو وہ مسجد سرے سے مسجد ہی نہیں، نہ اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب، وہ بانی کی مِلک ایک مکان ہے جسے وہ بیچ سکتا ہے اور مرجائے تو ترکہ میں تقسیم ہوگا اور اگر واقع میں مشترک نہیں اس متولی نے غاصبانہ اِشتراک کر رکھا ہے تو فرض ہے کہ اسے تولیت سے خارج کردیں اور وہ نشانات جو اس نے اپنے اشتراک کی علامت بنائے ہیں سب مٹادیں اور شہتیر وغیرہ جو کچھ اس کا مسجد کی دیوار پر رکھا ہے سب گرادیں، اور جتنے برسوں رکھا رہا اتنے کا کرایہ دیوارِ مسجد کا اس سے وصول کریں، اور اب اگر کوئی عمارت دیوارِ مسجد پر بنانا چاہے نہ بنانے دیں، اور اگر بنالی ہو بجبرِ حکومت فوراً منہدم کرادیں۔ ص447

موم بتی کا کرایہ پر دینا تو مطلقاً حرام ہے

بتی کا کرایہ پر دینا تو مطلقاً حرام ہے اگرچہ بتی وقف نہ کی ہو خود اپنی مِلک ہو، شرعِ مطہر نے عقدِ اجارہ اس لئے رکھا ہے کہ شیء باقی رہے اور مستاجر اس کو برت کر ختمِ اجارہ پر واپس دے، نہ اس لئے کہ خود اس شیء کو خرچ وفنا کرے، اور ظاہر ہے کہ بتی جب کام میں لائی جائے گی خود اس کے اَجزا فنا ہوں گے، ایسا اجارہ حرام وباطل ہے۔

باقی چیزیں مثلاً لیمپ، فرش، دری، چٹائی، اور یونہی بتی بھی، اگر اس سے مراد خالی شمع دان ہو اگرچہ اپنی ذات میں قابلِ اجارہ ہیں، مملوک ہوں تو مالک اجارہ پر دے سکتا ہے کرایہ پر دینے کے لئے وقف ہوں تو متولی دے سکتا ہے مگر وہ جو مسجد پر اس کے استعمال میں آنے کے لئے وقف ہیں انہیں کرایہ پر دینا لینا حرام کہ جو چیز جس غرض کے لئے وقف کی گئی دوسری غرض کی طرف اسے پھیرنا ناجائز ہے اگرچہ وہ غرض بھی وقف ہی کے لئے فائدہ کی ہو کہ شرطِ واقف مثلِ نصِ شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجبُ الاتباع ہے۔ ولہذا خلاصہ میں تحریر فرمایا کہ جو گھوڑا قتالِ مخالفین کے لئے وقف ہوا ہوا اُسے کرایہ پر چلانا ممنوع وناجائز ہے، ہاں اگر مسجد کو حاجت ہو مثلاً مرمت کی ضرورت ہے اور روپیہ نہیں تو مجبوری اس کا مال اسباب اتنے دنوں کرایہ پر دے سکتے ہیں جس میں وہ ضرورت رفع ہوجائے، جب ضرورت نہ رہے پھر ناجائز ہوجائے گا۔ ص451

مسجد کے متصل مسجد کا بوسیدہ مکان یا حجرہ ہے اس پر کوئی شخص کم یا زیادہ اپنا روپیہ لگا کر کوئی تعمیر کرے اور بلا کرایہ اپنے تصرف اور قبضہ میں لائے تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حرام ہے، اور جتنے دنوں اس نے اپنے تصرف میں رکھا اتنے دنوں کا کرایہ جو حصہ وقف کا نرخ بازار سے ہوا اتنا تاوان اس پر لازم ہوگا کہ وقف کے لئے ادا کرے اور اپنا روپیہ لگا کر جو کچھ اس نے بنایا اگر وہ کوئی مالیت نہیں رکھتا وہ وقف کا مفت قرار پائے گا۔ اور اگر مالیت ہے تو وہی حکم ہے کہ اگر اس کا اُکھیڑنا وقف کو مضر نہیں جتنا اس نے زیادہ کیا اُکھیڑ کر پھینک دیا جائے گا وہ اپنا عملہ اُٹھا کر لے جائے اور اگر اس کے بنانے میں اس نے وقف کی کوئی دیوار منہدم کی تھی تو اس پر لازم ہوگا کہ اپنے صرف سے

وہ دیوار ویسی ہی بنادے اور اگر ویسی نہ بن سکتی ہو، بنی ہوئی دیوار کی قیمت ادا کرے اور اگر اُکھیڑنا وقف کو مضر ہے تو نظر کریں گے کہ اگر یہ عملہ اُکھیڑا جاتا تو کس قیمت کا رہ جاتا، اتنی قیمت مالِ مسجد سے اُسے دیں گے، اگر فی الحال اس درخت یا اس عملہ کی قیمت مسجد کے پاس نہیں تو یہ یا اور کوئی زمین متعلقِ مسجد یا دیگر اسبابِ مسجد کرایہ پر چلا کر اس کرایہ سے قیمت ادا کریں گے اس کے لئے اگر برس درکار ہوں اسے تقاضے کا اختیار نہیں کہ ظلم اس کی طرف سے ہے، یہ سب اس حال میں ہے کہ وہ عمارت اس شخص کی ٹھہرے یعنی متولی تھا تو بناتے وقت گواہ کر لئے تھے کہ اپنے لئے بناتا ہوں یا غیر تھا تو یہ اِقرار نہ کیا کہ مسجد کے لئے بناتا ہوں ورنہ وہ عمارت خود ہی مِلکِ وقف ہے اور یہ جو ہم نے قیمت لگانے میں اکھڑے ہوئے عملہ کا لحاظ کرنا کہا اس بنا پر ہے کہ غالباً بعدِ اِنہدام عملہ کی قیمت گھٹ جاتی ہے، اور اگر حالتِ موجودہ ہی قیمتِ حالتِ ہدم سے کم ہو تو یہی کم لازم آئے گی۔ ص454

مسجد میں بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے جس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے، تمام بچے ننگے پیر آتے جاتے ہیں، اس صورت میں بچوں کو تعلیم دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: اپنی مسجدوں کو بچوں اور مجنونوں اور آوازیں بلند کرنے سے محفوظ رکھو۔

اگر نجاست کا ظن غالب ہو تو انہیں مسجد میں آنے دینا حرام اور حالت محتمل و مشکوک ہو تو مکروہ۔

یونہی اگر بچے بلکہ بوڑھے بھی بے تمیز، نامہذب ہوں غل مچائیں، بے حرمتی کریں، مسجد میں نہ آنے دئے جائیں، اور اگر ایسے نہ ہوں تو انہیں مسجد میں غیر اوقاتِ نماز میں پڑھانا مضائقہ نہیں رکھتا جب کہ معلم بلا تنخواہ محض لوجہ اللہ پڑھاتا ہو ورنہ ہرگز جائز نہیں اگرچہ جوان اور بوڑھے ہی پڑھیں کہ اب یہ اور پیشوں کی طرح دُنیا کمانا ہے اور مسجد میں اس کی اجازت نہیں۔

نوٹ: (آج کل مسجد میں معاوضہ لے کر پڑھانے کے متعلق مفتیانِ کرام سے دریافت کرلیا جائے۔ عمران) ص458

مسجد و مدارس کے فضائل میں کیا فرق ہیں؟ حضور آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی کوئی مدرسہ تعمیر کیا تھا یا نہیں؟

الجواب: حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی مدرسہ تعمیر نہ فرمایا، نہ صدرِ اول میں کوئی عمارت بنام مدرسہ بنانے کا دستور تھا۔ ان کی مساجد ان کی مجالس یہی مدارس ہوتی تھیں۔ ہاں تعلیمِ علمِ دین ضرور فرض ہے اسی لئے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی بعثت ہوتی ہے۔قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما بعثت معلما۔ حضورِ اَنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا۔ (ت) وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما انالکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لئے بمنزلہ والد کے ہوں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ (ت) وقال عزوجل {يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ} اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ان لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ (ت)

مساجد کی تعمیر واجب ہے اور مدرسہ کے نام سے کسی عمارت کا بنانا واجب نہیں، ہاں تعلیمِ علمِ دین واجب ہے اور مدرسہ بنانا

بدعتِ مستحبہ، تعمیرِ مسجد کی فضیلت بیشمار ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من بنی للہ مسجداً بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ وفی روایۃ من درویاقوت** جو اللہ عزوجل کے لئے مسجد بنائے اس کے لئے اللہ عزوجل جنت میں موتیوں اور یاقوت کا گھر بنائے۔ص463

* جو زمین مسجد ہوچکی اس کے کسی حصہ کسی جز کا غیرِ مسجد کر دینا اگرچہ متعلقاتِ مسجد ہی سے کوئی چیز ہو حرامِ قطعی ہے **قال اللہ تعالیٰ** {وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ} (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیشک مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ت)۔ص482

امانت اپنے صرف میں لانا حرام وخیانت ہے

مسجد خواہ غیر مسجد کسی کی امانت اپنے صرف میں لانا اگرچہ قرض سمجھ کر ہو حرام وخیانت ہے توبہ واستغفار فرض ہے اور تاوان لازم پھر دے دینے سے تاوان ادا ہوگیا، وہ گناہ نہ مٹا جب تک توبہ نہ کرے۔ص489

چندہ کرکے متولیان مسجد کو ابھی سپرد نہ کیا تو کس کی ملک ہے؟

ایک قوم نے چندہ کرکے ہزار دو ہزار روپیہ جمع کئے ہیں اب اس کے بعد تدبیر یہ کی کہ اس مال سے کپڑا سفید خریدتے ہیں اور اس کو ادھار نفع چڑھا کر بیچتے ہیں اور اس سے جو نفع پیدا ہوتا ہے اس کو بھی جمع کرتے جاتے ہیں اور مقصد ان حضرات کا یہ ہے کہ یہ رقم چار پانچ ہزار روپیہ کی جمع ہوجائے اس سے مکان قریب مسجد کے خریدنا ہے اور مسجد کو بڑھانا ہے، اب اس مسجد کے چندہ سے اس قسم کی تجارت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جبکہ وہ روپیہ انہوں نے متولیانِ مسجد کو ابھی سپرد نہ کیا تو ان کی مِلک ہے، اس میں ہر تصرفِ جائز کا انہیں اختیار ہے قرضوں بیچنے میں نقد بیچنے سے دام زائد لینا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا، یہ باہمی تراضیِ بائع ومشتری پر ہے، **قال تعالیٰ** {اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ}۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مگر یہ کہ تمہارے درمیان باہمی رضامندی سے تجارت ہو(ت)۔**واللہ تعالیٰ اعلم** (ت)۔ص494

مسجد کا بانی رافضی تبرائی ہو تو؟

امام باڑہ متصل زیارت شاہ صاحب کے ایک گوشہ میں واقع ہے اور گزشتہ زمانے کے شیعہ مذہب کے لوگ جو لکھنؤ کے پیرو تھے ان کی تعمیر کردہ ہے۔لیکن اب مسجد مذکور اہلسنت کے قبضہ میں ہے اور کنویں مذکور سے ۳۳، ۳۴ گز کے فاصلہ پر ہے، کنویں اور مسجد کے درمیان بوجہ کوڑے اور گھاس کیڑے وغیرہ کا احتمال رہتا ہے، اسی لئے مسجد مذکور آباد نہیں ہوتی، اہلِ محلہ چاہتے ہیں کہ مسجد مذکور کا ملبہ لبِ سڑک متصل کنواں اُٹھالائیں اور یہاں مسجد تعمیر کرائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر اس مسجد کا بانی رافضی تبرائی روافضِ حال کا ہم عقیدہ تھا اور اسی مذہب پر مرا تو مسلمانوں کو جائز ہے کہ اس کا عملہ دوسری مسجد میں لے جائیں، نیز جائز ہے کہ اس مسجد کی زمین کو بیچ کر جدید مسجد میں لگائیں۔ درمختار میں ہے کہ اگر مرتد نے وقف کیا پھر قتل کردیا گیا یا مرگیا یا مسلمان مرتد ہوگیا تو اس کا وقف باطل ہوگیا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** (ت)ص504

رافضی جو ایسا ہی مذہب رکھتا ہے جیسا کہ آج کل کے رافضیوں کا ہے اگر اس نے مسجد بنائی اور مرگیا تو اس کی مسجد کی زمین

اور عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں جبکہ فساد کا اندیشہ نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص506

مسلمان یا ذمی یا مستأمن کا مال معصوم ہے

بلا وجہ کسی کا مال لے لینا کہ بالاتفاق حرام ہے مالِ معصوم میں ہے جو کہ مسلمان یا ذمی یا مستأمن کا مال ہے ان کے غیر کا مال کہ بلا عذر ملے خصوصاً جو خود اس کی رضا سے ہو اس کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں اگرچہ بلا وجہ محض بلکہ بنام وجہِ فاسد و ناجائز مثلِ رِبا و قمار وغیر ہما ہو۔ ص512

* **اگر اس نے کتابیں مسجدِ جامع پر وقف کیں تو جائز نہیں کہ وہ کسی مدرسہ یا دوسری مسجد کی طرف منتقل کی جائیں۔ ص518**
* **اور اگر دونوں مسجدیں متصل ہیں یہ چاہتے ہیں کہ بیچ کی دیوار ہٹا کر دونوں کو ایک کرلیں تو یہ جائز ہے۔ ص521**

نمازیانِ مسجد کی رائے ہے کہ صحنِ مسجد کی توسیع کے لئے دکانات متعلقہ مسجد کی چھت پر ایک کمرہ تعمیر کیا جائے تاکہ اوپر کی چھت پر مسجد کا صحن ہو جائے اور نیچے اس کے ایک کمرہ ہو جائے صحنِ مسجد مسجد بہت اونچی ہے جب دکانوں پر کمرہ بنے گا تو کمرہ کی چھت صحنِ مسجد سے برابر ملے گی، اس طرح توسیع صحن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، اور مسجد جب بھر جائے تو اس کمرے کی چھت پر پڑھنے والوں کو بھی مسجد ہی کا ثواب ملے گا اگرچہ وہ کمرہ صرف وقف علی المسجد رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص523

مسجد جنگل میں رہ گئی تو؟

ایک مسجد شریف ایک آبادی میں تھی، اب وہ لوگ وہاں سے چلے گئے اور وہ مسجد جنگل میں رہ گئی اس مسجد قدیم کا اسباب اٹھا کر دوسری مسجد بنائی جائے درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر اس مسجد کے آباد رکھنے، حفاظت کرنے کا کوئی طریقہ نہ ہو اور یوں جنگل میں چھوڑ دی جائے گی تو چور اور متغلب لوگ اس کا مال لے جائیں گے تو جائز ہے کہ اس کا اسباب وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ مسجد بنائیں اور یہ کام ہوشیار اور دیانتدار مسلمانوں کی نگرانی میں ہو۔ ص529

قبرستان میں جو گھاس اُگتی ہے جب تک سبز ہے اسے کاٹنے کی اجازت نہیں۔ جب سوکھ جائے تو کاٹ کر جانوروں کے لئے بھیج سکتے ہیں مگر جانوروں کا قبرستان میں چرانا کسی طرح جائز نہیں مطلقاً حرام ہے قبروں کی بے ادبی ہے، مذہبِ اسلام کی توہین ہے، کھلی مذہبی دست اندازی ہے۔ ص537

وقف کو اس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں اگرچہ مقصود واحد ہو مثلاً کسی مسجد پر دکانیں وقف ہیں کہ ان کا کرایہ مسجد میں صرف ہوتا ہے انہیں حمام کر دیا جائے اور اس کا کرایہ مسجد کو دیا جائے یا حمام کا کرایہ مسجد پر وقف تھا اسے دکانیں کر دیا جائے یہ ناجائز ہے حالانکہ مقصود یعنی کرایہ واحد ہے۔ ص544

وقف تحریر پر موقوف نہیں

تحریر تو شرعاً کوئی ضروری چیز نہیں، نہ اس پر وقف موقوف، اگر اس نے زبان سے کہہ دیا تھا کہ میں نے اس کو اللہ کے لئے

وقف کر دیا تو وقف ہوگئی اب اس سے رجوع نہیں کر سکتا مگر یہ کہ وقتِ وقف شرطِ استبدال کر لی ہو یعنی مجھے اختیار ہے کہ جب چاہوں اس زمین کے بدلے اور زمین وقف کر دوں تو البتہ اس حالت میں تبدیل کا اختیار رہے، اگر زبان سے بھی نہیں کہا تھا صرف دل سے نیت کی تھی تو وہ زمین وقف نہ ہوئی۔ 547

متولی بننے کے لائق کون؟

لائق وہ ہے کہ دیانت دار کارگزار ہوشیار ہو جس پر در بارۂ حفاظت وخیر خواہیِ وقف اطمینان کافی ہو، فاسق نہ ہو جس سے بطمعِ نفسانی یا بے پروائی یا ناحفاظتی یا اِنہماکِ لہوولعب وقف کو ضرر پہنچانے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو بدعقل یا عاجز یا کاہل نہ ہو کہ اپنی حماقت یا نادانی یا کام نہ کر سکنے یا محنت سے بچنے کے باعث وقف کو خراب کرے، فاسق اگرچہ کیسا ہی ہوشیار کارگزار مالدار ہو ہرگز لائقِ تولیت نہیں کہ جب وہ نافرمانیِ شرع کی پروا نہیں رکھتا کسی کارِ دینی میں اس پر کیا اطمینان ہو سکتا ہے، ولہذا حکم ہے کہ اگر خود واقف فسق کرے واجب ہے کہ وقف اس کے قبضہ سے نکال لیا جائے اور کسی امین متدین کو سپرد کیا جائے پھر دوسرا تو دوسرا ہے۔ ص 557

کفار مسجد و اوقاف کے متولی نہیں ہو سکتے

کوئی امرِ دینی اس کو اختیار میں دینا حرام ہے اور اسے معزول کرنا واجب، نہ کہ خاص مسجد پر کہ اَعظم اوقافِ دِینیہ ہے۔ ص 565

مسجد کی آمدنی کا روپیہ کسی شخص کو خواہ متولی ہو یا دیگر اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

مسجد کی آمدنی کو کوئی شخص اپنے ذاتی صرف میں نہیں لا سکتا مگر متولی بقدرِ اجرتِ مثل یعنی اتنے کام پر عرف میں کیا ماہوار ہوتا ہے اتنا پا سکتا ہے۔ ص 566

مفضول فاضل کی امامت کر سکتا ہے

مفضول فاضل کی امامت کر سکتا ہے جب کہ شرائطِ صحت وجوازِ امامت کا جامع ہو اس سے فاضل کی نفسِ نماز میں کوئی نقص آئے گا نہ متولی پر اس کا اِلزام ہے، ہاں اگر متولی دیدہ دانستہ اَفضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو امام کرے تو وہ اس حدیث کا مورد ہے کہ: جس نے دس شخصوں پر کسی ایسے کو افسر کیا کہ نظرِ شرع میں اس سے بہتر ان میں موجود تھا تو اس نے اللہ ورسول اور مسلمان سب کی خیانت کی۔ ص 567

متولیِ وقف کے گھر وصندوق سے مالِ وقف چوری ہو گیا تاوان لازم یا نہیں؟

اگر متولی نے کوئی بے احتیاطی نہ کی تو اس پر تاوان نہیں **لانه کالوصی امین فالقول قوله بیمین** (کیونکہ وہ (متولی) وصی کی طرح امین ہے تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔ت) اور اگر بے احتیاطی کی مثلاً صندوق کھلا چھوڑ دیا غیر محفوظ جگہ رکھا تو اس پر تاوان ہے (کیونکہ تَعَدّی کی وجہ سے امین پر ضمان لازم ہوتا ہے۔ت)۔ ص 570

مدرسینِ وقف کو دو چار چھ ماہ کی پیشگی تنخواہ دینا روا یا ناروا؟

روا نہیں مگر جہاں اجازتِ واقف یا تعاملِ قدیم ہو **لانه یحمل علی المعهود من عند الواقف** (کیونکہ یہ خود

واقف کی طرف سے معہود پر محمول ہوگا۔ت)۔ص570

ایک مدرسہ کی کتبِ وقف دوسری جگہ مستعار دینا روا یا ناروا؟

شرطِ واقف کا اتباع کیا جائے گا اگر منع کر دیا ناجائز ہے، اور اگر یہ شرط کر دی کہ کتاب جو عاریۃً لے جانا چاہے اتنا مال اس کے عوض گو یا بطورِ گروی رکھا جائے تو یونہی کیا جائے گا بے اس کی اجازت نہیں اور اگر بلا شرط عاریۃً کی اجازت قوم یا اَشخاصِ خاص کو دی تو انہیں کے لئے اجازت ہوگی اور عام تو عام۔ص570

تعمیر مدرسہ کے واسطے بمشورہ مسلمین قرض لینا روا یا ناروا؟

متولی کو وقف پر قرض لینے کی دو شرط سے اجازت ہے ایک یہ کہ امرِ ضروری ومصالح لابدی وقف کے لئے باذنِ قاضیِ شرع قرض لے اگر وہاں قاضی نہ ہو خود لے سکتا ہے، دوسرا یہ کہ وہ حاجت سوائے قرض اور کسی سہل طریقہ سے پوری نہ ہوتی ہو مثلاً وقف کا کوئی ٹکڑا اِجارہ پر دے کر کام نکال لینا۔ص571

متولی کو روا نہیں کہ مالِ وقف کسی کو قرض یا بطورِ قرض اپنے تصرف میں لائے۔ص574

''اُس نے جھوٹی شہادت دی'' کہنا کیسا؟

جس نے جھوٹی شہادت کہی اس میں تو بہت احتمال ہیں کہ واقعی جھوٹی نہ ہو لوگ اسے جھوٹی سمجھیں یا واقع میں جھوٹی ہو مگر شہادت دینے والے نے اپنے نزدیک سچی سمجھ کر دی ہو یا کسی مصلحتِ اَعظم کے لئے کوئی پہلودار بات کہی ہو یا راستی فتنہ انگیز سے بچنے کے لئے مرتکب ہوا ہو یا اس شہادت سے اسے حمایتِ وقف مقصود ہو، اسی طرح بہت اِحتمال نکل سکتے ہیں۔ص582

بغیر عذرِ شرعی کے امام کو خارج کرنے کا متولی وغیرہ کسی کو حق نہیں۔ص586

امام مسجد نوکر مانا جائے گا یا سردارِ قوم؟

امام اگر کسی قوم کا تنخواہ دار ہے تو وہ ان کا نوکر ضرور ہے مگر نہ خدمت گار بلکہ مخدوم جیسے علماء وقضاۃ وسلاطین کہ بیت المال سے وظیفہ پاتے ہیں مگروہ رعایا کے خدمت گار نہیں ہوسکتے۔حدیث میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم**۔اپنے افضلوں کو اپنا امام بناؤ کہ وہ تم میں اور تمہارے رب میں واسطہ عرضداشت ہیں۔

ہاں بایں معنٰی امام وعلماء وقضاۃ وسلاطین سب خادم ہو سکتے ہیں کہ **سید القوم خادمھم** قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے یعنی اسے قوم کے آرام وتربیت کی ہر وقت ایسی فکر چاہئے جیسے خادم کو مخدوم کے کام کی۔ص586

جماعتِ اُولٰی سے پہلے اگر کچھ لوگ جماعت کر جائیں؟

جماعتِ اُولٰی امام وجماعتِ معینہ کا حق ہے ان سے پہلے اگر کچھ لوگ جماعت کر جائیں ان کو اِعادۂ جماعت کا حق ہے اور جماعتِ اُولٰی یہی ہوگی جو انہوں نے کی جبکہ امام جامع شرائطِ جواز وحلِ امامت ہو۔

جن لوگوں نے بے انتظارِ امام ومؤذن وجماعتِ معین ومقامِ امام راتب پر جماعت کرلی اگر کسی صحیح ضرورتِ شرعی سے تھی مضائقہ نہ تھا مگر مقامِ امام پر قیام نہ چاہئے تھا، اور اگر بلاضرورت محض عجلت کے لئے ایسا کیا برا کیا تفریقِ جماعت کے مرتکب ہوئے اور وہ شرع مطہر کو سخت ناپسند ہے اور اگر خود اسی تفریق کی نیت سے اس کے مرتکب ہوئے تو ان پر اَشد وبال اور {تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ} کا صدق ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ بہرحال امامِ جماعتِ معینہ کو اِعادۂ جماعت کا ہر طرح حق تھا پھر اگر واقع دو صورتِ اخیرہ تھیں تو ضرور وہ پہلی جماعت مستحقِ رد وانکار تھی اور از انجا کہ وقت وقتِ عشاء تھا کہ اس میں اور ظہر میں اعادۂ نماز روا ہے تو اس پر رد کا یہ اچھا طریقہ تھا کہ جو پڑھ چکے تھے وہ بھی دوبارہ شریک کئے جائیں کہ آئندہ عوام اس تفریق میں شرکت سے باز رہیں اور ایسی جگہ تہدید کو کہنا کہ ہماری مسجد میں نہ آئے قابلِ مواخذہ نہیں بلکہ اصلِ شرعی رکھتا ہے۔

ہاں اگر صورت صورتِ اُولٰی تھی یعنی ان لوگوں کا پہلے پڑھ لینا بضرورتِ صحیحہ شرعیہ تھا اور زید کو اس پر اطلاع نہ تھی اس نے ان پر تفریقِ جماعت کا گمان کرکے ایسا کہا تو زید پر اس کہنے کا مواخذہ نہیں بلکہ بلاتحقیق مسلمانوں پر بدگمانی کی جس سے توبہ لازم ہے۔ اور اگر ان پر بدگمانی نہ کی مگر یہ خیال کہ مبادا عوام حقیقتِ امر سے غافل ہوکر کہیں تفریق کے عادی نہ ہوجائیں تو یہ الزام بھی نہیں اس جماعت میں جو پہلے پڑھ کر شریک ہوئے یہ ان کے نفل ہوئے اور وہ متولی جس نے بکراہت اقتدا کی اور یہ خیال رہا کہ نہ کرتا تو بہتر تھا اس کی بھی نماز ہوگئی جبکہ نہ ابتداءً فقط شرم ولحاظ سے ظاہراً بے نیتِ اقتدا شریک ہوا ہو نہ بعد کو قطعِ اقتدا کی نیت کرلی ہو، اس لئے کہ یہ لفظ کہ ''نہ کرتا تو بہتر ہوتا'' خود اس پر دلیل ہے کہ اقتدا کی اور اس پر مستمر رہا اگرچہ بکراہت جیسے فاسق کے پیچھے نماز کہ یہ اپنے زعم میں ان الفاظ کے سبب اسے مثلِ فاسق ہی سمجھتا تھا۔ احادیثِ کثیرہ صحیحہ میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی، ایک وہ کہ کسی جماعت کی امامت کرے اور انہیں اس کی اقتدا ناگوار ہو۔ (ت)

تو باآنکہ مقتدیوں کے دل میں کراہت ہے اور ناگواری کے ساتھ اس کے مقتدی ہوئے ان کی نماز میں نقص نہ فرمایا بلکہ امام کی نماز میں جب کہ ان کی کراہت بوجہِ شرعی ہو ورنہ وبال ان پر ہے۔ ص595

عورت بھی متولیِ اوقاف ہوسکتی ہے ذکورت شرطِ تولیت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص599

تولیت میں وراثت جاری نہیں

تولیت میں توریث جاری نہیں محض بر بنائے وراثت ادعائے تولیت باطل ومردود ہے۔ متولیِ حال نے جسے اپنے بعد متولی کیا متولی ہوگیا اگر یہ وصیت مرضِ موت میں کی جب تو ظاہر ہے کہ وہ جانشین بعدِ موت متولی ہوگیا اور بلاوجہِ شرعی کسی کو اس سے منازعت اَصلاً جائز نہیں۔

اور اگر اپنی حالتِ صحت میں کی اور قدیم سے اس وقف کے متولیوں میں اس کا دستور چلا آیا ہے کہ متولی اپنی حیات وصحت میں اپنے جانشین کو اپنے بعد متولی بنالیتے ہیں اور وہ متولی ہوتا ہے جب بھی ظاہر ہے کہ یہی جانشین بشرطِ اہلیتِ شرعیہ متولی ہوگیا۔ دوسرا اس کی منازعت نہیں کرسکتا۔ اور اگر یہ معمول قدیم نہیں تو متولی کا اپنی صحت میں خود وقف سے جُدا ہونا اور دوسرے کو اپنی جگہ

قائم کرنا ممنوع ہوتا کہ اس کے لئے اس کی اجازت جانبِ واقف سے بوجہ اشتباہِ شرائط ثابت نہیں۔601

متولی اور منتظمِ مساجد پر اتباعِ شرع وشرائطِ واقف ضروری ہے اوران سے حساب طلب کرنا

متولی اور منتظم پر اتباعِ شرع وشرائطِ واقف ضروری ہے ان کے خلاف کسی فعل کا ان کو اختیار نہیں، اور اگر کریں تو مسلمانوں کوان کی مزاحمت چاہئے، اور اگر خیانت یا ان کے باعث وقف پر ضرر ثابت ہو تو فوراً نکال دئے جائیں۔غبن وتغلب یقینی درکنار اگر مظنون بھی ہو تو مسلمانوں کو ان سے حساب سمجھنے کا حق پہنچتا ہے اوران کا اعراض سخت قابلِ اعتراض۔ص605

*** مسجد کے لئے متولی کا مقرر کرنا کچھ ضرور نہیں البتہ اوقاف کے لئے ضروری ہے۔متولی متعدد بھی ہوسکتے ہیں وہ سب مل کر کام کریں گے ہر ایک مستقل نہ ہوگا۔ص606**

*** اہلسنت کی کسی مسجد خصوصاً مسجدِ جامع کا متولی رافضی کو کرنا شریعتِ مطہرہ وقرآنِ عظیم واحادیثِ صحیحہ وفقہِ حنفی کی رو سے اَصلاً کسی طرح جائز نہیں حرامِ قطعی ہے۔ص608**

جلد نمبر 17

کتاب البیوع (خرید وفروخت کا بیان)

عقود میں مقصود معنٰی ہیں نہ کہ لفظ

ہر چند صورتِ مستفسرہ میں الفاظِ ایجاب وقبول نہ پائے گئے کہ ''خرید کروں گا'' صیغۂ استقبال ہے اور یہاں درکار ماضی یا حال، لیکن اگر متعارف ان بلاد وامصار میں یوں ہے کہ بعدِ گفتگوئے مساومت وقرار دادِ قیمت بیعانہ دینا اور لینا مستلزمِ تمام بیع ٹھہرتا ہے اور بعد اس کے تنہا ایک عاقد عقد سے رجوع نہیں کرسکتا اگر چہ الفاظِ ایجاب وقبول درمیان نہ آئے ہوں تو بیع تمام ہوگئی کہ مقصود ان عقود میں معنٰی ہیں نہ کہ لفظ، اور اصل مدار تراضیِ طرفین قولاً ظاہر ہوخواہ فعلاً، اس لیے تعاطی مثلِ ایجاب وقبول لزومِ بیع کا سبب قرار پائی، گویا عاقدین زبان سے کچھ نہ کہیں کہ عادت محکم ہے اور تعارف معتبر، اور جو حکم عرف پر مبنی ہوتا ہے اس کے ساتھ دائر رہتا ہے، جب یہ فعل مثلِ الفاظ مُظہرِ تراضی ہوا تو انھیں کی طرح موجبِ تمامِ بیع ہوگا۔

ہدایہ میں ہے کہ ان عقود میں معنی ہی کا اعتبار ہوتا ہے اسی لئے بڑھیا اور گھٹیا چیزوں میں بیع تعاطی منعقد ہوجاتی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ باہمی رضامندی متحقق ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم (ت)۔** ص81

مبیع کا مقدور التسلیم فی الحال ہونا کسی کے نزدیک ضرور نہیں

عمرو کو حکماً قدرۃ علی التسلیم حاصل تھی اور اسی قدر صحت ونفاذِ بیع کے لئے کافی ہے حقیقۃً مقدورُ التسلیم فی الحال ہونا کسی کے نزدیک ضرور نہیں، غلام کو کسی کام کے لئے ہزار کوس پر بھیجا اور یہاں اسے بیع کردیا، بیع صحیح ہوگئی کہ عادۃً اس کا واپس آنا مظنون ہے اگر چہ احتمال ہے کہ سرکشی کرے اور بھاگ جائے، کبوتر ہلے ہوئے کہ صبح اُڑائے جاتے اور شام کو گھر پلٹ آتے ہیں، ان کی غَیبَت میں بیچے بیع صحیح ہے کہ رجوع مرجو ہے تو قدرۃ علی التسلیم حکماً حاصل ہے۔ ص82

قدرتِ تسلیم میں ہمارے ائمہ کے دو قول ہیں، دونوں باقوت، **اول:** یہ کہ وہ شرطِ اِنعقاد ہے کہ بے اس کے بیع باطل محض ہے، **دوم:** شرطِ صحتِ بیع ہے، کہ بے اس کے بیع فاسد ہے، اور قولِ ثانی پر جبکہ بیع فاسد ہے اور بیع فاسد میں مشتری بے قبضہ مالک نہیں ہوتا پھر جبکہ فساد بوجہِ عدمِ قدرۃ تسلیم ہے اور بیع فاسد میں ارتفاعِ مفسد بیع کو صحیح کردیتا ہے لہٰذا یہ بیع موقوف بھی ہوئی جیسے بیع مُکرَہ کہ فاسد بھی ہے اور موقوف بھی اور بیع موقوف بھی مفیدِ ملکِ مشتری نہیں ہوتی۔ ص83

بیع ایجاب وقبول سے تمام ہوجاتی ہے

بیع ایجاب وقبول سے تمام ہوجاتی ہے، اور جب بیع صحیح شرعی واقع ہولے تو اس کے بعد بائع یا مشتری کسی کو بے رضامندی دوسرے کے اس سے یوں پھر جانا روا نہیں، نہ اس کے پھرنے سے وہ معاہدہ جو مکمل ہوچکا ٹوٹ سکتا ہے، زید پر لازم

ہے کہ مال فروخت شدہ تمام وکمال خریدار کو دے۔ص 87

بیع ایجاب وقبول سے تمام ہوجاتی ہے، چیز بائع کے مِلک سے نکل کر مشتری کی مِلک میں داخل ہوجاتی ہے ہاں پہلے مشتری کو چاہئے کہ ثمن ادا کرے، بائع کو اختیار ہے کہ جب تک ثمن نہ لے مبیع سپرد نہ کرے لیکن اگر اس نے بعض یا کل ثمن لینے سے پہلے مبیع اس کے قبضہ میں دے دی تو اس سے جو کچھ منافع حاصل ہوں مِلکِ مشتری ہیں مشتری کے لئے حلال ہیں۔ص 89

خیارِ شرط کا معنی وحکم

بیع خیارِ شرع میں تو اسے کہتے ہیں کہ بائع ایک چیز اس شرط پر بیچے یا مشتری اس شرط پر خریدے کہ مجھے تین دن تک اختیار ہے کہ بیع قائم رکھوں یا نہیں خواہ دونوں اپنے لئے تین دن اختیار ہونے کی قید لگالیں، یہ اختیار تین دن سے زیادہ کا نہیں لگا سکتے اور کم میں ایک دن یا ایک گھنٹہ جو چاہیں مقرر کریں، اس مدت کے اندر ایک یا دونوں جس کا خیار شرط کیا گیا ہے اسے اختیار ہوگا کہ بیع نامنظور کردے وہ فسخ ہوجائے گی اور اگر مدت مقرر کردہ گزر گئی تو بیع لازم ہوجائے گی۔ص 91

* صحیح ومعتمد مذہب میں بیع وفاء بیع نہیں رہن ہے مشتری مرتہن کو رہن سے نفع حاصل کرنا حرام ہے۔ص 91
* **بیع نہ ہونے کی حالت میں بیعانہ ضبط کرلینا جیسا کہ جاہلوں میں رواج ہے ظلم صریح ہے۔ص 94**

اکثر باغ وجائداد منقولہ وغیر منقولہ سرکار (گورنمنٹ) نیلام کرتی ہے اس کا خریدنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جو نیلام باجازتِ مالک ہو مطلقاً جائز ہے یا بعد بیع مالک اجازت دے دے مثلاً سو روپے قرض تھے ایک سو دس میں نیلام ہوا دس کہ زائد تھے مالک کو دِئے گئے اس نے قبول کرلئے تو یہ اب جائز ہوگیا اگرچہ ابتداءً ناجائز تھا (کیونکہ اجازتِ لاحقہ، وکالتِ سابقہ کی مثل ہے۔ت) اور جہاں یہ دونوں صورتیں نہ ہوں وہ عقد فضولی ہے اجازتِ مالک پر موقوف رہے گا اگر جائز کردے جائز ہوجائے گا رد کردے باطل ہوجائے گا، اور جب تک اجازت نہ دے اس شے میں مشتری کو تصرف حلال نہ ہوگا، (کیونکہ بیع موقوف مفیدِ حِل نہیں ہوتی جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ اس عقد کے ہوتے وقت کوئی ایسا شخص قائم ہو جسے شرعاً اس کی اجازت کا اختیار ہے ورنہ سرے سے باطل ہوگا مثلاً نابالغ کا مال نصف قیمت کا نیلام کیا گیا کہ اسے تمام دنیا میں اجازت دینے والا کوئی نہیں تو ایسا عقد موقوف نہ رہے گا ابتداءً باطل ومردود ہوگا۔ (کیونکہ فضولی کا تصرف جہاں اس کی اجازت دینے کا اختیار رکھنے والا کوئی نہ ہو سرے سے باطل ہے جیسا کہ اس پر درّ وغیرہ میں نص کی گئی ہے **واللہ سبحانہ وتعالی اعلم**۔ت) ص 107

بابُ البیع الفاسد والباطل (باطل اور فاسد بیع کا بیان)

بیع کا ناجائز وممنوع ہونا تین صورتوں میں منحصر ہے، باطل وفاسد ومکروہ تحریمی۔

باطل: وہ ہے جس کے نفسِ عقد یا محل میں خلل ہو، خللِ عقد مثل بیع وشراء مجنون کہ اس کا قول شرعاً لاقول ہے تو اس کا **بِعْتُ** یا **اِشْتَرَیْتُ** نہ ایجاب ہوسکے نہ قبول، اور خللِ محل مثل بیع بالمیتۃ کہ میتہ مال نہیں۔

فاسد: وہ جس کی اصل حقیقت خلل سے خالی ہو مگر وصف یعنی ان متعلقات میں خلل ہو جو قِوامِ عقد میں داخل نہیں مثلاً شروطِ

فاسدہ اگر رُکن ومحل سالم اَز خلل ہوں تو بیع شرعی قطعاً متحقق، پھر اگر وصف میں خلل ہے مثلاً بیع مقدور التسلیم نہیں یا مجہول ہے یا کوئی شرطِ فاسد مفہوم، اصل یہ کہ بیع شرع میں مبادلہ مال بمال کا نام ہے ایجاب وقبول اس کے رکن اور مالِ متقوم محل اور اَجل وقدرتِ تسلیم وشرط وغیرہا اوصاف اور انتقالِ مِلک حکم واَثر ہے۔ص142

اسٹام فروشی کا حکم

سرکاری کاغذ ممہور ہوتے ہیں مُہر میں اس کی قیمت بھی لکھی ہوتی ہے اور یہاں سرکاری قاعدہ یہ ہے کہ دعوٰی جب تک اسی کاغذ پر نہ لکھا جائے ہرگز مسموع نہیں ہوتا، اور بعد مسموع ہونے یہ ضرور نہیں کہ فیصلہ مدعی کے حسبِ دلخواہ ہو اس کاغذ میں سرکار کی منفعت ہے آٹھ روپے کا دعوٰی ہو تو (٫) کا کاغذ ممہور لیا جاتا ہے (عہ) تک (عص ۔للعہ) تک (عہ۔للعہ) تک (للعہ ماصہ) تک (مئۓ) ، وعلی ھذا القیاس اور اس ممہور کے فروخت کرنے کے واسطے سرکار کی جانب سے جو شخص معین ہوتا ہے وہی فروخت کرسکتا ہے غیر کی مجال نہیں اور اس کے بائع کو ہر سو روپے میں پانچ روپیہ نفع ملتا ہے اس کاغذ ممہور کی بیع اور تجارت کا طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ تجارت اکثر صورتوں میں خالی اَز خباثت نہیں اللہ عزوجل نے جوازِ تجارت کے لئے تراضی باہمی شرط فرمائی قال تعالیٰ عزمن قائل {یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ } ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناحق طور پر مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمھارے آپس کی رضامندی سے۔

حدیث میں جناب سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لایحل مال امریئ مسلم الابطیب نفسہ۔ کسی مسلمان کا مال حلال نہیں مگر اس کے جی کی خوشی سے۔

ظاہر ہے کہ آدمی نالش اپنے استخراجِ حق کے لئے کرتا ہے جبکہ خود اس کی تحصیل پر قادر نہیں ہوتا اور کوئی شخص اپنے دل کی خوشی سے نہ چاہے گا کہ میرا حق جو غیر کے پاس ہے بےصرف کئے میسر نہ ہو بلکہ جب اسے اپنا حق جانے گا قطعاً مفت ہی ہاتھ آنا چاہے گا، ہاں اگر دیکھے گا کہ یوں نہیں مل سکتا ناچار (جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو وہ ان میں سے کمتر کو اختیار کرے۔ت) صرف وخرچ گوارا کرلے گا کہ سارا دَھن جاتا دیکھئے تو آدھا دیجئے بانٹ، یہ معنی اگرچہ منافیِ اختیار نہیں کہ کسی نے اس پر اپنا حق لینے کا جبر نہ کیا تھا اسے اختیار تھا کہ بالکل خاموش رہتا تو یہ صرف نہ پڑتا مگر مفسدِ رضا بیشک ہے اگر بے اس کے وصول ممکن جانتا ہرگز خرچ اختیار نہ کرتا مثلاً عمرو نے زید کا سو روپے کا مال دبالیا اور کہتا ہے دس روپے دے تو واپس کروں، زید اس کی زبردستی اور اپنا عجز جان کر دس دے آیا اور مال چھڑالیا یہ روپے اگرچہ فی الواقع زید نے باختیارِ خود دیے مگر عمرو کے لئے حلال نہ ہوجائیں گے کہ ہرگز برضائے خود نہ دئے، اختیار ورضا میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اور عقود وبیع وشراء وہبہ واَمثالہا صرف بے اختیاری ہی سے فاسد نہیں ہوتے بلکہ عدمِ رضا بھی ان کے اِفساد کو بس ہے۔ بعینہٖ یہی حال خریداری کاغذ مذکور کا ہے کوئی شخص بلاوجہ اپنا ایک پیسہ ضائع جانا گوارا نہیں کرتا مال کا سولھواں حصہ تو بہت ہوتا ہے مگر جب رئیس کا حکم ہے کہ بے اس کے کوئی نالش نہ سنی جائے تو آدمی یا تو اپنے

حقوق واَملاک سے یکدست ہاتھ دھو بیٹھے یہ ممکن نہیں کہ ظالم لوگ ناخدا ترس جس کے اس عزم پر آگاہ ہوجائیں اس کے تن کے کپڑے تک اتار کر بس نہ کریں کہ آخر یہ بخوف مصرف نالش تو کرے گا ہی نہیں پھر ڈر کاہے کا، رہی عاقبت، وہ کس نے دیکھی ہے خدا کا سامنا جب ہوگا ہوگا، آج تو اپنی چلتی گئی نہ کریں، یہ ان کا حال ہے جو خدا کا سامنا ہونے پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے ان کیا کہنا، وہ تو پورے بےغم ہے یا بحالتِ قدرت بطورِ خود جبراً اپنے حقوق واپس کرلے تو اُلٹی ان کی طرف سے نالش ہو اور حاکم کے نزدیک یہ خود مجرم ٹھہرے معہذا جوابد ہی نہ کرے تو وہی ظلم بےتحاشہ اور کرے تو اب کیا اس قسم کے صرف نہ ہوں گے پھر بھی ہماں آش در کاسہ غرض دنیا میں سب راہیں بند ہیں سوا اس کے کہ ریاست سے مدد لے اور ریاست علانیہ حکم دے چکی کہ ہماری امداد اسی شرط پر موقوف ہے ورنہ زنہار دارُ القضاء کے دروازے تک باز نہ ہوگا ناچار خریداری کاغذ مذکور گوارا کرے گا مگر یہ گوارش اسی طرح کی ہے کہ دل نہیں چاہتا بس چلے تو حق یہی ہے کہ اپنا حق بےکوڑی خرچے ہاتھ لگے مگر مجبوری کو کیا کیجئے، تو ثابت ہوا کہ یہ خریداری ہرگز بطیبِ خاطر نہیں ہوتی اور جو روپیہ اس کے بدلے نذر فروشندگان ہوتا ہے زنہار رضائے قلب سے نہیں دیا جاتا تو بحکمِ قرآن وحدیث اسے مالِ حلال وطیب نہیں کہہ سکتے، ہاں اس قدر مسلّم کہ بوجہِ مرورِ زمان وعمومِ اِبتلاء بہت لوگوں خصوصاً مقدمہ بازوں پر اس قسم کے مصارف میں آثارِ کراہت غالباً ظاہر نہیں ہوتے مگر حاشا یہ طیبِ نفس ورضائے دِلی نہیں بلکہ بات وہی ہے کہ عادت ہوگئی اور جب سب ایک حال میں ہیں تو مرگ انبوہ جشنے دارد (اجتماع کی موت میں اپنی موت جشن رکھتی ہے۔ت) آخر اور رقموں میں نہ دیکھئے جن میں اپنے کسی نفع کی توقع نہیں ہوتی اور رؤسا وسلاطین اموال ومزارع پر باندھ دیتے ہیں اول اول چندروز ایک عام واویلا رہتا ہے پھر کچھ نہیں کہ آخر دنیا اول دنیا پھر اظہارِ کراہت بےمعنی جب زیادہ زمانہ گزرا چلئے وہ رفتہ رفتہ ایک امورِ عادیہ میں داخل ہوگیا مگر دل کی خواہش ہرگز اس کی مساعد نہیں ہوجاتی اس کا سہل سا ایک امتحان یہ ہے کہ مثلاً اسی کاغذ ہی کے نسبت ریاست کا حکم ہوجائے کہ ضروری نہیں سادے پر بھی دعوٰی سن لیں گے پھر دیکھئے کتنے خریدنے جاتے ہیں، حاشا وکلا کوئی پاس بھی نہ پھٹکے گا کہ بلا وجہ اپنا خرچ کسے بھاتا ہے تو قطعاً عدمِ رضا دائمی ابدی ہے اور یہ شراء بالکل شرائے مکروہ کی حالت میں ہے **وبعد اللتیا واللتی** (اور بحث وتمحیص کے بعد۔ت) عدمِ رضا وفقدانِ طیبِ نفس میں کلام نہیں اور اسی قدر اِنعدامِ حلت میں کافی علماء فرماتے ہیں اگر بادشاہ وقت کا بھاؤ کاٹ دے مثلاً لوگ روپیہ کے پندرہ سیر گیہوں بیچتے ہیں حاکم حکم دے کہ بیس سیر سے کم نہ بیچیں ورنہ سزا پائیں گے اس صورت میں مشتری کے لئے یہ بھاؤ حلال نہ ہوگا کہ اگرچہ حاکم نے بائع کو بیع پر جبر نہ کیا کہ اَصلاً نہ بیچے تو اپنے مال کا مالک ہے مگر یہ حکم تو کردیا ہے کہ بیچے تو اسی بھاؤ بیچے اور اس کی مخالفت میں حاکم کی طرف سے اندیشہ ہے تو اس نرخ پر اس کی رضا متحقق نہ ہوئی، اور مسلمان کا مال بےمرضی لینا حلال نہیں۔

اسی طرح اگرچہ رئیس نے نالش پر مجبور نہ کیا نہ کرے تو اپنے ترکِ حق کا مختار ہے مگر حکم دیا ہے کہ کرے تو کاغذ ضرور ہی دے اور اسی مقدار کا دے اور اس کی مخالفت میں تلفِ حق کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقینِ کامل ہے تو اس شراء پر بھی رضا متحقق نہ ہوئی، فرق اس قدر ہے کہ حکمِ حاکم نہ ہوتا تو گیہوں والا گیہوں خود بھی بیچتا اگرچہ زیادہ کو، اور یہاں حکم نہ ہوتا تو نالش والا یہ کاغذ کوڑی کو بھی نہ پوچھتا (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

بالجملہ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ جہاں تک نظر کرتا ہے اس تجارت کے مطلقاً حلال وطیب ہونے کی راہ نہیں پاتا، ہاں بعض

صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں مشتری بخوشی خود خریدیں مثلاً فروشندہ سے دوسرے نے قدرے نفع دے کر بیچنے کو مول لیا جیسے اونچے بزازوں سے گٹھری والے کپڑا لیتے ہیں یا نالش جس بات پر کرتا ہے وہ ایسی نہ تھی جس سے درگزر کرنی کچھ اس پر شاق ہوتی صرف ایذائے مخالف یا انتقام کے لئے نالش چاہتا ہے یہ بھی صورت حاجت کی نہ ہوئی، یا دائن کو یہ کاغذ درکار تھا مدیون سے کہا میرے قرض لا دے وہ لے آیا یہ خریداری بھی برضائے خود ہوئی کہ اس پر کاغذ دے کر قرض اُتارنا لازم نہ تھا، یا اپنے کسی بزرگ کو نالش کی حاجت ہوئی چھوٹے نے خوشنودی کے لئے اپنے پاس سے کاغذ خرید کر لگا یا خواہ کسی عزیز یا دوست یا محتاج کے کام میں صرف کیا کہ یہ سب حالتیں خریدار کی ضرورت کی نہیں ایسی صورت میں بیشک بیع صحیح وجائز اور زرِ ثمن فروشندہ کے لئے حلال وطیب، اور صرف یہ بات کہ دمڑی کا کاغذ سو روپے کو کیونکر جائے بعد ثبوتِ تراضی موثر نہیں، ہر شخص اپنے مال کا مختار ہے جتنے کو چاہے بیچے، مگر ان صورتوں کا وقوع نادر ہے، انھیں پر قانع ہو کر تجارت نہ چل سکے گی۔ اور اگر کوئی قناعت کرے اور جب تک تحقیق نہ ہو کہ انھیں صورتوں سے کوئی صورت ہے ہرگز نہ دے اس کے لئے بے شک جواز کا بھی حکم ہوسکتا ہے البتہ ایک صورت عدمِ اکراہ کثیر الوقوع ہے یعنی جھوٹی نالش کے لئے خریدنا کہ یہ لوگ مظلوم نہیں خود ظالم ہیں تو انھیں شراء پر کیا مجبوری ان کے ہاتھ بیچنے میں اگرچہ عدمِ حلت کی وہ وجہ نہ ہوئی، مگر اور وجوہِ معصیت پیدا ہوں گی کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو بائع کو معلوم ہوگا کہ مشتری ظالم ہے اور خاص نالشِ ناحق کے لئے خریدتا ہے یا بے دلیل وعلم ٹھہرا لے گا کہ اس مشتری کا ایسا ارادہ ہے برتقدیرِ ثانی سوءِ ظن میں گرفتار ہوا اور بدگمانی حرامِ قطعی، پھر تراشیدہ خیال معصیت مآل کی بناء پر کیونکر مالِ مسلم کا اِستحلال کرسکتا ہے، برتقدیرِ اول جبکہ یہ جانتا تھا کہ وہ نالش دروغ کے لئے کاغذ لیتا ہے تو اس سے اس کے ہاتھ بیچنا معصیت پر اِعانت کرنا ہوا جس طرح اہلِ فتنہ کے ہاتھ ہتھیار اور معصیت پر اِعانت خود ممنوع ومعصیت۔ ص144

ملاوٹ والا مال فروخت کرنے کا حکم

کلکتہ میں مصنوعی یعنی میل کا گھی بکتا ہے باوجود علم ایسا گھی تجارت کے لئے خرید کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر یہ مصنوعی جعلی گھی وہاں عام طور پر بکتا ہے کہ ہر شخص اس کے جعل ہونے پر مطلع ہے اور باوجودِ اطلاع خریدتا ہے تو بشرطیکہ خریدار اسی بلد کا ہو، نہ غریبُ الوطن تازہ وارد ناواقف اور گھی میں اس قدر میل سے جتنا وہاں عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ہے اپنی طرف سے اور زائد نہ کیا جائے نہ کسی طرح اس کا جعلی ہونا چھپایا جائے، خلاصہ یہ کہ جب خریداروں پر اس کی حالت مکشوف ہو اور فریب ومغالطہ راہ نہ پائے تو اس کی تجارت جائز ہے، آخر گھی بیچنا بھی جائز اور جو چیز اس میں ملائی گئی اس کا بیچنا بھی، اور عدمِ جواز صرف بوجہِ غش وفریب تھا، جب حال ظاہر ہے غش نہ ہوا، اور جواز رہا جیسے بازاری دودھ کہ سب جانتے ہیں کہ اس میں پانی ہے اور باوصفِ علم خریدتے ہیں یہ اس صورت میں ہے جبکہ بائع وقتِ بیع اصلی حالت خریدار پر ظاہر نہ کردے، اور اگر خود بتادے تو ظاہر الروایت ومذہبِ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں مطلقاً جائز ہے خواہ کتنا ہی میل ہو اگرچہ خریدار غریبُ الوطن ہو کہ بعدِ بیان فریب نہ رہا۔

بالجملہ: مدارِ کار ظہورِ امر پر ہے خواہ خود ظاہر ہو جیسے گیہوں میں جو، چنوں میں کسا، یا بجہتِ عرف واِشتہار مشتری پر واضح

ہو جیسے دودھ کا معمولی پانی خواہ یہ خود حالتِ واقعی تمام وکمال بیان کرے، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم ۔ص150

مٹی کی خرید وفروخت جائز ہے یا ناجائز؟

مٹی کہ مال وصالحِ بیع نہیں، وہ ترابِ قلیل ہے جس میں بذل ومنع نہیں جیسے ایک مٹھی خاک، ورنہ ترابِ کثیر خصوصاً بعدِ نقل بلاشبہ مال ہے اور عموماً اس کی بیع میں تعاملِ بلاد، مٹی کی گاٹھیا چھتوں پر ڈالنے یا کہگل کرنے یا استنجوں کے ڈھیلوں کے لئے سب جگہ بکتی ہے، بلکہ زمین خود مٹی ہے اور اس کی بیع قطعاً جائز، تو مناط وہی تحقُّقِ حدِ مال ہے۔ص157

کھال اور ہڈی بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

کھال اگر پکا کر یا دھوپ میں سکھا کر دَباغت کر لی جائے تو بیچنا جائز ہے **لطھارته وحل الانتفاع** (بسبب اس کی طہارت کے اور حلال ہونے اس سے نفع حاصل کرنے کے۔ت) ورنہ حرام وباطل ہے **لانه جزء میتة وبیع المیتة باطل** (اس لئے کہ وہ مردار کی جزء ہے اور مردار کی بیع باطل ہے۔ت) ہڈی پر اگر دسومت نہ ہو خشک ہو تو اس کی بیع بھی جائز ہے **لما تقدم لان الحیاة لاتحله** (اس وجہ سے جو پہلے گزر چکی ہے کیونکہ حیات اس میں سرایت نہیں کرتی۔ت) اور ان اَحکام سے خنزیر مستثنٰی ہے اس کی کھال یا ہڈی کسی حال میں اَصلاً خرید وفروخت یا کسی قسم کے اِنتفاع کے قابل نہیں **لنجاسة عینها** (اس کے نجسِ عین ہونے کی وجہ سے۔ت)۔ص161

زندہ گائے یا بکری وغیرہ کی کھال چھوڑ کر صاف گوشت خریدنا کیسا؟

بیع فاسد ہے اور وہ کھانا حرام۔162

چوری کا مال خریدنا

چوری کا مال دانستہ خریدنا حرام ہے بلکہ اگر معلوم نہ ہو مظنون ہو جب بھی حرام ہے مثلاً کوئی جاہل شخص کہ اس کے مورثین بھی جاہل تھے کوئی علمی کتاب بیچنے کو لائے اور اپنی مِلک بتائے اس کے خریدنے کی اجازت نہیں اور اگر نہ معلوم ہے نہ کوئی واضح قرینہ تو خریداری جائز ہے، پھر اگر ثابت ہو جائے کہ یہ چوری کا مال ہے تو اس کا استعمال حرام ہے بلکہ مالک کو دیا جائے اور وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو، اور ان کا بھی پتہ نہ چل سکے تو فقراء کو۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔ص165

حکومت سے سرکاری زمین خریدنا کیسا؟

اگر وہ افتادہ زمین غیر مملوکہ تھی جسے شرع میں "عادی الارض" عرفِ حال میں "سرکاری زمین" کہتے ہیں تو خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۔ص168

مسلمان کا ہندو مردہ جلانے کے لئے لکڑیاں بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: لکڑیاں بیچنے میں حرج نہیں **لان المعصیة لاتقوم بعینها** (کیونکہ معصیت اس کے عین کے ساتھ قائم نہیں

ہوتی۔ت) مگر جلانے میں اِعانت کی نیت نہ کرے اپنا ایک مال بیچے اور دام لے واللہ تعالٰی اعلم۔ص168

حشیش جس کو ہندی میں بھنگ کہا جاتا ہے، کی بیع جائز ہے؟

دوا کے لئے جائز ہے اور اگر گمان غالب ہو کہ وہ اس کو نشہ کے لئے استعمال کرے گا تو ایسے شخص کے ہاتھ بیع کرنا حلال نہیں کیونکہ معصیت بعینہٖ اس کے ساتھ قائم ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)ص168

حلال جانور مر جائے تو اس کو بیچنا

جو جانور مردار ہو گیا بغیر ذبح شرعی کے مر گیا اس کا بیچنا حرام ہے اور اس کے دام حرام۔ص171

بے پڑھے شخص کا شرعی مسئلہ بتانا کیسا؟

بے پڑھے کو جو حکمِ شرعی سنا ہے بہ تحقیق معلوم ہے اس کے بیان میں حرج نہیں اگرچہ جرأت نہ کرنا ہی اس کے لئے بہتر ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔ص173

کھڑا کھیت خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

کھیت اگر تیار ہو گیا اور ابھی کاٹ لیا جائے گا تو جائز ہے اور اگر ابھی نہ پکا اور پکنے تک کھیتی قائم رکھی جائے گی، تو خرید وفروخت ناجائز ہے بشرط مافیہ نفع عاقد بلا قضیة العقد (اس چیز کی شرط لگانے کی وجہ سے جس میں کسی عاقد کا نفع ہے اور عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا۔ت) اور اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ مثلاً کھیتی دو مہینہ میں پکتی سمجھے تو کھیتی فی الحال خرید لے اور اس کے باقی رکھنے کی شرط نہ کرے اور اسی وقت معاً وہ زمین جس میں کھیتی ہے اپنے کسی کام کے لئے دو مہینہ تک کو ایک معینہ کرایہ پر لے لے خریداری میں اس اجرت کا حساب دل میں سمجھ لے مثلاً بیس روپے قیمت کا کھیت ہے اور روپیہ مہینہ زمین کا کرایہ ہوگا اور دو مہینہ کو کرایہ لینا ہوا تو اٹھارہ روپے کو کھیت خریدے اور دو روپے کو زمین کرایہ پر لے۔ص175

بیج یا پھول پر فصل کی بیع ناجائز ہے

بیج یا پھول پر فصل کی بیع ناجائز ہے، اور جب پھل آ جائیں اگرچہ جانور کے کھانے کے قابل ہوئے ہوں تو بیع جائز ہے مگر یوں کہ خریدار اسی وقت توڑ لے، اور اگر یہ ٹھہرا کر پھل تیار ہونے تک لگے رہیں گے تو یہ ناجائز وحرام ہے اور اس میں اسے فی روپیہ سو آم یا پانچ سیر خربوزہ یا کم وبیش بائع کے لئے قرار دینا دوسرا حرام ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ مثلاً آم میں جتنے کو بہار بیچی منظور ہو موجودہ پھل جس حالت کے ہیں اتنے کو خرید کئے جائیں پھر مشتری بائع سے کہے کہ میں نے یہ پیڑ بعقدِ معاملہ تجھ سے لئے کہ میں ان کی غور پرداخت کروں گا اور جو پھل پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ہزار میں ایک تیرا اور نوسو ننانوے میرے یا سو تیرے اور نوسو میرے جو قرار پا جائے، خربوزے، تربوزے، ککڑی، بیگن کی جڑیں خریدے تاکہ جو پیدا ہووے مشتری کی مِلک ہو یہ خریداری ایک حصہ ثمن پر ہو جتنے پر بہار بیچنا اور خریدنا چاہتے ہوں باقی حصہ ثمن پر اس زمین کو ایک مدت معلوم تک اجارہ پر لے جس میں یہ سمجھے کہ فصل فارغ ہو جائے گی یہی طریقہ کھیتی میں بھی ہے مثلاً سو روپے پر معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو خربوزے وغیرہ کی جڑیں یا موجود کھیتی

پچاس روپے کو خریدے اور چھ مہینے میں فارغ ہوتی سمجھیں تو باقی پچاس روپے کے بدلے میں وہ زمین چھ مہینے کے واسطے اجارہ پر لے لے۔ص175

* **پھل کا پھول پر بیچنا ہی سرے سے حرام و ناجائز ہے وہ بیع بالاتفاق صحیح نہ ہوئی بائع و مشتری دونوں پر اس سے دست کشی وتوبہ لازم ہے۔ص155**

عقد میں فساد کب ختم ہوسکتا ہے اور کب نہیں؟

صلبِ عقد بدلین (مبیع وثمن) ہیں یہ فساد (جوصلبِ عقد میں ہو) کبھی مرتفع نہیں ہوسکتا جب تک اس عقد ہی کو فسخ نہ کریں یہاں نفسِ مجلسِ عقد میں اِصلاح بھی کارآمد نہیں جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچے پھر قبلِ اِفتراق زائد روپیہ ساقط کردے، عقد صحت کی طرف عود نہ کرے گا۔اور عدمِ شرطِ اِنعقاد کا فساد اس سے ملحق کیا گیا، اس لئے کہ شرط کا معدوم ہونا عقد کو باطل کر دیتا ہے ایسا نہیں کہ وہ عقد صفتِ فساد کے ساتھ منعقد ہوا کہ مجلس میں اس کی اصلاح ممکن ہو۔(ت)

عنایہ امام کمال بابرتی محلِ مذکور میں ہے:اس پر اعتراض کیا گیا کہ اگر کوئی شخص بغیر گواہوں کے نکاح کرے پھر نکاح کے بعد اس پر گواہ قائم کردے تو وہ نکاح جواز کی طرف نہیں پلٹے گا حالانکہ اس صورت میں فساد صلبِ عقد میں نہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں فساد عدمِ شرط کی وجہ سے آیا ہے جو قوی ہے جیسا کہ صلبِ عقد میں فساد ہو تو قوی ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلا طہارت نماز پڑھ لے پھر بعد میں طہارت کرلے تو اس کی نماز جواز کی طرف نہیں پلٹے گی اھ(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) کہ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ گواہ نکاح میں شرطِ انعقاد ہیں اور کلماتِ فقہاء کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اور درر وغیرہ میں تصریح کی گئی کہ گواہ شرطِ صحت ہیں لہٰذا بغیر گواہوں کے نکاح فاسد ہوگا نہ کہ باطل، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

ثم اقول: (پھر میں کہتا ہوں) بلکہ حق یہ ہے کہ شرطِ انعقاد کا نہ پایا جانا باطل کرنے والا ہے نہ کہ فاسد کرنے والا حالانکہ کلام فاسد ہونے میں ہے تو سرے سے سوال ہی ساقط ہے۔(ت)

ان کے سوا جو فساد ہوا گر قوی ہے صرف مجلسِ بیع کے اندر اس کا اِزالہ عقد کو صحیح کرسکے گا، بعدِ مجلس فساد متقرر ہوجائے گا اور اگرچہ مفسد زائل ہوجائے مرتفع نہ ہوگا جیسے ثمن کا آندھی چلنے یا مینہ برسنے پر مؤجل کرنا اور اگر ضعیف ہے تو بعدِ مجلس بھی اصلاح پذیر ہے جب تک وہ فساد اپنا عمل نہ کرلے کہ بعدِ عمل انتہا ہے نہ کہ اِنتفاء جیسے حاجیوں کے آنے یا ہوائیں چلنے پر ثمن کی تاجیل اگر آنے اور چلنے سے پہلے اس شرط کو ساقط کردیا تو بیع صحیح ہوگئی اگرچہ مجلسِ عقد کے مہینوں بعد ہوا، اور اگر حاجی آئے ہوائیں چلی گئی تو اب اِسقاطِ شرط کے کوئی معنی نہیں فساد مستقر ہوگیا بےفسخِ عقد مرتفع نہ ہوگا۔ص182

بابُ البیع المکروہ (بیع مکروہ کا بیان)

غلہ کو روک کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

غلہ کو اس نظر سے روکنا کہ گرانی کے وقت بیچیں گے بشرطیکہ اسی جگہ یا اس کے قریب سے خریدا اور اس کا نہ بیچنا لوگوں کو مضر ہو مکروہ وممنوع ہے، اور اگر غلہ دُور سے خرید کر لائے اور بانتظارِ گرانی نہ بیچے یا نہ بیچنا اس کا خلق کو مضر نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ص189

فصل اور موسمِ ارزانی میں غلہ خرید کیا جائے عندالموقع بشرح نرخ بازار فروخت کردیا جائے تو؟

صورتِ مذکورہ پر غلہ کی تجارت بلاشبہ حلال وجائز ہے اسے حرام کہنے والا حلالِ شرعی کو حرام کہتا ہے، حرام یہ ہے کہ بستی میں آنے والا غلہ خود خرید لے اور بند رکھے کہ جتنا مہنگا چاہے بیچے جس سے بستی پر تنگی ہوجائے، اور مکروہ یہ ہے کہ اس کے خریدنے سے بستی پر تنگی تو نہ ہو مگر اسے آرزو ہو کہ قحط پڑے کہ مجھے نفع بہت ملے، اور جب ان دونوں باتوں سے پاک ہے جیسا صورتِ سوال میں ہے تو اَصلاً کراہت بھی نہیں۔ص 191

بابُ بیع الفضولی (فضولی کی بیع کے احکام)

بیع فضولی کا حکم

جو چیز بے اطلاعِ مالک بیچی جائے وہ بیع اجازتِ مالک پر موقوف رہتی ہے قبل اَز اجازت اگر سو بیعیں یکے بعد دیگرے ہوں سب اسی کی اجازت پر موقوف رہیں گی اور قبلِ اجازت اس میں کوئی اس کا مالک نہ ہوگا نہ اس کا تصرف جائز ہو، ہاں بعدِ اطلاع جس بیع کو وہ نافذ کردے نافذ ہوجائے گی جبکہ بائع ومشتری ومبیع قائم ہوں۔ص 210

اور جو عقد جس وقت محتاجِ اجازت ہو اور اس وقت اس کا اجازت دینے والا کوئی نہ ہو وہ باطل محض ہوتا ہے کہ پھر آئندہ کوئی صالحِ اجازت پیدا ہو کر اجازت بھی دے تو جائز نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے: نابالغ بچے نے نابالغی کی عمر میں طلاق دی پھر بالغ ہو کر بذاتِ خود اس کی اجازت دی تو یہ طلاق جائز نہ ہوگی کیونکہ بوقتِ عقد اس کا کوئی اجازت دہندہ نہ تھا لہٰذا یہ باطل ہوگئی (ت)۔ص 214

بابُ المرابحۃ (بیع مرابحہ کا بیان)

مرابحہ کی تعریف

ہمارے ائمۂ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے متون میں مرابحہ کی تعریف یوں کی ہے کہ مرابحہ وہ بیع ہے کہ عقدِ اول کے ساتھ جس چیز کا مالک ہوا ہے اس کو ثمنِ اول مع کچھ نفع کی زیادتی کے دوسرے کو منتقل کرنا۔ص 220

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ت) جو چیز مرابحۃً بیچی جائے نہ تو اس کا عرض وسلع ومتاع وکیلا ہونا لازم بلکہ سونے چاندی پر بھی مرابحہ جائز ہے جبکہ سونا روپوں کو خریدا ہو یا چاندی اشرفیوں کو، نہ بیع کا صَرف ہونا مطلقاً اس کی ممانعت کو مستلزم، سونا کہ دس روپے کو خریدا تھا گیارہ روپے کو بیچا یا دس روپے بھر چاندی کا کنگن کہ ایک اشرفی کو مول لیا تھا ڈیڑھ اشرفی یا ایک اشرفی اور ایک روپے کو بیچنا، یہ سب صَرف ہی ہے اور مرابحہ اور جائز، نہ صَرف نہ ہونا مطلقاً جوازِ مرابحہ کو کافی، من بھر گیہوں من بھر گیہوں کو خریدے، ان کی بیع مرابحہ حرام ہے کہ سود ہے حالانکہ صَرف نہیں۔

تحقیق یہ ہے کہ جو شے مرابحۃً بیچی جائے اس میں دو شرطیں ہیں:

شرطِ اول:

وہ شے معین ہو یعنی عقدِ معاوضہ اس کی ذاتِ خاص سے متعلق ہوتا ہو نہ یہ کہ ایک مطلق چیز ذمہ پر لازم آتی ہو، ثمن جیسے روپیہ اشرفی عقودِ معاوضہ میں متعین نہیں ہوتے، ایک چیز سو روپے کو خریدی کچھ ضرور نہیں کہ یہی سو روپے جو اس وقت سامنے تھے ادا کرے بلکہ کوئی سے سو دے دے، اور اگر مثلاً سونے کے کنگن بیچے تو خاص یہی کنگن دینے ہوں گے، یہ نہیں کر سکتا کہ ان کو بدل کر دوسرے کنگن دے اگرچہ وزن ساخت میں ان کے مثل ہوں یہ شرط مرابحۃ وتولیۃ ووضیعہ تینوں میں ہے یعنی اول سے نفع پر بیچے یا برابر کو یا کمی پر، یہاں اس شی ء کا معین ہونا اس لئے ضرور ہے کہ یہ عقد اسی شئ مملوک سابق پر وارد کیا جاتا ہے اور جب وہ معین نہیں تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ وہی شی ہے، ولہذا اگر روپوں سے اشرفیاں خریدیں تو ان کو مرابحہ نہیں بیچ سکتے۔

اس لئے کہ اشرفیاں معین نہیں ہوتیں، بیچنے والا ان اشرفیوں کے بدلے دوسری اسی طرح کی دے دیتا تو جائز تھا اور اب جو یہ بیچ رہا ہے اب بھی متعین نہ ہوں گی یہ اشرفیاں دے یا ان کے ساتھ کی دوسری، تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ جو اشرفیاں پہلے اس کی مِلک میں آئی تھیں وہی اتنے نفع پر بیچیں کہ بیع مرابحہ ہو، اور اگر سونے کا گہنا روپوں کو خریدا تو اسے مرابحۃً بیچ سکتا ہے کہ وہ بیع میں متعین ہو گیا تو عقد اسی مملوکِ اول پر واقع ہوگا۔

شرطِ دوم:

وہ ایسا مالِ ربوی نہ ہو جو اپنی جنس کے بدلے لیا ہو جیسے سونا سونے یا چاندی چاندی، یا گیہوں گیہوں، یا جو جو کو، یہ شرط مرابحۃ ووضیعہ یعنی اول کے اعتبار سے زیادہ یا کم بیچنے میں ہے تولیہ یعنی برابر بیچنے میں نہیں اقول: وباللہ التوفیق وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ایک ربوی مال جس میں کمی بیشی سے سود ہو جاتا ہے اپنی جنس کے بدلے اسے ملا ہے، اب جو یہ اسے مرابحۃ بیچے گا تو اس کی جنس سے بدلے گا یا غیر جنس سے، اگر جنس سے بدلے تو فرض ہوگا کہ دونوں پورے برابر ہوں، کمی بیشی کیونکر ممکن کہ عین ربٰو ہے، اور اگر غیرِ جنس سے بدلے تو نہ مرابحۃ ہوئی، نہ جائز ہو سکتی ہے، مرابحۃ تو یہ تھی کہ جس عوض پر اسے پڑی ہے اسی کو مع کچھ نفع کے بیچے، یہاں عوض کی جنس بدل گئی۔ص 224

مرابحہ کی بناء کمال امانت پر ہے اس میں خیانت کا شبہ بھی حرام ہے پورا ٹھیک ٹھیک ثمنِ اول کا مساوی بتا کر اس پر نفع باندھے، غیرِ جنس میں ٹھیک مساوات بتانا محال ہے لہذا مالِ ربوی جب اپنی جنس کے عوض لیا ہوا سے مرابحۃ بیچنا ناممکن وحرام ہے۔ص 233

باب التصرف فی المبیع والثمن (مبیع اور ثمن میں تصرف کرنے کا بیان)

بائع ثمن مشتری کو معاف کر دے تو؟

بیشک جائز ہے کہ بائع کوئی چیز بیچے اور اس مجلس خواہ دوسری میں کل ثمن یا بعض مشتری کو معاف کر دے اور اس معافی کے سبب وہ عقد عقدِ بیع ہی رہے گا اور اسی کے احکام اس پر جاری ہوں گے اس اِبراء کے سبب ہبہ ٹھہر کر اِحکامِ ہبہ کا محل نہیں قرار

پاسکتا۔ص246

شرع مطہر میں عاقدین کی نیاتِ قلبیہ واغراضِ باطنیہ پر بنیاد نہیں

شرع مطہر میں عاقدین کی نیاتِ قلبیہ واغراضِ باطنیہ پر بنائے کار نہیں بلکہ جو لفظ انہوں نے کہے ان کے معانی پر مدار ہے، صدہا مسائلِ شرع اس پر متفرع اسی لئے اگر کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے دل میں عزمِ قطعی ہو کہ دو روز کے لئے نکاح کرتا ہوں تیسرے روز طلاق دے دوں گا تو وہ نکاح صحیح ونافذ رہتا ہے پھر اسے اختیار رہتا ہے چاہے طلاق دے یا نہ دے۔ اور اگر عقدِ نکاح ہی ان لفظوں سے واقع ہو تو باطل محض ہو جاتا ہے۔ص248

رسم المفتی

* علماء تصریح فرماتے ہیں کہ کسی قول پر اِقتصار کرنا اس کے اِعتماد کی دلیل ہے۔
* اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ کسی قول کو مدلل ومبرہن کرنا بھی اس کی ترجیح کی دلیل ہے۔
* علماء کی تصریح ہے کہ قول اس کا معتبر ہے جو شرطِ فاسد کا انکار کرتا ہے۔
* علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی عقد کے صحت وعدمِ صحت سے سوال ہو تو اسے صحت پر حمل کیا جائے گا اور یہ مان لیا جائے گا کہ تمام شرائطِ صحت مجتمع تھیں تاوقتیکہ فساد دلیلِ روشن سے ثابت نہ ہو مجرد احتمال کفایت نہیں کرتا۔
* علماء تصریح فرماتے ہیں جب عاقدین میں صحت وفساد کا اختلاف واقع ہو تو قول اس کا قول ہے جو مدعیِ صحت ہے۔ص254تا259

دارُالافتاء دارُالقضاء نہیں

دارالافتاء دارالقضا نہیں یہاں کوئی تحقیقِ واقعہ نہیں ہوتی، صورتِ سوال پر جواب دیا جاتا ہے، دو سوالوں میں ایسا اختلاف ہونے سے جواب مختلف ہو جانا لازم ہے جس کی ذمہ داری اس پر ہے جس نے سوال مجمل یا غلط پیش کیا، جب مفتی کو سوال کا خلافِ واقع ہونا معلوم ہو جائے تو حکم ہے کہ جواب نہ دے۔ص699

* **عرفاً لغۃً ہر طرح سال کے اندر اور ایک سال تک کا حاصل ایک ہے جس سے اَجل کی تحدید ایک سال سے ہوتی ہے۔ص266**

اپنے ملازم سے کہا پچاس روپے مجھے کسی سے قرض لا دے قرض کس کے ذمہ ہے؟

اگر نوکر نے یوں قرض مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے قرض دے دے یا میرا آقا تجھ سے پچاس روپے قرض مانگتا ہے جب تو یہ قرض آقا کے ذمہ ہے اور اگر یوں مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے کی ضرورت ہے مجھے قرض دے یا میرے آقا کے لئے مجھے پچاس روپے قرض دے تو قرض نوکر کے ذمہ ہوا۔ پھر اس صورت میں جبکہ نوکر نے وہ روپے جو حقیقۃً اس کی مِلک ہو چکے تھے لا کر آقا کو دے دیے اور اس نے اپنے صرف میں کئے، اور ظاہر ہے کہ یہ دینا بروجہِ ہبہ نہ تھا بلکہ بربنائے قرض ووجوبِ تقاضا واَدائے مثل تھا تو نوکر کا دَین آقا کے ذمہ رہا۔ص270

گندم تول کے قرض لینا دینا جائز ہے

جائز ہے، امام ابو یوسف کے قول پر عمل کرتے ہوئے کہ کیلی اور وزنی اشیاء میں مطلقاً عرف کا اعتبار ہے اور لوگوں کا اس پر عمل ہے اور گندم کو وزن کے اعتبار سے قرض لینا لوگوں میں رائج ہے، گناہ سے بچنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر بلند وعظمت والے معبود کی طرف سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت) ص274

خراب اناج کھلانا اور فصل پر اچھا اَناج لینا جائز ہے یا نہیں؟

اگر اس نے ناج ناقص قرض دیا اور یہ شرط نہ تھی کہ عمدہ لوں گا قرضدار نے اپنی خوشی سے عمدہ ناج دے دیا اسی قدر جتنا قرض لیا تھا تو اس میں مضائقہ نہیں اور اگر اسی شرط پر قرض دے کہ خراب دیتا ہوں اس کے برابر یا کم یا زائد عمدہ لوں گا، تو یہ ناجائز ہے۔ ص277

اگر زید عمرو کو دس روپے کا نوٹ قرض دے اور اس وقت یا کچھ دنوں کے بعد عمرو بارہ روپے نقد ادا کرے تو اس پر سود کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں اور زید وعمرو گنہگار ہوئے یا نہیں؟

الجواب: اگر قرض دینے میں یہ شرط ہوئی تھی تو بیشک سود وحرام قطعی وگناہِ کبیرہ ہے، ایسا قرض دینے والا ملعون اور لینے والا بھی اسی کے مثل ملعون ہے اگر بے ضرورتِ شرعیہ قرض لیا ہو۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **کل قرض جر منفعۃ فھو ربو** ۔قرض پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

اور اگر شرط نہ ٹھہری تھی بلکہ دس روپے کا قرض لیا کہ اس کے عوض دس ہی روپے کا نوٹ ادا کیا جائے گا، پھر عمرو کے دل میں خیال آیا کہ نوٹ کے بدلے دس اور دو روپے اپنی طرف سے اِحساناً بڑھا کر بارہ روپے دے دے تو یہ جائز واحسان ہے یا زید نے مثلاً اس سے اپنے قرض کا نوٹ مانگا اس کے پاس نہ تھا بارہ روپے اس کے عوض دینے پر فیصلہ ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر نوٹ عمرو خرچ کر چکا تو بالاتفاق بلاشبہہ جائز ہے جبکہ روپے اسی جلسہ میں دے دئے جائیں ورنہ ناجائز ہو جائے گا اور اگر وہی نوٹ اس کے پاس بدستور موجود ہے اور اسی نوٹ موجود کے عوض روپے دیئے تو ہمارے امام اَعظم وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے کہ عقدِ باطل ہے، زید پر لازم ہے کہ روپے عمرو کو پھیر دے، ہاں نوٹ موجود کے بدلے روپے نہ دے بلکہ قرض لینے کے باعث جو اس کے ذمہ پر نوٹ لازم ہوا ہے اس کے عوض دے تو دونوں امام ممدوح کے طور پر جائز ہے مگر یہ شکل اخیر عوام کے تصور وخیال میں نہیں ہوتی کہ باوصف بقائے نوٹ وہ عین ودین میں فرق کریں اور بجائے مافی الید مافی الذمہ کا عوض دینا لینا مراد رکھیں۔ ص278

بابُ الرِّبو (سود کا بیان)

اندازہ شرعی جو دربارۂ ربٰو معتبر ہے دو قسم ہے: کیل یعنی ناپ اور وزن بمعنی تول، اور حلت وحرمت کا قاعدہ کلیہ یہاں چار صورت میں بیان ہوتا ہے:

صورتِ اُولیٰ: جو دو چیزیں اندازہ میں مشترک ہیں یعنی ایک ہی قسم کے اندازہ سے ان کی تقدیر کی جاتی ہے مثلاً دونوں وزنی ہیں یا دونوں کیلی، اور دونوں ہیں بھی ایک جنس کے، مثلاً گیہوں گیہوں یا لوہا لوہا، تو ایسی دو چیزوں کی آپس میں بیع اسی وقت صحیح ہے جب دونوں اپنے اسی اندازہ میں جو شرعاً یا عرفاً ان کا مقرر ہے بالکل برابر ہوں اور ان میں کوئی ادھار بھی نہ ہو، اور اگر ایسی دو چیزیں ایک یا دونوں ادھار ہوں یا اپنے اس اندازہ مقرر میں برابر نہ کی گئیں، اب خواہ سرے سے اندازہ ہی نہ کیا گیا یا اندازہ کیا مگر کمی بیشی رہی یا برابری تو کی مگر دوسری قسم کے اندازہ سے کی مثلاً جو تول کی چیز تھی اسے ناپ کے برابر کیا یا جو ناپ کی تھی اسے تول کر یکساں کیا تو یہ بیع محض ناجائز اور ربٰو قرار پائے گی۔

صورتِ ثانیہ: جو دو چیزیں ہم جنس تو ہیں مگر اندازہ میں مشترک نہیں خواہ دونوں طرف اندازۂ معہودہ سے خارج ہیں جیسے گلبدن گلبدن، تنزیب تنزیب، گھوڑا گھوڑا کہ کیل ووزن سے ان کی تقدیر نہیں ہوتی، کپڑے گزوں سے بکتے ہیں اور گھوڑے شمار سے، یا ایک طرف فقط اندازہ ہو اور دوسری سمت خارج، جیسے تلوار لوہے کے ساتھ یا بکری کا گوشت زندہ بکری کے ساتھ کہ ہر چند ہم جنس ہیں مگر لوہے اور گوشت کی طرف اندازہ ہے کہ تُل کر بکتے ہیں اور تلوار اور بکری کی طرف اندازہ نہیں کہ شمار کی چیزیں ہیں تو ان صورتوں میں تفاضُل یعنی کمی بیشی تو جائز ہے مگر ایک یا دونوں کا دَین ہونا جائز نہیں۔

صورتِ ثالثہ: جو دونوں چیزیں ایک قسم کے اندازہ میں تو شریک ہوں مثلاً دونوں کیلی ہیں یا دونوں وزنی مگر ہم جنس نہیں، جیسے گیہوں جو کے ساتھ، یا لوہا تانبے کے ساتھ، تو یہاں بھی وہی حکم کہ تفاضل رَوا، اور نسیہ حرام سوا سونے چاندی کے کہ ہر چند وزن کی چیزیں ہیں مگر بیع سلم کے طور پر انہیں نقد دے کر اشیائے موزونہ لوہا تانبا چونا زعفران وغیرہ ادھار خریدنا بسببِ حاجت کے بالاجماع جائز ہے اگر چہ ایک ہی قسم کے اندازہ میں شریک ہیں۔

صورتِ رابعہ: جو دو چیزیں نہ ہم جنس ہوں نہ ایک قسم کے اندازہ میں شریک، اب خواہ دونوں اَصلاً داخلِ اندازہ کیل ووزن نہ ہوں جیسے گھوڑا کپڑا، یا ایک داخل ہو ایک خارج جیسے گھوڑا گیہوں، یا دونوں داخل ہوں مگر ایک قسم کے اندازہ سے ان کی تقدیر نہ ہوتی ہو بلکہ ایک کیلی ہو دوسری وزنی جیسے چاول کھجوریں، تو ایسی صورتوں میں تفاضل ونسیہ دونوں حلال ہیں۔

فائدہ: سونے چاندی کا ادھار ہونا یونہی دفعہ ہوسکتا ہے کہ ان پر قبضہ کرلیا جائے مثلاً یہ سونا بعوض اس چاندی کے بیچا اور بائع نے چاندی اور مشتری نے سونے پر قبضہ نہ کیا اور جُدا ہو گئے وہ بیع جائز نہیں اور ان کے سوا اور چیزوں میں فقط معلوم معین ہونا شرط ہے قبضہ ضرور نہیں مثلاً یہ گیہوں بعوض اس جو کے بیچے اور دونوں بے قبضہ کئے جُدا ہو گئے بیع صحیح ہے اور یہ جو اور گیہوں ادھار نہ کہلائیں گے۔

فائدہ: چار چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیلی فرمایا ہے:

(۱) گیہوں (۲) جو (۳) چھوہارے (۴) نمک۔

یہ چاروں ہمیشہ کیلی رہیں گی اگر چہ لوگ انہیں وزن سے بیچنے لگیں تو اب اگر گیہوں کے بدلے گیہوں برابر تول کر بیچے تو حرام ہوگا بلکہ ناپ میں برابر کرنا چاہئے۔ اور دو کو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وزنی فرمایا ہے: (۱) سونا (۲) چاندی یہ ہمیشہ وزنی رہیں گے، ان چیزوں کے سوا بنائے کار عرف وعادت پر ہے، جو چیز عرف میں تُل کر بکتی ہے وہ وزنی ہے اور جو گزوں یا گنتی سے بکتی ہے وہ اندازہ سے خارج۔ ص 291

سود کھانا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے

اس باب میں احادیثِ کثیرہ وارد ہیں:

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ایک درہم سود کا کھانا تینتیس زنا کے برابر ہے جس کا گوشت حرام سے بڑھے تو نارِ جہنم اس کی زیادہ مستحق ہے۔

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: بیشک ایک درم کہ آدمی سود سے پائے اللہ عزوجل کے نزدیک سخت تر ہے تینتیس زنا سے کہ آدمی اسلام میں کرے۔ص293

سود جس طرح لینا حرام ہے دینا بھی حرام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ کی لعنت سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کی گواہی کرنے والے پر۔ص298

اپنا حق دوسرے ناجائز طریقے کے نام سے ملتا ہو تو؟

سود حرامِ قطعی وکبیرۂ عظیمہ ہے جس کا لینا کسی حال روا نہیں ہوسکتا مگر حقیقۃً سود لینا ہو یا سود لینے کی نیت کہ ایسا قصدِ معصیت بھی معصیت ہے اگرچہ فعل واقع میں معصیت نہ ہو جیسے شربت براہِ غلط شراب سمجھ کر پینا کہ وہ حقیقۃً حلال سہی پر یہ تو اپنے نزدیک مرتکبِ گناہ ہوا، اور جہاں نہ حقیقت نہ نیت صرف نام ہی نام ہے وہ بھی بضرورت، تو اسے بالبداہۃ اس معصیت سے کچھ علاقہ نہ رہا کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

پس ریاست خواہ غیر ریاست جس شخص پر جس کا کوئی حقِ عام یا خاص ہو اور وہ بوجہِ مجبوری قانون یا کسی وجہ سے اس طور پر وصول نہ ہو سکے مثلاً تمادی عارض ہے یا مدیون منکر اور گواہ نہیں یا گواہ دیئے کچہری نہ مانی ڈسمس کردی یا کسی نے کچھ رقمیں خلافِ شرع اس سے لیں اور یہ انہیں واپس لینے پر قادر نہیں جیسے بنئے نے سود، قاضی نے رشوت وغیرہما اور وہ دوسرے طریقہ ناجائز شرعی کے نام سے ملتا ہو کہ اس میں ممانعتِ قانونی وغیرہ موانع نہ ہوں تو اس طریقۂ ناجائزہ کے نام کو صرف اس مقدار تک جہاں تک اس کا حق ہے ذریعۂ وصول بنانا جبکہ کسی امرِ ممنوع کی طرف منجر نہ ہو اور قصد و نیت میں اپنا حق لینا ہو نہ اس طریقۂ ممنوعہ کا مرتکب ہونا، شرعاً جائز ہے کہ اس صورت میں نہ اس امرِ ناجائز کی حقیقت نہ اس کی نیت نہ قانونی ممانعت جس سے دنیوی تحفظ کیا جائے ربا وغیرہ امورِ محرمہ کے معانی ربا و محرمات ہیں، نہ مجرد الفاظ بے معنی۔ص309

کفار سے سود لینا کیسا؟

سود مطلقاً حرام ہے، قال اللہ تعالٰی {وَحَرَّمَ الرِّبٰو}۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔(ت)

ہاں جو مال غیرِ مسلم سے کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن بغیر اپنی طرف سے کسی غدر اور بدعہدی کے ملے اگرچہ عقودِ فاسدہ کے نام سے اسے اسی نیت سے نہ بہ نیتِ ربا وغیرہ محرمات سے لینا جائز ہے اگرچہ وہ دینے والا کچھ کہے یا سمجھے کہ اس کے لئے اس کی نیت بہتر ہے نہ کہ دوسرے کی، لکل امرء ما نوی (ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) پھر بھی جس طرح برے کام سے بچنا ضرور ہے برے نام سے بچنا بھی مناسب ہے ایاك وبالسوء الظن (بدگمانی سے بچ۔ت) ان تمام احکام میں مشرک

ومجوسی و کتابی سب برابر ہیں جبکہ نہ ذمی ومستامن ہوں نہ غدر کیا جائے بلکہ یہی شرط کافی ہے کہ ان دونوں کو بھی حاوی ہے، **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص325

ایسی جگہ (یعنی کفار سے) عقودِ فاسدہ بغیر غدر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو۔ص365

سود کیا چیز ہے؟

وہ زیادت کہ عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اس کا استحقاق قرار پایا ہو سود ہے مثلاً سو روپے قرض دئے اور یہ ٹھہرالیا کہ پیسہ اوپر سو لے گا تو یہ پیسہ عوضِ شرعی سے خالی ہے لہٰذا سود حرام ہے۔ص326

باہمی رضامندی سے سود جائز ہے یا نہیں؟

اگر باہمی رضامندی سے سود جائز ہو سکے گا تو زنا بھی جائز ہو سکے گا اور سور بھی جائز ہو سکے گا جبکہ سور کا مالک اس کے کھانے پر راضی ہو، اللہ و رسول کے غضب میں کسی کی رضامندی کو کیا دخل۔ص326

(اگر کسی نے کیلی شے کیل کے طور پر خریدی تو جب تک کیل نہ کرے اس کی بیع اور اس کا کھانا حرام ہے۔ت) اس سے سمجھ میں یہ آتا ہے جو چیز مکیل خریدی جائے پھر گھر میں اگر اسے ناپ لے پھر صرف کرے اس بنا پر دودھ خرید کر پھر اپنے گھر میں اس کو ناپ کر لینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: یہ اس صورت میں ہے کہ چیز تول یا ناپ سے خریدی اور بائع نے اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے نہ تولی تو اسے تولنا لازم ہے اس کا تصرف ناجائز ہے اور اگر اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے تولی تو دوبارہ تولنے کی حاجت نہیں۔**واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص345 * فاتحہ سوم یا لڑکی کی شادی کے لئے سودی قرض لینا حرام ہے۔ص347

ہندوستان دارُالاسلام ہے یا دارُالحرب اور دونوں کی تعریفیں کیا ہیں؟

ہندوستان دارالاسلام ہے دارالاسلام وہ ملک ہے کہ فی الحال اس میں اسلامی سلطنت ہو، یا اب نہیں تو پہلے تھی، اور غیر مسلم بادشاہ نے اس میں شعائرِ اسلام مثلِ جمعہ و عیدین و اذان و اقامت و جماعت باقی رکھے اور اگر شعائرِ کفر جاری کئے اور شعائرِ اسلام یک لخت اٹھا دئے اور اس میں کوئی شخص امانِ اول پر باقی نہ رہا، اور وہ جگہ چاروں طرف سے دارالاسلام سے گھری ہوئی نہیں تو دارالحرب ہو جائے گا، جب تک یہ تینوں شرطیں جمع نہ ہوں کوئی دارالاسلام دارالحرب نہیں ہو سکتا۔ص367

رسالہ: کِفْلُ الفقیہِ الفاہم فی احکامِ قِرطاسِ الدّراھِم

(کاغذی نوٹ کے احکام کے بارے میں سمجھدار فقیہ کا حصہ)ص395

بابُ البیع السلم (بیع سلم کا بیان)

روپیہ پیشگی دے دیا اور اناج فصل پر لینا ٹھہرا کن کن شرطوں سے جائز ہے؟

اسے بیع سلم کہتے ہیں یہ بارہ شرطوں سے جائز ہوتی ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوگی تو بالکل ناجائز اور سود ہو جائے گی۔

(۱) اس شیء کی جنس بیان کردی جائے مثلاً گیہوں یا چاول یا گھی یا تیل، اگر ایک عام بات کہی مثلا غلہ میں لیں گے تو ناجائز ہے۔

(۲) وہ جنس اگر کئی قسم کی ہوتی ہے تو اس کی قسم معین کردی جائے جیسے چاول میں باسمتی ہنس راج، اگر نرے چاول کہے بیع صحیح نہ ہوگی۔

(۳) اس کی صفت بیان کردی جائے مثلاً عمدہ یا ناقص جیسے چنوں میں فرد یا کسیلے۔

(۴) اس کی مقدار معین کردی جائے مثلاً اتنے من، اور یہ بات بھاؤ کاٹ دینے سے بھی حاصل ہوجاتی ہے یعنی فی روپیہ اتنے سیر کہ روپوں کی گنتی معلوم ہونے سے کل مقدار خود معلوم ہوجائے گی۔

اور جہاں مختلف پسیروں کا رواج ہو وہاں پسیری کی تعیین بھی ضروری ہے کہ فلاں پسیری سے اتنے من اور جہاں کچا پکا دونوں من بولا جائے وہاں اس کی تعیین بھی لازم ہے غرض کوئی بات وہ نہ رہے جس میں آئندہ جھگڑا اٹھنے کی صورت ہو۔

(۵) میعاد معین کردی جائے جو ایک مہینہ سے کم نہ ہو اگر تعیین نہ کی مثلاً جب چاہیں گے لے لیں گے یا سفر کو جاتا ہوں جب پلٹ کر آؤں گا لے لوں گا تو ناجائز ہوگا۔

(۶) اگر وہ چیز بار برداری کی ہے جس کے یہاں سے وہاں لے جانے میں خرچ ہوگا تو وہ جگہ بھی معین کی جائے جہاں پہنچنا منظور ہے مثلاً فلاں شہر یا فلاں گاؤں میں پہنچتے ہوئے، اس میں بیچنے والے کو اختیار رہے گا کہ اس گاؤں یا شہر کے جس مقام ومحلہ میں چاہے پہنچادے اور جو مکان بھی خاص کردیا تو وہیں پہنچانا پڑے گا۔

(۷) ثمن کی بھی تعین ہوجائے مثلاً روپے یا اشرفی۔

(۸) اگر وہ ثمن چند قسم کا ہوتا ہے تو قسم بھی معین کردے مثلاً اشرفی محمد شاہی یا انگریزی۔

(۹) کھرے کھوٹے کا بیان بھی ہو جیسے لکھنؤ کا روپیہ یا انگریزی چہرہ دار یا جے پور کی چاندی یا اینٹ کا سونا۔

(۱۰) اگر ثمن اس قسم کا ہے کہ اس کے ہر ٹکڑے کے مقابل شے مبیع کا ٹکڑا ہوتا ہے جیسے سونا، چاندی، روپیہ اشرفی کہ گیہوں روپیہ کے من بھر ہوئے تو اٹھنی کے بیس سیر، چونی کے دس سیر ہوں گے تو ایسی ثمن کی تعیینِ مقدار بھی ضرور ہے مثلاً اتنے تولہ چاندی یا اس قدر روپے اور اگر وہاں مختلف وزن کے سکے چلتے ہوں جیسے حیدرآباد میں نوابی وانگریزی روپیہ وہاں سکہ کی تعیین بھی چاہئے۔

یہ دسوں باتیں خاص عقدِ ایجاب وقبول میں بیان کرنی ضرور ہیں، مثال اس کی یہ ہے کہ زید عمرو سے کہے میں نے تجھ سے بریلی کی تول سے دس من پختہ چاول ہنسراج کھرے بالعوض سو روپے انگریزی چہرہ دار کے آج سے چار مہینے کے وعدہ پر بریلی پہنچتے ہوئے خریدے، وہ کہے میں نے بیچے یا میں نے تجھ سے بدایوں کے وزن سے چار من پکا گھی بھینس کا خالص آج سے دو مہینے کے وعدہ پر مرادآباد پہنچتا ہوا بالعوض چھ اشرفی محمد شاہی بیس بیس روپے والی کے خریدا، وہ کہے میں نے بیچا، یہ سب باتیں خوب خیال کرلی جائیں کہ لوگوں میں آج کل بیع سلم کا بہت رواج ہے، ان زبانی شرطوں کے ترک سے حلال کو ناحق اپنے لئے حرام کرلیتے اور خدا کے گناہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔

(۱۱) شرط یہ کہ اسی جلسہ میں ثمن ادا کر دیا جائے ورنہ اگر یہ ساری گفتگو کر کے ثمن دیئے بغیر متفرق ہو گئے تو بنا بنایا عقد فاسد وناجائز ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر وہاں سے اُٹھ کر گھر میں روپے لینے گیا اور بیچنے والے کی نگاہ سے آڑ ہو گئی عقد فاسد ہو گیا۔

(۱۲) وہ چیز اس قسم کی ہو کہ روزِ عقد سے ختمِ میعاد تک ہر وقت بازار میں مل سکے ورنہ عقد ناجائز ہوگا اسی لئے اگر گیہوں کی کٹوتی میں یہ لفظ کہہ دیئے کہ نئے گیہوں لیں گے اور اس وقت نیا گیہوں بازار میں نہیں تو ناجائز وگناہ ہے اور اسی سبب سے رَس کی کٹوتی جو ایکھوں کے وقت کرتے ہیں حرام ہوئی کہ رس اس وقت بازار میں نہیں ہوتا۔ص569

بابُ الاستصناع (بیع اِستصناع کا بیان)

کسی سے کوئی چیز اس طرح بنوانا کہ وہ اپنے پاس سے اتنی قیمت کو بنا دے یہ صورت استصناع کہلاتی ہے کہ اگر اس چیز کے یوں بنوانے کا عرف جاری ہے اور اس کی قسم وصفت وحال وپیمانہ وقیمت وغیرہا کی ایسی صاف تصریح ہو گئی ہے کہ کوئی جہالت آئندہ منازعت کے قابل نہ رہے اور اس میں کوئی میعاد مہلت دینے کے لئے ذکر نہ کی گئی تو یہ عقد شرعاً جائز ہوتا ہے اور اس میں بیع سلم کی شرطیں مثلاً روپیہ پیشگی اس جلسہ میں دے دینا یا اس کا بازار میں موجود رہنا یا مثلی ہونا کچھ ضرور نہیں ہوتا مگر جب اس میں میعاد ایک مہینہ یا زائد کی لگا دی جائے تو وہ عقد بعینہٖ بیع سلم ہو جاتا ہے اور اس وقت تمام شرائطِ بیع سلم کا متحقق ہونا ضرور ہوتا ہے۔ اگر ایک بھی رہ گئی عقد فاسد ہو گیا۔ص597

* عند التحقیق استصناع ہر حال میں بیع ہی ہے۔ص599

باب الصرف (بیع صرف کا بیان)

روپوں کے عوض ایک وعدۂ معینہ پر قرضوں نوٹ کا بیچنا جائز ہے؟

نوٹ: (بیع صرف کے مسائل میں دینار سے سونے کا، روپیہ سے چاندی کا، اور پیسے سے سونا چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کا سکہ مراد ہے) (عمران)

فاقول: (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ اسی جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کر لیا جائے تا کہ طرفین دَین کے بدلے دَین بیچ کر جُدا نہ ہوں اور تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صَرف نہیں جیسے روپے کے بدلے پیسے تا کہ دونوں طرف کی قبضہ شرط ہو اس لئے کہ صرف یہ ہے کہ جو چیز ثمن ہونے کے لئے پیدا کی گئی ہے اسے ایسی ہی چیز کے ساتھ بیچیں جیسا کہ اس کی یہ تعریف بحر ودرر وغیرہ میں فرمائی اور معلوم کہ نوٹ اور پیسے ایسے نہیں ان میں تو ثمن ہونا اصطلاح کے سبب عارض ہو گیا جب تک چلتے رہیں ورنہ وہ متاع ہیں اور اس کے بیع صرف نہ ہونے کی ردالمحتار باب ربا میں بحر، اس میں ذخیرہ، اس میں مشائخ سے تصریح فرمائی، ہاں اس لئے کہ وہ چلن کے سبب ثمن ہے دونوں طرف میں سے ایک کا قبضہ ضرور ہے ورنہ حرام ہو جائے گا اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین سے دین کو بیچنے سے منع فرمایا ہے (ت)۔ص425

اور نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے اس لئے کہ آپ نے جان لیا کہ وہ خود قیمتی مال ہے نوٹ میں نیتِ تجارت کی بھی حاجت نہیں اس لئے کہ فتوٰی اس پر ہے کہ ثمنِ اصطلاحی جب تک رائج ہے زکوٰۃ اس میں واجب ہے۔(ت)ص409

* نوٹ قرض دینا جائز ہے اس لئے کہ وہ مثلی ہے (ت)۔ص 424
* نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہوجائے اس کا بیچنا جائز ہے (ت)۔ص 445
* نوٹ سرے سے مالِ ربا ہی سے نہیں (ت)۔ص 447
* سود سے بچنے کی صورتیں۔ص 495
* حیلے کے متعلق اَحادیث۔ص 498
* **نوٹ اور پیسے تو اصطلاحی ثمن ہیں سونا چاندی ثمنِ خلقی ہیں۔ص 611**

کلابتوں (چاندی اور ریشم یا سُوت کے تار) کی چاندی کے روپے سے ادھار بیع جائز ہے یا نہیں؟

کلابتوں میں سونے کا تو صرف رنگ ہی رنگ ہے اور نرے رنگ کا کچھ اعتبار نہیں جبکہ جلانے سے سونا اس میں سے جُدا نہ ہوسکتا ہو۔ کیونکہ اس صورت میں یہ سونے کا پانی چڑھانا ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ ہلاک ہونے والی چیز ہے۔(ت) مگر چاندی کا خود عین مستقل طور پر اس میں قطعاً موجود کہ وہ چاندی اور ریشم یا سُوت کے تار ہیں ایک دوسرے پر بٹے ہوئے تو اس کی بیع غایت یہ کہ چاندی اور اس کے ساتھ ایک اور چیز کی بیع ہوئی یہ اسے حکمِ صرف سے خارج نہ کرے گا جبکہ دوسری جانب بھی ثمنِ خلقی یعنی سونا یا چاندی یا روپیہ یا اشرفی ہو پس صورتِ اتحادِ جنس کہ روپیہ یا چاندی کے عوض کلابتوں بیچیں تماثل وتقابض دونوں اور بحالتِ اختلاف کہ سونے یا اشرفی سے مبادلہ کریں صرف تقابضِ بدلین بلاشبہہ لازم ہوگا تماثل یہاں یوں کہ ثمن کی طرف چاندی ان تاروں کی چاندی سے جو کلابتوں میں ہیں وزن میں زیادہ ہوتا کہ اس میں سے ان کے مقابل اور باقی اس دوسری چیز ریشم یا سوت کے مقابل ہوجائے اگر ثمن کی طرف چاندی اس کلابتوں کی چاندی سے وزن میں کم یا برابر ہے یا کمی بیشی معلوم نہیں تو بیع حرام و باطل ہے، اور تقابض یوں کہ اس مجلس میں خریدنے والا کلابتوں اور بیچنے والا اس کی قیمت پر قبضہ کرلے اگر کسی طرف سے ایک لمحہ کے لئے بھی ادھار ہو تو بیع باطل وحرام ہے۔

یہاں بھی اپنی ناواقفی سے یہ گناہِ عظیم سر پر لیا ہے، اگر علم رکھیں یا علماء سے پوچھیں تو یہ کارخانہ بدستور یوں ہی جاری رہے اور خالص حلال وطیب ہو فقط اتنا کریں کہ قیمت میں سونے چاندی، روپیہ، اشرفی، اٹھنی، چونی، دونی نہ کہیں بلکہ جتنے روپوں کو بیچنا ہو اتنے کے پیسوں یا نوٹ کا نام لیں مثلاً سو روپیہ کا کلابتوں بیچنا ہے تو یوں کہے کہ میں نے یہ کلابتوں تیرے ہاتھ ایک ہزار چھ سو آنے فلوس رائجۃُ الوقت کو بیچا یا بعوض نوٹ احاطۂ فلاں رقمی صد روپیہ کے بیع کیا اب نہ اِتحادِ جنس ہے کہ تماثل شرط ہو، ظاہر ہے کہ کلابتوں میں چاندی ہے اور یہاں پیسے یا کاغذ نہ یہ بیع صَرف ہے کہ قرضوں مطلقاً حرام ہوتا، بنائے کاغذ اصل آفرینش میں ثمن نہیں اور صَرف وہی کہ ثمنِ خلقی ثمنِ خلقی سے بیع کی جائے، یہ صرف سونا یا چاندی ہے وبس، ہاں ازانجا کہ فلوس ونوٹ اصطلاحاً ثمن ہیں ایک جانب سے قبضہ ضرور ہے (تاکہ دین کے بدلے میں دین سے جدا ہونا لازم نہ آئے۔ت) لہٰذا اگر روپیہ کے پیسے خریدے روپیہ دے دیا اور پیسے پھر دئے جائیں گے تو مذہبِ راجح ومعتمد میں کچھ مضائقہ نہیں بعینہٖ یہی حالت کلابتوں اور پیسوں یا نوٹ کی ہے کہ صرف ایک طرف سے قبضہ ہوجانا کافی اگرچہ دوسری جانب قرض ہو۔ص 627

علم دین سیکھنے کے متعلق درسِ رضا

ہمارے مسلمان بھائیوں کی حالت سخت قابلِ افسوس ہے جو شخص جس کام میں ہاتھ ڈالے اس پر فرضِ عین ہے کہ اس کے متعلق جو احکامِ شرع ہیں انہیں سیکھ لے تا کہ معصیتِ الٰہی میں نہ پڑے ہمارے بھائیوں نے یہ مسئلہ دُنیاوی قانون میں جاری کیا اور قانونِ ربانی میں چھوڑ دیا اگر کوئی مقدمہ دو روپے کا دائر کریں گے پانچ وکیلوں سے پوچھیں گے کہ اس میں کوئی خامی نہ رہ جائے کسی طرح قانون انگریزی کی مخالفت نہ آئے کہ مقدمہ ہاتھ سے جائے مگر کسی دینی کام میں علماء سے دریافت کرنے کی اَصلاً حاجت نہیں کہ یہ کیونکر حلال ہے کس طرح حرام کس صورت میں صحیح، کس طور پر فاسد، تو وجہ کیا کہ دو روپے استغفر اللہ بلکہ دو پیسے کا نقصان گراں گزرتا ہے نقصانِ دین کی پرواہ کیا ہے۔ص629

احکامِ الٰہیہ جلَّ وَعلَا کے اِتباع و اِمتثال سے ہرگز بابِ رزق مسدود نہیں ہوسکتا جبکہ وہ ربِ کریم رؤف رحیم احکامِ نفس وشیطان کی پیروی اپنی شدید شنیع نافرمانی پر دروازۂ رزق بند نہیں کرتا۔ص629

بیعُ الفلوس بالدراھم (دھات کے سکوں کی سونا چاندی کے سکوں سے بیع)

بیع الفلوس بالدراھم صَرف نہیں نہ اس میں سب احکامِ صرف جاری۔ مگر اس قدر میں شک نہیں کہ جب تاعینِ رواج ان کے لئے حکمِ اَثمان ہے تو اَحدُ الجانبین میں قبض بالید ہونا ضروری ہے۔ اختلاف اسی میں ہے کہ آیا یہ قبضہ جانبین سے مشروط یا ایک ہی جانب میں کافی جس نے اصل خلقت پر نظر کی کہا صَرف نہیں پھر تقابض کی کیا حاجت۔ اور وہ اکثر ہیں اور جس نے ثمنیتِ مصطلحہ پر لحاظ کیا تقابض شرط ٹھہرایا۔ بالجملہ مذہبِ راجح پر بیع الفلوس بالدراہم والدنانیر میں ایک ہی جانب کا قبضہ کافی۔ص632

باب بیع التلجیہ (دِکھلاوے کی بیع کا بیان)

عمرو کو اگر اقرار وتسلیم یا بینہ عادلہ شرعیہ سے ثابت ہے کہ یہ بیع محض بطورِ فرضی کی گئی جسے بیع تلجیہ کہتے ہیں تو بیع شرعاً منعقد ہوگئی ولہذا اگر عاقدین اسے جائز کردیں نافذ ہوجائے گی۔ درمختار میں ہے کہ بیع منعقد ہے مگر لازم نہیں جیسے خیار کے ساتھ بیع۔ص639

زید نے مثلاً ایک قطعہ مکان وایک حصۂ دکان بدست بکر کسی وجہ خاص سے بیع فرضی کرکے قبضہ تام واسطے بکر کے حاصل کرادیا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا بکر بہ سبب اس عقد فرضی کے مالک مکان وحصہ دکان کا شرعاً ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فی الواقع اگر بینہ شرعیہ یا اقرارِ بکر سے ثابت ہے کہ بیع فرضی طور پر کی گئی ہے تو بکر ہرگز مالکِ مبیع نہیں اگرچہ قبضہ برضائے بائع کیا ہو، کیونکہ یہ بیع منعقد عاقدین کی اجازت پر موقوف ہے اور موقوف میں قبضہ سے ملکیت حاصل نہیں ہوسکتی جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کردی ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (ت) ص641

باب بیع الوفاء (بیع وفاء کا بیان)

بیع الوفاء رہن ہے نہ اس سے کچھ زائد اور نہ ہی کسی شئ میں اس کے مخالف ہے، اس سے جو منفعت حاصل ہو حرام ہے۔ص644

باب متفرقات البیع (بیع کے متفرق احکام)

قیمتِ مقررہ اسٹامپ سے زیادہ لینا رشوت ہے یا نہیں؟

یہ رشوت نہیں بلکہ اپنی خرید پر نفع لینا ہے مگر کلام اس میں ہے اسٹامپ بیچنا خود ہی کراہت سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ص 649

سبزی خریدنے کے بعد جھگڑا کر کے زیادہ لینا کیسا؟

الجواب: جھگڑے کی اجازت نہیں، اور زیادہ مانگنا بھی سوال میں داخل ہے، ہاں بطورِ خود اپنی خوشی سے زیادہ دے دے تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص 651

کتابُ الکفالۃ (ضامن بننے کا بیان)

کفالت دو ہیں

(۱) کفالت بالنفس یعنی حاضر ضامنی۔ (۲) کفالت بالمال یعنی مال ضامنی۔ص 658

کتابُ الحوالہ (حوالہ کا بیان)

تنویر الابصار میں ہے: حوالہ محیل کے ذمہ سے دین کو محتال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل کرنے کا نام ہے۔(ت)

حوالہ میں (جسے قرضہ کی اُترائی کہتے ہیں) اصل مدیون (جسے محیل کہتے ہیں) دَین سے بَری ہوجاتا ہے دَین اس پر نہیں رہتا اس دوسرے پر ہوجاتا ہے جس نے اپنے اوپر لیا (جسے محتال علیہ کہتے ہیں) محتال علیہ وہ دَین محیل کی طرف سے ادا نہیں کرتا بلکہ خود اپنے اوپر کا دَین دائن کو (جسے محتال ومحتال لہ کہتے ہیں) دیتا ہے۔

یہاں تک کہ اب اگر دائن اصل مدیون کو دَین بخش دے یا معاف کرے تو باطل ہے کہ جو دَین اس پر رہا ہی نہیں اس کی بخشش یا معافی کیا معنی، اور اگر محتال علیہ کو معاف کر دے معاف ہوجائے گا۔ ولہٰذا اب اگر اصل مدیون اس اُترے ہوئے دَین کے بدلے کوئی چیز دائن کے پاس رہن رکھے صحیح نہیں کہ دَین اس پر رہا ہی نہیں یہ رہن کاہے کے عوض رکھتا ہے، اور اگر پہلے سے اس دَین کے بدلے کوئی رہن دائن کے پاس رکھا ہوا تھا حوالہ ہوتے ہی دائن سے واپس لے لے گا کہ اب دَین اس پر نہ رہا۔

حوالہ کے بعد دائن کو اَصلاً اختیار نہیں رہتا کہ اصل مدیون سے اپنے دَین کا مطالبہ کرے، ہاں اگر محتال علیہ حوالہ ہونے سے مُکر جائے اور قسم کھالے اور محیل ومحتال کسی کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس مرجائے کہ جائداد یا مال نقد یا قرض نہ چھوڑے، نہ کوئی اس کی طرف سے ضامن ہو تو صرف اس صورت میں حوالہ باطل ہو کر دَین پھر اصل مدیون پر عود کرتا ہے، عود کرنے کے معنی ہی خود یہ ہیں کہ اس سے پہلے اس پر دَین نہ رہا تھا۔ص 708 تا 710

ہنڈی کی تعریف وحکم؟

زید عمرو کے پاس کچھ روپیہ بطورِ قرض اس شرط پر جمع کرے کہ یہ روپیہ فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کیا جائے یا یہ کہ میں خود

فلاں شہر میں پاؤں، اس کا نام ہنڈی ہے، یہ ناجائز وگناہ ہے اور اس پر جو بعض وقت کمی بیشی ہوتی ہے جسے متی کہتے ہیں وہ نرا سود اور حرام قطعی ہے اور بطورِ قرض دینے سے یہ مراد نہیں کہ قرض کہہ کر دے بلکہ جب معاملہ یوں ہوا کہ اگر یہ روپیہ عمرو کے پاس سے بے اس کے قصور کے گم جائے چوری ہوجائے کسی طرح جاتا رہے جب بھی زید اپنا روپیہ اس سے بھروالے تو اسی کا نام قرض ہے اگرچہ دیتے وقت قرض کا لفظ نہ کہا ہو جمع کرنا کہا ہو جو امانت کو بھی شامل ہے اور یہاں عام طور پر یہی ہے کہ عمرو کو ہر طرح اس روپے کا دَیندار جانیں گے اور کسی طرح ضائع ہو بے تاوان لئے نہ مانیں گے تو معلوم ہوا کہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے امانت ہوتی تو بے اس کے قصور کے اگر روپیہ جاتا رہتا تو اس سے کچھ نہ لیا جاتا معہذا یہاں جمع کرنا اور دوسری جگہ اس کا عوض لینا یہ خود ہی حاصلِ قرض ہے امانت تو بعینہا واپس لی جاتی ہے نہ اس کا عوض، اور جب یہ قرض دینا ہوا اور زید اس میں یہ فائدہ پاتا ہے کہ اگر روپیہ کسی کے ہاتھ اس شہر کو بھیجتا یا اپنے ساتھ لے جاتا تو راستے میں جاتے رہنے کا اندیشہ تھا عمرو کو بطورِ قرض دینے سے یہ اندیشہ جاتا رہا تو یہ ایک نفع ہے کہ زید نے قرض دے کر حاصل کیا اور قرض دینے والے کو قرض پر جو نفع جو فائدہ حاصل ہو وہ سب سود اور نرا حرام ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **کل قرض جر منفعة فھو ربا**۔ قرض سے جو فائدہ حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔ لہٰذا ہنڈی ناجائز ہوئی۔ ص712

جبکہ ہنڈی حرام ہے تو کوئی صورت شرعاً ایسی ممکن ہے کہ جائز طور پر ہنڈی کا مطلب اس سے حاصل ہو جائے؟

ہاں ممکن ہے روپیہ نہ دے بلکہ نوٹ، اور قرض نہ دے بلکہ بیع کرے اس شرط پر کہ خریدار اس کی قیمت کا حوالہ فلاں شہر کے فلاں تاجر پر کردے کہ ہم خود یا اپنے کسی وکیل کے ذریعہ سے وہاں وصول کرلیں یہ جائز ہے اور مطلب پورا حاصل ہے اور اب کمی بیشی بھی روا ہے سو کا نوٹ ننانوے کو بیچیں خواہ ایک سو ایک کو۔ **کما حققناہ فی کفل الفقیہ** (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے کفل الفقیہ میں کردی ہے۔ ت) ہاں اس شرط پر بیچنا کہ تو اس کی قیمت فلاں شہر میں مجھے دینا، یہ ناجائز ہے۔ ص713

جلد نمبر 18

کتابُ الشھادۃ (گواہی کا بیان)

شاہد کی کیا تعریف اور کون سی شہادت شرع شریف میں مانی جاتی ہے؟

شاہد وہ جو مجلسِ قضا میں بلفظِ آشھَدُ یا گواہی میدہم (میں گواہی دیتا ہوں۔ت) یا گواہی دیتا ہوں کسی حق کے ثابت کرنے کی خبر دے، اور قبولِ شہادت کے لئے شاہد کا عاقل، بالغ صحیح یا دوالا، انکھیارا اور مدعا علیہ پر اپنی گواہی سے اِلزام قائم کرنے کی لیاقت والا ہونا لازم ہے، اور یہ کہ اسی شہادت میں بوجہِ قرابت ولادت یا زوجیت یا عداوت وغیرہا اس پر تہمت نہ ہو، اور فاسق کی گواہی بھی مردود ہے اور قبول کرنے والا گنہگار۔ص 93

کتابُ القضاءِ والدَّعَاوٰی (قضاء اور دعوٰی کا بیان)

مُدَّعِی کون؟

عوام کا خیال یا عرف یہ ہے کہ جو کچہری میں پہلے آ کر نالشی ہو مطلقاً وہی مدعی ہے اور جواب دینے والا مدعا علیہ۔ مگر شرع مطہر میں ہزار بار اس کا عکس ہوجاتا ہے جو نالش لے کر آیا مدعا علیہ ٹھہرتا اور جواب دہندہ مدعی قرار پاتا ہے۔ ولہذا علماء فرماتے ہیں کہ مدعی اور مدعا علیہ میں تمیز کرنی ایک سخت مہم ودشوار کام ہے جس میں غورِ کامل حاکم پر فرضِ تام ہے۔ص 374

ہبہ میں قبول بھی مثلِ ایجاب رکنِ ہبہ نہیں

ہمارے مشائخ مذاہب رحمہم اللہ تعالٰی کو اختلاف ہے کہ قبول بھی مثلِ ایجاب رکنِ ہبہ ہے یا نہیں۔

اور راجح ومعتمد ومفتیٰ بہ یہ ہے کہ قبول رکن نہیں غایت یہ کہ شرطِ ثبوتِ مِلک ہو پھر قبضہ کہ مجلس میں ہوا گرچہ بے اذنِ صریح واہب یا باذنِ واہب ہوا گرچہ بعدِ مدت وہ اس قبول کا قائم مقام ہوجائے گا قولِ حق اور تحقیق یہ ہے کہ قبضہ بنفسہٖ شرطِ ثبوتِ مِلک ہے اور وہی دلالتِ قبول بھی ہوجائے گا، رہا پیش اَز قبضہ حاجت اس قدر ہے کہ قبول کا منافی یعنی رَد و اِمتناع نہ پایا جائے، قبضہ اگرچہ قائم مقام قبول ہے مگر قبول رکن ہوتا تو ماورائے مجلس پر موقوف نہ رہ سکتا۔ص 393

ہبہ میں قبضے کے احکام

شرعاً وعقلاً وعرفاً جب تک مالکِ مکان خود مکان میں ہو اسی کا قبضہ ہے اس کا مال اسباب رکھا ہو تو اسی کا قبضہ ہے اس کے اہل وعیال رہتے ہوں تو اسی کا قبضہ ہے ولہذا اگر مکان ہبہ کیا اور ہنوز خود واہب یا اس کا اسباب یا اہل وعیال مکان میں ہیں ان سے تخلیہ نہ کیا اور موہوب لہ سے کہتا ہے میں نے تجھے قبضہ دیا تو اس کا یہ کہنا صحیح نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص مالک کی اجازت سے عاریۃً یعنی بے اجرت رہتا ہے تو جب بھی مکان قبضۂ مالک ہی میں ٹھہرے گا کہ مرتہن یا مستاجر کی طرح اس کا قبضہ مستقلہ نہیں بلکہ قبضۂ مالک ہی کی فرع اور اسی سے مستفاد ہے تو اس کا نافی نہ ہوگا بلکہ اس کی تقریر و تاکید کرے گا ولہذا اگر مکان جس میں بلا اُجرت اور لوگوں کو سکونت دے رکھی ہے مالک نے اپنے نابالغ بچہ کو ہبہ کیا ہبہ کرتے ہی مِلکِ پِسَر ہو گیا ان لوگوں سے تخلیہ درکار نہیں کہ ان کا قبضہ خود قبضۂ واہب ہے اور اپنے ولدِ صغیر کو ہبہ کرنے میں خود اپنا ہی قبضہ مطلوب ہے۔ اور قبضہ دِلانے کے معنی شرعاً و عقلاً و عرفاً یہی ہیں کہ اپنا قبضہ اُٹھا کر اس کا قبضہ کرا دیا جائے ورنا جب تک اپنا قبضہ موجود ہے اس کا قبضہ کیونکر ہوگا کہ شیء اپنے منافی کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ص396

حَکَم کو فیصلہ کرنے سے پہلے معزول کر دیا تو؟

پنچوں کو فیصلہ کا اختیار اس وقت ہوتا ہے کہ ان کے حکم دینے تک فریقین ان کے پنچ ہونے پر راضی رہیں، اگر ایک فریق بھی پنچ کے حکم دینے سے ایک آن پہلے اس کی ثالثی پر ناراضی ظاہر کرے فوراً وہ ثالثی سے نکل جائے گا اور اسے حکم دینے کا کچھ اختیار نہ رہے گا اور حکم دے تو اصلاً نہ سنا جائے گا یہاں تک کہ ہمارے علماء فرماتے ہیں اگر تمام ترتیب و تکمیلِ مقدمہ کے بعد جب صرف حکم دینے کی دیر رہی تھی ثالث نے ایک فریق سے کہا میرے نزدیک حجت تجھ پر قائم ہوگئی میں تجھ پر حکم دیا چاہتا ہوں اس نے کہا میں (تیری) ثالثی سے راضی نہیں، بس یہ کہتے ہی ثالث کو اختیار جاتا رہا اب وہ کچھ حکم نہیں کرسکتا۔ص430

حَکَم جب متعدد اشخاص ہوں تو؟

ثالثی جب متعدد اشخاص کے سپرد کی جائے تو ان کا وہی حکم مسلَّم و قابلِ اعتبار ہوگا جو وہ سب باتفاقِ رائے فیصلہ کریں اور اختلاف پڑے تو ان میں کسی کا حکم قابلِ لحاظ نہیں ایسے مقامات میں کثرتِ رائے پر نظر نہیں ہوسکتی جہاں کوئی اختیار متعدد اشخاص کو سپرد کیا گیا ہو مثلاً چند شخصوں کو وکیل کیا تو ان سب کی رائے متفق ہونا ضرور ہے یا متعدد اشخاص کو اپنے مال کا وصی کیا تو جو تصرف ہوگا سب کی مجموعی رائے سے ہوسکے گا یا چند اشخاص کو وقف کا متولی کیا تو اس میں بھی بعض یا اکثر کی رائے سے کچھ نہ ہوسکے گا جب تک سب کی رائے متفق نہ ہو بعینہٖ یہی حالت ثالثوں کی ہے اور ان سب کی وجہ یہی ہے کہ اختیار دینے والا مجموع کی رائے پر راضی ہوا تھا نہ کہ بعض کی۔ص432

کتابُ القاضی الی القاضی کن شرائط سے مقبول ہوسکتی ہے

تمام کتب میں تصریح ہے کہ اس کا قبول صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ قاضیِ شرع جسے سلطانِ اسلام نے فصلِ مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے مثلاً کوئی شرعی گواہی گزری اس نے دوسرے شہر کے قاضیِ شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادتِ شرعیہ قائم ہوئی اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام و نشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہوا اور وہ خط دو گواہانِ عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لئے کافی سمجھے تو اس پر عمل کرسکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ قاضی کاتب خط لکھ کر ان گواہوں کو سنا دے یا اس

کا مضمون بتادے اور خط بند کرکے ان کے سامنے سر بمہر کردے، اور (اَولیٰ) یہ کہ اس کا مضمون ایک کھلے ہوئے پرچہ پر الگ لکھ کر بھی ان شہود کو دے دے کہ اسے یاد کرتے رہیں یہ آکر مضمون پر بھی گواہی دیں کہ خط میں یہ لکھا ہے اور سر بمہر خط اس قاضی کے حوالے کریں یہ زیادہ احتیاط کے لئے ہے ورنہ خیر اسی قدر کافی ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں عادل کو خط سپرد کرکے گواہ کرلے اور وہ باحتیاط یہاں لاکر شہادت دیں بغیر اس کے اگر خط ڈاک میں ڈال دیا یا اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا تو ہرگز مقبول نہیں اگرچہ وہ خط اسی قاضی کا معلوم ہوتا ہو اور اس پر اس کی اور محکمۂ قضا کی مہر بھی لگی ہو اور اس کے سوا اور شرائط بھی ہیں کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کتابُ الصوم میں ذکر کیں۔ص443

حَکَم یا قاضی کا اختیار مقید ہوسکتا ہے

حکم یا قاضی کو مطلقاً اختیار نہیں ہوتا کہ وہ صورتِ مقدمہ میں جو حکمِ مسئلہ پائیں اس پر فیصلہ کردیں ان کا حکم اس حد تک محدود رہتا ہے جس قدر انہیں قاضی یا حکم کرنے والے نے اختیار دیا ہے مثلاً تقلیدِ قضا میں سلطان نے یہ قید لگادی کہ تجھے فلاں روز قضا کا اختیار دیا تو اسی دن اس کا حکم حکمِ قاضی ٹھہرے گا دوسرے دن کچھ نہیں، یا یہ تخصیص کردی کہ تجھے فلاں مکان میں اختیارِ قضا ہے تو وہ اس مکان کے اندر ہی قاضی رہے گا اس سے باہر کچھ اختیار نہیں رکھتا، یا یہ شرط لگادی کہ تجھے فلاں فلاں قبیلے یا فلاں فلاں اشخاص پر قاضی کیا تو وہ انہیں کا فیصلہ کرسکتا ہے ان کے ماوراء میں مثل اور رعایا کے ہے **علیٰ ھذا القیاس** جو قید لگادی جائے اس کے ساتھ مقید رہے گا کہ وہ بذاتِ خود والی نہیں بلکہ دوسرے کے ولایت دینے سے ولایت پاتا ہے تو وہ جس شرط کے ساتھ اختیار دے گا اسی کے ساتھ مختص رہے گا بعینہٖ یہی حال حَکَم کا ہے (اس) کی تولیت جانبِ فریقین سے تو فریقین ثالثوں کو جن شرائط کا پابند کریں گے اسی قدر انہیں اختیارِ فیصلہ ہوگا باقی میں وہ ایک راہ چلتے اجنبی کے مثل ہیں۔ص452

رشوت کی تعریف

کسی کا حق چھپانا اور اپنا حق نکالنے کے لئے جو دیا جائے وہ رشوت ہے اور اپنے اوپر سے دفعِ ظلم (کو) دیا جائے تو رشوت نہیں، ہاں ظالم کے حق میں وہ بھی رشوت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص588

رشوت لینا مطلقاً گناہ کبیرہ ہے

رشوت لینا مطلقاً گناہ کبیرہ ہے لینے والا حرام خوار ہے مستحق سخت عذابِ نار ہے، دینا اگر بمجبوری اپنے اوپر سے دفعِ ظلم کو ہو تو حرج نہیں اور اپنا آتا وصول کرنے کو ہو تو حرام ہے اور لینے دینے والا دونوں جہنمی ہیں اور دوسرے کا حق دبانے یا اور کسی طرح ظلم کرنے کے لئے دے تو سخت تر حرام اور مستحقِ اَشد غضب و اِنتقام ہے۔ص469

بعدِ مشورہ بھی اپنی رائے پر اعتماد جائز ہے اور مشورے کے تفصیلی احکام

خصائص بے دلیلِ صحیح اختصاص ثابت نہیں ہوتے، اسی طرح فتح الباری وغیرہ میں ہے، یوں تو ہر فضل عطائی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی سے خاص ہے کہ وہی اصل ومنبع ومبدء ومرجع ہر فضل ہیں حقائق عطایائے محمدیہ میں یہ فضل کہ بعد مشورہ بھی

اپنی رائے پر اعتماد جائز ہو علمائے کرام نے خصائصِ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نہ گنا البتہ وجوبِ مشورہ کو خصائصِ والا سے شمار کیا بلکہ ہمارے علمائے کرام نے ہر حاکم ذی رائے کے لئے اس کے عموم کی تصریح فرمائی کہ مشورہ کرے پھر عمل اپنی ہی رائے پر کرے اگرچہ سب رائے دہندوں کے خلاف ہو یعنی جبکہ مشورہ سے اپنی رائے کی غلطی ظاہر نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو محتاجِ مشورہ نہیں بلکہ ہر امر میں اپنے رب کے سوا تمام جہان سے غنی و بے نیاز ہیں حضور کا مشورہ فرمانا غلاموں کے اعزاز بڑھانے اور انہیں طریقۂ اجتہاد سکھانے امت کے لئے سنت قائم فرمانے کے لئے تھا وہ خود فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: واضح ہو کہ اللہ تعالٰی اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مشورہ سے مستغنی ہیں لیکن اللہ تعالٰی نے مشورہ کو میری امت کے لئے رحمت بنایا ہے تو جو مشورہ کرے گا وہ رہنمائی کو معدوم نہ پائے گا اور جو نہ کرے گا وہ خطا کو معدوم نہ پائے گا۔ اس کو ابن عدی اور بیہقی نے شعب میں سندِ حسن کے ساتھ ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

معاملہ دائرہ دو قسم ہے: شرعی یا اس کا غیر۔ یہاں شرعی سے مراد وہ امر ہے جس سے حکم و تحدید شرعی متعلق ہوا اختیارِ مکلف پر نہ چھوڑا گیا ہو، اور غیر سے وہ جسے شرع نے ہمارے اختیار پر رکھا ہے مثلاً چاندی چاندی کے عوض بیچنے میں مساوات لازم فرمادی ہے کمی بیشی کا اختیار نہیں اور سونا چاندی کے عوض بیچنے میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی، عاقدین کو اختیار ہے کہ پندرہ کی اشرفی ہزار روپیہ کو لیں دیں خواہ ایک پیسے کو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی وجہ سے کہ جب دو مختلف جنس ہوں تو پھر جیسے چاہو فروخت کرو۔ (ت)

تو پونڈ کی قیمت پندرہ روپے ہونا حکمِ شرعی نہیں لیکن روپے کو بدلے سوا گیارہ ہی ماشے چاندی ہونا حکمِ شرعی ہے۔ قسم اول میں پھر دو صورتیں ہیں، کتب میں اس کا حکم مصرح ہے یا حادثہ جدیدہ ہے کہ اس کا حکم نصوصِ فقہی سے نکالنا محتاج نظرِ تفقہ ہے پھر جس کا حکم مصرح ہے وہ ایک ہی حکم ہے جس سے تجاوز ناجائز یا دونوں طرح کے حکم ہیں اور مکلف کو روا ہے ان میں جس پر چاہے عمل کرے، پہلی صورت یہ کہ حکم واحد متفق علیہ ہو، یا اگرچہ اختلاف ہے مگر قولِ راجح و معتمد ایک ہی ہے خواہ یوں کہ فتوٰی ایک ہی جانب دیا گیا یا دوسرے جانب کی ترجیح ان وجوہ پر کہ خادمِ فقہ جانتا ہے ضعیف و مضمحل ہے بہر حال دوسرا قول نا قابلِ اخذ ہے، تو بالتحقیق فتوی اور فیصلہ مرجوح قول پر کرنا جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے، یہ درمختار میں علامہ قاسم کی تصحیح القدوری کے حوالہ سے ہے۔ (ت)

اس صورت میں اسی حکم کا اتباع واجب ہے خواہ وہ رائے صدر ہو یا رائے اراکینِ کل یا بعض ہو یا سب کے خلاف ہو اذ لا حکم لاحد مع الشرع المطھر (شریعتِ مطہرہ کے مقابلہ میں کوئی حکم معتبر نہیں۔ ت) اور دوسری صورت یہ کہ دونوں قول بلاترجیح آراء ہوں یا ترجیح دونوں طرف متکافی ہو یہ صورت قسم دوم سے ملتصق ہے کہ ایسی حالت میں مکلف مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے۔

اور جس کا حکم کتب میں نہیں تو اب چار صورتیں ہیں یا تو صدر و اراکین سب فقیہ متفقہ صاحبِ نظر و تصرفاتِ صحیحہ ہیں یا صرف صدر یا صرف اراکین کل یا بعض یا کوئی نہیں، بہر حال اس میں جو ایسا نہ ہو اس کی رائے کا کچھ اعتبار نہیں صدر ہو یا رکن تو شکل چہارم میں صدر و اراکین سب کی رائے امرِ شرعی میں مہمل و معطل ہے اگرچہ ایک ہی رائے پر متفق ہوں بلکہ ان پر فرض ہے کہ اہلِ علم فقیہ متفقہ کی طرف رجوع اور اس کے ارشاد پر عمل کریں۔ قال اللہ تعالٰی ﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا

تَعْلَمُوْنَ﴾۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھو۔(ت)

اور شکل دوم میں جبکہ صدر متفقہ اور اراکین خالی ہیں تو اس پر واجب ہے کہ جو حکم وہ کتبِ معتمدہ سے بعد غورِ کامل اور فحصِ بالغ سمجھا اس پر حکم دے رائے اراکین کی کثرت بلکہ اجماع کا بھی اَصلاً لحاظ نہ کرے اور خود اراکین کو روا نہیں کہ اس کا خلاف کریں کہ یہ علم کا مقابلہ جہل سے ہوگا اور وہ جہلِ مرکب ہے۔ قال اللہ تعالٰی ﴿فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اللہ تعالٰی نے فرمایا: مجھ سے اس معاملہ میں کیوں بحث کرتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں ہے(ت)

اور شکلِ سوم میں صدر کی رائے کوئی چیز نہیں پھر اگر اراکین میں جو متفقہ ہیں ایک رائے پر متفق ہیں اسی پر حکم کرے اور مختلف ہیں تو جسے ان میں اَفقہ واَورَع سمجھے اس کا اتباع کرے۔

اور اگر تفقہ میں متقارب اور ورع میں یکساں ہیں تو اب کثرتِ رائے کی طرف میل کرے (کیونکہ اکثریت کی رائے میں درستگی کا احتمال زیادہ ہے یہ چیز نہ جاننے والے کے لئے عنداللہ بڑا عذر ہے۔ت) اور اگر کثرت بھی کسی طرف نہ ہو مثلاً چار متفقہ ہیں دو ایک طرف دو ایک طرف، تو جس طرف دل گواہی دے کہ یہ اَحسن یا اَحوط فی الدین ہے اس طرف میل اَولٰی ہے۔ ورنہ مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے اور اب یہ صورت قسم دوم کی طرف راجع ہوجائے گی۔

شکل اول میں صدر متفقہ کو اپنی رائے پر عمل چاہئے کثرتِ رائے خلاف پر نظر نہیں ہاں اگر اراکین میں کوئی اس سے اَفقہ واَعلم ہے اور اس کے خلاف کے سبب اس کی رائے میں تزلزل آگیا تو روا ہے کہ اس اَفقہ کا اتباع کرے خواہ اب بھی اپنی ہی رائے پر قائم رہے، یہ صورت بھی قسم دوم سے ملتحق ہوجائے گی، یہ احکام قسم اول کے تھے۔

قسم دوم: میں یعنی جہاں جہاں شرعاً اسے اختیار دیا گیا ہے تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ انجمن کسی وقف سے متعلق ہو اور یہ امرِ دائر شروطِ واقف میں داخل۔ اس صورت میں جو شرطِ واقف کا مقتضی ہو اس پر عمل کیا جائے خواہ رائے صدر یا اراکین یا بعض کے موافق ہو یا سب کے خلاف کہ شرطِ واقف مثلِ نصِ شارع واجبُ الاتباع ہے دوم چندہ سے اس کی کارروائی ہو اور امرِ دائر متعلق بمال، اس صورت میں چندہ دہندوں کی رائے کا اتباع ہے صدر واراکین ان کے خلافِ اجازت صَرفِ مال کے مختار نہیں (کیونکہ عطیہ دینے والوں کی ملکیت سے اس صورت میں مال خارج نہ ہوگا جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی کتاب الوقف میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) جیسے قسم اول سے دو صورتیں ملتحق بقسم دوم ہوئی تھیں یوہیں قسم دوم سے یہ صورتیں راجع بہ قسم اول ہیں کہ بعارضِ وقف وملکِ غیر ان میں جانبِ شرع سے تحدید ہوگئی تخییر نہ رہی۔ سوم ان دونوں کے علاوہ یعنی وقف ہو تو امرِ دائر کو کسی شرطِ واقف سے تعلق نہ ہو یا چندہ کا کام ہو تو امرِ دائر متعلق بمال نہ ہو یا چندہ دہندوں کی طرف سے انجمن کو اذنِ عام ہو حقیقتاً یہی صورتیں قسم دوم ہیں یہاں اگر اس امر میں صدر ذی رائے نہیں اور اراکین جیسا کہ سوال میں ہے ماہرِ فن، جب تو ظاہر کہ وہاں (اُسے) اپنی رائے پر وثوق بے معنی ہے غایت یہ کہ کسی خاص معاملہ میں کسی وجہ سے رائے اراکین میں اسے کوئی شبہ ہے تو اور متدین ماہروں سے تفتیش کرکے اطمینان کرلے۔

بالجملہ یہ صورت شکل سوم کے مقارب اور اصالۃً یہاں ویسی ہی طرزِ عمل مناسب، یوہیں اگر صدر خود بھی اس امر کا ماہر ذی رائے ہے تو یہ صورت شکل اول کے مشابہ ہوگی مگر از انجا کسی طرف کوئی مطالبہ شرعی نہیں، بہرصورت یہاں مصلحۃً صدر کو یہی

مناسب ہے کہ کثرت رائے پر عمل کرے کہ باعثِ وحشت و بددلیِ اراکین و بدانتظامیِ مجلس نہ ہو، علماء نے تشریعِ مشورہ ونزولِ کریمہ {وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ} کی ایک مصلحت یہ بھی لکھی ہے۔

اور شک نہیں کہ ابتداءً ترکِ مشورہ میں وہ اِیحاش نہیں جو بعدِ مشورہ رائے اکثر پر عمل نہ کرنے میں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بشروا ولا تنفروا (خوشخبری دو اور نفرت پیدا نہ کرو۔ت)

ہاں اگر خلاف میں کوئی مصلحت اس مصلحت سے اَعظم اور اس کے ترک میں کوئی مفسدہ اس مفسدہ سے اَشد ہو تو من ابتلی ببلیتین اختار اھونھما (جو دو مصیبتوں میں مبتلا ہو تو آسان کو اپنائے۔ت) پر عمل کرے۔

یہ تمام بحث وہ ہے جو میں نے ان کے کلام سے ظاہر پا کر حاصل کی، تو مجھے امید ہے کہ اس مقام میں یہ بحث کی انتہا ہے، اور توفیق صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔(ت)

تنبیہ: کسی امر کو قسم دوم سے ٹھہرانے میں احتیاطِ بلیغ ونظرِ غائر درکار ہے، مسلمانوں کے کم کام ایسے نکلیں گے جن میں شرع مطہر کی طرف سے (ابتداء) خواہ بوجہ عارض کوئی تحدید نہ ہو، اب یہیں دیکھئے کہ خالص قسم دوم میں طبائع اکثر اہلِ زمانہ کے سبب تنفیر کا اندیشہ پیدا ہو کر ایک تحدیدِ شرعی نکل آئی تو حکم کے لئے علم وفہمِ کامل سے چارہ نہیں اور **حق یہ کہ مسلمان بے علمِ دین ایک قدم نہیں چل سکتا اللہ عزوجل علم دے اس پر عمل دے اس کو قبول فرمائے** بجاہ حبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العٰلمین، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔ ص490

مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ کی وعید صرف عقائد کے متعلق ہے

اور من شذ شذ فی النار (جو جدا ہوا وہ جہنم میں گیا۔ت) کی وعید صرف دربارۂ عقائد ہے مسائلِ فرعیہ فقہیہ کو اس سے کچھ علاقہ نہیں، صحابہ کرام سے ائمۂ اربعہ تک رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کوئی مجتہد ایسا نہ ہوگا جس کے بعض اقوال خلافِ جمہور نہ ہوں، سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلقاً جمعِ زر کو حرام ٹھہرانا، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نوم کو اَصلاً حدث نہ جاننا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مسئلہ رِبا، امام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ مدتِ رضاع، امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ متروک التسمیہ عمداً، امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ طہارتِ سؤرِ کلب وتعبد غسلات سبع، امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ نقض وضو بلحمِ جزور وغیرہ ذلک مسائلِ کثیرہ کو جو اس وعید کا مورد جانے خود شُذَّ فی النار (جو جُدا ہو جہنم میں ڈالا گیا۔ت) کا مستحق بلکہ اجماعِ امت کا مخالف اور {نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا} (ہم اس کو پھیر دیں گے جب وہ پھرا، ہم اس کو جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ت) کا مستوجب ہوگا۔ص493

اپنی مِلکِ خاص میں تصرف سے دوسرے کا ضرر لازم آتا ہو تو؟

ہمارے جمیع ائمۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اصل مذہب تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنی مِلکِ خاص میں جس سے دوسرے کا حق متعلق نہ ہو ہر قسم تصرف کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ اس سے بالتبع دوسرے کا ضرر لازم آتا ہو، بہت اکابر نے اسی پر فتوی دیا۔ مگر متاخرین نے بنظرِ مصلحت وحدیث: لاضرر ولاضرار ضرررسانی جائز نہیں۔ بطورِ استحسان دفعِ ضررِ بیِّن پر نظر کی ہے۔

خادمِ فقہ سمجھتا ہے کہ یہاں چار شرطیں ہیں جن کے اجتماع سے وہ ضررِ بیِّن متحقق ہوگا:

شرط اول: وہ ضرر کثیر فاحش ہو یعنی دارِ جار کو گرادے یا بالکل قابلِ انتفاع نہ رکھے دیوار کمزور کرنا اول میں داخل ہے اور حاجتِ اصلیہ سے باز رکھنا دوم۔

شرط دوم: اس ضرر میں اس کا فعل مستقل ہو فعلِ جار کو اس میں دخل نہ ہو ورنہ اَصلاً لحاظ نہ ہوگا مثلاً اس کی چھت سے جار کے زنانہ کا سامنا نہیں مگر زنانہ کے پاس کوئی باغیچہ اور مکان ہے اس کا سامنا ہے یا اس کی چھت سے جار کی چھت ملی ہوئی ہے اور آڑ نہیں کہ عورتیں اس باغیچہ یا اپنی چھت پر آئیں اور یہ اپنی سقف پہ جائے تو بے پردگی ہو یہ ضرر میں محسوب نہیں کہ زنانہ کا سامنا نہیں عورتیں ایسی جگہ کیوں آئیں یہ جار کا فعل ہوا۔

شرط سوم: وہ ضرر ثابت و متحقق ہو محتمل و متوقع معتبر نہیں مثلاً چھت کے قریب بلند دیوار میں تابدان ہیں کہ اگر سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ کر جھانکے تو ہمسایہ کے زنانے کا سامنا ہو اس کا اعتبار نہ ہوگا اور وہ روشندان بند نہ کئے جائیں گے۔

شرط چہارم: وہ ضرر ناممکن الاحتراز ہو یعنی جس تصرف سے پیدا ہوا ہے اس کے اِزالہ کے اور کوئی چارۂ کار نہ ہو ورنہ منعِ تصرف لازم نہ ہوگا۔ ص 502

رسالہ: الهبة الاحمدیة فی الولایة الشرعیة والعرفیة

(شرعی اور عرفی ولایت کے بارے میں احمدی ہبہ)۔ ص 511

کیا فرماتے ہیں علمائے حنفیہ اس بات میں کہ ہندوستان میں عدالت دیوانی کا جج جو انگریز ہو شرع محمدی کے بموجب قاضی ہے یا نہیں؟

الجواب: تحقیقِ حق کے لئے تمہیدِ چند مقامات سودمند۔

مقدمۂ اولیٰ: حقیقتِ امر یہ ہے کہ ولایت مُجبِرہ جس کی تعریف ہے **تنفیذ القول علی غیرہ شاء اوابی** (دوسرے پر اپنا قول نافذ کرنا وہ مانے یا نہ مانے۔ت) دو قسم ہے (۱) عرفیہ دُنیویہ کہ بادشاہ کو رعایا، حکام کو محکومین پر ہوتی ہے اسی کے سبب سلاطین کو والیانِ ملک کہا جاتا ہے، اور (۲) شرعیہ دِینیہ کہ حقیقۃً اللہ عزوجل پھر اس کی عطا سے اس کے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے وبس، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریح وتفویض وانابت سے اسے ہے جسے انہوں نے جتنی بات میں اپنی ولایتِ اصلیہ سے اختیارِ ظلی عطا فرمایا، ماذونِ مطلق کو مطلق اور ماذونِ امرِ خاص کو اس امرِ خاص میں۔

مقدمۂ دوم: دونوں ولایتوں میں بحسبِ مناشی ونتائج ولوازم ومقاصد جو فرق ہیں ان کی بہت تعبیرات ہیں:

(۱) ولایتِ عرفیہ غلبہ واِستیلا سے حاصل ہوتی ہے اور شرعیہ بعطائے شرع۔

(۲) عرفیہ ملکی مسئلہ ہے اور شرعیہ مذہبی ودینی۔

(۳) عرفیہ مقصدِ سلاطین ہے اور شرعیہ مقصودِ خاص دِین۔

(۴) عرفیہ عالمِ اسباب میں احکامِ تکوینیہ الٰہیہ کا آلہ ہے یعنی کُن لاتکُن یہ امر واقع ہو، یہ نہ ہو، اور شرعیہ احکامِ تشریعیہ الٰہیہ کا، مثلاً کن مکن (یہ کرو یہ نہ کرو۔)

(۵) عرفیہ، تصرفات کے ثمراتِ حسیہ کی مثمر ہوتی ہے اور شرعیہ، معانی دِینیہ کی۔

(۶) عرفیہ سے شے غیر موجود موجود ہوجاتی ہے اور شرعیہ سے حکمِ شرعی غیر حاصل حاصل۔

(۷) عرفیہ دنیا میں مؤثر ہے اور شرعیہ عقبیٰ میں معتبر۔

(۸) عرفیہ کی نافرمانی قوانینِ سلاطین کی خلاف ورزی ہے اور شرعیہ کی ناحفاظی اللہ عزوجل کی معصیت۔

(۹) عرفیہ کا لحاظ عام ہے کہ بادشاہ کی ہر رعیت پر ہے مسلم ہو یا کافر، اور شرعیہ کا لحاظ خاص کہ اس سے صرف مسلمانوں کو کام ہے۔

(۱۰) عرفیہ کا عمل خاص ہے کہ ہر بادشاہ کی قلمرو تک محدود اور شرعیہ کا عمل دنیائے اسلام پر عام ہے شرق میں ہو یا غرب میں۔

(۱۱) عرفیہ فوج وسپاہ وتیغ وسلاح کے سایہ میں ہے اور شرعیہ فقیر ومحتاج کو بھی بقدرِ عطا حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظلی عطیہ، یہ تمام مضامین اور ان دونوں ولایتوں میں عموم وخصوص مِنْ وَجہٍ ہونا اس مثال سے روشن، سلطان نے زید کی قاصرہ کا اپنے پسر سے نکاح کرلیا اور زید راضی نہیں اس نے انکار کردیا اس تصرف کے تمام ثمراتِ حسیہ دنیا میں مرتب ہوجائیں گے، شے غیر موجود موجود ہوجائے گی یعنی عورت کہ پہلے قبضہ میں نہ تھی اب آجائے گی دوسرا شخص مزاحمت پر قدرت نہ پائے گا مزاحمت کرے گا مستوجبِ غضبِ سلطانی وسزائے نافرمانی ہوگا، عورت مرجائے گی تو یہ بزعمِ زوجیت اس کا ترکہ لے گا، پھر اگر بادشاہ نومسلم ہے تو اسے واقع میں بھی نکاح ومباح جانے گا اور اپنے تصرف کو صحیح وصاف مانے گا، یہ تمام امور احکامِ تکوینیہ الٰہیہ سے صادر ہوجائیں گے مگر احکامِ تشریعیہ کہ نکاحِ شرعی بولایتِ شرعی سے پیدا ہوتے اَصلاً متحقق نہ ہوں گے نہ وہ عورت اس کے لئے شرعاً حلال ہوگی نہ بعدِ مرگ ایک کو دوسرے کا مال وراثۃً جائز ہوگا کہ باپ کے سامنے سلطان کو دربارۂ نکاح ولایتِ شرعیہ نہ تھی تو نکاح نکاحِ فضولی ہو ااور ولیِ شرعی کے رد سے باطل ہوگیا، کیونکہ خاص ولایت عام ولایت سے اَقوی ہے جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے، اَقول: (میں کہتا ہوں) ولایتِ ظلیہ ایسے ہے لیکن ولایتِ اصلیہ، تو ظلیہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی بلکہ وہ اصلیہ کے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہے اور اسی لئے اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی قاصرہ (نابالغہ ومجنونہ ولونڈی) کا نکاح کسی قاصر مرد سے کردیں تو ان کے والدین کو قطعاً کوئی اختیار نہ رہے گا، اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا یہ نکاح لازم ونافذ ہوگا بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی عاقل بالغ مرد کا کسی عورت سے نکاح کردیں تو ایسے ہی لازم ونافذ ہوگا اور اس پر مرد وعورت کو اپنے بارے میں کوئی اختیار نہ ہوگا جیسا کہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے اور قرآنِ پاک نے اس کو بیان کیا ہے (ت)

اور اگر زید نے اپنی قاصرہ کا نکاح عمرو سے کردیا اور سلطان کی ناراضی ہے اس نے حکماً اس نکاح کو ناجائز رکھا اور رخصت سے روک دیا، عنداللہ اس تصرف کے تمام معانی شرعیہ ترتیب پائیں گے عورت کہ اس کے لیے حلال نہ تھی حلال ہوگئی حکم غیر موجود شرعی ہوگیا، دوسرا اگر بے اِفتراق بموت وطلاق اس سے نکاح کرے گا مستحقِ غضبِ جبار وسزائے نار ہوگا، عورت مرجائے گی تو عمرو بحکمِ زوجیت اس کے ترکہ کا شرعاً بقدرِ حصہ مالک ہوگا، یہ تمام باتیں احکامِ تشریعیہ الٰہیہ سے ثابت ہوجائیں گی مگر احکامِ تکوینیہ

کہ ولایتِ عرفیہ سے آتے اَصلاً حاصل نہ ہوں گے نہ وہ عورت اس کے قبضہ میں آئے گی نہ یہ دعوٰی اِرث کر سکے گا کہ سلطان کے سامنے باپ کو کیا اختیار، اور یہ نکاح کہ رائے سلطانی میں خلافِ قانون تھا قانوناً باطل ہو چکا۔ کیونکہ ولایتِ عامہ دنیا میں ولایتِ خاصہ سے زیادہ قوی ہے۔ (ت)

اسی قیاس پر صدہا صورتیں ہیں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ولایتِ عرفیہ میں تنفیذ سے مراد تحصیلِ ثمراتِ حسیہ دُنیویہ ہے اگر چہ احکامِ شرعیہ حاصل نہ ہوں اور ولایتِ شرعیہ میں مراد اثباتِ معانیِ شرعیہ و دِینیہ ہے اگر چہ موانعِ صُوریہ زائل نہ ہوں۔

مقدمۂ سوم: دونوں ولایتوں کے جو فرق بیان ہوئے ان کا ملاحظہ ہر عاقل پر دوامر واضح کرے گا ایک یہ کہ ہر سلطنت کو اسلامی ہو یا غیر اسلامی اپنے ملک پر ولایتِ قسمِ اول ہوتی ہے۔

مقدمۂ چہارم: شریعتِ مطہرہ اسلامیہ علٰی صاحبہا وآلہٖ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ نے ولایتِ عرفیہ کو جس سے آدمی والیِ ملک اور حاکم و بادشاہِ وقت ہو جاتا ہے اور رعایا کو اس کی پابندی لازم ہوتی ہے اس کے حال پر چھوڑا ہے، اسے مسلم نامسلم کسی سے خاص نہ فرمایا جس طرح وہ عرف میں کسی سے خاص نہیں اس لئے کہ وہ زیرِ اَثر احکامِ تکوینیہ ہے جسے خدا دے اسے ملے اور شریعت کی بحث صرف احکامِ تشریعیہ سے ہے۔

مقدمۂ پنجم: اوپر معلوم ہوا کہ مقصود کبھی وجودِ شَیٔ ہوتا ہے کبھی حدوثِ حکمِ شرعی، قاضی کے یہاں جو مقدمات دائر ہوتے ہیں دونوں قسم کے ہیں اکثر قسمِ اول کے ان کی تنفیذ بمعنی اول و منعِ موانعِ ثمراتِ حسیہ مقصود ہے، مثلاً:

(۱) زید نے عمرو کی جائداد دبالی۔ (۲) قرض لیا اور ادا نہیں کرتا۔
(۳) چیز بیچی اور قبضہ نہیں دیتا۔ (۴) مول لی اور قیمت نہیں دیتا۔
(۵) ترکہ میں حق ہے اور قابض نہیں ہونے دیتا۔ (۶) مورث نے وصیت کی تھی وارث نہیں مانتا۔
(۷) شوہر رخصت کرالایا اور نان نفقہ نہیں دیتا۔ (۸) طلاقِ بائن دے دی ہے اور نہیں چھوڑتا۔
(۹) چیز عاریت لی تھی اور واپس نہیں کرتا۔ (۱۰) وقف میں ناجائز تصرف کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان عام صورتوں میں کہ روزانہ جن کی حاجت پڑتی اور جن کے مقدمات دائر ہوتے رہتے ہیں حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے دفعِ ظلم صرف تنفیذ بمعنی اول مانگتی ہے کہ معانیِ شرعیہ تو خود موجود ہیں۔

اوپر معلوم ہوا کہ اس تنفیذ کے لئے ولایتِ قسمِ دوم کی حاجت نہیں، نہ صرف وہ اس کے لئے کافی، بلکہ ولایتِ قسمِ اول کی حاجت، اور تنہا وہی یہاں دادرسی کے لئے بس ہے۔ دوسرے وہ جن میں مسلمانوں کے کسی کام میں معنی شرعی غیر موجود کا اپنی ولایت و نیابتِ حضرت رسالت علٰی افضل الصلٰوۃ والتحیۃ سے پیدا کرنا ہو مثلاً:

(۱) جمعہ و عیدین میں کسی کو امام بنانا۔

(۲) کسی کو خطیبِ جمعہ مقرر کرنا کہ ہر مسلمان صالحِ امامتِ نمازِ پنجگانہ، جمعہ و عیدین کی امامت نہیں کر سکتا نہ جمعہ کا خطبہ پڑھ سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے پڑھانے سے نماز صحیح ہو جب تک ماذون من جہۃ السلطان نہ ہو جہاں اذنِ سلطان ناممکن ہو بضرورت نصب عامۂ مسلمین معتبر ہے تو لیاقتِ خطبہ و امامتِ مذکورہ ایک معنی شرعی دینی ہے اور پیش اَز اذنِ سلطان مثلاً

زید کو حاصل نہیں، اِذن دیتے ہی ثابت و محقق ہوجائے گی اس کے لئے قطعاً ولایتِ قسم دوم درکار۔

(۳) زَن وشو لعان کریں۔

(۴) عنین بعدِ مرافعہ وتاجیلِ یکسال وانقضائے اَجل وطلبِ زَن طلاق نہ دے تو دونوں صورتوں میں بہ نیابتِ ولیِ مطلق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان میں تفریق کرنا یعنی خود منکوحۂ غیر کو طلاقِ بائن دے دینا اور شوہر مانے یا نہ مانے نکاح ثابت کا اس کے قول سے قطع ہو کر شرعاً زوج کا زوجہ، زوجہ کا زوج پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجانا ایسا کہ اگر اس کے بعد قربت کریں تو نہ فقط دُنیا میں بلکہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی حرام کار ٹھہریں جب تک اَز سرِ نو نکاح نہ کریں، اور صورتِ لعان میں تو نکاح بھی نہیں کرسکتے جب تک مرد و زن دونوں اہلیتِ لعان پر باقی رہیں اور شوہر خود اپنی تکذیب نہ کرے۔

(۵) قاصرہ نے بفورِ بلوغ اپنے نفس کو اختیار کیا نکاح سے نہ نکلی، شوہر کو اب بھی اس سے وطی حلال ہے، ایک مرجائے گا دوسرا ترکہ پائے گا مگر بعدِ مرافعہ وتفریقِ قاضی عنداللہ حرام ہوجائے گی اور بے تجدیدِ نکاح حلت نہ رہے گی اب ایک مرے گا دوسرے کو ترکہ نہ ملے گا۔

(۶) اپنے حکم سے اختلافی مسئلہ کو اتفاقی کردینا ائمۂ مجتہدین کا اختلاف اُٹھا کر متفق کرلینا مثلاً مرد و عورت دونوں شافعی المذہب ہیں مرد نے پیش اَز نکاح حلف کیا کہ تجھ سے نکاح کروں تو تجھ پر طلاق، پھر نکاح کرلیا، زوجین کے مذہب میں طلاق نہ ہوئی کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یمینِ مضافہ باطل ہے انہیں باہم قربت حلال ہے، بعدہٗ عورت نے دعوٰی کردیا، حاکم حنفی المذہب نے صحتِ یمین ووقوعِ طلاق وبینونتِ زَن کا حکم کیا اب عنداللہ ان میں حرمت ثابت ہوگئی ایسی کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی یہی فرمائیں گے کہ دونوں اجنبی واجنبیہ ہیں بے نکاح جدید اسے ہاتھ لگانا ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہے، اور اگر زوجین حنفی ہوں نکاح ہوتے ہی عورت پر طلاقِ بائن ہوگئی **لو قوعه قبل الخلوۃ** (کیونکہ یہ طلاق قبل اَز دخول ہے۔ت) ان دونوں کے مذہب میں حرمت ثابت ہوگئی کہ اضافتِ یمین ہمارے نزدیک صحیح ہے اب مثلاً عورت نے قاضی شافعی کے یہاں دعوٰی کردیا قاضی نے بُطلانِ یمین وعدمِ طلاق کا حکم دیا اب عنداللہ ان میں حلت ثابت ہوگئی ایسی کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی یہی فرمائیں گے کہ یہ دونوں زوج وزوجہ ہیں یہاں تک کہ اس کے حکم سے پہلے جو وطی کرچکا تھا اب اس پر بھی حکمِ حلت ہوگیا۔ وجہ یہ کہ قضائے شرعی نے کہ حقیقۃً حکمِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے سلطان وقاضی حضور کے نائب وحکم رساں ہیں اختلافِ مجتہدین کو اُٹھا دیا اور ہر امام و مجتہد پر اس واقعہ میں اسی کو حکمِ الٰہی جاننا لازم ہوگیا۔

(۷) قاصر وقاصرہ جن کے لئے کوئی ولی نہیں اپنی ولایت یعنی ولی مطلق {اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ} (نبی مومنوں کی جانوں سے زیادہ تر ولی ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ت) کی نیابت سے ان میں نکاح کرکے تمام دینی احکام مثلاً قربت کی حلت کہ پہلے حرام تھی نفقہ کا وجوب کہ پہلے لازم نہ تھا وراثت کا اِثبات کہ پہلے ثابت نہ تھی عنداللہ موجود ومتحقق کردینا۔

(۸) زید نے اپنی ملکِ خاص بحالتِ صحتِ نفس وثباتِ عقل وقفِ صحیح شرعی کی اور متولی شرعی مقرر کرکے اس کے قبضہ میں دے

دی تمام مفتیٰ بہ مذاہب پر وقف صحیح و لازم ہوگیا اور زید کا اس میں کوئی حق مِلک نہ رہا اس کے بعد وارثوں نے دعوٰی کیا یا خود زید ہی نے درخواستِ فسخ دی اور حاکم نے اس کے فسخ کا حکم دیا بشرطیکہ وقف پر رجسٹری نہ ہو چکی تھی اور قاضی مذہبِ مفتیٰ بہ پر قضا سے مقید نہ تھا جس طرح قُضاۃِ زمانہ مقید ہیں بلکہ خود امام مجتہد تھا جواب صدہا سال سے کوئی نہیں یا سلطان نے اسے مذہبِ خاص امام اَعظم پر قضاء کے لئے مقرر کیا تھا اگرچہ فتوٰی اس کے خلاف پر ہو یا اسے مذہبِ امام پر مطلقاً قضا یا خلاف میں جسے چاہے اختیار کی اجازت دی تھی جو اس زمانہ میں نہیں تو ان شرائط کے ساتھ ایسے قاضی کے حکم سے اس وقت بے رجسٹری کا زائل اور مِلک زائل کا عنداللہ حاصل ہوجانا۔

(۹) بعض حجر تو خود بحکمِ شرع ثابت ہیں جیسے مجنون اور ناسمجھ بچے کا ہر تصرفِ قولی، اور معتوہ وصبی عاقل کا دائر بین النفع والضرر سے مجور ہونا کہ وہ اس کی اہلیت ہی نہیں رکھتے اور بعض وہ ہیں کہ بحکمِ حاکم ثابت ہوتے ہیں جیسے صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک مدیون کو بوجہِ دَین، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قولِ صحیح مفتیٰ بہ پر سفیہ کو بوجہِ سفہ ممنوع التصرف کردینا، یہ حجر بحکمِ حاکم بھی تنفیذ کی طرح دو قسم ہے:

اول حسی: کہ ایک آدمی ایک فعل سے حکماً باز رکھا جائے بغیر اس کے کہ کوئی معنی جدید شرعی حادث ہو۔

دوم شرعی: کہ اس کے سبب تصرف کا حکمِ شرعی مسدود ہوجائے، انسان کی اہلیت کہ عطائے رب العزت ہے باطل و بے اثر ہوکر بہائم سے ملحق ہوجائے۔

اول نتیجہ ولایت قسمِ اول کا ہے اور دوم علی الاختلاف ولایتِ قسمِ دوم کا۔ اس دوم کی ولایتِ شرعیہ ہمارے امام اَعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو اَصلاً سلطانِ اسلام کو بھی نہیں اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے طور پر بھی بہت مواقع میں سلطانِ اسلام کا حجر بھی صرف حسی ہوتا ہے نہ کہ شرعی، مثلاً مفتیِ ماجن وطبیبِ جاہل ومکاری مفلس پر حجر کہ بحکمِ سلطان بھی صرف صورۃً ہوگا شرعاً ان کے تصرفاتِ صحیحہ باطل نہ ہوجائیں گے۔

اسی قبیل سے ہے سلطان کا ایامِ گرانی میں، یا فوج کے لئے اشیاء کا بھاؤ کاٹ دینا کہ اگر بائع برضائے مشتری زیادہ کو (بیچے) شرعاً جائز و نافذ رہے گا آخرت میں مستحقِ عذاب نہ ہوگا اگرچہ دُنیا میں سلطان اسے سزا دے اور اگر اس سلطانی مقرر کردہ بھاؤ پر محض بخوفِ سلطان بیچے تو وہ شے مشتری کے لئے عنداللہ حلال نہ ہوگی۔

(۱۰) بے اذن ورضائے مدیون اس کی جائداد ذَرِڈگری میں نیلام کردینا ضرور حساً بحکمِ سلطنت موجود ہوجائے گا، کلام اس میں ہے کہ شرعاً بھی وہ بیع صحیح و نافذ اور شیِ مبیع مشتری کے لئے عنداللہ حلال ہوجائے گی اس پر خواہ اس کے ورثہ پر کہ اس کے بعد اسے اپنی ملکِ صحیح شرعی جانیں آخرت میں کچھ مواخذہ نہ ہوگا یہ مختلف فیہ ہے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تو اسے سلطانِ اسلام کے لئے بھی جائز نہیں مانتے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے مفتیٰ بہ قول پر کہ بشرائط اجازت ہے صریح اِحداثِ حکمِ جدید شرعی وتبدیل توقف بنفاذ وحرمت بحلت کی حاجت ہے۔ یہ دس مثالیں مقدماتِ قسمِ دوم کی ہیں ان میں تنفیذ بمعنی دوم درکار ہے اور نیا حکمِ شرعی کہ اب تک حاصل نہ تھا حاصل کرنے کی ضرورت ہے تو اس کے عنداللہ صحیح ومقبول اور آخرت میں بکار آمد ہونے کے لئے ولایت قسمِ اول کافی نہیں بلکہ قطعاً ولایت قسمِ دوم کی حاجت ہے اور وہ بھی باختلافِ صورمختلف کہ ہر امر محتاجِ ولایتِ شرعیہ میں ہر ولیِ شرعی

حتی کہ سلطانِ اسلام کے احکام سے بھی حکمِ موجود شرعی نہیں بدلتا، نہ حکمِ جدید شرعی حادث ہو جس کے نظائر بیان ہوئے، تو قسم دوم میں مطلقاً والیانِ ملک مراد لینا درکنار مطلقاً والیانِ شرع بھی مراد نہیں بلکہ خصوصی مواضع میں شرع مطہر سے ثابت ہونا درکار کہ شرع نے اس امر میں فلاں کو حکمِ جدید شرعی پیدا کرنے کا اختیار بخشا ہے بغیر اس کے شریعت پر اِجترا، اور وہ پہلی توسیع قطعاً شرع مطہر پر اِفترا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

تنبیہ: ان تمام تقریرات و مسائل سے روشن ہوگیا کہ کسی امر میں کسی کے لئے ولایتِ شرعیہ ہونا ہم مسلمانوں کا ایک دینی مذہبی مسئلہ ہے جو خاص لحاظ سے شرع پر مبنی ہے، کہیں ہر فقیر مفلس کے لئے ہے اور کہیں سلاطینِ اسلام کو بھی نہیں، تو اس کے انکار کو انکارِ سلطنت سے کوئی علاقہ نہیں، آخر نہ دیکھا کہ صدہا جگہ حکمِ شریعت نے خود سلطانِ اسلام بلکہ خلیفۃ المسلمین کے لئے بھی ولایتِ شرعیہ نہ مانی اس سے ان کے سلطان و بادشاہ و حاکمِ وقت و والیِ ملک ہونے کا انکار نہ ہوا **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) **وباللہ التوفیق۔**

مقدمہ ششم: جس طرح بعض حجر محتاجِ حکمِ حاکم ہیں، پھر حکم سے کبھی حجر حسی حاصل ہوتا ہے کبھی شرعی جس کا بیان گزرا، یوں ہی تقلید قضا کہ فکِ حجر ہے دستِ نگرِ حکمِ والی ہے اور اس میں بھی تقسیم حسی و شرعی یا دنیوی و دینی ہے قضائے دنیوی کے لئے تو صرف منجانبِ والی تقرر بس ہے اگرچہ نہ وہ والی مسلم ہو نہ یہ مولّی، کہ جس ملک میں جس مذہب و ملت کے احکام جسے حاکم مقرر کریں گے ضرور وہ حکم پر قادر اور اس کا حکم وہاں نافذ، اور وہاں کی رعایا پر بحکمِ والیانِ ملک، لازم القبول ہوگا، یہ وہی ولایت قسم اول ہے اور تمام مقدمات قسم اول کے لئے کافی و وافی ہے لیکن قضائے دینی شرعی کہ ولایت قسم دوم ہے اور مقدمات قسم دوم یعنی مسلمان کے حق میں احداثِ حکمِ جدید شرعی نافع آخرت کے لئے درکار ہے اس کے لئے جس طرح مولّٰی یا مقلَّد بالفتح یعنی اس قاضی کا مسلم ہونا شرع مطہر نے لازم مانا جس کا روشن ثبوت گزرا، یونہی مولِّی یا مقلِّد بالکسر یعنی وہ والیِ شہر حاکم ذی اختیار صاحبِ فوج و خزانہ جس کے حکم کی طرف اس کا نصب و عزل منتہی ہو اس کا اسلام بھی لازم ہے کہ قضاء ولایتِ مستقلہ نہیں بلکہ ولایتِ مقلِّد سے مستفاد، اور عدمِ مفیدِ وجود نہیں ہوسکتا۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ہاں اس کے لیے بادشاہِ ملک کا مسلمان ہونا ضرور نہیں جیسے بادشاہ نامسلم کے زیرِ حکم کوئی اسلامی ریاست کا والی جس کی مسند نشینی بحکم و منظوریِ بادشاہ نامسلم ہوتی ہو کسی مسلمان کو اپنی رعایا پر عہدۂ قضا دے قاضی شرعی ہوجائے گا اگرچہ بالواسطہ اس کی قضا بادشاہ نامسلم کی طرف مستند ہوئی کہ اسے والیِ شہر نواب مسلمان نے مقرر کیا اور وہ نواب بادشاہ نامسلم کا مقرر کیا ہوا ہے اور مقلِّدِ مقلَّد مقلَّد ہے بلکہ وہ نواب مسلمان والیِ شہر صاحبِ فوج و خزانہ خود ایک اعلٰی درجہ کا قاضی ہے۔

اور پُرظاہر کہ اس کا تقرر بلاواسطہ بمنظوری بادشاہ نامسلم ہوا تو نظر بہ استفادہ و سبب و قضا تقلد قضا من سلطان غیر مسلم کہہ سکتے ہیں، اگرچہ یہاں حقیقتِ امر یہ ہے کہ ولایتِ نواب والیِ ملک اپنی ولایتِ عرفیہ یعنی غلبہ و استیلا سے مستفاد ہے کہ شرع مطہر نے والی مسلم کے لئے صرف اسے بھی سببِ حصولِ ولایتِ معتبرہ عندالشرع مانا ہے۔

غایت یہ کہ اس کی ولایتِ عرفیہ طریقۂ شرعیہ سے مستفاد یعنی بحکم امیر المؤمنین نہیں تو یہ ایک نواب کیا آج صدہا سال سے تمام روئے زمین کے سلاطینِ اسلام ایسے ہی ہیں، اپنے اِستیلا ہی کے باعث سلطانِ اسلام ہیں وہ اسے بھی حاصل اور منظوری

بادشاہ اس کی مُعِین ہے نہ کہ مُخِل، رہا بوجہ منظوری سبب، اس کی قضاء کو تقلیدِ بادشاہ غیر مسلم کی طرف منسوب کر سکتے ہیں یہی دونوں صورتیں عبارتِ مسکین: **یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل او الجائر سواء کان کافرا او مسلما کذا فی الاصل۔** قضاء کی تقرری سلطانِ عادل خواہ ظالم سے ہوگی اس کا مسلمان ہونا اور کافر ہونا برابر ہے اصل (مبسوط) میں یونہی ہے(ت) ان نفیس وجلیل عبارات نے صاف صاف ایسے شہروں کی تین قسمیں فرمائیں: ایک وہ ملک جس میں بادشاہ مسلمان ہے مگر نامسلمان حکومت کے زیرِ اثر ہوگیا ہے جیسے آج کل بخارا شریف۔ اس کا بیان کتاب الاصل میں "**اوبدونہا**"، اور تاتارخانیہ میں "**ففُسّاق**" تک ہے۔ دوسرے وہ کہ ریاست بااختیار صاحبِ فوج وخزانہ اسلامی ہے اور بادشاہ غیر مسلم، اس کا بیان دونوں عبارتوں میں "**و کل مصر**" سے "**لاستیلاء المسلم علیہم**" تک ہے۔ تیسرے وہ کہ ان پر والی بھی مسلمان نہیں عام ازیں کہ بادشاہ نامسلم نے تنہا اپنا قبضہ رکھا ہو یا کوئی غیر اسلامی ریاست قبول کی ہو، جیسے رجواڑے۔ اس کا بیان دونوں عبارات کے بقیہ میں ہے جوازِ تقلید قضائے شرعی دوصورت پیشیں سے خاص فرمایا، اور سوم میں بعینہٖ وہی جو فتح القدیر وجامع الفصولین سے گزرا، ارشاد کیا کہ اب قضائے شرعی تراضی مسلمین پر رہے گی اب بھی اگر تقلدِ قضاء شرعی صحیح ہوتو اس تخصیص اور اس تفریقِ حکم کے کیا معنے تھے اور عبارت امام محقق علی الطلاق نے تو اس مفادِ صریح کو اور بھی اَوضح واَصرح فرمادیا کہ: **اذالم یکن من یجوز التقلید منہ الخ۔** جب کوئی ایسا نہ ہو جس کی طرف سے قاضی کی تقرری ہو سکے الخ۔(ت)

تو روشن ہوا کہ نامسلم سے تقلدِ قضاء شرعی انہیں دوصورت وساطت مولّیِ مسلم میں ہے کہ پہلی صورت میں بادشاہ مسلم اور دوسری میں نواب مسلم ہے، صورت سوم میں یہ حکم ہرگز نہ رکھا اور صراحۃً اس کا عدمِ جواز ظاہر فرمادیا۔

مقدمہ ہفتم: ایک صورت ضرور پیش آتی ہے کہ والی بھی مسلمان نہ ہو اور پر واضح ہوا کہ عام احکام جن کی روزانہ حاجت پڑتی ہے ان میں تو صرف ولایت قسم اول درکار ہے ولایتِ شرعیہ پر توقف نہیں مگر مسلمانوں کی دینی ضرورتیں وہ بھی آتی ہیں جن کے لئے بغیر ولایتِ شرعیہ سلطانِ اسلام بھی کافی نہیں ان میں خاص خاص حاجتوں کے لئے فریقین راضی ہوں تو حَکَم مقرر کر سکتے ہیں مگر بعض جگہ حَکَم کافی نہیں یا ایک فریق تحکیم پر راضی نہیں، وہاں کیا کیجئے کہ دینی حکم کے لئے دنیوی طریقہ کافی نہیں، اس طریقہ پر ہو جو باجازتِ شرع احکامِ شرعیہ کا اِحداث کر سکے اور آخرت میں کام دے اس کے لئے تمام کتبِ مذکورہ اور خود محررِ مذہب امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حکم دیا کہ مسلمان اپنی ایسی دینی حاجتوں کے لئے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضیِ شرع مقرر کرلیں اور ایک لفظ یہ فرمایا کہ کوئی مسلمان والی تلاش کریں کہ وہ قضائے شرعی کا افادہ کرے۔ ص519

مفتی ومصدقین ومستفتی واہلِ معاملہ سب صاحبوں سے خیرخواہانہ معروض

مفتی ومصدقین ومستفتی واہلِ معاملہ سب صاحبوں سے خیرخواہانہ معروض اللہ عزوجل فرماتا ہے: {**فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ**} اے نبی! خوشی کی خبر دے میرے بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر بہتر کی پیروی کریں وہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی عقلمند ہیں۔ اور فرماتا ہے: {**وَ الَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۪ وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ۪ۙ وَ لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ اُولٰٓىٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ**

رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاؕ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ}اور جنت ان کے لئے تیار کی گئی ہے کہ جب کوئی بدی یا گناہ کربیٹھیں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور اللہ کے سوا کون گناہ بخشے اور اپنے کئے پر دانستہ ہٹ نہ کریں ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے معافی ہے اور باغ جن کے نیچے نہریں ہیں ہمیشہ ان میں رہیں اور کام والوں کا کیا اچھا نیگ۔

ابوداؤد، ترمذی نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ما اصر من استغفر جس نے معافی مانگ لی اس نے ہٹ نہ کی۔

امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بیشک حق قدیم ہے حق کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی حق کی طرف رجوع باطل پر قائم رہنے سے بہتر ہے(اس کو دارقطنی ،بیہقی اور ابن عسا کرنے ابوالعوام البصری سے روایت کیا ہے۔ت)

یہ فرمان امیر المومنین نے اپنے قاضی ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارسال فرمایا: خوشی وشادمانی ہے انہیں جوسنیں اور گردن رکھیں انسان سے خطا مستبعد نہیں مگر خیر الخطائین التوابون خطا کار کی خیر اس میں ہے کہ توبہ کرے۔

حق کی طرف رجوع سے عار وسوسۂ ابلیس ہے اس کا ساتھ بہتر یا اُس کے ارشاد کی اطاعت جو قرآنِ مجید میں فرماچکا کہ خطا پر اصرار نہ کیا تو میں نے تمہارے لئے جنت تیار کر رکھی ہے، شیطان سمجھا تا ہے کہ رجوع کی تو علم وعقل کو بٹا لگے گا۔ دشمن جھوٹا ہے اور اللہ سچا کہ اچھی بات سن کر ماننے والے ہی ہدایت پر ہیں اور وہی عقل والے ہیں اللہ توفیق دے۔

یہ فتوے چھپ کر شائع ہوئے ان کا ضرر متعدی ہوا، کہاں دہلی کرنال کہاں راولپنڈی گولڑہ جہاں سے یہاں آیا، اس کا اِزالہ مفتی ومصدقین سب پر فرض ہے، جیسے یہ فتوے شائع ہوئے یوں ہی ان کا بُطلان ،ان سے رجوع ملک میں شائع کریں، اس میں اللہ کی رضا ہے اللہ کے رسول کی رضا ہے، خلق کے نزدیک عزت ووقعت ہے، حق پسند کا لقب ملنا بڑی دولت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب تو گناہ کرے تو فوراً توبہ کر، خفیہ کی خفیہ اور علانیہ کی علانیہ۔ ماننا نہ ماننا جب بھی توفیق پر تھا اب بھی توفیق پر ہے،{حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ}ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہدایت فرماتا ہے۔(ت)

مفتی ومصدقین پر فرض ہے کہ جس طرح اپنے غلط فتوے سے یہ آتشِ دوزخ کا ٹکڑا ورثہ کو دِلایا یونہی اپنی صحیح ولوجہ اللہ کوششوں سے انہیں اس سے بچانے کی فکر کریں ورنہ انما علیك اثم الاریسیین (کاشتکاروں کا گناہ تجھی پر ہے۔ت)

اللہ واحد قہار سے ڈریں اور{وَ لَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ٘ وَ لَیُسْــٴَـلُنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ} (اور وہ اپنا بوجھ اور اپنے بوجھ کے ساتھ مزید بوجھ اٹھائیں گے، اور ضرور ان سے قیامت کے روز ان کی اِفتراء بازی پر سوال ہوگا۔ت) کی جانگزا آفت سے پرہیز کریں۔ یہ ضرور ہے کہ بہت ابنائے دنیا کو ملا ہوا مال چھوڑنا سخت دشوار بلکہ ناممکن ہوتا ہے مگر زمانہ اللہ کے ڈر والے بندوں سے خالی نہیں اور نصیحت نفع دیتی ہے {وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ} (آپ یاددہانی کرائیں تو بیشک یاددہانی مومنوں کو نفع دے گی۔ت)

ابلیس کہ دشمنِ راہِ خدا ہے دوسروں کے بتانے میں آپ کے باطل فتووں کا حیلہ سکھائے گا کہ اتنے مولوی حلال کر رہے

ہیں عذاب ہے تو ان کی گردن پر، مگر جب آپ حضرات خود ہی خوفِ خدا کر کے حق حکم ان پر ظاہر کریں گے تو کیا عجب کہ اللہ عزوجل اپنے بندوں کو حرام مال سے بچنے اور وقفِ خدا پر تصرف نہ کرنے کی توفیق بخشے اور جب وہ رئیس جاگیر دار ہیں تو شائد اسی پر ان کا ذریعۂ رزق منحصر نہ ہو اور ہو تو رزق اللہ عزوجل کے ذمۂ کرم پر ہے حرام کھانے سے فاقہ لاکھ جگہ بہتر ہے اور اس میں حکام کی کچھ مخالفت نہیں جس پر ڈگری ہو وہ مجبور کیا جاتا ہے جس کی ڈگری ہو اگر خدا سے ڈرے اور اس مال کو چھوڑ دے حکام کو ہرگز اس سے تعرض نہ ہوگا۔ کیا اچھا ہو کہ روزِ قیامت اللہ واحد وقہار کے حضور کھڑے ہونے سے ڈریں اور قلیل وذلیل وفانی مال چھوڑ کر جلیل و جزیل وباقی ثواب لیں۔ بہر حال مفتی ومصدقین پر اپنے فرض سے ادا ہونا فرض ہے یہ محض خالص اسلامی عرض ہے۔ دیکھیں کون بندۂ خدا سبقت کرتا اور رضائے الٰہی وثوابِ عقبیٰ وثنائے دنیا کا مستحق ٹھہرتا ہے، اللہ عزوجل توفیق دے، {فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِيْۤ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ} و {حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ}۔ تو عنقریب یاد کرو گے جو تمہیں کہہ رہا ہوں، میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھتا ہے، ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے۔(ت) وصلی اللہ تعالیٰ وبارك وسلم علیٰ سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین اٰمین والحمدللہ رب العالمین، و اللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔ ص562

فتوٰی دینے کے لئے مفتی کو کتنا علم پڑھنا ضروری ہے اور کتنی مہارت علومِ دینیہ میں ہونی چاہیئے؟

حدیث وتفسیر واصول وادب وقدرِ حاجت ہیئت وہندسہ وتوقیت اور ان میں مہارت کافی اور ذہن صافی اور نظر وافی اور فقہ کا کثیر مشغلہ اور اشغالِ دُنیویہ سے فراغِ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہِ اللہ اور ان سب کے ساتھ شرطِ اعظم توفیق مِنَ اللہ، جو اِن شروط کا جامع وہ اس بحرِ ذخار میں شناوری کر سکتا ہے مہارت اتنی ہو کہ اس کی اِصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو رجوع سے عار نہ رکھے ورنہ اگر خواہی سلامت برکنار است۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص590

مدعی عدالت سے مُروَّج قانون کے مطابق فیس وصول کرنا درست ہے یا نہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

شرعی حکم یہ ہے کہ شرع شریف میں مدعی کا خرچہ مدعی علیہ پر عائد نہیں ہوتا اگرچہ مدعی حق پر ہو، اگر مدعی نے مدعی علیہ سے اس کی رضامندی کے بغیر خرچہ وصول کرلیا ہو تو مدعٰی علیہ اس سے واپس لے سکتا ہے، اگر واپس نہ دے تو شرعاً مدعی کی گردن پر یہ مطالبہ ومواخذہ باقی رہے گا۔ ص601

باپ بیٹے کے مقدمہ میں کسی کو حَکَم کرسکتا ہے یا نہیں؟

باپ کا اپنے نابالغ بچے کے مقدمہ میں کسی کو حکم کرنا جائز ہے مگر وہ فیصلہ اگر خلافِ شرع ہو تو وہ اَصلاً قابلِ پابندی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص602

جو روپیہ زوجہ کو خرچ کے لئے دیا جاتا ہے وہ کس کی مِلک ہے

روپیہ زوجہ کو خرچ کے لئے دیا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں: **ایک:** یہ کہ زن وشو وعیال ایک جگہ رہتے ہیں ایک خرچ ہے شوہر سب آمدنی اُسے دے دیتا ہے وہ اپنے اور شوہر اور سب گھر کے مصارف اس سے اُٹھاتی ہے، اس صورت میں وہ روپیہ تمام و کمال مِلکِ شوہر پر رہتا ہے، عورت کا خرچ بھی مِلکِ شوہر پر ہوتا ہے، اسے شرع میں تموین کہتے ہیں، عقدِ نکاح کا اصل موجب یہی ہے، ظاہر ہے کہ اس میں جو کچھ پس انداز ہوگا شوہر کا ہے۔ دوسری صورت یہ کہ زن وشو جُدا ہیں شوہر اسے نفقہ بھیجتا ہے یا ایک ہی جگہ ہیں مگر عورت کے خرچ کا اُسے جُدا دیتا ہے، عام ازیں کہ وقتِ معین پر مثلاً ماہوار رقم معین مثلاً دس روپے خاص بحکمِ قاضی خواہ بتراضی، یا تعیین کچھ نہیں وقتاً فوقتاً مختلف مقدار میں اس کے خرچ کے لئے بھیجتا یا اسے دیتا ہے، اس صورت میں جو کچھ اسے دیا وہ مِلکِ زن ہوگیا، اس میں سے جو کچھ بچے گا، خواہ عورت کی جزرسی سے یا یوں کہ وہ مہینوں اپنی ماں کے یہاں رہی اور مصارف ماں نے کئے بہرحال عورت ہی اس کی مالک ہے۔

اقول: مگر یہاں ایک نکتہ اور ہے زن وولد کے نفقہ میں فرق ہے وہ جزائے اِحتباس ہے اور جبکہ نفقہ اسے دیا گیا اس کی مِلک ہوگیا اگر وہ نہ اٹھائے بلکہ دوسری جگہ سے اپنا خرچ چلائے تو اس سے واپس نہیں لے سکتا اور اگر اس نے مثلاً مہینے یا سال بھر کا اسے دے دیا اور اس کے پاس سے چوری گیا وہ اس سے اور نہیں مانگ سکتی نفقۂ ولد وغیرہ دفعِ حاجت کے لئے ہے وہ اگر اسے خرچ نہ کریں اپنی حاجت دوسرے طور پر رَوا کرلیں تو اس مدت کا ان کا نفقہ ذمۂ پدر نہیں، اس صورت میں اگر ان کا نفقہ مثلاً کچھ ماہوار بحکمِ حاکم مقرر ہوا ہو جب بھی آئندہ کے لئے اس سے نہیں لے سکتے جب تک یہ خرچ نہ ہوجائے کہ پہلی حاجت دفع ہوگئی اور اگر اس نے دیا ان کے پاس سے چوری ہوگیا اسے دوبارہ دینا ہوگا کہ حاجت دفع نہ ہوئی تو اس میں سے جو کچھ پس انداز کریں وہ ان کی مِلک نہیں مِلکِ پدر ہے کہ معلوم ہوا کہ حاجت سے زائد ہے مگر یہ کہ ان کو ہبۃً دے تو البتہ وہ مالک ہوں گے۔ص615

مہاجرت (بات چیت ترک کرنا) وعداوت (دشمنی رکھنا) میں عموم وخصوص مِنْ وجہٍ ہے

ترکِ سلام وکلام اَولاً مہاجرت ہے اور مہاجرت وعداوت میں عموم وخصوص من وجہ، باپ اپنے بیٹے اور بھائی بھائی اور دوست دوست سے کسی بات پر کشیدہ ہوکر ترکِ سلام وکلام کرتا ہے مگر عداوت نہیں ہوتی **ولہا نظائر فی عھد الصحابۃ بل و عھد النبوۃ مع قولہ تعالٰی {رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ}** (اللہ تعالٰی کے فرمان کہ "آپس میں رحم کرنے والے ہیں" کے باوجود صحابہ کرام بلکہ زمانۂ نبوت میں اس کے نظائر موجود ہیں۔ت)۔ص636

مطلقاً رنجش کو مسقطِ شہادت نہیں

وباللہ التوفیق، نظرِ تدقیق میں تحقیق یہ ہے کہ علمائے متاخرین بھی مطلقاً رنجش کو مسقطِ شہادت نہیں کہتے جب تک اس حد تک نہ پہنچے کہ قلب وعقلِ ایمانی پر مستولی ہوکر عدالتِ انسانِ عادل پر غالب آجائے جس کے باعث بانکہ اس کی عدالت ثابت۔

حاصلِ حکم یہ ٹھہرا کہ اگر عداوت نے بالفعل فاسق کردیا تو بالاتفاق اس کی شہادت اس دشمن اور اس کے غیر سب کے معاملہ میں مطلقاً مردود، اور اگر اس مرتبۂ قوت پر ہے کہ گو فی الحال مرتکبِ فسق نہ ہوا مگر اس کے معاملہ میں عداوت کا پلہ عدالت پر غالب ہے تو غیرِ عدوّ کے بارے میں بالاتفاق مسموع، اور خاص عدوّ کے ضرر پر اِختیار، متاخرین میں نامقبول، اور اگر ایسا نہیں تو مطلقاً

اتفاقاً مقبول۔ص 639

صحتِ دعوٰی وشہادت کی شرائط

اول: حقوق العباد میں صحتِ دعوٰی شرطِ شہادت ہے اگر دعوٰی صحیح نہیں اس پر کوئی شہادت کیسے ہی اعلیٰ درجہ وثوق کی ہو اَصلاً مسموع نہیں۔

دوم: حقوق العباد میں شرطِ شہادت وہ لفظ ہے جو اِنشاءِ گواہی کے لئے ہو بلفظِ اِخبار کچھ بھی کہا جائے ہرگز قبول نہیں۔

گواہ پر قسم خلافِ مذہب وخلافِ شرع ہے بعض متاخرین نے نظر بضرورت جو اس بدعت کو گوارا کیا تھا کہ لوگ جھوٹی شہادت پر جری ہیں جھوٹی قسم سے بچیں گے اب وہ بھی باقی نہیں قسم پر شہادت سے زیادہ جرأت ہے۔

سوم: ''اَشْھَدُ'' ''گواہی میدہم'' ''گواہی دیتا ہوں'' سب سے سخت تر قسم ہے اور مشہود بہٖ مقسم علیہ یعنی وہ بات جس پر یہ شدید قسم کھائی۔

اور قسم مقسم علیہ کا اتصال شرط ہے جب ان میں وہ چیز فاصل ہو کہ نہ قسم ہے نہ اس کی تاکید تو قسم اس سے بے تعلق و بے اَثر ہو جاتی ہے۔اسی طرح بزازیہ وغیرہا میں ہے،اور شک نہیں کہ کلام دیگر بھی مثلِ سکوت ہے بلکہ اس سے زائد۔

چہارم: حاضر پر شہادت میں مدعی ومدعا علیہ دونوں کی طرف اِشارہ ضرور ہے اور غائب ومیت کا نام ونسب بتانا جس میں سیدنا امام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ذِکر جَد بھی لازم، اور اسی پر فتوٰی ہے مگر جب غناء ہے، ولہذا اگر گواہ حاضر کا پورا نام ونسب بیان کریں اور اسے پہچانتے نہ ہوں گواہی مردود ہے۔اقول: بسر اِس میں یہ ہے کہ حاضر پر شہادت میں شاہد کا اسے پہچاننا ضرور ہے جبکہ اصل شاہد ہو نہ کہ شاہد علی الشاہد، ولہذا اگر گواہ حاضر کا پورا نام ونسب بیان کریں اور اسے پہچانتے نہ ہوں گواہی مردود ہے اور حاضر میں معرفتِ شاہد کا بتانے والا یہی اشارہ ہے نام ونسب سیکھ کر بھی کہہ سکتے ہیں تو حاضر پر گواہی بے اشارہ قبول نہیں مدعی اور مدعٰی علیہ دونوں کی طرف اشارہ لازم ہے۔ص 672

مرتہن بے اجازتِ راہن شخصِ ثالث کو کرایہ دے تو؟

بیع وفا حکمِ رہن میں ہے اور مرہون کا کرایہ اور دیگر محاصل حقِ راہن اور قابلِ مجرائی بزرِ رہن ہے، حکمِ شرع یہ ہے کہ مرتہن بے اجازتِ راہن شخصِ ثالث کو کرایہ دے تو کرائے کا مالک مرتہن ہے ہرگز وہ مِلکِ راہن نہیں، ہاں اس کے حق میں خبیث ہے تصدق کردے یا راہن کو دے دے اگر حقِ راہن ہوتا تَصَدُّق کا حکم کیونکر ہوسکتا۔ص 706

* مستور کی گواہی بھی مردود ہے مگر یہ کہ دلائلِ واضحہ سے اس کے صدق پر غلبۂ ظن حاصل ہو۔ص 723

جلد نمبر 19

کتاب الوکالۃ (وکالت کا بیان)

وکالت از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

وکالت جس طرح رائج ہے کہ حق کو ناحق، ناحق کو حق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ سچ بولنا چاہے تو کہتے ہیں اگر سچ کہو گے تو تمھارا مقدمہ سرسبز نہ ہوگا، جھوٹی گواہیاں دِلواتے ہیں۔ جھوٹے حلف اُٹھواتے ہیں۔ قطعی حرام ہے، اور ایسی ہی وکالت آج کل فروغ پاسکتی ہے، وہ جو کامل تحقیقات کے بعد جسے حق پر جان لے صرف اس کی وکالت کرے، محض بطورِ حق کرے، جھوٹ بولنے یا بلوانے سے پرہیز کرے اس کی وکالت اس زمانے میں اَصلاً نہیں چل سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص95

کتاب الاقرار (اقرار کا بیان)

* اصل یہ ہے کہ مرضِ موت میں وارث کے لئے اقرار بے تصدیقِ دیگر ورثہ معتبر نہیں۔ ص98

درمختار میں ہے: اگر کوئی جھوٹا اقرار کرے تو مُقَرٌّ لَہٗ کے لئے حلال نہ ہوگا کیونکہ محض اِقرار کسی کی ملکیت کا سبب نہیں ت) ص110

وارثانِ مُعیر کو بلاشبہ عاریت میں رجوع کا اختیار ہے اور وارثانِ مستعیر پر واپس دینا فرض ہے جب کہ عاریت ثابت ہے۔ ص111

* وعدہ کے اِیفاء پر حکماً جبر نہیں۔ ص111

شریعتِ مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ کوئی مُقِر اقرار کر کے اپنے اقرار سے پھر نہیں سکتا نہ اس کے خلاف اس کی بات تسلیم ہوسکے۔ ص112

* تحریر بیع نامہ عاقدین پر حجت ہے اور اس سے پھرنے کا ان کو کچھ اختیار نہیں جس سے وہ شخصِ ثالث کو ضرر پہنچا سکیں۔ ص116

کتابُ الصلح (صلح کا بیان)

صلح اگر برضا ہے تو عنداللہ بھی ہوگئی اور دَب کر ہے تو دنیا میں ہوئی آخرت میں مطالبہ باقی ہے۔ ص128

کتاب المضاربۃ (مضاربت کا بیان)

مضارب کے ذمہ نقصان کی شرط باطل ہے

مضارب کے ذمہ نقصان کی شرط باطل ہے وہ اپنی تَعَدِّی و دست درازی و تضییع کے سوا کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں جو نقصان واقع ہو سب صاحبِ مال کی طرف رہے گا، نہ مضاربتِ صحیحہ میں مضارب اپنی محنت و کوشش کا کوئی بدلہ صاحب مال سے پانے کا مستحق ہے اس کا بدلہ یہی ہے کہ نفع ہو تو حسبِ قرارداد اس میں شریک ہوگا۔ ص131

* **ایک رقم تعین کردینا کہ نفع ہو یا نہ ہو، کم ہو یا زائد۔ ہر طرح اس قدر ماہوار دیں گے ضرور حرام ہے۔ ص 133**

نفع میں حصہ شائعہ مضارب کا تعین نفسِ عقد میں ضرور ہے۔ اگر عقد بلاتعیینِ حصہ شائعہ کیا مثلاً تجھے مضارب کیا اس شرط پر کہ کچھ نفع مجھے دے دیا کرنا اس شرط پر کہ جتنا چاہوں اتنا نفع تجھے دیا کروں تو عقد فاسد وحرام ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا کہ زید وعمرو میں باہم جتنے نفع پر مضاربت ہوئی ہے اسی قدر پر میں نے تجھ سے مضاربت کی اور عاقدین میں ایک کو اس کی مقدار معلوم نہیں۔ عقد فاسد ہوگا اگرچہ دوسرے کو معلوم ہو، ہاں اسی جلسہ میں تعیین کرلیں یا علم ہوجائے تو جائز ہوجائے (کیونکہ مجلس متفرق کلام کی جامع ہوتی ہے۔ت) تبدلِ جلسہ ہوتے ہی فساد مُتقرر اور گناہ مستقر ہوجائے گا۔ ص 134

مضارب کب جہاں مناسب جانے مال لے جاسکتا ہے؟

مضارب جہاں مناسب جانے مال لے جاسکتا ہے اس میں اِذنِ ربُّ المال کی حاجت نہیں جبکہ ربُّ المال اسے مقید نہ کردے۔ ہاں مقید کردے گا کہ اسی شہر یا خاص فلاں شہر ہی میں خرید وفروخت کرو یا صرف فلاں موسم میں یا خاص فلاں شخص یا اشخاص سے، یا خاص فلاں مال کی تجارت کرو تو مضارب اس کے اِتباع کا پابند ہوجائے گا مخالفت کرے گا تو تاوان دے گا اگرچہ ربُّ المال نے عقدِ مضاربت کے بعد یہ تقییدات کردی ہوں۔ جب تک روپیہ بدستور باقی ہے ابھی مضارب نے اس سے مال نہ خریدا۔ خریداری کے بعد پھر رب المال مطلق (کو) مقید نہیں کرسکتا۔ ص 135

مقید کو ہر وقت مطلق کرسکتا ہے کہ منع رب المال ہی کے حق کے لئے تھا صاحبِ حق کو اپنے حق سے درگزر کرنے کا اختیار ہے۔ ص 141

مضارب کی رائے پر چھوڑ دے کہ جو مناسب جانے کرے تو؟

رب المال اگر مضارب کی رائے پر چھوڑ دے کہ جو مناسب جانے کرے تو ضرور اس کے بعض اختیارات وسیع ہوجائیں گے مثلاً مطلق مضاربت میں اسے یہ اختیار نہ ہوتا کہ دوسرے کو اپنی طرف سے یہ مال مضاربت دے یا راس المال اپنے روپے میں ملالے اور جب رب المال نے یہ کہا کہ تیری رائے پر چھوڑا تو ان امور کا بھی مختار ہوجائے گا ہاں کسی کو روپیہ قرض دینا یا کسی سے قرض لینا اب بھی جائز نہ ہوگا جب کہ مالک صراحۃً اس کا اذن نہ دے۔ ص 136

مضارب مالِ مضاربت لے کر بغرضِ مضاربت سفر کرے تو؟

مضاربتِ صحیحہ میں جبکہ مضارب مالِ مضاربت لے کر بغرضِ مضاربت سفر کرے اگرچہ ایک ہی دن کا سفر ہو تو ایامِ سفر کا نفقہ، کھانا، پینا، پہننا، سواری، بچھونا، تکیہ، تیل، بتی، کپڑوں کی دھلائی، خط بنوائی، خدمت گزاری کی اُجرت، سواری کا دانہ، چارہ، سرا کی کوٹھری، چارپائی کا کرایہ، اور ان کے مثل ہر معمولی ودوامی حاجت حسبِ عادتِ تجار بقدرِ معروف مضارب پر ہوگی یہ خرچ مال پر ڈالا جائے گا جو اسے مجرا دے کر بچا وہ نفع سمجھا جائے گا اور اگر نفع نہ ہوا تو یہ خرچ اصل مال پر پڑے گا اور مضارب اس کا کچھ عوض نہ دے گا۔ ص 137

مگر بقدرِ معروف کی قید لگی ہوئی ہے روٹی سالن معروف تھا تو پلاؤ زردہ کی اجازت نہیں۔ ٹوپی کی عادت ہے عمامہ نہیں لے

سکتا ایک آنہ کی ٹوپی معتاد ہے دو آنہ کی نہ لے گا۔ فصل کے میوے، برف کی قلفیاں، مٹھائی کے دونے، سوڈے کی بوتلیں، یہ اپنی جیبِ خاص سے کھائے پئے، مالِ مضاربت پر حوائج ڈالتے ہیں یہ حوائج نہیں۔ اسی طرح کنگھی، سُرمہ، پھلیل، دوا مالِ مضاربت سے نہ کرے گا۔ ص138

جب تک اپنے وطن میں ہوگا نفقہ نہ پائے گا اگر چہ خرید وفروخت وکارِ مضاربت کرتا رہے اگر چہ رب المال دوسری جگہ کا ساکن ہو اور وہیں اس سے عقدِ مضاربت کیا ہو، اسے سفرِ خرچ دیا جاتا ہے اور یہ جب تک وطن میں ہے مسافر نہیں۔ اسی طرح اگر اس کے غیر وطن میں رب المال نے اسے روپیہ دیا یہ وہاں بطورِ مسافرت گیا ہوا تھا تو فی الحال جب تک اس شہر میں ہے نفقہ نہ پائے گا اگر چہ کارِ مضاربت انجام دے کہ اس بار اس کا یہ سفر مضاربت کے لیے نہ تھا بلکہ قبل عقدِ مضاربت تھا، ہاں جب وہاں سے چلا جائے گا اور پھر بغرضِ مضاربت وہاں آئے گا تو سفرِ خرچ پائے گا کہ اب یہ سفر بغرضِ مضاربت ہے بخلاف وطنِ مضارب کہ اگر جائے مضاربت سے سفر ہی کر کے خاص کارِ مضاربت ہی کے لئے اپنے وطن کو آئے جب تک وطن میں رہے گا نفقہ نہ ملے گا کہ وطن میں آدمی کسی طرح آئے مسافر نہیں رہ سکتا۔ 139

مضارب اگر اپنے پاس سے خرچ کرے گا جب بھی مالِ مضاربت سے مجرا پائے گا مگر رب المال سے مجرا لینے کا حق نہیں رکھتا یہاں تک کہ اگر مالِ مضاربت تلف ہو جائے تو اس کا خرچ بھی گیا۔ رب المال سے اس کا مطالبہ نہ کر سکے گا۔ ص140

کتاب الامانات (امانت کا بیان)

ایک شخص نے زید سے کچھ زیور عاریت لئے اور وہ زیورات گم ہو گئے اب وہ اس کے بدلے میں بخوشی نیا زیور بنا دینا چاہتے ہیں، وہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جبکہ وہ زیور بغیر اس شخص کے تقصیر کے گم ہو گئے تو اس کے بدلے میں اس سے کچھ لینا ہی ناجائز و تاوان ہے اور ناجائز بات میں کسی کی خوشی وناخوشی کو دخل نہیں۔ بہت لوگ سود بخوشی دیتے ہیں، پھر کیا اس کا لینا حلال ہو جائے گا۔ ص156

امانت کسی نے چھین لی تو؟

محمد یعقوب خاں کے مبلغ چھ روپے نیاز احمد کے ذمہ عرصہ کے چاہئے تھے، نیاز احمد کے پاس یعقوب خاں نے مبلغ بیس روپے دیکھ کر مبلغ چھ روپے اپنے لے لئے، نیاز احمد نے کہا کہ یہ روپے میرے نہیں ہیں عنایت اللہ کے ہیں، یہ کہنا نیاز احمد کا یعقوب خاں نے کچھ نہ سنا، روپے اپنے لے لئے، پھر عنایت اللہ یعقوب خان کے پاس آئے کہ روپے میرے تھے واپس کر دو، یعقوب خان نے جواب دیا کہ میں نے نیاز احمد سے روپے لئے ہیں تم نیاز احمد سے طلب کرو مجھ سے کیا واسطہ، پس موافق شرع شریف کے یعقوب خاں کو روپے لینا جائز ہوئے یا نہیں اور عنایت اللہ اپنے روپے کا نیاز احمد سے تقاضا کرے یا یعقوب خان سے؟

الجواب: اگر یعقوب خاں کو معلوم تھا یا ثابت ہو گیا تھا کہ فی الواقع یہ روپے نیاز احمد کے نہیں دوسرے شخص کے ہیں، تو لینا ناجائز وگناہ ہوا، ورنہ قبضہ دلیلِ مِلک ہے، اور دائن جب مدیون کا مال اپنے حق کی جنس سے پائے اور وہ دین اَز قبیل قرض یا معجّل یا اَجلِ گزشتہ ہو تو ہر طرح لے لینے کا اختیار رکھتا ہے۔

یہ بالا جماع ہے اور اختلاف صرف جنس کے خلاف میں ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

رہا عنایت اللہ کا مطالبہ، اگر نیاز احمد نے یعقوب خاں کو خود روپے نہ دئے بلکہ یعقوب خاں نے بالجبر چھین لئے تو نیاز احمد سے مطالبہ نہیں یعقوب خان سے ہے (کیونکہ یہ امین ہے اور امین پر ضمان نہیں ہوتا ماسوائے تعدّی کے جبکہ مجبور و مغلوب تعدّی کرنے والا نہیں ہوتا۔ت) اور اگر یعقوب خاں کے مانگنے پر یا زبانی اصرار پر دے دئے اگر چہ کتنا ہی اصرار کیا ہو یا یعقوب خاں نے چھیننے چاہے یہ اگر چاہتا تو بچا لیتا مگر نہ بچائے بلکہ دے دئے تو نیاز احمد و یعقوب خاں دونوں ضامن ہیں عنایت اللہ جس سے چاہے مطالبہ کرے (کیونکہ دوسرا لینے کی بناء پر غاصب اور پہلا دینے اور حفاظت نہ کرنے پر۔ت)۔ص153

امانت کا روپیہ تبدیل کرنا کیسا؟

زرِ امانت میں اس کو تصرف حرام ہے۔ یہ ان مواضع میں ہے جن میں دراہم و دنانیر متعین ہوتے ہیں اس کو جائز نہیں کہ اس روپے کے بدلے دوسرا روپیہ رکھ دے اگر چہ بعینہ ویسا ہی ہو اگر کرے گا امین نہ رہے گا اور تاوان دینا آئے گا۔ص166

زید نے بکر کو چند قطعات نوٹ پانچ پانچ روپیہ کے اور دس دس روپیہ کے بطورِ امانت کے رکھنے کو دئے اور یہ بھی اجازت دے دی کہ تو اس امانت میں سے اپنی حسبِ ضرورت خرچ کر سکتا ہے تو؟

وہ روپیہ امانت تھا۔ اور زید نے بکر کو وقتِ حاجت صرف کرنے کی اجازت دی تھی تو جس قدر کا اس نے منی آرڈر اپنے گھر کو بھیجا وہ امانت سے نکل کر قرض ہو گیا اور جتنے نوٹ باقی رہے وہ بدستور امانت رہے ان میں سے جو نوٹ جاتا رہا اگر بکر کی بے احتیاطی سے گیا تو ضرور اس پر تاوان ہے ورنہ ہر گز نہیں۔ص167

"علیہ السلام" کس کے ساتھ کہا جائے

''علیہ السلام'' لفظ بالاستقلال حضراتِ انبیائے کرام و ملائکہ عظام علیہم الصلٰوۃ والسلام کے لئے خاص ہے ان کے غیر کے لئے استقلالاً جائز نہیں۔ حضور پُرنُور سیدنا غوثِ اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا چاہیے۔ص159

کافر مر گیا اور کوئی وارث نہ چھوڑا اور مسلمان اس کا مدیون قرض ادا کرنا چاہتا ہے اب وہ کس کو دے؟

جبکہ اس کی نیت ادا کی تھی اور اس نے اپنی طرف سے کوئی عذر نہ کیا اور اس مال کا کوئی مستحق نہ رہا تو فقرائے مسلمین اس کے مستحق ہیں، اور یہ بایں معنی نہ ہوگا کہ کافر کی طرف سے تصدُّق کیا جائے یہ تو حرام ہے اور اگر اسے اجر و ثواب سمجھے تو کفر ہے بلکہ اس معنی پر زور دیا جائے گا کہ کافر مر گیا اور وارث کوئی نہیں اور موت قاطعِ مِلک ہے اور خلافت نہیں کہ اس کی طرف منتقل ہو تو اب یہ محض لاوارثی مال رہ گیا جو خالص مِلکِ خدا ہے لہذا فقراء کو دیا جائے گا یا مساجد یا مصارفِ دینیہ میں صرف کیا جائے اور اگر فقیر ہے تو آگیا (عـــہ ا)[1] فیصل ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص165

---

[1]: عـــہ ا: اصل میں اسی طرح ہے لیکن سیاقِ عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبارت یہ ہوگی کہ "اگر وہ خود فقیر ہے تو اپنے مصرف میں لا سکتا ہے۔

کتاب العاریۃ (عاریت کا بیان)

ایک مکان زید کی زمین میں زید کی رضامندی سے بکر نے بنالیا، جب زید نے اپنی زمین کو طلب کیا تو بکر قیمت دیتا ہے زمین نہیں دیتا ہے تو؟

الجواب: وہ مکان کہ بکر نے برضائے زید زمینِ زید میں بنایا اگر اس کے عملہ اُکھیڑ لینے میں زمینِ زید کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا تو بکر کو مجبور کیا جائے گا کہ اپنا عملہ اُکھیڑ لے اور زید کی زمین خالی کردے یا زید راضی ہو تو اپنا عملہ اس کے ہاتھ بیچ ڈالے اور اگر عملہ اُکھیڑنے میں زمین کو ضرر پہنچے گا تو زید کو اختیار ہے کہ چاہے تو اپنے نقصان پر راضی ہو کر بکر کو جبر کرے کہ اپنا عملہ اُکھیڑ کر زمین خالی کردے یا نہ چاہے تو عملہ خود لے لے اور اس کی جو قیمت بازار کے بھاؤ سے اُکھڑنے کی حالت میں ہوتی ہو وہ بکر کو دے دے، جس حالت میں عملہ اُکھڑوا دیا جائے جو نقصان اس اُکھیڑنے سے عملے کو پہنچے زید پر اس کا کچھ تاوان نہیں مگر اس حالت میں کہ زید نے ایک مدتِ معین تک مکان بنانے کی اجازت دی ہو اور اس مدت کے گزرنے سے پہلے اُکھڑوانا چاہے تو عملے کا نقصان دے گا۔ص173

کتابُ الھِبۃ (ہبہ (تحفہ) کا بیان)

* تملیکِ عین بلاعوض ہبہ ہے اور ہبہ بعدِ قبضہ تام۔ص179
* اگر ہبہ صحیحہ میں واہب بے قبضہ دئے مرجائے تو ہبہ باطل ہوجاتا ہے۔ص191
* خاص ہبہ صحیحہ میں شرع مطہر کا حکم ہے کہ جب تک موہوب لہ کا قبضہ نہ ہوجائے واہب کو ہر وقت نہ دینے کا اختیار ہے اور اس پر قبضہ دِلانے کا جبر نہیں ہوسکتا۔ص192
* جہاں موانع نہ ہوں تو شرع نے واہب کو بعدِ قبضہ بھی رجوع کا اختیار دیا اگرچہ وہ ہزار بار کہے میں نے اپنا حقِ رجوع ساقط کیا، مجھے رجوع کا اختیار نہ رہا اگر رجوع کروں تو نامقبول ہو کچھ مسموع نہیں۔اور حقِ رجوع بدستور باقی۔ص192
* قبضۂ پدر بعینہٖ قبضۂ پسرِ نابالغ ہے۔ص194
* قاعدہ یہ ہے کہ ایسا عقد جس میں ایک شخص ہی فریقین کے قائم ہوسکتا ہے اس میں اس کا ایجاب ہی کافی ہے۔ص229
* ہبہ شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرطیں فاسد و بے اثر ٹھہرتی ہیں۔ص230
* پسر موہوب لہ اگر وقتِ ہبہ بالغ ہو تو خود اس کا اپنا قبضہ شرط ہے ورنہ باپ کا قبضہ اسی کا قبضہ ہے۔ص219

ہبہ کب واپس لے سکتا ہے کب یا نہیں؟

اگر وہ شخص اس کا ذی رحم محرم نہیں یعنی نسب کے رُو سے ان میں باہم وہ رشتہ نہیں جو ہمیشہ ہمیشہ حرمتِ نکاح کا موجب ہوتا ہے جیسے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، نہ یہ واہب و موہوب لہ وقتِ ہبہ باہم زوج و زوجہ تھے، نہ موہوب لہ وقتِ ہبہ فقیر تھا، نہ اب تک

موہوب لہ اس ہبہ کے عوض میں کوئی چیز یہ جتا کر واہب کو دے چکا ہے کہ یہ تیرے ہبہ کا معاوضہ ہے، نہ اس عین شئ موہوب میں کوئی ایسی زیادت موہوب لہ کے پاس حاصل ہوئی اور اب تک باقی ہے جس سے قیمت بڑھ جائے جیسے زمین میں عمارت یا پیڑ یا کپڑے میں رنگ یا جاندار میں فربہی یا کنیز میں حُسن یا اُسے کوئی صنعت یا علم آ جانا تو ان سب شرائط کے ساتھ جب تک وہ شے موہوب اس موہوب لہ کی مِلک میں باقی وقائم اور واہب وموہوب لہ دونوں زندہ ہیں اگرچہ ہبہ کو سو برس گزر چکے ہوں واپس لینے کا اختیار ہے بایں معنی کہ یا تو موہوب لہ خود واپسی پر راضی ہوجائے یا یہ بحکمِ حاکمِ شرع واپس کرالے ورنہ آپ جبراً لے لینے یا کسی غیر حاکمِ شرع کے حکم سے واپس کرانے کا اصلاً اختیار نہیں یونہی اگر ان آٹھ شرطوں سے کوئی بھی کم ہے تو واپسی کا مطلقاً اختیار نہ ہوگا، پھر یہاں اختیار کا صرف اتنا حاصل کہ واپسی صحیح ہوجائے گی لیکن گناہ ہر طرح ہوگا کہ دے کر پھیرنا شرعاً منع ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی مثال ایسی فرمائی جیسے کتا قے کرکے چاٹ لیتا ہے۔ص198

* **موہوب لہم فقیر ہیں تو ہبہ صدقہ ہے اور صدقہ میں رجوع نہیں۔ص200**
* **(نابالغ) بچہ اپنے باپ کی زندگی میں اس کے غنا سے غنی قرار پاتا ہے یہاں تک کہ اسے زکوٰۃ وصدقہ واجبہ دینا روا نہیں اور ماں کے غنا سے غنی نہیں ٹھہرتا۔ص200**

عقود میں تحریر کب معتبر ہے

شریعتِ مطہرہ میں ہبہ وغیرہ تمام عقود صِرف زبان سے ہیں تحریر کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس کے بغیر کسی عقد کو ناتمام وغیر مکمل تصور کیا جائے۔ص205

تحریرِ کاغذ سے پہلے کچھ گفتگو عاقدین میں ہوتی ہے وہ گفتگو کبھی خود عقد ہوتی ہے اور تحریرِ کاغذ محض اس کی تائید وتوثیق ہوتی ہے، اس صورت میں شرعاً اس گفتگو کا اعتبار ہے، کاغذ اگر اس کے خلاف ہو بے کار ہے۔ جیسا کہ ہندیہ میں نص فرمائی ہے کہ زبانی بات کا اعتبار ہے اسٹام میں لکھی کا اعتبار نہیں ہے۔(ت) اور کبھی وہ گفتگو خود عقد ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی، تحریر ہی سے تکمیلِ عقد ہوتی ہے۔ص493

* نِرا کاغذ اگرچہ اس میں تاریخ وتحریرِ گواہان ودستخطِ حاکم بھی ہوں شرعاً اصلاً کوئی چیز نہیں اور محض اس کی بناء پر ہبہ ماننا باطل اور ایسا فیصلہ محض خلافِ شرع۔ص355

مشاع کا ہبہ

شے مشترک صالحِ تقسیم کا ہبہ قبلِ تقسیم ہرگز صحیح نہیں اور اگر یوں ہی مشاعاً یعنی بے تقسیم موہوب لہ کو قبضہ بھی دے دیا جائے تاہم وہ شیء بدستور مِلکِ واہب پر رہتی ہے موہوب لہ کا اَصلاً کوئی استحقاق اس میں ثابت نہیں ہوتا، نہ وہ ہرگز بذریعہ ہبہ اس کا مالک ہوسکے جب تک واہب تقسیم کرکے خاص جزء موہوب معین محدود وممتاز جدا گانہ پر قبضہ کاملہ نہ دے، یہاں تک کہ ایسے قبضہ ناقصہ کے بعد بھی اگر موہوب لہ اس شیء میں بیع وغیرہ کوئی تصرف کرے محض باطل وناقابلِ نفاذ ہے اور واہب کے سب

تصرفات جیسے قبل ہبہ نافذ تھے اب بھی بدستور تام ونافذ ہیں۔ یہی حق وصحیح معتمد ہے اور اسی پر تعویل واعتماد لازم۔

پھر یہ شیوع چاہے یوں ہو کہ سرے سے خود واہب ہی جائداد میں ایک حصۂ غیر منقسم کا مالک ہے یہی حصہ کل یا بعض قبلِ تقسیم ہبہ کیا یا یہ تو اس کل چیز کا مالک تھا مگر ہبہ اس میں سے ایک جزوِ غیر منقسم کا کیا یا ہبہ بھی کل کا کیا مگر دو شخصوں کو دیا اور ہر موہوب لہ کا حصہ جدا وممتاز کرکے قبضہ نہ دلایا، تینوں صورتوں کا وہی حکم ہے کہ ہبہ محض ناتمام اور ایسے قبضہ کے بعد بھی موہوب لہ کو اصلاً مِلک حاصل نہیں۔ص 207

اور تملیک کی یہاں دو ہی صورتیں متصور، یا تو مالک آپ اِنشاء وایجاب ہبہ کرے یا دوسرا شخص یعنی فضولی اس کی چیز کو ہبہ کرے اور یہ اس تصرف کو اپنی اجازت سے نافذ کردے۔اور پُرظاہر کہ سکوت خود تو کسی عقد کا ایجاب ہو نہیں سکتا کہ ایجاب کلامِ اول ہے اور سکوت ترکِ کلام۔ص 211

باپ کا نابالغ اولاد کے نام خریداری کرنے کا حکم

اگر اصل ایجاب وقبولِ بیع انھیں لڑکوں کے نام ہوا جب تو ظاہر ہے کہ جائداد بائع نے ان لڑکوں کے ہاتھ بیع کی اگرچہ زرِ ثمن ان کی طرف سے باپ نے ادا کیا جو اس کا تبرع واحسان ہوا جس کا معاوضہ نہ وہ لے سکتا ہے نہ اس کے دیگر ورثہ، اور باپ کو اپنے نابالغ بچوں کے نام ایسی خریداری کا مطلقاً اختیار ہے۔

ماں اگر نابالغ کے لئے اپنے مال سے کوئی چیز خریدے اور اقرار کرے میں نے اپنے مال سے خریدی ہے تو خریداری ماں کی ہوگی اور نابالغ کے لئے وہ چیز ہبہ قرار پائے گی کیونکہ ماں کو نابالغ بچے کے لئے خریداری کی ولایت نہیں ہے جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہ میں ہے(ت)

اور اگر اصل خریداری میں لڑکوں کے نام نہ تھا اگرچہ بعد کو بیع نامہ میں ان کا نام لکھا دیا تو اِبتداءً مالکِ جائداد زید ہوا۔ پھر بیٹوں کے نام بیع نامہ لکھانا ان کے (نام) ہبہ ہوا اور باپ جو اپنے نابالغ بچہ کے نام ہبہ کرے وہ ہبہ کرتے ہی تام ولازم ہوجاتا ہے۔ نہ قبولِ نابالغ کی حاجت نہ دو کے نام بلاتقسیم ہبہ ہونا مضر کہ قبضۂ والد یعنی خود واہب کا کافی وکامل بلاشیوع ہے۔ص329

زید کے تین بیٹے تھے، عمرو، بکر، خالد، زید نے عمرو کے نام سے ایک مکان خرید کیا اور قبالہ وغیرہ امورِ متعلقہ بیع بھی سب اسی کے نام سے کئے تو؟

صورتِ مستفسرہ میں اگر عمرو اس وقت نابالغ تھا تو ہر طرح وہ مکان ملکِ عمرو ہوگیا، اگر بالغ تھا تو زید مشتری اور بائعِ مکان کے باہم عقدِ بیع وشراء میں جو لفظ زبان پر آئے ان پر نظر کی جائے گی اگر ان میں عمرو کی طرف اضافتِ عقد تھی مثلاً بائع نے کہا یہ مکان میں نے تیرے بیٹے عمرو کے ہاتھ بیچا زید نے کہا میں نے اس کے لئے خریدا یا اس کے جواب میں اتنا ہی کہا کہ میں نے خریدا یا زید نے کہا یہ مکان میں نے اپنے بیٹے عمرو کے لئے خرید کیا، بائع نے کہا میں نے عمرو کے ہاتھ بیچا، یا اسی قدر کہا کہ میں نے بیچا، تو اس صورت میں یہ شرائے فضولی ہوا اور اجازتِ عمرو پر موقوف رہا، اگر اس نے اجازت دی مکان ابتداء ملکِ عمرو ہوا اور

اگر پیش اَز اجازت مر گیا بیع باطل ہو کر مکان ملکِ بائع پر رہا۔

اگر لفظوں میں عمرو کی طرف اضافت نہ تھی اگر چہ قبالہ میں عمرو ہی کے ہاتھ بیچنا لکھا ہو تو یہ شراء زید کے لئے واقع اور زید ہی اس کا مالک ہوا اب بعد اس کے جبکہ تحریر قبالہ وغیرہا کارروائیاں بنامِ عمرو کرائیں تو یہ بحکمِ عرف شائع زید کی طرف سے عمرو کے لئے ہبہ ہوا، ردالمحتار میں ہے کہ ایجاب وقبول کا تلفظ ضروری نہیں بلکہ ایسے قرائن کا وجود کافی ہے جو تملیک پر دال ہوں (ت) پس اگر عمرو نے بر بنائے ہبہ قبضہ کاملہ پالیا تھا تو مکان ملکِ عمرو ہو گیا۔ص 214

مکان بنا کر کسی کو عطا کر دینا اور ماں باپ کا کوئی شے اپنے روپے سے اولاد کے نام خرید دینا دونوں ہبہ ہیں اول ظاہر ہے اور ثانی یوں کہ عرفاً اس سے تملیک ہی مقصود ہوتی ہے اور تملیک بلاعوض ہبہ ہے۔ص 261

شے موہوب پر قبضہ کاملہ دلانا شرط ہے

تمامی ہبہ کے لئے واہب کا موہوب لہ کو شے موہوب پر قبضہ کاملہ دِلانا شرط ہے قبضہ کاملہ کے یہ معنی کہ وہ جائداد یا تو وقتِ ہبہ ہی مشاع نہ ہو (یعنی کسی اور شخص کی ملک سے مخلوط نہ ہو جیسے دیہات میں بغیر پٹہ بانٹ کے کچھ بسوے یا مکانات میں بغیر تقسیمِ جدائی کے کچھ سہام) اور واہب اس تمام کو موہوب لہ کے قبضہ میں دے دے، یا مشاع ہو تو اس قابل نہ ہو کہ اسے دوسرے کی ملک سے جدا ممتاز کر لیں تو قابلِ انتفاع رہے جیسے ایک چھوٹی سی دکان دو شخصوں میں مشترک کہ آدھی الگ کرتے ہیں تو بے کار ہوئی جاتی ہے ایسی چیز کا بلاتقسیم قبضہ دِلا دینا بھی کافی وکامل سمجھا جاتا ہے، یا مشاع قابلِ تقسیم بھی ہو تو واہب اپنی زندگی میں جدا و منقسم کر کے قبضہ دے دے کہ اب مشاع نہ رہی۔ **یہ تینوں صورتیں قبضہ کاملہ کی ہیں**۔ اور پسرِ موہوب لہ اگر وقتِ ہبہ بالغ ہو تو خود اس کا اپنا قبضہ شرط ہے ورنہ باپ کا قبضہ اسی کا قبضہ ہے پس صورتِ مستفسرہ میں اگر شخصِ مذکور نے وہ جائداد اپنے پسر کو تحریری خواہ زبانی ہبہ کر دی اور بشرائط ومعانی مذکورہ پسر کو قبضہ کاملہ دِلا دیا تو وہ جائداد خاص اس پسر کی ملک ہو گئی دیگر ورثہ کا اس میں استحقاق نہ رہا، اور اگر ہبہ نہ تھا نرا اِقرار ہی اِقرار تھا کہ اسے دے دوں گا، یا ہبہ زبانی خواہ تحریری کیا مگر قبضہ نہ دیا تو وہ قبضہ کاملہ نہ تھا اگر چہ پسر نے بعدِ موتِ پدر قبضہ کاملہ کر لیا ہو تو ان صورتوں میں وہ جائداد بدستور ملکِ پدر پر باقی رہی تمام ورثہ حسبِ فرائض اس سے حصہ پائیں گے۔ص219

تعمیرِ مکان کے لئے زمین دینا ہبہ نہیں

تعمیرِ مکان کے لئے زمین دینا ہبہ نہیں، اگر زید نے زمین دیتے وقت کوئی لفظ ایسا جو شرعاً مفیدِ ہبہ ہو نہ کہا تو صرف عاریت اور زمین بدستور ملکِ زید (مالکِ زمین) ہے اسے اختیار جسے چاہے تقسیم کر دے ہاں عمارت کسی پر تقسیم نہیں ہو سکتی کہ وہ خاص مِلکِ محمد (بنانے والے کی مِلک) ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص 222

باپ کا اپنے بیٹے کو ایک زمین افتادہ تعمیر مکان کے لئے بتا دینا تنہا مثبتِ ہبہ نہیں تاوقتیکہ اس کے ساتھ الفاظِ ہبہ سے کوئی لفظ نہ پایا جائے مثلاً یہ زمین میں نے تجھے دے دی یا ہبہ کی یا تمھیں اس کا مالک کیا یا یہ زمین ہی تیری ہے (اس کی مثل اور الفاظ جو بغیر عوض تملیک پر دلالت کریں۔ت)۔ص223

مرضِ موت کی تفسیر

مرضِ موت کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک صاحبِ فراش ہونا ضرور، تجرید میں اسی مذہب کو معتمد قرار دیا اور مختار یہ ہے کہ اس مرض کا قاتل ہونا چاہئے کہ مبتلا اس کا غالباً نہ بچتا ہو جب تک خوفِ موت غالب رہے مرضِ موت ہے اگرچہ مثل تندرستوں کے چلے پھرے۔ص 227

اپنا مال اپنی زندگی میں بحالتِ صحت اولاد میں تقسیم کرے تو؟

مذہبِ مفتیٰ بہ پر افضل یہی ہے کہ بیٹوں بیٹیوں سب کو برابر دے، یہی قول امام ابو یوسف کا ہے اور {لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ} (مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ت) دینا بھی جیسا کہ قول امام محمد رحمہ اللہ کا ہے ممنوع وناجائز نہیں اگرچہ ترک اَولیٰ ہے۔ بالجملہ خلاف افضلیت میں ہے اور مذہبِ مختار پر اَولیٰ تسویہ، ہاں اگر بعض اولاد فضلِ دینی میں بعض سے زائد ہو تو اس کی ترجیح میں اَصلاً باک نہیں۔ص 231

اگر کوئی شخص غیر مجور اپنی ساری جائداد ایک ہی بیٹے کو دے دے اور باقی اولاد کو کچھ نہ دے تو یہ تصرف بھی قطعاً صحیح ونافذ ہے اگرچہ عنداللہ گنہگار ہوگا گناہگاری کو عدمِ نفاذِ تصرف سے کچھ علاقہ نہیں، اور اگر فضلِ دینی کے سبب بعض اولاد کو ترجیح دی جائے تو یہ بلا کراہت جائز ہے اس میں عنداللہ بھی کچھ مواخذہ نہیں۔ص 237

نثار احمد اپنی سکونت والا مکان نابالغ بچوں کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اس کی ایک لڑکی شادی شدہ بالغ ہے اس کو بھی شامل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

ان نابالغ بچوں کو جو حصہ ملتا ہے اگر وہ شادی شدہ لڑکی کے جہیز سے واضح طور زائد نہ ہو تو اس لڑکی کو شامل کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کہ ''کیا تم نے اپنے تمام بچوں کو اتنی مقدار ہبہ کیا ہے'' پر عمل ہوگیا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)۔ص 291

مرض الموت میں ہبہ کرنے کا حکم

ہبہ مرض الموت میں ہونے کی وجہ سے اس بات میں حکمِ وصیت پیدا کرگیا کہ بلا اجازتِ ورثہ فقط ایک ثلث میں نافذ ہوگا۔ اور اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ اگر موصی پر کوئی قرض نہیں تو اس کے کل اشیائے متروکہ منقولہ وغیر منقولہ کو ملا کر ان سب کا ثلث نکالیں گے اور اگر کچھ قرض ہے قلیل خواہ کثیر کتنا ہی ہو تو اُسے مجرا دے کر باقی تمام متروکہ کا ثلث نکالیں گے اس مقدار سے موصی کی ساری وصیتیں نافذ کریں گے پس اگر یہ مقدار اور وصایا برابر ہوں فبہا، اور اگر یہ زائد اور وصایا کم ہوں جب بھی ہر موصی لہ کو پورا پورا بقدرِ ادائے وصیت کے دیں گے نہ یہ کہ ثلث کامل انہیں دے دیں گے اگرچہ ان کی وصیتیں کم سے ہی پوری ہو جائیں اور اگر وصیتیں زائد اور مقدارِ ثلث کم ہوں تو بلا اجازتِ ورثہ تہائی سے زیادہ انہیں نہ دیا جائے گا بلکہ اسی قدر کو تمام موصیٰ لہم پر بحساب ان کے وصایا کے حصۂ رسد تقسیم کر دیں گے۔ص 240

مرض الموت کا ہبہ اگرچہ حکماً وصیت ہے، حقیقۃً ہبہ ہے اگر موہوب لہ کے قبضہ تامہ شرعیہ سے پہلے واہب کا انتقال ہوجائے باطل محض ہوجاتا ہے۔ص338

ہبہ مرض الموت میں جب غیر وارث کے نام ہوتو قطعاً صحیح وجائز ہے اور وہ حقیقۃً ہبہ ہی قرار پائے گا اور اسی کے شرائط اس میں معتبر ہوں گے نہ یہ کہ دراصل وصیت ٹھہرجائے اور ہبہ کے لئے حیاتِ واہب میں موہوب لہ کا قبضہ ہونا ضرور ہے ورنہ باطل ہوجاتا ہے۔ص239

مرض الموت میں وارث کے ہاتھ بیع کا حکم

ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً ہرطرح بیع ہے اور بیع کہ مرض الموت میں وارث کے ہاتھ ہو اگرچہ برابر قیمت پر ہو بے اجازتِ دیگر ورثہ باطل ومردود ہے، نہ کہ ایسی بیع لاکھوں روپے کا مال آٹھ دس روپے کو یہ تو بالاجماع باطل ہے۔ص326

مرض الموت میں اپنا دین دائن کو ہبہ یا معاف کرنا

مرض الموت میں اپنا دین دائن کو ہبہ یا معاف کرنا حکمِ وصیت میں ہے اور زوج وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازتِ دیگر ورثہ باطل ہے کہ ثلث وغیرہ کسی حصے میں نافذ نہیں ہوسکتی۔ص285

ہبہ وتملیک میں کیا فرق ہے؟

اصل وضع میں تملیک ہبہ سے عام ہے کہ وہ تملیک اَعیان ومنافع وبعوض وبے عوض ومنجز ومضاف للموت سب کو شامل ہے جس کی رُو سے بیع وہبہ واِجارہ واِعارہ ووصایا سب اس کے تحت میں داخل ہیں اور ہبہ خاص تملیکِ عین بلاعوض کا نام ہے۔

مگر عرف میں ان لفظوں سے کہ میں نے ایک شے کا تجھے مالک کیا، یا اس چیز کی تجھے تملیک کی ظاہراً ہبہ ہی متبادر ہوتا ہے حتی کہ امام اجل شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالٰی نے محیط میں اسے ان الفاظ سے گنا جو بحسبِ وضع اِفادہٗ ہبہ کرتے ہیں۔ ولہذا کلماتِ علماء میں اکثر جگہ تملیک سے ہبہ پر استدلال پایا جاتا ہے۔ص243

کوئی تملیک محض نیت وارادہ سے نہیں ہوسکتی نہ مجردِ اظہارِ ارادہ کہ میں نے اس لئے بنوائے یا یہ مال فلاں کو دوں گا کوئی اثرِ مِلک پیدا کرسکے۔ص348

عقدِ اجارہ میں کرایہ کا مستحق عاقد ہے نہ کہ مالک

عقدِ اجارہ میں جو شخص کسی شیٔ کو کرایہ پر چلاتا ہے اجرت کا مالک وہی ہوتا ہے اگرچہ وہ شے مِلکِ غیر ہی ہو، ہاں اس پر دو باتوں میں سے ایک واجب ہوتی ہے یا تو مِلکِ غیر کی اُجرت اس مالک کو واپس دے اور یہی بہتر ہے یا محتاجوں پر تَصَدُّق کردے کہ اس کے حق میں وہ مِلکِ خبیث ہے مگر جبکہ شرعاً مالکِ شے مالکِ اجرت نہیں اور اس اجارہ دینے والے پر خاص مالک ہی کو واپس کرنا واجب نہیں بلکہ تَصَدُّق کا بھی اختیار رکھتا ہے تو مالک اس پر واپسی کا دعوٰی نہیں کرسکتا۔ص259

عقود میں نظر معانی مدلولہ پر ہے نہ کہ مجرد خیالاتِ باطنیہ پر

عقود میں نظر معانی مدلولہ پر ہے نہ کہ مجرد خیالاتِ باطنیہ پر، یہاں تک کہ اگر زید بیٹے کے لئے عمرو کی بیٹی مانگنے آیا عمرو نے کہا: میں نے اپنی دُختر نکاح میں دی، زید نے کہا: میں نے قبول کی، زید سے نکاح ہوگیا، جبکہ اس سے نکاح ہوسکتا ہو کہ ایجاب وقبول میں پسرِ زید کا کوئی ذِکر نہ آیا اگرچہ خیال یہی تھا کہ بیٹے کے لئے قبول کروں۔ ص266

مرید کا کہنا کہ ''میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا'' کیسا؟

جہاں ارادتِ صحیحہ معتبرہ ہو وہاں شک نہیں کہ مرید کا اتنا ہی کہنا کہ ''میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا'' اس کے فسخِ بیعت اور عاق ہوجانے کے لئے بس ہے نہ کہ اور کلماتِ شدیدہ مزید برآں اور اس صورت میں وہ ضرور تنبیہِ شرعی کا مورد ہوگا کہ وہ سخت محسن کش وبے ادب ہوا عام مسلمانوں میں کسی متنفس کی اِیذا بلاوجہ شرعی حرام ہے نہ کہ پیر کی اِیذا۔ ص270

چنائی مشترکہ اینٹوں سے ہوئی تو؟

عبدالوہاب خان نے جو عملہ اپنے روپے سے اپنے لئے بنایا خاص مِلکِ عبدالوہاب خان ہوا، بالاخانہ کہ تمام وکمال زرِ عبدالوہاب خاں سے بنا کل عبدالوہاب خاں کا ہے اور دونوں دکانوں میں کڑیاں بھی انھیں کی ہیں اور چنائی کہ مشترکہ اینٹوں سے ہوئی ظہورن اور عبدالوہاب خان کی حصۂ رسد مشترکہ ہے، اگر کمی بیشی معلوم ہوسکے مثلاً دوتہائی اینٹیں ظہورن کی ہیں اور ایک تہائی عبدالوہاب خان کی، یا بالعکس، جب تو اسی حساب سے، ورنہ نصفاً نصف مشترک رہے گی۔
جیسا کہ یہ طریقہ ہے جہاں زائد کا علم نہ ہو فقہاء کرام نے شرکت وغیرہ کے کئی مسائل میں یہ تصریح فرمائی ہے۔ (ت) ص287

اگر شے موہوبہ کے ایک جز پر استحقاق ثابت ہو تو یہ ہبہ باطل ہوگا یا نہیں؟

الجواب: استحقاق کے یہ معنی کہ ثابت ہو کہ شئ موہوب تمام وکمال مِلکِ واہب نہ تھی بلکہ اس کا ایک جز مِلکِ مدعی نکلا مدعی نے دعوٰی کیا اور ثبوت دیا اور وہ جز نکل گیا تو باقی میں بھی ہبہ باطل ہوجائے گا کہ ثابت ہوا کہ اول ہی سے ایک جز مشاع ہبہ ہوا تھا کہ مِلکِ غیر کو ہبہ کردینے کا واہب کو کچھ اختیار نہ تھا، پھر یہ اسی حالت میں ہے کہ شے موہوب قابلِ قسمت ہے ورنہ بعدِ استحقاق باقی کا ہبہ تام رہے گا کہ نا قابلِ قسمت کے ہبہ کو شیوع منع نہیں کرتا، اور اگر شئ موہوب تمام وکمال بملکِ واہب تھی ہبہ میں ابتداءً شیوع نہ تھا بعد کو کسی عارض کے سبب اس کا ایک جز ہبہ سے نکل گیا، مثلاً واہب نے بتراضی یا قضائے قاضی نصف موہوب میں رجوع کرلی، یا ہبہ اجنبی کے ہاتھ تھا اور شیءموہوب ثلث مالِ واہب سے زائد تھی، ورثہ نے اجازت نہ دی، ثلث سے جس قدر زیادت تھی ہبہ سے خارج ہوگئی یا موہوب لہ وارث تھا دیگر ورثہ سے بعض نے اجازت دی بعض نے نہ دی کہ نہ دینے والوں کے حصے کے قدر جز موہوب سے آزاد ہوگیا تو ان صورتوں میں باقی کا ہبہ باطل نہ ہوگا۔ ص291

دَینِ صرف ذاتِ مدیون یعنی اس کے ذمہ پر ہوتا ہے نہ کہ اس کے کسی مالِ معین پر

جب تک دین کے عوض کوئی شئ دائن کے پاس رہن نہ ہو دائن کا مطالبہ صرف ذاتِ مدیون یعنی اس کے ذمہ پر ہوتا ہے نہ

کہ اس کے کسی مالِ معین پر (مدیون اگر اپنا کل مال کسی کو ہبہ کردے) تو ہبہ بوجہِ قبضہ تام وکامل۔۔ لازم ہوگیا۔ص293

*** ہبہ جب باہمی تراضی یا قضائے قاضی سے واہب کو واپس ہو تو وہ دوسرے سے فسخِ ہبہ ہے، نہ کہ موہوب لہ کی طرف سے واہب کو ہبہ، ولہذا واہب کا قبضہ اس پر شرط نہیں۔ص298**

تخلیہ کے معنی وشرائط

ہبہ صحیحہ میں مذہبِ صحیح پر تخلیہ مثلِ قبض بالبراجم ہے۔مگر یہاں اعتبارِ تخلیہ کے لئے جو تمکُّنِ قبض شرط ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ شئ موہوب، موہوب لہ سے اس قدر قریب ہو کہ یہ ہاتھ بڑھائے تو اس تک پہنچ جائے اٹھ کر اس کے پاس جانے کی حاجت نہ ہو فقط الماری اور صندوق کا کُھلا ہونا ہرگز کافی نہیں۔

تحقُّقِ تخلیہ کے لئے صرف تمکنِ قبضہ فی الحال ہرگز کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مخلِّی مخلّٰی لہ کو قبضہ کا حکم کرے، مثلاً "خُذْہ" یا "اِقْبِضْه" کہے یا "خَلَّيْتُ لك عنه" یا اس کے مثل جو اس معنی کو ادا کرے۔

امام اجل فقیہ النفس قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے تخلیہ کی تعریف ہی میں امر بالقبض ماخوذ فرمایا

امام اجل موصوف ودیگر اکابر یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ مطلقاً امر بالقبض بھی کافی نہیں بلکہ خاص وہ امر بالقبض درکار ہے جو اس شئ کی طرف مضاف ہو، مثلاً ہبہ یا بیع کر کے کہا: لے لے یا قبضہ کرلے، تخلیہ نہ ہوا جب تک یوں نہ کہے کہ یہ چیز لے لے یا اس پر قبضہ کرلے، یہیں سے ظاہر کہ عباراتِ علماء میں جہاں تخلیہ مذکور ہے یہ شرط منظور ہے۔

حقیقۃً لفظِ تخلیہ کا مفاد یہ ہے کہ تخلیہ کرنے والا اسے اپنے قبضہ سے خالی کردے کہ شے جب تک خود اس کے قبضہ میں ہے تخلیہ کہاں ہوا۔ ولہذا البحر الرائق نے تصورِ تخلیہ میں اس شئ کا زمین پر رکھا ہونا ماخوذ کیا، ولہذا اگر گھوڑا بیچا اور بائع اس کی یال تھامے ہوئے مشتری سے کہہ رہا ہے کہ گھوڑے پر قبضہ کر میں اس کی یال تیرے ہی لئے تھامے ہوئے ہوں کہ بھاگ نہ جائے اور تو قابو میں کرلے اور مشتری پاس کھڑا ہے کہ قبضہ کرسکتا ہے مگر وہ اپنا ہاتھ نہ رکھنے پایا تھا کہ گھوڑا چھوٹ کر گم ہوگیا، بائع کے مال سے گیا کہ قبلِ قبض ہلاک ہوا تو آنکہ مشتری قبضہ پر فی الحال قادر تھا اور بائع صاف حکمِ قبضہ کررہا تھا۔ مگر تخلیہ صحیح نہ ہوا کہ گھوڑا دستِ بائع میں تھا۔ص310 تا319

اِبراء میں شرعاً حقِ رجوع نہیں

اگر بیع واقع ہونے کے بعد بیع نامہ میں تیرہ سو کی معافی لکھی تو یہ صورت ہبۂ ثمن کی نہیں بلکہ اِبراء کی ہے اور اِبراء میں شرعاً حقِ رجوع نہیں۔ ہبہ اور ابراء میں فرق یہ ہے کہ ہبہ میں مانع نہ ہونے کی صورت میں رجوع (واپس لینا) جائز ہے، اِبراء اس کے خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(ت)ص328

ہبہ شدہ کو دوبارہ ہبہ کرنا

جو چیز کسی کو ہبہ کردی اور قبضہ دے دیا اور ہبہ تام ہوگیا وہ شے موہوب لہ کی مِلک ہوگئی، اب جو اس دوسرے شخص کو ہبہ

کرتا ہے یہ پہلے ہبہ سے رجوع ہے اگر موانعِ رجوع سے کوئی شیٔ پائی جاتی ہو مثلاً جسے ہبہ کیا وہ اپنی زوجہ یا اپنا عزیز محرم مثلِ پسر یا برادر وغیرہ ہے، جب تو ظاہر ہے کہ اسے رجوع کا کچھ اختیار نہیں۔ وہ ہبہ اسی موہوب لہ کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر جائز کردے گا جائز ہوجائے گا رد کردے گا باطل ہوجائے گا اور اگر موانعِ رجوع نہ ہوں جب بھی رجوع کا خود بخود اختیار نہیں ہوتا بلکہ یا تو موہوب لہ کی مرضی سے ہبہ واپس کرلے یا نالش کرکے بحکمِ حاکم رجوع کرے۔ اس کے بعد دوسرے کو ہبہ کرسکتا ہے، بغیر اس کے وہی مِلکِ غیر کا ہبہ ہے۔ص 331

بیٹی کے لئے زیور بنوایا اور فوت ہو گیا تو؟

اگر دُختر اس جہیز کے تیار کراتے وقت بالغہ تھی یعنی اسے حیض آ لیا تھا یا پندرہ سال کامل کی عمر ہوچکی تھی اور جہیز بنوا کر اس کے باپ نے صریح الفاظِ تملیک بھی کہہ دئے ہوں، مثلاً میں نے اپنی دُختر فلانہ کو اس مال کا مالک کیا، جب بھی اَز انجا کہ قبضہ دینے سے پہلے اس شخص کا انتقال ہوگیا کہ جہیز پر قبضہ وقتِ رخصت دیا جاتا ہے۔ یہاں ابھی عقد بھی نہ ہوا تھا وہ ہبہ باطل محض ہوگیا، بہرحال وہ مال تمام وکمال متروکہ متوفّٰی ہے، ہاں اگر لڑکی اس وقت نابالغہ تھی یعنی نہ اسے آثارِ بلوغ پیدا ہوئے تھے نہ پورے پندرہ برس کی عمر ہوئی تھی اور اس نے اس کے واسطے جہیز بنوایا یا کہا میں نے اسے اس کا مالک کیا، یا یہ اس کا ہے۔ یا اتنا ہی کہا کہ یہ میں نے اس کے لئے بنوایا ہے۔ تو ضرور کل مال یا اس میں سے جس خاص شیٔ کی نسبت یہ لفظ صادر ہوئے تھے مِلکِ دُختر ہے اگرچہ قبضۂ دُختر نہ ہوا کہ نابالغ کے لئے باپ کا قبضہ کافی ہے۔ص 349

کیا مالِ مشترک کا ہبہ باطل ہوگا؟

مال مشترک اگر غیرِ قابل قسمت ہے اور اس نے صرف اپنا حصہ ہبہ کیا تو صحیح و نافذ ہوگیا، باقی ورثاء اپنا حصہ اس میں سے لے سکتے ہیں اور اگر وہ کل شیءمشترک ہے اور ایک شریک نے کسی کو ہبہ کردی تو اس کے اپنے حصہ میں ہبہ نافذ ہوگیا اور دوسرے شرکاء کے حصوں کا ہبہ ان کی اجازت پر موقوف رہا، اگر وہ عاقل بالغ ہوں ورنہ باطل، کیونکہ یہ عقد فضولی سے صادر ہوا جبکہ عقد کے وقت اس کو جائز قرار دینے والا کوئی نہ تھا۔ (ت)

اور اگر وہ شے قابلِ قسمت ہے اور اس نے اپنا حصہ قبلِ تقسیم ہبہ کیا تو وہ ہبہ محض بے اثر ہے کہ قبضہ سے بھی مفید نہ ہوگا مگر اس کا فسخ اس پر لازم نہیں، اسے جائز ہے کہ بعد تقسیم اپنے حصہ پر موہوب لہ کو قبضہ دے دے اور تکمیلِ ہبہ کردے، اس کا اِسترداد واہب کا حق ہے نہ کہ واہب پر حق، ہاں دوسروں کے حصوں میں مزاحمت نہ کرنا اس پر واجب اور اگر شے قابلِ قسمت ہے اور اس نے کل ہبہ کردی تو یہ وہی ہبہ فضولی کی صورت ہے، اور اگر بقیہ شرکاء سب عاقل بالغ ہوں اور جائز کردیں تو جائز ہوجائے گا۔ جیسے دو افراد ایک شخص کو اپنا مکان ہبہ کریں تو جائز ہے۔ اور اگر اس میں ایک شخص بھی اجازت سے دست کش یا غیر مکلف ہوگا تو اس کل میں ہبہ باطل ہے یعنی بے اثر و نا مفیدِ مِلک۔ص 351

*** دو موہوب چیزوں میں ایک پر قبضہ تامہ مستقلہ اگر بغیر دوسرے پر قبضہ کے ہوجائے تو جس پر قبضہ ہوا اس کا ہبہ تمام ہوگیا۔ص 341**

مشاع کی تعریف کیا ہے؟

ایک شی ءدو یا چند اشخاص کو بلاتقسیم ہبہ کی جائے اگرچہ حصے نامزد کردے جائیں کہ نصف نصف یا ایک کو ثلث اور دوسرے کو دوثلث یا اپنی مِلک کا کوئی حصہ غیر معینہ غیر ممتازہ مثلاً نصف، ثلث، ربع، وغیرہ کسی شخص کو ہبہ کرے یا اپنی پوری مِلک ہبہ کرے مگر یہ خود کسی شے کے ویسے ہی غیر معین حصے نصف وغیرہ کا مالک ہو، یہ سب ہبہ مشاع ہیں پھر اگر وہ چیز ناقابلِ تقسیم ہے تو جائز۔ ورنہ نہیں۔ص352

درمختار میں ہے: (یا مشاع چیز دو فقیروں کو ہبہ کرے تو صحیح ہے) کیونکہ فقیر کو ہبہ کرنا صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے ہوتا ہے جبکہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے، تو شیوع نہ ہوگا۔ (ت)۔ص392

کن کے تصرفات نافذ نہیں؟

مِلک ایک اختصاصِ حکمی ہے کہ انسان کو اس کے مال میں اطلاقِ تصرف کا ثمرہ دیتا ہے کسی مالک کا اس کی مِلک میں تصرف ممنوعُ النَّفاذ ہونا دوہی طور پر معقول ہے، یا تو (۱) اس کی اہلیت میں قصور ہو جیسے مجنون یا صبی لایعقِل کہ ان کے تصرفات مطلقاً باطل یا معتوہ یا صبی عاقل کہ ان کے تصرفاتِ ضارّہ باطل اور دائر بَینَ النَّفعِ و الضَّرَرِ اجازتِ ولی پر موقوف قولِ صاحبین پر سفیہ بھی اسی کے ساتھ ملتحق ہے وہ کہ اپنا مال فضول ولغو باتوں میں برباد کرے گا امام محمد کے نزدیک بنفسِ سفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک بعد حجرِ حاکم وھو الراجح۔ (۲) یا اہلیت تو کاملہ ہے مگر حقِ غیر متعلق ہے یہ حق اگر بعینہٖ اس شے سے متعلق ہے جس میں تصرف کرنا چاہتا ہے جب تو منعِ نفاذ ظاہر ہے، جیسے راہن شے مرہون میں بے اذنِ مرتہن تصرف نہیں کرسکتا، یا مواجر شے مواجَر میں بے اذنِ مستاجر جب تک رہن واجارہ باقی ہیں، بخلاف عاریت کہ وہ محض اس کی طرف سے تبرع ہے حقِ مستعیر اس سے متعلق نہیں اور اگر عین شئ سے تعلقِ حق نہ ہو تو منعِ نفاذ حجرِ حاکم پر موقوف ہے مثلاً زید مدیون ہے اور دَین اس کے جائداد کو مستغرق ہے، تو قبل حکمِ حجر اگر وہ اپنی جائداد کسی کو ہبہ کردے، یقیناً یہ تصرف نافذ ہوجائے گا کہ دین عین سے متعلق نہ تھا، بلکہ اس کے ذمہ پر ہاں اگر دائنوں نے درخواست دی کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ یہ جائداد تلف کردے گا تو امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اب بھی اسے تصرف سے منع نہ کیا جائے گا کہ وہ مالک ہے اپنی مِلک میں جو چاہے تصرف کرے اس خیال سے کہ شائد تلف کردے دائنوں کا ضرر محتمل ہے، اور اسے ممنوعُ التصرف کردینے میں اسے اہلیت سے خارج اور بہائم سے ملتحق کردینا اس کا شدید ضرر حاضر ہے، ایک ضررِ خفیف موہوم سے بچنے کے لئے دوسرے کو بالفعل ضررِ شدید پہنچانا متقضائے عدل وحکمت نہیں، مگر صاحبین بنظرِ فسادِ زمانہ حاکم کو اس صورت میں اجازتِ حجر دیتے ہیں یعنی اس کے ممنوعُ التصرف ہونے کا حکم کردے، اس حکم سے پہلے وہ بالاجماع ممنوع التصرف نہ ہوگا۔ اور امام کے نزدیک بعد حکمِ حاکم بھی، بلکہ یہ حکم ہی باطل ہوگا اسی تعلقِ حقِ غیر سے صورتِ مرض الموت ہے کہ مریض کے دوثلث مال سے شرعاً حقِ ورثہ بایں معنی متعلق ہوجاتا ہے کہ وہ نہ اسے ہبہ کرسکتا ہے نہ کسی ایک وارث کے ہاتھ بیع، اگرچہ ثمن مثل کو ہو، اور اگر کسی نے حالتِ مرض میں ایک وارث یا اجنبی کو اپنا کچھ مال یا کل ہبہ کردیا اور قبضہ دے دیا اور پھر وہ اچھا ہوگیا اگرچہ چند روز کے بعد مرگیا، تو اب وہ تصرف بالاجماع صحیح ونافذ ہوگیا، تنہا موہوب لہ اس مال کا مالک قرار پائے گا اور ورثہ کو اس پر کچھ دعوٰی نہ

پہنچے گا، کہ دوثلث مال سے ان کے حق کا تعلق بحالِ مرضُ الموت تھا جب وہ اچھا ہوگیا ظاہر ہوا کہ وہ مرض الموت نہ تھا، اور تندرست کو اختیار ہے کہ اپنا کل مال ایک وارث خواہ راہ چلتے کو دے دے کوئی اس سے مزاحمت نہیں کرسکتا نہ کوئی حاکم ایسا دعوٰی سن سکتا ہے نہ اس کے ممانعت کا حکم دے سکتا ہے، اور اگر دے گا تو بالاجماع باطل ہوگا کہ ہمارے امام اَعظم رضی اللہ تعالٰی کے نزدیک حقِ عاقل بالغ پر حجر ہوسکتا ہی نہیں اگرچہ سفیہ ہو اگرچہ مدیون ہو اور صاحبین رحمھما اللہ تعالٰی کے طور پر حجر ہے تو بوجہِ سفہ یا دَین اور یہاں دونوں مفقود تو حجر محض باطل ومردود، یہ حکمِ قضا ہے، رہا حکمِ دیانت اس کا تعلق آخرت سے ہے قاضی اس میں دست اندازی نہیں کرسکتا اور دیانۃً بھی بعض ورثہ کو محروم کرنا اس حالت میں منع ہے جبکہ محض بلاوجہِ شرعی ہو، اگر ایسا کرے گا گنہ گار ہوگا، حدیث میں فرمایا: ''جو اپنے وراث کے میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث قطع فرمائے گا'' والعیاذ باللہ۔ ورنہ اگر وہ وارث مُسرِف ہے کہ مال فضول تباہ وبرباد کرے گا یا فاسق ہے کہ مال ملنے سے اس کے فسق وفجور کو مدد پہنچے گی یا بدمذہب ہے کہ فسقِ عقیدہ فسقِ عمل سے بدتر ہے اور اسے مال ملنے سے دِین پر احتمالِ ضرر ہے تو ان صورتوں میں دیانۃً بھی وہ ایسے وارثوں کو محروم کرسکتا ہے۔ ص 394

کتابُ الاجارۃ (اجارہ کا بیان)

کام کی تین حالتیں ہیں

مزدور اگر ٹھیکے زیادہ کام کرے اور یومیہ مزدوری میں کم تو؟

سُست، معتدل، نہایت تیز، اگر مزدوری میں سستی کے ساتھ کام کرتا ہے گنہگار رہے اور اس پر پوری مزدوری لینا حرام، اتنے کام کے لائق جتنی اجرت ہے لے، اس سے جو کچھ زیادہ ملا مستاجر کو واپس دے وہ نہ رہا ہو اس کے وارثوں کو دے، ان کا بھی پتہ نہ چلے تو مسلمان محتاج پر تَصَدُّق کرے اپنے صرف میں لانا یا غیر صدقہ میں اسے صرف کرنا حرام ہے اگرچہ ٹھیکے کے کام میں بھی کاہلی سے سستی کرتا ہو، اور اگر مزدوری میں معتدل کام کرتا ہے مزدوری حلال ہے اگرچہ ٹھیکے کے کام میں حد سے زیادہ مشقت اُٹھا کر زیادہ کام کرتا ہو۔ ص 407

اجیرِ مشترک سے مال گم جائے تو؟

اگرچہ مسئلہ تضمینِ اجیرِ مشترک میں جبکہ مال بے اس کے فعل کے کسی ایسے سے ضائع ہوجائے جس سے اِحتراز ممکن تھا اَقوال وفتاوٰی سخت مختلف ہے، مگر ہمارے امام اَعظم امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس پر صورتِ مذکورہ میں مطلقاً تاوان نہیں۔

اگر بنظر تغیر زمان آرائے علمائے خلف پر نظر کیجئے تو یہاں جماعتِ کثیرہ ائمہ متاخرین کا قول قوی باشوکت مرجح مصحح مفتیٰ بہ یہ ہے کہ اگر اجیر مرد صالح ومتدین ہے تو ضمان نہیں، اور خائن دغاباز ہے تو ہے اور مستور الحال ہے تو نصف قیمت پر صلح کرلیں، بہت بعد متاخرین نے اس پر فتوی دیا، اور فی الواقع یہ اس اعلٰی درجہ نفاست ومتانت واحتیاط رزانت ومراعاتِ جانبین وحفظِ مذہب ولحاظِ زمانہ پر واقع اور تمام خوبیوں کا جامع ہے۔ کہ خواہی نخواہی قلوب اس خاطر جھک جائیں اور تشتتِ اقوال وفتاوٰی کے

پریشان کئے ہوئے ذہن اسے سنتے سکون واطمینان پائیں، ہم امید کرتے ہیں کہ اگر امام یہ زمانہ پاتے اور اس قول کو ان کے حضور عرض کیا جاتا بیشک پسند فرماتے۔ص 410 تا 419

اصحابِ ترجیح وفتوی کے اسماء گرامی

جیسے امام ابواللیث سمرقندی وامام محقق برہان الدین مرغینانی وامام ظہیر الدین مرغینانی وامام افتخار الملۃ والدین طاہر بن بخاری **وغیرھم من الجلۃ الاکابر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین** امام علامہ فخر الملۃ والدین حسن بن منصور اوزجندی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ امام فارسِ میدانِ ترجیح وتصحیح ہیں جن کی نسبت علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے، ان کے فتوٰی سے عدول نہ کیا جائے۔

* **قولِ جمہور ہمیشہ منصور وغیر مہجور۔**
* **علماء تصریح فرماتے ہیں کہ متون شروع اور شروح فتاوٰی پر مقدم ہیں۔ص 416**

تالابوں سے مچھلیاں پکڑنے کے احکام

مسئلہ اُولیٰ: زمینداروں کا اپنے دیہات کے تالابوں سے مچھلیاں نصف پر صید کرانا۔

اقول: وباللہ التوفیق اس کے جواب میں اول تنقیح اس امر کی ضرور ہے کہ آیا وہ مچھلیاں زمینداروں کی مملوک ہیں یا نہیں، اس بارے میں حکمِ شرع یہ ہے کہ اگر زمینداروں نے وہ تالاب اس غرض کے لئے مہیا کئے ہیں کہ برسات کے پانی جوندیوں سے مچھلیاں بہا کر لائیں ان میں فراہم ہوکر ہمارے مِلک میں آئیں تو بلاشبہ جو مچھلیاں ان میں جمع ہوں گی ان زمینداروں کی مِلکِ خاص ہوں گی، اور اگر تالاب اس لئے مہیا نہ کئے مگر جب پانی بہا کر لایا انھوں نے ان کی روک کرلی، کوئی مینڈھا وغیرہ ایسا باندھ دیا کہ اب مچھلیاں بہاؤ میں نہ نکل جائیں تو بھی وہ مچھلیوں کے مالک ہوگئے، ان دونوں صورتوں میں کسی کو بلا اذنِ زمینداران ان مچھلیوں کا پکڑنا اور اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی صید کرے تو زمیندار کہ شرعاً اس کا مالک ہے ایک ایک مچھلی اس سے واپس لے سکتا ہے اور اگر ان صورتوں سے کچھ نہ تھا، نہ تالاب انھوں نے اس غرض کے لئے مہیا کئے نہ بعد مچھلیاں آنے کے ان کی روک کی، تو البتہ وہ مچھلیاں اپنی اباحتِ اصلیہ پر باقی ہیں کہ انھیں جو پکڑے گا مالک ہوجائے گا، اور زمیندار کو اس سے واپس لینا جائز نہ ہوگا کہ وہ کسی خاص شخص کی مِلک نہیں۔

پس دو صورتوں پیشیں میں کہ زمیندار مالکِ ماہی ہیں اگر انھوں نے نصف خود لیں ہرگز ظلم نہ کیا کہ وہ کل اُنھیں کی مِلک تھیں بلکہ اگر زمیندار بعدِ اخذ وشکار ایک نصف مچھلیوں کا جُدا کرکے برضائے خود اپنی طرف سے ہبہ صحیحہ تامہ نہ کردیں تو ان کے پکڑنے والوں پر لازم کہ یہ نصف بھی زمینداروں ہی کو واپس دیں اگرچہ ان میں باہم اس شکار کی اُجرت میں نصف مچھلیوں کا قرارداد ہولیا ہو کہ ایسا اجارہ ہی شرعاً فاسد ہے، غایت یہ کہ اس عقدِ اجارہ کی صورت میں اپنی محنت کی اجرتِ مثل لے لیں جو ان نصف مچھلیوں کی قیمت سے زائد نہ ہو۔

اور صورت سوم میں جہاں زمیندار مالکِ ماہی نہیں ہوتے اگر زمینداروں نے ان شکار کرنے والوں کو اجارہ پر لیا اور وقت

متعین کردیا، مثلاً آج دوپہر یا شام تک جال ڈالو، تو اس صورت میں جتنی مچھلیاں جال میں آتی جائیں گی سب مِلکِ زمیندار ہوتی جائیں گی جن میں شکار کنندگان کا کوئی حق نہیں، بلکہ وہی اپنے عمل کی اُجرت پائیں گے تو اب بھی نصف مچھلیاں لینا ہرگز ظلم نہیں، بلکہ پکڑنے والے جو نصف لیں گے انھیں ناجائز ہے، ہاں اگر وقت معین نہ کیا تو بیشک مذہبِ راجح پر وہ مچھلیاں مِلکِ شکار کنندگان ہوں گی، اور وہ کسی اجرت کے مستحق نہ ہوں گے لکونہم عاملین لانفسہم (اس لئے کہ وہ اپنے لئے خود عامل بن گئے۔ ت) صرف اس چوتھی صورت میں یہ حکم ہے کہ زمینداروں کا نصف لینا ظلم ہے۔

مسئلہ ثانیہ: تالاب کی مچھلیاں بیچ ڈالنا۔

اقول: یہاں بھی وہی تین صورتیں ملحوظ ہوں گی: صورتِ سوم میں کہ مچھلیاں مِلکِ زمیندار نہیں، یہ بیع بالاجماع باطل ہوگی (کیونکہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو مِلک میں نہیں ہے۔ت) اور مچھلیاں کہ خریدنے والوں نے پکڑیں ان کی مِلکِ خاص ہوں گی جن میں زمینداروں کو مزاحمت نہیں (کیونکہ مباح چیز میں انھوں نے سبقت کرلی ہے۔ت) اور جو قیمت ان سے لی واپس کریں (شرعی عقد نہ ہونے کی وجہ سے۔ت) اور اگلی دو صورتوں میں کہ مچھلیاں مِلکِ زمیندار ہیں، اگر بلاحیلہ تالاب سے پکڑی جاسکتی ہیں تو بیع بالاجماع صحیح (کیونکہ یہ مقدور التسلیم مملوکہ چیز کی بیع ہے۔ت) اس صورت میں قیمت زمینداروں اور مچھلیاں خریداروں کو بالاجماع حلال وطیب ہوں گی اور اگر بغیر جال وغیرہ طرقِ شکار کے ہاتھ نہیں آسکتیں اور اکثر یہی ہوتا ہے، تو بیع ناجائز ہونے پر اتفاق، اور اس کے بُطلان وفساد میں اختلاف۔

بالجملہ یہ دو قول ہیں۔ دونوں قوت پر، دونوں جانب ائمۂ فتوٰی، دونوں طرف ترجیح وافتا، ایک اگر من حیثُ الرّوایۃ اَقوٰی، دوسرا من حیثُ الدّرایۃ اَجلی، مگر قولِ اول یعنی بُطلان پر وہ روپیہ کہ بنامِ ثمن زمینداروں نے لیا ان کے لئے حرام، مچھلیاں کہ مشتریوں نے لیں ان کے لیے حرام، کھائیں تو حرام، کھلائیں تو حرام، بیچیں تو حرام، بیچ کر جو ثمن حاصل کریں تو حرام، ان سے جو لوگ مول لیں واقع میں ان کے لئے خریداری حرام، کھانا حرام، کھلانا حرام، زمیندار غاصب، تالاب لینے والے غاصب، شہر بھر کی مچھلیاں مول لینے والے غاصب، یہ عالمگیر دِقتیں ہیں، بخلاف قولِ ثانی یعنی فسادِ ابتدائی وصحت انتہائی کہ اس میں یہ ساری خرابیاں مرتفع ہیں، تو مسلمانوں پر آسانی کے لئے اگر اسی قول پر فتوٰی دیں بیشک اَنسب واَلیَق ہے۔ص423

بنجروں کی گھاس بیچ ڈالنا

اقول: اگر زمینداروں نے وہ زمین اس غرض کے لئے مہیا کی ہے کہ اس میں جو گھاس پیدا ہو ہم بیع کیا کریں، اور انھوں نے گھاس کی اِفراط وعمدگی کے لئے اس زمین کو پانی دِلوادیا جو گھاس جمنے کا باعث ہوا، یا خودرو گھاس آپ ہی جم آئی، اور انھوں نے اس کی رکھوالی کرائی، اس کے گرد کھائی کھدوادی، یا باڑھ رکھوادی کہ روک ہوجائے، ہر جانور وغیرہ کے تصرف سے بچے، تو ان دونوں صورتوں میں وہ گھاس زمینداروں کی مِلک ہوگئی، اور اس کی بیع صحیح وجائز، یہی قول راجح ومختار ہے، اور اسی کی طرف اکثر ائمۂ کبار اور اگر ان صورتوں سے کچھ نہ تھا تو بیشک وہ گھاس ہر شخص کے لئے مباح ہے اور جو کاٹ لے گا اسی کی مِلک ہوجائے گی، زمیندار اگر یونہی زمین میں قائم بیچ ڈالیں گے بیع باطل ہوگی، اور قیمت واپس دیں گے۔ص432

بیان کرنے کی اجرت لینا کیسا؟

اگر فی الواقع وہ شخص علمائے اہلسنت و جماعت ایّدہم اللہ تعالیٰ سے ہے اور جو باتیں حقیقۃً شرک ہیں انھیں کے معتقد کو مشرک کہتا ہے اور احکام مشرکین میں داخل کرتا ہے، اور جو نو پیدا باتیں مخالفِ شریعت ومزاحمِ سنت ایجاد کی گئیں انھیں کو بدعتِ شرعیہ ومذمومہ وشنیعہ جانتا اور ان سے نہی وتحذیر کرتا ہے، اور شعائرِ اسلام صلوٰۃ وصیام وغیرہا کے احکام صحیح صحیح سکھاتا اور برعایتِ شرائط وقواعد احتسابِ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجالاتا ہے، اور وعظ میں روایاتِ باطلہ وجزافاتِ مخترعہ وبیاناتِ مشیرۂ اوہام، ومفسدۂ خیالاتِ عوام سے احتراز رکھتا، اور علم کافی وفہم صافی کے ساتھ ہدایت وارشاد میں ٹھیک معیارِ شرع پر چلتا ہے، تو اُسے نہ صرف عالم بلکہ اس زمانہ میں اراکینِ دین وسنت وخلفائے رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ واولیائے جنابِ اَحدیَّت آلاء جلت سے سمجھنا چاہئے اور اس کی جو خدمت ہوسکے صلاح وفلاحِ دارین ورضائے ربُّ المشرقین وخوشنودیِ سید الکونین ہے جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

اس کی نیت خالص لوجہ اللہ ہے اور ہرگز نہ کسی سے سوال کرتا نہ طمع رکھتا ہے، بلکہ مسلمان بطورِ خود عُلما کی اِعانت اور اپنی سعادت کی نیت سے خدمت کرتے ہیں تو (بشرطیکہ یہ مال جو اسے دیا جائے بعینہٖ وجہ حرام سے نہ ہو) بلاشبہ اس کا لینا جائز اور وہ اس کے لئے حلال وطیب ہے، ہاں وعظ کو کہ عمدہ طاعات وقربات سے ہے ذریعۂ حطام دنیا بنانے پر احادیث میں سخت وعیدیں آئیں، اور علماء نے بھی اس سے ممانعتیں فرمائیں، خلاصہ پھر تاتارخانیہ پھر عالمگیریہ میں ہے: واعظ نے اگر مجلس میں لوگوں سے اپنے لئے کچھ سوال کیا تو یہ عمل حلال نہیں، کیونکہ یہ علم کے ذریعہ دنیا کا حصول ہے۔ (ت)

یہ امر اُن لوگوں پر وارد جنھوں نے وعظ کو پیشہ اور نجارۂ دنیا حاصل کرنے کا تیشہ بنا رکھا ہے اور شک نہیں کہ عبادات وحسنات پر اُجرت لینا حرام اور اس کی تحریم علی الاطلاق پر احادیث ومذہب منصوص ائمۂ کرام مگر جس کی نیت لوجہِ اللہ ہو اس پر اوروں کے فعل سے اعتراض نہیں، اعمال کا مدار نیت پر ہے، ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جو اس نے نیت کی، { وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ } اور اللہ تعالیٰ مصلح اور مفسد کو جانتا ہے۔ اور تو بدگمانی سے پرہیز کر کیونکہ بدگمانی بُری بات ہے، الحدیث (ت)

بلکہ بعض علماء نے وعظ کو بھی ان امورِ مستثناۃ میں داخل کیا جن پر اس زمانہ میں اخذِ اجرت مشائخِ متاخرین نے بحکمِ ضرورت جائز رکھا۔ پس اگر صورتِ مظہرہ فی السوال واقعی ہے اور حالتِ زید وہ ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی تو بیشک ایسے بندۂ خدا کو بد وحرام خور کہنا سخت گناہ وناسزا، اور قائل شرعاً مستوجبِ تعزیر وسزا، بخلاف ان مبتدعان سُنی نُما کے جو اس زمنِ فساد وفتن میں اِضلال واِغوائے جہال کو اِدعائے تسنن کرتے اور اپنی ضلالتِ مخترعہ وجہالتِ مبتدعہ کو کہ قریب زمانے میں ان کے تازہ پیشواؤں نے تراشیں، بنام سنت جلوہ دیتے، اور ان کی مخالفت کو بدعتِ ضالہ ومخل اصلِ ایمان بتاتے، اور صدہا امورِ جائزہ بلکہ مستحبہ کو بزورِ زبان وزُور وبہتان شرک وبدعت ویقینی العقوبۃ وناقابلِ مغفرت ٹھہراتے، اور شرقاً وغرباً، عجماً وعرباً بلکہ سلفاً وخلفاً عامہ المسلمین واہلِ دیانت ودین کو مشرک بدعتی بتاتے ہیں ایسے لوگوں کے بد وبدتر اَز بد ہونے میں کوئی شبہ نہیں، نہ وہ ہرگز تعظیمِ علم وعلماء کے

مستوجب، بلکہ شرعاً ان کی تحقیر واجب۔

حدیث میں ہے: من وقر صاحب بدعة فقد اعان هدم الاسلام ۔جس نے اہلِ بدعت کی توقیر کی اس نے اسلام کو کمزور کرنے میں مدد دی۔(ت) پھر ایسے لوگوں کی تذکیر ضلالت تخمیر ہرگز اس فتوی بعض متاخرین میں داخل نہیں ہوسکتی کہ انھوں نے ضرورتِ دینی کے لئے جواز رکھا نہ کہ معاذ اللہ ضررِ دینی کے لئے، ان کا وعظ معصیت ہے اور معاصی پر اجارہ مطلقاً اجماعاً بلا استثناء حرام، تو یہ لوگ اگر اپنے وعظ پر اجرت لیں خواہ بتصریحِ شرط یا بصورتِ حال معہود ومعروف فان المعهود عرفا کالمشروط لفظا (عرف میں معلوم چیز لفظی مشروط کی طرح ہے۔ت) تو بلاشبہ وہ ان کے لئے حرام اور یہ حرام خور ہوں گے، جہاں یہ صورت ہو وہاں بدو حرام خور کہنے والے پر اَصلاً اِلزام نہیں، بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس امر کا لحاظ ضرور چاہئے۔ نسأل الله الهداية الى سبيل الاقوم (ہم اللہ تعالیٰ سے مضبوط راستے کے طلبگار ہیں۔ت) والله سبحانه وتعالى اعلم۔ص433

واعظ یا حافظ نے وعظ یا قرآن ختم کیا اور بغیر طلب کے اگر کسی نے کچھ دیا تو اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے اگر نہ مشروط ہو نہ معروف، ورنہ واعظ کے لئے علی الاختلاف جائز، اور قرآن خوانی پر بالاتفاق ممنوع علی مانقله ''ط "حققه علامة الشامي في ردالمحتار (طحطاوی کی نقل پر جس کو علامہ شامی نے ردالمحتار میں ثابت رکھا ہے۔ت) والله تعالیٰ اعلم۔ص530

تعطیلاتِ معہودہ کی تنخواہ دی جائے گی

تعطیلاتِ معہودہ میں مثلِ تعطیل ماہِ مبارک رمضان وعیدین وغیرہا کی تنخواہ مدرسین کو بیشک دی جائے گی، ،فان المعهود عرفا کالمشروط مطلقاً (عرف میں معلوم متعین چیز مطلقاً مشروط کی طرح ہے۔ت)۔ص438

اور کسی شخص کو اَصلاً اختیار نہیں کہ بے اطلاعِ اجیر جب چاہے بطورِ خود عقدِ اجارہ فسخ کردے، مگر جب کوئی عذرِ بیِّن واضح ظاہر ہو جس میں اَصلاً محلِ اِشتباہ نہ ہو جب تک ایسا نہ ہوا اجیر بیشک مستحقِ تنخواہ ہوگا۔ص438

اہلِ اسلام کو قمری مہینوں کا اعتبار کرنا چاہئے

وقال تبارك وتعالیٰ ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیشک گنتی مہینوں (کی) اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں، کتاب اللہ میں جس دن سے اس نے بنائے آسمان اور زمین اس میں سے چار ماہ حرام ہیں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب)۔

یہ آیت ارشاد فرماتی ہے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک یہی بارہ مہینے قمری ہلالی عربی معتبر ہیں کہ چار ماہِ حرام انھیں مہینوں میں ہیں۔ تو اہلِ اسلام کو انھیں کا اعتبار چاہئے، شرعِ مطہرہ کے سب احکام عبادات ومعاملات انھیں پر مبنی ہیں، ولہذا بحمد اللہ اب تک عامۂ مسلمین اپنے عامہ امور میں انھیں شہور کو جانتے۔ انھیں پر مدارِ کار رکھتے ہیں کہ ان کے رب کے نزدیک مہینے یہی ہیں بلکہ حقیقۃً مہینہ کا لفظ انھیں پر صادق مہینہ منسوب بماہ ہے، شہرِ شمسی مہینہ نہیں، مہرینہ ہے۔ص448

طاعت وعبادات پر اُجرت کا جامع فتوی

اصل یہ ہے کہ طاعت وعبادات پر اجرت لینا دینا (سوائے تعلیمِ قرآنِ عظیم وعلومِ دین واذان وامامت وغیرہا معدودے چند اشیاء کو جن پر اجارہ کرنا متاخرین نے بناچاری ومجبوری بنظرِ حالِ زمانہ جائز رکھا) مطلقاً حرام ہے، اور تلاوتِ قرآنِ عظیم بغرضِ ایصالِ ثواب وذکر شریف میلاد پاک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ضرور منجملہ عبادات وطاعت ہیں تو ان پر اجارہ بھی ضرور حرام ومحذور۔

اور اجارہ جس طرح صریح عقدِ زبان سے ہوتا ہے، عرفاً شرطِ معروف ومعہود سے بھی ہوجاتا ہے، مثلاً پڑھنے پڑھوانے والوں نے زبان سے کچھ نہ کہا مگر جانتے ہیں کہ دینا ہوگا وہ سمجھ رہے ہیں کہ کچھ ملے گا۔ انھوں نے اس طور پر پڑھا، انھوں نے اس نیت سے پڑھوایا، اجارہ ہوگیا، اور اب دو وجہ سے حرام ہوا، ایک تو طاعت پر اجارہ یہ خود حرام، دوسرے اجرت اگر عرفاً معین نہیں تو اس کی جہالت سے اجارہ فاسد، یہ دوسرا حرام۔

پس اگر قرارداد کچھ نہ ہو، نہ وہاں لین دین معہود ہوتا ہو تو بعد کو بطورِ صلہ وحسنِ سلوک کچھ دے دینا جائز بلکہ حسن ہوتا، مگر جبکہ اس طریقہ کا وہاں عام رواج ہے تو صورتِ ثانیہ میں داخل ہوکر حرام محض ہے، اب اس کے حلال ہونے کے دو طریقے ہیں:

اول یہ کہ قبل قرأت پڑھنے والے صراحۃً کہہ دیں کہ ہم کچھ نہ لیں گے پڑھوانے والے صاف انکار کردیں کہ تمھیں کچھ نہ دیا جائے گا، اس شرط کے بعد وہ پڑھیں اور پھر پڑھوانے والے بطورِ صلہ جو چاہیں دے دیں، یہ لینا دینا حلال ہوگا۔

دوم پڑھوانے والے پڑھنے والوں سے بہ تعینِ وقت واجرت ان سے مطلق کارِ خدمت پر پڑھنے والوں کو اجارے میں لے لیں، مثلاً یہ ان سے کہیں ہم نے کل صبح سات بجے سے بارہ بجے تک بعوض ایک روپیہ کے اپنے کام کاج کے لئے اجارہ میں لیا، وہ کہیں ہم نے قبول کیا۔ اب یہ پڑھنے والے اتنے گھنٹوں کے لئے ان کے نوکر ہوگئے، وہ جو کام چاہیں لیں، اس اجارہ کے بعد وہ ان سے کہیں، اتنے پارے کلام اللہ شریف کے پڑھ کر ثواب فلاں کو بخش دو یا مجلس میلاد مبارک پڑھ دو، یہ جائز ہوگا اور لینا دینا حلال۔ **لان الاجارۃ وقعت علی منافع ابدانھم لاعلی الطاعات والعبادات واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔** کیونکہ یہ اجارہ ان کے ابدان سے انتفاع پر ہوا ہے نہ کہ ان کی عبادات اور طاعات پر ہوا ہے، **واللہ سبحانہ وتعالٰی وعلم۔**(ت) ص486

ماہانہ کرایہ ہر ماہ کی ابتداء میں منعقد ہوجاتا ہے

اگر ماہوار کرایہ قرار پایا تھا کہ ہر مہینے پر مثلاً دس روپے جب تو اجارہ ایک مہینہ کے لئے صحیح ونافذ تھا۔ اور باقی مہینوں کے لئے بوجہِ عدمِ تعیینِ مدت ہنوز معدوم، تو جب تک یہ مہینہ ختم ہوکر دوسرے مہینے کی ایک رات ایک دن نہ ہوجائے دوسرے مہینے کا اجارہ ہی متحقق نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے: اگر ماہانہ کرایہ پر لیا تو اس ماہ کے بعد دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے جبکہ پہلے نے دوسرے ماہ کو قبول نہ کیا ہو کیونکہ ماہانہ کرایہ ہر ماہ کی ابتداء میں منعقد ہوتا ہے۔(ت) اگر صرف ماہوار کرایہ ٹھہرا تھا تو ہر ختم ماہ پر زید کو دکان چھوڑ دینے کا اختیار ہوگا، خواہ پہلے مہینے کے ختم پر چھوڑ دے خواہ کسی اور مہینے کے ختم پر، اور جس مہینے کے شروع میں ایک

دن گزر جائے گا وہ مہینہ بھر پھر اجارہ صحیح ہو جائے گا۔ اور زید کو تنہا اس کے فسخ کا اختیار نہ ہوگا۔ اور اگر سالانہ کرایہ ٹھہرا تھا تو بعد ختم سال زید کو دکان چھوڑنے کا اختیار ہوگا۔ یوں سال دو سال یا ماہ دو ماہ جس قدر مدت تک دکان اس کے اجارہ میں رہے گی، اس قدر کرایہ اس پر لازم آئے گا۔ ص490

وُکلاء کے یہاں محرّری میں کچھ خیر نہیں

وکلاء کے یہاں محرری میں کچھ خیر نہیں، سودی معاملہ کے سوا ان کے یہاں اور معاملات بھی اکثر خلافِ شرع مطہر ہوتے ہیں، اکثر دعاوی باطلہ ہوتے ہیں جن کو وہ حق کرنا چاہتے ہیں، جو حق ہوتے ہیں انھیں بھی باطل کی آمیزش بغیر اپنے لئے سرسبزی نہیں جانتے، غرض ان کے معاملات ناحق سے شاذ و نادر ہی شاید خالی ہوتے ہیں، اور تحریر اِعانت ہے۔ ص500

مسلمان اپنا مکان شراب بیچنے کے لئے اور شراب نوشی کے لئے کرایہ پر دے تو درست ہے یا نہیں؟

مسلمان مکان کرایہ پر دے اس کی غرض کرایہ سے ہے، اور اعمال نیات پر ہیں، یہ نیت کیوں کرے کہ اس لئے دیتا ہے کہ اس میں شراب نوشی و شراب فروشی ہو، ایسی حالت میں کرایہ اس کے لئے حلال اور اس کے یہاں کھانا کھانے میں حرج نہیں، ہاں جو اس حرام نیت کو شامل کرلے کہ وہ اب خود ہی گنہگار بنتا ہے، اور اگر وہ مکان ایسی جگہ واقع ہے جہاں ان مفاسد کا اِظہار باعثِ ضرر و خرابی ہمسائگاں ہوگا، تو ناجائز، یہ باعثِ فتنہ ہوا، اور فتنہ حرام، بہرحال نفسِ اجرت کے کسی فعلِ حرام کے مقابل نہو (عــہ ۱)[1] حرام نہیں ہے، یہی معنی ہیں اس قولِ حنفیہ کے کہ: اجرت طیب ہوگی اگرچہ سبب حرام ہے، جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے، اس کو محفوظ کرلو، یہ ایک سطر میں نادر علم ہے، **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ (ت)

اجیرِ خاص پر وقتِ مقررہ معہود میں تسلیمِ نفس لازم ہے

مدرسین و امثالہم اجیرِ خاص ہیں، اور اجیرِ خاص پر وقتِ مقررہ معہود میں تسلیمِ نفس لازم ہے، اور اسی سے وہ اُجرت کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ کام نہ ہو، مثلاً مدرسین وقتِ معہود پر مہینہ بھر برابر حاضر رہا، اور طالبِ علم کوئی نہ تھا کہ سبق پڑھتا، مدرس کی تنخواہ واجب ہوگئی، ہاں اگر تسلیمِ نفس میں کمی کرے مثلاً بلا رخصت چلا گیا، یا رخصت سے زیادہ دن لگائے، یا مدرسہ کا وقت چھ گھنٹے تھا، اس نے پانچ گھنٹے دئے، یا حاضر تو آیا لیکن وقتِ مقرر خدمتِ مفوضہ کے سوا اور کسی اپنے ذاتی کام اگرچہ نمازِ نفل یا دوسرے شخص کے کام میں صرف کیا کہ اس سے بھی تسلیم منتقض ہوگئی، یونہی اگر آتا اور خالی باتیں کرتا چلا جاتا ہے۔ طلبہ حاضر ہیں اور پڑھاتا نہیں کہ اگرچہ اجرت کام کی نہیں تسلیمِ نفس کی ہے، مگر یہ منعِ نفس ہے، نہ کہ تسلیم، بہرحال جس قدر تسلیمِ نفس میں کمی کی ہے اتنی تنخواہ وضع ہوگی، معمولی تعطیلیں مثلاً جمعہ، وعیدین و رمضان المبارک کی، یا جہاں مدارس میں سہ شنبہ کی چھٹی بھی معمول ہے، وہاں یہ بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کہ ان ایام میں بے تسلیم نفس بھی مستحقِ تنخواہ ہے، سوا اس کے اور کسی صورت میں تنخواہ کل یا بعض ضبط نہیں ہوسکتی، تسلیمِ نفس کامل کرکے اور بات میں باوصفِ قبول و اقرار خلاف ورزی غایت یہ کہ جرم ہو، جرم کی تعزیر مالی جائز نہیں کہ منسوخ

---

[1]: عــہ ۱: میرے خیال میں یہاں بھی ناسخ سے لغزش ہوگئی، اس میں ''نہو'' کے بجائے ''ہو'' لکھا ہے۔ ص501

ہے اور منسوخ پر عمل حرام، معہذا حقوق العباد میں مطلقاً اور حقوق اللہ میں جرم کر چکنے کے بعد تعزیر کا اختیار صُوَرِ معدودہ کے سوا قاضیِ شرع کو ہے نہ عام لوگوں کو اور امرِ ناجائز رائج ہو جانے سے جائز نہیں ہو سکتا، یونہی ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلا جانا اس وقت سے تنخواہ قطع کرے گا نہ کہ تنخواہ واجب شدہ کو ساقط اور اس پر کسی تاوان کی شرط کر لینی مثلاً نوکری چھوڑ نا چاہے تو اتنے دنوں پہلے سے اطلاع دے، ورنہ اتنی تنخواہ ضبط ہو گی یہ سب باطل وخلافِ شرع مطہر ہے، پھر اگر اس قسم کی شرطیں عقدِ اجارہ میں لگائی گئیں جیسا کہ بیانِ سوال سے ظاہر ہے کہ وقتِ ملازمت ان قواعد پر دستخط لے لئے جاتے ہیں، یا ایسے شرائط وہاں مشہور ومعلوم ہو کر المعروف کالمشروط ہوں، جب تو وہ نوکری ہی ناجائز وگناہ ہے، کہ شرطِ فاسد سے اجارہ فاسد ہوا، اور عقدِ فاسد حرام ہے۔ اور دونوں عاقد مبتلائے گناہ، اور ان میں ہر ایک پر اس کا فسخ واجب ہے، اور اس صورت میں ملازمین تنخواہ مقرر کے مستحق نہ ہوں گے، بلکہ اجرِ مثل کے جو مشاہرہ معینہ سے زائد نہ ہو، اجرِ مثل اگر مسمّٰی سے کم ہو تو اس قدر خود ہی کم پائیں گے، اگر چہ خلاف ورزی اَصلاً نہ کریں۔ ص506

ملازمت دو قسم ہے

ایک وہ جس میں خود ناجائز کام کرنا پڑے، جیسے یہ ملازمت جس میں سود کا لین دین، اس کا لکھنا پڑھنا، تقاضا کرنا اس کے ذمہ ہو، ایسی ملازمت خود حرام ہے، اگر چہ اس کی تنخواہ خالص مالِ حلال سے دی جائے، وہ مالِ حلال بھی اس کے لئے حرام ہے، اور مالِ حرام ہے، تو حرام دَر حرام۔

دوسرے یہ کہ وہ ملازمت فی نفسہٖ امرِ جائز کی ہو مگر تنخواہ دینے والا وہ جس کے پاس مالِ حرام آتا ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ جو کچھ اسے تنخواہ میں دیا جارہا ہے، بعینہٖ مالِ حرام ہے۔ نہ بدلا نہ مخلوط ہوا نہ مستہلک ہوا تو اس کا لینا حرام ورنہ جائز۔ ص515

تنخواہ کی کٹوتی کب ناجائز ہے

اس روز جتنے گھنٹے کام میں تھا ان میں جس قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی ہی تنخواہ وضع ہو گی، رُبع ہو تو رُبع یا کم زیادہ جس قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی تنخواہ وضع ہو گی، مثلاً چھ گھنٹے کام کرنا تھا اور ایک گھنٹہ نہ کیا تو اس دن کی تنخواہ کا چھٹا حصہ وضع ہو گا۔ زیادہ وضع کرنا ظلم ہے۔ ص516

یہاں شہر احمد آباد میں بعض ''حافظ القرآن'' حضرات اہلسنت وجماعت کے مکانوں پر سوم وچہلم منانے جاتے ہیں، اور ''کلام مجید'' پڑھ کر اموات کی خدمت میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور وہاں سے اُجرت لیتے ہیں اور اس میں جُہلاء بہت ثواب سمجھتے ہیں، آیا یہ ایصالِ ثواب کر کے اُجرت لینا جائز ہے یا حرام ہے؟

اُجرت پر کلام اللہ شریف بغرض ایصالِ ثواب پڑھنا پڑھوانا دونوں ناجائز ہے، اور پڑھنے والا اور پڑھوانے والا دونوں گنہ گار۔ اور اس میں میت کے لئے کوئی نفع نہیں، بلکہ اس کی مرضی وصیت سے ہو تو وہ بھی وبال میں گرفتار۔ قال اللہ تعالٰی {لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا} ۔اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو۔ (ت)

اور یہ کہنا کہ ہم اللہ کے لئے پڑھتے ہیں اور دینے والے بھی ہمیں اللہ کے لئے دیتے ہیں محض جھوٹ ہے۔ اگر یہ نہ پڑھیں تو وہ ایک حبّہ ان کو نہ دیں، اور اگر وہ نہ دیں تو یہ ایک صفحہ نہ پڑھیں، اور شرع مطہر کا قاعدہ کلیہ **المعروف کالمشروط** (معروف مشروط کی طرح ہے۔ت) بلکہ اس ظاہری شرط نہ کرنے سے ایک اور خباثت بڑھ جاتی ہے اجارہ جو امر جائز پر ہو وہ بھی اگر بے تعینِ اجرت ہو تو بوجہ جہالت اجارہ فاسدہ اور عقدِ حرام ہے، نہ کہ وہ اجارہ کہ خود نا جائز تھا، وہ تو حرام در حرام ہوگیا، جو حافظ اس کا پیشہ رکھے فاسقِ معلن ہے، اور فاسقِ معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ اسے امام بنانا گناہ اور جو نماز اس کے پیچھے پڑھی ہو اس کا پھیرنا واجب۔ ص528

اگر کوئی شخص کسی مقدمہ کے اندر گرفتار ہو کر کسی دوسرے شخص سے اپنی حالت کے واسطے دعا کروائے، اور اس دعاخواں کو کچھ روپیہ دینا چاہئے یا نہیں؟ اور ان کو روپیہ لینا حلال ہے یا نہیں؟

الجواب: حلال ہے اگر کچھ نہ دینے کا ذکر آیا، نہ عرف ورواج کی راہ سے معاوضہ ثابت تھا، اور یونہی بطورِ حسنِ سلوک اسے کچھ دے دیا جب تو خود ظاہر کہ اسے لینے میں اَصلاً حرج نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی نمازی کو نماز عمدہ طور پر پڑھتے دیکھے اس کا دل خوش ہو کچھ روپیہ بطورِ نذر یا ہدیہ یا انعام کے اسے دے، تو اس کے لینے میں کچھ مضائقہ نہیں، کہ یہ اُجرت سے اَصلاً تعلق نہیں رکھتا، اور اگر باہم قرارداد ہولیا کہ ہمارے مقدمہ کے لئے فلاں ختم پڑھو اور وقت واُجرت وغیرہ کی صحیح تعین کر دی جس سے اجارہ میں جہالت نہ رہے تو یہاں یہ بھی حلال ہے کہ اس صورت میں ثواب مقصود نہیں بلکہ قضائے حاجت کی تدبیر وعلاج، تو یہ اس طرح ہوا جیسے مریض پر پڑھ کر پھونکنے کی اُجرت لے، اس کا جواز صحیح حدیث سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ایک گاؤں میں ٹھہرے، وہاں کے لوگوں نے برخلاف عادتِ عرب مہمانی نہ دی، رئیسِ دیہہ کو سانپ نے کاٹا، لوگ ان کے پاس آئے، انھوں نے سو دُنبے ٹھہرا لئے، سورہ فاتحہ شریف پڑھ کر دم کر دی، اچھا ہوگیا، پھر صحابہ کو خیال آیا کہ کہیں قرآنِ مجید پر اُجرت لینا نہ ہوگیا ہو، ان بکریوں کو نہ کھایا، جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حال عرض کیا، حضور نے اجازت دی اور فرمایا: ان احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب الله رواه البخاری عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما۔ جس چیز پر اجرت لو اس میں سب سے زیادہ حق کتاب اللہ کو ہے۔ اس کو بخاری نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

ہاں اگر خالی دُعا بغیر کسی ختم یا عمل کے ہو تو اس پر اِجارہ ٹھہرانے کے کوئی معنی نہیں کہ اتنے کہنے میں اس کا کیا صرف ہوتا ہے کہ الٰہی فلاں کی حاجت برلا، جس پر اجرت لے گا نہ اس پر اجارہ معہود ہے۔ اور اجارہ کا جواز خلافِ قیاس لوگوں کی ضروریات کی وجہ سے اور لوگوں میں جو اجارہ مروّج نہیں وہ لوگوں کی حاجت نہیں ہے۔ (ت)۔ ص531

بیت المال سے اپنا حق ناجائز نام سے وصول کرنے کے متعلق اہم قاعدہ

بموجب قاعدہ مجریہ صاحبانِ بورڈ مال ممالک متحدہ آگرہ واودھ، ملازمانِ محکمہ کورٹ آف وارڈ مین کی تنخواہ ماہانہ سے فی روپیہ ا روضع ہوتا ہے۔ اور اس وضع شدہ رقم کی نصف تعداد ریاستِ متلقہ سے لی جاتی ہے۔ مثلاً (ا) کے تنخواہ دار

سے (۴؍رعہ) وضع کیا گیا۔ اور (۱۰؍) ریاست سے لیا گیا کل (۴؍رعہ) وصول ہوکر سیونگ بینک ڈاکخانہ میں جمع کیا جاتا ہے۔ اور اس پر بینک مذکور کے قاعدہ سے سود لگایا جاتا ہے۔ جب ملازمت ختم ہوجائے تو یہ کل زر اصل وسود بجائے پنشن کے ملازم کو دیا جائے گا۔ آیا اس رقم کا لینا ملازم کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ملازمتِ جائزہ کی تنخواہ ماہ بماہ خواہ اس کا کوئی جز جمع ہوکر بعد ختمِ ملازمت دیا جائے، ہر طرح وہ اس ملازم کی مِلک ہے، اور جو تنخواہ گورنمنٹ سے مقرر ہو اس کا (۲؍۳؍۱) کہ حسبِ قرارداد معروف ومعہود ریاستِ متعلقہ کے ذمہ ہوتا اور ملازم کے لئے جمع کیا جاتا ہے۔ وہ بھی حقیقۃً اسی تنخواہ کا جز ہے۔ (عہ؍) کا ملازم واقع میں برائے قاعدہ مقررہ (عہ؍۱۰) ماہوار کا ملازم ہے جسے (عہ؍) گورنمنٹ اور (۱۰؍) ریاست سے ملیں گے اگر چہ ماہ بماہ (سہ عہ؍ ۱۲) پائے گا، اور (عہ؍۲) گورنمنٹ کا اور (۱۰؍) ریاست کا جملہ (عہ؍۱۶) تنخواہ معینہ سے جمع ہوتے رہیں گے، شرعاً اگر چہ یہ صورت اجارہ فاسدہ ہے کہ ایک جزوِ اجرت ایک مدتِ مجہولہ کے لئے مؤجل کیا گیا، کیا معلوم کہ ختمِ ملازمت کب ہو، اور اجل مجہول سے مؤجل کرنا مفسدِ بیع واجارہ ہے جس کے سبب عقد فاسد وگناہ ہوجاتا ہے۔ مگر اجارہ فاسدہ میں بھی بعد استیفائے منفعت اُجرت، کہ یہاں وہی اجرِ مثل ہے، واجب ہوجاتی ہے۔ اور وہ اجیر کی مِلک ہے۔ بلکہ منیہ وقنیہ وجامع الرموز ومحیط غرر الافکار وغیرہا کی رو سے اس مِلک میں خبث بھی نہیں ہوتا۔ اجیر کے لئے طیب ہوتی ہے اگرچہ اصل عقد گناہ وفاسد تھا۔

بہر حال اس میں شک نہیں کہ یہ رقم اصل جو گورنمنٹ وریاست سے لے کر بنک میں بنام ملازم جمع ہوئی مِلکِ ملازم ہے۔ وہی وہ زیادت کہ ڈاکخانہ بنام سود دیتا ہے اسے بہ نیتِ سود لینا ہرگز جائز نہیں۔ اور خود یہ نیت نہ کرے بلکہ مالِ گورنمنٹ سے برضائے گورنمنٹ ایک رقمِ جائز بحالِ استحقاق خود اپنے لئے ورنہ اپنے بھائیوں فقراء ومساکین ودیگر اہلِ استحقاق کے لئے بیت المال سے لینا سمجھے تو حرج نہیں، اگرچہ دینے والے اسے کسی لفظ سے تعبیر کریں یا اپنے نزدیک کچھ سمجھیں۔

اصل یہ ہے کہ بیت المال اسلامی ہو خواہ اسلامی نہ ہو، جب انتظاماتِ شرعیہ کا اتباع نہ کرے تو اہلِ اِستحقاق مثلاً طلبۂ علم دین وعلمائے دین کہ اپنا وقت خدماتِ دینیہ مثلاً درس وتدریس ووعظ وافتاو تصنیف میں صرف کر رہے ہوں اگرچہ لکھوکھا روپے کے مالک اَغنیا کثیر المال ہوں اور بیوہ، یتیم، لنجے، اَندھے، فقراء، مساکین، جو کچھ اس میں سے برضائے سلطنت بے غدر وفتنہ وارتکابِ جرائم پائیں ان کے لئے جائز ہے، اگرچہ دینے والا کسی دوسری وجہ ناجائز کے نام سے دے۔

اسی طرح تنویر الابصار مسائلِ شتی وغیرہ کتبِ کثیرہ میں ہے۔ اور جب لینے والے کا دینے والے پر کوئی مطالبۂ شرعیہ آتا ہو کہ وجہ صحیح شرعی کے نام سے نہ مل سکتا ہو جب تو یہ مسئلہ غایت توسیع پاتا ہے، جس میں گورنمنٹ وغیر گورنمنٹ ومسلمان وغیر مسلمان کسی کا فرق نہیں رہتا۔ مثلاً زید نے عمرو کے سو روپے چُرا لئے، عمرو کے پاس ثبوتِ قانونی نہیں، اپنا مال یوں لینے میں عاجز ہے تو جائز ہے کہ سو روپے تک عمرو سے کسی وجہِ جائز قانون کے نام سے وصول کرلے، اگرچہ شرعاً وہ نام ناجائز ہو۔ ص533

بھنگ اور افیون کھانے اور بیچنے کا حکم

بھنگ اور افیون بقدرِ نشہ کھانا پینا حرام ہے۔ اور خارجی استعمال نیز کسی دوا میں قدرِ قلیل جز وہو کہ روز کے قدر شربت میں قابلِ تفتیر

نہ ہو، اندرونی بھی جائز تو وہ معصیت کے لئے متعین نہیں تو ان کی بیع حرام نہیں مگر اس کے ہاتھ کہ معصیت کے لئے اسے خریدے، لیکن اکثر وہی ہیں تو ان کی تجارت میں احتیاط سخت دشوار اور اَسلم احتراز۔ص 537

عرفِ عام وعرفِ خاص کا حکم

بالجملہ بحمد اللہ تعالی بدلائلِ قاطعہ واضح ہوا کہ علمائے کرام جس عرفِ عام کو فرماتے ہیں کہ قیاس پر قاضی ہے اور نص اس سے متروک نہ ہوگا مخصوص ہوسکتا ہے وہ یہی عرفِ حادث شائع ہے کہ بلادِ کثیرہ میں بکثرت رائج ہو نہ عرفِ قدیم زمانِ رسالت علیہ افضل الصلوۃ والتحیۃ نہ عرف محیط جمیع عباد تمام بلاد نہ عرف اعم سوادِ اعظم کہ اوّلین بالاجماع اور ثالث علی التحقیق اِمکاناً یا وجوباً مقدم علی النص ہیں نہ زمانِ مشائخ میں ثانیین کی طرف مقابل، نہ واقع ونفس الامر ان کا گواہ، نہ راہِ فروع ان پر ملتئم، نہ کلام ان پر حاکم، ہاں عرفِ خاص کہ صرف وہ ایک شہر کے لوگوں کا تعارف ہو مذہبِ اَرجح میں صالحِ تخصیصِ نص وترکِ قیاس نہیں اور عرفِ نادر کہ معدودِ ین کا عمل ہو، بالاجماع اس کے مقابل نہیں، ہاں صرف صورتِ حکم بتانے کے لئے جس میں حکمِ شرعی منصوص یا مقیس کی اَصلاً مخالفت یا تغییر نہ ہو نہ کلیۃً نہ تخصیصاً ہر عرف مطلق مقبول اگرچہ ایک ہی شخص کا عرفِ فرد ہو۔ اَعیان ونذور واَوقاف ووصایا وغیرہ میں معانی الفاظ کا عرف پر اِدارہ اسی باب اَخیر سے ہے۔ یہ ہے **بحمدِ اللہ وَمَنّہٖ وکبیر لطفہ وکرمہ** وہ تحریرِ مسئلہ جسے تمام کلماتِ علماء کرام کا عطر ومحصل کہیے اور بفضلہ تعالٰی کسی تقریر وتاصیل وتفریع کو اس کے مخالف نہ دیکھئے۔ص 606

کتابُ الاِکراہ (اکراہ کا بیان)

مکرَہ ہونے کے واسطے بالفعل دابِ ناجائز کا موجود ہونا ضرور ہے یا پیشتر سے تخویف اور آئندہ کے لئے ضررِ شدید کا اندیشۂ صحیح کافی ہے؟

اِکراہ کے لئے یہ ضرور نہیں کہ جس وقت مُکرَہ وہ فعل کرے گلے پر چھری یا قید وضرب فی الحال موجود ہو بلکہ اِکراہ کنندہ کی طرف سے وعید وتہدید سابق اور اس کے وقوع کا صحیح اندیشہ لاحق اور مکرَہ کا مکرِہ کے قابو میں ہونا تحققِ اِکراہ کے لئے بس ہے۔

ہاں اگر اس نے تہدید کی اور اب یہ اس کے قابو سے نکل گیا اور اس اندیشہ سے کہ پھر اسے قابو ملے تو اِیذا پہنچائے گا، کوئی کام کیا تو یہ اِکراہ سے نہیں کہ اِکراہِ سابق زائل ہو چکا اور لاحق معدوم وموہوم ہے۔ص 612

* **مکرَہ کا اقرار باطل ہے۔ص 613**

کتابُ الحَجر (حجر کا بیان)

جو محض بے عقل ہے اس کے تصرفات رأساً باطل، کہ اجازتِ اولیاء کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے، اور جو نفع وضرر میں قدرے تمیز حاصل، اور عقل سے کچھ بہرہ ہے، مثلاً بیع وشراء کو سالب وجالبِ مِلک اور غبنِ قلیل وکثیر میں تفرقہ اور مقصودِ تجارت حصولِ منفعت جانتا ہے یا مسلوبُ الحواسی اس کی دائمی نہیں، نہ ہوش میں آنے کا وقت معین، گاہے عقل سے بیگانہ گاہے بالکل ہوشیار وفرزانہ، تو اس صورت میں اَمثالِ نکاح وبیع وشراء وغیرہا تصرفات اس کے نفع وضرر دونوں کو محتمل، اس ولی کی اجازت پر موقوف

رہیں گے، جسے ان تصرفات کا اس کے نفس و مال میں خود اختیار حاصل ہو، اگر ولی نہیں یا ولی کو ایسے تصرفات کی خود پر وانگی نہیں، یا ہے مگر وہ جائز نہ رکھے، تو یہ باطل ہو جائیں گے۔

ہاں اگر اس کے اِفاقہ کا کوئی وقت معین ہو کہ اس وقتِ خاص بالکل ہوش میں آ جانے کا عادی ہے، تو اس حالتِ اِفاقہ میں جو تصرف اس سے صادر ہوگا وہ اس میں مثل سائر عقلاء کے ہے۔ص 623

نابالغوں کے لئے حدِ بلوغ کیا ہے؟

الجواب: لڑکا بارہ سال اور لڑکی نو برس سے کم عمر تک ہرگز بالغ و بالغہ نہ ہوں گے۔ اور لڑکا لڑکی دونوں پندرہ برس کامل کی عمر میں ضرور شرعاً بالغ و بالغہ ہیں، اگر چہ آثارِ بلوغ کچھ ظاہر نہ ہوں، ان عمروں کے اندر اگر آثار پائے جائیں، یعنی خواہ لڑکے خواہ لڑکی (عہ ا)[1] سوتے خواہ جاگتے میں اِنزال ہو یا لڑکی کو حیض آئے یا جماع سے لڑکا حاملہ کر دے یا لڑکی کو حمل رہ جائے تو یقیناً بالغ و بالغہ ہیں، اور اگر آثار نہ ہوں مگر وہ خود کہیں کہ ہم بالغ و بالغہ ہیں، اور ظاہر حال ان کے قول کی تکذیب نہ کرتا ہو تو بھی بالغ و بالغہ سمجھے جائیں گے اور تمام احکام بلوغ کے نفاذ پائیں گے، اور اگر داڑھی (عـــہ ۲)[2] مونچھ نکلنا یا لڑکی کے پستان میں اُبھار پیدا ہونا کچھ معتبر نہیں۔

کتابُ الغصب (غصب کا بیان)

جوئے کے مال کا حکم

زید نے جوئے میں روپیہ کمایا، اور اسی روپیہ سے اس نے اپنے گھر کا اثاثہ اور اسباب درست کیا ہے اب زید تائب ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنا ذمہ بری کرے۔ اور جو مال حرام کا اس کے پاس ہے اس کو جُدا، تو کیا کرے؟ بینوا تو جروا۔

جس قدر مال جوئے میں کمایا محض حرام ہے۔ اور اس سے براءت کی یہی صورت ہے کہ جس جس سے جتنا مال جیتا ہے اسے واپس دے، یا جیسے بنے اسے راضی کر کے معاف کرا لے۔ وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو واپس دے، یا ان میں جو عاقل بالغ ہوں ان کا حصہ ان کی رضا مندی سے معاف کرا لے۔ باقیوں کا حصہ ضرور انھیں دے کہ اس کی معافی ممکن نہیں، اور جن لوگوں کا پتہ کسی طرح نہ چلے نہ ان کا، نہ ان کے ورثہ کا، ان سے جس قدر جیتا تھا ان کی نیت سے خیرات کر دے، اگر چہ اپنے محتاج بہن، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں کو دے دے، اس کے بعد جو بچ رہے گا وہ اس کے لئے حلال ہے۔

غرض جہاں جہاں جس قدر یاد ہو سکے کہ اتنا مال فلاں سے ہار جیت میں زیادہ پڑا تھا اتنا تو انھیں یا ان کے وارثوں کو دے، یہ نہ ہو تو ان کی نیت سے تَصَدُّق کرے، اور زیادہ پڑنے کے یہ معنی کہ مثلاً ایک شخص سے دس بار جوا کھیلا کبھی یہ جیتا کبھی یہ، اس کے جیتنے کی مقدار مثلاً سو روپے کو پہنچی، اور یہ سب دفعہ کے ملا کر سوا سو جیتا، تو سو سو برابر ہو گئے، پچیس اس کے دینے رہے، اتنے ہی

---

[1]: عـــہ ا: لفظ لڑکی کے بعد ''کو'' ہونا چاہئے۔

[2]: عـــہ ۲: یہاں ''اگر'' زلّہ قلمِ ناسخ سے ہے۔ عبدالمنان الاعظمی۔ص 630

اسے واپس دے، وعلی ہذا القیاس، اور جہاں یاد نہ آئے کہ کون کون لوگ تھے اور کتنا لیا، وہاں زیادہ سے زیادہ تخمینہ لگائے کہ اس تمام مدت میں کس قدر مال جوئے سے کمایا ہوگا اتنا مالکوں کی نیت سے خیرات کردے، عاقبت یونہی پاک ہوگی، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص652

حرام وخبیث مال پر زکوٰۃ نہیں

سود و رشوت اور اسی قسم کے حرام وخبیث مال پر زکوٰۃ نہیں کہ جن جن سے لیا ہے اگر وہ لوگ معلوم ہیں تو انھیں واپس دینا واجب ہے اور اگر معلوم نہ رہے تو کل کا تَصَدُّق کرنا واجب ہے۔ چالیسواں حصہ دینے سے وہ مال کیا پاک ہوسکتا ہے جس کے باقی انتالیس حصے بھی ناپاک ہیں، اور ایسے مال سے نیازِ بزرگاں کرنا بھی جائز نہیں اور اس مال سے حج کرنا بھی جائز نہیں ہاں یہ دوسری بات ہے کہ حج کرلیا تو فرض ذمہ سے اتر گیا، جیسے چوری اور غصب کے کپڑے سے نماز پڑھنا۔ص656

حرام مال فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھنے کے متعلق تحقیقِ رضا

علماء فرماتے ہیں۔ جو حرام مال فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھے اس پر کفر عائد ہو۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) تحقیقِ مقام یہ ہے کہ اگر اس نے اس مالِ حرام کو اپنی مِلکِ خاص جان کر بطورِ تبرع تَصَدُّق کیا جیسے مسلمان اپنے پاکیزہ مال کو بہ نیتِ نفل وتطوع تقرباً الی اللہ صدقہ کرتا اور اس پر اپنے ربِ کریم سے امیدِ ثواب رکھتا ہے کہ بے ایجابِ شرع اس نے اپنی خوشی سے اپنے پاک مال کا حصہ اپنے رب کی رضا کے لئے صرف کیا، جب تو یہ تصرف حکمِ شرع سے جُدا، اور یہ خیال شرع مطہر کے خلاف ہے اور اس پر ہرگز اس کے لئے ثواب نہیں، اسی کی بعض صورتوں میں فقہاء نے حکمِ تکفیر کیا، اور اگر یوں نہ تھا بلکہ اس مال کو خبیث وناپاک ہی جانا اور اپنے گناہ پر نادم ہو کر تائب ہوا اور بحکمِ شرع اپنے تصرف میں لانا ناجائز سمجھا، اور اپنے نفس کو اس میں تصرف سے روکا اور ازاں جا کہ اس کے ارباب معلوم نہ رہے بجا آوریِ حکمِ شرع کے لئے اسے تَصَدُّق کیا، اور اسی بجا آوریِ فرمان پر اُمیدوارِ ثواب ہوا، تو بیشک اس میں اَصلاً حرج نہیں، بلکہ اسی کا اسے شرعاً حکم تھا، اور اس تَصَدُّق پر اگرچہ ثوابِ صدقہ نہیں، مگر اس امتثالِ حکم کا ثواب بیشک ہے بلکہ یہ فعل اس کی توبہ کا تتمہ ہے۔ اور توبہ قطعاً موجبِ رضائے الٰہی وثوابِ اُخروی ہے۔ پھر جس عمل پر آدمی خود ثواب پائے اس ثواب کو دوسرے مسلمانوں کو بھی پہنچا سکتا ہے۔ **لعموم قولھم ان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ** (ان کے اس قول کے عموم کی وجہ سے کہ انسان کو اپنے عمل کا ثواب غیر کے لئے کرنے کا حق ہے۔ت) تو اس توبہ وبجا آوریِ حکم کا ثواب اگر نذرِ بزرگاں کریں کچھ مضائقہ نہیں۔ **ھذا ھو التحقیق واللہ ولی التوفیق اتقن ھذا فلعلك لا تجدہ فی غیرہ ھذا السطور**۔ یہ تحقیق ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ اس کو مضبوط کر، ہوسکتا ہے تجھے ان سطور کے غیر میں نہ ملے۔(ت)۔ص658

ظلماً لئے ہوئے مال کی معافی کی صورتیں

جو شخص کسی کا مال چرائے یا جبراً چھین لے یا دَبا کر رشوت میں لے یا ظلماً تلف کردے، تو ان صورتوں میں علاوہ جرمِ شرعی کے جس میں خود سرکار مدعی ہے، (یعنی حقیقی سرکار ابد قرار شریعت نبی مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اس ظالم پر مظلوم کے دو مطالبے

عائد ہوتے ہیں، ایک مطالبۂ ظلم کہ اسے ستایا آزار پہنچایا، دوسرا مطالبۂ مال، **مطالبۂ ظلم تو مطلقاً اسی مظلوم کے لئے ہے تو اس کی معافی کا اختیار بھی اسی کو ہے۔** رہا **مطالبۂ مال، اس میں دو صورتیں ہیں:** اگر حیاتِ مظلوم میں وہ مطالبہ مردہ ہوگیا جس کے وصول کی اَصلاً توقع نہ رہی، مثلاً ظالم مرگیا اور مال کچھ نہ چھوڑا، جب تو یہ مطالبہ بھی اسی مظلوم کے لئے ہے اور اسی کے معاف کئے معاف ہوگا کہ دَین جب مردہ ہوجائے اس میں توریث جاری نہیں ہوتی، تو مظلوم کے بعد اس کا بیٹا اس مطالبے کا مالک نہ ہوا، اور اگر اس کی زندگی میں مطالبہ مردہ نہ ہوتو بعد انتقالِ مظلوم پسرِ مظلوم کی طرف منتقل ہوگا۔ ص667

غصب کی حرمت ضروریاتِ دین سے ہے

اس میں شک نہیں کہ۔ بغیر حیلۂ شرعیہ مثلاً کسی سے اپنے حق کے بدلے لینا جبکہ وہ منکر ہو اور بغیر ایسی ضرورت جو اس کو مخمصہ میں مبتلا کردے۔ غصب کی حرمت ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ ص676

جلد نمبر 20

کتابُ الشفعة (شفعہ کا بیان)

اپنا حق وصول کرنے یا اپنے اوپر سے ظلم دفع کرنے کے لئے پہلودار بات کی اجازت ہے

جھوٹ بولنا حرام ہے، ہاں اپنا حق وصول کرنے یا اپنے اوپر سے ظلم دفع کرنے کے لئے پہلودار بات کی اجازت ہے۔ جس کا ظاہر کذب ہو اور باطن میں صحیح معنی مراد ہوں، وہ بھی اسی حالت میں کہ صدقِ محض سے وہ حق نہ ملے اور ظلم نہ ٹلے، ورنہ یہ بھی جائز نہیں، ہاں اگر ظلم شدید ایسا ہو کہ قابلِ برداشت نہیں، ضرر ایسا سخت ہے جس کا مفسدہ کذب کے مفسدہ سے بڑھ کر ہے اور اس کا دفع بے کذب ناممکن ہو تو بمجبوری اجازت پاسکتا ہے لان الضرورات تبیح المحظورات (کیونکہ ضروریات ممنوع چیزوں کو مباح کرتی ہیں۔ت)۔ص196

قانونی جرم کا حکم

شرع مطہر ایسی بات کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے یا ذلت کے لئے پیش کرنے کی سخت ممانعت فرماتی ہے تو ایسی صورت کا ہر جرمِ قانونی اس عارض کی وجہ سے خود جرمِ شرعی اور گناہ ہے۔ص194

کتابُ الذبائح (ذبح کا بیان)

رات کو ذبح کرنا غلطی کے اندیشہ کے باعث مکروہ تنزیہی ہے

رات کو ذبح کرنا اندیشۂ غلطی کے باعث مکروہ تنزیہی خلافِ اَولیٰ ہے۔ اور ضرورت واقع ہو مثلاً صبح کے انتظار میں جانور مرجائے گا تو کچھ کراہت نہیں لانه الاٰن مامور به حذرا عن اضاعة المال اھ (کیونکہ مال کے ضائع ہونے کے خطرہ کی بناء پر وہ اب اس کا مامور ہے۔ اھ ت) پھر کراہت اس فعل میں ہے ذبح اگر صحیح ہوجائے ذبیحہ میں کچھ کراہت نہیں لتبین ان الغلط لم یقع (واضح ہوجانے پر کہ غلطی نہ ہوئی۔ت)۔ص213

وقتِ ذبح جانور کے حلال وحرام ہونے کا مدار خون نکلنے نہ نکلنے پر نہیں

حرمت حلت کا مدار خون نکلنے نہ نکلنے پر نہیں، بلکہ یہ ثابت ہونا چاہئے کہ وقتِ ذبح جانور زندہ تھا، اگر یہ معلوم ہو اور خون اَصلاً نہ دے حلال ہے، اور اگر نہ ثابت ہو اور خون زندہ کا سا دے تو بعض دفعہ کہیں رُکا ہوا خون کچھ دیر بعد مردے کے بھی نکلتا ہے جانور حلال نہ ہوگا، حیات کی علامت یہ ہے کہ جانور تڑپے یا منہ آنکھ بند کرے یا پاؤں سمیٹے یا اس کے بدن کے بال کھڑے ہوجائیں۔ص214

اگر وقتِ ذبح اس کا زندہ ہونا تحقیق نہ تھا، نہ بعدِ ذبح کوئی علامت زندگی کی پائی (عـــ ۱)[1] گئی نہ ایسا خون نکلا، نہ وہ حرکت کی، بلکہ بالکل ساکن رہی، یا منہ یا آنکھ کھل گئی، یا پاؤں پھیل گیا، یا بال بچھ گئے، تو بھینس حرام ہے۔ص305

ایک شخص ذبح کرتا ہے دوسرا پاؤں یا سرِ ذبیحہ کا پکڑے ہے دونوں پر بسم اللہ ضرور ہے یا ذابح کی کافی ہے؟ اور اگر مددگار نے بسم اللہ ترک کی قصداً یا یہ مددگار کوئی کافر ہندو وغیرہ تھا، تو ذبیحہ حلال رہا یا مردار ہوا؟

الجواب: اصل ذابح پر تکبیر کہنی لازم اور اسی کی تکبیر کافی ہے۔ سر یا پاؤں پکڑنے والے کی تکبیر کی اَصلاً حاجت نہیں نہ اس کا کافر مشرک ہونا کچھ مضر۔ فان الذبح انما ھو قطع العروق لا الاخذ بالراس والقوائم کما لا یخفی۔ ذبح جانور کی رگوں کے کاٹنے کا نام ہے جانور کے سر و پاؤں پکڑنے کا نام نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں (ت)۔ص215

دوسرے کو نفسِ ذبح میں مدد دی تو؟

ہاں اگر ایک نے دوسرے کو نفسِ ذبح میں مدد دی، مثلاً زید ذبح کرتا ہے عمرو نے دیکھا اس کا ہاتھ ضعیف ہے ذبح میں دیر ہوگی اپنا ہاتھ بھی چھری پر رکھ دیا اور دونوں نے مل کر چھری پھیری تو بیشک دونوں میں جو کوئی قصداً تکبیر نہ کہے گا جانور حرام ہوجائے گا، یونہی اگر ان میں کوئی کافر مشرک تھا تو بھی ذبیحہ مردار ہو گیا۔ص215

مُعِینِ ذابح سے یہی مراد ہے کہ ذابح کا ہاتھ کمزور ہو، ذبح میں دِقت دیکھے تو دوسرا اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر دونوں مل کر ہاتھ پھیریں، اس صورت میں دونوں پر تکبیر واجب ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی قصداً تکبیر نہ کہے گا، ذبیحہ مردار ہوجائے اگر چہ دوسرا تکبیر کہے۔ص218

سنت یہ چلی آ رہی کہ ذبح کرنے والا اور جانور دونوں قبلہ رو ہوں، ہمارے علاقہ میں قبلہ مغرب میں ہے اس لئے سرِ ذبیحہ جنوب کی طرف ہونا چاہئے۔ص216

ذبح کے وقت جس بکرے کی گھنڈی سر کی طرف ایک چھلہ دار بھی نہ رہے وہ عند الشرع حلال ہے یا حرام؟

اس مقام میں تحقیق یہ ہے کہ ذبح میں گھنڈی کا اعتبار نہیں، چاروں رگوں میں سے تین کٹ جانے پر مدار ہے۔ اگر ایک یا دو رگ کٹی حلال نہ ہوگا اگر چہ گھنڈی سے نیچے ہو، اور اگر چاروں یا کوئی سی تین کٹ گئیں تو حلال ہے اگر چہ گھنڈی سے اوپر ہو۔ص219

اس مسئلہ پر تحقیق وقولِ فیصل یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ سے اگر چاروں یا تین رگیں کٹ گئیں ذبح ہو گیا، جانور حلال۔ اور اگر صرف دو ہی کٹیں حلقوم و مری نیچے رہ گئے، ذبح نہ ہوا، اور جانور مردار، یہ بات دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے، خود پہچان نہ ہو تو پہچان والوں کے بیان سے۔ص220

درانتی بھی آلاتِ ذبح سے ہے مگر

درانتی بھی آلاتِ ذبح سے ہے مگر اس سے ذبح کرنا ممنوع و گناہ ہے کہ بے سبب اِیذا ہے جیسے کند چھری یا اس سے بھی

---

[1]: عـــ ۱: اصل میں تحریر ہے: ''ڈالی گئی'' عبدالمنان الاعظمی

زائد لیکن ایسی صورت میں کہ جانور مرا جاتا ہے اور اس کے سوا کوئی آلہ نہیں، اجازت بعید نہیں۔ **فان الضرورات تبیح المحذورات** (ضروریات مباح کر دیتی ہیں ممنوعات کو۔ت) پھر اگر رگیں کٹنے سے پہلے جانور میں مذبوح کی حیات سے زیادہ حیات باقی تھی جب تو بالاتفاق حلال ہوگیا، اور اس کا کھانا بے تامل روا، اور اس پر اعتراض محض باطل و بے جا، اور اگر آلہ کند تھا اور بہت سختی کرنی پڑی کہ اکثر رگیں کٹنے سے پہلے ہی دانتوں کی رگڑوں، صدموں سے اس کی روح فنا ہوگئی یا رہی تو صرف اتنی ہی رہی جو بعدِ ذبح ہوتی ہے کہ فقط موت کا تڑپنا باقی ہوتا ہے۔ اس کے بعد دو چار پہر جی نہیں سکتا، تو اس صورت میں یہاں کہ اور کوئی آلہ ملتا ہی نہ تھا اختلافِ علماء ہے بعض فرماتے ہیں حرام ہوگیا، کہ ذکوٰۃ اختیاری یعنی رگوں کے کاٹنے سے اس کی موت نہ ہوئی، بلکہ سببِ موت قطعِ عروق سے پہلے ہی متحقق ہولیا، اور بعض نے کہا حلال ہے جب آلہ میسر نہ تھا یہ بھی ایک ذکوٰۃ اضطراری کی شکل میں آ گیا، اور رجحان موجودہ جانبِ حرمت ہی پایا جاتا ہے۔ اور اسی میں احتیاط۔ص224

کوئی جانور دیوار سے دب گیا، گردن مٹی سے دب گئی، تو کس ترتیب سے ذبح کرے؟

الجواب: اگر اندیشہ ہے کہ نکالنے تک اس کا دَم نکل جائے گا، تو جہاں چاہے تکبیر کہہ کر خون نکال دے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص228

مذبوح حلال جانور کی 22 چیزیں جن کا کھانا منع ہے

مذبوح حلال جانور کی کھال بیشک حلال ہے۔ شرعاً اس کا کھانا ممنوع نہیں اگر چہ گائے، بھینس بکری کی کھال کھانے کے قابل نہیں ہوتی،

سات چیزیں تو حدیثوں میں شمار کی گئیں: (۱) مرارہ یعنی پتہ (۲) مثانہ یعنی پھکنا (۳) حیا یعنی فرج (۴) ذَکر (۵) انثیین (۶) غدہ (۷) دم یعنی خونِ مسفوح۔

یہ تو سات بہت کتبِ مذہب، متون و شروح و فتاوٰی میں مصرّح اور علامہ قاضی بدیع خوارزمی صاحبِ غنیۃ الفقہاء و علامہ شمس الدین محمد قہستانی شارح نقایہ و علامہ محمد سیدی احمد مصری محشی درمختار وغیرہم علماء نے دو چیزیں اور زیادہ فرمائیں (۸) نخاع الصلب یعنی حرام مغز اس کی کراہت نصابُ الاحتساب میں بھی ہے (۹) گردن کے دو پٹھے جو شانوں تک ممتد ہوتے ہیں، اور فاضلین اخیرین وغیرہما نے تین اور بڑھائیں (۱۰) خونِ جگر (۱۱) خونِ طحال (۱۲) خونِ گوشت یعنی دمِ مسفوح نکل جانے کے بعد جو خون گوشت میں رہ جاتا ہے۔

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی اوج التحقیق (میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہی تحقیق کی بلندی تک وصول ہے۔ت) علماء کی ان زیادت سے ظاہر ہوگیا کہ سات میں حصر مقصود نہ تھا۔

بلکہ صرف باتباعِ نظمِ حدیث و نصِ امام ان پر اقتصار واقع ہوا، اور خود ان علمائے زائدین نے بھی قصدِ استیعاب نہ فرمایا، یہ امر انھیں عباراتِ مذکورہ سے ظاہر، اور اس پر دوسری دلیل واضح یہ کہ جگر و طحال و گوشت کے خون گنے اور (۱۳) خونِ قلب چھوڑ گئے حالانکہ وہ قطعاً ان کے مثل ہے۔ یہاں تک کہ عتابیہ و خزانۃ و قنیہ وغیرہا میں اس کی نجاست پر جزم کیا، اور اسی طرح امام برہان

الدین فرغانی صاحبِ ہدایہ نے کتابُ التجنیس والمزید میں فرمایا، اگرچہ روضہ ناطفی ومراقی الفلاح ودرمختار وردالمحتار وغیرہا اسفار میں طہارت کو مختار رکھا، اور ظاہر ہے کہ نجاست مثبتِ حرمت ہے اور طہارت مفیدِ حلت نہیں۔

اور نیز عدمِ حصر پر ایک اور دلیلِ قاطع یہ ہے کہ عامہ کتب میں دمِ مسفوح، اور ان کتابوں میں دمِ لحم وکبد وطحال کو شمار کیا، تو اس سے واضح کہ کلام اَعضاء سے اَخلاط تک متجاوز ہوا، اور بیشک اَخلاط سے (۱۴) مرہ بھی ہے یعنی وہ زرد پانی کہ پتہ میں ہوتا ہے جسے صفرا کہتے ہیں، اور ہمارے علماء کتابُ الطہارۃ میں تصریح فرماتے ہیں کہ اس کا حکم مثل پیشاب کے ہے، بلکہ بعض نے تو مثل خون کے ٹھہرایا، بہرحال کھانا اس کا بیشک ناجائز ہے **کما ھو المذھب فی البول** (جیسا کہ پیشاب کے بارے میں ان کا مذہب ہے۔ت) باوجود اس کے یہاں شمار میں نہ آیا، یونہی اخلاط سے بلغم ہے کہ جب براہ بینی مندفع ہو، جیسے بھیڑ وغیرہ میں مشاہد ہے۔ اسے عربی میں مخاط اور فارسی میں آبِ بینی کہتے ہیں (۱۵) اس کا کھانا بھی یقیناً ناجائز، **صرح بہ فی العقود الدریۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ** (یہی تصریح عقود الدریۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ میں ہے۔ت) یہ بھی یہاں غیر معدود اور منجملہ دماء، (۱۶) وہ خون بھی ہے جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے منجمد ہوکر علقہ نام رکھا جاتا ہے۔ وہ بھی قطعاً حرام۔ یہ بھی نہ گنا گیا، تو واضح ہوگیا کہ عامہ کتب میں لفظ سبع (سات) صرف باتباعِ حدیث ہے۔ جس طرح کتبِ کثیرہ میں شاۃ (بکری) کی قید، تو جیسے لفظ شاۃ محض باتباعِ حدیث واقع ہوا، اور اس کا مفہوم مراد نہیں، یونہی لفظ سبع اور اہلِ علم پر مستتر نہیں کہ استدلال بالفحوٰی یا اجرائے علتِ منصوصہ خاصۂ مجتہد نہیں، **کما نص علیہ العلامۃ الطحطاوی تبعا لمن تقدمہ من الاعلام** (جیسا کہ اس پر علامہ طحطاوی نے اپنے گزرے ہوئے بزرگوں کی اتباع میں نص کی ہے۔ت) اور یہاں خود امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اشیاء ستہ کی علتِ کراہت پر نص فرمایا کہ خباثت ہے۔ اب فقیر متوکلاً علی اللہ تعالٰی کوئی محلِ شک نہیں جانتا کہ (۱۷) دُبر یعنی پاخانے کا مقام، (۱۸) کرش یعنی اوجھڑی، (۱۹) امعاء یعنی آنتیں بھی اس حکمِ کراہت میں داخل ہیں، بیشک دُبر فرج وذکر سے اور کرش وامعاء مثانہ سے اگر خباثت میں زائد نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں، فرج وذَکر اگر گزرگاہِ بول ومنی ہیں دُبر گزرگاہ سرگین ہے، مثانہ اگر معدنِ بول ہے شکنبہ وروُدہ مخزنِ فرث ہے اب چاہے اسے دلالۃ النص سمجھئے خواہ اِجرائے علتِ منصوصہ، الحمدللہ بعد اس کے فقیر نے ینابیع سے تصریح پائی، کہ امام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دُبر کی کراہت پر تنصیص فرمائی۔

(۲۰) وہ گوشت کا ٹکڑا جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے جسے مضغہ کہتے ہیں، اجزائے حیوان سے ہے۔ اور وہ بھی بِلاشبہہ حرام عام ازیں کہ مخلقہ ہو یا غیر مخلقہ، یعنی ہنوز اس میں اعضاء کی کلیاں پھوٹی ہوں یا صرف لوتھڑا ہو۔

(۲۱) ہمارے امام اَعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک بچہ تام الخلقۃ بھی کہ من وجہ جزوِ حیوان ہے **یتصل بالام ویتغذی بغذائھا، ویتنفس بتنفسھا** (ماں سے متصل ماں کی غذا سے غذا اور اس کی سانس سے سانس پاتا ہے۔ت) حرام ہے خواہ اس کے پوست پر بال آئے ہوں یا نہیں، مگر جبکہ زندہ نکلے اور ذبح کرلیں۔

(۲۲) یونہی نطفہ بھی حرام ہے خواہ نر کی منی مادہ کے رحم میں پائی جائے یا خود اسی جانور کی منی ہو۔

اب سات کے سہ گونہ سے بھی عدد بڑھ گیا اور ہنوز اور زیادات ممکن وہ سات اشیاء حدیث میں آئیں، اور پانچ چیزیں کہ علماء نے بڑھائیں، اور دس فقیر نے زیادہ کیں، ان بائیس مسائل اور باقی فروع وتقاریع سب کی تفصیل تام وتحقیق تمام فقیر کے

رسالہ "المنح الملیحۃ فیما نھی من اجزاء الذبیحۃ" میں دیکھی جائے، الحمد اللہ ما الھم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ ص234

کتابی کے ذبیحہ کا حکم

یہ جو اکثر کتبِ دینیہ میں لکھا ہے کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ درست ہے تو آج کل یہود و نصارٰی جو ہیں ان کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: شک نہیں کہ نصارٰی الوہیت و ابنیّتِ عبداللہ وابنِ اَمتِہٖ، سیدنا مسیح ابنِ مریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صاف تصریح کرتے ہیں جو نصارٰی ایسے ہیں اور یوں ہیں وہ یہود کہ ابنیتِ عبداللہ عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام مانیں ان کا ذبیحہ حلال ہونے میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے، جمہور مشائخ جانبِ حرمت گئے اور کہا گیا کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ اور بکثرت محققین تحقیقِ جواز فرماتے ہیں کہ یہی ظاہر الروایۃ اور یہی اَقوٰی من حیث الدلیل ہے **وقد حققناہ فی فتاوٰنا بما یتعین المراجعۃ الیہ** (ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کر دی ہے اور اس کی طرف مراجعت کی جائے۔ت) ہاں کراہت میں شک نہیں کہ جب بے ضرورت کتابی خالص کے ذبیحے کو علماء ناپسند کرتے ہیں تو یہ بدتر درجے میں ہیں۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ وہ ذبح بطورِ ذبح کریں، اور وقتِ ذبح خالص اللہ عزوجل کا نام پاک لیں، مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام شریک نہ کریں اگرچہ دل میں مسیح ہی کو خدا جانیں۔

بالجملہ نہ قصداً تکبیر چھوڑیں نہ تکبیر میں شرک ظاہر کریں ورنہ جو ذبیحہ ان شرائط سے خالی ہو وہ مسلمان کا بھی حرام و مردار ہوتا ہے چہ جائیکہ کتابی، نصارٰئ زمانہ کا حال معلوم ہے کہ نہ وہ تکبیر کہیں نہ ذبح کے طور پر ذبح کریں، مرغ و پرند کا تو گلا گھونٹتے ہیں، اور بھیڑ بکری کو اگرچہ ذبح کریں، رگیں نہیں کاٹتے، فقیر نے بھی اسے مشاہدہ کیا ہے۔

ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں کپتان کی ملک سے سمور کا ایک مینڈھا جہاز میں دیکھا گیا جسے وہ چالیس روپے کے خرید بتاتا تھا، مول لینا چاہا کہ گوشت درکار تھا، نہ بیچا اور کہا جب ذبح ہوگا گوشت کا حصہ خرید لینا، ذبح کیا تو گلے میں ایک کروٹ کو چھری داخل کر دی تھی رگیں نہ کاٹیں، اس سے کہہ دیا گیا کہ اب یہ سوئر ہے ہمارے کسی کام کا نہیں بلکہ نصارٰی کے یہاں صدسال سے ذبح شرعی نہیں، تو نصارائے زمانہ کا ذبیحہ ضرور حرام ہے، یہود کا حال معلوم نہیں، اگر ان کے یہاں بھی ترکِ تکبیر یا ذبح کی تغییر ہو تو حکم حرمت ہے ورنہ بے ضرورت، ناپسندی و کراہت **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم**۔ ص246

بدمذہب کا ذبیحہ

جو بدمذہب ضروریاتِ دینِ اسلام میں سے کسی عقیدہ کا منکر ہو یا اس میں شک کرے یا تاویلیں گھڑے، باجماعِ تمام علمائے اسلام وہ سب کے سب کافر و مرتد ہیں اگرچہ لوگوں کے سامنے کلمہ، نماز، قرآن پڑھتے، روزہ رکھتے، اپنے آپ کو سچا پکا مسلمان جتاتے ہوں اس قسم کے ہر بدمذہب کا ذبیحہ مردار و حرام، ان کے ساتھ نکاح حرام و باطل محض زنا، ان کے ساتھ کھانا پینا بیٹھنا اٹھنا، ملنا جلنا، کوئی برتاؤ مسلمان کا سا کرنا ہرگز ہرگز کسی طرح جائز نہیں،، ہاں جو بدمذہب دینِ اسلام کی ضروری باتوں سے کسی بات میں شک نہ کرتا ہو، صرف ان سے نیچے درجہ کے عقیدوں میں مخالف ہو، جیسے رافضیوں میں تفضیلی، یا وہابیوں میں اِسحاقی

وغیرہم وہ اگرچہ گمراہ ہے کافر نہیں اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے، واللہ تعالیٰ اعلم ۔ص245

عورت یا لڑکے کا ذبیحہ کیسا ہے؟

عورت ولڑکے کا ذبیحہ اگر وہ قواعد وشرائطِ ذبح سے واقف ہیں اور مطابقِ شرع ذبح کرسکتے ہیں بلاریب حلال ہے۔ص304

مسلمان عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ وہ ذبح کرنا جانتی ہو اور ٹھیک ذبح کردے، واللہ تعالیٰ اعلم ۔ص251

خنثٰی جانور کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

خنثٰی کہ نر و مادہ دونوں کی علامتیں رکھتا ہو، دونوں سے یکساں پیشاب آتا ہو، کوئی وجہ ترجیح نہ رکھتا ہو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں کہ اس کا گوشت کسی طرح پکائے نہیں پکتا، ویسے ذبح سے حلال ہوجائے گا، اگر کوئی کچا گوشت کھائے، کھائے۔ص255

ایک بکری بچہ جنی، اور مرگئی، اب وہ بچہ ایک کتیا کا دودھ پی کر سیانا ہوا، وہ بچہ حلال ہے یا حرام؟

اگر ایسا سیانا ہوگیا کہ دودھ چھٹے کچھ مدت گزری، جب تو بالاتفاق بلاکراہت حلال ہے۔ یونہی دودھ پیتے کو چندروز اس دودھ سے جُدا رکھ کر حلال جانور کا دودھ یا چارا دیا، اور اس کے بعد ذبح کیا جب بھی بالاتفاق بے کراہت حلال ہے۔ اور اگر اسی حالت میں ذبح کرلیا تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔ اس صورت میں کراہت بھی محلِ نزاع نہیں، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے یعنی کھانا بہتر نہیں، اور کھالے تو گناہ نہیں، یا تحریمی یعنی کھانا ناجائز وگناہ ہے۔ عامہ کتبِ معتمدۂ مذہب مثل نوازل وخلاصہ وخانیہ وذخیرہ وبزازیہ وتبیین الحقائق وتکملہ لسان الحکام للعلامۃ ابراہیم حلبی ودرمختار وغیرہا میں قولِ اول ہی پر جزم فرمایا اور خود محررِ مذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس پر نصِ صریح آیا، اور شک نہیں کہ وہی اقوٰی من حیث الدلیل ہے۔ لہذا اختلافِ علماء سے بچنے کے لئے اَسلم وہی ہے کہ چندروز کا وقفہ دے کر ذبح کریں۔ص256

اگر کوئی جانور آدمی کا دودھ پیئے گا تو اس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟

جس جانور نے آدمی کا دودھ پیا ہو وہ اس کے باعث حرام نہیں ہوجاتا، اگرچہ پوری پرورش انسان بلکہ خنزیر کے دودھ سے پائی، غایت یہ کہ چندروز بند کر کے چارہ کھلائیں یا حلال جانور کا دودھ پلائیں، اس کے بعد ذبح کریں۔ص259

بت کے چڑھاوے کی مٹھائی لینا کیسا؟

بت کے چڑھاوے کی مٹھائی پرشاد مسلمانوں کو نہ لینا چاہئے کہ کافر اسے صدقہ کے طور پر بانٹتے ہیں، وہ لینا ذلت بھی ہے اور معاذاللہ جو چیز انھوں نے تعظیم بت کے لئے بانٹی اس کا ان کے موافقِ مراد استعمال بھی ہے بخلاف چھوڑے ہوئے جانور کے کہ اس کا کھانا کافروں کے خلافِ مراد اور ان کی ذلت ہے، اس میں حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو، ورنہ فتنہ سے بچنا لازم ہے۔ قال اللہ تعالیٰ {اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ} اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فتنہ قتل سے شدید تر ہے۔ص261

مشرک یعنی کافر غیرِ کتابی سے گوشت خریدنا جائز نہیں

گوشت میں اصل یہ کہ جانور مثلاً گائے جب تک زندہ ہے اس کا گوشت حرام ہے، اگر کوئی ٹکڑا کاٹ لیا جائے مردار اور

حرام ہوگا، "ما ابین فی حی فھو میت" (زندہ جانور سے گوشت کاٹا تو وہ حرام ہے) حلت ذکاتِ شرعی سے ثابت ہوتی ہے، تو جب ذبح شرعی معلوم و متحقق نہ ہو تو حکم حرمت ہے۔ ص288

حکمِ شرعی یہ ہے کہ مشرک یعنی کافر غیر کتابی سے گوشت خریدنا جائز نہیں، اور اس کا کھانا حرام ہے، اگر چہ وہ زبان سے سو بار کہے کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے، اس لئے کہ امر و نہی میں کافر کا قول اَصلاً مقبول نہیں، ہاں اگر وقتِ ذبح سے وقتِ خریداری تک وہ گوشت مسلمان کی نگرانی میں رہے، بیچ میں کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو، اور یوں اطمینان کافی حاصل ہو کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس کا خریدنا جائز اور کھانا حلال ہوگا۔ ص281

ایک گائے ذبح کی گئی اواس کا پیٹ جب چاک کیا تو اس میں سے ایک بچہ زندہ کامل اعضا کا نکلا، مگر اس کے جسم میں بال نہیں آیا ہے، اس حالت میں بچہ کا گوشت حلال ہوجائے گا یا نہیں ذبح کرنے سے؟ اور مردہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بچہ کہ مردہ نکلے حرام، اور زندہ نکلے اور ذبح کرلیا تو حلال، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص279

مذبوحہ شدہ مالک کو دستیاب ہوجائے، ذابح نامعلوم ہے، کیا یہ مذبوحہ حلال ہوگی یا نہیں؟

حلال ہے مگر جب کہ اس گمان کا محل ہو کہ ذابح مرتد یا مشرک یا مجوسی ہے۔ حلبی وشامی علی الدرر میں ہے: یہ کہنا بہتر ہے، ایسا موضع جہاں مجوسی رہتا ہو وہاں اس کا آنا جانا ہو تو وہاں کا نہ کھایا جائے ورنہ کھایا جائے، اور قصداً بسم اللہ کو ترک کی صورت سے اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ یہ احتمال موہوم ہے جو راجح احتمال کا مقابل نہیں بن سکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت) ص290

ان بلاد میں کہ مومن اور کافر، مشرک، ملحد، زندیق ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں، ایسا نامعلوم الحال ذبیحہ حلال نہ سمجھا جائے گا۔ ص295

بکری کو شیر یا چیتے نے گلے سے پکڑا اور اپنے دانتوں سے خون پینے کے لئے رگوں کو چھید ڈالا، اور بکری زندہ ہے، اگر ذبح کی جائے تو حلال ہوسکے گی یا نہیں؟

جہاں قبلِ ذبح قطعِ اَوداج بین اللبۃ واللحیین واقع ہولے وہاں محلِ ذبح نہ رہا، یعنی محلیت وقابلیتِ ذبح فوت ہوگئی کہ ذبح دوبارہ نہیں ہوتا، اور جہاں یہ معنی قبلِ ذبح متحقق نہ ہوئے عام ازیں کہ سرے سے اَوداج قطع ہی نہ ہوئیں یا کسی ایسے فعل سے کہ انسان کی طرف منسوب نہ ہو قطع تو ہوئیں مگر موضعِ ذبح پر قطع نہ ہوئیں اور ہنوز حیات باقی ہے وہاں محلِ ذبح فوت نہ ہوا ذبح کرسکتے ہیں اور موجبِ حلت ہوگا، اگر عقدہ سے اوپر صرف سر جُدا کرلیا کہ بین اللبۃ واللحیین قطعِ اَوداج نہ ہوا تو محلِ ذبح باقی ہے، بعد ذبح حلت چاہئے اگر ہنوز روح باقی ہو۔ ملتقطاً۔ ص303

صدقہ کا جانور بلا ذبح کئے جانور ہی کسی مصرفِ صدقہ کو دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب الملفوظ: اگر صدقہ واجبہ ہے اور وجوب خاص ذبح کا ہے تو بے ذبح ادا نہ ہوگا، مگر اس حالت میں کہ ذبح کے لئے وقت متعین تھا جیسے قربانی کے لئے ذی الحجہ کی دسویں گیارھویں (1) اور وہ وقت نکل گیا تو اب زندہ تَصَدُّق کیا جائے گا۔

(1) اصل میں بارھویں نہیں ہے غالباً ناقل کا سہو ہے۔ عبدالمنان الاعظمی۔ ص 305

گھوڑے کا گوشت ودودھ جائز ہے یا نہیں؟

صاحبین کے نزدیک حلال ہے، اور امام مکروہ فرماتے ہیں، قولِ امام پر فتوٰی ہوا کہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی، اور اَصح وراجح کراہت تحریم ہے۔

اور اس کے دودھ کے متعلق بھی امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے بیان میں اختلاف ہے، امام قاضی خاں علیہ الرحمۃ حرمت کی طرف گئے اور درمختار نے جواز کو وجہ قرار دیا ہے۔ اس درمختار کی روایت کے مطابق گوشت اور دودھ میں فرق کا واضح بیان ہے کہ گوشت کو حلال کردینے میں آلۂ جہاد کی قلت پیدا کرنا ہے جبکہ دودھ کا معاملہ اس کے خلاف ہے، اور دودھ کی بحث اس حد تک ہے جس میں سکر یعنی نشہ نہ ہو، ورنہ قصداً اتنی مقدار پینا ممنوع ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔** (ت) ص310

چمگادڑ اور باگل بھی حلال ہے؟

الجواب: چمگادڑ چھوٹا ہو یا بڑا جسے ان دِیار میں باگل کہتے ہیں، اس کی حلت حرمت ہمارے علمائے کرام رحمہ اللہ تعالیٰ میں مختلف فیہ ہے بعض اکابر نے اس کے کھانے سے ممانعت فرمائی ہے اس وجہ سے کہ وہ ذی ناب ہے، مگر قواعدِ حنفیہ کے موافق وہی قولِ حلت ہے، مطلقاً دانت موجبِ حرمت نہیں بلکہ وہ دانت جن سے جانور شکار کرتا ہو، ظاہر ہے کہ چمگادڑ پرندِ شکاری نہیں۔ ص318

جو کوا کہ دانہ کھاتا ہے اور رنگ میں بالکل سیاہ ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اور جو کوا کہ دانہ اور نجاست دونوں کھاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: دانہ خور کوا کہ صرف دانہ کھاتا اور نجاست کے پاس نہیں جاتا جسے غرابِ زرع یعنی کھیتی کا کوا کہتے ہیں، چھوٹا سا سیاہ رنگ ہوتا ہے، اور چونچ اور پنجے غالباً سرخ، وہ بالاتفاق جائز ہے، اور مردار خور کوّا جسے غراب اَبقع بھی کہتے ہیں کہ اس کے رنگ میں سپیدی بھی سیاہی کے ساتھ ہوتی ہے بالاتفاق ناجائز ہے۔ اور اسی حکم میں پہاڑی کوّا بھی داخل کہ بڑا اور یک رنگ سیاہ ہوتا اور موسمِ گرما میں آتا ہے، اور خلط کرنیوالا جسے عقعق کہتے ہیں کہ اس کے بولنے میں یہی آواز عق عق پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اختلاف ہے، اور اَصح حِل مگر کراہت تنزیہہ میں کلام نہیں۔ ص319 * **الّو حرام ہے۔ ص320**

کیا نہایت چھوٹی مچھلی کو کھانا مکروہ تحریمی ہے؟

باریک ریزہ کی طرح مچھلی جس کا پیٹ چاک نہیں ہوسکتا، اور یوں بے چاک بھون کر کھائی جاتی ہے یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام ہے اور باقی ائمۂ کرام کے نزدیک حلال ہے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ) جیسا کہ معراج الدرایہ میں تصریح ہے اور پھر ردالمحتار میں یوں فرمایا کہ اگر پرندے کے گھونسلہ میں مچھلی پائی جائے تو وہ کھائی جائے، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کھانا جائز نہیں کیونکہ وہ پرندوں کی بیٹھ کی طرح ہے جبکہ ان کے ہاں پرندے کی بیٹھ نجس ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ بیٹھ تب ہوسکتی ہے جب اس کا رنگ متغیر ہو، اور امام شافعی کے اصحاب چھوٹی مچھلی جس کو چاک کئے بغیر بھون لیا جاتا ہے۔ کہ متعلق فرماتے ہیں اس کا کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ اس کی بیٹھ نجس ہے۔ اور باقی تمام ائمۂ کرام کے نزدیک حلال ہے۔ اھ، ہاں میں نے جواہر الاخلاطی

میں دیکھا ہے انھوں نے اس کے مکروہ تحریمہ ہونے میں تصریح کی ہے۔ اور اسی کی تصحیح کی ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ چھوٹی مچھلیاں تمام مکروہ تحریمہ ہیں اور یہی صحیح ہے، پس اجتناب بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ت) ص332

(۱) جھینگا کا کھانا کیا حکم رکھتا ہے؟ (۲) انڈے کا چھلکا کھانا؟ (۳) مکڑے کا جالا کھانا؟

(۱) مختلف فیہ ہے۔ جو حضرات اس کو مچھلی کی قسم کہتے ہیں حلال کہتے ہیں، کیونکہ مچھلی کی تمام اقسام ہمارے نزدیک حلال ہیں، اور جو حضرات اس کو غیرِ مچھلی کہتے ہیں وہ حرام مانتے ہیں کیونکہ مچھلی کے ماسوا تمام آبی جانور ہمارے نزدیک حرام ہیں، ایسے مسائل میں اجتناب بہتر ہے، **الحمدللہ اس فقیر اور اس کے گھر والوں نے عمر بھر نہ کھایا اور نہ اسے کھائیں گے۔**

(۲) انڈے کا چھلکا انڈے کے حکم میں ہے کیونکہ اس کا جزء ہے جیسا کہ حیوان کی کھال، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) مکڑے کے جالے کا حکم خیال میں نہیں ہے اور نہ ہی یہاں میری کتب ہیں لیکن ظاہری طور پر ممنوع ہے جس طرح زنبور کا گھر ممنوع ہے جیسا کہ ہندیہ میں ملتقط سے اور وہاں امام خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کیونکہ جالا مکڑے کے لعاب سے بنتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)۔ ص339

بعض لوگ ملائم ہڈی کو چبا لیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

جانور حلال مذبوح کی ہڈی کسی قسم کی منع نہیں جب تک اس کے کھانے میں مضرت نہ ہو، اگر ہو تو ضرر کی وجہ سے ممانعت ہوگی، نہ اس لئے کہ ہڈی خود ممنوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص340

کتابُ الصَّیدِ (شکار کا بیان)

شکار کھیلنا جائز ہے؟

شکار کہ محض شوقیہ بغرضِ تفریح ہو، جیسے ایک قسم کا کھیل سمجھا جاتا ہے ولہذا شکار کھیلنا کہتے ہیں، بندوق کا ہو خواہ مچھلی کا، روزانہ ہو خواہ گاہ گاہ۔ مطلقاً باتفاق حرام ہے۔ حلال وہ ہے جو بغرض کھانے یا دوا یا کسی اور نفع یا کسی ضرر کے دفع کو ہو آج کل کے بڑے بڑے شکاری جو اتنی ناک والے ہیں کہ بازار سے اپنی خاص ضرورت کے کھانے یا پہننے کی چیزیں لانے کو جانا اپنی کسرِ شان سمجھیں، یا نرم ایسے کہ دس قدم دھوپ میں چل کر مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہونا مصیبت جانیں، وہ گرم دوپہر، گرم لُو میں گرم ریت پر چلنا اور ٹھہرنا، اور گرم ہوا کے تھپیڑے کھانا گوارا کرتے اور دو دو پہر دو دو دن شکار کے لئے گھر بار چھوڑے پڑے رہتے ہیں کیا یہ کھانے کی غرض سے جاتے ہیں، حاشا وکلا بلکہ وہی لہو ولعب ہے اور بالاتفاق حرام، ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ ان شکاریوں سے اگر کہیے مثلاً مچھلی بازار میں ملے گی وہاں سے لے لیجئے ہرگز قبول نہ کرسکیں گے، یا کہئے کہ اپنے پاس سے لائے دیتے ہیں، کبھی نہ مانیں گے بلکہ شکار کے بعد خود اس کے کھانے سے بھی چنداں غرض نہیں رکھتے بانٹ دیتے ہیں، تو یہ جانا یقیناً وہی تفریح وحرام ہے۔ ص341

تفریح کے لئے شکار حرام ہے۔ اور غذا یا دوا کے لئے مباح ہے۔ اور نیت کا علم اللہ کو ہے۔ ص342

پھر مچھلی کا شکار کہ جائز طور پر کریں، اس میں زندہ گھیسا پُرونا جائز نہیں، ہاں مار کر ہو یا تلی وغیرہ بے جان چیز تو مضائقہ

نہیں۔رہی شکار کی ہوئی مچھلی اس کا کھانا ہر طرح حلال ہے،اگر چہ فعلِ شکار ان ناجائز صورتوں سے ہوا ہو۔ص443

بندوق کی گولی سے مارا ہوا شکار حلال ہے یا حرام؟

الجواب: بندوق کی گولی در بارۂ حلتِ صید حکمِ تیر میں نہیں،اس کا مارا ہوا شکار مطلقاً حرام ہے۔کہ اس میں قطع وخرق نہیں،صدم ودق وکسر وحرق ہے۔مطول شکل کی جو گولیاں ہیں اولاً وہ بھی دھار دار نہیں ہوتی بلکہ تقریباً بیضوی شکل پر سُنی جاتی ہیں،اور آلہ کا حدید یعنی تیز ہونا اگر چہ شرط نہیں مگر محدّد یعنی باڑھ دار ہونا کہ قابلِ قطع وخرق ہو ضرور ہے۔ثانیاً اگر بالفرض گولی تیر کی طرح دھار دار رہی بنائی جائے اور اسے بطورِ معہود بندوق سے سر کریں جب بھی ثبوتِ حلت میں نظر ہے کہ صرف دھار دار کا وجود ہی کافی نہیں، بلکہ تیقن بھی ضروری ہے،اس کی دھار سے قطع ہونا ہی باعثِ قتل ہوا۔اور یہاں ایسا نہیں کہ اس کا اِحراق وصدمۂ شدید قاتل ہے **کما سمعت انفا** (جیسا کہ ابھی آپ نے سنا۔ت) تو محتمل کہ یہی وجہِ قتل ہوا ہو،نہ قطع،اور بحالتِ شک واِحتمال حکمِ حرمت ہے۔ص343

کتے کا پکڑا ہوا شکار مسلمان کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

بسم اللہ کہہ کر تعلیم یافتہ کتے کو جو شکار کر کے مالک کے لئے چھوڑ دیا کرے خود نہ کھانے لگے غیر حرم کے حلال جانور،وحشی پر جو اپنے پاؤں یا پروں کی طاقت سے اپنے بچاؤ پر قادر تھا چھوڑا،اور کتا اس کے چھوڑنے سے سیدھا شکار پر گیا یا اس کے پکڑنے کی تدبیر میں مصروف ہوا بیچ میں اور طرف مشغول یا غافل نہ ہو گیا اور اس نے شکار کو زخمی کر کے مار ڈالا یا ایسا مجروح کر دیا کہ اس میں اتنی ہی حیات باقی ہے جتنی مذبوح میں ہوتی ہے کچھ دیر تڑپ کر ٹھنڈا ہو جائے گا اور کتے کو چھوڑنے میں کوئی کافر مجوسی یا بت پرست یا ملحد یا مرتد جیسے آج کل نصارٰی،رافضی،نیچری،وہابی،قادیانی وغیرہم،خلاصہ یہ کہ مسلمان یا کتابی کے سوا کوئی شریک نہ تھا،نہ شکار کے قتل میں کتے کی شرکت کسی دوسرے کتے ناتعلیم یافتہ یا سگِ نیچری یا کسی اور جانور نے کہ جس کا شکار ناجائز ہوا اور چھوڑنے والا چھوڑنے کے وقت سے شکار پانے تک اسی طرف متوجہ رہا،بیچ میں کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا،تو وہ جانور بے ذبح حلال ہو گیا،اور ان چودہ شرطوں سے ایک میں بھی کمی ہوا اور جانور بے ذبح مر جائے تو حرام ہو جائے گا ورنہ حرم کا شکار تو ذبح سے بھی حلال نہیں ہوتا۔باقی صورتوں میں ذبحِ شرعی سے حلال ہو جائے گا۔ص349

ان سب شرائط کے ساتھ جس خرگوش کو کتے نے مارا مطلقاً حلال ہے اور اگر ہنوز مذبوح سے زیادہ زندگی باقی ہے تو بعدِ ذبح حلال ہے۔اس کے دانت جسم میں پیوست ہو جانا وجہِ ممانعت نہیں ہو سکتا،قرآنِ عظیم نے اس کا شکار حلال فرمایا اور شکار بے زخمی کئے نہ ہو گا اور زخمی جبھی ہو گا کہ اس کے دانت اس کے جسم کو شق کر کے اندر داخل ہوں اور یہ خیال کہ اس صورت میں اس کا لعاب کہ ناپاک ہے بدن کو نجس کر دے گا،دو وجہ سے غلط ہے۔

اولاً: شکار حالتِ غضب میں ہوتا ہے اور غضب کے وقت اس کا لعاب خشک ہو جاتا ہے۔اس لئے علماء کی ایک جماعت نے کتے کے پاک کپڑے کو پیار سے منہ میں لینے اور غصہ کی حالت میں لینے میں فرق کیا ہے کہ جانور پیار سے منہ میں لے تو ناپاک اور غصہ میں لے تو پاک ہے۔(ت)

ثانیاً: اگر لعاب لگا بھی تو آخر جسم سے خون بھی نکلے گا،وہ کب پاک ہے جب اس سے طہارت حاصل ہو گی اس سے بھی ہو جائے

گی، واللہ تعالیٰ اعلم ۔ص 351

کتاب الاضحیہ (قربانی کا بیان)

اگر زید کے پاس مکان سکونت کے علاوہ دو ایک اور ہوں تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

واجب ہے جبکہ وہ مکان تنہا یا اس کے اور مال سے کہ حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو مل کر چھپن روپے (یعنی نصاب) کی قیمت کو پہنچیں، اگر چہ مکانوں کو کرایہ پر چلاتا ہو یا خالی پڑے ہوں یا سادی زمین ہو بلکہ مکان سکونت اتنا بڑا ہے کہ اس کا ایک حصہ اس کے جاڑے گرمی کی سکونت کے لئے کافی ہو اور دوسرا حصہ حاجت سے زائد ہو اور اس کی قیمت تنہا یا اسی قسم کے مال سے مل کر نصاب تک پہنچے جب بھی قربانی واجب ہے۔ اسی طرح صدقۂ فطر بھی ۔ص 361

(نوٹ: اس فتوی میں جو 12 ذی الحجہ 1317ھ کا ہے اعلیٰ حضرت نے قربانی کے واجب ہونے میں کرائے پر دیئے ہوئے وہ مکان ودکانیں جن کا کرایہ اس کی سال بھر کی ضروریات کو کافی نہ ہو ان کی قیمت کا اعتبار کیا ہے اور اسی کو اَحوط کہا اور فرمایا: ''وهو المنقول من احد شيخي المذهب والخلاف انما جاء عن المتأخرين ثم هو الاحوط فعليه فليكن التعويل وہی مذہب کے ایک شیخ سے بھی منقول ہے اور اختلاف متاخرین میں پیدا ہوا ہے، پھر یہ باعثِ احتیاط ہے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے۔(ت)'' جبکہ فتاوی رضویہ میں موجود اسی فتوی سے متصل اگلے فتوی میں جو 23 صفر 1332ھ کا ہے اس میں کرائے پر دیئے ہوئے مکان کی قیمت کا اعتبار نہیں کیا بلکہ آمدن کا اعتبار کیا اور فرمایا: ''ہاں شوہر پر صدقہ واُضحیہ بھی نہیں۔۔۔ مگر ان علماء کے نزدیک کہ ایجابِ صدقہ واضحیہ میں قیمتِ جائداد کا اعتبار کرتے ہیں اور راجح ومفتی بہ اَول ہے''۔ عمران) ص 367

ولی اگر قربانی کرے تو سب گھر والوں کی طرف سے ہو جائے گی؟

ایک قربانی نہ سب کی طرف سے ہو سکتی ہے، نہ سوا مالکِ نصاب کے کسی اور پر واجب ہے۔ اگر اس کی بالغ اولاد میں کوئی خود صاحبِ نصاب ہو تو وہ اپنی قربانی جُدا کرے، یونہی زکوٰۃ جس جس پر واجب ہے یہ الگ الگ دیں، ایک کی زکوٰۃ سب کی طرف سے نہیں ہو سکتی، جو چیز واجبِ شرعی نہیں مثلاً صدقۂ نفل ومیلادِ مبارک وہ بھی ایک کے کرنے سے سب کی طرف سے نہ قرار پائے گا، ہاں کرنے والا ہر ایک کا (ثواب) اگر چہ فرض ہو اپنی اولاد اور گھر والوں جن کو چاہئے پہنچا سکتا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** ۔ص 369

گابھن کی قربانی

دودھ کے جانور یا گابھن کی قربانی اگر چہ صحیح ہے مگر ناپسند ہے۔ حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی۔ص 370

قربانی کا وقت

شہر میں قربانی اگر چہ ساکنِ دِہ کی طرف سے ہو وہ روزِ اول پیش اَز نمازِ عید (اور اگر نمازِ عید کسی عذر سے نہ پڑھیں تو پیش اَز خروجِ وقتِ نمازِ عید) ناجائز ونامعتبر ہے۔ اور بیرونِ شہر اگر چہ فنائے مصر غیرِ متصل بمصر ہو، اگر چہ قربانی ساکنِ شہر کی ہو، پیشِ نماز بعد طلوعِ فجر تاریخ دہم جائز ہے۔ص 379

خصی جانور سال سے کم عمر والے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چھ مہینے تک کا ایسا فربہ مینڈھا کہ سال بھر والوں کے ساتھ ہو تو دُور سے تمیز نہ ہو اس کی قربانی جائز ہے اگرچہ خصی نہ ہو، اور بکرا سال بھر سے کم کا جائز نہیں اگرچہ خصی ہو، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص442

فقیر پر کب قربانی واجب ہوجاتی ہے؟

فقیر اگر بہ نیتِ قربانی خریدے اس پر خاص اس جانور کی قربانی واجب ہوجاتی ہے۔ اگر جانور اس کی مِلک میں تھا اور قربانی کی نیت کرلی یا خریدا، مگر خریدتے وقت نیتِ قربانی نہ تھی، تو اس پر وجوب نہ ہوگا، غنی پر ایک اُضحیہ خود واجب ہے۔ اور اگر اور نذر بصیغۂ نذر کرے گا تو وہ بھی واجب ہوگا۔ یعنی نذر کئے سے واجب ہوگا نہ کے غنی پر مجرد خریداری سے۔ ص451

اعلٰی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا قربانی کا معمول

فقیر کا معمول ہے کہ قربانی ہر سال اپنے حضرت والد ماجد خاتم المحققین قدس سرہ العزیز کی طرف سے کرتا ہے اور اس کا گوشت پوست سب تَصَدُّق کر دیتا ہے اور ایک قربانی حضورِ اقدس سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے کرتا ہے اور اس کا گوشت پوست سب نذر حضراتِ ساداتِ کرام کرتا ہے۔ **تقبل اللہ تعالٰی منی ومن المسلمین** (آمین) (اللہ تعالٰی میری طرف اور سب مسلمانوں کی طرف سے قبول فرمائے، آمین۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص456

قربانی کا گوشت، ران و آنتیں کافروں کو دینا کیسا

الجواب: قربانی اگر فقیر کی ہو اس کا گوشت کسی کافر کو دینا جائز نہیں، اگر دے گا تو اتنے گوشت کا تاوان دینا لازم ہوگا اور اگر غنی نے کی تو ذبح کرنے سے اس کا واجب ادا ہوگیا، گوشت کا اسے اختیار ہے مگر مستحب یہ ہے کہ اس کے تین حصے کرلے، ایک حصہ اپنے لئے، ایک عزیزوں خویشوں کے لئے، ایک تَصَدُّق کے لئے، یہاں کے کفار کو دینا ان تینوں مدوں سے خارج ہے۔ لہٰذا انھیں دینا خلافِ مستحب ہے۔ اور اپنے مسلمان بھائی کو چھوڑ کر دینا حماقت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص456

*** آنت کھانے کی چیز نہیں، پھینک دینے کی چیز ہے۔ وہ اگر کافر لے جائے یا کافر کو دی جائے تو حرج نہیں۔ {اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ} خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لئے اور خبیث لوگ خبیث چیزوں کے لئے۔ (ت) یہاں کے کافروں کو گوشت دینا جائز نہیں وہ خاص مسلمانوں کا حق ہے۔ ص457**

*** اس کو ران وغیرہ کچھ نہ دیں کہ کافروں کا صدقات وغیرہ میں کچھ حق نہیں نہ اس کو دینے کی اجازت ہے۔ غایہ سروجی و بحر الرائق و درمختار میں ہے: اما الحربی و لو مستاٴمِنًا فجمیع الصدقات لا یجوز له اتفاقا۔ لیکن کافر حربی اگرچہ مستامن ہو اس کو تمام صدقات دینا بالاتفاق ناجائز ہے (ت)۔ ص589**

خصی کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

جائز ہے کہ اس کی کمی سے اس جانور میں عیب نہیں آتا بلکہ وصف بڑھ جاتا ہے کہ خصی کا گوشت بہ نسبت فحل کے زیادہ اچھا

ہوتا ہے۔ص458

سینگ ٹوٹنا کس وقت قربانی سے مانع ہوتا ہے؟

سینگ ٹوٹنا اس وقت قربانی سے مانع ہوتا ہے کہ جبکہ سر کے اندر جڑ تک ٹوٹے اگر اوپر کا حصہ ٹوٹ جائے تو مانع نہیں۔اور اگر ایسا ہی ٹوٹا تھا کہ مانع ہوتا، مگر اب زخم بھر گیا، عیب جا تا رہا تو حرج نہیں لان المانع قد زال وھذا ظاھر (کیونکہ مانع جا تا رہا، اور یہ ظاہر ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ص460

قربانی کی کھال سادات کرام کو دینا جائز ہے

قربانی کی کھال سادات کرام کو دینا جائز ہے۔اپنے ماں باپ اولاد کو بھی دے سکتا ہے شوہر زوجہ کو زوجہ شوہر کو دے سکتی ہے۔وہ بہ نیت تَصَدُّق ہو تو صدقہ نافلہ ورنہ ہدیہ، سقا کو دینے میں بھی حرج نہیں۔وھو تعالٰی اعلم۔ص465

قربانی کی کھال کے مصارف

اصل یہ کہ اضحیہ مثلِ دمِ قِران وتمتع وذبحِ تطوع، دم شکر ہے ان میں قربتِ مقصودہ صرف اِراقۂ دم لوجہِ اللہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔ ولہذا ان کے لحم وغیرہ کا تَصَدُّق واجب نہ ہوا، اور خود کھانے کی بھی اجازت عطا فرمائی۔اور کھال کی کوئی چیز مثلِ مشکیزہ وغربال وپوستین وتوشہ دان وفرش وتکیہ وجلدِ کتاب وغیر ہا بنا کر اپنے تصرف میں لانا بھی روا۔

اسی طرح مذہبِ صحیح میں جلد ولحم کی تبدیل بھی ایسی اشیاء سے جائز ٹھہری جو اپنی بقائے عین کے ساتھ استعمال میں آئے، جیسے برتن، کتابیں، کپڑے، یوہیں اغنیاء کو گوشت یا کھال یا اس کی کوئی چیز بنا کر یا اسی قسم کی اشیاء ان کے عوض خرید کر ہدیہ دینا بھی جائز ہوا۔(کیونکہ جب خود اپنا تصرف جائز ہے تو ہدیہ کا جواز بطریقِ اَولٰی ہوگا۔ت)

ولہذا فقیر کو دینے میں تملیک شرط نہ ہوئی، بلکہ اِباحت بھی روا ٹھہری یعنی دے نہ ڈالے بلکہ دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دے۔اور یہ معنی خود آیت وحدیث سے مستفاد کہ اَطْعِمُوْا فرمایا نہ کہ اَعْطُوْا البتہ یہ نا جائز ہے کہ اپنے یا اپنے اہل وعیال اور اغنیا کے صرف میں لانے کو گوشت یا کھال یا کسی جز کو بعوض ایسی اشیاء کے فروخت کرے جو استعمال میں خرچ ہو جائیں اور باقی نہ رہیں جس طرح روپیہ پیسہ یا کھانے پینے کی چیزیں یا تیل پھلیل وغیرہ کہ ان کے عوض اپنی نیت سے بیچنا تموُّل ہے۔اور نیتِ اغنیا مثل اپنی نیت کے ہے اور یہ جانور جس سے اقامتِ قربت ہوئی، اس قابل نہ رہا کہ اس کے کسی جز سے تموُّل کیا جائے۔بخلاف اس کے کہ اس قسم کی اشیاء سے مصرفِ خیر میں صرف کرنے کو مبادلہ کرے کہ اس میں معنی ممنوع یعنی تمول متحقق نہیں، تو اس نیت سے یہ استبدلال بھی جائز۔

خلاصہ یہ کہ بعد قربانی اس کے اَجزاء میں ہر قسم کا تصرف غنی کو حلال ہے۔مگر وہ جس میں معنی تموُّل پائے جائیں، اس تحقیق وتنقیح سے واضح ہوا کہ علماء جو ایک شِق تَصَدُّق کی لکھتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ تَصَدُّقِ عین ضروری ہے یعنی خاص اسی چیز کو بغیر بدلے خیرات کرے بلکہ مطلقاً ہر شئی کے عوض بیچ کر خیرات کرنی جائز ہے خواہ روپے پیسے ہوں یا اشیائے خوردنی یا اَعیانِ باقیہ، نہ عینِ تَصَدُّق ضرور ہے، جس کے حقیقی معنی فقیر کو مالک کرنا۔

بلکہ مطلقاً ہر مصرفِ خیر میں صرف کرنا جائز ہے اگرچہ اس میں کسی کی تملیک نہ ہو، جیسے کفنِ موتٰی ونفقۂ مسجد وغیر ذٰلک، ولہذا اِباحت روا ٹھہری، اور علامہ زیلعی کی عبارتِ مذکور نے صاف واضح کردیا کہ قربت چاہیئے خاص تَصَدُّق کی کوئی خصوصیت نہیں، اور خود ظاہر ہے کہ جب بےصورتِ تمول اپنے اور اَغنیا کے صرف میں لانا روا ہوا۔ اور جانور کا قربت کے لئے ہونا اس کا مانع نہ ٹھہرا تو مصارفِ خیر جس میں اَصلاً بوئے تمول نہیں اور خود امورِ قربت ہیں، بدرجہ اَولیٰ جائز ہوں گے۔ یہ بحمدِ اللہ تعالیٰ وہ تحقیق ہے جس سے اس فصل کی تمام جزئیات کا حکم نکل سکتا ہے۔ ص466 تا470

فنائے مسجد میں باتھ روم بنانا کیسا؟

فنائے مسجد میں پائخانہ بنانا قربت نہیں بلکہ ممنوع ہے کہ مسجد کو بوئے بد سے بچانا واجب ہے۔ اور اس کی فنا کا ادب بھی اسی کی مانند ہے یہاں تک کہ علماء نے فنائے مسجد میں بعدِ مسجدیت جدید دکان بنانے کی ممانعت فرمائی کہ باعثِ بےحرمتی ہے، ہاں اگر حدود وفنائے مسجد سے دور کوئی پائخانہ مسافروں اور بےگھر نمازیوں کے متعلقِ مسجد ہے تو اس کی تعمیر یا مرمتِ ضروری بھی نیتِ صالحہ سے ضرور قربت وموجبِ اَجر ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ ص474

قربانی کی کھال امام یامؤذنِ مسجد کو دینا

امام ومؤذن غیرِ تنخواہ دار کو بطورِ اعانت چرمِ قربانی یا اس کی قیمت دینے میں حرج نہیں، اور تنخواہ دار کو بھی جبکہ تنخواہ میں نہ دیں، یعنی زید نے امام کو نوکر رکھا اور اس کی تنخواہ اس کے ذمہ ہے۔ یہ قربانی کی کھال بیچ کر اسے ادا کرے تو اپنا روپیہ بچاتا اور اپنا مطالبہ اس سے ادا کرتا ہے۔ اور یہ تموّل ہے اور قربانی سے تمول جائز نہیں۔ ہاں اگر اہلِ محلہ نے امام ومؤذن کو مسجد کا نوکر رکھا جس کی تنخواہ ذمۂ مسجد ہے تو چرمِ قربانی یا اس کی قیمت مسجد میں دے کر اس سے تنخواہ ادا کرسکتے ہیں، **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ ص477

عقیقہ کے احکامِ قربانی کی طرح ہیں

عقیقہ کے احکام مثلِ اضحیہ ہیں۔ اس سے بھی مثلِ اضحیہ تقرب الی اللہ عزوجل مقصود ہوتا ہے اور جو چیز تقرب کے لئے رکھی گئی وہ تمول یعنی اپنا مال بنانے سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ کھال بھی جانور کا جز ہے۔ تو داموں کو بیچ کر اپنے صرف میں لایا جیسا کہ اضحیہ میں ناجائز ہے۔ یہاں بھی ضرور نامناسب ہونا چاہیئے۔ کہ رجوع عن التقرب نہ ہو، ہاں اس سے کتاب کی جلد، یا مشک، ڈول بنا کر اسے اپنے صرف میں لاسکتا ہے یا اسے کسی محتاج کو دے دے۔ ص501

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ غنی تھے

یہ فقیر بفضلہٖ تعالیٰ غنی ہے اموالِ خیرات نہیں لے سکتا، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ احباب اچھے مصارف میں صرف کرنے کے لئے زکوٰۃ وصدقات کے اموال بھی بھیجتے ہیں کہ اپنی رائے سے مصارفِ خیر میں صرف کرو اور وہ بفضلہٖ تعالیٰ صرف کردئے جاتے ہیں، زکوٰۃ اس کی جگہ اور دیگر صدقات ان کی جگہ، یوں یہ فقیر بھی ان اَحباب کا شریکِ ثواب ہوجاتا ہے کہ صدقہ اگر سو ہاتھوں پر نکلے گا سب کو ثواب ملے گا، ایک روٹی کا ٹکڑا کہ زید کے مال سے پکا، اور زید کی بی بی نے خادمہ کے ہاتھ دروازہ کے سائل

کو بھیجا، تو زید جس کا مال ہے اور بی بی جس نے بھیجا اور خادمہ جس نے جا کر فقیر کو دیا تینوں یکساں شریکِ ثواب ہیں۔ اور مولیٰ تعالیٰ کا فضل بہت بڑا ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔ ص504

قربانی میں یہ شرط لگانا کہ کھال فلاں مدرسہ میں دینا ہوگی فلاں کام میں صرف کرنا ہوگی اس قسم کے شرائط عندالشرع جائز ہیں یا ناجائز؟

جبکہ کوئی شخص ان میں کسی معین گائے کا ایک حصہ یا چند حصص خریدے اور ان لوگوں کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دے اور یہ شرط ٹھہرے کہ اس کی کھال مدرسہ دینیہ یا فلاں نیک کام میں صرف کرنا ہوگی تو یہ جائز ہے۔ اس میں حرج نہیں۔ (یہ اگرچہ بیع بالشرط ہے لیکن اس شرط میں عاقدین اور معقود علیہ میں سے کسی کا نفع نہیں ہے معقود علیہ نفع کے استحقاق کا اہل نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ت) ص507

مطلق کو مقید پر محمول کرنا ضرورتاً ہوتا ہے

جب حکم اور واقعہ ایک ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے لیکن یہ حکم عمومی نہیں کہ ہر واجب و مستحب کو عام ہو، بلکہ صرف حکمِ وجوبی کے ساتھ خاص ہے کہ احکامِ واجبہ میں اتحادِ حکم و واقعہ کے وقت عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا۔ اس کا رمز یہ ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بدرجہ مجبوری ہے یعنی جب مطلق اور مقید دونوں کو اپنے اپنے محل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو، اور جہاں ایسا ممکن ہو حمل کرنے کی بالکل ضرورت نہیں، امام ابن ہمام فرماتے ہیں: ''حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بضرورت ہے جب مطلق اور مقید کے حکم میں تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے کہ مجبوری ہے'' تو ثابت ہوا کہ اصل مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا سبب مطلقاً اتحادِ حکم و حادثہ نہیں بلکہ دونوں حکموں کا تعارض اور منافاۃ ہے۔ ص516

شرع میں صدقہ کا اِطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے

(۱) ''تملیك المال من الفقیر'' (فقیر کو مال کا مالک بنادینا) اس صورت میں عاریۃ، اباحۃ، ہدیۂ غنی، قرض وغیرہ سب صدقہ سے نکل گئے، اور صدقہ فطر اور زکوٰۃ میں لفظ صدقہ سے یہی مراد ہوتی ہے اور اسی صدقہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے۔ تو صدقہ کفارہ اگرچہ صدقہ واجب ہے لیکن اس معنی میں وہ صدقہ نہیں کیونکہ اس میں اِباحت بھی جائز ہے۔

(۲) ''فقیر کو مال پر قابو دے دینا'' یہاں تملیک سے قطع نظر ہوتی ہے۔ اور یہ اِنتفاع، تصرف اور اِستہلاک سبھی صورتوں کو شامل ہوتا ہے جو تملیک اور اباحت دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے صدقہ اس معنی میں کفارہ پر بولا جاتا ہے۔ جو صدقہ واجبہ سے ہے اس کو لینے کا اہل وہی ہے جو زکوٰۃ کا اہل ہے۔ صدقہ کے یہ دونوں معنی صدقاتِ واجبہ میں ہی متحقق ہوں گے۔

(۳) صدقہ کا ایک اِطلاق یہ ہے کہ تملیک و اباحت اور فقیر و غنی، دونوں کو عام ہو، توسط شرح ابوداؤد میں ہے: ''صدقہ یہ ہے کہ فقیروں کو دیا جائے (مطلب یہ کہ صدقہ میں عموماً یہ ہوتا ہے) ورنہ صدقہ ہمارے نزدیک مالدار کو بھی دینا جائز ہے''۔

(۴) اس اِطلاق میں نہ تملیک ہے نہ اِباحت، یہ ایک قسم کا تصرفِ مالی ہے جس سے مسلمانوں کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے کنواں بنانا، نہریں تیار کرنا، مسافر خانے اور پل بنانا، مساجد اور مدرسوں کی تعمیر کرنا، اور اِنھیں امورِ خیر میں صرف کرنے کو صدقہ جاریہ کہتے ہیں: اور اوقاف کو اسی معنی میں صدقہ مؤبَّدہ کہا جاتا ہے۔

(۵) کبھی صدقہ سے مال ہونے کی قید بھی ختم کر دی جاتی ہے اور مطلقاً غیر کو نفع پہنچانے، اور اس سے ضرر دفع کرنے کو صدقہ کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے کہ منفرد کے ساتھ مل کر جماعت کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان الفاظ میں حکم دیا: ''کوئی اس پر صدقہ کرے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے۔'' یوں ہی سرکار نے فرمایا: ''آدمی کے ہر جوڑ پر ہر دن صدقہ ہے۔ تو دو آدمیوں کے بیچ انصاف کرنا صدقہ ہے، آدمی کو جانور پر سوار ہونے میں مدد دینا صدقہ ہے۔ آدمی کا بوجھ لاد دینا صدقہ ہے۔ اچھی بات صدقہ ہے۔ راستہ بتانا صدقہ ہے۔ راستہ سے کوڑا کرکٹ دور کر دینا صدقہ ہے۔

(۶) اور کبھی لفظ صدقہ بھی توسع کی انتہا ہو جاتی ہے کہ ہر فعلِ محمود و مشروع کو صدقہ کہتے ہیں کہ دوسرے پر صدقہ نہ ہو تو اپنے پر تو ہے۔ اسی قسم سے حدیث پاک ہے کہ: ''مسجد کی طرف بڑھنے والا ہر قدم صدقہ ہے۔ ہر تکبیر صدقہ ہے'' ۔ص543 تا554

* **مرغ کی قربانی مکروہ و تشبُّہ بالمجوس ہے۔ص560**

* **حجۃ الوداع شریف میں حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سو کے سو اونٹ نحر فرمائے، ۶۳ بدستِ انور، ۳۷ بدستِ امیر المومنین حیدر۔ص578**

* **شتر نحر کیا جاتا ہے اس کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں سے کھڑا رکھ کر سینہ پر نیزہ مارتے ہیں۔ص578**

کیا قربانی کی جھولیں، رسیاں صدقہ کرنے کا حکم ہے؟

بالجملہ اگر کوئی اپنا گھر تَصَدُّق کر دے اور اس پر قادر ہو، ممانعت نہیں، کلام اس میں ہے کہ قربانی کی جھولیں، رسیاں تَصَدُّق کرنے کا حکم ہے، اس کا کہیں ثبوت نہیں، نہ حدیث میں نہ فقہ میں، ومن ادعی فعلیہ البیان (جو دعوٰی کرے دلیل بیان کرنا اس پر لازم ہے۔ت) ولہذا آج تک مسلمانوں میں کہیں اس کا رواج مسموع نہیں، البتہ اگر کوئی شخص تعظیمِ ضحایا کے لئے ان پر جھولیں ڈالے اور انھیں حسبِ حیثیت مزین وبیش بہا کرے، اور اس سے شعائرِ اسلام کی زینت اور فقرائے مسلمین کی منفعت چاہے تو ضرور اسے ان جھولوں کے تَصَدُّق کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس سے باز رہنا اسے شنیع ہوگا کہ اللہ عزوجل سے وعدہ کر کے رجوع نہ ہو، کما بینا فی فتاوٰنا وباللہ التوفیق (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا اور توفیق اللہ تعالٰی کے ساتھ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم ۔ص579

بابُ العقیقہ (عقیقہ کا بیان)

(۱) جانور ذبح کئے جائیں ان کی عمر کیا ہونا چاہئے، اور اگر کسی عضو میں نقصان رکھتے ہوں وہ کام میں آسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) گوشت کی تقسیم کس طرح کی جائے، آیا کھانا پکا کر کھلوانا افضل ہے یا گوشت کا تقسیم کر دینا؟

(۳) گوشت میں کوئی حصہ والدین کا بھی ہے یا نہیں؟

(۴) دایہ کسی عضو کی مستحق ہے اور حجام وسقہ وخاکروب دھوبی وغیرہ؟

(۵) پوست کے دام قیمتِ جانور میں مجرا کرنا اور خانگی خرچ میں ملانا جائز ہے یا نہیں کیا طریقہ افضل ہے؟

(۶) اور جانور ذبح کس کو کرنا چاہئے؟ اور دعائے عقیقہ کس طرح اور کس کو پڑھنا چاہئے؟

(۷) ہڈیاں توڑنا چاہئے یا نہیں، اور دفن کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۸) مدت اور روزِ عقیقہ کیا ہونا چاہئے؟

(۹) لڑکے اور لڑکی کے عقیقے میں تعداد جانوروں کی دو دو ایک ہونی چاہئے یا ایک ایک؟

(۱۰) اجرت قصاب کی داموں میں مجرا ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۱۱) اگر دو جانور رہوں تو ان کی سری و پائے ایک حجام کو، ایک سقہ کو دی جاسکتی ہے یا دونوں حجام کو؟ بیّنوا توجروا

الجواب: (۱) ان امور میں احکامِ عقیقہ مثلِ قربانی ہیں، اعضا سلامت ہوں، بکرا بکری ایک سال سے کم کی جائز نہیں، بھیڑ، مینڈھا چھ مہینہ کا بھی ہوسکتا ہے جبکہ اتنا تازہ وفربہ ہو کہ سال بھر والوں میں ملادیں تو دور سے متمیز نہ ہو۔

(۲) گوشت بھی مثلِ قربانی تین حصے کرنا مستحب ہے۔ ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا، اور چاہے تو سب کھالے خواہ سب بانٹ دے، جیسے قربانی، اور پکا کر کھلانا کچا تقسیم کرنے سے افضل ہے۔

(۳) حصہ ضروری کسی کا بھی نہیں، استحبابی حصہ میں تہائی اپنا رکھا گیا ہے۔ والدین کھاسکتے ہیں، اس کی ممانعت جو مشہور ہے صحیح نہیں۔

(۴) دائی یعنی جنائی کو ایک ران دی جائے جبکہ وہ مسلمان ہو جاہلوں میں جو ہندو جنائیاں یا مس ڈاکٹریں بلائی جاتی ہیں یہ حرام ہے۔ حجام، سقا، خاکروب، دھوبی کا کوئی خاص حق نہیں۔

(۵) پوست داموں کو بیچ کر اپنے صرف میں لانا منع ہے اور قیمت میں مجرا کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جانور پہلے خرید کر ذبح کرلیا اب پوست قصاب نے مول لے لیا، اس کے آتے ہوئے داموں میں یہ دام وضع کرلئے، یوں اپنے صرف کے لئے بیچنا گناہ ہوا مگر جانور کی خریداری میں خلل نہ آیا دوسرے یہ کہ خریدتے وقت شرط کرلی کہ کھال اتنے کو تجھے لینی ہوگی، یہ سرے سے جانور کی خریداری ہی کو حرام وفاسد کردے گا ان پر فرض ہوگا کہ اس عقد کو فسخ کردیں، پھر از سر نو عقدِ صحیح سے اسے خرید کر عقیقہ میں ذبح کرے، ہاں بعینہٖ پوست کی جلد یا ڈول یا جانماز وغیرہ بنا کر اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔ یوں ہی برتن کپڑے وغیرہ اشیاء کے عوض بیچ سکتا ہے جو قائم رکھ کر استعمال میں آتی ہیں، نہ دام یا اناج وغیرہ جن کا استعمال ان کو فنا کرنے سے ہوتا ہے۔ اور کارِ خیر میں دے دینا اپنے صرف میں لانے سے افضل ہے۔

(۶) باپ اگر حاضر اور ذبح پر قادر ہو تو اسی کا ذبح کرنا بہتر ہے کہ یہ شکرِ نعمت ہے۔ جس پر نعمت ہوئی وہی اپنے ہاتھ سے شکر ادا کرے وہ نہ ہو یا ذبح نہ کرسکے تو دوسرے کو قائم کرے یا کیا جائے، اور جو ذبح کرے وہی دعا پڑھے عقیقۂ پسر میں کہ باپ ذبح کرے دعا یوں پڑھے: اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ عَقِیْقَةُ ابْنِیْ فُلَان دَمُهَا بِدَمِهٖ وَلَحْمُهَا بِلَحْمِهٖ وَعَظْمُهَا بِعَظْمِهٖ وَجِلْدُهَا بِجِلْدِهٖ وَشَعْرُهَا بِشَعْرِهٖ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا فِدَاءً لِّابْنِیْ مِنَ النَّارِ ط بِسْمِ اللهِ اللهُ اَکْبَرْ۔

اے اللہ! یہ میرے فلاں بیٹے کا عقیقہ ہے اس کا خون اس کے خون، اس کا گوشت اس کے گوشت اس کی ہڈی اس کی ہڈی،

اس کا چمڑہ اس کے چمڑے اور اس کے بال اس کے بال کے بدلے میں ہیں، اے اللہ! اس کو میرے بیٹے کے لئے جہنم کی آگ سے فدیہ بنا دے۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے، اللہ بہت بڑا ہے۔ (ت)

فلاں کی جگہ پِسر کا جو نام رکھتا ہو، لے، دُختر ہو تو دونوں جگہ ابنیٰ کی جگہ بِنتی،، اور پانچوں جگہ "ہ" کی جگہ "ھا" کہے اور دوسرا شخص ذبح کرے تو دونوں جگہ ابنی فلاں یا بنتی فلاں کی جگہ فُلاَن اِبْنِ فُلاَں یا فُلاَنَہ بَنْتِ فُلاَنہ کہے۔ بچے کو اس کے باپ کی طرف نسبت کرے۔

(۷) ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر ہے، اور دفن کرنا افضل ہے۔

(۸) عقیقہ ساتویں دن افضل ہے۔ نہ ہو سکے تو چودھویں، ورنہ اکیسویں، ورنہ زندگی بھر میں جب کبھی ہو، وقت دن کا ہو، رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔

(۹) کم سے کم ایک تو ہے ہی، اور پِسر کے لئے دو افضل ہیں، استطاعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔

(۱۰) گوشت بنانے کی اُجرت داموں میں مجرا کر سکتا ہے۔

(۱۱) سرے پائے خود کھائے خواہ اُقرباء مساکین جسے چاہے خواہ سب حجام یا سب سقا کو دے دے شرع مطہر نے ان کا کوئی خاص حق اس میں مقرر نہ فرمایا۔ فقط۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ ص584

افضل یہ ہے کہ پسر کے لئے دو نر ہوں اور دختر کے لئے ایک مادہ کہ اس میں مقابلہ اعضا اکمل ہے۔ اور اگر نر و مادہ میں عکس ہو جب بھی کوئی حرج نہیں۔ ص593

کافرہ کو جنائی (دائی) بنانا کیسا؟

بھنگن یا کسی کافرہ کو جنائی بنانا سخت حرام ہے۔ ص588

کافرہ سے یہ کام لینا حرام ہے۔ کافرہ سے مسلمان عورت کو ایسے پردے کا حکم ہے جیسے مرد سے کہ سوا منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں اور تلووں کے کچھ نہ دکھائے، نہ کہ خاص جنائی کا کام۔ ص588

* **(عقیقہ کا گوشت) مساکین کو دیں، چیل، کوؤں کو کھلانا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، یہ فاسق ہیں، اور کوؤں کی دعوت رسمِ ہنود۔ ص590**
* جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو وہ جوانی بڑھاپے میں بھی اپنا عقیقہ کر سکتا ہے۔ ص588

جو مر جائے کسی عمر کا ہو اس کا عقیقہ نہیں ہو سکتا

جو مر جائے کسی عمر کا ہو اس کا عقیقہ نہیں ہو سکتا، بچہ اگر ساتویں دن سے پہلے ہی مر گیا تو اس کے عقیقہ نہ کرنے سے کوئی اثر اس کی شفاعت وغیرہ پر نہیں کہ وہ وقتِ عقیقہ آنے سے پہلے ہی گزر گیا عقیقہ کا وقت شریعت میں ساتواں دن ہے سات دن سے پہلے مر جانا درکنار، حدیث میں ہے کہ کچا حمل جو گر جاتا ہے وہ روزِ قیامت اپنا نال کھینچتا ہوا آئے گا اور اپنے ماں باپ کے لئے (جبکہ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے ہوں) مولیٰ عزوجل سے ایسا جھگڑا کرے گا جیسے قرضخواہ اپنے قرضدار سے، یہاں تک کہ حکم ہوگا کہ او کچے بچے! اپنے رب سے جھگڑنے والے! اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں لے جا۔

ہاں جس بچے نے عقیقہ کا وقت پایا یعنی سات دن کا ہو گیا اور بلا عذر باوصفِ استطاعت اس کا عقیقہ نہ کیا اس کے لئے یہ آیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی شفاعت نہ کرنے پائے گا۔

جو بچہ قبل بلوغ مرگیا اور اس کا عقیقہ کر دیا تھا، یا عقیقہ کی استطاعت نہ تھی یا ساتویں دن سے پہلے مرگیا ان سب صورتوں میں وہ ماں باپ کی شفاعت کرے گا جبکہ یہ دنیا سے باایمان گئے ہوں اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں۔596

مردہ کی طرف سے قربانی بلاشبہ جائز ہے اور عقیقہ شکرِ نعمت ہے بعد زوالِ نعمت اس کا محل نہیں، ولہذا اموات بلکہ ان کی طرف سے جواب تک پیدا نہ ہوئے قربانی ثابت ہے۔ اور عقیقہ بعدِ موت کہیں ثابت نہیں۔ص592

سات لڑکیوں یا تین لڑکے اور ایک لڑکی کے نام سے ایک گائے عقیقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: عقیقہ میں بھی شرکت اسی طرح جائز ہے جیسے قربانی میں جبکہ سب کی نیت خالص لوجہ اللہ ہو۔ اگر ایک کی نیت بھی قربت کی نہ ہوگی اور باقی سب تقرب چاہیں گے کسی کی قربت ادا نہ ہوگی کہ وہ سب گوشت ہو گیا۔ص595

جلد نمبر 21

کتاب الحظر والاباحۃ

(ممنوع اور مباح کاموں کا تفصیلی بیان)

اِعتقادات وسیر، ایمان، کفر، شرک، تقدیر، رِدت، ہجرت، سُنیّت، گناہ، توبہ وغیرہا سے متعلق مسائل

جذامی کے ساتھ کھانا کیسا؟

ہر چند جذامی کے ساتھ کھانا جائز ہے بلکہ خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجذوم کو اپنے ساتھ کھلایا اور فرمایا: میرے ساتھ ہوکر اللہ تعالٰی کا نام لے کر کھایئے اللہ تعالی پر اعتماد اور اس پر بھروسا رکھتے ہوئے یہاں تک کہ اگر بقصدِ تواضع وتوکل واِتباع ہو تو ثواب پائے گا۔

مگر خواہی نخواہی اس کے ساتھ کھانا ضرور بھی نہیں بلکہ جس کی نظر اسباب پر مقتصِر ہو اور خدا پر سچا توکل نہ رکھتا ہو اس کے حق میں بچنا ہی مناسب ہے نہ یہ سمجھ کر کہ بیماری اُڑ کر لگ جاتی ہے۔ کہ یہ خیال تو باطل محض ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیثوں میں اسے رد فرمایا: حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مرض میں تعدیہ نہیں۔ حضورِ اَقدس نے ارشاد فرمایا: پہلے اونٹ میں تعدیہ مرض کیسے ہوا۔

بلکہ اس نظر سے کہ شائد قضائے الٰہی کے مطابق کچھ واقع ہو اور اس وقت شیطان کے بہکانے سے یہ سمجھ میں آیا کہ فلاں فعل سے ایسا ہو گیا ورنہ نہ ہوتا تو اس میں دین کا نقصان ہوگا۔ غرض قویُ الایمان کو تو کلاً علی اللہ اس سے مخالطت میں کچھ نقصان نہیں، اور ضعیفُ الاعتقاد کے حق میں اپنے دِین کی اِحتیاط کو اِحتراز بہتر، ولہذا سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: (کوڑھے سے اسی طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔ ت)۔ص101

''ہم خدا اور رسول کو نہیں مانتے'' یہ صریح کلمہ کفر ہے۔

وہ لفظ جو اس نے کہا کہ ہم خدا اور رسول کو نہیں مانتے یہ صریح کلمہ کفر ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**، اس شخص پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور اَز سرِ نو مسلمان ہو، اور اگر عورت رکھتا ہے تو نئے سرے سے نکاح چاہئے اور جس طرح وہ کلمہ مجمع میں کہا تھا توبہ بھی مجمع میں کرے، اگر نہ مانے تو مسلمان ضرور اسے اپنے گروہ سے نکال دیں، نہ اپنے پاس بٹھائیں نہ اس کے پاس بیٹھیں نہ اس کے معاملات میں شریک ہوں، نہ اپنی تقریبوں میں اسے شریک کریں۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: {وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ} اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔ (ت)۔ص104

اللہ تعالیٰ کو عاشق کہنا جائز نہیں

اللہ تعالیٰ کو عاشق اور حضور پُرنور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا معشوق کہنا جائز ہے یا نہیں؟

ناجائز ہے کہ معنیٔ عشق اللہ عزوجل کے حق میں محالِ قطعی ہیں اور ایسا لفظ بے ورودِ ثبوتِ شرعی حضرتِ عزت کی شان میں بولنا ممنوعِ قطعی۔ ردالمحتار میں ہے: مجرد ایھام المعنی المحال کافٍ فی المنع۔ صرف معنیٔ محال کا وہم ممانعت کے لئے کافی ہے۔(ت)۔ص 114

مدینہ شریف کو ''یثرب'' کہنا جائز نہیں

مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا ناجائز و ممنوع و گناہ ہے اور کہنے والا گنہگار، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من سمی المدینۃ یثرب فلیستغفر اللہ ھی طابۃ ھی طابۃ، رواہ الامام جو مدینہ کو یثرب کہے اس پر توبہ واجب ہے۔ مدینہ طابہ ہے مدینہ طابہ ہے۔

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں: یعنی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ کا یثرب نام رکھنا حرام ہے کہ یثرب کہنے سے استغفار کا حکم فرمایا اور استغفار گناہ ہی سے ہوتی ہے۔ص 116

جب کوئی کافر کہے میں مسلمان ہو چکا ہوں تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عیسائی نے براہِ فریب دہی مسلمان کا حقہ پیا، مسلمان چونکہ اسے مسلمان سمجھتے تھے انھوں نے اس کا پیا ہوا حقہ پیا، پھر ایک شخص آیا اس نے عیسائی کو حقہ پیتے دیکھ کر کہا تو عیسائی ہو کر مسلمانوں کا حقہ پیتا ہے۔ اس نے کہا میں فلاں مسجد میں ایک مہینہ ہوا مسلمان ہو گیا ہوں، جب اس مسجد میں تحقیق کیا گیا تو بیان اس کا بے ثبوت نکلا ایسی حالت میں وہ مسلمان جنھوں نے اس کا پیا ہوا حقہ پیا ہے کیا کریں؟

الجواب: جب نادانستہ پیا ان پر کچھ الزام نہیں بلکہ جب وہ کہتا ہے میں مسلمان ہو چکا ہوں تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا جب تک اس سے کفرِ جدید ظاہر نہ ہو اور اس تحقیقات کا کچھ اعتبار نہیں کہ نفی کی گواہی نامعتبر ہے اور کافر کا اِقرار کرنا ہی اسے مسلمان ٹھہرانے کے لئے کافی ہے کما نص علیہ فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ اس پر درمختار وغیرہ میں نص کی گئی ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔ص 130

اِعلانیہ گناہ کی توبہ اِعلانیہ کی ضرورت و حکمتیں

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق ہی سے کہتا ہوں۔ ت) اس مسئلہ میں مجملاً تحقیقِ حق یہ ہے کہ وہ گناہ جو خلق پر بھی ظاہر ہو جس طرح خود اس کے لئے دو تعلق ہیں۔

ایک بندے اور خدا میں کہ اللہ عزوجل کی نافرمانی کی اس کا ثمرہ حق جلّا وعلاً کی معاذ اللہ ناراضی اس کے عذابِ منقطع یا اَبدی کا استحقاق **دوسرا بندے اور خلق میں** کہ مسلمانوں کے نزدیک وہ آثم وظالم یا گمراہ کافر بحسبِ حیثیتِ گناہ ٹھہرے اور اس کے لائق

سلام وکلام وتعظیم واکرام واقتدائے نماز وغیرہا امور ومعاملات میں اس کے ساتھ انھیں برتاؤ کرنا ہو۔ یوہیں اس سے توبہ کے لئے بھی دورُخ ہیں، **ایک جانبِ خدا،** اس کا رکنِ اعظم بصدقِ دل اس گناہ سے ندامت ہے فی الحال اس کا ترک اور اس کے آثار کا مٹانا اور آئندہ کبھی نہ کرنے کا صحیح عزم، یہ سب باتیں سچی پشیمانی کو لازم ہیں۔ ولہذا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :الندم توبۃ ندامت توبہ ہے (ت) یعنی وہی سچی صادقہ ندامت کہ بقیہ ارکانِ توبہ کو خود مستلزم ہے اسی کا نام توبۃُ السِّر ہے۔

دوسرا جانبِ خلق کہ جس طرح ان پر گناہ ظاہر ہوا اور ان کے قلوب میں اس کی طرف سے کشیدگی پیدا ہوئی اور معاملات میں اس کے ساتھ اس کے گناہ لائق انھیں اَحکام دئے گئے اسی طرح ان پر اس کی توبہ ورجوع ظاہر ہو کہ ان کے دل اس سے صاف ہوں اور احکام حالتِ برأت کی طرف مراجعت کریں یہ توبہ علانیہ ہے توبہ سِر سے تو کوئی گناہ خالی نہیں ہوسکتا اور گناہ علانیہ کے لئے شرع نے توبہ علانیہ کا حکم دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ عزوجل سے تقوی لازم رکھ اور ہر پتھر اور پیڑ کے پاس اللہ کی یاد کر، اور جب کوئی گناہ کرے اس وقت توبہ لا، خفیہ کی خفیہ اور آشکارا کی آشکارا۔

اقول: وباللہ التوفیق (اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق ہی سے میں کہتا ہوں۔ت) اس حکم میں بکثرت حکمتیں ہیں:

اول: اِصلاح ذاتِ بَین کا حکم ہے یعنی آپس میں صفائی اور صلح رکھو، یہ گناہ علانیہ میں توبہ علانیہ ہی پر موقوف کہ جب مسلمان اس کے گناہ سے آگاہ ہوئے اگر توبہ سے واقف نہ ہوں تو ان کے قلوب اس سے ویسے ہی رہیں گے جیسے قبل توبہ تھے۔

دوم: جب وہ اسے برا سمجھے ہوئے ہیں تو اس کے ساتھ وہی معاملاتِ بُعد وتنفر رکھیں گے جو بدوں کے ساتھ درکار ہیں علی الخصوص بدمذہب لوگ جیسا زید کا حال ہے یہ بہت برکات سے محرومی کا باعث ہوگا۔

سوم: جب یہ واقع میں تائب ہو لے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔(ت) تو اب مسلمانوں کے وہ معاملات نظرِ بواقع بے جا ہوں گے اور انھیں اس بے جا پر خود یہ شخص حامل ہوا کہ اگر اپنی توبہ کا اعلان کر دیتا ہے تو کیوں وہ معاملات رہتے تو لازم ہوا کہ انھیں مطلع کر دے جیسے کسی کے کپڑے میں نجاست ہو اور وہ مطلع نہیں تو جاننے والے پر اسے خبر دینی ضروری ہے۔

چہارم: ایسے گناہوں میں جو بددینی ہے جیسے صورتِ مسئولہ میں زید کے وہ کلماتِ خبیثہ ان میں ایک اور سخت آفت کا اندیشہ ہے کہ اگر یہ مرگیا اور مسلمانوں پر اس کی توبہ ظاہر نہیں اور بدمذہب کی مذمت اس کے مرنے پر بھی جائز بلکہ کبھی شرعاً واجب ہے تو اہلِ سنت اسے بُرا اور بددین اور گمراہ کہیں گے اور ان کے سید ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں زمین میں اللہ عزوجل کا گواہ بتادیا ہے آسمان میں اس کے گواہ ملائکہ ہیں اور زمین میں اہلسنت تو ان کی گواہی سے اس پر سخت ضرر کا خوف ہے اور وہ خود اس میں تقصیروار ہے کہ اعلانِ توبہ سے ان کا قلب صاف نہ کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک جنازہ گزرا حاضرین نے اس کی تعریف کی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم نے فرمایا: "وَجَبَتْ" واجب ہوگئی، ایک دوسرا جنازہ گزرا اس کی مذمت کی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "وَجَبَتْ" واجب ہوگئی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ کیا واجب ہوگئی؟ فرمایا: پہلے کی تم نے تعریف کی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، دوسرے کی مذمت کی اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی، تم اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو زمین میں، اور یہ نہ بھی ہو تو اتنا ضرور ہے کہ علماء وصلحاء اہلسنت اس کی تجہیز میں شرکت اور اس کے جنازہ پر نماز

سے احتراز کریں گے شفاعتِ اَخیار سے محروم رہے گا، یہ شناعت کیا کم ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی (اللہ کی پناہ۔ت)**

پنجم: اصل یہ کہ گناہ علانیہ دوہرا گناہ ہے کہ اِعلان گناہ دوہرا گناہ بلکہ اس گناہ سے بھی بدتر گناہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری سب امت عافیت میں ہے سوا اُن کے جو گناہ آشکارا کرتے ہیں۔ (بخاری ومسلم۔ت)

اعلان پر باعث نفس کہ جرأت وجسارت وسرکشی و بے حیائی ہے اور مرض کا علاج ضد سے ہوتا ہے جب مسلمانوں کے مجمع میں اپنی ندامت وپشیمانی ظاہر کرے گا اور اپنے قول یا فعل یا عقیدہ کی بدی وشناعت پر اقرار لائے گا تو اس سے جو اِنکسار پیدا ہوگا اس سرکشی کی دوا ہوگا، فکرِ حاضر میں اس وقت اتنی حکمتیں خیال میں آئیں اور شریعتِ مطہرہ کی حکمتوں کو کون حصر کرسکتا ہے ان میں اکثر وجوہ یہ چاہتے ہیں کہ جن جن لوگوں کے سامنے گناہ کیا ہے ان سب کے مواجہ میں توبہ کرے مگر یہ کثرتِ مجمع کی حالت میں مطلقاً اور بعض صورتیں ویسے بھی حرج سے خالی نہیں اور حرج مدفوع بالنص ہے تاہم اس قدر ضرور چاہئے کہ مجمع توبہ مجمعِ گناہ کے مشابہ ہو سب میں ادنٰی درجہ کا اعلان اگرچہ دو کے سامنے بھی حاصل ہوسکتا ہے مگر وہ مقاصدِ شرح یہاں بے مشاکلت ومشابہت حاصل نہ ہوں گے سو کے سامنے گناہ کیا اور ایک گوشہ میں دو کے آگے اِظہارِ توبہ کردیا تو اس کا اِشتہار مثل اشتہارِ گناہ نہ ہوا اور وہ فوائد کہ مطلوب تھے پورے نہ ہوئے بلکہ حقیقۃً وہ مرض کہ باعثِ اعلان تھا توبہ میں کمیِ اعلان پر بھی وہی باعث ہے کہ گناہ تو دل کھول کر مجمع کثیر میں کرلیا اور اپنی خطا پر اقرار کرتے عار آتی ہے چپکے سے دو تین کے سامنے کہہ لیا وہ اِنکسار کہ مطلوبِ شرع تھا حاصل ہونا درکنار ہنوز خودداری واستنکاف باقی ہے اور جب واقع ایسا ہو تو حاشا توبہ سر کی بھی خبر نہیں کہ وہ ندامتِ صادقہ چاہتی ہے اور اس کا خلوص مانعِ استنکاف، پھر انصاف کیجئے تو اس کا یہ کہنا کہ میں نے توبہ کرلی ہے اور اس مجمع میں توبہ نہ کرنا خود بھی اسی خودداری واستنکاف کی خبر دے رہا ہے ورنہ گزشتہ توبہ کا قصہ پیش کرنا گواہوں کے نام گنانا ان سے تحقیقات پر موقوف رکھنا یہ جھگڑا آسان تھا یا مسلمانوں کے سامنے یہ دو حروف کہہ لینا کہ الٰہی! میں نے اپنے ان ناپاک اقوال سے توبہ کی، پھر یہاں ایک نکتہ اور ہے اس کے ساتھ بندوں کے معاملے تین قسم ہیں:

ایک: یہ کہ گناہ کی اس کو سزا دی جائے اس پر یہاں قدرت کہاں۔

دوسرے: یہ کہ اس کے اِرتباط واِختلاط سے تحفظ وتحرّز کیا جائے کہ بدمذہب کا ضرر سخت متعذر رہتا ہے۔

تیسرے: یہ کہ اس کی تعظیم وتکریم مثلِ قبولِ شہادت واقتدائے نماز وغیرہ سے احتراز کریں، فاسق وبدمذہب کے اظہارِ توبہ کرنے سے قسم اول تو فوراً موقوف ہوجاتی ہے (مگر بعض ان صورتوں میں جو درمختار وغیرہ میں مذکور ہیں۔ت) مگر دو قسم باقی ہنوز باقی رہتی ہیں یہاں تک کہ اس کی صلاحِ حال ظاہر ہو اور مسلمان کو اس کے صدقِ توبہ پر اطمینان حاصل ہو اس لیے کہ بہت عیار اپنے بچاؤ اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے زبانی توبہ کرلیتے ہیں اور قلب میں وہی فساد بھرا ہوا ہے۔

پھر صحتِ توبہ پر اطمینان کتنی مدت میں حاصل ہوتا ہے صحیح یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی مدت متعین نہیں کرسکتے جب اس شخص کی حالت کے لحاظ سے اطمینان ہوجائے کہ اب اس کی اصلاح ہوگئی اس وقت اس سے دو قسم اَخیر کے معاملات برطرف ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ یہ بات نظر بحالات مختلف ہوجاتی ہے ایک سادہ دل راست گو سے کوئی گناہ ہوا اس نے توبہ کی اس کے صدق پر جلد اطمینان ہوجائے گا اور دروغ گو مکار کی توبہ کا اعتبار نہ کریں گے اگرچہ ہزار مجمع میں تائب ہو، امام ملک العلماء ابوبکر مسعود

کاشانی قدس سرہ الربانی بدائع میں فرماتے ہیں: ''جوکوئی دروغ گوئی یعنی جھوٹ بولنے میں مشہور ہوتو اس کے لئے کوئی عدالت نہیں لہذا کبھی بھی اس کی شہادت مقبول نہیں ہوسکتی اگرچہ تائب ہوجائے بخلاف اس شخص کے جس نے بھول کر جھوٹ کہہ دیا یا کبھی کبھار اس سے غلط بیانی ہوگئی پھر اس نے توبہ کرڈالی (تو اس کی شہادت توبہ کرنے کے بعد مقبول ہوگی، مترجم) اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا عالم ہے''۔ت)۔ص 141

*** حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل کہنا گمراہی ہے اور بعطائے الٰہی مالکِ نفع وضرر کہنے میں حرج نہیں، مسلمان جب ایسا لفظ کہتا ہے اس کی مراد یہی ہوتی ہے نہ یہ کہ معاذ اللہ بذاتِ خود بے عطائے الٰہی مالکِ نفع وضرر جانے کہ یہ کفرِ خالص ہے اور کوئی مسلمان اس قصد سے نہیں کہتا۔ص 150**

کاہنوں کو ہاتھ دکھلا کر تقدیر کا بھلا یا بُرا دریافت کرنے کا حکم

کاہنوں اور جوتشیوں سے ہاتھ دِکھا کر تقدیر کا بھلا بُرا دریافت کرنا اگر بطورِ اعتقاد ہو یعنی جو یہ بتائیں حق ہے تو کفرِ خالص ہے۔ اسی کو حدیث میں فرمایا: فقد کفر بما نزل علی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ بے شک اس سے انکار کیا جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتارا گیا۔(ت) اور اگر بطورِ اعتقاد وتیقُّن نہ ہو مگر میل ورغبت کے ساتھ ہو تو گناہِ کبیرہ ہے۔ اسی کو حدیث میں فرمایا: لم یقبل اللہ لہ صلوٰۃ اربعین صباحا۔ اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ فرمائے گا۔ اور اگر ہزل واستہزاء ہو تو عبث ومکروہ حماقت ہے۔ ہاں اگر بقصدِ تعجیز ہو تو حرج نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ص 155

نوجوان بیوہ عورتوں کے نکاحِ ثانی کو برا سمجھنے اور نکاحِ ثانی کرنے والوں پر طعن کرنا؟

نکاحِ ثانی کو برا سمجھنا اور اس پر طعن کرنا اگر محض بربنائے رسم ورواج ومصالحِ عرفیہ ہے نہ یوں کہ اسے شرعاً حرام جانیں یا شرعاً حلال جان کر تحلیلِ شرع کو برا سمجھے تو چنداں موردِ الزام نہیں ۔۔ جیسا کہ ہم نے اس مسئلہ کی بہت عمدہ تفصیل اپنے رسالہ عقائد التہانی فی حکم نکاح الثانی میں بیان کی ہے۔(ت) اور اگر اسے شرعاً حرام سمجھتا ہے تو حکمِ کفر ہے اور شرعاً حلال جان کر تحلیلِ شرع کو معاذ اللہ برا جانتا ہے تو صریح مرتد، واللہ تعالیٰ اعلم۔ص 156

والدین ناجائز بات کا حکم کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں

اطاعتِ والدین وبرادران واجب ہے یا فرض؟ اور درصورتِ ارتکاب ان کے یہ گناہ کبیرہ مثلاً زنا کرنا، چوری کرنا، داڑھی منڈانا، یا کتروانا، ترکِ اطاعت ہے یا اب بھی اطاعت کرنا چاہئے، اور اگر بعد ارتکاب کے لڑکا اپنے باپ سے یا چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے کہے کہ داڑھی منڈانا یا زنا کرنا یا چوری کرنا چھوڑ دو، اور اس کے جواب میں وہ کہے کہ یہ تو ضرور کروں گا۔ اس حالت میں طاعت کرے یا نہیں؟ اور اگر وہ شخص توبہ سے انکار کرے تو کافر ہوا یا نہیں؟

الجواب: اطاعتِ والدین جائز باتوں میں فرض ہے اگرچہ وہ خود مرتکبِ کبیرہ ہوں، ان کے کبیرہ کا وبال ان پر ہے مگر اس کے سبب یہ امورِ جائزہ میں ان کی اطاعت سے باہر نہیں ہوسکتا، ہاں اگر وہ کسی ناجائز بات کا حکم کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں۔ لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت (فرمانبرداری) نہیں۔(ت)

ماں باپ اگر گناہ کرتے ہوں تو ان سے بہ نرمی وادب گزارش کرے اگر مان لیں بہتر ورنہ سختی نہیں کرسکتا بلکہ غیبت میں ان کے لئے دعا کرے، اوران کا یہ جاہلانہ جواب دینا کہ یہ توضرور کروں گا یا توبہ سے انکار کرنا دوسرا سخت کبیرہ ہے مگر مطلقاً کفر نہیں جب تک حرامِ قطعی کو حلال جاننا یا حکمِ شرعی کی توہین کے طور پر نہ ہو اس سے بھی جائز باتوں میں ان کی اطاعت منع نہ کی جائے گی ہاں اگر معاذ اللہ یہ انکار بروجہِ کفر ہو تو وہ مرتد ہوجائیں گے اور مرتد کے لئے مسلمان پر کوئی حق نہیں رہا بڑا بھائی وہ ان احکام میں ماں باپ کا ہمسر نہیں، ہاں اسے بھی حقِ تعظیم حاصل ہے۔ اور بلا وجہ شرعی ایذارسانی تو کسی مسلمان کی حلال نہیں، اور اللہ تعالیٰ سب مخلوق سے زیادہ جانتا ہے۔ (ت) ۔ص 157

ہنودؤں کے میلوں میں جانے کا تفصیلی حکم

ان کا میلہ دیکھنے کے لئے جانا مطلقاً ناجائز ہے، اگر ان کا مذہبی میلہ ہے جس میں وہ اپنا کفر وشرک کریں گے کفر کی آوازوں سے چلائیں گے جب تو ظاہر ہے اور یہ صورت سخت حرام منجملہ کبائر ہے پھر یہ بھی کفر نہیں اگر کفری باتوں سے نافر ہے ہاں معاذ اللہ ان میں سے کسی بات کو پسند کرے یا ہلکا جانے تو آپ ہی کافر ہے اس صورت میں عورت نکاح سے نکل جائے گی اور یہ اسلام سے ورنہ فاسق ہے، اور فسق سے نکاح نہیں جاتا، پھر بھی وعید شدید ہے اور کفریات کو تماشا بنانا ضلال بعید ہے۔

اور اگر مذہبی میلہ نہیں لہو ولعب کا ہے جب بھی ناممکن کہ منکرات وقبائح سے خالی ہو اور منکرات کا تماشا بنانا جائز نہیں یعنی شعبدہ باز بھان متی بازیگر کے افعال حرام ہیں اور اس کا تماشا دیکھنا بھی حرام ہے کہ حرام کو تماشا بنانا حرام ہے خصوصاً اگر کافروں کی کسی شیطانی خرافات کو اچھا جانا تو آفت اَشد ہے اور اس وقت تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم کیا جائے گا۔

اور اگر تجارت کے لئے جائے تو اگر میلہ ان کے کفر وشرک کا ہے جانا ناجائز وممنوع ہے کہ اب وہ جگہ ان کا مَعبَد ہے اور معبدِ کفار میں جانا گناہ، اور اگر لہو ولعب کا ہے اور خود اس سے بچے نہ اس میں شریک ہو نہ اسے دیکھے نہ وہ چیزیں بیچے جو ان کے لہو ولعب ممنوع کی ہوں تو جائز ہے پھر بھی مناسب نہیں کہ ان کا مجمع ہر وقت محلِ لعنت ہے تو اس سے دوری ہی میں خیر وسلامت ہے ولہذا علماء نے فرمایا کہ ان کے محلہ میں ہو کر نکلے تو جلد لمکتا ہوا گزر جائے، اور اگر خود شریک ہو یا تماشا دیکھے یا ان کے لہو وممنوع کی چیز بیچے تو آپ ہی گناہ وناجائز ہے۔

ہاں ایک صورت جوازِ مطلق کی ہے وہ یہ کہ عالم انھیں ہدایت اور اسلام کی طرف دعوت کے لئے جائے جبکہ اس پر قادر ہو یہ جانا حسن ومحمود ہے اگر چہ ان کا مذہبی میلہ ہو ایسا تشریف لے جانا خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بارہا ثابت ہے مشرکین کا موسم بھی اعلانِ شرک ہوتا لبیک میں کہتے: لاشریك لك الا شریکا ھو لك تملکه وما ملك۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جس کا تو مالک ہے مگر وہ تیرا مالک نہیں۔ (ت) جب وہ سفہاء لاشریك تک پہنچتے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے: ویلکم قط قط خرابی ہو تمھارے لئے بس بس یعنی آگے استثنانہ بڑھاؤ، واللہ تعالیٰ اعلم ۔ص 158

جو سجدۂ تحیت بت یا چاند یا سورج کو کرتا ہے اس پر حکمِ کفر ہے

سجدۂ تحیت اگر بت یا چاند یا سورج کو کرتا ہے ضرور اس پر حکمِ کفر ہے، کفر اگر چہ عقدِ قلبی ہے مگر جس طرح اقوالِ زبان اس

پر دلیل ہوتے ہیں یوہیں بعض اَفعال بھی جن کو شریعت نے ٹھہرادیا ہے کہ یہ صادر نہیں ہوتے مگر کافر سے انھیں میں سے اشیاءِ مذکورہ کو سجدہ ہے یا معاذ اللہ مصحف شریف کو نجاست میں پھینک دینا یا کسی نبی کی شان میں گستاخی، جیسا کہ اس کی تصریح ہمارے متکلمین علماء نے (متعدد کتبِ عقائد) مثلاً المسایرہ، شروحِ مقاصد، المواقف اور فقہ اکبر وغیرہ میں (اچھے انداز سے) فرمائی ہے۔ (ت)

یوہیں تصویر اگر مشرکین کے معبودانِ باطل کی ہو تو اسے سجدہ کرنے پر بھی مطلقاً حکمِ کفر ہے۔ اس لئے کہ علت مشترک ہے (لہذا حکم بھی ایک ہے) بلکہ اس میں (یعنی تصویر) اور بت میں سوائے جسمانیت اور کوئی فرق نہیں (مراد یہ کہ وثن (بت) میں جسم ہے جبکہ عکسی اور نقشی تصویر میں جسم نہیں)۔ (ت)

اور اگر ایسی نہیں تو اسے سجدہ کرنا مطلقاً حرام وکبیرہ ہے مگر کفر نہیں جب تک بہ نیت عبادت نہ ہو، جس صورت پر حکمِ کفر نہیں اس پر تو حدیث وقولِ فقہ اکبر سے کوئی اِشتباہ ہی نہیں اور جن صورتوں پر حکمِ کفر ہے ان پر جواب ظاہر ہے اہلِ قبلہ وہی ہے کہ ضروریاتِ دین پر ایمان لاتا ہو اور کوئی قول وفعل قاطعِ ایمان اس سے صادر نہ ہو ورنہ صرف قبلہ کی طرف ہماری کی سی نماز پڑھنا اور ہمارا ذبیحہ کھانا بنصوصِ قطعیہ قرآن ایمان کے لئے کافی نہیں، منافقین یہ سب کچھ کرتے تھے اور یقیناً کافر تھے۔ قال تعالٰی {وَلَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى} وقال تعالٰی {اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ} الی اٰخر الرکوع الشریف، قال تعالٰی {وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ} اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ (اہلِ نفاق) نماز ادا نہیں کرتے مگر جی ہارے سستی سے، اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً آپ اللہ تعالٰی کے رسول ہیں، اور اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق نرے جھوٹے ہیں، آخر رکوع شریف تک (یہی ذکر ہے)۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر آپ ان سے پوچھیں (کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو) تو جھوٹ کہہ دیں گے یہ تو ہم ہنسی کھیل کررہے ہیں، (ان سے) فرمادیجئے: کیا اللہ تعالٰی، اس کی آیتوں اور اس کے رسول (گرامی) سے ہنسی مذاق کررہے ہو (یعنی کیا تم نے اتنا بھی نہ سوچا کہ اپنے مذاق کا محل کسی کو بنارہے ہو) لہذا اب بے جا بہانے نہ بناؤ کیونکہ اب تم اپنے ایمان کے بعد (کھلے) کافر ہوگئے ہو۔ (ت) مسئلہ شرح فقہ اکبر وردالمحتار وغیرہما میں مصرح ہے اور ہم نے تمہید ایمان وغیرہ میں بارہا اسے مفصل کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص163

* **قاضی کا رجسٹر شرعاً کوئی شرطِ نکاح نہیں، رجسٹر آج سے نکلے ہیں، پہلے نکاح کیونکر ہوتے تھے ہاں یادداشت کے لئے درج ہونا بہتر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص169**

جو کافر تلقینِ اسلام چاہے اسے تلقین فرض ہے اور اس میں دیر لگانا اَشد کبیرہ بلکہ اس میں تاخیر کو علماء نے کفر لکھا۔ ص172

جو شخص کہے کہ فتوٰی وہی ہے جو ہمارا دل گواہی دے، ایسا شخص شریعت کے نزدیک کیسا ہے؟

جاہل کیا اور جاہل کا دل کیا: نعم من کان عالما فقیھا مبصرا ماھرا متبحرا فھو مامور بقولہ صلی

اللہ تعالٰی علیہ وسلم استفت قلبك وان افتاك المفتون ۔ہاں اگر وہ عالم، فقیہ (یعنی قانونِ فقہ جاننے والا) بصیرت رکھنے والا علم میں مہارت اور تجربہ رکھنے والا اور علم کا سمندر ہو تو اسے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا کہ اپنے دل سے فتوی پوچھئے اگرچہ تمھیں مفتیانِ کرام کچھ فتوی دیں (ت)۔ص174

لڑکی مسلمان ہوگئی ہے اس کے سابقہ نکاح کا حکم

عورت جب مسلمان ہوجائے حکم یہ ہے کہ اس کے شوہر سے اسلام کے لئے کہا جائے اگر مان لے فبہا وہ اس کی عورت ہے اور نہ مانے تو اس کا یہ انکار کرنا اس نکاح کو ساقط کرتا ہے یہ حکم اس وقت ہے کہ حاکمِ اسلام اس پر اسلام پیش کرے اور وہ نہ مانے، جہاں حاکم اسلام نہیں عورت تین حیض کا انتظار کرے، اس مدت میں اگر وہ مسلمان نہ ہو نکاح زائل ہوجائے گا، بہر حال مسلمہ عورت پر کافر کو شرعاً کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا، واللہ تعالٰی اعلم ۔ص174

تحلیلِ حرام وتحریمِ حلال دونوں کفر ہیں

کتبِ عقائد میں تصریح ہے کہ تحلیلِ حرام وتحریمِ حلال دونوں کفر ہیں یعنی جو شے مباح ہو جسے اللہ ورسول نے منع نہ فرمایا اسے ممنوع جاننے والا کافر ہے جبکہ اس کی اباحت وحلت ضروریاتِ دین سے ہو یا کم اَز کم حنفیہ کے طور پر قطعی ہو ورنہ اس میں شک نہیں کہ بے منعِ خدا ورسول منع کرنے والا شریعتِ مطہرہ پر اِفتراء کرتا ہے اور اللہ عزوجل پر بہتان اُٹھاتا ہے اور اس کا ادنٰی درجہ فسقِ شدید وکبیرہ وخبیثہ ہے۔ص175

مباہلہ کیا ہے، اور وہ کس وقت، کس سے، کس طرح کیا جاتا ہے؟

مباہلہ یہ کہ دو فریق جمع ہوکر اپنا اپنا دعوٰی بیان کریں اور ہر فریق دعا کرے کہ ان دونوں میں جو جھوٹا ہو اس پر لعنتِ الٰہی ہو، یہ جائز ہے، اور اب تک مشروع ہے کما نص علیہ فی ردالمحتار (جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اس پر نص کی گئی ہے۔ت) مباہلہ ہر اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ اپنے قول کی حقانیت پر یقینِ قطعی ہو، مشکوک یا مظنون بات پر مباہلہ سخت جرأت ہے مثلاً ہم کسی شافعی المذہب سے اس امر پر مباہلہ نہیں کرسکتے کہ قرأت خلف الامام ناجائز ہے۔ نہ شافعی ہم سے مباہلہ کرسکتا ہے کہ واجب ہے۔ اور ہم اور وہ دونوں غیر مقلدوں سے اس پر مباہلہ کرسکتے ہیں کہ امام اَعظم وامام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہما ائمۂ دین ہیں اور ان کی تقلید جائز، واللہ تعالٰی اعلم ۔ص189

تصویر کے احکام

شک نہیں کہ ذی روح کی تصویر کھینچنی بالاتفاق حرام ہے اگرچہ نصف اَعلٰی بلکہ صرف چہرہ کی ہی ہو کہ تصویر چہرہ کا نام ہے۔ امام طحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح معانی الآثار میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی الصورۃ الرأس (سر کی تصویر کے لئے یہ حکم نہیں کیونکہ وہ جائز نہیں، اس لئے کہ تصویر چہرہ ہی کا نام ہے۔ت) اگرچہ ان کے پاس رکھنے میں خلاف ہے اور صحیح ومعتمد یہ ہے کہ ان کا بھی رکھنا حرام ہے جیسا پوری تصویر کا مگر جبکہ اتنی چھوٹی ہو کہ زمین پر رکھ کر کھڑے ہوکر دیکھنے سے اعضاء کی تفصیل

نظر نہ آئے یا ذلت وخواری کی جگہ مثلاً فرش پا انداز میں ہو یا چہرہ بگاڑ دیں کاٹ دیں محو کر دیں کہ ان صورتوں میں پوری تصویر بھی رکھنی جائز ہے یا ضرورت ومجبوری ہو جیسے سکہ کی تصویریں، اس کی کامل تحقیق ہمارے رسالہ "**عطایا القدیر فی حکم التصویر**" (اللہ تعالیٰ قدرت وطاقت رکھنے والے کی عطائیں تصویر کا حکم بیان کرنے میں۔ت) میں ہے اور ان صورتوں میں اگرچہ رکھنا جائز ہے کھینچنا ان کا بھی حرام ہے: اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کے متعلق متواتر حدیثوں میں مطلق نصوص وارد ہوئیں، اور پھر ائمۂ کرام نے متعدد کتابوں میں اس کو علی الاطلاق (بغیر کسی قید کے) ذکر فرمایا ہے۔(ت)

اور جس کا کھینچنا حرام ہے کھنچوانا بھی حرام ہے۔ شرع مطہرہ کا قاعدہ ہے: **ماحرم اخذہ حرم العطاؤہ** جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔(ت) **قال اللہ تعالٰی {وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ}**۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔(ت)

مگر مواضعِ ضرورت مستثنٰی رہتے ہیں، **الضرورات تبیح المحظورات** (ضرورتیں (مجبوریاں) ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔ت) اور حرجِ بیّن وضرورت ومشقتِ شدیدہ کا بھی لحاظ فرمایا گیا ہے۔ ہاں مجرد تحصیلِ منفعت کے لئے کوئی ممنوع مباح نہیں ہوسکتا مثلاً جائز نوکری تیس روپیہ ماہوار کی ملتی ہو اور ناجائز ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ کی تو اس ایک سو بیس روپے ماہانہ نفع کے لئے ناجائز کا اختیار حرام ہے۔

تصویر کھنچوانے میں معصیت بوجہ اِعانتِ معصیت ہے پھر اگر بخوشی ہو تو بلاشبہ خود کھینچنے ہی کی مثل ہے یونہی اگر اسے کھنچوانا مقصود نہیں بلکہ دوسرا مقصد مباح مثلاً کوئی جائز سفر، مگر قانوناً تصویر دینی ہوگی تو اگر وہ مقصد ضرورت وحاجتِ صحیحہ موجبِ حرام وضرر ومشقتِ شدیدہ تک نہ پہنچا جب بھی ناجائز کہ منفعت کے لئے ناجائز جائز نہیں ہوسکتا، اور اگر یہ حالت ہے تو ایسی صورت میں فعل کی نسبت فاعل پر مقتصر رہتی ہے اور یہ اس نیت سے بری اور اپنے اوپر سے دفعِ حرج وضرر کا قاصد ہونے کے سبب **{لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى}** (کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ت) اور **انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی** (یاد رکھو! اعمال کا مدار ارادوں پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔ت) کا فائدہ پاتا ہے۔

اہل وعیال کے پاس جانے یا انھیں لانے کی ضرورت ہے بیشک ضرورت ہے رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت ہرگز یہ حکم نہ دے گی کہ تصویر لیں گے تم یہیں رہو اور انھیں سمندر پار پڑا رہنے دو کہ نہ تم ان کی موت وحیات میں شریک ہوسکو نہ وہ تمھاری، تجارت اگر پہلے سے وہاں تھی اور اب اسے قطع کر کے مال وہاں سے لانے کے لئے ایک بار جانا ہے اگر نہ جائے تو مال جائے تو یہ بھی صورتِ اجازت ہے کہ شرع میں مال شقیقِ نفس ہے۔

اور اگر تجارت قائم رکھنے کو جانا ہے مگر ایک ہی بار کہ پھر وہیں توطّن کا ارادہ ہے یا بار بار، مگر تصویر اول ہی بار لی جائے گی تو یہ بھی جواز میں ہے کہ ایک بار جانے سے چارہ نہیں، اور اگر ہر بار تصویر دینی ہوگی تو دو صورتیں ہیں: **اول** یہ کہ اس کے پاس ذریعہ رزق وہی تجارت ہے اور وہ تجارت وہیں چلتی ہے، اگر یہاں مال اُٹھالائے بے کار رجائے یا نقصان شدید اٹھائے تو یہ بھی حرج وضرر کی صورت میں آ گیا **والحرج مدفوع**، اور اگر اس کے قطع میں معتد بہ ضرر نہیں یا وہ تجارت یہاں بھی چلے گی اگرچہ نفع

کم ملے گا توصرف بغرضِ قطع ایک بار جانے کی اجازت ہے دوبارہ کی نہیں کہ منفعت کے لئے ناروا، روا کرنا ناروا، **اِعلائے کلمۃ اللہ میں تین صورتیں ہیں** اگر کچھ کافروں نے وہاں سے اسے لکھا کہ ہم تمھارے ہی ہاتھ پر مسلمان ہوں گے آکر ہمیں مسلمان کرلو،تو لازم ہے کہ جائے کہ اس کے لئے فرض نماز کی نیت توڑ دینا واجب ہوتا ہے۔

یا وہاں کچھ کفار اسلام کی طرف مائل ہیں کوئی ہدایت کرنے والا ہو تو ظن غالب ہے کہ مسلمان ہوجائیں گے،اس صورت میں بھی اجازت ہوگی فان الظن الغالب ملتحق بالیقین (کیونکہ ظن غالب (یعنی غالب گمان) یقین کے ساتھ لاحق ہے۔ت) بلکہ اس صورت میں بھی وجوب چاہئے کہ ایسی حالت میں تاخیر جائز نہیں،کیا معلوم کہ دیر میں شیطان راہ مار دے اور یہ مستعدی جاتی رہے اور یہاں یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ کچھ میں ہی تو متعین نہیں کہ ہر ایک یہی خیال کرے گا توکوئی نہ جائے گا اور اگر یہ بھی نہیں عام کفار کی سی حالت ہے تو بحمد اللہ دعوتِ اسلام ایک ایک ذرۂ زمین کو پہنچ چکی، ولہذا اب قتالِ کفار میں تقدیمِ دعوت صرف مستحب ہے۔

اب یہ صرف منفعت کے درجہ میں آ گیا اس کے لئے اجازت نہ چاہئے، ہاں اگر معلوم ہو کہ وہاں ہنوز دعوتِ اسلام پہنچی ہی نہیں تو تبلیغ واجب ہے یہ صورت دوم کی مثل ہو کر اجازت میں رہے گا،ظاہر ہے کہ صورتِ سوال وہ نئی تازی،حال کی صورت ہے کہ کتب میں ہونا درکنار اس سے پہلے کبھی سننے ہی میں نہیں آئی ،فقیر نے جو کچھ ذکر کیا تفقھاً ہے اور مولیٰ تعالیٰ سے امید صواب وثواب ہے۔ص196

رسالہ: جلی النص فی اماکن الرخص

(مقامات رخصت کے بیان میں واضح نص)1337ھ۔ص201

قوادِفقیہ

ایک: اصل یہ ہے کہ درء المفاسد اھم من جلب المصالح مفسدہ کا دفع مصلحت کی تحصیل سے زیادہ اہم ہے۔

دوم: الضرورات تبیح المحظورات مجبوریاں ممنوع کو مباح کردیتی ہیں۔

سوم: من ابتلی ببلیتین اختار اھو نھما دو بلاؤں کا مبتلا ان میں ہلکی کو اختیار کرے۔

چہارم: الضرر یزال (نقصان کو دور کیا جاتا ہے۔ت) ضرر مدفوع ہے

پنجم: المشقۃ تجلب التیسیر مشقت آسانی لاتی ہے۔اور اسی کے معنی میں ہے ماضاق امر الا اتسع (کوئی معاملہ تنگ نہیں ہوا مگر اس میں کشادگی رکھی گئی۔ت) اس کا دائرہ ضرورت ومجبوری سے وسیع تر ہے۔

ششم: ماحرم اخذہ حرام اعطاؤہ جس کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام۔

ہفتم: انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی۔اعمال نیتوں پر ہیں اور ہر ایک کے لئے اس کی نیت۔ص203

علماء فرماتے ہیں: مراتب پانچ ہیں

(۱) ضرورت (۲) حاجت (۳) منفعت (۴) زینت (۵) فضول

فقیر بقدرِ فہم کلام عام کرے **فاقول**: (پس میں کہتا ہوں) پانچ چیزیں ہیں جن کے حفظ کو اقامتِ شرائعِ الٰہیہ ہے دین وعقل ونسب ونفس ومال۔ عبث محض کے سوا تمام افعال انھیں میں دورہ کرتے ہیں اب اگر فعل (کہ ترک بمعنی کف کو کہ وہی مقدور وزیرِ تکلیف ہے نہ کہ بمعنی عدم **کما فی الغمز** وغیرہ بھی شامل) اگر ان میں کسی کا موقوف علیہ ہے کہ بے اس کے یہ فوت یا قریبِ فوت ہوتو یہ مرتبہ ضرورت ہے جیسے دین کے لئے تعلمِ ایمانیات وفرائضِ عین، عقل ونسب کے لئے ترکِ خمر وزنا، نفس کے لئے اکل وشرب بقدرِ قیامِ بنیہ، مال کے لئے کسب ودفعِ غصب وامثالِ ذٰلک، اور اگر توقف نہیں مگر ترک میں لحوقِ مشقت وضرر وحرج ہے تو حاجت جیسے معیشت کے لئے چراغ کہ موقوف علیہ نہیں ابتدائے زمانۂ رسالت علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ (صاحبِ رسالت پر عمدہ درود اور ثناء ہو۔ ت) میں ان مبارک مقدس کاشانوں میں چراغ نہ ہوتا، مگر عامہ کے لئے گھر میں بالکل روشنی نہ ہونا ضرور باعثِ مشقت وحرج ہے، اور اگر یہ بھی نہ ہو مگر حصول مفید ہے نفسِ فائدہ مقصودہ اس سے حاصل ہوتا ہے، تو منفعت جیسے مکان کے ہر دالان میں ایک چراغ، اور اگر فائدہ مقصودہ کی تحصیل اس پر نہیں بلکہ ایک امرِ زائد زیب وزیبائش بقدرِ اعتدال کے لئے ہے تو زینت جیسے چراغ کی جگہ فانوس، اور اگر اس سے اتنا فائدہ بھی نہیں یا اس میں افراط اور خروج عن الحد ہے تو فضول جیسے بے کسی نیتِ محمودہ کے گھر میں چراغاں۔ ص205

* **اور زینت وفضول کے لیے کسی ممنوعِ شرعی کی اَصلاً رخصت نہ ہوسکنا بھی اِیضاح سے غنی جس پر اصلِ اول بدرجہ اَولیٰ دلیل وافی ورنہ احکام معاذ اللہ ہوائے نفس کا بازیچہ ہوجائیں بالجملہ مسائل بکثرت ہیں کہ محض منفعت مبیحِ ممنوع نہیں ہوسکتی۔ ص208**

مسجد کی اذان اور داڑھی کے ساتھ تمسخر کفر ہے

زید نے مؤذنِ مسجد کی اذان کے ساتھ تمسخر کیا یعنی لفظ ''حی علی الصلوٰۃ'' سن کر یوں مضحکہ اُڑایا ''بھیّا لٹھ چلا'' تو؟

(۱) اذان سے استہزاء ضرور کفر ہے اگر اذان ہی سے اس نے استہزاء کیا تو بلاشبہہ کافر ہوگیا، اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، یہ اگر پھر مسلمان ہو اور عورت اس سے نکاح کرے اس وقت وطی حلال ہوگی ورنہ زنا، اور عورت اگر بلا اسلام ونکاح اس سے قربت پر راضی ہو وہ بھی زانیہ ہے اور اگر اذان سے استہزاء مقصود نہ تھا بلکہ خاص اس مؤذن سے بایں وجہ کہ وہ غلط پڑھتا ہے تو اس حالت میں زید کو تجدیدِ اسلام وتجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

زید نے داڑھی کے متعلق کہا: ''میں داڑھی نہیں رکھوں گا مجھے ان خفاش پَروں کی ضرورت نہیں'' تو؟

(۲) داڑھی کے ساتھ استہزاء بھی ضرور کفر ہے، زید کا ایمان زائل اور نکاح باطل اور عذرِ جہل غلط وعاطل کہ زید نہ کسی دُور دَراز پہاڑ کی تلی کا رہنے والا ہے نہ ابھی تازہ ہندو سے مسلمان ہوا ہے کہ اسے نہ معلوم ہو کہ داڑھی شعارِ اسلام ہے اور شعار اسلام سے استہزاء اسلام سے استہزاء ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ اس سے نکاح ٹوٹ جانا نہ جانتا ہو، مگر اس کا نہ جاننا اس کے نکاح کو محفوظ نہ رکھے گا شیشے پر پتھر پھینکے شیشہ ضرور ٹوٹ جائے گا اگرچہ یہ نہ جانتا ہو کہ اس سے ٹوٹ جاتا ہے۔ ص215

ہمزاد کیا ہے؟ اس کی تسخیر کے لئے عمل کرنا کیسا ہے؟

ہمزاد اَز قسم شیاطین ہے۔ وہ شیطان کہ ہر وقت آدمی کے ساتھ رہتا ہے وہ مطلقاً کافر ملعون اَبدی ہے سوا اس کے جو حضور

اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھا وہ برکتِ صحبتِ اقدس سے مسلمان ہوگیا، اس کی تسخیر جو سفلیات سے ہو وہ تو حرام قطعی بلکہ اکثر صورتوں میں کفر ہے کہ بے ان کے خوشامد اور مدائح ومرضیات کے نہیں ہوتی، اور جو علویات سے ہو تو اگرچہ بصولت وسطوت ہے مگر اس کا ثمرہ غالباً اپنے کاموں میں شیطان سے ایک نوعِ استعانت سے خالی نہیں ہوتا کہ وہ غلبہ قاہرہ کہ: {وَ مَنۡ یَّزِغۡ مِنۡهُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِیۡرِ} اور ان میں سے جو کوئی اس کے حکم سے منہ پھیرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔(ت) جو استجابتِ دعا{هَبۡ لِیۡ مُلۡکًا لَّا یَنۡۢبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ} (مجھے ایسی بادشاہی دے ڈال جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ت) سے تاشی ہر ایک کو کہاں نصیب اور بالفرض نہ بھی ہو تو کافر شیطان کی مخالطت ضرور مورثِ تغیرِ احوال وحدوثِ ظلمت، حضرت سیدنا شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ کم از کم وہ ضرر کہ صحبتِ جن سے ہوتا ہے یہ کہ آدمی متکبر ہوجاتا ہے والعیاذ باللہ، تو راہِ سلامت اس سے بُعد ومجانبت ہی میں ہے، رب عزوجل تو اس دعا کا حکم دے کہ {اَعُوۡذُ بِكَ رَبِّ اَنۡ یَّحۡضُرُوۡنِ} (اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس حاضر ہوں۔ت) اور یہاں یہ رَٹ لگائی جائے کہ حاضر شو حاضر شو والعیاذ باللّٰہ تعالٰی واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ (حاضر ہوجا، حاضر ہوجا، اور اللہ تعالٰی کی پناہ، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ت)۔ص216

دستِ غیب اور مصلے کے نیچے سے اشرفی وغیرہ کا نکلنا صحیح ہے یا نہیں؟

ہاں صحیح ہے مگر اس عملداری میں کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ دستِ غیب کے نہایت درجہ کا حاصل اب صرف فتوحِ ظاہرہ ووسعتِ رزق ہونا ہے۔ پھر اگر دستِ غیب اس طرح ہو کہ جن کو تابع کرکے اس کے ذریعہ سے لوگوں کے مالِ معصوم منگوائے جائیں تو اشد سخت حرام کبیرہ ہے اور اگر سفلیات سے ہو تو قریب بکفر اور علویات سے ہو تو خود یہ شخص مارا جائے گا یا کم از کم پاگل ہوجائے گا یا سخت سخت امراض وبلایا میں گرفتار ہو، اعمال علویہ کو ذریعہ حرام بنانا ہمیشہ ایسے ثمرے لاتا ہے اور اس کے حرام قطعی ہونے میں کیا شبہہ ہے۔قال اللّٰہ تعالٰی {وَ لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ} اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔ت) اور اگر کسی دوسرے کی ملکِ معصوم نہ لائی جاتی ہو بلکہ خزانہ غیب سے اس کو کچھ پہنچایا جائے یا مالِ مباح غیرِ معصوم اور وہ جن کہ مسخر کیا جائے مسلمان ہو نہ کہ شیطان، اور اعمال علویہ سے ہو نہ کہ سفلیہ سے اور اسے منگا کر مصارفِ محمودہ یا مباحہ میں صرف کرے، نہ کہ معاذ اللہ حرام واسراف میں، تو یہ عمل جائز ہے، اور جو اس طریقے سے ملے اس کا صرف کرنا بھی جائز کہ جس طرح کسبِ حلال کے اور طُرق ہیں اسی طرح ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ دستِ غیب کا سب سے اعلٰی عمل قطعی عمل، یقینی عمل، جس میں تخلف ممکن نہیں اور سب اعمال سے سہل تر خود قرآنِ عظیم میں موجود ہے، لوگ اسے چھوڑ کر دشوار دشوار ظنیات بلکہ وہمیات کے پیچھے پڑتے ہیں اور اس سہل وآسان یقینی وقطعی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔قال اللّٰہ تعالٰی {وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّ یَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ} ۔اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: جو اللہ سے ڈرے تقوٰی وپرہیزگاری کرے اللہ تعالٰی عزوجل ہر مشکل سے اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہوگا۔

اور دستِ غیب کسے کہتے ہیں! اسی طرح لوگ عملِ حُب کے پیچھے خستہ وخوار پھرتے ہیں، اور نہیں ملتا، اور حُب کا سہل ویقینی قطعی عمل قرآنِ عظیم میں مذکور ہے اس کی غرض نہیں کرتے۔ قال اللہ تعالٰی {اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا} اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے قریب ہے کہ رحمان ان کے لئے محبت کردے گا (دلوں میں ان کی حب ڈال دے گا) (ہم اللہ تعالٰی سے حسنِ توفیق مانگتے ہیں۔ت)۔ص218

نصیر الدین طوسی شیعہ کا عقیدہ

طوسی کا رفض حدِ کفر نہ تھا بلکہ اس نے حتی الامکان اپنے اگلوں کے کفر کی تاویلات کیں، اور نہ بن پڑی تو منکر ہوگیا اور اس کی ایسی توجیہ گناہ ضرور ہے اور منطقی فلسفی شراح ومحشین معصوم نہیں جہاں جہاں اس نے خلافِ اہلسنت کیا ہے اس کا رد کردیا گیا واللہ تعالٰی اعلم۔ص220

کواکبِ فلکی کے اثراتِ سعد ونحس پر عقیدت رکھنا کیسا ہے؟ اور تعویذات میں عامل کو ان کی رعایت کہاں تک درست ہے؟

مسلمان مطیع پر کوئی چیز نحس نہیں اور کافروں کے لئے کچھ سعد نہیں، اور مسلمان عاصی کے لئے اس کا اسلام سعد ہے۔ طاعت بشرطِ قبول سعد ہے۔ معصیت بجائے خود نحس ہے اگر رحمت وشفاعت اس کی نحوست سے بچالیں بلکہ نحوست کو سعادت کردیں، {اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ} (یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالٰی ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیتا ہے۔ت) بلکہ کبھی گناہ یوں سعادت ہوجاتا ہے کہ بندہ اس پر خائف وترساں وتائب وکوشاں رہتا ہے وہ دُھل گیا اور بہت سی حسنات مل گئیں، باقی کواکب میں کوئی سعادت ونحوست نہیں اگر ان کو خود مؤثر جانے مشرک ہے اور ان سے مدد مانگے تو حرام ہے ورنہ ان کی رعایت ضرور خلافِ توکل ہے۔ص223

عالمِ دین کو برا کہنا؟

عالمِ دین کو برا کہنا اگر اس کے عالمِ دین ہونے کے سبب ہے تو کفر ہے اور عورت نکاح سے باہر، خواہ برا کہنے والا خود عالم ہو یا جاہل، اور عالم سنی العقیدہ کی توہین جاہل کو جائز نہیں، اگرچہ اس کے عمل کیسے ہی ہوں، اور بدمذہب وگمراہ اگرچہ عالم کہلاتا ہو اسے برا کہا جائے گا مگر اسی قدر جتنے کا وہ مستحق ہے۔ اور فحش کلمہ سے ہمیشہ اجتناب چاہیے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ص294

ماتھے پر قشقہ (ٹیکا) لگانا خاص شعارِ کفر ہے اور اپنے لئے جو شعارِ کفر پر راضی ہو اس پر لزومِ کفر ہے۔ص296

کالج ومدرسہ میں استاذ کی ملازمت

کالج ہو یا مدرسہ جس کی ملازمت اعانتِ کفر یا ضلال یا حرام کے لئے ہو باختلافِ اَحوال کفر یا ضلال یا حرام اور جو ملازمت اس سے پاک ہو اس میں حرج نہیں، اور اگر کوئی عالم خدا شناس خدا ترس، سنی المذہب، حامی دین، ایسی جگہ تعلیم کی ملازمت اس نیت سے کرے کہ کفریات سے طلبہ کو بچاؤں گا ان کا رد ذہن نشین کروں گا گمراہی کی طرف نہ جانے دوں گا، اور ایسا

ہی کرے تو اس کے لئے اجرِ عظیم ہے۔ وہ بازار میں ذاکر کے مثل ہے کہ اموات میں زندہ ہے نہیں نہیں بلکہ جو موت کے منہ میں ہیں انھیں زندگی کی طرف لانے والا۔ص 267

کالج ہو یا مدرسہ اگرچہ کیسا ہی دینی کہلاتا ہو اعتبار تعلیم کا ہے اگر اس میں دینِ اسلام یا مذہبِ اہلسنت یا شریعتِ مطہرہ کے خلاف تعلیم دی جاتی تلقین کی جاتی ہے تو اس کی امداد بھی حرام اور اس میں پڑھنا پڑھوانا بھی حرام، مدرسے جو اسی مدرسہ دیو بند کی فاسد شاخیں ہیں ان سب میں امداد قطعاً حرام اور پڑھنا پڑھانا حرام قاطعِ اسلام، اب علی گڑھ کے متعدد پڑھے ہوئے مسلمان پائے لیکن دیوبند اور اس کی شاخوں کا رنگ جس پر چڑھا وہ اللہ و رسول کو گالیاں دینے والا مرتد ہی نظر پڑا۔ص 266

- **مدینہ طیبہ میں مجاورت ہمارے ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے کہ حفظِ آداب نہ ہو سکے گا۔ص 297**
- **ذبحِ بقر کو خونِ ناحق کہنا کلمہ کفر ہے اور اس کی بخشش نہ جاننا ضلالت و گمراہی اور اس پیشے کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ص 299**

رسالہ: برکات الامداد لاھل الاستمداد
(مدد طلب کرنے والوں کے لئے امداد کی برکتیں)۔ص 300

رسالہ: فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ
(لفظ شہنشاہ کا مفہوم اور یہ کہ بیشک محبوبانِ خدا کا بعطاءِ الٰہی دلوں پر قبضہ ہے)۔ص 339

- **اولیاءِ کرام کے دلوں پر تصرفات۔ص 385**

آثارِ مقدسہ اور ان سے تبرک و توسل

رسالہ: بدر الانوار فی اٰداب الاٰثار (آثار مقدسہ کے آداب کے بارے میں روشنیوں کا ماہِ کامل)

تبرکِ آثارِ شریفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے شہرت کافی ہے

فی الواقع آثارِ شریفہ حضور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تبرک سلفاً و خلفاً زمانۂ اقدس حضور پُرنُور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک بلانکیر رائج و معمول اور باجماعِ مسلمین مندوب و محبوب بکثرت احادیثِ صحیحہ و صحیح بخاری و مسلم وغیرہما صحاح و سنن و کتبِ حدیث اس پر ناطق جن میں بعض کی تفصیل فقیر نے کتاب "البارقة الشارقة علی مارقة الشارقة" میں ذکر کی اور ایسی جگہ ثبوتِ یقینی یا سندِ محدثانہ کی اَصلاً حاجت نہیں اس کی تحقیق و تنقیح کے پیچھے پڑنا اور بغیر اس کے تعظیم و تبرک سے باز رہنا سخت محرومی کم نصیبی ہے ائمۂ دین نے صرف حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے اس شے کا معروف ہونا کافی سمجھا ہے اسی طرح طبقۃً فطبقۃً شرقاً غرباً عجماً عرباً علمائے دین وائمہ معتمدین نعلِ مطہر حضور سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام کے نقشے کاغذوں پر بناتے کتابوں میں تحریر فرماتے آئے اور انھیں بوسہ دینے آنکھوں سے لگانے سر پر رکھنے کا حکم فرماتے رہے اور دفعِ امراض و حصولِ اغراض میں اس سے توسل فرمایا کئے، اور بفضلِ الٰہی عظیم و جلیل برکات و آثار اس سے پایا کئے۔ص 412

رسالہ: شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ

(محبوب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آپ کے مزار اور آپ کے نعلینِ مقدسہ کے نقشوں میں غمزدہ کی شفاء)۔ص 425

*** تصویر کی حرمت پر دلائل۔ص 426**

تصوف وطریقت وبیعت وسجادہ نشینی وغیرہ تصورِ شیخ، مراقبہ، پیری مریدی کے آداب نیز سچے اور جھوٹے پیر کا بیان

وہ قوم فلاں نہ پائے گی جنھوں نے کسی عورت کو والی بنایا

اولیائے کرام کا اجماع ہے کہ داعی الی اللہ کا مرد ہونا ضرور ہے لہذا سلف صالحین سے آج تک کوئی عورت نہ پیر بنی نہ بیعت کیا۔ حضور پُرنُور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لن یفلح قوم ولو امرھم امرأۃ رواہ الائمۃ احمد والبخاری والترمذی والنسائی عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ ہرگز وہ قوم فلاں نہ پائے گی جنھوں نے کسی عورت کو والی بنایا۔ص 494

رسالہ: مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء

(علماء اور شریعت کی افضلیت پر اہلِ معرفت کا کلام)۔ص 521

طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے ورنہ بے اتباعِ شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سنیاسیوں کو ہوتے ہیں، پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں اسی نارِ جحیم وعذابِ الیم تک پہنچاتے ہیں۔ص 524

رسالہ: الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ (وہ یاقوت جو خالص عقد رابطہ کا ذریعہ ہے)۔ص 569

بھنویں منڈانا حرام ہے

داڑھی منڈانا حرام ہے بھنویں منڈانا حرام ہے۔ مرد ہو کر کانوں میں مُندرے پہننا حرام ہے شانوں سے نیچے ڈھلکے ہوئے عورتوں کے سے بال رکھنا حرام ہے مرد کو زنانی وضع کی کوئی بات اختیار کرنا حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے اور جو اللہ ورسول کا ملعون ہو پیشوا نہیں ہوسکتا اس کا مرید ہونا حرام ہے بات یہ ہے کہ عورت کے رحم میں دو خانے ہیں دہنا خانہ لڑکے کے لئے اور بایاں لڑکی کے واسطے، اور نطفہ مرد کا غالب آئے تو لڑکا بنتا ہے اور عورت کا غالب پڑا تو لڑکی بنتی ہے پھر اگر مرد کا نطفہ غالب آیا اور رحم کے سیدھے خانے میں پڑا تو لڑکا ہوگا، ظاہر وباطن مرد اور عورت کا نطفہ غالب آیا اور رحم کے بائیں خانے میں پڑا تو لڑکی ہوگی ظاہر وباطن عورت اور اگر نطفہ مرد کا غالب آیا اور رحم کے بائیں خانے میں گرا تو ہوگا صورت میں لڑکا، مگر دل میں زنانہ، اسے داڑھی منڈانے گہنا پہننے، ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانے، عورتوں کے سے بال بڑھا کر چوٹی گندھوانے یا جوڑا باندھنے یا بکھرے ہوئے رکھنے، کلیوں دار غرارہ دار پائچہ پہننے، سرخ نیفہ ڈالنے وغیرہ وغیرہ کسی زنانی وضع کا شوق ہوگا اور اس حالت میں مرد کا نطفہ خفیف غالب تھا تو بالکل زنانہ زنخہ بن جائے گا اور اگر نطفہ عورت کا غالب آیا اور رحم کے دہنے خانے

میں گرا ہو تو ہوگی صورت میں لڑکی مگر دل میں مردانی، اسے انگرکھا پہننے، ٹوپی رکھنے، عمامہ باندھنے، گھوڑے پر چڑھنے، تلوار اُٹھانے، تیراندازی کرنے، مردانہ جوتا پہننے وغیرہ وغیرہ کسی مردانی وضع کا ذوق ہوگا بہرحال یہ دونوں خانے بہکے ہوئے اللہ ورسول کے ملعون ہیں۔ص600

جنوں سے گفتگو کی خواہش

ملائکہ سے ملاقات اور کلام کے لئے ولایت درکار، اور ولایت کسبی نہیں محض عطائی ہے۔ ہاں کوشش اور مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہ دکھاتے ہیں جنوں سے مکالمہ کی خواہش اور مصاحبت کی تمنا اَصلاً خیر نہیں۔ کم سے کم جو اس کا ضرر ہے یہ کہ آدمی متکبر ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ، نے تصریح فرمائی اور قرآنِ عظیم میں ہے کہ متکبروں کا ٹھکانا جہنم، والعیاذ بہ تعالٰی ھو تعالٰی اعلم۔ص606

شرب وطعام دعوتِ ولیمہ، مہمانی، ذبیحہ، شکار، گوشت وغیرہا سے متعلق مسائل

جس درخت کو پاخانہ وغیرہ کے ناپاک پانی دئے گئے ہوں اس کا میوہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بلاکراہت جائز ہے۔ یہی مذہب ہے اکثر فقہاء کا فی ردالمحتار عن ابی مسعود الزروع المسقیۃ بالنجاسات لاتحرم ولاتکرہ عند اکثر الفقہاء انتہی، واللہ تعالٰی اعلم۔ فتاوی شامی میں ابومسعود کے حوالے سے ہے کہ جن کھیتوں کو ناپاک پانیوں سے سیراب کیا گیا تو وہ اکثر فقہاء کے نزدیک حرام اور مکروہ نہیں (ت)۔ص608

کافر ہندوؤں سے تحفے لینے کا حکم

حضور اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کافروں کے ہدیے قبول بھی فرمائے اور رد بھی فرمائے۔

اس بارہ میں تحقیق یہ ہے کہ یہ امر مصلحتِ وقت وحالتِ ہدیہ آرندہ وہدیہ گیرندہ پر ہے اگر تالیفِ قلب کی نیت ہے اور امید رکھتا ہے کہ اس سے ہدایا وتحائف لینے دینے کا معاملہ رکھنے میں اسے اسلام کی طرف رغبت ہوگی تو ضرور لے اور اگر حالت ایسی ہے کہ نہ لینے میں اسے کوفت پہنچے گی اور اپنے مذہبِ باطل سے بیزار ہوگا تو ہرگز نہ لے، اور اگر اندیشہ ہے کہ لینے کے باعث معاذ اللہ اپنے قلب میں کافر کی طرف سے کچھ میل یا اس کے ساتھ کسی امرِ دینی میں نرمی ومداہنت راہ پائے گی تو اس ہدیہ کو آگ جانے اور بیشک تحفوں کا رغبت ومحبت پیدا کرنے میں بڑا اثر ہوتا ہے اور اگر نہ کچھ مصلحت ہو نہ کچھ اندیشہ تو مباح ہے چاہے لے چاہے نہ لے پھر ان کا پکایا ہوا یا ہدیہ دیا ہوا گوشت تو حرام ہے جب تک اپنے سامنے جانور ذبح ہوکر بغیر نگاہ سے غائب ہوئے سامنے نہ پکا ہو اور اس کے سوا پکائی ہوئی چیزیں اور بازار کی مٹھائی دودھ دہی گھی ملائی سب کا ایک حکم ہے کہ فتوی جواز اور تقوی احتراز۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ص622

مہمان کا کھانے میں عیب نکالنا کیسا؟

کھانے میں عیب نکالنا اپنے گھر پر بھی نہ چاہئے مکروہ وخلافِ سنت ہے عادتِ کریمہ یہ تھی کہ پسند آیا تو تناول فرمایا ورنہ

نہیں اور پرائے گھر عیب نکالنا تو مسلمانوں کی دل شکنی ہے اور کمال حرص و بے مروّتی پر دلیل ہے۔ گھی کم ہے یا مزہ کا نہیں یہ عیب نکالنا ہے اور اگر کوئی شے اسے مضر ہے اسے نہ کھانے کے عذر کے لئے اس کا اظہار کیا نہ کہ بطورِ طعن وعیب، مثلاً اس میں مرچ زائد ہے میں اتنی مرچ کا عادی نہیں تو یہ عیب نکالنا نہیں اور اتنا بھی بے تکلفی خاص کی جگہ ہو اور اس کے سبب دعوت کنندہ کو اور تکلیف نہ کرنی پڑے مثلاً دو قسم کا سالن ہے ایک میں مرچ زائد ہے اور یہ عادی نہیں تو اسے نہ کھائے اور وجہ پوچھی جائے بتادے، اور اگر ایک ہی قسم کا کھانا ہے اب اگر نہیں کھاتا تو دعوت کنندہ کو اس کے لئے کچھ اور منگانا پڑے گا اسے ندامت ہوگی اور تنگدست ہے تو تکلیف ہوگی، ایسی حالت میں مروّت یہ ہے کہ صبر کرے اور کھائے اور اپنی اَذیت ظاہر نہ کرے، واللہ تعالٰی اعلم۔ ص652

بغیر بلائے دعوت میں شرکت کا وبال

بلا دعوت جو دعوت میں جائے اسے صحیح حدیث میں فرمایا: چور بن کر گیا اور لٹیرا ہو کر نکلا خصوصاً جبکہ دعوت عام نہ ہو تو معہود ومعروف سے زائد آدمی لے جانا سخت ناجائز ہے مثلاً جو لوگ عادی ہیں کہ بے آدمی کے ساتھ لئے ہوئے کہیں نہیں جاتے ان کی جو دعوت کرے گا آپ جانے گا کہ ساتھ آدمی ہوگا **المعروف کالمشروط** (جو بات لوگوں کے عرف اور رواج میں مشہور ہے وہ طے شدہ شرط کی طرح ہے۔ت) ہاں اگر کسی بے تکلفی والے نے دعوت کی اور کچھ حاجتمند ہیں کہ یہ ان کو ساتھ لے گیا اور ان کا بار اس پر نہ پڑے گا خواہ یوں کہ دسترخوان وسیع ہے اور دل فراخ یا یوں کہ ان کی کفالت یہ خود کرے گا اور اسے ناگوار نہ ہوگا تو حرج نہیں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما نے غزوہ خندق میں حضور اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دعوت کی اور دو صاحبوں کے قابل کھانا پکایا، جب یہ دعوت کو عرض کرنے گئے ہیں حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بآوازِ بلند ارشاد فرمایا کہ اہلِ خندق! جابر تمھاری ضیافت کرتا ہے، وہ ایک ہزار صحابہ کرام تھے رضی اللہ تعالٰی عنہم، اور جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: جب تک ہم تشریف نہ لائیں کھانا نہ اتارا جائے۔ ص652

دعوتِ ولیمہ کا قبول کرنا سنتِ مؤکدہ ہے

دعوتِ ولیمہ کا قبول کرنا سنتِ مؤکدہ ہے جبکہ وہاں کوئی معصیت مثلِ مزامیر وغیرہا نہ ہو نہ اور کوئی مانع شرعی ہو، اور اس کا قبول وہاں جانے میں ہے، کھانے نہ کھانے کا اختیار ہے باقی عام دعوتوں کا قبول اَفضل ہے جبکہ نہ کوئی مانع ہو نہ کوئی اس سے زیادہ اہم کام ہو، اور خاص اس کی کوئی دعوت کرے تو قبول کرنے نہ کرنے کا اسے مطلقاً اختیار ہے۔ ص655

جو اہلِ کتاب کو کافر نہ جانے خود کافر ہے

شرع مطہر میں ہر غیر مسلم کافر ہے یہودی ہو یا نصرانی یا مجوسی یا مشرک، جو اہلِ کتاب کو کافر نہ جانے خود کافر ہے اللہ تعالٰی عزوجل فرماتا ہے: {اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا} بیشک وہ جو کافر ہیں کتابی اور مشرک، سب جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور فرماتا ہے: {لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ} بیشک کافر ہیں وہ جو مسیح ابن مریم کو خدا کہتے ہیں۔ ص665

شارحین کی تقییدات معتبر ہوں گی

تقییدِ مطلق و تخصیصِ عمومات و تفصیلِ مجمل و توضیحِ مبہامات منصبِ شراح ہے اسی غرض کے لئے وضعِ شروح ہے وہ اس سے مبائن نہ سمجھے جائیں گے بلکہ مبیِّن۔ص672

اہلِ ہنود کی اشیاءِ خوردنی کا استعمال ایک مسلمان کے لئے کہاں تک جائز ہے؟

اشیائے خوردنی جو شریعت نے حلال فرمائی ہیں حلال ہیں ہنود کی کوئی تخصیص نہیں کہ وہ چیزیں خاص ہندوؤں کے کھانے کی ہیں ہاں ہندو کے یہاں کا کھانا اگر گوشت ہے حرام ہے اور اس کے سوا اور چیزیں مباح ہیں، جب تک ان کی حرمت یا نجاست تحقیق نہ ہو، اور بچنا اَولیٰ۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص668

* ہندو کے یہاں کا گوشت حرام ہے۔ یونہی اگر گھی میں چربی ملی ہوتو ہندو سے خریدنا بھی حرام ہے۔ص650

حلال مادہ جانور سے نر حرام جانور جفتی کرے جو بچہ اس سے پیدا ہو خواہ بشکلِ مادہ یا نر یا دونوں کی شکل ہو وہ بچہ حرام ہوگا یا حلال؟

الجواب: مادہ جب حلال ہے تو بچہ حلال ہے کہ جانور میں نسب ماں سے ہے نہ کہ باپ سے، **وھو الصحیح کما فی الھدایۃ وغیرھا**۔ص640

شادی میں دَف تاشہ بجانا درست ہے یا نہیں؟

دف کہ بے جلاجل یعنی بغیر جھانجھ کا ہو اور تال سم کی رعایت سے نہ بجایا جائے اور بجانے والے نہ مرد ہوں نہ ذی عزت عورتیں، بلکہ کنیزیں یا ایسی کم حیثیت عورتیں اور وہ غیرِ محلِ فتنہ میں بجائیں تو نہ صرف جائز بلکہ مستحب و مندوب ہے۔ **للامر بہ فی الحدیث والقیود مذکورۃ فی ردالمحتار وغیرہ شرحناھا فی فتاوٰنا**۔ حدیث میں مشروط دف کے بجانے کا حکم دیا گیا اور اس کی تمام قیود کو فتاوٰی شامی وغیرہ میں ذکر کر دیا گیا اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تشریح کر دی ہے۔ (ت) اس کے سوا اور باجوں سے اَحتراز کیا جائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص643

شادی میں لڑکیوں کا گانا درست ہے یا نہیں؟

جواری کا اطلاق لڑکوں اور چھوکریوں دونوں پر آتا ہے کنیزوں کا گانا کہ محض طبعی طور پر ہو، نہ قواعدِ موسیقی پر تعلیم کیا ہوا اور اس میں فحش وغیرہ کوئی امر خلافِ شرع نہ ہو، نہ اس میں فی الحال فتنہ ہو نہ آئندہ فتنے کا اندیشہ ہو، محلِ سرور مثلِ نکاح وعیدین میں مضائقہ نہیں رکھتا اور بہت چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اگر بطورِ خود کچھ آوازیں نکالیں جو غیر مردوں کو نہ پہنچے تو یہ بھی فی نفسہ ایسا منکر نہیں جس پر شرعاً مواخذہ ہو اور اپنی حیثیت وعزت وعرف وعادت کے اختلاف سے یہاں اختلاف ہوجائے گا۔ص644

سود خوار کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

جو چیز بعینہٖ سود میں آئی ہو مثلاً گیہوں یا چاول، اس کا کھانا بلاشبہہ حرام ہے اور اگر سود کے روپے سے خریدی گئی یوں کہ وہ

روپیہ دکھا کر کہا گیا کہ اس کے بدلے دے دے اور پھر وہی روپیہ قیمت میں دے دیا تو یہ چیز بھی ناجائز ہوگئی، اور اگر ایسا نہیں تو حرمت نہیں، مگر سود خوار کے یہاں کھانے سے احتراز مناسب ہے اور شبہہ کے مال سے زیادہ احتراز چاہئے مگر حرمت نہیں جب تک معلوم نہ ہو، وارث اگر جانتا ہے کہ فلاں روپیہ سود کا ہے تو اسے لینا جائز نہیں مورث نے جس سے لیا تھا اسے واپس دے یا تَصَدُّق کرے اور اگر کسی معین روپے کی نسبت علم نہیں اتنا جانتا ہے کہ اس میں اس قدر روپے حرام کے ہیں تو اتنا روپیہ مستحق کو پہنچائے، اور اگر یہ بھی نہیں معلوم تو لینے والے پر وبال اور اس کے لئے حلال۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ ص658

پیشہ تصویر سے اکل وشرب کیسا ہے؟

تصویرِ حرام کے پیشہ سے اکل وشرب جائز نہیں کہ وہ کسبِ خبیث ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ ص658

✻ حلال جانور کا کچا پکا انڈہ سب حلال ہے۔ ہاں وہ کہ خون ہوجائے نجس وحرام ہے۔ ص667

جلد نمبر 22
ظروف وزیورات انگوٹھی سونے، چاندی، تانبے، پیتل اور لوہے وغیرہ کے استعمال سے متعلق مسائل

شیخ محقق مولنا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: سونے اور چاندی کے استعمال کرنے میں اصل حرمت ہے۔(ت)ص112

کانچ کی چوڑیاں عورتوں کو پہننا جائز ہیں؟

الجواب: جائز ہیں لعدم المنع الشرعی (اس لئے کہ کوئی شرعی مانع نہیں۔ت) بلکہ شوہر کے لئے سنگار کی نیت سے مستحب وانما الاعمال بالنیات (اعمال کا مدار ارادوں پر ہے۔ت) بلکہ شوہر یا ماں یا باپ کا حکم ہوتو واجب (اس لئے کہ والدین اورشوہر کی نافرمانی حرام ہےاورشوہر کی فرمانبرداری بسلسلۂ حقوقِ زوجیت واجب ہے(ت)۔ص115

عورتوں کوسونے چاندی کا زیور پہننا

عورتوں کوسونے چاندی کا زیور پہننا جائز ہے بلکہ عورت کا اپنے شوہر کے لئے گہنا پہننا، بناؤ سنگار کرنا باعثِ اجرِعظیم اور اس کے حق میں نمازِنفل سے افضل ہے بعض صالحات کہ خوداوران کے شوہر دونوں صاحب اولیاء کرام سے تھے ہر شب بعد نمازِ عشا پورا سنگار کر کے دُلھن بن کر اپنے شوہر کے پاس آتیں اگرانھیں اپنی طرف حاجت پاتیں حاضر رہتیں ورنہ زیور ولباس اُتار کر مصلّے بچھاتیں اور نماز میں مشغول ہوجاتیں اور دلھن کوسجانا تو سنتِ قدیمہ اور بہت احادیث سے ثابت ہے بلکہ کنواری لڑکیوں کو زیور ولباس سے آراستہ رکھنا کہ ان کی منگنیاں آئیں۔ یہ بھی سنت ہے۔ بلکہ عورتوں کا باوصفِ قدرت بالکل بے زیور رہنا مکروہ ہے کہ مردوں سے تشبہ ہے۔ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورت کا بے زیور نماز پڑھنا مکروہ جانتیں اور فرماتیں ''کچھ نہ پائے تو ایک ڈورا ہی گلے میں باندھ لے''۔

بجنے والا زیورعورت کے لئے اس حالت میں جائز ہے کہ نامحرموں مثلاً خالہ، ماموں، چچا، پھوپھی کے بیٹوں، جیٹھ، دیور، بہنوئی کے سامنے نہ آتی ہو نہ اس کے زیور کی جھنکار نامحرم تک پہنچے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:{وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ} الاٰیۃ۔عورتیں اپنا سنگار شوہر یا محرم کے سوا کسی پر ظاہر نہ کریں۔اور فرماتا ہے:{وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ} عورتیں پاؤں دھمک کر نہ رکھیں کہ ان کا چھپا ہوا سنگار ظاہر ہو۔

فائدہ: یہ آیہ کریمہ جس طرح نامحرم کو گہنے کی آواز پہنچنا منع فرماتی ہے یونہی جب آواز نہ پہنچے اس کا پہننا عورتوں کے لئے جائز بتاتی ہیں کہ دھمک کر پاؤں رکھنے کو منع فرمایا نہ کہ پہننے کو بخلاف جہلِ وہابیہ کہ بجتا گہنا پہننا ہی حرام کہتے ہیں۔ص126

وہ اشیاء جن پر سونے چاندی کا پانی چڑھا ہو جسے گلٹ کہتے ہیں مرد استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

کر سکتا ہے۔ سونے یا چاندی کا پانی وجہ ممانعت نہیں ہاں اگر وہ شے فی نفسہ ممنوع ہو تو دوسری بات ہے جیسے سونے کا ملمع کی ہوئی تانبے کی انگوٹھی، واللہ تعالٰی اعلم۔ ص129

(۱) لڑکیوں کو زیور کے لئے کان چھدوانے کا کوئی خاص حصہ مقرر ہے یا جس حصہ میں زیور پہننا چاہیں وہ حصہ چھدوا سکتی ہیں؟

(۲) عورتیں ناک کا پھول دہنی طرف پہنیں یا بائیں؟

الجواب: (۱) کوئی خاص حصہ مقرر نہیں ہاں مشابہتِ کفار سے بچنا ضرور ہے بعض طریقے خاص کفار کے یہاں ہیں جسے یہاں انوٹ کہتے ہیں ان سے بچیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) اس میں کوئی تخصیص شرعی نہیں جدھر چاہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص130

سونے چاندی کا استعمال مرد کو مطلقاً حرام نہیں

اور سونے چاندی کا استعمال مرد کو مطلقاً حرام ہو یہ صحیح نہیں، شرع مطہر نے جہاں بے شمار صورتوں کی ممانعت فرمائی ہے وہاں بہت سی صورتوں کی اجازت بھی دی ہے۔ مثلاً:

(۱) سونے کی گھنڈیاں (۲) سونے کا تکمہ (۳) انگوٹھی کے نگ میں سونے کی کیل (۴) چاندی کی انگوٹھی کی انگشتری میں سونے کے دندانے۔ (۵) کواڑوں یا صندوقچی یا قلمدان وغیرہا میں سونے کی گل میخیں برنجیں اور خود یہ چیزیں سونے چاندی کی ہوں تو عورتوں کو بھی ناجائز یہ بعینہٖ اس صورت کی نظریں ہیں کہ انگرکھا کرتا تاش بادلے کا حرام اور گھنڈی بوتام سونے کے روا کہ یہ قلیل وتابع ہیں۔ (۶) یوہیں چاندی سونے کے کام کے دوشالے چادر کے آنچلوں، عمامے کے پلوؤں، انگرکھے، کرتے، صدری، مرزائی وغیرہا کی آستینوں، دامنوں، چاکوں، پردوں، تولیوں، جیبوں پر ہوں گریبان کا کنٹھا، شانوں پشت کے پان ترنج، ٹوپی کا طرہ، مانگ، گوٹ پر کام، جوتے کا کنٹھا، گچھا، کسی چیز میں کہیں کیسی ہی متفرق بوٹیاں یہ سب جائز ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی تنہا چار انگل کے عرض سے زائد نہ ہو اگرچہ متفرق کام ملا کر دیکھیں تو چار انگل سے بڑھ جائے اس کا کچھ ڈر نہیں کہ یہ بھی تابع قلیل ہے، اور اگر کوئی بیل بوٹا تنہا چار انگل عرض سے زیادہ ہو تو ناجائز کہ اگرچہ تابع ہے مگر قلیل نہیں اور کوئی مستقل چیز بالکل مغرق یا ایسے گھنے کام کی ہو کہ مغرق معلوم ہو تو بھی ناروا اگرچہ خود اس کی ہستی ایک ہی انگل عرض کی ہو کہ یہ اگرچہ قلیل ہے مگر تابع نہیں جیسے ریشم یا لچکے پٹھے کے تعویذ یا ریشمی کمر بند یا جوتے کی اڈیوں پنجوں پر مغرق کام یا ریشم یا سونے چاندی کے کام سے مغرق ٹوپی، ہاں ایک قول پر آنچل پلو مطلقاً حلال ہیں خواہ کتنے ہی چوڑے ہوں اس میں کار چوبی دوشالے یا بنارسی عمامے والوں کے لئے بہت وسعت ہے مگر زیادہ قوت اسی پہلے قول کو ہے کہ چار انگل سے زیادہ نہ ہو، واضح ہوا کہ چاندی سونے کے کام بشرائطِ مذکورہ ہر طرح جائز ہیں خواہ اصل کپڑے کی بناوٹ میں ہوں یا بعد کی کلابتوں کامدانی وغیرہ سے بنائے جائیں خواہ کوئی جدا چیز جیسے فیتوں، لیس، پیچک، بانکڑی وغیرہا ٹانکی جائے، ہاں یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ عورتوں یا بدوضع آوارہ فاسقوں کی مشابہت نہ پیدا ہو، مثلاً مرد کو چولی دامن میں گوٹا پٹھا ٹانکنا مکروہ ہو گا اگرچہ چار انگلی سے زیادہ نہ ہو کہ وضع خاص فساق بلکہ زنانوں کی ہے۔ علماء فرماتے ہیں

اگر کوئی شخص فاسقانہ وضع کے کپڑے یا جوتے سلوائے (جیسے ہمارے زمانے میں نیچری وردی) تو درزی اور موچی کو ان کا سینا مکروہ ہے کہ یہ معصیت پر اعانت ہے اس سے ثابت ہوا کہ فاسقانہ تراش کے کپڑے یا جوتے پہننا گناہ ہے۔(۷) وہ کپڑے پہننے جن پر سونے چاندی کے پانی سے لکھا ہو جائز ہے(۸) یوہی جائز الاستعمال برتنوں وغیرہ پر ان کا ملمع (۹) اسی طرح کسی چیز میں چاندی سونے کے تار پتر جڑے ہونا بشرطیکہ وہ شیء جس عضو سے استعمال میں آتی ہے اس عضو کی جگہ سے جُدا ہوں مثلاً گلاس یا کٹورے میں وہاں منہ لگا کر پانی نہ پئیں، تخت، پلنگ، کرسی، کاٹھی میں موضعِ نشست پر نہ ہوں، رکاب میں پاؤں ان پر نہ رہے لگام، تلوار، نیزہ، تیر کمان، بندوق قلم، آئینہ کے گھر میں ہاتھ کی گرفت سے الگ ہوں، ڈبی پوزی میں چاندی سونے کے پھول جائز کہ وہ جسم لگنے کی جگہ نہیں، چھڑی میں نیچے کی شام روا اوپر کی ناجائز کہ وہ ہاتھ رکھنے کی جگہ ہے، حقہ میں چاندی سونے کی مہنال حرام کہ پینے میں اس سے منہ لگتا ہے مگر دہن نے سے نیچے سِرکی ہو کہ اسے منہ ہاتھ نہ لگایا جائے تو روا ہو علی ھذا القیاس اشیائے کثیرہ جنھیں بعدِ علم قاعدہ فہیم آدمی سمجھ سکتا ہے اسی قلیل سے تھیں کواڑوں، صندوق، قلمدان، انگوٹھی کے نگ میں سونے کی کیلیں جن کا ذکر اوپر گزرا۔

یہاں تک جن چیزوں کا جواز بیان ہوا یہ سب اور ان کے سوا بعض اور بھی چاندی سونے دونوں کی جائز ہیں اور بعض اشیاء وہ ہیں کہ سونے کی حرام اور چاندی کی جائز انھیں میں انگشتری ہے، شرعاً چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی کہ وزن میں ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو پہننا جائز ہے اگرچہ بے حاجتِ مُہر اس کا ترک اَفضل ہے، اور مہر کی غرض سے خالی جواز نہیں بلکہ سنت ہے ہاں تکبر یا زنانہ پن کا سنگار یا اور کوئی غرض مذموم نیت میں ہو تو ایک انگوٹھی کیا اس نیت سے اچھے کپڑے پہننے بھی جائز نہیں اس کی بات جُدا ہے، یہ قید ہر جگہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ سارا دارومدار نیت پر ہے۔(۱۰) یوہیں چاندی کی پیٹی (۱۱) کمر بند (۱۲) تلوار کا پرتلا جائز (۱۳) ہلتے دانتوں میں چاندی کا تار باندھنا۔(۱۴) افتادہ دانت کی جگہ چاندی کا دانت لگانا جائز، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک سونے کے تار اور دانت بھی روا۔(۱۵) صاحبین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما حالتِ جہاد میں سونے چاندی کے خود، زِرہ، دستانے بھی جائز رکھتے ہیں مگر امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ناجائز۔ص 131 تا 144

(لباس و وضع و قطع، لحاف، توشک، عمامہ، ٹوپی، جوتے، وضع قطع اور رنگ وغیرہ سے متعلق)

پاجامہ پہننا بلاشبہہ مستحب بلکہ سنت ہے

اصل سنتِ مستمرہ فعلیہ حضور پُرنُور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین اِزار یعنی تہبند ہے اگرچہ ایک حدیث میں مروی ہوا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور پُرنُور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ سے عرض کیا: حضور پاجامہ پہنتے ہیں؟ فرمایا ہاں سفر وحضر میں شب و روز پہنتا ہوں اس لئے کہ مجھے ستر کا حکم ہوا ہے میں نے اس سے زیادہ ساتر کسی شئ کو نہ پایا مگر یہ حدیث بشدت ضعیف ہے یہاں تک کہ حافظ ابوالفرج ابن جوزی نے اپنی عادت کے مطابق اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔(ت)

ہاں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسے خریدنا بسندِ صحیح ثابت ہے اور ظاہر یہی ہے کہ خریدنا پہننے ہی کے لئے ہوگا، بہر

حال اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم زمانۂ اقدس میں باذنِ اقدس پاجامہ پہنتے امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزِ شہادت پاجامہ پہنے ہوئے تھے ایک حدیث میں ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام روزِ مکالمۂ طور اُون کا پاجامہ پہنے ہوئے تھے۔ **رواہ الترمذی** دوسری حدیث میں ہے کہ سب میں پہلے جس نے پاجامہ پہنا ابراھیم خلیل اللہ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ ہیں، **رواہ ابو نعیم** تیسری حدیث میں ہے حضور پُرنُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت سے پاجامہ پہننے والی عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کی اور مردوں کو تاکید فرمائی کہ خود بھی پہنیں اور اپنی عورتوں کو بھی پہنائیں کہ اس میں ستر زیادہ ہے۔ **رواہ الترمذی** بالجملہ پاجامہ پہننا بلاشبہہ مستحب بلکہ سنت ہے، (اگر فعلی سنت نہ بھی ہو تو قولی سنت ضرور ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو کم اَز کم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقریری سنت تو لامحالہ ہے۔ جیسا کہ تم نے جان بھی لیا۔ ت)۔ ص158

پائنچوں کا کعبین (ٹخنوں) سے نیچا ہونا

پائنچوں کا کعبین سے نیچا ہونا جسے عربی میں اِسبال کہتے ہیں اگر براہِ عُجب وتکبر ہے تو قطعاً ممنوع وحرام ہے اور اس پر وعید شدید وارد، اور اگر بوجہِ تکبر نہیں تو بحکم ظاہر احادیث مردوں کو بھی جائز ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میری ازار ایک جانب سے لٹک جاتی ہے۔ فرمایا: تو ان میں سے نہیں جو ایسا براہِ تکبر کرتا ہو۔ بالجملہ اِسبال اگر براہِ عُجب وتکبر ہے حرام ورنہ مکروہ اور خلافِ اَولیٰ، نہ حرام مستحقِ وعید، اور یہ بھی اسی صورت میں ہے کہ پائچے جانبِ پاشنہ نیچے ہوں، اور اگر اس طرف کعبین سے بلند ہیں گو پنجہ کی جانب پشت پا پر ہوں ہرگز کچھ مضائقہ نہیں، اس طرح کا لٹکانا حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، ہاں اس میں شبہہ نہیں کہ نصف ساق تک پائچوں کا ہونا بہتر وعزیمت ہے اکثر اِزارِ پر انوار سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہیں تک ہوتی تھی۔ ص164

لباسِ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضور پُرنُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرتہ شریف کتنا نیچا تھا اور گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا یا دائیں بائیں اور چاک مبارک کھلی تھی یا یا دوختہ، اور بٹن لگے تھے یا گھنڈیاں اور کون سی رنگت کا مرغوب تھا؟

قمیص مبارک نیم ساق تک تھا اور کم طول کا بھی وارد ہے گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا، دامن کے چاک کھلے ہونا ثابت ہے کہ ان پر ریشمی کپڑے کی گوٹ تھی اور گوٹ کھلے ہوئے چاکوں پر لگاتے ہیں، اس زمانہ میں گھنڈی تکمے ہوتے جن کو زرو عروہ کہتے بٹن ثابت نہیں، نہ ان میں کوئی حرج ہے، رنگ سبز وسرخ بھی ثابت ہے اور محبوب تر سفید۔ ص171

عمامہ شریف کا شملہ اور لمبائی اور باندھنے کا مسنون طریقہ

عمامۂ اَقدس کے طول میں کچھ ثابت نہیں، امام ابن الحاج مکی سات ہاتھ یا اس کے قریب کہتا ہے، اور حفظِ فقیر میں کلماتِ علماء سے ہے کہ کم اَز کم پانچ ہاتھ ہو اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہاتھ، اور شیخ عبدالحق کے رسالہ لباس میں اکتیس ہاتھ تک لکھا ہے، اور ہے یہ کہ یہ امر عادت پر ہے جہاں علماء وعوام کی جیسی عادت ہو اور اس میں کوئی محذورِ شرعی نہ ہو اس قدر اختیار کریں۔ ص171

* عمامہ میں سنت یہ ہے کہ ڈھائی گز سے کم نہ ہو نہ چھ گز سے زیادہ، **اور اس کی بندش گنبد نما ہو جس طرح فقیر باندھتا ہے۔** عرب شریف کے لوگ جیسا کہ اب باندھتے ہیں طریقہ سنت نہیں اسے اعتجار کہتے ہیں کہ بیچ میں سر کھلا ہے، اور اعتجار کو علماء نے مکروہ لکھا ہے۔ص186

* شملے کی اَقل مقدار چار انگشت ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ اور بعض نے نشت گاہ تک رخصت دی یعنی اس قدر کہ بیٹھنے سے موضعِ جلوس تک پہنچے، اور زیادہ راجح یہی ہے کہ نصف پشت سے زیادہ نہ ہو جس کی مقدار تقریباً وہی ایک ہاتھ ہے، حد سے زیادہ داخلِ اسراف ہے اور بہ نیتِ تکبر ہو تو حرام، یونہی نشست گاہ سے بھی نیچا مثلاً رانوں یا زانوں تک یہ سخت شنیع وممنوع، اور بعض انسان بدوضع آوارہ رندوں کی وضع ہے، ڈیڑھ ہاتھ کا شملہ اگر بہ نیتِ تکبر نہ ہو تو اسے حرام کہنا نہ چاہئے، خصوصاً اس حالت میں کہ بعض علماء نے موضعِ جلوس تک بھی اجازت دی مگر حرام کہنے والے کو گنہگار بھی نہ کہیں گے جبکہ اس نے حرام بمعنی عام یعنی ممنوع لیا ہو جو مکروہِ تحریمی کو شامل ہے۔ص182

* حدیث سے میرے خیال میں ہے کہ خود حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو شملے چھوڑے ہیں، خیال ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سر پر دستِ اقدس سے عمامہ باندھا اور دو شملے چھوڑے، اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سر پر اپنے دستِ اَنور سے عمامہ باندھنا اور آگے پیچھے دو شملے چھوڑنا سننِ ابی داوٗد میں ہے، تو یہ سنت ہوا نہ کہ معاذ اللہ بدعتِ سیئہ، **فقیر اسی سنت کے اِتباع سے بارہا دو شملے رکھتا ہے** مگر شملہ ایک بالشت سے کم نہ ہونا چاہئے یہ جو بعض لوگ طرہ کے طور پر چند انگل اونچا سر پر چھوڑتے ہیں اس کا ثبوت میری نظر میں نہیں نہ کہیں ممانعت تو اباحتِ اصلیہ پر ہے، مگر اس حالت میں کہ یہ کسی شہر میں آوارہ وفساق لوگوں کی وضع ہو تو اس عارض کے سبب اس سے احتراز ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص199

* حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر بات میں دہنی طرف سے ابتداء کو پسند فرماتے یہاں تک کہ جوتا پہننے میں۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ عمامہ کا پہلا پیچ سر کی دہنی جانب جائے۔ص199

نیا کپڑا یا جوتا استعمال کرنے پر کیا پڑھے اور کون سے روز استعمال کرے؟ درزی کو کون سے روز سلنے کو دے؟

الجواب: بسم اللہ کہہ کر پہنے اور پہن کر پڑھے۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا وَ رَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ**۔ (سب تعریف اور ستائش اس اللہ تعالٰی کے لئے ہے جس نے مجھے یہ لباس پہنایا اور میری قوت وطاقت (بچاؤ وتحفظ کے بغیر مجھے اس کے پہننے کی توفیق بخشی (ت)۔ اور کپڑے کے استعمال یا درزی کو دینے کے لئے کوئی خصوصیت نہیں، ہاں منگل کے دن کپڑا قطع نہ کیا جائے۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ''جو کپڑا منگل کے روز قطع کیا جائے وہ جلے یا ڈوبے یا چوری ہو جائے'' **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص184

سرخ، سبز، نیلا، پیلا اس رنگ کے کپڑے؟

عورت کو ہر قسم کا رنگ جائز ہے جب تک اس میں کوئی نجاست نہ ہو، اور مرد کے لئے دو رنگوں کا اِستثناء ہے۔ معصفر اور مزعفر یعنی کسم اور کیسر، یہ دونوں مرد کو ناجائز ہیں اور خالص شوخ رنگ بھی اسے مناسب نہیں۔

باقی رنگ فی نفسہٖ جائز ہیں کچے ہوں یا پکے ہاں اگر کوئی کسی عارض کی وجہ سے ممانعت ہوجائے تو وہ دوسری بات ہے جیسے ماتم کی وجہ سے سیاہ لباس پہننا حرام ہے۔ص185

قاعدہ کلیہ لباس پہننے میں

قاعدہ کلیہ لباس پہننے میں یہ ہے کہ اس میں تین امور کی رعایت کرنی چاہئے۔

ایک یہ کہ اصل میں اس کا استعمال کرنا جائز ہو مثلاً جیسے ریشمی یا سنہری لباس یا سرخ یا زرد، زعفرانی رنگ کا لباس کہ علی الاطلاق مرد کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔

(دوسری بات) ستر کی رعایت ہو اس لباس میں کہ جس کا ستر سے تعلق ہے جیسے مرد کئے لئے زیرِ جامہ اور آزاد عورتیں سر سے لے کر پاؤں تک غیر محرم (اجنبی) مردوں کے سامنے مکمل لباس پہنے ہوں البتہ محرم مردوں کے رُوبرو، پشت اور ناف سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک پردہ پوش ہوں، ہاں اگر تنہا شوہر کے پاس ہو تو پھر اہتمامِ ستر کی کوئی ضرورت نہیں لیکن اگر شرم وحیاء مانع ہو تو الگ بات ہے اور اس کے ذیلی پہلوؤں میں سے یہ بھی ہے کہ لباس محلِ ستر پر کچھ اس طرح چسپاں ہو کہ اس عضو کی ہیئت نہ دکھائی دے۔جیسا کہ فتاوٰی شامی میں ذکر فرمایا اور میں نے اس کے حواشی میں اس کی تحقیق کردی۔

(تیسری بات) لباس کی وضع کا لحاظ رکھا جائے کہ کافروں کی شکل وصورت اور فاسقوں کے طرز وطریقے پر نہ ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ ان کا مذہبی شعار ہو جیسے ہندوؤں کا زنار پس (اس) کا استعمال کفر ہے اور اگر ان کے مذہب کا شعار تو نہیں لیکن ان کی قوم کا خصوصی لباس ہے تو اس صورت میں بھی اس کا استعمال ممنوع (ناجائز ہے) چنانچہ حدیث صحیح میں فرمایا: جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ اسی میں شمار ہے (ت)۔ص190

تنگ لباس کا حکم

سا ترِ عورت کا ایسا چست ہونا کہ عضو کا پورا انداز بتائے یہ بھی ایک طرح کی بے ستری ہے۔حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو پیشگوئی فرمائی کہ نساء کاسیات عاریات ہوں گی کپڑے پہنے ننگیاں، اس کی وجوہِ تفسیر سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کپڑے ایسے تنگ چست ہوں گے کہ بدن کی گولائی فربہی انداز اوپر سے بتائیں گے جیسے بعض لکھنؤ والیوں کی تنگ شلواریں چست کرتیاں۔ص163

دیکھنا اور چھونا پردہ، حجاب، سترعورت، زناء، مشت زنی، دیوثی، خلوت اور بلوغ وغیرہ سے متعلق

پردہ کے باب میں پیر وغیر پیر ہر اجنبی کا حکم یکساں ہے جوان عورت کو چہرہ کھول کر بھی سامنے آنا منع ہے اور بڑھیا کے لئے جس سے احتمالِ فتنہ نہ ہو مضائقہ نہیں مگر ایسے خاندان کی نہ ہو جس کا یوں بھی سامنے آنا اس کے اولیاء کے لئے باعثِ ننگ وعار یا خود اس کے واسطے وجہِ انگشت نمائی ہو خصوصاً جبکہ اس کے سبب جانبِ اَقربا سے احتمالِ ثورانِ فساد ہو۔ص205

اپنی عورتوں کو بے پردہ طوائفوں کے سامنے کرنا اور نابالغ بچوں کو فحش گیت گانے یا فحش کلام کرنے سے منع نہ کرنا کس درجہ کا گناہ ہے؟

اپنی عورتوں کو رنڈیوں کے سامنے بے پردہ وحجاب کرنے والے، ان سے میل ملاقات کرانے والے یا سخت احمق مجنون بدعقل ہیں یا نرے بے حیا بے غیرت بے شرم، عورت موم کی ناک بلکہ رال کی پُڑیاں بلکہ بارُود کی ڈبیا ہے آگ کے ایک ادنٰی سے لگاؤ میں بھق سے ہوجانے والی ہے، عقل بھی ناقص اور دین بھی ناقص اور طینت میں کجی اور شہوت میں مرد سے سوحصہ بیشی، اور صحبتِ بد کا اثر مستقل مردوں کو بگاڑ دیتا ہے پھر ان نازک شیشوں کا کیا کہنا، جو خفیف ٹھیس سے پاش پاش ہوجائیں، یہ سب مضمون یعنی عورات کا ناقصات العقل والدین اور کج طبع اور شہوت میں زائد اور نازک شیشیاں ہونا صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوئے ہیں اور صحبتِ بد کے اثر میں تو بکثرت احادیثِ صحیحہ وارد ہیں۔

فحش گیت شیطانی رسم اور کافروں کی رِیت ہے، شیطان ملعون بے حیا ہے اور اللہ عزوجل کمال حیا والا، بے حیائی کی بات سے حیا والا ناراض ہوگا اور وہ بے حیاؤں کا استاد انھیں اپنا مسخرہ بنائے گا، یونہی بےضرورت وحاجتِ شرعیہ لوگوں سے فحش کلامی بھی ناجائز وخلافِ حیاء ہے، بچپن سے جو عادت پڑتی ہے کم چھوٹتی ہے تو اپنے نابالغ بچوں کو ایسی ناپاکیوں سے نہ روکنا ان کے لئے معاذ اللہ جہنم کا سامان تیار کرنا اور خود سخت گناہ میں گرفتار ہونا ہے۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو نیک عادتوں کی توفیق دے اور بری عادتوں بری باتوں سے پناہ بخشے آمین۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ ص212

دیور اور بہنوئی سے پردہ ہے

جیٹھ، دیور، بہنوئی، پھپا، خالو، چچازاد، ماموں زاد، پھپی زاد، خالہ زاد بھائی یہ سب لوگ عورت کے لئے محض اجنبی ہیں بلکہ ان کا ضرر نرے بیگانے شخص کے ضرر سے زائد ہے کہ محض غیر آدمی گھر میں آتے ہوئے ڈرے گا اور یہ آپس کے میل جول کے باعث خوف نہیں رکھتے عورت نرے اجنبی شخص سے دَفعۃً میل نہیں کھاسکتی اور ان سے لحاظ ٹوٹا ہوتا ہے ولہذا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غیر عورتوں کے پاس جانے کو منع فرمایا ایک صحابی انصاری نے عرض کی یا رسول اللہ! جیٹھ دیور کے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا: **الحمو الموت** (جیٹھ دیور تو موت ہیں۔ت) رہا اس پر طعن کرنا اور نئی رسم بتانا یہ حکمِ خدا ورسول پر طعنہ ہے، ان لوگوں کو اپنے ایمان کی فکر چاہیۓ اور حکمِ شرع کے مطابق اپنی ناجائز رسم کی سند پکڑنی اور جاہل بزرگوں کا حوالہ دینا یہ کافروں کی خصلت تھی ان سب پر توبہ فرض ہے۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص217

رسالہ: مروج النجاء لخروج النساء (عورتوں کے نکلنے کے بارے میں خلاصی کی چراگاہیں)

چند اصول وفوائد ملحوظِ خاطر عاطر رہیں کہ بعونہٖ عزمجدہ شقوقِ مذکورہ وغیر مزبورہ سب کا بیانِ مبین اور فہمِ حکم کے مؤید ومعین ہوں وباللہ التوفیق

اول: اصل کلی یہ ہے کہ عورت کا اپنے محارم رجال خواہ نساء کے پاس ان کے یہاں عیادت یا تعزیت یا اور کسی مندوب یا مباح دینی یا دنیوی حاجت یا صرف ملنے کے لئے جانا مطلقاً جائز ہے جبکہ منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو مثلاً بے ستری نہ ہو، مجمعِ فساق نہ ہو،

تقریب ممنوعِ شرعی نہ ہو، ناچ یا گانے کی محفل نہ ہو، زنانِ فواحش وبیباک کی صحبت نہ ہو، چوبے شربت کے شیطانی گیت نہ ہوں، سمدھنوں کی گالیاں سننا سنانا نہ ہو، نامحرم دولھا کو دیکھنا دکھانا نہ ہو، رتجگے وغیرہ میں ڈھول بجانا گانا نہ ہو۔

دوم: اجانب کے یہاں جہاں کے مردوزن سب اس کے نامحرم ہوں شادی غمی زیارت عیادت ان کی کسی تقریب میں جانے کی اجازت نہیں اگرچہ شوہر کے اذن سے، اگر اذن دے گا خود بھی گنہگار ہوگا سوا چند صُوَرِ مفصلہ ذیل کے، اوران میں بھی حتی الوسع تستُّر وتحرُّز اور فتنہ سے تحفُّظ فرض۔

سوم: کسی کے مکان سے مراد اس کا مکانِ سکونت ہے نہ مکانِ مِلک مثلاً اجنبی کے مکان میں بھائی کرایہ پر رہتا ہے جانا جائز بھائی کے مکان میں اجنبی عاریۃً ساکن ہے جانا ناجائز۔

چہارم: محارم میں مردوں سے مراد وہ ہیں جن سے بوجہ علاقۂ **(عـــہ ۱)** [1] جزئیت ہمیشہ ہمیشہ کو نکاح حرام کہ کسی صورت سے حلت نہیں ہوسکتی نہ بہنوئی یا پھوپھا یا خالو کہ بہن پھوپھی خالہ کے بعد ان سے نکاح ممکن علاقۂ جزئیت رضاع ومصاہرت کو بھی عام مگر زنانِ جوان خصوصاً حسینوں کو بلاضرورت ان سے احتراز ہی چاہئے۔

اور برعکس رواجِ عوام بیاہیوں کو کنواریوں سے زیادہ کہ ان میں نہ وہ حیا ہوتی ہے، نہ اتنا خوف، نہ اس قدر لحاظ اور نہ ان کا وہ رعب، نہ عامہ محافظین کو اس درجہ ان کی نگہداشت اور ذوق چشیدہ کی رغبت انجان نادان سے کہیں زائد، **لیس الخبر کالمعاینۃ** (خبر معائنہ کی طرح نہیں ہوتی۔ت) تو ان میں موانع ہلکے اور مقتضی بھاری اور صلاح وتقوٰی پر اِعتماد سخت غلط کاری، مرد خود اپنے نفس پر اعتماد نہیں کرسکتا اور کرے تو جھوٹا **اذ لاحول ولاقوۃ الا باللہ** نہ کہ عورت جو عقل ودین میں اس سے آدھی اور رغبت نفسانی میں سوگُنی، ہر مرد کے ساتھ ایک شیطان اور ہر عورت کے ساتھ دو ایک آگے اور ایک پیچھے، (اللہ عزیز ورحمن بچائے۔ یا اللہ! میں تجھ سے دنیا وآخرت میں اپنے لئے اور تمام مومنین ومومنات کے لئے معافی وعافیت طلب کرتا ہوں آمین! ت)

پنجم: محرم عورتوں سے وہ مراد کہ دونوں میں جسے مرد فرض کیجئے نکاح حرام اَبدی ہو ایک جانب سے جریان کافی نہیں مثلاً ساس بہو تو باہم نامحرم ہی ہیں کہ ان میں جسے مرد فرض کریں دوسرے سے بیگانہ ہے سوتیلی ماں بیٹیاں بھی آپس میں محرم نہیں کہ اگرچہ بیٹی کو مرد فرض کرنے سے حرمت ابدیہ ہے کہ وہ اس کے باپ کی مدخولہ ہے مگر ماں کو مرد فرض کرنے سے محض بیگانگی کہ اب وہ اس کے باپ کی کوئی نہیں۔

ششم: رہے وہ مواضع جو محارم واجانب کسی کے مکان نہیں اگر وہاں تنہائی وخلوت ہے تو شوہر یا محرم کے ساتھ جانا ایسا ہی ہے جیسے اپنے مکان میں شوہر ومحارم کے ساتھ رہنا اور مکان قید وحفاظت ہے کہ ستر وتحفظ پر اطمینان حاصل اور اندیشہائے فتنہ یکسر زائل تو یوں بھی حرج نہیں اس قید کے بعد استثناء یک روزہ راہ کی حاجت نہیں کہ بے معیتِ شوہر یا محرم عاقل بالغ قابلِ اعتماد حرام ہے

---

[1]: عـــہ ۱: اراد الحد المتفق علیہ من ائمتنا واحترزبہ عن اللعان عند ابی یوسف فانہ عندہ حرمۃ ابدیۃ۔

اگرچہ محلِ خالی کی طرف، وجہ یہ ہے کہ عورت کا تنہا مقام دور کو جانا اندیشۂ فتنہ سے عاری نہیں تو وہی قید اس کے اِخراج کو کافی، اور اگر مجمع محلِ جلوت ہے تو بے حاجتِ شرعی اجازت نہیں خصوصاً جہاں فضولیات وبطالات وخطیّات وجہالت کا جلسہ ہو جیسے سیر و تماشے، باجے تاشے، ندیوں کے پن گھٹ، ناؤ چڑھانے کے جمگھٹ، بینظیر کے میلے پھول والوں کے جھمیلے، نو چندی کی بلائیں، مصنوعی کربلائیں، علم تعزیوں کے کاوے، تخت جریدوں کے دھاوے، حسین آباد کے جلوے، عباسی درگاہ کے بلوے، ایسے مواقع مردوں کے جانے کے بھی نہیں، نہ کہ یہ نازک شیشیاں جنھیں صحیح حدیث میں ارشاد ہوا: رویدك انجشه رفقا بالقواریر (انجشہ: دیکھنا، شیشیوں کو آہستہ لے چل۔ت) اور محلِ حاجت میں جس کی صورتیں مذکور ہوں گی بشرطِ تستر وتحفظ وتحرزِ فتنہ اجازت یک روزہ راہ بلکہ نزد تحقیقِ مناط اس سے کم میں بھی محافظ مذکور کی حاجت۔

ہفتم: یہ اور وہ سب یعنی مکانِ غیر وغیرِ مکان میں جانا بشرائطِ مذکورہ جائز ہونے کی نو صورتیں ہیں:

(۱) قابلہ (۲) غاسلہ (۳) نازلہ (۴) مریضہ (۵) مضطرہ (۶) حاجہ (۷) مجاہدہ (۸) مسافرہ (۹) کاسبہ۔

قابلہ: یہ کہ کسی عورت کو درد زہ ہو یہ دائی ہے۔

غاسلہ: جب کوئی عورت مرے یہ نہلانے والی ہے، ان دونوں صورتوں میں اگر شوہر دار ہے تو اِذنِ شوہر ضرور جبکہ مہر معجّل نہ ہو یا تھا تو پاچکی۔

نازِلہ: جب اسے کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئے اور خود عالم کے یہاں جائے بغیر کام نہیں نکل سکتا۔

مریضہ: کہ طبیب کو بلا نہیں سکتی نبض کو دکھانے کی ضرورت ہے اسی طرح زچہ و مریضہ کا علاجاً حمام کو جانا جبکہ وہاں کسی طرف سے کشفِ عورت اور بند مکان میں گرم پانی سے گھر میں نہانا کفایت نہ ہو۔

مضطرہ: کہ مکان میں آگ لگی یا گرا پڑتا ہے یا چور گھس آئے یا درندہ آتا ہے غرض ایسی کوئی حالت واقع ہوئی کہ حفظِ دین یا ناموس یا جان کے لئے گھر چھوڑ کر کسی جائے امن وامان میں جائے بغیر چارہ نہیں اور عضو شقِ نفس اور مال اس کا شقیق ہے۔

حاجہ: ظاہر ہے اور زائرہ اس میں داخل کہ زیارتِ اقدس حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تتمۂ حج بلکہ متممۂ حج ہے۔

مجاھدہ: جب عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ اسلام کو حاجت اور بحکمِ امام نفیرِ عام کی نوبت ہو فرض ہے کہ ہر غلام بے اذنِ مولٰی ہر پسر بے اذنِ والدین ہر پردہ نشین بے اذنِ شوہر جہاد کو نکلے جبکہ استطاعتِ جہاد وسلاح وزاد ہو۔

مسافرہ: جو عورت سفرِ جائز کو جائے مثلاً والدین مدتِ سفر پر ہیں یا شوہر نے کہ دُور نوکر ہے اپنے پاس بلایا اور محرم ساتھ ہے تو منزلوں پر سَرا وغیرہ میں اُترنے سے چارہ نہیں۔

کاسبہ: عورت بے شوہر ہے یا شوہر بے جوہر کہ خبر گیری نہیں کرتا، نہ اپنے پاس کچھ کہ دن کاٹے، نہ اقارب کو توفیق یا استطاعت، نہ بیت المال منتظم، نہ گھر بیٹھے دستکاری پر قدرت، نہ محارم کے یہاں ذریعۂ خدمت، نہ بحالِ بے شوہری کسی کو اس سے نکاح کی رغبت تو جائز ہے کہ بشرطِ تحفظ وتحرز اجانب کے یہاں جائز وسیلۂ رزق پیدا کرے جس میں کسی مرد سے خلوت نہ ہو حتی الامکان وہاں ایسا کام لے جو اپنے گھر آکر کرلے جیسے سینا پیسنا، ورنہ اس گھر میں نوکری کرلے جس میں صرف عورتیں ہوں یا نابالغ بچے، ورنہ جہاں کا مرد متقی پرہیزگار ہو اور ساٹھ ستر برس کی پیر زال بدشکل کریہہ المنظر کو خلوت میں بھی مضائقہ نہیں۔

تنبیہ: ان کے سوا تین صورتیں اور بھی ہیں: شاہدہ، طالبہ، مطلوبہ۔

شاھدہ: وہ جس کے پاس کسی حق اللہ مثلِ رؤیتِ ہلالِ رمضان وسماعِ طلاق وعتق وغیرہا میں شہادت ہو اور ثبوت اس کی گواہی وحاضریِ دار القضا پر موقوف خواہ بشرطِ مذکور کسی حقُ العبد مثلِ عتقِ غلام ونکاح معاملاتِ مالیہ کی گواہی اور مدعی اس سے طالب اور قاضی عادل اور قبول مامول اور دن کے دن گواہی دے کر واپس آسکے۔

طالبہ: جب اس کا کسی پر حق آتا ہو اور بے جائے دعوٰی نہیں ہوسکتا۔

مطلوبہ: جب اس پر کسی نے غلط دعوٰی کیا اور جواب دہی میں جانا ضرور۔

یہ صورتیں بھی علماء نے شمار فرمائیں۔ مگر بحمد اللہ تعالیٰ پردہ نشینوں کو ان کی حاجت نہیں کہ ان کی طرف سے وکالت مقبول اور حاکم شرع کا خود آ کر نائب بھیج کر ان سے شہادت لینا معمول، یہ بیان کافی وصافی، بحمد اللہ تعالیٰ تمام صُوَر کو حاوی ووافی۔ ص223

وہ کون ہیں جن سے نکاح حرام اور وہ کون ہیں جن سے پردہ کرنا درست نہیں؟

پردہ صرف ان سے نادرست ہے جو بسببِ نسب کے عورت پر ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہوں اور کبھی کسی حالت میں ان سے نکاح ناممکن ہو جیسے باپ، دادا، نانا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، چچا، ماموں، بیٹا، پوتا، نواسا، ان کے سوا جن سے نکاح کبھی درست ہے اگرچہ فی الحال ناجائز ہو جیسے بہنوئی جب تک بہن زندہ ہے یا چاچا، ماموں، خالہ، پھوپھی کے بیٹے، یا جیٹھ، دیور ان سے پردہ واجب ہے اور جن سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے کبھی حلال نہیں ہوسکتا مگر وجہِ حرمت علاقہ نسب نہیں بلکہ علاقۂ رضاعت ہے جیسے دودھ کے رشتے سے باپ، دادا، نانا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، چچا، ماموں، بیٹا، پوتا، نواسا، یا علاقہ صہر ہو جیسے خسر، ساس، داماد، بہو، ان سب سے نہ پردہ واجب نہ نادرست ہے کرنا نہ کرنا دونوں جائز اور بحالتِ جوانی یا احتمالِ فتنہ پردہ کرنا ہی مناسب، خصوصاً دودھ کے رشتے میں کہ عوام کے خیال میں اس کی ہیبت بہت کم ہوتی ہے جن سے نکاح حرام ہے ان کی بعض مثالیں اوپر گزریں اور پوری تفصیل آٹھ دس ورق میں آئے گی کتبِ فقہ میں مفصل مسطور ہے جو خاص امر درپیش ہو اسی سے سوال کافی ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ ص234

نامحرم عورتوں کو اندھے سے پردہ کرنا لازم ہے

اندھے سے پردہ ویسا ہی ہے جیسا کہ آنکھ والے سے اور اس کا گھر میں جانا عورت کے پاس بیٹھنا ویسا ہی ہے جیسا آنکھ والے کا، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں اندھی ہو کیا تم اسے دیکھ نہیں رہی ہو۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ (ت) ص235

عورتوں کو مسجد کے اندر وعظ یا میلاد کی محفل میں جانا؟

اگر مسجد کے اندر وعظ یا میلاد کی محفل ہوتی ہو تو کیا عورتوں کو مسجد کے اندر باپردہ آنے کی اجازت ہے یا نماز پڑھنا عورتوں کو مسجد کے اندر جائز یا نہیں؟

الجواب: عورتیں نمازِ مسجد سے ممنوع ہیں اور واعظ یا میلاد خواں اگر عالم سنی صحیح العقیدہ ہو اور اس کا وعظ و بیان صحیح ومطابقِ شرع ہو

اور جانے میں پوری احتیاط اور کامل پردہ ہو اور کوئی احتمالِ فتنہ نہ ہو اور مجلسِ رجال سے دُور ان کی نشست ہو تو حرج نہیں مگر مساجد کے جانے میں ان شرائط کا اجتماع خیال وتصور سے باہر شاید نہ ہو سکے، **ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل** (جو کوئی اپنے زمانے والوں کو نہ پہچانے تو نادان (اور ناسمجھ) ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص239

عورت کا ملازمت کرنا کیسا؟

یہاں پانچ شرطیں ہیں:

(۱) کپڑے باریک نہ ہوں جن سے سر کے بال یا کلائی وغیرہ ستر کا کوئی حصہ چمکے۔

(۲) کپڑے تنگ وچست نہ ہو جو بدن کی ہیئت ظاہر کریں۔

(۳) بالوں یا گلے یا پیٹ یا کلائی یا پنڈلی کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو۔

(۴) کبھی نامحرم کے ساتھ کسی خفیف دیر کے لئے بھی تنہائی نہ ہوتی ہو۔

(۵) اس کے وہاں رہنے یا باہر آنے جانے میں کوئی مظنۂ فتنہ نہ ہو۔

یہ پانچ شرطیں اگر جمع ہیں تو حرج نہیں اور ان میں ایک بھی کم ہے تو حرام۔ص248

سلام وتحیت وتعظیم سادات، مصافحہ، معانقہ، بوسہ دست و پا وقبر، طواف قبر اور سجدہ تعظیمی وغیرہ

معانقہ اور مصافحہ کرنے کا حکم

کپڑوں کے اوپر معانقہ جہاں خوفِ فتنۂ شہوت نہ ہو بلا ریب مشروع ہے اس کے جواز پر تمام ائمۂ مجتہدین کا اجماع اور سفر وغیرِ سفر میں بشرائطِ مذکورہ مطلقاً جائز۔ص251

بیشک دونوں ہاتھ سے مصافحہ جائز ہے۔ اکابر علماء نے اس کے مسنون ومندوب ہونے کی تصریح فرمائی اور ہرگز ہرگز نام کو بھی کوئی حدیث اس سے ممانعت میں نہ آئی۔ص269

وہابیوں کی حدیث دانی کا حال اور محدثین کی احتیاط

ان حضرات کا دابِ کلی ہے کہ جس امر پر اپنی قاصر نظر ناقص تلاش میں حدیث نہیں پاتے اس پر بے اصل و بے ثبوت ہونے کا حکم لگا دیتے اور اس کے ساتھ ہی صرف اس بناء پر اسے ممنوع وناجائز ٹھہرا دیتے ہیں، پھر اس طوفانِ بے ضابطگی کا وہ جوش ہوتا ہے کہ اس اپنے نہ پانے کے مقابل علماء ومشائخ کی تو کیا گنتی حضراتِ عالیہ ائمۂ مجتہدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے ارشادات بھی پایۂ اعتبار سے ساقط اور ان کے احکام کو بھی یونہی معاذ اللہ باطل وغیر ثابت بتاتے ہیں، یہ وہ جہالت بے مزہ ہے جسے کوئی اَدنٰی عقل والا بھی قبول نہیں کر سکتا ان حضرات سے کوئی اتنا پوچھنے والا نہیں کہ "کے آمدی وکے پیر شدی" (کب آئے اور کب بوڑھے ہوئے۔ت) بڑے بڑے اکابر محدثین ایسی جگہ "**لَمْ اَرَ وَلَمْ اَجِدْ**" پر اقتصار کرتے ہیں یعنی ہم نے نہ دیکھی ہمیں

نہ ملی، نہ کہ تمھاری طرح عدمِ وجدان کو عدمِ وجود کی دلیل ٹھہرادیں۔

صاحبو! لاکھوں حدیثیں اپنے سینوں میں لے گئے کہ اَصلاً تدوین میں بھی نہ آئیں، امام بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں حفظ تھیں، امام مسلم کو تین لاکھ، پھر صحیحین میں صرف سات ہزار حدیثیں ہیں، امام احمد کو دس لاکھ محفوظ تھیں مسند میں فقط تیس ہزار ہیں، خود شیخین وغیرہما ائمہ سے منقول کہ ہم سب احادیثِ صحاح کا استیعاب نہیں چاہتے، اور اگر ادعائے استیعاب فرض کیجئے تو لازم آئے کہ افرادِ بخاری، امام مسلم اور افرادِ مسلم، امام بخاری اور صحاح افرادِ سنن اربعہ دونوں اماموں کے نزدیک صحیح نہ ہوں، اور اگر اس اِدعا کو آگے بڑھائے تو یونہی صحیحین کی وہ متفق علیہ حدیثیں جنھیں امام نسائی نے مجتبٰی میں داخل نہ کیا ان کے نزدیک حلیۂ صحت سے عاری ہوں وھو کماتری (یہ وہ چیز ہے جسے تم جانتے ہو۔ت)

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے: مامن اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احد اکثر حدیثا عنہ منی الاما کان من عبداللہ بن عمرو فانہ کان یکتب ولا اکتب۔ اصحابِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کسی نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت نہ کیں سوا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما کے کہ وہ لکھ لیا کرتے اور میں نہ لکھتا۔

دیکھو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ صاف فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان سے زیادہ احادیث روایت فرمائیں، حالانکہ تصانیفِ محدثین میں ان کی حدیثیں ان کی احادیث سے بدرجہا کم ہیں، عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صرف سات سو حدیثیں پائی گئیں اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پانچ ہزار تین سو۔

اب کہئے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وہ ہزاروں حدیثیں کیا ہوئیں اور کتبِ حدیث میں ان میں سے کتنی ہاتھ آئیں، بس اسی پر قیاس کر لیجئے اور یہیں سے ظاہر کہ ائمۂ اربعہ خصوصاً امام الائمہ مالک الازمہ سراج الامہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب پر اگر ان کتب میں حدیثیں نہ ملیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے مذہب پر واقع میں حدیثیں نہیں بلکہ اگر بخاری ومسلم اور ان کے امثال تصریح بھی کر دیں کہ فلاں مذہبِ امام ابوحنیفہ یا امام مالک پر کوئی حدیث نہیں تو بھی منصف ذی عقل کے نزدیک ان کے پاک مبارک مذہبوں میں اصلاً قادح نہیں ہوسکتا، آخر بخاری ومسلم کا علم محیط نہ تھا، کیا جو کچھ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور صحابہ نے امتِ مرحومہ تک پہنچایا اس سب کا علم بخاری ومسلم کو حاصل تھا، خود اَجلہ صحابہ کرام جو گاہ بگاہ سفر وحضر میں دائماً بارگاہِ عرش جاہ حضور رسالت پناہ علیہ وعلیہم صلوات اللہ میں حاضر رہتے یہاں تک کہ حضراتِ خلفائے اربعہ وحضرت عبداللہ بن مسعود وغیرھم رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی یہ دعوٰی نہیں کر سکتے تھے، کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کل اَقوال وافعال پر ہمیں اطلاع ہے، کتبِ احادیث پر جسے نظر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ بعض باتیں ان حضرات پر بھی خفی رہیں "تابدیگرے چہ رسد" (دوسروں تک کیا پہنچے۔ت) پھر بخاری ومسلم وغیرہما کیونکر علمِ کل کا دعوٰی کر سکتے ہیں، اگر وہ نفی کریں بھی تو اس کا محصل صرف اپنے علم کی نفی ہوگا یعنی ہمیں نہیں معلوم پھر اس سے واقع میں حدیث نہ ہونا درکنار، یہ بھی لازم نہیں آتا کہ ابوحنیفہ ومالک کو بھی اپنے مذہب پر حدیث نہ معلوم ہوا ان کا زمانہ زمانۂ اقدس سے قریب تر تھا اور اس وقت تک زمانہ خیر القرون تھا، بوجہ قلتِ کذب وکثرتِ خیر سندیں نظیف اور وسائط کم تھے، یہ ممکن کہ جو حدیثیں ابوحنیفہ ومالک کے پاس تھیں بخاری ومسلم کو نہ پہنچیں،

ممکن کہ جو حدیثیں ان کے پاس بسندِ صحیح تھیں ان تک بذریعہ روایتِ ضعاف پہنچیں، پھر کیونکر اِن کا نہ جاننا اُن کے نہ جاننے پر قاضی ہوسکتا ہے۔

درجہ دوئم: اب جو حدیثیں تدوین میں آئیں ان میں سے فرمائیے کتنی باقی ہیں، صدہا کتابیں کہ ائمۂ دین نے تالیف فرمائیں محض بے نشان ہوگئیں اور یہ آج سے نہیں ابتداء ہی سے ہے، امام مالک کے زمانے میں اسی (۸۰) علماء نے مؤطا لکھیں پھر سوائے مؤطائے مالک ومؤطائے ابن وہب کے اور بھی کسی کا پتا باقی ہے، امام مسلم کے زمانے کو ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری صاحبِ مستدرک کے زمانے سے ایسا کتنا فاصلہ تھا، پھر بعض تصانیفِ مسلم کی نسبت امام ابنِ حجر نے حاکم سے نقل کیا کہ معدوم ہیں **وعلی ھٰذہ القیاس** صدہا بلکہ ہزارہا تصانیفِ ائمہ کا کوئی نشان نہیں دے سکتا، مگر اتنا کہ تذکروں تاریخوں میں نام لکھا رہ گیا۔

درجہ سوم: اس سے بھی گزریئے جو کتابیں باقی رہیں ان میں سے اس خراب آباد ہند میں کَے پائی جاتی ہیں ذرا کوئی حضرت غیر مقلد صاحب اپنے یہاں کی کتبِ حدیث کی فہرست تو دکھائیں کہ معلوم ہو کہ کس پونجی پر یہ اونچا دعوٰی ہے۔

درجہ چہارم: اب سب کے بعد یہ فرمائیے کہ جو کتابیں ہندوستان میں ہیں ان پر حضراتِ مُدَّعین کو کہاں تک نظر ہے اور ان کی احادیث کس قدر محفوظ ہیں۔

سبحان اللہ! کیا صرف اتنا کافی ہے کہ جو مسئلہ پیش آیا اسے خاص اسی کے باب میں دو چار کتابوں میں جو اپنے پاس ہیں دیکھ بھال لیا اور اپنے زعمِ باطل میں کوئی حدیث نہ ملی تو بے ثبوت ہونے کا دعوٰی کردیا، جانِ برادر! بارہا واقع ہوگا کہ اس مسئلہ کی حدیث انہی کتابوں میں ملے گی اور آپ کی نظر اس پر نہ پہنچے گی کہ اول تو ہر مطلب کے لئے محدثین نے تراجم وابواب وضع نہ کئے اور جن کے لئے وضع کئے ان کی مثبت بہت حدیثیں ایسی ہوں گی جو بوجہ دوسری مناسبت کے دیگر ابواب میں لکھ آئے یا لکھیں گے اور یہاں بخیالِ تکرار ان کے اِعادہ واِثبات سے باز رہے، اگر یوں نہ مانئے اور اپنی وسعتِ نظر واحاطۂ علم کا دعوٰی ہی کیجئے تو حضرات بے امتحان نہیں سہی اپنے میں جس صاحب کو بڑا محدث جانئے معین کیجئے، ہم دس سوال کرتے ہیں کہ ان کی نسبت جو حکم احادیث میں وارد ہوا رشاد فرمائیں پھر دیکھئے ان شاء اللہ تعالٰی کیسے غوطے کھاتے ہیں، اللہ عزوجل چاہے تو اکثر کا حکم نہ نکال سکیں گے، اور رب تبارک وتعالٰی کو منظور ہے تو انہی کتابوں میں ان کی احادیث نکل آئیں گی، اس وقت معلوم ہوگا کہ دعوٰی اجتہاد کرنے والے کتنے پانی میں تھے، وائے بے انصافی ان لیاقتوں پر ائمۂ مجتہدین سے ہمسری کا دعوٰی ہیہات ہیہات ''چھوٹا منہ بڑی بات''، آدمی کو کتنی بھاتی ہے مگر امتحان دیتے وقت مزا آتا ہے، ہاں ہاں یہ بات میں نے اس لئے نہیں کہی کہ سنئے اور اُڑا جایئے، نہیں نہیں ضرور اپنے کسی اعلٰی محدث کا نام رکھئے اور ہم جو سوالات کریں ان کا جواب ان سے بذریعہ احادیث لکھوایئے، ہم بھی تو دیکھیں کس برتے پر تتا پانی! جانِ برادر! حصرِ رُواۃ ممکن نہیں، حصرِ رواۃ کیونکر ممکن نہیں۔ ابراہیم بن بکر شیبانی کے ذکر میں امام ابن الجوزی نے کہا: **ابراھیم بن بکر فی الرواۃ ستۃ لااعلم فیھم ضُعفا سوٰی ھذا** ۔ ابراہیم بن بکر راویوں میں چھ ہیں۔ میں ان میں سے کسی میں ضُعف نہیں جانتا سوا اس شیبانی کے۔

اس پر امام ذہبی جیسے جلیل القدر عمدۃ الفن امام الشان نے فرمایا: **لوسماھم لافادنا فما ذکر ابن ابی حاتم منھم احدا** ۔ اگر ان سب کا تذکرہ فرمادیتے تو ہمیں فائدہ بخشتے کہ ابنِ ابی حاتم نے تو ان میں سے ایک کا بھی تذکرہ نہ کیا۔

امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن الہمام نے جن کی جلالتِ قدر آفتابِ نیمروز سے اَظہر جب بعض احادیث کہ مشائخِ کرام نے ذکر کیں نہ پائیں یوں فرمایا کہ: لعل قصور نظرنا اخفاھا عنا۔ امید ہے کہ ہماری نظر کے قصور نے انھیں ہم سے چھپالیا۔

دیکھو علماء یوں فرماتے ہیں اور جاہلوں کے دعوے وہ طویل وعریض ہوتے ہیں۔

حدیث "اختلاف امتی رحمۃ" (میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ت) امام جلال الدین سیوطی جیسے حافظِ جلیل نے کتاب جامع صغیر میں ذکر فرمائی اور اس کا کوئی مخرج نہ بتاسکے کہ کس محدث نے اپنی کتاب میں روایت کی، ان بعض علماء کے نام لکھ کر جنھوں نے بے سند اپنی کتابوں میں اسے ذکر کیا لکھ دیا کہ: لعله خرج فی بعض کتب الحفاظ التی لم تصل الینا ۔شاید وہ حافظانِ حدیث کی بعض کتابوں میں روایت کی گئی جو ہم تک نہ پہنچیں۔ یہ وہ امام ہیں کہ فنِ حدیث میں جن کے بعد ان کا نظیر نہ آیا، جنھوں نے کتاب جمع الجوامع تالیف فرمائی اور اس کی نسبت فرمایا: قصدت فیه جمیع الاحادیث النبویة باسرها ۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس میں تمام احادیثِ نبویہ جمع کردوں، اس پر بھی علماء نے فرمایا: هذا بحسب ما اطلع علیه المصنف لاباعتبار مافی نفس الامر قاله المناوی ۔ یہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے کہتے ہیں نہ یہ کہ واقع میں جس قدر حدیثیں ہیں سب کو جمع کرنا۔(ت) وہ اپنے نہ پانے پر یوں فرماتے ہیں کہ شاید یہ حدیث ان کتبِ ائمہ میں تخریج ہوئی جو ہمیں نہ ملیں، اور پھر دیکھئے ہوا بھی ایسا ہی، عبارتِ مذکورہ بعد علامہ مناوی صاحبِ تیسیر شرح جامع صغیر نے لکھ دیا "الامر کذٰلك "یعنی واقع ایسا ہی ہے۔ پھر اس کی تخریج بتائی کہ بیہقی نے مدخل اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بروایتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت کی۔ اور اس حدیث کی سند پر نہ صرف امام سیوطی بلکہ اکثر ائمہ کو اطلاع نہ ہوئی، امام خاتم الحفاظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: زعم کثیر من الائمة انه لا اصل له بہت سے اماموں نے یہی زعم کیا کہ اس کے لئے کوئی سند نہیں۔

پھر امام عسقلانی نے اس کی بعض تخریجیں ظاہر فرمائیں۔ حدیث "الوضوء علی الوضوء نور علی نورٍ" (وضوء پر وضو کرنا نور علی نور ہے۔ت) کی نسبت امام عبدالعظیم منذری نے کتاب الترغیب اور امام عراقی نے تخریج احادیث الاحیاء میں تصریح کردی کہ لم نقف علیه ہمیں اس پر اطلاع نہیں۔ حالانکہ وہ مسند امام رزین میں موجود۔ تیسیر میں ہے: حدیث الوضوء علی الوضوء نور علی نور اخرجه رزین ولم یطلع علیه العراقی کالمنذری فقالا لم یقف علیه ۔وضوء پر وضوء کرنا نور علی نور ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس کی تخریج حضرت رزین نے کی ہے اور منذری کی طرح امام عراقی اس پر مطلع نہیں ہیں تو انھوں نے کہا ہم اس پر واقف نہیں ہیں (ت)

اس سے عجیب تر سنئے، حدیثِ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ انھوں نے رکوع میں دونوں ہاتھ ملا کر زانوں کے بیچ میں رکھے اور بعد نماز کے فرمایا: هکذا فعل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ۔ ایسا ہی کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی نسبت امام ابوعمر بن عبدالبر نے فرمایا: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ محدثین کے نزدیک صرف اس قدر صحیح ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے ایسا کیا اور امام اجل ابوزکریا نووی شارح صحیح مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے تو کتابُ الخلاصۃ میں سخت ہی تعجب خیز بات واقع ہوئی کہ فرمایا صحیح مسلم شریف میں بھی صرف اسی قدر ہے کہ ابنِ مسعود

نے ایسا کیا اور یہ نہیں کہ ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حالانکہ بعینہٖ یہی الفاظ صحیح مسلم میں موجود۔

میں یہاں اگر اس کی نظیریں جمع کرنے پر آؤں کہ خبر وحدیث میں مشہور ومتداول کتابوں یہاں تک خود صحاحِ ستہ سے اکابر محدثین کو کیسے کیسے ذہول واقع ہوئے ہیں تو کلام طویل ہوجائے، بعض مثالیں اس کی فقیر نے اپنے رسالہ ''نور عینی فی الانتصار للامام العینی''میں لکھیں یہاں مقصود اسی قدر کہ مدعی آنکھ کھول کر دیکھے کہ کس بضاعت پر کمالِ علم واحاطۂ نظر کا دعوٰی ہے، کیا ان ائمہ سے غفلت ہوئی اور تم معصوم ہو؟ ____ کیا نہیں ممکن کہ حدیث انھیں کتابوں میں ہو اور تمھاری نظر سے غائب رہے؟ ___ مانا کہ ان کتابوں میں نہیں کیا سب کتابیں تمھارے پاس ہیں؟ ____ ممکن کہ ان کتابوں میں ہو جو اور بندگانِ خدا کے پاس دیگر بلاد میں موجود ہیں ____ مانا کہ ان میں بھی نہیں پھر کیا اسی قدر کتابیں تصنیف ہوئی تھیں ممکن کہ ان کتابوں میں ہو جو معدوم ہوگئیں مانا کہ ان میں بھی نہیں پھر کیا تمام احادیث کتابوں میں مندرج ہوگئی تھیں؟ ____ ممکن کہ ان احادیث میں ہو جو علماء اپنے سینوں میں لے گئے ____ پھر ''ہلدی کی گرہ پر پنساری بنا کس نے مانا'' اپنے نہ پانے کو نہ ہونے کی دلیل سمجھنا اور عدمِ علم کو علم بالعدم ٹھہرا لینا کیسی سخت سفاہت ہے، خاص نظیر اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص ایک چیز اپنی کوٹھری کی چار دیواری میں ڈھونڈھ کر بیٹھ رہے اور کہدے ہم تلاش کرچکے تمام جہاں میں کہیں نشان نہیں کیا اس بات پر عقلاء اسے مجنون نہ جانیں گے ____! ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ص 294 تا 302

ملاقات کے وقت مرحبا، خوش آمدید کہنا کیسا؟

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لایلقی مسلم مسلما فیرحب به ویأخذ بیدہ الا تناثرت الذنوب بینھما جو مسلمان مسلمان سے مل کر مرحبا کہے اور ہاتھ ملائے ان کے گناہ جھڑ جائیں۔

پھر بلادِ عجمیہ میں اس کا رواج نہیں، فارس میں اس کی جگہ خوش آمدی کہتے ہیں اور ہندوستان میں آئیے آئیے تشریف لائیے، اور اس کی مثل کلمات ____ اب کوئی عاقل اسے مخالفتِ حدیث ومزاحمتِ سنت نہ جانے گا، رات دن دیکھا جاتا ہے کہ خود حضراتِ منکرین میں دوستوں کے ملتے وقت اسی قسم کے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے یہ کیوں نہیں بدعت وممنوع وخلافِ سنت قرار پاتے تو وجہ کیا کہ اصل مقصودِ شرع وہی اظہارِ خوش دلی بغرضِ ازدیادِ محبت ہے یہ مطلب عرب میں لفظ مرحبا سے مفہوم ہوتا تھا یہاں ان لفظوں سے ادا کیا جاتا ہے تو غرض شریعت کی ہر طرح حاصل ہے۔ص 307

* جو امر نو پیدا کہ کسی سنتِ ثابتہ کی ضد واقع اور اس کا فعل فعلِ سنت کا مزیل ورافع ہو وہ بیشک ممنوع ومذموم ہے جیسے السلام علیکم کی جگہ آج کل عوام ہند میں آداب، مجرا کورنش، بندگی کا رواج ہے۔۔۔۔ اگر غریب بندے بعض معززوں سے بطریقِ سنتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم السلام علیکم کہیں اپنے حق میں گویا گالی سمجھیں، اس احداث نے ان سے سنتِ سلام اُٹھادی، یہ بیشک ذم وانکار کے لائق ہے۔ص 309

انگوٹھے چومنا کب منع ہے؟

ہاں اذان سننے میں علمائے فقہ نے مستحب رکھا ہے اور اس خاص موقع پر کچھ احادیث بھی وارد جو ایسی جگہ قابلِ تمسک

ہیں کما حققناہ فی رسالتنا "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" یعنی آنکھوں کو روشن کرنا انگوٹھے چومنے کے عمل سے میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) مگر نماز میں یا خطبہ یا قرآن مجید سنتے وقت نہ چاہئے، نماز میں اس کی ممانعت تو ظاہر، اور استماعِ خطبہ وقرآن کے وقت یوں کہ اس وقت ہمہ تن گوش ہو کر تمام حرکات سے باز رہنا چاہئے۔ پنچایت کے وقت جو آیۂ کریمہ {مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ} پر اس قدر کثرت سے انگوٹھے چومے جاتے ہیں گویا صدہا چڑیاں جمع ہو کر چہک رہی ہیں یہاں تک کہ دور والوں کو قرآنِ عظیم کے بعض الفاظِ کریمہ بھی اس وقت اچھی طرح سننے میں نہیں آتے، یہ فقیر کو سخت ناپسند وگراں گزرتا ہے صرف انگوٹھے لبوں سے لگا کر آنکھوں پر رکھنے میں اس وقت کوئی حرج نہ بھی ہو تو بوسۂ تعظیم میں آواز نکلنے کا خود حکم نہیں جیسے بوسۂ سنگِ اسود وآستانۂ کعبہ وقرآنِ عظیم ودست وپائے علماوصلحا، نہ کہ ایسی آوازیں کہ چڑیاں بسیرا لے رہی ہیں۔ص316

جوابِ سلام کفار کو کن الفاظ میں دیا جائے؟ اور خود بھی ضرورت اور بے ضرورت ان کو سلام کرے تو کس طور سے؟

کافر کو بے ضرورت ابتداء بسلام ناجائز ہے نص علیه فی الحدیث والفقه (حدیثِ پاک اور فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ت) اور ہندوستان میں وہ طُرُقِ تحیت جاری ہیں کہ بضرورت بھی انھیں سلامِ شرعی کرنے کی حاجت نہیں مثلاً یہی کافی کہ لالہ صاحب، بابو صاحب، منشی صاحب، یا بے سر جھکائے سر پر ہاتھ رکھ لینا وغیر ذٰلک، کافر اگر بےلفظِ سلام سلام کرے تو ایسے ہی الفاظِ رائجہ جواب میں بس ہیں، اور بلفظِ سلام ابتداء کرے تو علماء فرماتے ہیں جواب میں وَعَلَيْكَ کہے مگر یہ لفظ یہاں مخصوص باہلِ اسلام ٹھہرا ہوا ہے، اور وہ کافر بھی اسے جوابِ سلام نہ سمجھے گا بلکہ اپنے ساتھ اِستہزاء خیال کرے گا تو جس لفظ سے مناسب جانے جواب دے لے اگرچہ سلام کے جواب میں سلام ہی کہہ کر۔ص316

بزرگوں کی قبر پر جانے کے وقت دروازے کی چوکھٹ چومنا اور پھر باوجودِ تعظیم اس پر پیر رکھ کے اندر جانا کیسا ہے؟

اصل کلی یہ ہے کہ تعظیم ہر منتسب بارگاہِ کبریا علی الخصوص محبوبانِ خدا انحائے تعظیم حضرتِ عزت جَلَّ وَعَلَا ہے۔قال الله تعالیٰ: {وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ} جو اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ بہتر ہے اس کے لئے اس کے پروردگار کے یہاں۔وقال تعالیٰ: {وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ} جو اللہ کے شعاروں کی تعظیم کرے وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں۔

اور علمائے کرام قدیماً وحدیثاً فقہاً وحدیثاً تصریحات فرماتے ہیں کہ حرمة المسلم حیا ومیتا سواء، مسلمان زندہ ومردہ کی حرمت یکساں ہے، ولہذا علماء نے وصیت فرمائی کہ قبر سے اتنا ہی قریب ہو جتنا زندگیِ دُنیا میں صاحبِ قبر سے قریب ہوسکتا ہے اس سے زیادہ آگے نہ جائے، اور شک نہیں کہ تعظیم وتوہین کا مدار عرف وعادت پر ہے تو جس کی تعظیم شرعاً مطلوب ہے وہاں جو جو افعال وطرق حسبِ عرف وعادتِ قوم کئے جاتے ہیں اسی مطلوبِ شرعی کی تحت میں داخل ہوں گے جب تک کسی خاص فعل سے نہی شرعی نہ ثابت ہو، جیسے سجدہ یا قبر کی طرف نماز کہ یہ شرعاً ممنوع ہیں۔

جب یہ اصل کلی معلوم ہوگئی حکم صُوَرِ مسئلہ منکشف ہوگیا آستانہ بوسی پر یہ اعتراض کہ اَول چومیں گے پھر پاؤں رکھ کر جائیں گے محض نادانی ہے کعبہ معظّمہ ومسجدِ حرام شریف میں بھی یہی صورت ہے اور ضرورت ایک دوسرے کے منافی نہیں، اور شک نہیں کہ آستانہ بوسی عرفاً انحائے تعظیم سے ہے اور شرعاً اس سے منع ثابت نہیں تو حکم جواز چاہئے، **اقول: وباللہ التوفیق** (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) مگر یہاں ایک دَقیقہ اَنیقہ اور ہے جس پر اطلاع نہیں ہوتی مگر بتوفیقِ حضرتِ عزت عزّ جلالہ شرع مطہرہ کا قاعدۂ عظیمہ وجلیلہ معروفہ ومشہورہ ہے کہ **الامور بمقاصدھا** (امور میں مقاصد کا اعتبار ہے۔ت) انحناء یعنی جھکنے اور پیٹھ دوہری کرنے سے کسی کی تعظیم شرعاً مکروہ ہے اور جب بقدرِ رکوع یا اس سے زائد ہو تو کراہت سخت واَشد ہے۔ مگر محلِ ممانعت یہی ہے کہ نفسِ اِنحناء سے مقصود اصلی غرض تعظیم ہو، اور اگر مقصود کوئی اور فعل ہے اور اِنحناء خود مقصود نہیں بلکہ اس فعل کا محض وسیلہ وذریعہ ہے تو ہرگز ممانعت نہیں **وھو اظھر من ان یظھر** (یہ ظاہر سے اَظہر ہے۔ت) عالمِ دین یا سلطان عادل کی خدمت کے لئے اس کا گھوڑا باندھنا یا کھول کر حاضر لانا یا بچھونا کرنا، یا وضو کرانا، پاؤں دھلانا یا اس کا جوتا اُٹھانا یا مجلس سے اٹھتے وقت اس کی جوتیاں سیدھی کرنا، یہ سب افعالِ تعظیم وتکریم ہی ہیں اور ان کے لئے جھکنا ضرور مگر اِنحناء زنہار ممنوع نہیں کہ مقصود ان افعال سے تعظیم ہے نہ جھکنے سے، یہاں تک کہ اگر بے جھکے یہ افعال ممکن ہوں جھکنا نہ ہوگا، حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بستر مبارک بچھانا، وضو کرانا، حضور جب مجلس میں تشریف رکھیں نعلینِ اقدس اُٹھا کر اپنے پاس رکھنا جب تشریف لے چلے حاضر لاکر سامنے رکھنا، یہ دونوں جہان کی عزتیں مبارک، معزز خدمتیں بارگاہِ رسالت سے حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سپرد تھی، اور سب سے اَظہر واَزہر وہ حدیثیں ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا حضور پُرنُور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم مبارک چومنا وارد فقیر نے یہ حدیثیں اپنے فتاوٰی میں جمع کردی ہیں ظاہر ہے کہ پاؤں چومنے کے لئے تو زمین تک جھکنا ہوگا مگر سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جائز رکھا کہ مقصود بوسۂ قدم سے تعظیم ہے نہ کہ نفسِ انحناء، یہی سرِّ نفیس ہے کہ علماء کرام نے تحیت ومجرا کے لئے زمین بوسی کو حرام بتایا کہ اس میں جھکنے ہی سے تعظیم کی جاتی ہے یہاں تک کہ زمین کو منہ لگادیا۔

اور علماء کبار بے نکیر وانکار زمینِ مدینہ طیبہ کو بوسہ دینے اور اس کی خاک پر منہ اور رُخسارے ملنے کی قسمیں کھاتے ہیں اور ممکن ہو تو وہاں آنکھوں اور سر سے چلنے کی تمنائیں فرماتے ہیں اور اسی کو واجب بلکہ پورے واجب سے بھی کم بتاتے ہیں کہ یہاں تعظیم بالانحناء مقصود نہیں بلکہ براہِ محبت بطور تبرک اس زمین پاک کو بوسہ دینا اس کی خاک سے چہرہ نورانی کرنا بن پڑے تو پاؤں رکھنے سے اس عظمت والے مقام کو بچانا، خلاصۂ امر یہ قرار پایا کہ اگر آستانہ بلند ہو کہ بے جھکے بوسہ دے سکے تو بلاشبہہ اجازت ہے اور اگر پست خصوصاً زمین دوز ہو تو اگر ولی زندہ یا مزار سامنے ہے اس کے مجرے کی نیت سے جھک کر بوسہ دیا تو ناجائز ہے۔ اور اگر محض بنظرِ تبرک وحُبِ اپنے جی نفسِ اِنحنا سے تعظیم مقصود نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، (یوں تحقیق چاہئے اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت) پھر بھی عالم مقتدا اور اسی طرح پیر اور اس شخص کو جس کے کچھ اَتباع ہوں کہ اس کے افعال کا اِتباع کریں اسے مناسب ہے کہ اپنے عوام مُتبعین کے سامنے نہ کرے مبادا وہ فرقِ نیت پر آگاہ نہ ہوں اور اس کے فعل کو سند جان کر بے محل بجالائیں، ایسی حالت میں صرف اس قدر کافی ہے کہ آستانہ کو ہاتھ لگا کر اپنی آنکھوں اور منہ پر پھیر لے جس طرح عبداللہ بن عمر وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم منبرِ انور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ص 366

قبر کے طواف کا حکم

طواف لغۃً وعرفاً وشرعاً پھیرے کرنے کو کہتے ہیں عام اَزیں کہ دو چیزوں کے درمیان آمدورفت ہو جس میں ایک پھیرے کے مبداومنتہی متغائر ہوں گے یا ایک ہی چیز کے گرد جس میں دائرہ کی طرح مبداء ومنتہٰی ایک ہوگا، دونوں صورتوں کو لغت وعرفِ عرب نے طواف کہا اور دونوں کو شرع مطہر نے طواف مانا، صورتِ اُولیٰ صفا ومروہ کے درمیان سعی، اور صورتِ ثانیہ کعبہ معظّمہ کے گرد پھرنا۔

لاجرم طواف چار قسم ہے:

قسم اول: نہ طواف مقصود لذاتہٖ ہو نہ اس سے غرض وغایت نفسِ تعظیم بلکہ طواف کسی اور فعل کا وسیلہ ہو اور اس فعل سے کوئی اور حاجت مقصود جیسے سائلوں کا دروازوں پر گشت، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہمیشہ کا شانۂ نبوت کا ایسا طواف فرمایا کرتے، ابوداؤد وابن ماجہ ودارمی ایاس بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لقد طاف بآل محمد نساء کثیر یشکون ازواجھن لیس اولئك بخیارکم ۔ آج کی رات بہت سی عورتوں نے ہماری بارگاہِ اقدس کا طواف کیا کہ اپنے شوہروں کی شکایت کرتی تھیں وہ تم میں کے بہتر لوگ نہیں جو عورتوں کو ایذا دیتے ہیں۔

قسم دوم: طواف مقصود لذاتہٖ ہو اور غایت غیرِ تعظیم، صحیح بخاری شریف میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے میرے والد عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت قرض اور تھوڑے خرمے چھوڑ کر شہید ہوئے میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور کو معلوم ہے کہ میرے باپ احد میں شہید ہوئے اور بہت قرض چھوڑ گئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ حضور قدم رنجہ فرمائیں کہ قرضخواہ حضور کو دیکھیں یعنی شاید حضور کے خیال سے اپنے مطالبہ میں کمی کردیں، ارشاد فرمایا: جاؤ ہر قسم کے چھوہاروں کے الگ الگ ڈھیر لگاؤ، پھر تشریف فرما ہوئے۔ قرض خواہوں نے حضور کو دیکھا مجھ سے نہایت سخت تقاضے کرنے لگے کہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ کیا تھا یعنی ان کے خیال کے برعکس ہوا، حضور کے تشریف لے جانے سے قرض خواہ اپنا پلہ بھاری سمجھے کہ حضور ضرور ہمارا پورا حق دلا دینگے، جب حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حال ملاحظہ فرمایا فطاف حول اعظمھا بیدرا ثلث مرات ثم جلس علیہ حضور نے ان میں سب میں بڑے ڈھیر کے گرد تین بار طواف فرمایا اور اس پر تشریف رکھی پھر ناپ ناپ کر انھیں دینا شروع فرمایا حتی ادی اللہ عن والدی امانتہ وسلم اللہ البیادر کلھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے باپ کا سب قرض ادا کردیا اور سب ڈھیر سلامت بچ رہے، اسی قسم میں ہے عسس کا گردِ شہر گشت کرنا ولہذا عسس کو عرب میں طائف کہتے ہیں۔

قسم سوم: طواف وسیلۂ مقصود ہو اور غرض وغایت تعظیم جیسے نوکر چاکر غلاموں کا اپنے مخدوم وآقا پر طواف اس کے کام خدمت کو اس کے گرد پھرنا۔ قال اللہ تعالیٰ {طَوّٰفُوْنَ عَلَیۡکُمۡ بَعۡضُکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ} (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) تمھارے نوکر غلام تمھارے گرد بکثرت طواف کرنے والے ہیں تین وقت ترکِ حجاب کے سوا ہر وقت اذن لینے میں انھیں حرج ہوگا۔

اس میں وہ صورت بھی آتی ہے کہ طواف غیرِ کعبہ کا ہو اور غرض وغایت عباداتِ الٰہی، صحیح مسلم شریف میں انس رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے ہے: **کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یطوف علی النساء بغسل واحد** نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک ہی غسل سے اپنی ازواجِ مطہرات پر طواف کرتے۔

قسم چہارم: طواف بھی مقصود لذاتہ ہو اور غرض وغایت بھی تعظیم یعنی نہ طواف کسی اور فعل کے لئے وسیلہ ہو نہ اس سے سوائے تعظیم کچھ مقصود بلکہ نفسِ طواف سے محض تعظیم مقصود ہو، اسی کا نام طوافِ تعظیمی ہے جیسے طوافِ کعبہ یا طوافِ صفا و مروہ، پھر اَوضاعِ بدن کہ عبادت میں مقرر کئے گئے ہیں تین نوع ہیں۔

ایک: وہ کہ تعظیم میں منحصر ہیں، **اور دوسرے:** وہ کہ وسیلۃً و مقصوداً دونوں طرح پائے جاتے ہیں اور ان کی غایت تعظیم میں منحصر نہیں مگر بحالِ قصدِ تعظیم نوعِ اول سے قریب ہیں جیسے رکوع تک اِنحنا کہ بلا تعظیم بھی ہوتا ہے بلکہ بقصدِ توہین بھی جیسے کسی کے مارنے کے لئے اینٹ وغیرہ اُٹھانے کو جھکنا، اور تعظیم کے لئے بھی ہوتا ہے، مگر نہ خود مقصود بلکہ وسیلہ جیسے علماء و صلحاء کی قدم بوسی وغیرہ خدمات کو جھکنا اور بذاتہٖ مقصود بھی ہوتا ہے جیسے سلام کرنے میں رکوع تک جھکنا، **تیسرے:** وہ کہ نوعِ اول سے بعید ہیں جیسے قیام یا قعود یا رکوع سے کم جھکنا، ظاہر ہے کہ ان میں بھی نوعِ دوم کی طرح قصد و توسل وغایاتِ مختلفہ کی سب صورتیں پائی جاتی ہیں۔

انواعِ ثلثہ میں حکمِ عام تو یہ ہے کہ اگر بہ نیتِ عبادتِ غیر ہے تو کچھ بھی ہو مطلقاً شرک و کفر ہے اور بے نیتِ عبادت ہرگز شرک و کفر نہیں اگرچہ سجدہ ہی ہو جب تک کہ وہ فعل بخصوصہٖ شعارِ کفر نہ ہو گیا ہو، جیسے بت یا آفتاب کو سجدہ۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت) اور جب عبادتِ غیر کی نیت سے نہ ہو تو ان میں فرقِ اَحکام یہ ہے کہ نوعِ اول غیرِ خدا کے لئے مطلقاً ناجائز، اور نوعِ دوم اس وقت ممنوع ہے جبکہ مقصوداً اسی کو بہ نیتِ تعظیم بجالایا جائے، اور نوعِ سوم مطلقاً جائز ہے اگرچہ اس سے تعظیم مقصود ہو۔

جب یہ امور سب معلوم ہولئے تو منجملہ اَوضاعِ تعظیمیہ کہ رب عزوجل نے اپنی عبادت کے لئے مقرر فرمائے دونوں قسم کا طواف بھی ہے مستقیم جیسے صفا و مروہ میں خواہ متدیر جیسے گردِ کعبہ دونوں عبادت ہیں اور دونوں کو قرآنِ عظیم میں طواف فرمایا، تو ان میں فرق بے معنی ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ طواف ان اِنواعِ ثلثہ سے کس نوع میں ہے، ہر عاقل کے نزدیک بدیہیات سے ہے کہ وہ مثلِ سجود نوعِ اول سے نہیں ورنہ سجدۂ غیر کی طرح مطلقاً حرام ہوتا حالانکہ اس کی تین قسم، اول کا جواز و وقوع ہم قرآنِ عظیم وحدیثِ کریم وخود فعلِ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت کر آئے نہ ہرگز وہ مثلِ قیام نوعِ سوم سے ہے ورنہ ہر شخص و مکانِ معظم کا طوافِ تعظیمی جائز ہوتا، بلکہ وہ مثلِ رکوع نوعِ متوسط سے ہے کہ اگر نفسِ طواف سے تعظیم مقصود ہو تو غیرِ خدا کے لئے ناجائز بلکہ غیرِ کعبہ وصفا و مروہ کا طواف اگرچہ خالصاً اللہ عزوجل ہی کی تعظیم کو کیا جائے، ممنوع و بدعت ہے کہ نفسِ طواف سے تعظیم امرِ تعبّدی اور امرِ تعبدی میں قیاس تک جائز نہیں، نہ کہ اِحداث کہ تشریعِ جدید ہے، اور اگر غرض وغایت تعظیم نہ ہو اگرچہ طواف مقصد لذاتہ ہو جیسے قسم دوم میں یا طواف مقصود لذاتہ نہ ہو اگرچہ غرض تعظیم ہو جیسے قسم سوم میں، تو بلاشبہ جائز ہے، اور اگر دونوں سے خالی طواف ہو جیسے قسم اول میں تو یہ بدرجہ اَولٰی۔ یہ بحمدِ اللہ تحقیق ناصع ہے۔ جس سے حق متجاوز نہیں۔ وللہ الحمد طوافِ قبر بھی اس کلیہ سے باہر نہیں ہوسکتا اگر دونوں باتیں جمع ہیں یعنی طواف خود مقصود بالذات ہے اور اس سے تعظیم ہی مراد ہے تو بلاشبہہ حرام ہے۔ اور اگر طواف کسی اور فعل کا وسیلہ ہے مگر مکان مزار کے گرد قلعی کرنا یا فانوس کہ اس کے اطراف میں نصب ہیں ان کی روشنی کے لئے

دورہ کرنا یا مساکین کہ گردِ مزار بیٹھے ہیں ان پر کچھ تقسیم کے لئے پھیرا کرنا، یہ بلاشبہہ جائز ہے۔ یونہی اگر طواف مقصود بالذات ہو مگر اس سے غرض وغایت تعظیمِ مزار نہ ہو بلکہ مثلاً محض تبرک واستفادہ ہو تو اس کے منع پر بھی شرع سے کوئی دلیل نہیں، مزارِ انور حضور سید اَطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تو ثابت ہے کہ روزانہ صبح کو ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں اور مزارِ اَطہر کے گرد حلقہ باندھے صلوٰۃ وسلام عرض کرتے شام کو وہ بدل دئے جاتے ہیں اور ستر ہزار اور آتے ہیں کہ صبح تک ماہِ رسالت پر ہالہ ہو کر عرض صلوٰۃ وسلام کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است (ہر پھول کا ایک نیا رنگ اور جُداگانہ خوشبو ہے۔ت) محبوبانِ خدا کے مقام متفاوت ہوتے ہیں اور افاضۂ برکات میں ان کے احوال مختلف اور مفیض ومستفیض میں کچھ نسبت خفیہ ہوتی ہے جو اسے معلوم نہیں کہ ان میں کس کے ساتھ حاصل ہے لہذا یہ دریوزہ گر محتاج روضہ اطہر کے گرد دورہ کرتا ہے اس امید پر کہ ان بندگانِ معصومین پر فرداً فرداً گزرے اور ان میں سے جس کسی کی نظر اس پر پڑ جائے اس کا کام بنادے۔

بالجملہ اگر طواف مقصود بالذات نہیں جب تو جواز ظاہر ہے اور اگر مقصود بالذات ہے تو صرف فرقِ نیات ہے اگر بہ نیت تعظیمِ قبر ہے تو بلاشبہہ حرام ہے اور تبرک واستفاضہ وغیرہما نیاتِ محمودہ سے ہے تو فی نفسہ اس میں حرج نہیں اور یہ ٹھہرا لینا کہ اس مسلمان کی نیت طواف سے تعظیمِ قبر ہے قلب پر حکم ہے اور یہ غیب کا اِدّعا اور محض حرام ہے۔

ہاں یہ امر ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ یہاں نیتِ جائز ونیتِ حرام ایسی متقارب ہیں جیسے آنکھ کی سیاہی سے سپیدی تو عوام کے لئے اس میں ہرگز خیر نہیں اور خواص میں سے جو ایسا کرنا چاہے ہرگز عوام کے سامنے نہ کرے۔ ہر سخن وقتے وہر نکتہ مقامے وارد (ہر بات کا وقت ہے اور ہر نکتے کا محل ہے۔ت) یہ بحمد اللہ تعالٰی تحقیق حکم ہے اور احتراز واحتیاط ہر طرح اسلم ہے۔ **وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم**۔ (اور اللہ تعالٰی ہی کے کرم سے حصولِ توفیق ہے۔ اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ت)۔ ص 387

رسالہ: الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ (سجدۂ تعظیمی کے حرام ہونے کے بارے میں پاکیزہ مکھن)

مسلمان اے مسلمان! اے شریعتِ مصطفوی کے تابع فرمان جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرتِ عزت جلالہ کے سوا کسی کے لئے نہیں، اس کے غیر کو سجدۂ عبادت یقیناً اجماعاً شرکِ مہین وکفرِ مبین اور سجدۂ تحیت حرام وگناہِ کبیرہ بالیقین اور اس کے کفر ہونے میں اختلافِ علمائے دین ایک جماعتِ فقہاء سے تکفیر منقول اور عند التحقیق وہ کفرِ صوری پر محمول۔ **کما سیأتی بتوفیق المولٰی سبحنہ وتعالٰی** (جیسا کہ اللہ تعالٰی پاک وبرتر کے توفیق دینے سے عنقریب یہ مسئلہ آئے گا۔ت) ہاں مثلِ صنم وصلیب وشمس وقمر کے لئے سجدے پر مطلقاً اِکفار، **کما فی شرح المواقف وغیرہ من الاسفار** (جیسا کہ شرح مواقف وغیرہ بڑی کتابوں میں مذکور ہے۔ت) ان کے سوا مثلِ پیر ومزار کے لئے ہرگز ہرگز نہ جائز، نہ مباح جیسا کہ زید کا اِدّعائے باطل، نہ شرک حقیقی نامغفور جیسا کہ وہابیہ کا زعمِ عاطل۔ بلکہ حرام ہے۔ اور کبیرہ و فحشاء۔ ﴿فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (اللہ تعالٰی جس کو چاہے معاف کردیتا ہے اور جس کو چاہے سزا دیتا ہے۔ت)۔ ص 429

وجد اور تواجُد کا حکم

وجد کو حرام کہنا عجیب بات ہے وہ حالتِ اِضطراری ہے جس پر حکم ہو ہی نہیں سکتا نہ کہ تحریم نہ کہ بالاجماع نہ کہ تحلیل پر خوفِ

کفر، یہ اَحکام اَصلاً درجۂ صحت نہیں رکھتے۔

رَقص میں بھی دو صورتیں ہیں اگر بیخودانہ ہے تو سلطان نگیر وخراج ازخراب (اس لئے کہ بادشاہ کسی غیر آباد اور ویران زمین میں کسی سے ٹیکس نہیں لیتا۔ ت) وہ کسی طرح زیرِ حکم نہیں آسکتا، اور اگر بالاختیار ہے تو پھر اس کی دوصورتیں ہیں اگر تثنّی وتکسّر کے ساتھ ہے تو بلا شبہہ ناجائز ہے، تکسّر لچکا تثنی توڑا یہ رقصِ فواحش میں ہوتے ہیں اور ان سے تشبُّہ حرام، اور اگر ان سے خالی ہے تو اہلِ بیعت کو مجلسِ عام ومحضرِ عوام میں اس سے احتراز ہی چاہئے، کہ ان کی نگاہوں میں ہلکا ہونے کا باعث ہے، اور اگر جلسہ خاص صالحین و سالکین کا ہو تو داخلِ تواجُد ہے، تواجُد یعنی اہلِ وجد کی صورت بنانا، اگر معاذ اللہ بطورِ ریا ہے تو اس کی حرمت میں شبہ نہیں کہ ریا کے لئے تو نماز بھی حرام ہے، اور اگر نیت صالحہ ہے تو ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں، یہاں نیتِ صالحہ دو ہوسکتی ہیں ایک عام یعنی تشبُّہ بصلحائے کرام (اگر تم ان کی مثل نہیں ہو تو پھر ان سے مشابہت اختیار کرو کیونکہ شرفاء اور معزز لوگوں سے تشبہ کامیابی کا ذریعہ ہے۔ ت) دوسری نیت طالبانِ راہ کے لئے وجد کی صورت بنائے کہ حقیقت حاصل ہوجائے نیتِ صادقہ کے ساتھ بتکلف بننا بھی رفتہ رفتہ حصولِ حقیقت کی طرف منجر ہوجاتا ہے۔ ص551

داڑھی وحلق وقصر وختنہ وحجامت، داڑھی، مونچھ، سر وغیرہ کے بالوں، ختنہ اور ناخن وغیرہ سے متعلق مسائل

رِیش (داڑھی) ایک مشت سے زیادہ رکھنا سنت ہے یا مکروہ؟

ریش ایک مشت یعنی چار انگلی تک رکھنا واجب ہے اس سے کمی ناجائز غرض لحیہ سے کچھ لینا بھی اسی حالت سے مشروط ہے جبکہ طول میں حدِ شرع تک پہنچ جائے اور پُر ظاہر کہ مقدار ٹھوڑی کے نیچے سے لی جائے گی یعنی چُھوٹے ہوئے بال اس قدر ہوں، وہ جو بعض بیباک جہال لبِ زیریں کے نیچے سے ہاتھ رکھ کر چار انگل ناپتے ہیں کہ ٹھوڑی سے نیچے ایک ہی انگل رہے یہ محض جہالت اور شرع مطہر میں بیباکی ہے غرض اس قدر میں تو علمائے سنت کا اتفاق ہے، اس سے زائد اگر طولِ فاحش حدِ اعتدال سے خارج بے موقع بدنما ہو تو بلا شبہہ خلافِ سنت مکروہ کہ صورت بدنما بنانا اپنے منہ پر دروازۂ طعن مسخریہ کھولنا، مسلمانوں کو استہزاء وغیبت کی آفت میں ڈالنا، ہرگز مرضیِ شرع مطہر نہیں، نہ معاذ اللہ زنہار کہ رِیشِ اَقدس حضور پُرنُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیاذاً باللہ کبھی حدِ بدنمائی تک پہنچی سنت ہونا اس کا معقول نہیں۔

اور اگر حد سے زائد نہ ہو تو بعض ائمۂ سلف رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رِیش مبارک، اور مدارج میں ایک قول یہ نقل فرمایا کہ علماء ومشائخ کو ایک مشت سے زیادہ رکھنا بھی درست ہے مگر سیدنا عبداللہ بن عُمر وابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی ریش مبارک مٹھی میں لے کر جس قدر زیادہ ہوتی کم فرمادیتے، بلکہ یہ کم فرمانا خود حضور پُرنُور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے ماثور، ہمارے ائمۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسی کو اختیار فرمایا اور عامہ کتبِ مذہب میں تصریح فرمائی کہ داڑھی میں سنت یہی ہے کہ جب ایک مشت سے زائد ہو کم کردی جائے بلکہ بعض اَکابر نے اسے واجب فرمایا اگرچہ ظاہر یہی ہے کہ یہاں وجوب سے مراد ثبوت ہے نہ کہ وجوب مصطلح، تو ہمارے علما کے نزدیک ایک مشت سے زائد کی سنت ہرگز ثابت نہیں بلکہ وہ زائد کے تراشنے کو سنت فرماتے ہیں، تو اس کا زیادہ بڑھانا خلافِ سنت مکروہ تنزیہی ہوگا، رہا شیخ محقق کا اسے جائز فرمانا

وہ کچھ اس کے منافی نہیں کہ خلافِ اَولیٰ بھی ناجائز نہیں، بالجملہ ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا حاصل مسلک یہ ہے کہ ایک مشت تک بڑھانا واجب اور اس سے زائد رکھنا خلافِ افضل ہے اور اس کا ترشوانا سنت ہاں تھوڑی زیادت جو خط سے خط تک ہو جاتی ہے اس خلافِ اَولیٰ سے بالضرورۃ مستثنیٰ ہونا چاہئے ورنہ کس چیز کا تراشنا سنت ہوگا۔ص 581

ریش مبارک امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی نسبت مدارج سے گزرا: پرمی کرد سینۂ اُورا (ان کے سینے کو بھر دیتی تھی۔ت) مگر اس میں وہی احتمال قائم کہ سینہ سے مراد سینہ کا بالائی حصہ متصل گلو ہو تو ایک مشت سے زیادت پر دلیل نہ ہوگی۔ص 591

جو شخص تیس برس کی عمر میں اسلام قبول کرے اس کا ختنہ کرانا کیسا؟

الجواب: اگر ختنہ کی طاقت رکھتا ہو تو ضرور کیا جائے۔حدیث میں ہے کہ ایک صاحب خدمتِ اقدس حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے حضور پُرنُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **الق عنك شعر الكفر ثم اختتن۔ رواه الامام احمد وابوداؤد عن عثيم بن كليب الحضرمی الجهنی عن ابيه عن جده رضی الله تعالٰی عنه۔** زمانۂ کفر کے بال اتار پھر اپنا ختنہ کر (اس کو امام احمد اور امام ابوداؤد نے عثیم بن کلیب حضرمی جہنی سے اس نے اپنے باپ سے اور اس نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ت) ہاں اگر خود کر سکتا ہو تو آپ اپنے ہاتھ سے کر لے یا کوئی عورت جو اس کام کو کر سکتی ہو ممکن ہو تو اس سے نکاح کرا دیا جائے وہ ختنہ کر دے، اس کے بعد چاہے تو اسے چھوڑ دے یا کوئی کنیز شرعی واقف ہو تو وہ خریدی جائے اور اگر یہ تینوں صورتیں نہ ہو سکیں تو حجام ختنہ کر دے کہ ایسی ضرورت کے لئے ستر دیکھنا دکھانا منع نہیں۔ص 593

سر کے بال جو تالو پر سے کھلوا دئے جاتے ہیں آیا درست ہے ان کا منڈوانا یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ سر کے بال کتروانا اور ایک انگشت کے قریب رکھنا یا کہ اگلی جانب کے کچھ بڑے اور پیچھے کی جانب سے چھوٹے کرتے ہوں، جو حکم شرع مطہر کا اس بارے میں ہو بیان فرمائیں؟

الجواب: تالو کے بال منڈانا جس طرح یہاں کے لوگوں کی عادت ہے بشرطیکہ پیشانی کے بال باقی رکھے جائیں جسے پان بنوانا کہتے ہیں جائز ہے مگر اَولیٰ نہیں۔ہاں متفرق مواضع سے قطعے قطعے منڈوانا جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں بیچ سر منڈوا دیا آس پاس کے بال چھوڑ دئے اور کنپٹیوں پر ببریاں رکھیں آس پاس منڈوا دئے اور گُدّی پر ایک قطعہ بالوں کا چھوڑ ادہنے بائیں حلق کئے اسے عربی میں قزع کہتے ہیں اور وہ ممنوع ہے۔

بالوں کی نسبت شرع مطہر میں صرف دو طریقے آئے ہیں:

ایک: یہ کہ سارے سر پر رکھیں اور مانگ نکالیں یہ خاص سنت حضور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے، حج و حجامت یعنی پچھنوں کی ضرورت کے سوا حضورِ والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حلقِ شعر ثابت نہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس سال مدینہ میں قیام فرمایا اس مدت میں صرف تین بار یعنی سال حدیبیہ و عمرۃ القضاء و حجۃ الوداع میں حلق فرمایا۔

دوسرے: یہ کہ سارا سر منڈائیں یہ حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عادت تھی وہ جناب بخوفِ جنابت کہ مبادا نہانے میں کوئی بال پانی بہنے سے باقی نہ رہ جائے حلق فرمایا کرتے ان کے سوا جتنے طریقے ہیں سب خلافِ سنت اور یہ نئی نئی تراشیں ایک ایک انگل کے بال رکھنا جب اس سے بڑھیں کتروا دینا یا آگے سے بڑے پیچھے سے کترے ہوئے یا وسطِ تالو سے

پیشانی تک کھلوادینا یا گُدّی کے بال منڈانا یا پیشانی سے گُدی تک سڑک نکالنا یا منڈے سرخواہ بالوں کی حالت میں یعنی چوڑی قلمیں بڑھا کر رخساروں پر جھکانا یا داڑھی میں ملادینا، یہ باتیں مخالفِ سنت وخلافِ وضعِ صلحائے مسلمین ہونے کے علاوہ ان میں اکثر اَقوامِ کفار کی اِیجاد ہیں جن کی مشابہت سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔ص 577

* **جامع الترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی: ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یاخذ من لحیتہ من عرضھا وطولھا ۔یعنی حضور پُرنُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کے بال عرض وطول سے لیتے تھے۔علماء فرماتے ہیں یہ اس وقت ہوتا تھا جب رِیش مبارک ایک مشت سے تجاوُز فرماتی۔ص 590**

زید کہتا ہے کہ سید الموجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک ایک مشت سے زیادہ کبھی نہ ہوئی یعنی پیدائشی آپ کی ایک ہی مشت تھی؟

یہ امر محض بے اصل ہے۔حدیثِ مذکور ترمذی اس کا صریح رد ہے کہ اگر قبضہ سے کبھی زائد نہ ہوتی توعرض وطول سے لینا کیونکر متصور تھا، ہاں ظاہر کلماتِ مذکورہ علما یہ ہے کہ ریش انور مقدارِ قبضہ پر رہتی تھی جب زیادہ ہوتی کم فرمادیتے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور شفا شریف میں امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد (حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گنجان تھی جو سینہ مبارک پر چھائی ہوتی تھی۔ت) اس کے منافی نہیں جبکہ صدر سے نحر یعنی اعلائے صدر مراد ہو۔ص 590

داڑھی کی حدود

داڑھی قلموں کے نیچے سے کنپٹیوں، جبڑوں، ٹھوڑی پر جمتی ہے اور عرضاً اس کا بالائی حصہ کانوں اور گالوں کے بیچ میں ہوتا ہے جس طرح بعض لوگوں کے کانوں پر رَونگٹے ہوتے ہیں وہ داڑھی سے خارج ہیں، یوں ہی گالوں پر جو خفیف بال کسی کسی کے آنکھوں تک نکلتے ہیں وہ بھی داڑھی میں داخل نہیں یہ بال قدرتی طور پر موئے ریش سے جُدا ممتاز ہوتے ہیں اس کا مسلسل راستہ جو قلموں کے نیچے سے ایک مخروطی شکل پر جانبِ ذَقن جاتا ہے یہ بال اس راہ سے جدا ہوتے ہیں نہ اِن میں موئے محاسن کے مثلِ قوت نامیہ ان کے صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ بسا اوقات ان کی پرورش باعثِ تشویہِ خلق وتقبیح صورت ہوتی ہے جو شرعاً ہرگز پسندیدہ نہیں۔ص 596

بچی اور اس کے اردگرد کے بال داڑھی میں داخل ہیں

یہ بال بداہۃً سلسلہ ریش میں واقع ہیں کہ اس سے کسی طرح امتیاز نہیں رکھتے تو انھیں داڑھی سے جُدا ٹھہرانے کی کوئی وجہِ وجیہ نہیں، وسط میں جو بال ذرا سے چھوڑے جاتے ہیں جنھیں عربی میں **عنفقۃ** اور ہندی میں بچی کہتے ہیں۔ داخلِ ریش ہیں ولہذا امیر المومنین فاروق اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوا کہ جو کوئی انھیں منڈاتا اس کی گواہی رد فرماتے (جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں ذکر فرمایا۔ت) تو بیچ میں یہ دونوں طرف کے بال جنھیں عربی میں **فنیکین** ہندی میں کوٹھے کہتے ہیں کیونکر داڑھی سے خارج ہوسکتے ہیں داڑھی کے باب میں حکمِ اَحکم حضور پُرنُور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم **اعفوا اللحی واوفروا اللحی** (داڑھیاں بڑھاؤ اور زیادہ کرو۔ت) ہے تو اس کے کسی جز کا مونڈنا جائز نہیں، لاجرم علماء نے تصریح فرمائی کہ کوٹھوں کا نتف یعنی اکھیڑنا بدعت ہے امیر المومنین عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے شخص کی گواہی رد فرمائی۔

ہاں اگر یہاں بال اس قدر طویل وانبوہ ہوں کہ کھانا کھانے، پانی پینے، کلی کرنے میں مزاحمت کریں تو ان کا قینچی سے بقدرِ حاجت کم کردینا روا ہے۔ یہ روایت بھی دلیلِ واضح ہے کہ بغیر اس مزاحمت کے ان بالوں کا کترنا بھی ممنوع ہے نہ کہ مونڈنا (کیونکہ مفہومِ مخالف، کتابوں، کلامِ علماء میں ساتھ اجماع کے معتبر ہے میرے نزدیک تو یہی ہے۔ت)۔ص 597

سفید بال اُکھاڑنے مکروہ ہیں

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: سفید بال نہ اکھاڑا کرو۔ اور فقہائے کرام کا ارشاد سفید بال اکھاڑنے مکروہ ہیں۔ باوجود یہ کہ ان کے کترنے میں بھی کراہت ہے کیونکہ علت دونوں کو شامل ہے۔ص 598

مرد اگر اپنے زیرناف کے بال مقراض (قینچی) سے تراشے یا عورت استرہ سے تو جائز ہے یا نہیں؟

حلق وقصر ونتف وتنوّر یعنی مونڈنا، کترنا، اُکھیڑنا، نورہ لگانا سب صورتیں جائز ہیں کہ مقصود اس موضع کا پاک کرنا ہے اور وہ سب طریقوں میں حاصل، مگر حلق مرد میں بہ نسبت قصر ونتف وتنوّر کے افضل ہے کہ احادیثِ خصال وعامہ کتبِ فقہ میں اس خصلت کا ذکر بلفظِ حلق واستحداد وغیرہ، اور عورت کے لئے بعض علماء نے نتف (اُکھاڑنا) حلق (مونڈنا) سے اَفضل قرار دیا اور بعض علماء نے بالعکس ملاعلی قاری مرقاۃ میں پہلا مذہب اختیار کرتے ہیں، اور حدیثِ صحیحین میں وارد: **حتی تستحد المغیبة** (یہاں تک کہ زیرِ ناف بال صاف کرے۔ت) اشعۃ اللمعات میں علامہ تورپشتی سے نقل کیا یہاں استحداد سے بال دُور کرنا مراد ہے نہ کہ خاص استعمال، قدسی ابن عربی محاکمہ کرتے ہیں کہ نوجوان عورت کو احتراز مناسب اور عمر رسیدہ کو مضرت نہیں، اور نتف ایام ضُعف میں باعثِ استرخائے فرج تو میانہ کو اس سے بچنا زیبا اور نوجوان میں بوجہ شباب قوت یہ اِحتمال نہیں۔ص 600

عورت کا ختنہ کرنا کیسا؟

اندام زن کے دونوں لبوں کے بیچ جو گوشت پارہ تند وبلند سرخ رنگ مثلِ تاجِ خروس کے ہے اس میں سے ایک ٹکڑا کھال کا جُدا کرتے ہیں یہ ختنۂ زنان ہے جہاں اس کا رواج ہے مستحب ہے ان بلاد میں اس کا نشان نہیں، اگر واقع ہو تو جہال ہنسیں، اور یہ مسئلہ شرعیہ پر ہنسنا اپنا دین برباد کرنا ہے تو یہاں اس پر اقدام کی حاجت نہیں، خود ایک مستحب بات کرنی اور مسلمانوں کو ایسی سخت بلا میں ڈالنا پسندیدہ نہیں۔ص 602

مونچھیں اتنی بڑھانا کہ منہ میں آئیں اور ایسے شخص کا جھوٹا پانی وغیرہ پینا کیسا ہے؟

اگر اسے وضو نہ تھا اس حالت میں اس نے پانی پیا اور لبوں کے بال پانی کو لگے تو پانی مستعمل ہوگیا، اور مذہب مفتٰی بہ پر مستعمل پانی کا پینا مکروہ ہے۔ اس نے جو پیا مکروہ پیا اور اب جو بچا ہوا پئے گا مکروہ پئے گا۔ ہاں اگر اسے وضو تھا یا منہ دھلا تھا تو شرعاً حرج نہیں، اگرچہ اس کی مونچھوں کا دھوون پینے سے قلب کراہت کرے گا۔ص 606 مونچھیں اتنی بڑھانا کہ منہ میں آئیں حرام وگناہ وسنتِ مشرکین ومجوس ویہود ونصارٰی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کی حدیث صحیح میں فرماتے ہیں: مونچھیں کتر کر خوب پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ یہودیوں اور مجوسیوں کی صورت نہ بنو۔ص 684

* **چالیس روز سے زیادہ ناخن یا موئے بغل یا موئے زیرِ ناف رکھنے کی اجازت نہیں، بعد چالس روز کے گنہگار ہوں گے، ایک آدھ بار میں گناہِ صغیرہ ہوگا عادت ڈالنے سے کبیرہ ہوجائے گا فسق ہوگا۔ص 678**

جلد نمبر 23

نماز وطہارت (امامت، جماعت، استنجاء، وضو، غسل، تیمّم وغیرہ)

ہندو کے یہاں کا گوشت حرام ہے

ہندو کے یہاں کا گوشت حرام ہے جب تک وہ گوشت اس جانور کا نہ ہو جسے مسلمان نے ذبح کیا اور اس وقت تک مسلمان کی نظر سے غائب نہ ہوا۔ص95

انگریزی بال رکھنا

سر کے بال ترشوا کر چھوٹے چھوٹے رکھنا مکروہ تنزیہی ہے کہ خلافِ سنت ہے اور پائنچے ٹخنے سے نیچے بھی مکروہ تنزیہی یعنی صرف خلافِ اَولیٰ جبکہ بہ نیتِ تکبر نہ ہو۔ص97

انگریزی بال رکھنا مکروہ وخلافِ سنت ووضعِ فساق ہے ممنوع ہے **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص100

جو شخص فال کھولتا ہو لوگوں کو کہتا ہو تمھارا کام ہوجائے گا یا یہ کام تمھارے واسطے اچھا ہوگا یا برا ہوگا یا اس میں نفع ہوگا یا نقصان؟

اگر یہ اَحکام قطع ویقین کے ساتھ لگاتا ہو جب تو وہ مسلمان ہی نہیں، اس کی تصدیق کرنے والے کو صحیح حدیث میں فرمایا: **قد کفر بما نزل علی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم**۔اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اُتاری گئی۔اور اگر یقین نہیں کرتا جب بھی عام طور پر جو فال دیکھنا رائج ہے معصیت سے خالی نہیں۔ص100

تھیٹر کی آمدنی شرعاً ناجائز ہے

تھیٹر کا روپیہ کہ تماشہ کی اُجرت میں لیا جاتا ہے قطعی حرام اور اَشد قسم کا حرام ہے۔ص106

جنائز وزیارتِ قبور ومزاراتِ اولیاء

مردہ بچہ پیدا ہو تو کس طرح دفن کیا جائے، آیا کہ نال کٹوا کر دفن کریں؟

اس کا نال کاٹنے کی حاجت نہیں کہ ایذائے بے سبب ہے۔ص110

زید کے پاس کچھ روپیہ حلال کا اور کچھ ناجائز کا روپیہ اکٹھا جمع ہے زید یہ بات بھول گیا ہے کہ اس روپے میں جائز طور کا کتنا ہے اور ناجائز طور کا کتنا روپیہ ہے اب اگر زید اس روپے سے خیرات کرنا چاہئے تو کس طور سے کرے؟

الجواب: تحری کرے زیادہ سے زیادہ جہاں تک ناجائز روپیہ ہو اسے اصل مالکوں یا وارثوں کو واپس دے اگر ان کا پتا نہ ہو تو اس

قدر کل تَصَدُّق کردے باقی جتنا روپیہ اس کا رہ گیا ہے اس کا یہ مختار ہے تَصَدُّق وغیرہ جس صرف میں چاہے اٹھائے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص130

کراچی میں مسلمانوں کا ایک یتیم خانہ کھلنے والا ہے جس میں وہابی، نیچری، رافضی، لامذہب سب جمع ہیں، سنی مسلمانوں کو اس یتیم خانہ میں شامل ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور وہ چندہ باعثِ ثواب ہوا یا موجبِ عذاب؟

الجواب: اس میں احتمالاً دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ یتیموں کی تعلیم وتربیت کا تمام انتظام صرف اہلسنت کے ہاتھوں میں رہے کسی بدمذہب کا اس میں دخل نہ ہو، نہ ان کی صحبت بچوں کو رہے کہ وہ انھیں اِغوا کرسکیں صرف بالائی باتوں میں ان کی شرکت ہو، دوسرے یہ کہ ان امور میں بھی انھیں مداخلت دی جائے یا کم از کم ان کی صحبتِ بد رہے جس سے بچوں کی گمراہی مظنہ ہو، صورتِ ثانیہ تو مطلقاً قطعی حرام وبدخواہی اسلام ہے اور اس میں چندہ دینا موجبِ عذاب وآثام، اور صورتِ اُولٰی شاید محض ایک خیالی ہو واقع کبھی نہ ہو کہ جب وہ برابر کے شریک ہیں ہر کام میں برابر کی شرکت چاہیں گے کیا وجہ ہے کہ وہ نرے غلام بن کر رہنے پر راضی ہوں اور بفرضِ باطل اگر ایسا ہو بھی تو ان کی صحبتِ بد سے کیونکر مفر، لہذا حکم وہی ہے کہ ایسی کھچڑی مطلقاً حرام ہے اور اس کی اِعانت ہر طرح ناجائز، معہذا اگر فرض کرلیں کہ صورتِ اُولٰی واقع ہو تو اس میں اہلسنت کو ان بے دینوں کی مجالست مصاحبت تو قیر سے چارہ نہ ہوگا اور یہ خود حرام ہے۔ص130

رسالہ: رادالقحط والوباء بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء
(پڑسیوں کی دعوت اور فقیروں کی غمخواری کے ذریعے قحط اور وباء کو لوٹا دینے والا)

بلاد میں ہیضہ، چیچک، وقحط سالی وغیرہ آجائے تو دفعِ بلا کے واسطے جمیع محلہ والے مل کر فی سبیل اللہ اپنی اپنی حسبِ استطاعت چاول، گیہوں وپیسہ وغیرہ اُٹھا کر کھانا پکاتے ہیں؟

وانا اقول: وباللہ التوفیق (اور میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) نظر کیجئے تو یہ عمل چند دواؤں کا نسخۂ جامعہ ہے کہ اس سے مساکین وفقراء بھی کھائیں گے، علماء وصلحاء بھی عزیز ورشتہ دار بھی قریب واہلِ جار بھی تو اس میں بعد دِابوابِ جنت آٹھ خوبیاں ہیں:

(1) فضیلتِ صدقہ (2) خدمتِ صلحاء (3) صلہ رحم (4) مواساۃِ جار (5) سلوکِ نیک سے مسلمانوں خصوصاً غرباء کا دل خوش کرنا (6) ان کی مرغوب چیزیں ان کے لئے مہیا کرنا۔ (7) مسلمان بھائیوں کو کھانا دینا (8) مسلمانوں کا کھانے پر مجتمع ہونا۔

اور ان سب امور کو جب بہ نیتِ صالحہ ہوں باذنِ اللہ تعالٰی رضائے خدا، عفوِ خطاء، ودفعِ بلا میں دخلِ تام ہے ظاہر ہے کہ قحط، وباء، ہر مصیبت وبلا گناہ کے سبب آتی ہے۔ص236

بالجملہ مسلمانوں کو چاہئے اس پاک مبارک عمل میں چند باتوں کا لحاظ واجب جانیں کہ ان منافعِ جلیلہ دنیا وآخرت سے بہرہ مند ہوں:

(۱) تصحیح نیت کہ آدمی کی جیسی نیت ہوتی ہے ویسا ہی پھل پاتا ہے نیک کام کیا اور نیت بُری تو وہ کچھ کام نہیں **انما الاعمال بالنیات** (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ت) تو لازم کہ ریا یا ناموری وغیرہ اغراضِ فاسدہ کو اَصلاً دخل نہ دیں ورنہ نفع درکنار نقصان کے سزاوار ہوں گے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی

(۲) صرف اپنے سر سے بلا ٹالنے کی نیت نہ کریں کہ جس نیک کام میں چند طرح کے اچھے مقاصد ہوں اور آدمی ان میں ایک ہی کی نیت کرے تو اسی لائق ثمرہ کا مستحق ہوگا **انما لکل امرء مانوی** (ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جس کی وہ نیت کرے۔ت) جب کام کچھ بڑھتا نہیں صرف نیت کر لینے میں ایک نیک کام کے دس ہوجاتے ہیں تو ایک ہی نیت کرنا کیسی حماقت اور بلاوجہ اپنا نقصان ہے۔ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ اس عمل میں کتنی نیکیوں کی نیت ہوسکتی ہے ان سب کا قصد کریں کہ سب کے منافع پائیں بلکہ حقیقتاً اس عمل سے بلا ٹلنا بھی انہی نیتوں کا پھل ہے جیسا کہ ہم نے احادیث سے روشن کر دیا تو بغیر ان نیتوں اَعنی صدقۂ فقراء وخدمتِ صلحا وصلہ رحم واحسانِ جار وغیرہ مذکورات کے بلا ٹلنے کی خالی نیت پوست بے مغز ہے۔

(۳) اپنے مال کی پاکی میں حد درجہ کی کوشش بجالائیں کہ اس کام میں پاک ہی مال لگایا جائے اللہ عزوجل پاک ہے پاک ہی کو قبول فرماتا ہے، ناپاک مال والوں کو یہ رونا کیا تھوڑا ہے کہ ان کا صدقہ خیرات، فاتحہ، نیاز کچھ قبول نہیں **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔

(۴) زنہار زنہار ایسا نہ کریں کہ کھاتے پیتوں کو بلائیں محتاجوں کو چھوڑیں کہ زیادہ مستحق وہی ہیں اور انھیں اس کی حاجت ہے تو ان کا چھوڑنا انھیں اِیذا دینا اور دل دکھانا ہے۔ مسلمانوں کی دل شکنی معاذ اللہ وہ بلائے عظیم ہے کہ سارے عمل کو خاک کر دے گی، ایسے کھانے کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سب سے بدتر کھانا فرمایا کہ پیٹ بھرے بلائے جائیں جنھیں پرواہ نہیں اور بھوکے چھوڑ دئے جائیں جو آنا چاہتے ہیں۔

(۵) فقراء کہ آئیں کہ ان کی مدارات وخاطرداری میں سعیِ جمیل کریں اپنا احسان ان پر نہ رکھیں بلکہ آنے میں ان کا احسان اپنے اوپر جانیں کہ وہ اپنا رزق کھاتے اور تمھارے گناہ مٹاتے ہیں اُٹھانے بٹھانے بلانے کھلانے کسی بات میں برتاؤ ایسا نہ کریں جس سے ان کا دل دکھے کہ احسان رکھنے اِیذا دینے سے صدقہ بالکل اکارت جاتا ہے۔

ان سب باتوں کے لحاظ کے ساتھ اس عمل کو ایک ہی بار نہ کریں بار بار بجالائیں کہ جتنی کثرت ہوگی اتنی ہی فقراء وغربا کی منفعت ہوگی اتنی اپنے لئے دینی ودنیاوی وجسمی وجانی رحمت وبرکت ونعمت وسعادت ہوگی خصوصاً ایامِ قحط میں تو جب تک عیاذاً باللہ قحط رہے روزانہ ایسا ہی کرنا مناسب کہ اس میں نہایت سہل طور پر غرباء ومساکین کی خبر گیری ہوجائے گی اپنے کھانے میں ان کا کھانا بھی نکل جائے گا، دیتے ہوئے نفس کو معلوم بھی نہ ہوگا اور جماعت کی وجہ سے سو کا کھانا دوسو کو کفایت کرے گا، قحطِ عام الرمادمیں حضرت سیدنا امیر المومنین عمر فاروق اَعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کا قصد ظاہر فرمایا۔ **وباللہ التوفیق وھدایۃ الطریق**۔ص157

ذکرودعا

بددعا کرنا گناہگاروں کے واسطے جائز ہے یا حرام؟

اپنے تحفظ کی دعا، یہ ہر مخالف کے مقابل روا ہے، باقی دعائے شر کافر و بدمذہب پر کی جائے، سنی صحیح العقیدہ پر نہ کی جائے اگرچہ اپنا کتنا ہی مخالف ہو۔ص 176 سنی مسلمان اگر کسی پر ظالم نہیں تو اس کے لئے بددعا نہ چاہئے بلکہ دعائے ہدایت کی جائے کہ جو گناہ کرتا ہے چھوڑ دے اور اگر ظالم ہے اور مسلمانوں کو اس سے ایذا ہے تو اس پر بددعا میں حرج نہیں۔ص 182

* ایک رکعت تنہا پڑھنی ہمارے مذہبِ حنفی میں ممنوع ہے۔ص 177

مسجد میں سب لوگ نماز کے بعد کلمہ شریف بآوازِ بلند چار پانچ مرتبہ پڑھتے ہیں یہ درست ہے یا کیا اس کا حکم ہے؟

ذکرِ الٰہی اَفضل الاعمال بلکہ اصلِ جملہ اِعمالِ حسنہ صالحہ ہے یہاں تک کہ بعدِ ایمان اَعظم ارکانِ اسلام نماز سے بھی وہی مقصود ہے، قال اللہ تعالٰی {اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ} میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔(ت) اور کلمہ طیبہ کہ اصلُ الاصول اور اَفضل الاذکار ہے۔قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے۔(ت) اللہ عزوجل نے قرآنِ مجید میں ذکر کا مطلق حکم فرمایا اور تعمیمِ اَحوال فرمائی: {یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ}۔(اللہ تعالٰی کے مقبول بندے) وہ ہیں جو اللہ تعالٰی کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے ہیں یعنی ہر حال میں خدا کا ذکر کرتے ہیں۔(ت) بلکہ اس کی تکثیر کا حکم فرمایا جس چیز کی تکثیر شارع کو مطلوب ہو اس کی تقلیل نہ چاہے گا مگر وہ جسے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ضد ہے، رہا خوفِ رِیا وہ متعلق بہ قلب ہے ریا سے اگر نماز ہو تو وہ بھی ناجائز ہے، مگر عقل و دین والا ریا سے منع کرے گا نماز سے نہ روکے گا، ہاں دوسرے مسلمانوں کی اِیذا نہ ہونے کا لحاظ لازم ہے سوتوں کی نیند میں خلل نہ ہو، نمازیوں کی نماز میں تشویش نہ ہو، کما نص علیہ فی البحر الرائق وردالمحتار وغیرھا (جیسا کہ بحرالرائق اور ردالمحتار میں اس پر نص ہے۔ت) جب وقت لوگوں کی نیند کا ہو یا کچھ نماز پڑھ رہے ہوں تو ذکر کرو جس طرح مگر نہ اتنی آواز سے کہ ان کو اِیذا ہو اور جب اس سے خالی ہو تو مختارِ مطلق ہو، کرو اور اتنی کثرت سے کرو کہ منافق مجنون کہیں اور وہابی بدعت، واللہ تعالٰی اعلم۔ص 178

ذکرِ بجہر صحیح یہ ہے کہ جائز ہے، مگر ایسا ہو جس سے کسی کی نماز یا تلاوت یا نیند میں خلل آئے یا مریض کو اِیذا پہنچے ناجائز ہے اور یہ بھی ممنوع ہے کہ طاقت سے زیادہ جہر کرے جس سے اپنے دل و دماغ کو صدمہ پہنچے اسی کا نام جہرِ مُفرِط ہے۔ص 180

نکاح وطلاق،محرمات،مہر،عدت،کفو،ولایت

ایک عورت کا خاوند مرگیا اور اس عورت نے دوسرا خاوند کرلیا ہو تو وہ عورت جنت میں کون سے خاوند کے پاس ہوگی؟

الجواب: عورت اپنے آخر اَزواج کے لئے ہے۔ص 183

ہندہ کا شوہر زید دس بارہ سال سے برہما کو چلا گیا، زوجہ کی کچھ خبر گیری نہیں کرتا نہ نان نفقہ دیتا ہے نہ کبھی آتا ہے۔ چند آدمی مسلم غیرِ ثقہ اس کے پاس سے ہوکر آئے تو وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ زید مرتد ہوگیا یعنی دین اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کیا، تو اس صورت میں کیا ایک یا دو آدمی غیرِ ثقہ مسلم کی خبر سے عورت مذکورہ اپنا نکاح کسی دوسرے شخص سے کرسکتی ہے یا نہیں؟

اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ نکاح پر فسادِ طاری کی خبر جبکہ اس کا کوئی معارض ومنکر ظاہر نہ ہوتو دو شرطوں میں ایک کے ساتھ مقبول ہے یا تو مخبر ثقہ عادل ہو یا صاحبِ معاملہ جسے خبر دی گئی تحری کرے اور اس کے قلب میں اس کا صدق واقع ہو اور اگر نہ مخبر ثقہ نہ اس کے دل میں اس کا صدق آتا ہے تو ایسی خبر پر عمل ناروا ہے۔ اور اس احدُ الشرطین کی ضرورت جس طرح عورت کو ہے جو اس خبر کی بنا پر اپنا نکاحِ ثانی کیا چاہتی ہے یوہیں دوسرے ناکح کو بھی اور اس کے سامنے بھی نفسِ واقع سے اِخبار چاہئے خواہ وہ مخبر بیان کریں خواہ عورت تاکہ مخبر عنِ الواقع یا تحری قلب کو مساغ ہو مجردِ اِخبارِ عنِ الاخبار کوئی شے نہیں، اور تحریِ قلب بابِ احتیاط سے ہے ایک کا ظن دوسرے کے حق میں کافی نہیں خود اپنے دل کی شہادت چاہئے۔ ص184

زید نے نکاح اپنا کسی عورت سے کرلیا، بعد چند مدت کے پھر اس کی بہن حقیقی سے کرلیا، دونوں بہنیں اس کے نکاح میں حیات ہیں، اب نہیں معلوم کہ نکاح دونوں کا درست ہے یا حرام؟ قاضی نے بطمع ولالچ نکاح پڑھادیا اور وہی نماز بھی پڑھاتا ہے اور کہتا ہے میں نے عالموں سے دریافت کرکے نکاح پڑھایا ہے "ایسا نکاح درست ہے"۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا یا نکاح پڑھوانا درست ہے یا نہیں؟ اور حاضرانِ مجلس جو اس میں شریک تھے مع وکیل وشاہد وغیرہ ان کے ذمہ کیا اِلزام آسکتا ہے؟

الجواب: یہ نکاح بنصِ صریح قرآنِ مجید حرام قطعی حرام قطعی حرام قطعی ہے، **قال اللہ تعالٰی {اَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَیۡنَ الۡاُخۡتَیۡنِ}** اللہ تعالٰی نے فرمایا: دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع نہ کرو۔ (ت)

اس نکاح کو درست کہنا صریح کلمہ کفر ہے، اس قاضی پر لازم ہے کہ نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھے اور اپنے اس قولِ نجس سے توبہ کرے اگر عورت رکھتا ہے تو بعد تجدیدِ اسلام اس سے اَزسرِ نو نکاح کرے، اس لفظ کے بعد جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہیں سب باطل ہوئیں جس جس نے جو جو نماز پڑھی اس کا پھیرنا اس پر لازم ہے، اور اب جب تک تجدیدِ اسلام نہ کرے اس کے پیچھے نماز باطل محض ہے کہ پڑھنا حرام اور پڑھ لی ہو تو پھیرنا فرض، اور اس سے نکاح ہرگز نہ پڑھوایا جائے۔

وکیل وشاہد حاضرین سے جسے یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی بہن اس کے نکاح میں ہے اس پر اِلزام نہیں، اور جسے معلوم تھا حرام جان کر شریک ہوا وہ سخت گناہ کا مرتکب اور شدید عذاب کا مستوجب ہوا اور جس نے اسے حلال ٹھہرایا اس کا حکم اس قاضی کے مثل ہے اس پر بھی تجدیدِ اسلام لازم اور اس کے بعد خود اپنے نکاح کی تجدید کرے اس مرد پر فرض ہے کہ فوراً اس دوسری بہن کو جُدا کردے اور اگر اس سے قربت کرچکا تو اب وہ پہلی بھی اس پر حرام ہوگئی جب تک اس دوسری کو چھوڑ کر اس کی عدت نہ گزر جائے پہلی کو بھی ہاتھ لگانا حرام ہے جب اس کی عدت گزر جائے گی اس وقت وہ پہلی اس کے لئے حلال ہوگی۔ ص192

قاضی کا رجسٹر شرعاً کوئی شرطِ نکاح نہیں رجسٹر آج سے نکلے ہیں، پہلے نکاح کیونکر ہوتے تھے، ہاں یادداشت کے لئے

درج ہونا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ص193

ماہِ محرم اور خصوصاً ۹ تاریخ ماہِ مذکورہ کی شب میں نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ص193

ہنسی اور مذاق عورتوں کو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ہنسی مذاق جس میں نہ فحش ہو، نہ اِیذائے مسلم، نہ بڑوں کی بے ادبی، نہ چھوٹوں سے بدلحاظی، نہ وقت ومحل کے نظر سے بے موقع نہ اس کی کثرت، اپنی ہمسر عورتوں سے جائز ہے اور شوہر کے ساتھ موجب اجر اور یہاں کثرت میں بھی حرج نہیں اگر اس کے خلافِ مرضی نہ ہو، واللہ تعالیٰ اعلم ۔ص194

نسب

اپنے آپ کو سید کہنا

جو واقع میں سید نہ ہو اور دیدہ ودانستہ بنتا ہو وہ ملعون ہے نہ اس کا فرض قبول ہو نہ نفل۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو کوئی اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کا دعوٰی کرے یا کسی غیرِ والی کی طرف اپنے آپ کو پہنچائے تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے فرائض اور نوافل قبول نہ فرمائے گا۔ (ت) مگر یہ اس کا معاملہ اللہ عزوجل کے یہاں ہے ہم بلا دلیل تکذیب نہیں کرسکتے، البتہ ہمارے علم تحقیق طور پر معلوم ہے کہ یہ سید نہ تھا اور اب سید بن بیٹھا تو اسے ہم بھی فاسق ومرتکبِ کبیرہ ومستحقِ لعنت جانیں گے۔198

کسی مسلمان بلکہ کافر ذمی کو بھی بلا حاجتِ شرعیہ ایسے الفاظ سے پکارنا یا تعبیر کرنا جس سے اس کی دل شکنی ہو اسے اِیذاء پہنچے، شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ اگرچہ بات فی نفسہٖ سچی ہو، فان کل حق صدق ولیس کل صدق حقا (ہر حق سچ ہے مگر ہر سچ حق نہیں)۔ص204

رسالہ: اراءۃ الادب لفاضل النسب (نسبی فضیلت والے کو ادب کی راہ دکھانا)۔ص201

شرع مطہر نے متعدد احکام میں فرقِ نسب کو معتبر رکھا ہے

تحقیقِ مقام ومقال بکمال اجمال یہ ہے کہ مدارِ نجات تقوٰی پر ہے علی تبائن مراتبھا وثمراتھا (فرقِ مراتب اور اس کے نتائج کے لحاظ سے) نہ کہ محض نسب، ومایضاھیہ من الفضائل موھوباتھا ومکسوباتھا (جو فضائل کے مشابہ ہو ان کے وہبی اور کسبی چیزوں میں) لہٰذا محض تقوٰی بس ہے اگرچہ شرفِ نسب وتکمیلِ علومِ سمیّہ نہ ہو اور مجرد شریفُ القوم یا ملا صاحب کہلانا کافی نہیں جبکہ تقوٰی اَصلاً نہ ہو۔ حدیث من ابطأبہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ کے یہی معنی ہیں نہ یہ کہ فضلِ نسب شرعاً محض باطل ومہجور وہباً منثور، یا شرافت وسیادت، نہ دنیاوی احکام شرعیہ میں وجہِ امتیاز، نہ آخرت میں اَصلاً نافع وباعثِ اعزاز ـــــ حاشا ایسا نہیں بلکہ شرع مطہر نے متعدد احکام میں فرقِ نسب کو معتبر رکھا ہے، اور سلسلۂ طاہرہ ذریت عاطرہ

میں اِنسلاک واِنتساب ضرور آخرت میں بھی نفع دینے والا ہے، کتابُ النکاح میں سارا بابِ کفائت تو خاص اسی اعتبارِ تفرقہ ومزیت پر مبنی ہے۔ص205

عربوں کے چند خصوصی احکام

* عرب کبھی بحالِ کفر بھی غلام نہ بنائے جائیں گے۔
* ان کے مشرکوں پر جزیہ نہ رکھا جائے گا کہ ان میں جو غلام نہ بن سکے اس پر جزیہ بھی نہیں۔
* ان کی زمین سے کبھی خراج بھی نہیں لیا جائے گا وہ بہر حال عشری ہے۔ص221
* اہلِ بیت، عرب اور قریش کے فضائل۔ص206 تا256

نسب پر فخر کرنا جائز نہیں

* ہاں نسب پر فخر جائز نہیں۔
* نسب کے سبب اپنے آپ کو بڑا جاننا، تکبر کرنا جائز نہیں۔
* دوسروں کے نسب پر طعن جائز نہیں۔
* انھیں کم نسبی کے سبب حقیر جاننا جائز نہیں۔
* نسب کو کسی کے حق میں عار یا گالی سمجھنا جائز نہیں۔
* اس کے سبب کسی مسلمان کا دل دکھانا جائز نہیں۔ص255

رسم ورواج ریاء وتفاخر وبدعت واسراف وغیرہ

لڑکوں کے سر پر چوٹی رکھنی ناجائز اور فعلِ مذکور رسومِ ملعونہ کفار سے تشبُّہ ہے جس سے اِحتراز لازم۔ص262

پختہ اور سات گز سے زیادہ بلند مکان بنوانا جائز ہے یا نہیں؟

عماراتِ خیر میں جبکہ نیتِ خیر بروجہِ خیر ہو محمود ہے اور اپنے سکونت وغیرہا کے مکانات میں اگر بحاجت ہو تو مباح اور بہ نیتِ تفاخر بالدنیا ہو تو حرام، **تتطاول فی البنیان** (عمارتوں کی بلندی اور درازی۔ت) علاماتِ قیامت سے ہے، یہی محمل ہے اس حدیث کا کہ جب کوئی شخص سات گز سے زیادہ دیوار اُٹھاتا ہے فرشتہ کہتا ہے اے منافق! کہاں تک بلند کرے گا۔

پختہ مکان اگر نیک کاموں کے لئے ہو جیسے مسجد ومدرسہ وخانقاہ وسرا تو ثواب ہے اور اپنی ضرورت وحاجت کے لئے ہو تو مباح، اور تفاخر وتکبر کی نیت سے ہو تو حرام۔ص264

* آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صحت یابی حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت بلکہ مرضِ اَقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے۔ص271
* **گھوڑے کی سواری بھی فی نفسہٖ مسنون ہے۔ص274**

آتش بازی بنانا اور چھوڑنا حرام ہے یا نہیں؟

آتشبازی جس طرح شادیوں اور شبِ برأت میں رائج ہے بیشک حرام اور پورا جرم ہے کہ اس میں تضییعِ مال ہے، قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی فرمایا۔ص279

مگر جو صورتِ خاصہ لہو ولعب وتبذیر واسراف سے خالی ہو، جیسے اعلانِ ہلال، یا جنگل میں یا وقتِ حاجت شہر میں بھی دفعِ جانورانِ موذی یا کھیت یا میوے کے درختوں سے جانوروں کے بھگانے اُڑانے کو ناڑیاں پٹاخے تومڑیاں چھوڑنا۔ص 291

قاعدہ کلیہ

شرع شریف کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس چیز کو خدا اور رسول اچھا بتائیں وہ اچھی ہے اور جسے برا فرمائیں وہ بری ہے اور جس سے سکوت فرمائیں یعنی شرع سے نہ اس کی خوبی نکلے نہ برائی وہ اباحتِ اصلیہ پر رہتی ہے کہ اس کے فعل وترک میں ثواب نہ عقاب، یہ قاعدہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ اکثر جگہ کام آئے گا۔ص320

حدود وتعزیرات

گناہ سے توبہ کرنے والے کو اگلے گناہ سے عیب لگانا سخت حرام ہے ایسے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ مرے گا جب تک خود اس گناہ کا مرتکب نہ ہو۔ص329

حد لگانے کا اختیار سلطان کو ہے

یہاں نہ اسلامی سلطنت ہے نہ حدود جاری ہو سکتے ہیں نہ غیرِ سلطان کو حد کا اختیار ہے اور تعزیر بالمال منسوخ ہے **كما حققه الامام الطحطاوی رحمه الله تعالیٰ** (جیسا کہ امام طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اور منسوخ پر عمل جائز نہیں صرف چارۂ کار یہ ہے کہ اسے برادری سے خارج کریں مسلمان اس سے میل جول چھوڑ دیں جب تک توبہ نہ کرے اگر توبہ کرے تو اللہ عزوجل قبول فرمانے والا ہے۔ص324

آداب

حروف قابلِ ادب ہیں

ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ نفسِ حروف قابلِ ادب ہیں اگرچہ جُدا جُدا لکھے ہوں جیسے تختی یا وصلی پر خواہ ان میں کوئی بُرا نام لکھا ہو جیسے فرعون، ابوجہل وغیرہما، تاہم حرفوں کی تعظیم کی جائے اگرچہ ان کافروں کا نام لائقِ اہانت وتذلیل ہے، اور تصریح فرماتے ہیں کہ کتاب پر دوات رکھنا منع ہے مگر جب لکھتے وقت ضرورت ہو۔ اور تصریح فرماتے ہیں کہ اگر کسی صندوق یا الماری میں کتابیں رکھی ہوں تو ادب یہ ہے کہ اس کے اوپر کپڑے نہ رکھے جائیں، تو کیونکر ادب ہوگا کہ کتابیں نیچے رکھی ہوں اور آپ اوپر بیٹھیں، کیا ایسے لوگوں کو بے ادبی کی شامت سے خوف نہیں، حروفِ تہجی خود کلام اللہ ہیں کہ ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئے۔

البتہ کتبِ دینیہ کو بے وضو ہاتھ لگانے کے بارے میں علماء مختلف ہیں بعض علماء مطلقاً جائز فرماتے ہیں اور بعض مطلقاً مکروہ اور بعض تفصیل کرتے ہیں کہ کتبِ تفسیر میں مکروہ اور غیر میں جائز بشرطیکہ ان میں جہاں کوئی آیت لکھی ہو خاص اس پر ہاتھ نہ رکھے اس کی ممانعت میں کوئی کلام نہیں اور یہی تفصیل زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔ص336

کتابوں کے شروع پر بسم اللہ لکھنے سے کلامُ الناس ہو جاتی ہے یا کلامُ اللہ؟

بسم اللہ کہ (شروع) پر لکھتے ہیں غالباً اس سے تبرک وافتتاحِ تحریر مراد ہوتا ہے، نہ کتابتِ آیاتِ قرآنیہ، اور ایسی جگہ تغیرِ قصد سے تغیرِ حکم ہو جاتا ہے ولہذا جنب کو آیاتِ دعا وثنا نہ نیتِ قرآن بلکہ بہ نیتِ ذکر ودعا پڑھنا جائز ہے۔ص337

فرسودہ قرآن شریف اور قواعد بغدادی اور قواعد ابجد جلانے کا حکم؟

اِحراقِ مصحفِ بوسیدہ وغیرِ منتفع علماء میں مختلف فیہ ہے اور فتوٰی اس پر ہے کہ جائز نہیں، بلکہ ایسے مصاحف کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کرنا چاہئے۔

اور صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے کہ اِحراق واقع ہوا **کما فی حدیث البخاری** (جیسا کہ بخاری کی حدیث میں ہے۔ ت) بغرض رفعِ فتنہ وفساد تھا اور بالکلیہ رفع اس کا اسی طریقہ پر منحصر کہ صورتِ دفن میں ان لوگوں سے جنھیں مصاحفِ محرقہ اور ان کی ترتیب خلافِ واقع پر اصرار تھا احتمالِ اِخراج تھا بخلاف مانحن فیہ کہ یہاں مقصود حفظِ مصحف ہے بے ادبی اور ضائع ہو جانے سے، اور یہ امر طریقۂ دفن میں کہ مختارِ علماء ہے **کما مر بنہج احسن** (جیسا کہ اس کی تفصیل بہت اچھے انداز سے گزر چکی۔ ت) حاصل البتہ قواعدِ بغدادی وابجد اور سب کتبِ غیرِ منتفع بہا ماورائے مصحف کریم کو جلا دینا بعد محوِ اَسمائے باری عزَّ اِسمُہ اور اسمائے رُسل وملائکہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجمعین کے جائز ہے۔ص338

مصحف کریم کا اِحراق جائز نہیں بلکہ حفاظت کی جگہ دفن کیا جائے جہاں پاؤں نہ پڑیں، اور اگر تھوڑے اوراق ہوں تو اَولٰی یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کو ان کے تعویذ تقسیم کر دئے جائیں۔ص376

* (قرآن شریف کی آیت کا پیشاب سے لکھنا جائز ہے) معاذ اللہ اس قول کا رد۔ص340

قبلہ رو اپنی عورت سے صحبت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اگر کپڑا اوڑھے ہے بدن چھپا ہوا ہے تو کچھ حرج نہیں اور اگر برہنہ ہے تو ایک تو برہنہ جماع کرنا خود مکروہ، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وقتِ جماع مرد وزن کو کپڑا اوڑھ لینے کا حکم دیا اور فرمایا: **ولا یتجردان تجرد العیر** گدھے کی طرح برہنہ نہ ہوں۔ دوسرے بحالتِ برہنگی قبلہ کو منہ یا پیٹھ کرنا دوسرا مکروہ وخلافِ ادب۔ص349

قرآنِ مجید پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر غور سے سننا اور خاموش رہنا فرض ہے ایک مجلس میں چند آدمی مل کر قرآنِ مجید بلند آواز سے یا خفی پڑھیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قرآنِ مجید پڑھا جائے اُسے کان لگا کر غور سے سننا اور خاموش رہنا فرض ہے علماء کو اختلاف ہے کہ یہ اِستماع وخاموشی

فرضِ عین ہے کہ جلسہ میں جس قدر حاضر ہوں سب پر لازم ہے کہ ان میں جو کوئی اس کے خلاف کچھ بات کرے مرتکبِ حرام وگنہگار ہوگا یا فرضِ کفایہ ہے کہ اگر ایک شخص بغور متوجہ ہو کر خاموش بیٹھا سن رہا ہے تو باقی پر سے فرضیت ساقط، ثانی اَوسع اور اَول اَحوط ہے۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کے توفیق دینے سے کہتا ہوں۔ت) ظاہر یہ ہے واللہ تعالٰی اعلم کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے تلاوتِ قرآنِ عظیم بآواز کررہا ہے اور باقی لوگ اس کے سننے کو جمع نہ ہوئے بلکہ اپنے اغراضِ متفرقہ میں ہیں تو ایک شخص تالی کے پاس بیٹھا بغور سن رہا ہے ادائے حق ہوگیا باقیوں پر کوئی لزوم نہیں، اور اگر وہ سب اسی غرضِ واحد کے لئے ایک مجلس میں مجتمع ہیں تو سب پر سننے کا لزوم چاہئے جس طرح نماز میں جماعتِ مقتدیان کہ ہر شخص پر استماع وانصات جداگانہ فرض ہے یا جس طرح جلسۂ خطبہ کہ ان میں ایک شخص مذکر اور باقیوں کو یہی حیثیتِ واحدہ تذکیر جامع ہے تو بالاتفاق ان سب پر سننا فرض ہے نہ یہ کہ استماعِ بعض کافی ہو جب تذکیر میں کلامِ بشر کا سننا سب حاضرین پر فرضِ عین ہوا تو کلامِ الٰہی کا استماع بدرجہ اَولٰی۔

بہرحال اس قدر میں شک نہیں کہ قرآنِ عظیم کا ادب وحفظ حرمت لازم اور اس میں لغو ولغط حرام وناجائز پس صورتِ اُولٰی میں جہاں مقصود تلاوت وختمِ قرآن ہے نہ حاضرین کو سنانا، اگر سب آہستہ پڑھیں کہ ایک کی آواز دوسرے کو نہ جائے تو عین ادب واَحسن واَحَبّ ہے، اس کی خوبی میں کیا کلام، اور اگر چند آدمی بآواز پڑھ رہے ہیں یوں ہی قاری کے پاس ایک یا چند مسلمان بغور سن رہے ہیں اور ان میں باہم اتنا فاصلہ ہے کہ ایک کی آواز سے دوسرے کا دھیان نہیں بٹتا تو قولِ اَوسع پر اس میں بھی حرج نہیں اور اگر کوئی سننے والا نہیں یا بعض کی تلاوت بعض اَشخاص سن رہے ہیں بعض کی کوئی نہیں سنتا یا ایسی قریب آوازیں مختلف ومختلط ہیں کہ جُدا جُدا سننا میسر ہی نہ رہا تو یہ صورتیں بالاتفاق ناجائز وگناہ ہیں اور صورتِ ثانیہ میں جہاں مقصود سنانا ہے اگر قولِ اَحوط پر عمل کیجئے تو چند آدمیوں کا معاً آواز سے پڑھنا صریح حرام ہے اور اگر توفیقِ مذکور پر نظر کی جائے تو جب بھی یہ صورت سب پر لزومِ خاموشی کی ہے اور اگر اس سے قطع نظر کر کے قولِ اَوسع ہی لیجئے تاہم اس صورت کے بدعت وشنیع ہونے میں کلام نہیں، آوازیں ملانا گانے وغیرہ کے مناسب حال ہے، قرآنِ عظیم میں یہ ایک نو پیدا امر ہے جس کے لئے دین میں کوئی اصل نہیں اور اس کی تجویز وترویج میں ایک اور فتنۂ عظیم کا اندیشہ صحیحہ ہے آوازیں بنا کر آوازیں ملا کر گانے کی طرح قرآن پڑھنا ہوگا تو ایسے لوگ عبارت کو اپنے لہجوں پر منطبق کرنے کے لئے جگہ جگہ آواز گھٹانے بڑھانے کے عادی ہوتے ہیں نظم میں خیریت ہے قرآنِ عظیم میں جب ایسا اُتار چڑھاؤ کیا جائے گا قطعاً اِجماعاً حرام ہوگا لہذا ہر طرح سے ممانعت ہی لازم ہے۔ص353

خوش اِلحانی کے ساتھ بیان کرنا

ایک شخص واعظ ہے اور وعظ کے درمیان اَشعارِ مدحیہ نبوت رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوش اِلحانی کے ساتھ پڑھتا ہے یا وعظ میں حدیثوں کا ترجمہ لحن کے ساتھ نظم میں پڑھتا ہے اور درمیان میں قرآن شریف کی آیات کو لحنِ عرب میں پڑھتا ہے، آیا اس طرح کا پڑھنے والا گنہگار تو نہ ہوگا؟ اور سننے والوں کا واہ واہ، سبحان اللہ کہنا کیسا؟

قرآنِ عظیم خوش اِلحانی سے پڑھنا جس میں لہجہ خوشنما دلکش پسندیدہ، دل آویز، غافل دلوں پر اثر ڈالنے والا ہو، اور

معاذ اللہ رعایتِ اوزانِ موسیقی کے لئے ہیئتِ نظمِ قرآنی کو بدلا نہ جائے، ممدود کا مقصور، مقصور کا ممدود نہ بنایا جائے، حروفِ مد کو کثیر فاحش کشش جسے اِصطلاحِ موسیقیاں میں تان کہتے ہیں نہ دی جائے زمزمہ پیدا کرنے کے لئے بے محل غنہ ونون نہ بڑھایا جائے ،غرض طرزِ ادا میں تبدیل وتحریف راہ نہ پائے بیشک جائز ومرغوب بلکہ شرعاً محبوب ومندوب بلکہ بتاکیداً کید مطلوب اعلیٰ درجہ کی ہے زمانہ صحابہ وتابعین وائمہ دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے آج تک اس کے جواز واستحسان پر اِجماعِ علماء ہے۔

پھراس کے ساتھ اگراس کی قراءت بِلاقصداوزانِ موسیقی سے کسی وزن کے موافق نکلے تو اَصلاً حرج والزام نہیں حتی کہ نماز میں بھی ایسی تلاوت جائز وحسن ومستحسن ہے۔ہاں معاذ اللہ بِالقصد راگنی پر قرآنِ عظیم ٹھیک کرنا اس کی درستی کو بے جگہ مد یا حرکت یا غنہ وغیرہا بڑھانا گھٹانا تانیں لینا یہ ضرور حرام اور اس کی تحسین اس پر سبحان اللہ وآفریں اس سے زیادہ حرام تر ومجمعِ آثام ہے **والعیاذ باللہ تعالیٰ** (اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ت)

اشعارِ حسنہ محمودہ کا پڑھنا جن میں حمدِ الٰہی ونعتِ رسالت پناہی جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومنقبتِ آل واصحاب واولیاء وعلمائے دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بروجہِ صحیح اور نجیع مقبولِ شرعی یا ذکرِ موت وتذکیرِ آخرت واہوالِ قیامت **وغیر ذٰلك** مقاصدِ شرعیہ ہو قطعاً جائز وروا اور خود زمانہ اقدس حضور پُرنُور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آج تک تمام ائمہ دین وعباد اللہ الصالحین میں رائج رہا ہے۔

ظاہر کہ وعظ کے اشعار حدیث کے ترجے اس قسم میں داخل ہیں تو ایسی شعر خوانی کا جواز بالیقین ہے اور جب خوش الحانی خود قرآنِ عظیم میں مطلوب ومندوب ہوئی تو یہ شعر ہے یہاں اگر اِلحان کے لئے مدوقصر وحرکات وسکنات وغیرہ ہیئاتِ حروف میں کچھ تغیر بھی ہو تو حرج نہیں جب کہ صرف سادہ خوش الحانی ہو اور تمام منکراتِ شرعیہ سے خالی۔اس قدر کو عرف میں پڑھنا کہتے ہیں نہ کہ گانا کہ موسیقی کے اوزانِ مقررہ نغماتِ محررہ طرقاتِ مطربہ قرعاتِ مجعبہ اُتار چڑھاؤ زیر وبم تان گٹکری تال سم کی رعایت سے رنڈیوں اور ڈومنیوں مراثیوں ڈھاریوں نقالوں قوالوں وغیرھم میں معمول اور باوضع شرفاء مہذبین صنعا میں معیوب و مخذول۔ص355

راستے میں قرآن مجید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

راستے میں قرآن شریف کی تلاوت دوشرط سے جائز ہے۔ایک: یہ کہ وہاں کوئی نجاست نہ ہو، دوسرے: یہ کہ راہ چلنا اسے قرآنِ عظیم پڑھنے سے غافل نہ کرے جہاں نجاست یا بدبو ہو وہاں خاموش رہے جب وہ جگہ نکل جائے پھر پڑھے۔ص375

سونے سے اُٹھ کر آیۃ الکرسی پڑھنا کیسا ہے بعض استاد حقہ پیتے ہیں اور شاگرد کو پڑھاتے جاتے ہیں؟

الجواب: سونے سے اُٹھ کر ہاتھ دھو کر کلی کرلے اس کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے، اگر منہ میں حقہ وغیرہ کی بدبو ہو یا کوئی کھانے پینے کی چیز ہو تو بغیر کلی کئے تلاوت نہ کرے جو استاد ایسا کرتے ہیں برا کرتے ہیں۔ص376

اپنی زوجہ کی پستان منہ میں رکھ کر جماع کرنا کیسا ہے؟

صورتِ مستفسرہ جائز ہے بلکہ اگر نیت محمود ہو تو امید اجر ہے جیسا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باہم زوجین میں مسِ شرمگاہ یک دِگر کو فرمایا: ارجو انهما یوجران علیه میں امید کرتا ہوں کہ وہ دونوں اس پر اجر دئے جائیں گے۔

اصل یہ ہے کہ شرع مطہر کو جس طرح اپنی حرام فرمائی ہوئی چیز یعنی زناء کے دواعی مبغوض ہیں ویسے ہی اپنی حلال کی ہوئی چیز یعنی جماعِ زوجہ کے دواعی محبوب ہیں ہاں اگر عورت شیر دار ہو تو ایسا چوسنا نہ چاہئے جس سے دودھ حلق میں چلا جائے اور اگر منہ میں آ جائے اور حلق میں نہ جانے دے تو مضائقہ نہیں کہ شیرِ زن حرام ہے نجس نہیں البتہ روزے میں اس صورتِ خاص سے احتراز چاہئے۔ کما نصوا علی کراهة ذوق شیء الا ضرورة (جیسا کہ کسی چیز کا چکھنا بغیر کسی ضرورت کے ائمۂ فقہ نے اس کے مکروہ ہونے کی تصریح فرمائی۔ت)۔ص 377

بیان کس کی اجازت سے ہونا چاہئے

وعظ میں اور ہر بات میں سب سے مقدم اجازتِ اللہ و رسول ہے جل اللہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کافی علم نہ رکھتا ہو اسے واعظ کہنا حرام ہے اور اس کا وعظ سننا جائز نہیں اور اگر کوئی معاذ اللہ بدمذہب ہے تو وہ نائبِ شیطان ہے اس کی بات سننی سخت حرام ہے اور اگر کسی کے بیان سے فتنہ اُٹھتا ہو تو اسے بھی روکنے کا امام اور اہلِ مسجد سب کو حق ہے اور اگر پورا عالم سنی صحیح العقیدہ وعظ فرمائے تو اسے روکنے کا کسی کو حق نہیں۔ بقولہٖ تعالیٰ: { مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ }۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے گھروں میں اس کا نام لینے سے روکے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے۔ (ت)۔ص 378

* جمعہ کی چھٹی ہمیشہ معمولِ علمائے اسلام ہے۔ص 379

حاملہ عورت سے کب تک صحبت کرنا جائز ہے؟

الجواب: جب تک بچہ پیدا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص 379

قرآنِ عظیم کا صرف ترجمہ پڑھنا کیسا؟

قرآنِ عظیم کے مطالب سمجھنا بلاشبہہ مطلوبِ اعظم ہے مگر بے علمِ کثیر و کافی کے ترجمہ دیکھ کر سمجھ لینا ممکن نہیں بلکہ اس کے نفع سے اس کا ضرر بہت زیادہ ہے جب تک کسی عالم ماہر کامل سنی دیندار سے نہ پڑھے خصوصاً اس حالت میں کہ ترجمہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سوا آج تک اردو فارسی جتنے ترجمے چھپے ہیں کوئی صحیح نہیں بلکہ ان باتوں پر مشتمل ہیں کہ بے علم بلکہ کم علم کو بھی گمراہ کردیں۔ص 382

اکثر لوگ اپنی اپنی جوتیوں کو بغرضِ حفاظت مسجد کے اندر لیجا کر اپنے قریب یا کسی گوشہ میں رکھتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جوتے جن میں نجاست نہ ہو اگر کسی گوشہ میں رکھ دئے جائیں یا اپنے پاؤں کے سامنے تو حرج نہیں مگر سجدہ کے سامنے نہ ہو کہ نمازی کی طرف رحمتِ الٰہی متوجہ ہوتی ہے نہ دہنی طرف کہ ادھر ملائکہ ہیں نہ بائیں طرف کہ دوسرے کے دہنی طرف ہوں گے، ہاں اگر یہ کنارہ پر کھڑا ہے کہ اس کے بائیں طرف کوئی نہیں اور دیوار کے ساتھ متصل ہے کہ کسی کے آنے کا بھی احتمال نہیں تو رکھ سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ص383

دیواروں پر آیاتِ قرآن مجید کندہ کرنا کیسا؟

دیواروں پر کتابت سے علماء نے منع فرمایا ہے کما فی الھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری وغیرہ میں ہے۔ ت) اس سے احتراز ہی اسلم ہے۔ اگر چھوٹ کر نہ بھی گریں تو بارش میں پانی ان پر گزر کر زمین پر آئے گا اور پامال ہوگا غرض مفسدہ کا احتمال ہے اور مصلحت کچھ بھی نہیں لہذا اجتناب ہی چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ص384

قطب کی طرف پاؤں کر کے سونا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: کوئی حرج نہیں وہ ایک ستارہ ہے ستارے سب طرف ہیں۔ص385

کعبہ معظّمہ کی طرف پاؤں کر کے سونا بلکہ اس طرف پاؤں پھیلانا سونے میں ہو خواہ جاگنے میں، لیٹے ہو خواہ بیٹھے میں، ہر طرح ممنوع و بے ادبی ہے۔ص385

(۱) بی بی سے ہمبستری کس طرح سنت ہے؟
(۲) دن میں بی بی سے ہمبستر ہونا کیسا ہے؟

الجواب: (۱) جو وقت تمام شرعی ممانعتوں سے خالی ہو اس میں تین نیتوں سے: طلبِ ولدِ صالح کہ توحید و رسالت کی شہید دے تکثیرِ امتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرے۔ عورت کا ادائے حق اور اسے پریشان خاطری و پریشان نظری سے بچانا، یادِ الٰہی واعمالِ صالحہ کے لئے اپنے قلب کا اس تشویش سے فارغ کرنا یوں کہ نہ اپنی برہنگی ہو نہ عورت کی کہ حدیث میں فرمایا: **ولا یتجردان تجرد العیر**۔ دونوں (میاں بیوی) گدھوں کی طرح ننگے نہ ہوں (ہمبستری کے وقت)۔ (ت)

اور اس وقت نہ رو بقبلہ ہو نہ پشت بقبلہ، عورت چت ہو اور یہ اکڑوں بیٹھے اور بوس وکنار و مساعی و ملاعبت سے شروع کرے جب اسے بھی متوجہ پائے **بسم اللہ الرحمن الرحیم جَنِّبْنَا الشَّیْطٰنَ وَ جَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَارَزَقْتَنَا** (اللہ تعالٰی کے نام سے ابتداء جو بے حد رحم کرنے والا مہربان ہے۔ اے اللہ ہمیں شیطان کے وار سے بچایئے اور جو کچھ تو نے ہمیں عطا فرمایا اس میں شیطان کو ہم سے دور رکھئے۔ ت) کہہ کر آغاز کرے اور اس وقت کلام اور فرج پر نظر نہ کرے، بعد فراغ فوراً جدا نہ ہو یہاں تک کہ عورت کی بھی حاجت پوری ہو، حدیث میں اس کا بھی حکم ہے۔

اللہ عزوجل کی بے شمار درودیں ان پر جنھوں نے ہم کو ہر باب میں تعلیم دی اور ہماری کشتی حاجتِ دینی ودُنیوی کو مہمل نہ چھوڑا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارك علیہ والہ وصحبہ اجمعین۔

(۲) جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص385

لوگوں کے نام کے آگے جو محمد ہے اس پر حرف (ؐ) اس طرح لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حرف (ؐ) لکھنا جائز نہیں نہ لوگوں کے نام پر نہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسمِ کریم پر، لوگوں کے نام پر تو یوں نہیں کہ وہ اشارہ درود کا ہے اور غیرِ انبیاء وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام پر بالاستقلال درود جائز نہیں اور نام اَقدس پر یوں نہیں کہ وہاں پورے درود شریف کا حکم ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکھے فقط ص یا صلم یا صلعم جو لوگ لکھتے ہیں سخت شنیع وممنوع ہے یہاں تک کہ تاتارخانیہ میں اس کو تخفیفِ شانِ اَقدس ٹھہرایا۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ ص385

پردیس میں بال بچے دار کو کب تک رہنا چاہئے؟

الجواب: بلاضرورتِ سفر میں زیادہ رہنا کسی کو نہ چاہئے، حدیث میں حکم فرمایا ہے کہ جب کام ہو چکے سفر سے جلد واپس آؤ اور جو وطن میں زوجہ چھوڑ آیا ہو اسے حکم ہے کہ جہاں تک بن پڑے چار ماہ کے اندر اندر واپس آئے بذٰلك امر امیر المومنین الفاروق الاعظم علیہ الرضوان (مومنوں کے حکمران، حق اور باطل میں سب سے بڑے فرق کرنے والے حضرتِ عمر نے مسلمانوں کو یہی حکم فرمایا تھا انھیں اللہ تعالٰی کی خوشنودی حاصل ہو۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ ص388

رضی اللہ تعالٰی عنہ ائمہ واولیائے وعلمائے دین کو بھی کہہ سکتے ہیں

رضی اللہ تعالٰی عنہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو تو کہا ہی جائے گا ائمہ واولیاء وعلمائے دین کو بھی کہہ سکتے ہیں کتابِ مستطاب بہجۃ الاسرار شریف وجملہ تصانیفِ امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی وغیرہ اکابر میں یہ شائع وذائع ہے۔ صلٰوۃ والسلام بالاستقلال انبیاء وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام کے سوا کسی کے لئے نہیں، ہاں بہ تبعیت جائز ہے جیسے اللھم صلی وسلم علی سیدنا ومولینا محمد وعلی آل سیدنا ومولینا محمد اور صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے لئے رضی اللہ تعالٰی عنہ کہا جائے اولیاء وعلماء کو رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم یا قدست اسرارہم، اور اگر رضی اللہ تعالٰی عنہم کہے جب بھی مضائقہ نہیں۔ ص390

عجمی لوگوں کی زبانیں بولنے سے بچو

حالِ قصد التعظیم انگریزی، چینی، جاپانی، جرمنی، لاطینی، جو زبان غیر اسلامی ہو جسے اسلام نے فارسی اور اردو کی طرح اپنا خادم نہ کرلیا جس کی وہ زبان نہ ہو اسے بلاضرورت اس میں کلام نہ چاہئے، امیر المومنین فاروقِ اَعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: ایاکم ورطانۃ الاعاجم۔ رواہ البیھقی۔ عجمی لوگوں کی زبانیں بولنے سے بچو، امام بیہقی نے اس کو روایت کیا۔ (ت)

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیونکہ یہ چیز نفاق پیدا کردیتی ہے۔ حاکم نے اپنی صحیح مستدرک میں اس کو روایت کیا۔ (ت)۔ ص391

نقش انگوٹھی مبارک حضور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللہ
رسول
محمد

مروی ہوا کہ انگشتری مبارک حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کہ محمد رسول اللہ منقوش تھا سطرِ بالا میں کلمۂ جلالت تھا اور سطرِ دوم میں رسول سوم میں نامِ اقدس اس شکل پر ظاہر جبھی سے مہروں میں یہ رسم ہے کہ نیچے سے اوپر کو پڑھی جاتی ہے۔ص392

وعظ و نصیحت کی مجلس کے دوران سننے والوں کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا اسم گرامی سن کر درود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

وعظ سننے والوں کے متعلق بیشمار حدیثیں ناطق ہیں (یعنی دورانِ وعظ ان کا درود شریف پڑھنا بتارہی ہیں) کہ حضورِ اطہر کا ذکرِ اقدس سن کر جو آدمی ان پر درود نہ بھیجے اس پر عذاب کی دھمکی (جو حدیث میں آئی ہے) بلاشبہ صادق، ہاں یہ ضرور خیال رکھیں کہ بلند آواز سے نہ پڑھیں تاکہ وعظ و نصیحت سننے سے نقصان پیدا نہ ہو۔(ت)۔ص395

گم شدہ شے کے دریافت کرنے کے لئے یٰسین شریف سے نام نکالا جاتا ہے یا کسی اور طرح چور کا پتا معلوم کرنے کے لئے یہ طریقہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ طریقے نامحمود و مضر ہیں اور ان سے جس کا نام نکلے اسے چور سمجھ لینا حرام۔ص396

غیر مذہب کو آیتِ قرآنی لکھ کر دینا بطورِ تعویز جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا تدبیر کی جائے؟

الجواب: غیر مسلم کو آیاتِ قرآنی لکھ کر دینا ہرگز نہ دی جائیں کہ اساءتِ ادب کا مظنہ ہے مطلقاً اسماءِ الٰہیہ و نقوشِ مطہرہ نہ دیں کہ ان کی بھی تعظیم واجب، بلکہ دیں تو ان کے اَعداد لکھ دیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔ص397

اوراد و وظائف مقررہ کو اتفاقیہ بلاوضو پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ناغہ ہوں تو دوسرے وقت قضاء ہوسکتے ہیں یا نہیں اور پڑھتے میں اگر کوئی شخص سلام کرے یا ہم کلام ہو تو اس کا جواب دیا جائے یا نہیں؟

الجواب: وظائف جو احادیث میں ارشاد ہوئے یا مشائخ کرام نے بطورِ ذکرِ الٰہی بتائے انھیں بلا وضو بھی پڑھ سکتے ہیں اور باوضو بہتر، ان میں حسبِ حاجت بات بھی کرسکتا ہے یعنی نیک بات مگر وہ وظیفہ جس میں عدمِ کلام کی شرط فرمادی ہے جیسے صبح و عصر کی نماز کے بعد بغیر پاؤں بدلے بغیر بات کئے دس بار "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد بیدك الخیر یُحْیِیْ و یمیت وھو علی کل شیءٍ قدیر پڑھنا "اس میں بات نہ کی جائے۔ اور ذاکر پر سلام کرنا مطلقاً منع ہے اور اگر کوئی کرے تو ذاکر کو اختیار ہے کہ جواب دے یا نہ دے۔ ہاں اگر کسی کے سلام یا جائز کلام کا جواب نہ دینا اس کی دل شکنی کا موجب ہو تو جواب دے کہ مسلمان کی دلداری وظیفہ میں بات نہ کرنے سے اَہم و اَعظم ہے۔ یہ وظائف اگر وقتِ خاص سے مختص ہیں اور وہ وقت نکل گیا تو ان کی قضا نہیں ورنہ دوسرے وقت پڑھ لئے جائیں کہ ثواب ملے اور عادت نہ چھوٹے، یہ احکام وظائف و اذکار کے تھے رہے اَعمال کہ اربابِ عزائم مقرر کرتے ہیں ان کی زکوٰۃ میں تو روزانہ غسل شرط ہے وہ بھی غسلِ پاک یعنی بحالتِ طہارت

نہانا، یہاں تک کہ اگر نہانے کی حاجت ہوجائے تو غسلِ جنابت کرکے دوبارہ پھر نہائے اور ان کے وِرد میں کہ عمل بجا رہنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے وضو شرط ہے بلا وضو نہیں پڑھ سکتا نہ ان کی زکوٰۃ یا وِرد میں ہرگز بات کرسکتا ہے مگر جو بات شرعاً فی الحال فرض ہو اس کے لئے بمجبوری قطعِ قراءت لازم، مثلاً یہ عمل پڑھ رہا ہے اور ماں یا باپ نے آواز دی جواب دینا فرض ہے یا کسی کافر نے کہا : مجھے مسلمان کرلے، قطعِ عمل فرض ہے یہاں تک کہ جو مسلمان ہونا مانگے اس کے لئے تو فرض نماز کی نیت فوراً توڑ دینی واجب ہے یا کوئی مسلمان کنویں میں گرا جاتا ہے کسی لکڑی یا اینٹ سے رُکا ہوا ہے اگر دیر کی جائے گی گر پڑے گا اور وہ آواز دے یا یہ دیکھے اور بچانا اس پر متعین ہو تو فرض ہے کہ عمل بلکہ فرض نماز قطع کرے اور اسے بچائے وقِس عَلَیْہِ مگر ان سب صورتوں میں جتنا پڑھ لیا تھا محسوب نہ ہوگا بلکہ اَز سرِ نو پڑھے، اعمال میں قضا بھی نہیں اگر وسطِ زکوٰۃ میں کئی دن ناغہ ہوگیا تو زکوٰۃ نہ ہوئی پھر ادا کرے اور کسی دن کا وِرد ناغہ ہونے کو ہو تو اس کی نیت سے اس دن ایک بار سورۃ فاتحہ ایک بار آیۃ الکرسی پڑھ لے وہ ناغہ نہ گنا جائے گا نہ اس کی قضا ہوگی اور اگر یہ بھی نہ کیا تو عمل ہاتھ سے نکل جائے گا پھر زکوٰۃ دے غرض اَربابِ عزائم کے یہاں ہر طرح تشدُّد ہے اور اللہ و رسول کے یہاں تیسیر، وللہ الحمد جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔ص399

اَخبار کی ردی بازاری دُکانداروں کے ہاتھ فروخت کی جائے یا نہیں؟

جبکہ ان میں آیت یا حدیث یا اسمائے معظّمہ یا مسائلِ فقہ ہوں تو جائز نہیں ورنہ حرج نہیں ان اوراق کو دیکھ کر اشیائے مذکورہ ان میں سے علیحدہ کرلیں پھر بیچ سکتے ہیں ۔ عالمگیری میں ہے: کسی چیز کو کسی ایسے کاغذ میں لپیٹنا کہ جس میں علمِ فقہ کے مسائل لکھے ہوں جائز نہیں، اور کلام میں بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے ۔ص400

قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہوئے عالم یا والدین یا دینی مہتمم مدرسہ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قرآنِ عظیم کی تلاوت میں سلطانِ اسلام اور عالمِ دین اور استادِ علمِ دین اور والدین کی تعظیم کرسکتا ہے وبس ۔ص405

مسجد کے اندر سوال کرنا اپنے یا غیر کے واسطے اور سائل کو دینا اس کے یا غیر کے واسطے جائز ہے یا نہیں؟

جو مسجد میں غل مچا دیتے ہیں، نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالتے ہیں، لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے صفوں میں پھرتے ہیں مطلقاً حرام ہے اپنے لئے خواہ دوسرے کے لئے، حدیث میں ہے: مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں اور بلند آواز سے بچاؤ ۔ (ت)

اور اگر یہ باتیں نہ ہوں جب بھی اپنے لئے مسجد میں بھیک مانگنا منع ہے جب اتنی بات منع ہے تو بھیک مانگنی خصوصاً اکثر بلا ضرورت بطورِ پیشہ کے خود ہی حرام ہے یہ کیونکر جائز ہوسکتی ہے ولہذا ائمۂ دین نے فرمایا: جو مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے وہ ستر 70 پیسے راہِ خدا میں اور دے کہ اس پیسہ کے گناہ کا کفارہ ہوں اور دوسرے محتاج کے لئے امداد کو کہنا یا کسی دینی کام کے لئے چندہ کرنا جس میں نہ غل شور ہو نہ گردن پھلانگنا نہ کسی کی نماز میں خلل یہ بِلا شبہہ جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے ۔ اور بے سوال کسی محتاج کو دینا بہت خوب اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالی وجہہ سے ثابت ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔ص401

حمد و نعت کے آداب

ادب و اِجلال جہاں تک ممکن ہو بہتر ہے، فتح القدیر میں ہے: ہر وہ کام جو ادب و احترام میں داخل ہو وہ اچھا ہے ۔ (ت)

تماشا گاہوں میں جہاں لوگ لہو ولعب میں مشغول ہوں اور ذِکر شریف نہ سنیں گے نعت شریف بآوازِ بلند پڑھنا ممنوع ہے جس طرح ایسی جگہ قرآنِ عظیم پڑھنا حرام ہے شادی ودعوت کے جلسوں میں حالت دیکھی جائے اگر حاضرین سب اسی بے ہودہ طرز کے ہیں کہ اِلتفات نہ کریں گے تو وہاں بھی پڑھنا منع اور تامل واِنکار کرنے والا کہ بہ نیتِ ادب وحرمت اِنکار کرے گا ثواب پائے گا اور اگر وہاں وہ لوگ ہیں کہ متوجہ ہوکر ذکر شریف سنیں گے اگرچہ بعض انگریزی بیہودہ فیشن کے متکبر ومتجبر بھی ہوں تو ممانعت نہیں اور ایسی جگہ تاویل وانکار بیجا ہے گناہ گار اب بھی نہ ہوگا جبکہ اس کی نیت ادب واحترام ہے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص405

سفارش کرنا کیسا ہے؟

نیک بات میں کسی کی سفارش کرنا مثلاً سفارش کر کے مظلوم کواس کا حق دِلا دینا یا کسی مسلمان کو اِیذا سے بچالینا یا کسی محتاج کی مدد کرادینا شفاعتِ حسنہ ہے ایسی شفاعت کرنے والا اَجر پائیگا اگر چہ اس کی شفاعت کارگر نہ ہو،اور بری بات کے لئے سفارش کر کے کوئی گناہ کرادینا شفاعتِ سیئہ ہے اس کے فاعل پر اس کا وبال ہے اگر چہ نہ مانی جائے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص407

جس کاغذ میں صرف قرآنِ پاک کی پوری ایک آیت لکھی

بے وضو اس کا چھونا جائز نہیں اگر آیہ کریمہ کے سوا اس میں اور کتابت نہ ہوا اور اگر اور کتابت زائد ہے تو آیہ کریمہ جس جگہ لکھی ہے اس پر بے وضو ہاتھ لگنا حرام ہے اور خواہ اسی رخ ہو جدھر آیت لکھی ہے یا دوسرے رخ ہر طرف ناجائز ہے۔ص408

اَعداد والے تعویذ کا حکم

زید کہتا ہے کہ تعویذ کا یا آیاتِ قرآن کا نقش جداول میں لکھنا خلافِ شرع اور ناجائز ہے،عمرو کہتا ہے کہ نہیں،عدد میں خلافِ شرع تو نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ حرفوں میں لکھنا فضیلت رکھتا ہے،دونوں میں سے کسی کا قول مطابقِ شریعت ہے؟

الجواب: آیاتِ کریمہ واسمائے طیبہ کی برکات سے اِستفادہ کے دونوں طریقے ہیں جن میں عبارت والفاظ لکھے جائیں وہ جزر کہلاتے ہیں اور زبانِ تکسیر میں مُظْہَر اور اَعداد والے وفق ومُضْمَر،علمِ اوفاق امام حجۃ الاسلام غزالی وامام فخر الدین رازی وشیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی وغیرہم اَجلہ اکابر سے ہے اس میں عدمِ جواز کی کوئی وجہ نہیں بلکہ محلِ اِحراق ونحوہ میں وہی اَنْسَب ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔ص408

جاہل غیرِ فاسق اردوخوان بیان میں عالم کی تصنیف پڑھ کر سنائے تو اس میں حرج نہیں

منبر مسندِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے،جاہل اردوخواں اگر اپنی طرف سے کچھ نہ کہے بلکہ عالم کی تصنیف پڑھ کر سنائے تو اس میں حرج نہیں جبکہ وہ جاہل فاسق مثلاً داڑھی منڈا وغیرہ نہ ہو کہ اس وقت وہ جاہل سفیر محض ہے اور حقیقۃً وعظ اس عالم کا جس کی کتاب پڑھی جائے اور اگر ایسا نہیں بلکہ جاہل خود بیان کرنے بیٹھے تو اسے وعظ کہنا حرام ہے اور اس کا وعظ سننا حرام ہے اور مسلمانوں کو حق ہے بلکہ مسلمانوں پر حق ہے کہ اسے منبر سے اُتار دیں کہ اس میں نہی منکر ہے اور نہی منکر واجب ہے۔ص409

علمائے کرام نے وجودِ شے کے چار مرتبے لئے ہیں:

(۱) وجود فی الاعیان جس طرح زید کہ خارج میں موجود ہے۔

(۲) وجود فی الاذہان کہ صورتِ زید جو اس کے لئے مرآت ملاحظہ ہے ذہن میں حاضر ہے۔

(۳) وجود فی العبارۃ کہ زبان سے نام زید لیا گیا۔

(۴) وجود فی الکتابۃ کہ نام زید لکھا گیا۔ص439

سجدۂ تلاوت واجب ہونے کے لئے قاری کا جنسِ مکلف سے ہونا درکار ہے

وجوبِ سجدہ کے لئے قاری کا جنسِ مکلف سے ہونا عندالاکثر وھوالصحیح اور مذہبِ اَصح پر عاقل بلکہ ایک مذہبِ مصحح پر بالفعل اہلِ ہوش سے بھی ہونا درکار ہے۔طوطی یا مینا کو آیتِ سجدہ سکھادی جائے تو اس کے سننے سے سجدہ واجب نہ ہوگا۔اسی طرح مجنون بلکہ ایک تصحیح میں سُوتے کی تلاوت سے بھی وجوب نہیں، نہ اس پر اگرچہ جاگنے کے بعد اسے اطلاع دے دی جائے کہ تو نے آیتِ سجدہ پڑھی تھی، نہ اس سے سننے والے پر،ہم ثابت کرتے آئے ہیں کہ یہ جوفونو سے سننے میں آئی اس مکلف عاقل ذی ہوش کی تلاوت ہے نہ کہ اس کی مثال وحکایت پھر آخر یہاں سجدہ نہ واجب ہونے کی کیا وجہ ہے؟**اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) ہاں وجہ ہے اور نہایت موجّہ ہے کہ گنبد کے اندر یا پہاڑ یا چکنی گچ کردہ دیوار کے پاس اور کبھی صحرا میں بھی خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے جسے عربی میں صدا کہتے ہیں۔ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اس کے سننے سے بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا، نہ خود قاری پر نہ سامعِ اول پر جس نے تلاوت سن کر دوبارہ یہ گونج سنی نہ نئے پر جس نے پہلی تلاوت نہ سنی تھی اور یہ صدا ہی سنی کہ حکم مطلق ہے۔ص446

رسالہ: الادلۃ الطاعنہ فی اذان الملاعنہ

(ملعونوں کی اذان کے بارے میں نیزے چبھونے والے دلائل)۔ص471

زینت: کنگھی، سرمہ، مسی، مسواک، خضاب، مہندی، سنگار وغیرہ سے متعلق

عورتوں کو نتھ یا بلاق کے لئے ناک چھیدنا جائز ہے جس طرح بالوں، بالیوں، کان کے گہنوں کے لئے کان چھیدنا۔ص482

رات کے وقت آئینہ دیکھنا

رات کو آئینہ دیکھنے کی کوئی ممانعت نہیں، بعض عوام کا خیال ہے کہ اس سے منہ پر جھائیاں پڑتی ہیں اور اس کا بھی کوئی ثبوت نہ شرعاً ہے نہ طبعاً نہ تجربۃً، اور عورت کہ اپنے شوہر کے سنگار کے واسطے آئینہ دیکھے ثوابِ عظیم کی مستحق ہے ثواب کی بات بے اصل خیالات کی بناء پر منع نہیں ہوسکتی۔ص490

مردوں کے لئے مہندی کا استعمال شوقیہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس قدر عضوِ بدن میں؟ بینوا توجروا

الجواب: ہاتھ پاؤں میں مہندی کی رنگت مرد کے لئے حرام ہے اور سر اور داڑھی میں مستحب۔ص490

رسالہ: حك العیب فی حرمة تسوید الشیب

(سفید بالوں کو کالا کرنے کی حرمت کے بارے میں عیب کو مٹانا)۔ص495

جو چیز بالوں کو سیاہ کرے خواہ نرا نیل یا مہندی کا میل یا کوئی تیل، غرض کچھ ہو سب ناجائز وحرام

مہندی میں اتنا نیل ملانا جس سے رنگ سیاہ آئے حرام ہے قیامت کے دن ان کے منہ کالے کئے جائیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من اختضب بالسواد سود الله وجهه یوم القیامة**۔ جو سیاہ خضاب کرے قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کا منہ سیاہ کرے گا۔ ہاں مہندی میں اتنا نیل ملانا جس سے رنگ سرخ ہی رہے مگر اس میں ذرا پختگی آجائے یہ جائز ہے۔ص490

صحیح مذہب میں سیاہ خضاب حالتِ جہاد کے سوا مطلقاً حرام ہے جس کی حرمت پر احادیثِ صحیحہ معتبرہ ناطق۔ص496

شک نہیں کہ احادیث وروایات میں مطلقاً سیاہ رنگ سے ممانعت فرمائی تو جو چیز بالوں کو سیاہ کرے خواہ نرا نیل یا مہندی کا میل یا کوئی تیل، غرض کچھ ہو سب ناجائز وحرام اور ان وعیدوں میں داخل ہے، حدیث وفقہ میں اگر صرف نیل خالص کی ممانعت اور باقی سیاہ خضابوں کی اجازت ہوتی تو بیشک مہندی کی آمیزش کام دیتی اب کہ مطلقاً سیاہ رنگ کو حرام فرمایا تو جب تک اس قدر مہندی نہ ملے جو نیل پر غالب آجائے اور اس کی سیاہی کو دور کردے کیا کام دے سکتی ہے کہ وجہ حرمت یعنی بالوں کی ظلمت اب بھی باقی، اور وہ جو حدیث میں وارد کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حنا وکتم سے خضاب فرماتے ہرگز مفید نہیں کہ بتصریح علماء وہ خضاب سیاہ رنگ نہ دیتا تھا بلکہ سرخی لاتا جس میں سیاہی کی جھلک ہوتی، سرخ رنگ کا قاعدہ ہے جب نہایت قوت کو پہنچتا ہے ایک شان سیاہی کی دیتا ہے ایسا خضاب بلاشبہ جائز بلکہ محمود جس کی تعریف صحیح حدیث میں خود حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول۔ص501

اقول: بلکہ فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ خود حدیثوں سے ثابت کرسکتا ہے کہ حنا وکتم کے خضاب کا رنگ سُرخ ہوتا تھا۔ص503

الحاصل مدارِ کار رنگ پر ہے، بالفرض اگر خالص مہندی سیاہ رنگت لاتی وہ بھی حرام ہوتی اور خالص نیل زرد یا سرخ رنگ دیتا وہ بھی جائز ہوتا، یوں ہی نیل اور مہندی کا میل یا کوئی بلا ہو جو کچھ سیاہ رنگ لائے سب حرام ہیں۔ص505

کسب وحصولِ مال، خرید وفروخت، اُجرت، رشوت، سُود، قمار، بیمہ، پیشہ، صنعت، قرض، نذرانہ، ہبہ، میراث، غصب وغیرہ اور ذرائع آمدنی، حلال وحرام ومشتبہ سے متعلق مسائل

حرام مال کے متعلق تفصیلی فتوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رنڈیوں اور ڈومنیوں کے یہاں مزدوری کرکے کمانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جائز تو نصارٰی کی نوکری کیوں جائز ہے؟ اگر نہیں جائز تو لوگ اس روپیہ سے مساجد ومدارس میں چندہ کیوں دیتے ہیں؟

الجواب: اصل مزدوری اگر کسی فعلِ ناجائز پر ہوسب کے یہاں ناجائز، اور جائز پر ہوتو سب کے یہاں جائز، اس امر میں رنڈیاں اور غیر رنڈیاں، نصارٰی وہنود وغیرہم سب برابر ہیں، کلام اس میں ہے کہ اگر اُن کے یہاں کسی فعلِ جائز پر مزدوری کی تو آیا زرِ اُجرت اُن کے مال سے لینا روا، اور وہ اکلِ حلال ہوگا یانہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ رنڈیوں کو جو مال گانے ناچنے یا معاذ اللہ زنا کی اُجرت میں ملتا ہے ان کے لئے حرام ہے وہ ہرگز اس کی مالک نہیں ہوتیں وہ ان کے ہاتھ میں مالِ مغصوب کا حکم رکھتا ہے، نہ انہیں خود اس کا اپنے صرف میں لانا جائز نہ دوسرے کو، وہ مال بعینہٖ اپنے قرضخواہ، کسی چیز کی قیمت، خواہ مزدوری کی اجرت میں، خواہ ویسے ہی بلا معاوضہ بطورِ ہدیہ، خواہ صدقہ، خواہ کسی طرح لینا روا ہو سکے بلکہ فرض ہے کہ جن جن سے لیا ہے انہیں کو پھیر دیں۔

اسی طرح اُن کے آشنا جو مال بطورِ تحفہ وہدیہ ان کے راضی رکھنے یا ان کا دل اپنی طرف مائل کرنے کو دے آتے ہیں اگر چہ اس وقت خالی ملاقات کو جائیں اور زِنا یا غنا کچھ مقصود نہ رکھیں اس کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ رشوت ہے اور نڈیاں اس کی مالک نہیں ہوجاتیں اس کا واپس دینا بھی واجب ہے۔

اگر لینے والے کو معلوم ہوگا کہ یہ مال بعینہٖ وہی ہے انہوں نے گانے، ناچنے، زنا کی اُجرت یا آشناؤں سے تحفہ ہدیہ رشوت میں پایا ہے تو اسے لینا ہرگز روا نہیں، اور وہ مال جو انہیں گانے ناچ مجلّے میں انعام بلا شرط یعنی اُجرتِ مقررہ سے زیادہ ملتا ہے ان کے حق میں حکم ہبہ کا رکھتا ہے کہ وہ عقدِ اجارہ باطلہ جو ان افعالِ محرمہ پر ہوا یہ مال اس کے تحت میں داخل نہیں بلکہ بہت لوگ بطورِ خوشنودی کچھ اپنی ناموری کے خیال سے بعض جاہل یہ سمجھ کر کہ ایسے مقامات پر انعام دینا شانِ ریاست ہے دیا کرتے ہیں تو وہ اس مال کی مالک ہوگئیں، اسی طرح ڈومنیوں کو جو بیل ملتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اقول: مگر اس قدر تفرقہ ضرور ہے کہ اگر دینے والے نے یہ مال حسبِ دستور فی الواقع اِنعام یا بیل کے طور پر دیا تو ہبہ ٹھہرے گا اور اگر اصل مقصود آشنائی بڑھانا اور اپنی طرف لبھانا ہے تو بیشک رشوت قرار پائے گا اور اسی حکمِ مغصوب میں داخل ہوجائے گا، اور یہ فرق ملاحظۂ قرائن سے معلوم ہوسکتا ہے اسی لئے مسموع یوں ہے کہ رنڈی، ڈومنی سے معاذ اللہ جس شخص کو آشنائی ہوتی ہے وہ بلا وجہ بھی حسبِ مقدرت انعام کثیر اور جلد جلد بیل دیتا ہے، یونہی بعض دیہات کی رسم سنی گئی ہے کہ نیوتے والے جو بیل رنڈی کو دیتے ہیں صاحبِ خانہ کا قرض سمجھ کر دیا جاتا ہے اور وہ اس اجرتِ مقررہ پر مجرا لیتا ہے تو یہ بیل درحقیقت بیل نہیں بلکہ وہی اجرت ہے اور مغصوب میں داخل لان المعهود عرفا کالمذکور لفظاً (اس لئے کہ ''معہود'' رواج میں مذکور کی طرح ہے۔ت) غرض ان صورتوں سے پاک ہو تو بیشک انعام اور بیل کا روپیہ ان کی مِلکِ خاص ہے اور انہیں خود اس سے اِنتفاع اور دوسرے کو اس میں سے دینا جائز ہے، اس لینے والے کو اگر معلوم ہو کہ مثلاً زرِ اُجرت جو اس نے دیا خاص اس مالِ حلال سے تھا اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر رنڈی کسی سے قرض لے کر اس کی اُجرت دے تو بھی لینا جائز، اب چاہے وہ اپنا قرض کسی مال سے ادا کرتی رہے۔

اور اگر رنڈی مالِ حرام بعینہٖ نہ دے بلکہ اس مال سے کوئی شے مثلاً غلہ یا کپڑا خرید کر دینا چاہے تو اس کی **دو صورتیں ہیں:**

اول: یہ کہ خریدنے میں نقد وعقد دونوں اس مالِ حرام پر جمع ہوئے یعنی رنڈی نے اپنا حرام روپیہ بائع کے سامنے ڈال دیا کہ فلاں چیز دے دے، اس نے دے دی، یا حرام روپیہ دکھا کر کہا اس کے عوض دے دے، اس نے دے دی، اس نے یہی زرِ حرام قیمت

میں دیا اس صورت میں جو کچھ رنڈی نے خریدا وہ بھی مثل اس روپے کے حرام رہا۔

دوم: یہ کہ نقد وعقد کا زرِحرام پر اجتماع نہ ہو کسی رنڈی نے نہ روپیہ پہلے سے دیا یا نہ دکھایا بلکہ یونہی کہا کہ ایک روپیہ کی یہ چیز دے دے اس نے دے دی، اس نے قیمت میں زرِحرام دیا، یا حلال روپیہ دکھا کر مانگی، پھر دیا حرام، یا حرام دکھا کر طلب کی، پھر دیا حلال کہ وجہین اوّلین میں حرام پر عقد، اور ثالث میں اس کا نقد نہ ہوا، اس صورتِ دوم پر جو چیز رنڈی نے خریدی بہتر تو اس کا بھی نہ لینا ہے۔

پھر بھی اگر لے لے گا تو رنڈی اپنے افعال پر ماخوذ ہے، یہ خریدی ہوئی چیز نہ اس کے حق میں حرام کہی جائے گی نہ اس لینے والے کے حق میں، اور اگر معلوم ہو کہ یہ مال جو وہ مثلاً اُجرت میں دیتی ہے اگرچہ عینِ حرام نہیں مگر اس میں مالِ حلال وحرام اس طرح سے ملے ہوئے ہیں کہ تمیز نہیں ہوسکتی یا ہو تو بدقّت تمام ہو مثلاً رنڈی کے پاس دس روپیہ ناپاک کمائی کے تھے اور پانچ انعام یا قرض یا زراعت وغیرہ یا کسی وجہ حلال کے اور اس نے وہ سب ملا دیئے اور شناخت نہیں کہ وہ دس کون سے تھے اور یہ پانچ کون سے، تو اس صورت میں جس قدر مال وجہ حلال سے تھا مثالِ مذکور میں پانچ روپیہ اس قدر لینا تو بلاشبہ جائز ہے اور اس سے زائد مثلاً صورتِ مفروضہ میں چھٹا روپیہ لینے سے احتراز کرے کہ مذہبِ صاحبین پر حرام محض ہے، اور عامہ محققین نے اسی پر فتوٰی دیا اور بر بنا مذہبِ امام مکروہ ہونا چاہئے تو ایسے امر میں کیوں پڑے جس کا ادنٰی درجہ کراہت، اور اکثر اکابر کے طور پر حرام، اور اگر رنڈی نے ایک مالِ حرام کو دوسرے حرام سے خلط کیا مثلاً ناچ کی اجرت میں اس نے دس روپیہ زید سے پائے تھے اور دس عمرو سے، یہ سب ملا دیئے تو اس میں سے ایک روپیہ بھی لینا نہ چاہئے کہ وہ سب وجہ حرام سے ہے جو کچھ لے گا صاحبین حرام بتائیں گے اور امام کے قول پر مکروہ ہونا چاہئے۔

ہاں اگر اس قسم کے روپیہ سے کوئی چیز مثلاً اناج یا کپڑا خرید کر دے تو اس مزدور کو اس شئے کا لینا امام کے طور پر بالاتفاق حرام نہیں، اور بر بنائے مذہبِ صاحبین اسی تفصیل پر رہے گا جو خریدی ہوئی چیز کے بارے میں اوپر گزری۔

اَقول: (میں کہتا ہوں کہ) یہ حکم اس لئے ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اگرچہ وہ چیز خبیث ہے لیکن خلط ملط کرنے سے مِلک ثابت ہوگئی، پھر جس چیز میں تعین نہیں ہوسکتا جیسا کہ دراہم، تو اس میں اثر نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک مِلک نہ ہونے کی وجہ سے اس میں خبث پیدا ہوگیا، پھر علی الاطلاق دونوں صفتوں میں اثر ہوگا جیسا کہ بہت سے مشائخ نے اس کو اختیار کیا، لہٰذا خریدی ہوئی چیز مطلقاً حلال نہ ہوگی، لیکن اس میں ایک جماعت نے اختلاف کیا ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ مطلقاً دراہم سے خریدی ہوئی چیز حلال ہے لیکن امام کرخی نے فرمایا مگر جبکہ یہاں اُن پر عقد اور نقد واقع ہو پس اسی پر جمہور متاخرین نے فتوٰی دیا جیسا کہ گزر چکا ہے، اور تفصیل رسالہ مذکورہ پر محمول ہے۔ (ت)

یہ سب صورتیں اس وقت تھیں جب اسے اس مال کا حال معلوم ہو جو اس کی مزدوری میں دیا جاتا ہے کہ خاص مال رنڈی کے پاس کہاں سے آیا ہے اور اس تک کیوں کر پہنچتا ہے، آیا عینِ حرام میں سے ہے یا خالص حلال سے؟ یا دونوں مخلوط ہیں؟ یا مالِ حرام سے خریدا ہوا ہے؟ یا کیا حال ہے؟ اور اگر یہ کچھ نہیں کہہ سکتا نہ اسے کچھ خبر کہ خالص مال جو اسے دیا جاتا ہے یہ کس قسم کا ہے، تو اس صورت میں فتوٰی جواز ہے کہ اصل حِلّت ہے، جب تک خاص اس مال کی حرمت نہ ظاہر ہو، لینے سے منع نہ کریں گے۔

علماء فرماتے ہیں: ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا نہیں یقینی اکلِ حلال خالص آج کل حکم عنقا کا رکھتا ہے، غنیمت ہے کہ آدمی آنکھوں دیکھے حرام سے بچ جائے، مگر تاہم یہ حکم ظاہر کا ہے دیانۃً اگر معلوم ہو کہ اس کا مال اکثر وجہ حرام سے ہے تو متقی کا کام اس سے بچنا ہے جب تک ظاہر نہ ہو کہ یہ خاص مال جو اس کے صرف میں آئے گا وجہ حلال سے ہے، آدمی کو حظوظِ نفس کی وسعتیں خراب کرتی ہیں، حق سبحانہ وتعالیٰ نے جب انسان کو بحکم الدنیا خضرۃ حلوۃ (دنیا سرسبز میٹھی ہے۔ت) اس سبزہ زار شہد نما، زہر فروش یعنی دنیا میں بھیجا بمحض رحمتِ اَزلی اس کے قاتل زہر کو الگ چُن کر حد مقرر فرمادی اور نواہیِ شرعیہ عام منادی سنادی کہ او غافل بکریو! اس احاطہ کے اندر نہ چرنا، تمہارا دشمن بھیڑیا کہ عبارت شیطان سے ہے اسی جنگل میں رہتا ہے یہاں کی گھاس اس وقت کی نظر میں تمہیں ہری ہری دوب لہکتی لہلہاتی نظر آتی ہے مگر خبردار اس میں بالکل زہر بھرا ہے، اب اس مرغزار کی گھاس تین قسم کی ہوگئی، کچھ سب کو معلوم ہے کہ اسی قطعہ کی ہے جس میں زہر ہے اور کچھ اس ٹکڑے سے بہت دور ہے جسے ہم یقینی اپنے حق میں نافع یا ضرر سے خالی جانتے ہیں اور جو کچھ اس پہلے خطہ کے آس پاس رہ گئی اس میں شبہہ ہے کیا جانئے شاید اس میں کی ہو۔

تو ہم میں جن کو اپنی جان پیاری اور ہوش وخرد کی پاسداری تھی انہوں نے تو اس تختہ کی ---اور کوسوں کا طرارا بھرا، اور بھولی بھیڑیں اپنی نادانی سے یہی کہتی رہیں کہ ابھی تو وہ ٹکڑا نہیں آیا ہے ابھی تو دُور معلوم ہوتا ہے، یہاں تک کہ خاص اس خطہ میں جا پڑیں اور زہر کی گھاس نے کام تمام کیا، آدمی کو اگر پلاؤ کی رکابی دی جائے اور کہہ دیں کہ اس کے خاص وسط میں روپیہ بھر جگہ کے قریب سنکھیا پسی ہوئی ملی ہے ڈرتے ڈرتے کناروں سے کھائے گا اور بجائے ایک روپیہ کے چار روپیہ کی جگہ چھوڑ دے گا، کاش ایسی احتیاط جو اپنے بدن کی محافظت میں کرتا ہے قلب کی نگاہداشت میں بجالاتا۔ اے عزیز! بادشاہوں کا قاعدہ ہے ایک چراگاہ محصور کرلیتے ہیں کہ رعایا اس میں نہ چرانے پائے، عربی میں اسے حِمٰی کہتے ہیں، خدا ورسول کی سچی سلطنت، قاہر بادشاہت میں حِمٰی محرماتِ شرعیہ ہیں، جسے اپنے دین وآبرو کا خیال ہے شبہات سے بچے گا کہ مبادا آس پاس چراتے چراتے خاص حِمٰی میں پڑے، اور جو نہیں مانتے تو قریب ہے کہ انہیں ایک دن یہ واقعہ پیش آجائے، یہ مثال جو میں نے بیان کی کچھ میری ایجاد نہیں بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمائی، بلکہ بعض علماء نے تو درصورت غلبۂ حرام رخصت ہی نہ دی اور عدمِ جواز کی تصریح فرمائی یعنی جب دینے والے کا اکثر مال وجہ حرام سے ہے تو اس کے مال سے کچھ لینا جائز نہیں جب تک اس خاص چیز کا وجہ حلال سے آنا ظاہر نہ ہوجائے، ہاں اِزالۂ شبہہ کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ جب صاحبِ مال رنڈی یا ڈومن خود بیان کریں کہ یہ مال ہمارے پاس وجہ حلال سے ہے ہمیں انعام ملا یا ہم نے قرض لیا یا مثلاً بذریعہ زراعت وغیرہا وجوہِ حلال سے حاصل کیا اگر اس شخص کو ان کے بیان میں فرق ظاہر نہ ہو تو اب لے لینے میں کسی طرح حرج نہیں۔

بالجملہ جسے اپنے دین وتقوٰی کا کامل پاس ہو وہ غلبۂ حرام کی صورت میں احتراز ہی کرے جب تک خاص اس شیئ کی حلت کا پتہ نہ چلے ورنہ فتوٰی تو جواز ہی ہے تاوقتیکہ بالخصوص اس چیز کی حرمت پر دلیل کافی نہ ملے، اور یہ ساری تفصیل جو ابتداء سے اب تک ہم نے بیان کی کچھ رنڈیوں یا ڈومنیوں ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ ہوں یا ان کا غیر حامد ہو یا محمود، مسلمان ہوں یا ہنود، نصارٰی ہوں یا یہود، سب کو عام ہے، جو اس قدر سمجھ سکتا ہے کہ نوکریوں اور پیشوں میں کون کون جائز ہے اور کیا ناجائز، اور کس کس طریقہ کا مال حلال ہوتا ہے کس کس کا (حرام) پھر ہمارے اس فتوٰی کو پیشِ نگاہ رکھے گا، وہ ہر جگہ حکمِ شرع نکال سکتا ہے کہ کس کے

مال کا کیا حکم ہے اور اس سے معاملہ کہاں تک روا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ بہت لوگ جن کا مال وجہ حرام سے ہے مثلاً ایک ان میں رنڈیاں ہیں، مساجد و مدارس وغیرہا امورِ خیر میں اپنا مال کیوں صرف کرتی ہیں، یہ اُن کا فعل ہے شرع پر کیا الزام، ہاں اُن میں جن کا مال حلال اور نیت صحیح ہے قابلِ قبول انہیں کا عمل ہے ورنہ اللہ جل جلالہ، پاک بے نیاز ہے۔ (الحمدللہ کہ ہم نے اس قول کو مفصّل بیان کیا کہ ہمارے بغیر ان شاء اللہ تعالیٰ یہ تفصیل کہیں نہ پائی جائے گی، لہٰذا اس یکتا تحریر اور مفید تحقیق کو غنیمت سمجھئے، اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ جانتا ہے، اور اسی جلیل القدر بزرگی والے کا علم زیادہ تام اور زیادہ محکم ہے، سب تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ جس نے اس تحقیقی کا مجھے الہام فرمایا اور علم دیا۔ت)۔ص 507 تا 522

کفّار کے مذہبی میلہ میں بقصدِ تجارت بھی جانا ناجائز و مکروہِ تحریمی ہے

اگر وہ میلہ اُن کا مذہبی ہے جس میں جمع ہو کر اعلانِ کفر و ادائے رسوم شرک کریں گے تو بقصدِ تجارت بھی جانا ناجائز و مکروہِ تحریمی ہے، اور ہر مکروہِ تحریمی صغیرہ، اور ہر صغیرہ اصرار سے کبیرہ۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ معابدِ کفّار میں جانا مسلمان کو جائز نہیں، اور اس کی علت یہی فرماتے ہیں کہ وہ مجمعِ شیاطین ہیں، یہ قطعاً یہاں بھی متحقق، بلکہ جب وہ مجمع بغرض عبادتِ غیرِ خدا ہے تو حقیقۃً معابدِ کفّار میں داخل کہ معبد بوجہ اُن افعال کے معبد ہیں، نہ بسببِ سقف و دیوار، اور اگر وہ مجمع مذہبی نہیں بلکہ صرف لہو و لعب کا میلا ہے تو محض بغرضِ تجارت جانا فی نفسہٖ ناجائز و ممنوع نہیں جبکہ کسی گناہ کی طرف مؤدّی نہ ہو، علماء فرماتے ہیں مسلمان تاجر کو جائز کہ کنیز و غلام و آلاتِ حرب مثلِ اسپ و سلاح و آہن وغیرہ کے سوا اور مال کفّار کے ہاتھ بیچنے کے لئے دارالحرب میں لے جائے اگرچہ احتراز اَفضل، تو ہندوستان میں کہ عندالتحقیق دارالحرب نہیں، مجمع غیر مذہبی کفَرَہ میں تجارت کے لئے مال لے جانا بدرجہ اَولیٰ جواز رکھتا ہے۔

پھر بھی کراہت سے خالی نہیں کہ وہ ہر وقت معاذ اللہ محلِ نزولِ لعنت ہیں تو اُن سے دُوری بہتر، یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں اُن کے محلہ میں ہو کر گزرہو تو شتابی کرتا ہوا نکل جائے وہاں آہستہ چلنا ناپسند رکھتے ہیں تو رُکنا ٹھہرنا بدرجہ اَولیٰ مکروہ، پھر ہم صدرِ کلام میں ایما کر چکے کہ یہ جواز بھی اُسی صورت میں ہے کہ اسے وہاں جانے میں کسی معصیت کا ارتکاب نہ کرنا پڑے مثلاً جلسہ ناچ رنگ کا ہو اور اسے اس سے دُور و بیگانہ موضع میں جگہ نہ ہو تو یہ جانا مستلزم معصیت ہوگا اور ہر ملزوم معصیت معصیت اور جانا محض بغرضِ تجارت ہو نہ کہ تماشا دیکھنے کی نیت کہ اس نیت سے مطلقاً ممنوع اگرچہ مجمع غیر مذہبی ہو۔ص 523

انگریزی نوکری علی الخصوص بجانے کی مثلاً کسی نقارخانہ پر مامور ہے یا انگریزی باجا بجانا

ایسا باجا بجانے کی نوکری ناجائز اور اس سے جو کچھ حاصل کیا جائے نہ صرف خبیث و ناپاک بلکہ مثلِ مالِ مغصوب ہے یہاں تک کہ اس کا مالک نہ ہوگا، نہ اسے کوئی تصرف اس میں حلال۔ص 527

(۱) ڈاک کی نوکری جائز ہے یا نہیں؟

(۲) انگریزی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) ڈپٹی پوسٹ ماسٹری تک جائز ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۲) ذی علم مسلمان اگر بہ نیتِ رَدِّ نصارٰی انگریزی پڑھے اَجر پائے گا اور دنیا کے لئے صرف زبان سیکھنے یا حسابِ اقلیدس جغرافیہ جائزعلم پڑھنے میں حرج نہیں بشرطیکہ ہمہ تن اُس میں مصروف ہو کر اپنے دین وعلم سے غافل نہ ہو جائے ورنہ جو چیز اپنا دین وعلم بقدرِ فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے اس طرح وہ کتابیں جن میں نصارٰی کے عقائدِ باطلہ مثلِ اِنکارِ وجودِ آسمان وغیرہ دَرج ہیں ان کا پڑھنا بھی روا نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص533

باپ نے سُود وغیرہ حرام مال چھوڑ کر انتقال کیا اب وہ مال لڑکے کے واسطے حلال ہوگا یا نہیں؟

جس جس شخص کی نسبت معلوم ہو کہ فلاں سے اتنا مال سود یا رشوت یا غصب یا چوری میں اس کے باپ نے لیا تھا اس پر فرض ہے کہ ترکہ سے اُتنا اُتنا مال اُن لوگوں یا اُن کے وارثوں کو واپس دے اگرچہ وہ مال بعینہٖ جُدانہ معلوم ہو جو اُن ناجائز طریقوں سے لیا، اور جس مال کی نسبت بعینہٖ معلوم ہو کہ یہ خاص وہی مالِ حرام ہے تو فرض ہے کہ اُسے مالِ غیر وغصب سمجھے اگرچہ وہ لوگ معلوم نہ ہوں جن سے لیا تھا پھر بحالتِ علم اُن مستحقوں یا ان کے وارثوں کو دے ورنہ ان کی نیت سے فقراء پر تَصَدُّق کرے، اور اگر اجمالاً صرف اتنا معلوم ہو کہ ترکہ میں مالِ حرام بھی ملا ہے مگر نہ مال متمیز نہ مستحق معلوم تو دیانۃً اَفضل اِحتراز اور حکم جواز۔ ص535

دربعض دیارِ بنگال رمضان المبارک میں میانجی ومنشیوں کو دعوت کرکے مجتمع کرتے ہیں اور مردگان پر ایصالِ ثواب کے واسطے ختمِ قرآن وختمِ تہلیل وغیرہ پڑھا کے اور زیارتِ قبور کرا کے اُجرت دیتے ہیں یعنی اگرچہ پیسہ وغیرہ کا کچھ تعین نہیں کرتے ہیں مگر ہمیشہ دینا واجب جانتے ہیں اور منشی اور میانجی بھی پیسے کے لالچ سے جاتے ہیں، قرینہ اس کا یہ ہے کہ اگر کوئی مکان میں پیسہ نہ دیا تو بارِ دیگر اُس مکان میں نہیں جاتے ہیں، اس قسم کا پیسہ دینا اور لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور مُردوں پر ایصالِ ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: جبکہ اُن میں معہود ومعروف یہی لینا دینا ہے تو یہ اُجرت پر پڑھنا پڑھوانا ہوا **فان المعروف عرفا کالمشروط لفظاً** (کیونکہ عُرف ورواج میں جو کچھ مشہور ہے وہ اس طرح ہے کہ جس طرح الفاظ سے شرط طے کی جائے۔ت) اور تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی پر اُجرت لینا دینا دونوں حرام ہے، لینے والے دینے والے دونوں گنہگار ہوتے ہیں **کما حققه فی ردالمحتار وشفاء العلیل وغیرھا** (جیسا کہ فتاوٰی شامی، شفاء العلیل اور دیگر کتب میں اس کی تحقیق فرمائی گئی۔ت) اور جب یہ فعلِ حرام کے مرتکب ہیں تو ثواب کس چیز کا اَموات کو بھیجے گا، گناہ پر ثواب کی امید اور زیادہ سخت واَشد ہے **کما فی الهندیة والبزازیة وغیرهما وقد شدد العلماء فی هذا ابلغ تشدید** (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری اور بزازیہ وغیرہ میں مذکور ہے، علماء کرام نے اس مسئلہ میں بہت شدّت برتی ہے۔ت) ہاں اگر لوگ چاہیں کہ ایصالِ ثواب بھی ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو گھنٹے دو گھنٹے کے لئے نوکر رکھ لیں اور تنخواہ اتنی دیر کی ہر شخص کی معین کردیں مثلاً پڑھوانے والا کہے میں نے تجھے آج فلاں وقت سے فلاں وقت تک کے لئے اس قدر اجرت پر نوکر رکھا جو کام چاہوں گا لُوں گا وہ کہے میں قبول کیا، اب اتنی دیر کے واسطے اس کا اجیر ہو گیا جو کام چاہے لے سکتا ہے اس کے بعد اس سے کہے فلاں میّت کے لئے اتنا قرآنِ عظیم یا اس قدر کلمہ طیبہ یا درود شریف پڑھ دو، یہ صورت جواز کی ہے۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے، **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی**

اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (اللہ تعالیٰ پاک برتر اور سب سے بڑا عالم ہے اور اس کا علم کامل اور پختہ ہے۔ت)۔ص 537

جلسہ سالانہ آریہ سماج کے واسطے کرسیاں کرایہ پر آریہ مانگتے ہیں شرعاً ایسے جلسے کے واسطے کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: آپ اپنے کرائے سے غرض رکھیں، کرسی پر بیٹھنا حرام نہیں، اس کا کرایہ حرام نہیں، اَقوالِ نامشروع جو بیٹھنے والے کفّار بکیں گے کرسی پر موقوف نہیں کرسی ان میں معین ومویّد نہیں کوئی وجہِ حرج نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص 538

عقودِ فاسدہ اور رشوت یا تغنی یا چوری سے حاصل کردہ مال میں فرق

جو مال رشوت یا تغنی یا چوری سے حاصل کیا اس پر فرض ہے کہ جس جس سے لیا اُن پر واپس کردے، وہ نہ رہے ہوں اُن کے ورثہ کو دے، پتا نہ چلے تو فقیروں پر تَصَدُّق کرے، خرید وفروخت کسی کام میں اُس مال کا لگانا حرامِ قطعی ہے، بغیر صورتِ مذکورہ کے کوئی طریقہ اس کے وبال سے سبکدوشی کا نہیں، یہی حکم سُود وغیرہ عقودِ فاسدہ کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں جس سے لیا بالخصوص انہیں واپس کرنا فرض نہیں بلکہ اسے اختیار ہے کہ اسے واپس دے خواہ ابتداءً تَصَدُّق کردے۔

یہ اس لئے کہ رشوت اور اس جیسے مال میں ملکیت بالکل نہ ہونے کی وجہ سے حرمت ہے لہٰذا وہ مال رشوت لینے والے کے پاس غصب شدہ مال کی طرح ہے لہٰذا ضروری ہے کہ جس حد تک ممکن ہو وہ مال اس کے مالک یا اس کے ورثاء کو لوٹا دیا جائے پس ایسا کرنا واجب ہے، سُود یا اس جیسی اشیاء میں فسادِ مِلک اور خباثت کی بناء پر بوجہِ قبضہ اس کا مالک بن گیا تو جس سے مال لیا گیا اب اس کی ملکیت باقی نہ رہی (بلکہ ختم ہوگئی) اس لئے کہ ایک چیز پر بیک وقت دو مِلک جمع ہونے محال ہیں (کہ اصل شخص بھی مالک ہو اور سودخور بھی۔مترجم) لہٰذا مالِ ماخوذ کا واپس کرنا ضروری نہیں بلکہ اس سے علیحدگی واجب ہے خواہ بصورتِ رد (یعنی لوٹانے کے) ہو یا بصورتِ خیرات، جیسا کہ تمام اَملاکِ خبیثہ میں یہی طریقہ ہے۔(ت)

ہاں جس سے لیا انہیں یا ان کے ورثہ کو دینا یہاں بھی اولیٰ ہے **کما نص علیہ فی الغنیۃ والخیریۃ والھندیۃ وغیرھا** (جیسا کہ غنیۃ، خیریہ اور ہندیہ وغیرہ میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ت) رہا اِستبدال یعنی اس مال کے عوض دوسری چیز خریدنا، اس کی دو صورتیں ہیں اگر وہ مال کہ ناجائز ذرائع سے حاصل کیا زر وسیم کے سوا اشیاء متعینہ سے تھا جیسے زمین یا کپڑا یا برتن وغیرہا اس کے عوض کوئی جائداد خریدی یا اس سے تجارت کی تو وہ جائداد تجارت سب خبیث وحرام ہے، اور اگر وہ مال سونا چاندی روپیہ اشرفی تھا اور اس سے کوئی جائداد مول لی یا تجارت کی تو مذہبِ مفتٰی بہٖ میں اگر عقد ونقد دونوں اس زرِ حرام پر جمع ہوئے یعنی وہی حرام روپیہ بائع کو دکھا کر کہا کہ اس کے عوض فلاں شے دے دے پھر وہی روپیہ اس کے ثمن میں دے دیا یا پہلے سے وہ حرام روپیہ بائع کو دے دیا اور اس کے بدلے کوئی چیز مول لی تو وہ چیز مطلقاً حرام وخبیث ہے جبکہ یہ روپیہ غصب یا سرقہ یا رشوت واُجرتِ زنا یا غنا واَمثالِ ذٰلک کا ہے جن میں اس کی مِلک اَصلاً نہیں ہوتی، اور اگر عقد ونقد دونوں جمع نہ ہوئے مثلاً مطلقاً خریدی کہ فلاں چیز دے دے پھر ثمن میں وہ زرِ حرام دیا یا زرِ حرام دِکھا کر خریدی مگر دیتے وقت دوسرا روپیہ دیا تو وہ خرید کردہ شے پاک ہے،

یوہیں اگر روپیہ ربا وغیرہ عقودِ فاسدہ سے حاصل کیا تھا اور اس کے عوض کوئی شے خریدی تو اس خریدی ہوئی شے میں خباثت نہ آئے گی۔ص551

زید نے عمر کو روپیہ قرض دیا، عمر نے ادائیگی روپیہ زید کی ناپاک روپے سے کی، تو ایسی حالت میں روپیہ زید کا پاک رہا یا ناپاک؟

ناپاک روپیہ دو قسم ہے، ایک: وہ جو اس شخص کی مِلک ہی نہیں جیسے غصب یا رشوت یا چوری کا روپیہ، یہ روپیہ اس سے نہ کوئی اپنے قرض میں لے سکتا ہے نہ اپنی کسی بیچی ہوئی چیز کی قیمت میں، اور اگر لے گا تو وہ اس کے لئے حرام و ناپاک ہوگا جبکہ اسے معلوم ہو کہ دینے والے کے پاس بعینہٖ یہ روپیہ اس وجہ حرام سے ہے، اور اگر دینے والے کے پاس علاوہ حرام ہر قسم کا روپیہ ہے اور لینے والے کو معلوم نہیں کہ یہ روپیہ جو کچھ دے رہا ہے خاص وجہ حرام کا ہے تو لینے میں حرج نہیں۔ دوسری قسم: وہ کہ اس کی مِلک بروجہِ خبیث ہے جیسے وہ روپیہ کہ کسی عقدِ فاسد سے حاصل کیا جائے یہ بعدِ قبضہ مِلک ہوجاتا ہے اور دوسرے کو اپنے کسی جائز ذریعہ میں لینا روا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ص559

وکیل کا مؤکل کے روپئے اپنے روپئے میں ملانے کا حکم

جبکہ وہ اشرفیاں وکیل نے اپنے مال میں خلط کرلیں کہ اب تمیز نہیں ہوسکتی تو وہ مال ہلاک ہوگیا اور وکیل پر اس کی ضمان لازم ہوئی فان الخلط استھلاك والمستھلك کغاصب مضمون والضمان مغیر (اس لئے کہ کسی کے مال کو اپنے مال میں ملادینا اسے ہلاک کرنا ہے اور ہلاک کرنے والا غاصب کی طرح ہے اور غصب میں ضمان ہے اور ضمان تبدیلی پیدا کرنے والا ہے۔ت)۔ص554

رزقِ حلال کے لئے چند اَعمالِ مُجَرَّبَہ

فقیر اسلامی محبت سے چند اعمالِ مجربہ جو بارہا بفضلہٖ تعالٰی تیر بہدف ثابت ہوئے ہیں آپ کو بتاتا ہے:

(۱) بعد نمازِ عشا سر برہنہ ایسی جگہ کہ سر و آسمان میں چھت یا درخت وغیرہ کچھ حاجب نہ ہو ۵۰۰ بار روزانہ پڑھئے یَامُسَبِّبَ الْاَسْبَابِ (اے اسباب کا سبب بنانے والے۔ت) اول آخر ۱۱، ۱۱ بار درود شریف، جتنے دنوں زیادہ پڑھے زیادہ نفع ہوگا اِن شاءاللہ تعالٰی، اور ہمیشہ پڑھے تو بہتر۔

(۲) بعد نمازِ مغرب ستارہ قطب کی طرف منہ کرکے کھڑے ہو کر آیہ قطب کہ پارۂ چہارم کے نصف پر ہے { ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً سے عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ } تک ۱۴ بار روز پڑھے ۱۴ روز تک، اول آخر ۱۰، ۱۰ بار درود شریف

(۳) خاص طلوعِ صبح صادق کے وقت، اور نہ ہوسکے تو حتی الامکان سنتِ صبح سے پہلے سو بار روزانہ پڑھیں سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم، اول آخر درود شریف ۱۰، ۱۰ بار، اس کا ورد ہمیشہ رہے، اول وقت پڑھنے کی کوشش ہو مگر اس کے سبب جماعت میں خلل نہ پڑے۔

اگر آنکھ دیر میں کھلے سنتیں پڑھ کر اسے شروع کریں، اگر بیچ میں جماعت قائم ہو شریک ہوجائیں، باقی عدد بعد میں پُورا کریں۔ **وظائف و اعمال کے اثر کرنے میں تین شرائط ضروری ہیں:**

(۱) **حُسنِ اعتقاد:** دل میں دَغدغہ نہ ہو کہ دیکھئے اثر ہوتا ہے یا نہیں، بلکہ اللہ عزّوجل کے کرم پر پورا بھروسا ہو کہ ضرور اِجابت فرمائے گا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اُدْعُ اللّٰہَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَۃِ** اللہ تعالیٰ سے اس حال پر دعا کرو کہ تمہیں اِجابت کا یقین ہو۔

(۲) **صبر و تحمل:** دن گزریں تو گھبرائیں نہیں کہ اتنے دن پڑھتے گزرے ابھی کچھ اثر ظاہر نہ ہوا یوں اِجابت بند کر دی جاتی ہے بلکہ لپٹا رہے اور لو لگائے رہے کہ اب اللہ و رسول اپنا فضل کرتے ہیں اللہ عزوجل فرماتا ہے: {**وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ**} کیا خوب ہوتا اگر وہ اللہ و رسول کے دینے پر راضی ہوجاتے اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اب ہمیں عطا فرماتے ہیں اللہ و رسول اپنے فضل سے، بیشک ہم اللہ کی طرف لَو لگائے ہیں۔

حدیث میں ہے: تمہاری دعائیں قبول ہوتی ہیں جب تک جلدی نہ کرو کہ میں نے دعا کی اور اب تک قبول نہ ہوئی۔

(۳) میرے یہاں کی جملہ اجازات و وظائف و اعمال و تعویذات میں شرط ہے کہ **نمازِ پنجگانہ باجماعت مسجد** میں ادا کرنے کی کامل پابندی رہے **وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالیٰ اعلم** ۔ص 557

محکمہ آبکاری میں جو کہ گورنمنٹ کی طرف سے ملازمت کرتے ہیں مثلاً جیسے کہ انسپکٹر آبکاری، یہ ملازمت جائز ہے یا ناجائز؟

شراب کا بنانا، بنوانا، چھونا، اٹھانا، رکھنا، رکھوانا، بیچنا، بکوانا، مول لینا، دلوانا سب حرام حرام ہے۔ اور جس نوکری میں یہ کام یا شراب کی نگاہداشت اُس کے داموں کا حساب کتاب کرنا ہو سب شرعاً ناجائز ہیں ۔ص 565

ایک عورت کے اوپر جن آتا ہے اور وہ علانیہ اُس کو دیکھتی ہے اور وہ اُس کے پاس آکر روپے وغیرہ نوٹ دے کر جاتا ہے تو آیا اُس نوٹ اور روپے کو صرف کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور استعمال میں لانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وہ جن جو کچھ اُس عورت کو دیتا ہے اس کا لینا حرام ہے کہ وہ زنا کی رشوت ہے۔ درمختار میں ہے: **مایدفعه متعاشقان رشوة**۔ آپس میں معاشقہ کرنے والے جو کچھ دیں وہ رشوت میں شمار ہے۔ (ت) اگر وہ لینے پر مجبور کرے لے کر فقراء پر تصدّق کر دیا جائے اپنے صَرف میں لانا حرام ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** ۔ص 566

فریقِ مغلوب سے خرچہ کچہری ڈگری یا مقدمہ میں جبکہ کچہری دِلا دے تو اس کا لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جتنا واجبی خرچہ ہے مدّعا علیہ جھوٹے مدّعی سے لے سکتا ہے اور سچے مدعی سے لینا حرام، اور مدعی سچا ہو خواہ جھوٹا مدعا علیہ سے شرعاً نہیں لے سکتا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** ۔ص 571

افیون کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

افیون نشہ کی حد تک کھانا حرام ہے اور اسے بیرونی علاج مثلاً ضماد وطلاء میں استعمال کرنا یا خوردنی معجونوں میں اتنا قلیل حصہ داخل کرنا کہ روز کی قدرِ شربت نشے کی حد تک نہ پہنچے تو جائز ہے اور جب وہ معصیت کے لئے متعین نہیں تو اس کے بیچنے میں حرج نہیں مگر اس کے ہاتھ جس کی نسبت معلوم ہو کہ نشہ کی غرض سے کھانے یا پینے کو لیتا ہے، لان المعصیۃ تقوم بعینہا فکان کبیع السلاح من اھل الفتنۃ۔ اس لئے کہ گناہ عین شے کے ساتھ قائم ہوتا ہے پھر اس کی مثال اس طرح ہوتی جیسے ''اہل فتنہ'' پر ہتھیار فروخت کرنا۔ (ت) اور جب اس کی تجارت مطلقاً حرام نہ ہوئی بلکہ جائز صورتوں پر بھی مشتمل ہوئی تو زیادہ مقدار تاجروں کے ہاتھ بیچنا اور ہلکا ہو گیا کہ یہاں تعینِ معصیت اَصلاً نہیں اور ان کا نشہ داروں کے ہاتھ بیچنا ان کا فعل ہے، و تخلل فعل فاعل مختار یقطع النسبۃ کما فی الھدایۃ وغیرھا۔ کسی فاعلِ مختار کا درمیان میں گھسنا نسبت کو منقطع کر دیتا ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ (ت) یہ صورتیں اس کے جواز کی نکلتی ہیں، اور اہلِ تقوٰی کو اس سے اِحتراز زیادہ مناسب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص574

کسی امر کے ثبوت یا عدمِ ثبوت پر مسلمین عاقلین کا طرفین سے شرطِ مالی لگانا حلال ہے یا حرام؟

طرفین سے شرط بدنا حرام ہے، تنویر الابصار میں ہے: حل الجعل ان شرط المال من جانب واحد وحرم لو شرط من الجانبین (انعام یافتہ مال حلال ہے اگر شرط ایک طرف سے ہو، اور حرام ہے اگر شرط دونوں طرف سے ہو۔ (ت) جب طرفین سے شرط بدی گئی تو جو جیتے اُسے مال لینا اور کھانا اور ہارنے والے کو اُسے مال دینا سب حرام۔ ص580

ملازمت چونگی کی جائز ہے یا نہیں؟ اور چونگی کا محصول چرانا جائز ہے یا نہیں؟

نیک نیت سے چونگی کی نوکری تحصیل وصول کی جائز ہے، چوری یعنی دوسرے کا مالِ معصوم بے اُس کے اِذن کے اُس سے چھپا کر ناحق لینا کسی کو بھی جائز نہیں اور نوکر کا خلافِ قرار داد کرنا غدر ہے اور غدر مطلقاً حرام ہے نیز کسی قانونی جُرم کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو بلا وجہ ذلت وبلا کے لئے پیش کرنا شرعاً بھی جرم ہے۔ ص581

اگر کوئی شخص عالم صاحب کو دعوت دے کے مکان میں لائیں اور بنظر عزت اچھا کھانا پکا کے کھلائیں اور مربیوں کی ثواب رسانی کے لئے کچھ دعا کرائیں اور آتے وقت اُن کو بطورِ ہدیہ کچھ للہ دیں تو یہ لینا جائز ہے یا نہیں، اور اجرت علی الطاعۃ اس پر صادق ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر یہ معہود اِصراف ہے بلانے والا جانتا ہے کہ دینا پڑے گا آنے والا جانتا ہے کہ کچھ ملے گا تو یہ مثلِ اُجرت ہے فان المعروف کالمشروط (جو بات لوگوں میں مشہور ہو وہ شرط کردہ بات کی طرح ہے۔ ت) اور اگر یہ نہیں تو عالم کی خدمت عالم کا اِعزاز سب باعثِ اجرِ عظیم ہے اور بلا شرطِ اِصراف جو روزانہ ملے جائز ہے اور طریقہ نجات یہ ہے کہ عالم پہلے کہہ دے کہ میں

دعا کروں گا پڑھ کر ثواب بخشوں گا مگر ہرگز اس پر عوض نہ لوں گا۔(اس کے بعد کچھ ملے خالص نذر ہے، اس لئے کہ صریح قول، دلالت (یعنی اشارہ کنایہ سے) فوقیت یعنی اوپر ہوتا ہے، جیسے غنیۃ وغیرہ میں مذکور ہے۔ت) اور یہ دعوت بھی ایامِ موت میں نہ ہو، ایامِ موت کی دعوت قبول نہ کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص585

ایک شخص دوسرے شخص کو کچھ مال بطورِ قرض حسنہ دے تو یہ قرض دینے والا قرض لینے والے سے اپنا مال طلب کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قرضِ حسنہ دے کر مانگنے کی ممانعت نہیں، ہاں مانگنے میں بے جا سختی نہ ہو، {وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ} اگر مقروض تنگدست (اور نادار) ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہئے۔(ت) اور اگر مدیون نادار ہے جب تو اسے مہلت دینا فرض ہے یہاں تک کہ اس کا ہاتھ پہنچے اور جو دے سکتا ہے اور بلاوجہ لیت ولعل کرے وہ ظالم ہے اور اس پر تشنیع وملامت جائز۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مالدار کا (ادائیگی قرض میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے، اور پانے والے کا کترانا اور پہلو بچانا اس کے مال اور عزت کو مباح کر دیتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)۔ ص585

شادی میں جو نیوتا دیا جاتا ہے وہ قرض ہے

کسی کی تقریب شادی یا ختنہ یا اور کوئی تقریب ہوئی تو اعزا واقربا، دوست وآشنا کچھ نقد کچھ روٹی، دال، چاول، تیل، دہی، کپڑا وغیرہ لاتے ہیں جس کو نوید یا نوتا کہتے ہیں جو پہلے بطورِ مدد ومعونت سمجھا جاتا تھا نہ ادا کرنے پر کوئی گرفت یا تقاضا نہیں تھا لیکن اب ان تقریبوں میں میرے یہاں کوئی سامانِ نوید لائے اور میں کسی وجہ یا بلاوجہ سامان نہ لے گیا اس پر بعد کو تقاضا ہوتا ہے شکایت ہوتی ہے کہ ہم اُن کے یہاں لے گئے وہ میرے یہاں نہ لائے ایسی حالت میں مجھ سے اگر ادا نہ ہوسکے تو اس کے لئے قیامت میں پرسش ہوگی یا نہیں؟ اس کا حق باقی رہا یا نہیں؟ اور بغیر معاف کئے ہوئے اُس کے معاف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اب جو نیوتا دیا جاتا ہے وہ قرض ہے اس کا ادا کرنا لازم ہے اگر رہ گیا تو مطالبہ رہے گا اور بے اس کے معاف کئے معاف نہ ہوگا والمسئلة فی الفتاوی الخیریة (اور یہ مسئلہ فتاوٰی خیریہ میں موجود ہے۔ت) چارۂ کار یہ ہے کہ لانے والوں سے پہلے صاف کہہ دے کہ جو صاحب بطورِ امداد عنایت فرمائیں مضائقہ نہیں مجھ سے ممکن ہوا تو اُن کی تقریب میں اِمداد کروں گا لیکن میں قرض لینا نہیں چاہتا، اس کے بعد جو شخص دے گا وہ اس کے ذمّہ قرض نہ ہوگا ہدیہ ہے جس کا بدلہ ہو گیا فبہا، نہ ہوا تو مطالبہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص586

اپنی جان کا بیمہ

جس کمپنی سے یہ معاملہ کیا جائے اگر اس میں کوئی مسلمان بھی شریک ہے تو مطلقاً حرام قطعی ہے کہ قمار ہے اور اس پر جو زیادت ہے ربا، اور دونوں حرام وسخت کبیرہ ہیں، اور اگر اس میں کوئی مسلمان اَصلاً نہیں تو یہاں (غیر مسلموں کی حکومت میں) جائز ہے جبکہ اس کے سبب حفظِ صحت وغیرہ میں کسی معصیت پر مجبور نہ کیا جاتا ہو جواز اس لئے کہ اس میں نقصان کی شکل نہیں، اگر بیس برس

تک زندہ رہا پورا روپیہ بلکہ مع زیادت ملے گا، اور پہلے مرگیا تو ورثہ کو اور زیادہ ملے گا مثلاً سال بھر بعد ہی مرگیا تو دیئے ۲۴۶ روپے چار آنے اور ملے ۵۰۰۰ روپے، ہاں یہ ضرور ہے کہ جو زائد ملے ربا سمجھ کر نہ لے بلکہ یہ سمجھے کہ غیر مسلم کا مال اس کی خوشی سے بلا غدر ملا، یہ حلال ہے۔ص595

جبکہ یہ بیمہ (کافروں کے ملک کی) گورنمنٹ کرتی ہے اور ان میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے کوئی حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ اس کے سبب اس کے ذمے کسی خلافِ شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو جیسے روزوں یا حج کی ممانعت۔واللہ تعالٰی اعلم۔ص601

تسبیح کس چیز کی ہونی چاہیۓ؟ لکڑی کی یا پتھر وغیرہ کی؟

تسبیح لکڑی کی ہو یا پتھر کی مگر بیش قیمت ہونا مکروہ ہے اور سونے چاندی کی حرام۔ص597

رشوت کس کو کہتے ہیں؟

جو پرایا حق دبانے کے لئے دیا جائے رشوت ہے یوہیں جو اپنا کام بنانے کے لئے حاکم کو دیا جائے رشوت ہے لیکن اپنے اُوپر سے دفعِ ظلم کے لئے جو کچھ دیا جائے دینے والے کے حق میں رشوت نہیں یہ دے سکتا ہے لینے والے کے حق میں وہ بھی رشوت ہے اور اسے لینا حرام۔ص597

رسالہ: خیر الاٰمال فی حکم الکسب والسوال (کمانے اور مانگنے کے حکم میں بہترین امید)۔ص603

روپیہ کمانا کس وقت فرض ہے، کس وقت مستحب، کس وقت مکروہ، کس وقت حرام، اور سوال کرنا کب جائز ہے کب ناجائز؟

یہ مسئلہ بہت طویلُ الذیل ہے جس کی تفصیل کو دفتر درکار، یہاں اس کے بعض صُوَر وضوابط پر اِقتصار۔

فاقول وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ کہتا ہوں۔ت) کسب کے لئے ایک مَبدء ہے یعنی وہ ذریعہ جس سے مال حاصل کیا جائے، اور ایک غایت یعنی وہ غرض کہ تحصیلِ مال سے مقصود ہو، ان دونوں میں ذاتاً خواہ عارضاً احکامِ نہ گانہ، فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح، مکروہ، مکروہ تنزیہی، اساءت، مکروہ تحریمی، حرام سب جاری ہیں، اور دونوں کے اعتبار سے کسب پر احکام مختلفہ طاری ہیں، نفسِ کسب بے لحاظِ مبادی وغایات کوئی حکمِ خاص نہیں رکھتا۔

ذرائع میں حرام: جیسے غصب ورشوت وسرقہ وربا، یوہیں زنا وغنا وحکمِ خلاف ما آن اَنزَلَ اللہُ وغیرہ امورِ محرمہ کی اُجرت، تلاوتِ قرآن ووعظ وتذکیر ومیلاد خوانی وغیرہا عبادات بیچ کر اسی طرح جملہ عقودِ باطلہ وفاسدہ قطعیہ۔

مکروہِ تحریمی: جیسے اذانِ جمعہ کے وقت تجارت، اسی طرح دوسرا مسلمان جب ایک چیز خرید رہا ہو اور قیمت فیصل ہوگئی ہو اور گفتگو ہنوز قطع نہ ہوئی ایسی حالت میں قیمت بڑھا کر خواہ کسی طور پر خود خرید لینا، یونہی تلقی جلب وبیع الحاضر للبادی وتفریق الصغیر من محرمہٖ وغیرہا کہ مع قیود وشروط کتبِ فقہ میں مفصل ہیں اسی قسم میں ہے یا نیچری وضع کے کپڑے یا جوتے سینا یا ان اشیاء خواہ تانبے

پیتل کے زیوروں وغیر ہا کا بیچنا اور جملہ عقود ومکاسبِ ممنوعہ فضیہ۔

اِساءَت: یعنی وہ کام جسے نہ مکروہِ تنزیہی کی طرح صِرف خلافِ اَولیٰ کہا جائے جس پر ملامت بھی نہیں، نہ تحریمی کی طرح گناہ وناجائز جس پر استحقاقِ عذاب ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ بُرا کیا قابلِ ملامت ہوا جس کا حاصل مکروہِ تنزیہی سے بڑھ کر ہے اور تحریمی سے کمتر مثلاً اپنے سے اَعلم کے ہوتے ہوئے عہدۂ قضاء کی نوکری جبکہ وہ اس پر راضی ہو، اَقول: یوہیں ظہر ومغرب وعشاء کے فرض پڑھ کر سنتوں سے پہلے بیع وشراء اور ظاہراً طلوعِ فجر کے بعد نمازِ صبح سے پہلے خرید وفروخت بھی اسی قبیل سے ہے جبکہ ضرورت داعی نہ ہو یوہیں ہر وہ کسب کہ خلافِ سنت یا اس کا شغل ترکِ سنت کی طرف مؤدّی ہو۔

مکروہ تنزیہی: جیسے بیع عینیہ جبکہ (مبیع) بائع کے پاس عود نہ کرے، مثلاً جو قرض مانگنے آیا اسے روپیہ نہ دیا بلکہ دس کی چیز پندرہ کو اس کے ہاتھ بیچی کہ اس نے دس کو بازار میں بیچ لی۔

مباح: جیسے بَن کی لکڑی، جنگل کے شکار، دریا کی مچھلیاں۔

مستحب: جیسے خدمتِ اولیاء وعلماء کی نوکری، یونہی ہر وہ کسب جس میں امورِ خیر پر اعانت ہو اگر چہ خیر صرف تقلیلِ شر ہو مثلاً گھات یا چنگی یا بندوبست کی نوکری اس نیت سے کہ بندگانِ خدا کارکنوں کے جبر وتعدّی وظلم وزیادہ ستائی سے بچیں۔

سنّت: جیسے اَحباب کا ہدیہ قبول کرنا اور عوض دینا، اور اَفضل واَعلیٰ کسبِ مسنون سلطانِ اسلام کے زیرِ نشان جہادِ شرعی ہے۔

واجب: جیسے قبولِ عطیۂ والدین جبکہ نہ لینے میں اُن کی اِیذا مظنون ہو اور اگر تیقُّن ہو تو فرض ہوگا کہ اِیذائے والدین حرامِ قطعی ہے اور حرام سے بچنا فرضِ قطعی، اسی طرح عہدۂ قضاء کا قبول فرض ہے جبکہ اس کے سوا اور کوئی اہل نہ ہو۔

غایات میں فرض: جیسے خورد ونوش وپوشش بقدرِ سدِ رمق وسترِ عورت بلکہ اتنا کھانا جس سے نمازِ فرض کھڑے ہو کر ہو سکے اور رمضان میں روزے پر قدرت ملے۔ یوہیں کفایتِ اہل وعیال وادائے دیون ونفقاتِ مفروضہ، یوہیں حج فرض جبکہ بعدِ فرضیت مال نہ رہا، زوجہ اگر چہ غنیّہ ہو اس کا کفن دفن شوہر پر ہے، یوہی اقارب کا جبکہ مال نہ چھوڑیں بلکہ ہر مسلمان کا کفن دفن مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے جب ایک شخص میں منحصر ہو جائے فرضِ عین ہو جائے گا۔

واجب: جیسے اتنا کھانا کہ ادائے واجبات پر قادر ہو زوجہ کا حقِ جماع ادا کر سکے۔ کپڑے میں اتنی زیادت کہ اِنتقالاتِ نماز وغیرہ میں زانو نہ کھلیں، یوہیں صدقۂ فطر واضحیہ جبکہ بعدِ وجوب مال نہ رہا، غرض ہر واجب جس کی تحصیل کو مال درکار۔

سنت: جیسے نماز کے لئے عمامہ وجُبّہ ورِدا وغیر ہا لباسِ مسنون وتجمُّلِ عیدین وجمعہ وبنا وتوسیع وتطییبِ مساجد وصلۂ رحم وہدیۂ اَحباب ومواساتِ مساکین وخبر گیریِ یتامیٰ وبیوگان وخدمتِ مہمانان وامثال ذٰلک سننِ مالیہ یوہیں عطر ومشک وسرمہ وشانہ وآئینہ بقصدِ اِتباع اور کھانے میں تہائی پیٹ کی مقدار تک پہنچنا۔

مستحب: جیسے بنائے سقایہ وسبیل وسرا ومدارس وپُل وغیر ہا بلکہ مہمان کے ساتھ پورا پیٹ بھر کر کھانا بھی کہ وہ ہاتھ اٹھا لینے سے شرما کر بھوکا نہ رہے، یوہیں عورت کی سیر خوری اس نیت سے کہ شوہر کے لئے حفظِ جمال کرے، کم خوری لاغری وشکستِ رنگ وحسن کی موجب نہ ہو۔

مباح: جیسے زینت وآرائش، لباس ومکان وزیورِ زناں، جبکہ یہ سب امورِ منکرات ومقاصدِ مذمومہ سے خالی ہوں ورنہ مذموم ہیں

اور مقاصدِ محمودہ کے ساتھ بھی خالی مباح نہ رہیں گے مستحب ہوجائیں گے۔ (مباح چیز نیّت کے تابع ہوتی ہے۔ت)

اِساءت: جیسے اتباعِ شہوتِ نفس ولذّتِ طبع کے لئے ترفّہ وتنعّم بالحلال میں اِنہماک اسی نیت سے عمدہ کھانے، دونوں وقت سیر ہوکر کھانا، باریک نفیس بیش بہا جامے پہنا کرنا، شبانہ روز عورتوں کی طرح کنگھی چوٹی میں گرفتار رہنا کہ یہ امور اگرچہ حدِ حریم و گناہ تک نہ پہنچیں خلافِ سنّت ضرور ہیں۔

مکروہ تحریمی: جیسے محض تکاثُر وتفاخُر کے لئے جمعِ اَموال، یونہیں پیٹ سے زیادہ چند لقمے کھانا جن کا معدے میں بگڑ جانا مظنون نہ ہو، مگر جبکہ روزے کی قوّت مقصود ہو یا مہمان کا ساتھ دینا، یونہیں لباسِ شہرت پہننا یعنی اس قدر چمکیلا نادِر ہو جس پر انگلیاں اُٹھیں اور بالقصد اتنا ناقص وخسیس کرنا بھی ممنوع ہے جس پر نگاہیں پڑیں یونہی ہر انوکھی اچنبھے کی ہیئت وضع تراش خراش کہ وجہِ انگشت نمائی ہو، جو شہرت کے کپڑے پہنے گا اللہ تعالٰی اُسے روزِ قیامت ویسا ہی لباسِ شہرت پہنائے گا جس سے عرصاتِ محشر میں معاذ اللہ ذِلّت وتفضیح ہو پھر اُس میں آگ لگا کر بھڑکا دی جائے گی **والعیاذ باللہ تعالٰی**

حرام: جیسے ریشمی کپڑے، مغرق ٹوپیاں، یونہیں پیٹ سے اُوپر اتنا کھانا جس کے بگڑ جانے کا ظن ہو جب یہ صورتیں معلوم ہولیں اب اَحکامِ کسب کی طرف چلئے، **فاقول: وباللہ التوفیق** (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ظاہر ہے کہ کسب یعنی تحصیلِ مال کو خواہ روپیہ ہو یا طعام یا لباس یا کوئی شے سبب وغرض دونوں سے ناگزیر ہے، اور اَحکامِ نہ گانہ میں پہلے چار جانبِ طلب ہیں جن میں فرض وواجب کی طلب جازم ہے اور سنت ومستحب کی غیر جازم اور پچھلے چار جانبِ نہی ہیں جن میں مکروہ تنزیہی واساءت سے نہی ارشادی اور تحریمی وحرام سے حتمی اور مباح طلب ونہی دونوں سے خالی، اب اگر سبب وغرض دونوں اَقسامِ تسعہ سے ایک ہی قسم کے ہیں جب تو ظاہر کہ وہی حکم کسب پر ہوگا مثلاً ذریعہ بھی فرض اور غرض بھی فرض، تو ایسا کسب دُوہرا فرض ہوگا اور دونوں حرام تو دُونا حرام وعلٰی ہذا القیاس اور اگر مختلف اقسام سے ہیں تو تین حال سے خالی نہیں:

اولاً: اختلاف جانبِ واحد مثلاً طلب یا نہی کے اقسام میں ہو جیسے سبب فرض ہو غرض واجب یا سبب مکروہ تنزیہی غرض حرام۔

ثانیاً: اِختلاف، اختلاف جانبِ وسط ہو مثلاً سبب واجب یا حرام اور غرض مباح یا بالعکس، ان دونوں صورتوں میں کسب اَشد واَقوی کا تابع ہوگا مثلاً فرض ووجوب کا اِختلاف ہے تو فرض، اور وجوب وسنیت کا تو واجب، اور ایک مباح اور دوسرا اور کسی قسم کا ہے تو کسب اُسی قسم کا ہوگا۔

ثالثاً: اِختلاف، اِختلافِ جانبین ہو یعنی سبب جانبِ طلب میں ہے اور غرض جانبِ نہی یا بالعکس، صورتِ اُولٰی میں کسب مطلقاً حکمِ غرض کا مورد رہے گا، مثلاً غرض حرام ہے تو حرمت وگناہ نقدِ وقت ہے گو سبب فرض واجب ہو حتی کہ اگر سبب اَعلٰی درجہ طلب میں ہو یعنی فرض اور غرض اَدنٰی درجہ نہی میں یعنی مکروہ تنزیہی جب بھی کسب مکروہ تنزیہی سے خالی نہیں ہوسکتا اگرچہ سبب فی نفسہٖ فرض ہے وجہ یہ کہ کوئی غرضِ معین، کسب کے لئے لازم نہیں وہ اختلافِ نیت سے مختلف ہوسکتی ہے اور ہر وقت اپنے اختیار سے اِمکانِ تبدُّل رکھتی ہے، مانا کہ سبب فرض تھا مگر جب اس نے اسے کسی امرِ حرام یا ناپسندیدہ کی نیت سے کیا ضرور حرمت وناپسندی میں گرفتار ہوا کہ ایسی نیت کیوں کی، اگر کوئی نیتِ فرض یا واجب حاضر نہ تھی تو اَقل درجہ نیتِ مباح پر قادر تھا اس کی نظیر نماز ہے کہ دِکھاوے کو پڑھی جائے، اگرچہ نماز فی نفسہٖ فرض ہے مگر نیتِ خبیثہ موجبِ تحریم ہوگی، اور صورتِ عکس میں یعنی جب سبب جانبِ نہی ہوا اور غرض

جانبِ طلب اگر وہ سبب متعین نہ تھا بلکہ اس کا غیر کہ نہی سے خالی ہو ممکن تھا تو اس صورت میں بھی کسب مطلقاً مورِدِ نہی ہوگا کہ غرض اگرچہ فرض ہے جب ذریعہ مباح سے مل سکتی تھی تو حرام یا مکروہ کی طرف جانا اپنے اختیار سے ہوا اور اس کا اِلزام لازم آیا اور اگر سبب متعین تھا کہ دوسرا طریقہ قدرت ہی میں نہیں تو اب دو صورتیں ہوں گی:

اول غرض وسبب کی نہی وطلب دونوں ایک ہی مرتبہ میں ہوں مثلاً سبب حرام، غرض فرض سبب مکروہ تحریمی، غرض واجب، سبب میں اساءت غرض سنت، سبب مکروہ تحریمی غرض واجب، سبب میں اساءت غرض سنت، سبب مکروہ تنزیہی غرض مستحب، اور صرف اسی قدر کافی نہیں بلکہ نوعِ واحد میں تفاوت وقوت پر بھی نظر لازم کہ حرام کا ترک فرض ہے اور فرض کا ترک حرام، اور بعض فرض، بعض دیگر سے اَعظم وآ کِد ہوتے ہیں، اور بعض حرام بعض دیگر سے اَشنع واَشد، تو یہ دیکھا جائے گا کہ مثلاً فرض غرض کے ترک سے جو حرمت لازم آئے گی وہ اس حرمت سے کیا نسبت رکھتی ہے جو اس سببِ حرام کے ارتکاب میں ہے جب سب وجوہ سے طرفین میں تساوِیِ قوت ثابت ہو تو حکم کسب میں اِتباعِ سبب یعنی جانبِ نہی کو ترجیح رہے گی۔

دونوں کی قوت کم وبیش ہو اس صورت میں اَقوی کا اِتباع ہوگا، سبب ہو خواہ غرض، مثلاً مالِ غیر بے اذن لینا حرام ہے اور خوک وخمر کی حرمت اس سے بھی زائد اور سدِ رمق اور دفعِ جوعِ قاتل وعطشِ مہلک کی فرضیت ان سب سے اَقوی ہے لہٰذا حالتِ مخمصہ میں ان اشیاء کا تناول اسی قدر جس سے ہلاک دفع ہو لازم ہوا اور جانبِ غرض کو ترجیح دی گئی اور اگر مضطر کچھ نہیں پاتا مگر یہ کہ کسی انسان کا ہاتھ کاٹ کر کھائے تو حلال نہیں اگرچہ اس شخص نے اجازت بھی دی ہو کہ حرمتِ انسان اس فرض سے اَقوی ہے لہٰذا جانبِ سبب کو ترجیح رہی۔

یہ تقریرِ منیر حفظ رکھنے کی ہے کہ اَوّل تا آخر اس تحقیقِ جمیل وضبطِ جلیل کے ساتھ اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گی **وباللہ التوفیق** انہیں ضوابط سے دوسرے سوال اَعنی مسئلۂ سوال کا حکم منکشف ہوسکتا ہے۔ص 603 تا 619

علم وتعلیم

عالم، متعلم، مفتی، واعظ، اِفتاء، کتابت، تقلید، علوم وفنون، تعلیم گاہ سے متعلق

حدیث طلبُ العلمِ فریضۃٌ علٰی کل مسلمٍ ومسلمۃ کی تشریح

حدیث طلب العلم فریضۃ علٰی کل مسلم ومسلمۃ (ہر مسلمان مرد وعورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔ت) کہ بوجہ کثرتِ طُرُق وتعددِ مخارج حدیثِ حسن ہے اس کا صریح مفاد ہر مسلمان مرد وعورت پر طلبِ علم کی فرضیت تو یہ صادق نہ آئے گا مگر اس علم پر جس کا تعلّم فرضِ عین ہو اور فرضِ عین نہیں مگر ان علوم کا سیکھنا جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دِین میں محتاج ہو ان کا اَعم واَشمل واَعلٰی واَکمل واَہم واَجل علم اصولِ عقائد ہے جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان سنّی المذہب ہوتا ہے اور انکار ومخالفت سے کافر یا بدعتی **والعیاذ باللہ تعالٰی** سب میں پہلا فرض آدمی پر اسی کا تعلّم ہے اور اس کی طرف اِحتیاج میں سب یکساں، پھر علم مسائلِ نماز یعنی اس کے فرائض وشرائط ومفسدات جن کے جاننے سے نماز صحیح طور پر ادا کرسکے، پھر جب رمضان آئے تو مسائلِ صوم، مالکِ نصابِ نامی ہو تو مسائلِ زکوٰۃ، صاحبِ استطاعت ہو تو مسائلِ حج، نکاح کیا چاہے تو اس کے متعلق

ضروری مسئلے، تاجر ہو تو مسائلِ بیع وشراء، مزارع پر مسائلِ زراعت، موجر ومستاجر پر مسائلِ اجارہ، وعلٰی ہذا القیاس ہر اس شخص پر اس کی حالتِ موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرضِ عین ہے اور انہیں میں سے ہیں مسائلِ حلال وحرام کہ ہر فردِ بشر ان کا محتاج ہے اور مسائلِ علمِ قلب یعنی فرائضِ قلبیہ مثلِ تواضع واِخلاص وتوکل وغیرہا اور ان کے طُرُقِ تحصیل اور محرماتِ باطنیہ تکبر وریا وعُجب وحسد وغیرہا اور اُن کے معالجات کہ ان کا علم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض سے ہے جس طرح بے نماز فاسق وفاجر ومرتکبِ کبائر ہے یونہی بعینہٖ ریاء سے نماز پڑھنے والا انہیں مصیبتوں میں گرفتار ہے نسئل اللّٰہ العفوَ والعافیۃَ (ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت) تو صرف یہی علوم حدیث میں مراد ہیں وبس۔

غرض اس حدیث میں اسی قدر علم کی نسبت ارشاد ہے، ہاں آیات واحادیثِ دیگر کہ فضیلتِ علماء وترغیبِ علم میں وارد، وہاں ان کے سوا اور علومِ کثیرہ بھی مراد ہیں جن کا تعلّم فرضِ کفایہ یا واجب یا مسنون یا مستحب، اس کے آگے کوئی درجۂ فضیلت وترغیب اور جو ان سے خارج ہو ہرگز آیات واحادیث میں مراد نہیں ہوسکتا، اور ان کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ علوم جو آدمی کو اس کے دین میں نافع ہوں خواہ اصالۃً جیسے فقہ وحدیث وتصوف بے تخلیط، وتفسیر قرآن بے اِفراط وتفریط، خواہ وساطۃً مثلاً نحو وصرف ومعانی بیان کہ فی حدِ ذاتہا امرِ دینی نہیں مگر فہمِ قرآن وحدیث کے لئے وسیلہ ہیں، فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ قرآن وحدیث سے صدہا دلائل اس معنی پر قائم کرسکتا ہے کہ مصداقِ فضائل صرف علومِ دِینیہ ہیں وبس، ان کے سوا کوئی علم شرع کے نزدیک علم، نہ آیات واحادیث میں مراد، اگرچہ عرفِ ناس میں باعتبارِ لغت اسے علم کہا کریں۔ص624

* **فرضِ عین کا علم حاصل کرنا فرضِ عین، فرضِ کفایہ کا فرضِ کفایہ، واجب کا واجب، مستحب کا مستحب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ص687**

تعلیم وتعلّم فنونِ عقلیہ مثلِ منطق وحکمت وریاضی وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

نفسِ منطق ایک علمِ آلی وخادمِ علمِ اَعلی الاعالی ہے اس کے اصل مسائل یعنی مباحثِ کلیاتِ خمسہ وقولِ شارح وتقاسیمِ قضایا وتناقض وعکوس وضاعاتِ خمس کے تعلّم میں اَصلاً حرجِ شرعی نہیں، نہ یہ مسائل شرع مطہر سے کچھ مخالفت رکھیں، بیان کرنے والے دائمہ کی مثال میں کل شیءٍ معلوم للّٰہ دائماً (بے شک اللہ تعالٰی کو ہمیشہ ہر چیز کا علم ہے۔ت) کی جگہ کل فلك متحرك دائمًا (ہر آسمان ہمیشہ سے حرکت کرنے والا ہے۔ت) لکھیں تو یہ اُن کی تقصیر ہے منطق کا قصور نہیں، ائمۂ مؤیدین بنور اللہ المبین اپنی سلامتِ فطرتِ عالیہ کے باعث اس کی عبارات واصطلاحات سے مستغنی تھے تو ان کے غیر بیشک ان قواعد کی حاجت رکھتے ہیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو نحو وصرف ومعانی بیان وغیرہا علوم کی اِحتیاج نہ تھی کہ یہ اُن کے اصل سلیقہ میں مرتکز تھے اس سے ان کے غیر کا اِفتقار منتفی نہیں ہوتا ولہٰذا امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی نے فرمایا: من لم یعرف المنطق فلا ثقة له فی العلوم اصلا جو کوئی علمِ منطق سے ناآشنا ہے اس کے علوم ناقابلِ اعتبار وناقابلِ اعتماد ہیں۔(ت)

بہت ائمۂ کرام نے اس سے اِشتغال رکھا بلکہ اس میں تصانیف فرمائیں بلکہ اَسفارِ دِینیہ مثلِ کتبِ اصولِ فقہ واصولِ دین کا مقدمہ بنایا ہاں علمِ آلی سے بقدرِ آلیت اشتغال چاہئے اس میں منہمک ہوجانے والا سفیہ جاہل اور مقاصدِ اصلیہ سے محروم

وغافل ہے، اسی طرح بہت اجزائے حکمت مثلِ ریاضی ہندسہ وحساب وجبر ومقابلہ وارثماطیقی وسیاحت ومرایا ومناظر وجرثقیل وعلم مثلث کروی ومثلث مسطح وسیاستِ مُدُن وتدبیر منزل ومکائدحروب وفراست وطب وتشریح وبیطرہ بیزرہ وعلمِ زیجات واسطرلاب و آلاتِ رصدیہ ومواقیت ومعادن ونباتات وحیوانات وکائنات الجوّ وجغرافیہ وغیرہا بھی شریعتِ مطہرہ سے مضادت نہیں رکھتے بلکہ ان میں بعض بلاواسطہ بعض بالواسطہ امورِ دینیہ میں نافع ومعین اور بعض دیگر دنیا میں بکارآمد ہیں اگرچہ مقاصدِ اصلیہ کے سوا حاجت سے زیادہ کسی شے میں توغّل فضولی وبیہودگی ہے۔

خصوصاً علمِ طب کا مفید ومحمود ومحتاج الیہ ہونا تو ظاہر یونہی فرائض کے لئے ضروری حساب اور ہمیں معرفتِ صحیحہ اوقاتِ طلوعِ فجرِ کاذب وصادق وشمس وضحوۂ کبرٰی واستواء وظلِ ثانی غایۃ الارتفاع ومثلِ اوّل وثانی وغروبِ شمس وشفقِ احمر وابیض کہ نماز وسحری وافطار وغیرہا امورِ دینیہ ومسائلِ شرعیہ میں ان کی سخت حاجت، عامہ کو بروجہِ تحقیق بقدرِ قدرتِ بشری بے علمِ زیجات یا آلاتِ رصدیہ نامتصور ان کی ناواقفی سے بہت لوگ سخت غلطیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔

تو مطلقاً علومِ عقلیہ کے تعلیم وتعلم کو ناجائز بتانا یہاں تک کہ بعض مسائلِ صحیحہ مفیدہ عقلیہ پر اشتمال کے باعث توضیح وتلویح (جیسی) کتبِ جلیلہ عظیمہ دینیہ کے پڑھانے سے منع کرنا سخت جہالتِ شدیدہ وسفاہتِ بعیدہ ہے ہاں اکثر طبعیات وعامہ الٰہیاتِ فلاسفہ مخذولین صدہا کفرِ صریح وشرکِ جلی پر مشتمل مثلاً زمان وحرکت وافلاک وہیولی وصورتِ جرمیہ ونوعیہ وسفسطات وانواعِ موالید ونفوس کا قِدَم اور خالقیتِ عقولِ مفارقہ وانکارِ فاعلِ مختار وعلمِ جزئیات وحشرِ اجساد وجنت ونار واحالۂ خرقِ افلاک واعادۂ معدوم وصدورِ کثیر عن الواحد وغیرہا اور ان کے سوا اور اجزا وفروعِ فلسفہ بھی کفریاتِ صریحہ ومحرماتِ قبیحہ سے مملو ہیں مثلاً علمِ طلسمات ونیرنجات جزء التاثیر من علم النجوم واحکامِ زائچہ عالم وزائچہ موالید وتسییرات وفردارات وسیمیا وغیرہا یہ تو درس میں داخل نہیں طبعیات والٰہیات پڑھائے جاتے ہیں۔

فاقول: وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں توفیق اللہ تعالٰی ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ت)

انصافاً ان کی تعلیم وتعلم زہرِ مہلک ونارِ محرق ہے مگر بچند شروط:

اوّلاً: انہماکِ فلسفیات وتوغلِ مزخرفات نے معلّم کے نورِ قلب کو منطفی اور سلامتِ عقل کو منتفی نہ کردیا ہو کہ ایسے شخص پر خود ان علومِ ملعونہ سے یک لخت دامن کشی فرض اور اس کی تعلیم سے ضررِ اَشد کی توقّع۔

ثانیاً: وہ عقائدِ حقہ اسلامیہ سُنّیہ سے بروجہِ کمال واقف وماہر اور اثباتِ حق وازہاقِ باطل پر بعونہٖ تعالٰی قادر ہو ورنہ قلوبِ طلبہ کا تحفّظ نہ کرسکے گا۔

ثالثاً: وہ اپنی اس قدر کو بالتزامِ تام ہر سبق کے ایسے محل ومقام پر استعمال بھی کرتا ہے ہرگز کسی مسئلہ باطلہ پر آگے نہ چلنے دے جب تک اس کا بُطلان متعلم کے ذہن نشین نہ کردے غرض اس کی تعلیم کا رنگ وہ ہو جو حضرت بحرُ العلوم قدّس سرہ الشریف کی تصانیفِ شریفہ کا۔

رابعاً: متعلم کو قبلِ تعلیم خوب جانچ لے کہ پورا سنی صحیح العقیدہ ہے اور اس کے قلب میں فلسفہ ملعونہ کی عظمت ووقعت متمکن نہیں۔

خامساً: اس کا ذہن بھی سلیم اور طبع مستقیم دیکھ لے بعض طبائع خواہی نخواہی زَیغ کی طرف جاتے ہیں حق بات اُن کے دلوں پر کم اثر کرتی اور جھوٹی جلد پیر جاتی ہے۔

بالجملہ گمراہ ضال یا مستعدِ ضلال کو اس کی تعلیم حرامِ قطعی ہے۔ ع اے لوری کوئی دیت ہے متوازن ہتھیار

سادساً: معلم و متعلم کی نیت صالحہ ہو نہ اغراضِ فاسدہ۔

سابعاً: تنہا اسی پر قانع نہ ہو بلکہ دینیات کے ساتھ ان کا سبق ہو کہ اس کی ظلمت اس کے نور سے منجلی ہوتی رہے ان شراط کے لحاظ کے ساتھ بعونہٖ تعالیٰ اس کے ضرر سے تحفظ رہے گا اور اس تعلیم و تعلم سے اِنتفاع متوقع ہوگا کہ (میں نے شر کو اس سے بچنے کے لئے معلوم کیا نہ کہ شر کے لئے، پھر جو شر کو نہیں پہچانتا تو کسی نہ کسی دن اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ت) تشحیذِ اذہان ہوگی ضلالاتِ فلسفہ کے رَد پر قدرت ملے گی بہت بدمذہب کے مناظرات میں کفار فلاسفہ کا دامن پکڑتے ہیں ان کی دنداں شکنی ہو سکے گی انہیں اَغراض سے درسِ نظامی میں یہ کتب رکھی گئی تھیں کہ اب شُدہ شُدہ اَز کجا تا کجا نوبت پہنچی یہاں تک کہ بہت حمقاء کے نزدیک یہی جہالاتِ باطلہ علومِ مقصودہ قرار پا گئیں جس کی شناعت کا قدرے بیان فقیر نے اپنے رسالے **مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید** میں کیا وباللہ التوفیق۔ص 631

بھول جانے کے خوف سے حفظِ قرآن سے روکنا کیسا؟ اور بھلانے کی وعید

حفظِ قرآن فرضِ کفایہ ہے اور سنتِ صحابہ و تابعین وعلمائے دینِ متین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور منجملہ اَفاضل مستحبات عمدہ قربات، منافع وفضائل اس کے حصر وشمار سے باہر۔ جا بجا اللہ جل جلالہ، اور اس کے رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے قرآن کی ترغیب وتحریص فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یعنی نگاہ رکھو قرآن کو اور اسے یاد کرتے رہو سو قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے البتہ قرآن زیادہ چھوٹنے پر آمادہ ہے اُن اونٹوں سے جو اپنی رسیوں سے بندھے ہوں۔ یعنی جس طرح بندھے ہوئے اونٹ چھوٹنا چاہتے ہیں اور اگر ان کی محافظت واحتیاط نہ کی جائے تو رِہا ہو جائیں اس سے زیادہ قرآن کی کیفیت ہے اگر اسے یاد نہ کرتے رہو گے تو وہ تمہارے سینوں سے نکل جائے گا پس تمہیں چاہئے کہ ہر وقت اس کا خیال رکھو اور یاد کرتے رہو اس دولتِ بے نہایت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اور فرماتے ہیں: یعنی اے قرآن والو! قرآن کو تکیہ نہ بنالو۔ کہ پڑھ کے یاد کر کے رکھ چھوڑا پھر نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھا۔ بلکہ اسے پڑھتے رہو دن رات کی گھڑیوں میں جیسے اس کے پڑھنے کا حق ہے اور اسے اِفشا کرو۔ کہ خود پڑھو لوگوں کو پڑھاؤ، یاد کراؤ اس کے پڑھنے یاد کرنے کی ترغیب دو نہ یہ کہ جو پڑے اور خدا اسے حفظ کی توفیق دے اس کو روکو اور منع کرو۔

اس سے زیادہ نادان کون ہے جسے خدا ایسی ہمت بخشے اور وہ اسے اپنے ہاتھ سے کھو دے اگر قدر اس کی جانتا اور جو ثواب اور درجات اس پر موعود ہیں ان سے واقف ہوتا تو اسے جان ودل سے زیادہ عزیز رکھتا زید نادان کو اپنے سوءِ حافظہ یا کسی اور سبب سے حفظِ قرآن میں دِقت ہو یا تشابہ زیادہ واقع ہوں تو اسے قرآن کا قصور سمجھتا ہے اور اس کے حفظ کو معاذ اللہ بیکار و بے ثمر ٹھہراتا ہے یہ وسوسہ شیطان کا ہے کہ اس کے دل میں ڈرلاتا تا کہ سے ایسی نعمتِ عظمیٰ سے محروم رکھے اور راہِ راست سے پھیر کر گمراہوں

کے گروہ میں داخل کرے، وہ یہ نہیں جانتا کہ جسے قرآنِ مجید میں زیادہ دِقت ومشقت پڑتی ہے اس کا اجر اللہ کے نزدیک دُونا ہے۔

انجام اس وسوسۂ ابلیس وفسادِ باطنی کا یہ ہے کہ وہ قرآنِ مجید بھول جائے اوران وعیدوں کا مستحق ہو جواس باب میں وارد ہوئیں، اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: {وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ} الآیۃ۔ ''جو میرے ذکر یعنی قرآن سے منہ پھیرے گا سو اس کے لئے تنگ عیش ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا اور میں تو تھا انکھیارا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا یوہیں آئی تھیں تیرے پاس ہماری آیتیں سو تو نے انہیں بھلا دیا اور ایسے ہی آج تو بھلا دیا جائے گا کہ کوئی تیری خبر نہ لے گا''۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یعنی جو شخص قرآن پڑھ کر بھول جائے گا قیامت کو خدا کے پاس کوڑھی ہو کر رہے گا۔ اور فرماتے ہیں: عرضت علیّ ذنوب امتی، الحدیث رواہ الترمذی حاصل یہ کہ میری امت کے گناہ میرے حضور پیش کئے گئے تو میں نے گناہ اس سے بڑا نہ دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن کی ایک سورۃ یا ایک آیت یاد ہو پھر وہ اسے بھلا دے۔

زید پر لازم کہ اس قسم کی خرافات اور گستاخیوں سے باز آئے اور خلاف حکم اللہ اور اللہ کے رسول کے لوگوں کو حفظِ کلام اللہ سے نہ روکے بلکہ ترغیب دے اور جہاں تک ہو سکے اس کے پڑھانے اور حفظ کرانے اور خود یاد رکھنے میں کوشش کرے تاکہ وہ ثواب جو اس پر موعود ہیں حاصل ہوں اور روزِ قیامت اندھا کوڑھی ہو کر اُٹھنے سے نجات پائے۔ ص644

استاد کا شاگرد کو سزا دینے کا حکم

ضرورت پیش آنے پر بقدرِ حاجت تنبیہ، اِصلاح اور نصیحت کے لئے بلاتفریقِ اُجرت وعدمِ اجرت استاد کا بدنی سزا دینا اور سرزنش سے کام لینا جائز ہے مگر یہ سزا لکڑی ڈنڈے وغیرہ سے نہیں بلکہ ہاتھ سے ہونی چاہئے اور ایک وقت میں تین مرتبہ سے زائد پٹائی نہ ہونے پائے۔ ص652

عورتوں کو لکھنا سکھانا کیسا؟

عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعاً ممنوع وسنتِ نصاریٰ وفتحِ بابِ ہزاران فتنہ اور مستان سرشار کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے جس کے مفاسدِ شدیدہ پر تجاربِ حدیدہ شاہد عدل ہیں، متعدد حدیثیں اس کے ممانعت میں وارد ہیں جن کی بعض کی سند عند التحقیق خود قوی ہے اور اصل متنِ حدیث کے معروف ومحفوظ ہونے کا امام بیہقی نے اعادہ فرمایا اور پھر تعددِ طُرُق دوسری قوت ہے اور عملِ اُمت وقبولِ علماء، تیسری قوت اور محلِ احتیاط وسدِّ فتنہ چوتھی قوت تو حدیث لااقل حسن ہے اور ممانعت میں اس کا نصِ صریح ہونا خود روشن ہے۔ اجازت میں اَصلاً کوئی حدیث صریح نہیں۔ ص656

وہابیوں کے پاس اپنے لڑکوں کو پڑھانا کیسا ہے؟

حرام حرام حرام، اور جو ایسا کرے بدخواہ اطفال ومبتلائے آثام، قال اللہ تعالیٰ: {يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا} اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

فتوی کون دے؟

سند کوئی چیز نہیں، بہتیرے سند یافتہ محض بے بہرہ ہوتے ہیں اور جنہوں نے سند نہ لی اُن کی شاگردی کی لیاقت بھی ان

سند یا فتوں میں نہیں ہوتی، علم ہونا چاہئے اور علم الفتوٰی پڑھنے سے نہیں آتا جب تک مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو مفتیانِ کامل کے بعض صحبت یافتہ کہ ظاہری درس وتدریس میں پورے نہ تھے مگر خدمت علماء کرام میں اکثر حاضر رہتے اور تحقیقِ مسائل کا شغل ان کا وظیفہ تھا فقیر نے دیکھا ہے کہ وہ مسائل میں آج کل کے صدہا فارغ التحصیلوں بلکہ مُدَرِّسوں بلکہ نام کے مفتیوں سے بدرجہا زائد تھے، پس اگر شخص مذکور فی السوال خواہ بذاتِ خود خواہ بفیضِ صحبتِ علماءِ کاملین علم کافی رکھتا ہے جو بیان کرتا ہے غالباً صحیح ہوتا ہے اس کی خطا سے اس کا صواب زیادہ ہے تو حرج نہیں اور اگر دونوں وجوہِ علم سے عاری ہے صرف بطورِ خود اردو فارسی کتابیں دیکھ کر مسائل بتائے اور قرآن وحدیث کا مطلب بیان کرنے پر جرأت کرتا ہے تو یہ سخت اَشد کبیرہ ہے اور اس کے فتوٰی پر عمل جائز نہیں اور نہ اس کا بیانِ حدیث وقرآن سننے کی اجازت۔ص683

جس نے خود قرآن مجید صحیح مخارج سے نہ پڑھا اس کا دوسروں کو پڑھانا کیسا؟

قرآنِ مجید بے پڑھے کوئی شخص صحیح نہیں پڑھ سکتا، جس نے قرآنِ مجید نہ پڑھا اور استادوں سے صحیح نہ کیا اسے جائز نہیں کہ اوروں کو پڑھائے، نہ لوگوں کو جائز ہے کہ اس سے پڑھیں یا اپنی اولاد کو اس سے پڑھوائیں وہ سب گنہگار ہوتے ہیں۔ص688

معلم کا کرسی یا چارپائی پر بیٹھ کر قرآنِ مجید پڑھانا کہ قرآن پاک نیچے رکھا ہو کیسا؟

جو معلم ایسا ہو کہ آپ اور اس کے یار دوست چارپائیوں اور کرسیوں پر بیٹھیں اور قرآن مجید نیچے زمین پر رکھا ہو اگر اس سے مراد حقیقۃً زمین پر رکھنا ہے اور وہ لوگ ایسا کرتے ہیں تو ان کے اسلام میں کلام ہے مسلمان ہرگز ایسا نہ کرے گا یہ وہی کرسکتا ہے جس کے دل میں قرآنِ مجید کی عزت اَصلاً نہ ہو اور جس کے دل میں قرآنِ مجید کی عزت اَصلاً نہ ہو وہ مسلمان نہیں، اور اگر یہ مراد ہے کہ پڑھنے والے لڑکے زمین پر بیٹھتے ہیں قرآنِ مجید رحل پر یا ان کے ہاتھوں یا گود میں ہے اور یہ معلم وغیرہ ان سے اونچے بیٹھتے ہیں تو جب بھی سخت بدکار، ناہنجار، فسّاق، فجّار، مستحقِ عذابِ نار وغضبِ جبّار ہیں، اور اگر قصداً بوجہ توہین اِستخفافِ شانِ قرآن مجید ایسا کرتے ہیں تو آپ ہی کفار ہیں، بہرحال ایسے معلم سے پڑھنا پڑھوانا حرام ہے اور اس کے پاس بیٹھنا جائز نہیں۔ص688

علمِ دین کے اُستاذ کا حق والدین سے زیادہ ہے

پیر واستادِ علمِ دین کا مرتبہ ماں باپ سے زیادہ ہے وہ مُربیِ بدن ہیں یہ مربیِ روح، جو نسبت روح سے بدن کو ہے وہی نسبت استاد وپیر سے ماں باپ کو ہے، قرآنِ عظیم میں ماں باپ کا ذکر فرمایا یہ نہیں فرمایا کہ ان کے برابر کسی کا حق نہیں بلکہ وہ آیہ کریمہ ({اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ} کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا) جس میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو فرمایا، مربیانِ دین کا مرتبہ ماں باپ سے بہت زائد ہونے کی طرف اشارہ فرماتی ہے ظاہر ہے کہ تربیتِ دین نعمتِ عظمٰی ہے اور اس کا شکر قطعاً فرض، مگر ان کا شکر بعینہٖ شکرِ الٰہی عزوجل ہے اسی واسطے انہیں لِیْ میں داخل فرمایا ان کے بعد والدین کا ذکر ارشاد ہوا، ورنہ والدین کا حق نبی سے بھی بڑھ جائے گا کہ یہاں جس طرح استاد وپیر کا ذکر نہیں ویسے ہی نبی کا بھی ذکر نہیں۔ص701

* **جمع تفریق ضرب تقسیم جس قدر پر علمِ فرائض کا توقُّف ہے طب سے اَفضل ہے باقی حساب میں توغُّل سے طب اَفضل ہے جس نے اَفضل سکھایا وہ اَفضل استاد ہے۔ص705**

* استاد کا انکار کفرانِ نعمت ہے، اور کفرانِ نعمت موجبِ سزا و عقوبت۔ص 707
* اس قسم کے (گمراہ بدمذہب) استاد کا اپنے شاگرد پر وہی حق ہے جو شیطان لعین کا فرشتوں پر ہے کہ فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور قیامت کے دن گھسیٹ گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ص 707

نذیر احمد کا نہ ترجمہ صحیح ہے نہ ایمان

نذیر احمد کا نہ ترجمہ صحیح ہے نہ ایمان، وہ شخص منکرِ خدا تھا، جیسے اس نے اور کتابیں نصرانیت ونیچریت آمیز لکھیں جن سے مال کمانا مقصود تھا ویسے ہی یہ ترجمہ بھی کر دیا گیا اس سے بھی داموں ہی کی غرض تھی ورنہ جو شخص اللہ ہی کو نہ مانتا ہو وہ قرآن کے ترجمہ کو کیا جانے گا، اس کا ترجمہ ہرگز نہ پڑھا یا جائے۔ص 708

اس خیال سے انگریزی پڑھنا اور پڑھوانا بچوں کو کہ اس میں عزوجاہ دُنیوی ہے یا حصولِ دنیا کا بڑا ذریعہ ہے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: سائنس وغیرہ وہ فنون وکتب پڑھنی جن میں انکارِ وجودِ آسمان وگردشِ آفتاب وغیرہ کفریات کی تعلیم ہو حرام ہے، اور وہ نوکری جو خود حرام یا حرام میں اعانت ہے اس کی نیت سے پڑھنا بھی حرام ہے اور اگر جائز فنون جائز نوکری کے لئے پڑھے تو جائز ہے جبکہ اس میں وہ انہماک نہ ہو کہ اپنے ضروریاتِ دین وعلومِ فرض کی تعلیم سے باز رکھے ورنہ جو فرض سے باز رکھے حرام ہے اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے دین واخلاق ووضع پر اثر نہ پڑے، اسلامی عقائد وخیالات پر ثابت ومستقیم اور مسلمانی وضع پر قائم رہے ان سب شرائط کے اجتماع کے بعد جائز رزق حاصل کرنے کے لئے حرج نہیں، رہی اس سے عزوجاہِ دُنیوی کی طلب، طلبِ جاہ خود ناجائز ہے اگرچہ عربی زبان واسلامی علوم سے ہو نہ کہ وہ جاہ کہ استقامت علی الدین کے ساتھ کم جمع ہو۔ص 709

دیوبندی کا وعظ سننا، ان سے فتوٰی لینا کیسا؟

دیوبندی وہابیوں کی اخبث شاخ ہے، اس کا وعظ سننا حرام، اس سے فتوٰی لینا حرام، اس سے میل جول سخت حرام، بلکہ اسے مسلمان جان کر ہو تو کفر، علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے **من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر** (جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ص 710

فتوٰی چھپانا کیسا ہے؟

اگر کوئی عذرِ شرعی نہ ہو تو فتوٰی چھپانا بہت بیجا تھا اگرچہ اعلان کے ساتھ وعظ میں حکمِ شرعی بیان کر دینے کے بعد کتمانِ علم واخفائے حق کی حد میں نہیں آسکتا کہ عالم پر زبانی بیانِ حکم فرض ہے خود لکھ کر دینا ضروری نہیں **کما فی غمز العیون وغیرہ** (جیسا کہ غمز العیون وغیرہ میں ہے۔ت) نہ کہ اور کا لکھا پیش کرنا مگر جبکہ اس کے پیش کرنے میں عوام کی ہدایت کا ظنِ غالب ہو اور اسے بلا وجہ شرعی چھپائے تو اب البتہ جرم کی حد میں آجائے گا کہ اس نے مسلمانوں کا خلافِ ہدایت پر رہنا پسند کیا۔ص 689

جھوٹا مسئلہ بیان کرنے کا حکم

جھوٹا مسئلہ بیان کرنا سخت شدید کبیرہ ہے اگر قصداً ہے تو شریعت پر اِفتراء ہے اور شریعت پر اِفتراء اللہ عزوجل پر اِفترا ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: {اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ} وہ جو اللہ پر جھوٹ اِفتراء

کرتے ہیں فلاح نہ پائیں گے۔اور اگر بے علمی سے ہے تو جاہل پر سخت حرام ہے کہ فتوٰی دے۔حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:**من افتی بغیر علم لعنتہ ملٰئکۃ السماء والارض۔** جو بغیر علم کے فتوٰی دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ہاں اگر عالم سے اتفاقاً سہو واقع ہوا اور اس نے اپنی طرف سے بے احتیاطی نہ کی اور غلط جواب صادر ہوا تو مواخذہ نہیں مگر فرض ہے کہ مطلع ہوتے ہی فوراً اپنی خطا ظاہر کرے،اس پر اصرار کرے تو پہلی شق یعنی اِفترا میں آجائے گا۔ص711

(۱) عالم کا یہ کہہ دینا کہ میں نے مسئلہ صحیح بیان کیا تھا یا غلط مجھ کو یاد نہیں ہے دوسرے سے پوچھ لو،درست ہے یا نہیں؟

(۲) کسی عالم سے پوچھا کہ آپ صحیح وغلط بھی بیان کرتے ہیں اور اس پر اس کا جواب دینا کہ ہاں،درست ہے یا نہیں؟

الجواب:(۱) صرف درست نہیں بلکہ واجب ہے اگر اس کو اپنے بیان میں شک ہو گیا ہو اور خود اس کی تنقیح نہ کرسکتا ہو۔

(۲) اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ مجھ سے کبھی خطا بھی ہو جاتی ہے تو درست ہے اور اگر یہ مراد کہ کبھی قصداً مسئلہ غلط بیان کر دیتا ہے تو سخت فسق کا اِقرار ہے۔ص715

خدا کے یہاں مفتی فتوٰی دینے کا ذمہ دار ہے یا وہ بھی جو فتوٰی پر عمل کرے؟

اگر وہ مفتی قابلِ فتوٰی نہیں یا عامہ مسلمینِ شہر در بارۂ فتوٰی اس پر اعتماد نہیں کرتے یا فتوٰی ایسا غلط ہے جس کی صریح غلطی مستفتی پر ظاہر ہے یا عالم معتمد مستند نے اس کے اَغلاط ظاہر کر دیئے یا فتوٰی واقعات پر نہیں ہے اور اس میں مفتی نے اصل واقعہ چھپایا اور غلط رُخ دکھایا تو مفتی،اس پر عمل کرنے والا،دونوں ماخوذ وگرفتار ہیں ورنہ جب تک حق واضح نہ ہو جاہل پر وبال نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص713

نعت خوانی کی اجرت کا حکم

زید نے جو اپنی مجلس خوانی خصوصاً راگ سے پڑھنے کی اُجرت مقرر رکھی ہے ناجائز وحرام ہے اس کا لینا اسے ہرگز جائز نہیں اس کا کھانا صراحۃً حرام کھانا ہے اس پر واجب ہے کہ جن جن سے فیس لی ہے یاد کرکے سب کو واپس دے،وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو پھیرے،پتا نہ چلے تو اتنا مال فقیروں پر تصدّق کرے،اور آئندہ اس حرام خوری سے توبہ کرے تو گناہ سے پاک ہو۔ص724

جلد نمبر 24

لھوولعب

کھیل، تماشہ، میلہ، مزاح، ناچ، گانا، قوالی، مزامیر، راگ، سماع، موسیقی وغیرہ سے متعلق

دانستہ تفسیر غلط کی تو حکم

اگر ذی علم ہے اور دانستہ تفسیر غلط کی، غلط حکم لگایا تو اَشد واَعظم کبائر کا ارتکاب کیا کہ اللہ عزوجل پر بہتان اٹھایا شریعتِ مطہرہ پر اِفترا باندھا، اور بر تقدیرِ علم کہ دانستہ اس کا مرتکب ہوا تجدیدِ اسلام ونکاح کا بھی حکم ہے کہ جان بوجھ کر رب العزۃ عزجلالہ پر اِفترا کرنے کو اکثر علماء نے کفر ٹھہرایا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: {اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ} جھوٹ وہی گھڑتے ہیں جو آیاتِ الٰہی پر ایمان نہیں رکھتے۔ (ت)۔ ص102

دینی کتاب کی تحقیر کرنے کا حکم

شرع مطہر کو ایسا ویسا یعنی حقیر جاننے والا تو قطعاً اجماعاً کافر مرتد زندیق ملحد ہے ایسا کہ من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر جو اس کے کافر ومستحقِ نار ہونے میں شک کرے وہ خود کافر ہے، اسی طرح جو تفسیرِ جلالین شریف خواہ کسی کتابِ دینی کی فی نفسہٖ نہ کسی امرِ خارج عارض کے باعث بلاشبہ وتاویل تحقیر کرے کافر ہے۔ ص104

آپس میں ایک دوسرے کو آموں کی گٹھلیاں مارنے کا حکم

گٹھلیاں مارنا ناجائز وممنوع ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی: یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غلا یا گٹھلی کنکری پھینک کر مارنے سے منع کیا اور فرمایا اس سے نہ دشمن پر وار ہوسکے نہ جانور کا شکار، اس کا نتیجہ یہی ہے کہ آنکھ پھوڑ دے یا دانت توڑ دے۔ (سنن ابن ماجہ)

اور صرف چھلکوں سے ہم عمر ہم مرتبہ لوگ نادراً محض تطییبِ قلب کی طور پر باہم مزاحِ دوستانہ کریں جس میں اَصلاً کسی حرمت یا حشمتِ دینی کا ضرر حالاً یا مآلاً نہ ہو تو مباح ہے۔ ص111

سماع کلام حسن منظوم برعایتِ قواعد وقوانینِ موسیقی کا حکم

جب سامع ومَسموع ومُسمِع ومَسمَع ومُسمَع وسماع واِسماع سب مفاسد سے پاک ہوں تو سننا سنانا سب جائز ہے اگرچہ بالقصد برعایتِ قوانینِ موسیقی ہو، خواہ فارسی یا اردو یا ہندی جو کچھ بھی ہو باستثناءِ قرآنِ عظیم موسیقی کی نسبت آواز کی طرف وہ ہے جو عروض کی نسبت کلام کی طرف، کلام جب حسن ہو اَوزانِ عروضیہ پر منظوم کردینے سے قبیح نہ ہوجائے گا۔ یوہیں الحان کہ مباح ہو قوانینِ موسیقی کی رعایت سے ناجائز نہ ہوجائے گا۔ حدیث میں فرمایا: شعر ایک کلام ہے، جو اچھا ہے وہ اچھا ہے، اور جو برا ہے وہ

برا ہے۔(ت)

سامع تو وہ چاہئے جس کے قلب پر شہواتِ ردیّہ کا اِستیلا نہ ہو کہ سماع کوئی نئی بات پیدا نہیں کرتا بلکہ اسی کو اُبھارتا ہے جو دل میں دَبی ہو، **مسموع** میں ضرور ہے کہ نہ فحش ہو نہ کوئی کلمہ خلافِ شرع مطہر، نہ کسی زندہ اَمرد کا ذکر ہو نہ کسی زندہ عورت کی تعریف، نہ ایسی قریب مُردہ کا نام ہو جس کے اَعزّہ زندہ ہوں اور انہیں اس سے عار لاحق ہو، اَمثالِ لیلےٰ سلمےٰ سُعاد میں حرج نہیں۔ **مُسمِع** بالضم یعنی پڑھنے یا گانے والا مرد بوڑھا یا جوان ہو، اَمرد یا عورت نہ ہو۔ **مِسمع** بالکسر یعنی آلہ سماع مزامیر نہ ہوں اگر ہو تو صرف دَف بے جلاجل جو ہیئاتِ تطرُّب پر نہ بجایا جائے۔ **مَسمع** بالفتح جائے سماع مجلسِ فساق نہ ہو اور اگر حمد ونعت ومنقبت کے سوا عاشقانہ غزل، گیت، ٹھمری وغیرہ ہو تو مسجد میں مناسب نہیں۔ سماع یعنی سننا ایسے وقت نہ ہو کہ اس سے نمازِ باجماعت وغیرہ کسی فرض یا واجب یا امرِ اہم شرعی میں خلل آئے۔ **اِسماع** یعنی پڑھنا یا گانا ایسی آواز سے نہ ہو جس سے کسی نمازی کی نماز یا سوتے کی نیند یا مریض کے آرام میں خلل آئے۔ اور حُسن وعشق ووصل وہجر وشراب وکباب کا ذکر ہو تو عورات تک آواز نہ پہنچے بلکہ اگر گانے والے کی آواز دلکش ہے تو عورات تک پہنچنے کی مطلقاً احتیاط مناسب ہے۔ص125

علمِ موسیقی سیکھنے کا کیا حکم

رہا علمِ موسیقی، اس کے تعلم میں وقت ضائع کرنا صالحین کا کام نہیں بلکہ کم از کم عبث ہے اور ہر عبث میں تضییعِ وقت ممنوع۔ (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کسی آدمی کے حسنِ اسلام میں سے یہ ہے کہ جو بے فائدہ اور بے سود کام ہو اسے چھوڑ دے۔ت) اور علم اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قیاس صحیح نہیں کہ وہ بلا تعلم و بے صرفِ وقت و بے قصد خاص بفنِ معین تھا حرج اس میں ہے، نفسِ علم میں کوئی حرج نہیں کہ وہ کمال ہے، والہذا حضرتِ عزت جلالہ جس کے لئے ہر کمال واجب اور ہر نقصان بلکہ ہر وہ شے جو کمال ونقصان دونوں سے خالی ہو محال {بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ} ہے اَزلاً اَبداً وجوباً اور کسی شے کے علم کی اس سے نفی کفر ہے تو ثابت ہوا کہ ہر شے کا علم مطلقاً کیسی ہی ہو عین کمال ہے، یوہیں بعدِ تعلُّم اس کے قوانین کی اپنے اِلحان میں رعایت اہلِ شرف وصلاح کے لئے عیب ہے کہ وہ ذلیلوں رذیلوں کا فن ہے اور بالخصوص فاسقین وفاسقات کے ساتھ مشہور ہے، ایسی تخصیص شرعاً شے کو ممنوع کر دیتی ہے اگرچہ فی نفسہٖ اس میں کوئی حرج نہ ہو جیسے جوان یا بوڑھے مرد کو ٹوپی انگرکھے یا پاجامے میں چار انگل یا اس سے کم لچکا گوٹا پٹھا لگانا بلاشبہہ بدوضعی ومعیوب ہے کہ فاسقوں اور فحشوں کی وضع ہے اگرچہ فی نفسہٖ چار انگل تک کی اجازت ہے اور منع رعایتِ موسیقی پر سائل کا وہ شبہہ کہ اس تقدیر پر تعلُّمِ موسیقی سب پر واجب ہوگا محض بے اصل وبے معنی ہے آخر اتنا تو مسلّم ہے کہ قرآنِ عظیم میں اس کی رعایت حرام ہے تو بے تعلمِ موسیقی اگر اس سے بچنا ناممکن تھا تو خواہی نخواہی اس کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہوتا تو یہ وہ فرض ہے کہ صحابہ وتابعین وائمہ وعلماء سب اس سے محروم رہے، بات یہ نہیں بلکہ اس کا عکس ہے ممنوع ومعیوب رعایت ہے اور رعایت فعلِ اختیاری ہے اور فعلِ اختیاری کو قصد لازم اور قصد بے علم ناممکن تو رعایت جبھی کر سکے گا کہ جانتا ہو نہ جاننے والا کہ نہ اس سے آگاہ نہ اس کا قصد کرتا ہے اگر اتفاقاً اس کا پڑھنا کسی شعبۂ موسیقی سے موافق ہو جائے تو نہ اس پر الزام نہ یہ شرعاً ممنوع حتی کہ خود قرآنِ عظیم میں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو خوش الحانی سے قرآن نہ

پڑھے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔اور خوش الحانی میں کسی شعبہ سے اتفاقیہ موافقت نادر نہیں بلکہ غالب بلکہ اس فن والوں کے نزدیک لازم ہے الحان میں اگر چہ تان گٹکری نہ ہو مگر تال سم سے خالی نہیں ہوسکتا تو ناواقف اپنی سادگی کے ساتھ قصدِ مفسدہ سے بچا ہوا نکل جائے گا اور واقف احتیاط کرے گا تو قصداً بگاڑے گا اور بنانا چاہے گا تو رعایت کی طرف جائے گا لہٰذا اور بھی ضرور ہوا کہ اس فن سے ناواقف رہیں، **وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم**۔ص126

سماع بے مزامیر میں اہل و نااہل کا فرق ہے، نہ کہ مزامیر والے سماع میں

اہل نااہل کا تفرقہ سماعِ مجرد میں ہے۔شعر حضرتِ شیخ سعدی قدس سرہ میں اسی کا ذکر ہے، مزامیر میں اہل کی اہلیت نہیں، نہ ان کا کوئی اہل نہ وہ کسی کے لئے جائز، مگر مجاذیب اور خود رفتہ کہ عقلِ تکلیفی نہ رکھتے ہوں اُن پر ایک مزامیر کیا کسی بات کا مواخذہ نہیں۔ایسی جگہ اہلِ عقل میں اہل و نااہل کا فرق کرنا ہر کس و ناکس کو گناہ پر جری کرنا اور امتِ مرحومہ پر مکرِ شیطان لعین کا دروازہ کھولنا ہے، ہر فاسق اسی کا مدعی ہوگا کہ ہم اہل ہیں ہم کو حلال ہے علانیہ ارتکابِ معصیت کرے گا اور حرامِ خدا کو حلال بتائے گا اور اپنے امثال عوام جہال کو گمراہ بنائے گا، کیا شریعتِ محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسا حکم لاتی ہے، حاش للہ۔شریعتِ مطہرہ فتنہ کا دروازہ بند فرماتی ہے اور یہ حکم فتنہ کے روزن کو عظیم پھاٹک کرتا ہے، تو کس قدر مبائنِ شریعت غرا ہے، اب دیکھ نہ لیجئے کہ آج کل کتنے نامشخص، کتنے بے تمیز، کتنے کندہ ناتراشیدہ، جن کو استنجا کرنے کی تمیز نہیں یہ بھی نہیں جانتے کہ استنجا کرنے میں کیا فرض، واجب، سنت، مکروہ، حرام ہیں، وہ گیروا کپڑے رنگ کر یا عورتوں کے سے کاکل بڑھا کر رات دن اسی آوازِ شیطانی میں منہمک ہیں، نمازیں قضا ہوں بلا سے، مگر ڈھولک ٹھنکنا ناغہ نہ ہو، اور پھر وہ پیرو مرشد ہیں ان کے پاؤں پر سجدے ہوتے ہیں، اور علانیہ کہتے ہیں کہ ہم کو روا ہے، ہماری روح کی پاکیزہ غذا ہے، یہ ناپاک نتیجہ اسی اہل و نااہل کے فرقِ پُرجہل کا ہے، اور ان کا کذبِ صریح یوں آشکار کہ سماع بے مزامیر جس میں اہل و نااہل کا فرق ہے اس کے جواز میں اس کے اہل نے یہ شرط رکھی ہے کہ جلسۂ سماع میں کوئی نااہل نہ ہو، یہاں تک کہ قوال بھی اہلِ باطن ہو، جیسے بارگاہِ حضور سیدنا محبوبِ الٰہی سلطانُ الاولیاء نظامُ الحق والدّین محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حضرتِ سیدنا امیر خسرو وحضرت سیدی میر حسن علی سجزی قدس سرہما، بفرضِ باطل اگر مزامیر میں بھی اہل و نااہل کا فرق ہوتا تو اہل وہ تھا کہ کسی نااہل کے سامنے نہ سنتا، یہ جہل کے اہل عام مجمع کرتے ہیں جس میں فساق فجّار شرابی زنا کار سب کا شیطانی بازار لگتا ہے اور مزامیر کھڑکتے ہیں، یہ اہلیت کی شکل ہے، **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم** (گناہوں سے بچنے اور بھلائی کرنے کی قوت بجز اللہ تعالٰی بلند مرتبہ اور بزرگ قدر کے توفیق دینے کے کسی فرد میں نہیں۔ت) ان سب کی گمراہی اور عوام کی بربادی تباہی کا وبال انہیں مولویوں کے سر ہے جو اہل و نااہل کا فرق بتاتے اور حرامِ خدا کو حلال کرنے کی کوشش کرتے اور امت کی بھیڑوں کو ابلیس بھیڑیئے کے پنجے میں دیتے ہیں پھر مزامیر کی حالت بالکل شراب کی مثل ہے **قلیلھا یدعوا الی کثیرھا** تھوڑی سے بہت کی خواہش پیدا ہوتی ہے **الذنب یجری الی الذنب** گناہ گناہ کی طرف کھینچتا ہے۔ص128

غذائے روح اور غذائے نفس

غذائے روح وہ ہے جس کی طرف شریعتِ محمدیہ علٰی صاحبہا وآلہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ بلاتی ہے اور جس کی طرف شریعتِ

مطہرہ بلاتی ہے اس پر وعدۂ جنت ہے اور جنت اُن چیزوں پر موعود ہے جو نفس کو مکروہ ہیں، اور غذائے نفس وہ ہے جس سے شریعتِ محمدیہ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ منع فرماتی ہے اور جس سے شریعتِ کریمہ منع فرماتی ہے اس پر وعیدِ نار ہے اور نار کی وعید ان چیزوں پر ہے جو نفس کو مرغوب ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (جنت ان چیزوں سے گھیر دی گئی ہے جو نفس کو ناگوار ہیں اور دوزخ ان چیزوں سے ڈھانپ دی ہے جو نفس کو پسند ہیں۔ت) ص130

علماء کرام کو نصیحتِ رضا

ائمۂ دین فرماتے ہیں اے گروہ علماء! اگر تم مستحبات چھوڑ کر مباحات کی طرف جھکو گے عوام مکروہات پر گریں گے، اگر تم مکروہ کرو گے عوام حرام میں پڑیں گے، اگر تم حرام کے مرتکب ہو گے عوام کفر میں مبتلا ہوں گے۔ بھائیو! للہ اپنے اوپر رحم کرو، اپنے اوپر رحم نہ کرو، اُمتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر رحم کرو، چرواہے کہلاتے ہو بھیڑیئے نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے، آمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین، آمین۔ ص133

✻ **رسالہ: مسائلِ سماع۔ ص145**

سماع فی نفسہ کا قطع نظر اس سے کہ سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ میں نہیں سننے کا کیا حکم ہے؟

سماع کہ بے مزامیر ہو اور مُسمِع نہ عورت ہو نہ اَمرد، اور مسموع نہ فحش نہ باطل، اور سامع نہ فاسق ہو نہ شہوت پر، تو اس کے جواز میں شبہہ نہیں، قادریہ وچشتیہ سب کے نزدیک جائز ہے، ورنہ سب کے نزدیک ناجائز، (اس کی تفصیل ہمارے رسالے ''اجل التحبیر فی حکم السماع والمزامیر'' میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ ص133

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے فتاوٰی میں ثابت کیا ہے کہ ان پیروانِ ہوائے نفس کا حضراتِ اکابرِ چشت قدست اسرارہم کی طرف سماعِ مزامیر نسبت کرنا محض دروغ بیفروغ ہے ان کے اَعاظم اَجلّہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اِفترا ہے، نیز ان کے تمام تمسکاتِ واہیہ کا ایک اجمالی جواب موضع صواب ان لفظوں میں گزارش کر دیا ہے کہ بعض جہال بدمست یا نیم ملّا ہوس پرست یا جھوٹے صوفی بادبدست کہ احادیثِ صحیحہ مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصّے یا محتمل واقعے یا متشابہ کلمے پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور متشابہ واجبُ الترک ہے پھر کہاں حکایتِ فعل پھر کجا مُحرِم کجا مُبیح، ہر طرح یہی واجبُ العمل، اسی کو ترجیح، مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے، کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے اقرار لاتے، یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں، اپنے لئے حرام کو حلال بنالیں میں نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ایسی محافل میں جتنے لوگ کثرت سے جمع کئے جائیں گے اسی قدر گناہ و وبال صاحبِ محفل وداعی پر بڑھے گا، حضار سب گنہگار اور اُن سب کا گناہ گانے بجانے والوں پر اور اُن کا اِن کا سب کا بلانے والوں پر، بغیر اس کے کہ اُن میں کسی کے اپنے گناہ میں کچھ کمی ہو مثلاً دس ہزار حضار کا مجمع ہے تو ان میں ہر ایک پر ایک ایک گناہ، اور فرض کیجئے تین قوال تو اُن میں ہر ایک پر اپنا گناہ اور دس دس ہزار گناہ حاضرین کے، یہ مجموعہ چالیس ہزار چار اور ایک اپنا، کل چالیس ہزار پانچ گناہ داعی وبانی پر۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی امرِ ضلالت کی طرف بلائے جتنے اس کے بلانے پر چلیں ان سب کے برابر اس پر گناہ ہو اور اس سے ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہو۔

ایسے محرمات کو معاذ اللہ موجبِ قربت جاننا جہل وضلال اور ان پر اِصرار کبیرہ شدیدُ الوبال اور دوسروں کو ترغیب اِشاعتِ فاحشہ واِضلال، **والعیاذ باللہ من سوءِ الحال** (اللہ تعالٰی کی پناہ بُرے حال سے۔ت)۔ص150

شادی میں دف کی اجازت ہے مگر تین شرط سے:

(۱) ہیئاتِ تطرب پر نہ بجایا جائے یعنی رعایتِ قواعدِ موسیقی نہ ہو ایک یہی شرط اس مروّج کے منع کو بس ہے کہ ضرور تال سم پر بجاتے ہیں۔

(۲) بجانے والے مرد نہ ہوں کہ ان کو مطلقاً مکروہ ہے۔

(۳) عزت دار بیبیاں نہ ہوں۔ص141

شطرنج کا حکم

گنجفہ تاش حرام مطلق ہیں کہ ان میں علاوہ لہوولعب کے تصویروں کی تعظیم ہے اور بگھور یا جیون کمینوں کا کھیل ہے اور منع اور صحیح یہ ہے کہ شطرنج بھی جائز نہیں مگر چھ شرطوں سے: اوّلاً: بدکر نہ ہو۔ثانیاً: اس پر قسم نہ کھائی جائے۔ثالثاً: فحش نہ بکا جائے۔ رابعاً: اس کے سبب نماز یا جماعت میں تاخیر نہ کی جائے۔خامساً: سَرِ راہ نہ ہو گوشے میں ہو۔سادساً: نادراً کبھی کبھی ہو۔

پہلی تین شرطیں تو آسان ہیں مگر پچھلی تین پر عمل نادر ہے بلکہ ششم پر عمل سخت دشوار ہے شوق کے بعد نادراً ہونا کوئی معنی ہی نہیں لہٰذا راہِ سلامت یہ ہے کہ مطلقاً منع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص141

وجد اور تواجد کا حکم

اگر وجد مراد ہے تو اگر بے اختیار ہے زیرِ حکم نہیں بلکہ اگر شوقاً اِلٰی حضرۃ العزیز الودود جلَّ وَعلَا ہے تو نعمتِ کبرٰی و دولتِ اَعلٰی ہے تا بکہ بخشند و کرا ارزانی دارند (تا کہ دیکھا جائے کہ وہ کس پر بخشش فرماتے ہیں اور کس کو ارزاں (سستا) دیتے ہیں۔ت) اور اگر باختیار و تصنّع ہو تو مدار نیت پر ہے اگر مجمع یا مرأی العین میں اِظہارِ مشیخت وجلبِ قلوب کے لئے ہے قطعاً ریا وسمعہ ونفاق وحرامِ کبیرہ وشرکِ صغیر ہے، اب اس کی حرمت بھی ضرور اِجماعیہ ہے فقہا نے اس پر قیامتِ کبرٰی قائم کی اور عبادت سمجھنے والے کو کافر لکھا، اور اگر خلوت وتنہائی محض میں جہاں کوئی دوسرا نہ ہو بہ نیتِ محمودہ مثلِ تشبُّہ بہ عشّاق والہین یا جلبِ حالاتِ صالحین ہو تو ائمۂ شان میں مختلف فیہ بعض ناپسند فرماتے ہیں کہ صدق وحقیقت سے بعید ہے اور اَرجح یہ ہے کہ ان نیتوں کے ساتھ جائز بلکہ حسن ہے کہ **من تشبہ بقوم فھو منھم** (جب کوئی شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے تو وہ اسی میں شمار ہوتا ہے۔ت) اور سچی نیت سے نیکوں کی حالت بناتے بناتے خدا چاہے تو واقعیت بھی مل جاتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: بیشک قرآن غم وکرب کے ساتھ اُترا ہے تو جب اسے پڑھو تو روؤ اور اگر رونا نہ آئے تو رونی صورت بناؤ۔

بالجملہ وجد صوفیہ کرام طالبین صادق اَصلاً محلِ طعن نہیں اور دربارۂ امرِ قلب ونیتِ باطن صادق وکاذب میں تمیز مشکل اور

اساءتِ ظن حرام و باطل ۔ص 151

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے احکام

امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضرور بنصوصِ قاطعہ قرآنیہ اہم فرائضِ دینیہ سے ہے اور بحالِ وجوب اس کا تارک آثم و عاصی، اور ان نافرمانوں کی طرح خود بھی مستحقِ عذابِ دُنیوی و اُخروی، احادیثِ کثیرہ اس معنی پر ناطق ہیں مگر یہ امر و نہی نہ ہر شخص پر فرض نہ ہر حال میں واجب، تو بحالِ عدمِ وجوب اس کے ترک پر یہ اَحکام نہیں بلکہ بعض صُور میں شرع ہی اسے ترک کی ترغیب دے گی جیسے جبکہ اس سے کوئی فتنہ اَشد پیدا ہوتا ہو، یونہی اگر جانے کہ بے سود ہے کارگر نہ ہوگا تو خواہی نخواہی چھیڑنا ضرور نہیں خصوصاً جبکہ کوئی امرِ اَہم اِصلاح پا رہا ہو، مثلاً کچھ لوگ حریر کے عادی نماز کی طرف جھکے یا عقائدِ سنت سیکھنے آتے ہیں اور جب حریر و پابندیٔ وضع میں ایسے منہمک ہیں کہ اس پر اصرار کیجئے تو ہرگز نہ مانیں گے غایت یہ کہ آنا چھوڑ دیں گے وہ رغبتِ نماز و تعلُّمِ عقائد بھی جائے گی تو ایسی حالت میں بقدرِ تیسر انھیں ہدایت اور باقی کے لئے انتظارِ وقت و حالت، ترکِ اَمر و نہی نہیں بلکہ اسی کی تدبیر و سعی ہے۔ص160

بتوں سے شفاعت چاہنا بھی کفر ہے

ہنود قطعاً بت پرست مشرک ہیں وہ یقیناً بتوں کو سجدۂ عبادت کرتے ہیں اور بالفرض نہ بھی ہو تو بتوں کی ایسی تعظیم پر بھی ضرور حکمِ کفر ہے اور انہیں بارگاہِ عزت میں شفیع جاننا بھی کفر، ان سے شفاعت چاہنا بھی کفر کہ قطعاً اجماعاً یہ اَفعال و اَقوال کسی مسلم سے صادر نہیں ہوتے۔ص162

بیان سننے کے آداب

عالمِ دین کا **امر بالمعروف و نہی عن المنکر** کرنا بندگانِ خدا کو دینی نصیحتیں کرنا جسے وعظ کہتے ہیں ضرور اَعلیٰ فرائضِ دِین سے ہے اور حاضرین کا ادب و خاموشی و رجوعِ قلب کے ساتھ اسے سنتے رہنا بھی مذہبی عبادت اور دینی فرض ہے، اس میں دست اندازی کرنا غل مچانا گالیاں بکنا ضرور مذہبی توہین اور خاص عادتِ کفارِ بے دین ہے، جب وعظ میں مطلق حرکت اور آہستہ بات بے ضرورت بھی گستاخی و بے ادبی و گناہ ٹھہرے تو غل مچانا گالیاں بکنا کس قدر سخت توہین ہوگا یہ توہین اس عالمِ دین کی توہین نہ ہوگی جو اس وقت وعظ کرتا ہے بلکہ اصل دینِ اسلام اور خود ہمارے نبی اکرم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی توہین ٹھہرے گی کہ مسندِ وعظ اصل مسندِ حضور پُرنُور رسیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ص168

بیماری اور علاج معالجہ

طوائف مریضہ اگر مطب میں آئے تو اس کا علاج کرنا معصیت ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر معالجۂ زنِ فاحشہ سے طبیب خود یہی نیت کرے کہ یہ ارتکابِ معاصی کے قابل ہوجائے ناسازی طبیعت کہ مانعِ گناہ ہے زائل ہوجائے جب تو اس کے عاصی ہونے میں کلام نہیں، کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ

ہے جس کی اس نے نیت کی (ت)

اور اگر اس کی یہ نیت نہیں بلکہ عام معالجے جس نیتِ محمودہ یا مباحہ سے کرتا ہے وہی غرض یہاں بھی ہے تو اگر مرض ایذا دہندہ ہے جیسے کہ اکثر امراض یونہی ہوتے ہیں جب تو اَصلاً حرج نہیں، نہ اسے اعانتِ معصیت سے علاقہ بلکہ نفع رسانی مسلمہ، یا دفعِ ایذائے انسان کی نیت ہے تو اجر پائے گا۔ (حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا): ہر جگرِ گرم یعنی ہر جاندار کی نفع رسانی میں ثواب ہے۔

اور اگر مرض سے کوئی ایذا نہیں صرف موانعِ زنا سے ہے جس کے سبب اس کا معالجہ ایک زانیہ عورت کے لئے کوئی نفع رسانی نہ ہوگا بلکہ زنا کا راستہ صاف کرے گا مثلاً عارضہ رتق یا شدّتِ وسعت (نہ بوجہ سیلان رطوبت) کہ فی نفسہٖ موذی نہیں مگر اس کا اشتہاء باعثِ سردیٔ بازارِ زنانِ زناکار ہے ایسے معالجہ کو جب کہ امورِ مذکورہ پر طبیب مطلع ہو اگرچہ بر قیاس قولِ صاحبین منٌ وجہٍ اعانت کہہ سکیں مگر مذہبِ امام رضی اللہ عنہ پر یہ بھی داخلِ ممانعت نہیں کہ یہ تو پاک نیت سے صرف اس کا علاج کرتا ہے گناہ کرنا نہ کرنا اس کا اپنا فعل ہے جیسے راج کا گرجا یا شوالہ بنانا یا مکان رنڈی زانیہ کو کرایہ پر دینا۔

فتاوٰی قاضیخان میں ہے کہ اگر کوئی مزدور گرجے کی تعمیر اور آبادی کے لئے کام کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نفسِ عمل میں کوئی گناہ نہیں۔(ت) ہدایہ میں ہے: اگر کوئی شخص کرائے پر مکان دے اور وہاں آتشکدہ، گرجا یا کلیسا بنا دیا جائے یا وہاں سے عام لوگوں پر شراب فروخت ہونے لگے تو حضرتِ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں کرائے پر مکان دینے والے کے لئے کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)۔ص178

مریض نے علاج نہ کروایا اور مر گیا گنہگار ہوگا یا نہ؟

اس بات میں صدیقِ اکبر اور دیگر ائمہ متوکلین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طرزِ عمل (دلیل) ہے۔ فتاوٰی شامی میں ہے: کھانا کھانے پر قدرت رکھنے کے باوجود کوئی شخص اگر کھانا نہ کھائے اور بوجہ بھوک ہلاک ہوجائے تو گنہگار ہوگا بخلاف علاج کہ حتی کہ اگر علاج نہ کرایا اور مر گیا تو گنہگار نہ ہوگا جیسا کہ ائمۂ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے کیونکہ علاج سے حیات یقینی نہیں بلکہ ایک ظنّی چیز ہے اھ۔ت)۔ص177

شراب کسی قسم کی ہو مطلقاً حرام بھی ہے اور پیشاب کی طرح نجس بھی

شراب کسی قسم کی ہو مطلقاً حرام بھی ہے اور پیشاب کی طرح نجس بھی، ہاں افیون بھنگ وغیرہ خشک چیزیں کہ نشہ لاتی یا تخدیر و تفتیر کرتی ہیں اُن کا نشہ حرام ہے اور وہ خود ناپاک نہیں تو اُن کا لگانا مطلقاً جائز اور اگر کسی دوا میں ان کا اتنا جُز ہو کہ نشہ یا تخدیر نہ لائے تو اس کے کھانے میں بھی حرج نہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔ص193

مصنوعی دانت منہ اور تالو کی شکل کے بنا کر منہ میں لگانے میں حرج نہیں

بنے ہوئے دانت لگانے میں حرج نہیں، طاہر قدوس عزّ جلالہ نے ہر چیز اصل میں پاک بنائی ہے جب تک کسی شے میں کسی نجاست کا خلط ثابت نہ ہو پاک ہی مانی جائے گی۔ سونے کا تالو عورتوں کو مطلقاً جائز ہے اور مردوں کو بضرورت یعنی جبکہ

سونے میں کوئی خصوصیت محتاج الیہا ایسی ہو کہ چاندی وغیرہ سے حاصل نہ ہوسکتی ہو ورنہ دوسری دھات اختیار کریں چاندی کی حاجت ہوتو وہ ورنہ ایلومینیم یا جو مناسب ہو۔

درمختار میں ہے: ہلنے والے دانت کو سونے کے تاروں سے مضبوط نہ کیا جائے بلکہ چاندی استعمال کی جائے، ہاں البتہ سونے کی مصنوعی ناک بنا کر لگائی جاسکتی ہے کیونکہ چاندی میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے: سونے کے استعمال میں اصل حرمت ہے اور اس کا مباح ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے کیونکہ چاندی سے یہ ضرورت پوری ہوجاتی ہے اور اس کا استعمال بنسبت سونے کے قریب ہے، لہٰذا سونا اپنی حرمت پر باقی رہے گا، اور یہ ضرورت ناک لگانے میں بغیر سونے کے پوری نہیں ہوسکتی (لہٰذا سونے کی مصنوعی ناک لگانا جائز ہے) کیونکہ سونے کے علاوہ باقی دھاتوں میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے اھ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)۔ص195

ہندو سے بیماری کی دوا کرانا کیسا ہے؟

طبیب اگر کوئی ناجائز چیز دوا میں بتائے جب تو جائز نہیں اگرچہ طبیب مسلمان ہو اور جائز چیز میں حرج نہیں اگرچہ کافر ہو مگر ہندوؤں کی طب عقلی اصول کے خلاف اور اکثر مضر ہوتی ہے لہٰذا بچنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ص196

عملیات وتعویذ

عملیات وتعویذ اسمائے الٰہی وکلامِ الٰہی سے ضرور جائز ہیں جبکہ ان میں کوئی طریقہ خلافِ شرع نہ ہو مثلاً کوئی لفظ غیر معلومُ المعنی جیسے حفیظی، رمفان، کعسلھون اور اور دعائے طاعون میں طاسوسا، عاسوسا، ماسوسا، ایسے الفاظ کی اجازت نہیں جب تک حدیث یا آثار یا اقوالِ مشائخ معتمدین سے ثابت نہ ہو، یونہی دفعِ صرع وغیرہ کے تعویذ کہ مرغ کے خون سے لکھتے ہیں یہ بھی ناجائز ہے اس کے عوض مشک سے لکھیں کہ وہ بھی اصل میں خون ہے، یونہی حُب وتسخیر کے لئے بعض تعویذات دروازہ کی چوکھٹ میں دفن کرتے ہیں کہ آتے جاتے اس پر پاؤں پڑیں یہ بھی ممنوع وخلافِ ادب ہے، اسی طرح وہ مقصود جس کے لئے وہ تعویذ یا عمل کیا جائے اگر خلافِ شرع ہو، ناجائز ہوجائے گا جیسے عورتیں تسخیر شوہر کے لئے تعویذ کراتی ہیں، یہ حکمِ شرع کا عکس ہے، اللہ عزّوجل نے شوہر کو حاکم بنایا ہے اسے محکوم بنانا عورت پر حرام ہے، یونہی تفریق وعداوت کے عمل وتعویذ کہ محارم میں کئے جائیں مثلاً بھائی کو بھائی سے جدا کرنا یہ قطعِ رحم ہے اور قطعِ رحم حرام، یونہی زن وشو میں نفاق ڈلوانا۔

حدیث میں فرمایا: جو کسی عورت کو اس کے شوہر سے بگاڑ دے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔ بلکہ مطلقاً دو مسلمانوں میں تفریق بِلاضرورتِ شرعی ناجائز ہے۔

غرض نفسِ عمل یا تعویذ میں کوئی امر خلافِ شرع ہو یا مقصود میں تو ناجائز ہے ورنہ جائز بلکہ نفع رسانیِ مسلم کی غرض سے محمود وموجبِ اَجر۔ص196

ہندو کو بیماری سے شفاء کے واسطے تعویذ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب: کافر کو اگر تعویذ دیا جائے تو مُضمَر جس میں ہندسے ہوتے ہیں نہ کہ مظہر جس میں کلامِ الٰہی واسمائے الٰہی کے حروف ہوتے

ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص 197

شراب افیون یا ہروہ چیز جوشرعاً حرام یا ناپاک ہواس کا کسی مرض میں خارجاً ضماداً استعمال کرنا کیسا ہے؟ اسی طرح بچوں کو نیند لانے یارونے سے روکنے کی غرض سے دوا میں قدرے افیون کا کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) شراب بھی حرام ہے اور نجس بھی، اس کا خارجِ بدن پر بھی لگانا جائز نہیں، اور افیون حرام ہے نجس نہیں، خارجِ بدن پر اس کا استعمال جائز ہے۔

(۲) بچے کو سلانا یا رونے سے باز رکھنے کے لئے اَفیون دینا حرام ہے اور اس کا گناہ اس دینے والے پر ہے بچے پر نہیں، (جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص 197

سو دوسو جتنے جنازے جمع ہوں سب پر ایک ساتھ ایک نماز ہوسکتی ہے

بالغوں کے ساتھ نابالغوں کی نماز بھی ہوسکتی ہے، دونوں دعائیں پڑھی جائیں، پہلے بالغوں کی پھر نابالغوں کی، اور بہرحال اگر دِقّت نہ ہوتو ہر جنازے پر جدا نماز بہتر ہے۔

درمختار میں ہے: جب متعدد جنازے (میّت) جمع ہوجائیں یعنی وہ لائے جائیں تو ہر ایک پر الگ الگ نماز پڑھنی بہتر ہے۔ اور اگر سب پر اکٹھی نماز پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن صفوف کی ترتیب میں مقرر متعارف کی رعایت کرے (اور وہ یہ ہے کہ) امام کے متصل اس کے پیچھے بالغ مرد ہوں پھر نابالغ بچے پھر بالغہ عورتیں اور ازیں بعد قریب البلوغ لڑکیاں ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ت)۔ ص 200

حمل ساقط کرنے کا حکم

جان پڑجانے کے بعد اِسقاطِ حمل حرام ہے، اور ایسا کرنے والا گویا قاتل ہے، اور جان پڑنے سے پہلے اگر کوئی ضرورت ہے تو حرج نہیں۔ ص 206

چار مہینے میں بچہ بن جاتا ہے۔ ص 201

طبیب کا علاج نہ کرنا کیسا؟ اور علاج کرنے کا اہل کون؟

اہل کو اس کا ترک بلامضائقہ جائز ہے جبکہ وہاں اور طبیب اہل موجود ہو اور نااہل کو اس میں ہاتھ ڈالنا حرام ہے اور اس کا ترک فرض۔ جس نے اس فن کے باقاعدہ نظریات وعملیات حاصل کئے اور ایک کافی مدت تک کسی طبیبِ حاذق کے مطب میں رہ کر کام کیا اور تجربہ حاصل ہوا اکثر مرضی اس کے ہاتھ پر شفا پاتے ہوں کم حصہ ناکامیاب رہتا ہو فاحش غلطیاں جیسے بے علم ناتجربہ کار کیا کرتے ہیں تشخیص وعلاج میں نہ کیا کرتا ہو وہ اہل ہے اور اسے بنظرِ نفعِ رسانیِ خلائق ومسلمین اس سے دَست کش ہونا نہ چاہئے خصوصاً جبکہ دوسرا ایسا وہاں نہ ہو، بعض اوقات تشخیص یا علاج میں غلطی واقع ہونا منافیِ اہلیت نہیں کہ غلطی سے انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام معصوم ہیں وبس۔ ص 206

تعویذات کے اثر نہ ماننے کا جواب

تعویذات بیشک احادیث اور ائمۂ قدیم وحدیث سے ثابت، اور اس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی افریقہ میں ہے، تعویذات اسماءِ الٰہی وکلامِ الٰہی وذکرِ الٰہی سے ہوتے ہیں ان میں اثر نہ ماننے کا جواب وہی بہتر ہے جو حضرت شیخ ابوسعید الخیر قدس سرہ العزیز نے ایک مُلحِد کو دیا جس نے تعویذات کے اثر میں کلام کیا حضرت قدس سرہ نے فرمایا: تو عجیب گدھا ہے۔ وہ دُنیوی بڑا معزز تھا یہ لفظ سنتے ہی اس کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور گردن کی رَگیں پھول گئیں اور بدن غیظ سے کانپنے لگا اور حضرت سے اس فرمانے کا شاکی ہوا، فرمایا میں نے تمہارے سوال کا جواب دیا ہے گدھے کے نام کا اَثر تم نے مشاہدہ کرلیا کہ تمہارے اتنے بڑے جسم کی کیا حالت کردی لیکن مولیٰ عزوجل کے نامِ پاک میں اَثر سے منکر ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص 207

عورت کو بانجھ کرنا کس قدر گناہ ہے اور اس گناہ کی معافی ہے یا نہیں؟

بانجھ کرنا نہ کرنا اللہ عزوجل کے اختیار میں ہے بشر کی طاقت نہیں { یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا } (اللہ تعالٰی جس کو چاہے بانجھ کردے۔ت) ہاں ایسی دوا کا استعمال جس سے حمل نہ ہونے پائے اگر کسی ضرورتِ شدیدہ قابلِ قبولِ شرع کے سبب ہے حرج نہیں ورنہ سخت شنیع ومعیوب ہے اور شرعاً ایسا قصد ناجائز وحرام۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خصی کرنے اور الگ تھلگ کٹ کر رہنے اور رہبانیت اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)۔ ص 207

* نہ اُلّو میں نحوست ہے نہ ماہِ صفر میں۔ ص 235

بیماری اُڑ کر نہیں لگتی اور مجذوم وطاعون وغیرہ کے مریض سے دُور رہنے کا حکم؟

اب بتوفیقِ اللہ تعالٰی تحقیقِ حکم سنئے **اقول: وباللہ التوفیق** (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) احادیث قسم ثانی تو اپنے افادہ میں صاف صریح ہیں کہ بیماری اُڑ کر نہیں لگتی، کوئی مرض ایک سے دوسرے کی طرف سرایت نہیں کرتا، کوئی تندرست بیمار کے قریب واِختلاط سے بیمار نہیں ہوجاتا، جسے پہلے شروع ہوئی اُسے کس کی اُڑ کر لگی، ان متواتر وروشن وظاہر ارشاداتِ عالیہ کو سن کر یہ خیال کسی طرح گنجائش نہیں پاتا کہ واقع میں تو بیماری اُڑ کر لگتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کا وسوسہ اُٹھانے کے لئے مطلقاً اس کی نفی فرمائی، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واَجلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی عملی کارروائی مجذوموں کو اپنے ساتھ کھلانا، ان کا جھوٹا پانی پینا، ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے پکڑ کر برتن میں رکھنا، خاص ان کے کھانے کی جگہ سے نوالہ اُٹھا کر کھانا جہاں منہ لگا کر انھوں نے پیا بالقصد اسی جگہ منہ رکھ کر خود نوش کرنا یہ اور بھی واضح کررہی ہے کہ عدوٰی یعنی ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانا محض خیالِ باطل ہے ورنہ اپنے آپ کو بلا کے لئے پیش کرنا شرع ہرگز روا نہیں رکھتی۔ ص 237

بالجملہ مذہبِ معتمد وصحیح ورجیح ونجیح یہ ہے کہ جذام، کھجلی، چیچک، طاعون وغیرہا اَصلاً کوئی بیماری ایک کی دوسرے کو ہرگز ہرگز اُڑ کر نہیں لگتی، یہ محض اوہامِ بے اصل ہیں کوئی وہم پکائے جائے تو کبھی اصل بھی ہوجاتا ہے کہ ارشاد ہوا ہے: انا عند ظن عبدی بی (میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس کے پاس ہوتا ہوں۔ت) وہ اس دوسرے کی بیماری اُسے نہ لگی بلکہ خود اسی کی باطنی

بیماری کہ وہم پروردہ تھی صورت پکڑ کر ظاہر ہوگئی۔فیض القدیر میں ہے:بل الوھم وحدہ من اکبر اسباب الاصابۃ۔بلکہ اکیلا وہم،اسبابِ رسائی میں سے سب سے بڑا سبب ہے۔(ت)

اس لئے اور نیز کراہت واذیت وخود بینی وتحقیرِ مجذوم سے بچنے کے واسطے اور نیز اس دُور اندیشی سے کہ مبادا اسے کچھ پیدا ہو اور ابلیس لعین وسوسہ ڈالے کہ دیکھ بیماری اُڑ کر لگ گئی اور اب معاذ اللہ اس امر کی حقانیت اس کے خطرہ میں گزرے گی جسے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باطل فرما چکے یہ اس مرض سے بھی بدتر مرض ہوگا ان وجوہ سے شرع حکیم ورحیم نے ضعیفُ الیقین لوگوں کو حکمِ استحبابی دیا ہے کہ اُس سے دُور رہیں۔اور کامل ایمان بندگانِ خدا کے لئے کچھ حرج نہیں کہ وہ ان سب مفاسد سے پاک ہیں۔خوب سمجھ لیا جائے کہ دُور ہونے کا حکم ان حکمتوں کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ معاذ اللہ بیماری اُڑ کر لگ جائے گی،اسے تو اللہ ورسول رَد فرما چکے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔**اَقول:**(میں کہتا ہوں)پھر اَز انجا کہ یہ حکم ایک احتیاطی استحبابی ہے واجب نہیں،ہرگز کسی واجبِ شرعی کا معارضہ نہ کرے گا مثلاً معاذ اللہ جسے یہ عارضہ ہو اس کے اولاد واقارب وزوجہ سب اس احتیاط کے باعث اس سے دُور بھاگیں اور اسے تنہا وضائع چھوڑ دیں یہ ہرگز حلال نہیں بلکہ زوجہ ہرگز اُسے ہمبستری سے بھی منع نہیں کر سکتی،ولہٰذا ہمارے شیخینِ مذہب امامِ اَعظم وامام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک جذامِ شوہر سے عورت کو درخواستِ فسخِ نکاح کا اختیار نہیں،اور خدا ترس بندے تو ہر بیکس بے یار کی اعانت اپنے ذمہ پر لازم سمجھتے ہیں۔حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:اللہ سے ڈرو اس کے بارے میں جس کا کوئی نہیں سوا اللہ کے۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔ص281

طاعون سے بھاگنا حرام ہے

طاعون سے بھاگنا حرام ہے،جو لوگ اس سے بھاگ کر کہیں بھی جاتے ہیں سب گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں،اس کی تفصیل ہمارے رسالہ''**تیسیر الماعون**''میں ہے،جو لوگ کہتے ہیں کہ لوگ اس میں بے موت مرجاتے ہیں وہ گمراہ ہیں،اس میں قرآنِ عظیم کا انکار ہے ان پر توبہ فرض ہے اور تجدیدِ اسلام وتجدیدِ نکاح چاہئے۔اللہ عزوجل فرماتا ہے:{وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا} کوئی جان بے حکمِ خدا نہیں مرسکتی لکھا ہوا حکم ہے وقت باندھا ہوا۔ص199

حق یہ کہ بہ نیتِ فرار مطلقاً نقل وحرکت حرام ہے نیز یہ علت موجب ہے کہ نہ صرف طاعون بلکہ ہر وبا کا یہی حکم ہے۔ص304

تنبیہ نبیہ: جس طرح طاعون سے بھاگنا حرام ہے اور اس کے لئے وہاں جانا بھی ناجائز وگناہ ہے،احادیثِ صریحہ میں دونوں سے ممانعت فرمائی،پہلے میں تقدیرِ الٰہی سے بھاگنا ہے تو دوسرے میں بلائے الٰہی سے مقابلہ کرنا ہے اور اس کے لئے اِظہارِ توکل کا عذر محض سفاہت،توکل معارضۂ اسباب کا نام نہیں۔اب رہا یہ کہ جب طاعون سے بھاگنے یا اس کے مقابلہ کی نیت نہ ہو تو شہرِ طاعونی سے نکلنا یا دوسری جگہ سے اس میں جانا فی نفسہٖ کیسا ہے؟ خلاصہ یہ کہ اس کا آنا جانا بالکل ایسا ہو جیسا طاعون نہ ہونے کے زمانہ میں ہوتا تو اسے خالص اجازت ہے اپنے کاموں کو آئے جائے جو چاہے کرے کہ نہ فی الحال نیتِ فاسدہ ہے نہ آئندہ فسادِ فکر کا اندیشہ ہے اور جو ایسا نہ ہو اُسے مکروہ ہے کہ اگرچہ فی الحال نیتِ فاسدہ نہیں کہ حکمِ حرمت ہو مگر آئندہ فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا کراہت ہے۔ص308

طاعون سے فرار کو جو احسن سمجھتا ہے اگر جاہل ہے اور اسے معلوم نہیں کہ احادیثِ صحیحہ اس کی تحریم میں وارد ہیں اُسے تفہیم کی جائے اور اگر دانستہ حدیثوں کا اِنکار کرتا ہے تو صریح گمراہ ہے۔ص 291

طاعون میں مرنے والا شہید ہے

متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ طاعون مسلمان کے لئے شہادت ورحمت ہے اور جو مسلمان طاعون میں مرے شہید ہے۔ص 208

* متواتر ارشادِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رَد کفر ہے، اور دانستہ ہو تو صریح کفر۔ص 214

قولِ صحابی اپنے ہی قول کے خلاف ہو تو؟

جس امر میں رائے واجتہاد کو دخل نہ ہو اس میں قولِ صحابی دلیلِ قولِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے ورنہ جس حدیث کی مخالفت کی گر اس کے راوی خود یہ صحابی ہیں اور مخالفت صرف ظاہر نص کی ہے مثلاً عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید تو یہ اثرِ صحابی اس حدیثِ مرفوع کی تفسیر ٹھہرے گا اور اِسے اسی خلافِ ظاہر پر محمول سمجھا جائے گا اور مخالفتِ مفسَّر کی ہے تو صریح دلیل ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہو چکی صحابی کو اس کا ناسخ معلوم تھا، اور اگر یہ خود اس کے راوی نہیں تو یہ معاملہ اگر اس قابل نہ تھا کہ ان صحابی پر مخفی رہتا تو ان کی مخالفت اس روایتِ مرفوعہ کے قبول میں شبہہ ڈالے گی ورنہ حدیث ہی مرجَّح ہے جیسا کہ غیرِ صحابہ کے قول وفعل پر مطلقاً جب تک حدِ اجماع تک نہ پہنچے۔292

* **صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ (میری امت میں میری امت کے ساتھ سب سے بڑے مہربان ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں۔ت) حدیث میں آیا یعنی جو رأفت ورحمت میری امت کے حال پر ابوبکر کو ہے اتنی تمام امت میں کسی کو نہیں (مسند امام احمد)۔ص 306**

* **بری صحبت سے بچنے پر احادیث۔ص 313**

فاسق سے بچنے اور دُور رہنے اور بغض رکھنے کا حکم

دو وجہ سے محبت وبغض جمع ہو سکتے ہیں بلکہ فاسق سے بغض حقیقۃً اس کے فعل کی طرف راجع ہے، نہ ذات کی طرف، ایسے شخص سے برتاؤ میں طریقۂ سلف مختلف رہا اس کا مبنیٰ اختلافِ احوال ہے جس فاسق کو یہ جانے کہ نرمی وایتلاف سے رُو براہ ہو جائے گا وہاں یہی چاہئے جسے یہ جانے کہ شدت واعراض سے متاثر ہو کر افعالِ قبیحہ چھوڑ دے گا وہاں یہی چاہئے اور جس سے کسی طرح امید نہ ہو اس سے مطلقاً احتراز چاہئے خصوصاً دو شخصوں کو، ایک وہ جو اس کی صحبتِ بد سے متاثر ہونے کا اندیشہ رکھے دوسرا وہ کہ عالم ومقتداء ہو کہ اسے اس سے میل جول کرتا ہوا دیکھ کر قلوبِ عوام سے فسق کی شناخت کم ہوگی۔ص 327

حدیث میں ہے سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی طرف تقرُّب کرو اہلِ معاصی کے بغض سے اور اُن سے ترش روئی کے ساتھ ملو اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اُن کی خفگی میں ڈھونڈو اور اللہ کی نزدیکی اُن کی دُوری سے

چاہو۔ص315

* موالات ومجرد معاملہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے دنیوی معاملت جس سے دین پر ضرر نہ ہوسوا مرتدین مثلِ وہابیہ دیوبندیہ وامثالہم کے کسی سے ممنوع نہیں ذمی تو معاملت میں مثلِ مسلم ہے۔ص 331

(۱) مرید کے پیر پر کیا حقوق ہیں؟ (۲) پیر کے مرید پر کیا حقوق ہیں؟

(۱) مرید کا پیر پر حق یہ ہے کہ اسے مثل اپنی اولاد کے جانے، جو بات بری دیکھے اس سے منع کرے، رُوکے، نیکیوں کی ترغیب دے، حاضر وغائب اس کی خیر خواہی کرے، اپنی دعا میں اسے شریک کرے، اس کی طرف سے براہِ نادانی جو گستاخی بے ادبی واقع ہو اس سے درگزر کرے، اس پر اپنے نفس کے لئے ناراض نہ ہو، اس کی ہدایت کے لئے غصہ ظاہر کرے اور دل میں اس کی بھلائی کا خواستگار رہے، اس کے مال سے کچھ طلب نہ رہے، تابمقدور اس کی ہر مشکل میں مددگار رہے وغیرہ وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) پیر کے حقوق مرید پر شمار سے اَفزوں ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں مردہ بدستِ زندہ ہوکر رہے، اس کی رضا کو اللہ کی رضا اس کی ناخوشی کو اللہ کی ناخوشی جانے، اسے اپنے حق میں تمام اولیائے زمانہ سے بہتر سمجھے، اگر کوئی نعمت بظاہر دوسرے سے ملے تو اسے بھی پیر ہی کی عطا اور اسی کی نظر توجہ کا صدقہ جانے، مال اولاد جان سب اس پر تصدّق کرنے کو تیار رہے، اس کی جو بات اپنی نظر میں خلافِ شرع بلکہ معاذ اللہ کبیرہ معلوم ہو اس پر بھی نہ اعتراض کرے، نہ دل میں بدگمانی کو جگہ دے بلکہ یقین جانے کہ میری سمجھ کی غلطی ہے، دوسرے کو اگر آسمان پر اُڑتا دیکھے جب بھی پیر کے سوا دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو سخت آگ جانے، ایک باپ سے دوسرا باپ نہ بنائے، اس کے حضور بات نہ کرے ہنسنا تو بڑی چیز ہے، اس کے سامنے آنکھ کان دل ہمہ تن اسی کی طرف مصروف رکھے، جو وہ پوچھے نہایت نرم آواز سے بکمالِ ادب بتا کر جلد خاموش ہوجائے، اس کے کپڑوں، اس کے بیٹھنے کی جگہ، اس کی اولاد، اس کے مکان، اس کے محلہ، اس کے شہر کی تعظیم کرے، جو وہ حکم دے "کیوں" نہ کہے دیر نہ کرے، سب کاموں پر اسے تقدیم دے، اس کی غیبت میں بھی اس کے بیٹھنے کی جگہ نہ بیٹھے، اس کی موت کے بعد بھی اس کی زوجہ سے نکاح نہ کرے، روزانہ اگر وہ زندہ ہے اس کی سلامت وعافیت کی دعا بکثرت کرتا رہے، اور اگر انتقال ہوگیا تو روزانہ اس کے نام پر فاتحہ ودرود کا ثواب پہنچائے، اس کے دوست کا دوست، اس کے دشمن کا دشمن رہے، غرض اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اس کے علاقہ کو تمام جہان کے علاقہ پر دل سے ترجیح دے اور اسی پر کاربند رہے وغیرہ وغیرہ، جب یہ ایسا ہوگا تو ہر وقت اللہ عزوجل وسیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحضراتِ مشائخ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مدد زندگی میں نزع میں قبر میں حشر میں میزان پر صراط پر حوض پر ہر جگہ اس کے ساتھ رہے گی، اس کا پیر اگر خود کچھ نہیں تو اس کا پیر تو کچھ ہے یا پیر کا پیر یہاں تک کہ صاحبِ سلسلہ حضور پُرنُور غوث رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر یہ سلسلہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان سے سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان سے اللہ ربُّ العٰلمین تک مسلسل چلا گیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ پیر چاروں شرائطِ

بیعت کا جامع ہو، پھر اس کا حسنِ اعتقاد سب کچھ پھل لاسکتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص368

(۱) والدین کا حق اولادِ بالغ کو تنبیہِ خیر واجب ہے یا فرض؟ (۲) حقِ والدین اولاد پر کس قدر ہے؟

(۱) جو حکم فعل کا ہے وہی اس پر آگاہی دینی ہے فرض پر فرض، واجب پہ واجب، سنت پہ سنت، مستحب پہ مستحب۔ مگر بشرطِ قدرت بقدرِ قدرت بامیدِ منفعت، ورنہ: { عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ }۔ (لوگو!) اپنی جانوں کی فکر کرو، لہٰذا تمہیں کچھ نقصان نہیں جو بھٹک گیا جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو۔ (ت)

(۲) اتنا ہی کہ ادا ناممکن ہے مگر یہ کہ وہ مرجائیں اور یہ ان کو اَز سرِ نو زندہ کرسکے تو کرے کہ وہ اس کے وجود کا سبب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص370

شادی شدہ عورت سے زنا کیا تو اس کے شوہر سے کس طرح معافی مانگے

یوں کہنا کہ ''جو کہا سنا ہے معاف کرو'' اَصلاً کافی نہیں کہ زنا کہے سنے میں داخل نہیں اور یوں کہنا کہ ''میں نے جو تیرا گناہ کیا ہے معاف کردے'' یہ اگر ایسی تعمیموں کے ساتھ کہا کہ زنا کو بھی شامل ہوا اور اس نے اسی عموم کے طور پر معاف کیا تو معاف ہوگیا اور اگر اتنی ہی گول مجمل لفظ تھے جس سے اس کا ذہن ایسی بڑی بات کی طرف نہ جاسکے ہلکی باتیں مثلاً برا بھلا کہنا غیبت کرنا یا کچھ مال دبا لینا ان کی طرف ذہن جائے تو یہ معافی انہیں باتوں کے لئے خاص رہے گی اور قولِ اَظہر پر زنا کو شامل نہ ہوگی لہٰذا اسے اس سے یوں کہنا چاہئے کہ ''دنیا میں ایک مرد دوسرے کا جس جس قسم کا گناہ کرسکتا ہے جسم یا جان یا مال یا آبرو وغیرہ وغیرہ کے متعلق ان سب میں چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا جو کچھ بھی مجھ سے تمہارے حق میں واقع ہوا سب لوجہ اللہ معاف کردو'' اور اس تعمیم کو خوب اس کے ذہن میں کردے اور اس کے بعد وہ صاف معاف کرے تو امیدِ واثق ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ معاف ہوجائے۔ ص372

عورت پر مرد کے اور مرد پر عورت کے کیا کیا حق ہیں؟

مرد پر عورت کا حق نان ونفقہ دینا، رہنے کو مکان دینا، مہر وقت پر ادا کرنا، اس کے ساتھ بھلائی کا برتاؤ رکھنا، اسے خلافِ شرع باتوں سے بچانا۔ قال تعالیٰ: {وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ} (عورتوں سے اچھی طرح رہنا سہنا کرو۔ت) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا} اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔ (ت)

اور عورت پر مرد کا حق خاص امورِ متعلقۂ زوجیت میں اللہ ورسول کے بعد تمام حقوق حتی کہ ماں باپ کے حق سے زائد ہے ان امور میں اس کے اَحکام کی اطاعت اور اس کے ناموس کی نگہداشت عورت پر فرضِ اَہم ہے، بے اس کے اِذن کے محارم کے سوا کہیں نہیں جاسکتی اور محارم کے یہاں بھی ماں باپ کے یہاں ہر آٹھویں دن وہ بھی صبح سے شام تک کے لئے اور بہن، بھائی، چچا،

ماموں، خالہ، پھوپھی کے یہاں سال بھر بعد اور شب کو کہیں نہیں جاسکتی۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اگر میں کسی کو غیرِ خدا کے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، اور ایک حدیث میں ہے: اگر شوہر کے نتھنوں سے خون اور پیپ بہہ کر اس کی اِیڑیوں تک جسم بھر گیا ہو اور عورت اپنی زبان سے چاٹ کر اسے صاف کرے تو اس کا حق ادا نہ ہوگا۔ ص380

رسالہ: الحقوق لطرح العقوق (نافرمانی کو ختم کرنے کے لئے حقوق کی تفصیل)۔ ص383

* ماں باپ کی نافرمانی کے وبال پر اَحادیث۔ ص383

اولاد پر حقِ پدر زیادہ ہے یا حقِ مادر؟

اولاد پر ماں باپ کا حق نہایت عظیم ہے اور ماں کا حق اس سے اَعظم، قال اللہ تعالیٰ: {وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ اِحۡسٰنًا ؕ حَمَلَتۡہُ اُمُّہٗ کُرۡہًا وَّ وَضَعَتۡہُ کُرۡہًا ؕ وَ حَمۡلُہٗ وَ فِصٰلُہٗ ثَلٰثُوۡنَ شَہۡرًا}۔ ہم نے تاکید کی آدمی کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کی، اسے پیٹ میں رکھے رہی اس کی ماں تکلیف سے، اور اسے جنا تکلیف سے، اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھُٹنا تیس مہینے میں ہے۔

اس آیہ کریمہ میں ربُّ العزت نے ماں باپ دونوں کے حق میں تاکید فرما کر ماں کو پھر خاص الگ کر کے گنا اور اس کی ان سختیوں اور تکلیفوں کو جو اسے حمل وولادت اور دو برس تک اپنے خون کا عطر پلانے میں پیش آئیں جن کے باعث اس کا حق بہت اشد واعظم ہو گیا مگر اس زیادت کے یہ معنی ہیں کہ خدمت میں، دینے میں، باپ پر ماں کو ترجیح دے مثلاً سو روپے ہیں اور کوئی خاص وجہ مانعِ تفضیلِ مادر نہیں تو باپ کو پچیس دے ماں کو پچھتر، یا ماں باپ دونوں نے ایک ساتھ پانی مانگا تو پہلے ماں کو پلائے پھر باپ کو، یا دونوں سفر سے آئے ہیں پہلے ماں کے پاؤں دبائے پھر باپ کے، وعلٰی ہذا القیاس، نہ یہ کہ اگر والدین میں باہم تنازع ہو تو ماں کا ساتھ دے کر معاذ اللہ باپ کے درپے اِیذا ہو یا اس پر کسی طرح درشتی کرے یا اسے جواب دے یا بے ادبانہ آنکھ ملا کر بات کرے، یہ سب باتیں حرام اور اللہ عزوجل کی معصیت ہیں، نہ ماں کی اطاعت ہے نہ باپ کی، تو اسے ماں باپ میں سے کسی کا ایسا ساتھ دینا ہرگز جائز نہیں، وہ دونوں اس کی جنت ونار ہیں، جسے اِیذا دے گا دوزخ کا مستحق ہوگا والعیاذ باللہ، معصیتِ خالق میں کسی کی اطاعت نہیں، اگر مثلاً ماں چاہتی ہے کہ یہ باپ کو کسی طرح کا آزار پہنچائے اور یہ نہیں مانتا تو وہ ناراض ہوتی ہے، ہونے دے اور ہرگز نہ مانے، ایسے ہی باپ کی طرف سے ماں کے معاملہ میں، ان کی ایسی ناراضیاں کچھ قابلِ لحاظ نہ ہوں گی کہ یہ ان کی نری زیادتی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چاہتے ہیں بلکہ ہمارے علمائے کرام نے یوں تقسیم فرمائی ہے کہ خدمت میں ماں کو ترجیح ہے جس کی مثالیں ہم لکھ آئے ہیں، اور تعظیم باپ کی زائد ہے کہ وہ اس کی ماں کا بھی حاکم وآقا ہے۔ ص387

فوت شدہ والدین کے حقوق

(۱) سب سے پہلا حق بعدِ موت ان کے جنازے کی تجہیز، غسل وکفن ونماز ودفن ہے اور ان کاموں میں سنن ومستحبات کی رعایت جس سے ان کے لئے ہر خوبی وبرکت ورحمت ووسعت کی اُمید ہو۔

(۲) ان کے لئے دعاواستغفار ہمیشہ کرتے رہنا اس سے کبھی غفلت نہ کرنا۔

(۳) صدقہ وخیرات واَعمالِ صالحہ کا ثواب انہیں پہنچاتے رہنا، حسبِ طاقت اس میں کمی نہ کرنا، اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے بھی نماز پڑھنا، اپنے روزوں کے ساتھ ان کے واسطے بھی روزے رکھنا بلکہ جونیک کام کرے سب کا ثواب انہیں اور سب مسلمانوں کو بخش دینا کہ ان سب کو ثواب پہنچ جائے گا اور اس کے ثواب میں کمی نہ ہوگی بلکہ بہت ترقیاں پائے گا۔

(۴) ان پر کوئی قرض کسی کا ہو تو اس کے ادا میں حد درجہ کی جلدی وکوشش کرنا اور اپنے مال سے ان کا قرض ادا ہونے کو دونوں جہاں کی سعادت سمجھنا، آپ قدرت نہ ہو تو اور عزیزوں قریبوں پھر باقی اہلِ خیر سے اس کی ادا میں اِمداد لینا۔

(۵) ان پر کوئی فرض رہ گیا تو بقدرِ قدرت اس کے ادا میں سعی بجالانا، حج نہ کیا ہو تو ان کی طرف سے حج کرنا یا حجِ بدل کرانا، زکوٰۃ یا عشر کا مطالبہ ان پر رہا تو اسے ادا کرنا، نماز یا روزہ باقی ہو تو اس کا کفارہ دینا **وعلی ھذاالقیاس** ہر طرح ان کی برأت ذمہ میں جدوجہد کرنا۔

(۶) انہوں نے جو وصیتِ جائزہ شرعیہ کی ہو حتی الامکان اس کے نفاذ میں سعی کرنا اگرچہ شرعاً اپنے اوپر لازم نہ ہو اگرچہ اپنے نفس پر بار ہو مثلاً وہ نصف جائداد کی وصیت اپنے کسی عزیز غیرِ وارث یا اجنبی محض کے لئے کر گئے تو شرعاً تہائی مال سے زیادہ میں بے اجازتِ وارثان نافذ نہیں مگر اولاد کو مناسب ہے کہ ان کی وصیت مانیں اور ان کی خوشخبری پوری کرنے کو اپنی خواہش پر مقدم جانیں۔

(۷) ان کی قسم بعدِ مرگ بھی سچی ہی رکھنا مثلاً ماں باپ نے قسم کھائی تھی کہ میرا بیٹا فلاں جگہ نہ جائے گا یا فلاں سے نہ ملے گا یا فلاں کام کرے گا تو ان کے بعد یہ خیال نہ کرنا کہ اب وہ تو نہیں ان کی قسم کا خیال نہیں بلکہ اس کا ویسے ہی پابند رہنا جیسا ان کی حیات میں رہتا جب تک کوئی حرجِ شرعی مانع نہ ہو اور کچھ قسم ہی پر موقوف نہیں ہر طرح امورِ جائزہ میں بعدِ مرگ بھی ان کی مرضی کا پابند رہنا۔

(۸) ہر جمعہ کو ان کی زیارتِ قبر کے لئے جانا، وہاں یٰس شریف پڑھنا ایسی آواز سے کہ وہ سنیں اور اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچانا، راہ میں جب کبھی ان کی قبر آئے بے سلام وفاتحہ نہ گزرنا۔

(۹) ان کے رشتہ داروں کے ساتھ عمر بھر نیک سلوک کئے جانا۔

(۱۰) ان کے دوستوں سے دوستی نباہنا ہمیشہ ان کا اِعزاز واِکرام رکھنا۔

(۱۱) کبھی کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر جواب میں انہیں برا نہ کہلوانا۔

(۱۲) سب میں سخت تر وعام تر ومدام تر یہ حق ہے کہ کبھی کوئی گناہ کر کے انہیں قبر میں ایذا نہ پہنچانا، اس کے سب اعمال کی خبر ماں باپ کو پہنچتی ہے، نیکیاں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ فرحت سے چمکتا اور دمکتا ہے، اور گناہ دیکھتے ہیں تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور ان کے قلب پر صدمہ ہوتا ہے، ماں باپ کا یہ حق نہیں کہ انہیں قبر میں بھی رنج پہنچائے۔ اللہ غفور رحیم عزیز کریم جل جلالہ صدقہ اپنے رؤف رحیم علیہ وعلیٰ آلہٖ افضل الصلوۃ والتسلیم کا ہم سب مسلمانوں کو نیکیوں کی توفیق دے گناہوں سے بچائے، ہمارے اکابر کی قبروں میں ہمیشہ نور وسرور پہنچائے کہ وہ قادر ہے اور ہم عاجز، وہ غنی ہے ہم محتاج۔ص 391

اُستاد کے حقوق

عالمِ دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استادِ علمِ دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائبِ حضور پُرنُور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، ہاں اگر کسی خلافِ شرع بات کا حکم دے ہرگز نہ کرے۔ لاطاعة لاحد فی معصیة الله تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں ہے۔ (ت)

مگر اس نہ ماننے پر بھی گستاخی و بے ادبی سے پیش نہ آئے فان المنکر لایزال بمنکر (کیونکہ ناپسندیدہ چیز ناپسند عمل سے زائل نہیں ہوتی۔ت) نافرمانیٔ احکام کا جواب اسی تقریر سے واضح ہوگیا اس کا وہ حکم کہ خلافِ شرع ہو مستثنیٰ کیا جائے گا بکمال عاجزی و زاری معذرت کرے اور بچے اور اگر اس کا حکم مباحات میں ہے تو حتی الوسع اس کی بجا آوری میں اپنی سعادت جانے اور نافرمانی کا حکم معلوم ہو چکا اس نے اسلام کی گرہوں سے ایک گرہ کھول دی۔ علماء فرماتے ہیں جس سے اس کے استاد کو کسی طرح کی اِیذا پہنچے وہ علم کی برکت سے محروم رہے گا اور اگر اس کے احکام واجباتِ شرعیہ ہیں جب تو ظاہر ہے کہ ان کا لزوم اور زیادہ ہو گیا ان میں اس کی نافرمانی صریح راہِ جہنم ہے، والعیاذبالله، والله تعالیٰ اعلم۔ ص412

رسالہ: مشعلة الارشادفی حقوق الاولاد

(والدین پر) اولاد کے حقوق کے بارے میں راہنمائی کی قندیل)۔ص451

اولاد کے حقوق

اللہ عزوجل نے اگرچہ والد کا حق ولد پر نہایت اَعظم بتایا یہاں تک کہ اپنے حق کے برابر اس کا ذکر فرمایا کہ {اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ} حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ مگر ولد کا حق بھی والد پر عظیم رکھا ہے کہ ولد مطلق اِسلام، پھر خصوصِ جوار، پھر خصوصِ قرابت، پھر خصوصِ عیال، ان سب حقوق کا جامع ہو کر سب سے زیادہ خصوصیتِ خاصہ رکھتا ہے، اور جس قدر خصوص بڑھتا جاتا ہے حق اَشد و آکِد ہوتا جاتا ہے۔

علمائے کرام نے اپنی کتبِ جلیلہ مثل اَحیاء العلوم وعینُ العلوم ومدخل وکیمیائے سعادت وذخیرۃ الملوک وغیرہا میں حقوقِ ولد سے نہایت مختصر طور پر کچھ تعرض فرمایا مگر میں صرف احادیثِ مرفوعہ حضور پرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف توجہ کرتا ہوں فضلِ الٰہی جل وعلا سے امید کہ فقیر کی یہ چند حرفی تحریر ایسی نافع وجامع واقع ہو کہ اس کی نظیر کتبِ مطوّلہ میں نہ ملے اس بارہ میں جس قدر حدیثیں بحمداللہ تعالیٰ اس وقت میرے حافظہ ونظر میں ہیں انہیں بالتفصیل مع تخریجات لکھئے تو ایک رسالہ ہوتا ہے اور غرض صرف اِفادۂ اَحکام لہٰذا سرِ دَست فقط وہ حقوق کہ یہ حدیثیں ارشاد فرما رہی ہیں کمال تلخیص واِختصار کے ساتھ شمار کروں، وبالله التوفیق:

(۱) سب سے پہلا حق وجودِ اولاد سے بھی پہلے یہ ہے کہ آدمی اپنا نکاح کسی رذیل کم قوم سے نہ کرے کہ بُری رَگ ضرور رنگ لاتی ہے۔

(۲) دیندار لوگوں میں شادی کرے کہ بچہ پر نانا و ماموں کی عادات کا بھی اثر پڑتا ہے۔

(۳) زنگیوں حبشیوں میں قرابت نہ کرے کہ ماں کا سیاہ رنگ بچہ کو بدنمانہ کردے۔
(۴) جماع کی ابتداء بسم اللہ سے کرے ورنہ بچہ میں شیطان شریک ہوجاتا ہے۔
(۵) اس وقت شرمگاہِ زن پر نظر نہ کرے کہ بچہ کے اندھے ہونے کا اندیشہ ہے۔
(۶) زیادہ باتیں نہ کرے کہ گونگے یا توتلے ہونے کا خطرہ ہے۔
(۷) مردوزن کپڑا اوڑھ لیں جانوروں کی طرح برہنہ نہ ہوں کہ بچہ کے بے حیا ہونے کا اندیشہ ہے۔
(۸) جب بچہ پیدا ہو فوراً سیدھے کان میں اذان بائیں میں تکبیر کہے کہ خللِ شیطان واُمُّ الصبیان سے بچے۔
(۹) چھوہارا وغیرہ کوئی میٹھی چیز چبا کر اس کے منہ میں ڈالے کہ حلاوت اَخلاق کی فالِ حسن ہے۔
(۱۰) ساتویں اور نہ ہوسکے تو چودھویں ورنہ اکیسویں دن عقیقہ کرے، دُختر کے لئے ایک پِسَر کے لئے دو کہ اس میں بچے کا گویا رہن سے چھڑانا ہے۔
(۱۱) ایک ران دائی کو دے کہ بچہ کی طرف سے شکرانہ ہے۔
(۱۲) سر کے بال اُتروائے۔
(۱۳) بالوں کے برابر چاندی تول کر خیرات کرے۔
(۱۴) سر پر زعفران لگائے۔
(۱۵) نام رکھے یہاں تک کہ کچے بچے کا بھی جو کم دنوں کا گر جائے ورنہ اللہ عزوجل کے یہاں شاکی ہوگا۔
(۱۶) برا نام نہ رکھے کہ بدفالِ بد ہے۔
(۱۷) عبداللہ، عبدالرحمن، احمد، حامد وغیرہ باعبادت وحمد کے نام یا انبیاء واولیاء یا اپنے بزرگوں میں جو نیک لوگ گزرے ہوں ان کے نام پر نام رکھے کہ موجبِ برکت ہے خصوصاً نامِ پاک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ اس مبارک نام کی بے پایاں برکت بچہ کے دنیا وآخرت میں کام آتی ہے۔
(۱۸) جب محمد نام رکھے تو اس کی تعظیم وتکریم کرے۔
(۱۹) مجلس میں اس کے لئے جگہ چھوڑے۔
(۲۰) مارنے بُرا کہنے میں احتیاط رکھے۔
(۲۱) جو مانگے بروجہِ مناسب دے۔
(۲۲) پیار میں چھوٹے لقب بے قدر نام نہ رکھے کہ پڑا ہوا نام مشکل سے چھوٹتا ہے۔
(۲۳) ماں خواہ نیک دایہ نمازی صالحہ شریفُ القوم سے دوسال تک دودھ پلوائے۔
(۲۴) رذیل یا بداَفعال عورت کے دودھ سے بچائے کہ دودھ طبیعت کو بدل دیتا ہے۔
(۲۵) بچے کا نفقہ اس کی حاجت کے سب سامان مہیا کرنا خود واجب ہے جن میں حفاظت بھی داخل۔
(۲۶) اپنے حوائج وادائے واجباتِ شریعت سے جو کچھ بچے اس میں عزیزوں قریبوں محتاجوں غریبوں سب سے پہلے حق عیال

واطفال کا ہے جوان سے بچے وہ اوروں کو پہنچے۔

(۲۷) بچہ کو پاک کمائی سے روزی دے کہ ناپاک مال ناپاک ہی عادتیں ڈالتا ہے۔

(۲۸) اولاد کے ساتھ تنہا خوری نہ برتے بلکہ اپنی خواہش کو ان کی خواہش کے تابع رکھے جس اچھی چیز کو ان کا جی چاہے انہیں دے کر ان کے طفیل میں آپ بھی کھائے زیادہ نہ ہو تو اِنہیں کو کھلائے۔

(۲۹) خدا کی ان امانتوں کے ساتھ مہر ولطف کا برتاؤ رکھے، انہیں پیار کرے بدن سے لپٹائے کندھے پر چڑھائے۔

(۳۰) ان کے ہنسنے کھیلنے بہلنے کی باتیں کرے ان کی دِلجوئی، دِلداری، رعایت ومحافظت ہر وقت حتی کہ نماز وخطبہ میں بھی ملحوظ رکھے۔

(۳۱) نیا میوہ پھل پہلے انہیں کو دے کہ وہ بھی تازے پھل ہیں نئے کو نیا مناسب ہے۔

(۳۲) کبھی کبھی حسبِ ضرورت انہیں شیرینی وغیرہ کھانے، پہننے، کھیلنے کی اچھی چیز کہ شرعاً جائز ہے دیتا رہے۔

(۳۳) بہلانے کے لئے جھوٹا وعدہ نہ کرے بلکہ بچے سے بھی وعدہ وہی جائز ہے جس کو پورا کرنے کا قصد رکھتا ہو۔

(۳۴) اپنے چند بچے ہوں تو جو چیز دے سب کو برابر ویکساں دے، ایک کو دوسرے پر بے فضیلتِ دینی ترجیح نہ دے۔

(۳۵) سفر سے آئے تو ان کے لئے کچھ تحفہ ضرور لائے۔

(۳۶) بیمار ہوں تو علاج کرے۔

(۳۷) حتی الامکان سخت ومُوذِی علاج سے بچائے۔

(۳۸) زبان کھلتے ہی اللہ اللہ پھر پورا کلمہ لاالٰہ الااللہ بھر پور کلمہ طیبہ سکھائے۔

(۳۹) جب تمیز آئے ادب سکھائے کھانے، پینے، ہنسنے، بولنے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے، حیا، لحاظ، بزرگوں کی تعظیم، ماں باپ، استاذ اور دُختر کو شوہر کے بھی اطاعت کے طُرُق وآداب بتائے۔

(۴۰) قرآنِ مجید پڑھائے۔

(۴۱) استاذ نیک، صالح، متقی، صحیح العقیدہ، سن رسیدہ کے سپرد کردے، اور دُختر کو نیک پارسا عورت سے پڑھوائے۔

(۴۲) بعد ختمِ قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔

(۴۳) عقائدِ اسلام وسنت سکھائے کہ لوحِ سادہ فطرتِ اسلامی وقبولِ حق پر مخلوق ہے اس وقت کا بتایا پتھر کی لکیر ہوگا۔

(۴۴) حضورِ اَقدس رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت وتعظیم ان کے دل میں ڈالے کہ اصلِ ایمان وعینِ ایمان ہے۔

(۴۵) حضور پُرنُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آل واَصحاب واَولیاء وعلماء کی محبت وعظمت تعلیم کرے کہ اصلِ سنت وزیورِ ایمان بلکہ باعثِ بقائے ایمان ہے۔

(۴۶) سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کردے۔

(۴۷) علمِ دین خصوصاً وضو، غسل، نماز وروزہ کے مسائل توکل، قناعت، زُہد، اِخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامتِ صدور ولسان وغیرہا خوبیوں کے فضائل حرص وطمع، حبِ دنیا، حبِ جاہ، ریا، عجب، تکبر، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت،

حسد، کینہ وغیرہا برائیوں کے رذائل پڑھائے۔

(۴۸) پڑھانے سکھانے میں رفق ونرمی ملحوظ رکھے۔

(۴۹) موقع پر چشم نمائی تنبیہ تہدید کرے مگر کوسنا نہ دے کہ اس کا کوسنا ان کے لئے سببِ اصلاح نہ ہوگا بلکہ اور زیادہ اِفساد کا اندیشہ ہے۔

(۵۰) مارے تو منہ پر نہ مارے۔

(۵۱) اکثر اوقات تہدید وتخویف پر قانع رہے کوڑا قمچی اس کے پیشِ نظر رکھے کہ دل میں رُعب رہے۔

(۵۲) زمانہ تعلیم میں ایک وقت کھیلنے کا بھی دے کہ طبیعت نشاط پر باقی رہے۔

(۵۳) مگر زنہار زنہار بُری صحبت میں نہ بیٹھنے دے کہ یارِ بد ماربد سے بدتر ہے۔

(۵۴) نہ ہرگز ہرگز بہارِ دانش، مینا بازار، مثنوی غنیمت وغیرہا کتبِ عشقیہ وغزلیاتِ فسقیہ دیکھنے دے کہ نرم لکڑی جدھر جھکائے جھک جاتی ہے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ لڑکیوں کو سورۂ یوسف شریف کا ترجمہ نہ پڑھایا جائے کہ اس میں مکرِ زنان کا ذکر فرمایا ہے، پھر بچوں کو خرافاتِ شاعرانہ میں ڈالنا کب بجا ہوسکتا ہے۔

(۵۵) جب دس برس کا ہو نماز مار کر پڑھائے۔

(۵۶) اس عمر سے اپنے خواہ کسی کے ساتھ نہ سلائے جدا بچھونے جدا پلنگ پر اپنے پاس رکھے۔

(۵۷) جب جوان ہو شادی کردے، شادی میں وہی رعایتِ قوم ودِین وسیرت وصورت ملحوظ رکھے۔

(۵۸) اب جو ایسا کام کہنا ہو جس میں نافرمانی کا اِحتمال ہو اسے اَمر وحکم کے صیغہ سے نہ کہے بلکہ بَرِفق ونرمی بطورِ مشورہ کہے کہ وہ بلائے عقوق میں نہ پڑ جائے۔

(۵۹) اسے میراث سے محروم نہ کرے جیسے بعض لوگ اپنے کسی وارث کو نہ پہنچنے کی غرض سے کل جائداد دوسرے وارث یا کسی غیر کے نام لکھ دیتے ہیں۔

(۶۰) اپنے بعدِ مرگ بھی ان کی فکر رکھے یعنی کم سے کم دو تہائی ترکہ چھوڑ جائے ثُلث سے زیادہ خیرات نہ کرے۔

یہ ساٹھ ۶۰ حق تو پِسَر ودُختر سب کے ہیں بلکہ دو حق اَخیر میں سب وارث شریک، اور خاص پِسَر کے حقوق سے ہے کہ اسے (۶۱) لکھنا، (۶۲) پیرنا، (۶۳) سپہگری سکھائے، (۶۴) سورہ مائدہ کی تعلیم دے، (۶۵) اعلان کے ساتھ اس کا ختنہ کرے، خاص دُختر کے حقوق سے ہے کہ (۶۶) اس کے پیدا ہونے پر ناخوشی نہ کرے بلکہ نعمتِ الٰہیہ جانے، (۶۷) اسے سینا پرونا کاتنا کھانا پکانا سکھائے، (۶۸) سورہ نور کی تعلیم دے، (۶۹) لکھنا ہرگز نہ سکھائے کہ احتمالِ فتنہ ہے، (۷۰) بیٹوں سے زیادہ دلجوئی رکھے کہ ان کا دل بہت تھوڑا ہوتا ہے، (۷۱) دینے میں انہیں اور بیٹوں کو کانٹے کی تول برابر رکھے، (۷۲) جو چیز دے پہلے انہیں دے کر بیٹوں کو دے، (۷۳) نو برس کی عمر سے نہ اپنے پاس سلائے نہ بھائی وغیرہ کے ساتھ سونے دے، (۷۴) اس عمر سے خاص نگہداشت شروع کرے، (۷۵) شادی برات میں جہاں گانا ناچ ہو ہرگز نہ جانے دے اگرچہ خاص اپنے بھائی کے یہاں ہو کہ گانا سخت سنگین جادو ہے، (۷۶) اور ان نازک شیشوں کو تھوڑی ٹھیس بہت ہے، بلکہ ہنگاموں میں جانے کی مطلق

بندش کرے گھر کوان پر زنداں کردے، بالا خانوں پر نہ رہنے دے، (۷۷) گھر میں لباس وزیور سے آراستہ کرے کہ پیام رغبت کے ساتھ آئیں، (۷۸) جب کفو ملے نکاح میں دیر نہ کرے، (۷۹) حتی الامکان بارہ برس کی عمر میں بیاہ دے، (۸۰) زنہار کسی فاسق فاجر خصوصاً بدمذہب کے نکاح میں نہ دے۔

یہ اسی حق (۸۰) ہیں کہ اس وقت کی نظر میں احادیثِ مرفوعہ سے خیال میں آئے ان میں اکثر تو مستحبات ہیں جن کے ترک پر اَصلاً مواخذہ نہیں اور بعض آخرت میں مطالبہ ہو، مگر دنیا میں بیٹے کے لئے باپ پر گرفت وجبر نہیں، نہ بیٹے کو جائز کہ باپ سے جدال ونزع کرے سوا چند حقوق کے کہ ان میں جبرِ حاکم وچارہ جوئی واِعتراض کو دخل ہے۔ص 451

پانچ اَفراد کے لئے تمام حقوق العباد کی معافی کی بشارت

اوّل: حاجی کہ پاک مال، پاک کمائی، پاک نیت سے حج کرے، اور اس میں لڑائی جھگڑے اور عورتوں کے سامنے تذکرۂ جماع اور ہر قسم کے گناہ ونافرمانی سے بچے، اس وقت تک جتنے گناہ کئے تھے بشرطِ قبول سب معاف ہوجاتے ہیں، پھر اگر حج کے بعد فوراً مر گیا اتنی مہلت نہ ملی کے حقوق اللہ عزوجل یا بندوں کے اس کے ذمہ تھے انہیں ادا یا ادا کی فکر کرتا تو امیدِ واثق ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے تمام حقوق سے مطلقاً درگزر فرمائے یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہا فرائض کہ بجا نہ لایا تھا ان کے مطالبہ پر بھی قلمِ عفوِ الٰہی پھر جائے اور حقوق العباد دیون ومظالم مثلاً کسی کا قرض آتا ہو، مال چھینا ہو، برا کہا ہو ان سب کو مولیٰ تعالیٰ اپنے ذمۂ کرم پر لے لے اصحابِ حقوق کو روزِ قیامت راضی فرما کر مطالبہ وخصومت سے نجات بخشے، یوہیں اگر بعد کو زندہ رہا اور بقدرِ قدرت تدارُکِ حقوق ادا کرلیا یعنی زکوٰۃ دے دی نماز روزہ کی قضا ادا کی جس کا جو مطالبہ آتا تھا دے دیا جسے آزار پہنچا تھا معاف کرالیا جس مطالبہ کا لینے والا نہ رہا یا معلوم نہیں اس کی طرف سے تَصَدُّق کردیا بوجہ قلتِ مہلت جو حق اللہ عزوجل یا بندہ کا ادا کرتے کرتے رہ گیا اس کی نسبت اپنے مال میں وصیت کردی، غرض جہاں تک طُرُقِ براءت پر قدرت ملی تقصیر نہ کی تو اس کے لئے امید اور زیادہ قوی کہ اصل حقوق کی یہ تدبیر ہوگئی اور اِثمِ مخالفت حج سے دُھل چکا تھا، ہاں اگر بعدِ حج باوصفِ قدرت ان امور میں قاصر رہا تو یہ سب گناہ اَز سرِ نو اس کے سر ہوں گے کہ حقوق تو خود باقی ہی تھے ان کی ادا میں پھر تاخیر وتقصیر گناہ تازہ ہوئے اور وہ حج ان کے اِزالہ کو کافی نہ ہوگا کہ حج گزرے گناہوں کو دھوتا ہے آئندہ کے لئے پروانۂ بے قیدی نہیں ہوتا بلکہ حجِ مبرور کی نشانی ہی یہ ہے کہ پہلے سے اچھا ہوکر پلٹے **فانّا للّٰہ وانا الیہ راجعون ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** (بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور یقیناً اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ تعالیٰ بزرگ وبرتر کی توفیق کے بغیر کسی میں نہیں۔ت) مسئلۂ حج میں بحمداللہ تعالیٰ یہ وہ قولِ فیصل ہے جسے فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے بعد تنقیحِ دلائل ومذاہب واِحاطۂ اَطراف وجوانب اختیار کیا جس سے اقوالِ ائمۂ کرام میں توفیق اور دلائلِ حدیث وکلام میں تطبیق ہوتی ہے اس معرکۃُ الآرا مبحث کی نفیس تحقیق بعونہٖ تعالیٰ فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے بعدِ ورود اس سوال کے ایک تحریر جداگانہ میں لکھی، یہاں اس قدر کافی ہے **وباللّٰہ التوفیق** (اللہ تعالیٰ ہی کے کرم سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔ت)

دوم: شہیدِ بحر کہ خاص اللہ عزوجل کی رضا چاہنے اور اس کا بول بالا ہونے کے لئے سمندر میں جہاد کرے اور وہاں ڈوب کر شہید

ہوحدیثوں میں آیا کہ مولیٰ عزوجل خود اپنے دستِ قدرت سے اس کی روح قبض کرتا اور اپنے تمام حقوق اسے معاف فرماتا اور بندوں کے سب مطالبے جواس پر تھے اپنے ذمۂ کرم پر لیتا ہے۔

سوم: شہیدِ صبر یعنی وہ مسلمان سنی المذہب صحیح العقیدہ جسے ظالم نے گرفتار کرکے بحالتِ بیکسی ومجبوری قتل کیا، سولی دی، پھانسی دی کہ یہ بوجہِ اسیری قتال ومدافعت پر قادر نہ تھا بخلاف شہیدِ جہاد کہ مارتا مرتا ہے اس کی بیکسی وبیدست پائی زیادہ باعثِ رحمتِ الٰہی ہوتی ہے کہ حق اللہ وحق العبد کچھ نہیں رہتا **ان شاء اللہ تعالیٰ** (اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔ت)

چہارم: مدیون جس نے بحاجتِ شرعیہ کسی نیک جائز کام کے لئے دَین لیا اور اپنی چلتی ادا میں گئی نہ کی، نہ کبھی تاخیر ناروا رکھی بلکہ ہمیشہ سچے دل سے ادا پر آمادہ اور تاحدِ قدرت اس کی فکر کرتا رہا پھر بمجبوری ادا نہ ہوسکا اور موت آگئی تو مولیٰ عزوجل اس کے لئے اس دَین سے درگزر فرمائے گا اور روزِ قیامت اپنے خزانۂ قدرت سے ادا فرماکر دائن کو راضی کردے گا اس کے لئے یہ وعدۂ خاص اسی دَین کے واسطے ہے نہ تمام حقوق العباد کے لئے۔

پنجم: اَولیائے کرام صوفیۂ صدق اَربابِ معرفت **قدست اسرارھم ونفعنا اللہ ببرکاتھم فی الدنیا والآخرۃ** (ان کے راز پاک کردیئے گئے، اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا اور آخرت میں ان کی برکتوں سے فائدہ پہنچائے۔ت) کہ بنصِ قطعی قرآن روزِ قیامت ہرخوف وغم سے محفوظ وسلامت ہیں۔

تو ان میں بعض سے اگر بتقاضائے بشریت بعض حقوقِ الٰہیہ میں اپنے منصب ومقام کے لحاظ سے کہ **حسناتُ الابرار سیئاتُ المقربین** کوئی تقصیر واقع ہو تو مولیٰ عزوجل اسے وقوع سے پہلے معاف کرچکا کہ: میں نے تمہیں عطا فرمادیا اس سے پہلے کہ تم مجھ سے کچھ مانگو، اور میں نے تمہاری درخواست قبول کرلی قبل اس کے کہ تم مجھے پکارو، اور یقیناً تمہاری نافرمانی کرنے سے پہلے میں نے تمہیں معاف کردیا۔ت)۔ یوہیں اگر باہم کسی طرح کی شکررنجی یا کسی بندہ کے حق میں کچھ کمی ہو جیسے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مشاجرات کہ: عنقریب میرے ساتھیوں سے کچھ لغزشیں ہوں گی جنہیں ان کی پیش قدمی کے باعث اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔(ت) تو مولیٰ تعالیٰ وہ حقوق اپنے ذمۂ کرم پر لے کر اربابِ حقوق کو حکمِ تجاوُز فرمائے گا اور باہم صفائی کراکر آمنے سامنے جنت کے عالیشان تختوں پر بٹھائے گا کہ: **ونزعنا ما فی صدورھم من غلّ اخوانا علیٰ سرر متقٰبلین** ان کے سینوں کو کینوں اور کدورتوں سے ہم پاک صاف کردیں گے پھر وہ بھائی بھائی ہوکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے تخت نشین ہوں گے۔(ت) اسی مبارک قوم کے سرور وسردار حضراتِ اہل بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جنہیں ارشاد ہوتا ہے: جو چاہو کرو کہ میں تمہیں بخش چکا۔ انہیں کے اکابر سادات سے حضرت امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کے لئے بارہا فرمایا گیا: آج سے عثمان کچھ کرے اس پر مواخذہ نہیں، آج سے عثمان کچھ کرے اس پر مواخذہ نہیں۔ فقیر غفر اللہ تعالیٰ کہتا ہے حدیث: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرنے لگے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ کا عمدہ محمل یہی ہے کہ محبوبانِ خدا اَوّل تو گناہ کرتے ہی نہیں **وھذا ما اختارہ سیدنا الوالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ** (اور اسی کو ہمارے والدگرامی (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) نے پسند فرمایا۔ت) اور احیاناً کوئی تقصیر واقع ہو تو واعظ وزاجرِ الٰہی انہیں متنبہ کرتا اور توفیقِ اِنابت دیتا ہے پھر (گناہوں سے توبہ کرنے والا اس آدمی کی طرح ہوجاتا ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ت) اس

حدیث کا ٹکڑا ہے (یہ وہی ہے جس پر علامہ مناوی نے تیسیر میں روش اختیار فرمائی۔ت) اور بالفرض ارادۂ الٰہیہ دوسرے طور پر تجلی شانِ عفو ومغفرت واظہارِ مکانِ قبول ومحبوبیت پر نافذ ہوا تو عفوِ مطلق وارضائے اہلِ حق سامنے موجود، ضررِ ذنب بحمداللہ تعالیٰ ہر طرح مفقود۔ص 466

(مردے پر جو اس کے گھر والے روتے ہیں اس سے اسے عذاب واَلم ہوتا ہے) کا معنی

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اِن المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ'' بیشک مردے پر جو اس کے گھر والے روتے ہیں اس سے اسے عذاب والم ہوتا ہے۔علماء فرماتے ہیں: (حدیثِ مذکور میں) عذاب سے وہ اِحساس دُکھ مراد ہے جو میت کو حاصل ہوتا ہے جو انہیں روتے پیٹتے سنتی ہے کیونکہ اس رویہ سے وہ درد واَلم محسوس کرتی ہے۔(ت) ص 481

* میت پر چلا کر رونا جزع فزع کرنا حرام سخت حرام ہے۔ص 482

تعزیہ کا تفصیلی حکم

تعزیہ رائجہ مجمع بدعاتِ شنیعہ سیئہ ہے، اس کا بنانا دیکھنا جائز نہیں، اور تعظیم وعقیدت سخت حرام واَشد بدعت۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ مسلمان بھائیوں کو راہِ حق کی ہدایت فرمائے۔آمین! واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔ص 489

تعزیہ کی اصل اس قدر تھی کہ روضۂ پُرنور شہزادہ گلگوں قبا حسین شہیدِ ظلم وجفا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علی جدہ الکریم وعلیہ کی صحیح نقل بنا کر بہ نیتِ تبرک مکان میں رکھنا اس میں شرعاً کوئی حرج نہ تھا کہ تصویر مکانات وغیرہا ہر غیرِ جاندار کی بنانا، رکھنا، سب جائز، اور ایسی چیزیں کہ معظمانِ دین کی طرف منسوب ہو کر عظمت پیدا کریں ان کی تمثال بہ نیتِ تبرک پاس رکھنا قطعاً جائز، جیسے صدہا سال سے طبقۃً فطبقۃً ائمۂ دین وعلمائے معتقدین نعلین شریفین حضور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشے بناتے اور ان کے فوائدِ جلیلہ ومنافعِ جزیلہ میں مستقل رسالے تصنیف فرماتے ہیں جسے اِشتباہ ہو امام علامہ تلمسانی کی فتح المتعال وغیرہ مطالعہ کرے۔

مگر جہال بیخرد نے اس اصل جائز کو بالکل نیست ونابود کر کے صدہا خرافات وہ تراشیں کہ شریعتِ مطہرہ سے الاماں الاماں کی صدائیں آئیں، اول تو نفسِ تعزیہ میں روضۂ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی، ہر جگہ نئی تراش نئی گھڑت جسے اس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت، پھر کسی میں پریاں، کسی میں براق، کسی میں اور بیہودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ ودشت بدشت، اِشاعتِ غم کے لئے ان کا گشت، اور ان کے گرد سینہ زَنی، اور ماتم سازشی کی شور افگنی، کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی مشغولِ طواف، کوئی سجدہ میں گرا ہے، کوئی ان مایۂ بدعات کو معاذ اللہ جلوہ گاہِ حضرتِ امام علیٰ جدّہٖ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ کر اس اَبرک پنّی سے مرادیں مانگتا منتیں مانتا ہے، حاجت روا جانتا ہے، پھر باقی تماشے، باجے، تاشے، مردوں عورتوں کا راتوں کو میل، اور طرح طرح کے بیہودہ کھیل ان سب پر طرہ ہیں، غرض عشرہ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعتِ پاک تک نہایت بابرکت ومحلِ عبادت ٹھہرا ہوا تھا، ان بیہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا پھر وبالِ اِبتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطورِ خیرات نہ رکھا، ریاء وتفاخر علانیہ ہوتا ہے پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے روٹیاں

زمین پر گررہی ہیں رزقِ الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے پیسے ریتے میں گر کر غائب ہوتے ہیں، مال کی اِضاعت ہورہی ہے، مگر نام تو ہوگیا کہ فلاں صاحب لنگرلٹارہے ہیں، اب بہارِعشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے بجتے چلے، طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہرطرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن یہ کچھ اوراس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ تصویریں بعینہا حضراتِ شہداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جنازے ہیں، کچھ نوچ اُتار باقی توڑتاڑ دفن کردیئے، یہ ہرسال اِضاعتِ مال کے جرم ووبال جداگانہ رہے۔

اللہ تعالیٰ صدقہ حضراتِ شہدائے کربلا علیہم الرضوان والثناء کا ہمارے بھائیوں کو نیکیوں کی توفیق بخشے اور بری باتوں سے توبہ عطافرمائے، آمین! اب کہ تعزیہ داری اس طریقۂ نامرضیّہ کا نام ہے قطعاً بدعت وناجائز وحرام ہے، ہاں اگر اہلِ اسلام جائز طور پر حضراتِ شہدائے کرام علیہم الرضوان کی اَرواحِ طیبہ کو اِیصالِ ثواب کی سعادت پر اِقتصار کرتے تو کس قدر خوب ومحبوب تھا اور اگر نظرِ شوق ومحبت میں نقلِ روضۂ اَنور کی حاجت تھی تو اسی قدر جائز پر قناعت کرتے کہ صحیح نقل بغرضِ تبرک وزیارت اپنے مکانوں میں رکھتے اور اِشاعتِ غم وتصنُّعِ اَلم ونوحہ زنی وماتم کنی ودیگر امورِشنیعہ وبدعاتِ قطعیہ سے بچتے اس قدر میں بھی کوئی حرج نہ تھا مگر اب اس نقل میں بھی اہلِ بدعت سے ایک مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہلِ اعتقاد کے لئے اِبتلاء بدعات کا اندیشہ ہے، اورحدیث میں آیا ہے: **اتقوا مواضع التھم** (تہمت کے مواقع سے بچو۔ت)

لہٰذا روضۂ اقدس حضور سیدالشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی تصویر بھی نہ بنائے بلکہ صرف کاغذ کے صحیح نقشے پر قناعت کرے اوراسے بقصدِ تبرک بے آمیزشِ منہیات اپنے پاس رکھے جس طرح حرمین محترمین سے کعبہ معظّمہ اور روضۂ عالیہ کے نقشے آتے ہیں یا دلائلُ الخیرات شریف میں قبورِ پُرنُور کے نقشے لکھے ہیں **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**۔ص512

شہادت نامہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

شہادت نامے نثر یا نظم جو آج کل عوام میں رائج ہیں اکثر روایاتِ باطلہ وبے سروپا سے مملو اور اَکاذیبِ موضوعہ پر مشتمل ہیں، ایسے بیان کا پڑھنا سننا وہ شہادت ہوخواہ کچھ، اور مجلسِ میلادمبارک میں ہوخواہ کہیں اور، مطلقاً حرام وناجائز ہے، خصوصاً جبکہ وہ بیان ایسی خرافات کو متضمن ہوجن سے عوام کے عقائد میں تزلزل واقع ہو کہ پھر تو اور بھی زیادہ زہرِ قاتل ہے۔

یونہی جبکہ اس سے مقصود غم پروری وتصنُّع وحُزن ہو تو یہ نیت بھی شرعاً نامحمود، شرع مطہر نے غم میں صبروتسلیم اور غمِ موجود کو حتی المقدور دل سے دور کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ غمِ معدوم بتکلف وزورلانا نہ کہ بتصنُّع وزور بنانا، نہ کہ اسے باعثِ قرب وثواب ٹھہرانا، یہ سب بدعاتِ شنیعۂ روافض ہیں جن سے سنی کو احتراز لازم۔

عوام مجلس خواں اگرچہ بالفرض صرف روایاتِ صحیحہ بروجہ صحیح پڑھیں بھی تاہم جوان کے حال سے آگاہ ہے خوب جانتا ہے کہ ذکرِشہادت شریف پڑھنے سے ان کا مطلب یہی بہ تصنع رونا بہ تکلف رُلانا اوراس رُونے رُلانے سے رنگ جمانا ہے اس کی شناعت میں کیا شبہہ ہے، ہاں اگرخاص بہ نیتِ ذکرشریف حضراتِ اہلبیت طہارت صلی اللہ تعالیٰ علٰی سیدہم وعلیہم وبارک وسلم ان کے فضائلِ جلیلہ ومناقبِ جمیلہ روایاتِ صحیحہ سے بروجہِ صحیح بیان کرتے اوراس کے ضمن میں ان کے فضلِ جلیل صبرِجمیل کے اظہار

کو ذکرِ شہادت بھی آجاتا اور غم پروری و ماتم انگیزی کے انداز سے کامل احتراز ہوتا تو اس میں حرج نہ تھا مگر ہیہات ان کے اَطوار ان کی عادات اس نیتِ خیر سے یکسر جدا ہیں، ذکرِ فضائل شریف مقصود ہوتا تو کیا ان محبوبانِ خدا کی فضیلت صرف یہی شہادت تھی، بے شمار مناقبِ عظیم اللہ عزوجل نے انہیں عطا فرمائے انہیں چھوڑ کر اسی کو اختیار کرنا اور اس میں طرح طرح سے بالفاظِ رقت خیز ونوحہ نما و معانیِ حُزن انگیز وغم افزا بیان کو وسعتیں دینا انہیں مقاصدِ فاسدہ کی خبریں دے رہا ہے، غرض عوام کے لئے اس میں کوئی وجہِ سالم نظر آنا سخت دشوار ہے پھر مجلس ملائک مآنس میلادِ اقدس تو عظیم شادی وخوشی وعیدِ اکبر کی مجلس ہیں اِذکارِ غم وماتم اس کے مناسب نہیں، فقیر اس میں ذکرِ وفاتِ والا بھی جیسا کہ بعض عوام میں رائج ہے پسند نہیں کرتا حالانکہ حضور کی حیات بھی ہمارے لئے خیر اور حضور کی وفات بھی ہمارے لئے خیر، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اس تحریر کے بعد علامہ محدث سیدی محمد طاہر فتنی قدس سرہ الشریف کی تصریح نظرِ فقیر سے گزری انہوں نے بھی اس رائے فقیر کی موافقت فرمائی **والحمدﷲ رب العلمین**۔ ص514

حدیث ''جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا تو وہ انہی میں شمار ہوگا'' کی مراد و تحقیق

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق ہی سے کہتا ہوں۔ت) اس جنسِ مسائل میں حقِ تحقیق وتحقیقِ حق یہ ہے کہ تشبُّہ دووجہ پر ہے: اِلتزامی ولزومی۔

التزامی: یہ ہے کہ یہ شخص کسی قوم کے طرز ووضعِ خاص اسی قصد سے اختیار کرے کہ ان کی سی صورت بنائے ان سے مشابہت حاصل کرے حقیقۃً تشبہ اسی کا نام ہے (اس لئے کہ قصد اور تکلف کے مفہوم کا اس میں لحاظ رکھا گیا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اور

لزومی: یہ کہ اس کا قصد تو مشابہت کا نہیں مگر وہ وضع اس قوم کا شعارِ خاص ہورہی ہے کہ خواہی نخواہی مشابہت پیدا ہوگی،

التزامی میں قصد کی تین صورتیں ہیں:

اول: یہ کہ اس قوم کو محبوب ومرضی جان کر اُن سے مشابہت پسند کرے یہ بات اگر مبتدع کے ساتھ ہو بدعت اور کفّار کے ساتھ معاذ اللہ کفر، حدیث **من تشبہ بقوم فھو منھم** (جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے تو وہ انہی میں سے شمار ہوگا۔ت) حقیقۃً صرف اسی صورت سے خاص ہے۔

دوم: کسی غرضِ مقبول کی ضرورت سے اسے اختیار کرے وہاں اس وضع کی شناعت اور اس غرض کی ضرورت کا موازنہ ہوگا اگر ضرورت غالب ہو تو بقدرِ ضرورت کا وقتِ ضرورت یہ تشبیہ کفر کیا معنی ممنوع بھی نہ ہوگا جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی کہ بعض فتوحات میں مقتول رومیوں کے لباس پہن کر بھیس بدل کر کام فرمایا اور اس ذریعہ سے کفارِ اَشرار کی بھاری جماعتوں پر باذنِ اللہ غلبہ پایا اسی طرح سلطان مرحوم صلاح الدین یوسف اَنارَ اللہ تعالٰی برہانہ کے زمانے میں جبکہ تمام کفارِ یورپ نے سخت شورش مچائی تھی دو عالموں نے پادریوں کی وضع بنا کر دورہ کیا اور اس آتشِ تعصب کو بجھادیا۔

سوم: نہ تو انہیں اچھا جانتا ہے نہ کوئی ضرورتِ شرعیہ اس پر حامل ہے بلکہ کسی نفعِ دُنیوی کے لئے یا یوہیں بطورِ ہزل واستہزاء اس کا مرتکب ہوا تو حرام وممنوع ہونے میں شک نہیں اور اگر وہ وضع ان کفار کا مذہبی دینی شعار ہے جیسے زنّار، قشقہ، چُٹیا، چلیپا، تو علماء نے اس صورت میں بھی حکمِ کفر دیا **کما سمعت اٰنفا** (جیسا کہ تم نے ابھی سنا۔ت) اور فی الواقع صورتِ استہزاء میں حکمِ کفر

ظاہر ہے کمالایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اور لزومی میں بھی حکم ممانعت ہے جبکہ اِکراہ وغیرہ مجبوریاں نہ ہوں جیسے انگریزی منڈا، انگریزی ٹوپی، جاکٹ، پتلون، اُلٹا پردہ، اگرچہ یہ چیزیں کفار کی مذہبی نہیں مگر آخر شعار ہیں تو ان سے بچنا واجب اور ارتکاب گناہ، ولہٰذا علماء نے فسّاق کی وضع کے کپڑے موزے سے ممانعت فرمائی۔

مگر اس کے تحقُّق کو اُس زمان ومکان میں ان کا شعارِ خاص ہونا قطعاً ضرور جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں اور ان میں اور ان کے غیر میں مشترک نہ ہو ورنہ لزوم کا کیا محل، ہاں وہ بات فی نفسہٖ شرعاً مذموم ہوئی تو اس وجہ سے ممنوع یا مکروہ رہے گی نہ کہ تشبّہ کی راہ سے۔

اس تحقیق سے روشن ہوگیا کہ تشبُّہ وہی ممنوع ومکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شے ان بدمذہبوں کا شعارِ خاص یا فی نفسہٖ شرعاً کوئی حرج رکھتی ہو، بغیر ان صورتوں کے ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔

دھوتی باندھنے کا حکم

اب مسئلہ مسئولہ کی طرف، چلئے دھوتی باندھنے والے مسلمانوں کا یہ قصد تو ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ کافروں کی سی صورت بنائیں، نہ مدعی نے اس پر بنائے کلام کی بلکہ مطلقاً دھوتی باندھنے کو ان سخت شدید اختراعی احکام کا مورد قرار دیا نہ زنہار قلب پر حکم روا نہ بدگمانی جائز۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ان باتوں کے پیچھے نہ پڑو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔ بے شک کان، آنکھ اور دل کے متعلق (بروزِ قیامت) پوچھا جائے گا۔ (ت) اور فی نفسہٖ دھوتی کی حالت کو دیکھا جائے تو اس کی اپنی ذات میں کوئی حرجِ شرعی بھی نہیں بلکہ ساتر مامور بہ کے افراد سے ہے اصل سنت ولباسِ پاک عرب یعنی تہبند سے صرف لٹکتا چھوڑنے اور پیچھے گھرس لینے کا فرق رکھتی ہے اس میں کسی امرِ شرعی کا خلاف نہیں تو دو وجہ ممانعت تو قطعاً منتفی ہیں۔ رہا خاص شعارِ کفار ہونا، وہ بھی باطل، بنگالہ وغیرہ پورب کے عام شہروں میں تمام سکانِ ہندو مسلمان سب کا یہی لباس ہے، یوہیں سب اضلاعِ ہند کے دیہات میں ہندو مسلمین یہی وضع رکھتے ہیں، رہے وسطِ ہند کے شہری لوگ، ان میں بھی فنائے شہر اور خود شہر کے اہلِ حرفہ وغیرہم جنہیں کم قوم کہا جاتا ہے بعض ہر وقت اور بعض اپنے کاموں ضرورتوں کی حالت میں دھوتی باندھتے ہیں، ہاں یہاں کے معزز شہریوں میں اس کا رواج نہیں مگر اس کا حاصل اس قدر کہ اپنی تہذیب کے خلاف جانتے ہیں نہ یہ کہ جو باندھے اسے فعلِ کفر کا مرتکب سمجھیں تو غایت یہ کہ ان اَضلاع کے شہری وجاہت دار آدمی کو گھر سے باہر اس کا باندھنا مکروہ ہوگا کہ بلاوجہ شرعی عرف وعادتِ قوم سے خروج بھی سببِ شہرت وباعثِ کراہت ہے۔ علامہ قاضی عیاض مالکی، امام اجل ابوزکریا نووی شافعی شارحانِ صحیح مسلم پھر عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی حنفی شارحِ طریقۂ محمدیہ فرماتے ہیں: **خروجه عن العادة شهرة ومکروه**۔ عادت اور عرف کی خلاف ورزی مکروہ اور باعثِ شہرت ہے (ت) اور اگر وہاں کے مسلمان اسے لباسِ کفار سمجھتے ہوں تو احتراز مؤکد ہے، حرج پیچھے گھرسنے میں ہے، ورنہ تہ بند تو عینِ سنت ہے۔ ص530

کفار یا بدمذہبوں یا فسّاق فجّار سے ایک وصف میں بھی تشبُّہ منع ہے

جو بات کفار یا بدمذہباں اَشرار یا فسّاق فجّار کا شعار ہو بغیر کسی حاجتِ صحیحہ شرعیہ کے برغبتِ نفس اس کا اختیار ممنوع

وناجائز وگناہ ہے اگرچہ وہ ایک ہی چیز ہو کہ اس سے اس وجہِ خاص میں ضرور اُن سے تشبّہ ہوگا اسی قدر منع کو کافی ہے اگرچہ دِیگر وجوہ سے تشبّہ نہ ہو، اس کی نظیر گلاب اور پیشاب ہیں۔ شیشہ بھرا ہوا گلاب اور اس میں ایک قطرہ پیشاب ہے تو وہ ناپاک وخراب ہے نہ کہ پورا شیشہ پیشاب ہو جبھی نجس وخراب ہو۔ ولہٰذا عموماً اَحادیث اِرشاداتِ فقہ میں ہر ایسی چیز پر حکمِ حرمت وممانعت دیا ہے نہ یہ کہ سر سے پاؤں تک من جمیع الوجوہ اُن سے تشبّہ ہو اسی وقت منع ہو، یہ محض جہل یا عقل کا فساد ہے اور اگر دانستہ ہو تو شریعتِ مطہرہ سے کھلا عناد ہے، اِبطالِ وہم کو یہاں صرف پچیس مسائل حدیث وفقہ سے سنائیں:

مسئلہ ۱: صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لعن الله المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشابهات من النساء بالرجال۔** اللہ کی لعنت اُن مردوں پر جو عورتوں سے تشبہ کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں پر۔

یہ اصل کلی ہے اس کے فروع دیکھئے زنانِ عرب جو اوڑھنی اوڑھتیں حفاظت کے لئے سر پر پیچ دے لیتیں اس پر ارشاد ہوا کہ ایک پیچ دیں دو نہ ہوں کہ عمامہ سے مشابہت نہ ہو عورت کو مرد، مرد کو عورت سے تشبہ حرام ہے: امام احمد وابوداؤد وحاکم نے بسندِ حسن ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی: **ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم دخل علیها وهی تختمر فقال لیة لالیتین۔** نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو (کیا دیکھا) کہ وہ اوڑھنی اوڑھ رہی ہیں تو ارشاد فرمایا: سر پر صرف ایک پیچ دو، دو پیچ نہ ہوں۔ (ت)

مسئلہ ۲: ایک عورت کندھے پر کمان لگائے گزری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں سے تشبّہ کریں۔

مسئلہ ۳: عورتوں کو حکم فرمایا کہ ہاتھوں میں مہندی لگائیں کہ مردوں کے ہاتھ سے مشابہ نہ ہو۔ ابوداؤد ام لمومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی: عتبہ کی بیٹی ہندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: اے اللہ تعالیٰ کے مکرم نبی! مجھے بیعت فرمائیے۔ ارشاد فرمایا: میں تمہیں بیعت نہیں کرتا جب تو اپنی ہتھیلیوں میں (انہیں رنگین کر کے) تبدیلی نہ لائے، تیری ہتھیلیاں تو درندے کی ہتھیلیوں کی طرح ہیں۔ (ت)

ایک حدیث میں ارشاد ہوا کہ زیادہ نہ ہو تو ناخن ہی رنگین رکھیں۔

مسئلہ ۴: جامع ترمذی میں سیدنا (سعد) بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: اپنے پیشِ دروازہ زمینیں ستھری رکھو یہودیوں سے تشبّہ نہ کرو کہ جب سے ان پر ذلّت ومسکنت ڈالی گئی ان کی زمینیں میلی کثیف رہتیں۔

یہاں محض ایک بیرونی شے پر جسے جسم ولباس سے بھی علاقہ نہیں تشبّہ فرمایا گیا۔

مسئلہ ۵: سنن ابی داؤد میں ابن ابی ملیکہ سے ہے: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کی گی ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردانی وضع اختیار کریں۔

مسئلہ ۶: نماز میں کسی فعل وحالت میں اہلِ کتاب سے تشبّہ منع ہوا اور نمازِ مسلمین کا اپنے عامہ اَفعال وصفت وہیئت میں ان کی نماز سے جدا ہونا مانعِ تشبہ نہ ہوا اسی لئے امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

مسئلہ ۷: اسی لئے امام کا سب مقتدیوں سے بلندیِ ممتاز پر ہونا مکروہ ہوا۔
ہدایہ میں ہے: تنہا امام کا کسی بلند ممتاز جگہ کھڑا ہونا مکروہ ہے، اوراس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کردی۔(ت)
مسئلہ ۸: نماز میں قرآنِ مجید دیکھ کر پڑھنا امام اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک تو مفسدِ نماز ہے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نماز صحیح مانتے ہیں مگر مشابہتِ اہلِ کتاب کے باعث مکروہ جانتے ہیں۔
مسئلہ ۹: جہاں جاندار کی تصویر کھلی ہوئی بے اہانت رکھی ہو اگرچہ نمازی کے پسِ پشت، وہاں نماز بوجہِ تشبُّہ مکروہ ہے۔
مسئلہ ۱۰: یونہی جہتِ قبلہ میں اگر صلیب ہو نماز مکروہ ہے کہ نصاریٰ سے تشبّہ ہے۔
مسئلہ ۱۱: مرد کو ہتھیلی یا تلوے بلکہ صرف ناخنوں ہی میں مہندی لگانی حرام ہے کہ عورتوں سے تشبّہ ہے۔شرعۃ الاسلام ومرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: **مہندی لگانی عورتوں کے لئے سنت ہے لیکن مردوں کے لئے مکروہ ہے** مگر جبکہ کوئی عذر ہو (تو پھر اس کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کے مہندی استعمال کرنے میں عورتوں سے مشابہت ہوگی **اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ یہ کراہت تحریمی ہے گزشتہ حدیثِ پاک کی وجہ سے کہ جس میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں سے مشابہت اختیار کریں، لہٰذا تحریم یعنی کراہت تحریمی صحیح ہوئی، اور اطلاق (الفاظِ حدیث) ناخنوں کو بھی شامل ہے۔**اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں بھی گزشتہ حدیث کی صراحت موجود ہے (حدیث: اگر تُو عورت ہوتی تو ضرور اپنے سفید ناخنوں کو مہندی لگا کر تبدیل کردیتی) رہا عذر کا استثناء کرنا، تو اس کے متعلق میری صوابدید یہ ہے کہ (عذر اس وقت تسلیم کیا جائے گا کہ) جب مہندی کے قائم مقام کوئی دوسری چیز نہ ہو، نیز مہندی کسی ایسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط نہ ہو سکے جو اس کے رنگ کو زائل کردے اور مہندی استعمال میں بھی محض ضرورت کی بنا پر بطورِ دوا اور علاج ہو، زیب وزینت اور آرائش مقصود نہ ہو۔(ت)
مسئلہ ۱۲: عورت کو اپنے سر کے بال کترنا حرام ہے اور کترے تو ملعونہ کہ مردوں سے تشبّہ ہے۔
مسئلہ ۱۳: مرد کو اپنا سر کھلوانا جسے پان بنوانا کہتے ہیں حلال ہے جبکہ اَطراف کے بال باقی رکھے اور گوندھے نہیں ورنہ پیشانی یا قفا کے بال مونڈنا مجوس سے تشبّہ ہے اور گوندھنا بعض دیگر کفار سے۔
مسئلہ ۱۴: مرد کو ساڑھے چار ماشے سے کم وزن کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی جائز ہے دو یا زیادہ نگ حرام کہ زیورِ زنان ہو گیا۔
مسئلہ ۱۵: چاندی کی مردانی انگوٹھی عورت کو نہ چاہئے اور پہنے تو زعفران وغیرہ سے رنگ لے۔
مسئلہ ۱۶: مرد کو عورت کی طرح چرخہ کا تنا مکروہ ہے کہ زنانہ کام ہے تشبّہ ہوگا۔
مسئلہ ۱۷: بلاضرورتِ صحیحہ عورت کو گھوڑے پر چڑھنا منع ہے کہ مردانہ کام ہے، حدیث میں اس پر لعنت آئی، ابنِ حبان اپنی صحیح میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کے آخر میں کچھ ایسی عورتیں ہوں گی جو مردوں کی طرح جانوروں پر سوار ہوں گی، الحدیث، اور اس کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں: اُن عورتوں پر لعنت بھیجو کیونکہ وہ ملعون ہیں۔(ت)
مسئلہ ۱۸: مرد سیدھے ہاتھ میں انگوٹھی نہ پہنے کہ رافضیوں کا شعار ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں کہ) کسی چیز کا بذاتہٖ جواز، اِحتراز لغیر ہٖ کے وجوب کے منافی نہیں۔ (وضاحت: ایک چیز بالذات جائز ہے لیکن کسی اور چیز کی بناء پر قابلِ ترک ہے تو ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں، لہذا یہ نہ کہا جائے گا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک چیز جائز بھی ہو اور منع بھی ہو، اس لئے کہ یہاں جواز وعدمِ جواز کی جہات بدل گئیں لہٰذا تناقض نہ پایا جائے گا کیونکہ وجودِ تناقض کے لئے اتحادِ جہات ضروری ہے جیسا کہ کتبِ منطق میں مذکور ہے۔ یہاں غور کیجئے اصل کے اعتبار سے انگوٹھی دونوں ہاتھوں میں پہننی جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن چونکہ روافض دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے ہیں لہٰذا ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی نہ پہنے، لہٰذا اگر وہ اس معمول کو چھوڑ دیں تو پھر دائیں ہاتھ میں بھی پہن سکتا ہے۔ مترجم) اور اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اس مسئلہ کا انتساب صرف علامہ قہستانی ہی کی طرف نہیں (جیسا کہ ظاہر ہے) لہٰذا یہ قہستانی کے علاوہ دوسرے اہلِ علم سے بھی منقول ہے، لہٰذا اس کی شرح "ش" میں جو کچھ کہا گیا اس کا دفاع ہوگیا ہے۔ اور پھر اس کے بعد درمختار میں ہے **اقول:** (میں مصنف درمختار) کہتا ہوں) شاید یہ زمانہ سابقہ میں شعارِ روافض تھا لہٰذا اب ان کا شعار نہیں رہا (لہٰذا غور سے دیکھئے اور سوچئے)

مسئلہ ۱۹: بعض اَعصار واَمصار میں ایک ٹوپی لباسِ روافض تھی علماء نے فرمایا اس کا پہننا گناہ ہے۔

مسئلہ ۲۰: یہ تو مرد وعورت کا تشبّہ تھا یا گمراہ سے پھر معاذ اللہ اس کی خباثت کا شمار جس میں کفّار سے تشبّہ ہو، ائمہ دین نے فرمایا بِلاضرورتِ شرعیہ مجوس کی ٹوپی پہننی کفر ہے اگرچہ ہنسی سے پہنے اور اگر کوئی پہنے اور اس پر اعتراض ہو تو کہے، دل مستقیم چاہیے کپڑا کسی وضع کا ہو، وہ کافر ہوجائے گا کہ اس نے احکامِ شریعت کو رَد کیا۔

مسئلہ ۲۱: وضعِ کفار کی ٹوپی، الگ رومال اس شکل پر بنا کر سر پر رکھنا بھی حرام ہے یہاں تک کہ بعض ائمہ نے اس صورت میں حکمِ کفر دیا۔

مسئلہ ۲۲، ۲۳: ماتھے پر قشقہ تِلک لگانا یا کندھے پر صلیب رکھنا کفر ہے۔

مسئلہ ۲۴: زنّار باندھنا کفر ہے۔

مسئلہ ۲۵: زُنّار بھی نہیں کوئی رسّی کا ٹکڑا کمر سے باندھا کسی نے کہا یہ کیا ہے؟ کہا زُنّار۔ کافر ہوجائے گا۔ یہاں تو خود اس چیز ہی میں مشابہتِ صوری میں کتنا فرق ہے مگر نام رکھنے سے کفر آیا تو جہاں صورت ونام سب موجود حکمِ تشبہ کیونکر مفقود۔

بالجملہ ایک بات میں تشبّہ کو اور باتوں میں تشبّہ نہ ہونے سے مندفع جاننا ہرگز کام نہیں مگر مجنوں یا بددین کا، نہ کہ زید کا اِدعاء باطل، جس کا حاصل یہ کہ سو باتیں تشبّہ کی ہوں ایک نہ ہو تو تشبّہ نہ رہے گا، ایسوں کی نگاہ میں شریعتِ مطہرہ کی تو جو قدر ہوتی ہے بدیہی ہے مگر انسانی عقل وتہذیب کو بھی رخصت کردیا، کیا زید کے سے مسلک والا بشرطیکہ مجنون نہ ہو گوارا کرے گا کہ سر سے پاؤں تک زنانہ لباس انگیا، کُرتی، کلیوں دار پائچے، ہاتھ پاؤں میں مہندی رچائے صرف ٹوپی سر پر رکھ لے تشبّہ نہ رہا، کہ ادنٰی فرق دفعِ تشبّہ کے لئے کافی ہے بلکہ ٹوپی کی بھی کیا حاجت ہے اس زنانے کپڑے کے ساتھ بنت کا دوپٹہ بھی سر پر اوڑھے اور چوٹی بھی گندھوئے، منہ کی مونچھیں ہی دفعِ تشبّہ کو بس ہوں گی حالانکہ ہر عاقل ایسے شخص کو زنانہ جانے گا بلکہ اگر تمام لباس مردانہ ہو ہتھیار لگائے گھوڑے پر سوار ہو اور بات کرے ناک پر انگلی رکھ کر تو یقیناً تمام عقلاء اس پر ہنسیں گے اور اسے زنانہ کہیں گے، اس ایک ہی

بات کے آگے وہ تمام لباس وسلاح واسپ کام نہ دیں گے، جس وضعِ کفار میں وہ جھوٹی تاویلیں سوجھیں کیا یہ حرکت کرنا بھی قبول کرے گا کہ آخر کافر سے تشبہ، عورت سے تشبّہ پرخبث وشناعت میں ہزار درجہ فائق ہے۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت فرمائے۔آمین! واللہ تعالٰی اعلم ۔ص536 تا552

حُقّے تین قسم کے ہیں

ایک : وہ جس طرح جہّال رمضان شریف میں افطار کے وقت دَم لگاتے ہیں جس سے آنکھیں چڑھ جاتی ہیں حواس متغیر ہوجاتے ہیں وہ حرام ہے، حدیث میں ہے: **نھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن مسکر ومفتر** ۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہرنشہ آور اور جسم میں سستی پیدا کرنے والی چیز کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔(ت)

دوسرا : وہ جسے بے احتیاط لوگ پیتے ہیں جن کے تازہ ہونے کا اہتمام نہ ہوا اور تمبا کو کثیف وبدبو ہو وہ مکروہ تنزیہی وخلافِ اَولٰی ہے جیسے کچا لہسن اور کچی پیاز۔

تیسرا : وہ کہ اسے بدبو سے بچایا جائے اور کسی منکرِ شرعی پر مشتمل نہ ہو وہ مباحِ خالص ہے۔

تمبا کو کھانا اور حقہ کا ایک حکم ہے، جیسا وہ حرام ہے یہ بھی حرام ہے اور جیسا وہ جائز ہے یہ بھی جائز، بدبو ہے تو باکراہت ورنہ بلاکراہت، فقط ایک فرق ہے جو لوگ غیر خوشبودار تمبا کو کھاتے ہیں اور اسے منہ میں دبا رکھنے کے عادی ہیں ان کا منہ اس کی بدبو سے بس جاتا ہے کہ قریب سے بات کرنے میں دوسرے کو احساس ہوتا ہے، اس طرح تمبا کو کھانا جائز نہیں کہ یہ نماز بھی یوں ہی پڑھے گا اور ایسی حالت سے نماز مکروہ تحریمی ہے بخلاف حقہ کے کہ اس میں کوئی جرم منہ میں باقی نہیں رہتا اور اس کا تغیّر کلیوں سے فوراً زائل ہوجاتا ہے۔ص554۔ پان بلاشبہہ جائز ہے اور زمانہ حضرت شیخ العالم فریدالدین گنج شکر وحضرت سلطان المشائخ نظام الملۃ الدین علیہما الرضوان سے مسلمانوں میں بلانکیر رائج ہے۔ص553

تصویر کھینچنا جائز نہیں

جاندار کی تصویر کھینچنی حرام ہے۔صحیح حدیث میں ارشاد ہوا: قیامت میں سب سے سخت تر عذاب اس پر ہوگا جس نے کسی نبی کو شہید کیا یا جسے کسی نبی نے قتل کیا اور مصوّر۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسلمان کاریگر شبیہ شکر کی حلال جانور اور حرام جانور کی بناتے ہیں شبیہ کا بنانا جائز ہے؟ اور کس تصویر کا کھانا جائز و ناجائز ہے؟

جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یوم القیٰمۃ المصورون**۔سب سے زیادہ سخت عذاب روزِ قیامت ان پر ہوگا جو جاندار کی تصویر بناتے ہیں۔اور اس کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں: جو تصویر دار کپڑے بنائے بیچے اس کی گواہی مردود ہے۔اور حرام جانور کی تصویر میں ایک شنیع وبدنسبت ہے جو کھانے والے کی طرف ہوگی کہ اہلِ عرف تصویر کو اصلی ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں تو مثلاً تصویر کا کتا کسی نے کھایا تو اسے بھی کہا جائے گا کہ فلاں شخص نے کتا کھایا، آدمی کو جیسے بُرے کام سے بچنا ضرور ہے یونہیں بُرے نام سے بھی بچنا چاہئے۔غیر جاندار کی تصویر بنانی اگرچہ جائز ہے مگر دینی معظم چیز مثل مسجدِ جامع وغیرہ کی تصویروں میں انہیں توڑنا

اور کھانا خلافِ ادب ہوگا اور وہی بری نسبت بھی لازم آئے گی کہ فلاں شخص نے مسجد توڑی مسجد کو کھالیا اور ان سب باتوں سے خالی ہوتو کفار کے تہواروں ان کے بیہودہ رسم میں ایک طرح کی شرکت ہے جس سے شرعاً اِجتناب کا حکم، بلکہ اگر معاذ اللہ یہ چیزیں خریدنا کھانا خاص بہ نیتِ دوالی منانے کے ہوتو حکم نہایت سخت ہے اور نرے کھانے پینے کی نیت سے ہو جب بھی ان ایام میں احتراز چاہئے، ہاں دوالی سے پہلے یا ختم کے بعد ایسی چیزوں کی تصویر جو جاندار نہ ہوں نہ ان کے توڑنے یا کھانے سے کوئی مکروہ نسبت لازم آئے بنائیں بیچیں خریدیں کھائیں تو کچھ حرج نہیں۔ یوہیں ان ایام کے قبل یا بعد حلال جانور کی تصویر اگر خود نہ خریدی بلکہ دوسرے نے دی تو اس کے کھانے میں بھی مضائقہ نہیں۔(کیونکہ حرج تصویر بنانے اور خریدنے میں ہے جب یہ دونوں کام نہ ہوں تو صرف اِعدام یعنی نہ ہونا باقی رہے گا اور وہی مطلوب ہے نہ کہ مہروب یعنی اس سے بھاگا جائے (ت) ص559

کپڑے پر تصویریں چھپی ہوئی ہوں اس سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

کسی جاندار کی تصویر جس میں اس کا چہرہ موجود ہو اور اتنی بڑی ہو کہ زمین پر رکھ کر کھڑے سے دیکھیں تو اعضا کی تفصیل ظاہر ہو، اس طرح کی تصویر جس کپڑے پر ہو اس کا پہننا، پہنانا یا بیچنا، خیرات کرنا سب ناجائز ہے، اور اسے پہن کر نماز مکروہ تحریمی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے، ایسے کپڑے پر سے تصویر مٹادی جائے یا اس کا سر یا چہرہ بالکل محو کر دیا جائے۔ اس کے بعد اس کا پہننا، پہنانا، بیچنا، خیرات کرنا، اس سے نماز، سب جائز ہوجائے گا، اگر وہ ایسے پکے رنگ کی ہو کہ مٹ نہ سکے دھل نہ سکے تو ایسے ہی پکے رنگ کی سیاہی اس کے سر یا چہرے پر اس طرح لگادی جائے کہ تصویر کا اُتنا عضو محو ہوجائے صرف یہ نہ ہو کہ اتنے عضو کا رنگ سیاہ معلوم ہو کہ یہ محو و منافیِ صورت نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص567

فوٹو ہو یا دستی تصویر پوری ہو یا نیم قد، بنانا، بنوانا سب حرام ہے نیز اس کا عزت سے رکھنا حرام اگرچہ نصف قد کی ہو کہ تصویر فقط چہرہ کا نام ہے۔ ص568

رسالہ: العطایا القدیر فی حکم التصویر
(تصویر کے حکم کے بارے میں قدرت والے کی عطائیں)۔ ص571

معظمِ دینی کی تصویر زیادہ موجبِ وبال ونکال ہے

دنیا میں بت پرستی کی ابتداء یوہیں ہوئی کہ صالحین کی محبت میں ان کی تصویریں بنا کر گھروں اور مسجدوں میں تبرکاً رکھیں اور ان سے لذتِ عبادت کی تائید سمجھی، شُدہ شُدہ وہی معبود ہوگئیں۔ ص573

معظمِ دینی کی تصویر زیادہ موجبِ وبال ونکال ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے گی اور تصویر ذی روح کی تعظیم خاصی بت پرستی کی صورت اور گویا ملتِ اسلامی سے صریح مخالفت ہے، ابھی حدیث سن چکے کہ وہ اولیاء ہی کی تصویریں رکھتے تھے جس پر ان کو بدترین خلق اللہ فرمایا، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کون معظمِ دین ہوگا اور نبی بھی کون حضرتِ شیخ الانبیاء خلیلِ کبریا

سیدنا ابراہیم علیٰ ابنہ الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کہ ہمارے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد تمام جہان سے افضل واعلیٰ ہیں ان کی اور حضرتِ سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ وحضرتِ بتول مریم علیہم الصلوٰۃ کی تصویریں دیوارِ کعبہ پر کفار نے منقش کی تھیں، جب مکہ معظّمہ فتح ہوا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے بھیج کر وہ سب محو کرا دیں، جب کعبہ معظّمہ میں تشریف فرما ہوئے بعض کے نشان کچھ باقی پائے پانی منگا کر بنفسِ نفیس اُنہیں دھویا اور بنانے والوں کو قاتلہم اللہ فرمایا اللہ انہیں قتل کرے۔ص577

تصویرِ ممنوع میں کراہتِ نماز وحکمِ ممانعت کی تین علتیں علماء نے بتائیں

(۱) مشابہتِ عبادتِ صنم بتائی۔

(۲) جہاں تصویرِ ممنوع رکھی ہو ملائکہ اس مکان میں نہیں جاتے اور جس مکان میں ملائکۂ رحمت نہ آئیں وہ ہر جگہ سے بدتر ہے۔

(۳) تعظیمِ تصویر۔ص589

اور مغزِ تحقیق یہ ہے کہ اصل علت تعظیم ہے تعظیم ہی سے تشبہ پیدا ہوتا ہے اور تعظیم ہی سے ملائکۂ رحمت نہیں آتے، ولہٰذا اہانت کی صورتیں جائز رکھی گئیں کہ فرش میں ہوں جن پر بیٹھیں، کھڑے ہوں، پاؤں رکھیں، یہ تقریر کلامِ مشائخ ہے **وللہ الحمد۔ثُمَّ اَقول**:(پھر میں کہتا ہوں۔ت) جبکہ ہر تعظیم تشبّہ عبادتِ صورت ہے اور ہر تشبّہ عبادت ملائکہ کے لئے قطعاً موجبِ نفرت، تو عارض ولازم میں تفرقہ محض بے اصل، تعلیق ونصب میں بھی تعظیم اسی فعل سے عارض ہوئی نہ کہ نفسِ ذاتِ صورت کو لازم تھی تو بساطِ مفروش میں جب تصاویر کو موضعِ سجود میں رکھ کر ان پر سجدہ کیا جائے گا بعینہٖ انہیں معلق ومنصوب کرنے کے مثل ہوگا اور اس وقت دخولِ ملٰئکہ کو منع کرے گا کہ ان کا امتناع بوجہِ تعظیم تھا اور تعظیم پائی گئی۔ص604

حق یہ ہے امتناع (مکان میں ملائکۂ رحمت کا نہ آنا) اُن تصویروں سے مختص ہے جو بغیر تذلیل وتوہین باعزت طریقے سے رکھی ہوں۔ص604

اقول :وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) **تشبّہ دوقسم ہے:ایک عام** کہ مطلقاً تصویرِ ممنوع کو بروجہِ تعظیم رکھنے سے حاصل ہوتا ہے **کما تقدم تحقیقہ والتصریح بہ عن الامام فخر الاسلام** (جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے ہوچکی، اور امام فخر الاسلام کے حوالے سے اس کی تصریح آ گئی۔ت)، دوسرا تشبّہ خاص کہ اس کے علاوہ نفسِ نماز میں مصلّی (نمازی) کے کسی فعل یا ہیئت سے ظاہر ہو مثلاً تصویر کو سامنے رکھ کر اس کی طرف افعالِ نماز بجالانا یہ اَشد واَخبث ہے یہ ضرور نفسِ تعظیم سے اَخص ہے، جہاں یہ ہو نماز میں کراہتِ تحریم ہوگی ورنہ مکان میں اس کا بروجہِ تعظیم رکھنا تو قطعاً ممنوع وگناہ ہے، اور اس کے سبب نماز میں کراہت تنزیہی آجائے گی۔ص608

تصویر نمازی کے پسِ پشت ہو تو نماز مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی ہے؟

اقول: (میں کہتا ہوں) ہماری اس تحقیق سے دو مسئلوں کے درمیان موافقت (اور مطابقت) پیدا ہوگئی۔

پہلا مسئلہ جہاں تصویر پسِ پشت ہو تو بھی نماز مکروہ ہے، جن حضرات نے اس کو ثابت کیا ہے وہ اکثریت رکھتے ہیں

اور "التنویر" میں اس کو زیادہ ظاہر قرار دیا تو کراہت تنزیہی کا اثبات فرمایا اور جن لوگوں نے اس کی نفی فرمائی، چنانچہ شرح وقایہ میں صدرالشریعہ نے یہی روش اختیار فرمائی اور متن "النقایہ" میں اس پر اِظہارِ یقین کیا اور "الغایہ" میں اسی پر اعتماد کیا جیسا کہ تبیین اور درر اور امام عتابی سے منقول ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، اور الایضاح میں ابنِ کمال پاشا نے بھی اس کا ساتھ دیا تو کراہت تحریمی کی نفی کی (ت)۔ص611

ثم اقول :وبہ استعین (پھر میں کہتا ہوں اسی سے طلب مدد کرتے ہوئے۔ت) تنقیح علت اگرچہ بفضلہٖ تعالٰی بروجہِ اَحسن ہوئی مگر ابھی ایک اور تنقیح عظیم باقی ہے جبکہ علتِ کراہت تشبّہِ عبادت ہے خاص ہو یا عام، توضرور ہے کہ وہ تصویر جنسِ **مایَعبُدہ المشرکون** (تصویر اس جنس سے ہو کہ جس کی مشرکین عبادت کرتے ہیں۔ت) سے ہو کہ جسے مشرکین پوجتے ہی نہیں وہ بت کے حکم میں نہیں کہ اس کے بروجہِ تعظیم رکھنے یا اس کی طرف نماز پڑھنے میں معاذ اللہ عبادتِ بت سے تشبہ ہو، ولہٰذا جابجا کراہت کو عبادت اور اس کے عدم کو عدم سے تعلیل فرماتے ہیں کہ یہ مشرک اس کی عبادت نہیں کرتے، لہٰذا کراہت نہیں، مثلاً:

(۱) اتنی چھوٹی تصویر کہ زمین پر رکھ کر دیکھو تو اعضا کی تفصیل نہ معلوم ہو موروثِ کراہت نہیں کہ اتنی چھوٹی کی عبادت مشرکین کی عادت نہیں۔ص617

(۲) سر بریدہ یا چہرہ محوکردہ کہ اس کی بھی عبادت نہیں ہوتی، اور بھنویں اور آنکھیں مٹا دینا کافی نہیں، نہ چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دینا نفیِ کراہت کرے۔

(۳) شمع یا چراغ یا قندیل یا لیمپ یا لالٹین یا فانوس نماز میں سامنے ہو تو کراہت نہیں کہ ان کی عبادت نہیں ہوتی اور بھڑکتی آگ اور دہکتے انگاروں کا تنور یا بھٹی یا چولہا یا انگیٹھی سامنے ہوں تو مکروہ کہ مجوس ان کو پوجتے ہیں۔ص619

(۴) مصحف شریف

(۵) تلوار وغیرہ ہتھیار کا سامنے ہونا مکروہ نہیں کہ ان کی عبادت نہیں ہوتی۔

(۶) تصویرِ صغیر پر قیاس فرما کر مستور سے بھی نفیِ کراہت کی، کہ ظاہر نہ ہونے میں اس کے مثل ہے جیسے جیب یا بٹوے میں روپیہ یا بعض ترکی ٹوپیوں میں کہ نصارٰی کی بنائی ہوتی ہیں اندر کی جانب تصویر ہوتی ہے ان صورتوں میں نماز مکروہ نہیں مگر ناجائز تصویریں حفاظت سے رکھ چھوڑنا خود ہی منع ہے اگرچہ صندوق میں بند رکھے اور نہ کھولے اگرچہ وہاں نماز مکروہ نہ ہوگی۔ص623

(۷) چاند، سورج، ستاروں اور درختوں کی تصویریں نماز میں سامنے ہوں تو حرج نہیں کہ مشرکین نے اگرچہ ان اشیاء کو پوجا مگر ان تصویروں کی عبادت نہیں کرتے، سومنات اگرچہ مَعبَدِ قمر تھا، سوم بمعنی قمر ہے اور ناتھ بمعنی مالک، مگر اس میں بت تھا جسے صورتِ روحانیتِ قمر قرار دیا تھا نہ شکل ہلالی یا قمری یا بدری کی تصویر۔ص627

مدار صرف چہرہ پر ہے تو قطعاً یہ سب تصویریں معنیً بت میں ہیں اور ان کا مکان میں باعزاز رکھنا، نصب کرنا، چوکھٹوں میں رکھ کر دیوار پر لگانا یا پردے یا دیوار یا کسی اونچی رہنے والی شے پر اس کا منقوش کرنا اگرچہ نیم قد یا صرف چہرہ ہو یا دیوارِ گیروں پر انسان یا حیوان کے چہرے لگانا یا پانی کے نل کے منہ یا لاٹھی کی بالائی شام پر کسی حیوان کا چہرہ بنوانا یا ایسی کسی بنی ہوئی چیز کو رکھنا

استعمال کرنا سب ناجائز وحرام ومانعِ دخولِ ملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام اور اس مکان میں نماز یقیناً مکروہ، پھر اگر تشبہ خاص بھی پایا جائے جیسے مصلّٰی کے سامنے ہونا تو نماز مکروہ تحریمی واجبُ الاعادہ لاجرم سر بریدہ میں ممانعت نہ ہوئی کہ معنیٔ بت میں نہ رہی، اور دست و پا بریدہ ناجائز ہوئی کہ معنیٔ بت باقی۔ص638

رابعاً: اقول: وباللہ التوفیق ایک اور نکتہ بدیعہ ہے جس پر تنبہ لازم، یہاں چار صورتیں ہیں:

اول : تصویر کی توہین مثلاً فرش پا انداز میں ہونا کہ اس پر چلیں پاؤں رکھیں یہ جائز ہے اور مانعِ ملائکہ نہیں اگرچہ بنانا بنوانا ایسی تصویروں کا بھی حرام ہے۔

دوم: جس چیز میں تصویر ہو اسے بلا اہانت رکھنا مگر وہ ترکِ اہانت بوجہِ تصویر نہ ہو بلکہ اور سبب سے جیسے روپے کو سنبھال کر رکھنا زمین پر پھینک نہ دینا کہ یہ بوجہِ تصویر نہیں بلکہ بہ سببِ مال، اگر سکہ میں تصویر نہ ہوتی جب بھی وہ ایسی ہی احتیاط سے رکھا جاتا، یہ بحالِ ضرورت جائز ہے جس طرح روپے میں کہ تکریمِ تصویر مقصود نہیں اور بے تصویر کا یہاں چلنا نہیں اور اس پر سے تصویر مٹائیں تو چلے گا نہیں **الضرورات تبیح المحظورات** (ضرورتیں ممنوع کاموں کو مباح کردیتی ہیں۔ت) یونہیں اسٹامپ کی تصویریں اور ڈاک کے ٹکٹ، اگر ان کی تصویریں ایسی چھوٹی نہ ہوں کہ زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھنے سے تفصیلِ اَعضا ظاہر نہ ہو جیسے اشرفی، مہر، اس کے رکھنے کا ویسے ہی جواز ہے کہ اس کی تصویریں ایسی ہی چھوٹی ہیں اور بلا ضرورت داخلِ کراہت کہ اگرچہ ترکِ اہانت دوسری وجہ سے ہے مگر لازم تو تصویر کی نسبت بھی آیا حالانکہ ہمیں اس کی اہانت کا حکم ہے۔

تو ترکِ اہانت میں ترکِ حکم ہے اور ضرورت نہیں کہ حکمِ جواز لائے، چاقو وغیرہ پر جو تصویریں ہوتی ہیں اسی حکم میں داخل ہیں اگر بڑی ہوں تو انہیں مٹادے یا کاغذ وغیرہ لگادے ورنہ مکروہ ہے۔ یہ بھی اس وقت کے رکھنے والے کو اس شے سے کام ہو تصویر مقصود نہ ہو ورنہ صورتِ سوم میں داخل ہوگا۔

سوم : ترکِ اِہانت بوجہِ تصویر ہی ہو مگر تصویر کی خاص تعظیم مقصود نہ ہو جیسے جہال زینت وآرائش کے خیال سے دیواروں پر تصویریں لگاتے ہیں یہ حرام ہے اور مانعِ ملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام کہ خود صورت ہی کا اکرام مقصود ہوا اگرچہ اسے معظم وقابلِ احترام نہ مانا۔

چہارم: صرف ترکِ اہانت نہ ہو بلکہ بالقصد تصویر کی عظمت وحرمت کرنا، اسے معظم دینی سمجھنا، اسے تعظیماً بوسہ دینا، سر پر رکھنا، آنکھوں سے لگانا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کے لائے جانے پر قیام کرنا، اسے دیکھ کر سر جھکانا وغیر ذٰلک اَفعالِ تعظیم بجالانا یہ سب سے اَخبث اور قطعاً یقیناً اجماعاً اَشد حرام وسخت کبیرہ ملعونہ ہے اور صریح کھلی بت پرستی سے ایک ہی قدم پیچھے ہے اسے کوئی مسلمان کسی حال میں حلال نہیں کہہ سکتا اگرچہ لاکھ مقطوع یا صغیر یا مستور ہو، یہ قیدیں سب صورتِ سوم تک تھیں قصداً تعظیمِ تصویر ذی روح کی حرمتِ شدیدہ عظیمہ میں نہ کوئی تقیید ہے نہ کسی مسلمان کا خلاف متصور بلکہ قریب ہے کہ اس کی حرمتِ شدیدہ اس ملتِ حنفیہ کے ضروریات سے ہو تو اس کا اِستحسان بلکہ صرف اِستحلال یعنی جائز جاننا ہی سخت امرِ عظیم کا خطرہ رکھتا ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اور اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت) صورتِ مذکورہ سوال یہی صورتِ چہارم ہے کہ اسے تبرک کے طور پر رکھنا اس کے سبب نزولِ برکت جاننا اسے برزخ ٹھہرانا رب عزوجل تک وصول کا ذریعہ بنانا یہ سب وہی سخت اَشد کبیرہ ہے اور عادۃً اس

حالت میں اس کے ساتھ وہی اَفعالِ تعظیم بجالائیں گے جن کے حلال جانے پر تجدیدِ اسلام مناسب ہے۔ص640

جانوروں کا لڑانا مطلقاً ناجائز و گناہ ہے

لڑانا مطلقاً ناجائز و گناہ ہے کہ بے سبب اِیذائے بے گناہ ہے حدیثِ صحیح میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جانوروں کو (لڑائی پر) اُکسانے اور آمادہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)۔ص643

بٹیر بازی، مرغبازی اور اسی طرح ہر جانور کا لڑانا جیسے لوگ مینڈھے لڑاتے ہیں لعل لڑاتے ہیں یہاں تک کہ حرام جانوروں مثلاً ہاتھیوں ریچھوں کا لڑانا بھی سب مطلقاً حرام ہے کہ بلاوجہ بے زبانوں کو ایذا ہے۔ص655

جانور مثلِ خروس و ماکیان و کبوتر پالنا

جانورانِ خانگی مثلِ خروس و ماکیان و کبوترِ اہلی وغیرہا کا پالنا بلاشبہ جائز ہے جبکہ انہیں ایذا سے بچائے اور آب و دانہ کی کافی خبر گیری رکھے۔ خود حدیث میں مُرغ سپید پالنے کی ترغیب ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مرغ نماز کے لئے اذان دیتا ہے جس کسی نے سفید مُرغ پالا وہ تین آفتوں سے محفوظ ہوگیا (1) شیطان کے شر سے (2) جادوگر کے شر سے (3) کاہن کے شر سے۔

مگر خبر گیری کی یہ تاکید ہے کہ دن میں ستر دفعہ پانی دکھائے **کما ورد فی الحدیث** (جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ت) ورنہ پالنا اور بھوکا پیاسا رکھنا سخت گناہ ہے، رہا جانورانِ وحشی کا پالنا جیسے طوطی، مینا، لال، بلبل وغیرہا، عالمگیری میں قنیہ سے اس کی ممانعت نقل کی اگرچہ آب و دانہ میں تقصیر نہ کرے، مگر نصِ صریح حدیثِ صحیح و اقوالِ ائمۂ نقد و تنقیح سے صاف جواب و اِباحت مستفاد ہے جبکہ خبر گیری مذکور بروجہ کافی بجالائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص643

* شِکرا اور باز پالنا درست ہے۔ص654
* کبوتر پالنا جبکہ خالی دل بہلانے کے لئے ہو اور کسی امرِ ناجائز کی طرف مؤدّی نہ ہو جائز ہے اور اگر چھتوں پر چڑھ کر اُڑائے کہ مسلمانوں کی عورات پر نگاہ پڑے یا ان کے اُڑانے کو کنکریاں پھینکے جو کسی کا شیشہ توڑیں یا کسی کی آنکھ پھوڑیں یا کسی کا دم بڑھائے اور تماشا ہونے کے لئے دن بھر انہیں بھوکا اُڑائے جب اُترنا چاہیں نہ اُترنے دیں ایسا پالنا حرام ہے۔ص655

کتا پالنا حرام ہے

کتا پالنا حرام ہے، جس گھر میں کتا ہو اس گھر میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا، روز اس شخص کی نیکیاں گھٹتی ہیں، تو صرف دو قسم کے کتے اجازت میں رہے ایک شکاری جسے کھانے یا دوا وغیرہ منافعِ صحیحہ کے لئے شکار کی حاجت ہو، نہ شکارِ تفریح کہ وہ خود حرام ہے، دوسرا وہ کتا جو گلے یا کھیتی یا گھر کی حفاظت کے لئے پالا جائے اور حفاظت کی سچی حاجت ہو، ورنہ اگر مکان میں کچھ نہیں کہ چور لیں یا مکان محفوظ جگہ ہے کہ چور کا اندیشہ نہیں، غرض جہاں یہ اپنے دل سے خوب جانتا ہو کہ حفاظت کا بہانہ ہے اصل میں کتے کا شوق ہے وہاں جائز نہیں، آخر آس پاس کے گھر والے بھی اپنی حفاظت ضروری سمجھتے ہیں اگر بے کتے کے حفاظت نہ ہوتی تو وہ بھی پالتے، خلاصہ یہ کہ اللہ تعالٰی کے حکم میں حیلہ نہ نکالے کہ وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص657

آدمی، بیل اور بکرے، گھوڑے کو خصّی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

تحقیق یہ ہے کہ اگر جانور کے خصی کرنے میں واقعی کوئی منفعت یا دفعِ مضرت مقصود ہو تو مطلقاً حلال ہے اگرچہ جانور غیرِ ماکولُ اللحم ہو مثلاً بلی وغیرہ ورنہ حرام ہے، اسی اصل کی بناء پر ہمارے علماء گھوڑے کو خصی کرنا بھی جائز جانتے ہیں جبکہ مقصود دفعِ شرارت ہو اگرچہ بعض منع فرماتے ہیں۔ (اس لئے کہ اس میں آلۂ جہاد کی تقلیل ہے، میں کہتا ہوں کہ موجود معدوم نہیں ہوتا اور موہوم کا اعتبار نہیں ہوتا کیا تم نہیں دیکھتے کہ لونڈی سے "عزل" علی الاطلاق جائز ہے جبکہ آزاد عورت سے اس کی اجازت پر موقوف ہے بخلاف (گھوڑا) کھانے کے کہ اس میں موجود کو معدوم کرنا ہے۔ (ت)

ہاں آدمی کا خصی کرنا بالاجماع مطلقاً حرام ہے۔ ص653

سانپ کو مارنا

بالجملہ قتل سانپ کا مستحب اور سپید اور ساکنِ بیوتِ مدینہ کا سِوا ذوالطفیتین اورابتر کے بے انذار و تحذیر کے ممنوع ہے مگر طحاوی کے نزدیک بے اِنذار میں بھی کچھ حرج نہیں اور اِنذار اَولیٰ ہے۔ ص652

اور طریقے اِنذار و تحذیر کے مختلف ہیں۔

ایک: یہ کہ یوں کہا جائے میں تم کو قسم دلاتا ہوں اس عہد کی جو تم سے سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے لیا کہ ہمیں اِیذا مت دو اور ہمارے سامنے ظاہر مت ہو۔

دوسرے: یہ کہ اس طرح کہا جائے ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں بوسیلہ عہدِ نوح وعہدِ سلیمان ابن داؤد علیہم السلام کے کہ ہمیں اِیذا مت دے۔

تیسرے: یہ کہ میں تمہیں قسم دلاتا ہوں اس عہد کی جو تم سے نوح علیہ السلام نے لیا میں تمہیں قسم دلاتا ہوں اس عہد کی جو تم سے سلیمان علیہ السلام نے لیا کہ اِیذا مت دو۔

چوتھے: یہ کہ لوٹ جا خدا کے حکم سے۔

پانچویں: یہ کہ مسلمان کی راہ چھوڑ دے۔ ص651

شکار درست ہے یا نہیں؟

یہ ضرور ہے کہ شکار غذا و دوا یا کسی نفع صحیح کی غرض سے ہو، محض تفریح ولہو ولعب نہ ہو، ورنہ حرام ہے، یہ گنہگار ہو گا۔ ص654

بلی یا کتا وغیرہ آدمیوں کی چیز کا نقصان کرتے ہوں یا کاٹ کھاتے ہوں تو ان کا مار ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کاٹتے ہوں تو درست ہے قتل ان کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص659

(۱) کنکیا اگر آکر گھر پر گر جائے اور معلوم نہ ہو کہ کس کی ہے لے لینے سے گناہ تو نہیں؟

(۲) کنکیا (پتنگ) اُڑانا گناہ ہے یا نہیں؟

(۳) بلی تکلیف دیتی ہوتو اس کو بستی میں چھڑوانا گناہ تو نہیں ہے؟

الجواب: (۱) کنکیا لُوٹنا حرام، اور خود آ کر گر جائے تو اسے پھاڑ ڈالے، اور اگر معلوم نہ ہو کہ کس کی ہے تو ڈور کسی مسکین کو دے دے کہ وہ کسی جائز کام میں صَرف کرلے، اور خود مسکین ہو تو اپنے صرف میں لائے، پھر جب معلوم ہو کہ فلاں مسلم کی ہے اور وہ اس تَصَدُّق یا اس مسکین کے اپنے صرف پر راضی نہ ہو تو دینی آئے گی اور کنکیا کا معاوضہ بہر حال کچھ نہیں۔

(۲) کنکیا اُڑانا منع ہے اور لڑانا گناہ۔

(۳) بلی اگر اِیذا دیتی ہو تو اسے باہر چھوڑ دینے میں حرج نہیں اور تیز چھری سے ذبح بھی کر سکتے ہیں مگر چھڑوانا ایسی جگہ جائز نہیں جہاں سے وہ اپنے کسی رزق تک نہ پہنچ سکے۔ص660

نام رکھنے کا بیان

طحطاوی علی الدُر میں ہے: ناموں کی ایک قسم کفار سے مختص ہے جیسے جرجس، پطرس اور یوحنا وغیرہ لہٰذا اس نوع کے نام مسلمانوں کے لئے رکھنے جائز نہیں کیونکہ اس میں کفار سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ (ت) ص663

اپنے نام کے آگے صدیقی، لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر نسبت صحیح ہے جائز ورنہ حرام۔ص664

زید اپنے نام کے ساتھ اسرائیلی لکھتا ہے جس طرح اور لوگ قریشی صدیقی چشتی وغیرہ لکھتے ہیں کیا لفظ اسرائیلی ایک حنفی المذہب شخص کے لئے صرف نسبت ظاہر کرنے کو جائز ہوتا ہے؟

اسرائیل سیدنا یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام کا نام مبارک ہے، زید اگر نسباً بنی اسرائیل سے ہے تو اس کا اپنے آپ کو اسرائیلی کہنا بجا ہے اور اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں البتہ اب یہ لفظ مسلمانوں میں اجنبی سا ہو گیا ہے لوگ اسرائیلی کو محمدی کے مقابل سمجھتے ہیں اور اَجلہ اکابر کے کلام پاک میں یہ مقابلہ آیا ہے، حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ٹھہر جایئے اے اسرائیلی! ذرا محمدی نسبت رکھنے والے (یعنی ایک مسلمان محمدی) کا کلام سن لیجئے (ت) نسبت نسب ومذہب دونوں اعتبار سے ہوتی ہے اور یہاں بحسبِ نسب یہ نسبت بہت کم مسموع، لہٰذا عوام مسلمین اسے سن کر چونکتے ہیں اور بلاضرورت ایسی بات پر اِقدام شرع مطہر کو پسند نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **بشّروا ولا تنفّروا** (لوگو!) خوشخبری سنایا کرو لہٰذا ایک دوسرے کو نفرت نہ دلایا کرو (ت) دوسری حدیث میں ہے: **ایاك وما یسوء الاذن**۔ اس سے بچو جو کانوں کو بری لگے (یعنی غیبت سے بچو) (ت) لہٰذا اپنے نام کے ساتھ یہ نسبت لکھنی نامناسب وقابلِ ترک ہے مگر گناہ وحرام اب بھی نہیں۔ص664

* ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مملوک جانے، تمام عالم ہی ان کے رب عزوجل کی عطا سے ان کی مِلک ہے۔ص666

عبدالنبی نام رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

اپنا لقب عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ رکھنا عین سعادت ہے۔ص667

توصیفاً بلا شبہ جائز اور اجلہ صحابہ سے ثابت، کراہت کے بعض متاخرین نے لکھی جانبِ تسمیہ راجح ہے، علامہ عابد سندی مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طوالع الانوار میں اور حاشیہ درِمختار میں عبدالنبی وعبدالرسول کا جواز بہت احادیث سے ثابت کیا ہے۔ص669

* اپنے آپ کو عبدالنبی کہنا جائز ہے مگر نام عبداللہ رکھا جائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص672

نام تبدیل کرنا

احادیثِ صحیحہ کثیرہ سے ثابت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بکثرت اسماء جن کے معنی اصلی کے لحاظ سے کوئی برائی تھی تبدیل فرمادیئے۔ سنن ابی داؤد میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عاصی وعزیز وعتلہ وشیطان وحکم وغراب وحباب وشہاب نام تبدیل فرمادیئے، اصرم کا نام بدل کر زرعہ رکھا، عاصیہ کا نام جمیلہ رکھا **رواہ مسلم**، بَرَّہ کا نام زینب رکھا اور فرمایا **:لاتزکوا انفسکم اللہ اعلم باھل البر منکم۔ رواہ مسلم عن زینب بنت ابی سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما**۔ اپنی جانوں کو آپ اچھا نہ بتاؤ خدا خوب جانتا ہے کہ تم میں نیکوکار کون ہے۔ برہ کے معنی تھے زنِ نیکوکار، اسے خودستائی بتا کر تبدیل فرمایا۔ص678

محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد نام رکھنا حرام اور نبی جان نام رکھنا نامناسب ہے

محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر بے شمار درودیں، یہ الفاظِ کریمہ حضور ہی پر صادق اور حضور ہی کو زیبا ہیں، **افضل صلوات اللہ واجل تسلیمات اللہ علیہ وعلی آلہٖ**۔ دوسرے کے یہ نام رکھنا حرام ہیں کہ ان میں حقیقۃً ادعائے نبوت نہ ہونا مسلّم ورنہ خالص کفر ہوتا، مگر صورتِ اِدعاء ضرور ہے اور وہ بھی یقیناً حرام ومحظور ہے۔

اور یہ زعم کہ اَعلام میں معنی اول ملحوظ نہیں ہوتے، نہ شرعاً مسلّم نہ عرفاً مقبول، معنی اَول مراد نہ ہونے میں شک نہیں مگر نظر سے محض ساقط ہونا بھی غلط ہے، اگر اصلی معنی بالکل ساقطُ النظر ہیں تو فلاں نام اچھا فلاں برا ہونے کے کیا معنی، اور تبدیل کی کیا وجہ، اور خودستائی کہاں، مسمّٰی پر دلالت کرنے میں سب یکساں، معہذا انہیں لوگوں سے پوچھ دیکھئے کیا اپنی اولاد کا نام شیطان ملعون، رافضی خبیث، خوک (سور) وغیرہ رکھنا گوارا کریں گے؟ ہرگز نہیں تو قطعاً معنی اصلی کی طرف لحاظ باقی ہے پھر کس منہ سے اپنے آپ اور اپنی اولاد کو نبی کہتے اور کہلواتے ہیں، کیا کوئی مسلمان اپنا یا اپنے بیٹے کا رسول اللہ یا خاتم النبیین یاسیدُ المرسلین نام رکھنا روا رکھے گا؟ حاشا وکلا، پھر محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد کیونکر روا ہوگیا، یہاں تک کہ بعض خدا ناترسوں کا نام ''نبی اللہ'' سنا ہے، **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم**، کیا رسالت وختمِ نبوت کا اِدعا حرام ہے اور نری نبوت کا حلال، مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسے نِاموں کو تبدیل کردیں، عجب نہیں کہ ایسی علیل تاویل ذلیل تخییل والے شُدہ شدہ اللہ عزوجل یااِلٰہ العالمین نام رکھنے لگیں کہ آخرعلَم میں اصلی معنی تو ملحوظ نہیں **والعیاذ باللہ رب العالمین** (اللہ تعالیٰ کی پناہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ت) اور نہ

بھی رکھیں تو اس نام رکھنے کا جواز تو انہیں خواہی نخواہی ماننا ہوگا، جو تقریر ''محمد نبی'' کے جواز میں گھڑیں گے بعینہٖ وہی ''اللہ عزوجل'' نام رکھنے کے جواز میں جاری ہوگی، اصلی معنی وہاں مراد نہیں تو یہاں بھی نہیں وہ بے لحاظِ معنی تبرکاً کیوں نہ جائز ہوگا آخر نام الٰہی میں نامِ نبی سے زیادہ ہی برکت ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ''نبی جان'' نام رکھنا نامناسب ہے اگر جان ایک کلمہ جداگانہ بنظرِ محبت زیادہ کیا ہوا جانیں جیسا کہ غالب یہی ہے جب تو ظاہر کہ ظاہر ادعائے نبوت ہوا اور اگر ترکیبِ مقلوب سمجھیں یعنی ''جانِ نبی'' تو یہ تزکیہ خودستائی میں ''برّہ'' سے ہزار درجے زائد ہوا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پسند نہ فرمایا یہ کیونکر پسند ہوسکتا ہے یہاں تبدیل میں کچھ بہت حرج بھی نہیں ایک ''ہ'' بڑھانے میں گناہ سے بچ جائے گا اور اچھا خاصہ جائز نام پائے گا۔ محمد نبیہ، احمد نبیہ، نبیہ احمد، نبیہ جان کہا اور لکھا کیجئے۔ نَبِیْہ بمعنی بیدار ہوشیار ہے۔ ص 677 تا 680

یٰسین وطٰہٰ اور غفورُ الدین نام رکھنا منع ہے

یونہی یٰسین وطٰہٰ نام رکھنا منع ہے کہ اس اسمائے الٰہیہ واسمائے مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے نام ہیں جن کے معنی معلوم نہیں، کیا عجب کہ ان کے وہ معنی ہوں جو غیرِ خدا اور رسول میں صادق نہ آسکیں تو ان سے اِحتراز لازم، جس طرح نامعلوم المعنی رقیہ منتر جائز نہیں ہوتا کہ مبادا کسی شرک وضلال پر مشتمل ہو۔ لفظ پاک ''محمد'' ان میں شامل کر دینا ممانعت کی تلافی نہ کرے گا کہ یٰس وطٰہٰ اب بھی نامعلوم المعنی ہی رہے اگر وہ معنی مخصوص بذاتِ اقدس ہوئے تو محمد ملانا ایسا ہوگا کہ کسی کا نام ''رسول اللہ'' نہ رکھا ''محمد رسول اللہ'' رکھا یہ کب حلال ہوسکتا ہے۔ یوں ہی ''غفورالدین'' بھی سخت قبیح وشنیع ہے، ''غفور'' کے معنی مٹانے والا، اللہ عزوجل غفورِ ذنوب ہے یعنی اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے ذنوب مٹا تا عیوب چھپاتا ہے، تو غفورالدین کے معنی ہوئے دین کا مٹانے والا۔ ص 680

قبیح نام کے ساتھ حسبِ رواج نامِ پاک محمد ملا کر لکھنا گستاخی ہے

اور ایک سخت آفت یہ ہوتی ہے کہ ایسے قبیح نام والے اپنے نام کے ساتھ حسبِ رواج نامِ پاک محمد ملا کر لکھتے، کہتے اور اسی کی اوروں سے طمع رکھتے ہیں، اگر کوئی خالی ان کا نام بے نامِ اقدس لکھے تو گویا اپنی حقارت جانتے اور آدھا نام لینا سمجھتے ہیں، حالانکہ ایسے برے معنٰی کے ساتھ اس نامِ پاک کا ملانا خود اس نامِ کریم کے ساتھ گستاخی ہے۔ یہ نکتہ ہمیشہ یادرہے کہ ان امور کی طرف اسی کو اِلتفات وتنبہ عطا فرماتے ہیں جسے ایمان وادب سے حصہ وافیہ بخشتے ہیں، وللہ الحمد، اسی بناء پر فقیر کبھی جائز نہیں رکھتا کہ کلب علی، کلب حسین، کلب حسن، غلام علی، غلام حسین، ، غلام حسن، نثار حسین، فدا حسین، قربان حسین، غلام جیلانی وامثال ذٰلک کے اسماء کے ساتھ نام پاک ملا کر کہا جائے، اللّٰھم ارزقنا حسن الادب ونجنا من مورثات الغضب، اٰمین (اے اللہ! ہمیں حسنِ ادب سے نواز اور اسبابِ غضب سے بچا۔ آمین۔ ت) ص 683

وہ تمام نام جن میں مسمّٰی کا معظَّم فی الدّین بلکہ معظم علی الدّین ہونا نکلے مکروہ وممنوع ہیں

نظام الدین، محی الدین، تاج الدین اور اسی طرح وہ تمام نام جن میں مسمّٰی کا معظم فی الدین بلکہ معظم علی الدین ہونا نکلے جیسے شمس الدین، بدرالدین، نورالدین، فخرالدین، شمس الاسلام، بدرالاسلام وغیرذٰلک، سب کو علماء اسلام نے سخت ناپسند رکھا

اور مکروہ وممنوع رکھا، اکابرِ دین قدست اسرارھم کہ امثال اسلامی سے مشہور ہیں، یہ ان کے نام نہیں اَلقاب ہیں کہ ان مقاماتِ رفیعہ تک وصول کے بعد مسلمین نے (توصیفاً) انہیں ان لقبوں سے یاد کیا، جیسے شمس الائمہ حلوائی، فخر الاسلام بزدوی، تاج الشریعۃ، صدر الشریعۃ، یونہی محی الحق والدین حضور پُرنُور سیدنا غوث اعظم معین الحق والدین حضرت خواجہ غریب نواز۔ص683

حدیث سے ثابت کہ محبوبانِ خدا انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء کے اسمائے طیبہ پر نام رکھنا مستحب ہے جبکہ ان کے مخصوصات سے نہ ہو۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: انبیاء کے ناموں پر نام رکھو۔ص685

محمد واحمد ناموں کے فضائل

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: **من ولد له مولود فسماه محمدا حبا لی وتبركا باسمی كان هو ومولوده فی الجنة**۔ جس کے لڑکا پیدا ہوا اور وہ میری محبت اور میرے نامِ پاک سے تبرک کے لئے اس کا نام محمد رکھے وہ اور اس کا لڑکا دونوں بہشت میں جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: **ما اطعم طعام علی مائدة ولاجلس علیها وفیها اسمی الا قُدِّسُوا كل یوم مرتین** جس دسترخوان پر لوگ بیٹھ کر کھانا کھائیں اور ان میں کوئی محمد یا احمد نام کا ہو وہ لوگ ہر روز دوبار مقدس کئے جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ماضر احد كم لو كان فی بیته محمد و محمدان و ثلثة**۔ تم میں کسی کا کیا نقصان ہے اگر اس کے گھر میں ایک محمد یا دو محمد یا تین محمد ہوں۔ص686

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے اپنے سب بیٹوں بھتیجوں کا عقیقے میں صرف محمد نام رکھا

ولہٰذا فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے اپنے سب بیٹوں بھتیجوں کا عقیقے میں صرف محمد نام رکھا پھر نامِ اقدس کے حفظِ آداب اور باہم تمیز کے لئے عرف جدا مقرر کئے بحمد اللہ تعالیٰ فقیر کے پانچ محمد اب موجود ہیں۔ص689

ابوشعیب حرانی نے امام عطا (تابعی) سے روایت کی: جو چاہے کہ اس کی عورت کے حمل میں لڑکا ہو اسے چاہئے اپنا ہاتھ عورت کے پیٹ پر رکھ کر کہے: اگر لڑکا ہے تو میں نے اس کا نام محمد رکھا۔ ان شاء اللہ العزیز لڑکا ہی ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ صرف محمد یا احمد نام رکھے اس کے ساتھ جان وغیرہ اور کوئی لفظ نہ ملائے کہ فضائل تنہا انہیں اسمائے مبارکہ کے وارد ہوئے ہیں۔ص690

غلام علی، غلام حسین، غلام غوث، غلام جیلانی اور ان کے امثال تمام نام جن میں اسمائے محبانِ خدا کی طرف اضافتِ لفظِ غلام ہوں سب کا جواز بھی قطعاً بدیہی ہے۔

مزہ یہ ہے کہ لفظِ غلام کی اسمائے الٰہیہ جَلَّ وَعَلَا کی طرف اضافت خود ممنوع ہے اللہ کا غلام نہ کہا جائے گا، غلام کے معنی حقیقی پِسَر ہیں، ولہٰذا عبید کو شفقۃً عربی میں ''غلام'' اردو میں ''چھوکرا'' کہتے ہیں۔ص691

خط و کتاب

کسی کے نام کا لفافہ (خط) چاک کر کے اس کو سرسری نگاہ سے دیکھنا کیسا؟

حدیث میں ہے حضور پُرنُور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو اپنے بھائی کا خط بے اس کی اجازت کے دیکھے وہ بلاشبہہ آگ دیکھ رہا ہے۔

علماء فرماتے ہیں خط کاتب کی مِلک ہے یہاں تک کہ اگر وہ لکھے کہ اس پر جواب لکھ دے تو خود مکتوب الیہ کو اس میں تصرف جائز نہیں مالک کو واپس دینا لازم، واپس نہ چاہے تو بحکمِ عرف مکتوب الیہ مالک ہوجائے گا۔

یہاں کہ خط مکتوب الیہ کے ہاتھ میں پہنچنے ہی نہ پایا بلاشبہہ مِلکِ کاتب پر باقی رہا، بے اس کے اذن کے لفافہ چاک کرنا مِلکِ غیر میں تصرفِ ناجائز ہوا کہ شرعاً حرام ہے، حدیث وفقہ کا حکم تو یہ ہے، باقی رہے اس کے بیہودہ عذرات جن کی بنا پر وہ نہ صرف اپنی برأت بلکہ اُلٹا ماجوری کا متمنی ہے بدتر از گناہ ہیں واپسی میں ضائع ہونے کا اندیشہ تھا تو یہ کاتب تھا مکتوب الیہ تھا کون تھا رکھنا واپس کرنا اس سے کیا متعلق تھا اس کے پاس لفافہ پڑھنے کو آیا تھا پڑھ کرلانے والے کو دے دیتا جو مطالبہ ہوتا اس کے ذمہ ہوتا اسے مداخلتِ بیجا کا کس نے حکم دیا تھا ایسی ہی خیر اندیشی مدِنظر تھی تو خط محفوظ رہنے کی ہدایت کر کے کاتب کو اطلاع دی ہوتی وہ جو کہتا اس پر عمل کیا جاتا نہ یہ غصب وخیانت کہ مِلکِ غیر چاک نامۂ غیر میں نظرِ بیباک یعنی زید نے ایک بکری عمرو کو ہدیۃً بھیجی، عمرو مرچکا تھا لانے والا بکر کے پاس لایا یہاں جنگل میں شام ہوگئی واپس کرنے میں اندیشۂ تلف تھا بکر نے بکری براہِ خیر اندیشی وہیں ذبح کر کے چکھ لی، یہ خیال کہ شاید کوئی امرِ ضروری مفیدِ کاتب یا مکتوب الیہا ہو یہ خیال نہ کیا کہ شاید کوئی امر راز کا ہو جس پر اطلاع میں ان کی مضرت ہو پرائے مکان میں بے استیذان جانا شرع نے احتمالِ ضرر کے سبب حرام فرمایا اور احتمالِ نفی کی بنا پر اجازت نہ دی یہ خیالات سب مناقضِ شرح محض وسوسۂ شیطانی تھے کہ معصیت پر باعث ہوئے سرسری نگاہ سے دیکھنا بھی دیکھنا ہے آخر اس سے مضمون پر اطلاع پائی تو یہ کیا عذر ہوسکتا ہے، جیسے کسی کے دروازہ میں سے جھانکے اور کہے ہم نے بغور تو نہیں دیکھا۔ اسی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس حالت میں اس کی آنکھیں پھوڑ دیں تو کچھ الزام نہیں۔

انصاف سے دیکھئے تو لفافہ چاک کر کے خط پڑھنا بھی ایک قسم کا پردہ کھول کر نگاہ کرنا ہے اور فقط ابتدائی مضمون دیکھا پورا نہ پڑھا یعنی دروازہ ہی میں سے جھانکا سارا مکان کب نظر پڑا اور طرفہ یہ کہ چاک شدہ بے بند کئے واپس کیا، شاید اسے بھی دلیلِ نیک نیتی ٹھہرا دیا جاتا کہ فریب ہوتا تو بند کر دیا جاتا کیا بند کرنے میں گناہ تھا جو اس سے باز رہنا وجہِ برأت ہوا یعنی مکانِ غیر میں بے اجازت قُفل توڑ کر جایئے اور نیک نیتی کا ثبوت یہ کہ ہم نے دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا، طرہ یہ کہ خطِ زید بنامِ عَمرو بکر نے دیکھا اور خالد کو بھیج دیا گویا خود مالکِ خط تھا کہ جو چاہا کیا جب سارا خط نہ دیکھا تھا تو کیا معلوم شاید اس میں کوئی مضمون خالد کے خلاف ہی ہوتا اس کا مطلع ہونا ان مسلمانوں کے ضرر کا سبب ہوتا، غرض یہ سب حرکات عقل وشرع دونوں کے خلاف تھیں **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔** ص710

کمیٹی میں بدمذہب کو شامل کرنے کا حکم

سنی بھائیوں کو چاہئے کہ اپنے دین کی قدر کریں اور بدمذہب کو رُکنیت سے فوراً جدا کردیں اللہ فرما چکا کہ وہ تمہاری بھلائی کبھی نہ چاہیں گے جہاں تک بن پڑے نقصان ہی پہنچائیں گے قرآن وحدیث کے مقابل یہ جاہلانہ خیال نہ کریں کہ ۹۴ سنیوں میں ایک بدمذہبی کیا اثر کرے گی، دیکھو چورانوے قطرے گلاب ہو اور ایک بوند پیشاب ڈال دو سب پیشاب ہو جائے گا، اہلِ مجلس ان احکامِ شرعیہ کا اتباع کریں اور مجلس کو خالص اہلسنت کی کرلیں اور اگر اپنی بیجا ہٹ پر قائم رہیں تو شرعی احکام سن چکے کہ وہ دینِ اسلام کے ڈھادینے پر مدد دیتے ہیں اور جو کچھ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اُترا اس کی تحقیر کرتے ہیں۔ ص718

جلد نمبر 25

کتابُ المداینات (مداینات کا بیان)

گاڑی کا کرایہ دینا یاد نہ رہا تو؟

اسٹیشن پر جانے والی گاڑیاں اگر کوئی مانع قوی نہ ہو تو ہر گاڑی کہ آمد و رفت پر ضرور آتی جاتی ہیں، اگر زید اسٹیشن پر تلاش کرتا ملنا آسان تھا اب بھی خود یا بذریعہ کسی متدیّن معتمد کے تلاش کرائے اگر ملے دے دیئے جائیں، ورنہ جب یاس و نا اُمیدی ہو جائے اس کی طرف سے تصدّق کر دے اگر پھر کبھی وہ ملے اور اس تصدّق پر راضی نہ ہوا سے اپنے پاس سے دے، جیسا کہ لقطہ اور دیگر گری پڑی اشیاء کا حال ہوتا ہے۔ (ت)۔ص55

کافر کے کون سے عذاب میں تخفیف ہو سکتی ہے

جزاءِ کفر تخلید فی النار والعذاب ہے اس میں تخفیف اِمکانِ شرعی نہیں رکھتی، **فان التخفیف فی التابید ابطال له رأسا وفیه تبدیل القول وهو محال**۔ ہمیشگی میں تخفیف اس کا اِبطال ہے اور اس میں قولِ باری تعالیٰ کی تبدیلی لازم آتی ہے جو کہ محال ہے۔ (ت) باقی بالائی عذابوں ہولوں میں حسبِ ارادۂ الٰہیہ تخفیف سے کوئی مانع نہیں۔ص63

* **ہمارے نزدیک کفر کے سوا کسی گناہ کا عذاب ضروری الوقوع نہیں۔ص67**
* **کافر اَصلاً اہلِ ثواب نہیں۔ص54**

کتابُ الاشربه (اشربہ کا بیان)

بضرورت دوا قلیل المقدار افیون کا حکم

بضرورتِ دوا قلیل المقدار افیون کہ اس قدر سے نشہ و سرور یا عقل و حواس میں تغیر و فتور اَصلاً نہ پیدا ہو استعمال کرنا جائز ہے اور شوق کی راہ سے بطورِ مشغلہ کھانا جس طرح عام کھانے والے اپنے پیچھے لت لگا لیتے ہیں مطلقاً جائز نہیں اگر چہ نشہ نہ کرے اگر چہ بوجہ اپنی قلت کے اس قابل ہی نہ ہو، کھانے والے کی خاص نیت سے خدا کو خبر ہے بعض دوا کا نرا بہانہ ہی کرتے ہیں، انہیں مفتی کا فتوٰی نفع نہ دے گا۔ اور اس خبیث چیز کی بدخو ہے کہ چند روز میں گھر کر لیتی ہے اور پھر چھڑائے نہیں چھوٹتی اور بتدریج پاؤں پھیلاتی ہے یہاں تک کہ تھوڑی مدت میں آدمی کو خاصا اَفیونی کر لیتی ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ، اَطبّاء لکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کھانے سے باطن کی جھلّیوں میں سوراخ ہو جاتے ہیں اس کے سوا دوسری کسی بلا سے نہیں بھرتے ناچار عادت ڈالنی پڑتی ہے **کما نقله العلامة الشامی عن تذکرة داؤد الانطاکی** (جیسا کہ علامہ شامی نے داؤد انطاکی کے تذکرہ سے اس کو نقل کیا ہے۔ت) حتی الامکان بچے اور اگر ایسی ہی ضرورتِ شدیدہ ہو تو خالی کھانے سے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مرض کے مناسب کسی

نسخہ میں اتنا جُوشریک کرلیں کہ ایک دن کی قدر شربت میں بہت قلیل مقدار آئے جس پر نشہ وغیرہ کا گمان نہ ہو اس تقدیر پر اس کی صورت بھی اہلِ لہو کی مستعمل صورت سے جدا ہوجائے گی اور موضعِ تہمت پر وقوف بھی نہ ہوگا۔ص 77

نشہ آور مائعات اور جامدات یعنی ٹھوس اشیاء کا حکم

قولِ منصور و مختار میں تاڑی وغیرہ ہر مسکر پانی کا قطرہ قطرہ مثلِ شراب حرام و ناروا ہے اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح مطلقاً نجاستِ غلیظہ ہے، یہی مذہب معتمد اور اسی پر فتوی ہے۔ص 108

خمر کی حرمت قطعیہ بلکہ ضروریاتِ دین سے ہے اس کے ایک قطرہ کی حرمت کا منکر قطعاً کافر ہے باقی مسکرات میں یہ حکم نہیں، ہاں بنگ وغیرہ کسی چیز سے نشہ کی حرمت کا منکر گمراہ و مخالفِ اجماع ہے شراب کی حرمت بعینہا ہے اور بنگ کی حرمت بعلتِ اِسکار ہے نشہ بازی بنگ یا افیون کسی بلا سے ہو مطلقاً کبیرہ ہے، شراب کسی طرح کی ہو صرف حرام ہی نہیں بلکہ اس کی ایک ایک بوند نجس ناپاک ہے **ھو الصحیح وعلیہ الفتوی** (وہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ت) اور بنگ وافیون وغیرہما اشیاء جن کی خشکی میں بھی نشہ ہے ان کا مسکر ہونا ان کے مائع وسیال پانی کی مثل بہنے والی ہونے پر موقوف نہیں وہ نجس نہیں ان کا نشہ حرام ہے یہیں سے ظاہر ہوا کہ بنگ کے رنگ سے یا بنگ کپڑے میں بندھی ہو تو نماز جائز ہے وہ **کل مسکر حرام** میں داخل ہے **فانہا عرفیۃ عامۃ ای مادام مسکرا** (اس لئے کہ یہ عرفیہ عامہ ہے یعنی جب تک وہ نشہ آور ہے۔ت) مگر **ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام** (جس کا کثیر نشہ آور ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے) میں صرف مسکراتِ مائعہ مراد ہیں جن کا نشہ لانا ان کے سیال کرنے سے ہوتا ہے ورنہ مشک وعنبر وزعفران بھی مطلقاً حرام ونجس ہوجائیں کہ حد سے زیادہ ان کا کھانا بھی نشہ لاتا ہے یقیناً نشہ جبکہ مطلقاً اجماعاً حرامِ قطعی ہے شراب سے ہو خواہ بنگ وغیرہا کسی شیء خراب سے، تو شرابی کو بجائے شراب بنگ سے کمی تجویز محض جہالت ہے اور ضرور معصیت ہے، حرام کا کرنا اور رائے دینا دونوں حرام ہیں، دوسرے کو ایک حرام سے بچانے کے لئے خود بھی حرام کا ارتکاب اور اسے بھی دوسرے حرام میں ڈالنا کیا مقتضائے عقل ودیانت ہے۔

ردالمحتار میں ہے: خلاصہ یہ ہے کہ کثیر نشہ آور کی حرمت سے اس کے قلیل کی حرمت ونجاست مطلقاً لازم نہیں آتی سوائے مائعات یعنی بہنے والی اشیاء کے، اس معنی کی وجہ سے جو ان کے ساتھ خاص ہے، رہیں جامدات یعنی ٹھوس اشیاء تو ان میں سے صرف کثیر نشہ آور مقدار ہی حرام ہے اور اس کی حرمت سے اس کی نجاست لازم نہیں آتی۔ **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم** (ت)۔ص 207

نشہ کی چیزیں پینا جس سے نشہ بازوں کی مشابہت ہو اگرچہ نشہ تک نہ پہنچے یہ بھی گناہ ہے یہاں تک کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ خالص پانی دَورِ شراب کی طرح پینا بھی حرام ہے۔ص 213

مفتی نے پہلے حلال کا فتوی دیا پھر حرام کا تو؟

رہا زید اس کی دو حالتیں ہیں، وہ مولوی صاحب جس کے فتوی پر اس نے عمل کیا کوئی ایسا ہی نام کا مولوی تھا جب تو زید بھی ماخوذ و گنہگار رہے، **عوام کو یہ حکم ہے کہ علمائے معتمدین مفتیانِ مستندین کے فتوی پر عمل کریں نہ یہ کہ ہر کس وناکس سے پوچھ کر،** اور اگر وہ عالم معتمد تھا تو جب تک اس فعل کے حرام ہونے پر زید کو اطلاع نہ ہوئی اس کے لئے امیدِ آسانی ہے کہ اس نے ایک عالم معتمد کے فتوی پر عمل کیا وہ اسی قدر کرسکتا تھا **﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا﴾ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**۔ اللہ تعالٰی کسی

جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔ واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم (ت)۔ص244

کتابُ الوصایا (وصیتوں کا بیان)

یتیموں پر نہ باپ کا وصی ہو نہ حقیقی دادا نہ دادا کا وصی تو اُن کا حقیقی جوان بھائی وصی سمجھا جائے

ہمارے بلاد میں جبکہ یتیموں پر نہ باپ کا وصی ہو نہ حقیقی دادا نہ دادا کا وصی تو اُن کا حقیقی جوان بھائی اگر لائق وامین ہو مثلِ وصی سمجھا جائے گا، اور امانت و دیانت اور بچوں پر رحمت و شفقت کے ساتھ جن تصرفات کا شرعاً وصی کو اختیار ہوتا ہے اسے بھی ہوگا اگرچہ صراحتاً باپ نے اس کو وصی نہ بنایا ہو کہ یہاں عرفاً و دلالۃً وصایت ثابت ہے ہمارے بلاد میں عادتِ فاشیہ جاری ہے کے باپ کے بعد جوان بیٹے اموال و جائداد میں تصرف کرتے اور اپنے نابالغ بہن بھائیوں کی پرورش و خبر گیری میں مصروف رہتے ہیں لوگ اگر نابالغ بچوں کے ساتھ کوئی جوان بیٹا بھی رکھتے ہیں تو بے غم ہوتے ہیں کہ ہمارے بعد ان کا خبر گیراں موجود ہے اور صرف نابالغ ہی بچے ہوں تو محزون و پریشان ہوتے ہیں کہ سرپرستی کون کرے گا یہ عادتِ دائرہ سائرہ دلالۃً اِذنِ تعہد و تصرف ہے **والثابت عرفًا کالثابت شرطًا** (جو عرف کے اعتبار سے ثابت ہو وہ ایسے ہی جیسے شرع کے اعتبار سے ثابت ہو۔ت)۔ص334

حمل کے لئے وصیت میں شرط

حمل کے لئے وصیت میں شرط ہے کہ اس کا باپ زندہ ہے تو چھ مہینے کے اندر پیدا ہو، اور مر گیا یا طلاقِ بائن دے دی اور عورت عدت میں ہے تو دو برس کے اندر پیدا ہوا کہ اس وقت اس کا وجود ہویدا ہوا۔ص398

وصیت کی کہ مجھے میرے گھر میں دفن کریں باطل ہے کہ یہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے ساتھ مخصوص اور امت کے حق میں نامشروع ہے۔ص425

✻ فسّاق کے لئے وصیت مکروہ ہے اور باوجودِ کراہت صحیح۔ص425

باپ کا نابالغ اولاد کا مال اپنے صرف میں لانے کا شرعی حیلہ

مشترک مال تقسیم کرکے نابالغوں کا حصہ جُدا کرنے کا ان کے باپ کو مطلقاً اختیار ہوتا ہے اور ایسی تقسیم تو وصی کو بھی روا ہے کہ وارثانِ بالغین حاضرین کا حصہ جدا کرکے ان کو دے دے اور نابالغوں کے حصے بلاتقسیم الگ کرلے تو آپ کو بدرجہ اَولٰی جائز ہے کہ بچوں کے نانا کے ساتھ تقسیم کرکے بچوں کا حصہ جدا کرلیجئے نیز باپ کو جبکہ فاسق و فاسد نہ ہو جائز ہے کہ ان کے ایسے اموال بازار کے بھاؤ پر خود خرید لے بازار کے بھاؤ میں چیز کی اصل لاگت نہیں دیکھی جاتی بلکہ یہ اس حالتِ موجودہ پر بازار میں بیچیں تو کیا دام اُٹھیں گے، پہننے کے کپڑوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ نیا تازہ جوڑا اسی وقت بازار میں بیچئے تو ہرگز آدھے دام بھی نہیں لگتے نہ کہ استعمالی پہنے ہوئے نہ کہ ایسا مال جس کا بکنا دشوار اور رکھے رکھے بیکار ہوجانے کا اندیشہ اسے خرید لینے میں تو بچوں کا سراسر نفع ہے نیز اس کو روا ہے کہ بچوں کا مال قرضوں خرید لے یعنی قیمت فی الحال نہ دی جائے گی بلکہ اتنے دنوں کے وعدہ پر

مگر روپیہ بیع نہیں ہوسکتا ہاں باپ اپنی حاجتمندی کی حالت میں اس میں سے بقدرِ ضرورت خرچ کرسکتا ہے اوران کا روپیہ خود بطورِ قرض لے لینے کا بھی باپ کو اختیار ہے یا نہیں اس میں علماء مختلف ہیں بہت کتابیں جواز کی طرف ہیں باپ اگر دین دار متدین خداترس ہوتو اس کے لئے جواز پرفتوی دینے میں کچھ باک نہیں آپ بفضلہٖ تعالیٰ ان صفات کے جامع ہیں پھر جو کچھ ان کے مال سے قرض لیجئے یا قرضوں ایک میعادِ معین پر خرید یئے اس کا کاغذ لکھ دینا چاہئے کہ کسی وقت بچوں کو ضرر نہ پہنچے اوراس سب سے بہتر اور خالص بے دغدغہ یہ صورت ہے اگرممکن ہو کہ اس ترکہ میں نابالغوں کا جتنا حصہ ہے مثلاً اگر سب ترکہ نوسوروپے کی مالیت کا ہے تو بچوں کا حصہ سواپانسو روپے ہوا اس کے عوض اتنے یا اس سے کچھ خفیف زیادہ مالیت کی اپنی جائدادزمین یا مکان یادکان یا گاؤں میں سے بچوں کے نام بیع کردیجئے اور کاغذ لکھ دیجئے کہ باپ برابر قیمت کو بھی اپنا مال بچوں کے ہاتھ بیچ سکتا ہے یوں ترکہ میں جس قدراُن کا حصہ اورزیورواسباب میں ہے سب آپ کا ہوجائے گا جو چاہئے کیجئے پھر وہ جائداد کہ جو بچوں کے نام آپ بیچیں گے اس کے حفظ ونگہداشت وغور پرداخت وتحصیل وتصرف کا اختیار بھی بچوں کے بالغ ہونے تک آپ ہی کو ہوگا، اوراگر آپ کے پاس مال نہ ہوتو اس کی آمدنی سے آپ بقدرِ کفایت اپنے کھانے پہننے کا بھی صرف کرسکیں گے جس میں بچوں کا ضرر نہ ہوگا اوراگر آپ خوداس کے کام اہتمام سے بچنا چاہیں تو یہ بھی روا ہوگا کہ کسی ہوشیار کارگزار دیندار دیانتدار کو کارکن بنائیں یوں ہی ہر طرح سبکدوشی ہوسکتی ہے۔ص469

ترکہ تقسیم کرنے کا شرعی حیلہ

رہانانا کا حصہ، وہ اگر یونہی آپکو معاف کردیں تو معاف نہ ہوگا یا قبل تقسیم آپ کو ہبہ کردیں تو جائز نہ ہوگا بلکہ تقسیم کرکے ان کو سپرد کردیجئے پھر وہ چاہیں تو آپ کو ہبہ کردیں یا بلاتقسیم اپنا حصہ آپ کے ہاتھ بیچ کر زرِثمن معاف کردیں اوراس صورت میں ضرور ہوگا کہ زرِثمن اتنا ٹھہرے جس کا وزن اس قدر چاندی کے چھٹے حصے سے زائد ہو جو ترکہ کے نقد وزیور وغیرہ میں ہے کہ یہی چھٹا حصہ مرحومہ کے باپ کا ہے یا یوں کریں کہ اپنا حصہ مثلاً ایک کتاب کے عوض آپ کے ہاتھ بیع کردیں وہ کتاب ہی اس کا معاوضہ ہوجائے گی اور پھر معافی کی کوئی حاجت نہ رہے گی اگرچہ کتاب چار ہی ورق کی ہو، یونہی ان کے تمام حصے کے عوض یک رومال دے کر بھی بیع ہوسکتی ہے فقط باہمی رضا درکار ہے۔ص471

جلد نمبر 26

کتابُ الفرائض

رافضی کو ہرگز ترکہ ٔ اہلسنت کا اِستحقاق نہیں

تحریراتِ مجتہد لکھنؤ وتجربۂ خواص وعوام شیعہ سے ثابت کہ اس زمانے کے شیعہ ضروریاتِ دین کے منکر ہیں تو ہرگز نہ ان سے مناکحت جائز، نہ وہ نکاح شرعاً نکاح، نہ وہ اہلسنت کا ترکہ پاسکیں، نہ اہلِ سنت کو ان کا مورث کہہ سکیں۔ص 73

بلاشبہہ رافضیہ ہرگز اہلسنت کی زوجہ شرعیہ نہیں ہوسکتی اور ان سے مناکحت محض باطل اور اولاد اولادِ زنا اور وہ ہرگز ترکہ ٔ اہلسنت کا استحقاق نہیں رکھتی۔ عالمگیری میں ہے: اختلاف الدین یمنع الارث۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ دین کا مختلف ہونا میراث سے مانع ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)۔ص 81

ایک باپ اور دوماں سے تین بیٹے ہیں، پہلی بیوی سے سید محرم علی اور دوسری بیوی سے سید وزیر علی سید منیر علی پیدا ہوئے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں، سید محرم علی صحبتِ شیعہ میں شیعہ ہوگئے اب ان کا انتقال ہوا موافق وصیت کے تجہیز وتکفین ان کی شیعوں نے کی اسباب ان کا مالیت تخمیناً (ـ) کا ہے یہ اسباب بموجب شرع شریف سید وزیر علی ومنیر علی اور ہمشیران پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟

الجواب: بیانِ سائل سے واضح ہوا کہ سید محرم علی کے عقائد مثلِ عقائد اکثر روافضِ زمانہ حدِ کفر تک پہنچنا معلوم نہیں، نہ کبھی ان سے کوئی بات ایسی سنی اور سید وزیر علی وسید منیر علی اور دونوں سیدانیاں غنی نہیں، پس صورتِ مذکورہ میں وہ مال انہیں چاروں بہن بھائیوں کو چھ حصے کرکے دیا جائے کہ دو حصے ہر بھائی اور ایک ایک ہر بہن کو کہ اگر محرم علی کے عقائد کفر تک نہ پہنچے ہوں جب تو ظاہر ہے کہ یہ بہن بھائی وارث ہیں اور اگر پہنچ گئے ہوں تو اس میں سے جتنا مال محرم علی کے زمانۂ اسلام کا کمایا ہوا ہو اس کے بھی وارث یہی بہن بھائی ہیں۔(مرتد نے جو حالتِ اسلام میں کمایا وہ اس کے مسلمان وارثوں کے لئے ہے جیسا کہ درروغیرہ عام کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) اور جتنا مال زمانۂ کفر کا کمایا ہوا ہو وہ حقِ فقرائے مسلمین ہے اور یہ بہن بھائی بھی فقراء ہیں اغنیاء نہیں، تو ہر حال میں انہیں اس مال کا استحقاق ہے، ان پر مال تین حصے بنا کر تقسیم کرنے میں یقینی طور پر ذمہ داری سے فراغت ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)۔ص 276

حکومت نے جس کے نام زمین الاٹ کی خاص اسی کی ملکیت ہے

جو زمین زید کے نام الاٹ ہوئی وہ خاص اسی کی ملکیت ہے، دوسرے بھائی کا اس میں کوئی حق نہیں، اس لئے کہ زمین کے قطعات اس کے لئے ہوتے ہیں جس کے لئے الاٹ کئے جائیں۔ جیسا کہ موہوب کا مالک سوائے اس کے کوئی نہیں ہوتا جس کے

لئے ہبہ کیا گیا۔ص75

اپنے فرزند کو عاق کرنا کیسا؟

بے علموں کے ذہن میں یہ ہے کہ جس طرح عورت کا علاقۂ زوجیت قطع کرنے کے لئے شرع مطہر نے طلاق رکھی ہے کہ اس کا اختیار بدستِ شوہر ہے اور اس کے لئے کچھ الفاظ ہیں کہ جب شوہر سے صادر ہوں طلاق واقع ہو یوں ہی اولاد کا علاقۂ ولدیت قطع کرنے کے لئے عاق کرنا بھی کوئی شرعی چیز ہے جس کا اختیار بدستِ والدین ہے اور اس کے لئے بھی کچھ الفاظ مقرر ہیں کہ والدین ان کا استعمال کریں تو اولاد عاق ہو کر ترکہ سے محروم ہو جائے، مگر یہ محض تراشیدہ خیال ہیں جس کی اصل شرع مطہر میں اَصلاً نہیں، نہ علاقۂ ولدیت وہ چیز ہے کہ کسی کے قطع کئے منقطع ہو سکے، مگر معاذ اللہ بحالتِ ارتداد **والعیاذ باللہ تعالیٰ** شرع میں عقوق ناحق نافرمانئ والدین کو کہتے ہیں کہ یہ کارِ اولاد ہے، جو شخص اپنے ماں باپ کا حکم بے عذرِ شرعی نہ مانے گا یا معاذ اللہ انہیں آزار پہنچائے گا وہی عاق ہے اگرچہ والدین اسے عاق نہ کریں بلکہ اپنی فرطِ محبت سے دل میں ناراض بھی نہ ہوں مگر کوئی شخص عاق ہونے کے سبب ترکہ سے محروم نہیں ہو سکتا اور جو فرمانبرداریِ والدین میں مصروف رہے اور وہ بے وجہ اس سے ناراض رہیں یا بحکم **لاطاعة لاحد فی معصیة اللہ تعالیٰ** (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی بات نہیں مانی جائے گی۔ت) کسی مخالفِ شرع بات میں ان کا کہانہ مانے اور وہ اس سبب سے ناخوش ہوں تو ہرگز عاق نہیں۔اور اگر کوئی شخص لاکھ بار اپنے فرمانبردار خواہ نافرمان بیٹے کو کہے کہ میں نے تجھے عاق کیا یا اپنے ترکہ سے محروم کر دیا تو نہ اس کا یہ کہنا کوئی نیا اثر پیدا کر سکتا ہے نہ وہ بدیں وجہ ترکہ سے محروم ہو سکے۔ص85

ہاں اگر زید چاہے تو اپنی جائداد وقفِ اہلی کر دے اور اس میں عمرو کے لئے شرط لگا دے کہ اگر وہ اپنے حال کی اصلاح کرے اور ان ان باتوں کا پابند ہو تو اس قدر پائے ورنہ نہ پائے، یوں مقصودِ زید حاصل ہو سکتا ہے۔ص362

* **درمختار میں ہے: زنا اور لعان کی صورت میں اولاد فقط ماں کی طرف سے وارث ہوگی جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کر چکے ہیں کہ ان دونوں کا کوئی باپ نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)۔ص84**
* **اولادِ زِنا صرف مادری رشتوں سے وارث و مورث ہوتی ہے۔ص111**

شرع مطہر کو اثباتِ نسب میں نہایت احتیاط منظور

شرع مطہر کو اِثباتِ نسب میں نہایت اِحتیاط منظور، جہاں ادنیٰ گنجائش پائی ہے نسب ثابت فرمائی ہے، اور حتی الامکان ہرگز ولد الزنا نہیں ٹھہراتی، صدہا صورتیں نکلیں گی کہ عوام اپنے بے علمی سے بچہ کو ولدُ الزِّنا سمجھیں اور شرعاً وہ ثابتُ النسل ہو مثلاً یہی مطلقہ کی صورت ہے اگر عورت کو طلاقِ رجعی دے اور اس نے ہنوز اِنقضائے عدت کا اقرار نہ کیا تو اگرچہ طلاق سے بیس برس بعد بچہ پیدا ہو شوہر کا ہی قرار پائے گا، یونہی اگر طلاقِ بائن یا مغلَّظ تھی اور ہنوز دو برس نہ گزرے کہ بچہ ہو گیا یا دو برس کے بعد ہوا اور شوہر نے اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو بھی اس ہی کا ٹھہرے گا، یوں ہی بہت صورتیں ہیں جن میں زعمِ جہّال مخالفِ شرع مطہر ہے

درمختار میں ہے: طلاقِ رجعی کی عدت گزارنے والی عورت کے بچے کا نسب ثابت ہوگا اگرچہ وہ دو سال سے زائد عرصہ

میں بچہ جنے، چاہے بیس سال یا اس سے زیادہ گزر جائیں کیونکہ طہر کے دراز ہونے اور عدت کے دوران حمل ٹھہرنے کا احتمال موجود ہے جب تک عورت نے عدت کے گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو اور وہ مدت بھی عدت کے گزر جانے کا احتمال رکھتی ہو جیسا کہ بغیر دعوٰی کے احتیاطاً بائنہ طلاق والی کے بچے کا نسب ثابت ہوتا ہے جبکہ وہ طلاق کے وقت سے دو سال سے کم مدت میں بچہ جنے کیونکہ بوقتِ طلاق حمل کے موجود ہونے کا اِمکان ہے اور عورت نے عدت کے گزرنے کا اقرار نہیں کیا اور اگر وہ پورے دو سال پر بچہ جنے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اور کہا گیا ہے کہ ثابت ہو جائے گا، جوہرہ میں گمان کیا کہ یہی درست ہے مگر جب شوہر دعوٰی کرے تو نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ شوہر نے اس کا اِلتزام اپنے اوپر کرلیا۔ الخ ملخصاً (ت)۔ص 90

شوہرِ مادر کے بیٹے جو نہ اپنے باپ کے نطفے نہ اپنی ماں کے پیٹ سے ہوں وارث نہیں، پس اگر عورت مذکورہ کا کوئی وارثِ شرعی مسلمان موجود نہیں نہ اس نے کسی کے لئے اپنے مال کی وصیت کردی تو اس کا کل مال بعد ادائے دَین (اگر اس کے ذمہ ہو) محتاج بیکس مسلمانوں کو دے دیا جائے یا ان دوا دارو کفن میں صرف کیا جائے اگر یہ پسرانِ شوہرِ مادر بیکس محتاج ہیں تو انہیں بھی دیں یا انہیں کو دے دیں، غرض یہ محتاج ہوں تو بوجہ محتاجی مستحق ہوسکتے ہیں نہ بوجہ وراثت۔ص 104

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ماں اور تین حقیقی چچا وارث چھوڑے اور اس کی ماں کے انتقالِ ہندہ سے سال بھر بعد ایک لڑکا پیدا ہوا، پس ترکہ ہندہ کا کس طرح منقسم ہوگا؟

الجواب: غیرِ میت سے جو حمل ہو وہ صرف تین صورتوں میں وارث ہوسکتا ہے، یا تو وقتِ موتِ میت سے ٹھیک چھ مہینے پر یا چھ مہینے کے اندر پیدا ہو یا اس کی ماں موت یا طلاق کی عدت میں ہو اور اس کے پیدا ہونے تک عدت گزر جانے کا اقرار نہ کرے یا باقی وارث اِقرار کرتے ہوں کہ یہ بچہ وقتِ موتِ میت اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔ص 109

اِرث جبری ہے

ارث جبری ہے کہ موتِ مورث پر ہر وارث خواہ مخواہ اپنے حصۂ شرعی کا مالک ہوتا ہے مانگے خواہ نہ مانگے، لے یا نہ لے، دینے کا عرف ہو یا نہ ہو، اگرچہ کتنی ہی مدت ترک کو گزر جائے، کتنے ہی اِشتراک دَر اِشتراک کی نوبت آئے اَصلاً کوئی بات میراثِ ثابت کو ساقط نہ کرے گی، نہ کوئی عرف فرائض اللہ کو تغیر کرسکتا ہے، یہاں تک کہ نہ مانگنا دَرکنار اگر وارث صراحۃً کہہ دے کہ میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا جب بھی اس کی مِلک زائل نہ ہوگی۔ص 113

ہاں اگر اسے لینا منظور نہیں تو یوں کرے کہ لے کر اپنی بہن خواہ بھاوج خواہ جسے چاہے ہبہ کامل کردے اور جو مال قابلِ تقسیم ہو اسے منقسم کر کے قبضہ دلا دے اس وقت البتہ اس کا حق منتقل ہو جائے گا ورنہ مجرد دست برداری کچھ بکار آمد نہیں۔ص 132

صرف تعلقِ فاجرانہ کے سبب منکوحہ نہیں ٹھہرا سکتے

بازاری عورت جو اپنے پیشہ پر رہے اور ایک شخص کے ساتھ بطورِ زنانِ منکوحہ پابند ہو کر خانہ نشینی اختیار نہ کرے اسے صرف تعلقِ فاجرانہ کے سبب منکوحہ نہیں ٹھہرا سکتے تاوقتیکہ حجتِ شرعیہ سے ثبوتِ نکاح نہ ہو اور جو اولاد بے نکاح پیدا ہو اس کا نسب صرف ماں سے ثابت ہوتا ہے نہ باپ سے، اگرچہ اس کے نطفے سے ہونا متعین ہو اور وہ اس خیال سے اس کی طرف نسبت بھی کئے

جائیں۔قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "الولد للفراش وللعاھر الحجر" رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بچہ صاحبِ فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں (ت)۔ص135

* عورت کی تجہیز وتکفین مذہبِ مفتیٰ بہ میں مطلقاً ذمۂ شوہر لازم ہے۔ص169

میت کا کوئی وارثِ شرعی نہ ہو تو؟

جبکہ میت کا کوئی وارثِ شرعی موصیٰ لہ بجمیع المال تک نہ ہو تو جو کچھ اس کی تجہیز وتکفین واداے دیون سے بچے فقرائے بیکس وبے قدرت عاجزین مسلمین کو دیا جائے، ان تین شخصوں میں اگر کوئی اس طرح کا ہو تو اسے دیں، اور اگر داماد فقیر عاجز ہو تو وہ مستحق تر ہے اسے دینا انسب ہے کہ وہ سب سے زیادہ عورت کا قریب ہے، داماد محرم ومانند پسر ہوتا ہے، اس مال کا مہتمم مدرسہ کو ایسے خرچِ مدرسہ کے لئے دینا جو مصرفِ مذکور سے جدا ہو عامہ کتب کے خلاف ہے۔ص171

منکوحۂ غیر سے نکاح جبکہ ناکح کو اس کا نکاحِ غیر میں ہونا معلوم نہ ہو نکاح باطل نہیں بلکہ فاسد ہے۔اور ایسی صورت میں مذہبِ مفتیٰ بہ پر حتی الامکان بچہ اسی ناکحِ ثانی بنکاحِ فاسد کا قرار پاتا ہے نہ شوہرِ اول صاحبِ نکاحِ صحیح کا۔ص176

منہ بولا بیٹا شرعی طور پر اپنے حقیقی باپ کا ہی وارث ہے

زید نامی شخص کے تین بیٹے ہیں: بکر، عمرو اور خالد، خالد کو ایک بے اولاد شخص نے اپنا بیٹا بنالیا اور اس کو اپنی اولاد کے قائم مقام کرلیا، اس صورت میں خالد اپنے باپ کے ترکہ سے بھی شرعی حصہ پائے گا یا اس کی میراث سے محروم ہوگا؟

الجواب: منہ بولا بیٹا نہ ایسے شخص کا بیٹا ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے باپ سے بے تعلق ہوتا ہے کیونکہ حقیقتوں میں تغیر نہیں ہوتا، شرعی طور پر وہ اپنے باپ کا وارث ہے نہ کہ اس دوسرے شخص کا جس نے اس کو منہ بولا بیٹا بنایا ہے اگر دوسرا شخص چاہے تو منہ بولے بیٹے کے حق میں وصیت کردے تاکہ اس کا مال اس کے منہ بولے بیٹے کے ہاتھ میں آجائے، اور یہ وراثت نہ ہوگی، خبردار وارث کے لئے وصیت نہیں ہوتی، اللہ تعالٰی نے فرمایا: **''اور اللہ تعالٰی نے تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا''** (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد تک ''انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے'' الآیۃ، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: **''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے''**۔اور کسی کا منہ بولا بیٹا بن جانا اس کے لئے باپ کی میراث سے مانع نہیں ہوا۔اور یہ بات سب سے زیادہ ظاہر ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)۔ص178

کیا میراث ہو یا کوئی اور حق زیادہ عرصہ کے گزرنے سے ساقط ہوتا ہے؟

اس جگہ دو مقام ہیں:

مقامِ اول: نفس الامر، اس کے حکم کی وضاحت یہ ہے کہ کوئی ثابت حق جو کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہ ہو چاہے میراث ہو یا کوئی اور مطلقاً بالاتفاق زیادہ عرصہ کے گزرنے سے ہرگز ساقط نہیں ہوتا، جیسا کہ جوہرہ اور اشباہ وغیرہ میں منصوص ہے، اس کے ثبوت کے لئے خود قرآنی آیات، احادیث اور یہ اجماعی عقیدہ کافی ہے کہ قیامت کے دن حقوق العباد سے متعلق ظلم اور زیادتیوں کا بدلہ دلوایا جائے گا، اگر مدتوں کے گزرنے سے اللہ تعالٰی کے نزدیک حق ساقط ہوجاتا تو قیامت کے دن بدلہ

دلوانے اورحقوق العباد کے مطالبے نیکیوں کے بدلے اور گناہوں کے مٹانے کا قانون جاری نہ ہوتا کیونکہ کسی بندے کا دوسرے پر کوئی حق نہ رہتا اگرچہ حدودِالٰہیہ تَعدّی کرنے سے حقوق اللہ کے بارے میں ظالم سے مواخذہ ہوتا، اور یہ بھی بالاتفاق باطل ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظالم جتنا عرصہ ظلم پر قائم رہتا ہے زیادہ ظالم ہوتا جاتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ زیادہ دنوں کا گزرنا ظلم کو اٹھادے اور حق کو ناحق کے ساتھ ملادے۔

مقام دوم: قاضی کی کچہری میں دعوٰی کی سماعت۔ اس میں بھی محض زیادہ زمانے کا گزرنا اپنی ذات کے اعتبار سے بالکل اس لائق نہیں کہ سماعِ دعوٰی کی ممانعت کا باعث بنے، چاہے میراث کا دعوٰی ہو یا اس کے علاوہ کسی بھی شئ کا، بلکہ ممانعت دووجہوں سے پیدا ہوتی ہے، وجہ اول دھوکہ دہی کا دروازہ بند کرنا اور فاسد لالچوں کا خاتمہ کرنا، یہ حکم فقہاء کرام اور مشہور ائمہ عظام کا اجتہادی حکم ہے، جیسا کہ مذہب کے متون، شروح اور فتاوے اس پر شاہد ہیں، میراث اور غیر میراث اس حکم میں برابر ہیں۔ تحقیق کی رو سے یہ حکم کسی لمبی مدت اور خاص عرصے کے ساتھ مقید و مشروط نہیں ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ زید کا ایک گھر ہے جو اس نے خریدا یا میراث میں پایا یا ملکیت کی وجوہ میں سے کسی اور وجہ سے اس کے پاس ہے، وہ اس میں ایک عرصے تک مالکانہ تصرفات کرتا رہا، عمرو جو کہ عاقل و بالغ اور اسی شہر میں رہائش پذیر تھا زید کے تصرفات پر آگاہ تھا، دعوی کرنے میں کوئی رکاوٹ بالکل موجود نہ تھی (اس کے باوجود وہ چپ رہا) اب عمرو خود یا اس کا کوئی وارث اُٹھ کر جھگڑا پیدا کرتا ہے اور گردنِ دعوٰی بلند کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ گھر میرا ہے تو یہ دعوٰی ہرگز قابلِ سماعت نہیں اگرچہ میراث کی جہت سے دعوٰی ہو اس لئے کہ دعوی کی صلاحیت رکھنے والی مدت میں چپ رہنا جبکہ دعوٰی میں کوئی رکاوٹ موجود نہ تھی اور دعوی کا مقتضی بھی موجود تھا یعنی زید کے مالکانہ تصرفات سے آگاہی، یہ واضح قرینہ ہے کہ گھر زید کا ہے اور عمرو کا دعوی بطورِ مکر ہے، یقیناً اس کی خاموشی کو زید کی ملکیت کا اقرار قرار دیتے ہوئے مشائخ کرام دعوٰی سے مانع سمجھتے ہیں، جس طرح کہ اگر وہ صراحۃً اقرار کرتا کہ یہ گھر زید کا ہے پھر کسی معقول اور قابلِ قبول توجیہ کے بغیر اس گھر پر دعوٰی کے لئے اُٹھ کھڑا ہوتا تو ٹکراؤ اس کا گریبان پکڑ لیتا اور اس کے دعوی میں پیش رفت نہ ہوتی اور یہ بھی ایسے ہی ہے، ظاہر ہے کہ اس باب میں میراث اور غیر میراث کا دعوی سب برابر ہیں۔ اے اللہ! مگر اس صورت میں کہ زید اس بات کا اقرار کرتا ہو کہ یہ گھر عمرو کے مورث کی ملکیت میں تھا میں نے اس سے خرید لیا یا بطورِ ہبہ حاصل کیا ہے تو اس وقت دعوی کا معاملہ اُلٹ ہوجائے گا کہ زید مدعی اور عمرو مدعا علیہ بن جائے گا، اور عرصہ دراز تک زید کا اس میں تصرفات کرنا اس کو فائدہ نہیں دے گا، کیونکہ دعوی کے لئے گواہ درکار ہیں نہ کہ محض تصرفات، جیسا کہ اہلِ تصرف پر پوشیدہ نہیں ہے۔

وجہ دوم بادشاہِ اسلام کا منع کرنا۔ یہ ہے وہ صورت جس میں میراث اور غیرِ میراث مختلف ہوتے ہیں، اسی میں کاروائی مدت کی حد بندی پر سلطنت کی طرف سے قرار پاتی ہے، اس میں تصرف کا صادر ہونا، مدعی کا آگاہ ہونا، رکاوٹوں کا موجود نہ ہونا اور دھوکہ دہی کا ظاہر ہونا وغیرہ امور ملحوظ نہیں ہوتے، اس کاروائی کا راز یہ ہے کہ قاضیوں کی ولایت بادشاہ کی طرف سے حاصل شدہ ہے اور قضاء زمانے، مکان، اشخاص اور دیگر جن اشیاء کے ساتھ بادشاہ خاص کردے خاص ہوجاتی ہے، لہٰذا اگر بادشاہِ اسلام اللہ تعالیٰ اس کی نصرت کو غالب کرے اپنے قاضیوں کو ایک خاص مدت جیسے پندرہ سال یا پندرہ مہینے یا بالفرض دو تین دن کے بعد

دعوی کی سماعت سے منع کردے تو قاضی صاحبان اس مدت کے بعد ان دعووں کے حق میں معزول ہوجاتے ہیں اور ان کی طرف سے دعوی کی سماعت نامقبول ہوتی ہے۔

اس مسئلہ میں میراث، وقف، مالِ یتیم اور مالِ غائب وغیرہ میں کل یا بعض کے استثناء یا مطلقاً عدمِ استثناء کا اختلاف اسی وجہ سے ہے کہ ہر دور کے بادشاہ نے جس کو مطلق رکھا علماء نے بھی اس کو مطلق رکھا اور بادشاہ نے جسے مستثنٰی کر دیا علماء نے بھی اسے مستثنٰی کر دیا کیونکہ یہاں کاروائی فقط بادشاہ کی زبان پر ہے، اس بیان سے خوب وضاحت ہوگئی کہ اس وادی میں میراث اور غیر میراث برابر ہیں یہاں تک کہ اگر بادشاہ مثال کے طور پر ایک سال کے بعد اپنے قاضیوں کو خاص دعوٰئ میراث کی سماعت سے منع کردے تو خاص اسی دعوئ میراث کی ممانعت ہوگی اس کے علاوہ دیگر دعووں کی سماعت ہو سکے گی اور اگر بادشاہ اس کے برعکس حکم دے تو مسئلہ کی صورت بھی برعکس ہوجائے گی۔ اس مقام پر یہ نفیس تحقیق ہے اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ص 261

مفقودُ الخبر کا حصہ

ایک شخص نے اپنے ترکہ میں کچھ جائداد موروثی چھوڑی تھی اور نو (۹) وارث چھوڑے تھے تین فرزند چھ دُختران، اور ہر کوئی اپنے حصے کا شرعاً مالک قرار دیا گیا مگر قبضہ اور تصرف فرزندوں کا رہا اور ہنوز ہے لیکن منجملہ دُختران کے ایک دُختر کے دو فرزندوں میں سے ایک فرزند جو عرصہ دس سال سے مفقود الخبر ہے اس کی زوجہ نے فی الحال انتقال کیا اس عورت کے حصہ کا جو اپنے خاوند مفقود الخبر کے حصہ کی مالک متصور تھی اب کون قرار دیا جائے اور کس کا نام کتاب میں درج ہو، آیا مفقود الخبر کا بھائی ہوگا یا اس عورت کا بھائی ہوگا یا حقیقت عود کر کے حصہ داران مذکوران تین فرزندان کو جواب تک مالک وقابض ہیں پہنچیں گے؟

الجواب: سائل نے کچھ نہ بتایا کہ یہ مفقود الخبر اپنی ماں کے انتقال سے پہلے مفقود ہوا تھا یا بعد، اگر زندگیِ مادر میں مفقود الخبر ہو چکا تھا تو ہنوز اس کا استحقاق حصۂ مادر میں ثابت نہیں، جتنے ورثۂ مادر بحالِ موت وحیاتِ مفقود الخبر ہر حال میں جس قدر یقینی پائیں گے اتنا ان کو دے کر باقی موقوف رکھا جائے گا یہاں تک کہ مفقود الخبر کی موت وحیات کا حال معلوم ہو یا اس کی عمر سے ستر سال گزر جائیں اور کچھ حال نہ کھلے پس اگر وہ زندہ ثابت ہو تو حصہ خود اس کا ہے اس کی زوجہ وغیرہ کے لئے وراثت نہیں اور اس مدت تک کچھ حال نہ ظاہر ہو یا ثابت ہو کہ وہ اپنی ماں سے پہلے مر چکا تھا تو خود اس کے لئے وراثت نہیں اس کی زوجہ وغیرہ کے لئے وراثت کیسے ثابت ہوگی، اور اگر ثابت ہو کہ ماں کے بعد مرا تو اگر موتِ زوجہ بھی اس کی موت سے پہلے ہے زوجہ کے لئے وراثت نہیں جو حصہ اسے ماں سے پہنچا اسی کے بھائی وغیرہ ان وارثوں کا ہے جو موتِ مفقود کے بعد زندہ تھے اور اگر معلوم ہو کہ زوجہ سے پہلے مرا تو زوجہ بھی وارثہ ہے اور مفقود کے بھائی بھی وارث ہیں، جو حصہ حصۂ مفقود میں زوجہ کو پہنچے اس کا وارث زوجہ کا بھائی ہے یا اور جو وارثِ زوجہ ہو، دیگر وارثانِ مفقود کا اس میں حق نہیں، اوا گر وہ شخص اپنی ماں کی موت کے بعد مفقود الخبر ہوا تو متروکۂ مادر میں اس کا حصہ ثابت ہولیا اب وہ حصہ تقسیم نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اس کی موت وحیات ظاہر ہو یا اس کی پیدائش سے ستر برس

گزر جائیں، اگر ستر سال گزریں اور کچھ حالِ موت وحیاتِ مفقود الخبر معلوم نہ ہوتو زوجۂ مفقود اور نیز وہ تمام اشخاص جو اس ستر سال گزرنے سے پہلے مر چکے ہوں گے کچھ نہ پائیں گے، اس ستر سال گزرنے کے وقت جو وارثانِ شرعی مفقود کے لئے ہوں وہی مستحق ہوں گے اور اگر عمر کے ستر سال گزرنے سے پہلے ظاہر ہو جائے کہ مفقود زندہ ہے تو مال اس کا ہے زوجہ وغیر ہا کوئی وارث نہیں، اور اگر ظاہر ہو کہ موتِ زوجہ کے بعد مرا تو زوجہ وارث نہیں مفقود کے بھائی وغیرہ جو ورثہ موتِ مفقود پر رہے ہوں وہ پائیں گے، اور اگر ظاہر ہو کہ زوجہ سے پہلے مرا تو جو حصہ زوجہ کو پہنچے اس کے وارث زوجہ کے بھائی وغیرہ ہیں نہ کہ دیگر وارثانِ مفقود۔ اگر مفقود اپنی ماں کے بعد مفقود ہوا تو اس کے حصہ میں اسی کی مالکیت مندرج رہے گی یہاں تک کہ حال کھلے یا ستر سال گزریں اور حسبِ تفصیلِ بالا ورثہ کی طرف انتقال ہو، اور اگر موتِ مادر سے پہلے مفقود ہو تو جس قدر موقوف رکھا جائے گا اس میں ہنوز کسی کا نام درج نہیں ہو سکتا بلکہ حصہ موقوفہ اَز ترکۂ فلاں بانتظارِ فلاں مفقود تا مدت بست سال اَز یں تاریخ حاضر اور پچاس سال کی عمر میں مفقود ہوا تو بجائے بست سال دہ سال لکھیں وعلی ھذا القیاس۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص279

بقدرِ سنت غسل وکفن ودفن میں جس قدر صرف ہوتا ہے بقیہ ورثاء صرف اسی قدر کے حصہ رسد ذمہ دار ہو سکتے ہیں، فاتحہ وصدقات وسوم وچہلم میں جو صرف ہوا یا قبر کو پختہ کیا یا اور مصارف قدرِ سنت سے زائد کئے وہ سب ذمہ پڑیں گے باقی وارثوں کو اس سے سروکار نہیں۔ ص288

شرعاً صاحبِ سجادہ کس کو کہتے ہیں اور دیگر ورثاء پر سجادہ نشین مذکور کیا کیا حق فائق رکھتا ہے؟

الجواب: سجادہ نشین وہ صاحبِ ہدایت (عــہ ا)[1] ہے کہ پہلے صاحبِ ہدایت کی وصیت یا مسلمانانِ ذی رائے کی تجویز سے اس کا جانشین بغرضِ ہدایت ہوا ہو در بارۂ وراثت اس کو کسی وارث پر کوئی حق فائق نہیں یہ محض بے اصل ہے۔ ص289

شرعاً خانقاہ کس کو کہتے ہیں؟

الجواب: یہ کوئی اصطلاحِ شرعِ مطہر نہیں عرف میں مکانِ مسندِ افاضۂ اولیاء کو خانقاہ کہتے ہیں **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص289

وراثت سے محرومی کے سبب

وراثت سے محرومی کے صرف چار سبب ہیں کہ وارث غلام ہو یا مورث کا قاتل یا کافر ہو یا دار الحرب میں رہتا ہو باقی کوئی نا قابلیت اسے اس کے حقِ شرعی سے محروم نہ کرے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص291

(اولاد) کسی طرح ترکہ سے محروم نہیں ہو سکتی سوا موانعِ خمسہ معلومہ کے کہ دین مختلف ہو یا دار مختلف یا مملوک ہو یا معاذ اللہ مورث کو قتل کرے یا دونوں کا اس طرح انتقال ہو کہ معلوم نہ ہو ان میں پہلے کون مرا۔ ص349

---

[1]: **عــہ ا: اقول:** شرطِ اجازت ضروری ہے آج کل بہت لوگ صاحبِ سجادہ بطورِ وراثت بنا دیئے جاتے ہیں اور وہ بیعت کرنے لگتے ہیں یہ حرام ہے ۱۲۔

قتل کرنا میراث سے محروم کرتا ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:التسبب الی القتل لایحرم المیراث۔(قتل کا سبب بنامیراث سے محروم نہیں کرتا۔ت)ص345

زید اپنے ورثاء کومحروم الارث کر کے اپنی جائداد موروثی ومتروکی ومحصولی کواپنے بعض ورثاء کودے دینا چاہتا ہے۔ آیا بموجبِ حدیثِ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ زید کا یہ فعل ظلم ہوگا اور وہ شخص ظالم اور گنہ گار رہوگا یانہیں؟ اورحق تلفی اس شخص نے بعض ورثاء کے مقابل میں کی یانہیں؟

الجواب:جس وارث کومحروم کرنا چاہتا ہے اگر وہ فاسق، معاذ اللہ بدمذہب ہوتو اسے محروم کرناہی بہتر وافضل ہے۔خلاصہ ولسان الحکام وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:اگرکسی کی اولاد فاسق ہواور وہ چاہے کہ اپنے مال کونیکی کے کاموں پرخرچ کر کے فاسق اولاد کومیراث سے محروم کردے توایسا کرنا فاسق کے لئے مال چھوڑ جانے سے بہتر ہے۔(ت)

بدمذہب بدترین فساق ہے، فاسق میں یہ خوف تھا کہ مال اعمالِ بد میں خرچ کرے گا، بدمذہب میں یہ اندیشہ کہ اعانتِ گمراہی وضلالت میں اُٹھائے گا یہ اس سے لاکھ درجے بدتر ہے۔غنیۃ میں ہے:الفسق من حیث العقیدۃ اشد من الفسق من حیث العمل۔عقیدہ کے اعتبار سے فاسق ہوناعمل کے اعتبار سے فاسق ہونے سے بدتر ہے(ت)اور اگرایسانہیں توبعض ورثاء کومحروم کرناضرورظلم ہے جس کے لئے حدیثِ صحیح نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما(مجھے ظلم پرگواہ مت بنا۔ت)کافی،ابنِ ماجہ کی حدیث میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:جواپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے۔ص295

لڑکیوں کوحصہ نہ دینا حرام قطعی ہے اور قرآنِ مجید کی صریح مخالفت ہے۔قال اللہ تعالیٰ{ یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ }۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ بیٹے کا حصہ دوبیٹیوں کے برابر ہے۔(ت)۔ص314

٭ جوشخص گنگوہی اوراس کے مثال کے کافر ہونے میں شک کرے وہ خودکافر ہے نہ کہ جواس کا مریداوراس کے گروہ کاسرغنہ ہوایسے مرید کے نیچے کے نقطےضروراوپرہوجائیں گے۔ص318

وارث بنانے کی صورتیں

وارث بنانے کی دوصورتیں ہیں، ایک حقیقۃً، وہ یہ کہ مثلاً کوئی نومسلم عاقل بالغ جس کا کوئی وارث نسبی نہیں اپنے مسلمان کرنے والے خواہ کسی دوسرے شخص سے کہے کہ تومیرا مولیٰ ہے میں مرجاؤں توتو میراوارث ہواور میں جرم کروں توتو میری طرف سے جرمانہ دے اور وہ قبول کرلے تو یہ قبول کرنے والا اس کا شرعاً وارث ہوجاتا ہے کہ اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہوتو یہ اس کا ترکہ پاتا ہے۔

دوم حکماً وہ یہ کہ زیدکسی کی نسبت اپنے ایسے رشتہ کااقرارکرے جس سے وہ اس مُقِر کے کسی عزیز کی اولاد قرار پاتا ہوخوداپنی اولاد نہ بتائے مثلاً کہے میرا بھائی ہے یابھتیجا ہے یاچچا ہے یاچچا کا بیٹا ہےاورجس سے اس کا نسب قرار دیا ہے اس سے نسب ثابت ہوجائے

مثلاً بھائی کہا اور باپ نے تسلیم کیا کہ واقعی یہ میرا بیٹا ہے، تو وہ حقیقی بھائی ہوگیا اور یہ مقر اپنے اس اقرار سے کبھی پھرے نہیں تو اس صورت میں یہ شخص اس مقر کا ترکہ پائے گا جبکہ اس کا نہ کوئی رشتہ دار ہو نہ پہلی صورت کا حقیقی وارث بنایا ہوا۔ بس یہ دو صورتیں وارث بنانے کی ہیں اور کوئی نہیں۔ ص332

زید کے ایک چچا اور چچازاد بھائیوں نے اپنے دنیوی فائدے کے لئے عدالت میں لکھایا کہ "ان کا خاندان ہندو دھرم شاستری ہے" تو اس کے لئے کیا حکمِ شرع ہے؟

الجواب: اپنے دنیوی فائدے مالِ حرام خلافِ شرع ملنے کے لئے اپنے آپ کو برخلاف احکامِ قرآنِ مجید ہندو دھرم شاستر کا پابند بنانا معاذ اللہ اپنے کفر کا اقرار کرنا ہے اور اپنے سارے خاندان کی طرف اسے نسبت کرنا سارے خاندان کو کافر بنانا ہے، ایسے لوگوں کو تجدیدِ اسلام کا حکم ہے، پھر اپنی عورتوں سے نکاح کریں۔ قال اللہ تعالٰی {وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ} والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں (ت)۔ ص341

جو لوگ شریعتِ مطہرہ کے خلاف میراث مانگیں یا لیں یا بخوشی دیں یا اس میں سعی کریں سب گمراہ ہیں اور عذابِ شدید کے سزاوار، اور اگر اسے پسند کریں تو کھلے کفار، بہرحال وہ مال ان کے لئے حرام وقطعۂ نار، اور جو مجبور ہوکر دے وہ مظلوم ومعذور۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص347

"بیٹیوں اور بہنوں کو میت کے مال سے کچھ نہیں پہنچتا" کہنے کا حکم؟

جو لوگ بیٹیوں اور بہنوں کو ترکہ نہیں دیتے قرآنِ مجید کے خلاف ہیں، اور جن کا یہ قول ہو کہ ان کو میت کے مال سے کچھ نہیں پہنچتا جس کے ظاہر معنٰی یہ ہیں کہ ان کا ترکہ میں کوئی حق نہیں ہوتا یہ صریح کلمۂ کفر ہے، ایسوں پر تو یہ فرض ہے نئے سرے سے کلمۂ اسلام پڑھیں اس کے بعد اپنی عورتوں سے نکاح دوبارہ کریں۔ ص353

دو بھائی کافر میں سے ایک مسلمان ہوگیا تو اب وہ بھائی کافر اس کا اس کو حق حصہ نہیں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم ہمارے مذہب سے نکل گئے تمہارا حق کیسا آیا اس کا حق ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر مثلاً باپ کا ترکہ دونوں بھائیوں نے پایا تھا اب ایک مسلمان ہوگیا تو وہ اپنے حصے کا مالک ہے مسلمان ہوجانے سے مِلک زائل نہ ہوئی ہاں اس کے اسلام کے بعد ان کافروں میں جو مرا اس کا ترکہ اسے نہ ملے گا لاختلاف الدین (دین کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ ص361

زید نے انتقال کیا، تین لڑکے چھ لڑکیاں چھوڑیں جن میں چار لڑکیاں شادی شدہ تھیں اور دو نابالغہ اور ایک لڑکا نابالغ، اور احد ومحمود دو لڑکے بالغ، یہ پانچوں اور ان کی والدہ ایک ساتھ رہے، اور کل متروکہ انہیں کے قبضہ میں رہا وہ چار لڑکیاں شادی شدہ تھیں، وقتِ انتقالِ زید حقِ پدری کی طالب نہ ہوئیں، متروکۂ پدری سے احد ومحمود نے تجارتیں کیں کچھ ایسے ہی اور کچھ میں مضارب بن کر جس سے عظیم کاروبار ہوگیا وہ چاروں دُختر اب پدری حق چاہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ جو کچھ تجارتوں میں زیادتی ہوئی ہے وہ بھی

ہمارے ہی باپ کا مال ہے اس میں بھی ہمارا حق ہونا چاہئے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ اور اگر نفع میں بھی ان کو حصہ دیا جائے تو کیا اس نفع سے بھی حصہ ملے گا جس میں احد محمود مضارب ہوئے تھے؟

الجواب: جبکہ نہ ان لڑکیوں نے اپنا حصہ مانگا نہ لڑکوں نے دیا اور بطورِ خود اس میں تجارت کرتے رہے تو وہ چاروں لڑکیاں اصلِ متروکہ میں اپنا حصہ طلب کرسکتی ہیں تجارت سے جو نفع ہوا وہ لڑکیاں اس کی مالک نہیں، ہاں ان کے حصہ پر جو نفع ہوا لڑکوں کے لئے مِلکِ خبیث ہے لڑکوں کو جائز نہیں کہ اسے اپنے تصرف میں لائیں، ان پر واجب ہے کہ یا تو وہ نفع فقراء مسلمین پر تَصَدُّق کریں یا چاروں لڑکیوں کو دے دیں اور یہی بوجوہ اَفضل واَولیٰ ہے اور ان لڑکیوں کے لئے حلال طیب ہے کہ انہیں کی مِلک کا نفع ہے جبکہ لڑکوں پر شرعاً حرام ہے کہ ان لڑکیوں کے حصہ کا نفع اپنے صرف میں لائیں تو لڑکیوں ہی کو کیوں نہ دیں کہ ان کی دِلجوئی ہو صلہ رحم ہو صاحبِ حق کی مِلک کا نفع اسی کو پہنچے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اس میں برابر ہے وہ نفع کہ انہیں مالِ متروکہ کی تجارت پر ملا اور وہ جس میں احد محمود مضارب (ہیں) کہ ان چار لڑکیوں نے نہ حصہ طلب کیا نہ ان کو مضارب کیا، بطورِ خود مضارب بن جانا مہمل محض ہے اور اگر ماں نے مضارب کیا تو ان چار لڑکیوں کے حصوں پر اسے بھی کوئی اختیار نہ تھا بہر حال ان کا حصہ ان کے ہاتھ میں بطورِ غصب رہا اور اس پر نفع جس طرح بھی حاصل ہوا خبیث ہوا اور اس کا وہی حکم ہے جو گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص372

*** حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہ سال میں سورۃ بقرہ سیکھی، جب مکمل کرلی تو (شکرانے کے طور پر) اونٹ ذبح فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت) ص396**

کتاب الشّتّٰی (حصہ اول) (متفرق موضوعات)
تاریخ وتذکرہ وحکایاتِ صالحین

(۱) شیطان کے انڈا دینے کا ثبوت؟ (۲) نمازِ خمسہ معراج میں نہیں فرض ہوئیں؟

(۱) مفسرین نے ذریتِ شیطان میں چند اقوال لکھے ہیں، ان میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ انڈے دیتا ہے اس سے اس کی نسل پھیلتی ہے۔

(۲) یہ محض غلط ہے، صحیحین وغیرہما کی احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے کہ شبِ معراج ہی میں پانچوں نمازیں فرض ہوئیں۔ ص396

قصہ ہاروت وماروت جس طرح عوام میں مشہور ہے
ائمۂ کرام کو اس پر سخت انکارِ شدید ہے

ہاروت وماروت جو چاہِ بابل میں قید ہیں فرشتے ہیں یا جن یا انسان؟ اگر ان کو فرشتہ مانا جائے تو عصمت فرشتوں کی کس دلیل سے ثابت کی جائے؟ اور اگر جن وانس کہا جائے تو درازی عمر کے واسطے کیا حجت پیش کی جائے؟ اور جلال الدین رحمۃ

اللہ تعالٰی علیہ نے جو تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ آسمان میں ایک دروازہ پیدا ہوا اور ایک فرشتہ طوق وزنجیر پہنے ہوئے وسط میں حاضر ہوا، اور منادی نے ندا کی کہ اس فرشتہ نے خدا کی نافرمانی کی اور اس کی یہ سزا ملی، کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب: جنابِ مَنْ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ قصہ ہاروت وماروت جس طرح عام میں شائع ہے ائمۂ کرام کو اس پر سخت انکار شدید ہے، جس کی تفصیل شفاء شریف اور اس کی شروح میں ہے، یہاں تک کہ امام اَجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: ھذہ الاخبار من کتب الیھود وافترائھم۔ یہ خبریں یہودیوں کی کتابوں اور ان کی اِفتراؤں سے ہیں۔ ان کو جن یا انس مانا جائے جب بھی درازیِ عمر مستبعد نہیں، سیدنا خضر وسیدنا الیاس وسیدنا عیسٰی صلوات اللہ تعالی وسلامہ علیہم انس ہیں اور ابلیس جن ہے۔

اور راجح یہی ہے کہ ہاروت وماروت دو فرشتے ہیں جن کو رب عزوجل نے ابتلائے خلق کے لئے مقرر فرمایا کہ جو سحر سیکھنا چاہے اسے نصیحت کریں کہ: {اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ} ہم تو آزمائش ہی کے لئے مقرر ہوئے ہیں تُو کفر نہ کر۔ اور جو نہ مانے اپنے پاؤں جہنم میں جائے اسے تعلیم کریں تو وہ طاعت میں ہیں نہ کہ معصیت میں۔ بہ قال اکثر المفسرین علی ماعزا الیھم فی الشفاء الشریف۔ (اکثر مفسرین نے یہی کہا ہے جیسا کہ شفا شریف میں ان کی طرف منسوب ہے۔ ت) اور یہ روایت کہ تاریخ الخلفاء کی طرف نسبت کی قطعاً باطل اور بے اصل محض ہے، نہ اس وقت تاریخ الخلفاء میں اس کا ہونا یادِ فقیر میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص397

اگر برائے مہربانی جن واقعات کی بناء پر حضرتِ منصور کے بارے میں فتوی دیا گیا تھا، مطلع فرمائیں تو بہت ممنون ہوں، اگر فتوی میں کسی آیت شریف کا حوالہ دیا گیا ہو تو اس کو بھی لکھ دیجئے گا؟

الجواب: حضرت سیدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ جن کو عوام منصور کہتے ہیں، منصور ان کے والد کا نام تھا، اور ان کا اسمِ گرامی حسین (عـــہ ا)[1]، اکابر اہلِ حال سے تھے، ان کی ایک بہن ان سے بدرجہا مرتبۂ ولایت ومعرفت میں زائد تھیں، وہ آخر شب کو جنگل تشریف لے جاتیں اور یادِ الٰہی میں مصروف ہوتیں، ایک دن ان کی آنکھ کھلی بہن کو نہ پایا، گھر میں ہر جگہ تلاش کیا، پتا نہ چلا، ان کو وسوسہ گزرا، دوسری شب میں قصداً سوتے میں جان ڈال کر جاگتے رہے، وہ اپنے وقت پر اُٹھ کر چلیں، یہ آہستہ آہستہ پیچھے ہولئے، دیکھتے رہے آسمان سے سونے کی زنجیر یاقوت کا جام اُترا اور ان کے دہن مبارک کے برابر آ لگا، انہوں نے پینا شروع کیا، ان سے صبر نہ ہو سکا کہ یہ جنت کی نعمت نہ ملے، بے اختیار کہہ اُٹھے کہ بہن تمہیں اللہ کی قسم کہ تھوڑا میرے لئے چھوڑ دو، انہوں نے ایک جرعہ چھوڑ دیا، انہوں نے پیا، اس کے پیتے ہی ہر جڑی بوٹی ہر در ودیوار سے ان کو یہ آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے، انہوں نے کہنا شروع کیا "اَنَا الْاَحَقُّ" بیشک میں سب سے زیادہ اس کا زیادہ سزاوار ہوں۔ لوگوں کے سننے میں آیا "اَنَا الْحَقُّ" (میں حق ہوں۔ ت)، وہ دعویٰ خدائی سمجھے، اور یہ کفر ہے، اور مسلمان ہو کر جو کفر کرے مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔

---

[1]: عـــہ ا: فی الاصل "منصور"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من بدل دینہ فاقتلوہ۔ رواہ احمد والستۃ الا مسلما عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔ جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کرو۔ اس حدیث کو اصحابِ ستہ میں سے مسلم کے علاوہ سب نے اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم (ت) ص400

حضرتِ خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کا آپس میں کیا رشتہ ہے؟

سیدنا الیاس علیہ السلام نبی مرسل ہیں، قال اللہ تعالیٰ {اِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ} اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک الیاس (علیہ السلام) مرسلین میں سے ہیں۔ (ت) اور سیدنا خضر علیہ السلام بھی جمہور کے نزدیک نبی ہیں اور ان کو خاص طور سے علمِ غیب عطا ہوا ہے، قال اللہ تعالیٰ {وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا} اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے اسے اپنا علمِ لدنی عطا فرمایا۔ (ت)

یہ دونوں حضرات ان چار انبیاء میں ہیں جن کی وفات ابھی واقع ہی نہیں ہوئی، دو آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے، سیدنا ادریس وسیدنا عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام، اور یہ دونوں زمین پر تشریف فرما ہیں دریا سیدنا خضر علیہ السلام کے متعلق ہے اور خشکی سیدنا الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے، دونوں صاحبان حج کو ہر سال تشریف لاتے ہیں، بعدِ حج آبِ زمزم شریف پیتے ہیں کہ وہی سال بھر تک ان کے کھانے پینے کو کفایت کرتا ہے، دونوں صاحب اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آپس میں بھائی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الانبیاء بنو علات۔ سارے نبی آپس میں بھائی ہیں۔ (ت) اس کے سوا ان دونوں صاحبوں کا اور کوئی رشتہ معلوم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص401

بعض اولیاء وعلماء نے جس طرح بضرورت جوتا سینے کا پیشہ کیا ہے جیسے امام خصاف، یوں ہی بعض نے بضرورت کپڑا بھی بُنا ہے جیسے ابوالخیر نسّاج وعلامہ اسماعیل حائک مفتیِ دمشق وشام رحمہم اللہ تعالیٰ، مگر اس سے یہ سمجھنا کہ وہ قوم کے جُلا ہے تھے جہالت ہے۔ ص402

شہادتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر مبتدع گمراہ ہے

امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ضرور برحق ہے، نہ فقط حنفیہ بلکہ جملہ اہلسنت کا اس پر اجماع ہے، اس کا منکر مبتدع گمراہ ہے۔ ص403

علمائے کرام جو سندھ کے تھے یا سندھ میں آئے ان کے نام

(۱) مولانا رحمت اللہ سندھی تلمیذ امام ابنِ ہمام مصنف منسک کبیر، منسک صغیر ومنسک متوسط معروف بہ لباب المناسک جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے المسلك المتقسط فی شرح المنسك المتوسط۔

(۲) مولانا محمد عابد سندھی مدنی محدّث صاحب "حصر الشارد"۔

(۳) مولانا محمد حیات سندھی شارحِ کتاب الترغیب والترھیب۔

(۴) مولانا محمد ہاشم سندھی، یہ بھی فقہ میں صاحبِ تصنیف ہیں۔
(۵) علامہ محمد ابن الہادی سندھی محشی فتح القدیر وصحاحِ ستہ ومسند امام احمد، استاذ علامہ محمد حیات سندھی متوفی ۱۱۳۸ھ
(۶) شیخ نظام الدین سندھی نزیل دمشق تلمیذِ جلیل ومحبوب حضرت قُدوۃُ العارفین سید صبغۃ اللہ بروحی
(۷) علامہ سندھی مصنف غایۃُ التحقیق جن سے سید علامہ طحطاوی مصری نے حاشیہ درمختار باب الامامۃ میں استناد کیا۔
(۸) شیخ محمد حسین انصاری سندھی عم شیخ عابد سندھی محدثین ورجال اسانید ''حصر الشارد'' سے ہیں، اس وقت یہی نام خیال میں آئے۔ص403

رسالہ: نطق الهلال بارخ ولاد الحبيب والوصال

(حبیب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ووصال پر ہلال کی گواہی)

استقرار نطفہ زکیّہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کس ماہ وتاریخ میں ہوا؟

بعض غرۂ رجب کہتے ہیں اور بعض دہم محرم، اور صحیح یہ ہے کہ ماہِ حج کی بارہویں ۱۲ تاریخ۔

دن کیا تھا؟

کہا گیا روز دوشنبہ اور اَصح یہ ہے کہ شبِ جمعہ تھی، اسی لئے امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شبِ جمعہ کو شبِ قدر سے اَفضل کہتے ہیں کہ یہ خیر وبرکت وکرامت وسعادت جو اس میں اُتری اس کے ہمسر نہ کبھی اُتری نہ قیامت تک اُترے، وہاں { تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا } (اس میں فرشتے اور روح الامین اترتے ہیں۔ت) یہاں مولائے ملائکہ وآقائے روح کا نزولِ اِجلال عظیم الفتوح ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

مدتِ حمل شریف کس قدر تھی؟

دہ ۱۰ ونہ ۹ وہفت ۷ وشش ۶ ماہ سب کچھ کہا گیا اور صحیح نو ۹ مہینے ہیں۔

ولادت شریف کا دن کیا ہے؟

بالاتفاق دوشنبہ (علامہ ابنِ حجر نے اَفضل القرٰی میں اس کی تصریح فرمائی۔ت) سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیر کے دن کو فرماتے ہیں: ذٰلك يوم ولدت فيه میں اسی دن پیدا ہوا ہوں (اس کو امام مسلم نے ابوقتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

کیا مہینہ تھا؟

رجب، صفر، ربیع الاول، محرم، رمضان سب کچھ کہا گیا اور صحیح ومشہور وقولِ جمہور ربیع الاول ہے۔

فائدہ: سائل نے یہاں تاریخ سے سوال نہ کیا اس میں اقوال بہت مختلف ہیں، دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اَٹھارہ، بائیس، سات قول ہیں مگر اَشہر واَکثر وماخوذ ومعتبر بارہویں ہے، مکہ معظّمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ مکانِ مولدِ اَقدس کی زیارت کرتے ہیں اور خاص اس مکانِ جنت نشان میں اسی تاریخ مجلسِ میلادِ مقدس ہوتی ہے۔ اگرچہ اکثر محدثین ومؤرخین کا نظریہ ہے کہ ولادتِ باسعادت آٹھ

تاریخ کو ہوئی اہلِ زیجات کا اسی پر اجماع ہے۔

اَقول: (میں کہتا ہوں) ہم نے حساب لگایا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ اَقدس والے سال محرم کا غرہ وسطیہ (آغاز) جمعرات کے روز پایا تو اس طرح ماہِ ولادتِ کریمہ کا غرۂ وسطیہ بروز اتوار اور غرۂ ہلالیہ بروز پیر ہوا تو اس طرح پیر کے روز ماہِ ولادتِ مبارکہ کی آٹھ تاریخ بنتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اہلِ زیجات کا اس پر اجماع ہے، محض غرّہ وسطیہ کو دیکھنے سے طرفین کے علاوہ تمام اَقوال کا محال ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اور حق کا علم شب و روز کو بدلنے والے کے پاس ہے۔(ت)

اور شک نہیں کہ تلقیِ اُمت بالقبول کے لئے شان عظیم ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: عید الفطر اس دن ہے جس دن لوگ عید کریں اور عید الاضحیٰ اس روز ہے جس روز لوگ عید سمجھیں۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: تمہاری عید الفطر اس دن ہے جس دن تم عید الفطر کرو اور تمہاری عید الاضحیٰ اس دن ہے جس دن کو تم عید الاضحیٰ سمجھو۔

یعنی مسلمانوں کا روزِ عید الفطر و عید الاضحیٰ روزِ عرفہ سب اس دن ہے جس دن جمہور مسلمین خیال کریں اسے (اگرچہ وہ واقع کے مطابق نہ ہو اس کی نظیر قبلۂ تحری ہے۔ت) لاجرم عیدِ میلادِ والا بھی کہ عیدِ اکبر ہے قول و عمل جمہور مسلمین ہی کے مطابق بہتر ہے (بہترین و مناسب ترین عمل وہی ہے جس پر جمہور مسلمانوں کا عمل ہو۔ت) یہ ہے ان مسائل میں کلامِ مجمل، اور تفصیل کے لئے دوسرا محل۔ص 405 تا 414

شرع مطہر میں مشہور بین الجمہور ہونے کے لئے وقعتِ عظیم ہے اور مشہور عند الجمہور ہی ۱۲ ربیع الاول ہے اور علمِ ہیئت و زیجات کے حساب سے روزِ ولادت شریف ۸ ربیع الاول ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) یہ جو شبلی وغیرہ نے ۹ ربیع الاول لکھی کسی حساب سے صحیح نہیں، تعاملِ مسلمین حرمین شریفین و مصر و شام بلادِ اسلام و ہندوستان میں ۱۲ ہی پر ہے اس پر عمل کیا جائے،، اور روزِ ولادت شریف اگر آٹھ یا بالفرضِ غلط نو یا کوئی تاریخ ہو جب بھی بارہ کو عیدِ میلاد کرنے سے کون سی ممانعت ہے۔ص 427

وفات شریف حضور پُرنُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاریخ کیا ہے؟

قولِ مشہور و معتمدِ جمہور دوازدہم (12) ربیع الاول شریف ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ حقیقۃً بحسبِ رؤیتِ مکہ معظّمہ ربیع الاول شریف کی تیرہویں تھی مدینہ طیبہ میں رؤیت نہ ہوئی لہٰذا ان کے حساب سے بارہویں ٹھہری وہی رُواۃ نے اپنے حساب کی بنا پر روایت کی اور مشہور و مقبولِ جمہور ہوئی، یہ حاصلِ تحقیق امام بارزی و امام عماد الدین بن کثیر و امام بدرُ الدین بن جماعہ وغیرھم اکابر محدثین و محققین ہے۔

اس کے سوا دو قول ایک یکم ربیع الاول شریف دوسرا دوم ربیع الاول شریف کہ دو رافضیان کذّاب ابو مخنف و کلبی کا قول ہے یہ دونوں اَقوال محض باطل و نامعتبر بلکہ سراسر محال و نامتصور ہیں۔

وفاتِ اَقدس ماہِ ربیع الاول روز دوشنبہ میں واقع ہوئی، اس قدر ثابت و مستحکم و یقینی ہے جس میں اَصلاً جائے نزاع نہیں۔ص 415

محمد بن جریر طبرانی دوگزرے ہیں

محمد بن جریر طبرانی دوگزرے ہیں: ایک مفسر، محدث، سنی، شافعی المذہب، ان کی تاریخ کبیر کمیاب ونادرالوجود ہے۔ دوسرا رافضی مصنفِ "**مطاعنِ صحابہ**" و "**ایضاح المسترشد**"، اکثر لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے اس کے اقوال کو اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں، پھر تاریخ کسی کی تصنیف ہو مدارِ عقیدہ نہیں ہوسکتی، مؤرخ رطب، یابس، مسند، مرسل، مقطوع، معضل سب کچھ بھر دیتے ہیں۔ص429

* **ایک "عقد الفرید" تو دربارۂ تقلید علامہ ابوالاخلاص حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تالیف ہے یہ گیارہویں صدی کے ایک متاخر سنی عالم فقیہ حنفی ہیں، فقہ حنفی میں نورالایضاح ومراقی الفلاح وامداد الفتاح وغیرہ بہت کتب ورسائل ان کی تصنیف ہیں، "عقد الفرید" میں ان کی رائے نہ محققین کو قبول نہ خود ان کی معمول، دوسرا رسالہ اس نام کا شیخ عطاء الدین علی سمہودی کا اس باب میں ہے۔ص429**

بارہ اماموں کی امامت کا معنیٰ

امامت اگر بمعنی مقتدٰی فی الدین ہونے کے ہے تو بلاشبہہ ان کے غلام اور غلاموں کے غلام مقتدٰی فی الدین ہیں، اور اگر اصطلاحِ مقاماتِ ولایت مقصود ہے کہ ہر غوث کے دووزیر ہوتے ہیں عبدالملک وعبدالرب، انہیں امامین کہتے ہیں، تو بلاشبہہ یہ سب حضرات خود غوث ہوئے، اور اگر امامت بمعنی خلافتِ عامہ مراد ہے تو وہ ان میں صرف امیرالمومنین مولیٰ علی وسیدنا امام حسن مجتبیٰ کو ملی اور اب سیدنا امام مہدی کو ملے گی وبس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، باقی جو منصبِ امامت ولایت سے بڑھ کر ہے وہ خاصۂ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے جس کو فرمایا {اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا} (میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ت) وہ امامت کسی غیر نبی کے لئے نہیں مانی جاسکتی، {اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ} (حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ت) ہر غیر نبی کی امامت {اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ} تک ہے جیسے فرمایا {جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا} (اور ہم نے انہیں امام کیا کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں۔ت) مگر {اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ} کے مرتبے تک نہیں ہوسکتی اس حد پر ماننا جیسے روافض مانتے ہیں صریح ضلالت وبے دینی ہے، امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک تو بلاشبہہ یہ حضرات مجتہدین وائمۂ مجتہدین تھے، اور باقی حضرات بھی غالباً مجتہد ہوں گے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔ص430

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کہاں ہے؟

روایات مختلف ہیں، یہ بھی روایت آئی کہ نعش مبارک کو مدینہ طیبہ لے جانے کی غرض سے ایک بغلہ پر رکھ کر چلے اور وہ چھوٹا اور غائب ہوگیا اور **منعِ زیارت کے لئے عدمِ مزار کا یقین چاہئے اور جوازِ زیارت کے لئے ایک روایت واحتمال کافی ہے** اور یہ لوگ اللہ کے نور ہیں انہیں جہاں سے پکارو گے فیض پہنچائیں گے، حضرت بتول زہرا صلی اللہ تعالیٰ علیٰ ابیہا الکریم وعلیہا وعلیٰ بعلہا وابنیہا وبارك وسلم کے مزارِ اطہر میں بھی دو روایتیں ہیں، بقیع شریف میں اور خاص جوارِ روضۂ اقدس میں، ایک صاحبِ دل نے مدینہ طیبہ کے ایک عالم سے کہا میں دونوں جگہ حاضر ہوکر سلام عرض کرتا ہوں

انوار پاتا ہوں، فرمایا: یہ کریم ذاتیں جگہ کی پابند نہیں تمہاری توجہ چاہئے پھر نور باری ان کا کام ہے۔ص432

حضرت پیرانِ پیر دستگیر کے گیارہ نام کیا کیا ہیں؟

الجواب: حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسماء شریفہ یہ ہیں: سیدمحی الدین سلطان، محی الدین قطب، محی الدین خواجہ، محی الدین مخدوم، محی الدین ولی، محی الدین بادشاہ، محی الدین شیخ، محی الدین مولٰنا، محی الدین غوث، محی الدین خلیل، محی الدین، **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص432

حضور ہمیشہ سے حنبلی تھے اور بعد کو جب عین الشریعۃ الکبرٰی تک پہنچ کر منصبِ اجتہادِ مطلق حاصل ہوا مذہبِ حنبل کو کمزور ہوتا ہوا دیکھ کر اس کے مطابق فتوٰی دیا کہ حضور محی الدین اور دینِ متین کے یہ چاروں ستون ہیں لوگوں کی طرف سے جس ستون میں ضُعف آتا دیکھا اس کی تقویت فرمائی۔**واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص433

رافضیوں کی کتابیں میرے کتب خانہ میں نہیں۔ص438

قرآنِ عظیم کی جمع وترتیبِ آیات اور جامع القرآن کون؟

قرآنِ عظیم کی جمع وترتیبِ آیات وتکمیل وتفصیلِ سُوَر زمانۂ اقدس حضور پُرنُور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں بامرِ الٰہی حسبِ بیانِ جبریلِ امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وارشاد وتعلیم حضور سیدُ المرسلین واقع ہوئی تھی، مگر قرآنِ عظیم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سینوں اور متفرق کاغذوں، پتھر کی تختیوں، بکری، دُنبے کی پوستوں، شانوں، پسلیوں وغیرہا میں تھا ایک جگہ سارا قرآنِ عظیم مجموع نہ تھا، جب جنگِ یمامہ میں کہ مسیلمہ کذّاب ملعون مدّعیِ نبوت سے زمانۂ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہوئی صدہا صحابہ کرام حفاظِ قرآن نے شہادت پائی، امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دلِ الہام منزل میں حق جَلَّ وَعَلَا نے اِلقاء کیا کہ حضرت خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر گزارش کی کہ اس لڑائی میں بہت صحابہ جن کے سینوں میں قرآنِ عظیم تھا شہید ہوئے، یونہی جہادوں میں حفّاظ صحابہ شہید ہوتے گئے اور قرآنِ عظیم متفرق رہا تو بہت قرآن جاتے رہنے کا اندیشہ ہے میری رائے میں حکم دیجئے کہ قرآنِ عظیم کی سب سورتیں یکجا کر لی جائیں، خلیفۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی رائے پسند فرمائی اور حضرتِ زید بن ثابت وغیرہ حفاظ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس امرِ جلیل کا حکم دیا کہ بحمد اللہ تعالیٰ سارا قرآنِ عظیم یکجا ہوگیا، ہر سورت ایک جُدا صحیفے میں تھی، وہ صحیفے تاحیاتِ صدیقی حضرت خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور انکے بعد حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم اور ان کے بعد حضرت ام المومنین حفصہ بنت الفاروق زوجۂ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم کے پاس رہے، عرب میں ہر قوم وقبیلہ کی زبان بعض الفاظ کے تلفُّظ میں مختلف تھی، مثلاً حرفِ تعریف میں کوئی الف لام کہتا تھا کوئی الف میم کہ اسی لغت پر حدیث: **لیس من امبر الصیام فی امسفر**۔سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔(ت) وارد ہے علاماتِ مضارع حروف ''اَتین'' کو کوئی مفتوح پڑھا تا تھا کوئی مکسور، ماشبہ بلیس کی خبر کو کوئی منصوب کرتا کوئی مرفوع، اِنَّ و اَنَّ وغیرہما کے اسم کو کوئی نصب دیتا کوئی رفع پر رکھتا، بعض قبائل ہر جگہ (ب) کو (م) بولتے (م) کو (ب)، تاءِ رحمۃ ونحوہا کوئی حالتِ وقفی میں کوئی (ہ) کہتا کوئی (ت) منصوب منوّن پر، کوئی الف سے وقف کرتا کوئی صرف سکون

سے، بعض مرفوع ومجرور پر بھی واو و یا سے وقف کرتے ، بعض قومیں حروفِ مدہ حرکاتِ موافقہ پر قناعت کرتیں اَعُوْ ذُ کو اَعُذُ ، تَعَالٰی کو تَعَالَ وغیر ذلک کہتیں، اسی قسم کے بہت سے تفاوت لہجہ وطر زِادا تھے، قرآنِ عظیم خاص لغتِ قریش پر اُترا تھا کہ صاحبِ قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریشی تھے۔

زمانۂ اقدس حضور پُرنُور صلوات اللہ وسلامہ علیہ میں کہ قرآنِ عظیم نیا نیا اُترا تھا اور ہر قوم وقبیلہ کو اپنے مادری لہجہ قدیمی عادات کا دَفعۃً بدل دینا دشوار تھا آسانی فرمائی گئی تھی کہ ہر قومِ عرب اپنے طرز ولہجہ میں قرأتِ قرآنِ عظیم کرے، زمانۂ نبوت کے بعد شُدہ شُدہ اَقوامِ مختلفہ سے بعض بعض لوگوں کے ذہن میں جم گیا جس لہجہ ولغت میں ہم پڑھتے ہیں اس میں قرآنِ کریم نازل ہوا ہے یہاں تک کہ زمانۂ امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بعض لوگوں کو اس بات پر باہم جنگ وجدل وزدوکوب کی نوبت پہنچی یہ کہتا تھا قرآن اس لہجہ میں ہے وہ کہتا تھا نہیں بلکہ اس دوسرے میں ہے، ہر ایک اپنے لغت پر دعوٰی کرتا تھا جب یہ خبر امیر المومنین عثمانِ غنی کو پہنچی فرمایا ابھی سے تم میں یہ اختلاف پیدا ہوا تو آئندہ کیا امید ہے۔ لہٰذا حسبِ مشورۂ امیر المومنین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم ودیگر اعیان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ قرار پایا کہ اب ہر قوم کو اس کے لب ولہجہ کی اجازت میں مصلحت نہ رہی بلکہ فتنہ اُٹھتا ہے لہٰذا تمام امت کو خاص لغتِ قریش پر جس میں قرآنِ عظیم نازل ہوا ہے جمع کردینا اور باقی لغات سے باز رکھنا چاہئے، صحیفہائے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ حضرتِ ام المومنین بنت الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس محفوظ ہیں منگا کر ان کی نقلیں لے کر تمام سورتیں ایک مصحف میں جمع کریں اور وہ مصاحف بلادِ اسلام میں بھیج دیں کہ سب اسی لہجہ کا اتباع کریں اس کے خلاف اپنے اپنے طرزِ ادا کے مطابق جو صحائف یا مصاحف بعض لوگوں نے لکھے ہیں دفعِ فتنہ کے لئے تلف کردیئے جائیں، اسی رائے صائب کی بناء پر امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرتِ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہلا بھیجا کہ صحیفہائے صدیقی بھیج دیجئے، امیر المومنین نے زید بن ثابت وعبداللہ بن زبیر وسعید بن عاص وعبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نقلیں کرنے کا حکم دیا، وہ نقلیں مکہ معظّمہ وشام ویمن وبحرین وبصرہ وکوفہ کو بھیجی گئیں اور ایک مدینہ طیبہ میں رہی اور اصل صحیفے جمع فرمودہ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس سے یہ نقلیں ہوئی تھیں حضرتِ ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو واپس دیئے ان کی نسبت معاذ اللہ دفن کرنے یا کسی طرح تلف کرادینے کا بیان محض جھوٹ ہے وہ مبارک صحیفے خلافتِ عثمانی پھر خلافتِ مرتضوی پھر خلافتِ امام حسن پھر خلافتِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک بعینہا محفوظ تھے یہاں تک کہ مروان نے لے کر چاک کردیئے۔

بالجملہ اصل جمعِ قرآن تو بحکمِ ربُّ العزّۃ حسبِ ارشادِ حضور پُرنور سید الاسیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہولیا تھا سب سُوَر کا یکجا کرنا باقی تھا امیر المومنین صدیقِ اکبر نے بمشورۂ امیر المومنین فاروقِ اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیا پھر اسی جمع فرمودۂ صدیقی کی نقلوں سے مصاحف بنا کر امیر المومنین عثمانِ غنی نے بمشورۂ امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلادِ اسلام میں شائع کئے اور تمام امت کو اصل لہجۂ قریش پر مجتمع ہونے کی ہدایت فرمائی اسی وجہ سے وہ جناب جامعُ القرآن کہلائے ورنہ حقیقۃً جامعُ القرآن رب العزۃ تعالیٰ شانُہ ہے، کما قال عزمن قائل: {اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ}، بیشک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔ (ت)

اور بنظرِ ظاہر حضور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ایک جگہ اجتماع کے لحاظ سے سب میں پہلے جامع القرآن حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ، حاکم مستدرک میں بشرطِ بخاری ومسلم حضرتِ زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نؤلف القراٰن من الرقاع یعنی ہم زمانۂ اقدس حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں قرآن پارچوں میں جمع کرتے تھے۔ص 440

فوائدِ تفسیریہ وعلومِ قرآن

مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ کیسا؟

فقیر کی رائے قاصر یہ ہے کہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ پیشِ نظر رکھا جائے اور اس میں چار تبدیلیں محفوظ رہیں:

(۱) وہ الفاظ کہ متروک یا نامانوس ہوگئے، فصیح وسلیس ورائج الفاظ سے بدل دیئے جائیں۔

(۲) مطلبِ اَصح جس کے مطالعہ کو جلالین کہ اَصح الاقوال پر اقتصار کا جن کو التزام ہے سرِ دست بس ہے، ہاتھ سے نہ جائے۔

(۳) اصل معنیٔ لفظ اور محاوراتِ عرفیہ دونوں کے لحاظ سے ہر مقام پر اس کے کمالِ پاس رہے، مثلاً {غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ} کا یہ ترجمہ کہ جن پر غصہ ہوا یا تو نے غصہ کیا، فقیر کو سخت ناگوار ہے، غصہ کے اصل معنی اُچھو کے ہیں یعنی کھانے کا گلے میں پھنسنا، جیسے {طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ} فرمایا اس سے استعارہ کرکے ایسے غضب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جسے آدمی کسی خوف یا لحاظ سے ظاہر نہ کرسکے، گویا دل کا جوش گلے میں پھنس کر رہ گیا۔ عوام کہ دقائقِ کلام سے آگاہ نہیں، فرق نہ کریں، مگر اصل حقیقت یہی ہے کہ علماء پر اس کا لحاظ لازم ہے۔ ترجمہ یوں ہوا: ''نہ ان کی جن پر تو نے غضب فرمایا، یا جن پر تیرا غضب ہے، یا جن پر غضب ہوا، یا جو غضب میں ہیں'' خیال کرنے سے ان کے ترجمہ میں اس کی بہت سی نظائر معلوم ہوسکتی ہیں۔

(۴) سب سے اَہم واَعظم واَقدم واَلزم مراعاتِ متشابہات کہ ان میں ہمارے ائمۂ کرام سے دو مذہب ہیں:

اول: ہم نصوص پر ایمان لائے، نہ تاویل کریں نہ اپنی رائے کو دخل دیں، {اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا} (ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ت) معنی ہمیں معلوم ہی نہیں، اِن سے اگر قولہ تعالٰی {ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ} کا ترجمہ کرایئے تو وہ فرمائیں گے: ''پھر استواء فرمایا آسمان کی طرف'' اگر پوچھئے ''اِسْتَوٰی'' کے کیا معنی، تو لاندری (ہم نہیں جانتے۔ت) سے جواب ملے گا۔

دوم: تاویل کہ متاخرین نے تفہیمِ جہال کے لئے اختیار کیا کہ کسی خوبصورت معنی کی طرف پھیر دیں جس کا ظاہر شانِ عزت پر محال نہ ہو اور طرفِ تجویز وتجارب میں لفظِ کریم سے قرب بھی رکھتا ہو، ان سے اگر آیۂ کریمہ مذکورہ کا ترجمہ کرایئے تو وہ کہیں گے: ''پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا'' مگر یہ کہ تفویض چھوڑیں اور تاویل بھی نہ کریں بلکہ معنی محال وظاہر کا صریح ادا کرنے والا لفظ قائم کردیں جیسے کریمہ مذکورہ کا ترجمہ ''پھر چڑھ گیا آسمان کو'' کہ چڑھنا اور اُترنا شانِ عزت پر محالِ قطعی اور جہال کے لئے معاذ اللہ موہم بلکہ مصرّح بہ جسمانیت ہے، یہ ہمارے ائمۂ متقدمین کا دین نہ متاخرین کا مسلک، اس سے احتراز فرضِ قطعی ہے۔ فقیر نے جہاں تک دیکھا ترجمہ منسوبہ بحضرتِ قدسی منزلت سیدنا مصلح الدین سعدی قدس سرہ العزیز اس عیب مشابہ سے پاک

ومنزہ ہے، ان میں اس سے مدد لی جائے، وباللہ التوفیق۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ص457

{اُولِی الْاَمْرِ} سے کون مراد ہیں؟

{اُولِی الْاَمْرِ} میں اَصح القول یہی ہے کہ اس سے مراد علمائے دین ہیں (جیسا کہ اس پر زرقانی وغیرہ نے نص فرمائی ہے۔ت) نہ کہ سلاطین جن کے بہت اَحکام خلافِ شرع ہوتے ہیں۔ یزید پلید کے وقت میں بکثرت صحابہ کرام وتابعین اعلام تھے وہی {اُولِی الْاَمْرِ} تھے نہ کہ یزید علیہ مایستحقہ۔ ص463

قرآنِ پاک کی پاروں پر تقسیم اور اِعراب

پاروں پر تقسیم امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ کی نہ کسی صحابی نہ کسی تابعی نے، معلوم نہیں اس کی ابتدا کس نے کی، یہ بہت حادث ہے، ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے اس کی ابتداء کی اس نے اپنے پاس کے مصحف شریف کو تیس حصوں پر کہ باعتبارِ عددِ اوراق مساوی تھے تقسیم کرلیا اور یہ تقسیم ان ان مواقع پر آ کے واقع ہوئی، اور یہی ان بلاد میں رائج ہوگئی، سب جگہ اس پر اتفاق بھی نہیں بلکہ شام وغیرہ کی تقسیم اس سے کچھ مختلف ہے، بہرحال یہ کچھ ضروری بات نہیں نہ اس کے ماننے میں حرج۔ ص492

حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآنِ عظیم کی عبارتِ کریمہ نازل ہوئی عبارت میں اِعراب نہیں لگائے جاتے حضور کے حکم سے صحابہ کرام مثلِ امیر المومنین عثمٰنِ غنی وحضرتِ زید بن ثابت وامیرِ معاویہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسے لکھتے ان کی تحریر میں بھی اِعراب نہ تھے یہ تابعین کے زمانے سے رائج ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص492

تصوّف وطریقت وآدابِ بیعت وپیری ومریدی

قادری کا دوسرے سلسلے میں طالب ہونا کیسا؟

اول: ان سے طالب ہونا ہرگز کچھ ضرور نہیں، بلکہ جب افضل السلاسل سلسلہ علیہ، عالیہ، صحیحہ، متصلہ، قادریہ، طیبہ میں شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر فخرِ بیعت نصیب ہو چکا ہے تو اسے دوسری طرف اَصلاً توجہ و پریشان نظر ہی نہ چاہئے۔ ص557

طالب اور مرید میں کیا فرق ہے

دوم: مرید غلام ہے، اور طالب وہ کہ غیبتِ شیخ میں بضرورت یا باوجودِ شیخ کسی مصلحت سے، جسے شیخ جانتا ہے یا مریدِ شیخ، غیرِ شیخ سے استفادہ کرے، اسے جو کچھ اس سے حاصل ہو وہ بھی فیضِ شیخ ہی جانے، ورنہ دو دَر کبھی فلاح نہیں پاتا۔

اولیائے کرام فرماتے ہیں: لایفلح مرید بین شیخین۔ جو مرید دو پیروں کے درمیان ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ (ت) ص558

زوجہ کو مرید کرنا جائز ہے، تمام امت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مرید ہی ہوتی ہے پھر وہ انہیں میں سے تزوّج فرماتے ہیں، مرید حقیقۃً اولاد نہیں ہوتا، وہ ایک دِینی علاقہ ہے جو صرف پیر بلکہ استاذِ علمِ دین کو بھی شاگرد پر حاصل ہے۔ ص564

کرامت اور فیض میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

کرامت خرقِ عادت ہے کہ ولی سے صادر ہو، اور فیض برکات اور نورانیت کا دوسرے پر اِلقا فرمانا ہے، یہ اِلقاء اگر برخلافِ عادت ہو تو فیض بھی ہے اور کرامت بھی جیسے حضور سیدنا غوثِ اَعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک نصرانی کے گھر تشریف لے جا کر اسے سوتے سے جگا کر کلمہ پڑھنے کا حکم دیا اس نے فوراً پڑھ لیا۔ فرمایا: فلاں جگہ کا قطب مر گیا ہے ہم نے تجھے قطب کیا۔ نیز ایک بار ایک نصرانی کو کلمہ پڑھا کر اسی وقت اَبدال میں سے کر دیا، اور اگر موافقِ عادت تربیت و ریاضات ومجاہدات سے ہو تو فیض ہے، کرامت نہیں۔ اور اگر خلافِ عادت غیرِ اِلقائے مذکور ہو جیسے حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بار ہا مردے کو زندہ، زندہ کو مردہ فرما دیا۔ تو کرامت ہے فیض نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص564

پیر میں چار شرطیں لازم ہیں

اول: سنی صحیح العقیدہ مطابق عقائدِ علماءِ حرمین شریفین ہو۔

دوسرے: اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔

تیسرے: فاسق معلن نہ ہو۔

چوتھے: اس کا سلسلہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہو۔ اگر کسی شخص میں ان چاروں میں سے کوئی شرط کم ہے اور ناواقفی سے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا بعد کو ظاہر ہوا کہ وہ بدمذہب یا جاہل یا فاسق یا منقطعُ السلسلہ ہے تو وہ بیعت صحیح نہیں، اسے دوسری جگہ مرید ہونا چاہئے جہاں یہ چاروں شرطیں جمع ہوں۔ ص568

جس میں یہ چاروں شرطیں جمع ہیں اس کے ہاتھ پر بیعت جائز ہے اور ایسے پیر کے افعال واقوال پر اعتراض سخت حرام اور موجبِ محرومیِ برکاتِ دارین ہے، اس کی جو بات اپنے ذہن میں خلاف معلوم ہو واجب ہے کہ اچھی تاویل کرے اور تاویل میں سمجھ نہ آئے تو یہ سمجھے کہ اس کا کوئی عمدہ منشا ہو گا جو میری سمجھ میں نہ آیا، اب آپ اپنے پیر کو دیکھئے ان چار شرطوں میں سے اگر کسی شرط کی کمی ہے تو بیعت ناجائز ہوئی، آپ کو چاہئے کہ کسی پیر جامع شرائط پر بیعت کریں۔ ص588

کسی کو جبراً مرید کرنا اور نابالغوں کو بغیر ان کے والدین کی اجازت کے بیعت کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

مریدی اور جبر دونوں متبائن ہیں جمع نہیں ہو سکتے، مریدی اپنے دل کی اِرادت سے ہے نہ کہ دوسرے کے جبر سے۔ ایسا جبر وہ کرتے ہیں جنہیں مریدوں سے کچھ تحصیل کرنا ہوتا ہے یا کثرتِ مریدین سے اپنی شہرت، نابالغ اگر ناسمجھ ہے تو بے اجازتِ ولی اسے مرید کرنے کے کوئی معنی نہیں، ہاں تعلیقِ اِرادت ممکن ہے جس کا قبول اس کے عقل وبلوغ پر موقوف رہے گا، اگر کسی میں رُشد کے آثار پائے اور گمان کرے کہ اس کے زمانۂ عقل تک شاید اپنی عمر وفا نہ کرے اور اسے شیخ کی حاجت ہو۔ اور زمانہ کی حالت یہ ہے کہ ع اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نہ باید داد دست

(بہت سے شیطان انسانی شکلوں میں ہیں لہٰذا ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔ت) ولہٰذا اسے اپنا کر لے، اور وہ زمانۂ عقل تک پہنچ کر اسے قبول کر لے تو بیعت کی تکمیل ہو جائے گی اور اگر عاقل ہے اور اس کی رغبت دیکھے تو مرید کر سکتا ہے، اجازتِ

والدین کی حاجت نہیں۔ص 567

* ایک دن کا بچہ بھی اپنے ولی کی اجازت سے مرید ہوسکتا ہے۔ص 578

زید سے اِصرار کیا کہ تم بھی مرید ہوجاؤ، بعدِ اِصرار کے زید بھی مرید ہوگیا، آیا شرعاً مرید ہوا یا نہیں؟

اگر ان کے اصرار کے بعد اس کے دل میں عقیدت آگئی اور بالقصد مرید ہوا مرید ہوگیا، اور صرف ان کے اِصرار کے سبب بے دِلی سے بیعت کی مرید نہ ہوا کہ اِرادت قلب سے ہے۔ص 590

بیعت بذریعہ خط و کتابت

بیعت بذریعہ خط و کتابت بھی ممکن ہے، یہ اسے درخواست لکھے وہ قبول کرے اور اپنے قبول کی اس درخواست دہندہ کو اطلاع دے اور اس کے نام کا شجرہ بھی بھیج دے، مرید ہوگیا، کہ اصل اِرادت فعلِ قلب ہے۔ص 568

* بذریعۂ قاصد یا خط مرید ہوسکتا ہے۔ص 585

جو پتہ یا درخت بوجہِ غفلتِ تسبیح گر جاتا ہے یا جانور ذبح کر دیا جاتا ہے تو پھر بعد اَز سزائے غفلت اس کا تسبیح میں مشغول ہونا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: رب عزوجل فرماتا ہے: {تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ } اس کی تسبیح کرتے ہیں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو مگر تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ یہ کلیہ عامہ جمیع اشیائے عالم کو شامل ہے، ذی روح ہو یا بے روح، اجسامِ محضہ جن کے ساتھ کوئی روح نباتی بھی متعلق نہیں، دائمُ التسبیح ہیں کہ {اِنْ مِنْ شَیْءٍ} کے دائرے سے خارج نہیں، مگر ان کی تسبیح بے منصبِ ولایت نامسموع نہ مفہوم، اور وہ اجسام جن سے روحِ اِنسی یا ملکی یا جنی یا حیوانی یا نباتی متعلق ہے **ان کی دو تسبیحیں ہیں:** ایک تسبیحِ جسم، کہ اس روحِ متعلق کے اختیار میں نہیں وہ اسی {اِنْ مِنْ شَیْءٍ} کے عموم میں اس کی اپنی ذاتی تسبیح ہے۔ دوسری تسبیحِ روح، یہ ارادی اختیاری ہے اور برزخ میں ہر مسلمان کو مسموع و مفہوم، اس تسبیح ارادی میں غفلت کی سزا حیوان و نبات کو قتل و قطع سے دی جاتی ہے، اور اس کے بعد جب جانور مرجائے یا نبات خشک ہوجائے منقطع ہوجاتی ہے ولہٰذا ائمۂ دین نے فرمایا کہ تر گھاس مقابر سے نہ اُکھیڑیں فانه مادام رطبا یسبح الله فیؤنس المیت کہ جب تک وہ تر ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے تو میت کا دل بہلتا ہے، مگر قتل و قطع و موت و یبس کے بعد بھی وہ تسبیح کہ نفسِ جسم کی تھی جب تک اس کا ایک جزوِ لایتجزی باقی رہے گا منقطع نہ ہوگی کہ {اِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ}(اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے۔ت) اسے روح سے تعلق نہ تھا کہ تعلقِ روح نہ رہنے سے منقطع ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص 569

پیرِ کامل میسر نہ ہو تو طالبِ خدا کو کیا کرنا چاہئے؟

درود شریف کی کثرت کرے یہاں تک کہ درود کے رنگ میں رنگ جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ص 574

پیر ہونے کے لئے سید ہونا ضروری نہیں

پیر ہونے کے لئے وہی چار شرطیں درکار ہیں، ساداتِ کرام سے ہونا کچھ ضرور نہیں، ہاں ان شرطوں کے ساتھ سید بھی ہوتو نورٌ علیٰ نور، باقی اسے شرط ضروری ٹھہرانا تمام سلاسلِ طریقت کا باطل کرنا ہے، سلسلہ عالیہ قادریہ سلسلۃ الذہب میں سیدنا امام علی رضا اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جتنے حضرات ہیں کوئی سادات کرام سے نہیں اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں تو امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے بعد ہی سے امام حسن بصری ہیں کہ نہ سید نہ قریشی نہ عربی، اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا خاص آغاز ہی حضور سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، اسی طرح دیگر سلاسل رضوان اللہ تعالیٰ علی مشائخہا اجمعین۔ص576

پیر انتقال کر جائے یا کسی وجہ سے ان سے تعلیم ناممکن ہوتو دوسرے کا مرید یا طالب ہونا؟

اس سے ارادت کرسکتا ہے، مگر یہ ارادت ارادتِ استفاضہ ہوگی نہ کہ ارادتِ استعاضہ، یعنی پیر کو چھوڑ کر اس کے عوض پیر بنانا کہ جو ایسا کرے گا دونوں طرف سے محروم رہے گا۔ص576

تبدیلِ شیخ بلاضرورتِ شرعیہ جائز نہیں۔ حدیث میں ارشاد ہوا: من رزق فی شیء فلیلزمہ۔ جسے کسی شَے میں رزق دیا جائے تو وہ اس کو لازم پکڑے۔(ت)۔ص577

جو شخص کسی شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا ہوتو دوسرے کے ہاتھ پر بیعت نہ چاہئے، اکابرِ طریقت فرماتے ہیں: جو مرید دو پیروں کے درمیان مشترک ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا(ت) خصوصاً جبکہ اس سے کشودکار(حصولِ فائدہ) بھی ہو چکا ہو، دوسرے جامع شرائط سے طلبِ فیض میں حرج نہیں اگرچہ وہ کسی سلسلہ صریحہ کا ہو اور اس سے جو فیض حاصل ہو اسے بھی اپنے شیخ ہی کا فیض جانے، شیخ جب نہ رہا اور اس کا سلوک ناقص ہو اس کی تکمیل بطورِ خود نہ کرے کہ یہ راہ تنہا چلنے کی نہیں،(جیسا کہ امام قشیری علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ مبارکہ اور امام سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف شریفہ میں اس کا افادہ فرمایا ہے۔ اور ہم نے اس کو فتاوٰی افریقہ میں بیان کیا ہے۔ت) بلکہ کسی لائقِ تکمیل سے استمداد کرے اس میں حتی الامکان لحاظِ قُرب رکھے اپنے شیخ کے خلفا میں سے کوئی اس قابل ہو تو وہ اَولیٰ ہے ورنہ اپنے سلسلے سے اَقرب فالاقرب اور نہ ملے تو جو ملے یہ اس لئے کہ اختلافِ راہ اطالتِ عمل کرنے اور اپنے زمانے میں اپنے حق میں اپنے شیخ صحیح المشیخہ سے کسی کو افضل جاننا سوءِ ادب ہے۔ص579

جو پیر سنی صحیح العقیدہ عالم غیرِ فاسق ہو اور اس کا سلسلہ آخر تک متصل ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کے لئے والدین خواہ شوہر کسی کی اجازت کی حاجت نہیں۔ص584

شجرہ خوانی سے متعدد فوائد ہیں:

اوّل: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک اپنے اتصال کی سند کا حفظ۔

دوم: صالحین کا ذکر کہ موجبِ نزولِ رحمت ہے۔

سوم: نام بنام اپنے آقایانِ نعمت کو اِیصالِ ثواب کہ ان کی بارگاہ سے موجبِ نظرِ عنایت ہے۔

چہارم: جب یہ اوقاتِ سلامت میں ان کا نام لیوا رہے گا وہ اوقاتِ مصیبت میں اس کے دستگیر ہوں گے۔ 591

دیدارِ الٰہی

یہ آنکھیں فانی ہیں اور فانی باقی کو نہیں دیکھ سکتا، لہٰذا دنیا میں دیدارِ الٰہی سوا حضرت سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی نبی مقرب کو بھی نصیب نہ ہوا ہاں چشمِ روح باقی ہے ہم ابھی ذکر کر آئے کہ روح کے لئے، تو اولیاء نظرِ دل سے اُس جمالِ جہاں آرا کا مشاہدہ کرتے ہیں اور روزِ حشر وہ آنکھیں ملیں گی جنہیں پھر کبھی موت وفنا نہیں تو اس دن چشمِ جسم سے بھی مسلمان دیدارِ الٰہی تبارک وتعالیٰ سے مشرف ہوں گے۔ اللّٰھم ارزقنا آمین! ص602

اوراد و وظائف وعملیات

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے جملہ نقوش وتعویذاتِ خاندانی جو فقیر کو اپنے مشائخ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا حضرت جناب سیدشاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ مارہری قدس سرہ العزیز یا ارشاداتِ ائمۂ کرام واولیائے عظام وعلمائے اَعلام سابقین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے پہنچے یا فقیر نے بفضلہٖ تعالیٰ مجاز وماذون ہو کر خود ایجاد کئے یا آئندہ ایجاد کروں ان سب کی اِجازتِ عامہ تامہ صحیحہ نجیحہ اپنے خواہرزادہ برخوردار حکیم علی احمد خاں سلمہ کو دی، مولیٰ تعالیٰ اپنے کرم سے برکت فرمائے شرط یہ ہے کہ کسی کام خلافِ شرع کے لئے نہ خود استعمال کریں نہ کسی ایسے کو دیں یا بتائیں جو کوئی کام خلافِ شرع چاہتا ہو۔

جس طرح عورتیں اکثر تسخیرِ شوہر چاہتی ہیں کہ شوہر ہمارے کہنے میں ہوجائے جو ہم کہیں وہی کرے، یہ حرام ہے۔ حدیث میں اسے شرک فرمایا اللہ عزوجل نے شوہر کو حاکم بنایا نہ کہ محکوم، یا یہ چاہتی ہیں کہ اپنی ماں بہن سے جدا ہوجائے یا ان کو کچھ نہ دے ہمیں کو دے، یہ سب مردود خواہشیں ہیں، مقدماتِ فوجداری میں مسلمانوں کو نقوشِ حفاظت دیئے جائیں، دیوانی ومال کے مقدمات میں جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ حق پر ہے نہ دیں کہ ظالم کی اِعانت حرام ہے، حُب وتسخیرِ عورت کے لئے نقش وعمل کسی کو نہ دیا جائے اس میں اکثر مقاصد فاسد بھی ہوتے ہیں اگر فی الواقع نکاح ہی کا طالب ہو جب بھی صریح اندیشۂ معصیت ہے کہ اجنبی کی محبت دلِ عورت میں پیدا ہونا سمِ قاتل ہے ممکن کہ نکاح میں تعویق ہو یا اولیائے زن نہ مانیں اور محبت طرفین سے پیدا ہوچکی تو اس کا نتیجہ برا ہو، یونہی اگر تسخیرِ زن نہ چاہے بلکہ اولیائے زَن کی تسخیر کہ وہ اس سے نکاح کر دیں اور یہ ان کا کفو نہ ہو یعنی ایسا کم ہو کہ اس سے اس کا نکاح اولیائے زن کے لئے باعثِ مطعونی یا معصیتِ شرعی ہو جب بھی ہرگز نہ دیں کہ یہ مسلمانوں کی مضرت رسانی ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے مطلقاً دیا ہی نہ جائے نکاح خصوصاً ہندوستان میں عمر بھر کا ساتھ ہوتا ہے اور انجام کا علم اللہ عزوجل کو۔ ممکن کہ یہ رشتہ طرفین میں کسی کے لئے شر ہو تو شر کا سبب (بننا) نہ چاہئے، یہاں ایسوں کو ہمیشہ یہی ہدایت کی جاتی ہے کہ استخارۂ شرعی کریں اور دعا کہ اللہ عزوجل وہ کرے جو بہتر ہو، نہ خود کسی مسلمان کی ضرر رسانی کا کوئی عمل کیا جائے نہ کسی کو بتایا جائے اگرچہ وہ اپنی کتنی ہی مظلومی اور اس کا ظالم ومُوذِی ہونا ظاہر کرے، ہاں اگر ثبوتِ شرعی سے ثابت ہوجائے کہ وہ عام طور پر موذی وظالم ہے تو اس کے لئے اسی قدر ضرر کی خواہش روا ہے جس قدر کا شرعاً اسے اِستحقاق ہے اس سے زیادہ حرام ہے اور اس کا صحیح معیار پر اندازہ خصوصاً اپنے معاملہ میں بہت دشوار ہوتا ہے لہٰذا ہمیشہ یہاں سپر ہی ہاتھ میں رکھی تلوار کام میں نہ لائی

گئی، اسی پرعمل رہے۔مسلمانوں کولوجہِ اللہ تعویذات واَعمال دیئے جائیں دُنیوی نفع کی طمع نہ ہوجیسا آج تک بحمدِ اللہ تعالیٰ یہاں کا دستور ہے۔ کفارکواگرنقوش دیئے جائیں تومُضِر، انہیں مُظہِر کی اجازت نہیں اوروہ بھی اس اَمر میں ہوجس سے کسی مسلمان کا نقصان نہ ہواوران سے معاوضہ لینے میں مضائقہ نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔

جوکافرخصوصاً مرتد جیسے قادیانی، نیچری، وہابی، رافضی، چکڑالوی، غیرمقلد مسلمان کوایذادیا کرتا ہواگرچہ رسائل کی تحریر یامذہبی تقریر سے اس پرسے دفعِ بلاخواہ رفعِ مرض کا بھی نقش نہ دیا جائے، اورایسانہ ہواوراس کام میں کسی مسلمان کا ذاتی نقصان بھی نہ ہوجب بھی مرتدوں کا مبتلائے بلاہی رہنا بھلا، اوراگردیں توضرور بمعاوضہ کہ اس میں دینی نفع توتھاہی نہیں دُنیوی بھی نہ ہوتوآخرکس لئے، یہ بارہ باتیں بطورِنمونہ ہیں، غرض ہرطرح مصلحتِ شرعیہ ملحوظ رہے اللہ عزوجل توفیق دے۔آمین!ص 607

(۱) کسی شخص کاغصہ بڑھ جائے تواس کے لئے آپ کوئی تعویذ دیں اور کچھ پڑھنے کوبتائیں۔

(۲) ماں باپ میں یابہن بھائی ہو یامیاں بیوی ہومحبت اوراتفاق پیدا ہو پڑھنے کوبتائیں یاکوئی تعویذ دیجئے۔

(۱) دفعِ غضب کے لئے لاحول شریف کی کثرت کرے اورجس وقت غصہ آئے دل کی طرف متوجہ ہوکرتین بارلاحول پڑھے تین گھونٹ ٹھنڈاپانی پی لے، کھڑاہے توبیٹھ جائے، بیٹھاہے تولیٹ جائے، لیٹاہے تواُٹھے نہیں۔

(۲) سب گھروالوں میں اتفاق کے لئے بعدنمازِ جمعہ لاہوری نمک پرایک ہزارایک باریَاوَدُوْدُ پڑھیں، اول آخردس دس بار درودشریف، اوراس وقت سے اس نمک کابرتن زمین پرنہ رکھیں، وہ نمک سات دن گھرکی ہانڈی میں ڈالیں، سب کھائیں، مولیٰ تعالیٰ سب میں اتفاق پیدا کرے گا، ہرجمعہ کوسات دن کے لئے پڑھ لیا کریں۔

جس شخص کو دِینی یا دُنیوی بات یاد نہ رہتی ہو وہ کیا پڑھے؟

الجواب: سپیدچینی کی تشتری پرلکھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اھ ط م ف ش ذ اوراسے ذراسے پانی سے دھوکراس پر ۹۹۸بار، اورنہ ہوسکے تو۴۰۰ یا۱۰۰ ہی بار یَاحَفِیْظُ پڑھ کردم کرے اوروہ پانی پی لے، روزایساہی کرے، اورسوتے وقت ۱۷بارسورہ اَلَمْ نَشْرَحْ شریف پڑھ کرسینے پردم کرلیا کرے اورکلنگ (اصیل مرغ) ذبح کرکے ذبح کی گرمی میں اس کامغزنکال کر ۴۰باراس پریَاحَفِیْظُ دم کرکے کھالے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔ص 612

*** سیدناموسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ کااسم شریف یُوْحَانِذْ ہے۔ص 606**

* کسی عمل کاثواب مولیٰ تعالیٰ کی ''نذرکرنا''، محض جہالت ہے وہ غنی مطلق ہے اورحضوراَقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام خواہ اورنبی یاولی کو''ثواب بخشنا'' کہنابے ادبی ہے بخشنابڑے کی طرف سے چھوٹے کوہوتاہے بلکہ'' نذرکرنایاہدیہ کرنا'' کہے۔ص 609

*** ہندی زبان میں لکھاہوارسالہ جو''نورنامہ'' کے نام سے مشہورہے، اس کی روایت بے اصل ہے اس کوپڑھنا جائزنہیں ہے، اس لئے کہ اس میں ثواب کی جگہ پراوردعاؤں پرمطبعوں میں جواسنادی روایتیں لکھتے ہیں وہ اکثربے اصل ہیں۔ص 610**

جلد نمبر 27
کتابُ الشَّتّٰی (حصّہ دوم)
فوائدِ حدیثیہ
رمضانُ المبارک میں جمعہ کی رات کو ایک ہیبت ناک آواز آئے گی؟

آئے گی مگر یہ نہ کہا تھا کہ اسی رمضان آئے گی، جب آئے گی تو وہ رمضان ہی ہوگا جس کی پندرھویں جمعہ کو ہوگی، اس سال زلزلے کثرت سے ہوں گے، اَولے کثرت سے پڑیں گے، پندرھویں شبِ رمضان شبِ جمعہ ایک دھما کہ ہوگا صبح کی نماز کے بعد ایک چنگھاڑ سنائی دے گی، حدیث میں آیا کہ اس تاریخ کو نمازِ صبح پڑھ کر گھروں کے اندر داخل ہو جاؤ اور کواڑ بند کرلو، گھر میں جتنے روزن ہوں بند کرلو، کان بند کرلو، پھر آواز سنو تو فوراً اللہ عزوجل کے لیے سجدہ میں گرو اور کہو ''سُبْحٰنَ الْقُدُّوْسِ سُبْحٰنَ الْقُدُّوْسِ رَبُّنَا الْقُدُّوْس'' (قدوس کے لیے پاکی ہے قدوس کے لیے پاکی ہے اور ہمارا پروردگار قدوس ہے۔ت) جو ایسا کرے گا نجات پائے گا جو نہ کرے گا ہلاک ہوگا۔

یہ حدیث کا مضمون ہے، اس میں یہ تعیین نہیں کہ کس سنہ میں ایسا ہوگا، بہت رمضان گزر گئے جن کی پہلی جمعہ کو تھی اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی گزریں گے، ہاں جو خبر دی ہے ہونے والی ضرور ہے جب کبھی ہو، اللہ تعالیٰ سے خوف وامید ہر وقت رکھنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص42

اِنَّ اللہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کا معنی

یہ حدیث صحیح ہے اور اضافت شرف کے لیے ہے، جیسے بَیْتِیْ (میرا گھر) اور نَاقَۃُ اللہِ (اللہ کی اونٹنی) یا ضمیر آدم کی طرف ہے یعنی آدم کو ان کی کامل صورت پر بنایا۔ طولہ ستّون ذراعاً ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا بخلاف اولادِ آدم کہ بچہ چھوٹا پیدا ہوتا پھر بڑھ کر اپنے کامل قد کو پہنچتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص43

''عبادلہ ثلٰثہ'' سے مراد

''عبادلہ ثلٰثہ'' محققین کی اصطلاح میں اَبنائے عُمر وعباس وعَمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (ان کے ایک زمانے میں مشترک ہونے اور عمروں میں قریب قریب ہونے کی وجہ سے، ان سب میں افضل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو ان سب سے فائق اور سب کے شیخ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ت) ہاں ہماری اصطلاحِ فقہی میں بجائے ثالث یہ ادل الکل ہیں۔ کما فی فتح القدیر۔ص43

کام بدھ کے دن شروع کرنا؟

حدیث میں نبی کریم فرماتے ہیں: مامن شیء بدایوم الاربعاء الاتم۔ جو چیز بدھ کے دن شروع کی جاتی ہے وہ اتمام کو پہنچتی ہے مگر بعد نمازِ عصر کی تخصیص ثابت نہیں بلکہ ظہر وعصر کے درمیان مناسب ہے کہ بدھ کے دن یہ وقت ساعتِ اِجابت ہے (جیسا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیثِ احمد میں ہے۔ت)۔ص 44

وصیت میں وارث کو نقصان دینا چند طریقے سے ہوتا ہے

اِضرار وصیت میں چند طریقے پر ہوتا ہے (۱) ثلث سے زائد وصیت کرے (۲) اجنبی کے لیے مال کا اقرار کرے (۳) یا فرضی قرض کا اقرار کرے (۴) وہ قرض جو دوسرے پر تھا اس کو وصول کر چکا ہو۔ (۵) کسی چیز کو سستا بیچ دے (۶) مہنگا خریدے (۷) ثلث کی وصیت کرے مگر رضائے الٰہی کے لیے نہیں ورثاء کو ضرر دینے کے لیے کہ میرے بعد مال انہیں نہ ملے، تو یہ سب وصیت میں اِضرار کی صورتیں ہیں۔ص 46

روایتِ حدیث کے دو طریقے

روایتِ حدیث کے دونوں طریقے ہیں، روایت باللفظ و روایت بالمعنٰی، خود حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحدیث بالمعنی کی اجازت فرمائی ہے قرآنِ عظیم کے نظمِ کریم وحکمِ عظیم دونوں کے ساتھ تعبُّد ہے اس میں نقل بالمعنی جائز نہیں حدیث کے حکم کے ساتھ تعبُّد ہے جو الفاظِ کریمہ جوامع الکلم سے ارشاد ہوئے ہیں وہ بعینہا منقول ہیں اور باقی میں لفظ پر اِقتصار موجبِ ضیق و عُسر تھا۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ {مَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ} تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔ اور وہ یقیناً حدیث ہے اُسے یہ کہنا کہ صحابہ نے اس پر حدیث کا حکم دے دیا ہے ایک بہت بڑا پہلو رکھتا ہے، بادشاہ فرمائے زید سے کہو کہ ابھی آئے اس پر حکم پہنچانے والا زید سے جا کر کہے کہ ظلِّ سبحانی نے فرمایا ہے فوراً حاضر ہو، تو بے شک اس نے بادشاہ ہی کا حکم پہنچایا اور بادشاہ ہی کی بات نقل کی۔

حدیث کے جب معنی حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت اور صحیح ہیں تو اسے موضوع نہیں کہہ سکتے ورنہ صحیحین کی صدہا حدیثیں معاذ اللہ موضوع ہو جائیں گی ہاں اگر کوئی یہ دعوٰی کرے کہ یہی اَلفاظ بعینہا زبانِ اَقدس سے صادر ہوئے ہیں، اور اس کا ثبوت نہ ہو تو وہ سخت خاطی ہے اور اگر دانستہ کہے تو "من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار" (جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ت) میں داخل۔ص 49

حدیث "میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے" سے کون مراد ہیں؟

اس سے مراد وہ خُلفاء ہیں کہ والیانِ اُمّت ہوں اور عدل و شریعت کے مطابق حکم کریں، ان کا متصل مسلسل ہونا ضرور نہیں، نہ حدیث میں کوئی لفظ اس پر دال ہے، اُن میں سے خلفائے اربعہ و امام حسن مجتبٰی و امیرِ معاویہ و حضرت عبداللہ بن زبیر و حضرت عمر بن عبدالعزیز معلوم ہیں اور آخر زمانہ میں حضرت سیدنا امام مہدی ہوں گے۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ یہ نو ہوئے باقی

تین کی تعیین پر کوئی یقین نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ص 51

حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے قول ''میں نے حدیث کو چھوڑ دیا'' کا مطلب

مناقبِ خوارزمی اور مناقب کردری دونوں میں بحوالہ امام حاکم صاحبِ مستدرک وارد ہے کہ اس سے مراد موضوع حدیثیں ہیں جو کتابُ اللہ کے مخالف ہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ معنی امام صاحب کے قول کہ ''تجھ پر لازم ہے کہ قیاس پر عمل کر'' اور حضرت حماد کے قول کے ''میں نے حدیث کو چھوڑ دیا ہے'' پر منطبق نہیں ہوتا، اور میرے دل میں القا ہوا ہے کہ حدیث پر الف لام عہدی ہے۔ اس سے مراد کوئی خاص حدیث ہے جس کو حضرت حماد علیہ الرحمۃ روایت کرتے تھے اور واقع میں وہ حدیث صحیح نہ تھی (ت)۔ ص 56

رسالہ: الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔ ص 61

صحتِ حدیث علی مصطلح الاثر وصحتِ حدیث بعمل المجتہدین میں عموم خصوص مطلقاً بلکہ مِنْ وَجہٍ ہے، کبھی حدیث سنداً ضعیف ہوتی ہے، اور ائمۂ اُمت واُمنائے ملّت بنظرِ قرائنِ خارجہ یا مطابقتِ قواعدِ شرعیہ اس پر عمل فرماتے ہیں کہ اُن کا یہ عمل ہی موجبِ تقویت وصحتِ حدیث ہوجاتا ہے، یہاں صحت عمل پر متفرع ہوئی نہ عمل صحت پر۔ ص 64

بارہا حدیث صحیح ہوتی ہے اور امام مجتہد اُس پر عمل نہیں فرماتا، کیوں؟

خواہ یوں کہ اس کے نزدیک یہ حدیث نامتواتر نسخِ کتاب اللہ چاہتی ہے یا حدیثِ احاد زیادت علی الکتاب کررہی ہے۔ یا حدیث موضعِ تکرُّرِ وقوع وعمومِ بلوی یا کثرتِ مشاہدین وتوفُرِ دواعی میں احاد آئی ہے یا اس پر عمل میں تکرارِ نسخ لازم آتی ہے۔ یا دوسری حدیثِ صحیح اس کی معارض اور وجوہِ کثیرۂ ترجیح میں کسی وجہ سے اس پر ترجیح رکھتی ہے۔ یا وہ بحکمِ جمع وتطبیق وتوفیق بین الادلہ ظاہر سے مصروف وموؤل ٹھہری ہے، یا بحالتِ تساوِی وعدمِ اِمکانِ جمعِ مقبول وجہلِ تاریخ بعدِ تساقُطِ اَدِلۂ نازلہ یا موافقتِ اصل کی طرف رجوع ہوئی ہے۔ یا عملِ علماء اس کے خلاف پر ماضی ہے۔ یا مثلِ مخابرہ تعاملِ اُمت نے راہِ خلاف دی ہے۔ یا حدیثِ مفسَّر کی صحابی راوی نے مخالفت کی ہے۔ یا علتِ حکم مثلِ سہمِ مؤلفۃُ القلوب وغیرہ اب منتفی ہے۔ یا مثلِ حدیث **لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ** (اللہ کی بندیوں کو مسجدوں سے مت روکو۔ت) مبنائے حکم حالِ عصر یا عرفِ مصر تھا، کہ یہاں یا اب منقطع ومنتہی ہے، یا مثلِ حدیثِ شبہات اب اس پر عمل ضیقِ شدید وحرج فی الدین کی طرف داعی ہے۔ یا مثلِ حدیثِ تغریب عام اب فتنہ وفساد ناشی ہے، یا مثلِ حدیثِ ضجعۂ فجر وجلسۂ اِستراحت منشاء کوئی امرِ عادی یا عارضی ہے۔ یا مثلِ جہر بآیۃ فی الظہر احیاناً وجہرِ فاروق بدعائے قنوت حامل کوئی حاجتِ خاصہ نہ تشریعِ دائمی ہے۔ یا مثلِ حدیث **علیك السلام تحیۃ الموتٰی** (علیک السلام)۔ مردوں کا سلام ہے۔ت) مقصود مجرد اِخبار نہ حکمِ شرعی ہے۔ (اس کے علاوہ دیگر وجوہ جن کو باخبر لوگ پہچانتے ہیں، اور سوائے مجتہد عالم کے ان کی حقیقت تک کسی کی رسائی نہیں۔ (ت)

تو مجرد صحتِ مصطلحۂ اَثر صحتِ عملِ مجتہد کے لیے ہرگز کافی نہیں۔ حضراتِ عالیہ صحابہ کرام سے لے کر پچھلے ائمۂ مجتہدین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین تک کوئی مجتہد ایسا نہیں جس نے بعض احادیثِ صحیحہ کو مؤول یا مرجوح یا کسی نہ کسی وجہ سے متروکُ العمل نہ ٹھہرایا ہو۔ یونہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ: **الوضوء مما مست**

النار۔اس چیز کی وجہ سے وضو لازم ہے کہ جس کو آگ نے چُھوا۔ت) پر اور فرمایا: انتوضّاء من الدھن انتوضاء من الحمیم رواہ الترمذی۔(کیا ہم تیل کی وجہ سے وضو کریں گے، کیا ہم گرم پانی کی وجہ سے وضو کریں گے۔اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔(ت)۔ص65

* **کچھوا امام شافعی کے صحیح مذہب میں بھی حرام ہے۔ص89**

فوائدِ فقہیہ و افتاء و رسم المفتی

ہر امامِ مجتہد کا اِجتہاد برحق ہونے کے معنی

بہر حال دونوں برحق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ہر امام مجتہد کا اجتہاد جس طرف مؤدی ہو اس کے اور اس کے مقلدوں کے حق میں اللہ تعالٰی کا وہی حکم ہے۔شافعی المذہب اگر متروک التسمیہ عمداً کھائے گا اس کی عدالت میں فرق نہ آئے گا نہ دنیا میں اسے تعزیر دی جائے نہ آخرت میں اس سے اس کا مواخذہ ہو۔اور حنفی المذہب کہ اسے حرام جانتا ہے اور اس کا اِرتکاب کرے گا تو اس کی عدالت بھی ساقط ہوگی اور دنیا میں مستحقِ تعزیر اور آخرت میں قابلِ مواخذہ ہوگا، یونہی بالعکس جو چیز ہمارے نزدیک حلال ہے اور ان کے نزدیک حرام، سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: **کل مجتھد مصیب والحق عنداللہ واحد وقد یصیبہ وقد لا** ہر مجتہد مصیب ہے، لیکن عنداللہ حق ایک ہی ہے جس کو مجتہد کبھی پہنچتا ہے اور کبھی نہیں پہنچتا۔ص89

اِستفتاء کی اقسام

بعض ضروری وفوری ہوتے ہیں، بعض مہلت وفرصت کے، بعض ایسے کہ جواب دینا ہی بے کار یا ضروریات کے آگے نا قابلِ اعتبار غرض فتاوی کہ پوچھے جاتے ہیں، ان کی حالتیں بہت مختلف ہیں، لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہمارے ہر فتوی کا جواب ملنا شرعاً لازم ہے اور وہ بھی تحریری، اور حضرت سیدنا ابنِ مسعود علیہ الرضوان فرماتے ہیں: **من افتی فی کل ما استفتی فھو مجنون**۔جو ہر استفتاء کا جواب دے مجنون ہے۔ص91

* **بعض فتوؤں کا رَدّ کفر ہوتا ہے**، بعض کا ضلالت، بعض کا جہالت، بعض کا حماقت، بعض کا حق ایک حکم نہیں ہوسکتا۔ص92

مجموعہ فتاوی عبدالحی صاحب اہلسنت وجماعت کے مطابق ہے یا کچھ گڑ بڑ ہے؟

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اس میں بہت مسائل میں فرق ہے خصوصاً پہلی اور دوسری جلد میں جس کی کچھ کچھ اِصلاح خود انہوں نے اپنی طرف سے سوالات قائم کرکے کی ہے۔ص91

فلسفہ، طبعیات، سائنس، نجوم، منطق
بجلی کیا شَے ہے؟

اللہ تعالٰی نے بادلوں کے چلانے پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جس کا نام رَعد ہے، اس کا قد بہت چھوٹا ہے، اور اس کے ہاتھ

میں ایک بڑا کوڑا ہے جب وہ کوڑا بادل کو مارتا ہے اس کی تری سے آگ جھڑتی ہے اس کا نام بجلی ہے۔ص93

زلزلہ آنے کا کیا باعث ہے؟

اصلی باعث آدمیوں کے گناہ ہیں، اور پیدا یوں ہوتا ہے کہ ایک پہاڑ تمام زمین کو محیط ہے اور اس کے ریشے زمین کے اندر اندر سب جگہ پھیلے ہوئے ہیں جیسے بڑے درخت کی جڑیں دُور تک اندر اندر پھیلتی ہیں، جس زمین پر معاذ اللہ زلزلہ کا حکم ہوتا ہے وہ پہاڑ اپنے اس جگہ کے ریشے کو جنبش دیتا ہے زمین ہلنے لگتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔93

ترکیبِ اَجسام جواہرِ فردہ سے ہے

ہمارے نزدیک ترکیبِ اَجسام جواہرِ فردہ سے ہے اور ان کا اتصال محال، صدرا وغیرہ میں کاسہ لیسانِ فلاسفہ نے جس قدر دلائل اِبطالِ جزء لایتجزی پر لکھے ہیں ان میں کسی سے اِبطالِ نفسِ جز نہیں ہوتا، ہاں دو جز کا اِتصال محال نکلتا ہے، یہ نہ ہمارے قول کے منافی نہ جسم کے اتصالِ حسی کا نافی، دیوار جسمِ وحدانی سمجھی جاتی ہے، حالانکہ وہ اَجسام متفرقہ ہے، جسمِ انسان میں لاکھوں مسام مثبتِ اِفتراق ہیں اور ظاہر اِتصال، خوردبین سے دیکھنا بتاتا ہے کہ نظر جسے متصل گمان کرتی ہے کس قدر منفصل ہے، پھر ان شیشوں کی اختلافِ قوت بتا رہی ہے کہ مسام کی باریکی کسی حد پر محدود نہیں ٹھہرا سکتے جو شیشہ ہمارے پاس اَقوی سے اَقوی ہو اور اس سے بعض اَجسام مثلِ آہن وغیرہ میں مسام اصل نظر نہ آئیں ممکن کہ اس سے زیادہ قوت والا شیشہ انہیں دِکھا دے، معہذا نظر آنے کے لیے دو خطِ شعاعی میں کہ بصر سے نکلے زاویہ ہونا ضرور، جب شے غایت صِغَر پر پہنچتی ہے دونوں خط باہم منطبق مظنون ہو کر زاویۂ رویت معدوم ہو جاتا اور شے نظر نہیں آتی ہے۔ص94

بادل، ہوا کی کیا بنیاد؟ کس جگہ سے شروع ہوتے ہیں؟ اور تمام جگہ یکساں ہوا چلتی ہے یا زمین میں مقام ہے یا آسمان پر؟

الجواب: ہوا ربّ العزت تبارک وتعالیٰ کی ایک پُرانی مخلوق ہے کہ پانی سے بنائی گئی اور اس کے لیے علمِ الٰہی میں ایک خزانہ ہے جس پر دروازہ لگا ہوا ہے، اور وہ بند ہے اور فرشتہ اس پر موکل ہے، جتنی ہوا اس میں سے ربُّ العزت بھیجنا چاہتا ہے فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ اس میں سے بمقدارِ حکم ایک بہت خفیف حصہ روانہ کرتا ہے، جب قومِ عاد پر اللہ تعالیٰ نے ہوا کا طوفان بھیجنا چاہا جو سات راتیں اور آٹھ دن متواتر اُن پر رہا، ان سب کو ہلاک کر دیا، اس وقت اس فرشتہ کو حکم ہوا تھا کہ عاد پر ہوا بھیج، اس نے عرض کی اتنا سوراخ کھولوں جتنا بیل کا نتھنا، فرمایا: تو چاہتا ہے کہ ساری زمین کو اُلٹ دے بلکہ چھلے برابر کھول، اور یوں ہوا ہر وقت زمین اور آسمانوں سب میں بھری ہے اور انسان اور اکثر حیوانات کی اس پر زندگی ہے۔

اور بادل بخارات سے بنتے ہیں، جب رطوبت میں حرارت عمل کرتی ہے بھاپ پیدا ہوتی ہے، حق سبحانہ، ہوا بھیجتا ہے کہ وہ اس کو جمع کرتی ہے پھر تہہ بہ تہہ اس کے بادل بناتی ہے پھر جہاں حکم ہوتا ہے اسے لے جاتی ہے اور بحکمِ الٰہی حرارت کے عمل سے وہ پگھل کر پانی ہو کر گرتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ص100

کیا یہ بات معتبر حدیث سے ثابت ہے کہ عورتوں کو نسبت مرد کے نو حصہ شہوت زیادہ دی گئی ہے؟ اس میں کیا حکمت ہے؟

الجواب: عورتوں کی شہوت فقط نو حصے نہیں بلکہ سو حصے زائد ہے۔ ولٰکن اللہ القی علیہن الحیاء۔ لیکن اللہ تعالٰی نے ان پر حیاء ڈال دی ہے۔ آدمی جب اپنے سے کسی ذرا زائد عقل والے کا کام دیکھتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا تو کہتا ہے کہ اس کی عقل زائد ہے اس نے کچھ سمجھ کر کیا ہے۔ پھر رب العزت حکیم وخبیر جل جلالہ کے افعال میں کیوں خدشات پیدا کرتا ہے کہ اس میں ایک سہل سی حکمت یہ ہے کہ فعلِ جماع میں مرد کا تعلق صرف لذت کا ہے اور عورت کو صدہا مصائب کا سامنا ہے، نو مہینے پیٹ میں رکھتی ہے کہ چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا دشوار ہوتا ہے۔ پھر پیدا ہوتے وقت تو ہر جھٹکے پر موت کا پورا سامنا ہوتا ہے پھر اقسام اقسام کے درد میں نفاس والی کی نیند اڑ جاتی ہے۔ اسی لیے فرماتا ہے: {حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا وَّ وَضَعَتۡهُ كُرۡهًا ؕ وَ حَمۡلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا} اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنا اس کو تکلیف سے، اور اس کو اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے۔ (ت)

تو ہر بچہ کی پیدائش میں عورت کو کم از کم تین برس بامشقت جیل خانہ ہے تو اگر اس قدر کثیر وغالب نہ رکھی جاتی ایک بار کے بعد پھر کبھی پاس نہ آتی۔ انتظام دنیا تباہ ہو جاتا ہے۔ مرد کے پیٹ سے اگر ایک دفعہ بھی چوہے کا بچہ پیدا ہوتا تو عمر بھر کو کان پکڑ لیتا، یہ حکمت ہے جس کے سبب وہ ان تمام مصائب کو بھول جاتی ہے۔ ص 101

دن رات کی تبدیلی کا موجب گردشِ ارضی ہے یا سماوی؟

دن رات کی تبدیلی گردشِ ارضی سے ماننا قرآنِ عظیم کے خلاف اور نصاریٰ کا مذہب ہے، اور گردشِ سماوی بھی ہمارے نزدیک باطل ہے، حقیقۃً اس کا سبب گردشِ آفتاب ہے۔ قال اللہ تعالٰی: {وَ الشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ} (اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے یہ اندازہ ہے زبردست علم والے کا۔ ت)۔ ص 102

ہیولٰی وصورتِ جسمیہ وصورتِ نوعیہ وعقولِ عشرہ وبعض نفوس کو قدیم زمانی ماننا۔ اور یہ سب کفر ہیں۔

آئمہ دین فرماتے ہیں: جو کسی غیرِ خدا کو اَزلی کہے باجماعِ مسلمین کافر ہے۔

شفا ونسیم میں فرمایا: جس نے اللہ تعالٰی کی اُلوہیت وحدانیت کا اقرار کیا لیکن اللہ تعالٰی کے غیر کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھا۔ (یعنی اللہ تعالٰی کی ذات وصفات کے علاوہ، یہ فلاسفہ کے مذہب یعنی عالم وعقول کے قدیم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یا اللہ تعالٰی کے سوا کسی کو صانعِ عالم ماننا (جیسے فلاسفہ جو کہ کہتے ہیں واحد سے نہیں صادر ہوتا مگر واحد) تو یہ سب کفر ہے (اور اس کے معتقد کے کافر ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے جیسے فلاسفہ کا فرقہ الٰہیہ اور فرقہ طبائعیہ) اھ تلخص (ت)۔ ص 131

اِلزام کفر ولزوم کفر

چنانچہ جس نے اس کو کلام کے موجَب سے اِلزام دیا اس نے کافر قرار دے دیا اور جس نے ایسا نہیں کیا، اُس نے کافر قرار

نہیں دیا جیسا کہ امام قاضی عیاض کی تصنیف الشفاء اوراس کی شرح نسیم الریاض میں ہے، اہلِ سنت میں سے جس نے اس کے کلام کے مآل کو دیکھا اس نے اسے کافر قرار دے دیا انہوں نے (تکفیر کرنے والے کے نزدیک) اُس مآل کی تصریح کی جس کی طرف قائلین کا کلام پہنچا تا ہے۔ اور جس نے مآلِ کلام کی بنیاد پر مؤاخذہ کو روا نہ سمجھا اس نے ان کی تکفیر نہ کی (کیونکہ بظاہر معنی ایمان انہیں شامل ہے) اس نے کہا عدمِ تکفیر کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں مآلِ کلام سے آگاہ کیا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس قول سے اِنکاری ہیں جس کا اِلزام تم نے ہمیں دیا اور ہم اور تم اُس کو کفر جانتے ہیں، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے قول کی جو بنیاد رکھی ہے اُس اعتبار سے ہمارے قول کا مآل وہ نہیں (جو تم نے بتایا) ان دوم آخذوں کی بنیاد پر لوگوں (یعنی علماءِ ملت واہلسنت) میں اہلِ تاویل کی تکفیر میں اختلاف واقع ہوا، اور (محققین کے نزدیک) درست یہ ہے ان کی تکفیر نہ کی جائے لیکن مار پیٹ، سخت ڈانٹ ڈپٹ اور بائیکاٹ کے ذریعے ان کو سزا دی جائے یہاں تک کہ وہ اپنی بدعتوں سے رجوع کرلیں، یہ طریقہ ان کے بارے میں صدرِ اول (عہدِ صحابہ وتابعین وتبع تابعین میں تھا، صدرِ اوّل کے مسلمانوں نے اہلِ تاویل کو نہ تو قبروں سے محروم کیا اور نہ ہی میراث سے منقطع کیا لیکن ان سے قطع تعلق کیا اور ان کے حالات کے مطابق مار پیٹ، جلاوطنی اور قتل کے ذریعے انہیں سزائیں دیں کیونکہ وہ فاسق، گمراہ اور اہلِ بدعت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ (ت)

متبحر ائمہ کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ بے شک تکفیر ایک عظیم اور بہت زیادہ ہلاکت میں ڈالنے والا معاملہ ہے جیسے لاغر اونٹ کا گوشت دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر پڑا ہو، نہ راستہ آسان کہ چڑھا جائے اور نہ ہی وہ گوشت طاقتور کہ اس کے لیے مشقت اٹھائی جائے، اس کے راستے دشوار اور اس کی ہلاکتیں کثیر ہیں، جو شخص اپنے دین میں محتاط ہے وہ تکفیر پر جسارت نہیں کرتا جب تک سورج کی مثل بلکہ اس سے بھی زیادہ روشن دلائل موجود نہ ہوں، یہاں تک کہ اگر کسی مسئلہ میں ایک جہت اسلام کی اور ننانویں جہتیں کفر کی نکلتی ہوں تو مفتی پر لازم ہے کہ وہ پہلی جہت کی طرف میلان کرے کیونکہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا اگرچہ یہ قائل کے لیے عنداللہ نافع نہیں اگر اس نے دوسری جہت یعنی جہتِ کفر کا ارادہ کیا ہے۔ ص175

غلط فتوی سے رجوع کے متعلق درسِ رضا

تنبیہِ اول: اے عزیز! آدمی کو اس کی اَنانیت نے ہلاک کیا، گناہ کرتا ہے، اور جب اس سے کہا جائے توبہ کر، تو اپنی کسرِ شان سمجھتا ہے۔ عقل رکھتا تو اِصرار میں زیادہ ذلّت وخواری جانتا۔

یاھٰذا! ہرگز منصبِ علم کے منافی نہیں کہ حق کی طرف رجوع کیجئے، بلکہ یہ عین مقتضائے علم ہے اور سخن پروری ہر جہل سے بدتر جہل ـــــ وہ بھی کاہے میں؟ کفریات میں۔ **والعیاذ باللہ** (اللہ کی پناہ۔ت)

یاھٰذا! صغیرہ پر اِصرار اُسے کبیرہ کردیتا ہے ـــــ کفریات پر اصرار کس قعرِ نار میں پہنچائے گا۔

یاھٰذا! تیرا رب ایک شخص کی مذمت کرتا ہے: {وَاِذَا قِیۡلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتۡہُ الۡعِزَّۃُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُہٗ جَہَنَّمُ وَلَبِئۡسَ الۡمِہَادُ} یعنی جب اس سے کہا جائے خدا سے ڈر، تو اُسے غرور کے مارے گناہ کی ضد چڑھتی ہے سو کافی ہے اُسے جہنم اور بے شک کیا بُرا ٹھکانا ہے۔

للہ ! اپنی جان پر رحم کر، اور اس شخص کا شریکِ حال نہ ہو۔

یاھٰذا! تیرا مالک ایک قوم پر رَد فرماتا ہے: {وَ اِذَا قِیۡلَ لَھُمۡ تَعَالَوۡا یَسۡتَغۡفِرۡ لَکُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ لَوَّوۡا رُءُوۡسَھُمۡ وَ رَاَیۡتَھُمۡ یَصُدُّوۡنَ وَ ھُمۡ مُّسۡتَکۡبِرُوۡنَ} جب اُن سے کہا جائے آؤ تمہارے لیے بخشش چاہے خدا کا رسول، تو اپنے سر پھیر لیتے ہیں تُو انہیں دیکھے کہ باز رہتے ہیں تکبُّر کرتے ہوئے۔

ہاں میں بھی تجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بلاتا ہوں، خدا کو مان، اور منہ نہ پھیر۔

یاھٰذا! تُو سمجھتا ہے، اگر میں تسلیم کرلوں گا تو لوگوں کی نگاہ میں میری قدر گھٹ جائے گی اور میرے علمِ فلسفی میں بٹا لگے۔ حالانکہ یہ محض وسوسہِ شیطان ہے۔ لاحول پڑھ، اور خدا کی طرف جھک، کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے یہاں تیری عزت ہوگی، اور خلق میں بےقدری بھی غلط، بلکہ تجھے منصف وحق پسند جانیں گے اور نہ مانے گا تو متکبر وشریر ولَوند۔

یاھٰذا! کیا یہ ڈرتا ہے کہ مان جاؤں گا تو اِس مجیب کا علم مجھ سے زیادہ ٹھہرے گا؟ ________ حاش للہ ! واللہ کہ اگر کوئی بندۂ خدا میرے ذریعہ سے ہدایت پائے تو اس میں میری آنکھ کی ٹھنڈک اُس سے ہزار درجہ زائد ہے کہ میرا علم کسی سے زیادہ ٹھہرے۔

ہاں! ہاں!! اگر تو اعلانِ توبہ کرے تو میں اپنے جہل اور تیرے فضل کا نوشتہ لکھ دوں۔

یاھٰذا! اِک ذرا تعصب سے الگ اور تنہائی میں بیٹھ کر سوچ کہ کفریات پر اِصرار کی شامت تیرے حق میں بہتر ہے یا بعدِ رجوع وتوبہ بعض جُہّال کی تحقیر وملامت؟

ہیہات، ہیہات، اللہ کا عذاب بہت سخت ہے ______ {وَاِنَّہ لَاٰتٍ} (اور وہ بلاشبہ آنے والا ہے۔ت) میں تیرے بھلے کی کہتا ہوں، عار پر نار کو اختیار نہ کرنا۔

الٰہی! میرے بیان میں اثر بخش! اور اپنے اس بندہ کو ہدایت دے اور ہمارے قلوب دینِ حق پر قائم رکھ۔

یاواجد، یاماجد، لاتزل عنی نعمۃ انعمتھا علیّ، بجاہ من ارسلتہ رحمۃ للعٰلمین، واقمتہ شفیعا المذنبین المتلوثین الخطّائین الھالکین، صلی اللہ تعالٰی علیہ و علی اٰلہ وصحبہ اجمعین، اٰمین۔ اے محب! اے کمال بزرگی والے! جو نعمت تُو نے مجھے عطا فرمائی ہے وہ مجھ سے سلب نہ فرما، اس کے صدقے میں جسے تُو نے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور تُو نے اُسے ہلاکت میں پڑنے والے خطاکاروں اور لتھڑے ہوئے گنہگاروں کے لیے شفیع بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر، آپ کی آل پر اور آپ کے تمام اصحاب پر رحمت نازل فرمائے۔ (آمین) (ت)

تنبیہ دوم: مبادا اگر رگِ تعصب جوش میں آئے، اور خدا ایسا نہ کرے، تو اِس قدر یاد رہے کہ عقائدِ اسلام وسنت کے مقابل ہم پر فلاں ہندی و بہمانِ سندی کسی کا قول سند نہیں ______ نہ احکامِ شرعیہ شخص دُوْنَ شخص سے خاص ______ {اَلْعِزَّۃُ لِلّٰہِ} (عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ت) ______ شرع سب پر حجت ہے ______ وہ کون ہے جو شرع پر حجت ہوسکے؟ ______ اس قسم کی حرکت جس سے صادر ہوگئی، وہ بقدر اپنے سیئہ کے حکم کا مستحق ہوگا، کسے باشد کائنًا مَّنۡ کانَ (جو بھی ہو۔ت) ______ اِین وآں، سے ہمیں موافقت اُسی وقت تک ہے جب تک وہ دینِ حق سے جُدا نہیں۔ اور اس کے بعد،

عیاذًاباللّٰہ (اللہ کی پناہ۔ت) ع۔سایہ اش دور باد از ماؑ (اس کا سایہ ہم سے دُور ہو۔ت)

جس کا قول ہم اسلام وسنّت کے موافق پائیں گے تسلیم کریں گے۔ نہ اس لیے کہ اُس کا قول ہے۔ بلکہ اس لیے کہ صراطِ مستقیم سے مطابق ہے ______ اور جس کی بات خلاف پائیں گے۔ زید ہو یا عمرو، خالد ہو یا بکر، دیوار سے مار کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رِکاب سے لپٹ جائیں گے ______ اللہ ان کا دامن ہم سے نہ چھڑائے دنیا میں نہ عقبیٰ میں ______ آمین! الٰہی آمین۔

محمد عربی کہ آبروئے ہر دوسرا است کسے کہ خاکِ درش نیست خاک برسرِ اُو

(محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں جہانوں کی آبرو ہیں، جوان کے درِ اقدس کی خاک نہیں ہے اس کے سر پر خاک ہو۔ت)

تنبیہِ سوم: واجبُ المُلاحظة نافِعُ الطَّلَبَه (جس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ طلبہ کے لیے نفع بخش ہے۔ت) اِن اَعصار و اَمصار کے طلبۂ علم چشمِ عبرت کھولیں اور توغلِ فلسفہ کی آفتِ جان گزا غور سے دیکھیں زید کہ جس کے اَقوال سے سوال ہے آخر اس حال کو کاہے کی بدولت پہنچا۔ اور فلسفہ کی دبی آگ نے بے خبری میں بہ تدریج سُلگ کر دَفعتًہ بھڑکی تو کہاں تک پھونکا؟

اے عزیز! شیطان اول دھوکا دیتا ہے کہ مقصود بالذات تو علمِ دین ہے ______ اور علومِ عقلیہ وسیلہ وآلہ ______ پھر ان میں اشتعال کس لیے بے جا؟

هیهات! اگر یہ امر اپنے اطلاق پر مسلَّم بھی ہو تو اب اپنے حالات پر غور کرو کہ آلہ ومقصود کی شان ہوتی ہے؟ شب وروز آلہ میں غرق ہو گئے۔ مقصود کا نام تک زبان پر نہ آیا۔ اچھا توسُّل ہے۔ اور اچھا قصد!

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت کہ با کہ باختہ عشق در شبِ دیجور

(صبح کے وقت تجھے روزِ روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا کہ تاریک رات میں تُو نے کس کے ساتھ عشق بازی کی ہے۔ت)

عزیزو! اگر علم آخرت کے لیے سیکھتے ہو تو واللہ کہ فلسفہ آخرت میں مضر ______ اور دنیا کے لیے تو یہاں وہ بھی بخیر ______ اس سے تو بہتر کہ مڈل پاس کرو کہ دس روپیہ کی نوکری پاسکو۔

عزیزو! للہ انصاف! مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث میں علم کو ترکۂ انبیاء اور علماء کو ان کا وارث قرار دیا۔ ذرا دیکھو تو وہ علم یہی ہے جس میں تم سراپا منہمک، یا وہ جسے تم بایں بے پرواہی، واستغنا تارک؟ ______ بھلا ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کہ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وارث بننا اچھا، یا ابنِ سینا وفارابی کا فضلہ خوار؟

ع بیں تفاوتِ رَہ از کجاست تا بہ کجا (ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ت)

عزیزو! شیطان اس قوم کے کان میں پھونک دیتا ہے کہ عمر صرف کرنے کے قابل یہی علومِ فلسفیہ ہیں ان کے مدارکِ عمیق اور مسالکِ دقیق۔ جب یہ آ گئے تو علومِ دنیہ کیا ہیں۔ ادنیٰ توجہ میں پانی ہو جائیں گے۔

حالانکہ واللہ محض غلط ______ تمہیں ان علومِ ربانیہ کا مزہ ہی نہیں پڑا ______ ورنہ جانتے کہ علم یہی ہیں۔ اور جو غموض ودِقت ولطف ونزاکت ان میں ہے ان کا ہزاروں حصہ وہاں نہیں ______ مگر کیا کیجئے کہ۔ ع

اَلنَّاسُ اَعۡدَاءٌ لِمَا جَهِلُوۡا (لوگ اُس چیز کے دشمن ہوتے ہیں جس سے وہ جاہل ہوتے ہیں۔(ت)

اچھا نہ سہی ــــــ مگر کیا نفیس تدقیق، عمدہ تحقیق ہے کہ ہزاراں برس گزرے آج تک کوئی بات منقح نہ ہوئی ــــــ لوگ کہتے ہیں تلاحقِ آراء، سے علم نضج پاتے ہیں ــــــ وہاں اس کے خلاف۔

ع شد پریشاں، خوابِ شاں از کثرت تعبیرہا (زیادہ تعبیروں کی وجہ سے ان کا خواب پریشان ہوگیا۔ت)

سَلف خَلف میں جسے دیکھئے کیا چمک چمک کر تقریریں کرتا ہے گویا حقِ ناصح اس کی بغل سے نکل کر کہیں گیا ہی نہیں ــــــ جب دوسرا آیا اُس نے نئی ہانک سنائی، اگلے کی عقل اوندھی بتائی ــــــ یوں ہی یہ سلسلۂ بے تمیزی لا تَقِفُ عِندحَدٍّ قبل یوم القیمۃ (قیامت سے پہلے یہ سلسلہ کسی حد پر نہیں رُکے گا۔ت) چلا جاتا ہے اور چلا جائے گا۔ کچھ محقق ہوسکا نہ ہرگز ہو۔ ع

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت رفت ومنزل بہ دیگرے پرداخت

(جو بھی آیا اس نے نئی عمارت بنائی، چلا گیا اور عمارت دوسرے کے حوالے کردی۔ت)

کہیے پھر اس ''کاو، کاو'' کا کیا محصَّل نکلا؟ اور کون سا نتیجہ دامن میں آیا؟ ــــــ دمِ مرگ جب دیکھئے تو ہاتھ خالی۔

جہل تھا جو کچھ کہ سیکھا، جو پڑھا افسانہ تھا ایک فلسفی نزع میں ہاتھ ملتا اور کہتا تھا، عمر کھوئی کچھ تحقیق نہ ہو پایا، سوا اس کے کہ، ہر ممکن محتاج ہے اور اِمکان امرِ عدمی ــــــ دُنیا سے چلا اور کچھ نہ ملا۔

اور دوسرا امر، یعنی علومِ دینیہ اس کے ذریعہ سے خود آجانا ــــــ ایسا باطل فضیح ہے جس کی واقعیت تمہارے اَذہان کے سوا کہیں نہ ملے گی ــــــ حاش للہ! کام پڑے دام کھلتے ہیں ــــــ دس مسائل دینی پوچھے جائیں، اور کوئی فلسفی صاحب اپنے تفلسُف کے زور سے ٹھیک جواب دیدیں تو جانیں ــــــ یوں تو زبان کے آگے بارہ ہَل چلتے ہیں۔ع

کس نگوید کہ دُوغِ من تُرش است (اپنی لسّی کو کھٹا کوئی نہیں کہتا۔ت)

عزیزو! یہ درس کہ ان بلاد میں رائج، اَحمق اسے منتہائے علم سمجھتے ہیں۔ حاشا کہ وہ ابتدائی علم بھی نہیں۔ اس سے اِستعداد آنا منظور ہے ــــــ رہا علم! ــــــ ہیہات ہیہات! ہنوز دِلی دور ہے۔ع

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے (بہت سفر چاہیے تاکہ کچا پکا ہوجائے۔ت)

طالبِ علم بے چارہ شِفا، اشارات سب لپیٹ گیا اور یہ بھی نہ جانا کہ ''اُصولِ دین'' کو کیونکر سمجھوں! اور خدا و رسول کی جناب میں کیا اعتقاد رکھوں! ــــــ اگر کچھ معلوم ہے تو سُنی سنائی تقلیدی ــــــ پھر حلال و حرام کا تو دوسرا درجہ ہے۔

افسوس واضعِ درس نے کتبِ دِینیہ گنتی کی رکھیں کہ طلبہ خوض وغور کے عادی ہوجائیں اور ازاں جا کہ ابھی عقل پختہ نہیں، لہذا ایسی چیز میں مشق ہو جس کی اُلٹ پلٹ نقصان نہ دے ــــــ مگر وہ ہو رہی اُلٹی ــــــ کہ انہیں لِمَ ولا نسلم (کیوں؟ اور ہم نہیں مانتے۔ت) کی آفت چرگئی ــــــ اور جز تسلیمی پر کہ مدارِ ایمان سے قیامت گزرگئی۔

عزیزو! احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حِبان، حاکم بیہقی، عبد بن حمید بغوی باسانیدِ صحیحہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان العبد اذا اخطأ خطیئۃً نکتت فی قلبہ نکتۃ سوداء فان ھو نزع واستغفر وتاب صقل قلبہ، وان عاد زید فیھا حتّٰی تعلو علی قلبہ، وھو الرّأن الذی ذکر اللہ تعالٰی {كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ} جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ دھبّا پڑ

جاتا ہے، پس اگر وہ اس سے جُدا ہوگیا اور توبہ استغفار کی تو اس کی دل پر صیقل ہوجاتی ہے۔ اور اگر دوبارہ کیا تو سیاہی بڑھتی ہے یہاں تک کہ اُس کے دل پر چڑھ جاتی ہے۔ اور یہی ہے وہ زنگ جس کا اللہ تعالٰی نے ذکر فرمایا کہ: (یوں نہیں بلکہ زنگ چڑھادی ہے اُن کے دلوں پر ان کے گناہوں نے کہ وہ کرتے تھے) دیکھو ایسا نہ ہو کہ یہ فلسفۂ مزخرفہ تمہارے دلوں پر زنگ جمادے کہ پھر علومِ حقّہ صادقہ ربّانیہ کی گنجائش نہ رہے گی۔ کہتے یہ ہو کہ، اس کے آنے سے وہ خود آ جائیں گے۔ حاشا! جب یہ دل میں پیر گیا وہ ہرگز سایہ تک نہ ڈالیں گے کہ وہ محض نور ہیں۔ اور نور نہیں چمکتا مگر صاف آئینہ میں۔

عزیزو! اسی زنگ کا ثمرہ ہے کہ منہمکانِ تفلسف علومِ دینیہ کو حقیر جانتے، اور علمائے دین سے استہزاء کرتے۔ بلکہ انہیں جاہل اور لقبِ علم اپنے ہی لیے خاص سمجھتے ہیں۔

اگر آئینۂ دل روشن ہوتا تو جانتے کہ وہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وارث ونائب ہیں۔ وہ کیسی نفیس دولت کے حامل وصاحب ہیں جس کے لیے خدا نے کتابیں اُتاریں، انبیاء نے تفہیم میں عمریں گزاریں ــــــ وہ اسلام کے رکن ہیں ــــــ وہ جنت کے عماد ہیں ــــــ وہ خدا کے محبوب ہیں ــــــ وہ جانِ رَشاد ہیں ــــــ رہا اُن کے ساتھ اِستہزا، اُس کا مزہ آج نہ کھلا تو کل قریب ہے ــــــ {وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ} (اور اب وہ جانا چاہتے ہیں ظالم کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ ت)

عزیزو! نفس خودی پسند آزادانہ اَقُولُ کا مزہ پا کر پھول گیا ــــــ اور قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں جو دل کا سرور اور آنکھوں کا نُور ہے اُسے بھول گیا۔

ہیہات! کہاں وہ فن جس میں کہا جائے ''میں کہتا ہوں'' یا نقل بھی ہو تو ابن سینا گفت (ابنِ سینا نے کہا۔ ت)

اور وہ فن جس میں کہا جائے ''خدا فرماتا ہے، مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں''۔

جتنا میں اور مصطفٰی میں فرق ہے اُتنا ہی اس اَقول وقال اور دونوں علموں میں۔ کیا خوب فرمایا عالم قریشی سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے۔

کل العلوم سوی القراٰن مشغلۃ   الا الحدیث والاّ الفقہ فی الدین
العلمُ ما کان فیہ قال حدثنا   وما سوٰی فوسواس الشیاطین

(قرآن کے علاوہ تمام علوم ایک مشغلہ ہیں سوائے حدیث کے اور سوائے فقہ کے دین میں علم تو وہ ہے جس میں کوئی شخص کہے کہ ہمیں حدیث بیان کی اور اس کے ماسوا شیطانوں کا وسوسہ ہے۔ (ت)

انچہ قال اللہ ونے قال الرسول   فُضلہ باشد، فضلہ می خواں اے فضول

(وہ کہ اللہ نے فرمایا نہ رسول نے، فضلہ ہوگا فضلہ پڑھتا ہے، اے فضول۔ ت)

عزیزو! خدارا غور کرو، قبر میں حشر میں تم سے یہ سوال ہوگا کہ عقائد کیا تھے اور اعمال کیسے؟ یا یہ کہ وہ کلی طبعی خارج میں موجود ہے یا معدوم؟ اور زمانہ غیرِ قارّ وحرکۃ بمعنی القطع کائن فی الاعیان ہیں یا آنِ سیّال وحرکت بمعنی التوسط سے موہوم۔

عزیزو! میں نہیں کہتا کہ منطقِ اسلامیاں ــــــ ریاضی، ہندسہ وغیرہا اجزائے جائزہ فلسفہ ــــــ نہ پڑھو۔ پڑھو،

مگر بقدرِ ضرورت ـــــ پھران میں انہماک ہرگز نہ کرو ـــــ بلکہ اصل کار علومِ دینیہ سے رکھو۔ راہ یہ ہے ـــــ اور آئندہ کسی پر جبر نہیں۔{وَ اللّٰہُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ}(اور اللہ تعالٰی جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔ت){رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ} ۔اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر کہ تُو نے ہمیں ہدایت دی اورہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بے شک تُو ہی بڑا دینے والا ہے(ت)۔ص186

زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں

اسلامی مسئلہ یہ ہے کہ زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں کواکب چل رہے ہیں۔{كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ} ہر ایک، ایک فلک میں تیرتا ہے، جیسے پانی میں مچھلی، اللہ تعالٰی عزوجل کا ارشاد آپ کے پیشِ نظر ہے۔{اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَ لَىٕنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا}(بے شک اللہ آسمان و زمین کو روکے ہوئے ہے کہ سرکنے نہ پائیں اور اگر وہ سرکیں تو اللہ کے سوا انہیں کون روکے، بے شک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔(ت)۔ص200

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو دو خدمتیں سپرد ہوئیں، اِفتاء اور ردِّ وہابیہ

ولداعز ابوالبرکات محی الدین جیلانی آلِ الرحمن معروف بہ مولوی مصطفٰی رضا خان **سلمه الملك المنان وابقاه والی معالی كمالات الدين والدنيا رقاه** کی رائے ہوئی کہ ان مقامات کو رَدِّ فلسفہ قدیمہ میں مستقل کتاب کیا جائے کہ اگر چہ دم الاخوین یکجا نہ ہو۔ایک کتاب رِدّ فلسفہ جدیدہ میں رہے۔ دوسری رِدّ فلسفہ قدیمہ میں، اور مقاصدِ فوزِ مبین میں اجنبی سے فصل طویل نہ ہو۔ یہ رائے فقیر کو پسند آئی، وہ کتاب کاملُ النصاب بعونِ الملک الوہاب یہ ہے مسمّٰی بنام تاریخی۔ **الكلمة الملهمة فى الحكمة المحكمة لوهاء فلسفة المشئمة** مسلمان طلباء پر دونوں کتابوں کا بغور بالاستیعاب مطالعہ اہم ضروریات سے ہے کہ دونوں فلسفۂ مزخرفہ کی شناعتوں جہالتوں، سفاہتوں، ضلالتوں، پر مطلع رہیں۔اور بعونہٖ تعالٰی عقائدِ حقہ اسلامیہ سے ان کے قدم متزلزل نہ ہوں۔**فقیر کا درس بحمدہٖ تعالٰی تیرہ برس دس مہینے چار دن کی عمر میں ختم ہوا**، اس کے بعد چند سال تک طلباء کو پڑھایا۔فلسفۂ جدیدہ سے تو کوئی تعلق ہی نہ تھا۔علومِ ریاضیہ و ہندسہ میں فقیر کی تمام تحصیل جمع تفریق ضرب تقسیم کے چار قاعدے کہ بہت بچپن میں اس غرض سے سیکھے تھے کہ فرائض میں کام آئیں گے اور صرف شکلِ اول تحریرِ اقلیدس کی وبس۔جس دن یہ شکل حضرت اَقدس حجۃ اللہ فی الارضین معجزۃ من معجزات سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد سے پڑھی اور اس کی تقریر حضور میں کی۔ارشاد فرمایا تم اپنے علومِ دینیہ کی طرف متوجہ رہو ان علوم کو خود حل کر لوگے۔اللہ عزوجل اپنے مقبول بندوں کے ارشاد میں برکتیں رکھتا ہے۔حسبِ ارشادِ سامی بعونہ تعالٰی فقیر نے حساب و جبر و مقابلہ ولوگارثم وعلمِ مربعات، وعلم مثلث کروی وعلم ہیئتِ قدیمہ وہیئتِ جدیدہ وزیجات وارثماطیقی وغیرہا میں تصنیفاتِ فائقہ و تحریراتِ رائقہ لکھیں اور صدہا قواعد وضوابط خود ایجاد کیے۔تحدُّثاً بنعمۃ اللہ یہ بحمد اللہ تعالٰی اس ارشادِ اَقدس کی تصدیق تھی کہ ان کو

خود حل کرلو گے۔ فلسفہ قدیمہ کی دو چار کتابیں مطابق درسِ نظامی اعلیحضرت قدس سرہ الشریف سے پڑھیں اور چند روز طلبہ کو پڑھائیں، مگر بحمد اللہ تعالیٰ روزِ اول سے طبیعت اس کی ضلالتوں سے دُور اور اس کی ظلمتوں سے نفور تھی۔ سرکارِ اَبد قرار بارگاہِ عالم پناہ رسالت علیہ افضل الصلوۃ والتحیۃ سے دو خدمتیں اس خانہ زاد ہیچکارہ کے سپرد ہوئیں، **اِفتاء اور رَدِّ وہابیہ**، انہوں نے مشغلۂ تدریس بھی چھڑایا اور آج ۴۵ برس سے زائد ہوئے کہ بحمد اللہ تعالیٰ فلسفہ کی طرف رُخ نہ کیا نہ اس کی کسی کتاب کو کھول کر دیکھا۔ اب اَخیر عمر میں سرکار نے اپنے کرمِ بے پایاں کا صدقہ بندۂ عاجز سے یہ خدمت لی کہ دونوں فلسفوں کا رَد کرے اور ان کی قباحتوں، شناعتوں، حماقتوں، ضلالتوں پر اپنے دینی بھائیوں طلبۂ علم کو اطلاع دے، ناظرین والاتمکین اہلِ انصاف لادین سے امید کہ حسبِ عادتِ متفلسفہ لِم ولانسلم وانکارِ واضحات وتشکیکِ بے ثبات وفارغ مجادلات کو کام میں نہ لائیں، ان کے اَجلّہ اکابر ماہرین ابنِ سینا سے جونپوری مصنف شمسِ بازغہ تک کون ایسا گزرا ہے جس پر رَد دوطرد نہ ہوتے رہے، فلسفہ مزخرفہ کا شیوہ ہی یہ ہے کہ

ہر کہ آمد عمارتے نُو ساخت رفت ومنزل بدیگرے پرداخت

(جو بھی آیا اس نے نئی عمارت بنائی، چلا گیا اور عمارت دوسرے کے حوالے کر دی۔ت)

یہ چند اوراق تو اس کے قلم کے ہیں جس نے ابتدا ہی سے فلسفہ کو سخت مکروہ جانا اور صرف دو چار کتابیں درس میں پڑھ کر دو ایک بار پڑھا کر جو چھوڑا تو ۴۵ سال سے زائد ہوئے کہ اس کا نام نہ لیا لغو وفضول اَبحاث کی حاجت نہیں، بنگاہِ ایمانی اصل مقاصد کو دیکھئے۔ اگر حق پایئے تو ابنِ سینا اور اس کے اَحزاب کی بات زبردستی بنانے کی ضرورت نہیں۔ وباللّٰہ العصمۃ {وَ اللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ} و {حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ} اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے سبب ہی گناہوں سے بچاؤ ہوسکتا ہے، اور اللہ حق فرماتا ہے، اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے، اور ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے، اور کیا ہی اچھا کارساز ہے(ت)۔ص385

اسلامی نظریات وعقائد اور رَدِّ فلسفہ

- اللہ عزوجل فاعلِ مختار ہے اس کا فعل نہ کسی مُرَجِّح کا دستِ نگر نہ کسی اِستعداد کا پابند یہ مقدمہ نظرِ ایمانی میں تو آپ ہی ضروری وبدیہی {یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ٥ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ} لَهُ الْخِیَرَةُ۔ اور اللہ جو چاہے کرے، جب جو چاہے کرے، اختیار اسی کو ہے۔(ت)ص386
- اللہ واحد قہار ایک اکیلا خالقِ جملہ عالَم ہے، خالقیت میں عقول وغیرہا کوئی نہ اس کا شریک نہ تخلیق میں واسطہ {هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ} (کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے۔ت) بحمد اللہ تعالیٰ فاعل کا مختار ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا مگر فلاسفہ اور ان کے فضلہ خوار اس خلّاق علیم کو صرف ایک شے عقلِ اوّل کا مُوجِد جانتے ہیں باقی تمام جہان کی خالقیت عقول کے سر منڈھتے ہیں وہ تو عقلِ اول بنا کر معاذ اللہ معطّل ہوگیا۔ عقلِ اول نے عقلِ ثانی وفلکِ تاسع بنائے عقلِ ثانی نے عقلِ ثالث وفلکِ ثامن، یوں ہر عقل ایک عقل اور ایک فلک بناتی آئی یہاں تک کہ عقلِ تاسع نے عقلِ عاشر وفلکِ قمر بنائے پھر عقلِ عاشر نے ساری دُنیا گھڑ ڈالی اور ہمیشہ گھڑتی رہے گی اسی لیے اسے عقلِ فعّال کہتے ہیں تو

کہیں وہ بے دین یہ نہ سمجھیں کہ اس کا مختار ہونا ثابت ہوا، حاشا یا عالم میں کوئی نہ فاعلِ موجب نہ فاعلِ مختار، فاعلِ مطلق و فاعلِ مختار ایک اللہ واحد قہار۔ص403

- فلک محدّدِ جہات نہیں۔ص410
- قسر کے لیے مقسور میں کوئی میلِ طبعی ہونا کچھ ضرور نہیں، فلاسفہ کا زعم ہے کہ قسری نہ ہوگا مگر طبعی کے خلاف، ولہذا افلک پر قسر نہیں مانتے کہ اس میں کوئی میلِ طبعی نہیں جانتے۔ص413
- خلا محال نہیں۔ص417
- حیز شکل مقدار اور جتنی چیزیں جسم کے لیے فی نفسہٖ ضروری ہیں کہ جسم کا ان سے خلُوّ نامتصور ان میں بھی کسی شئ کا جسم کے لیے طبعی ہونا کچھ ضرور نہیں، فلسفی ضرور جانتا۔ص418
- فلکُ الافلاک میں میل مستقیم ہے۔
- فلک میں مبدءِ میل مستدیر نہیں۔
- جسم میں کوئی نہ کوئی مبدءِ میل ہونا کچھ ضرور نہیں، فلسفی ضروری جانتا۔ص421
- حرکتِ وضعیہ کا طبعیہ ہونا محال نہیں، فلسفی محال جانتا اور جہاں قاسر نہ ہو ارادیہ واجب مانتا ہے۔ص423
- حرکتِ وضعیہ فلک بھی طبیعہ ہوسکتی ہے۔ص428
- طبیعت کا دائماً اپنے کمال سے محروم رہنا محال نہیں، فلسفی محال کہتا ہے۔ص429
- حرکتِ فلک قسریہ ہوسکتی ہے، فلسفی اس کے اِستحالہ پر چند شبہات پیش کرتا ہے۔ص434
- فلک کی حرکت اِرادیہ ہونا ثابت نہیں۔ص436 بلکہ افلاک کی حرکت قسریہ ہونا ثابت۔ص437
- فلک پر خرق والتیام جائز ہے۔ فلسفی اسے محال کہتا ہے اور اس کے فضلہ خوار نیچری وغیرہم اسی بناء پر معراجِ پاک سے منکر ہیں۔ طرفہ یہ کہ ایمان وکلمہ گوئی وتصدیقِ قرآنِ عظیم وایمان ______________ قیامت کے مدعی ہیں۔ قرآن و قیامت پر ایمان اِستحالۂ خرق والتیام کے ساتھ کیونکر جمع ہوا جس میں بکثرت نصوصِ قاطعہ ہیں کہ روزِ قیامت آسمان پارہ پارہ ہوجائیں گے ،{وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ} لیکن ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔(ت)۔ص438
- فلک بسیط نہیں۔ص451
- فلک کا قابلِ حرکتِ مستدیرہ ہونا ثابت نہیں، فلسفی اس کا یہ ثبوت دیتا ہے۔۔۔ص453
- فلک کی حرکت ثابت نہیں۔ص454
- دو حرکتِ مستقیمہ کے بیچ میں سکون لازم نہیں۔ اَرسطو اور اس کا گروہ برخلاف اَفلاطون واجب کہتا ہے۔ص459
- امورِ غیر متناہیہ کا عدم سے وجود میں آجانا مطلقاً محال ہے مجتمع ہوں خواہ متعاقب مرتَّب ہوں یا غیر مرتَّب۔ص462

قِدَمِ نوعی محال ہے فلسفی بہت اشیاء کو ایسا مانتا ہے کہ ان کے اَشخاص واَفراد سب حادث ہیں مگر طبیعتِ کلیہ قدیم ہے زمانہ

کے دن اور فلک کے دَورے اور موالید کے انواع ایسے ہی قدیم ہیں مثلاً فلک کے سب دورے حادث ہیں کوئی خاص دَورہ اَزل میں نہ تھا مگر ہیں اَزل سے یعنی کوئی دَورہ ایسا نہیں جس سے پہلے غیر متناہی دَورے نہ ہوئے ہوں، یہ صراحۃً کچا جنون ہے اور اس کے بُطلان پر براہینِ قطعیہ قائم۔ص465

- قوتِ جسمانیہ کا غیر متناہی پر قادر ہونا محال نہیں فلسفی محال مانتا ہے۔ص469
- آن سیّال کوئی چیز نہیں۔ص474
- زمانے کا وجودِ خارجی اَصلاً ثابت نہیں، زمانہ مقدارِ حرکتِ قطعیہ ہے اور ہم ثابت کر چکے کہ حرکتِ قطعیہ موجود فی الخارج نہیں تو اس کی مقدار کیسے موجود فی الخارج ہو سکتی ہے۔۔ص485

تنبیہ جلیل

اَقول: احادیث میں ہے کہ ایام و شہور محشور ہوں گے، جمعہ و رمضان شفیع و شہید ہوں گے، ہر مہینہ اپنے ہر قسم وقائع کی گواہی دے گا سوائے رَجب کے کہ حسنات بیان کرے گا اور سیئات کے ذکر پر کہے گا میں بہرا تھا مجھے خبر نہیں اس لیے اُسے شہرِ اَصم کہتے ہیں ہر مہینے اپنے آنے سے پہلے خدمتِ اَقدس حضورِ سیدنا غوثِ اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حاضر ہوتا اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے سب عرض کرتا اس سے زمانے کے وجودِ خارجی پر استدلال نہیں ہوسکتا، یہ اَرواح ہیں کہ ان معانی سے متعلق ہیں یا عالمِ مثال کے تمثیلات جن میں اَعراض متجسد ہوتے ہیں، خود اس فقیر نے اس ایک سال جس سے پہلے کششِ باراں ہو چکی تھی فصلِ بارش کے دوسرے مہینے کو جسے ہندی میں ساون کہتے ہیں ایک نہایت سیاہ فام تر و تازہ فربہ حبشی کی شکل میں دیکھا کہ میرے کمرے کے دروازے پر آکر کھڑا ہوا، ساون میں خوب کالی گھٹائیں آئیں اور زور شور سے برسیں۔رَدِّ شبہ کے لیے دو باتیں بس ہیں۔

اوّل: شہور واَیام زمانے کے اجزائے ممتازہ منفرزہ ہیں اور زمانے کے اَجزا کا ایسا وجودِ خارجی مخالفین بھی نہیں مانتے۔

دوم: سارا دن اور پورا مہینہ مجتمع حاضر ہوگا حالانکہ مخالفین بھی خارج میں اس کا اِجتماعِ اَجزا محال جانتے ہیں بہر حال امورِ آخرت کو امورِ دنیا پر قیاس نہیں کر سکتے وہاں اَعمال کہ اعراض ہیں میزان میں رکھ کر تولے جائیں گے جب وہ قیام بالذات اَعراض کے قیام بالذات کا موجب نہ ہوا وجودِ خارجی وجودِ خارجی کا مستوجب نہ ہوگا۔**فاستقم وتثبت ثبتنا اللہ وایاك بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ امین**۔(سیدھا ہو جا اور ثابت قدم رہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تجھے ثابت رکھے حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اے اللہ ہماری دعا کو قبول فرما۔ت)

- زمانے کے لیے خارج میں کوئی منشأ انتزاع بھی نہیں۔ص496
- زمانہ موجود ہو خواہ موہوم کسی حرکت کی مقدار نہیں ہوسکتا۔ص499
- زمانہ کا مقدارِ حرکت فلکیہ ہونا تو کسی طرح ثابت نہیں بلکہ نہ ہونا ثابت ہے۔ص500
- زمانہ حادث ہے۔ص504

(۱) ہر عاقل جانتا ہے کہ وجودِ باری عزوجل کو اس کی صفاتِ قدیمہ (یا فلاسفہ کے نزدیک عقلِ اول) پر تقدم ذاتی ہے یونہی سب حوادث پر بھی مگر بداہتِ عقل شاہد کہ وجودِ حوادث پر اس کے وجود کو ایک اور۔۔۔بھی ہے جو صفات (یا بطورِ فلاسفہ عقلِ اول) پر نہیں یقیناً کہا جائے گا کہ اَزل میں وجودِ الٰہی تھا اور وجودِ حوادث نہ تھا بلکہ بعد کو ہوا اور ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اَزل میں اللہ تعالٰی تھا اور صفاتِ الٰہیہ نہ تھیں، نہ فلسفی کہہ سکتا ہے کہ اَزل میں واجب کہتا اور معلول اول نہ تھا، بالجملہ صفات یا معلولِ اَوّل کو اَزل سے تخلُّف نہیں اور وجودِ حوادث کو قطعاً ہے تو حوادث پر وجودِ حق کو تقدم ذاتی کے سوا دوسرا تقدم اور ہے اور وہ ہرگز زمانی نہیں کہ باری عزوجل زمانے سے پاک ہے فلاسفہ بھی اس تنزیہ میں ہمارے ساتھ ہیں۔ص523

(۲) صفاتِ الٰہیہ قطعاً قدیم ہیں اور قدیم بالذات نہیں مگر ذاتِ عُلیہ اور صفات بھی زمانے سے متعالی تو اُن کا قِدَم (عــــہ ۱)[1] زمانی بھی نہیں ہوسکتا۔ص523

اقول: (میں کہتا ہوں) (۱) اللہ تعالٰی اس بات سے بلند ہے کہ اس کا وجود زمانے کی طرف منسوب کیا جائے (۲) اگر اللہ تعالٰی کا باقی رہنا اس معنی سے ہو تو زمانے کا قدیم ہونا لازم آئے گا۔

اقول: (۱) اللہ تعالٰی زمانے کے ساتھ مقارِن ہونے سے بلند ہے۔ص525

اللہ تعالٰی کے علم کی تقسیم اِجمالی اور تفصیلی کی طرف کرنا فلاسفہ کی بدعتوں میں سے ہے

اور یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالٰی اپنی ذاتِ عالیہ کو کامل طور پر جانتا، دیکھتا اور سنتا ہے اور اس کے علم نے ہر چیز کا اِحاطہ کر رکھا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ سب چیزیں اس کے نزدیک منکشف ہیں اور وہ اپنے علم، بصر، سمع اور ہر چیز کا اِحاطہ کرنے والا ہے مختصر یہ کہ عقلیں اس کی ذات وصفات کی حقیقت کے جاننے سے عاجز ہیں، ہمارا اللہ تعالٰی پر ایمان ہے جیسے وہ فی الواقع ہے اور اس کے اسماء اور صفات پر بھی ہم ایمان رکھتے ہیں۔

اللہ تعالٰی کے علم کی تقسیم اِجمالی اور تفصیلی کی طرف فلاسفہ کی بدعتوں میں سے ہے، جب کہ اللہ تعالٰی کا علم واحد ہے بسیط ہے اور اس کا تعلق تمام موجودات، معدومات، ممکنات اور محالات سے اتنی مکمل تفصیل کے ساتھ ہے، کہ اس پر زیادتی ممکن ہی نہیں ہے، پس علم ایک ہے اور معلومات غیر متناہی دَر غیر متناہی جیسے کہ میں نے اپنی کتاب ''الدولة المکیة'' اور اس کے حواشی ''الفیوض الملکیة''میں بیان کیا ہے۔ص527

اِبطالِ رائے فلسفی اور جُزءِ لَا یَتَجَزّٰی کے متعلق اعلٰی حضرت علیہ الرحمۃ کا مسلک

مؤقفِ اول: اس مسئلہ میں ابطالِ رائے فلسفی اور دربارۂ جزء ہمارہ مسلک۔

---

[1]: عــــہ ۱: مقاصد اور اس کی شرح میں ہے کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی قدیم بالذات نہیں ہے، البتہ قدیم بالزمان صرف اللہ تعالٰی کی صفات ہیں۔اقول: اس عبارت میں عظیم سہو ہے۔اس پر آگاہ ہونا ضروری ہے۔

اَقول:وَبِرَبِّنَا التوفیق یہاں ہمارا مسلک فریقین سے جُدا ہے۔

(۱) ہمارے نزدیک جز ولایتجزی باطل نہیں خلافاً للحکماء لیکن دو جزوں کا اِتصال محال ہے **خلافاً لظاھر ماعن جمھور المتکلمین**۔امید کے اتصالِ اَجزاء ماننے سے ہمارے متکلمین کی مراد اتصالِ حِسّی ہو ورنہ اِتصالِ حقیقی کا بُطلان محتاجِ بیان نہیں۔

(۲) ہمیں یہاں پر اصل مقصود اِبطالِ ہیولیٰ ہے کہ اس کی ظلمتیں قِدَم عالَم اگرچہ نوعی کے کُفریات لاتی ہیں۔

(۳) ربِّ عزوجل فاعل مختار ہے اس کے ارادے کے سِوا عالم میں کوئی شے موثر نہیں رؤیتِ شے نہ اِجتماع شرائطِ عادیہ سے واجب نہ اُن کے اِنتفاء سے محال، وہ چاہے تو سب شرطیں جمع ہوں اور دن کو سامنے کا پہاڑ نظر نہ آئے اور چاہے تو بلاشرط رؤیت ہوجائے جیسے بحمدہٖ تعالیٰ روزِ قیامت اس کا دیدار کہ کیفیت وجہت ولَون ووقوعِ ضَو ومحاذات وقُرب وبُعد ومسافت وغیرہا جملہ شرائطِ عادیہ سے پاک ومنزہ ہے۔اب عادت یوں جاری ہے کہ نہایت باریک چیز کہ تنہا اَصلاً قابلِ اِبصار نہ ہو جب بکثرت مجتمع ہوتی ہے اگر اِتصال نہ ہو وہ مجموعہ مرئی ہوتا ہے۔کوٹھڑی کے روزن سے دھوپ آئے تو اس میں ایک عمود مستطیل وسعتِ روزن کی قدر عمیق محسوس ہوتا ہے۔یہ نہایت باریک باریک اَجزاء متفرقہ کا مجموعہ ہے جن کو ہباء منثورہ کہتے ہیں پراگندہ ونامتصل، ان میں کوئی جز رؤیت کے قابل نہیں اگر تنہا ہو ہرگز نظر نہ آئے میں ان ذروں کو نہیں کہتا جو اس عمود میں جُدا اُڑتے نظر آتے ہیں بلکہ ان اَجزاء کو جن سے وہ عمود بنا ہے اور جو ایک سحابی شکل کے سوا کسی جز کو نہیں دکھاتا ان کی لطافت اس درجہ ہے کہ اس عمود میں ہاتھ رکھ کر مٹھی بند کرو ہاتھ میں کچھ نہ آئے گا مگر کثرتِ اِجتماعِ بے اِقتران سے ایک جسم عمیق،طویل،عریض بشکلِ عمود محسوس ہوتا ہے بلکہ دُخان وبخار کی بھی یہی حالت ہے وہ اَجزاءِ ہوائیہ کے ساتھ اَجزاءِ ارضیہ یا مائیہ ایسے ہی متفرق وباریک وممتزج ہیں کہ تنہا ایک نظر نہ آئے اور اجتماع سے یہ جسم دُخانی وبخاری نظر آتا ہے بعینہٖ یہی حالت متفرقانہ اِجتماع جواہرِ فردہ سے احساسِ جسم کی ہوسکتی ہے جسم انہیں متفرق اَجزاء لایتجزی کے مجموعہ کا نام ہو جن میں کوئی دو جز متصل نہیں اور ان کا تفرُّق نظر میں وَحدتِ جسم کا مانع نہیں جیسے اینٹوں کی دیوار کہ ہر اینٹ دوسری سے جُدا معلوم ہوتی ہے اور پھر دیوار ایک ہے تختوں کا کواڑ یا تخت کہ ہر تختہ جُدا ہے اور مجموعہ ایک، اکثر اَجسام میں مسام محسوس ہوتے ہیں اور وحدتِ جسم میں مخل نہیں ہوتے،مسام کا فرجہ تمہارے نزدیک اِنقسام غیر متناہی رکھتا ہے تو ضرور اس حدِ صغر کو پہنچے گا کہ مسام واقع میں ہوں اور حِس میں نہ آئیں،اگر کہئے جب کوئی دو جز متصل نہیں تو جو فرجہ ان کے بیچ میں ہے اس میں ہوا وغیرہ کوئی جسم ہے یا نہیں،اگر نہیں تو خلا ہے اور اگر ہے تو اس جسم کے اجزاء میں کلام ہوگا اور بالآخر خلا ماننا پڑے گا۔

اقول: ہاں ضرور خلا ہے،اور ہم ثابت کر چکے کہ وہ محال نہیں۔

(۴) صِغرِ مسام میں ایک تقریر قاطع ابھی ہم کر چکے،اس کے علاوہ عادت یوں جاری ہے کہ جب فصل بہت کم رہ جائے کہ امتیاز میں نہ آئے تو شئ متصل وحدانی معلوم ہوتی ہے وہ واقع میں اس کا اِتصال نہیں بلکہ حسِ مشترک میں صُوَرِ کمال متقاربہ کا اجتماع اس کا باعث ہوتا ہے کہ ان کے خلاؤں میں بھی ویسی ہی صورت مدرَک ہوتی ہے اور سطحِ واحد متصل سمجھی

جاتی ہے، کپڑے میں زری کے پھول بہت قریب قریب ہوں، نزدیک سے دیکھئے تو ہر پھول دوسرے سے جُدا اور بیچ میں خلا، مگر دُور سے سارا کپڑا مغرق معلوم ہوتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ بوجہِ بُعد جس نسبت سے پھولوں کے خلا چھوٹے ہوتے گئے اُسی نسبت سے پھول بھی چھوٹے ہوتے جاتے، قریب سے بڑے پھول اور ان میں بڑا خلا محسوس ہوتا، بعید سے چھوٹے پھول اور ان میں چھوٹا خلا محسوس ہوتا مگر یہ نہیں ہوتا بلکہ خلا معدوم ہوجاتا ہے اور اس کی جگہ بھی زری کی صورت محسوس ہوکر ساری سطح زری سے مغرق بے فرجہ معلوم ہوتی ہے، ممکن کہ بعض اجسام دونوں حالتوں کے ہوں جن میں مسام نظر آئیں وہ اس کپڑے کو قریب سے دیکھنے کی حالت اور جن میں بالکل نظر نہ آئیں دُور سے دیکھنے کی کہ خلا کے صِغر نے سطح کو اَجزا سے مغرق کردیا کہ جسم متصل وحدانی بلا مسام نظر آیا۔

(۵) ہندسہ کی بِنا خطوطِ موہومہ پر ہے۔ یہاں جب کوئی دو جز متصل نہیں ضرور ہر دو جز میں ایک خطِ موہوم فاصل ہوگا جس کے دو نقطۂ طرف پر یہ دو جز ہیں خطوطِ موہومہ ایک حد تک کتنے ہی چھوتے ہوں ان کی تقسیم وَہماً ہوگی یا مجاراۃ للفلاسفہ، یہ بھی سہی کہ ان کی تقسیم غیر متناہی ہے اس تقدیر پر یہ جسم اگرچہ فی نفسہٖ متصل نہیں اَجزائے متفرقہ ہیں تو اجزائے واقعیہ کی طرف اس کی تحلیل قطعاً متناہی ہوگی مگر وہ اِتصالِ موہوم جس کا نام جسمِ تعلیمی ہے اِنقسام وہمی میں اس کی تقسیم غیر متناہی لاتقفی ہوگی اگر کہیے جسمِ تعلیمی جسمِ طبعی ہی کی تو مقدار ہے جب اس کی تقسیم نامتناہی تو اس کی بھی کہ یہ اسی سے منتزع ہے۔

اقول: پھر بھُولتے ہو اس کی ذات سے منتزع نہیں بلکہ ہوتا تو اس کے اتصال سے اس جسمِ طبعی کو متصل ہی کس نے مانا ہے کہ جسمِ تعلیمی اس سے منتزع یا اس کی مقدار ہو وہ تو اجزائے متفرقہ ہیں جن میں خطوطِ فاصلہ کے توہّم سے ایک مقدار موہوم ہوگی تو اس کی تقسیموں سے وہی موہوم منقسم ہوگا نہ کہ جسمِ طبعی۔

(۶) ہماری تقریر ۴ و ۵ کے ملاحظہ سے واضح کہ اتصال تین قسم ہے۔ حقیقی، حسی، وہمی، جب اَقسام کا ترتُّب اس طور پر ہو۔ اوّل ان میں اَصلاً کسی جسم کو نہ ہوگا اور ثالث جو ہر جسم کو ہے اور ثانی سے اگر یہ مراد لو کہ اگرچہ حس میں مسام ہوں مگر جسم واحد سمجھا جائے تو یہ بھی ہر جسم کو ہے اور اسی پر تمام احکامِ شرعیہ وعقلیہ کی بنا ہے اور اگر یہ مراد لو کہ حس اس میں اَصلاً تفرُّق کا اِدراک نہ کرے تو یہ ان میں صرف بعض اجسام میں ہوگا جو اَملس ہوں جس طرح آئینے اور لوہے کا تختہ پالش کیا ہوا۔

(۷) ہمارا دعوٰی نہیں کہ سب اجسام یا فلاں خاص کا ترکُّب اس طرح ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ممکن کہ بعض کا ترکب اس طرح ہو، اس سے تین فائدے ہوئے۔

(الف) فلاسفہ کا اِدعا کہ جسم کا ترکب اجزائے لاتتجزّٰی سے نہیں ہوسکتا باطل ہوا۔

(ب) ان کا کلیہ کہ ہر جسم ہیولٰی وصورت سے مرکب ہے باطل ہوا۔

(ج) وہ دلائل کہ اِبطال ترکب پر لائے تھے بے کار وضائع گئے۔ **کما ستعرف ان شاء اللہ تعالٰی** (جیسا کہ عنقریب تو جان لے گا اگر اللہ تعالٰی نے چاہا۔ت) ص536

جزءِ لایتجزی کا ثبوت

مؤقف دوم: اثباتِ جز ہم اوپر بیان کر چکے کہ ہمیں اس کی حاجت نہیں صرف امکان کافی ہے تو یہ مؤقف محض تبرّعی ہے ولہذا ہم نے عنوانِ مقام میں یہ کہا کہ جز باطل نہیں یعنی اس کے بُطلان پر کوئی دلیل قائم نہیں، نہ یہ کہ جز ثابت ہے کہ اِبطالِ فلسفہ میں ہمیں اس کی حاجت نہیں، متکلمین نے یہاں بہت کچھ کلام کیا ہے۔ اور وہ ہمارے نزدیک تام نہیں اگرچہ ان میں بعض کو شرحِ مقاصد میں قوی بتایا لہذا ہم اس سب سے اِعراض کر کے اسلامی قلوبِ مستقیمہ کے لیے بتوفیقہٖ تعالیٰ خود قرآنِ عظیم سے جز کا ثبوت دیں۔ **فاقول:** قال المولیٰ سبحانہ وتعالیٰ {وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ} (اور انہیں پوری پریشانی سے پراگندہ کردیا۔ ت) تمزیق پارہ پارہ کرنا۔ ہم نے ان کی کوئی تمزیق باقی نہ رکھی سب بالفعل کردیں۔

ظاہر ہے کہ یہاں تمزیقِ موجود مراد نہیں ہوسکتی۔ کہ تحصیلِ حاصل ناممکن۔ لاجرم تمزیقِ ممکن مراد یعنی جہاں تک تجزیہ کا اِمکان تھا سب بالفعل کردیا تو ضرور یہ تجزیہ ان اَجزاء پر منتہی ہوا جن کے آگے تجزیہ ممکن نہیں ورنہ {كُلَّ مُمَزَّقٍ} نہ ہوتا کہ ابھی بعض تمیزیقیں باقی تھیں اور وہ اجزاء جن کا تجزیہ ناممکن ہو نہیں مگر اَجزائے لایتجزی، تو اس (عہ[1]) تقدیر پر حاصل یہ ہوا کہ ان کے اجسام کے تمام اتصالاتِ حسیہ ہر حصے اور ہر ہر حصے کے حصے باطل فرما کر ان کے اَجزائے لایتجزی دُور دُور بکھیر دیئے کہ اب کسی جز کو دوسرے سے اِتصال حسی بھی نہ رہا۔ اگر کہیے مراد تقسیمِ فکّی ہے نہ وہمی یعنی خارج میں جتنے پارے ہوسکتے تھے سب کردیئے اگرچہ ہر پارہ وہم میں غیر متناہی تقسیم سے منقسم ہوسکتا ہے تو اَجزائے لایتجزی لازم نہ آئے کہ وہ وہماً بھی قابلِ اِقسام نہیں۔

اقول، اوّلاً: تخصیص بلا دلیل باطل وذلیل۔

ثانیاً: وہم سے اگر مجرد اختراع مراد ہو تو وہ کہیں بھی بند نہیں اور اگر وہ کہ واقعیت رکھے تو ناممکن ہے جب تک واقع میں شے دُونَ شیء یعنی دو حصے متمائز نہ ہوں۔ فکّی و وہمی کا فرق انسانی علمِ قاصر وقدرتِ ناقصہ کے اعتبار سے ہے شے جب غایت صغر کو پہنچ جائے گی انسان کسی آلے سے بھی اس کا تجزیہ نہیں کرسکتا بلکہ وہ اسے محسوس ہی نہ ہوگی تجزیہ تو دوسرا درجہ ہے لیکن مولیٰ عزوجل کا علم محیط اور قدرت غیر متناہی، جب تک حصوں میں شے دُونَ شیٔ کا تمایز باقی ہے قطعاً مولیٰ تعالیٰ عزوجل ان کے جُدا فرمانے پر قادر ہے تو وہ جو تمزیق فرمائے اس میں {كُلَّ مُمَزَّقٍ} وہیں منتہی ہوگا جہاں واقعی میں شیٔ دُونَ شے باقی نہ رہے اور وہ نہیں مگر جزوِ لایتجزی۔ ص539

جسم کے متعلق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی رائے

مؤقف چہارم: دربارۂ جسم ہماری رائے۔ **اقول:** وباللہ التوفیق (ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ کہتے ہیں۔ ت) ہم نے روشن کردیا کہ جز لایتجزی ممکن بلکہ واقع اور اس سے جسم کی ترکیب بھی ممکن، اگر بعض اجسام اس طرح مرکب ہوئے ہیں کچھ محذور

---

[1] (عہ ا:) یعنی جب کہ ترکُّب اَجزا سے فرض کریں ورنہ اَجزائے لایتجزی کی طرف تحلیل تو ضرور مفادِ ارشاد ہے کماسیأتی منہ غفرلہ۔

نہیں مگر یہ کلیہ نہیں کہ اس طرح کے اجسام میں تماس ناممکن کہ موجبِ اتصالِ دو جز ہے اور حجمِ حسی جس طرح ہم نے ثابت کیا یونہی تماسِ حسی ماننا مشکل ہے۔

اولاً: حسِ بصر میں متقارب فصلوں کو اتصال سمجھنا معہود ہے، یونہی اگرچہ بصر متقارب جسموں کو متماس گمان کرے مگر تماس میں قوتِ لامسہ کا ادراک اس غلطی پر کیونکر محمول ہو۔

ثانیاً: انگشتری ایک انگلی میں ٹھیک، دوسری میں تنگ، تیسری میں ڈھیلی ہوتی ہے، یہ فرق تماسِ حقیقی ہی بتاتا ہے کہ اگر انگشتری کے اجزاء کا انگلی کے اجزاء سے جُدا رہنا واجب نہ ہو تو جدائی کی کمی بیشی یہ فرق نہیں لاسکتی ہے۔

ثالثاً: ہم نے اجزائے لاتتجزی کی طرف بعض اجسام کی تحلیل قرآنِ کریم سے استفادہ کی تھی بعض اجسام کا متصل بلاانفصال ہونا بھی کتابِ عزیز سے استفادہ کریں۔ قال عزوجل: {اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ} عزت وجلال والے اللہ نے فرمایا کیا اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے ہم نے اسے کیسے بنایا اور آراستہ فرمایا اور اس میں اَصلاً رخنے نہیں۔

آسمان اگر اجزائے لاتتجزّی سے مرکب ہوتا بلاشبہ اس میں بے شمار رخنے ہوتے کہ کوئی جُز دوسرے سے نہ مل سکتا تو ثابت ہوا کہ آسمان جسمِ متصل ہے اور عنقریب بعونہٖ تعالیٰ مقام آئندہ میں آتا ہے کہ ہیولیٰ وصورت سے جسم کا ترکب باطل بلکہ جسمِ بسیط خود ہی متصل اور خود ہی قابلِ انفصال ہے یہاں تک کہ اشراقیین ہمارے ساتھ ہیں جن کا مسلک طوسی نے تجرید میں اختیار کیا، مگر ہم ثابت کرچکے کہ تقسیم غیر متناہی اگرچہ بالقوہ ہو باطل ومحال ہے تو اَجسام کی تحلیل اگر تا حدِ امکان کی جائے گی ضرور اجزائے لاتتجزی پر منتہی ہوگی، جس طرح ہم نے موقف دوم میں آیۃ کریمہ سے استنباط کیا، اور اب معنی آیت یہ ہوں گے کہ ہم نے ان کے جسم کے اجزائے متصلہ کو اتنا ریزہ ریزہ کردیا کہ آگے تجزیہ ممکن نہیں تو صحیح بعض اجسام میں اِمکاناً مذہبِ جمہور متکلمین ہے اور بعض میں وقوعاً مذہبِ محمد بن عبدالکریم شہرستانی یہ اس مسئلے میں ہماری رائے ہے اور علم حق عزّ جلالہ، کو یہاں سے ظاہر ہوا کہ مذہبِ خمسہ مشہورہ میں سب سے باطل مذہبِ نظام ہے پھر (عـــہ ۱)[1] نہایت پوچ و باطل مسلکِ مشائین، پھر (عـــہ ۲)[2] مشربِ اشراقیین، پھر مذہبِ (عـــہ ۳)[3] جمہور متکلمین کی کُلیّت، پھر مذہبِ (عـــہ ۴)[4] شہرستانی میں کلیت پر جزم، اور صحیح یہ ہے جو بتوفیقہٖ تعالیٰ ہم نے اختیار کیا۔ ہم اگرچہ اس رائے میں متفرد ہیں مگر الحمدللہ آیاتِ کریمہ ودلائلِ قویمہ ہمارے ساتھ ہیں۔

---

[1]: عـــہ ۱: اس کے تین جزء ہیں نفیِ جزء اور ہیولی سے ترکب اور انقسامِ نامتناہی اور تینوں باطل منہ غفرلہ

[2]: عـــہ ۲: اس کے بھی تین جزء ہیں اول وسوم وہی اور دونوں باطل، دوم اتصالِ ہر جسم، اس کی کلیت پر جزم صحیح نہیں، ممکن کہ بعض اجسام اجزائے لاتتجزی سے ہوں منہ غفرلہ۔

[3]: عـــہ ۳: کہ ہر جسم اجزائے لاتتجزّی سے ہے حالانکہ یقیناً فلک وغیرہ بہت اجسام ان سے نہیں ہاں اثباتِ جز صحیح ہے منہ غفرلہ۔

[4]: عـــہ ۴: کہ سب اجسام متصل ہیں نیز نفیِ جز باطل ہے منہ غفرلہ۔

ہاں یہاں ایک شبہ رہے گا کہ جب بعض کفار کے جسم بعدِ موت اجزائے لاتجزّی فرمادیئے گئے جیسا کہ آیتِ کریمہ سے گزرا اور اجزائے لاتجزی مل نہیں سکتے تو ان کا اِعادہ کس طرح ہوگا۔

اقول: قدرتِ الہیہ کہیں عاجز نہیں ممکن کہ مولیٰ سبحنہ وتعالیٰ نے اجزاء میں قوتِ نمور کھی ہو۔ روزِ قیامت اُن پر مینہ برسایا جائے گا، جیسا کہ حدیثِ صحیح کا ارشاد ہے اس بارش سے ان میں بالش ہو اور بالیدگی ان کو اجسامِ قابلِ اتصال کردے بعدِ اِمتزاج ان سے وہی جسمِ متصل وحدانی حاصل ہو جیسے قطرات کے ملنے سے جسمِ آب اور بعدِ اتصال اس مقدار کی طرف ردفرمادیا جائے جس پر دنیا میں تھا **او کما شاء ربنا وعلی مایشاء قدیر** (یا جیسا ہمارے رب نے چاہا اور وہ اپنے چاہے پر قادر ہے۔ت) **والعلم بالحق عند ربّنا {وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ} وعلى سيدنا محمد و اله وصحبه الصلوة والتسليم امين۔ والحمد لله رب العلمين**۔ اور حق کا علم ہمارے رب کے پاس ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور ہمارے آقا، آپ کی آل اور اصحاب پر درود و سلام ہو، آمین، اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔(ت)۔ص 571

جامع شرائط پیر کی بیعت توڑنا کیسا؟

پیرِ طریقیت جامع شرائطِ صحتِ بیعت سے بلاوجہ شرعی اِنحراف اِرتدادِ طریقت ہے اور شرعاً معصیت کہ بلاوجہ اِیذاء و اِحتقارِ مسلم ہے، اور وہ دونوں حرام۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: {فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ}۔ تو جس نے عہد توڑا اس نے اپنے بُرے کو عہد توڑا۔(ت)۔ص 577

رسالہ: النیر الشھابی علی تدلیس الوھابی
(روشن آگ کا شعلہ وہابی کی تدلیس پر)۔ص 581

رسالہ: دفع زیغ زاغ (کوے کی کجی کو دُور کرنا) ملقب بلقب تاریخی رامی زاغیان (کوّا والوں پر تیراندازی کرنے والا) رشید احمد گنگوہی سے ۴۰ سوالات۔ص 621

جلد نمبر 28

اذان ونماز ومساجد

رسالہ: شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

(منبر کے سامنے نداء (اذان) کے بیان میں عنبر کے شمامے)۔ص 53

مسجد میں اذان دینا کیسا؟

(۱) جوفِ مسجد میں اذان دینا دربارِ الٰہی کی بے ادبی ہے اس پر قرآن وحدیث اور عہدِ قدیم سے آج تک کا عرف شاہد ہے۔

(۲) جوفِ مسجد میں اذان، مشروعیتِ اذان کے مقصد کے خلاف ہے۔

(۳) جوفِ مسجد میں اذان کے جواز پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں اگر کہیں علامت یا اشارۃ النص یا احتمال ومجاز کے طور پر اس کا تذکرہ ہو بھی تو یہ اسی باب میں علی الترتیب حکم، عبارۃ النص اور صریح وحقیقت کے معارض نہیں ہوسکتے۔

(۴) اندرون مسجد اذان گو آج کل بعض مقامات میں شائع وذائع ہو مگر پورے عالمِ اسلام میں نہ تو اس پر اجماع ہوا ہے نہ عہدِ رسالت سے اس کا توراث ثابت ہے پس ایسے امر کا جواز نہ تو محتمل ہے نہ قابلِ قبول اور جو فعل شرعاً ناپسندیدہ ہو گولاکھ معروف ومشہور ہو گو ہم اس کے ایجاد کا زمانہ متعین نہ کرسکیں مقبول ومعروفِ شرعی نہیں ہوسکتا۔

اے سردارانِ امت علمائے اہلسنت اللہ تعالی نے آپ لوگوں کو احیائے سنت کے لیے تیار کر رکھا ہے اور آپ کے رسولِ گرامی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں آپ کو اس کی دعوت دی ہے اس پر سو شہیدوں کے اجر اور دار آخرت میں اپنی ہم نشینی کا وعدہ فرمایا ہے۔ص 61

اِحیائے سنت کا معنی

سنت کا احیا جبھی ہوگا کہ لوگوں نے اسے مردہ کر ڈالا اور موت اسی صورت میں ہوگی کہ لوگ اس پر عملدرآمد ترک دیں اور اس وقت کے علماء مذکورہ بالا وجوہ کی بنیاد پر ان کی اس حرکت پر خموش رہے ہوں پس جو ایسی سنت زندہ کرے اسے اس کا اجر ملے گا اور جس نے خاموشی اختیار کی وہ معذور سمجھا جائے گا اسی نہج پر احیائے سنت کا معاملہ عہدِ قدیم سے آج تک چلتا رہا ہے اس لیے لوگوں کے عمل یا عادت یا کسی عمل پر ماضی قریب کے علماء کی خموشی سے استدلال اور یہ خیال کہ اگر مسئلہ دائرہ خلافِ شرع ہوتا تو اس پر ان علماء کی خموشی ان کے لیے باعث عار ہوتی۔ یہ سب خیال کھلی جہالت اور واضح وہم پرستی ہے اور احیائے سنت کا سدِ باب ہے حالانکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے احیائے سنت کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور اس پر عظیم انعام واکرام کا وعدہ فرمایا ہے۔ص 63

❁ **رفض وتشیُّع میں زمین وآسمان کا فرق ہے بسااوقات لفظ تشیع کا اطلاق حضرتِ مولاعلی کوعثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہم پرفضیلت دینے پرہوتاہے جبکہ یہ ائمہ بالخصوص اعلامِ کوفہ کامذہب ہے۔ص 77**

مسجد کے تین اِطلاقات ہیں

مسجد کی دواطلاقات ہیں(ا) زمین کا وہ حصہ جونماز کے لیے وقف کیا گیا ہومسجد کے حقیقی معنی یہی ہیں اس اطلاق میں مسجد کی بنیادیں مسجد میں داخل نہیں کہ بنیادیں اوصاف کے حکم میں ہیں جیسے کہ اطراف وحدودپس مسجد کا دروازہ اوردیواریں مسجد سے خارج ہیں اسی طرح اذان کے چبوترے، مینارے، حوض اورکنویں حدودِمسجد یا جوفِ مسجد ہی میں کیوں نہ ہوں اگرتمام مسجدیت سے قبل بنائے گئےتومسجد سے خارج ہیں ہاں مسجد مکمل ہوجانے کے بعداگران چیزوں کومسجد میں بنایا تویہ وقف کو بدلنا ہوا جوجائز نہیں، واقف نے وقف کی ضرورت کے لیےاس کی شرط لگائی ہوتو اور بات ہےاورمسجد میں یہ ناممکن ہے کہ مسجد حقوقِ عبد سے بالکلیہ آزادہوتی ہے۔

(ب)اس اطلاق میں زمین مع بنیادوں کے مسجد ہے،تو دروازےاوردیواریں سب مسجد میں داخل ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان{اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَاللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ}(مسجدیں اللہ تعالیٰ پرایمان لانے والےتعمیر کرتے ہیں)میں یہی مراد ہے۔

(ج)اورمسجد کاایک تیسرااطلاق بھی ہےاس اطلاق پرصحن(فنائے مسجد) کا حصہ بھی شامل ہوتا اسی لیےتومعتکف کواس میں جانا جائز ہےاوراس کے بعد بھی وہ معتکف ہی رہتاہے۔اسی لیےلوگ کسی مسجد کے منارہ سے ہونے والی اذان کوسن کرکہتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہوگئی حالانکہ منارہ تومسجد سے خارج بناہےاورچونکہ یہ محاروہ عرب وعجم میں شائع وذائع ہے کہ اذانِ منارہ کوسن کرکوئی نہیں کہتا کہ چلومسجد کے باہراذان ہوگئی۔

اس تفصیل کے بعد یہ جاننا چاہیے کہ اذان اصلِ مسجد میں مکروہ ہے وصفِ مسجد میں نہیں۔اورتبعِ مسجد میں بھی نہیں اس کی تعبیریوں بھی کی جاسکتی ہے اذانِ مسجد بالمعنی الاول میں مکروہ ہے معنی ثانی اورثالث میں نہیں۔ائمہ کی نصوص سے بھی یہی ظاہر ہے کہ خاص مسجد کے اندرمکروہ ہے منارہ، صحن اورحدود میں نہیں۔حدیث سائب بن یزیدرضی اللہ تعالی عنہ کا بھی مفاد ہے"کان الاذان علی باب المسجد"(اذان مسجد کے دروازہ پرہوتی تھی)۔ص136

لفظ یَنبَغِی کی تحقیق

لفظ یَنبَغِی کومستحب کے معنی میں قراردیناائمۂ متاخرین کی اصطلاح ہے کلامِ مشائخ میں یہ لفظ عام ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں اس کی تصریح ہےانہوں نےفرمایا کہ ایسا قرآنِ عظیم میں بہت وارد ہے مثلاً آیتِ قرآنی:{مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ}(ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اللہ کےعلاوہ کسی کواپناولی بنائیں)"مصباح المنیر" میں ہے ینبغی کے معنی وجوب اوراستحباب دونوں ہی حسبِ طلب ہوسکتے ہیں۔

اس لفظ میں استحباب کے معنی سنت کوبھی شامل ہیں اورسنت کامعاملہ ایسا آسان نہیں بلکہ لفظ ینبغی بسااوقات صرف معنی وجوب پرہی دلالت کرتا ہے۔ ہدایہ وکنز وغیرہ میں ہے :"من حلف علی معصیۃ ینبغی ان یحنث"فان الحنث

واجب قطعاً ''جس نے گناہ کرنے کی قسم کھائی تو اسے توڑ دینا چاہیے'' یہاں قسم توڑنا واجب ہے۔ص150

مسجد کے اندر اذان مکروہ تحریمی ہے؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ یہ بھی کہ کبھی کبھی بیانِ جواز کے لیے افضل کو بھی ترک کردیتے تھے جبکہ زمانۂ رسالت میں کبھی بھی اذان کا مسجد کے اندر ہونا ثابت نہیں تو یہ سب باتیں مل جل کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ تحریمی ہے اور جس کو اس سے تسلی نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہے کہ یہ مسئلہ کراہتِ تحریمیہ و کراہتِ تنزیہیہ میں دائر ہے تو ایک امرِ مشکوک کو چھوڑ دینا دانشمندی ہے اور کم از کم اتنا تو ہے جس کے ماننے بغیر چارہ نہیں کہ مسجد میں اذان مطلقاً مکروہ ہے اور اہلِ عقل کے لیے ممانعت کا اتنا حکم ہی کافی ہے۔ص155 لفظ ''بَینَ یَدَیہ'' کے معنی کی تحقیق۔ص176

فضائل ومناقب

حضرتِ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیض ونفاس سے مبرا منزہ تھیں؟

یہ حدیث میں آیا ہے: ان ابنتی فاطمۃ حوراء اٰدمیۃ لم تحض ولم تطمث بیشک میری صاحبزادی بتول زہرا انسانی شکل میں حوروں کی طرح حیض ونفاس سے پاک ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔ص361

عقیدہ وہ چیز ہے جس کا اعتقاد و مدار سنیت اور اس کا انکار بلکہ اس میں تردّد گمراہی وضلالت۔ص362

قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ کا معنٰی

وہ مسلک جو ہمارے نزدیک محقق ہے اور بشہادتِ اولیاء وشہادتِ سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام و بمرویاتِ اکابر ائمۂ کرام ثابت ہے یہ ہی ہے کہ باستثناء ان کے جن کی اَفضلیت منصوص ہے جیسے جملہ صحابہ کرام وبعض اکابر تابعینِ عظام کہ { وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡھُمۡ بِاِحۡسَانٍ } (اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے۔ت) ہیں، اور اپنے ان اَلقاب سے ممتاز ہیں ولہذا اولیاء وصوفیہ ومشائخ ان الفاظ سے ان کی طرف ذہن نہیں جاتا اگرچہ وہ خود سردارانِ اولیاء ہیں، وہ کہ ان الفاظ سے مفہوم ہوئے ہیں حضور سیدنا غوثِ اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوں جیسے سائر اولیائے عشرہ کہ اِحیائے موتٰی فرماتے تھے، خواہ حضور سے متقدم ہوں جیسے حضرت معروف کرخی و بایزید بسطامی وسید الطائفہ جنید و ابوبکر شبلی و ابوسعید خراز، اگرچہ وہ خود حضور کے مشائخ ہیں، اور جو حضور کے بعد ہیں جیسے حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند و حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی و حضرت سیدنا بہاءَ الملۃ والدین نقشبند اور ان اکابر کے خلفاء ومشائخ وغیرہم قدس اللہ اسرارھم وافاض علینا برکتھم وانوارھم (اللہ تعالیٰ ان کے اسرار کو مقدس بنائے اور ان کی برکات وانوار ہمیں عطا فرمائے۔ت) حضور سرکارِ غوثیت مدار بلا استثنا ان سب سے اعلیٰ و اکمل وافضل ہیں، اور حضور کے بعد جتنے اکابر ہوئے اور تا زمانۂ سیدنا امام مہدی ہوں گے کسی سلسلہ کے ہوں یا سلسلہ سے جُدا افراد ہوں غوث، قطب، امامین، اوتادِ اربعہ، مبدلائے سبعہ، ابدالِ سبعین، نقبا، نجبا، ہر دورہ کے عظماء، کبرا

سب حضور سے مستفیض اور حضور کے فیض سے کامل و مکمل ہیں۔

یہ چشتی نقشبندی، سہروردی ہر اک تیری طرف آئل ہے یاغوث

یہ ضرور ہے کہ ہر شخص اپنی سرکار کی بڑائی چاہتا ہے مگر مَنْ وتُو زید وعمرو کے چاہے کچھ نہیں ہوتا، چاہنا اس کا ہے جس کے ہاتھ میزانِ فضل ہے، غلبۂ شوق اور چیز ہے اور ثبوتِ دلائل اور، ہم جو کہتے ہیں خود نہیں کہتے بلکہ اکابر کا ارشاد ہے اَجلہ اَعاظم کا جس پر اعتماد ہے، ایک تو خود حضورِ والا کا وہ فرمان واجبُ الاذعان کہ قدمی ھذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللّٰہ (میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ت) کہ حضورِ والا سے متواتر ہوا اور اکابر اولیاء نے بحکمِ الٰہی اسے قبول کیا اور قدمِ اقدس اپنی گردنوں پر لیا۔ص362

اللہ پاک کے کتنے نام ہیں اور شہنشاہِ جہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کتنے؟

اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسمائے پاک بھی بکثرت ہیں کہ کثرتِ اسما شرفِ مسمّٰی سے ناشی ہے، آٹھ سو سے زائد مواہب وشرح مواہب میں ہیں، اور فقیر نے تقریباً چودہ سو پائے، اور حصر ناممکن۔ص365

اپنی طرف سے ایک کو اَفضل دوسرے کو مفضول نہ بتائیں

اللہ عزوجل فرماتا ہے: {قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ} تم فرمادو کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔اس آیۂ کریمہ سے مسلمان کو دو ہدایتیں ہوئیں۔

ایک: یہ کہ مقبولانِ بارگاہِ اَحدیت میں اپنی طرف سے ایک کو اَفضل دوسرے کو مفضول نہ بتائے کہ فضل تو اللہ تعالٰی کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

دوسرے: یہ کہ جب دلیلِ مقبول سے ایک کی اَفضلیت ثابت ہو تو نفس کی خواہش اپنے ذاتی علاقہ نسب یا نسبتِ شاگردی یا مریدی وغیرہ کو اَصلاً دخل نہ دے کہ فضل ہمارے ہاتھ نہیں کہ اپنے آباو اساتذہ ومشائخ کو اوروں سے افضل ہی کریں جسے خدا نے افضل کیا وہی افضل ہے اگرچہ ہمارا ذاتی علاقہ اس سے کچھ نہ ہو اور جسے مفضول کیا وہی مفضول ہے اگرچہ ہمارے سب علاقے اس سے ہوں، یہ اسلامی شان ہے مسلمان کو اسی پر عمل چاہئے۔ص368

رسالہ: فتاوٰی کراماتِ غوثیہ۔ص403

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان اقوال کے باب میں:

اول: ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ شبِ معراج میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حضرتِ پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ نے عرشِ معلّٰی پر اپنے اوپر سوار کر کے پہنچایا، یا کاندھا دے کر اوپر سوار کر کے پہنچایا، یا کاندھا دے کر اوپر جانے کی معاونت کی، یعنی یہ کام اوپر جانے کا براق اور حضرت جبریل علیہ السلام اور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انجام کو نہ پہنچا حضرتِ غوثُ الاعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے یہ مہم سرانجام کو پہنچائی۔

دوسرے: یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو پیرانِ پیر ہوتے۔

تیسرے: یہ کہ زنبیل ارواح کی عزرائیل علیہ السلام سے حضرت پیرانِ پیر نے ناراض اور غصہ میں ہو کر چھین لی تھی۔

چوتھے: یہ کہ حضرتِ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے حضرتِ غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالٰی کی روح کو دودھ پلایا۔

پانچویں: اکثر عوام کے عقیدے میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو بکر صدیق سے زیادہ مرتبہ رکھتے ہیں۔

ان اقوال کا کیا حال ہے؟

جواب سوال (۱):

رہا شبِ معراج میں روح پُرفتوح حضور غوثُ الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حاضر ہو کر پائے اَقدس حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نیچے گردن رکھنا، اور وقتِ رکوبِ براق یا صعودِ عرش زینہ بننا، شرعاً وعقلاً اس میں کوئی بھی اِستحالہ نہیں، سدرۃ المنتہٰی اگر منتہائے عروج ہے تو باعتبارِ اجسام نہ بنظرِ اَرواح، عروجِ روحانی ہزاروں اکابر اولیاء کو عرش بلکہ مافوق العرش تک ثابت وواقع، جس کا انکار نہ کرے گا مگر علومِ اولیاء کا منکر، بلکہ باوضو سونے والے کے لئے حدیث میں وارد کہ: اس کی روح عرش تک بلند کی جاتی ہے۔ نہ اس قصہ میں معاذ اللہ بوئے تفضیل یا ہمسری حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے نکلتی ہے، نہ اس کی عبارت یا اِشارت سے کوئی ذہنِ سلیم اس طرف جا سکتا ہے، کیا عجب سواریِ براق سے بھی یہی معنی تراشے جائیں کہ اوپر جانے کا کام حضرتِ جبرائیل علیہ السلام اور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے انجام کو نہ پہنچا براق نے یہ مہم سرانجام کو پہنچائی۔ در پردہ اس میں براق کو فضیلت دینا لازم آتا ہے کہ حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس تو نہ پہنچ سکے اور براق پہنچ گیا اس کے ذریعے سے حضور کی رسائی ہوئی۔ یاھذا! خدمت کے افعال جو بنظرِ تعظیم واِجلال سلاطین بجالاتے ہیں کیا ان کے یہ معنٰی ہوتے ہیں کہ بادشاہ ان امور میں عاجز اور ہمارا محتاج ہے؟۔۔۔۔۔۔۔ علاوہ بریں کسی بلندی پر جانے کے لئے زینہ بننے سے یہ کیونکر مفہوم کہ زینہ بننے والا خود بے زینہ وصول پر قادر۔۔۔۔۔۔ نردبان (سیڑھی) ہی کو دیکھیں کہ زینۂ صعود ہے اور خود اَصلاً صعود پر قادر نہیں۔

فرض کیجئے کہ ہنگامِ بت شکنی حضرتِ امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ کی عرض قبول فرمائی جاتی اور حضور پُرنور اَفضل صلوات اللہ واکمل تسلیماتہ علیہ وعلٰی آلہٖ ان کے دَوشِ مبارک پر قدم رکھ کر بت گراتے تو کیا اس کا یہ مفاد ہوتا کہ حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو معاذ اللہ اس کام میں عاجز اور حضرتِ مولیٰ علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ قادر تھے، غرض ایسے معنٰی محال، نہ ہرگز عبارتِ قصہ سے مستفاد، نہ ان کے قائلین بے چاروں کو مراد، واللہ الھادی الی سبیل الرشاد (اور اللہ تعالٰی ہی درست راستے کی طرف ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔ت)

یہ بیان اِبطالِ اِستحالہ واِثباتِ صحت بمعنی اِمکان کے متعلق تھا، رہا اس روایت کے متعلق بقیہ کلام، وہ فقیر غفر اللہ تعالٰی کے مجلد دوم العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ کی کتاب مسائلِ شتی میں مذکور کہ یہ سوال پہلے بھی اوجین سے آیا اور اس کا

جواب قدرے مفصل دیا گیا تھا۔

خلاصۂ مقصد اس کا مع زیاداتِ جدیدہ یہ کہ اس کی اصل کلماتِ بعض مشائخ میں مسطور، اس میں عقلی وشرعی کوئی اِستحالہ نہیں، بلکہ احادیث واقوالِ اولیاء وعلماء میں متعدد بندگانِ خدا کے لئے ایسا حضورِ روحانی وارد۔ مسلم اپنی صحیح اور ابوداود طیالسی مسند میں جابر بن عبداللہ انصاری اور عبد بن حمید بسندِ حسن اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی، حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''**ودخلت الجنة فسمعت خشفة فقلت ماهذه قالوا اهذا بلال ثم دخلت الجنة فسمعت خشفة فقلت ماهذه قالوا هذه الغميصاء بنت ملحان**'' میں جب جنت میں داخل ہوا تو ایک پہچل سنی، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ملائکہ نے عرض کی: یہ بلال ہیں۔ پھر تشریف لے گیا، پہچل سنی، میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا: غمیصاء بنت ملحان، یعنی امِ سُلَیم مادرِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

سبحان اللہ! جب احادیثِ صحیحہ سے اَحیائے عالمِ شہادت کا حضور ثابت تو عالمِ اَرواح سے بعض ارواحِ قدسیہ کا حضور کیا دُور۔ اور جب یہاں تک بحمد اللہ ثابت تو معاملۂ قدم میں کیا وجہِ اِنکار ہے کہ قولِ مشائخ کو خواہی نخواہی رد کیا جائے۔ ہاں سندِ محدثانہ نہیں۔۔۔۔۔ پھر نہ ہو۔۔۔۔۔ اس جگہ اسی قدر بس ہے۔ سندِ معنعن کی حاجت نہیں۔ اور یہ تو کسی سے کہا جائے کہ حضرات مشائخِ کرام قدست اسرارھم کے علوم اسی طریقۂ سندِ ظاہری حدَّثنَا فُلانٌ عَنْ فُلانٍ میں منحصر نہیں، وہاں ہزار ہا ابوابِ وسیعہ واسبابِ رفیعہ ہیں کہ اس طریقۂ ظاہرہ کی وسعت ان میں سے کسی کے ہزارویں حصہ تک نہیں، تو اپنے طریقہ سے نہ پانے کو ان کی تکذیب کی حجت جاننا کیسی ناانصافی ہے۔

انسان کی سعادتِ کبریٰ ان مدارجِ عالیہ ومعارکِ غالیہ تک وصول رہے۔۔۔۔۔۔۔ اور اس کی بھی توفیق نہ ملے تو کیا درجۂ تسلیم، نہ کہ معاذ اللہ انکار وتکذیب کو سخت مہلکہ ہائلہ ہے، **والعياذبالله رب العٰلمين** (اور اللہ تعالیٰ کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ ت)۔ ص420

بالجملہ روح مقدس کا شبِ معراج کو حاضر ہونا اور حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرتِ غوثیت کی گردن مبارک پر قدمِ اَکرم رکھ کر براق یا عرش پر جلوہ فرمانا، اور سرکارِ ابدقرار سے فرزندِ اَرجمند کو اس خدمت کے صلہ میں یہ انعامِ عظیم عطا ہونا۔۔۔۔ ان میں کوئی امر نہ عقلاً اور شرعاً مہجور اور کلماتِ مشائخ میں مسطور و ماثور، کتبِ حدیث میں ذکر معدوم، نہ کہ عدم مذکور، نہ روایاتِ مشائخ اس طریقہ سندِ ظاہری میں محصور، اور قدرتِ قادر وسیع وموفور، اور قدرِ قادری کی بلندی مشہور پھر رد وانکار کیا مقتضائے ادب وشعور۔ ص412

جوابِ سوال (۲):

یہ قول کہ ''اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو حضور غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی ہوتے اگرچہ اپنے مفہوم شرطی پر صحیح وجائز الاطلاق ہے کہ بے شک مرتبہ عُلیہ رفیعہ حضور پُرنور رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلو مرتبہ نبوت (عہ ۱)'' ہے۔ خود حضور معلّٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں '': جو قدم میرے جدِّ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اٹھایا میں نے وہیں قدم رکھا سوا اَقدامِ نبوت کے، کہ ان میں غیرِ نبی کا حصہ نہیں

عہ ا: مرتبہ غوثیت، مرتبہ نبوت کے پیچھے اور اس سے نیچے ہے۔

اور جوازِ اطلاق یوں کہ خود حدیث میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے وارد: میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا (اس کو امام احمد، ترمذی اور حاکم نے عقبہ بن عامر سے جبکہ طبرانی نے معجم کبیر میں عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت) دوسری حدیث میں حضرتِ ابراہیم صاحبزادۂ حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے وارد: **لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا۔ رواہ ابن عساکر عن جابر بن عبداللہ وعن ابن عباس وعن ابن ابی اوفٰی والباوردی عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنھم۔** اگر ابراہیم جیتے تو صدیق وپیغمبر ہوتے۔ (اس کو ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ اور ابن عباس اور ابن ابی اوفٰی سے، جبکہ الباوردی نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا، اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو۔)

علماء نے امام ابو محمد جوینی قدس سرہ کی نسبت کہا ہے کہ: اگر اب کوئی نبی ہوسکتا تو وہ ہوتے۔ امام ابنِ حجر مکی اپنے فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں: **قال فی ''شرح المھذب'' نقلا عن الشیخ الامام المجمع علی جلالتہ وصلاحہ وامامتہ ابی محمد الجوینی الذی قیل فی ترجمتہ لو جاز ان یبعث اللہ فی ھذہ الامۃ نبیا لکان ابا محمد الجوینی۔** شرح مہذب میں کہا نقل کرتے ہوئے اس شیخ وامام سے جن کی جلالت وصلاحیت وامامت پر اجماع ہے یعنی ابو محمد جوینی علیہ الرحمہ جن کے تعارف میں کہا گیا ہے کہ اگر اب اللہ تعالٰی کی طرف سے اس امت میں کسی نبی کو بھیجنا جائز ہوتا تو وہ ابو محمد جوینی ہوتے (ت)

مگر ہر حدیث حق ہے، ہر حق حدیث نہیں۔ حدیث ماننے اور حضورِ اکرم سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لئے ثبوت چاہیے، بے ثبوت نسبت جائز نہیں، اور قولِ مذکور ثابت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** ص415

جوابِ سوال (۳):

زنبیلِ ارواح (عــــہ ا)[1] چھین لینا خرافاتِ مخترعۂ جہال سے ہے۔ سیدنا عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام رُسل ملائکہ سے ہیں اور رُسل ملائکہ، اولیاءِ بشر سے بالاجماع اَفضل۔ تو مسلمانوں کو ایسے اَباطیلِ واہیہ سے اِحتراز لازم (عــــہ ۲)۔ **واللہ الھادی الی سبیل الرشاد۔**

عــــہ ۲: تنبیہ: مبنائے انکار یہ طرزِ ادا ہے ورنہ ممکن کہ سیدنا عزرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے کچھ روحیں بامرِ الٰہی قبض فرمائی ہوں اور حضور غوث اَعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دعا سے باذنِ الٰہی پھر اپنے اجسام کی طرف پلٹ آئی ہوں کہ احیاءِ مردہ حضور پُرنُور و دیگر محبوبانِ خدا سے ایسا ثابت ہے کہ جس کے انکار کی گنجائش نہیں، یوں ہی ممکن کہ حضرتِ ملک الموت نے بنظرِ صحائفِ محو واثبات قبضِ بعض اَرواح شروع کیا اور علمِ الٰہی میں قضائے ابرام نہ پایا تھا ببرکتِ دُعائے محبوب قبض سے باز رکھے گئے ہوں۔ امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب لواقح الانوار میں حالاتِ حضرت سیدی شیخ محمد شربینی قدس سرہ میں لکھتے ہیں: **لما ضعف ولدہ احمد واشرف علی الموت وحضر عزرائیل لقبض روحہ قال لہ الشیخ، ارجع**

---

[1]: عــــہ ا: روحوں کا تھیلا۔

الیٰ ربك فراجعه فان الامر نسخ فرجع عزرائیل وشفی احمد من تلك الضعفة وعاش بعدھا ثلاثین عاما۔ یعنی جب ان کے صاحبزادے احمد ناتواں ہوکر قریبِ مرگ ہوئے اور حضرتِ عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی روح قبض کرنے آئے حضرت شیخ نے ان سے گزارش کی کہ اپنے رب کی طرف واپس جایئے اس سے پوچھ لیجئے کہ حکمِ موت منسوخ ہو چکا ہے۔ عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پلٹ گئے، صاحبزادے نے شفا پائی اور اس کے بعد تیس برس زندہ رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب سوال (۴):

حضرتِ اُم المومنین محبوبہ ٔ سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہا وسلم کا روحِ اَقدس سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دودھ پلانا، بعض مداحینِ حضور اسے واقعہ ٔ خواب بیان کرتے ہیں (جیسا کہ میں نے ان کی بعض کتابوں میں اس پر تصریح دیکھی۔ت) اس تقدیر پر تو اَصلاً استبعاد (دُور از قیاس) نہیں اور اب اس پر جو کچھ اِیراد کیا گیا سب بے جا و بے محل ہے اور اگر بیداری ہی میں مانا جاتا ہو، تاہم بلاشبہہ عقلاً اور شرعاً جائز اور اس میں درایۃً کوئی استحالہ (محال ہونا) درکنار استبعاد بھی نہیں۔ {اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ} (بیشک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ت) نہ ظاہر میں ام المومنین کے پاس شیر نہ ہونا کچھ اس کے منافی کہ امور خارقہ للعادہ (عــہ ۱)[1] اسبابِ ظاہر پر موقوف نہیں، نہ روح عام متکلمین کے نزدیک مجردات سے ہے اور فی نفسہا مادیہ نہ سہی تاہم مادہ سے اس کا تعلق بدیہی، نہ جسم، جسم شہادت میں منحصر۔ جسمِ مثالی بھی کوئی چیز ہے کہ ہزاروں اَحادیثِ برزخ وغیرہ اس پر گواہ (عــہ ۲)[2]، کیفما کان (عــہ ۳)[3] شک نہیں کہ روحِ مفارق (عــہ ۴)[4] کی طرف نصوصِ متواترہ میں نزول وصعود ووضع وتمکن وغیرہ اعراضِ جسم وجسمانیت قطعاً منسوب اور وہ نسبتیں اہلِ حق کے نزدیک ظاہر پر محمول (عــہ ۵)[5] یاالیت شعری جب ارواحِ شہداء کا میوہ ہائے جنت کھانا ثابت۔

(امام ترمذی کعب ابن مالک سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بے شک شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں میں میوہ ہائے جنت سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ جبکہ دوسری روایت میں ارواحِ عام مومنین کے لئے یہی ارشاد: امام احمد امام شافعی سے وہ امام مالک سے وہ زہری سے وہ عبدالرحمن بن کعب بن مالک سے وہ اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ) مومن کی روح پرندہ کی صورت میں جنت کے درختوں میں رہتی

---

[1]: عــہ ۱: عادت کے خلاف، کرامت وغیرہ

[2]: عــہ ۲: وہ احادیث جو احوالِ برزخ پر مشتمل ہیں ان میں جسمِ مثالی بکثرت ذکر آیا ہے لہذا وہ احادیث جسم مثالی کے وجود پر گواہ ہیں۔

[3]: عــہ ۳: کوئی بھی صورت ہو۔

[4]: عــہ ۴: جسم سے جُدا روح

[5]: عــہ ۵: اہلِ سنت کے نزدیک اپنے ظاہری معنی پر ہے ان میں کوئی تاویل نہیں کی گئی۔

ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے اپنے جسم کی طرف لوٹا دے گا۔

تو دودھ پلانے میں کیا استحالہ ہے۔ حالِ روح بعدِ فراق وپیش اَز تعلق میں فارق (عــہ ۱)[1] کیا ہے؟ آخر حضرت ِ ابراھیم علی ابیہ الکریم وعلیہ الصلوۃ والتسلیم کے لئے صحیح حدیث میں ہے: ''جنت میں دودایہ ان کی مدتِ رضاعت پوری کرتی ہیں''۔

بایں ہمہ یہ باتیں نافیِ اِستحالہ ہیں نہ مثبتِ وقوع (عــہ ۲)[2] قول بالوقوع تاوقتیکہ نقل ثابت نہ ہو جزاف (عــہ ۳)[3] وبے اصل ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

جواب سوال (۵): یونہی جس کا عقیدہ ہو کہ حضور پُرنُور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت جناب افضل الاولیاء المحمدیین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں یا ان کے ہمسر ہیں، گمراہ بدمذہب ہے۔ سبحان اللہ، اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ حضور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام اولیاء مرجع العرفاء امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اکرم وافضل واتم واکمل ہیں جو اس کا خلاف کرے اسے بدعتی، شیعی، رافضی مانتے ہیں، نہ کہ حضور غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفضیل (فضیلت دینا) دینی کہ معاذ اللہ انکارِ آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ صحیحہ وخرقِ اجماعِ امتِ مرحومہ ہے **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ ص413 تا420

اہلِ فترت جنہیں انبیاءُ اللہ صلواتُ اللہ وسلامہ علیہم کی دعوت نہ پہنچی تین قسمیں ہیں:

اول مُوَحِّد: جنہیں ہدایتِ اَزَلی نے اُس عالمگیر اندھیرے میں بھی راہِ توحید دِکھائی جیسے قس بن ساعدہ وزید بن عمرو بن نفیل وعامر بن الظرب عدوانی وقیس بن عاصم تمیمی وصفوان بن ابی امیہ کنانی وزہیر بن ابی سلمٰی شاعر وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

دوم مشرک: کہ اپنی جہالتوں ضلالتوں سے غیرِ خدا کو پوجنے لگے، جیسے کہ اکثر عرب۔

سوم غافل: کہ براہِ سادگی یا اِنہماک فی الدنیا انہیں اس مسئلہ سے کوئی بحث ہی نہ ہوئی بہائم کے مثل زندگی کی، اعتقادیات میں نظر سے غرض ہی نہ رکھی یا نظر وفکر کی مہلت نہ پائی، بہت زنان (عورتوں) وچوپایوں واہلِ بوادی (صحرا جنگل والوں) کی نسبت یہی مظنون (گمان) ہے۔ ص438

جنہیں دعوتِ الٰہیہ نہ پہنچی

جماہیر ائمۂ اَشاعرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب تک بعثتِ اَقدس حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو کر دعوتِ الٰہیہ انہیں نہ پہنچی یہ سب فرقے ناجی وغیر معذَّب تھے۔ لقولہ تعالیٰ {وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا}۔ اللہ

---

[1]: عــہ ۱: روح کے جسم سے جُدا ہونے کے بعد کی حالت اور جسم سے متعلق ہونے سے پہلے کی حالت میں کوئی فرق نہیں۔

[2]: عــہ ۲: ان دلائل سے استحالہ کی نفی ہوتی ہے لیکن اس کا واقع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

[3]: عــہ ۳: من گھڑت، جھوٹ، بے ہودہ۔

تعالٰی کے اس قول کے مطابق: ہم عذاب فرمانے والے نہ تھے یہاں تک کہ بھیج لیں رسول۔ 441

ائمۂ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ائمۂ بخارا وغیرہم بھی اسی کے قائل ہوئے، امام محقق کمال الدین ابن الہمام قدس سرہ نے اسی کو مختار رکھا۔

بعض علماء قائلِ تفصیل ہوئے کہ اہلِ فترت کے مشرک معاقَب اور موحّد و غافل مطلقاً ناجی، یہ قول اَشاعرہ سے امامین جلیلین نووی و رازی رحمہما اللہ تعالٰی کا ہے۔

جمہور ائمۂ ماتریدیہ قدست اسرارھم کے نزدیک اہلِ فترت کے (۱) مشرک، معاقَب (۲) موحّد، ناجی (۳) غافلوں میں جس نے مہلتِ فکر و تامل نہ پائی، ناجی (۴) پائی، معاقَب۔ یہی قول تائید یافتہ ہے۔ص 441 تا 448

حسن و قبح عقلی ہے یا شرعی؟

باجماعِ ائمۂ اشاعرہ قدست اسرارھم، حسن و قبح مطلقاً شرعی ہیں۔ تو قبلِ شرع اَصلاً کسی شیء کی نسبت اِیجاب یا تحریم کچھ نہیں، بعض ائمۂ ماتریدیہ تمت انوارھم بھی بآنکہ قائلِ عقلیت ہیں مگر تعرفِ عقل قبلِ سمع کو مستلزمِ حکم و شغل ذمۂ مکلف (عـــہ ۱)[1] نہیں جانتے۔ یہی مذہب امام ابن الہمام نے اختیار فرمایا اور انہیں کی تبعیت فاضل محبُّ اللہ بہاری نے کی۔

فواتح میں ہے حاصلِ بحث یہ ہے کہ یہاں تین اَقوال ہیں:

اول: مذہبِ اَشعریہ کہ افعال کا حسن و قبح شرعی ہے۔ اسی طرح حکمِ اَفعال بھی شرعی ہے۔

دوم: حسن و قبح عقلی ہیں اور ان پر تعلقِ حکم کا مدار ہے۔ تو جب بعض افعال میں حکم کا اِدراک ہوجائے جیسے ایمان، کفر، شرک اور کفران میں تو اللہ تعالٰی کی طرف سے بندے کے ذمہ حکم متعلق ہوجائے گا، یہی ان علمائے کرام اور معتزلہ کا مذہب ہے، مگر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قبح عقلی کے اعتبار سے عقوبت واجب نہیں ہوجاتی جیسا کہ ورودِ شرع کے بعد واجب نہیں کیونکہ عفو کا اِحتمال ہے بخلاف معتزلہ کے کہ وہ واجب مانتے ہیں۔

سوم: حسن و قبح عقلی ہیں۔ اور اتنے ہی سے وہ تعلقِ حکم کے موجِب یا مظہر نہیں۔ یہی شیخ ابن الہمام کا مختار ہے اور مصنف نے اسی کا اتباع کیا ہے۔ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا کہ میں نے اپنے ان مشائخ کو جن سے میں نے ملاقات کی ہے اَشعریہ کے قول کا قائل پایا اھ۔ (ت)

جماہیر ائمۂ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اگرچہ عقل کو مُعرِّفِ حکم مانتے ہیں، مگر نہ مطلقاً کہ یہ تو سفاہتِ سفہائے معتزلہ وروافض و کرامیہ و براہمہ خذلھم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی ان کو رسوا کرے۔ت) ہے۔ بلکہ اَمثالِ توحید و شُکر و ترکِ کفران و کفر

---

[1] **عـــہ ۱:** یعنی بعض ائمۂ ماتریدیہ مانتے ہیں کہ کچھ اشیاء کے حسن و قبح کا اِدراک عقل سے ہوتا ہے مگر وہ اس کے قائل نہیں کہ شریعت آنے سے پہلے ہی محض عقل کے اِدراک پر مکلف بندہ ذمہ دار ہوجائے اور اس پر کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا لازم ہوجائے۔ ۱۲ محمد احمد

وغیر ہا امورِ عقلیہ غیر محتاجِ سمع میں۔ص 451

نا سمجھ بچے کو بہ تبعیتِ والدین یا دار کافر کہنے کے معنی

نا سمجھ بچے کو بہ تبعیتِ والدین یا دار کافر کہنے کے ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں کہ وہ حقیقۃً کافر ہے کہ یہ تو بداہۃً باطل، وصفِ کفر یقیناً اس سے قائم نہیں، بلکہ اسلامِ فطری سے متصف ہے کما قدمنا (جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ت) یہ اطلاق صرف اَز روئے حکم ہے یعنی شرعاً اس پر وہ اَحکام ہیں جو اس کے باپ یا اہلِ دار پر ہیں وہ بھی نہ مطلقاً بلکہ صرف دُنیوی، مثلاً وہ اپنے کافر مُورِث کا ترکہ پائے گا نہ مسلم کا، کافر وارث کو اس کا ترکہ ملے گا نہ مسلم کو، کافرہ سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے نہ مسلمہ سے، وہ مرجائے تو اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں گے، مسلمانوں کی طرح غسل وکفن نہ دیں گے، مقابرِ مسلمین میں دفن نہ کریں گے الی غیر ذٰلك من الاحکام الدُنیویة (اس کے علاوہ دیگر دُنیوی اَحکام۔ت) اور جب یہ تبعیت صرف احکامِ دُنیوی میں ہے تو اس کا ثبوت احکامِ دنیا کے وجود پر موقوف۔ اگر دنیا میں کوئی حکم ہی نہ ہو تو تبعیت کس چیز میں ہوگی؟ اور پُرظاہر کہ قبلِ بعثت ان امور میں کوئی حکمِ شرعی اَصلاً اِجماعاً متحقق نہ تھا۔ تو اس وقت تک کسی نا سمجھ بچے کا بہ تبعیتِ والدین کافر قرار پانا ہرگز وجہِ صحت نہیں رکھتا کہ نہ حکم نازل، نہ تبعیت حاصل۔ ھکذا ینبغی التحقیق واللّٰہ سبحٰنہ ولی التوفیق (یونہی تحقیق چاہیے اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی توفیق کا مالک ہے۔ت)۔ص 453

سیدنا علی المرتضٰی اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہما دونوں حضرات نے کبھی کفر وشرک نہ کیا

حضرتِ امیر المومنین، مولی المسلمین، امام الواصلین، سیدنا علی المرتضٰی مشکل کشا، کرّم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی اور حضرتِ امیر المومنین امام المشاہدین افضل الاولیاء المحمدیین سیدنا ومولانا صدیقِ اکبر عتیقِ اَطہر علیہ الرضوان الاجل الاظہر دونوں حضرات عالمِ ذُریت سے روزِ ولادت، روزِ ولادت سے سنِّ تمیز، سنِّ تمیز سے ہنگامِ ظہورِ پُرنُور آفتابِ بعثت، ظہورِ بعثت سے وقتِ وفات، وقتِ وفات سے اَبدالآباد تک بحمد اللہ تعالٰی موحّد مُوقِن ومسلم ومومن وطیب وزکی وطاہر ونقی تھے، اور ہیں، اور رہیں گے، کبھی کسی وقت کسی حال میں ایک لحظہ ایک آن کولوثِ کفر وشرک وانکاران کے پاک، مبارک، ستھرے دامنوں تک اَصلاً نہ پہنچا نہ پہنچے۔ص 458

فضلِ جُزئی مفضول کو بھی اَفضل پر مِل سکتا ہے

امیر المومنین فاروق وامیر المومنین غنی رضی اللہ تعالٰی عنہما مذہبِ جمہور اہلسنت میں امیر المومنین حیدر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تو وہ دونوں اَفضل اور امیر المومنین صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اگرچہ سب سے افضل مگر اس وجہ سے اَفضل نہیں کہ یہ قدیمُ الاسلام ہیں وہ جدیدُ الاسلام، کہ یہ فضلِ جُزئی ہے جو مفضول کو بھی افضل پر مِل سکتا ہے۔ فضلِ کلی اور شئ ہے۔ص 464

رسالہ: غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق

(تحقیق کی انتہاء حضرتِ علی مرتضٰی اور حضرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہما کی امامت کے بارے میں)

رسولِ مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وعترتہ وسلم نے وقتِ رحلت یا کسی اور وقت اپنے بعد اپنا جانشین کس کو مقرر کیا؟

الجواب: **جانشینی ونیابت دو قسم ہے:**

اول: جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لئے دوسرے کو اپنا نائب کرے، جیسے بادشاہ کا لڑائی میں کسی کو سردار بنا کر بھیجنا یا کسی کو ضلع کی حکومت دینا یا تحصیلِ خراج پر مامور کرنا، یا کہیں جاتے ہوئے انتظامِ شہر سپرد کر جانا، اس قسم کا اِستخلافِ صریح حضور پُرنُور سیدِ یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وعترتہٖ وازواجہٖ وصحابتہٖ اجمعین وبارک وسلم سے بارہا واقع ہوا، جیسے بعض غزوات میں امیر المومنین صدیقِ اکبر بعض میں حضرت اسامہ بن زید۔ غزوۂ ذات السلاسل میں حضرتِ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہم کو سپہ سالار بنا کر بھیجا، تحصیلِ زکوٰۃ پر امیر المومنین فاروقِ اعظم وحضرتِ خالد بن ولید وغیرہما رضی اللہ تعالٰی عنہم کو مقرر فرمایا۔

دوم: کلی مطلق کہ حیاتِ مستخلِف سے جمع نہیں ہوسکتی یعنی امام کا اپنے بعد کسی کے لئے امامتِ کبرٰی کی وصیت فرمانا اس کا نصِ صریح علی الاعلان بتصریحِ نام حضورِ اعلٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کے واسطے نہ فرمایا، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ضرور پیش کرتے اور قریش وانصار میں دربارۂ خلافت مباحثے مشاورے نہ ہوتے، امیر المومنین امام الاشجعین اسد اللہ الغالب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے باسانیدِ صحیحہ قویہ ثابت کہ جب ان سے عرض کی گئی **استخلف علینا** ہم پر کسی کو خلیفہ کر دیجئے۔ فرمایا: **لاولکن اترککم کما ترککم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** میں کسی کو خلیفہ نہ کروں گا بلکہ یونہی چھوڑوں گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے۔

ہاں البتہ اِشاراتِ جلیلہ واضحہ بارہا فرمائے۔ ص469

خلفائے ثلثہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل تھے یا کم؟

اہلِ سنت وجماعت نصرہم اللہ تعالی کا اجماع ہے کہ مرسلین ملائکہ ورسل وانبیائے بشر صلوات اللہ تعالی وتسلیماتہ علیہم کے بعد حضراتِ خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم تمام مخلوقِ الٰہی سے افضل ہیں۔ تمام اُمم عالمِ اولین وآخرین میں کوئی شخص ان کی بزرگی وعظمت وعزت ووجاہت وقبول وکرامت وقرب وولایت کو نہیں پہنچتا {اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ} فضل اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (ت)

پھر ان میں باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے افضل صدیقِ اکبر، پھر فاروقِ اعظم پھر عثمانِ غنی، پھر مولی علی صلی اللہ تعالٰی علٰی سیدہم ومولاہم وآلہ وعلیہم وبارک وسلم۔ اس مذہبِ مہذب پر آیاتِ قرآنِ عظیم واحادیثِ کثیرہ حضور پُرنور نبی کریم علیہ وعلی آلہ وصحبہ الصلوۃ والتسلیم وارشاداتِ جلیلہ واضحہ امیر المؤمنین مولی علی مرتضی ودیگر ائمۂ اہلبیتِ طہارت وارتضاواجماعِ صحابۂ کرام وتابعینِ عظام وتصریحاتِ اولیائے اُمت وعلمائے اُمت رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین سے وہ دلائلِ باہرہ وحجج قاہرہ ہیں جن کا اِستیعاب نہیں ہوسکتا۔ فقیر غفر اللہ تعالی لہ نے اس مسئلہ میں ایک کتاب عظیم بسیط وضخیم دو مجلد پر منقسم نام تاریخی مطلع

القمرین فی اِبانة سبقة العُمَرَیْنِ سے متسم تصنیف کی۔ص478

رسالہ: الزلال الانقیٰ من بحر سبقة الاتقیٰ

سب (اُمتیوں) سے بڑے پرہیزگار کی سبقت کے دریا سے صاف ستھرا میٹھا پانی۔ص491

تعارفِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

عبدالمصطفی عرف احمد رضا، جو دین کے اعتبار سے محمدی ہے اور عقیدہ کے اعتبار سے سنی اور مذہباً حنفی ہے اور قادری اِنتساب ہے اور ارادۃً برکاتی اور مسکناً بریلوی اور مدفن کے لحاظ سے ان شاء اللہ مدینہ والا بقیع پاک والا اور اللہ کی رحمت سے مقام اَبدی کے لحاظ سے بہشتی فردوسی۔(ت)ص495

میری حرزِ جان اور میری امان اور میرے کنز و ذخیرہ صاحبِ قدرِ علی و فخرِ گرامی مولانا مولوی محمد رضا علی خاں نقشبندی اللہ ان کا باطن منزہ فرمائے اور ہم پر ان کا فیض جاری فرمائے، آمین یارب العلمین!۔ص497

تفسیر

الفاظ کو اپنے ظاہر معنی سے پھیرنا منع ہے

عقل ونقل کی بکثرت دلیلیں (اور یہ دونوں امام تمہیں کافی ہیں) اس پر متفق ہیں کہ الفاظ کو اپنے ظاہر معنی سے پھیرنا منع ہے جب تک کہ سخت حاجت نہ ہو جو لفظ کو ظاہر معنی سے پھیرے بغیر دفع نہ ہو ورنہ یہ بےضرورت پھیرنا تاویل نہ ہوگا بلکہ تغییر وتبدیل ٹھہرے گا اور اگر بےضرورت پھیرنے کا دروازہ کھل جائے تو نصوصِ شرعیہ سے اَمان اُٹھ جائے۔ص531

بہت سی متداول تفسیروں میں جو مذکور ہوتا ہے وہ سب ایسا نہیں جس کا قبول کرنا ضروری ہو

بہت سی متداول تفسیروں میں جو مذکور ہوتا ہے وہ سب ایسا نہیں جس کا قبول کرنا ضروری ہو اگرچہ نہ کوئی دلیلِ عقلی اس کی مُعین ہو نہ کوئی دلیلِ شرعی اس کی مؤیّد ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تفسیرِ مرفوع (جو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمائی) وہ بہت تھوڑی ہے جس کا مجموعہ دو جز بلکہ ایک جز کو بھی نہیں پہنچتا۔ص532

مقصد صرف اتنا ہے کہ اکثر کتبِ متداولہ دخیل سے محفوظ نہیں اور وہ ہر صحیح وسقیم قول کو اِکٹھا کرتی ہیں تو ان کتابوں میں کسی قول کی مجرد حکایت اس کا مان لینا واجب نہیں کرتی اور پرکھنے والوں کو کھوٹے کی پرکھ سے نہیں روکتی تو یہ ان کتابوں کا حال ہمارے نزدیک حدیث کی اکثر کتابوں سے زیادہ بُرا نہیں اس لئے کہ ہم ان کے ساتھ کبھی کسی قول کو چھوڑنے اور کبھی کسی کو حجت بنانے کا معاملہ کرتے ہیں یوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ ہر گھاٹ پر اُترتی ہیں تو کبھی میٹھا پانی اُٹھا لیتی ہیں اور کبھی سخت کھاری پانی جس سے منہ جل جائے لاتی ہیں، بالجملہ مدارِ کار حدیث کی نظافت (پاکیزگی) سند ومتن کے لحاظ سے ہے تو جہاں کہیں ہم میٹھا پھل پائیں گے اسے چُن لیں گے اگرچہ وہ کسی خراب جگہ اُگا ہو اور جہاں کہیں کڑوا پھل دیکھیں گے تو اس کو چھوڑ دیں گے اگرچہ وہ شہد کی نہر میں اُگا ہو۔

اور یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ اس لاعلاج مرض کا بیشتر حصہ تفاسیر میں جہالتِ سند کے دروازہ سے گھسا اور ایسے مقامات میں

جب سند معروف نہ ہو مآلِ کار بات کو پرکھنا ہے تو جو بات نصوص سے ٹکراتی اور منصوص کو رد کرتی ہو یا اس میں رُسل و انبیاء کی تنقیص ہو یا اور کوئی بات جو قابلِ قبول نہ ہو ہم جان لیں گے کہ یہ قول دھو دینے کے قابل ہے اور اگر خرابیوں سے بَری، علتوں سے پاک ہو ہم اسے قبول کر لیں گے۔ص547

قرآن مختلف وجوہ رکھتا ہے اور ہر لفظ کے متعدد معانی ہیں

مفسرین کو تم بہت دیکھو گے کہ ان میں سے کوئی آیت کے تحت کوئی وجہ تاویل ذکر کرتا ہے اور بعض دوسرے دوسری وجہ ذکر کرتے ہیں اور کبھی بہت سی وجوہ جمع کر دیتے ہیں اور بیشتر وجوہ اِختلاف و تردُّد کے باب سے نہیں جس میں سے کسی کو اَخذ کرنا دوسری سے تمسُّک کا مانع ہو خصوصاً ان میں جو ظاہر تر اور روشن تر ہو بلکہ یہ وجوہ بیانِ مقصد میں تفنُّنِ عبارت ہے یا کلام جن وجوہ کو شامل ہے اس میں سے کچھ کو بیان کر دینا ہے اور یہ اس لئے کہ قرآن مختلف وجوہ رکھتا ہے اور اس کے ہر لفظ کے متعدد معانی ہیں اور اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے اور معانی بڑھتے ہیں اور کسی حد پر نہیں تھمتے، لہٰذا اس کی تمام وجوہ کو حجت بنانا جائز ہے۔ ص550

علمِ قطعی دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے

ایک: تو یہ کہ اِحتمال جڑ سے منقطع ہو جائے بایں طور کہ اس کی کوئی خبر یا اس کا کوئی اَثر باقی نہ رہے۔ اور یہ اَخص اَعلیٰ ہے جیسا کہ محکم اور متواتر میں ہوتا ہے اور اصولِ دین میں یہی مطلوب ہے تو اس میں نصِ مشہور پر کفایت نہیں ہوتی۔

دوسرا: یہ کہ اس جگہ ایسا اِحتمال نہ ہو جو دلیل سے ناشی ہوا گرچہ نفسِ اِحتمال باقی ہو جیسے کہ مجاز اور تخصیص، اور باقی وجوہِ تاویل۔ جیسا کہ ظواہر اور نصوص اور احادیثِ مشہورہ میں ہے۔ اور پہلی قسم کا نام علمِ یقین ہے اور اس کا مخالف کافر ہے علماء میں اختلاف کے بموجب مطلقاً۔ جیسا کہ فقہائے آفاق کا مذہب ہے یا ضروریاتِ دین کی قید کے ساتھ یہ حکم مخصوص ہے جیسا کہ علمائے متکلمین کا مشرب ہے اور دوسرے کا نام علمِ طمانیت ہے اور اس کا مخالف بدعتی و گمراہ ہے اور اس کو کافر کہنے کی مجال نہیں۔ جیسے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے کا مسئلہ، اللہ تعالیٰ کا قول ہے ''اور قیامت کے دن تول ہونا برحق ہے'' اور یہ آیت نقد (پرکھ) کا ایسا احتمال رکھتی ہے۔ جس کی طرف پھیرنے والی کوئی چیز نہیں اور نہ اَصلاً اس پر کوئی دلیل ہے۔ اب آیت کا معنٰی تمہارے قول ''میں نے اس کو میزانِ عقل سے تولا'' کے مثل ہوگا۔ اور یہ عجم میں رائج ہے۔ تم کہتے ہو ''سخن سنج'' یعنی کلام کو پرکھنے والا۔ اور مومنین کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے دیدار کا مسئلہ۔ مولائے کریم اپنے فضلِ عظیم سے نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''**کچھ منہ اس دن ترو تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے**'' احتمال رکھتا ہے اسی طرح اُمید و رجاء کے ارادے کا۔ اور یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن پر اب عرب و عجم سب متفق ہیں۔ تم کہتے ہو ''دستِ نگرمن ست'' یعنی میری عطا کی امید رکھتا ہے اور میری بخشش کا محتاج ہے۔ اور اسی طرح آسمانوں کی سیر اور شفاعتِ کُبریٰ محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کہ یہ تمام باتیں دوسرے معنی پر نصوصِ قطعی سے ثابت ہیں۔ اور اسی لیے ہم تاویل کرنے کے سبب معتزلہ اور اگلے روافض کی تکفیر نہیں کرتے۔ (ت)۔ص667

جلد نمبر 29

''حاضر وناظر'' کا اِطلاق بھی باری عزوجل پر نہ کیا جائے گا

یہ شعر کیسا؟ کچھ نہیں پوشیدہ اس سے بے شبہ حاضر وناظر وہی ہے ہر جگہ

الجواب: حاضر وناظر کا اطلاق بھی باری عزوجل پر نہ کیا جائے گا۔ علماء کرام کو اس کے اِطلاق میں یہاں تک حاجت ہوئی کہ اس پر سے نفیِ تکفیر فرمائی، شرح الوہبانیہ ودرمختار میں ہے۔ ویاحاضر یاناظر لیس یکفر۔ یعنی اللہ عزوجل کو ''یا حاضر یا ناظر'' کہنے سے کافر نہ ہوگا۔

میں نے اس شعر کو یوں بدلا ہے۔ کچھ نہیں پوشیدہ تجھ سے اے خبیر۔ ہے وہی ہر چیز کا شاہد بصیر ص54

اللہ عزوجل کی طرف ''نفرت'' کی نسبت حلال نہیں

نفرت بھاگنے اور بِدَ کنے کو کہتے ہیں، اللہ عزوجل کی طرف اس کی نسبت حلال نہیں۔ ص55

علم وتعلیم

اُمورِ شرم کا ذکر طرزِ بیان مختلف ہوجانے سے مختلف ہوجاتا ہے

اس زمانے میں جب کہ عام جہالت کی گھٹا پھیلی ہوئی ہے تو اس وجہ سے قرآنِ پاک، حدیث شریف، فقہ حنفیہ کا بوجہ بعض مسائل شرمناک ہونے کے مثلاً حیض، نفاس، جماع، طلاق، ثبوتِ نسب وغیرہ کے کتبِ بالا کا ترجمہ کرکے عوام کے رُوبرو اِظہار کرنا کیا منع ہے؟

الجواب: ایسے سوال میں قرآنِ عظیم کا شامل کرنا سُوءِ ادب ہے اللہ ورسول جَلَّ وَعَلَا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہماری ہر حاجت کے متعلق حق وباطل، نفع وضرر پر ہمیں مطلع فرمایا، جس طرح ہمیں نماز روزہ سکھایا یونہی جماع واِستنجاء تعلیم فرمایا مگر اُمورِ شرم کا ذکر طرزِ بیان مختلف ہوجانے سے مختلف ہوجاتا ہے، ایک ہی مسئلہ اگر حیاء کے پیرایہ میں بیان کیا جائے تو کنواری لڑکی کو اس کی تعلیم ہوسکتی ہے اور بے حیائی کے طور پر ہو تو کوئی مہذب آدمی مردوں کے سامنے بھی بیان نہیں کرسکتا، خصوصاً ترجمہ کہ وہ گویا متکلم کی طرف سے اس کی زبان کا بیان ہوتا ہے، تو نہایت ضرور ہے کہ اس کی عظمت وشان ملحوظ رہے، وہ لفظ لکھے جائیں جو اس کے کہنے کے ہوں، بعض گمراہوں نے ترجمۂ قرآنِ مجید میں اس کا لحاظ نہ رکھا یہ سخت سوءِ ادب ہے۔ غرض ایک ہی بات اِختلافِ طرزِ بیان سے تعظیم سے توہین تک بدل جاتی ہے جیسے اوش فرمایئے، تناول فرمایئے نوشِ جان فرمایئے۔ کھاؤ، نگلو، ٹھورو، زہر مار کرو اور تعظیم وتوہین میں کس قدر مختلف ہیں تو صرف اتنا عذر کہ ہم نے ترجمہ کیا ہے کافی نہیں ہوسکتا جب کہ طرزِ بیان بے ہودہ ہو۔ ص60

کتاب (بہشتی زیور) کا حال

بے شک اس میں بہت مسائل باطل وساختہ ہیں وہ کسی طرح اس قابل نہیں کہ کوئی مسلمان اسے دیکھے یا اپنے گھر میں رکھے مگر عالم جید بغرضِ رَدّ واِبطال، اور عوام اس کے مسائل سے جتنی بھی نفرت کریں ان کے حق میں مصلحتِ دِینیہ ہے۔ قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ایّاکم وایّاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔ اُن سے دور بھاگو اور اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈالیں۔ ص 61

جاہل کے لکھے ہوئے مسئلہ پر تصدیق نہ کرو

علمائے کرام نے وصیت فرمائی کہ جاہل کے لکھے ہوئے مسئلہ پر تصدیق نہ کرو اگرچہ مسئلہ فی نفسہا صحیح ہو کہ اس کی تصدیق نگاہِ عوام میں وقعتِ کاتب کی موجِب ہوگی۔ وہ یہ سمجھ لیں گے کہ یہ بھی کوئی مفتی ہے، پھر اور جو اپنی جہالت سے غلط فتوی لکھے گا اس پر بھی اعتبار کریں گے۔ جب جاہل کے لیے یہ حکم ہے تو چہ جائے مبتدی چہ جائے مرتد۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص 61

وعظ وتبلیغ

بیان کرنے والے کی چار شرائط

واعظ کے لیے **پہلی شرط**: یہ ہے کہ مسلمان ہو دیوبندی عقیدے والے مسلمان ہی نہیں ان کا وعظ سننا حرام اور دانستہ انہیں واعظ بنانا کفر علمائے حرمین شریفین نے فرمایا ہے کہ: من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر جس نے ان کے کفر اور عذاب میں شک کیا اس نے کفر کیا۔ (ت) اسی طرح تمام وہابیہ وغیر مقلدین فانّھم جمیعا اخوان الشیاطین (کہ وہ سب شیطانوں کے بھائی ہیں۔ ت)

دوسری شرط: سنی ہونا غیرِ سنی کو واعظ بنانا حرام ہے اگرچہ بالفرض وہ بات ٹھیک ہی کہے۔ حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی اس نے دینِ اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔

تیسری شرط: عالم ہونا جاہل کو واعظ کہنا ناجائز ہے جیسا کہ ارشاد ہے: اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔ لوگوں نے جاہلوں کو سردار بنالیا پس جب ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے بے علم احکامِ شرعی بیان کرنے شروع کیے تو آپ بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا۔

چوتھی شرط: فاسق نہ ہونا۔ تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے: لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً۔ کیونکہ اسے امامت کے لیے مقدم کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعاً مسلمانوں پر اس کی توہین واجب ہے۔ (ت)

اور جب یہ سب شرائط مجتمع ہوں سنی صحیح العقیدہ عالمِ دین متقی وعظ فرمائے تو عوام کو اس کے وعظ میں دخل دینے کی اجازت نہیں وہ ضرور مصالحِ شرعیہ کا لحاظ رکھے گا ہاں اگر کسی جگہ کوئی خاص مصلحت ہو جس پر اُسے اطلاع نہیں تو پیش از وعظ مطلع کردیا

جائے کہ یہاں یہ حالت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔ص70

کُتّا اور کُل جانور چرند و پرند کس کی اولاد میں سے ہیں؟

ہر جانور کہ مادہ سے پیدا ہوتا ہے اپنی قسم کے اس پہلے جانور کی اولاد میں ہے جسے رب عزوجل نے ابتداً بنایا تھا مثلاً سب میں پہلا گھوڑا جو مٹی اور پانی سے رب عزوجل نے بنایا سب گھوڑے اس کی نسل ہیں یونہی کتے وغیرہ۔ص73

ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے

زید کہتا ہے حال میں دو شخص ایسے پائے گئے ہیں جن کے دو دو دل ہیں اور ڈاکٹروں نے بھی اس کو اپنے طور پر جانچ کیا ہے بکر کہتا ہے کہ ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے: {مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ} اللہ تعالٰی نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہ رکھے۔(ت)؟

الجواب: قلب وہ عضو ہے کہ سلطانِ اقلیمِ بدن و محلِ عقل و فہم و منشا قصد و اختیار و رضا و انکار ہے ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند (ایک سلطنت میں دو بادشاہ نہیں ہوتے۔ت) آیۂ کریمہ میں رَجُل نکرہ ہے اور تحتِ نفی داخل ہے تو مفیدِ عموم و استغراق ہے یعنی اللہ عزوجل نے کسی کے دو دل نہ بنائے نہ کہ فقط اس شخصِ خاص کی نسبت انکار فرمایا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وھی القلب۔ سنتے ہو بدن میں ایک پارہ گوشت ہے کہ وہ ٹھیک ہے تو سارا بدن ٹھیک رہتا ہے اور وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے سنتے ہو وہ دل ہے۔

تو اگر کسی کے دو دل ہوں ان میں ایک ٹھیک رہے ایک بگڑ جائے تو چاہیے معاً ایک آن میں سارا بدن بگڑا اور سنبھلا دونوں ہوا، اور یہ محال ہے جب دو دل ہیں ایک نے ارادہ کیا یہ کام کیجئے دوسرے نے ارادہ کیا نہ کیجئے تو اب بدن ایک کی اطاعت کرے گا یا دونوں کی یا کسی کی نہیں۔ ظاہر ہے کہ دونوں کی اطاعت محال ہے اور کسی کی نہ ہو تو ان میں کوئی قلب نہیں کہ قلب تو وہی ہے کہ بدن اسی کے ارادے سے حرکت و سکونِ اِرادی کرتا ہے اور اگر ایک کی اطاعت کرے گا دوسرے کی نہیں تو جس کی اطاعت کرے گا وہی قلب ہے اور دوسرا ایک بدگوشت ہے کہ بدن میں صورتِ قلب پر پیدا ہو گیا جیسے کسی کے پنجے میں چھ انگلیاں اور بعض کے ایک ہاتھ میں دو ہاتھ لگے ہوتے ہیں ان میں جو کام دیتا ہے اور ٹھیک موقع پر ہے وہی ہاتھ ہے دوسرا بدگوشت ہے۔ ڈاکٹروں کا بیان اگر سچا ہو تو اس کی یہی صورت ہوگی کہ بدن میں ایک بدگوشت بصورتِ دل زیادہ پیدا ہو گیا ہوگا۔ ہاتھ میں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصلی اور زائد دونوں ہاتھ کام دیں مگر قلب میں یہ ناممکن ہے آدمی روحِ انسانی سے آدمی ہے اور اسی کے مرکب کا نام قلب ہے اور روحِ انسانی متجزی نہیں کہ آدھی ایک دل میں رہے آدھی دوسرے میں۔ تو جس سے وہ اِصالۃً متعلق ہوگی تو وہی قلب ہے دوسرا سلب ہے۔ اور آیہ کریمہ میں {هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ} فرمایا ہے کہ ماں کے پیٹ میں تمہاری تصویر بناتا ہے جیسی وہ چاہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ کیف تشاؤن وبتخیلاتکم تخترعون جیسی تم چاہو اور اپنے خیالات میں گھڑ و ویسی ہی تصویر بنادے یہ محض باطل ہے اور اس نے اپنی مشیت بتادی کہ کسی کے جوف میں میں نے دو دل نہ

رکھے تو اس کے خلاف تصویر نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص76

رافضی کو منہ توڑ جواب

علمائے کرام کا اس میں کیا ارشاد ہے ایک رافضی نے کہا آیتِ کریمہ { اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ }(بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔ت) کے عدد ۱۲۰۲ ہیں اور یہ ہی عدد ابوبکر، عمر، عثمان کے ہیں؟

الجواب: روافض لعنہم اللہ تعالیٰ کی بنائے مذہب ایسے ہی اَوہامِ بے سر و پا و پادر ہوا پر ہے۔

اولاً: ہر آیتِ عذاب کے عدد اسماءِ اَخیار سے مطابق کر سکتے ہیں اور آیتِ ثواب کے اسماءِ کفار سے کہ اسماء میں وسعتِ وسیعہ ہے۔

ثانیاً: امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے تین صاحبزادوں کے نام ابوبکر و عمر و عثمان ہیں۔

رافضی نے آیت کو ادھر پھیرا کوئی ناصبی ادھر پھیر دے گا اور دونوں ملعون ہیں۔ حدیث میں ہے سیدنا امامِ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت پر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا۔ **ارونی ابنی ما سمیتموہ** مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا۔ مولیٰ علی نے عرض کی حَرب۔ فرمایا: نہیں بلکہ وہ حسن ہے۔ پھر سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت پر تشریف لے گئے اور فرمایا مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا؟ مولیٰ علی نے عرض کی: حرب۔ فرمایا: نہیں بلکہ وہ حسین ہے پھر امام محسن کی ولادت پر وہی فرمایا مولیٰ علی نے وہی عرض کی۔ فرمایا: نہیں بلکہ وہ محسن ہے پھر فرمایا میں نے اپنے بیٹوں کے نام داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کے بیٹوں پر رکھے۔ شَبَر، شُبَیر، مُشْبِر، حَسَن، حسین، مُحَسِّن ان سے ہم وزن و ہم معنیٰ ہیں اس سے مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو تنبیہ ہوئی کہ اولاد کے نام اَخیار کے ناموں پر رکھنے چاہئیں لہذا ان کے بعد اپنے صاحبزادوں کے نام ابوبکر، عمر، عثمان، عباس وغیرہا رکھے۔

ثالثاً: رافضی نے عدد غلط بتائے امیر المؤمنین عثمٰنِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پاک میں الف نہیں لکھا جاتا تو عدد بارہ سو ایک ہیں نہ کہ دو۔ ہاں او رافضی!

(۱) بارہ سو دو عدد کا ہے کے ہیں ابنِ سینا رافضہ کے۔

(۲) ہاں او رافضی! بارہ سو دو عدد اِن کے ہیں ابلیس، یزید، ابن زیاد، شیطان الطاق کلینی، ابن بابویہ قمی، طوسی حلی۔

(۳) ہاں او رافضی! اللہ عزوجل فرماتا ہے: { اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ } بے شک جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شیعہ ہو گئے اے نبی! تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں۔

اس آیہ کریمہ کے عدد ۲۸۲۸ ہیں اور یہی عدد ہیں رفاض اثنا عشریہ شیطنیہ اسمعیلیہ کے اور اگر اپنی طرح سے اسمعیلیہ میں الف چاہے تو یہ ہی عدد ہیں روافض اثنا عشریہ و نصیریہ و اسماعیلیہ کے۔

(۴) ہاں او رافضی! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: { لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ } ان کے لیے ہے لعنت اور ان کے لیے ہے بُرا گھر۔

اس کے عدد چھ سو چوالیس ہیں اور یہی عدد ہیں شیطان الطاق طوسی حلی کے۔

(۵) نہیں او رافضی! بلکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: {اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ}
۔وہی اپنے رب کے یہاں صدیق وشہید ہیں ان کے لیے ان کا ثواب ہے۔
اس کے عدد چودہ سو پینتالیس ہیں اور یہی عدد ابوبکر، عمر، عثمان، علی، سعد کے۔

(۶) نہیں او رافضی! بلکہ مولیٰ تعالیٰ فرماتا ہے: {اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ} وہی اپنے رب کے حضور صدیق وشہید ہیں ان کے لیے ہے ان کا ثواب اوران کا نور۔اس کے عدد ۱۷۵۲ ہیں اور یہی عدد ہیں ابوبکر وعمر وعثمٰن وعلی وطلحہ وزبیر کے۔

(۷) نہیں او رافضی! بلکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:{وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ} جولوگ ایمان لائے اللہ اوراس کے رسولوں پر وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق وشہید ہیں ان کے لیے ہے ان کا ثواب اوران کا نور۔
آیۂ کریمہ کے عدد ۳۰۱۶ ہیں اور یہی عدد ہیں صدیق، فاروق، ذوالنورین، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، ابوعبیدہ، عبدالرحمن بن عوف کے۔

الحمدللہ آیۂ کریمہ کا تمام وکمال جملہ مدح بھی پورا ہوگیا اور حضراتِ عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسمائے طیبہ بھی سب آگئے جس میں اَصلاً تکلف وتصنع کو دخل نہیں کچھ روزوں سے آنکھ دُکھتی ہے یہ تمام آیاتِ عذاب واَسمائے اَشرار وآیتِ مدح واسمائے اَخیار کے عدد محض خیال میں مطابق کیے جن میں صرف چند منٹ صَرف ہوئے اگر لکھ کر اَعداد جوڑے جاتے تو مطابقتوں کی بہار نظر آتی مگر بعونہٖ تعالیٰ اس قدر بھی کافی ہے وللہ الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔ص80

کوئی شخص اگر کسی کی عورت کے ساتھ بدفعلی کرے اوراس عورت کے خاوند سے معافی چاہے تو کیا معاف ہوجائے گا یا توبہ بھی اس پر لازم ہوگی؟ اگر فقط توبہ کرنے سے گناہ معاف ہوجائے تو اس وقت میری عرض یہ ہے کہ حق العباد تو معاف نہیں ہوتا تاوقتیکہ صاحبِ حق سے معافی نہ لے کیا یہ حق العباد نہیں ہے؟

الجواب: عورت جس کا شوہر ہو یا باپ بھائی وغیرہم اَولیاء جن کواس اَمر سے عار پہنچے فرض کیجئے وہ دس شخص ہیں تو اس کے ساتھ معاذ اللہ بدکاری اگر بے اس کی رضا کے ہے تو بارہ حقوق میں گرفتاری ہے ایک حق مولیٰ عزوجل کا کہ اس کی نافرمانی کی دوسرا اس عورت کا کہ اس کی عصمت خراب کی تیسرا اس کے شوہر کا یوں ہی باقی دس حقداروں کا جب تک یہ سب معاف نہ کریں معاف نہ ہوگا بحالیکہ ان کو اِطلاع پہنچ جائے اور اگر برضائے زَن ہے تو عورت اور یہ دونوں گیارہ سخت حقوق میں گرفتار ہوئے ایک حق مولیٰ عزوجل کا دس ان دسوں کے اوراس صورت میں عورت کا حق نہ ہوگا کہ وہ راضی ہے۔ص83

خواب کیا چیز ہے؟

خواب چار قسم ہے:

ایک: حدیثِ نفس کہ دن میں جو خیالات قلب پر غالب رہے جب سویا اور اس طرف سے حواس معطل ہوئے عالمِ مثال

بقدرِ اِستعداد منکشف ہوا انہیں تخیلات کی شکلیں سامنے آئیں یہ خواب مہمل و بے معنی ہے اور اس میں داخل ہے وہ جو کسی خلط کے غلبہ اس کے مناسبات نظر آتے ہیں مثلاً صفراوی آگ دیکھے بلغمی پانی۔

دوسرا: خواب اِلقائے شیطان ہے اور وہ اکثر وحشتناک ہوتا ہے شیطان آدمی کو ڈراتا یا خواب میں اس کے ساتھ کھیلتا ہے اس کو فرمایا کہ کسی سے ذِکر نہ کرو کہ تمہیں ضرر نہ دے، ایسا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین بار تھوک دے اور اَعوذ پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھے۔

تیسرا: خواب اِلقائے فرشتہ ہوتا ہے اس سے گزشتہ و موجودہ و آئندہ غیب ظاہر ہوتے ہیں مگر اکثر پردۂ تاویلِ قریب یا بعید میں ولہذا محتاجِ تعبیر ہوتا ہے۔

چوتھا: خواب کہ ربُّ العزّۃ بلا واسطہ اِلقاء فرمائے وہ صاف صریح ہوتا ہے اور اِحتیاجِ تعبیر سے بَری **واللہ تعالی اعلم**۔ص87

عقائد وکلام ودینیات

علمِ غیب

علمِ غیب ذاتی کہ اپنی ذات سے بے کسی کے دیئے ہوئے اللہ عزوجل کے لیے خاص ہے بے خدا کے دیئے کوئی نہیں جان سکتا اور اللہ کے بتائے سے انبیاء کو معلوم ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، قرآنِ مجید کی بہت آیتیں اس کے ثبوت میں ہیں، اَز انجملہ سورۂ جن میں فرماتا ہے: {**عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ**} اللہ ہے غیب کا جاننے والا تو اپنے خاص غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔اور فرماتا ہے: {**تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ**} یہ غیب کی باتیں ہیں کہ ہم تمہیں بتاتے ہیں۔اور فرماتا ہے: {**وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ**} یہ نبی غیب کی باتیں بتانے میں بخل نہیں فرماتے۔

اس مسئلہ کے بیان کو رسالہ "انباء المصطفٰی" ورسالہ "خالص الاعتقاد" دیکھئے کہ کتنی آیتوں، حدیثوں اور اقوالِ ائمۂ دین سے ثبوت ہے، جو شخص شیطان کے علم کو (نبی کریم صلی تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے) زیادہ بتاتا ہے، نبی صلی تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے اور کافر ہے اس کے بیان کو علمائے حرمین شریفین کا فتوٰی "حسام الحرمین" دیکھئے یہ سب کتابیں بریلی مطبع اہلسنت سے مل سکتی ہیں۔کوئی دولت، کوئی نعمت، کوئی عزت جو حقیقۃً دولت وعزت ہو ایسی نہیں کہ اللہ عزوجل نے کسی اور کو دی ہو اور حضور اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا نہ کی ہو، جو کچھ جسے عطا ہوا یا عطا ہوگا دُنیا میں یا آخرت میں وہ سب حضور کے صدقہ میں ہے حضور کے طفیل میں ہے حضور کے ہاتھ سے عطا ہوا۔حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **انما انا قاسم واللہ المعطی**۔دینے والا اللہ ہے اور بانٹنے والا میں۔ص92

سوال سوم: اگر کسی عورت کا خاوند شراب پیتا ہے اور شراب پی کر عورت سے جماع کرے تو اس عورت کو کیا کرنا چاہیے؟

سوال چہارم: اگر کوئی ہندو کوئی چیز میرے پاس نقد یا سامان رکھ گیا تو اس کو نہ دینا چاہیے، جائز ہے یا ناجائز؟ یا کوئی چیز بھول گیا تو میں نے اس کو اُٹھالیا تو دینا چاہیے یا نہیں؟ غرض ہندوؤں کا مال چوری دھوکا دے کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال پنجم: یہ جومشہور ہے کہ عورت کوخواہشِ نفس مرد سے نو حصے زیادہ ہے، اس کا پتہ شریعت سے چلتا ہے یانہیں؟

سوال ششم: کنگھا داڑھی میں کس کس وقت کیا جائے؟

سوال ہفتم: مولوی اشرفعلی تھانہ بھون والے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یانہیں؟

سوال ہشتم: وہ کون سی باتیں ہیں جن کی وجہ سے کتاب تقویۃ الایمان خراب ہے؟

جواب سوال سوم: خاوند کے شراب پینے کا وبال اس پر ہے عورت اسے جماع سے منع نہیں کرسکتی۔

جواب سوال چہارم: امانت میں خیانت جائز نہیں اگر چہ ہندو کی ہو، غدر و بدعہدی جائز نہیں اگر چہ ہندو سے ہو، خیانت وغدر کے سوا اس کا بھی لحاظ ضرور ہے کہ کسی جرم قانونی کا اِرتکاب کر کے اپنے آپ کو ذلت پر پیش کرنا بھی منع ہے۔

حدیث میں ہے: **من اعطی الذلۃ من نفسہ طائعا غیر مکرہ فلیس منّا۔** جوشخص بغیر کسی مجبوری کے اپنے آپ کو بخوشی ذلت پر پیش کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور جب نہ غدر ہو نہ قانونی جُرم تو پھر جس طرح اس کا مال ملے مباح ہے۔

جواب سوال پنجم: ضرور اس کی اصل ہے، حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ عورت کو مرد سے سو حصے زائد خواہش (شہوت) ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر حیا ڈال دی ہے۔

جواب سوال ششم: کنگھے کے لیے شریعت میں کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے اِعتدال کا حکم ہے، نہ تو یہ ہو کہ آدمی جِنّاتی شکل بنا رہے نہ یہ ہو کہ ہر وقت مانگ چوٹی میں گرفتار، **خیر الامور اوسطھا** ۔(بہترین امر وہ ہے جو درمیانہ ہو۔ت)

جواب ہفتم: اشرف علی کی نسبت علمائے حرمین شریفین نے اسی کتاب ''حسام الحرمین'' میں فرمایا ہے۔ **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر** ۔ جو اس کے اقوالِ کفر پر مطلع ہو کر اس کے کافر ومعذَّب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

جواب سوال ہشتم: تقویۃ الایمان ایک گمراہی اور بے دینی کی کتاب ہے، علمائے حرمین شریفین نے اس گروہ کو گمراہ و بے دین لکھا ہے، اور فرمایا ہے۔ {**اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ**} یہ لوگ شیطان کے گروہ ہیں خبردار رہو شیطان ہی کے گروہ نقصان میں ہیں۔

اس کتاب اور اس کے مصنف کے کلماتِ کفر'' کوکبہ شہابیہ'' میں بطورِ نمونہ ستر ۷۰ کے قریب بیان کیے ہیں جس میں صفحات کے حوالہ سے اس کی عبارتیں اور پھر اس کے کلمۂ کفر ہونے پر آیتیں، حدیثیں ائمہ کی روایتیں لکھی ہیں اور اس رسالہ کو دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو کہ یہ شخص کیسا بے دین تھا بے دین کی کتاب دیکھنا حرام ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** ۔ص92

وہابی جومشہور ہیں وہ کون سا فرقہ ہے اور ان کی اصل کہاں سے نکلی اور ان کے عقائد کیا ہیں، اور ان کے بارے میں حدیث میں کیا وارد ہے؟

الجواب: وہابی ایک بے دین فرقہ ہے جو محبوبانِ خدا کی تعظیم سے جلتا ہے اور طرح طرح کے حیلوں سے ان کے ذکر وتعظیم کو مٹانا چاہتا ہے ابتداء اس کی ابلیس لعین سے ہے کہ اللہ عزوجل نے تعظیمِ سیدنا آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا حکم دیا اور اس ملعون نے نہ مانا اور زمانۂ اسلام میں اس کا ہادی ذوالخویصرہ تمیمی ہوا جس نے حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اَرفع میں کلمۂ توہین کہا اس

کے بعد ایک پورا گروہ خوارج کا اس طریق پر چلا جن کو امیر المومنین مولیٰ علی نے قتل فرمایا لوگوں نے کہا حمد اللہ کو جس نے ان کی نجاستوں سے زمین کو پاک کیا امیر المومنین نے فرمایا یہ منقطع نہیں ہوئے ابھی ان میں کے ماؤں کے پیٹوں میں ہیں باپوں کی پیٹھوں میں ہیں، **کلما قطع قرن نشاء قرن** جب ان میں کی ایک سنگت کاٹ دی جائے گی دوسری سر اُٹھائے گی، **حتی یکون اٰخرھم یخرج مع المسیح الدجال**۔ یہاں تک کہ ان کا پچھلا گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔

اس حدیث کے مطابق ہر زمانہ میں یہ لوگ نئے نئے نام سے ظاہر ہوتے رہے یہاں تک کہ بارھویں صدی کے آخر میں ابنِ عبدالوہاب نجدی اس فرقہ کا سرغنہ ہوا اور اس نے ''کتابُ التوحید'' لکھی اور توحیدِ الٰہی عزوجل کے پردے میں اَنبیاء واَولیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور خود حضورِ اقدس سید الانام علیہ افضل الصلوۃ کی توہین دل کھول کر کی، اس کی طرف نسبت کرکے اس گروہ کا نام نجدی وہابی ہوا۔ ہندوستان میں اس فتنہ ملعونہ کو اسمٰعیل دہلوی نے پھیلایا ''کتاب التوحید'' کا ترجمہ کیا اس کا نام ''تقویۃ الایمان'' رکھا، دِلی عقیدہ وہ ہے جو ''تقویۃ الایمان'' میں کئی جگہ صاف لفظوں میں لکھ دیا کہ: اللہ کے سوا کسی کو نہ مان۔ اوروں کا ماننا محض خبط ہے۔

اس کے متبعین جو گروہ ہیں عقائد میں سب ایک ہیں مگر اَعمال میں یوں متفرق ہوئے کہ ایک فرقہ نے تقلید کو بھی ترک کیا اور خود اہلحدیث بنے یہ غیر مقلد وہابی ہیں ان کا سرگروہ نذیر حسین دہلوی اور کچھ پنجابی بنگالی تھے اور ہیں، اور مقلد وہابیوں کے سرگروہ رشید احمد گنگوہی اور قاسم نانوتوی، اور اب اشرف علی تھانوی، جو ان لوگوں کو اچھا جانے یا ''تقویۃ الایمان'' وغیرہ ان کی کتابوں کو مانے یا ان کے گمراہ بددین ہونے میں شک کرے وہ وہابی ہے، وہابی کی علامت حدیث میں ارشاد ہوئی کہ ظاہراً شریعت کے بڑے پابند بنیں گے۔ **تحقرون صلوٰتکم مع صلوٰتھم وصیامکم مع صیامھم وعملکم مع عملھم** ۔تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے آگے حقیر جانو گے اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے آگے اور اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے آگے **یقرؤن القرآن ولا یجاوز تراقیھم** ۔قرآن پڑھیں گے مگر ان کے گلے سے نہ اُترے گا یعنی دل میں اس کا کچھ اثر نہ ہوگا۔ **یقولون من خیر قول البریۃ**۔ باتیں بظاہر بہت اچھی کریں گے، اور ایک روایت ہے۔ **من قول خیر البریۃ** ۔حدیث حدیث بہت پکاریں گے۔ باینہمہ حال یہ ہوگا **یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ** نکل جائیں گے دین سے ایسے جیسے تیر نکل جاتا ہے نشانہ سے **ثُمّ لا یعودون فیہ** پھر لوٹ کر دین میں نہ آئیں گے ۔**سیماھم التحلیق** ۔ان کی علامت سرمنڈانا ہوگی ۔**مشمر الازار** ۔تہبند یا پائچے بہت اونچے۔ ان کے عقائد کا بیان ہمارے رسالہ ''نور الفرقان'' اور رسالہ ''کوکبۃ الشہابیہ'' میں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** ۔ص95

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابہ کرام سے ہیں اُن کی شان میں گستاخی نہ کرے گا مگر رافضی، جس کتاب میں ایسی باتیں ہوں اس کا پڑھنا سُننا مسلمان سنیوں پر حرام ہے، ایسے مسئلہ میں کتابوں کے حوالے کی کیا حاجت، اہلسنت کے مسنون عقائد میں تصریح ہے **الصحابۃ کلھم عدول لانذکرھم الا بخیر** ۔صحابہ سب کے سب اہلِ خیر وعدالت

ہیں ہم ان کا ذکر نہ کریں گے مگر بھلائی سے۔ اگر کوئی شخص اہلِ سنت کی کتابوں کو نہ مانے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کو تو مانے گا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اسلم الناس واٰمن عمرو بن العاص رواہ الترمذی عن عقبۃ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ**۔ بہت لوگ وہ ہیں کہ اسلام لائے مگر عمرو بن العاص ان میں ہیں جو ایمان لائے۔ (اس کو ترمذی نے عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ان عمرو بن العاص من صالحی قریش رواہ الترمذی والامام احمد فی مسند عن سیدنا طلحۃ بن عبید اللہ احد العشرۃ المبشرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین**۔ عمرو بن العاص صالحینِ قریش سے ہیں (ترمذی اور امام احمد نے اپنی مسند میں اسے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ جو عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ایک ہیں سے روایت کیا۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **نعم اھل البیت عبداللہ وابو عبداللہ وام عبداللہ، رواہ البغوی وابو یعلیٰ عن طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ**۔ بہت اچھے گھر والے ہیں عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور عبد اللہ کا باپ اور اس کی ماں۔ اس کو بغوی اور ابو یعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) اس کو ابنِ سعد نے طبقات میں صحیح سند کے ساتھ ابنِ ابی ملیکہ سے روایت کیا اور اتنا زیادہ کیا یعنی عبد اللہ بن عمرو بن العاص، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوہ ذات السلاسل میں اسی الٰہی فوج کا سردار کیا۔ جس میں صدیقِ اکبر و فاروقِ اعظم تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایک بار اہلِ مدینہ طیبہ کو کچھ ایسا خوف پیدا ہوا کہ متفرق ہو گئے سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور عمرو بن العاص دونوں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہما تلوار لے کر مسجد شریف میں حاضر رہے، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ وسلم، نے خطبہ فرمایا اور اس میں ارشاد کیا: **الا کان مفزعکم الی اللہ والی رسولہ الا فعلتم کما فعل ھٰذان الرجلان المؤمنان**۔ کیوں نہ ہوا کہ تم خوف میں اللہ و رسول کی طرف اِلتجا لاتے، تم نے ایسا کیوں نہ کیا جیسا ان دونوں ایمان والے مردوں نے کیا۔ ص 98

اِماموں کا جو اِختلاف ہے وہ کس بنا پر ہے؟

اللہ تعالیٰ کا جو فرمان ہے وہ کلام پاک ہے، اس میں سب فیصلے موجود ہیں، اس سے کوئی فیصلہ بچا نہیں ہے، اب اماموں کا جو اختلاف ہے وہ کس بنا پر ہے؟

الجواب: قرآنِ عظیم میں بے شک سب کچھ موجود ہے مگر اُسے کوئی نہ سمجھ سکتا اگر حدیث اس کی شرح نہ فرماتی۔ **قال اللہ تعالیٰ: {لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ}** تا کہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو اُن کی طرف اُترا۔ (ت)

اور حدیث بھی کوئی نہ سمجھ سکتا اگر ائمۂ مجتہدین اس کی شرح نہ فرماتے، ان کی سمجھ میں مدارج مختلف ہیں، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ربّ مبلَّغ یبلغہ اوعی لہ من سامع**۔ بہت سے لوگ جن تک بات پہنچائی جاتی وہ سننے والے سے زیادہ اس کو یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (ت) اور فرماتے ہیں: **ربّ حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ**۔ بہت سے فقہ اُٹھانے والوں سے وہ زیادہ فقیہ ہوتا ہے جس کو وہ پہنچاتے ہیں۔ (ت)

اس تفقہ فی الدین میں اختلافِ مراتب باعثِ اختلاف ہوا اور اُدھر مصلحتِ الٰہیہ احادیث مختلف آئیں، کسی صحابی نے کوئی حدیث سُنی اور کسی نے کوئی اور وہ بلاد میں متفرق ہوئے، ہر ایک نے اپنا علم شائع فرمایا، یہ دوسرا باعثِ اختلاف ہوا۔ عبداللہ بن عمر کا علم امام مالک کو آیا، اور عبداللہ بن عباس کا امام شافعی کو، اور افضل العبادلہ عبداللہ بن مسعود کا علم ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، حلال کو حرام یا حرام کو حلال جاننا جو کفر کہا گیا ہے وہ ان چیزوں میں ہے جن کا حرام یا حلال ہونا ضروریاتِ دین سے ہے یا کم اَز کم نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہو۔ اِجتہادی مسائل میں کسی پر طعن بھی جائز نہیں۔ ص 107

جتنا قرآنِ عظیم اُترتا گیا، حضور پر غیب روشن ہوتا گیا

قرآنِ عظیم تھوڑا تھوڑا کر کے تیئیس ۲۳ برس میں نازل ہوا، جتنا قرآنِ عظیم اُترتا گیا، حضور پر غیب روشن ہوتا گیا، جب قرآنِ عظیم پورا نازل ہو چکا روزِ اول سے روزِ آخر تک کا جمیع ما کان وما یکون کا علمِ محیط حضور کو حاصل ہو گیا۔ تمامیِ نزولِ قرآن سے پہلے اگر کوئی واقعہ کسی حکمتِ الٰہیہ کے سبب منکشف نہ ہوا ہو تو اِحاطۂ علمِ اَقدس کا منافی نہیں۔ ص 108

(۱) حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کی والدہ ماجدہ کا نکاح بعد ولادتِ حضرتِ عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کے یوسف نجار حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی سے ہوا ہے یا نہیں؟

(۲) حضرت مریم نبیہ ہیں یا نہیں؟

(۳) اب کتنے پیغمبر زندہ ہیں اور کہاں کہاں ہیں؟

(۴) حضرت عیسٰی علیہ السلام کیا چوتھے آسمان پر ہیں؟

(۵) ایک شخص پیغمبروں کے زندہ ہونے کا قائل نہیں ہے اور آیت {قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ} (ان سے پہلے رسول ہو چکے۔ت) کہ استدلال میں لاتا ہے، اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ (۶) اور اُسی کا یہ قول ہے کہ حضرتِ عیسی علیہ السلام اگر اُتریں گے تو وہ رسول ہوں گے یا نہیں اور اگر وہ رسول نہ ہوں اور اُمتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اُس وقت ہوں تو خلافِ کلام پاک ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی رسالت نہ چھینے گا، اور کیا ان کی امت بلا رسول کے رہ جائے گی؟

الجواب: (۱) شرع مطہر میں اس کا کہیں ثبوت نہیں، نصارٰی کے یہاں بھی صرف منگیتر لکھا ہے ہاں وہ جنت میں حضورِ اَقدس سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے ہوں گی، کما فی الحدیث۔

(۲) نہیں، کوئی عورت نبیہ نہیں۔

(۳) ہاں بایں معنی کہ اب تک لحوقِ موت اَصلاً نہ ہوا چار نبی زندہ ہیں: عیسٰی وادریس علیہما الصلوۃ والسلام آسمان پر، اور الیاس و خضر علیہما الصلوۃ والسلام زمین پر۔

شرح مقاصد میں ہے: ذهب اليه العظماء من العلماء ان اربعة من انبياء في زمرة الاحياء الخضر والياس في الارض وعيسى وادريس في السماء عليهم الصلوة والسلام ۔ بزرگ علماء اس طرف گئے ہیں کہ چار انبیاء زندوں کے زمرہ میں ہیں، حضرت خضر اور الیاس علیہما الصلوۃ والسلام زمین میں جب کہ حضرتِ عیسی

علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہما الصلوۃ والسلام آسمان پر۔(ت)

(۴) حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شبِ اَسرٰی اِنہیں آسمانِ دوم پر پایا اِستقبالِ سرکار و اِقتداءِ حضور کے لیے تمام انبیاء کرام علیہ وعلیہم افضل الصلوۃ والسلام اَوّلاً بیتُ المقدس میں جمع ہوئے پھر ہر نبی کو ان کے محل میں دیکھا اس سے ظاہر یہ کہ مقامِ سیدنا مسیح علیہ السلام آسمانِ دوم ہے اور مشہور چہارم، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) حیاتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والثناء کا منکر گمراہ بددین ہے اور {خَلَتْ} سرے سے طریانِ موت پر بھی دلیل نہیں، نہ کہ معاذ اللہ استمرارِ موت یہ لفظ صِرف اِنقضائے عہد پر دال ہے جیسے بلاتشبیہ یہ کہنا کہ سلطان محمد خاں خامس سے پہلے اتنے سلاطین ہوگزرے اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ سلطان حمید خان زندہ ہی نہیں۔

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سب بحیاتِ حقیقی دُنیاوی جسمانی زندہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون**۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔(ت) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: **ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق**۔ بے شک اللہ تعالٰی نے نبیوں کے جسم کو کھانا زمین پر حرام کردیا ہے چنانچہ اللہ تعالٰی کا نبی زندہ ہوتا ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے۔ت)

(۶) حاشا نہ کوئی رسول رسالت سے معزول کیا جاتا ہے نہ سیدنا مسیح علیہ الصلوۃ والسلام رسالت سے معزول ہوں گے، نہ حضور کا امتی ہونا رسالت کے خلاف، وہ قبلِ نزول اپنے عہد میں بھی ہمارے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے امتی تھے اور بعدِ رفع بھی اُمتی ہوکر اُتریں گے، تمام انبیاء ومرسلین اپنے عہد میں بھی حضور کے امتی تھے اور اب بھی امتی ہیں، جب بھی رسول تھے اور اب بھی رسول ہیں کہ ہمارے حضور نبی الانبیاء ہیں۔

قال اللہ تعالٰی: {لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ} (تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ت) ہاں اس وقت وہ اپنی شریعت پر حکم فرماتے تھے اب کہ شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علی صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیہ نے اگلی شریعتیں منسوخ فرمادیں۔ ایک حضرتِ مسیح نہیں جو کوئی رسول بھی اب ظاہر ہو شریعتِ محمدیہ پر ہی حکم کرے گا کہ منسوخ پر حکم باطل، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: اگر موسٰی میرا زمانہ پاتے تو میری اتباع کے سوا انہیں کچھ گنجائش نہ ہوتی۔

اور اس کا کہنا "ان کی امت بلا رسول کے رہ جائے گی" اس کی سخت جہالت پر دلیل ہے اور اگر سمجھ کر کہے تو اس کی نصرانیت، کیا اب نصرانی امتِ مسیح ہیں؟ کیا اب وہ ان کے دین پر ہیں؟ حاشا {كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ} (کتنا بڑا بول ہے کہ ان کے مونہوں سے نکلتا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ص109

رسالہ: قوارع القہار علی المجسمۃ الفجّار جسمیتِ باری تعالٰی کے قائل فاجروں پر قہر فرمانے والے (اللہ تعالٰی) کی طرف سے سخت مصیبتیں) ملقب بلقب تاریخی ضربِ قہاری)۔ ص120

اللہ عزوجل کی شان میں اہلسنت و جماعت کے عقیدے

(۱) اللہ تعالیٰ ہر عیب ونقصان سے پاک ہے۔

(۲) سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی چیز کی طرف کسی طرح کسی بات میں اَصلاً احتیاج نہیں رکھتا۔

(۳) مخلوق کی مشابہت سے منزّہ ہے۔

(۴) اس میں تغیر نہیں آ سکتا، اَزل میں جیسا تھا ویسا ہی اب ہے اور ویسا ہی ہمیشہ رہے گا، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ پہلے ایک طور پر ہو پھر بدل کر اور حالت پر ہو جائے۔

(۵) وہ جسم نہیں جسم والی کسی چیز کو اس سے لگاؤ نہیں۔

(۶) اُسے مقدار عارض نہیں کہ اِتنا یا اُتنا کہہ سکیں، لمبا چوڑا یا دَلدار یا موٹا یا پتلا یا بہت یا تھوڑا یا گنتی یا تول میں بڑا یا چھوٹا یا بھاری یا ہلکا نہیں۔

(۷) وہ شکل سے منزّہ ہے، پھیلا یا سمٹا، گول یا لمبا، تکونا یا چوکھونٹا، سیدھا یا ترچھا یا اور کسی صورت کا نہیں۔

(۸) حَدوطَرف ونہایت سے پاک ہے اور اس معنی پر نامحدود بھی نہیں کہ بے نہایت پھیلا ہوا ہو بلکہ یہ معنی کہ وہ مقدار وغیرہ تمام اَعراض سے منزہ ہے، غرض نامحدود کہنا نفیِ حد کے لیے ہے نہ اِثباتِ بے مقدار بے نہایت کے لیے۔

(۹) وہ کسی چیز سے بنا نہیں۔

(۱۰) اس میں اَجزا یا حصے فرض نہیں کر سکتے۔

(۱۱) جہت اور طرف سے پاک ہے جس طرح اُسے دہنے بائیں یا نیچے نہیں کہہ سکتے یونہی جہت کے معنی پر آگے پیچھے یا اُوپر بھی ہرگز نہیں۔

(۱۲) وہ کسی مخلوق سے مل نہیں سکتا کہ اس سے لگا ہوا ہو۔

(۱۳) کسی مخلوق سے جُدا نہیں کہ اُس میں اور مخلوق میں مسافت کا فاصلہ ہو۔

(۱۴) اُس کے لیے مکان اور جگہ نہیں۔

(۱۵) اُٹھنے، بیٹھنے، اُترنے، چڑھنے، چلنے، ٹھہرنے وغیرہا تمام عوارضِ جسم وجسمانیات سے منزّہ ہے۔

محلِ تفصیل میں عقائدِ تنزیہیہ بے شمار ہیں، یہ پندرہ کہ بقدرِ حاجت یہاں مذکور ہوئے اور ان کے سوا ان جملہ مسائل کی اصل یہی تین عقیدے ہیں جو پہلے مذکور ہوئے اور ان میں بھی اصلُ الاصول عقیدۂ اُولیٰ ہے کہ تمام مطالبِ تنزیہیہ کا حاصل و خلاصہ ہے ان کی دلیل قرآنِ عظیم کی وہ سب آیات ہیں جن میں باری عزوجل کی تسبیح وتقدیس و پاکی و بے نیازی و بے مثلی و بے نظیری ارشاد ہوئی آیاتِ تسبیح خود کس قدر کثیر ووافر ہیں۔

وقال تعالیٰ: {اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ} بادشاہ نہایت پاکی والا ہر عیب سے سلامت۔ وقال تعالیٰ: {فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ} بے شک اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔ وقال تعالیٰ: {فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ}

بے شک اللہ ہی بے پروا ہے سب خوبیوں سراہا، **وقال تعالیٰ** : {لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ} اس کے مثل کوئی چیز نہیں ۔**وقال تعالیٰ** : {هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا} کیا تو جانتا ہے اس کے نام کا کوئی ، **وقال تعالیٰ** : {وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ} اس کے جوڑ کا کوئی نہیں ۔

ان مطالب کی آیتیں صدہا ہیں، یہ آیاتِ محکمات ہیں، یہ اُمُّ الکتاب ہیں، ان کے معنی میں کوئی خفاو اجمال نہیں، اَصلاً دِقّت و اِشکال نہیں جو کچھ ان کے صریح لفظوں سے بے پردہ روشن وہویدا ہے بے تغیر وتبدیل بے تخصیص وتاویل اس پر ایمان لانا ضروریاتِ دینِ اسلام سے ہے، **وباللہ التوفیق** ۔ص119

عرش مکانِ الٰہی نہیں، اللہ عزوجل مکان سے پاک ہے

وہ مکان وتمکّن سے پاک ہے، نہ عرش اس کا مکان ہے نہ دوسری جگہ، عرش وفرش سب حادثات ہیں، اور وہ قدیم اَزلی اَبدی سرمدی، جب تک یہ کچھ نہ تھے کہاں تھا؟ جیسا جب تھا ویسا ہی اب ہے اور جیسا اب ہے ویسا ہی اَبدالآباد تک رہے گا۔ عرش و فرش سب متغیر ہیں، حادث ہیں، فانی ہیں، اور وہ اور اس کی صفات تغیر وحدوث وفنا سب سے پاک، اِعتقادِ اہلِ سنت کا وہ ہے جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: **الاستواء معلوم والکیف مجھول والایمان به واجب والسؤال عنه بدعة** ۔استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول، اور اس پر ایمان واجب، اور اس کی تفتیش گمراہی ۔ص116

صفاتِ متشابہات کے باب میں اہلسنت کا عقیدہ

صفاتِ متشابہات کے باب میں اہلسنت کا عقیدہ تو معلوم ہولیا کہ ان میں ہمارا حصہ بس اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو کچھ مراد ہے ہم اس پر ایمان لائے، ظاہر لفظ سے جو معنی ہماری سمجھ میں آتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ یقیناً پاک ہے اور مرادِ الٰہی پر ہمیں اطلاع نہیں لہذا ہم اُن کے معنی کچھ کہہ ہی نہیں سکتے یا بطورِ تاویل کچھ کہیں بھی تو وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی شانِ قدوسی کے لائق اور آیاتِ محکمات کے مطابق اور اہلسنت کو اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم عطا فرمائی ہے ۔ص137

جو ہم کو نظر آرہا ہے یہی آسمان ہے

انگریزوں کے یہاں بدلائلِ عقلیہ ثابت ہے کہ آسمان کوئی چیز نہیں اور یہ جو نیلگوں شے محسوس ہوتی ہے وہ فضا ہے، اور اختلافِ لیل ونہار سب حرکتِ ارض ہے۔ اور نہ ستاروں کی حرکت ہے، ہر ستارہ کی کشش دوسرے کو روکے ہوئے ہے جس طرح مقناطیس امید کہ کوئی قوی دلیل عقلی ونقلی وجودِ آسمان پر اِفادہ فرمائی جائے؟

الجواب : وجودِ آسمان پر آسمانی کتابوں سے زیادہ کیا دلیل درکار ہے تمام آسمانی کتابیں اِثباتِ وجودِ آسمان سے مالا مال ہیں، قرآنِ عظیم میں توصدہا آیتیں ہیں جن میں آسمان کا ابتداء میں دھواں ہونا بستہ چیز پھر رب العزت کا اسے جُدا جُدا کرنا، پھیلانا، سات پرت بنانا، اس کا چھت ہونا، اس کا نہایت مضبوط بنائے مستحکم ہونا، اس کا بے ستون قائم ہونا، اللہ تعالیٰ کا اسے اور زمین کو چھ دن میں بنانا، روزِ قیامت اس کا شق ہونا، اُٹھا کر زمین کے ساتھ ایک بار ٹکرادیا جانا، پھر اس کا اور زمین کا دوبارہ پیدا ہونا وغیرہ وغیرہ صاف روشن ارشاد ہیں کہ ان کا انکار نہیں کرسکتا مگر وہ جو اللہ ہی کا منکر ہے، نیز قرآنِ عظیم میں جابجا یہ بھی تصریح ہے کہ جو ہم کو

نظر آ رہا ہے یہی آسمان ہے تو اس میں گمراہ فلسفیوں کا رد ہے جو آسمانوں کا وجود تو مانتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ وہ نظر نہیں آ سکتے یہ جو ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ کرۂ بخار ہے۔ ان نصرانیوں اور ان یونانیوں سب بُطلانیوں کے رد میں ایک آیۂ کریمہ کافی ہے کہ: {اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ وَ ھُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ} کیا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے پاک خبردار۔ بنانے والا جو فرما رہا ہے وہ تو نہ مانا جائے اور دل کے اندھے سمجھ کے اوندھے جو اٹکلیں دوڑاتے ہیں وہ سنی جائیں، اس سے بڑھ کر گدھا پن کیا ہوسکتا ہے، یہ بائیبل جواب نصارٰی کے پاس ہے اس کی پہلی کتاب کا پہلا باب آسمان وزمین کے بیانِ پیدائش ہی سے شروع ہے رہی دلیلِ عقلی، ذرا انصاف درکار، اتنا بڑا جسم جسے کروڑوں آنکھیں دیکھ رہی ہیں اس کا وجود محتاجِ دلیل ہے یا جو کہے یہ معدومِ محض یہ سب آنکھوں کی غلطی ہے یہ نری دھوکا کی ٹٹی ہے اس کے ذمے ہے کہ دلیلِ قطعی سے اس کا عدم ثابت کرے یوں تو ہر چیز پر دلیلِ عقلی قائم کرنی ہوگی آفتاب جسے نصارٰی بھی مانتے ہیں کیا دلیل ہے کہ یہ فی نفسہٖ کوئی وجود رکھتا ہے اور نگاہ کی غلطی نہیں غرض محسوسات سے بھی اَمان اُٹھ کر دین و دنیا کچھ قائم نہ رہیں گے عنادیہ کا مذہب آ جائے گا۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ تعالٰی اعلم۔** ص200

لَا تَقۡلِیۡدَ فِی الاعتقادیات، اعتقادیات میں تقلید نہیں کا معنی

جس طرح فقہ میں چار اصول ہیں، کتاب، سنت، اجماع، قیاس، عقائد میں چار اصول ہیں، کتاب، سنت، سوادِ اَعظم، عقلِ صحیح، تو جو اِن میں ایک کے ذریعہ سے کسی مسئلۂ عقائد کو جانتا ہے دلیل سے جانتا ہے نہ کہ بے دلیل محض تقلیداً اہلِ سنت ہی سوادِ اَعظم اسلام ہیں، تو ان پر حوالہ دلیل پر حوالہ ہے نہ کہ تقلید۔ یوں ہی اقوالِ ائمہ سے استناد اسی معنٰی پر ہے کہ یہ اہلسنت کا مذہب ہے ولہذا ایک دو دس بیس علماء کبار ہی سہی اگر جمہور وسوادِ اَعظم کے خلاف لکھیں گے اس وقت ان کے اقوال پر نہ اعتماد جائز نہ اِستناد کہ اب یہ تقلید ہوگی اور وہ عقائد میں جائز نہیں، اس دلیل اَعنی سوادِ اَعظم کی طرف ہدایت اللہ ورسول جَلَّ وَعَلَا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کمال رحمت ہے، ہر شخص کہاں قادر تھا کہ عقیدہ کتاب وسنت سے ثابت کرے، عقل تو خود ہی سمعیات میں کافی نہیں ناچار عوام کو عقائد میں تقلید کرنی ہوتی، لہذا یہ واضح روشن دلیل عطا فرمائی کہ سوادِ اَعظم مسلمین جس عقیدہ پر ہو وہ حق ہے اس کی پہچان کچھ دشوار نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے وقت میں تو کوئی بدمذہب تھا ہی نہیں اور بعد کو اگرچہ پیدا ہوئے مگر دنیا بھر کے سب بدمذہب ملا کر کبھی اہلسنت کی گنتی کو نہیں پہنچ سکے، للہ الحمد فقہ میں جس طرح اِجماع اَقوی الادِلّہ ہے کہ اجماع کے خلاف کا مجتہد کو بھی اختیار نہیں اگرچہ وہ اپنی رائے میں کتاب وسنت سے اس کا خلاف پاتا ہو یقیناً سمجھا جائے گا کہ یا فہم کی خطا ہے یا یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے اگرچہ مجتہد کو اس کا ناسخ نہ معلوم ہو، یونہی اجماعِ امت تو شئے عظیم ہے سوادِ اَعظم یعنی اہلسنت کا کسی مسئلۂ عقائد پر اتفاق یہاں اَقوی الادلہ ہے کتاب وسنت سے اس کا خلاف سمجھ میں آئے تو فہم کی غلطی ہے، حق سوادِ اَعظم کے ساتھ ہے، اور ایک معنی پر یہاں اقوی الادلہ عقل ہے کہ اور دلائل کی حجیت بھی اسی سے ظاہر ہوئی ہے مگر محال ہے کہ سوادِ اَعظم کا اتفاق کسی برہانِ صحیح عقلی کے خلاف ہو، یہ گنتی کے جملے ہیں مگر بحمدہٖ تعالٰی بہت نافع وسودمند **فعضوا علیھا بالنواجذ** (پس ان کو مضبوطی سے داڑھوں کے ساتھ پکڑ لو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔** ص214

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امرِ اسلام ہمیشہ غالب رہے گا اوراس میں بارہ خلیفہ ہوں گے، دریافت طلب یہ ہے کہ ان بارہ کے اسماء مبارک کیا ہیں؟

اصل یہ ہے کہ امورِغیب میں اللہ ورسول جَلَّ وَعَلَا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جتنی بات بیان فرمائیں اتنی یقیناً حق ہے اور جس قدر ذکر نہ فرمائیں اس کی طرف یقین کی راہ نہیں کہ غیب بے خدا ورسول کے بتائے معلوم نہیں ہوسکتا لہذا اس حدیث کے معنیٰ میں زمانۂ تابعین سے اِشتباہ رہا۔ اور ہو کیونکر کہ جس غیب کی اللہ ورسول تفصیل نہ فرمائیں اس کی تفصیل قطعاً کیونکر معلوم ہو، ہاں لوگ لگتے لگاتے ہیں جن میں سے کسی پر یقین نہیں، البتہ یہ معیار صحیح ہے کہ حدیث میں جو جونشان اُن بارہ خلفاء کے ارشاد ہوئے جس معنی میں نہ پائے جائیں باطل ہیں اور جس میں پائے جائیں وہ اِحتمالی طور پر مسلّم ہوگا نہ کہ یقینی، اَحادیثِ باب میں ان کے نشان یہ ہیں۔

(۱) كلهم من قريش سب قریشی ہوں گے۔

(۲) وہ سب بادشاہ ووالیانِ ملک ہوں گے۔

(۳) اُن کے زمانے میں اسلام قوی ہوگا صحیح مسلم میں ہے: بارہ خلفاء کی حکومت پوری ہونے تک اسلام غالب رہے گا، وہ سب قریشی ہوں گے۔(ت)

(۴) اُن کا زمانہ زمانۂ صلاح ہوگا، بزار وطبرانی وابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: لايزال امر امتي صالحا۔ (بارہ خلفاء کی خلافت تک) میری امت کا معاملہ درست رہے گا۔(ت)

(۵) اُن پر اجماعِ امت ہوگا یعنی اہلِ حل وعقد اُنہیں والیِ ملک وخلیفۂ صدق مانیں گے، سنن ابی داؤد میں ہے: لايزال هذا الدين قائما حتى يكون عليكم اثنا عشر خليفة كلهم تجتمع عليه الامّة۔ یہ دین اس وقت تک قائم رہے گا جب تک تم پر بارہ خلفاء حاکم ہوں، جن پر تمام امت متفق ہوگی۔(ت)

(۶و۷) وہ سب ہدایت ودینِ حق پر عمل کریں گے ان میں سے دو اہلبیتِ رسالت سے ہوں گے۔

لگتے لگانے والوں میں جس نے سب طُرُقِ حدیث نہ دیکھے ایک آدھ طریق کو دیکھ کر کوئی اِحتمال نکال دیا جیسے ابوالحسین بن مناوی نے یہ معنی لیے کہ ایک وقت میں بارہ خلیفہ ہوں گے یعنی اس قدر اختلاف یہ فقط اُس لفظِ مجمل بخاری پر بن سکتا تھا اور الفاظ دیکھئے تو کہاں اس درجہ اِفتراق اور کہاں اجتماع اور ایسی حالت میں اسلام کے قوی وغالب وقائم اور امرِ امت کے صالح ہونے کے کیا معنی؟ اسی قبیل سے علی قاری کا یہ زعم باتباعِ ابن حجر شافعی ہے کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آخر ولاۃ بنی امیہ تک ۱۲ ہوئے اور ان میں یزید پلید علیہ ماعلیہ کو بھی گنادیا حالانکہ اُس خبیث کے زمانہ کو قوتِ دین وصلاح سے کیا تعلق، یہ احادیث دیکھ کر اس قول کی گنجائش نہ ہوتی، مگر صرف سلطنتیں نگاہ میں تھا اور حق یہ کہ اُس خبیث پر اجماعِ اہلِ حل وعقد کب ہوا، ریحانۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس کے دستِ ناپاک پر بیعت نہ کرنے ہی کے باعث شہید ہوئے، اہلِ مدینہ نے اُس پر خروج کیا۔

عبداللہ بن حنظلہ غسیلُ الملائکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: واللّٰه ماخرجنا على يزيد حتى خفنا ان نرمى

بالحجارۃ من السماء ان رجلا ینکح امھات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوۃ۔ خدا کی قسم ہم نے یزید پر خروج نہ کیا جب تک یہ خوف نہ ہوا کہ آسمان سے پتھر آئیں، ایسا شخص کہ بہن بیٹی کی آبروریزی کرے اور شراب پئے اور تارکُ الصلوۃ ہو۔(ت)

غرض جمیع طرقِ حدیث سے یہ قول باطل ہے، حدیث میں کہیں نہیں کہ وہ سب بلافصل یکے بعد دیگرے ہوں گے۔ ان میں سے آٹھ گزر گئے صدیقِ اکبر، فاروقِ اعظم، عثمانِ غنی، علی مرتضٰی، حسن مجتبٰی، امیر معاویہ، عبداللہ بن زبیر، عمر بن عبدالعزیز، اور ایک یقیناً آنے والے ہیں، حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین باقی تین کی تعیین اللہ ورسول کے علم میں ہے، عجب عجب ہزار عجب کہ ان میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ صحابی ابنِ صحابی ہیں، امام عادل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بھتیجے ہیں، صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نواسہ ہیں، احد العشرۃ المبشرہ کے صاحبزادے ہیں شمار نہ کیے جائیں، اور وہ خبیث ناپاک معدود ہو جسے امیر المومنین کہنے پر امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک شخص کو بیس تازیانے لگائے۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی وعافیت طلب کرتے ہیں۔ت) عبداللہ بن زبیر بھی درکنار، خود امام مجتبٰی کو نہ گنا کہ ان کی خلافت کا زمانہ قلیل تھا اور ولید کو گنا جس نے قرآنِ عظیم کو دیوار میں لٹکا کر تیروں سے چھیدا۔ ایسے بے سروپا بے معنی اَقوال کی سند نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک متاخر عالم کی خطائے رائے ہے عصمت انبیاء وملائکہ علیہم الصلوۃ والسلام کے سوا کسی کے لیے نہیں، نسأل اللہ العفو والعافیۃ واللہ تعالٰی اعلم ۔ص216

زید کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالٰی ذاتِ پاک رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برابر پیدا کرسکتا ہے مگر بموجب اپنے وعدہ کے پیدا نہیں کرے گا۔ زید کا امامِ نماز ہونا محققین علماء کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بہت فضائلِ جلیلہ وخصائصِ کریمہ ناقابلِ اشتراک ہیں جیسے افضلُ الانبیاء خاتم النبیین، سیدُ المرسلین، اَوّل خلق اللہ، اَفضل خلق اللہ، اول شافع، اول مشفَّع، نبی الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اگر اس وقت اس طرف قائل کا ذہن نہ گیا محض عمومِ قدرت پیشِ نظر تھا اُسے تفہیم کی جائے، اگر تابعِ حق وطالبِ حق ہوگا ضرور سمجھ جائے گا۔ اور اپنی غلطی سے باز آئے گا۔ اور اگر باوصفِ تفہیم عناد واِستکبار ولداد واِصرار کرے تو ضرور بدمذہب ہے، اسے امام بنانا ہرگز جائز نہیں اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، یہ بھی اس وقت ہے کہ قولِ مذکور بعلتِ وہابیت نہ ہو، ورنہ اب دیوبندیوں نے وہابیہ میں اسلام کا نام نہ رکھا جو ان کے مثل اللہ ورسول کی شدید واضح و(نا) قابلِ تاویل توہینیں کرتے ہیں خود کافر ہیں، ورنہ اتنا ضرور ہے کہ ان توہینوں کے کرنے والوں کو کافر نہیں کہتے یہ ان کے صدقے میں کافر ہوئے علمائے حرمین شریفین دیوبندیوں کی نسبت تحریر فرماچکے کہ من شك فی کفرہ فقد کفر۔ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی (اللہ بچائے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم ۔ص221

کتاب غنیۃ الطالبین شریف

حضور قطب الاقطاب سیدنا ومولانا محبوبِ سبحانی غوث الصمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے رسالہ غنیۃ الطالبین میں مذہبِ

حنفیہ کو گمراہ فرقہ میں مندرج فرمایا ہے اس کو اچھی طرح سے حضور واضح فرماکر تسکین و تشفی بخشیں کہ وسوسہ وخطراتِ نفسانی وشیطانی رفع ہوجائیں؟ عبدالعظیم نامی ضلع غازیپور کے باشندے نے ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جس میں رسالہ تقویۃ الایمان عرف تفویۃ الایمان کے مضمون کو مکتوبات مخدوم الملک رحمۃ اللہ علیہ ومجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور بھی بزرگانِ دین کے مکتوبات سے دکھلایا ہے وثابت کیا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے مکتوبات میں تقویۃ الایمان سے بھی سخت سخت الفاظ نام بنام لکھا ہے کہ اللہ چاہے تو فلاں کو مردود کردے وفرعون ونمرود کو چاہے مقبول کرے، سینکڑوں کعبہ تیار کردے وغیرہ وغیرہ۔

اب خاکسار عرض کرتا ہے کہ یا تو کوئی رسالہ ان کے جواب میں شائع فرمایا ہو تو بذریعہ ریلوے ڈاک پارسل ارسال ہو یا واضح خلاصہ جواب ارقام ہو والسلام مع الاکرام۔

الجواب: اولاً: کتاب غنیۃ الطالبین شریف کی نسبت حضرتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہ خیال ہے کہ وہ سرے سے حضور پُرنور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ہی نہیں مگر یہ نفی مجرد ہے۔ اور امام حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی کہ اس کتاب میں بعض مستحقین عذاب نے اِلحاق کردیا ہے۔

ثانیاً: اسی کتاب میں تمام اَشعریہ یعنی اہلسنت و جماعت کو بدعتی، گمراہ، گمراہ گر لکھا ہے کہ: خلاف ما قالت الاشعریۃ من ان کلام اللہ معنی قائم بنفسہ واللہ حسیب کل مبتدع ضال مضل۔ بخلاف اس کے جو اشاعرہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایسا معنی ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اللہ تعالیٰ ہر بدعتی، گمراہ وگمراہ گر کے لیے کافی ہے۔ (ت)

کیا کوئی ذی انصاف کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ یہ سرکارِ غوثیت کا ارشاد ہے جس کتاب میں تمام اہلسنت کو بدعتی، گمراہ گمراہ گر لکھا ہے اس میں حنفیہ کی نسبت کچھ ہو تو کیا جائے شکایت ہے۔ لہٰذا کوئی محلِ تشویش نہیں۔

ثالثاً: پھر یہ خود صریح غلط اور اِفترا بر اِفترا ہے کہ تمام حنفیہ کو ایسا لکھا ہے غنیۃ الطالبین کے یہاں صریح لفظ یہ ہیں کہ: ھم بعض اصحاب ابی حنیفۃ۔ وہ بعض حنفی ہیں۔

اس سے نہ حنفیہ پر اِلزام آسکتا ہے نہ معاذ اللہ حنفیت پر، آخر یہ تو قطعاً معلوم ہے اور سب جانتے ہیں کہ حنفیہ میں بعض معتزلی تھے، جیسے زمخشری صاحب کشاف وعبدالجبار ومطرزی صاحب مغرب وزاہدی صاحبِ قینہ وحاوی ومجتبیٰ، پھر اس سے حنفیت وحنفیہ پر کیا اِلزام آیا۔ بعض شافعیہ زیدی رافضی ہیں اس سے شافعیہ وشافعیت پر کیا اِلزام آیا۔ نجد کے وہابی سب حنبلی ہیں پھر اس سے حنبلیہ وحنبلیت پر کیا اِلزام آیا، جانے دو رافضی خارجی معتزلی وہابی سب اسلام ہی میں نکلے اور اسلام کے مدعی ہوئے پھر معاذ اللہ اس سے اسلام ومسلمین پر کیا الزام آیا۔ **یہاں چند امور واجبُ اللحاظ ہیں۔**

اولاً: وہ کلمات جو ان کتب سے مخالف نے نقل کیے اسمٰعیل دہلوی کے کلماتِ ملعونہ کے مثل ہوں ورنہ استشہاد مردود، یہاں یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ بعض محتمل لفظ جب کسی مقبول سے صادر ہوں بحکمِ قرآن انہیں معنی حسن پر حمل کریں گے، اور جب کسی مردود سے صادر ہوں جو صریح توہینیں کرچکا ہو تو اس کی خبیث عادت کی بنا پر معنی خبیث ہی مفہوم ہوں گے کہ: کل اناء یترشح بما فیہ صرح بہ الامام ابن حجر المکی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ ہر برتن سے وہی کچھ باہر آتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے، امام حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (ت)

ثانیاً: وہ کتاب محفوظ مصئون ہونا ثابت ہو جس میں کسی دشمنِ دین کے اِلحاق کا احتمال نہ ہو جیسے ابھی غنیۃ الطالبین شریف میں الحاق ہونا بیان ہوا، یونہی امام حجۃ الاسلام غزالی کے کلام میں اِلحاق ہوئے اور حضرت شیخ اکبر کے کلام میں تو اِلحاقات کا شمار نہیں جن کا شافی بیان امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر میں فرمایا اور فرمایا کہ خود میری زندگی میں میری کتاب میں حاسدوں نے اِلحاقات کیے، اسی طرح حضرت حکیم سنائی وحضرت خواجہ حافظ وغیرہما اکابر کے کلام میں اِلحاقات ہونا شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ اثناء عشریہ میں بیان فرمایا، کسی الماری میں کوئی قلمی کتاب ملے اس میں کچھ عبارت ملنی دلیلِ شرعی نہیں کہ بے کم وبیش مصنف کی ہے پھر اس قلمی نسخہ سے چھاپا کریں تو مطبوعہ نسخوں کی کثرت کثرت نہ ہوگی اور ان کی اصل وہی مجہول قلمی ہے جیسے فتوحات مکیہ کے مطبوعہ نسخے۔

ثالثاً: اگر بہ سند ہی ثابت ہو تو تواتر وتحقیق درکار، جب بے تحقیق تام عام مسلمان کلمہ گو کی طرف گناہ کی نسبت ناجائز ہے تو اولیاء کرام کی طرف معاذ اللہ کلمۂ کفر کی نسبت بلا ثبوتِ قطعی کیسے حلال ہوسکتی ہے۔ص 222

مسلمانوں کا اجماع ہے کہ کوئی غیرِ نبی کسی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا، جو کسی غیرِ نبی کو کسی نبی کے ہمسر یا افضل جانے وہ بالاجماع کافر مرتد ہے۔ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا مرتبہ انبیائے بنی اسرائیل یا کسی نبی سے بالا یا برابر ماننا واجب در کنار کفرِ خالص ہے۔ص 228

سیدِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب خود رحمت ہیں تو ان پر رحمت (درود) بھیجنے کا کیا فائدہ ہے؟

حق سبحٰنہ وتعالیٰ جب خود پاک اور منزہ ہے تو پھر اس کی تسبیح (پاکی) بیان کرنے کا کیا فائدہ؟ فائدہ درحقیقت خود ہمارا ہے۔ اسی طرح یہاں (درود بھیجنے میں) بھی ہمارا اپنا فائدہ ہے،) فرمانِ رسول ہے کہ جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر درود وسلام بھیجے، اور وہ خوب جانتا ہے۔ (ت)۔ص 231

عرض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کسی غیر کی جانب سے اللہ تعالیٰ پر کوئی شیء واجب نہیں لیکن وہ خود اگر اپنی رحمت وفضل سے اپنے ذمۂ کرم پر کچھ واجب کرلے تو جائز ہے، یہ کیسا ہے؟

یہ صحیح ہے، اور وہ وجوب نہیں بلکہ اس کا فضل ہے۔ (فرمانِ الٰہی ہے) {كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ} تمہارے رب نے اپنے ذمۂ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے۔ (مزید فرمایا) {وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ} اور ہمارے ذمۂ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا (ت)۔ص 232

(ا) زید باوجود ادعائے صدیقی الوارثی کے حضرت مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتا ہے؟

الجواب: (ا) صورتِ مذکورہ میں زید گمراہ بددین نجدی اسمٰعیلی ہے اور بحکم فقہائے کرام اس پر حکمِ کفر لازم، جس کی تفصیل کتاب ''الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوھابیہ'' سے ظاہر، واللہ تعالیٰ اعلم۔ص 235

(۲) سید احمد رائے بریلوی کو نیک، بزرگ بلکہ ولی جانتا ہے؟

(۲) اگر صراطِ مستقیم کے کلماتِ باطلہ کو باطلہ، کفریہ کو کفریہ، اسمٰعیل دہلوی کو گمراہ بددین جانتا ہے وہابیت سے جُدا ہے تو سید احمد کو صرف بزرگ جاننے سے وہابی نہ ہوگا۔ص236

علمِ غیب کے اِنکار کا حکم

انکارِ علمِ غیب کہ اگر نہ صرف لفظ بلکہ معنی کا اِنکار ہو اور علی الاطلاق ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اَصلاً غیب پر اطلاع نہ دی گئی تو یہ اِنکار بذاتِ خود کفر ہے کہ آیاتِ قرآنیہ و نصوصِ قاطعہ کے علاوہ خود نفسِ نبوتِ حضور کا انکار کیا ہے، امام قسطلانی مواہب اللدنیہ شریف میں فرماتے ہیں: النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب یعنی نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ غیب پر مطلع ہونا۔ص242

مولوی قاسم دیوبندی و مولوی رشید احمد گنگوہی و مولوی اشرف علی تھانوی و مولوی محمود حسن دیوبندی کس مذہب کے لوگ ہیں؟ ان کے ساتھ کیسا خیال رکھنا چاہیے؟

یہ چاروں حضرات عناصرِ اربعۂ دیوبندیت ائمۃ الکفر انھم لاایمان لھم (یہ وہ ہیں جن کے پاس ایمان نہیں۔ت) بکسر ہمزہ میں چہ جائے فتحہ، جواب دوم میں دیوبندیوں کی نسبت علمائے حرمین طیبین کا فتوٰی سُن چکے کہ یہ سب بہ اجماعِ امت کافر مرتد ہیں جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر، اور انہیں اکابر نے تقریظاتِ حسام الحرمین شریف میں جابجا نام بنام بھی ثلثہ سابقہ پر حکمِ کفر فرمائے۔ رہے چوتھے دیوبندی صاحب یہ اُنہیں اگلے تین کے پیچھے ہیں مگر کروڑوں خداؤں کے پوجنے میں آگے ہیں انہوں نے ضمیمہ اخبار نظام الملک 25 اگست 1889ء میں بے تکان چھاپ دیا کہ ان کا خدا چوری کرسکتا ہے۔ص242

بدمذہبوں سے بچنے کا درسِ رضا

مسلمانو! یہ ہیں جو آج تمہارے سامنے مجلسِ مبارک و قیام سے منکر ہیں اب تو سمجھو کہ علتِ اِنکار کیا ہے واللہ واللہ بغضِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، دیکھو خبردار ہوشیار یہ ہیں وہ جن کی خبر حدیث میں دی تھی کہ ذیاب فی ثیاب۔ بھیڑیئے ہوں گے کپڑے پہنے، یعنی ظاہر میں انسانی لباس اور باطن میں گرگ خنّاس۔ اے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بھولی بھیڑو! اپنے دشمن کو پہچانو، نہیں نہیں تمہارے دشمن نہیں تمہارے پیارے مالک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دشمن جنہوں نے وہ ملعون گالیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں لکھیں، چھاپیں اور آج تک اُن پر مُصِر ہیں۔

{قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ} ان کی عداوتِ شدیدہ تو اُن کی باتوں سے ظاہر ہوگئی اور وہ جو اُن کے دلوں میں چھپی ہے بہت زیادہ ہے۔ جو بظاہر اُن خبیث گالیوں کے خود مرتکب نہیں ان سے پوچھ دیکھئے کہ جن خبثاء نے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یوں منہ بھر کر گالیاں دیں وہ مسلمان رہے یا کافر ہوگئے، دیکھو ہرگز ہرگز

انہیں کافر نہ کہیں گے بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل اُلٹی اُن کی حمایت کو تیار ہو جائیں گے، تاویلیں گھڑیں گے بات بنائیں گے، حالانکہ علمائے کرام حرمین شریفین بالاتفاق اُن تمام دشنامیوں کو ایک ایک کا نام لے کر فرما چکے کہ۔ من شك فی عذابه و کفره فقد کفر جو ان کے عذاب اور کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

مسلمانو! جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی پھر اُسے مجلس یا قیام یا کسی مسئلۂ اسلام میں بحث کا کیا موقع رہا۔ کافروں مرتدوں کو اسلامی مسائل میں دخل دینے کا کیا حق۔ مگر یہ ساری دقت اس کی ہے کہ بھائیو! تم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کو ابھی نہ پہچانا، ان کے پاس بیٹھتے ہو، ان کی بات سنتے ہو، ان کی تحریریں دیکھتے ہو، دیکھو یہ تمہارے حق میں زہر ہے، دیکھو تمہارے پیارے مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ واللہ تم سے بڑھ کر تم پر مہربان ہیں، تمہیں ارشاد فرمارہے ہیں کہ: فایّاکم وایّاھم لایضلونکم ولایفتنونکم اُن سے دور بھاگو انہیں اپنے سے دُور کردو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

بھائیو! مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن سے لپٹا رہنا اچھا ہے یا معاذ اللہ ان کے دشمن کے پھندے میں پڑنا۔ اللہ تعالیٰ اُن کا دامن نہ چھڑائے دنیا میں نہ آخرت میں، آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولینا محمد واله وصحبه اجمعین آمین۔ ص251

حضورِ اَقدس علیہ افضل الصلوات والتسلیمات کی صورت شیطان اختیار نہیں کرسکتا

حضورِ اَقدس علیہ افضل الصلوات والتسلیمات کے ساتھ شیطان تمثل نہیں کرسکتا۔ حدیث میں فرمایا۔ من رانی فی المنام فقد رای الحق ان الشیطان لایتمثل بی۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا بے شک اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ (ت) ہاں نیک لوگوں کی شکل بن کر دھوکا دے سکتا ہے بلکہ اپنے آپ کو اِلٰہ ظاہر کرسکتا ہے۔ ص253

اٹھارہ ہزار عالم سے کیا مراد ہے؟

عالم اٹھارہ ہیں اور ہر ایک میں کثرتِ مخلوقات کے سبب اسے ہزار سے تعبیر کیا۔ تینوں موالید جمادات، نباتات، حیوانات، اور چاروں عناصر، اور سات آسمان، اور فلکِ ثوابت، فلکِ اطلس، کرسی، عرش، افادہ الشیخ الاکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ص253

کیا میثاق کے بعد اَرواح معدوم کردی گئی تھیں

بعدِ میثاق {اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ} کیا ارواح معدوم کردی گئی تھیں اور بعدہٗ خلقِ انسان کے وقت پھر خلقِ روح ہوتا ہے، اس میں اہلِ سنت کا کیا عقیدہ ہے اور کیا دلیل؟ اور یہ عقیدہ کس مرتبہ میں ہے اِیقانی اجماعی یا ضروریاتِ اہلسنت سے؟ اس مسئلہ میں علماء کو تردد ہے، ابھی ضرورت ہے۔

الجواب: حاشاللہ، رُوح بعدِ اِیجاد کبھی فنا نہ ہوگی، انما خلقتم للابد (تم ہمیشہ کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ ت) قال

اللہ عزوجل: {وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ} حالانکہ تم مردہ تھے اُس نے تمہیں جلایا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جِلائے گا۔(ت) اگر بعدِ میثاق رُوحیں معدوم کردی گئی ہوتیں تو تین موتیں ہوتیں اور یوں فرمایا جاتا۔{كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ} ثم اماتکم ثم {اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ} تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر مارا، پھر زندہ کیا، پھر مارے گا، پھر زندہ کرے گا۔(ت)

یہ عقیدہ اِجماعی ہے مگر نہ اس درجہ پر واضح کہ جو شخص بحالِ ناواقفی اس کا خلاف کرے اُسے اہلِ سنت سے خارج کیا جائے بلکہ غلط کار خاطی ہے وبس، اوراس پر یہ اِلزام ہے کہ بے جانے لب کشائی کی جرات کی۔ص253

ایمان کی تعریف کیا ہے؟ اور ایمان کامل کیسے ہوتا ہے؟

الجواب: محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہر بات میں سچا جانے، حضور کی حقانیت کو صدقِ دل سے ماننا ایمان ہے جو اس کا مُقِر ہوا سے مسلمان جانیں گے جب کہ اس کے کسی قول یا فعل یا حال میں اللہ و رسول کا انکار یا تکذیب یا توہین نہ پائی جائے اور جس کے دل میں اللہ ورسول جَلَّ وَعَلَا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علاقہ تمام علاقوں پر غالب ہو اللہ ورسول کے محبوں سے محبت رکھے اگر چہ اپنے دشمن ہوں، اور اللہ ورسول کے مخالفوں بدگویوں سے عداوت رکھے اگر چہ اپنے جگر کے ٹکڑے ہوں، جو کچھ دے اللہ کے لیے دے جو کچھ روکے اللہ کے لیے روکے، سو اس کا ایمان کامل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان۔ جس نے اللہ تعالٰی کے لیے محبت کی اور اللہ تعالٰی کے لیے عداوت کی، اور اللہ تعالٰی کے لیے دیا اور اللہ تعالٰی کے لیے روکا، اس کا ایمان کامل ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ص254

رسالہ: التحبیر بباب التدبیر (آرائش کلام مسئلہ تدبیر کے بارے میں)۔ص303

تقدیر وتدبیر کا بیان

فی الواقع عالم میں جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ جل جلالہ کی تقدیر سے ہے۔ قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا) {كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ} ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔ت) وقال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا) {وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ} اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں۔(ت) وقال تعالٰی (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا) {وَلَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ} اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔(ت) الی غیر ذٰلك من الاٰیات والاحادیث (اس کے علاوہ اور بھی آیات واحادیث ہیں۔ت)

مگر تدبیر زنہار معطّل نہیں، دنیا عالمِ اسباب ہے، رب جلَّ مجدُہٗ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق اس میں مسببات کو اَسباب سے ربط دیا اور سنتِ الٰہیہ جاری ہوئی کہ سبب کے بعد مسبب پیدا ہو۔

جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار کی خصلت ہے یونہی تدبیر کو محض عبث ومطرود وفضول ومردود بتانا کسی کھلے گمراہ یا سچے مجنون کا کام ہے جس کی رو سے صدہا آیات واحادیث سے اِعراض اور انبیاء وصحابہ وائمہ واولیاء سب پر طعن واعتراض

لازم آتا ہے، حضراتِ مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین (اللہ کے درود و سلام ہوں ان سب پر) سے زیادہ کس کا توکل اور ان سے بڑھ کر تقدیرِ الٰہی پر کس کا ایمان۔ پھر وہ بھی ہمیشہ تدبیر فرماتے اور اس کی راہیں بتاتے اور خود کسبِ حلال میں سعی کر کے رزقِ طیب کھاتے۔ص304

حدیثوں میں بھی تلاش و تدبیر کی طرف ہدایت فرمائی مگر حکم دیا کہ شریعت و عزت کا پاس رکھو، تدبیر میں بے ہوش و مدہوش نہ ہو جاؤ، دست درکار و دل بایار، تدبیر میں ہاتھ، دل تقدیر کے ساتھ، ظاہر میں ادھر باطن میں ادھر، اسباب کا نام، مسبب سے کام، یوں بسر کرنا چاہیے، یہی روشِ ہُدی ہے، یہی مرضیِ خدا، یہی سنتِ انبیاء، یہی سیرتِ اولیاء علیہم جمیعا الصلوۃ والثناء (ان سب کے لیے درود اور ثناء ہو۔ت) بس اس بارے میں یہی قولِ فیصل و صراطِ مستقیم ہے، اس کے سوا تقدیر کو بھولنا یا حق نہ ماننا، یا تدبیر کو اَصلاً مہمل جاننا دونوں معاذ اللہ گمراہی ضلالت یا جنون و سفاہت، **والعیاذ باللہ رب العٰلمین**۔ص324

* **حلال معاش کی طلب و تلاش کی فضیلتیں۔ص325**

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں بچشمِ خود اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا؟

الجواب: امُ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رؤیت بمعنی احاطہ کا انکار فرماتی ہیں کہ {لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ} سے سند لاتی ہیں اور احادیثِ صحیحہ میں رؤیت کا اِثبات بمعنی اِحاطہ نہیں کہ اللہ عزوجل کو کوئی شے محیط نہیں ہو سکتی وہی ہر شے کو محیط ہے اور اِثبات نفی پر مقدّم۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ص335

خطاء اجتہادی دو قسم ہے

اہلِ سنت کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خطا خطاء اجتہادی تھی، اجتہاد پر طعن جائز نہیں، خطاء اجتہادی دو قسم ہے، مقرّر و منکر، مقرّر وہ جس کے صاحب کو اُس پر برقرار رکھا جائے گا اور اُس سے تعرّض نہ کیا جائے گا، جیسے حنفیہ کے نزدیک شافعی المذہب مقتدی کا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا، اور منکر وہ جس پر انکار کیا جائے گا جب کہ اس کے سبب کوئی فتنہ پیدا ہوتا ہو جیسے اَجلہ اصحابِ جمل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ قطعی جنتی ہیں اور ان کی خطاء یقیناً اجتہادی جس میں کسی نامِ سنیت لینے والے کو محلِ لب کشائی نہیں، بایں ہمہ اس پر انکار لازم تھا جیسا امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کیا باقی مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مداخلت حرام ہے، حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اذا ذکر اصحابی فامسکوا**۔ جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو زبان روکو۔ص335

حق بدستِ حیدرِ کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار

بالجملہ ہم اہلِ حق کے نزدیک حضرتِ امام بخاری کو حضور پُرنور امامِ اعظم سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور پُرنور امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا ومولٰنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی سے کہ فرقِ مراتب بے شمار اور حق بدستِ حیدرِ کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن اُن پر بھی کارِ فجّار، جو معاویہ کی حمایت میں عیاذاً باللہ اسدُ اللہ کے سبقت واَولیت وعظمت واَکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ ناصبی یزیدی، اور جو علی کی محبت میں معاویہ کی صحابیت ونسبتِ بارگاہِ حضرت رسالت بُھلادے وہ شیعی زیدی، یہی روشِ آداب بحمدِ اللہ تعالےٰ ہم اہلِ توسط واِعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے، یہی نسبت ہمارے نزدیک امام ابنُ الجوزی کو حضور سیّدنا غوثِ اعظم اور مولانا علی قاری کو حضرت خاتمِ ولایتِ محمدیہ شیخِ اکبر سے ہے، نہ ہم بخاری وابنِ جوزی وعلی قاری کے اِعتراضوں سے شانِ رفیع امامِ اعظم وغوثِ اعظم وشیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کچھ اَثر سمجھیں نہ ان حضرات سے کہ بوجہ خطائی الفہم معترض ہوئے اُلجھیں، ہم جانتے ہیں کہ ان کا منشاءِ اعتراض بھی نفسانیت نہ تھا بلکہ ان اَکابر محبوبانِ خدا کے مدارکِ عالیہ تک درسِ ادراک نہ پہنچنا لاجرم اِعتراض باطل اور معترض معذور، اور معترض علیہم کی شان اَرفع و اَقدس۔ (جلد10،ص201)

رسالہ: اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفٰی والال والاصحاب (اَحباب کا اِعتقادِ جمیل (اللہ تعالیٰ) مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کی آل اور اصحاب کے بارے میں)۔ص340

ملائکہ مقربین اصحاب سیّد المرسلین واہلِ بیت کرام کے متعلق عقائد

عقیدۂ رابعہ ________ اعلیٰ طبقہ، ملائکہ مقربین

ان (انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام) کے بعد اعلیٰ طبقہ ملائکہ مقربین کا ہے مثلِ ساداتنا وموالینا (مثلاً ہمارے سرداروں اور پیش رو مددگاروں میں سے حضرت) جبرائیل (جن کے ذمہ پیغمبروں کی خدمت میں وحیِ الٰہی لانا ہے) و (حضرت) میکائیل (جو پانی برسانے والے اور مخلوقِ خدا کو روزی پہنچانے پر مقرر ہیں) و (حضرت) اسرافیل (جو قیامت کو صور پھونکیں گے) و (حضرت) عزرائیل (جنہیں قبضِ اَرواح کی خدمت سپرد کی گئی ہے) وحَمَلَۂ (یعنی حاملانِ) عرشِ جلیل، صلواتُ اللہ و سلامہ علیہم اجمعین، ان کے علوِ شان ورفعتِ مکان (شوکت وعظمت اور عالی مرتبت) کو بھی کوئی ولی نہیں پہنچتا (خواہ کتنا ہی مقربِ بارگاہِ اَحدیّت ہو) اور ان کی جناب میں گستاخی کا بھی بعینہٖ وہی حکم (جو انبیاء مرسلین کی رفعت پناہ بارگاہوں میں گستاخی کا ہے کہ کفرِ قطعی ہے ان ملائکہ مقربین میں بالخصوص) جبرئیل علیہ السلام مِن وَجہٍ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استاذ (عہ ا) ہیں قال تعالیٰ {عَلَّمَهٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی} (سکھایا ان کو یعنی سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سخت قوتوں والے طاقتور نے، یعنی جبرائیل علیہ السلام نے جو قوت واِجلالِ خداوندی کے مظہرِ اَتم، قوتِ جسمانی وعقل ونظر کے اعتبار سے کامل وحیِ الٰہی کے بار

کے متحمل، چشمِ زدن میں سدرۃ المنتہٰی تک پہنچ جانے والے جن کی دانشمندی اور فراستِ ایمانی کا یہ عالم کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بارگاہوں میں وحیِ الٰہی لے کر نزولِ اجلال فرماتے اور پوری دیانتداری سے اس امانت کو ادا کرتے رہے)

ع۱: قال الامام الفخر الرازی وقوله{شَدِيْدُ الْقُوٰى} فيه فوائد الاولىٰ ان مدح المعلم مدح المتعلم فلو قال علمه جبرائيل ولم يصفه ما كان يحصل للنبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم به فضيلة ظاهرة. الثانية هی ان فيه ردّاً عليهم حيث قالوا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ سمعها وقت سفره الى الشام فقال لم يعلمه احد من الناس بل معلمه شديد القوى ۔الخ ولهذا قال الامام احمد رضا ما قال وهو حق ثابت، والله اعلم ۔ العبد محمد خليل عفی عنه

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد {شَدِيْدُ الْقُوٰى} میں کئی فائدے ہیں، پہلا فائدہ یہ ہے کہ معلّم کی مدح متعلم کی مدح ہوتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا کہ اس کو جبرائیل نے سکھایا ہے، اور وصف {شَدِيْدُ الْقُوٰى} سے اس کو متصف نہ فرماتا تو اس سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فضیلت ظاہرہ حاصل نہ ہوتی، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں رد ہے ان لوگوں کا جنہوں نے کہا یہ پہلے لوگوں کے قصے ہیں جن کو انہوں نے شام کی طرف سفر کے دوران سُن لیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں لوگوں میں سے کسی نے نہیں سکھایا ان کا معلّم تو {شَدِيْدُ الْقُوٰى} ہے الخ، اسی لیے امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے جو کہا ہے وہ حق ثابت ہے۔(ت)

پھر وہ کسی کے شاگرد کیا ہوں گے جسے ان کا استاذ بنایئے۔ اسے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استاذ الاستاذ ٹھہرایئے یہ وہی ہیں جنہیں حق تبارک وتعالیٰ رسولٌ كريمٌ ،مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ فرماتا ہے۔ (کہ وہ عزت والے مالکِ عرش کے حضور بڑی عزت والے ہیں ملاءِ اعلیٰ کے مقتداء کہ تمام ملائکہ ان کے اطاعت گزار و فرماں بردار، وحیِ الٰہی کے امانت دار، کہ ان کی امانت میں کسی کو مجالِ حرف زدن نہیں پیام رسانیِ وحی میں اِمکان نہ سہو کا نہ کسی غلط فہمی وغلطی کا اور نہ کسی سہل پسندی اور غفلت کا، منصبِ رسالت کے پوری طرح متحمل، اَسرار واَنوار کے ہر طرح محافظ، فرشتوں میں سب سے اونچا ان کا مرتبہ ومقام اور قربِ قبول پر فائز المرام، وہ صاحبِ عزت واحترام کہ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا دوسرے کے خادم نہیں۔ ص352

عقیدہ خامسہ ______ اصحاب سیّد المرسلین واہلِ بیت کرام

ان (ملائکہ مرسلین وساداتِ فرشتگان مقربین) کے بعد (بڑی عزت ومنزلت اور قُربِ قبولِ اَحدیت پر فائز) اصحابِ سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، (اہلسنت کے خواص تو خواص، عوام تک) ان سب کو بالاجمال (کہ کوئی فرد ان کا شمول سے نہ رہ جائے، اَز اوّل تا آخر) پرلے درجے کا بر وتقی (نیکوکار متقی) جانتے اور تفاصیل احوال (کہ کس نے کس کے ساتھ کیا کیا اور کیوں کیا، اس) پر نظر حرام مانتے (ہیں) جو فعل (ان حضراتِ صحابہ کرام میں سے) کسی کا اگر ایسا منقول بھی ہوا جو نظرِ قاصر (ونگاہِ کوتاہ بیں) میں ان کی شان سے قدرے گرا ہوا ٹھہرے (اور کسی کوتاہ نظر کو اس میں حرف زنی کی گنجائش ملے) اسے محملِ حسن پر اُتارتے ہیں۔ (اور اسے ان کے خلوصِ قلب وحسنِ نیت پر محمول کرتے ہیں) اور اللہ کا سچا قول {رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ} سُن کر

آئینۂ دل میں زنگِ تفتیش کو جگہ نہیں دیتے۔(اور تحقیقِ احوالِ واقعی کے نام کا میل کچیل، دل کے آئینے پر چڑھنے نہیں دیتے)رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیہ وسلم حکم فرما چکے۔**اذا ذکر اصحابی فامسکوا** ۔جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو باز رہو(سُوءِ عقیدت و بدگمانی کو قریب نہ پھٹکنے دو،تحقیقِ حال و تفتیشِ مآل میں نہ پڑو)ناچار اپنے آقا کا فرمانِ عالی شان،اور یہ سخت وعیدیں،ہولناک تہدیدیں(ڈراوے اور دھمکیاں)سُن کر زبان بند کرلی اور دل کو سب کی طرف سے صاف کرلیا۔(اور بلاچوں و چرا)جان لیا کہ ان کے رُتبے ہماری عقل سے وراء ہیں پھر ہم اُن کے معاملات میں کیا دخل دیں ان میں جو مشاجرات (صورۃً نزاعات واختلافات)واقع ہوئے ہم ان کا فیصلہ کرنے والے کون؟

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند۔

(تُو خاک نشین گداگر ہے اے حافظ!شور مت کر کہ اپنی سلطنت کے بھید بادشاہ جانتے ہیں)

(ع۔۔تیرا منہ ہے کہ تُو بولے یہ سرکاروں کی باتیں ہیں)

حاشا کہ ایک کی طرف داری میں دوسرے کو بُرا کہنے لگیں،یا ان نزاعوں میں ایک فریق کو دنیا طلب ٹھہرائیں بلکہ بالیقین جانتے ہیں کہ وہ سب مصالحِ دین کے خواستگار تھے(اسلام و مسلمین کی سربلندی ان کا نصبُ العین تھی پھر وہ مجتہد بھی تھے،تو)جس کے اجتہاد میں جو بات دینِ الٰہی وشرعِ رسالت پناہی جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اَصلح وانسب (زیادہ مصلحت آمیز اور احوالِ مسلمین سے مناسب تر)معلوم ہوئی،اختیار کی،گو اجتہاد میں خطا ہوئی اور ٹھیک بات ذہن میں نہ آئی۔لیکن وہ سب حق پر ہیں(اور سب واجبُ الاحترام)ان کا حال بعینہٖ ایسا ہے جیسا فروعِ مذہب میں(خود علمائے اہلسنت بلکہ ان کے مجتہدین مثلاً امام اعظم)ابوحنیفہ(امام)شافعی(وغیرہما)کے اختلافات نہ ہرگز ان منازعات کے سبب،ایک دوسرے کو گمراہ فاسق جاننا نہ ان کا دشمن ہوجانا(جس کی تائید مولیٰ علی کے اس قول سے ہوتی ہے کہ:**اخواننا بغوا علینا** ۔یہ سب ہمارے بھائی ہیں کہ ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں کو تو یہ دیکھنا چاہیے کہ سب حضرات آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاں نثار اور سچے غلام ہیں،خدا و رسول کی بارگاہوں میں معظم ومعزز اور آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے ہیں **اصحابی کالنجوم** ۔

بالجملہ ارشاداتِ خدا اور رسول عزّ مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے(اس پاک فرقہ اہلِ سنّت و جماعت نے اپنا عقیدہ اور)اتنا یقین کرلیا کہ سب(صحابہ کرام)اچھے اور عدل وثقہ،تقی،نقی ابرار(خاصانِ پروردگار)ہیں۔اوران(مشاجرات ونزاعات کی)تفاصیل پر نظر گمراہ کرنے والی ہے،نظیر اس کی عصمتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والثناء ہے کہ اہلِ حق(اہلِ اسلام،اہلسنت وجماعت)شاہراہِ عقیدت پر چل کر(منزلِ)مقصود کو پہنچے۔اور اربابِ(غوایت واہلِ)باطل تفصیلوں میں خوض(و ناحق غور)کرکے مغاک(ضلالت اور)بددینی(کی گمراہیوں)میں جا پڑے کہیں دیکھا{**وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى**}(کہ اس میں عصیاں اور بظاہر تعمیل حکمِ ربانی سے رُوگردانی کی نسبت حضرتِ آدم علیہ السلام کی جانب کی گئی ہے۔)کہیں سنا{**لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ**}(جس سے ذنب یعنی گناہ وغفرانِ ذنب یعنی بخششِ گناہ کی نسبت کا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جنابِ والا کی جانب گمان ہوتا ہے)کبھی موسیٰ(علیہ السلام)وقبطی(قومِ فرعون)کا قصہ یاد آیا(کہ آپ نے

قبطی کو آمادۂ ظلم پا کر ایک گھونسا مارا اور وہ قبطی قعرِ گور میں پہنچا۔کبھی (حضرتِ) داؤد (علیہ الصلوۃ والسلام اور اُن کے ایک اُمتی) اوریّاہ کا فسانہ سُن پایا (حالانکہ یہ الزام تھا یہود کا حضرت داؤد علیہ السلام پر، جسے انہوں نے خوب اُچھالا اور زبان زدِ عوام الناس ہوگیا۔حتی کہ بر بنائے شہرت، بلا تحقیق و تفتیشِ احوال بعض مفسرین نے اس واقعہ کو مِنْ وعَنْ بیان فرما دیا، جب کہ امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ میری تحقیق میں سراسر باطل ولغو ہے۔

غرض بے عقل بے دینوں اور بے دین بدعقلوں نے یہ افسانہ سُن پایا تو) لگے چوُن وچرا کرنے تسلیم وگردن نہادوں کے زینہ سے اُترنے پھر ناراضیِ خدا اور سول کے سوا اور بھی کچھ پھل پایا؟ اور (اُلٹا) {خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا} (اورتم بے ہودگی میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے اور اِتباعِ باطل میں ان کی راہ اختیار کی) نے {وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ} (مگر عذاب کا قول کافروں پر ٹھیک اُترا) کا دن دکھایا{اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ ، اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ} (مسلمان ہمیشہ یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کبیرہ گناہوں سے مطلقاً اور گناہِ صغیرہ کے عمداً اِرتکاب، اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعثِ نفرت ہو اور مخلوقِ خدا ان کے باعث ان سے دُور بھاگے نیز ایسے افعال سے جو وجاہت ومروت اور معززین کی شان ومرتبہ کے خلاف ہیں قبلِ نبوت اور بعدِ نبوت بالا جماع معصوم ہیں) اللّٰھم اثبات علی الھدی انك انت العلی الاعلی۔(اے اللہ! ہم تجھ سے ہدایت پر ثابت قدمی مانگتے ہیں، بے شک تُو ہی بلند و برتر ہے)

صحابہ کرام کے باب میں یاد رکھنا چاہیے کہ (وہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم انبیاء نہ تھے، فرشتے نہ تھے کہ معصوم ہوں، ان میں سے بعض حضرات سے لغزشیں صادر ہوئیں مگر ان کی کسی بات پر گرفت اللہ ورسول کے احکام کے خلاف ہے۔

اللہ عزوجل نے سورۂ حدید میں صحابۂ سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں۔

(۱) {مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ} (۲) {الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا} یعنی ایک وہ کہ قبل فتحِ مکہ مشرف بایمان ہوئے راہِ خدا میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا جب کہ ان کی تعداد بھی بہت قلیل تھی۔اور وہ ہر طرح ضعیف و درماندہ بھی تھے، انہوں نے اپنے اوپر جیسے جیسے شدید مجاہدے گوارا کر کے اور اپنی جانوں کو خطروں میں ڈال ڈال کر، بے دریغ اپنا سرمایہ اسلام کی خدمت کی نذر کر دیا۔یہ حضرات مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین ہیں، ان کے مراتب کا کیا پوچھنا۔

دوسرے وہ کہ بعد فتحِ مکہ ایمان لائے، راہِ مولا میں خرچ کیا اور جہاد میں حصہ لیا، ان اہلِ ایمان نے اس اخلاص کا ثبوت جہادِ مالی و قتالی سے دیا، جب اسلامی سلطنت کی جڑ مضبوط ہوچکی تھی اور مسلمان کثرتِ تعداد اور جاہ و مال ہر لحاظ سے بڑھ چکے تھے، اَجر اُن کا بھی عظیم ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان سابقون اوّلون والوں کے درجہ کا نہیں، اسی لیے قرآنِ عظیم نے ان پہلوں کو ان پچھلوں پر تفضیل دی۔اور پھر فرمایا: {كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى} ان سب سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔کہ اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے اجر ملے گا سب ہی کو، محروم کوئی نہ رہے گا، اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ان کے حق میں فرماتا ہے: {اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ} وہ جہنم سے دُور رکھے گئے ہیں۔{لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا} وہ جہنم کی بھنک تک نہ سُنیں گے۔{وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ} وہ ہمیشہ اپنی من مانتی جی بھاتی مرادوں میں رہیں گے۔{لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ}

قیامت کی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی۔ {تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ} فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ {هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ} یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایاتِ کاذبہ ہیں ارشادِ الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہلِ اسلام کا کام نہیں، رب عزوجل نے اسی آیتِ حدید میں اس کا منہ بھی بند کردیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کرکے ساتھ ہی ارشاد فرمادیا۔ {وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ} اور اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرو گے۔

بایں ہمہ اس نے تمہارے اعمال جان کر حکم فرمادیا کہ وہ تم سب سے جنتِ بے عذاب وکرامات وثوابِ بے حساب کا وعدہ فرماچکا ہے، تو اب دوسرے کو کیا حق رہا کہ ان کی کسی بات پر طعن کرے، کیا طعن کرنے والا، اللہ تعالیٰ سے جُدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے، اس کے بعد جو کوئی کچھ بکے وہ اپنا سر کھائے اور خود جہنم میں جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: جو حضرتِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کُتوں میں سے ایک کُتا ہے۔

تنبیہ ضروری

اہلِ سنت کا یہ عقیدہ کہ **ونکف عن ذکر الصحابۃ الابخیر**۔ یعنی صحابہ کرام کا جب بھی ذکر ہو تو خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض ہے، انھیں صحابہ کرام کے حق میں جو ایمان وسنت واسلامِ حقیقی پر تادمِ مرگ ثابت قدم رہے اور صحابہ کرام، جمہور کے خلاف، اسلامی تعلیمات کے مقابل، اپنی خواہشات کے اتباع میں کوئی نئی راہ نہ نکالی اور وہ بدنصیب کہ اس سعادت سے محروم ہوکر اپنی دُکان الگ جما بیٹھے اور اہلِ حق کے مقابل، قتال پر آمادہ ہوگئے، وہ ہرگز اس کا مصداق نہیں اس لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جنگ جمل وصفین میں جو مسلمان ایک دوسرے کے مقابل آئے ان کا حکم خطائے اجتہادی کا ہے، لیکن اہلِ نہروان جو مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی تکفیر کرکے بغاوت پر آمادہ ہوئے وہ یقیناً فساق، فجار، طاغی وباغی تھے اور ایک نئے فرقہ کے ساعی وساتھی جو خوارج کے نام سے موسوم ہوا اور اُمّت میں نئے فتنے اب تک اسی کے دم سے پھیل رہے ہیں۔ (سراج العوارف وغیرہ)۔ ص358

فائدہ جلیلہ

مانی ہوئی باتیں چار (۴) قسم ہوتی ہیں۔

(۱) ضروریاتِ دین: ان کا ثبوت قرآنِ عظیم یا حدیثِ متواتر یا اِجماع قطعیات الدلالات واضحۃُ الافادات سے ہوتا ہی جن میں نہ شبہے کی گنجائش نہ تاویل کو راہ۔ اور ان کا منکر یا ان میں باطل تاویلات کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔

(۲) ضروریاتِ مذہبِ اہلسنت وجماعت: ان کا ثبوت بھی دلیلِ قطعی سے ہوتا ہے مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوعِ شبہہ اور تاویل کا اِحتمال ہوتا ہے اسی لئے ان کا منکر کافر نہیں بلکہ گمراہ، بدمذہب، بددین کہلاتا ہے۔

(۳) ثابتاتِ محکمہ: ان کے ثبوت کو دلیلِ ظنی کافی، جب کہ اس کا مفاد اکبر رائے ہو کہ جانبِ خلاف کو مطروح ومضمحل اور التفاتِ

خاص کے ناقابل بنادے۔ اس کے ثبوت کے لیے حدیثِ احاد، صحیح یا حسن کافی، اور قولِ سوادِ اعظم و جمہور علماء کا سندِ وافی، فانّ یدالله علی الجماعة (اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت جماعت پر ہوتا ہے۔ت) ان کا منکر وضوحِ اَمر کے بعد خاطی و آثم خطا کار و گناہگار قرار پاتا ہے، نہ بددین وگمراہ نہ کافر وخارج اَز اسلام۔

(۴) ظنّیات محتملہ: ان کے ثبوت کے لیے ایسی دلیلِ ظنّی بھی کافی، جس نے جانبِ خلاف کے لیے بھی گنجائش رکھی ہو، ان کے منکر کو صرف مُخطی وقصوروار کہا جائے گا نہ گنہگار، چہ جائیکہ گمراہ، چہ جائیکہ کافر۔

ان میں سے ہر بات اپنے ہی مرتبے کی دلیل چاہتی ہے جو فرقِ مراتب نہ کرے اور ایک مرتبے کی بات کو اس سے اعلیٰ درجے کی دلیل مانگے وہ جاہل بےوقوف ہے یا مکّار فیلسوف۔۔ع ہر سخن وقتے ہر نکتہ مقامے دارد (ہر بات کا کوئی وقت اور ہر نکتے کا کوئی خاص مقام ہوتا ہے۔ت) اور۔۔ع گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی (اگر تُو مراتب کے فرق کو ملحوظ نہ رکھے تو زندیق ہے۔ت) اور بالخصوص قرآنِ عظیم بلکہ حدیث ہی میں تصریح صریح ہونے کی تو اَصلاً ضرورت نہیں حتّٰی کہ مرتبہ اعلیٰ اَعنی ضروریاتِ دین میں بھی۔ بہت باتیں ضروریاتِ دین سے ہیں جن کا منکر یقیناً کافر مگر بالتصریح ان کا ذکر آیات و احادیث میں نہیں، مثلاً باری عزوجل کا جہل محال ہونا۔ قرآنِ عظیم میں اللہ عزوجل کے علم و اِحاطہ کا لاکھ جگہ ذکر ہے مگر اِمتناع و اِمکان کی بحث کہیں نہیں پھر کیا جو شخص کہے کہ واقع میں تو بےشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، عالم الغیب والشھادۃ ہے، کوئی ذرّہ اس کے علم سے چھپا نہیں مگر ممکن ہے کہ جاہل ہو جائے تو کیا وہ کافر نہ ہوگا کہ اس کے اِمکان کا سلبِ صریح قرآن میں مذکور نہیں۔ حاش للہ! ضرور کافر ہے اور جو اسے کافر نہ کہے خود کافر، تو جب ضروریاتِ دین ہی کے ہر جزئیہ کی تصریح صریح، قرآن و حدیث میں ضرور نہیں تو ان سے اُتر کر اور کسی درجے کی بات پر یہ مڑ چڑاپن کہ ہمیں تو قرآن ہی میں دکھاؤ ورنہ ہم نہ مانیں گے، نِری جہالت ہے یا صریح ضلالت، مگر جنون وتعصب کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

تو خوب کان کھول کر سُن لو اور لوحِ دل پر نقش رکھو کہ جسے کہتا سنو: ہم اماموں کا قول نہیں جانتے ہمیں تو قرآن و حدیث چاہیے۔ جان لو کہ یہ گمراہ ہے، اور جسے کہتا سنو کہ ہم حدیث نہیں جانتے ہمیں صرف قرآن درکار ہے سمجھ لو کہ یہ بددین، دینِ خدا کا بدخواہ ہے۔ مسلمانو! تم ان گمراہوں کی ایک نہ سُنو۔ اور جب تمہیں قرآن میں شبہہ ڈالیں تم حدیث کی پناہ لو، اگر حدیث میں ایں و آں نکالیں تم ائمہ دین کا دامن پکڑو، اس درجے پر آکر حق و باطل صاف کھل جائے گا اور ان گمراہوں کا اُڑایا ہوا، سارا غبار حق کے برستے ہوئے بادلوں سے دُھل جائے گا اور اس وقت یہ ضال، مضل طائفے بھاگتے نظر آئیں گے {كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ} گویا وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہوں کہ شیر سے بھاگے ہوں۔ص385

عوام مومنین سے عوام ملائکہ کا مرتبہ زیادہ ہے یا نہیں؟ عوام مومنین کی تشریح فرمائیں۔

الجواب: حدیث میں ہے رب العزۃ جل وعلا فرماتا ہے: عبدی المؤمن احب الیّ من بعض ملئکتی۔ میرا مسلمان بندہ مجھے میرے بعض فرشتوں سے زیادہ پیارا ہے۔ ہمارے رسول ملائکہ کے رسولوں سے افضل ہیں، اور ملائکہ کے رسول ہمارے اولیاء سے افضل ہیں، اور ہمارے اولیاء عوام ملائکہ یعنی غیر رُسل سے اَفضل ہیں اور یہاں عوام مومنین سے یہی مراد ہے، نہ فسّاق و

فجار کہ ملائکہ سے کسی طرح اَفضل نہیں ہوسکتے، انسان صفتِ ملکوتی وبہیمی وسبعی وشیطانی سب کا جامع ہے جوصفت اس پر غلبہ کرے گی اس کے منسوب الیہ سے زائد ہوجائے گا کہ اگر ملکوتی صفت غالب ہوئی کروڑوں ملائکہ سے افضل ہوگا اور بہیمی غالب ہوئی تو بہائم سے بدتر {اُولٰٓىٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ} (جو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ ہیں۔ت) یونہی سبعی و شیطانی وہابیہ کو دیکھو، شیطان کہ ان سے سبق لیتا ہے، ابلیس کو ہزاروں برس کی عمر میں نہ سوجھی تھیں جو انہیں سوجھتی ہیں۔ص 391

رسالہ: خالصُ الاعتقاد (اعتقادِ خالص)۔ص433

علمِ غیب سے متعلق اجماعی مسائل

(۱) بلاشبہ غیرِ خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں اس قدر خود ضروریاتِ دین سے اور منکر کافر۔

(۲) بلاشبہ غیرِ خدا کا علم معلوماتِ الٰہیہ کو حاوی نہیں ہوسکتا۔

(۳) یوں ہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے یہ بھی ضروریاتِ دین سے ہے جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔

(۴) اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضلِ جلیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ تمام انبیاء وتمام جہان سے اَتم واَعظم ہے، اللہ عزوجل کی عطا سے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے۔ص450

علمِ غیب کی اختلافی حدود اور مسلکِ عُرفاء

ان تمام اِجماعات کے بعد ہمارے علماء میں اختلاف ہوا کہ بے شمار علومِ غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوبِ اَعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے آیا وہ روزِ اوّل سے یومِ آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عمومِ آیات واحادیث کا مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے۔

بہت اہلِ ظاہر جانبِ خصوص گئے ہیں، کسی نے کہا متشابہات کا، کسی نے کہا خمس کا، کسی نے کہا ساعت کا، اور عام علماءِ باطن اور ان کے اَتباع سے بکثرت علماءِ ظاہر نے آیات واحادیث کو ان کے عموم پر رکھا ما کان وما یکون بمعنی مذکور میں اَزانجا کہ غایت میں دخول وخروج دونوں محتمل ہیں، ساعت داخل ہو یا نہیں بہر حال یہ مجموعہ بھی علومِ الٰہیہ سے ایک بعض خفیف بلکہ ''انباءِ المصطفٰی'' حاضر ہے۔ یہ خاص مسئلہ جس طرح ہمارے علماء اہلسنت میں دائر ہے مسائلِ خلافیہ اشاعرہ وماتریدیہ کے مثل ہے کہ اَصلاً محلِ لوم نہیں۔ ہاں ہمارا مختار قولِ اَخیر ہے جو عام عرفائے کرام وبکثرت اَعلام کا مسلک ہے، اس بارے میں بعض آیات واحادیث واقوالِ ائمہ حضرات کو فقیر کے رسالہ ''انباءِ المصطفٰی'' میں ملیں گے، اور اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر وما کان وما یکون وغیرہ رسائلِ فقیر میں بحمد اللہ تعالیٰ کثیر و وافر ہیں اور اقوالِ اولیائے کرام وعلمائے عظام کی کثرت تو اس درجہ ہے کہ ان کے شمار کو ایک دفترِ عظیم درکار، یہاں بطورِ نمونہ صرف بعض اِشاراتِ ائمہ پر اقتصار، وما توفیقی الا باللہ العزیز الغفار

حدیثِ صحیح جامع ترمذی جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: '' تجلّٰی کلُّ شیءٍ وَعَرَفْتُ۔ ہر چیز مجھ پر

روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لی۔ص453

مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں

ایک: ضروریاتِ دین اُن کا منکر بلکہ اُن میں اَدنیٰ شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

دوم: ضروریاتِ عقائدِ اہلسنت، ان کا منکر بد مذہب گمراہ ہوتا ہے۔

سوم: وہ مسائل کہ علمائے اہلسنت میں مختلف فیہ ہوں اُن میں کسی طرف تکفیر و تضلیل ممکن نہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اپنے خیال میں کسی قول کو راجح جانے خواہ تحقیقاً یعنی دلیل سے اسے وہی مرجح نظر آیا خواہ تقلیداً کہ اُسے اپنے نزدیک اکثر علماء یا اپنے معتمد علیہم کا قول پایا۔ کبھی ایک ہی مسئلہ کی صورتوں میں یہ تینوں قسمیں موجود ہوجاتی ہیں۔

مثلاً اللہ عزوجل کے لیے ید وعَین کا مسئلہ: قال اللّٰه تعالیٰ {یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ} (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ت) وقال تعالیٰ: {وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَیْنِیْ} ۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس لیے کہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو۔ت) ید ہاتھ کو کہتے ہیں، عین آنکھ کو۔ اب جو یہ کہے کہ جیسے ہمارے ہاتھ آنکھ ہیں ایسے ہی جسم کے ٹکڑے اللہ عزوجل کے لیے ہیں وہ قطعاً کافر ہے اللہ عزوجل کا ایسے یدوعین سے پاک ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، اور جو کہے کہ اس کے یدوعین بھی ہیں تو جسم ہی مگر نہ مثلِ اَجسام، بلکہ مشابہتِ اجسام سے پاک و منزہ ہیں وہ گمراہ بددین کہ اللہ عزوجل کا جسم و جسمانیات سے مطلقاً پاک و منزہ ہونا ضروریاتِ عقائدِ اہلسنت و جماعت سے ہے، اور جو کہے کہ اللہ عزوجل کے لیے یدوعین ہیں کہ مطلقاً جسمیت سے بری و مبرا ہیں وہ اس کی صفاتِ قدیمہ ہیں جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے نہ اُن میں تاویل کریں وہ قطعاً مسلم سُنّی صحیح العقیدہ ہے اگرچہ یہ عدمِ تاویل کا مسئلہ اہلسنت کا خلافیہ ہے متاخرین نے تاویل اختیار کی پھر اس سے نہ یہ گمراہ ہوئے نہ وہ کہ اِجرا علی المظاہر بمعنی مذکور کرتے ہیں جس کا حاصل صرف اتنا کہ {اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا} (ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ت)

بعینہٖ یہی حالت مسئلۂ علمِ غیب کی ہے۔ اس میں بھی تینوں قسم کے مسائل موجود ہیں۔

(۱) اللہ عزوجل ہی عالم بالذات ہے اُس کے بتائے ایک حرف کوئی نہیں جان سکتا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو اللہ عزوجل نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اوروں سے زائد ہے ابلیس کا علم معاذ اللہ علمِ اَقدس سے ہرگز وسیع تر نہیں۔

(۴) جو علم اللہ عزوجل کی صفتِ خاصہ ہے جس میں اُس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شریک کرنا بھی شرک ہو وہ ہرگز ابلیس کے لیے نہیں ہوسکتا جو ایسا مانے قطعاً مشرک کافر ملعون بندۂ ابلیس ہے۔

(۵) زید و عمرو ہر بچے پاگل، چوپائے کو علمِ غیب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مماثل کہنا حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صریح توہین اور کھلا کفر ہے، یہ سب مسائل ضروریاتِ دین سے ہیں اور اُن کا منکر اِن میں اَدنیٰ شک لانے والا قطعاً کافر، یہ قسمِ اول ہوئی۔

(۱) اولیاء کرام نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم فی الدارین کو بھی کچھ علومِ غیب ملتے ہیں مگر بوساطت رُسل علیہم الصلٰوۃ والسلام۔ معتزلہ خذلھم اللہ تعالٰی کہ صرف رسولوں کے لیے اِطلاعِ غیب مانتے اور اولیاء کرام رضی اللہ تعالٰی عنھم کا علومِ غیب کا اَصلاً حصہ نہیں مانتے گمراہ ومبتدع ہیں۔

(۲) اللہ عزوجل نے اپنے محبوبوں خصوصاً سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم کو غیوبِ خمسہ سے بہت جزئیات کا علم بخشا جو یہ کہے کہ خمس میں سے کسی فرد کا علم کسی کو نہ دیا گیا ہزارہا احادیثِ متواترۃ المعنٰی کا منکر اور بدمذہب خاسر ہے، یہ قسم دوم ہوئی۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تعیینِ وقتِ قیامت کا بھی علم ملا۔

(۲) حضور کو بلا استثناء جمیع جزئیاتِ خمس کا علم ہے۔

(۳) جملہ مکنوناتِ قلم ومکتوباتِ لوح بالجملہ روزِ اول سے روزِ آخر تک تمام ما کان وما یکون مندرجہ لوحِ محفوظ اور اس سے بہت زائد کا علم ہے جس میں ماورائے قیامت تو جملہ افرادِ خمس داخل اور دربارۂ قیامت اگر ثابت ہو کہ اس کی تعیینِ وقت بھی درجِ لوح ہے تو اسے بھی شامل، ورنہ دونوں احتمال حاصل۔

(۴) حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حقیقتِ روح کا بھی علم ہے۔

(۵) جملہ متشابہاتِ قرآنیہ کا بھی علم ہے، یہ پانچوں مسائل قسم سوم سے ہیں کہ ان میں خود علماء وآئمہ اہلِ سنت مختلف رہے ہیں جس کا بیان بعونہٖ تعالٰی عنقریب واضح ہوگا ان میں مثبت ونافی کسی پر معاذ اللہ کفر کیا معنی ضلال یا فسق کا بھی حکم نہیں ہوسکتا جب کہ پہلے سات مسئلوں پر ایمان رکھتا ہو اور ان پانچ کا انکار اُس مرضِ قلب کی بنا پر نہ ہو جو وہابیہ قاتلھم اللہ تعالٰی کے نجس دلوں کو ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل سے جلتے اور جہاں تک بنے تنقیص وکمی کی راہ چلتے ہیں، {فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا} ولاھل السنۃ من اللہ احمد رضا امین۔ (ان کے دلوں میں بیماری ہے ان کی بیماری اور بڑھ گئی اور اہلِ سنت کے لیے اللہ عزوجل کی طرف سے بہترین رضا ہو، آمین! ت) ص413

اَشِر بھی دو قسم کے ہوتے ہیں

{سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ} (بہت جلد کل جان جائیں گے کون تھا بڑا جھوٹا اترونا۔ ت)

اَشِر بھی دو قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) اَشِر قولی کہ زبان سے بک بک کرے۔

(۲) اَشِر فعلی کہ زبان سے چپ اور خباثت سے باز نہ آئے۔

وہابیہ اَشِر قولی واَشِر فعلی دونوں ہیں۔ {قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ} (اللہ انہیں مارے کیا اوندھے جاتے ہیں)۔ ص465

رسالہ: اِنباءُ المصطفٰی بحالِ سِرّ واخفٰی

(مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خبر دینا پوشیدہ کی اور پوشیدہ ترین کی)۔ ص485

اللہ عزوجل نے ہمارے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کو شریعت وحقیقت دونوں کا حاکم بنایا حضور کے احکام شریعتِ

ظاہر پر ہوتے اور کبھی حقیقتِ باطنہ پر حکم فرماتے مگر اس پر زور نہ دیا جاتا۔ص529

حشر کے دن سب مسلمان قبر سے کفن لے کر اٹھیں گے یا برہنہ؟

الجواب: کفن میں اُٹھیں گے پھر وہ کفن طولِ مدت کی وجہ سے گل کر گر جائیں گے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔ص545

رسالہ: انوار الانتباہ فی حل نداء یارسول اللہ

(یارسُول اللہ کہنے کے جواز کے بارے میں نورانی تنبیہیں)ص549

انّ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خدرت رجلہ فقیل لہ، اُذْکر اَحبَّ الناس الیك فصاح یا محمداہ فانتشرت۔یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سو گیا، کسی نے کہا: انہیں یاد کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔حضرت نے با آوازِ بلند کہا۔ یا محمداہ! فوراً پاؤں کھل گیا۔ص552

ہم اگرچہ بحکمِ احتیاط تکفیر نہ کریں تاہم اس قدر میں کلام نہیں کہ ایک گروہ ائمہ کے نزدیک یہ حضرات کہ یارسول اللہ و یاعلی و یاحسین و یاغوث الثقلین کہنے والے مسلمانوں کو کافر و مشرکین کہتے ہیں خود کافر ہیں تو ان پر لازم کہ نئے سِرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں۔ص566

رسالہ: اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین

(محبوبوں کے سردار کی شفاعت کے بارے میں چالیس حدیثیں سنانا)۔ص571

شبِ قدر میں تمام چیزیں مثلِ درخت و پتھر وغیرہ کے سجدہ کرتی ہیں یا نہیں؟

الجواب: ہاں ہر چیز سجدہ کرتی ہے، اولیاء نے اسے مشاہدہ کیا ہے، واللہ تعالیٰ علم۔ص586

سیّد اگر بدمذہب بھی ہو جائے تو اس کی تعظیم نہیں جاتی

یہ فقیر ذلیل بحمدہٖ تعالیٰ حضرات ساداتِ کرام کا ادنیٰ غلام و خاکپا ہے۔ان کی محبت وعظمت ذریعۂ نجات وشفاعت جانتا ہے، اپنی کتابوں میں چھاپ چکا ہے کہ سیّد اگر بدمذہب بھی ہو جائے تو اس کی تعظیم نہیں جاتی جب تک بدمذہبی حدِ کفر تک نہ پہنچے، ہاں بعدِ کفر سیادت ہی نہیں رہتی، پھر اس کی تعظیم حرام ہو جاتی ہے۔اور یہ بھی فقیر بارہا فتوٰی دے چکا ہے کہ کسی کو سید سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سید جاننا ضروری نہیں، جو لوگ سید کہلائے جاتے ہیں ہم ان کی تعظیم کریں گے، ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں، نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔اور خواہی نخواہی سند دکھانے پر مجبور کرنا اور نہ دکھائیں تو بُرا کہنا مطعون کرنا ہرگز جائز نہیں۔

الناس امنأعلی انسابھم (لوگ اپنے نسب پر امین ہیں)، ہاں جس کی نسبت ہمیں خوب تحقیق معلوم ہو کہ یہ سیّد نہیں اور وہ سید بنے اس کی ہم تعظیم نہ کریں گے نہ اسے سید کہیں گے اور مناسب ہوگا کہ ناواقفوں کو اس کے فریب سے مطلع کر دیا جائے، میرے خیال میں ایک حکایت ہے جس پر میرا عمل ہے کہ ایک شخص کسی سیّد سے اُلجھا، انہوں نے فرمایا میں سیّد ہوں کہا۔ کیا

سند ہے تمہارے سیّد ہونے کی؟ رات کو زیارتِ اقدس سے مشرف ہوا کہ معرکہ حشر ہے یہ شفاعت خواہ ہوا، اِعراض فرمایا: اس نے عرض کی: میں بھی حضور کا امتی ہوں۔ فرمایا: کیا سند ہے تیرے اُمتی ہونے کی؟۔ص 587

دو بندۂ خدا تھے جن پر اصول و فروع و عقائد و فقہ سب میں اعتمادِ کلی کی اجازت تھی

آہ آہ آہ آہ! ہندوستان میں میرے زمانۂ ہوش میں دو بندۂ خدا تھے جن پر اصول و فروع و عقائد و فقہ سب میں اعتمادِ کلی کی اجازت تھی۔ اول اَقدس حضرت خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد حاش للہ نہ اس لیے کہ وہ میرے والد و والی ولیِ نعمت تھے بلکہ اس لیے کہ الحق والحق اقول، الصدق واللہ یحب الصدق (یہ حق ہے اور میں حق کہتا ہوں، یہ صدق ہے اور اللہ تعالیٰ صدق کو محبوب رکھتا ہے۔ت) میں نے اس طبیبِ صادق کا برسوں مطب پایا اور وہ دیکھا کہ عرب وعجم میں جس کا نظیر نظر نہ آیا اس جناب رفیع قدس سرہ البدیع کو اصولِ حنفی سے اِستنباطِ فروع کا ملکہ حاصل تھا اگرچہ کبھی اس پر حکم نہ فرماتے، مگر یوں ظاہر ہوتا تھا کہ نادرو دقیق و معضل مسئلہ پیش نہ ہوا کہ کتبِ متداولہ میں جس کا پتہ نہیں، خادم کمینہ کو مراجعتِ کتب و اِستخراجِ جزئیہ کا حکم ہوتا اور ارشاد فرماتے ''ظاہراً حکم یوں ہونا چاہیے'' جو وہ فرماتے وہی نکلتا، یا بعض کتب میں اس کا خلاف نکلتا تو زیادتِ مطالعہ نے واضح کردیا کہ دیگر کتب میں ترجیح اسی کو دی جو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا، عجم کی حالت تو آپ ملاحظہ ہی فرماتے ہیں، عرب کا حال یہ ہے کہ اس جنابِ قدس سرہ کا یہ ادنیٰ خوشہ چیں وزلہ ربا، جو مکہ معظّمہ میں اس بار حاضر ہوا، وہاں کے اَعلم العلماء واَفقہ الفقہاء سے چھ چھ گھنٹے مذاکرۂ علمیہ کی مجلس گرم رہتی، جب انہوں نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ فقہ حنفی کے دو حرف جانتا ہے اپنے زمانہ کے عہدِ اِفتاء کے مسائلِ کثیرہ جن میں وہاں کے علماء سے اختلاف پڑا یا اشتباہ رہا، اس ہیچ میرز پر پیش فرمانا شروع کیے جس مسئلہ وحکم میں اس اَحقر نے ان کی موافقت عرض کی آثارِ بشاشت ان کے چہرۂ نورانی پر ظاہر ہوئے اور جس میں عرض کردیا کہ فقیر کی رائے میں حکم اس کے خلاف ہے، سماعِ دلیل سے پہلے آثارِ حزن نمایاں ہوئے اور خیال فرمالیتے کہ ہم سے اس حکم میں لغزش واقع ہوئی یہ اسی طبیبِ حاذق کی کفش برداری کا صدقہ ہے۔

(۲) دوم والاحضرت تاج الفحول محبِ رسول مولانا مولوی عبدالقادر صاحب قادری بدایونی قدس سرہ الشریف، پچیس برس فقیر کو اس جناب سے بھی صحبت رہی ان کی سی وسعتِ نظر وقوتِ حفظ وتحقیقِ اَنیق ان کے بعد کسی میں نظر نہ آئی، ان دونوں آفتاب و ماہتاب کے غروب کے بعد ہندوستان میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس کی نسبت عرض کروں کہ آنکھیں بند کرکے اس کے فتوے پر عمل ہو۔ص 595

مولانا! اس تقریرِ فقیر کو اصول کے ایک اختلافی مسئلہ میں اس قول پر محمول نہ فرمائیں کہ متکلم اپنے عمومی کلام میں داخل نہیں ہوتا، حاشا فقیر تو ایک ناقص، قاصر، اَدنیٰ طالبِ علم ہے، کبھی خواب میں بھی اپنے لیے کوئی مرتبۂ علم قائم نہ کیا، اور بحمدہٖ تعالیٰ بظاہر اسباب یہی ایک وجہ ہے کہ رحمتِ الٰہی میری دستگیری فرماتی ہے، میں اپنی بے بضاعتی جانتا ہوں، اس لیے پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوں، مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے کرم سے میری مدد فرماتے ہیں اور مجھ پر علمِ حق کا اِفاضہ فرماتے ہیں، اور انہیں کے ربِ کریم کے لیے حمد ہے، اور ان پر اَبدی صلوۃ والسلام۔ص 596

✽ مدرس کے لیے ذی علم، ذی فہم، سنّی صحیح العقیدہ ہونا کافی ہے۔ص596

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی اہلسنت کے لئے کڑھن وجذبات ومشورے

خالص اہلِ سنت کی ایک قوتِ اجتماعی کی ضرور ضرورت ہے، مگر اس کے لیے تین چیزوں کی سخت حاجت ہے۔

(۱) علماء کا اتفاق (۲) تحملِ شاق قدر بالطاق۔(۳) اُمراء کا اِتفاق لِوجہِ الخلّاق۔

یہاں یہ سب باتیں مفقود ہیں، **فانّا للہ وانّا الیہ راجعون**، ہمارے اغنیاء نام چاہتے ہیں، معصیت بلکہ صریح ضلالت میں ہزاروں اُڑادیں، خزانوں کے منہ کھول دیں، یونیورسٹی کے لیے کتنی جلد تیس لاکھ جمع ہوگیا، مدرسہ دیوبند کو ایک عورت نے پچاس ہزار دے دیا، مگر کسی سُنی مدرسہ کو بھی یہ دن نصیب ہوا؟ اوّل تو تائیدِ دین و مذہب جن کا نام لیے گھبرائیں گے، میاں! یہ ان مولویوں کے جھگڑے ہیں اور شرما شرمی خفیف وذلیل چندہ بھی مقرر کیا تو {لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَيۡهِ قَآٮِٕمًا} وہ تجھے پھیر کر نہ دے گا مگر جب تک سر پر سوار ہو۔(ت)

بلکہ تقاضا کیجئے تو بگڑیں اور ڈھیل دیجئے تو سور ہیں، ادھر ہمارے کارکنوں کو وہ چال معلوم نہیں جس سے وہابیہ **خذلھم اللہ تعالیٰ** (اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرے۔ت) بندگانِ خدا کو چھل کر نہ صرف اپنے ہم مذہبوں بلکہ اپنے ہم مشربوں سے روپیہ اینٹھتے ہیں، اس کے لیے ریاونفاق ومکروخداع وبے حیائی وبے عزتی لازم ہے، وہ نہ آپ میں ہے نہ آپ کی شریعت اس کی اجازت دے، پھر کیسے کام کیوں کر چلے، ابھی ایک نمبری وہابی ایک با اَثر صوفی کے یہاں چندہ لینے گیا انہوں نے فرمایا: سنا ہے تم احمد رضا کے مخالف ہو، کہا حاشا میں تو اسی در کا کتّا ہوں، کتا بن کر پانچ سولے آیا۔

علماء کی یہ حالت ہے کہ رئیسوں سے بڑھ کر آرام طلب ہیں، حمایتِ مذہب کے نام سے گھبراتے ہیں، جو بندۂ خدا اپنی جان اس پر وقف کرے اسے اَحمق بلکہ مفسد سمجھتے ہیں، مداہنت ان کے دلوں میں پیری ہوئی ہے، ایامِ ندوہ میں ہندوستان بھر کا تجربہ ہوا، عباراتِ ندوہ سُن کر ضلالت ضلالت کی رَٹ لگا دیں، اور جب کہئے حضرت لکھ دیجئے، بھائی لکھواؤ نہیں، ہمارے فلاں دوست برامانیں گے، ہمارے فلاں اُستاد کو بُرا لگے گا، بہت کو یہ خیال کہ مفت میں اوکھلی میں سر دے کر موسل کون کھائے، بدمذہب دُشمن ہوجائیں گے، دانتوں پر رکھ لیں گے۔ گالیاں، پھبتیاں اخباروں اشتہاروں میں چھاپیں گے، طرح طرح کے بہتان، اِفتراء اُچھالیں گے۔ اچھی بچھی جان کو کون جنجال میں ڈالے۔ بعض کو یہ کد کہ حمایتِ مذہب کی تو صلح کھلی نہ رہے گی۔ ہر دل عزیزی جا کر پلاؤ، قورمے، نذرانہ میں فرق آئے گا۔ یا کم از کم آؤ بھگت تو عام نہ رہے گی۔

اتفاقِ علماء کا یہ حال کہ حسد کا بازار گرم، ایک کا نام جھوٹوں بھی مشہور ہوا تو بہترے سچے اس کے مخالف ہوگئے اس کی توہین تشنیع میں گمراہوں کے ہم زبان بنے کہ ''ہیں'' لوگ اسے پوچھتے ہیں اور ہمیں نہیں پوچھتے۔ اب فرمائیں کہ وہ قوم کہ اپنے میں کسی ذی فضل کو نہ دیکھ سکے، اپنے ناقصوں کو کامل قاصروں کو ذی فضل بنانے کی کیا کوشش کرے گی، حاشا یہ کلیہ نہیں مگر **للا کثر حکم الکل** (اکثر کا حکم وہی ہوتا ہے جو کل کا ہوتا ہے۔ت) الحمدللہ یہاں متکلم عمومِ کلام سے ضرور خارج ہے۔ **ولوجہ ربی الحمد ابدا** (میرے پروردگار کی ذات کے لیے ہمیشہ حمد ہے۔ت) فقیر میں لاکھوں عیب ہیں مگر میرے رب نے مجھے حسد سے بالکل

پاک رکھا ہے، اپنے سے جسے زیادہ پایا اگر دنیا کے مال ومنال میں زیادہ ہے قلب نے اندر سے اسے حقیر جانا، پھر حسد کیا حقارت پر؟ اور اگر دینی شرف و اِفضال میں زیادہ ہے اس کی دست بوسی وقدم بوسی کو اپنا فخر جانا، پھر حسد کیا اپنے معظّمِ بابرکت پر؟ اپنے میں جسے حمایتِ دین پر دیکھا اس کے نشرِ فضائل اور خلق کو اس کی طرف مائل کرنے میں تحریراً وتقریراً ساعی رہا۔ اس کے لیے عمدہ اَلقاب وضع کر کے شائع کیے جس پر میری کتاب ''المعتمد المستند ''وغیرہ شاہد ہیں، حسد شہرت طلبی سے پیدا ہوتا ہے اور میرے ربِ کریم کے وجہِ کریم کے لیے حمد ہے کہ میں نے کبھی اس کے لیے خواہش نہ کی بلکہ ہمیشہ اس سے نفور اور گوشہ نشینی کا دلدادہ رہا۔ جلسوں انجمنوں کے دوروں سے دور رہنا انہیں دو وجہ پر تھا:

اول: حُبِّ خمول، دوم: زمانہ مخروعیب وغیر ازنیم نیست جا برم خرخود را بایں کساد متاع۔ (زمانہ عیب دار کو خریدتا نہیں اور میرے پاس اس کے علاوہ نہیں ہے، اس کھوٹے سامان کے ساتھ اپنے گدھے کو کہاں لے کر جاؤں۔ت)

اور اب تو سالہا سال سے شدتِ ہجومِ کار و اِنعدامِ کلی فرصت وغلبۂ ضُعف ونقاہت نے بالکل ہی بٹھا دیا ہے، جسے میرے احباب نے نازک مزاجی بلکہ بعض حضرات نے غرور وتکبر پر حمل کیا، اور اللہ اپنے بندہ کی نیت جانتا ہے، بالجملہ اہلِ سنت سے امورِ ثلٰثہ مفقود ہیں پھر فرمائیں صورت کیا ہو۔

دفعِ گمراہان میں جو کچھ اس حقیر ہیچ میرز سے بن پڑتا ہے بحمد اللہ تعالٰی ۱۴ برس کی عمر سے اس میں مشغول ہے۔ اور میرے ربِ کریم کے وجہِ کریم کو حمد کہ اس نے میری بساط، میرے حوصلے، میرے کاموں سے ہزاروں درجہ زائد اس سے نفع بخشا۔ باقی جو آپ چاہتے ہیں اسی قوتِ متفقہ پر موقوف ہے جس کا حال اوپر گزارش ہوا۔ بڑی کمی اُمراء کی بے توجہی اور روپے کی ناداری ہے، حدیث کا ارشاد صادق آیا کہ ''وہ زمانہ آنے والا ہے کہ دین کا کام بھی بے روپیہ کے نہ چلے گا''۔

کوئی باقاعدہ عالی شان مدرسہ تو آپ کے ہاتھ میں نہیں، کوئی اخبار پرچہ آپ کے یہاں نہیں، مدرسین، واعظین، مناظرین، مصنفین کی کثرت بقدرِ حاجت آپ کے پاس نہیں۔ جو کچھ کر سکتے ہیں فارغُ البال نہیں۔ جو فارغُ البال ہیں وہ اہل نہیں۔ بعض نے خونِ جگر کھا کر تصانیف کیں تو چھپیں کہاں سے۔ کسی طرح سے کچھ چھپا تو اِشاعت کیونکر ہو۔ دیوان نہیں، ناول نہیں کہ ہمارے بھائی دو آنے کی چیز کا ایک روپیہ دے کر شوق سے خریدیں، یہاں تو سر چپیٹنا ہے روپیہ وافر ہو تو ممکن کہ یہ سب شکایات رفع ہوں۔

اول: عظیم الشان مدارس کھولے جائیں باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

ثانیاً: طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔

ثالثاً: مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں کہ لالچ سے جان توڑ کر کوشش کریں۔

رابعاً: طبائعِ طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے، یوں ان میں کچھ مدرسین بنائے جائیں، کچھ واعظین کچھ مصنفین، کچھ مناظرین، پھر تصنیف ومناظرہ میں بھی توزیع ہو، کوئی کسی فن پر کوئی کسی پر۔

خامساً: ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً وتقریراً وعظاً ومناظرۃً اِشاعتِ دین و مذہب کریں۔

مولانا! اس گئی گزری حالت میں تو کوئی بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے سامنے آ نہیں سکتا، دُور سے غُل مچاتے اور وقت پر دُم دَباتے ہیں۔ جب آپ کے اہلِ علم یوں ملک میں پھیلیں اس وقت کون ان کی قوت کا سامنا کر سکتا ہے۔

سادساً: حمایتِ (مذہب) ورَدِّ بد مذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

سابعاً: تصنیف شدہ اور نوتصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت شائع کیے جائیں۔

ثامناً: شہروں شہروں آپ کے سفیر نگران رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبیِ اَعداء کے لیے اپنی فوجیں میگزین رسالے بھیجتے رہیں۔

تاسعاً: جو ہم میں قابلِ کار، موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغُ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

عاشراً: آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایتِ مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقمیت و بلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

میرے خیال میں تو یہ تدابیر ہیں، آپ اور جو کچھ بہتر سمجھیں اِفادہ فرمائیں، بلکہ مولانا! روپیہ ہونے کی صورت میں اپنی قوت پھیلانے کے علاوہ گمراہوں کی طاقتیں توڑنا بھی اِن شاءاللہ العزیز آسان ہوگا، میں دیکھ رہا ہوں کہ گمراہوں کے بہت سے افراد صرف تنخواہوں کے لالچ سے زہر اُگلتے پھرتے ہیں، ان میں جسے دس کی جگہ بارہ دیجئے اب آپ کی سی کہے گا، یا کم از کم بہ لقمہ درختہ بہ تو ہوگا۔ **دیکھئے حدیث کا ارشاد کیسا صادق ہے کہ: ''آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درہم و دینار سے چلے گا''۔** اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام ہے، عالم ما کان و ما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر ہے۔ ص599

* **سید احمد خاں علی گڑھی اور اس کے متبعین سب کفار ہیں۔ ص615**
* **(سُنیوں کے عقائد کی پہچان میں بیس (۲۰) اُمور)۔ ص615**
* **ندوہ سرمایۂ ضلالت ومجموعۂ بدعات ہے۔ ص616**

شیخ احمد کا خواب نامہ

بارہا اس قسم کے اِشتہار شائع ہوئے ہیں، کسی میں خادمِ روضۂ انور کا نام صالح ہے کسی میں شیخ احمد ہے اور ایسے ہی بے باکی کے کلمات لکھے ہیں کہ اتنے مسلمان مرے ان میں سے صرف اتنے ایمان کے ساتھ گئے اور باقی معاذ اللہ بے ایمان مرے۔ اس اشتہار میں تو اتنی رعایت ہے کہ نوے ہزار اموات میں صرف بیس ہزار معاذ اللہ کافر رکھے ہیں اور اشتہاروں میں تو گنتی کے مسلمان رکھے، رب عزوجل سے جو حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عرض نسبت کی ہے، کس قدر بے معنی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور سلامتی کے طلبگار رہیں، ت) **واللہ تعالیٰ اعلم**۔ ص619

حضرت حسین منصور اَنَا الْحَقُّ نہیں بلکہ اَنَا الْاَحَقُّ کہتے تھے

بعض متصوفہ زندیقہ جو زید، عمر، بکر یہ وہ سب (کو) خدا ہی خدا کہتے ہیں وہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ اس وجہ سے منصور

نے دعویٰ ''اَناالحق'' کا کیا، بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اسی لیے ''سبحانی ما اَعظم شانی'' (میں پاک ہوں اور کتنی عظیم میری شان ہے۔ت) فرمایا۔ اور شمس تبریزی نے اسی وجہ سے ''قم باذنی'' (اُٹھ میرے حکم سے۔ت) کہہ کر مردہ زندہ کیا، اب عرض یہ ہے کہ کیا واقعی یہ کلمات اوپر کے بزرگوں سے صادر ہوئے ہیں؟ اور کیا اس صوفی زندیق کا یہ کہنا صحیح ہے؟ اور اگر ہے تو کیا یہ کلمات عند الشرع مردود ہیں یا نہیں؟ اور اگر مردود ہیں تو اُوپر کے تینوں بزرگوں کے ساتھ اہلِ سنت و جماعت کس طرح کا عقیدہ رکھیں؟

الجواب الملفوظ:

اُن زنادقہ کا یہ قول کفرِ صریح ہے اور ان کے قول کی صحت کا شک واقع ہونا سائل کے ایمان کو مُضِر ہے تجدیدِ اسلام چاہیے، وہ تینوں حضراتِ کرام اکابر اولیائے عظام سے ہیں۔ قدسنا اللہ باسرارھم، حضرت شمس تبریزی قدس سرہ، سے یہ کلمہ ثابت نہیں، اور ثابت ہو تو معاذ اللہ اُسے اِدعائے اُلوہیت سے کیا علاقہ! ایسی اضافاتِ مجاز یہ شائع ہیں۔

حضرتِ حسین منصور اَنَا الحقّ نہیں کہتے تھے بلکہ اَنَا الْاَحَقّ (میں ہی اَحَق ہوں۔ت) ابتلائے الٰہی کے لیے سامعین کی فہم کی غلطی تھی ان کی بہن اکابر اولیائے کرام سے تھیں۔ ہر روز اٰخیر شب میں جنگل کو تشریف لے جاتیں اور عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو جاتیں، ایک روز حضرت حسین منصور کی آنکھ کھلی اور بہن کو نہ پایا، شیطان نے شبہہ ڈالا۔ دوسری رات قصداً جاگتے رہے، جب وہ اپنے وقتِ معمول پر اٹھ کر باہر چلیں یہ آہستہ اٹھ کر پیچھے ہو لیے، وہ جنگل میں پہنچیں اور عبادت میں مشغول ہوئیں۔ یہ پیڑوں کی آڑ میں چھپے دیکھتے تھے، قریبِ صبح انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے سونے کی زنجیر میں یاقوت کا جام اُترا اور وہ ان کی بہن کے دہن مبارک کے پاس آ گیا۔ انہوں نے پینا شروع کیا، یہ بے چین ہوئے اور چلا کر کہا: بہن! تمہیں خدا کی قسم تھوڑا میرے لیے بھی چھوڑ دو۔ انہوں نے صرف ایک جرعہ ان کے لیے چھوڑا جس کے پیتے ہی ان کو ہر شجر و حجر و در و دیوار سے آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ اَحَق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے؟ یہ اس کا جواب دیتے اَنَا الْاَحَقّ بے شک میں اَحَق ہوں۔ لوگوں نے کچھ سنا اور جو منظور تھا واقع ہوا۔

حضرت سیّدی بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُس سوال کا خود جواب ارشاد فرما دیا، فرمایا: میں نہیں کہتا وہ فرماتا ہے جسے فرمانا زیبا ہے، سائلوں نے اس پر دلیل چاہی۔ فرمایا: تم سب ایک ایک خنجر ہاتھ میں لے کر بیٹھ جاؤ اور جس وقت مجھے ایسا کہتے سنو بے تامل خنجر مارو کہ ایسے قائل کی سزا قتل ہے انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت پر حالت وارد ہوئی اور وہی کلمہ نکلا اُن سب نے بے مہابا خنجر مارے۔ جس نے جس جگہ کے قصد پر خنجر مارا تھا خود اس کے اسی جگہ لگا۔ جب حضرت کو اِفاقہ ہوا ملاحظہ فرمایا کہ وہ سب گھائل پڑے ہیں۔ فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں نہیں کہتا وہ کہتا ہے جس کا کہنا بجا ہے، سیدنا موسیٰ کلیم علٰی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم نے کوہِ طور پر اُس درخت میں سے ندا سنی کہ { یٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ } (اے موسیٰ میں ہوں اللہ، رب سارے جہانوں کا۔ت) کیا یہ درخت نے کہا تھا؟ حاشا بلکہ رب العالمین نے درخت پر تجلّی فرمائی اور حضرتِ کلیم کو اُس میں سے ندا مسموع ہوئی، کیا وہ ایک درخت پر تجلّی فرما سکتا ہے اور بایزید پر نہیں؟ کیا محال ہے کہ بایزید پر تجلّی کرے اور سبحانی ما اعظم شانی۔

(میں پاک ہوں اور کتنی عظیم میری شان ہے۔ت) اور لوگوں کو ان میں سے ندا آئے۔

حضرت مولوی معنوی قدس اللہ سرہ الشریف فرماتے ہیں: ایک جن جس پر تسلط کرتا ہے اس کی زبان سے کلام کرتا ہے اس کے جوارح سے کام کرتا ہے۔ کیا تمہارے نزدیک رب عزوجل ایسا نہیں کرسکتا، کلام اس کا ہے اور زبان بایزید کی، بایزید شجرۂ موسیٰ ہیں اور متکلم وہ جس نے فرمایا {اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ}۔ فللہ الحجۃ البالغۃ واللہ تعالٰی اعلم ۔ص626

علمائے عظام ومشائخ کرام نے منصور کو کیوں سُولی دی؟ اگر بوجہ کفر سُولی دی گئی ہے تو کیا منصور کو اب مسلمان اور کاملین میں سے شمار کریں یا اُن کی نسبت کیا عقیدہ رکھیں؟

الجواب الملفوظ:

ظاہر مسموع اُن کا کلام سے وہ تھا جس پر شرعاً تعزیر قتل ہے لہذا حکمِ شرع پورا کیا گیا۔ نہ برحکم شرع آب خوردن خطاست دگر خون بہ فتوے بریزی رواست۔ (کیا ایسا نہیں شرع کے حکم کے بغیر پانی پینا گناہ ہے، اور اگر شرعی فتوی کے ساتھ تُو خون بہائے تو جائز ہے۔ت)۔ص628

''تین روز میں نو خط نو جگہ بھیجئے اس سے آپ کو بہت فائدہ ہوگا ورنہ نقصان'' اس طرح کے پمفلٹ کا حکم

یہ بدعتِ شنیعہ ہے کہ کسی جاہل نے ایجاد کی جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے یہ اللہ پر اِفترا ہے کہ ایسا کرو گے تو نو دن میں خوشی ہوگی ورنہ آفت میں مبتلا ہوگے۔ {اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ} یا اللہ تعالٰی پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ (ت)۔ص630

(۱) میں صحاح ستہ کو دیکھنا چاہتا ہوں مگر عربی نہیں جانتا، کیا کوئی اردو ترجمہ تحت اللفظ اس کا فراہم ہوسکتا ہے اور کون سی کتاب زیادہ معتبر اور فائدہ رساں ہے؟

(۲) ہمارے یہاں سب سے زیادہ کون کون سی کتابیں معتبر ہیں؟

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے مذہب پر آپ کی کیا رائے ہے؟

الجواب: (۱) صحاح ستّہ کے اردو میں ترجمے ہوئے ہیں مگر عموماً وہابیہ نے کئے ہیں اور ترجمہ دیکھ کر کوئی شخص قرآن وحدیث نہیں سمجھ سکتا۔

(۲) ہمارے یہاں قرآنِ عظیم کے بعد حدیث میں صحیحین اور سننِ اربعہ، مسانید امام اعظم، موطا وکتاب الآثار امام محرر، کتاب الخراج امام ابو یوسف، کتاب الحج امام عیسٰی بن ابان، شرح معانی الآثار امام طحطاوی، مشکلات الاثار امام طحطاوی ـــــــ عقائد میں فقہ اکبر، وصایائے امام اعظم، عقائد امام مفتی الانس والجن نجم الدین عمر نسفی ـــــــ فقہ میں ہدایہ، بدائع، مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، غرر، دُرَر، تنویر الابصار، دُرِّ مختار، غنیۃ، حلیہ اور ہزارہا کتبِ بے شمار۔

(۳) ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا شبِ معراج تک خدمت اَقدس میں حاضر بھی نہ ہوئی تھیں بہت صغیر السن بچی تھیں۔ وہ جو فرماتی ہیں، ان روحانی معراجوں کی نسبت فرماتی ہیں جو اُن کے زمانے میں ہوئیں، معراجِ جسمانی ان کی حاضری سے کئی سال پیشتر ہو چکا تھا۔ص632

عبادت کی تعریف وتحقیق

وانا اقول :وبالله التوفیق (اور میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔ت) عبادت کسی کو اَقصی غایاتِ تعظیم کا مستحق جان کر اس کی تعظیم بجالانا ہے اور اسی سے باعتقادِ مذکور اس کے لیے تذلّل نیز اس کے امر کا اِمتثال اس حیثیت سے کہ اس کا امر ہے۔ص648

رسالہ: شرحُ المطالبِ فی مبحثِ ابی طالب (مطالب کی وضاحت ابُوطالب کی بحث میں)

اس میں شک نہیں کہ ابوطالب تمام عمر حضور سیّدُ المرسلین سیّد الاولین والاخرین سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وسلم الٰی یومِ القرار کی حفظ وحمایت وکفایت ونصرت میں مصروف رہے۔ اپنی اولاد سے زیادہ حضور کو عزیز رکھا، اور اس وقت میں ساتھ دیا کہ ایک عالم حضور کا دشمنِ جاں ہو گیا تھا، اور حضور کی محبت میں اپنے تمام عزیزوں، قریبیوں سے مخالفت گوارا کی، سب کو چھوڑ دینا قبول کیا، کوئی دقیقہ غمگساری وجاں نثاری کا نامرعی نہ رکھا، اور یقیناً جانتے تھے کہ حضور اَفضل المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں، ان پر ایمان لانے میں جنتِ ابدی اور تکذیب میں جہنم دائمی ہے، بنو ہاشم کو مرتے وقت وصیت کی کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تصدیق کرو فلاح پاؤ گے، نعت شریف میں قصائد ان سے منقول، اور اُن میں براہِ فراست وہ اُمور ذکر کیے کہ اس وقت تک واقع نہ ہوئے تھے۔ بعدِ بعثت شریف ان کا ظہور ہوا، یہ سب اَحوال مطالعۂ احادیث ومراجعتِ کُتب سِیَر سے ظاہر، ایک شعر ان کے قصیدے کا صحیح بخاری شریف میں بھی مروی:

وابیض یستسقی الغمام بوجھه ثمال الیتامٰی عصمة للارامل

(وہ گورے رنگ والے جن کے رُوئے روشن کے توسّل سے مینہ برستا ہے، یتیموں کے جائے پناہ بیواؤں کے نگہبان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ت) محمد بن اسحٰق تابعی صاحبِ سیر ومغازی نے یہ قصیدہ بتما مہا نقل کیا جس میں ایک سو دس ۱۱۰ بیتیں مدحِ جلیل ونعتِ منیع پر مشتمل ہیں۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ، شرح صراطِ مستقیم میں اس قصیدہ کی نسبت فرماتے ہیں: دلالت صریح دارد برکمال محبت ونہایت نبوت او، انتہی۔ یہ قصیدہ ابوطالب کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ کمال محبت اور آپ کی نبوت کی انتہائی معرفت پر دلالت کرتا ہے۔(ت)

مگر مجرد اِن امور سے ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ کاش یہ افعال واقوال اُن سے حالتِ اسلام میں صادر ہوتے تو سیّدنا عباس بلکہ ظاہراً سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی اَفضل قرار پاتے اور اَفضل الاعمام حضور اَفضل الانام علیہ وعلٰی آلہ وافضل الصلوۃ والسلام کہلائے جاتے۔ تقدیرِ الٰہی نے بربنا اُس حکمت کے جسے وہ جانے یا اُس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہیں گروہِ مسلمین و غلامانِ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں شمار کیا جانا منظور نہ فرمایا {فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ} (تو عبرت لو اے نگاہ

والو!ت) صرف معرفت گو کیسی ہی کمال کے ساتھ ہو ایمان نہیں، دانستن وشناختن اور چیز ہے اور اِذعان وگرویدن اور، کم کافر تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے پیغمبر ہونے کا یقین نہ تھا {جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ} (اوران کے منکر ہوئے اوران کے دلوں میں ان کا یقین تھا۔ت)

آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ صحیحہ متوافرہ متظافرہ سے ابوطالب کا کفر پر مرنا اور دمِ واپسیں ایمان لانے سے انکار کرنا اور عاقبتِ کار اصحابِ نار سے ہونا ایسے روشن ثبوت سے ثابت جس سے کسی سنی کو مجالِ دم زدن نہیں۔ص 657

ہاں ابولہب وابلیس لعنہما اللہ کی مثل کہنا محض اِفراط اور خونِ انصاف کرنا ہے، آخر نہ دیکھا جو صحیح حدیث میں ارشاد ہوا کہ ابوطالب پر تمام کفار سے کم عقاب ہے اور یہ اَشقیاء اُن میں ہیں جن پر اَشد العذاب ہے، ابوطالب کے صرف پاؤں آگ میں ہیں۔ بلکہ دونوں کا ثبوتِ کفر بھی ایک سانہیں، ابوطالب کے باب میں اگرچہ قولِ حق وصواب وہی کفر وعذاب، اوراس کا خلاف شاذ ومردود وباطل ومطرود پھر بھی اس حد کا نہیں کہ معاذ اللہ خلاف پر تکفیر کا احتمال ہو اوران اَعداءاللہ کا کافر واَبدی جہنمی ہونا توضروریاتِ دین سے ہے جس کا منکر خود جہنمی کافر، تو فریقین کا نہ کفر یکساں نہ ثبوت یکساں، نہ عمل یکساں نہ سزا یکساں، ہر جگہ فرقِ زمین و آسمان، پھر مماثلت کہاں۔ص 740

کفر کی معافی شرعاً ممتنع اور عقلاً جائز ہے

اقول: (میں کہتا ہوں) جس کا قصد علامہ شامی نے کیا یعنی کفر کی معافی کا عقلاً عدمِ جواز تو اس میں انہوں نے عمدۃُ الکلام کے مصنف امام نسفی اور اہلسنت کے گروہِ قلیل کی پیروی کی ہے، جب کہ جمہور کے نزدیک یہ شرعاً ممتنع اور عقلاً جائز ہے جیسا کہ شرح المقاصد اور مسامرہ وغیرہ میں ہے۔ اور دلائل اسی کے مؤید ہیں لہذا یہی صحیح اور اسی پر بھروسا ہے، تو اب حق وہ ہے جس کی طرف صاحبُ البحر گئے ہیں اور دُر میں اسی کی پیروی کی ہے، اور مکمل کلام اس مقام پر ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔(ت)۔ص 740

جلد نمبر 30

''سبع سنابل'' کی عبارت پر اعتراض و جواب

''سبع سنابل'' سنبلہ دوم ص ۶۱ میں حکایت لکھی ہے کہ: ایک شخص حضرت سلطان المشائخ کے احوال کا منکر آپ کی راہ وروش سے متنفر اور ایک دوسرے درویش کا معتقد تھا، ایک روز اس درویش سے کہنے لگا کہ میری یہ آرزو ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کروں اگر سرکار کے کرم سے ملاقات ہوجائے تو انتہائی بندہ نوازی اور سرفرازی ہو، درویش نے جواب دیا کہ جس روز حضرت سلطان المشائخ کے یہاں مجلس سرور وسماع ہوتی ہے اس روز حضرت خضر علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور لوگوں کے جوتوں کی نگہبانی فرماتے ہیں، وہ شخص اب اپنے انکار پر پریشان ہوا اور قوالی والے دن آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوگیا، حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان سے خوب فیض حاصل کیا۔ (ت)

تو حاصلِ اعتراض یہ کہ اس حکایت میں حضرتِ خضر کی (جو ایک قول پر نبی تک ہیں) توہین کی کہ انہیں حضرت سلطان المشائخ کا خدمت گار اور وہ بھی ایسا کہ ان کی مجلسِ سماع کے حاضرین کی نعلین (جوتیوں) کا نگہبان بتایا۔

جواب اول: اولیائے کرام قدست اسرارہم کو اس میں اختلاف ہے کہ یہ حضرت خضر جو اکثر اکابر سے ملاقی ہوتے ہیں آیا وہ خضرِ موسیٰ علیہما الصلوۃ والسلام ہیں جن کی نبوت میں اختلاف ہے اور صحابیت میں شبہہ نہیں یا ہر دورے میں ایک ولی بنام خضر ہوتا ہے یعنی مناصبِ ولایت سے ایک عہدے کا نام ''خضر'' ہے کہ جو اس عہدے پر قائم ہوگا اسی نام سے پکارا جائے گا، جیسے غوث کا نام عبداللہ وعبدالجامع اور اس کے دونوں وزیر دست چپ وراست کا نام عبدالملک وعبدالرب جن کو امامین کہتے ہیں اور اوتادِ اربعہ کا نام عبدالرحیم وعبدالکریم وعبدالرشید وعبدالجلیل، یونہی جو عہدۂ نقابت پر ہو اُسے ''خضر'' کہا جائے گا اس کا اپنا نام کچھ ہو، ایک جماعتِ عظیم صوفیہ کرام اسی قول پر ہے اور بہت حکایات سے اس کا پتہ ملتا ہے۔ حافظ الحدیث امام ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کی تائید کی۔

اِصابہ فی تمیز الصحابہ میں فرماتے ہیں: **قول بعضهم ان لكل زمان خضرا وانه نقيب الاولياء وكلما مات نقيب اقيم نقيب بعده مكانه ويسمّى الخضر وهذا قول تداولته جماعة من الصوفية من غير نكير بينهم ولا يقطع مع هذا بان الذى ينقل عنه انه الخضر هو صاحب موسٰى عليهما الصلوٰة والسلام بل هو خضر ذٰلك الزمان ويؤيده اختلافهم فى صفته فمنهم من يراه شيخا او كهلا او شابا وهو محمول على تغاير المرئى وزمانه والله تعالٰى اعلم** ۔بعض اولیاء کا قول کہ ہر زمانے کے لیے ایک خضر ہوتا ہے اور وہ نقیبِ اولیاء ہوتا ہے، جب ایک نقیب کا وصال ہوجائے تو اس کی جگہ کوئی اور نقیب مقرر کردیا جاتا ہے جس کو خضر کہا جاتا ہے۔ میں نے یہ قول صوفیاء کی ایک جماعت سے حاصل کیا، اس کے بارے میں ان سے کوئی اختلاف نہیں اس قول کی موجودگی میں اس

پر یقین نہیں کیا جا سکتا کہ اعتراض میں منقول خضر سے مراد وہی خضر ہیں جو حضرتِ موسی علیہ السلام کے ساتھی ہیں بلکہ اس سے مراد اس زمانے کا خضر ہے اور صفتِ خضر کے بارے میں دیکھنے والوں کا اختلاف بھی اس قول کا مؤید ہے، چنانچہ کسی نے ان کو بوڑھا، کسی نے ادھیڑ عمر والا اور کسی نے جوان دیکھا یہ دکھائی دینے والے اور اس کے زمانے کے تغایر پر محمول ہے (ت)۔

جواب دوم: حکایتِ مذکورہ میں صرف ذکرِ نگہبانی ہے یہ بیان نہیں کہ وہ حفاظت بطورِ خدمت تھی نہ حفاظت معنی خدمتگاری میں متعین، باپ اپنے بچوں یا استاد اپنے شاگردوں کو تعلیم شناوری کے لیے کہ سنت ہے اگر دریا میں بھیجے اور خود کنارے بیٹھا ان کے لباس ونعال کی حفاظت کرے کوئی عاقل اسے خدمتگار نہ کہے گا بلکہ رحمت وشفقت ونوازش پرورش، حکایت میں یہ صورت ہونا کس نے محال کیا۔

جواب سوم: یہ دونوں جواب اہلِ ظاہر کے مدارک پر تھے ورنہ لسانِ حقائق کے طور پر معاملہ بالکل معکوس ہے، وہم کرنے والا اصطلاحِ قوم سے ناواقفی کے باعث کمالِ عظمت کو معاذ اللہ موجبِ اہانت گمان کرتا ہے اور اہلِ ظاہر پر انکارِ کلماتِ اہل اللہ میں اکثر بلا اسی دروازے سے آتی ہے ان کی اصطلاح کو اپنے مفہوم پر حمل کرتے اور خطا میں گرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح	سندیاں را اصطلاح سند مدح
در حق او مدح در حق تو ذم	در حق او شہد و در حق تو سم
در حق او درد و در حق تو خار	در حق او نور و در حق تو نار
تو چہ دانی زیاں مرغاں را	کہ نہ دیدی گہِ سلیماں را

(ہندیوں کے ہند کی اصطلاح مدح ہے سندھیوں کے لیے سندھ کی اصطلاح مدح ہے، اس کے حق میں مدح اور تیرے حق میں مذمت، اس کے حق میں شہد اور تیرے حق میں زہر، اس کے حق میں گلاب کا پھول اور تیرے حق میں کانٹا، اس کے حق میں نور اور تیرے حق میں نار، تو کیا جانے پرندوں کے نقصان کو، کہ تو نے سلیمان کے زمانے کو نہیں دیکھا۔(ت)

محمد شاہ بادشاہِ دہلی کے حضور مجمعِ علماء تھا بعض کلماتِ منسوبہ باولیاء پر رائے زنی ہو رہی تھی، ہر ایک اپنی سی کہتا اور اعتراض کرتا ایک صاحب کہ اس جماعت میں سب سے اَعلم تھے خاموش تھے، بادشاہ نے عرض کی: آپ کچھ نہیں فرماتے، فرمایا: یہ سب صاحب میرے ایک سوال کا جواب دیں تو میں کچھ کہوں، سب ان عالم کی طرف متوجہ ہوئے، انہوں نے فرمایا: آپ حضرات بولی کتے کی سمجھتے ہیں؟ سب نے کہا: نہ کہا بلی کی؟ کہا: نہ۔ کہا: سبحان اللہ تم مُقِر ہو کہ اَرذَل خلقِ اللہ کی بولی تم نہیں سمجھتے اولیاء کہ اَفضل خلق ہیں ان کا کلام کیونکر سمجھ لوگے۔

امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علمائے مصر جمع ہو کر ایک مجذوب کی زیارت کو گئے انہوں نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: **مرحبا بعبید عبدی**۔ مرحبا میرے بندے کے بندے کو۔ سب پریشان ہو کر لوٹ آئے، ایک صاحب جامع ظاہر و باطن سے ملے اور شکایت کی، انہوں نے فرمایا: ٹھیک تو ہے تم سمجھتے نہیں، تم خواہشِ نفس کے بندے ہو رہے ہو اور انہوں نے خواہشِ نفس کو اپنا بندہ کر لیا ہے تو ان کے بندے کے بندے ہوئے۔

اب سنئے اصطلاحِ قوم میں "نعلین" کونین کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے بندے موسی علیہ السلام سے

فرمایا: {فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡكَ اِنَّكَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًی} اپنے دونوں جوتے اُتار ڈالو کہ تم پاکیزہ جنگل طوی میں ہو۔

مفسرِ علّام نظام الدین حسن بن محمد قمی غرائب القرآن ورغائب الفرقان معروف بتفسیر نیشاپوری میں اس آیۂ کریمہ کی تاویل یعنی بطورِ اہلِ اِشارات وحقائق میں فرماتے ہیں: اترك الالتفات الی الکونین انك واصل الی جناب القدس۔ یعنی نعلین سے ''دونوں جہان'' مراد ہیں انہیں اُتار ڈالو یعنی ان کی طرف اِلتفات نہ کرو کہ تم بارگاہِ قدس میں پہنچ گئے۔

اَقول: نعل قطعِ راہ میں مُعین ہوتی ہے اور مقصدِ اولیاء وصول بحضرتِ کبریا ہے اور دنیا آخرت دونوں اس راہ کی قطع میں مُعین، دُنیا یوں کہ اس میں اَعمال سببِ وصولِ جنت ہیں، اور آخرت یوں کہ وہیں وعدۂ دیدار ہے، معہذا طالبانِ مولیٰ لذّاتِ کونین کو زیرِ قدم رکھتے ہیں، جو زیرِ قدم ہوا اُسے نعل کہنا مناسب ہے۔ ص86

* **ہر آیت ''لا'' پر وقف جائز ہے، یوں بھی سنت سے ثابت ہے۔ قراء میں بھی دونوں طریقے ہیں اور سب قراءتیں حق ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ص93**

کواکب خود بالطبع آسمان میں گھومتے ہیں یا بحرکتِ قمری بالتّبع چکر کھاتے ہیں؟

الجواب: ہمارے نزدیک کواکب کی حرکت نہ طبعیہ ہے نہ تبعیہ، بلکہ خود کواکب بامرِ الٰہی وتحریکِ ملائکہ آسمانوں میں دریا میں مچھلی کی طرح تیرتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ {كُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ یَّسۡبَحُوۡنَ} اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہر ستارہ ایک آسمان میں تیرتا ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ {وَ الشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ} اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: سورج اپنے مستقر کے لئے جاری ہے یہ غالب علم والے کا حساب ہے۔ وقال تعالیٰ {سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ دَآىٕبَیۡنِ} اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر فرمایا جو مسلسل چل رہے ہیں۔ وقال تعالیٰ {كُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی} اور فرمایا: ایک مقررہ وقت کے لئے سب حرکت میں ہیں۔

ہمارے نزدیک نہ زمین متحرک نہ آسمان۔ قال اللہ تعالیٰ {اِنَّ اللّٰهَ یُمۡسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا وَ لَىٕنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَكَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ} (اللہ تعالیٰ نے فرمایا): بے شک اللہ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمینوں کو کہ ہٹ نہ جائیں اور جو وہ ہٹیں تو خدا کے سوا انہیں کون روکے۔ ص113

سبع سیارہ کا بیان کس آیت میں ہے؟

قال اللہ تعالیٰ {وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ وَ النُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمۡرِهٖ} اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سورج، چاند اور ستارے سب اسی کے حکم کے فرمانبردار ہیں۔ اور {كُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ} سے بھی اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں سات حرف ہیں۔ اپنے نفس پر دائر اور یزین کا بیان تو بکثرت فرمایا، خاص متحیراتِ خمسہ کا ذکر {فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ الۡجَوَارِ الۡكُنَّسِ} میں ہے، میں قسم یاد فرماتا ہوں دُبک جانے والوں، چلنے والوں کی۔ یہ ان کے وقوف، اِستقامت ورجعت کا بیان ہے کہ سیدھے چلتے ہیں، پھر ٹھہر جاتے ہیں، پھر پیچھے ہٹتے ہیں، پھر ٹھہرتے ہیں، پھر سیدھے ہوجاتے ہیں۔ اس لئے ان کو متحیرہ کہتے ہیں۔

ابن ابی حاتم تفسیر امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے {فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ} کی تفسیر میں راوی: قال

خمسۃ انجم زحل وعطارد والمشتری، وبھرام والزھرۃ لیس فی الکواکب شیء یقطع المجرۃ غیرھا۔فرمایا: وہ پانچ ستارے ہیں: زحل، عطارد، مشتری، مریخ، زہرہ، کوئی ستارہ ان کے سوا کہکشاں کو قطع نہیں کرتا۔

یعنی ثوابت میں جو کہکشاں پر ہیں وہ وہیں ہیں جو اس کے اِدھر اُدھر ہیں، وہ وہیں ہیں ان کی حرکتِ طبیعۂ خفیفہ خفیہ ایسی نہیں کہ ابھی کہکشاں سے ادھر تھے چند ہی مدت میں اُس پار چلے گئے۔ یہ شان انہیں پانچ نجوم کی ہے۔واللہ اعلم۔ص115

رسالہ: تجلی الیقین بأنّ نبیّنا سید المرسلین

(یقین کا اظہار اس بات کے ساتھ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار ہیں)۔ص129

سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے نبوت کس وقت ثابت ہوئی؟

حضور کی رسالت زمانۂ بعثت سے مخصوص نہیں بلکہ سب کو حاوی۔ ترمذی جامع میں فائدہ تحسین واللفظ لہ، اور حاکم وبیہقی وابونعیم ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور احمد مسند اور بخاری تاریخ میں، اور ابنِ سعد وحاکم وبیہقی وابونعیم میسرۃ الفجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، اور بزار وطبرانی، ابونعیم عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اور ابونعیم بطریق صنابحی امیر المومنین عمر الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ابنِ سعد ابنِ ابی الجدعاء ومطرف بن عبداللہ بن الشخیر وعامر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے باسانیدِ متباینہ والفاظِ متقاربہ راوی حضور پُرنُور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی "متی وجبت لك النبوۃ" حضور کے لیے نبوت کس وقت ثابت ہوئی؟ فرمایا "وادم بین الروح والجسد" جبکہ آدم درمیان روح اور جسد کے تھے۔ جبلُ الحفظ امام عسقلانی نے کتابُ الاصابہ میں حدیثِ میسرہ کی نسبت فرمایا: سندُہٗ قویٌّ (اس کی سند قوی ہے۔ت)

ع آدم ستروتن ب آب وگل داشت کو حکم بملک جان جان ودل داشت

(آدم علیہ السلام ابھی گارے کا مجسمہ تھے کہ آنحضرت کی حکومت دل وجان کی مملکت میں تھی۔ت)۔ص149

علماء تصریح فرماتے ہیں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام لے کر ندا کرنی حرام ہے

اور واقعی محلِ انصاف ہے جسے اس کا مالک ومولیٰ تبارک وتعالیٰ نام لے کر نہ پکارے غلام کی کیا مجال کہ راہِ ادب سے تجاوز کرے بلکہ امام زین الدین مراغی وغیرہ محققین نے فرمایا: اگر یہ لفظ کسی دعاء میں وارد ہو جو خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی جیسے دعائے یا محمد انی توجھت بك الی ربی۔ اے محمد! میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔(ت) تاہم اس کی جگہ یارسول اللہ، یا نبی اللہ چاہیے، حالانکہ الفاظِ دعاء میں حتی الوسع تغییر نہیں کی جاتی۔ یہ مسئلہ مہمّہ جس سے اکثر اہلِ زمانہ غافل ہیں نہایت واجبُ الحفظ ہے۔فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے اس کی تفصیل اپنے مجموعہ فتاویٰ مسمّٰی بہ "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" میں ذکر کی۔ص157

احادیثُ الشفاعۃ وتصورِ شفاعت

ان سب کے الفاظ جُدا جُدا نقل کرنے میں طُول کثیر ہے لہذا میں ان کے متفرق لفظوں کو ایک منظم سلسلہ میں یکجا کر کے

اس جانفزا قصہ کی تلخیص کرتا ہوں و باللہ التوفیق، روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اَولین وآخرین کو ایک میدانِ وسیع وہموار میں جمع کرے گا کہ سب دیکھنے والے کے پیشِ نظر ہوں اور پکارنے والے کی آواز سنیں دن طویل ہوگا اور آفتاب کو اس روز دس برس کی گرمی دیں گے۔ پھر لوگوں کے سروں سے نزدیک کریں گے یہاں تک کہ بقدر دو کمانوں کے فرق رہ جائے گا، پسینے آنے شروع ہوں گے۔ قدِ آدم پسینہ تو زمین میں جذب ہوجائے گا پھر اوپر چڑھنا شروع ہوگا یہاں تک کہ آدمی غوطے کھانے لگیں گے اور غڑپ غڑپ کریں گے جیسے کوئی ڈبکیاں لیتا ہے۔ قربِ آفتاب سے غم وکرب اس درجہ کو پہنچے گا کہ طاقت طاق ہوگی تابِ تحمل نہ رہے گی۔ رہ رہ کر تین گھبراٹیں لوگوں کو اُٹھیں گی۔ آپس میں کہیں گے دیکھتے نہیں تم کس آفت میں ہو، کس حال کو پہنچے، کوئی ایسا کیوں نہیں ڈھونڈتے جو رب کے پاس شفاعت کرے کہ ہمیں اس مکان سے نجات دے۔ پھر خود ہی تجویز کریں گے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے باپ ہیں، ان کے پاس چلا جائے، پس آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے۔ اور پسینے کی وہی حالت ہے کہ منہ میں لگام کی طرح ہوا چاہتا ہے۔ عرض کریں گے اے باپ ہمارے اے آدم! آپ ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دستِ قدرت سے بنایا اور اپنی روح آپ میں ڈالی اور اپنے ملائکہ سے سجدہ کرایا اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا اور سب چیزوں کے نام سکھائے اور آپ کو اپنا صفی کیا۔ آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیوں نہیں کرتے کہ ہمیں اس مکان سے نجات دے آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس آفت میں ہیں اور کس حال کو پہنچے۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے لست هنا کم انه لم یهمنی الیوم الا ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبله مثله ولن یغضب بعده مثله نفسی نفسی نفسی اذهبوا الی غیری میں اس قابل نہیں مجھے آج اپنی جان کے سوا کسی کی فکر نہیں، آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا ہے کہ نہ ایسا پہلے کبھی کیا نہ آئندہ کبھی کرے، مجھے اپنی جان کی فکر ہے، مجھے اپنی جان کا غم ہے، مجھے اپنی جان کا خوف ہے، تم اور کسی کے پاس جاؤ۔ عرض کریں گے پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔ فرمائیں گے۔ اپنے پدرِ ثانی نوح کے پاس جاؤ کہ وہ پہلے نبی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجا وہ خدا کے شاکر بندے ہیں۔ لوگ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے اے نوح اے نبی اللہ! آپ اہلِ زمین کی طرف پہلے رسول ہیں اللہ نے عبدِ شکور آپ کا نام رکھا، اور آپ کو برگزیدہ کیا اور آپ کی دعا قبول فرمائی کہ زمین پر کسی کافر کا نشان نہ رکھا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہم کس حال کو پہنچے، آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیوں نہیں کرتے کہ ہمارا فیصلہ کردے۔ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے لست هنا کم لیس ذا کم عندی انه لا یهمنی الیوم الا نفسی ان ربی غضب الیوم غضبا لم یغضب قبله مثله ولن یغضب بعده مثله نفسی نفسی نفسی اذهبوا الی غیری میں اس قابل نہیں یہ کام مجھ سے نہ نکلے گا، آج مجھے اپنی جان کے سوا کسی کی فکر نہیں۔ میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا جو نہ اس سے پہلے کیا اور نہ اس کے بعد کرے، مجھے اپنی جان کی فکر ہے مجھے اپنی جان کا کھٹکا ہے، مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ وہ عرض کریں گے پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔ فرمائیں گے خلیلُ الرحمن ابراہیم کے پاس جاؤ کہ اللہ نے انہیں اپنا دوست کیا ہے۔ لوگ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوں گے عرض کریں گے اے خلیل الرحمن، اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور اہلِ زمین میں اس کے خلیل ہیں آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجئے کہ ہمارا فیصلہ کردے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ آپ دیکھتے

نہیں ہم کس حال کو پہنچے۔ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والسلام فرمائیں گے لست هناكم ليس ذاكم عندى لايهمنى اليوم الا نفسى ان ربى قد غضب اليوم غضباً لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله نفسى نفسى نفسى اذهبوا الى غيرى میں اس قابل نہیں، یہ کام میرے کرنے کا نہیں، آج مجھے اپنی جان کا تردّد ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ۔عرض کریں گے پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔فرمائیں گے تم موسیٰ کے پاس جاؤ وہ بندہ جسے خدا نے توریت دی اور اس سے کلام فرمایا، اور اپنا راز دار بنا کر قرب بخشا اور اپنی رسالت دے کر برگزیدہ کیا۔لوگ موسیٰ علیہ الصلٰوۃ والسلام کے پاس حاضر ہوکر عرض کریں گے اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالٰی نے آپ کو اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے لوگوں پر فضیلت بخشی، اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے، آپ دیکھتے نہیں ہم کس حال کو پہنچے، آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس صدمہ میں ہیں۔موسیٰ علیہ الصلٰوۃ والسلام فرمائیں گے لست هناكم ليس ذاكم عندى انه لايهمنى اليوم الا نفسى ان ربى قد غضب اليوم غضباً لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله نفسى نفسى نفسى اذهبوا الى غيرى میں اس لائق نہیں یہ کام مجھ سے نہ ہوگا، مجھے آج اپنے سوا دوسرے کی فکر نہیں، میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا ہے کہ ایسا نہ کبھی کیا تھا اور نہ کبھی کرے، مجھے اپنی جان کی فکر ہے، مجھے اپنی جان کا خیال ہے، مجھے اپنا جان کا خطرہ ہے، تم کسی اور کے پاس جاؤ۔عرض کریں گے پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔فرمائیں گے تم عیسٰی کے پاس جاؤ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول اور اس کے کلمہ اور اس کی روح، کہ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتے اور مُردے جلاتے تھے۔لوگ مسیح علیہ الصلوۃ کے پاس حاضر ہوکر عرض کریں گے اے عیسٰی! آپ اللہ کے رسول اور اس کے وہ کلمہ ہیں کہ اس نے مریم کی طرف اِلقاء فرمایا، اور اس کی طرف کی روح ہیں، آپ نے گہوارے میں کلام کیا، اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجئے کہ وہ ہمارا فیصلہ فرمادے۔آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس اندوہ میں ہیں، آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حال کو پہنچے۔مسیح علیہ الصلٰوۃ والسلام فرمائیں گے لست هناكم ليس ذاكم عندى انه لايهمنى اليوم الا نفسى ان ربى قد غضب اليوم غضباً لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله نفسى نفسى نفسى اذهبوا الى غيرى میں اس لائق نہیں یہ کام مجھ سے نہ نکلے گا، مجھے آج اپنی جان کے سوا کسی کا غم نہیں، میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا ہے نہ کبھی ایسا کیا نہ کرے، مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، مجھے اپنی جان کا غم ہے، مجھے اپنی جان کا سوچ ہے، تم اور کسی کے پاس جاؤ۔عرض کریں گے پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔فرمائیں گے ايتوا عبدا فتح الله على يديه ويجىء فى هذا اليوم اٰمنا انطلقوا الى سيد ولد آدم فانه اول من تنشق عنه الارض يوم القيامة ايتوا محمدا ان كل متاع فى وعاء مختوم عليه كان يقدر على مافى جوفه حتى يفض الخاتم تم اس بندے کے پاس جاؤ جس کے ہاتھ پر اللہ نے فتح رکھی ہے، اور آج کے دن بےخوف ومطمئن ہے، اس کی طرف چلو جو تمام بنی آدم کا سردار اور سب سے پہلے زمین سے باہر تشریف لانے والا ہے، تم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔بھلا کسی سربمہر ظرف میں کوئی متاع ہو، اس کے اندر کی چیز بے مہر اُٹھائے مل سکتی ہے، لوگ عرض کریں گے، نہ۔فرمائیں گے: ان محمدًا صلى الله تعالٰى عليه وسلم خاتم النبيين وقد حضر اليوم اذهبوا الى محمد فليشفع لكم الى ربك یعنی اسی طرح محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انبیاء کے خاتم

ہیں (تو جب تک وہ باب فتح نہ فرمائیں کوئی نبی کچھ نہیں کرسکتا۔) اور آج وہ یہاں تشریف فرما ہیں تم انہیں کے پاس جاؤ، چاہئے کہ وہ تمہارے رب کے حضور تمہاری شفاعت کریں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اب وہ وقت آیا کہ لوگ تھکے ہارے، مصیبت کے مارے، ہاتھ پاؤں چھوڑے، چار طرف سے اُمیدیں توڑے، بارگاہِ عرش جاہ، بیکس پناہ، خاتمِ دورۂ رسالت، فاتحِ بابِ شفاعت، محبوبِ (عــہ ا)[1] باوجاہت، مطلوبِ بلندعزت، ملجاء عاجزان، ماویٰ بیکساں، مولائے دوجہان، حضور پُرنُور محمد رسول اللہ شفیعِ یوم النشور افضل صلوات اللہ واکمل تسلیمات اللہ واز کی تحیات اللہ وانمی برکات اللہ علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ وعیالہٖ میں حاضر آئے، اور بہزاراں ہزار نالہائے زار ودلِ بیقرار وچشمِ اَشکبار یوں عرض کرتے ہیں یا محمد ویانبی اللہ انت الذی فتح اللہ بك وجئت فی ھذا الیوم اٰمناً انت رسول اللہ وخاتم الانبیاء اشفع لنا الی ربك فلیقض بیننا الا ترٰی الی مانحن فیہ الا ترٰی ما قد بلغنا اے محمد! اے اللہ کے نبی! آپ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتحِ باب کیا، اور آج آپ آمن ومطمئن تشریف لائے۔ حضور اللہ کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں، اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کہ ہمارا فیصلہ فرمادے، حضور نگاہ تو کریں ہم کس درد میں ہیں، حضور ملاحظہ تو فرمائیں ہم کس حال کو پہنچے ہیں۔ حضور پُرنُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے انا لھا وانا صاحبکم میں شفاعت کے لئے ہوں، میں تمہارا وہ مطلوب ہوں جسے تمام موقف میں ڈھونڈ پھرے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبارک وشرف ومجد وکرم (اللہ تعالیٰ آپ پر درود وسلام، برکت وکرم وشرف اور بزرگی نازل فرمائے۔ت) اس کے بعد حضور نے اپنی شفاعت کی کیفیت ارشاد فرمائی۔ یہ نصف حدیث کا خلاصہ ہے۔

مسلمان اسی قدر کو بنگاہِ ایمان دیکھے۔ اور اولاً: حق جَلَّ وَعَلَا کی یہ حکمتِ جلیلہ خیال کرے کہ کیونکر اہلِ محشر کے دلوں میں ترتیب وار انبیائے عظام علیہم الصلٰوۃ والسلام کی خدمت میں جانا اِلہام فرمائے گا۔ اور دفعۃً بارگاہِ اَقدس سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر نہ لائے گا کہ حضور تو یقیناً شفیع مشفّع ہیں۔ ابتداءً یہیں آتے تو شفاعت پاتے۔ مگر اولین وآخرین وموافقین ومخالفین خلقُ اللہ اجمعین پر کیونکر کھلتا کہ یہ منصبِ اَفخم اسی سیدِاَکرم مولائے اَعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصۂ خاصہ ہے جس کا دامنِ رفیع جلیل ومنیع تمام انبیاء ومرسلین کے دستِ ہمت سے بلند وبالا ہے۔ پھر خیال کیجئے کہ دنیا میں لاکھوں کروڑوں کان اس حدیث سے

---

[1]: (عــہ ا): یہ لفظ اس سفیہ کے ردّ میں ہیں جو شفاعت بالوجاہت وشفاعت بالمحبۃ کو نہیں مانتا، حالانکہ حقیقۃً اسبابِ شفاعت یہی ہیں، اور ان کے جو معنی اس نے تراشے وہ اس کی نری زبان درازیاں ہیں، پھر شفاعت بالاذن کا جو مطلب گھڑا محض باطل۔ اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں بے ادبی پر مشتمل۔ جیسا کہ حضرت والد قدس سرہ الماجد نے تزکیۃ الایقان اور دیگر علمائے اہلِ سنت نے اپنی تصانیف میں تحقیق فرمایا۔ پھر احادیثِ کثیرہ گواہ ہیں کہ اس کے گھڑے ہوئے معنی ہرگز واقع نہ ہوں گے، تو اس نے اس پردے میں اصل شفاعت سے انکار کیا کہ جو مانتا ہے وہ ہوگی نہیں، اور جو ہوگی اسے مانتا نہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ میں وجودِ انسان کا منکر نہیں، مگر لوگ جسے انسان کہتے ہیں وہ معدوم ہے۔ موجود یہ ہے کہ اس کے پانچ ہاتھ ہوں اور بائیس کان ہوں، اور ستائیس ناکیں، اور پینتالیس منہ، اور پہاڑ پر چڑھ کر پیڑ پر بسیرا لیتا ہو۔ ہر عاقل جانے گا کہ یہ اَحمق سرے سے انسان ہی کا منکر ہے اگرچہ براہِ عیاری لفظِ انسان کا مُقِر ہے۔ منہ)

آشنا اور بے شمار بندے اس حال کے شناسا عرصاتِ محشر میں صحابہ وتابعین وائمۂ محدثین واولیائے کاملین وعلمائے عاملین سبھی موجود ہوں گے۔ پھر کیونکر یہ جانی پہچانی بات دلوں سے ایسی بھلادی جائے گی کہ اتنی کثیر جماعتوں میں ان طویل مدتوں تک کسی کو اَصلاً یاد نہ آئے گی۔ پھر نوبت بنوبت حضرات انبیاء سے جواب سنتے جائیں گے۔ جب بھی مطلق دھیان نہ آئے گا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو سچے مخبر نے پہلے ہی بتایا ہے۔ پھر حضراتِ انبیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء کو دیکھئے۔ وہ بھی یکے بعد دیگرے انبیائے مابعد کے پاس بھیجتے جائیں گے۔ یہ کوئی نہ فرمائے گا کہ کیوں بے کار ہلاک ہوتے ہو۔ تمہارا مطلوب اس پیارے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس ہے۔ یہ سارے سامان اسی اظہارِ عظمت واشتہارِ وجاہتِ محبوبِ باشوکت کی خاطر ہیں۔ **لیقضی اللہ امراً کان مفعولاً، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (تاکہ اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے، اور درود وسلام نازل فرمائے اپنے محبوب پر (ت)۔

ثانیاً: سوالِ شفاعت پر حضراتِ انبیاء کے جواب اور ہمارے حضور کا مبارک ارشاد ملا دیکھئے یہیں مقامِ محمود کا مزہ آتا اور ابھی کالشمس کھلا جاتا ہے کہ سب نجومِ رسالت ومصابیح نبوت میں اَفضل واَعلٰی واَجلی واَعظم واَولٰی وبلند وبالا وہی عرب کا سورج ،حرم کا چاند ہے جس کے نور کے حضور ہر روشنی ماند ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارک وشرف ومجد وکرم (اللہ تعالٰی آپ پر درود وسلام وبرکت وکرم وشرف وبزرگی نازل فرمائے۔ت) اور انبیائے خمسہ کی وجہِ تخصیص ظاہر کہ حضرتِ آدم اوّلِ انبیاء وپدرِ انبیاء ہیں، اور مرسلینِ اربعہ اولو العزم مرسل اور سب انبیائے سابقین سے اعلٰی وافضل، تو ان پر تفضیل **والحمد للہ الملک الجلیل**۔ص220

خصائصِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

حدیثِ خصائص وہ حدیث ہے جس میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے خصائصِ جمیلہ ارشاد فرمائے جو کسی نبی ورسول نے نہ پائے اوران کی وجہ سے اپنا تمام انبیاءُاللہ پر تفضیل فرمانا ذکر فرمایا۔ یہ روایت متواتر المعنٰی ہے۔

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے کتبِ کثیرہ کے مواضعِ متفرقہ قریبہ وبعیدہ سے اُس کے طُرُق وروایات وشواہد ومتابعات کو جمع کیا تو اس وقت کی نظر میں اسے چودہ صحابی کی روایت سے پایا: ابوہریرہ، حذیفہ، ابودرداء، ابوامامہ، سائب بن یزید، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمرو، ابوذر، ابن عباس، ابوموسٰی اشعری، ابوسعید خدری، مولا علی، عوف بن مالک، عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ ان میں ہر ایک کی حدیث اس وقت کا ملاً میرے پیشِ نظر ہے۔ امام خاتم الحفاظ علامہ ابنِ حجر عسقلانی پھر امام علامہ احمد قسطلانی نے چھ طُرُقِ مختلفہ کی تطبیق سے ان خصائص ونفائس کا عدد جو ان حدیثوں میں متفرقاً وارد ہوئے سولہ سترہ تک پہنچایا۔ فقیر غفر اللہ لہ نے ان کے کلام پر اطلاع سے پہلے مبلغ شمار تیس تک پایا۔ **والحمد للہ رب العٰلمین**۔ص246

ان روایات ہی سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اعدادِ مذکورہ میں حصر مراد نہیں، کہیں دو فرماتے ہیں، کہیں تین، کہیں چار، کہیں پانچ، کہیں چھ، کہیں دس، اور حقیقۃً سو اور دو سو پر بھی انتہا نہیں۔

امام علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ نے خصائصِ کبرٰی میں اڑھائی سو کے قریب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے

خصائص جمع کئے اور یہ صرف ان کا علم تھا، ان سے زیادہ علم والے زیادہ جانتے تھے اور علمائے ظاہر سے علمائے باطن کو زیادہ معلوم ہے پھر تمام علوم عالمِ اَعظم حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہزاروں منزل ادھر منقطع ہیں، جس قدر حضور اپنے فضائل وخصائص جانتے ہیں دوسرا کیا جانے گا۔ص253

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اس سے کچھ پہلے مصنف نے خواب دیکھا کہ اپنے مکان کے پھاٹک کے آگے شارعِ عام پر کھڑا ہوں، اور بہت دبیر بلور کا ایک فانوس ہاتھ میں ہے، میں اُسے روشن کرنا چاہتا ہوں، دو شخص داہنے بائیں کھڑے ہیں وہ پھونک مار کر بجھا دیتے ہیں، اتنے میں مسجد کی طرف سے حضور پُرنُور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے، واللہِ العظیم، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی وہ دونوں مخالف ایسے غائب ہوگئے کہ معلوم نہیں آسمان کھا گیا یا زمین میں سماگئے، حضور پُرنُور ملجائے بیکساں مولائے دل وجاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس سگِ بارگاہ کے پاس تشریف لائے، اور اتنے قریب رونق اَفروز ہوئے کہ شاید ایک بالشت یا کم کا فاصلہ ہو، اور بکمالِ رحمت ارشاد فرمایا: پھونک مار، اللہ روشن کردے گا۔ مصنف نے پھونکا، وہ نورِ عظیم پیدا ہوا کہ سارا فانوس اس سے بھر گیا۔ والحمدللہ رب العالمین۔ص266

رسالہ: شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام

(رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کرام کا مسلمان ہونا) ص267

سرورِ کائنات فخرِ موجودات رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ماں باپ آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام تک مومن تھے یا نہیں؟

اولاً: (پہلی دلیل): اللہ عزوجل فرماتا ہے: {وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ} بیشک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بعثت من خیر قرون بنی اٰدم قرناً فقرناً حتی کنت من القرن الذی کنت منہ۔ رواہ البخاری فی صحیحہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ہر قرن وطبقہ میں تمام قرونِ بنی آدم کے بہتر سے بھیجا گیا یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا۔ (اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ ت) حضرتِ امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی حدیثِ صحیح میں ہے۔ لم یزل علی وجہ الدھر (الارض) سبعۃ مسلمون فصاعداً فلولاذٰلك ھلکت الارض ومن علیھا۔ اخرجہ عبدالرزاق وابن المنذر بسند صحیح علی شرط الشیخین۔ روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں، ایسا نہ ہوتا تو زمین واہلِ زمین سب ہلاک ہوجاتے۔ (اس کو عبدالرزاق اور ابن المنذر نے شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت) حضرت عالم القرآن حبر الامۃ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے: ماخلت الارض من بعد نوح من سبعۃ یرفع اللہ بھم عن اھل الارض۔ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد زمین کبھی سات بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوئی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہلِ زمین سے عذاب دفع

فرماتا ہے۔

جب صحیح حدیثوں سے ثابت کہ ہر قرن و طبقے میں روئے زمین پر لا اَقل سات مسلمان بندگانِ مقبول ضرور رہے ہیں، اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانے میں، ہر قرن میں خیارِ قرن سے، اور آیتِ قرآنیہ ناطق کہ کوئی کافر اگرچہ کیسا ہی شریف القوم بالانسب ہو، کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہوسکتا تو واجب ہوا کہ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء واُمہات ہر قرن اور طبقہ میں انہیں بندگانِ صالح ومقبول سے ہوں ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں ارشادِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقرآنِ عظیم میں اِرشادِ حق جل وعلا کے مخالف ہوگا۔ اقول: (میں کہتا ہوں۔ ت) کہ مراد یہ ہے کہ کافر شرعاً اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کو خیر القرن کہا جاسکے بالخصوص جبکہ مسلمان صالح موجود ہوں اگرچہ خیریت نسب ہی کے لحاظ سے کیوں نہ ہو۔ چنانچہ تو سمجھ ۱۲۔ (ت)

ثانیاً: قال اللہ عزوجل {اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ} **دوسری دلیل:** اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کافر تو ناپاک ہی ہیں۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات۔ میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا۔ دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الکریمۃ والارحام الطاھرۃ حتی اخرجنی من بین ابوی، رواہ ابن ابی عمرو العدنی فی مسندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں نقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا۔ اس کو ابنِ ابی عمرو العدنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مسند میں روایت کیا۔ ت)

تو ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آبائے کرام طاہرین واُمہاتِ کرام طاہرات سب اہلِ ایمان وتوحید ہوں کہ بنصِ قرآنِ عظیم کسی کافرو کافرہ کے لیے کرم وطہارت سے حصہ نہیں۔

ثالثاً: قال اللہ تبارك وتعالیٰ: {وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ} **تیسری دلیل:** اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: بھروسا کر زبردست مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہو اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنے والوں میں۔

امام رازی فرماتے ہیں: معنیٰ آیت یہ ہیں کہ حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاک ساجدوں سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا رہا تو آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آبائے کرام مسلمین تھے۔

رابعاً: قال المولی سبحنہ وتعالی {وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى} **چوتھی دلیل:** اللہ تعالیٰ نے فرمایا: البتہ عنقریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہوجائے گا۔ اللہ اکبر! بارگاہِ عزت میں مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت ووجاہت ومحبوبیت کہ امت کے حق میں تو ربُ العزت جل وعلا نے فرمایا ہی تھا: سنرضیك فی امتك ولا نسؤك رواہ مسلم فی صحیحہ۔ قریب ہے کہ ہم تجھے تیری امت کے باب میں راضی کردیں گے اور تیرا دل برا نہ کریں گے۔ (اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ ت) گر اس عطا ورضا کا مرتبہ یہاں تک پہنچا کہ صحیح حدیث میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو

طالب کی نسبت فرمایا: **وجدته فی غمرات من النار فاخرجته الی ضحضاح رواه البخاری ومسلم عن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما** میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ میں کر دیا (اس کو امام بخاری وامام مسلم نے ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

اور یہ ظاہر ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جو قرب والدین کریمین کو ہے، ابو طالب کو اس سے کیا نسبت؟ پھر ان کا عذر بھی واضح کہ نہ انھیں دعوت پہنچی نہ انھوں نے زمانۂ اسلام پایا، تو اگر معاذ اللہ وہ اہلِ جنت نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ ان پر ابو طالب سے بھی کم عذاب ہوتا اور وہی سب سے ہلکے عذاب میں ہوتے۔ یہ حدیثِ صحیح کے خلاف ہے تو واجب ہوا کہ والدین کریمین اہلِ جنت ہیں، وللہ الحمد، اس دلیل کی طرف بھی امام خاتم الحفاظ (جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی) نے اشارہ فرمایا۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تبارک تعالٰی کی طرف سے ہے۔ت) تقریرِ دلیل یہ ہے کہ صادق ومصدوق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی کہ اہلِ نار میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ابو طالب پر یہ تخفیف کس وجہ سے ہے؟ آیا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاری وغمخواری و پاسداری وخدمت گزاری کے باعث یا اس لئے کہ سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان سے محبتِ طبعی تھی، حضور کو ان کی رعایت منظور تھی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **عم الرجل صِنوُ اَبِیہِ رواه الترمذی بسند حسن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه وعن علی والطبرانی الکبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم** آدمی کا چچا اس کے باپ کے بجائے ہوتا ہے اس کو امام ترمذی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے جبکہ طبرانی کبیر نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت) شقِ اول باطل ہے، **قال اللہ عزوجل** {وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا} (اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: (اور جو کچھ انھوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انھیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔(ت)

صاف ارشاد ہوتا ہے کہ کافر کے سب عمل برباد محض ہیں، لاجرم شقِ ثانی ہی صحیح ہے اور یہی ان احادیثِ صحیحہ مذکورہ سے مستفاد، ابو طالب کے عمل کی حقیقت تو یہاں تک تھی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سراپا آگ میں غرق پایا، عمل نے نفع دیا ہوتا تو پہلے ہی کام آتا، پھر حضور کا ارشاد کہ میں نے اسے ٹخنوں تک کی آگ میں کھینچ لیا، میں نہ ہوتا تو جہنم کے طبقہ زیریں میں ہوتا''

لاجرم یہ تخفیف صرف محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پاسِ خاطر اور حضور کا اکرام ظاہر وباہر ہے اور بالبداہت واضح کہ محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خاطرِ اقدس پر ابو طالب کا عذاب ہرگز اتنا گراں نہیں ہوسکتا جس قدر معاذ اللہ والدین کریمین کا معاملہ، نہ ان سے تخفیف میں حضور کی آنکھوں کی وہ ٹھنڈک جو حضرات والدین کے بارے میں، نہ ان کی رعایت میں حضور کا وہ اعزاز واکرام جو حضرتِ والدین کے چھٹکارے میں، تو اگر عیاذاً باللہ وہ اہلِ جنت نہ ہوتے تو ہر طرح سے وہی اس رعایت وعنایت کے زیادہ مستحق تھے، وبوجہ آخر فرض کیجئے کہ یہ ابو طالب کے حقِ پرورش وخدمت ہی کا معاوضہ ہے تو پھر کون سی پرورش جزئیت کے برابر ہوسکتی ہے، کون سی خدمت حمل ووضع کا مقابلہ کرسکتی ہے؟ کیا کبھی کسی پرورش کنندہ یا خدمت گزار کا حق، حقِ والدین کے برابر ہوسکتا ہے جسے ربُّ العزت نے اپنے حقِ عظیم کے ساتھ شمار فرمایا: {اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ} حق مان میرا

اور اپنے والدین کا۔

پھر ابوطالب نے جہاں برسوں خدمت کی، چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں، ہر چند حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کلمہ پڑھنے کو فرمایا، نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا، جرم وہ کیا جس کی مغفرت نہیں۔ عمر بھر معجزات دیکھنا، احوال پر علم تام رکھنا اور زیادہ حجۃ اللہ قائم ہونے کا موجب ہوا بخلاف ابوین کریمین کہ نہ انھیں دعوت دی گئی نہ انکار کیا، تو ہر وجہ، ہر لحاظ، ہر حیثیت سے یقیناً انھیں کا پلہ بڑھا ہوا ہے، تو ابوطالب کا عذاب سب سے ہلکا ہونا یونہی متصور کہ ابوین کریمین اہلِ نار ہی سے نہ ہوں۔ **وھو المقصود والحمد للہ العلی الودود** (اور وہی مقصود ہے، اور تمام تعریفیں بلندی ومحبت والے اللہ کے لئے ہیں۔ ت)۔ص268

تاہم بات وہی ہے جو امام سیوطی نے فرمائی: **ثم انی لم ادّع ان المسألة اجماعیة بل ھی مسألة ذات خلافٍ فحکمھا کحکم سائر المسائل المختلف فیھا غیر انی اخترت له اقوال القائلین بالنجاة لانه اَنْسَب بھذا المقام اه وقال فی الدرج بعد ما درج فی الدرج الفریقان ائمة اکابر اجلاء** ۔ پھر میں نے یہ دعوٰی نہیں کیا کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے بلکہ یہ اختلافی مسئلہ ہے (اور اس کا حکم بھی اختلافی مسائل جیسا ہوگا) مگر میں نے نجات کے قائلین کے اقوال کو اختیار کیا ہے کیونکہ یہی اس مقام کے زیادہ لائق ہے۔اھ اور ''درج المنیفه'' میں اس بحث کو درج کرنے کے بعد کہا دونوں فریق جلیل القدر اکابر ائمہ ہیں۔(ت)۔ص300

عقائدِ اہلِ سنت

اور ہر گز کوئی معصیت مسلمان کو جنت سے محروم اور کافر کے برابر نہیں کرسکتی، اہلسنت کے نزدیک مسلمان کا جنت میں جانا واجبِ شرعی ہے اگرچہ معاذ اللہ مواخذے کے بعد، اور کافر کا جنت میں جانا محالِ شرعی کہ ابدالآباد تک کبھی ممکن ہی نہیں، اور نصوص کو حتی الامکان ظاہر پر محمول کرنا واجب، اور بے ضرورت تاویل ناجائز، اور عصمت نوعِ بشر میں خاصۂ حضراتِ انبیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء ہے، ان کے غیر سے اگرچہ کیسا ہی عظیم الدرجات ہو، وقوعِ گناہ ممکن ومتصور۔ یہ چاروں باتیں عقائد اہلِ سنت میں ثابت ومقرر۔ص276

رسالہ: تمہیدِ ایمان بآیاتِ قرآن۔ص307

صریح بات میں تاویل نہیں سنی جاتی

احتمال وہ معتبر ہے جس کی گنجائش ہو صریح بات میں تاویل نہیں سنی جاتی ورنہ کوئی بات بھی کفر نہ رہے۔ مثلاً زید نے کہا خدا دو ہیں، اس میں یہ تاویل ہو جائے کہ لفظِ خدا سے بحذفِ مضاف حکمِ خدا مراد ہے یعنی قضاء دو ہیں، مبرم ومعلق۔ جیسے قرآنِ عظیم میں فرمایا: ﴿اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمُ اللّٰہُ﴾ ای امرُ اللہ۔ مگر یہ کہ ان کے پاس آئے اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کا امر۔(ت) عمرو کہے میں رسول اللہ ہوں، اس میں یہ تاویل گڑھ لی جائے کہ لغوی معنی مراد ہیں یعنی خدا ہی نے اس کی روح بدن میں بھیجی، ایسی تاویلیں زنہار مسموع نہیں۔

شفاء شریف میں ہے: ادعاؤہ التاویل فی لفظٍ صراحٍ لا یقبل۔ صریح لفظ میں تاویل کا دعوٰی نہیں سنا جاتا۔ ص 348

تکفیر میں شدید اِحتیاط

جن جن کی تکفیر کا اِہتمام علمائے اہلِ سنت پر رکھا ان میں سب سے زیادہ گنجائش اگر ان صاحبوں کو ملتی تو اسمٰعیل دہلوی میں کہ بیشک علمائے اہلسنت نے اس کے کلام میں بکثرت کلماتِ کفریہ ثابت کئے اور شائع فرمائے بایں ہمہ

اولاً: سبحان السبوح عن عیب کذبِ مقبوح ا؎ دیکھئے کہ بارِ اول ۱۳۰۹ھ میں لکھنؤ مطبع انوارِ محمدی میں چھپا جس میں بدلائلِ قاہرہ دہلوی مذکور اور اس کے اَتباع پر پچھتر ۷۵ وجہ سے لزومِ کفر ثابت کر کے صفحہ ۹۰ پر حکمِ اَخیر یہی لکھا کہ علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے **و ھو الجواب و بہ یفتٰی و علیہ الفتوٰی و ھو المذھب و علیہ الاعتماد و فیہ السلامۃ و فیہ السداد**۔ یعنی یہی جواب ہے اور اسی پر فتوٰی ہوا اور اسی پر فتوٰی ہے اور یہی ہمارا مذہب اور اسی پر اعتماد اور اسی میں سلامتی اور اسی میں استقامت۔

ا؎ (سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح دارالاشاعت جامعہ گنج بخش داتا دربار لاہور ص ۱۰۳)

ثانیاً: "الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ" دیکھئے جو خاص اسمٰعیل دہلوی اور اس کے متبعین ہی کے رد میں تصنیف ہوا اور بارِ اول شعبان ۱۳۱۲ھ میں عظیم آباد مطبع تحفہ حنفیہ میں چھپا۔ جس میں نصوصِ جلیلۂ قرآنِ مجید و احادیثِ صحیحہ و تصریحاتِ ائمہ سے بحوالہ صفحات کتبِ معتمدہ اس پر ستر ۷۰ وجہ بلکہ زائد سے لزومِ کفر ثابت کیا اور بالآخر یہی لکھا (ص ۶۲) ہمارے نزدیک مقامِ احتیاط میں اِکفار سے کفِ لسان ماخوذ و مختار و مناسب **واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم**۔

ثالثاً: "سل السیوف الھندیۃ علٰی کفریات بابا النجدیۃ" دیکھئے کہ صفر ۱۳۱۶ھ کو عظیم آباد میں چھپا، اس میں اسمٰعیل دہلوی اور اس کے متبعین پر بوجوہِ قاہرہ لزومِ کفر کا ثبوت دے کر صفحہ ۶۱، ۶۲ پر لکھا یہ حکمِ فقہی متعلق بہ کلماتِ سفہی تھا مگر اللہ تعالٰی کی بے شمار رحمتیں، بے حد برکتیں، ہمارے علمائے کرام پر کہ یہ کچھ دیکھتے۔ اس طائفہ کے پیر سے نارواباتِ پر سچے مسلمانوں کی نسبت حکمِ کفر و شرک سنتے ہیں، بایں ہمہ نہ شدتِ غضب دامنِ احتیاط ان کے ہاتھ سے چھڑاتی ہے، نہ قوتِ اِنتقام حرکت میں آتی، وہ اب تک یہی تحقیق فرمارہے ہیں کہ لزوم و اِلتزام میں فرق ہے اَقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات، اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے، سکوت کریں گے، جب تک ضعیف سا ضعیف اِحتمال ملے گا حکمِ کفر جاری کرتے ڈریں گے، اھ مختصرا۔

رابعاً: "ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار" (دیکھئے کہ بارِ اول ۱۳۱۷ھ کو عظیم آباد میں چھپا، اس میں صفحہ ۱۰ پر لکھا ہم اس باب میں قولِ متکلمین اختیار کرتے ہیں ان میں جو کسی ضروری دین کا منکر نہیں نہ ضروریِ دین کے کسی منکر کو مسلمان کہتا ہے اسے کافر نہیں کہتے۔

خامساً: اسمٰعیل دہلوی کو بھی جانے دیجئے، یہی دشنامی لوگ جن کے کفر پر اب فتوٰی دیا ہے جب تک ان کی صریح دشنامیوں پر اطلاع نہ تھی، مسئلۂ اِمکانِ کذب کے باعث ان پر اٹھتر وجہ سے لزومِ کفر ثابت کر کے "سبحان السبوح" میں بالآخر صفحہ ۸۰ طبع اول پر یہی لکھا کہ حاشاللہ حاشاللہ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا، ان مقتدیوں یعنی مدعیانِ

جدید (عـــہ ا)[1] کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں اگر چہ ان کی بدعت وضلالت میں شک نہیں اور امام الطائفہ (اسمٰعیل دہلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی نے اہلِ لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہِ کفر، آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہوجائے اور حکمِ اسلام کے لئے اَصلاً کوئی ضعیف سا ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے۔ **فان الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ۔** (اس لئے کہ اسلام غالب ہے مغلوب نہیں ہے۔ت)

مسلمانو! مسلمانو! تمہیں اپنا دین وایمان اور روزِ قیامت وحضورِ بارگاہِ رحمن یاد دِلا کر استفسار ہے کہ جس بندۂ خدا کی دربارۂ تکفیر یہ شدید احتیاط یہ جلیل تصریحات اس پر تکفیر تکفیر کا اِفتراء کتنی بے حیائی، کیسا ظلم، کتنی گھنونی، ناپاک بات، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اور وہ جو کچھ فرماتے ہیں قطعاً حق فرماتے ہیں **اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔** جب تجھے حیا نہ رہے تو جو چاہے کر: ع＿＿＿＿＿بے حیا باش وآنچہ خواہی کن (بے حیا ہوجا پھر جو چاہے کر۔ت)۔

مسلمانو یہ روشن ظاہر واضح قاہر عبارات تمہارے پیشِ نظر ہیں جنہیں چھپے ہوئے دس ۱۰ دس ۱۰ اور بعض کو سترہ ۱۷ ۱۷ اور تصنیف کو اُنیس ۱۹ سال ہوئے (اور ان دشنامیوں کی تکفیر تو اب چھ سال یعنی ۱۳۲۰ھ سے ہوئی ہے (جب سے ''المعتمد المستند'' چھپی) ان عبارات کو بغور نظر فرماؤ اور اللہ ورسول کے خوف کو سامنے رکھ کر انصاف کرو یہ عبارتیں فقط ان مفتریوں کا اِفتراء ہی رد نہیں کرتیں بلکہ صراحۃً صاف صاف شہادت دے رہی ہیں کہ ایسی عظیم احتیاط والے نے ہرگز ان دشنامیوں کو کافر نہ کہا جب تک یقینی، قطعی، واضح، روشن، جلی طور سے ان کا صریح کفر آفتاب سے زیادہ ظاہر نہ ہولیا جس میں اَصلاً، اَصلاً، ہرگز، ہرگز کوئی گنجائش، کوئی تاَویل نہ نکل سکی کہ آخر یہ بندۂ خدا وہی تو ہے جو ان کے اکابر پر ستر ۷۰، ستر ۷۰ وجہ سے لزومِ کفر کا ثبوت دے کر یہی کہتا ہے کہ ہمیں ہمارے نبی نے اہلِ لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وجہِ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہوجائے اور حکم اسلام کے لئے اَصلاً کوئی ضعیف سا ضعیف محمل باقی نہ رہے۔ یہ بندۂ خدا وہی تو ہے جو خود ان دشنامیوں کی نسبت (جب تک ان کی دشنامیوں پر اطلاع یقینی نہ ہوئی تھی) اٹھتر ۷۸ وجہ سے بحکمِ فقہائے کرام لزومِ کفر کا ثبوت دے کر یہی لکھ چکا تھا کہ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا۔ جب کیا ان سے کوئی ملاپ تھا اب رنجش ہوگئی؟ جب ان سے جائداد کی کوئی شرکت نہ تھی اب پیدا ہوئی؟ حاشا للہ مسلمانوں کا علاقۂ محبت وعداوت، صرف محبت وعداوتِ خدا ورسول ہے، جب تک ان دشنام دہوں سے دشنام صادر نہ ہوئی یا اللہ ورسول کی جناب میں ان کی دشنام نہ دیکھی سنی تھی، اس وقت تک کلمہ گوئی کا پاس لازم تھا، غایت احتیاط سے کام لیا حتیٰ کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح ان پر کفر لازم تھا مگر احتیاطاً ان کا ساتھ نہ دیا اور متکلمین عظام کا مسلک اختیار کیا۔ جب صاف صریح انکارِ ضروریاتِ دین ودشنام دہی رب العلمین وسید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ اکابر ائمہ دین کی تصریحیں سن چکے کہ **من شك فی عذابه و کفره فقد کفر،** جو ایسے کے معذب وکافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے۔ اپنا اور اپنے دینی بھائیوں عوام اہلِ اسلام کا ایمان بچانا ضروری تھا لاجرم حکمِ کفر دیا اور شائع کیا۔ص353

---

[1]: عـــہ ا: گنگوہی وانبھٹی اور انکے اَذناب دیوبندی ۱۲ **کاتب عفی عنه**

رسالہ: الامن والعلیٰ لناعتی المصطفی بدافع البلاء

کلمہ دافع البلاکے ساتھ مصطفی علیہ الصلوۃ والسلام کی نعت بیان کرنے والوں کے لئے بلاؤں سے امن اور انکے مرتبے کی بلندی ہے مسمی بہ نام تاریخی اکمال الطامۃ علی شرك سوی بالامور العامۃ

* **پوری قیامت ڈھانا وہابیوں کے اس شرک پر جو امورِ عامہ کی طرح موجود کی ہر قسم پر صادق ہے۔ص 359**

اقول: وباللہ التوفیق نسبت واسناد دو قسم ہے:

حقیقی کہ مسند الیہ حقیقت سے متصف ہو۔

اور مجازی کہ کسی علاقہ سے غیرِ متصف کی طرف نسبت کر دیں جیسے نہر کو جاری یا حابس سفینہ کو متحرک کہتے ہیں، حالانکہ حقیقۃً آب و کشتی جاری متحرک ہیں۔

پھر حقیقی بھی دو قسم ہے: ذاتی کہ خود اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو، اور عطائی کہ دوسرے نے اسے حقیقۃً متصف کر دیا ہو خواہ وہ دوسرا خود بھی اس وصف سے متصف ہو جیسے واسطہ فی الثبوت میں، یا نہیں جیسے واسطہ فی الاثبات میں۔ ان سب صورتوں کی اِسنادیں تمام محاوراتِ عقلائے جہاں واہلِ ہر مذہب وملت وخود قرآن وحدیث میں شائع وذائع، مثلاً انسان عالم کو عالم کہتے ہیں، قرآنِ مجید میں جابجا اولوا العلم وعلمٰؤ ابنی اسرائیل اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت لفظ علیم وارد، یہ حقیقت عطائیہ ہے یعنی بعطائے الٰہی وہ حقیقۃً متصف بعلم ہیں، اور مولیٰ عزوجل نے اپنے نفسِ کریم کو علیم فرمایا یہ حقیقت ذاتیہ ہے کہ وہ بے کسی کی عطا کے اپنی ذات سے عالم ہے۔ سخت اَحمق وہ کہ ان اطلاقات میں فرق نہ کرے۔ وہابیہ کے مسائلِ شرکیہ استعانت وامداد وعلمِ غیب وتصرفات ونداوسماع فریاد وغیرہا ایسے فرق نہ کرنے پر مبنی ہیں۔ص 374

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اسناد

سیدِ عالم مغنی اَکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ماینقم ابن جمیل الا انّہ کان فقیراً فاغناہ اللہ ورسولہ۔ ابن جمیل کو کیا بُرا لگا یہی نا کہ وہ محتاج تھا اللہ ورسول نے اسے غنی کر دیا، جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اللہ ورسولہ مولیٰ من لا مولی لہ۔ الترمذی وحسنہ وابن ماجۃ عن امیر۔ جس کا کوئی نگہبان نہ ہو اللہ ورسول اس کے نگہبان ہیں۔ص 436

حدیث: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اعلموا ان الارض للہ ولرسولہ. البخاری فی الجہاد یقین جان لو کہ زمین کے مالک اللہ ورسول ہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ص 445

آیات واحادیث عطائے مفاتیحِ عالم بحضور پُرنُور مولائے اَعظم صلی اللہ علیہ وسلم

حضور مالک المفاتیح صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بینا انا نائم اتیت بمفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدی۔ میں سو رہا تھا کہ تمام خزائنِ زمین کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔

حضور مالکِ تمام دنیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اتیت بمقالید الدنیا علی فرس ابلق جاءنی بہ

جبریل علیہ قطیفۃ من سندس۔ دنیا کی کنجیاں ابلق گھوڑے پر رکھ کر میری خدمت میں حاضر کی گئیں جبریل لے کر آئے اس پر نازک ریشم کا زین پوش بانقش ونگار پڑا تھا۔

حضور پُرنُور ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اوتیت مفاتیح کل شیء الا الخمس۔ مجھے ہر چیز کی کنجیاں عطا ہوئیں سوا ان پانچ کے۔ یعنی غیوبِ خمسہ۔

علامہ حفنی حاشیہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں: ثم اعلم بھا بعد ذٰلك۔ پھر یہ پانچ بھی عطا ہوئیں ان کا علم بھی دے دیا گیا۔ ص 427

ملا جی! ذرا انصاف کی کنجی سے دیدۂ عقل کے کواڑ کھول کر یہ کنجیاں دیکھئے جو مالک الملک شہنشاہ قدیر جل جلالہ نے اپنے نائبِ اکبر خلیفۂ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں خزانوں کی کنجیاں، زمین کی کنجیاں، دنیا کی کنجیاں، جنت کی کنجیاں، نار کی کنجیاں۔ اور اب اپنا وہ بلائے جان اقرار یاد کیجئے ''جس کے ہاتھ کنجی ہوتی ہے قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے جب چاہے کھولے جب چاہے نہ کھولے''۔ دیکھ حجتِ الٰہی یوں قائم ہوتی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ ص 435

* **امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں برسرِ منبر فرمایا: کنت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکنت عبدہ وخادمہ۔ میں حضور پُرنُور آقا ومولائے عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھا پس میں حضور کا بندہ اور حضور کا خدمتی تھا۔ ص 462**

علمِ غیب پر ایک اعتراض کا جواب

صحیح بخاری ومسند احمد وسنن ابی داود وترمذی وابن ماجہ رُبَیّع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری شادی میں تشریف لائے چھوکریاں دف بجا کر میرے باپ چچا جو بدر میں شہید ہوئے تھے ان کے اوصاف گاتی تھیں اس میں کوئی بولی وفینا نبی یعلم ما فی غدٍ ہم میں وہ نبی ہیں جنہیں آئندہ کا حال معلوم ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اس پر سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دعی ھٰذا وقولی بالذی کنت تقولین۔ اسے رہنے دے اور جو کچھ پہلے کہہ رہی تھی وہی کہے جا۔

ثم اقول: اور انصاف کی نگاہ سے دیکھئے تو بحمد اللہ تعالیٰ حدیث نے شرک کا تسمہ بھی لگا نہ رکھا، او شرک پسند! او شرک کی حقیقت وشناخت سے غافل! کیا شرک کوئی ایسی ہلکی چیز ہے کہ اللہ کا رسول اور رسولوں کا سردار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی مجلس میں اپنے حضور اپنی امت کو شرک بکتے کفر بولتے سنے اور یونہی سہل دو حرفوں میں گزار دے کہ اسے رہنے دو وہی پہلی بات کہے جاؤ۔

رہا ممانعت فرمانا۔۔۔ یہ منہ دھور کھئے منعِ لفظ بُطلانِ معنیٰ ہی میں منحصر نہیں بلکہ اس کے لیے وجوہ ہیں اور عقل ونقل کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال (جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہوجاتا ہے۔ ت)

اولاً: ممکن ہے کہ لہو ولعب کے وقت اپنی نعت اور وہ بھی زنانے گانے اور وہ بھی دف بجانے میں پسند نہ فرمائی، لہٰذا ارشاد ہوا: اسے رہنے دو اور وہی پہلے گیت گاؤ۔ ارشاد الساری، لمعات ومرقات وغیرہ میں اس احتمال کی تصریح ہے۔

ثانیاً: **اقول:** ممکن کہ مجلس عورتوں، کنیزوں، کم فہم لوگوں کی تھی ان میں منع فرمایا کہ توہّم ذاتیت کا سدِ باب ہو، شرح حکیم ہے اور امام الوہابیہ کی مت اوندھی جو متحمل ذو وجوہ بات جس میں برے پہلو کی طرف لے جانے کا احتمال ہو چھوکریوں کو منع کی جائے دانشمند مردوں کے لیے اس کی ممانعت بدرجہ اَولٰی جانتا ہے حالانکہ معاملہ صاف اُلٹا ہے ایسی بات سے کم علموں کم فہموں کو روکتے ہیں کہ غلط نہ سمجھ بیٹھیں، عاقلوں دانشمندوں کو منع کیا ضرور کہ ان سے اندیشہ نہیں۔ص566

احکامِ شریعت حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سپرد ہیں

ائمۂ دین خدا اور سول کے فرض میں فرق فرماتے ہیں کہ خدا کا کیا ہوا فرض اس فرض سے اقوی ہے جسے رسول نے فرض کیا ہے۔ اور ائمۂ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ احکامِ شریعت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سپرد ہیں جو بات چاہیں واجب کر دیں جو چاہیں ناجائز فرما دیں، جس چیز یا جس شخص کو جس حکم سے چاہیں مستثنٰی فرما دیں۔ص518

اللہ و رسول چاہے گا تو فلاں کام ہو جائے گا کہنا کیسا؟

(اسماعیل دہلوی تقویۃ الایمان میں) مشکوٰۃ کے باب الاسامی سے شرح السنہ کی حدیث بروایت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ لایا کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **لاتقولوا ماشاء اللہ وشاء محمد وقولوا ماشاء اللہ وحدہ**۔ نہ کہو جو چاہے اللہ اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوں کہو کہ جو چاہے ایک اللہ۔

اور اس پر یہ فائدہ چڑھایا: ''یعنی جو کہ اللہ کی شان ہے اور اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں سو اس میں اللہ کے ساتھ کسی مخلوق کو نہ ملا دے گو کیسا ہی بڑا ہو مثلاً یوں نہ بولو کہ اللہ و رسول چاہے گا تو فلاں کام ہو جائے گا کہ سارا کاروبار جہاں کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا''۔

اَقول: وباللہ التوفیق

اولاً: وہی قدیم لت وہی پرانی علت کو دعوے کے وقت آسمان نشین اور دلیل لانے میں اسفل السافلین۔ حدیث میں تو اتنا ہے کہ ''یوں نہ کہو'' وہ شرک کا حکم کدھر گیا۔

ثانیاً: سخت عیاری و مکاری کی چال چلا، مشکوٰۃ شریف کے بابِ مذکور میں حدیثِ حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یوں مذکور تھی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **لاتقولوا ماشاء اللہ وشاء فلان ولکن قولوا ماشاء اللہ ثم شاء فلان**۔ نہ کہو جو چاہے اللہ اور چاہے فلاں بلکہ یوں کہو جو چاہے اللہ پھر چاہے فلاں۔

اور ایک روایت منقطع یعنی جس کی سند نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل نہیں یوں آئی ہے یہاں وہ روایتِ شرح السنہ ذکر کی ہوشیار عیار نے دیکھا کہ اصل حدیث تو اس کے دعوئ شرک کو داخلِ جہنم کئے دیتی ہے اسے صاف الگ اُڑا گیا اور فقط یہ منقطع روایت نقل کر لیا۔ کیا یہ سمجھتا تھا کہ مشکوٰۃ اہلِ علم کی نظر سے نہاں ہے، نہیں نہیں، خوب جانتا تھا کہ مبتدی طالبِ علم حدیث میں پہلے اسی کو پڑھتا ہے مگر اسے تو ان بیچارے عوام کو چھلنا مقصود تھا جنہیں علم کی ہوا نہ لگی سمجھ لیا کہ ان پر اندھیری ڈال ہی لوں گا، اہلِ علم نے اور کون سی مانی ہے کہ اسی پر معترض ہوں گے۔ ع اس آنکھ سے ڈریے جو خدا سے نہ ڈرے آنکھ

ثالثاً: امام الوہابیہ کا تو مبلغِ علم یہی مشکوٰۃ ہے، ہم اس مطلب کی احادیث اول ذکر کریں پھر بتوفیقہٖ تعالیٰ ثابت کر دکھائیں کہ یہی حدیثیں اس کے شرک کا کیسا سر توڑتی ہیں۔ اول تو یہی حدیثِ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی (حدیث) احمد وابی داؤد نے یوں مختصراً اور ابنِ ماجہ نے بسندِ حسن اس طرح مطولاً روایت کی: حدثنا هشام بن عمار ثنا سفیان بن عیینه عن عبدالملك بن عمیر عن ربعی بن حراش عن حذیفة بن الیمان رضی الله تعالیٰ عنهما ان رجلاً من المسلمین رأی فی النوم انه لقی رجلاً من اهل الکتاب فقال نعم القوم انتم لولا انکم تشرکون تقولون ما شاء الله وشاء محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وذکر ذٰلك للنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال اما والله ان کنت لاعرفها لکم قولوا ما شاء الله ثم ما شاء محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔ یعنی اہلِ اسلام سے کسی صاحب کو خواب میں ایک کتابی ملا وہ بولا: تم بہت خوب لوگ ہو اگر شرک نہ کرتے تم کہتے ہو جو چاہے اللہ اور چاہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ان مسلم نے یہ خواب حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی، فرمایا: سنتے ہو خدا کی قسم تمہاری اس بات پر مجھے بھی خیال گزرتا تھا یوں کہا کرو جو چاہے اللہ پھر جو چاہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حدیث: ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا حلف احدکم فلا یقل ما شاء الله وشئت ولکن لیقل ما شاء الله ثم شئت۔ جب تم میں سے کوئی شخص قسم کھائے تو یوں نہ کہے کہ جو چاہے اللہ اور میں چاہوں، ہاں یوں کہے کہ جو چاہے اللہ پھر میں چاہوں۔

اقول: وباللہ التوفیق اب بفضلہٖ تعالیٰ ملاحظہ کیجئے کہ یہی حدیثیں اس کے دعوئ شرک کو کس کس طرح جہنم رسید فرماتی ہیں:

اولاً: ان احادیث سے ثابت کہ صحابہ کرام میں قول کہ اللہ ورسول چاہیں تو یہ کام ہوجائے گا یا اللہ اور تم چاہو تو یوں ہوگا شائع وذائع تھا اور حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر مطلع تھے اور انکار نہ فرماتے تھے بلکہ اس عالمِ یہود کے ظاہر الفاظ تو یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بھی ایسا فرمایا کرتے تھے، امام الوہابیہ اسے شرک کہتا ہے، تو ثابت ہوا کہ اس کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شرک کرتے تھے اور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منع نہ فرماتے تھے۔

ثانیاً: حدیثِ طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لفظ دیکھو کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس لفظ کا خیال مجھے بھی گزرتا تھا مگر تمہارے لحاظ سے منع نہ کرتا تھا۔ جب یہ لفظ امام الوہابیہ کے نزدیک شرک ٹھہرا تو معاذ اللہ نبی نے دانستہ شرک کو گوارا کیا اور اس سے ممانعت پر اپنے یاروں کے لحاظ پاس کو غلبہ دیا اور امام الوہابیہ کے یہاں یہ نبوت کی شان ہے، **والعیاذ باللہ رب العالمین**۔

ثالثاً: ایک یہودی نے آکر اعتراض کیا اس کے بعد حکمِ ممانعت ہوا، تو امام الوہابیہ کے نزدیک صحابہ کرام بلکہ سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سچی توحید اور اس پر استقامت کی تاکید ایک یہودی نے سکھائی **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

رابعاً: قُتَیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیثِ صحیح دیکھو، اس یہودی کی عرض پر بھی فوراً حضور نے ممانعت نہ فرمائی بلکہ ایک زمانہ کے بعد خیال آیا اور فرمایا: وہ یہودی اعتراض کر گیا ہے اچھا یوں نہ کہا کرو۔ تو امام الوہابیہ کے نزدیک اللہ کے رسول نے آپ تو شرک سے نہ روکا یا شرک کو شرک نہ جانا جب ایک کافر نے بتایا اس پر بھی ایک مدت تک شرک کو روا رکھا پھر ممانعت بھی کی تو یوں نہیں کی شرک کی برائی سے، بلکہ یوں کہ ایک مخالف اعتراض کرتا ہے لہٰذا چھوڑ دو۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔

خامساً: ان سب وقتوں کے بعد جو تعلیم فرمائی وہ بھی ہماں آس در کا سہ لائی ارشاد ہوا کہ یوں کہا کرو "جو چاہے اللہ پھر چاہیں محمد" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ تو یہ کام ہوگا، امام الوہابیہ کے لفظ یاد کیجئے: "یہ خاص اللہ کی شان ہے اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔"

مسلمانو! لِلہ اِنصاف، جو بات خاص شانِ الٰہی عزوجل ہے جس میں کسی مخلوق کو کچھ دخل نہیں اس میں دوسرے کو خدا کے ساتھ "اور" کہہ کر ملایا تو کیا اور "پھر" کہہ کر ملایا تو کیا، شرک سے کیونکر نجات ہوجائے گی۔ مثلاً آسمان وزمین کا خالق ہونا، اپنی ذاتی قدرت سے تمام اولین وآخرین کا رزّاق ہونا خاص خدا کی شانیں ہیں۔ کیا اگر کوئی یوں کہے کہ اللہ ورسول خالق السمٰوٰت والارض ہیں، اللہ ورسول اپنی ذاتی قدرت سے رازقِ عالم ہیں جبھی شرک ہوگا۔ اور اگر کہے کہ اللہ پھر رسول خالق السمٰوٰت والارض ہیں، اللہ پھر رسول اپنی ذاتی قدرت سے رازقِ جہاں ہیں تو شرک نہ ہوگا؟

مسلمانو! گمراہوں کے امتحان کے لیے ان کے سامنے یونہی کہہ دیکھو کہ اللہ پھر رسول عالم الغیب ہیں، اللہ پھر رسول ہماری مشکلیں کھول دیں، دیکھو تو یہ حکمِ شرک جڑتے ہیں یا نہیں۔ اسی لئے تو یہ عیار مشکوٰۃ کی اس حدیثِ متصل صحیح ابوداؤد کی میر بجری بچا گیا تھا جس میں لفظ "پھر" کے ساتھ اجازت ارشاد ہوئی تو ثابت ہوا کہ اس مردک کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودی کا اعتراض پاکر بھی جو تبدیلی کی وہ خود شرک کی شرک ہی رہی۔

مسلمانو! یہ حاصل ہے رسولوں کی جناب میں اس گستاخ کے اعتقاد کا۔ {وَ سَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ} (اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت) یہ تو ان کے طور پر نتیجۂ احادیث تھا ہم اہلِ حق کے طور پر پوچھو تو اقول وباللہ التوفیق (تو میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) بحمد اللہ تعالیٰ نہ صحابہ نے شرک کیا نہ معاذ اللہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرک سن کر گوارفرمایا، کسی کے لحاظ و پاس کو کام میں لانا ممکن نہ تھا، نہ یہودی مردک تعلیمِ توحید کرسکتا تھا، بلکہ حقیقتِ امری یہ ہے کہ مشیتِ حقیقیہ ذاتیہ مستقلہ اللہ عزوجل کے لیے خاص ہے اور مشیتِ عطائیہ تابعہ لمشیۃ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد کو عطا کی ہے۔

اس مشیتِ مبارکہ عطائیہ کے باعث صحابہ کرام نام الٰہی عزجلالہ کے ساتھ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامِ پاک ملا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ ورسول چاہیں تو یہ کام ہوجائے گا مگر از انجا کہ طریقِ ادب سے اَقرب واَنسب یہ ہے کہ مشیتِ ذاتیہ ومشیتِ عطائیہ میں فرقِ مراتب نفسِ کلام سے واضح ہو کہ کسی اَحمق کو توہّم مساوات نہ گزرے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کلمے پر خیال گزرتا تھا پھر ملاحظہ فرماتے کہ یہ اہلِ توحید ہیں معنیٔ حق وصدق انہیں ملحوظ ہیں محبتِ خدا اور رسول اور نامِ پاک خلیفۃ اللہ الاعظم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تبرک وتوسل انہیں اس قول پر باعث ہے اور بات فی نفسہٖ شرعاً ممنوع نہیں کہ واوٴ مطلق جمع کے لیے ہے نہ مساوات نہ معیت کے واسطے، لہٰذا منع نہ فرماتے تھے۔ ص582

رسالہ: (محبوب خدا صلی للہ علیہ وسلم کی عرش تک رسائی اور دیدارِ الٰہی کے بارے میں مطلوب سے خبردار کرنے والا)۔ص638

شبِ معراج نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنے رب کو دیکھنا ثابت ہے

امام احمد اپنی مسند میں حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأیت ربی عزوجل۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

امام جلال الدین سیوطی خصائصِ کبریٰ اور علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں: یہ حدیث بسندِ صحیح ہے۔

ابنِ عساکر حضرتِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، حضور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لان اللہ اعطی موسی الکلام واعطانی الرؤیۃ لوجھہ وفضلنی بالمقام المحمود والحوض المورود۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو دولتِ کلام بخشی اور مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا مجھ کو شفاعتِ کبریٰ و حوضِ کوثر سے فضیلت بخشی۔

وہی محدث حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لی ربی نحلت ابرٰھیم خلتی وکلمت موسی تکلیما واعطیتك یا محمد کفاحا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے میرے رب عزوجل نے فرمایا میں نے ابراہیم کو اپنی دوستی دی اور موسی سے کلام فرمایا اور تمہیں اے محمد! مواجہ بخشا کہ بے پردہ و حجاب تم نے میرا جمالِ پاک دیکھا۔

آثارُ الصحابہ:

ترمذی شریف میں حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی: اما نحن بنو ھاشم فنقول ان محمدا رای ربہ مرتین ہم بنی ہاشم اہلبیتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ بیشک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دوبار دیکھا۔

اِبنِ اسحٰق عبداللہ بن ابی سلمہ سے راوی: ان ابن عمر ارسل الی ابن عباس یسألہ ھل رای محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربہ، فقال نعم۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کرا بھیجا: کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ص637

ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شبِ معراج مبارک عرشِ عظیم تک تشریف لے جانا علمائے کرام وائمہ اعلام نے تحریر فرمایا ہے یا نہیں؟

الجواب: بیشک علمائے کرام ائمۂ دین عدول ثقات معتمدین نے اپنی تصانیفِ جلیلہ میں اس کی اور اس سے زائد کی تصریحاتِ جلیلہ فرمائی ہیں، اور یہ سب احادیث ہیں، اگرچہ احادیثِ مرسل یا ایک اصطلاح پر معضَل ہیں، اور حدیثِ مرسل و معضل بابِ فضائل میں بالا جماع مقبول ہے خصوصاً جبکہ ناقلین ثقات عدول ہیں اور یہ امر ایسا نہیں جس میں رائے کو دخل ہو تو ضرور ثبوتِ سند پر محمول، اور مثبت نافی پر مقدم، اور عدمِ اطلاع اطلاعِ عدم نہیں۔ص643

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) شیخ سلیمٰن نے عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمانے کو ترجیح دی، اور امام ابنِ حجر مکی وغیرہ کی عبارتِ ماضیہ وآتیہ وغیرہا میں فوق العرش ولامکان کی تصریح ہے، لامکان یقیناً فوق العرش ہے اور حقیقۃً دونوں قولوں میں کچھ اختلاف نہیں، عرش تک منتہائے مکان ہے، اس سے آگے لامکان ہے، اور جسم نہ ہوگا مگر مکان میں، تو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جسمِ مبارک سے منتہائے عرش تک تشریف لے گئے اور روحِ اقدس نے وراءُ الوراء تک ترقی فرمائی جسے ان کا رب جانے جو لے گیا، پھر وہ جانیں جو تشریف لے گئے۔ص648

رسالہ: صلاتُ الصفاء فی نور المصطفٰی

(نورِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بیان میں صفائی باطن کے انعامات)۔ص657

تمام انبیاء علیہم السلام نجاست سے پاک ومنزہ پیدا ہوئے

نجاست سے آلودہ پیدا ہونے میں سب مخلوق شریک نہیں، تمام انبیاء علیہم السلام پاک ومنزہ پیدا ہوئے بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضراتِ حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی صاف ستھرے پیدا ہوئے۔نور کے معنی فضل کے نہیں۔(مثال سمجھانے کو ہوتی ہے نہ کہ ہر طرح برابری بتانے کو، قرآنِ عظیم میں نورِ الٰہی کی مثال دی {كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ} (جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔ت) کہاں چراغ اور قندیل اور کہاں نورِ ربِّ جلیل)۔ص662

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے نور سے پیدا ہیں یا نہیں؟ اگر اللہ کے نور سے پیدا ہوئے نورِ ذاتی سے یا نورِ صفاتی سے یا دونوں سے؟ اور نور کیا چیز ہے؟

الجواب: نور عرفِ عامہ میں ایک کیفیت ہے کہ نگاہ پہلے اسے ادراک کرتی ہے اور اس کے واسطے سے دوسری اشیائے دیدنی کو۔ قال السید فی تعریفاتہ النور کیفیۃ تدرکھا الباصرۃ اولا وبواسطتھا سائر المبصرات۔علامہ سید شریف جرجانی نے فرمایا: نور ایک ایسی کیفیت ہے جس کا اِدراک قوتِ باصرہ پہلے کرتی ہے پھر اس کے واسطے سے تمام مبصرات کا ادراک کرتی ہے۔(ت)

اور حق یہ کہ نور اس سے اَجلیٰ ہے کہ اس کی تعریف کی جائے، یہ جو بیان ہوا تعریفُ الجلی بالخفی ہے کمانبہ علیہ فی المواقف وشرحھا (جیسا کہ مواقف اور اس کی شرح میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے۔ت) نور بایں معنٰی ایک عرض وحادث ہے اور رب عزوجل اس سے منزّہ۔محققین کے نزدیک نور وہ کہ خود ظاہر ہو اور دوسروں کا مُظہِر، (جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی نے پھر شرح مواہب شریف میں علامہ زرقانی نے ذکر فرمایا ہے۔ت) بایں معنی اللہ عزوجل نورِ حقیقی ہے بلکہ حقیقۃً وہی نور ہے اور آیۂ کریمہ {اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ} (اللہ تعالٰی نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ت) بلا تکلف وبلا دلیل اپنے معنی حقیقی پر ہے۔(کیونکہ اللہ عزوجل بلاشبہ خود ظاہر ہے اور اپنے غیر یعنی آسمانوں، زمینوں، ان کے اندر پائی جانے والی تمام اشیاء اور دیگر مخلوقات کو ظاہر کرنے والا ہے۔ت)

حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلاشبہ اللہ عزوجل کے نورِ ذاتی سے پیدا ہیں۔حدیث شریف میں وارد ہے: ان

اللہ تعالٰی قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہٖ۔رواہ عبدالرزاق ونحوہ عندالبیھقی۔اے جابر! بیشک اللہ تعالٰی نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔(اس کو عبدالرزاق نے روایت کیا اور بیہقی کے نزدیک اس کے ہم معنٰی ہے۔ت)

حدیث میں ''نورہٖ'' فرمایا جس کی ضمیر اللہ کی طرف ہے کہ اسمِ ذات ہے من نور جمالہ یا نور علمہ یا نور رحمتہ (اپنے جمال کے نور سے یا اپنے علم کے نور سے یا اپنی رحمت کے نور سے۔ت) وغیرہ نہ فرمایا کہ نورِ صفات سے تخلیق ہو۔علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالٰی اسی حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں: (مِنْ نُوْرِہٖ) اَیْ مِنْ نُوْرٍ ھو ذاتہ یعنی اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس نور سے پیدا کیا جو عین ذاتِ الٰہی ہے، یعنی اپنی ذات سے بلاواسطہ پیدا فرمایا، ہاں عین ذاتِ الٰہی سے پیدا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ ذاتِ الٰہی ذاتِ رسالت کے لئے مادہ ہے جیسے مٹی سے انسان پیدا ہو، یا عیاذاً باللہ ذاتِ الٰہی کا کوئی حصہ یا کُل، ذاتِ نبی ہو گیا۔اللہ عزوجل حصے اور ٹکڑے اور کسی کے ساتھ متحد ہو جانے یا کسی شے میں حلول فرمانے سے پاک ومنزہ ہے، حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خواہ کسی شے کو جزءِ ذاتِ الٰہی خواہ کسی مخلوق کو عین ونفسِ ذاتِ الٰہی ماننا کفر ہے۔

اس تخلیق کے اصل معنی تو اللہ ورسول جانیں، جَلَّ وَعَلَا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عالَم میں ذاتِ رسول کو تو کوئی پہچانتا نہیں۔ حدیث میں ہے: یا ابابکر لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی۔اے ابُوبکر! مجھے جیسا میں حقیقت میں ہوں میرے رب کے سوا کسی نے نہ جانا۔

ذاتِ الٰہی سے اس کے پیدا ہونے کی حقیقت کسے مفہوم ہو؟ مگر اس میں فہمِ ظاہر بیں کا جتنا حصہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرتِ حق عزجلالہ، نے تمام جہان کو حضور پُرنُور محبوبِ اَکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے واسطے پیدا فرمایا، حضور نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔لولاک لما خلقت الدنیا۔اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو نہ بناتا۔(ت)

تو سارا جہان ذاتِ الٰہی سے بواسطہ حضور صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیدا ہوا یعنی حضور کے واسطے حضور کے صدقے حضور کے طفیل میں۔ت) بخلاف ہمارے حضور عینُ النّور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کہ وہ کسی کے طفیل میں نہیں، اپنے رب کے سوا کسی کے واسطے نہیں تو وہ ذاتِ الٰہی سے بلاواسطہ پیدا ہیں۔ص665

رسالہ: قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
(سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سایہ کی نفی میں کامل چاند)۔ص715

سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسمِ اَقدس کا سایہ تھا یا نہیں؟

الجواب: بیشک اس مہرِ سپہرِ اِصطفاء، ماہِ منیرِ اِجتباء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا اور یہ امر اَحادیث واقوالِ ائمہ ٔ کرام سے ثابت، اکابر ائمہ وعلماء فضلاء کہ آج کل کے مدعیانِ خام کار کوان کی شاگردی بلکہ ان کے کلام کے سمجھنے کی لیاقت نہیں، خلفاً، سلفاً، دائماً اپنی تصانیف میں اس معنٰی کی تصریح فرماتے آئے اور اس پر دلائلِ باہرہ وحُجج قاہرہ قائم، جن پر مفتیِ عقل وقاضیِ نقل نے باہم اِتفاق کر کے ان کی تاسیس وتشیید کی آج تک کسی عالمِ دین سے اس کا اِنکار منقول نہ ہوا۔ص716

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت کا درسِ رضا و گستاخوں کو نصیحت

اے عزیز! ایمان، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت سے مربوط ہے اور آتشِ جاں سوز جہنم سے نجات ان کی اُلفت پر منوط (منحصر ہے۔ت) جو ان سے محبت نہیں رکھتا، واللہ کہ ایمان کی بُو اُس کے مشام (ناک) تک نہ آئی، وہ خود فرماتے ہیں: لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ تم میں سے کسی کو ایمان حاصل نہیں ہوتا جب تک میں اس کے ماں باپ اور اولاد، سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔

اور آفتابِ نیم روز کی طرح روشن کہ آدمی ہمہ تن اپنے محبوب کے نشرِ فضائل وتکثیرِ مدائح میں مشغول رہتا ہے اور جو بات اس کی خوبی اور تعریف کی سنتا ہے کیسی خوشی اور طیبِ خاطر سے اِظہار کرتا ہے، سچی فضیلتوں کا مٹانا اور شام وسحر نفیِ اَوصاف کی فکر میں رہنا کام دشمن کا ہے نہ کہ دوست کا۔

جانِ برادر! تُو نے کبھی سُنا ہے کہ جس کو تجھ سے اُلفتِ صادقہ ہے وہ تیری اچھی بات سن کر چیں بہ جبیں ہو اور اس کی محو کی فکر میں رہے اور پھر محبوب بھی کیسا، جانِ ایمان وکانِ اِحسان، جس کے جمالِ جہاں آراء کا نظیر کہیں نہ ملے گا اور خامۂ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا، کیسا محبوب، جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لئے رحمت بھیجا۔ کیسا محبوب، جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اُٹھالیا۔ کیسا محبوب، جس نے تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کر دیا، تم رات دن اس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو ولعب میں مشغول ہو اور وہ تمہاری بخشش کے لئے شب وروز گریاں وملول۔

شب، کہ اللہ جل جلالہ، نے آسائش کے لئے بنائی، اپنے تسکین بخش پردے چھوڑے ہوئے موقوف ہے، صبح قریب ہے، ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا ہو رہا ہے، ہر ایک کا جی اس وقت آرام کی طرف جھکتا ہے، بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مست خوابِ ناز ہے اور جو محتاج بے نوا ہے اس کے بھی پاؤں دوگز کی کملی میں دراز، ایسے سہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ میں، وہ معصوم، بے گناہ، پاک داماں، عصمت پناہ اپنی راحت وآسائش کو چھوڑ، خواب وآرام سے منہ موڑ، جبینِ نیاز آستانۂ عزت پر رکھے ہے کہ الٰہی! میری امت سیاہ کار ہے، درگزر فرما، اور ان کے تمام جسموں کو آتشِ دوزخ سے بچا۔

جب وہ جانِ راحت کانِ رَافت پیدا ہوا بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کیا اور رَبِّ هَبْ لِيْ اُمَّتِيْ فرمایا، جب قبر شریف میں اُتارا لبِ جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا آہستہ آہستہ اُمتی اُمتی فرماتے تھے۔ قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے، تانبے کی زمین، ننگے پاؤں، زبانیں پیاس سے باہر، آفتاب سروں پر، سائے کا پتہ نہیں، حساب کا دَغدغہ، مَلِکِ قہار کا سامنا، عالَم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا، مجرمانِ بے یار دامِ آفت کے گرفتار، جدھر جائیں گے سوا نَفْسِيْ نفسی اِذْهَبُوْا الی غیری کچھ جواب نہ پائیں گے۔ اس وقت یہی محبوبِ غمگسار کام آئے گا، قفلِ شفاعت اس کے زورِ بازو سے کُھل جائے گا، عمامہ سرِ اَقدس سے اُتاریں گے اور سربسجود ہو کر ''یارَبِّ اُمتی''۔ فرمائیں گے۔ وائے بے انصافی! ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جان نثار کرنا اور مدح وستائش ونشرِ فضائل سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب یا یہ کہ حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے اور ان روشن خوبیوں میں اِنکار کی شاخیں نکالے۔

مانا کہ ہمیں احسان شناسی سے حصہ نہ ملا، نہ قلب عشق آشنا ہے کہ حُسن پسند یا اِحسان دوست، مگر یہ تو وہاں چل سکے جس کا احسان اگر نہ مانئے، اس کی مخالفت کیجئے تو کوئی مَضرت نہ پہنچے اور یہ محبوب تو ایسا ہے کہ بے اِس کی کفش بوسی کے جہنم سے نجات میسر، نہ دنیاوعقبٰی میں کہیں ٹھکانا متصوّر، پھر اگر اس کے حسن واِحسان پروالہ وشیدانہ ہوتو اپنے نفع وضرر کے لحاظ سے عقیدت رکھو۔

اے عزیز! چشمِ خِرد میں سرمۂ انصاف لگا اور گوشِ قبول سے پنبۂ اِنکار نکال، پھر تمام اہلِ اسلام بلکہ ہر مذہب وملت کے عقلاء سے پُوچھتا پھر عُشاق کا اپنے محبوب کے ساتھ کیا طریقہ ہوتا ہے اور غلاموں کو مولیٰ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے، آیا نشرِ فضائل وتکثیرِ مدائح اوران کی خوبیِ حسن سن کر باغ باغ ہوجانا، جامے میں پُھولا نہ سمانا یا رَدِ محاسن، نفیِ کمالات اوران کے اوصافِ حمیدہ سے بہ اِنکار وتکذیب پیش آنا، اگر ایک عاقل منصف بھی تجھ سے کہہ دے کہ نہ وہ دوستی کا مقتضٰی نہ یہ غلامی کے خلاف ہے تو تجھے اختیار ہے ورنہ خدا ورسول سے شرما اوراس حرکتِ بے جاسے باز آ، یقین جان لے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیاں تیرے مٹائے سے نہ مٹیں گی۔

جانِ برادر! اپنے ایمان پر رحم کر، خدائے قہار وجبار جل جلالہ، سے لڑائی نہ باندھ، وہ تیرے اور تمام جہان کی پیدائش سے پہلے اَزل میں لکھ چکا تھا {وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ} یعنی ارشاد ہوتا ہے اے محبوب ہمارے! ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا کہ جہاں ہماری یاد ہوگی تمہارا بھی چرچا ہوگا اور ایمان بے تمہاری یاد کے ہرگز پورا نہ ہوگا، آسمانوں کے طبقے اور زمینوں کے پردے تمہارے نام نامی سے گونجیں گے، مؤذن اَذانوں اورخطیب خطبوں اور ذاکرین اپنی مجالس اور واعظین اپنے منابِر پر ہمارے ذکر کے ساتھ تمہاری یاد کریں گے، اَشجار واَحجار، آہُو وسُوسمار ودیگر جاندار واَطفالِ شیرخوار ومعبودانِ کفار جس طرح ہماری توحید بتائیں گے ویسا ہی بہ زبانِ فصیح وبیانِ صحیح تمہارا منشورِ رسالت پڑھ کر سنائیں گے، چاراَ کنافِ عالم میں لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا غلغلہ ہوگا، جُز اَشقیائے اَزل ہر ذرہ کلمۂ شہادت پڑھتا ہوگا، مسبِّحانِ ملاء اعلیٰ کو ادھر اپنی تسبیح وتقدیس میں مصروف کروں گا اُدھر تمھارے محمود درودِ مسعود کا حکم دوں گا، عرش وکرسی، ہفت اَوراقِ سدرہ، قصورِ جناں، جہاں پر اللہ لکھوں گا، محمد رسول اللہ بھی تحریر فرماؤں گا، اپنے پیغمبروں اور اُولوالعزم رسولوں کو ارشاد کروں گا کہ ہر وقت تمہارا دَم بھریں اور تمہاری یاد سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور جگر کو ٹھنڈک اور قلب کو تسکین اور بزم کو تزئین دیں، جو کتاب نازل کروں گا اس میں تمہاری مدح وستائش اور جمالِ صورت وکمالِ سیرت ایسی تشریح وتوضیح سے بیان کروں گا کہ سننے والوں کے دل بے اختیار تمہاری طرف جھک جائیں اور نادِیدہ تمہارے عشق کی شمع ان کے کانوں، سینوں میں بھڑک اُٹھے گی، ایک عالم اگر تمہارا دشمن ہوکر تمہاری تنقیصِ شان اور محوِ فضائل میں مشغول ہوتو میں قادرِ مطلق ہوں، میرے ساتھ کسی کا کیا بس چلے گا۔ آخر اُسی وعدے کا اثر تھا کہ یہود صدہا برس سے اپنی کتابوں سے ان کا ذِکر نکالتے اور چاند پر خاک ڈالتے ہیں تو اہلِ ایمان اس بلند آواز سے ان کی نعت سناتے ہیں کہ سامع اگر اِنصاف کرے بے ساختہ پکار اُٹھے، لاکھوں بے دینوں نے ان کے محوِ فضائل پر کمر باندھی، مگر مٹانے والے خود مٹ گئے اوران کی خوبی روز بروز مترقّی رہی، پھر اپنے مقصود سے تو یاس وناامیدی کرلینا مناسب ہے ورنہ بربِ کعبہ ان کا کچھ نقصان نہیں، بالآخر ایک دن تُو نہیں، تیرا ایمان نہیں۔

اے عزیز! سلف صالح کی رَوش اِختیار کر اوران کے قدم پر قدم رکھ، ائمۂ دِین کا وَطیرہ ایسے معاملات میں دائماً تسلیم وقبول رہا ہے، جب کسی ثقہ معتمد علیہ نے کوئی معجزہ یا خاصہ ذکر کردیا اسے مرحبا کہہ لیا اور حبیبِ جان میں بہ طیبِ خاطر جگہ دی،

یہاں تک کہ اگر اپنے آپ اَحادیث میں اس کی اصل نہ پائی، قصور اپنی نظر کا جانا، یہ نہ کہا کہ غلط ہے، باطل ہے، کسی حدیث میں وارد نہیں، نہ یہی ہوا کہ جب حدیث سے ثبوت نہ ملا تھا اس کے ذکر سے باز رہتے بلکہ اسی طرح اپنی تصانیف میں اس کے ذکر سے باز رہتے بلکہ اسی طرح اپنی تصانیف میں اس ثقہ کے اعتماد پر اُسے لکھتے آئے، اور کیوں نہ ہو، مقتضی عقلِ سلیم کا یہی ہے کہ:

فائدہ جلیلہ: جب ہم اسے ثقہ معتمد علیہ مان چکے اور وقوع ایسے معجزے کا یا اِختصاص ایسے خاصہ کا ذاتِ پاک سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بعید نہیں کہ اس سے عجیب تر معجزات بہ تواتر حضور سے ثابت، اوران کا رب اس سے زیادہ پر قادر، اوران کے لئے اس سے بہتر خصائص بالقطع مہیا اوران کی شان اس سے بھی اَرفع واَعلٰی، پھر اِنکار کی وجہ کیا ہے، تکذیب میں تو اس راوی سے ثقہ معتمد علیہ ہونا ثابت ہو چکا اور وثوق واعتماد اس کا بتاتا ہے کہ اگر مِنْ عندِ نفسہٖ کہہ دیتا خدا اور رسول پر مفتری ہوتا، {وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا} اوراس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ (ت)

ان وجوہ پر نظر کر کے سمجھ لیجئے کہ بالضرور اس نے حدیث پائی، گو ہماری نظر میں نہ آئی، ہر چند کہ فقیر کا یہ دعوٰی اس شخص کے نزدیک بالکل بدیہی ہے جو خدمتِ حدیث وسِیَر میں رہا اور اس راہ میں رَوِشِ علماء کو مشاہدہ کیا مگر ناواقفوں کے اِفہام اورمنکروں پر اِلزام کے لئے چند مثالیں بیان کرتا ہوں۔ ص716

خصائصِ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اولاً: جسمِ اَقدس ولباسِ اَنفس پر مکھی نہ بیٹھنا۔ علامہ ابنِ سبع نے خصائص میں ذکر فرمایا علماء نے تصریح کی اس کا راوی معلوم نہ ہوا، اور باوجود اس کے بلانکیر اپنی کتابوں میں اسے ذکر فرماتے آئے۔

ثانیاً: ابنِ سبع نے حضور کے خصائص میں کہا جُوں آپ کو اِیذا نہ دیتی۔ علامہ سیوطی نے خصائصِ کبرٰی میں اس طرح ابنِ سبع سے نقل کیا اور برقرار رکھا (جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ت) اورملا علی قاری شرح شمائل میں فرماتے ہیں: **ومن خواصہ ان ثوبہ لم یقمل** آپ کے مبارک کپڑوں میں جوئیں نہیں ہوتی تھیں۔ (ت)

ثالثاً: ابنِ سبع نے فرمایا جس جانور پر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سوار ہوتے عمر بھر ویسا ہی رہتا اور حضور کی برکت سے بوڑھا نہ ہوتا۔

رابعاً: ابوعبدالرحمن بقی بن مخلد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے، جو اکابر اعیانِ مائۃ ثالثہ سے ہیں حضرتِ ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے حکایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جیسا روشنی میں دیکھتے تھے ویسا ہی تاریکی میں۔ اس حدیث کو بیہقی نے موصولاً مسنداً روایت کیا اورعلامہ خفاجی نے اکابر علماء مثل ابن بشکوال وعقیلی وابنِ جوزی وسہیلی سے اس کی تضعیف نقل کی، یہاں تک کہ ذہبی نے تو میزان الاعتدال میں موضوع ہی کہہ دیا۔ بہ ایں ہمہ خود علامہ خفاجی فرماتے ہیں: جیسا بقی بن مخلد وغیرہ ثقات نے اسے ذکر کیا اورحضورِ والا کی شان سے بعید نہیں تو اس کا انکار کس وجہ سے کیا جائے۔

اے عزیز! سنا تو نے، یہ ہے طریقۂ اراکینِ دینِ متین واَساطینِ شرعِ متین، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ومحبت میں، نہ یہ کہ جو معجزہ وخاصہ حضور کا اَحادیثِ صحیحہ سے ثابت اور اکابر علماء برابر اپنی تصانیفِ معتبرہ مستندہ میں، جن کا اعتبار واستناد آفتابِ نیمروز سے روشن تر ہے، بلانکیر ومنکر اس کی تصریح کرتے آئے ہوں اوراس کے ساتھ عقلِ سلیم نے ان پر وہ دلائلِ

ساطعہ قائم کئے ہوں جن پر کوئی حرف نہ رکھ سکے، بایں ہمہ اس سے انکار کیجئے اور حق ثابت کے رد پر اصرار، حالانکہ نہ ان حدیثوں میں کوئی سقمِ مقبول وجرحِ معقول مے دارد، نہ ان ائمہ کے مستند بادلائل معتمد ہونے میں کلام کرسکو، پھر اس مکابرہ، کج بحثی اور تحکم وزبردستی کا کیا علاج، زبان ہر ایک کی اس کے اختیار میں ہے چاہے دن کو رات کہہ دے یا شمس کو ظلمات۔ ص722

صحابۂ کرام اور بارگاہِ رسالت کا ادب

احادیثِ صحیحہ سے ثابت کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضورِ رسالت میں نہایت ادب ووقار سے سر جھکائے، آنکھیں نیچی کئے بیٹھے، رُعبِ جلالِ سلطانی ان کے قلوبِ صافیہ پر ایسا مستولی ہوتا کہ اوپر نگاہ اُٹھانا ممکن نہ تھا۔

مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم حدیبیہ کے طویل قصے میں ذکر کرتے ہیں کہ عروہ اصحابِ نبی کو گھور رہا تھا، اس نے کہا کہ بخدا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بھی ناک سنکی تو کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں پڑی اور اس نے اپنے چہرے پر مَلی اور اپنے جسم پر لگائی، جب آپ نے حکم دیا تو انہوں نے ماننے میں جلدی کی، جب آپ وضو فرماتے تو وہ وضو کا پانی لینے پر لڑنے کے قریب ہوجاتے، اور جب گفتگو فرماتے تو صحابہ اپنی آوازیں پست کرلیتے اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کی طرف نگاہ نہ کر پاتے تھے، تو وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا اور کہا میں قیصر وکسریٰ ونجاشی کے درباروں میں آیا مگر ایسا کوئی بادشاہ نہ دیکھا جس کی تعظیم اس کے ساتھی ایسے کرتے ہوں جیسی محمد کی ان کے صحابی کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے حلیہ شریف میں اکثر اکابر صحابہ سے حدیثیں وارد (نہیں) کہ وہ نگاہ بھر کر نہ دیکھ سکتے بلکہ نظر اُوپر نہ اُٹھاتے (جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ت) بلکہ اس معنیٰ میں کسی حدیث کے ورود کی بھی حاجت کیا تھی، عقلِ سلیم خود گواہی دیتی ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ نوابوں اور والیوں کے حاضرینِ درباران کے ساتھ کس ادب سے پیش آتے ہیں، اگر کھڑے ہیں تو نگاہ قدموں سے تجاوز نہیں کرتی، بیٹھے ہیں تو زانو سے آگے قدم نہیں رکھتے، خود اس حاکم سے نگاہ چار نہیں کرتے، پس وپیش یا دائیں بائیں دیکھنا تو بڑی بات ہے حالانکہ اس ادب کو صحابہ کرام کے ادب سے کیا نسبت، ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے زیادہ گراں تھا اور دربارِ اَقدس کی حاضری ان کے نزدیک مَلِکُ السمٰوٰت والارض کا سامنا اور کیوں نہ ہوتا کہ خود قرآنِ عزیز نے انہیں صدہا جگہ کان کھول کھول کر سنا دیا کہ ہمارا اور ہمارے محبوب کا معاملہ واحد ہے، اس کا مطیع ہمارا فرمانبردار اور اس کا عاصی ہمارا گنہگار، ان سے اُلفت ہمارے ساتھ محبت اور ان سے رَنجش ہم سے عداوت، ان کی تکریم ہماری تعظیم اور ان کے ساتھ گستاخی ہماری بے ادبی، لہٰذا جب ملازمتِ والا حاصل ہوئی قلب ان کے خوفِ خدا سے ممتلی اور گردنیں خم اور آنکھیں نیچی اور آوازیں پست اور اعضاء ساکن ہوجاتے، ایسی حالت میں نظر این وآں کی طرف کب ہوسکتی ہے جو سایہ کے عدم یا وجود کی طرف خیال جائے اور بالضرور ایسے سراپا اَدب، ہمہ تن تعظیم لوگوں کی نگاہ اپنے عرش پایۂ گاہ کی طرف بے غرضِ مہم نہ ہوگی، اس حالت میں نفس کو اس مقصود کی طرف توجہ ہوگی، مثلاً نظارۂ جمالِ باکمال یا حضور کا مطالعۂ اَفعال واَعمال، تاکہ خود ان کا اِتباع کریں اور غائبین تک روایت پہنچائیں کہ وہ حاملانِ شریعت تھے اور راویانِ ملت اور حاضری دربارِ اقدس سے ان کی غرضِ اعظم یہی تھی، جب نگاہ اس رُعب وہیبت اور اس ضرورت وحاجت کے ساتھ اُٹھے تو عقل گواہ ہے کہ ایسی حالت میں اِدھر اُدھر دھیان نہیں جائے گا کہ قامتِ اَقدس کا سایہ ہمیں نظر نہ آیا، آخر نہ سنا کہ

ایک ان کا نماز میں مصروف ہوتا، تکبیر کے ساتھ دونوں جہان سے ہاتھ اُٹھاتا، کوئی چیز سامنے گزرے اطلاع نہ ہوتی، اور کیسا ہی شور و غوغا ہو کان تک آواز نہ جاتی یہاں تک کہ مسلم بن یسار کہ تابعین میں ہیں نماز پڑھتے تھے، مسجد کا ستون گر پڑا، لوگ جمع ہوئے، شور و غوغا ہوا، انہیں مطلق خبر نہ ہوئی، یہی حالت صحابہ کی حضورِ رسالت میں تھی اور دربارِ نبوت میں بارگاہِ عزتِ باری۔

اے عزیز! زیادہ خوض بیکار ہے، تو اپنے ہی نفس کی طرف رجوع کر، اگر کسی مقام پر عالمِ رُعب وہیبت میں تیرا گزر ہوا ہو، وہاں جو کچھ پیشِ نظر آتا ہے اسے بھی اچھے طور پر اِدراکِ کامل نہیں کر سکتا، نہ امرِ معدوم کی طرف خیال کیا جائے کہ مثلاً اگر تجھے کسی والیِ مُلک سے ایسی ضرورت پیش آئے جس کی فکر تجھے دنیا و مافیہا پر مقدم ہو اور اس کے دربار تک رسائی کر کے اپنا عرضِ حال کرے تو تجھے اول تو رُعبِ سلطانی، دوسرے اپنی اس ضرورت کی طرف قلب کو نگرانی ہر چیز کی طرف توجہ سے مانع ہوں گے، پھر اگر تو واپس آئے اور تجھ سے سوال ہو وہاں دیواروں میں سنگِ موسیٰ تھا یا سنگِ مرمر اور تخت کے پائے سیمیں تھے یا زریں اور مسند کا رنگ سبز تھا یا سرخ؟ ہرگز ایک بات کا جواب نہ دے سکے گا بلکہ خود اسی بات کو پوچھا جائے کہ بادشاہ کا سایہ تھا یا نہ تھا، تو اگر چہ اس قیاس پر کہ سب آدمیوں کے لئے ظل ہے، ہاں کہہ دے مگر اپنے معائنے سے جواب نہ دے سکے گا۔

صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تو اول روزِ ملامت سے تا آخر حیات جو کیفیت رُعب وہیبت کی طاری رہی، ہماری عقولِ ناقصہ اس کی مقدار کے اِدراک سے بھی عاجز ہیں، پھر ان کی نظر اُوپر اُٹھ سکتی اور چپ وراست دیکھ سکتی کہ سائے کے عدم یا وجود پر اطلاع ہوتی۔

ثم اقول: (پھر میں کہتا ہوں۔ت) اپنے نفس پر قیاس کر کے گمان نہ کرنا چاہیے کہ بعد مرورِ زمان وتکررِ حضور کے، ان کی اس حالت میں کمی ہو جاتی بلکہ بالیقین روز بہ روز زیادہ ہوتی کہ باعث اس پر دو امر ہیں: ایک خوف کہ اس عظمت کے تصور سے پیدا ہوا جو اس سلطانِ دوعالم کو بارگاہِ مَلِک السمٰوٰت والارض جل جلالہ میں حاصل ہے۔ دوسری محبتِ ایمانی کہ مستلزم خشوع کو اور منافیِ جرأت وبیباکی، اور یہ ظاہر کہ جس قدر دربارِ والا میں حضوری زائد ہوتی یہ دونوں امر جو اس پر باعث ہیں بڑھتے جاتے، حضور کے اخلاق وعادات اور رحمت والطاف معائنے میں آتے، حسن واحسان کے جلوے ہر دم لطف تازہ دکھاتے، قرآن آنکھوں کے سامنے نازل ہوتا اور طرح طرح سے اس بارگاہ کے آداب سکھاتا اور ظاہر فرماتا کہ: آدابِ بارگاہ ہمارا ان کا معاملہ واحد ہے، جو ان کا غلام ہے ہمارا قائد ہے، ان کے حضور آواز بلند کرنے سے عمل حبط ہو جاتے ہیں، انہیں نام لے کر پکارنے والے سخت سزائیں پاتے ہیں، اپنے جان ودل کا انہیں مالک جانو، ان کے حضور زندہ بدستِ مردہ ہو جاؤ، ہمارا ذکر ان کی یاد کے ساتھ ہے، ان کا ہاتھ بعینہٖ ہمارا ہاتھ ہے، ان کی رحمت ہماری مہر، ان کا غضب ہمارا قہر، جس قدر ملازمت زیادہ ہوتی حضور کی عظمت ومحبت ترقی پاتی اور وہ حالِ مذکور یعنی خشوع وخضوع ورعب، ہیبت روز اُفزوں کرتی قال تعالیٰ {زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا} (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ آیات ان کے ایمان کو زیادہ کرتی ہیں۔ت) اور ایمان حضور کی تعظیم ومحبت کا نام ہے (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)۔ص726

ختم شُد "الحمد للہ رب العٰلمین"